

بحر الفصاحت

— مولفہ —

مولوی نجم الغنی رام پوری

اُردو قواعد، معانی و بیان، عروض و قوافی اور نظم و نثر کی
سب سے بڑی اور مستند کتاب

— ناشر —

راجہ رام کمار بک ڈپو وارث نو لکھنؤ

قیمت مجلد ہش روپے

بحر الفصاحت — مؤلف — نجم الغنی رامپوری

نسخات ۱۲۵۰ صفحات

قیمت مجلد دس روپے

— ناشر —

راجہ رام کمار بک ڈپو

بیت وادٹ بیت

نولکشور بک ڈپو لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
 تقرظ رختہ قلم مولوی رشید احمد صاحب تحویلدار کتب خانہ ریاست
 رام پور خلف میان فضل احمد صاحب مجلہ قلمبندی

یہ وہ شیریں ہے کہ فراوان میں جس کے صدا

جس کا دیوانہ ہے ہر ایک وہ لیلے پر ہے

گو دنیا میں مختلف علوم و فنون کی ہزار ہا کتابیں ہزار بان میں لکھی گئیں اور لکھی جائیں گی۔ مگر
 اردو میں ایسی جامع اور مفید کتاب آج تک کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی۔ اس
 دعوے کی تصدیق کے لیے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک نظر اس کتاب کو دیکھ لیسا
 اس کے عظیم النظر ہونے کی کافی شہادت ہے ہر دیکھنے والا خود بخود کہہ کر اٹھے گا۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

جن خصوصیات کے لحاظ سے اس عجوبہ روزگار کو قدر دان ہاتھوں نے یکتائی کا تاج اور مقبولیت کا
 خلعت پہنا یا ہے وہ علمی اسرار و غوامض اور ادبی نکات و دقائق تو آراہ باب مثل و کمالات ہی کی
 باریک میں نظر میں دیکھ سکتی ہیں لیکن سمری طور پر دیکھنے سے جو متظر ظاہر میں نگاہوں کو نظر آتا ہے وہ
 بھی اس بحر فصاحت پر خمیں و آفرین کے بادل برس نے کے لیے کچھ کم نہیں ہے۔ اگر اس کے
 رنگارنگ مضامین کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک شگفتہ چمن ہے جسے پھولوں کی بہار
 دیکھ کر چمن کے پھول بھی خجالت سے عرف عرق میں اگر انفسا کی آب و تاب پر نظر کی جائے
 تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کان گھر ہے جس کے درشاہوار کی چمک کے آگے دیا کے موتی بھی
 شرم سے پانی پانی ہیں۔ اگر عبارت کی سلاست و روانی کی طرف خیال کیا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ ایک
 دریائے فصاحت موج زن ہے جسکی ہر لہر سلاست و روانی سے دیا وہ خوشنما ہے۔ غرض مجموعی حیثیت
 سے دیکھا جائے تو اس میں شک نہیں کہ اردو زبان اس مایہ ناز پر جتنا فخر کرے بجا ہے اور اہل زبان
 جس قدر اسکی تعریف میں رطب اللسان ہوں زیبا ہے۔ فوائد و منافع کے لحاظ سے یہ نسخہ کسی طرح
 نسخہ کہیا سے کم نہیں بلکہ بدرجہا بہتر ہے۔ فاضل مصنف نے ان اہم اور معرکہ آرا مباحث کا
 جسکی تحقیق میں ایک زمانہ صرف ہونے کے علاوہ بیش بہا کتب کا سرمایہ ہونے ہونے علمی قابلیت

اور محنت ساتھ برداشت کرنے کی بھی ضرورت تھی ولایاں و براہین سے سلیس عبارت میں نہایت شہجہ و
 بسط کے ساتھ تصفیہ کیا ہے اور ہر قسم کے شکوک و شبہات کو رفع کر کے راستا بیا صاف کر دیا کہ ایک
 شخص مہینوں کی مسافت ٹھٹھون میں طے کر سکتا ہے۔ فارسی و عربی میں تو قواعد صرف و نحو کی بہت سی
 کتابیں لکھی گئی ہیں مگر اردو میں اب تک کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس سے اردو زبان کی نحو کی ترکیب
 کرنے کا طریقہ معلوم ہو سکے اس عقدہ مشکل کو بھی مصنف نے اپنی بنیظیر قابلیت و کوشش سے
 اس طرح حل کیا ہے جسکی اس وقت کوئی دوسری مثال نظر نہیں آتی۔ ہزار آفرین اور لاکھ تحسینیں
 کی اس عالی مہنت پر کہ دوسروں کے نفع کی خاطر اپنی جان کو مال کو۔ وقت کو محض تصنیف و تالیف
 کے لیے وقف کر دیا۔ اور اس عظیم الشان کام میں گو کیسی ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر کسی حالت میں
 ہمت کو ہست نہ ہونے دیا اور اپنے ارادے سے کھو نہ موڑا بلکہ جس تنگ اور دشوار گزار راستے
 میں قدم رکھا تھا اسکو موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے صاف و وسیع شاہراہ بنا کر چھوڑا ہے
 ابن کار ادا تو آید مردان چنین کنند

قطعہ تاریخ طبع بحر الفصاحت از مولوی رشید احمد صاحب

مجددی تحویلدار کتب خانہ ریاست رام پور

ہے جس پر قدر دانی اہل زمین و آسمان
 جن کی ہنس پہ نافرمانی مشکِ فتنِ نثار
 جسکے ہر ایک قطرے پہ مژدہ دن و شب
 ہوتا ہے یون زمین چرخ کہنِ نثر ہے

اسے چشم شوق خروہ ہوئی طبع وہ کتاب
 ہر صفحہ جس کا تختہ گلہائے رنگ رنگ
 ہر سطر جس کی بحر فصاحت کی لہر ہے
 شاید کہ دیکھ پائی ہے اسکی جھلک کبھی

ہے فکر سال طبع کو کہد وہ اسے رشید
 کیا گل کجلا کہ جس پہ ہزاروں چین نثار

۱۳۴۵ ہجری

فہرست مضامین بحر لغت

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
۱۰۲	ترکیب جملہ تزیین بعد باختراع جدیدہ	۲۷	اشارات و اشارات و اشارات و اشارات	۱
۱۰۳	بیان مشنری	۲۸	دیباچہ صنعت	۲
۱۰۵	بحر متقارب مشنری محدث و الاخر یا مقصور الاخر	۲۹	ایجاد شعر عربی و فارسی مع بحث جو اندام جواز	۳
۱۰۶	بحر ہزج مدحی محدث و الاخر یا مقصور الاخر	۳۰	شعر گوی	۴
۱۰۷	بحر ہزج مدحی متغیض محدث و الاخر یا مقصور الاخر	۳۱	زبان عربی اور ایجاد شعر عربی	۵
۱۰۸	بحر خفیف مشنری محدث و الاخر یا مقصور الاخر	۳۲	شعر زبان فارسی	۶
۱۰۹	بحر مدحی محدث و الاخر یا مقصور الاخر	۳۳	جواز و عدم جواز	۷
۱۱۰	بحر مدحی محدث و الاخر یا مقصور الاخر	۳۴	شعر محمود و مذموم	۸
۱۱۱	بحر مدحی محدث و الاخر یا مقصور الاخر	۳۵	حقیقت آورد و ادو شاعری رینجہ	۹
۱۱۲	بیان قطعہ	۳۶	طرز قدیم و جدید	۱۰
۱۱۳	بیان رباعی	۳۷	شعر کا کلام اور شعر فہمی کے وجہ	۱۱
۱۱۵	بیان سستراہ	۳۸	مذکرہ نویسوں کے تقاضوں	۱۲
۱۱۸	بیان قصیدہ	۳۹	قرینہ شعر	۱۳
۱۱۹	اقسام نظم باعتبار مضمون	۴۰	اقسام شعر باعتبار اصناف	۱۴
۱۲۰	بیان مہجری	۴۱	تفصیل شعر باعتبار اقسام نظم	۱۵
۱۲۱	بیان غزل	۴۲	بیان غزل	۱۶
۱۲۲	بیان قصیدہ	۴۳	بیان قصیدہ	۱۷
۱۲۳	بیان قصیدہ تمہید	۴۴	بیان قصیدہ تمہید	۱۸
۱۲۴	بیان قصیدہ خطاب	۴۵	بیان قصیدہ خطاب	۱۹
۱۲۵	بیان سستراہ	۴۶	بیان سستراہ	۲۰
۱۲۶	بیان شکر آشوب	۴۷	بیان شکر آشوب	۲۱
۱۲۷	علم شعر و فن	۴۸	علم شعر و فن	۲۲
۱۲۸	بحر مدحی کی ایجاد	۴۹	بحر مدحی کی ایجاد	۲۳
۱۲۹	ارکان افادہ بحر مدحی کی ترکیب اور ساخت	۵۰	ارکان افادہ بحر مدحی کی ترکیب اور ساخت	۲۴
۱۳۰	داروں کا بیان	۵۱	داروں کا بیان	۲۵
۱۳۱	بیان زحافات	۵۲	بیان زحافات	۲۶
۱۳۲	زحافات مقایسہ	۵۳	زحافات مقایسہ	۲۷
۱۳۳	زحافات فاعلاتن	۵۴	زحافات فاعلاتن	۲۸

ردیف	عنوانات	ردیف	عنوانات	ردیف
۲۵۶	بحر بسیط	۱۵۰	زمانات خارج لائن (مفصل)	۵۴
۲۵۷	بحر سرسبز	۱۵۱	زمانات متقطعت	۵۵
۲۵۸	بحر خفیف	۱۵۲	زمانات مشتت قطع لائن (مفصل)	۵۶
۲۵۹	بحر جدید	۱۵۳	زمانات مفعولات	۵۷
۲۶۰	بحر قسری	۱۵۴	زمانات مفاعلت	۵۸
۲۶۱	بحر شاکل	۱۵۵	زمانات متقاطعت	۵۹
۲۶۲	نقطه عیوب عروض	۱۵۶	زمانات فعلن	۶۰
۱۷۲	بیان رباعی	۱۵۷	زمانات فاعلت	۶۱
۲۶۳	تفسیر از زمان و اثره اخیری بعد از حال بقا	۱۵۸	بیان معاقبه و مراقبه و سکانه	۶۲
۲۶۴	تفسیر از زمان و اثره اخیری بعد از حال بقا	۱۵۹	کون کائنات کس کس این او بحر غم و غم و غم و غم	۶۳
۲۶۵	علم قافی	۱۶۰	بیان تفسیر و حروف متقطعت و مکتوبی	۶۴
۲۶۶	بیان حروف قافی	۱۶۱	بیان حروف مکتوبی غیر متقطعت	۶۵
۲۶۷	بیان حروف	۱۶۲	بیان حروف لغوی غیر مکتوبی	۶۶
۲۶۸	بیان حروف قافی	۱۶۳	تشریح بحر	۶۷
۲۶۹	بیان حروف قافی	۱۶۴	بیان بحر مفرد	۶۸
۲۷۰	بیان حروف قافی	۱۶۵	بیان هزج	۶۹
۲۷۱	بیان حروف قافی	۱۶۶	بحر مدی	۷۰
۲۷۲	بیان حروف قافی	۱۶۷	بحر جبر	۷۱
۲۷۳	بیان حروف قافی	۱۶۸	بحر مدی	۷۲
۲۷۴	بیان حروف قافی	۱۶۹	بحر مدی	۷۳
۲۷۵	بیان حروف قافی	۱۷۰	بحر مدی	۷۴
۲۷۶	بیان حروف قافی	۱۷۱	بحر مدی	۷۵
۲۷۷	بیان حروف قافی	۱۷۲	بحر مدی	۷۶
۲۷۸	بیان حروف قافی	۱۷۳	بحر مدی	۷۷
۲۷۹	بیان حروف قافی	۱۷۴	بحر مدی	۷۸
۲۸۰	بیان حروف قافی	۱۷۵	بحر مدی	۷۹
۲۸۱	بیان حروف قافی	۱۷۶	بحر مدی	۸۰
۲۸۲	بیان حروف قافی	۱۷۷	بحر مدی	۸۱
۲۸۳	بیان حروف قافی	۱۷۸	بحر مدی	۸۲
۲۸۴	بیان حروف قافی	۱۷۹	بحر مدی	۸۳
۲۸۵	بیان حروف قافی	۱۸۰	بحر مدی	۸۴
۲۸۶	بیان حروف قافی	۱۸۱	بحر مدی	۸۵
۲۸۷	بیان حروف قافی	۱۸۲	بحر مدی	۸۶
۲۸۸	بیان حروف قافی	۱۸۳	بحر مدی	۸۷
۲۸۹	بیان حروف قافی	۱۸۴	بحر مدی	۸۸
۲۹۰	بیان حروف قافی	۱۸۵	بحر مدی	۸۹
۲۹۱	بیان حروف قافی	۱۸۶	بحر مدی	۹۰
۲۹۲	بیان حروف قافی	۱۸۷	بحر مدی	۹۱
۲۹۳	بیان حروف قافی	۱۸۸	بحر مدی	۹۲
۲۹۴	بیان حروف قافی	۱۸۹	بحر مدی	۹۳
۲۹۵	بیان حروف قافی	۱۹۰	بحر مدی	۹۴
۲۹۶	بیان حروف قافی	۱۹۱	بحر مدی	۹۵
۲۹۷	بیان حروف قافی	۱۹۲	بحر مدی	۹۶
۲۹۸	بیان حروف قافی	۱۹۳	بحر مدی	۹۷
۲۹۹	بیان حروف قافی	۱۹۴	بحر مدی	۹۸
۳۰۰	بیان حروف قافی	۱۹۵	بحر مدی	۹۹
۳۰۱	بیان حروف قافی	۱۹۶	بحر مدی	۱۰۰
۳۰۲	بیان حروف قافی	۱۹۷	بحر مدی	۱۰۱
۳۰۳	بیان حروف قافی	۱۹۸	بحر مدی	۱۰۲
۳۰۴	بیان حروف قافی	۱۹۹	بحر مدی	۱۰۳
۳۰۵	بیان حروف قافی	۲۰۰	بحر مدی	۱۰۴
۳۰۶	بیان حروف قافی	۲۰۱	بحر مدی	۱۰۵
۳۰۷	بیان حروف قافی	۲۰۲	بحر مدی	۱۰۶
۳۰۸	بیان حروف قافی	۲۰۳	بحر مدی	۱۰۷
۳۰۹	بیان حروف قافی	۲۰۴	بحر مدی	۱۰۸
۳۱۰	بیان حروف قافی	۲۰۵	بحر مدی	۱۰۹
۳۱۱	بیان حروف قافی	۲۰۶	بحر مدی	۱۱۰
۳۱۲	بیان حروف قافی	۲۰۷	بحر مدی	۱۱۱
۳۱۳	بیان حروف قافی	۲۰۸	بحر مدی	۱۱۲
۳۱۴	بیان حروف قافی	۲۰۹	بحر مدی	۱۱۳
۳۱۵	بیان حروف قافی	۲۱۰	بحر مدی	۱۱۴
۳۱۶	بیان حروف قافی	۲۱۱	بحر مدی	۱۱۵
۳۱۷	بیان حروف قافی	۲۱۲	بحر مدی	۱۱۶
۳۱۸	بیان حروف قافی	۲۱۳	بحر مدی	۱۱۷
۳۱۹	بیان حروف قافی	۲۱۴	بحر مدی	۱۱۸
۳۲۰	بیان حروف قافی	۲۱۵	بحر مدی	۱۱۹
۳۲۱	بیان حروف قافی	۲۱۶	بحر مدی	۱۲۰
۳۲۲	بیان حروف قافی	۲۱۷	بحر مدی	۱۲۱
۳۲۳	بیان حروف قافی	۲۱۸	بحر مدی	۱۲۲
۳۲۴	بیان حروف قافی	۲۱۹	بحر مدی	۱۲۳
۳۲۵	بیان حروف قافی	۲۲۰	بحر مدی	۱۲۴

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
۴۵۶	بیان عظمت	۳۲۸	بیان اقوال	۱۱۲
۴۵۸	مبدل نہ و بدل	۳۲۲	بیان اکفار	۱۱۳
۴۶۲	عظمت حقیقی	۳۲۵	بیان تحریف رومی	۱۱۴
۴۶۰	سند الہ کی ضمیر مفصل سے تاخیر	۳۳۶	بیان سسناو	۱۱۵
۴۶۱	تقدیم سند الہ	۳۳۰	بیان ایطاء	۱۱۶
۴۶۶	جذبات سند الہ	۳۵۰	بیان معمول	۱۱۷
۴۸۳	تاخیر سند الہ	۳۵۳	بیان غلو	۱۱۸
۴۸۳	مقتضائے ظاہر حال کے خلاف ہیں	۳۵۷	بیان تفسیرین	۱۱۹
۵۰۳	احوال سند	۳۵۵	بیان تفسیر	۱۲۰
۵۰۸	سند فعلی کی تفسیر شرط کے ساتھ	۳۶۲	اقسام قافیہ باعتبار وزن	۱۲۱
۵۳۱	سند کا فعلی اور سببی ہونا	۳۷۳	بیان رویت	۱۲۲
۵۳۱	رک سند	۳۸۱	بیان فصاحت و بلاغت	۱۲۳
۵۳۸	تنگیر سند	۳۸۵	بیان علم معانی	۱۲۴
۵۴۳	تعریف سند	۳۸۸	بیان اسناد خبری	۱۲۵
۵۴۵	عظمت سند	۳۹۷	انشاء حقیقی عقلی و مجازی عقلی	۱۲۶
۵۴۵	تاخیر سند	۴۰۷	قریب سند مجازی عقلی	۱۲۷
۵۴۶	تقدیم سند	۴۱۱	فرق مجازی عقلی و استعارہ بالکنایہ	۱۲۸
۵۵۲	بیان متعلقات مفصل	۴۱۲	حالات سند الہ	۱۲۹
۵۶۶	تقدیم معمولات فعلی	۴۱۳	وہ امور جو مقتضائے ظاہر حال کے موافق ہیں	۱۳۰
۵۷۵	بیان قصر	۴۱۷	سند الہ کی تعریف	۱۳۱
۵۷۶	اقسام قصر حقیقی	۴۱۷	تعریف سند الہ باضمیر	۱۳۲
۵۷۷	اقسام قصر غیر حقیقی	۴۱۹	تعریف سند الہ علیت کے ساتھ	۱۳۳
۵۷۹	شرائط قصر	۴۲۵	تعریف سند الہ باختلاف لقب گنیت	۱۳۴
۵۸۰	راہیں استعمال قصر	۴۲۷	تعریف سند الہ یا سائے اشارہ	۱۳۵
۵۹۱	بیان انشاء	۴۳۲	تعریف سند الہ بحالت معمول	۱۳۶
۵۹۶	بیان نسا	۴۳۵	انشاء سند الہ	۱۳۷
۵۹۸	بیان استعمال	۴۳۳	سند الہ بحالت نکرہ	۱۳۸
۶۱۳	بیان امر	۴۳۷	توصیف سند الہ	۱۳۹
۶۲۶	بیان دعا	۴۵۳	تاکید سند الہ	۱۴۰

ردیف	عنوانات	صفحه	ردیف	عنوانات	صفحه
۱۱۰۵	بیان صنعت موقوف	۳۲۰	۱۰۳۳	بیان صنعت نایک الذم بایضه المدح	۲۵۶
۱۱۰۶	بیان صنعت تعلیف	۳۲۱	۱۰۳۴	بیان صنعت الحان بخزمی باطلی	۲۵۷
۱۱۰۷	بیان صنعت سلب و ایجاب	۳۲۲	۱۰۳۵	بیان صنعت تجرید	۲۵۸
۱۱۰۸	بیان صنعت کلام جامع	۳۲۳	۱۰۳۶	بیان صنعت مقابل	۲۵۹
۱۱۰۹	بیان صنعت ایراد و المثل	۳۲۴	۱۰۳۷	بیان صنعت توجیه	۲۶۰
۱۱۱۰	بیان صنعت استقلام	۳۲۵	۱۰۳۸	بیان صنعت احوال	۲۶۱
۱۱۱۱	بیان صنعت الهزل الذی یراد به المجد	۳۲۶	۱۰۳۹	بیان صنعت احوال و استعداد	۲۶۲
۱۱۱۲	بیان صنعت تلخیص	۳۲۷	۱۰۴۰	بیان صنعت تسبیح و تسبیح	۲۶۳
۱۱۱۳	بیان صنعت دوخت	۳۲۸	۱۰۴۱	بیان صنعت تمایل و مایل	۲۶۴
۱۱۱۴	انعام نثر العجب کلام و سرقات	۳۲۹	۱۰۴۲	بیان صنعت لغت و نشر	۲۶۵
۱۱۱۵	انعام نثر اعتبار الفاظ	۳۳۰	۱۰۴۳	بیان صنعت تسبیح	۲۶۶
۱۱۱۶	بیان و ترقی	۳۳۱	۱۰۴۴	بیان صنعت تفریق	۲۶۷
۱۱۱۷	بیان نثر مقفی	۳۳۲	۱۰۴۵	بیان صنعت تقسیم	۲۶۸
۱۱۱۸	بیان نثر تسبیح	۳۳۳	۱۰۴۶	بیان صنعت تسبیح و تفریق	۲۶۹
۱۱۱۹	بیان نثر ماری	۳۳۴	۱۰۴۷	بیان صنعت جمع و تقسیم	۲۷۰
۱۱۲۰	انعام نثر باعتبار معنی	۳۳۵	۱۰۴۸	بیان صنعت تسبیح و تفریق و تقسیم	۲۷۱
۱۱۲۱	بیان سلیس ساده	۳۳۶	۱۰۴۹	بیان صنعت رجوع	۲۷۲
۱۱۲۲	بیان و قین ساده	۳۳۷	۱۰۵۰	بیان صنعت حسن تعلیل	۲۷۳
۱۱۲۳	بیان سلیس و قین	۳۳۸	۱۰۵۱	بیان صنعت مشاکله	۲۷۴
۱۱۲۴	بیان و قین و قین	۳۳۹	۱۰۵۲	بیان صنعت مزاج	۲۷۵
۱۱۲۵	بیان عیوب کلام	۳۴۰	۱۰۵۳	بیان صنعت عکس	۲۷۶
۱۱۲۶	تقسیم	۳۴۱	۱۰۵۴	بیان صنعت القول بالموجب	۲۷۷
۱۱۲۷	بیان سرقات شعری	۳۴۲	۱۰۵۵	بیان صنعت استعجاب و دلیل	۲۷۸
۱۱۲۸	بیان سرقات ظاهر	۳۴۳	۱۰۵۶	بیان صنعت استعجاب	۲۷۹
۱۱۲۹	بیان سرقات غیر ظاهر	۳۴۴	۱۰۵۷	بیان صنعت ادوات	۲۸۰
۱۱۳۰	بیان نواد	۳۴۵	۱۰۵۸	بیان صنعت بیانه	۲۸۱
۱۱۳۱	بیان تغایر	۳۴۶	۱۰۵۹	بیان صنعت تعجب	۲۸۲
۱۱۳۲	بیان لغات سرقة	۳۴۷	۱۰۶۰	بیان صنعت جامع و السانین	۲۸۳
۱۱۳۳	بیان تقصیم	۳۴۸	۱۰۶۱	بیان صنعت ذره و یقین	۲۸۴
۱۱۳۴	بیان استباص	۳۴۹	۱۰۶۲	بیان صنعت ذره و ثلث	۲۸۵
۱۱۳۵	بیان حقه	۳۵۰	۱۰۶۳	بیان صنعت ترجمه اللفظ	۲۸۶
۱۱۳۶	بیان حیل	۳۵۱	۱۰۶۴	بیان صنعت سلسل	۲۸۷
۱۱۳۷	بیان تصرف	۳۵۲	۱۰۶۵	بیان صنعت تقسیم سلسل	۲۸۸
۱۱۳۸	خاتمه	۳۵۳	۱۰۶۶	بیان صنعت ابدار	۲۸۹



داتا محمد نجم انصاری صاحب مختلف کتب ہذا

اشارات

از: میر حسن ذورانی

اردو زبان میں ایک ایسی جامع کتاب کی ضرورت مسلم ہے جس میں ادب، انشاء، قواعد، بلاغت، معانی و سبک عروض و قوافی اور تمام دیگر ضروری معلومات یکجا ہوں۔ انگریزی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی ایسی محدود کتابیں موجود ہیں کہ وہ بعض رسائل ضرورت کے لئے ہیں لیکن کوئی جامع کتاب نظر سے نہیں گزری۔

میں نے نظر کتاب بھر افساحت یقیناً نہ کہ وہ ضرورت کو بڑی حد تک پورا کرتی ہو اور بلاغت تردید کہا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں اس سے جامع کتاب اب تک کوئی شائع نہیں ہوئی، اس کتاب کے فاضل مولف نے لانا، نظم، انشائیہ، مہرہ، اب سے چالیس سال قبل اس ضرورت کو محسوس کر کے اس دور کے ماحول مذاق کے مطابق یہ کتاب لکھی۔ کتاب نالیف کی تھی جس کی اہمیت اور افادیت اس دور میں بھی مسلم ہے۔

کتاب کے لائق ملاحظہ ملی دنیا میں بھی خاصی شہرت حاصل کر چکے ہیں ایک طرف انہوں نے فن سبب میں ترقی یافتہ ادویہ جیسی بہترین اور صحیح تصنیف پیش کی اور دوسری طرف فن تاریخ میں تاریخ اور معارف و تہذیب اسلام جیسی عظیم الشان ادب بہ کتاب میں انہیں بھروسے ساقدار ساتھ انہوں نے زبان و ادب کی خدمت میں اس کی اہمیت اور اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ فارسی میں تاریخ الادب کے نام سے مولانا موسوی نے بھر افساحت کے حوز میں ایک بڑا صفحات پر مشتمل ایک نادر کتاب نالیف فرمائی جس کو ہندستان سے زیادہ ایران افغانستان میں مقبولیت حاصل ہوئی اور بلوچستان، بلوچستان سے معلوم ہوا کہ اس کتاب ایران میں بھی ایک ادیشن شائع ہو چکا ہے جسے مضمون اور متن خود ادب تک نہیں دیکھا، لیکن ایران میں اس کتاب کی مقبولیت کا حال بعض ایرانی اجاب کی زبانی سنا ہے۔

”بھرا لغت“ کو اردو زبان کی انسائیکلو پیڈیا کہا جائے تو بجا نہ ہوگا، اگر اس کی ترتیب جدید طریقہ پر کر دی جائے اور بعض ضروری باتوں کا اضافہ کر دیا جائے تو یہ مکمل رجحان انسائیکلو پیڈیا بن سکتی ہے۔

کتاب کی ابتدا شعر کے جواز و عدم جواز کی بحث سے کی گئی ہے اور اسلامی نقطہ سے اس پر روشنی ڈالی ہے اس کے ضمن میں عربی افادہ کی شاعری کی تاریخ و خصوصیات پر بھی روشنی ڈالی ہے، اس کے بعد اقسام نظم و نثر کا ذکر معانی و میان، فصاحت و بلاغت، عروض و قوافی، قواعد و انشاء، دوران کے مشاعرے کا ذکر بڑی شگ و بسط سے

کیا ہے، شالیں مارو کے باکمال شعراء کے کلام سے ہی گئی ہیں، کئی ہزار اشعار مختلف عنوانات کے تحت اس میں
 دئے ہیں جن کو طبعاً جمع کیا جائے تو ایک اچھا انتخاب ہو سکتا ہے۔

فاضلِ بولت و فن صد تحسین میں کہ انھوں نے بڑی محنت و ترقی دینی سے اردو زبان و ادب میں ایک
 گراں قدر اضافہ کیا۔

بھرا فصاحت پہلی بار ۱۳۳۳ء ہجری میں مطبع فنی نولکشور سے شائع ہوئی تھی جہاں رہ کر مولوی نجم الغنی نے
 سیکرٹری کی تھی، دوبارہ ۱۳۴۲ء میں اسی مطبع سے شائع ہوئی تھی، تیسری بار اسکی اشاعت کا اہتمام کیا گیا تھا مگر
 اصل نہ ہو سکی، کچھ مطبوعہ اجزاء رکھے تھے کچھ سابقہ ایڈیشن کے ناقص نسخے موجود تھے، ان سب کو یکجا کر کے دوبارہ جو
 جزا کہ تھے ان کو دوبارہ طبع کرا کے پانچ سو نسخے مکمل کئے گئے۔

اس کتاب کی فصاحت بارہ سو صفحات سے زیادہ ہو لیکن اس میں فہرست مضامین موجود نہ تھی جسکی
 وجہ سے مختلف عنوانات کی تلاش میں بڑی زحمت ہوتی تھی، مطبع فنی نولکشور کے وارث و مالک
 راجہ رام کمار صاحب بھار کو اس نے مجھے اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دلائی تو میں نے
 اسکی اہمیت کے پیش نظر فہرست مضامین مرتب کروائی لیکن چھوٹے چھوٹے ضمنی عنوانات کو پھر بھی طراوت
 کے خیال سے چھوڑنا پڑا، آخر میں ایک فاریہ کا اضافہ بھی کر دیا ہے جس میں ان تمام شعراء کے نام جو فوت ہو چکی کی
 ترتیب سے جمع کروئے گئے ہیں جن کے شعراء کا انتخاب بھرا فصاحت میں موجود ہو اور ان کتابوں کے نام بھی
 دئے ہیں جن کے حوالے سے بجا آئے ہیں، ان اشعاروں سے کتاب کی افادیت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور اضافہ
 ضرور ہو گیا اور مجھے امید ہے کہ اہل ذوق اس کو پسند کریں گے۔

اس سلسلہ میں راجہ رام کمار بھار کمار صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اردو کی ایک سچی اور مفید
 کتاب کو ایسے شاندار طریقہ پر اپنی ذوق کے سامنے پیش کرتے ہوئے اہتمام کیا۔

امید حسن نورانی

یکم فروری ۱۹۵۵ء

کبر الفصاحت

— از —

نجم الغنی ابووی

— ناشر —

راجہ رام کمار بک پو لکھنؤ

— واردت —

نول کشور بک پو لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

حدوثنا شمار یا رکاوہ ناظم مجہد کن فکان شیرازہ بند اوراق زمین و آسماں ہے جس نے معشوقین کو بے خال و خط آراستہ و پیراستہ فرمایا اور شعرا نے نو و کمن کو مثلاً علی عروس نظم میں ہر تن مصروف کیا خان اُس کی کفریہ و لہم فواکد دلتہ ینقن لہ کشفنا ۱۱۱۰ ہے اہل بلالہ اور ہدیہ نا محمد و مسطورہ و درود اُس مطلع قصائد ایجاد و تکوین محزون افکار صدیقی ممدن ہر ادا مدنی کو سزا دیا ہے جس کے پر تو نبوت نے رباعی دنیا کو نور ایمان سے بیست اعمور بنایا اور صفو شش ش بہات سادہ سے ظلمات کفر و شرک کو شل حوت غلط کے منایا نام اُن کا محمد و (صلی اللہ علیہ وسلم) اور گوشت و ہڈی رحمت اور لالی آبدار منقبت تحفہ آستان مقدس جناب قدس حضرات اہل بیت اطہار اور صحابہ بنار اور ائمہ حادی مقام اور اولیائے کرام رضی اللہ عنہم ہے جو ہنگام جواب و سوال کے بیان فصاحت قالب نقیہ بریں ڈالتے اور وقت تفسیر یہ آسمانی کے قند و گلاب کے باہم ملاتے اُن کا ہر کلمہ رحمت کا باب ہے و ہر فقرہ کلام منفعت اکتساب ہے ۵

سلطان کرم نفسی ہے سخن اُن کا | ہے تیرہ قرآن میں کا دہن اُن کا

بعد اس کے فقیر حقیر بند ناچیز ابجد خوان دبستان نادانی محمد نجم الغنی خاں طلبگار فضائل سبحانی مخلص
بجہم و نجی ساکن رام پور ملک روہیلکتہ ابن مولوی محمد عبد الغنی ابن مولوی محمد عبد العلی خاں ابن مولوی محمد عبد الرحمن خاں
ابن مولانا حاجی محمد سعید خاں برداشتہ مضجہم خرمس رسا ہے کہ اس مجموعہ لطافت موج خیز دریائے
بلاغت کو جس کا عنبر بحر القلصا رحمت ہے اور تاریخی نام اس کا مقاصد البلفا
(۱۲۹۹) ہے سند بارہ ہوتا نوست جہی میں تالیف کر کے سنہ ۱۳۳۲ ہجری میں چھپوایا تھا اب کہ تیرہ سو

تیشا لیس میں اس پر نظر ثالث کر کے بعد ضرورت کی پیشگی لکھی ہے اس میں طالبین کے فائدے اور اور اہل بصیرت کیلئے جواز و عدم جواز شعر اور حقیقت شعر عربی و فارسی و رنجہ (اُردو) و علم عروض و قافیہ و علم معانی و بیان و بدیع و غیرہ کی چند باتیں ضروری ایک صدف اور چار جزیروں میں لکھی گئی ہیں صدف حقیقت شاعری عربی و فارسی و اُردو کی کیفیت زبان رنجہ و جواز و عدم جواز شعر و اقسام شعر کے بیان میں ہے اور اس میں چھ مونی ہیں پہلا مونی شعر عربی و فارسی کی ایجاد اور شعر گوئی کے جواز و عدم جواز کے بیان میں دوسرا مونی حقیقت اُردو اور شاعری رنجہ کے بیان میں تیسرا مونی شعر کی تعریف میں چوتھا مونی شعر کی قسموں میں باعتبار اوصاف کے یا پنجواں مونی شعر کی تفصیل میں باعتبار اقسام نظم کے چھٹا مونی اقسام نظم میں باعتبار مضمون کے پہلا جزیرہ عروض کے بیان میں اور اس فن کو ہم چھ فصلوں میں لکھیں گے اور ہر فصل کا نام جزیرے کی مناسبت سے شہر ہے پہلا شہر بحر کی ایجاد کے ذکر میں دوسرا شہر ارکان افعیل اور بحر وں کی ترکیب اور دائروں کے بیان میں تیسرا شہر رتباؤں کے بیان میں چوتھا شہر تقطیع کے بیان میں اور حروف ملفوظی و مکتوبی کے ذکر میں یا پنجواں شہر بحر وں کی تفصیل میں چھٹا شہر رباعی کے بیان میں دوسرا جزیرہ قافیہ کے بیان میں اس کا حال یا پنج شہر میں ذکر کیا جائے گا پہلا شہر حروف قافیہ کے بیان میں دوسرا شہر حروف قافیہ کی حرکتوں کے ذکر میں تیسرا شہر قافیہ کے بیرون کے بیان میں - چوتھا شہر اقسام قافیہ میں باعتبار وزن کے - یا پنجواں شہر مدیث کے بیان میں تیسرا جزیرہ فصاحت و بلاغت میں اس میں تین شہر ہیں پہلا شہر علم معانی کے بیان میں اور یہ شہر آٹھ باغ و نقاب پہلا باغ اسناد خبری کے بیان میں دوسرا باغ سند الیہ کے حالات میں اس میں دو چمن ہیں چمن اول مقتضائے ظاہر حال کے موافق میں چمن دوم مقتضائے ظاہر حال کے خلاف میں تیسرا باغ سند کے احوال میں چوتھا باغ تعلقات فعل کے بیان میں یا پنجواں باغ نصر کے بیان میں چھٹا باغ - انشا کے حال میں ساتواں باغ فصل و وصل کے حال میں آٹھواں باغ ایجاد انساب مساوات کے بیان میں دوسرا شہر علم بیان کے ذکر میں ہیں چار باغ ہیں پہلا باغ تشبیہ کے بیان میں اس باغ میں چھ چمن ہیں پہلا چمن طرفین تشبیہ کے بیان میں دوسرا چمن وجہ تشبیہ کے بیان میں تیسرا چمن غرض تشبیہ کے بیان میں چوتھا چمن اداء تشبیہ کے بیان میں یا پنجواں چمن اقسام تشبیہ کے بیان میں چھٹا چمن بیان مرتب تشبیہ میں باعتبار قوت و کمیت کے مبالغہ میں دوسرا باغ استعارے کے ذکر میں اس میں تین چمن ہیں پہلا چمن طرفین استعارہ کے بیان میں دوسرا چمن وجہ جامع کے بیان میں تیسرا چمن استعارے کے بیان میں باعتبار متعارف و متعارف

مستعار لہ اور وجہ جامع کے چوتھا چمن استعارے کی قسموں کے بیان میں یا پانچواں چمن استعارے کے حسن و خوبی کی شرائط میں تیسرا باغ مجاز و رسل کے بیان میں چوتھا باغ کنایے کی تصریح میں۔ تیسرا شہر علم بدیع کے احوال میں اس میں دو باغ ہیں پہلا باغ صنائع لفظی کے بیسان میں۔ دوسرا باغ صنائع معنوی کے ذکر میں جو تھے جزیرے میں ایک شہر لطافت خیز اور دو صحرا سے وحشت انگیز ہیں شہر اقسام نثر میں اور اس شہر میں دو باغ ہیں پہلا باغ نثر کی قسموں میں باعتبار الفاظ کے دوسرا باغ نثر کی قسموں میں باعتبار معنی کے صحرا سے اول صوب کلام میں صحرا سے دوم سرفات شعری کے بیان میں۔

امید ناظرین پر تمکین سے ہے کہ

جہان پائین طرز بیان کچھ خلاف	مجھے رکھیں طعن زبان سے معاف
کہ شاعر نہیں میں سخنور نہیں	زبان دان نہیں نکتہ یور نہیں
نہ دعوائے شیوا بیانی سے مجھے	نہ لاف کمال معافی سے مجھے
نہ میں قابل اعتبار سخن	نہ خوابان جساہ و وقار سخن

گو اپنے نزدیک غور قائل کو کسی موقع پر معاف نہیں رکھا لیکن مقتضائے انسان مرکب میں غلطیاں و انسیان سمود خطا ہر شخص کی آب و گل میں سرشت ہے جس سے خطا نہ وہ آدمی نہیں فرشتہ ہے اگر غلطی ہو سو پائین تو اصحاب مروت کیش دار باب دور اندیش عیب پوشی کریں اور نگاہ لطف کی اصلاح سے محفوظ رہیں۔

یہ زیر چرخ دیکھا میں نے اکثر	ہزاروں عیب جو میں اک ہنرور
اگر چہ لالہ ہو غیرت وہ باغ	ہزاروں ہی نکالیں عیب جو داغ
جواہر میں ہنرور گر چہ وافی	جو دیکھیں مو کوں بس موشگافی
ہمیشہ عیب جو یوں کا ہی یہ ڈھنگ	کہ لعل بے بہا کو کہتے ہیں سنگ

یہ تو یقین ہے کہ جو دانا اور دور اندیش ہیں وہ بسبب اپنی بلند حوصلگی کے میرے کلام کی لٹی کو اپنی طرف کھینچینگے اور بہ لحاظ من ضحاک ضحاک کے حاسدانہ مجہر نہ نہیں گئے کہ اصل و مآخذ میرا مقالات اساتذہ سلف و خلف ہے پس عیاذاً باللہ جس کسی نے نکتہ چینی اور اظہار عیب میں سعی کی تو اسے گویا دست گستاخ و اس تحقیق اساتذہ میں مارا کہ میں انکا مقلد اور پیرو ہوں۔

جب کبھی اس روضہ ریاحین کی سیر و نظارہ سے حظ اٹھائیں مولف بیچ میرز کو بہ عاصی فلاح دارین

یا دفرمایں کہ اسکے تالیف کرنے سے فقیر سراپا تقصیر کے یہی خاطر نشین ہے نہ غرض تحصیل تحسین ہے۔ اللہ تعالیٰ
اس کتاب کو مطبوع طبائع بلغائے آفاق کرے اور صاف دردتان بے شقاق کی دستاویز بنائے اور کو یوں
دی الشفاق زاد ہم اللہ مرض الشفاق کی زہر بھری آنکھوں سے محفوظ رکھے مصرع

اللہ نہ ڈائے کام کبھی نکتہ گیر سے

صدق بیان حقیقت شاعری عربی و فارسی و اردو و کیفیت زبان رنجیہ و جواز و عدم
جواز شعر و اقسام شعر میں

اس میں تین موتی ہیں۔

پہلا موتی شعر عربی و فارسی کی ایجاد اور شعر گوئی کے جواز و عدم جواز کے بیان میں

مرآت آفتاب نما۔ روضۃ الاحباب تذکرۃ دوت شاہی۔ زین العیض۔ روضۃ الصفا کامل التواریخ
اور تفسیر معالم التنزیل میں آیا ہے کہ شعر کی ابتدا آدم علیہ السلام سے ہے جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو
حضرت آدم رضی اللہ عنہ اُسکے ماتم میں مرثیہ اشعار میں کہا تھا امیر خسرو دہلوی اسی معنی میں کہتے ہیں کہ

ما رحمہ در اصل شاعر زادہ امیر | دل باین محنت نہ از خود دادہ ایم

مرزا صاحب کا قول ہے

آنکہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود | طبع موزون جنت فرزدی آدم بود

لیکن بعض اس امر کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ پیشہ شعر گوئی سے میرا ہیں اور زرخشری بھی کہتا ہے کہ
یہ روایت محض غلط ہے انبیاء علیہم السلام اس بات سے معصوم ہیں یہی قول امام فخر الدین رازی کا ہے۔
حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس غم و رنج کے
مرثیے کو زبان سریانی میں نشر کے اندر ادا کیا تھا کیونکہ اُنکی زبان سریانی تھی پھر اُس کا ترجمہ زبان سریانی
سے زبان عربی میں شعر میں موزون ہوا چنانچہ یہ شعر ترجمہ کیے ہوئے یحییٰ بن قحطان کے کتاب و فیہ
تاریخ طبری اور روضۃ الاحباب وغیرہ میں منقول ہیں۔

یہ سب زبان سریانی میں تھا

دو جہ الارض معبر قبیح

اور دوسے زمین قراب اور کرد آلود ہے

دقل بشاشۃ الجہ الطلیح

اور کم ہوئی تانگی نو بصورت پردے کی

قتیلا فتد تظمنہ الضرایح

تعبیرت انبلاد من علیہا

یا متغیر ہوئے شہر اور ملک ریشہ دات

تدیر طلیح طعم و لوت

نہی ہل گئی ہیرہ دار و درگاہ و چیز

نواصنا علی ما بیل انہی

و جاور ناعد و ليس يغنى	بعين لا يموت قسطنطين
و حسابه ہو گیا ہو کہ ادہ شمس برناتین	تا کہ ہم راحت پائیں

زبان عربی اور ایجاد شعر عربی -

قاسم بن سلام بغدادی نے لکھا ہے کہ شعر عربی کا موجد عرب بن قحطان ہے چنانچہ یہ اس کا کلام ہے

من الناس من اب وام	خلیف جہل و خیف علم
بہی جن لوگ اپنے ماں باپ سے بہت بے وفائی کرتے ہیں	جہالت پسند ہیں اور بعض علم دوست

اور بعض کہتے ہیں کہ اشعر بن سہامی اشعر کا موزون بونا کرتا تھا اور لوگ اس کے سخما سے موزون کو شرکھا کرتے تھے پھر شدہ شدہ لفظ شعر نے کلام موزون متعقے پر بیان تک سلاق پایا کہ جس کسی نے ایسا کلام کہادہ شاعر کہلایا۔ صاحب نزہۃ السائرین کہتا ہے کہ بعض کے نزدیک عرب کا پہلا شاعر خلیف بن ادیم کاتب ہوا علیہ السلام سے۔ ہجاء زبان عرب کے دو طبقے مشہور ہیں ایک عرب عاربہ دوسرا عرب مستعربہ اور تاریخی حالات کے اعتبار سے عرب چار طبقوں پر اس طور سے تقسیم کیا گیا ہے (۱) عرب عاربہ یہ نام انکا ایلیہ ہوا ہے کہ انکو عربیت میں بہت دخل تھا یا اس وجہ سے کہ یہی گروہ عربیت کا فاعل موجود ہے اب اس گروہ کی اصل کا کوئی شخص حیات میں باقی نہیں رہا، عرب مستعربہ اس طبقے کو سنام سے ایلیہ موسوم کرتے ہیں کہ ان کا اسماء لغات عربیہ ان میں عرب کے طبقہ اول سے منقول ہو کر عربین کو پایا یا یہ حال میں ہو گئے ہیں کہ اس سے پیشتر اس حال پر ان کے اصل نسب نہ تھے اور چونکہ عرب کا طبقہ اول بہ نسبت ان کے مقدم ترین گروہ سے تھا بایں لحاظ لغت عربیہ انکی اصلی زبان مانی گئی۔ اس طبقے کا مورث اعلیٰ قحطان ہے جس کے نسب میں اختلاف ہے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ عابر بن شام بن ارفخشہ بن سام بن نوح علیہ السلام کا بیٹا ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ عیسیٰ بن قیدار کا لڑکا ہے اور بعض کے نزدیک جناب اسماعیل کی اولاد سے ہے بنو قحطان عرب عاربہ کے معاشرہ تھے اور عرب بن قحطان ان کے نامی اور عظیم الشان بادشاہوں میں سے ہے اسی گروہ نے عرب عاربہ کا نام و نشان عالم ہستی کے صفحہ سے ایسا کشایا کہ حشر تک نام کے سوان کا نشان کہیں ڈھونڈنے سے بھی نہ مل سکے گا۔ نبی جبرائیل اسی طبقے میں شمار کیے جاتے ہیں جن میں حضرت اسماعیل نے پرورش پائی اور انھیں سے عربی زبان سیکھی تھی درندہ عرب کے رہنے والے تھے نہ انکی عربی زبان تھی (۲) عرب مستعرب اس گروہ کے مورث اعلیٰ حضرت اسماعیل ہیں یہ طبقہ دوسرے طبقے سے لہذا اور زمانہ ہستی ہی قریب ہے (۳) عرب سنجہ وجہ تسمیہ اس گروہ کی یہ ہے کہ جب اسلام کی عالمگیر روشنی نے عرب کو شرک و انما کی تاریکی سے نکال کر ایک

طرز کی دولت و حکومت کی بنا ڈانی تو عجوبوں کی تقاضات و محاسن نے انکی اس زبان کو جو کراہی ماوری زبان کی قائم مقام ہو رہی تھی ایسا کچھ متغیر و تبدیل کر دیا کہ یہ ظاہر بالکل مخالف ہوئی یہ طبقہ درحقیقت طبقہ ثالثہ کی اولاد ہے۔

متقدمین میں عمدہ ترین شعراے عرب جریر اور ابو النفرس، قزوقی، وغیرہ ہیں اور متاخرین میں ابو الطیب
سبکی، یوناس، اصمعی، ابودلاسہ، ثعلب اور جبل وغیرہ ہیں۔ مگر جاہلیت کے کلام مثلاً سبوحہ معلقہ اور ذی الان
حماسہ کے مرثیوں کی بہ نسبت دیوان سبکی یا دوسرے مولدین کا کلام شکل پسند ہے نازک حیلوں اور
بلند پروازیوں سے بھرا ہوا ہے۔ زبان عربی کی بدابل، بیات سے لی جاتی ہے اس لیے کہ شہر
مشہور مثل کعبہ منقرہ اور مدینہ منورہ کی زبان غیر فصیح ہے نہ کے لائق نہیں کیونکہ ہر سال ملکوں سے
مختلف زبانوں کے آدمی جمع ہوتے ہیں اور اب وہاں اکثر ہندو، بھارتی، افغانستان اور دیگر ملک کے آدمی آباد
ہیں جو بسبب گذرنے ایک دو پشت کے عرب کی شکلوں میں ہو گئے ہیں ورنہ تہی کلید بردار خانہ کعبہ اور
سقاے زفرم (یعنی نبی عباس) اور شریف مکہ یا خال خال اور دو چار گھر کے سو کوئی عولی الاصل زمین
مگر اہل باد یہ کہ محض عربی النسل ہیں زبان ان کی صحیح ہے اور عربیت میں جاہلون اور بدون کی گفتگو کی
سند لگاتی ہے۔

شعر زبان فارسی

شعر فارسی کی ابتدا بہرام پور سے ہے کہ ایک روز شکار گاہ میں تیر کو مارنے کے لیے ساختہ یہ مصرع بول اٹھا۔
مصرع خنم آن بیل دمان و منم آن شیریلہ ۛ دہین اسکے وزیر نے حو نہایت ذکی ذہین حاضر جواب و اس کے
بہر قاب تھا مصرعہ ثانی سے جواب دیا مصرع نام بہرام تراد پرت ہو بیلہ ۛ بعض کہتے ہیں کہ مصرعہ ثانی
اسکی مشوق و لازم نام نے جواب میں کہا تھا۔ صاحب نزہۃ الناظرین کہتا ہے کہ شعر فارسی کی ابتدا فراروح
حکیم حاضر خماک سے ہے اور یہی قول مستبر معلوم ہوتا ہے صاحب فرہنگ سخن آرا سے ناصری نے جو مستبر
اہل زبان فارس سے ہے یہ دو شعر اسکے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔

جهان دانی همه سمر او باشد	تر اگر فرزندان داد باشد
ز سمر او دست گفتن نام سمر او	همه سمر او به سمر او باشد

سابق میں اہل ایران شاعری سے بخوبی واقف نہ تھے جب ملک ایران ہل سلام کے قبضے میں آیا تو اختلاط اہل غرب سے ایرانیوں نے بھی مذاق شعر حاصل کیا اور اول و اول ماہاس مرفوزی نے خلیفہ مامون عباسی کی مدح میں دوسری صدی کے خرمین زبان فارسی میں قصیدہ لکھا جسکا مطلع یہ ہے۔

اسے رسانیدہ بدلت فرق خود تا فرقہ بن | گسترانیدہ بجود و فضل در عالم مدین

اور بعض کہتے ہیں کہ شعر فارسی کی ابتدا مسلمانوں میں یعقوب بن لیث صفار سے ہے جس کا عہد سنہ ۷۵۰
اکادہ میں تھا اور ایک گروہ کے نزدیک شعر فارسی کی ابتدا حکیم ابو حفص سنہ ۸۰۰ سے ہوئی جو تیسری صدی
ہجری میں گندہا ہے شعرا و اس کا یہ ہے

آہوے کو ہی در دست چگونہ دودا | پاندارو بے پاسے چگونہ رودا

ابتدا میں شعر کوئی خال خال در بے مزہ تھی عہد سلاطین سامانیہ میں استاد رود کی سرمدی پیدا ہوا اور
زبان فارسی میں اول اس نے دیوان جمع کیا اور طرح میج گوئی کی بھی اسی نے ڈالی پھر فردوسی وغیرہ
ظاہر ہوئے اور اسی زمانہ میں شعر عربی کا بھی بہت چرچا ہو گیا یہاں تک کہ تہنی کوئی نے جو عمدہ ترین شعرا سے
متاخرین سے تھا خوب داد بخوری دی۔ سلطان محمود غزنوی کے عہد میں شاعری فارسی کی خوب پھل چنانچہ
اسکی سرکار میں تین سو شاعر نوکر تھے سرآمد و منتخب انکے عنصری اور فردوسی تھے پھر رفتہ رفتہ رواج اسکا زیادہ
ہو گیا اور خاقانی۔ ثنائی۔ انوری۔ نظامی۔ سعدی۔ خسرو۔ فیضی۔ حافظ۔ جامی۔ ہلالی۔ فغانی۔ ظہوری۔
نظیری۔ عرفی۔ صائب۔ کلیم۔ سلیم۔ اور قدسی وغیرہ نے اپنے اپنے عہد میں حق بخوری بخولی ادا کیا اور
اس فن کو کمال عروج پر پہنچایا اور ان میں سے ہر شاعر خاص ایک طرز میں یہ طوئے رکھتا تھا مثلاً فردوسی
بزم کا دھنی تھا اور اگرچہ وہ اس خاص صنف میں اسدی اور دقیقی کا بیروہے گرد و نون سے گویا سبقت
لے گیا ہے نظامی بزم میں کمال رکھتا تھا اور سعدی موعظت میں جس طرح عرب کے شعرا میں ام العقیس
گھوڑے اور عورت کی تعریف اور ہمیش کے بیان میں مشہور تھا اور ایشے حسن طلب اور صفت شراب میں
ضرب المثل تھا اور اسی طرح ہر شاعر کی شہرت کسی خاص بیان کے ساتھ مخصوص تھی۔ رود کی فردوسی اور
اسدی سے لیکر خاقانی و ثنائی و انوری و فیروز تک دیکھا جاتا ہے تو ان کا کلام کسی قدر تفاوت سے ایک
ہی ڈھنگ پر ہے ان میں کوئی فرق نہ تھا اگر تھا تو بہت قدر ہر شاعر میں اپنے خاص طبعی جذبات کے لحاظ
سے اور دوسرے شاعر میں ہوتا ہے پھر سعدی شیرازی طرز خاص کے موجد ہوئے اور غزل سرائی اگرچہ
پہلے سے جاری تھی لیکن انکی غزلوں میں جو فصاحت و سلاست و متانت پائی جاتی ہے کسی کی غزلوں
میں نہیں خواجہ حافظ بھی اس صنف میں سعدی کے قدم بہ قدم چلے مگر سعدی سے بہت آگے نکل گئے
جامی اور ہلالی وغیرہ نے انھیں کی طرز اختیار کی امیر خسرو دہلوی اور فرزا اشرف جہان کی بھی وہی طرز ہے
پھر فغانی کی ناک خیالی و شیلو بیالی لوگوں کو پسند آئی اور اس کا تتبع ہوا ظہوری نظیری۔ عرفی وغیرہ کی بھی
طرز ہے پھر صائب و کلیم و سلیم و قدسی وغیرہ نے اپنے اپنے عہد میں فن بخوری کو رولق بخشی۔

خبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شعراے ایران کا کلام تین طرز پر ہے خاقانی اور انوری وغیرہ کا ایک طرز ہے
ظہوری اور نظیری اور عری وغیرہ کا دوسرا طرز ہے صاحب اور اسکے امثال کا اور ڈھنگ ہے آئینہ
دو طرزوں کا زیادہ رواج ہو گیا تھا ایک نظیری عری وغیرہ کی طرز جو اکر کے زمانے سے شروع ہوئی تھی اور
مرزا بیدل کی طرز جو عالم گیر کے عہد میں شائع ہوئی اور علوی و صہبائی بزرگ ختم ہو گئی جو وہ شعرا سی
کمال بہم پہنچانا چاہتے تھے وہ انھیں دونوں میں سے کوئی طرز اختیار کرتے تھے اگرچہ حافظ اور خسرو کی
غزل ان سے بہت زیادہ مقبول خاص و عام تھی مگر متاخرین کے پائوں کو طرز جدید لگ گئی تھی جس میں
قوت تخیل کی بلند پروازی کا وسیع میدان تھا۔ اہل زبان مرزا بیدل کی طرز کو نکال باہر خیال کرتے
ہیں بلکہ آجکل تو نظیری و عری و ظہوری وغیرہ کی طرز کو بھی اہل زبان نام رکھتے ہیں در تسلیم نہیں کرتے
جیسا کہ رضا قلی خان بہایت نے اپنے تذکرہ مجمع الفصحا میں تصریح کے ساتھ لکھا ہے سب قصائی دوش کو اپنے
کرتے ہیں اور انھیں کی تیج کا دم بھرتے ہیں حالانکہ اُنکے طبقے میں بڑے بڑے نامور شعرا گذرے ہیں۔
چنکے کمال و استاد کی انکار نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے آجکل کے شعراے ایران کے کلام میں بقاء بچان
شعرا کے جنھوں نے صفویہ اور خلیہ کے عہد حکومت میں ایران یا ہندوستان میں علم امتیاز بلند کیا تھا وہ
اور بے ساختہ پن زیادہ ہے۔

مقلد شعراے فارسی کے واسطے ایران اور توران دونوں جگہ کی زبان سند ہے مگر تورانیوں سے آذربائیجانیوں کی
زبان بہتر ہے اور اہل خراسان اہل آذربائیجان سے فصیح تر ہیں اور شیراز کے لوگ فصیح ہیں خراسان کے لوگوں سے
اور اہل صفاہان و طہران فصاحت میں مستند ہیں تمام عہد کے فارسی دانوں سے اشعار و اجلا فہری
و کوہی ایران کے سب صاحب زبان ہیں بول چال میں ایک عامی اور مرزا صاحب و قافائی تہذیب
ہیں کہ زبان دونوں کی صحیح اور محاورہ فصیح ہے مگر اکثر اہل زبان بعض ہندوؤں کی طرح بعض حرف کے
مخرج نہیں پہچانتے چنانچہ ہر فرقے اور ہر قسم میں ایسے لوگ ہیں کہ بعض مخرج نہیں پہچانتے جیسے خروج قاف
کہ اسکو بہت سے لوگ ادا نہیں کر سکتے پس ایسے لوگوں کی زبان لائق سند نہیں اور اگر شعراے ایران سے
بمقدور قافیہ میں کوئی خطا واقع ہو تو وہ بھی سند نہیں البتہ تصرف کرنا اُن کا الفاظ عربی میں عجی طور پر اور اغناء
عجمی میں عربی طور پر سند مانا جائیگا جس لفظ کو چار شعراے مشاہیر نے استعمال کیا ہو یا ایران کے دس مؤردن
طبع شاعر اسیر اتفاق کریں یا علی الہوم تلفظ کرتے ہوں وہ سند ہے اگرچہ دراصل غلط ہو۔

جواز و عدم جواز شعر

نظم کی قدر و منزلت و فضیلت میں کسی کو کلام نہیں ہے تفاسیر و احادیث میں سکی صفت آئی ہے

بسم اللہ فرقان فصاحت عنوان رسالہ بلاغت محبوب خاص حکیم سخن آفرین حضرت رسول رب العالمین نے
شعر کی تعریف کر کے انکو غزواتیاز بخشا ہے اور انکے نتائج طبع اور چکیدہ قلم کو ملاحظہ کر کے خزانہ فیض سے
مرہ تخمین مرحمت فرمایا ہے یہ چند شعر کتاب منظر الحق کے شاہد مدعا میں۔

در شرف شعر رسول خدا شعر کہ اصحاب بنی گفتہ اند شعر علی گفت حسین و حسن شعر کہ حسان عرب گفتہ است منع ترا شعر انکر دشمنی بلکہ برد کرد ہزار آفرین	گفت بے قول بدوح و ثنا چون درو یا قوت گرسفتہ اند گفت انس گفت ادیس قرن سید کوین پذیرفتہ است نہی انان کار نکردش بنی سید کوین رسول امین
---	--

حضرت سرور انبیاء علیہ السلام و انسا کی بشت سے قبل شلو و گ حکم کلام نے تھے اور حدیث میں بھی
شعر پر حکمت کا اطلاق ہوا ہے چنانچہ ابی بن کعب سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے
فرمایا ان من الشعر حکمۃ یعنی بعض شعر حکمت ہے اس سے بیثبات ہو کہ عموماً سب شعر بڑے نہیں بلکہ ان میں سے
فائدے کے بھی ہوتے ہیں شعر کی قدر تمام دنیا میں ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے سلطنتوں نے ہمیشہ انکی عزت کی
ہے اور قوموں نے انکے دل بڑھانے میں ترو کی نے عہد دولت ملوک نبی ساسان میں اور منصور نے
عصر غزنویان میں اور معری نے زمان سلجوقیان میں اور فیضی نے عہد اکبر میں اعلیٰ اعلیٰ رتبے پائے اور عہد
جلیلہ اور مرتبت خاص سے سرفراز ہوئے میر حسن کتاب ہے۔

سخن کے طلبکار میں غفلت مند سخن سے وہی شخص کھنکھ میں کام کہاں رستم و گیو و افرا سیاب رہے جب تک داستان سخن	سخن سے ہے تمام گویان بلند مختصین چاہیے ساتھ نیکی کے نام سخن سے یہی یاد یہ نقل خواب اکہی رہن مستردان سخن
---	--

اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے شعر کو داخل شریعت نہیں کیا یعنی صاحب شریعت علیہ السلام کو شعر کہنا
نہیں سکھایا چنانچہ فرمایا ہے و ما علیناہ الشعر ما یبغی لہ ان ہوا الذکر و قرآن میں جواب اسکا یہ ہے کہ یہ ارشاد فقط
و اسے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اسیلے ہے کہ کفار قرآن شریعت کی فصاحت و بلاغت دیکھ کر حضور
کو شاعران کرتے تھے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے بل قاتوا غنفاث احلام بل ہوشاعر درجہ
بلکہ کہا انھوں نے یہ قرآن پریشان خیال ہیں بلکہ باندہ دیا ہے اسکو بلکہ وہ شاعر ہے حال انکا آپ شاعر

نہ تھے اگر فی الحقیقت شعر کمنا یا شاء و ان کو اچھا جانتا سیوب و نا جازم تھا تو جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قصیدے پر صلہ تحسین عنایت نہ فرماتے اور ان کی تعریف نہ کرتے۔ صاحب تذکرہ دولت شاہی کتاب شرف النبی سے نقل کرتا ہے کہ ایک روز حسان بن ثابت مداح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بیت حضور کی مدح میں کہہ کر لائے جس سے نام نہانی بطور تمسخر کے نکلتا تھا اس وقت دو کنیز بن قبطیہ مجلس حضور میں حاضر تھیں کہ مقوقش بادشاہ مصر و اسکندریہ نے برہم ندر و بد یہ بھیجی تھیں آپ نے انہیں سے ایک کنیز جس کا نام شیرین تھا اس شعر میں کہ صلی اللہ عنہ بخشدی اور دوسری کنیز جس کا نام ماریہ ہے آپ کے تصرف میں رہی اور اس سے ابراہیم پسر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوا۔

صاحب مخزن الشعر شعر کے سنت ہونے کی دلیل لاتا ہے اور بڑی تحقیق کے ساتھ لکھتا ہے کہ سنت کے لغوی معنی راہ و روش و عادت کے ہیں اور اصطلاح میں وہ فعل ہے جسے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل کرام اور صحابہ عظام نے عمل کیا ہو مگر کبھی قصدا ترک بھی کیا ہو پس یہ صفت شعر پر صادق آتی ہے اور مسنون ہونا اس کا ثبوت ہوتا ہے قطع نظر اسکے تمام علماء دین کا اس پر اتفاق ہے کہ جو بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کی ہو اور اس کے کر کے واسطے بھی نہ فرمایا ہو اس کا کرنا ممنوع نہیں ان اگر منع فرمایا ہو تو منع ہے پس در صورتیکہ حضور نے شعر کوئی منع نہ فرمایا بلکہ خود فی البیہ یہ شعر کہا تو قصداً نہ کہا تو وہ کیونکر منع ہے صحیح بخاری و مسلم میں ابواسحاق تابعی سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ براہین ماریہ صحابی کہتے تھے کہ حضرت نے جنگ خنین میں دلدل سے اتر کر اللہ تعالیٰ سے توبہ اور مدد کی دعا مانگی اور یہ کہا ہے

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ اَنَا بِنُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اَنَا بِنُوحٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ

یعنی میں پیغمبر ہوں کچھ جھوٹ نہیں اس میں میں بیٹا ہوں عبد المطلب کا خطا کا ب اور مطلب میں۔ بات موصدہ کو بزم ہے جیسے مجمع اور نظم میں رزمنے کا معمول ہے۔ اور بخاری و مسلم نے جناب سے روایت کی ہے کہ ایک لڑائی میں (اور وہ غزوہ احد ہے) جناب سرور کائنات کی انگلی زخمی ہوئی تو آپ نے اس وقت فرمایا

هَلْ اَنْتَ اِلَّا صَبِيحٌ دُمِيَّتٍ

وَنِي مَبْدِلٍ اَللّٰهُ مَا لَبِثْتَ

یعنی نہیں ہے تو مگر انگلی کہ خون آلودہ ہوئی اور راد خدا میں ہے وہ چیز کہ تو نے دیکھی اور جوہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے و ما علمناہ الشعر جواب اس کا یہ ہے کہ شعر اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں جس کی موزونیت کا قصہ کہنے والے نے کیا ہو اور یہ کلام آنحضرت سے دزن شعر پر صیغہ موزون کے اقتضات سے صادر ہوا جو مفسر بالذات نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ رجز کے قبیل سے ہے اس کو داخل شعر نہیں کر سکتے اور یہی ہے کہ جو کوئی طریق مذمت کے کبھی کبھی شعر کے دو شاو نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول

سے دلائلہ الشجر مراد یہ ہے کہ آنحضرت شجرہ نبی میں اور برادر سے بخاری اور مسلم نے روایت کی ہے کہ غزوہ خندق میں آنحضرت مٹی اٹھا اٹھا آؤ بھینکتے تھے یہاں تک کہ حضرت کا حکم غبار آلودہ ہوا اس وقت آپ یہ اشعار پڑھنے لگے۔

اشعار

وَاللّٰهُ لَوْ لَا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا

یعنی خدا کی قسم اگر اللہ نہ ہوتا تو ہم راہ راست نہ پاتے اور نہ ہم صدقہ دیتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔

فَالْمِزْلَن سَيَكُونُ عَلَيْنَا وَثَبْتَ الْاَقْدَامَ اَنْ لَا قِيْنَا

پس اسے اللہ ہم پر آرام و آسائش آمارا اور جبکہ ہم کفار سے طین تو ہمارے قدم ثابت رکھ رہا۔

اِنَّ الْاَوَّلَی قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا اِذَا ارَادُوا فِتْنَةً اَبْنَحْنَا

تحقیق ان کفار کہ نے ہم پر زیادتی کی ہے بسبب اس کے کہ جب وہ فتنے کا ارادہ کرتے ہیں تو ہم انکار کرتے ہیں۔ آنحضرت نے کبھی کبھی صلح شمر بھی دی ہے چنانچہ قصیدہ ہانت سعد مصنفہ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی اس بیت میں۔

اِنَّ الرَّسُوْلَ لَيَسِفُّ يَتَضَلُّوْهُم مَّهْتَدُوْنَ مِنْ سِيفِ الْهِنْدِ مَسْلُوْلٌ

سیف کی جگہ نور اور سیوف الہند کی جگہ سیوف الہند بدل دیا۔ حسان اللہ میر غلام علی آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ شاید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصلاح دینے کی یہ وجہ ہے کہ کلام میں لفظ نالہ نہ رہے کیونکہ ہند کے لوہے کی بنی ہوئی تلوار ہند کھنسنے میں پھر ہند کا ذکر نالہ تھا پس یوں بہتر ہوا مصرع ہند میں سیوف اللہ مسلول ہو اور مروی ہے کہ جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو کعب بن زہیر نے دریافت حال کے لیے اہل بھائی کو بھیجا وہ بسبب سابقہ معرفت کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور انکی ہدایت سے حضور اندس میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا کعب بن زہیر کو یہ بات ناگوار گذری کہ بغیر میرے شورے کے کیوں مسلمان ہوا اور اپنے بھائی کو کچھ اشعار لکھ کر بھیجے انہیں سے ایک یہ ہے۔

سَقَاكَ اَبُو بَكْرٍ كَاسَ رَدِيَّةٍ فَاَنْهَلْتَ اَطَامُوْهُ مِنْهَا وَعَلَّكَ

پلایا تجھے ابوبکر نے بڑا پیالہ پھر سیر کیا تجھ کو وامور نے اس۔ ت اور کر گردیا وامور محاورے میں اس شخص کو کہنے میں جس سے جن سے رابطہ ہو اور جن کا امر اسکو پہنچے یہ کنایہ کیا تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امداد و رجوع بھی اس نے کئی عظیم اس لیے خون اس کا حضرت نے بہر فرمایا تھا یعنی جہان پائین باطن زمین گردہ ہاتھ نہ آیا بعد فتح مکہ معظمہ کے جب آپ مدینہ منورہ میں مدفن افروز ہوئے تو کعب بن زہیر بھی۔

بہ قصد حصول ملازمت روانہ ہوا رات کو چلتا اور دن کو چپ رہتا ایک روز آپ مسجد میں تشریف رکھتے تھے ایک بار گی دروازہ مسجد پر اونٹنی کو بٹھا کر آواز دی کہ میں کعب بن زبیر حاضر ہوں اور کلہ طیبہ پڑھ کر شرف باسلام ہوا اور قصیدہ بانٹ سجاد جو نعمت میں لکھا تھا سنایا آپ بہت خوش ہوئے اور رفا سے مبارک صلہ میں عنایت فرمائی اور قصیدے کے شعر کورہ بالا میں سیف کی جگہ نور اور سیوف اللہ کی جگہ سیوف اللہ بدل دیا پھر آپ نے کعب سے پوچھا کہ یہ شعر تیرا ہی ہے۔

سقاك ابو بكر كاس راء يما اذا نهلت مامور منها وعلت

اُسی وقت کعب نے براہ ذہانت دو حرف اس شعر کے ایسے بدلے دیے جس سے یہ شعر جو کانا بلکہ دوح کا ہو گیا کما میں نے ردیہ دال سے نہیں کہا بلکہ رویہ داو سے کہا ہے جسکے معنی خوشگوار ہیں اور مامور سے نہیں کہا بلکہ لون سے کہا ہے مامون یعنی وہ شخص کہ امانت دار ہے خدا کی وحی میں آپ کعب کی تلخ جوابی اور جدت ذہن سے بہت راضی ہوئے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مسجد میں حضرت حسانؓ پر ایسی حالت میں گذرے کہ وہ شعر پڑھ رہے تھے آپ نے حسان کی طرف ترجیحی نظروں سے دیکھا اس وقت حضرت حسان بولے میں مسجد میں شعر پڑھتا تھا جبکہ وہ شخص ہوتا تھا جو تم سے بہتر ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مسکت الختام شرح بلوغ المرام میں لکھا ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے اس پر کہ مسجد میں شعر پڑھنا جائز ہے اور بعض حدیثوں میں جو وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں شعر پڑھنے سے منع فرمایا ہے تو ان میں شعر سے وہ اشعار مراد ہیں جن میں لغو مضمون لہذا و منات کی تعریف اور شرک کی باتیں یا مجوزہ ان دین ہو ورنہ مطلقاً اشعار کا پڑھنا ممنوع نہیں ہے اور مجزیہ تو ضعیف ایک اور حدیث کا مضمون بیان لکھا جاتا ہے چنانچہ بخاری اور ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک ممبر حسان کی واسطے کھنٹے تھے کہ وہ ہنسی بکھڑکھڑا کر شعر پڑھ کر تے تھے اور حضرت انکی تعریف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اللہ حسان کی تائید جبرئیل کے ساتھ کرتا ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے میں پہنچے تو ہنگام قضا کے عمرہ حضرت ابن رواحہ آگے آگے اشعار مضمون عظمت و شوکت و نعمت و صفت حضور پر نور پڑھتے جاتے تھے اور مضمون ان اشعار کا یہ تھا کہ اے کفار کہ راستہ خالی کر دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں وہ آج تمکو حکم خدا قتل کرینگے اور خوب سزا دینگے جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو منع کیا کہ یہ موقع شعر خوانی کا نہیں ہے تو حضور نے فرمایا منع نہ کر شعرا کے کفار کے واسطے تیرے زیادہ کفار گزریں۔ اور ان شریک سے مسلم نے روایت کی ہے کہ انکے باپ کہتے تھے کہ میں ایک روز حضرت آکے

صحیح سوار تھا آپ نے فرمایا کہ مجھ کو کوئی شعرا میں بن صلت کا یاد ہے میں نے کہا ہاں کہا پڑھ میں نے ایک شعر
 پڑھا فرمایا اور پڑھ میں نے اور پڑھا فرمایا اور پڑھ میں نے اور پڑھا یہاں تک کہ سو شعر پڑھے فرمایا اس کی زبان
 ایمان لائی اور دل کا فرہا یعنی زبان سے تو مضمون اچھے نکلے لیکن دل سے کفر اور حب دنیا نہ گئی۔
 فائدہ اُستہ ایک شخص تھا شاعر زمانہ کفر و جاہلیت میں اُس کے اشعار میں حمد الہی اور مذمت دنیا کا مضمون
 تھا۔ ابو ہریرہ سے بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت نے بید کا یہ مصرعہ مصرع الاکل شے
 ما خلا اللہ باطل (یعنی خبردار ہو ہر چیز اللہ کے سوا فانی ہے) سُکر فرمایا کہ یہ نہایت سچا کلام ہے ہر بار سے
 بخاری و مسلم نے روایت کی ہے کہ جب بنی قریظہ کا آنحضرتؐ نے محاصرہ کیا تو حسان بن ثابت کو حکم دیا
 کہ تم شریکین کی ہجو کر دو کہ تمہارے ساتھ جبریلؑ ہے۔ اور آنحضرتؐ حسان کو فرمایا کرتے تھے کہ کافرون کو میری
 طرف سے جواب دو اور آپ نے حسان کے حق میں دعا کی کہ بارخدا یا تو حسان کو جبریلؑ کے ساتھ قوت دے۔
 اور حضرت عائشہؓ سے مسلم نے روایت کی ہے کہ حضرت نے شعر کو فرمایا تھا کہ تم کفار قریش کی ہجو کرو کیونکہ
 وہ آپؐ پر مارنے سے سخت تر ہے۔ اور آنحضرتؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ حسان نے کفار کی ہجو کر کے
 مسلمانوں کو شفا دی اور خود بھی شفا پائی۔ احیاء العلوم میں لکھا ہے قالت عائشہ رضی اللہ عنہا کان
 اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتناشدون عندہ الا اشعار دھو یتبدل یعنی حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے سامنے اشعار پڑھتے تھے
 اور آپ سُکراتے تھے۔ بہر صورت شعر کے جواز میں کسی طرح کا شک نہیں احادیث متبرہ و روایات صحیحہ
 میں اُس کے مسنون و مستحسن ہونیکے دلائل قویہ وارد ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مبالغہ مقبول در تشبیہ و استعارہ
 مقول مثلاً عاشق کے منہ کو جانہ سے مشابہ کرنا یا مدوح کے گھوڑے کو ہوا سے تشبیہ دینا داخل کفر اور
 جھوٹ نہیں ایسے کلام کو سُکر ہر آدمی جانتا ہے کہ معنی حقیقی مراد نہیں قریظہ منظور ہے اس طرح کی عبارتیں
 حدیث میں بھی آئی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ابو طلحہ کے گھوڑے کو دہرایا ہے اور جو مضمون ناروا ہے وہ نظم و نثر دونوں میں لکھا جاتا ہے نظم ہی کی
 خصوصیت نہیں حضرت عائشہؓ سے دارقطنی نے اور عروہ سے شافعی نے روایت کی ہے کہ جناب
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شعر کی نسبت فرمایا ہو کلام فحش حسن و قبیحہ قبیح یعنی کلام
 ہے کہ اچھا اُس میں سے اچھا ہے اور بُرا اُس میں سے بُرا ہے اور ابو داؤد نے صحابہ میں عبد اللہ سے روایت
 کی ہے کہ جناب سرور کائنات نے فرمایا ان من الشعر حکمًا یعنی بعض شعر فائدہ مند ہے امام حنفیہ الاسلام
 شمس المفاخر المعانی ابو حامد محمد غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں الموزون المعلوم وزن دار کلام بامنی۔

وہو الشعر اور اسی کا نام شعر ہے وذلك لا يخرج الا من خبره الانسان اور نہیں نکلتا اگر گلو کا انسان سے
 قِطْعٌ باباحتہ پس اس کے مباح ہونیکا حکم قطعی کیا جاتا ہے ذلك لانه ما زاد الا كونه مفهوماً اس واسطے
 کہ نہیں زیادہ ہوا اگر ہوتا اسکا بامعنی والكلام المفہوم غیر حرام اور کلام بامعنی حرام نہیں ہے والصوت الطیب
 الموزون غید حرام اور آواز خوش دزن دار بھی حرام نہیں ہے فاذا لم تجزِمْ الاحاد فتمن آئین تجزؤ المجموع
 پس جبکہ حرام نہیں ہوئی ایک ایک بات پس کہلے حرام ہوگا مجموعہ نعم نیظر فیما یفہم منہ ہاں اس کے مضمون
 میں دیکھا جائے گا فان کان فیہ امرٌ مخطوٌّ حرّم نشوہ ونظمہ پس اگر اس میں کوئی ممنوع بات ہے
 حرام ہے متر اور نظم و دون فقرہ التصویب بہ سوائے کان بالبحان او کفریکُن اور حرام ہے اس کا بولنا
 خواہ نغمے اور خوش آوازی سے ہو یا بے نغمے کے والحق فیہ ما قالہ الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ
 اذ قال الشعر کلامٌ فحسنة حسنٌ وقبیحہ قبیحٌ اور حق اس بارے میں وہ ہے جو شافعی رحمہ اللہ نے
 کہا ہے کہ شعر کلام ہے سوا چھا اسکا چھا اور ہر اسکا برا ہے وہمّا جائز انشاء الشعر بغیر صورت و لحن جملہ
 انشادہ مع الاحسان اور جبکہ شعر کا پڑھنا بغیر خوش آوازی اور نغمے کے جائز ہے تو اس کا پڑھنا
 خوش آوازی اور نغمے کے ساتھ بھی جائز ہوگا۔ فان افراد المباحات اذا جمعت کان ذلك المجموع
 مباحاً ایسے کہ جب ایک ایک چیز مباح جمع ہوئی تو مجموعہ بھی مباح ہوگا ومہا انضم مباح الی مباح لم یجزم
 الا اذا انضم المجموع مخطوئاً لا یقضمہ الا حادٌ اور جب ایک مباح دوسرے مباح کے ساتھ ملے تو حرام
 نہیں مگر جبکہ مجموعہ ایسے امر ممنوع کا متضمن ہو جو احاد میں نہ تھا ولا مخطوئاً مہنا اور اس جگہ کوئی امر ممنوع نہیں
 وکیف ینکر انشاء الشعر وقد انشد بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کیسے انکار
 کیا جائے شعر کے پڑھنے سے درحالیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھا گیا وقال علیہ السلام
 ان من الشعر حکمٌ اور آئیے فرمایا کہ بعض شعر مفید ہے وانشدت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی شعر پڑھا ہے ان سب احادیث اور اقوال سے یہ بات ثابت ہوئی کہ شعر کہنا
 جائز ہے مسنون سے مگر خلاف شرع اور رواہیات مضامین باندھنا بالکل منع اور قطعاً ناجائز ہے اور شعر الے
 یہ جو مشہور کر رکھا ہے کہ شعر میں جائز ہے جو کچھ چاہیں کہیں اور کہتے ہیں میجوزہ للشاعر ما لا یجوزہ لغيرہ
 یہ بات محض غلط اور بے بنیاد ہے بلکہ مطلب اسکا یہ ہے کہ شاعر قادر سخن کو الفاظ میں بعض تصرف کرنا
 قدرت کی رو سے جائز ہے نہ جبر کی رد سے جیسے کسی لفظ میں سے کوئی حرف گرا دینا یا زیادہ کر دینا یا
 متحرک کو ساکن کر دینا یا ساکن کو متحرک وغیرہ وغیرہ۔

یہ بھی غلط ہے کہ جن لوگوں نے اس حدیث میں حسنہ حسنٌ وقبیحہ قبیحٌ نغمے کے معنی مباح نغمے کے لیے

ہیں اور مبالغے کو ناجائز قرار دیا ہے انکی غلط فہمی ہے قبیح سے مراد خلاف قرآن و حدیث کے مضمون باندھا ہے نہ مبالغے کا استعمال کرنا پس قبیح وہ شعر ہے کہ جس میں کوئی مضمون خلاف شرع باندھا جائے یا کسی آیت و حدیث کا مضمون غلط لکھا جائے یا بتوں کی تعریف کی جائے یا کسی بزرگ اور پیشواے دین کی نسبت اُس میں بے ادبی ہو جیسے اس حدیث کا مضمون ولدت فی زمان الملائک العادل منوچہر نے اس شعر میں غلط باندھا ہے۔

جہان ناز و بدل شاہ مسعود

پہنچیر نوشیروان عساول

نمود باشندادی سبل محبوب جزو کل مالک کون و مکان شہنشاہ زمین و زمان ختم المرسلین شیع المذہبین کافر پر ناز کرتے ہاں شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس مضمون کو صحیح باندھا ہے۔

سز دگر بد وراثش نازم چنان

کہ سید بدوران نوشیروان

حضور کے زمانہ نوشیروان پر ناز کیا تھا نہ ذات نوشیروان پر اسی طرح انبی طرف سے بنا کر گنا کہ حضرت نے یوں فرمایا ہے یہ بھی منع اور داخل گناہ ہے جیسے یہ شعر ہے

اکثر محمد مصطفیٰ محبوب و مطلوب خدا

اکتے درینا حیرتائے ماہ رمضان افواج

قبیح ہے حضرت نے ایسا نہیں فرمایا پس کسی قول و فعل کو بے سند حضرت کی طرف منسوب کرنا سبب جھوٹ باندھنے میں داخل ہے اور کتب حدیث میں حضرت پر جھوٹ باندھنے کو کفر لکھا ہے اسی قبیل سے ہے شعر ابوالفیض فیضی کی شہسوی نلدن کا بارگاہ ابوالمظفر جلال الدین محمد اکبر کی تعریف میں۔

بروے زمین و آسمان باز

ہاور گہ کبریا ہم آواز

دینے شاہ کی درگاہ زمین پر ہے اور باعتبار رفعت کے آسمان کے ساتھ بازی کرتی ہے اور درگاہ کبریا سے ہم آواز و مقابل ہے انہایت قبیح و خلاف ادب ہے۔ اسی عالم سے ہے یہ شعر الشاکا۔

اُس سے خلوت کی ٹھہرائی تو میں اللہ سے

داسطے دودن کے عرش کبریائی مانگتا

میر تقی

پارسا میں جو جوان پیر ہرے کتے ہیں

جو ولایت رکھے ہیں شاہ ولا کتے ہیں

سالک مسلک دل ماہ نمائے ہیں

ایک مولا کے ہیں ایک خدا کتے ہیں

یا علمائے جو تجھے کتے ہیں بجا کتے ہیں

آفتاب فلک عسرو علا تو ہی تھا

چہرہ آرا سے میں و بس تو ہی تھا

جانشینی ہمیر کے سزا تو ہی تھی

تو بیکار کے نہ میں خدا تو ہی تھا

یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

اسی طرح میر صاحب حضرت علی کی تعریف میں کہتے ہیں۔

کاڑھے طوفان بلا سے تری بہت پار
لوخِ ممنون ہے پولس ہے ترا شکر گزار

ایضاً

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہے ہیں
پتے امین دبی لوگ جوائید کہے ہیں

ایضاً

جانتے ہیں تجھی کو سب معبود
تھا زمین و زمان سے تو مقصود

مصطفیٰ

دشوار ہے رتبے کو پیر کے پہونچنا
ہے موسیٰ عمران بھی ہارون مرے آگے

حسرت در مدح امام موسیٰ رضا

رتبہ و بان کا ترے رکھے ہیں حبیبی و کلیم
قصر شاہی کا ترے کنکرہ ہے عرشِ عظیم

مینت

گراس پ جان بخش کی اک بات سناؤں
یہی نبی جو کچھ بولے تو عملات سناؤں

ناسخ حضرت امام حسین کی تعریف میں کہتے ہیں۔

تعریف کروں کیا میں مشہ و الا کی
موت کی ہے کچھ قدر نہ بیان عیسیٰ کی

حسام الدین حیدر خان حیدر

ملک خصال پری دش فرشتہ خواست
بجاں تھی کہ سگ یار کو میں تو گستا

علی خرمین منقبت امیر المؤمنین علی میں کہتے ہیں

سومناں محبت تو بود
فارغ از رسمِ نفلِ رانی

ان اشعار میں کمال گستاخی جناب کبریا میں اور اہانتِ پنجہ بن جلیلِ تقدیر اور ملنگہ کی در باری

جناب ولایت مآب میں نکلتی بر ہی نسیل کے بہ شعرا و مینائی کا سہ

جب وہ بیت ہی نہیں جنت میں جنت کی
ایسی جنت سے تو دوزخ میں خدا رہنے لگے

مہدی حسین خان آباد

کر دیا مودن کو زندہ اسے دسی مصطفیٰ
اپکے اچھڑتے پتے کو حیران کر دیا

ایسے ہی شعرا کی نسبت لکھا گیا ہے اشعار میں مزاج امیرِ اہلس شام کو چاہیے کہ حق بات کو ہاتھ

سے ندمت اور پابندی شریع کی لازم سمجھے اور ظالم و فاسق کی جھوٹی باتوں کی تعریف و تصدیق نہ کرے اور ایسا وصف بیان نہ کرے جس کو خوب نہ جانتا ہو اور اگر کسی کی جھوٹی تعریف کی تو سامعین اشعار بلکہ خود ممدوح خوشامدی و دروغ گو تصور کریں گے اور خدا کے ہاں جھوٹوں کے ذکر میں لکھا جائیگا اور جھوٹ کی بُرائی ہر شخص پر ظاہر ہے اگر ممدوح اس جھوٹی تعریف کو اپنی نسبت صحیح سمجھ کر مداح سے خوش ہوگا تو لوگوں کی نظروں میں دونوں احمق دکھلائیں گے اور مداح پر ممدوح کے حق کا گناہ لازم آئے اور ادھر سلی طبیعت سے راستی دُور ہوتی جائے گی اور ادھر جھوٹی اور بے سرو پا باتیں ذہن و قافیہ کے دلکش پیاسے میں سُنتے سُنتے سوسائٹی کے مذاق میں زہر گھلتا جائے گا حقائق و واقعات سے لوگوں کو ذر ذر ہر نسبت کم ہوتی جائے گی جھوٹی تعریف کرنے والا اپنے دل میں خود بھی جانتا ہے کہ ممدوح میں یہ صفت نہیں ہے جو میں بیان کرتا ہوں پس یہ ظاہر داری و مکاری بلکہ ٹھیک علامت تفاق کی ہے اور یہ بات عقیدت مندوں اور شرعاً گناہ ہے قطع نظر ان سب باتوں کے جھوٹی تعریف کرنا کمال درجہ کی چالوسی ہے اور شاعر و نثر نویس کو جس طرح فحش اور بے تہذیبی سے احتراز واجب ہے ایسے ہی خوشامد و چالوسی اور حد سے زیادہ مدح کرنا بھی نازیبا ہے الشعراء کذاب ایسے ہی شعرا کے حق میں آیا ہے۔

تفسیر تیسرے دن لکھا ہے کہ دو شاعر حضرت خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کی ابانت اور اسلام کی مذمت میں شریک کر دینے لگے، اور مشرک نے سکر پڑتے پھرتے تھے اُنکے حق میں آیۃ الشعراء یتبعہم الغادون الخ نازل ہوئی پس جو شاعر اپنے شعر میں ایسا مضمون لکھے جس میں ابانت کسی غیر یا دین اسلام کی یا کچھ بے ادبی خدا تعالیٰ کی جناب میں ظاہر ہو وہ مصداق اس آیت کا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت حسان بن ثابت اور حضرت ابن رواحہ وغیرہ مشرکوں کو دیکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم بھی تو شاعر ہیں اور حق بخانہ تو آئے ہیں شاعر جانتا ہے بلکہ ابن رواحہ نے کہا کہ میں اس وصف میں مرنا نہیں چاہتا آپ نے فرمایا تم اُن شاعر و نثر نویس نہیں جو غاوی ہیں بلکہ تم غازی ہو اسی لیے کہ مومن شمشیر کے ساتھ جہاد کرتا ہے یا زبان سے ساتھ پس جو شعر تم مذمت کفار میں کہتے ہو وہ انکو تیر و شان سے سخت تر ہیں اُسی وقت آیہ کریمہ اَلَا الذِّنُّ اَصْنٰوْا عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرَ اللّٰهُ کَثِیْرًا نَّازِل ہوئی رسالہ شان نزول آیات قرآنی میں مذکور ہے کہ یہ آیت ناسخ ہے آیت الشعراء الخ کی۔

اشعار ان رگزیہ غاوی خواند در قرآن خدا بہت از ایشان بقرآن ظاہر استنار ما

رے در رزم نماندست شعر و شاعری میں بے گرمیہ الشعراء یتبعہم الغادون الخ اللہ اعلم فی

نہ فیقولون ما لا یقولون دلیل توئے آتے ہیں مگر استنایہ آتے آخر سے تجاہل عارفانہ کرتے

ہمیں اور وہ یہ ہے اَلَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَانْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوْا
 سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيَّ ضَرْبٍ يَقْلِبُوْنَ (ترجمہ پوری آیت کا) اور شاعر پر دی کرے میں میں نے تو نے
 نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سرشارتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں جو کچھ نہیں کرتے گروہ لوگ جو ایمان لائے اور
 نیکیاں کیں اور یاد کیا اللہ کو بہت اور بدلا لیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہوا اور جلد معلوم کر گئے ظلم کر کے اسے کو کسر
 کر دیا آتے ہیں۔ کافر غیر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کا بن بتاتے تھے کبھی شلو کہتے تھے اور نبوت کے مشارف
 سو اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کا بن میں فرق بیان فرمایا اور
 اس آیت میں درمیان حضور کے اور شعراے عرب کے جو یہودہ باتیں بکا کرتے تھے اور لات منات وغیرہ
 کی تعریف لکھا کرتے تھے فرق بتلایا کہ شعرا گمراہی کی پردی کرتے ہیں اور یہ دو طرح سے ایک یہ کہ
 پھرتے ہیں یعنی طرح طرح کے یہودہ مضامین لکھتے ہیں کبھی کچھ کہتے ہیں کبھی کچھ ایک بات پر قائم نہیں ہتے اور ان باتوں سے
 کوئی شخص ہدایت نہیں پاتا بخلاف امر آنحضرت کے کہ وہ اول سے آخر تک ایک ہی بات ہے کہ دعوت دین
 فرماتے ہیں اس سے لوگ راہ راست پر آتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ نہیں کرتے یہ بھی غلامت
 گمراہی کی ہے بخلاف آنحضرت کے کہ وہ خود بھی وہی کرتے ہیں جو اور دن سے کہتے ہیں یعنی توحید باری تعالیٰ
 اور عبادت مہود برحق اور ترک شرک و معاصی وغیرہ اور باندہ ہنا افعال و اوصاف و ہمہ ست توہم ذماتے ہیں
 اور خود بھی ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہیں مگر برایمان جو اوپر بیان کی گئیں ان سے وہ شعرا کہتے ہیں
 جو ایمان دار ہوں اور افعال ان کے صالح ہوں اور شعرا ان کے توحید و نبوت و دعوت حق اسے اللہ اور
 ایسی باتوں سے مملو ہوں جو سچی ہوں اور یاد آتی سے غافل رکھنے والے نہوں اور کسی کی جہنم کر کے ہوتا
 مگر کوئی بچو کرے تو اسکو جواب دینے میں مضائقہ نہیں ہے اور اس میں بھی شرط یہ ہے کہ زیادتی نہ ہو۔
 هٰكَذَا يَسْتَفَادُ مِنْ مَفَاحِيْهِ النَّصِيْبِ -

صاحب مرآۃ الخیال کہتا ہے کہ کلام ملک العلام اکثر جگہ وزن شعری ہے اور اس میں منفعت شعری
 پائی جاتی ہے پس یہ قول بعض کا کہ کلام الہی میں نظم منقود ہے مردود ہے (۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 بحر سیرج میں ایک مصرع موزون ہے بر وزن مفعولین مفعولین فاعلان سے

بسم اللہ ایک منکر شعری بگو جواب : | مزدون چہ است انچہ تہران مقدم است |

اور اسی کے بحر وزن میں سورہ طہ کی یہ آیت ہے قال فصا خطیبت یا سامری بر وزن مفتعلن
 مفتعلن فاعلن (۲) انا اعطیناک الکوفہ بحر متدارک میں ایک مصرع موزون ہے بر وزن مفتعلن
 فاعلن فاعلن بکون عین (۳) یہ آیات بحر مل کے وزن پر ہیں ان تینوں بحر موزون ہیں

فَاعْلَاقُ فاعِلُ اسے طرح نما قرآنتم تشهدا و ن اسی طرح تم اتم ہو کلاء تَقْتُلُونَ اور سورہ
سبا کی یہ آیت بھی اسی بحر کے وزن میں ہے وَجْهَانِ کَا لِحَوَابٍ وَقَدْ فَرَسَا سِيَاتِ رُوزْنِ فَعْلَانِ
فَاعْلَانِ دوبارہ (۴) سورہ کہف کی یہ آیت بحر طویل میں ہے فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ
بِرُوزْنِ فَعْلَانِ مفاعیل فَعْلَانِ مفاعیل (۵) بحر شقارب میں سورہ اعراف کی آیت ہے وَاصْلِي لَهُمَانِ كَيْدِ
مَنْبِيْنِ بِرُوزْنِ فَعْلَانِ فَعْلَانِ فَعْلَانِ فَعْلَانِ (۶) بحر زنج میں سورہ یوسف کی
یہ آیت ہے تَاللّٰهُ نَعْدُ اَنْتَ اَللّٰهُ عَلَيْنَا بِرُوزْنِ مَفْعُولِ مَفَاعِيلِ فَعْلَانِ (۷) بحر نزع میں سورہ دہر
کی یہ آیت ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نَظْفَةٍ مِّمَّ رُوزْنِ مَفْعُولِ مَفْعُولَاتِ مَفْعُلَانِ (۸) بحر مضارع میں سورہ
مومن کی یہ آیت ہے يَوْمَ التَّنَادِ يَوْمَ تَوَلَّوْا مَدْبُورِيْنَ بِرُوزْنِ مَفْعُولِ فَاعْلَانِ مَفَاعِيلِ فَعْلَانِ (۹)
بحر مدبر میں سورہ مومنوں کی یہ آیت ہے اصْنَعِ الْفُلَّانَ بِاعْيُنِنَا بِرُوزْنِ فَاعْلَانِ فَعْلَانِ فَعْلَانِ فَعْلَانِ
(۱۰) بحر بسیط میں سورہ انفال کی یہ آیت ہے لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا بِرُوزْنِ مَفَاعِلِنِ فَاعْلَانِ
مَفْعُلَانِ فَعْلَانِ بِكُونِ عَيْنِ (۱۱) بحر وافر میں سورہ توبہ کی یہ آیت ہے وَيَجْزِيْهُمْ دِيْنَهُمْ كَمَا عَلِمْتَ
مَدْدُورُ قَوْمِ مَوْمِنِيْنَ مَفَاعِلَتِنِ فَعْلَانِ فَعْلَانِ مَفَاعِلَتِنِ فَعْلَانِ (۱۲) اور بحر کامل میں یہ
آیت ہے وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ بِرُوزْنِ مَفْعُلَانِ مَفْعُلَانِ مَفْعُلَانِ
(۱۳) بحر خفیف میں یہ آیت ہے اَمَّا اَيُّهَا الَّذِيْ يَكْتُمُ بِالْاِيْمَانِ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدْعُوْا الْيَتِيْمَ (۱۴)
اور بحر مقتضب میں یہ آیت ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّكُمْ تَوَلَّوْا فَعْلَانِ (۱۵) بحر مجتنب میں سورہ توبہ کی یہ آیت ہے
مُطَوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقَاتِ (۱۶) بحر جزم میں یہ آیت سورہ دہر کی ہے وَحَارِبِيْنَ
يَلِيْهِمْ ظُلُمَاتٌ اَلْمَا وَ ذَلَّلَتْ قُطُوفُهَا تَذَلُّلًا۔

مولوی صہبائی لکھتے ہیں کہ جو آیتیں کلام الہی کی یا حدیثیں موزون ہیں وہ شعر نہیں بلکہ شعروہ کلام منقطع ہے جو قصہ شعر موزون کیا جائے پس جو آیات موزون ہیں اگرچہ بلا قصد موزون ہونا ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا اور نہیں کہہ سکتے کہ اس جناب اقدس سے بلا قصد موزون ہوئے ہوں اور اس پر اطلاع نہ ہوئی ہو و معاذ اللہ لیکن بقصد شعر موزون نہیں فرمایا پس شعر نہ ہو میں اور اگر بقصد شعر موزون کر کے کی قید نہ لگائی جائے تو اصطلاحاً شعر کہنا جائز ہے لیکن چونکہ اکثر شعریں مبالغہ و کذب ہوتا ہے اور کلام الہی ان امور سے پاک ہے لہذا شعر کا اطلاق ادب کی رو سے منع ہوا اتنے بعض کا قول ہے کہ قصہ شکلم شعریں لازم نہیں لیکن میسر لدین فقیر مصنف حدائق البلاغت کہتے ہیں کہ یہ قول مردود ہے اس لیے کہ جہاں میں کوئی ایسا شکلم نہ ہوگا کہ کبھی نہ کبھی اسکی زبان سے بے قصد کلام موزون سرزد

شو جاے پس جب قید قصد کی موزون کرنے میں نہونی تو ہر تکلم کو شاعر کہنے لگیں حالانکہ ایسا نہیں۔
 آب حیات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص کی بگھی بے چھٹکی بندھی تھی نواب سعادت علی خان
 والی اودھ کی زبان سے اُسکی نسبت یہ مصرع نکل گیا ہے پڑی تو نہیں ہے یہ فرہیس کی ٹوپی؟
 حالانکہ نواب سعادت علی خان کو کوئی شاعر نہیں کتا اور نہ انکو خود شاعر ہونے کا دعویٰ تھا مزارِ حرمِ پاک
 مخزن الشعراء میں لکھتے ہیں کہ ذات شعر میں قصد کو دخل نہیں اگر بلا قصد شعر موزون ہو جائیگا تو فی البدیہ
 سمجھا جائے گا مگر میرے نزدیک یہ آیات شعر میں داخل نہیں شرمِ جز کے قبیل سے ہیں جس میں شعر کا وزن
 ہوتا ہے اور قافیہ نہیں ہوتا۔ پس اب یہ کہیں گے کہ یہ آیات رب العزت نے قصد انشراح میں فرمائی
 ہیں نہ فی البدیہ شعر میں نہ بالقصد شعر میں اگر شعر ہوتا تو کسی جگہ تو ایسی موزون آیات کے درود
 مصرع برابر واقع ہوتے بلکہ جہاں ہے موزون ایک فقرہ ہے۔ مولانا غلام علی آزاد خان عامر دین لکھتے ہیں
 کہ اگرچہ کلام موزون کا صدور اول تکلم قدیم یعنی جناب باری عزائم سے ہے لیکن چونکہ اسما سے آہی توفیقی
 ہیں اسلئے شاعر کا اطلاق اُس ذات تعالیٰ پر نہیں ہو سکتا۔ یاد رکھو کہ اسما سے آہی کے توفیقی ہونے سے
 یہ مراد ہے کہ اُس ذات پاک پر کسی نام کا اطلاق حقیقتہً اور مجازاً بغیر اُن شارح کے درست نہیں ہوا تو غلطی
 محدث دہلوی اور ملا علی قاری شروح مشکوٰۃ میں کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن بمیدودہ پیش میں موزون دیکھو
 بہت مقصود بالذات نہیں۔

بالجملہ شعر کا وجود جو از قبل زمانہ حضور پر نور سے اور خاصاً بابرکت میں ہر تشریح متذکر ذیالاثابت
 ہو گیا اور بعد میں بھی شعر کہنا صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کا ظاہر ہے حضرت ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بسبب
 نہ آگاہ ہونے فن شعر سے تاسف ظاہر فرمایا ہے ابن جوزی سے مروی ہے یسمع محمد بن الخطاب عظماء اخوا
 صالک بن نويرة يندب اخاه ويقول الشعر فقال يا ليتني اقول الشعر فانك انت اخي نريد (ترجمہ)
 حضرت محمد بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سنا کہ تم ہر مالک بن نويرة اشعار کہتا ہے اور اُس میں اپنے بھائی کے
 محاسن و خوبیاں بیان کر کے روتا ہے فرمایا کا شکے میں بھی شعر کہتا ہوتا کہ اپنے بھائی کو بدیر رہتا اور اُس کی
 خوبیاں بیان کرتا صاحب مخزن الشعراء نے ایک شعر حضرت ابوہریرہ کا نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ بہت حضرت
 ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماتم میں کہی تھی پس تعجب کی بات ہے کہ یہ خیال کیا کہ آپ وقت شہادت حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ کے اس عالم میں کب تشریف رکھتے تھے بلکہ حضرت عمر فاروقؓ بھی رونقِ سحرور
 خلد برین ہو چکے تھے دراصل وہ شعر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے اور کیفیت غصاں اس شعر کا یہ ہے
 کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضورؐ سے بخوارون میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے

دعا سے برکت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ ان تجواروں کو اپنے توشہ دان میں ڈال رکھو ان تجواروں میں ایسی برکت ہوئی کہ قریب تین برس کے خرچ ہونے رہے اور منوں چھوڑے اسلحہ کی راہ میں دیے مگر کم نہوے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن وہ توشہ دان کھو گیا اور ابو ہریرہ کو نہایت رنج ہوا اور یہ شعر کہا۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِي هَمَّانٍ فَقَدْ اجْرَابَ وَقَتْلَ لَيْثِ عُمَانَ

یعنی لوگوں کو ایک غم ہے اور مجھ کو دو غم ہیں ایک گم جانے توشہ دان کا دوسرا شہادت حضرت عثمان کا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا دیوان مشہور ہے جسکی شرح بڑے طول و بسط کے ساتھ قاضی حسین بن معین الدین یبزدی صاحب شرح ہدایت الحکمۃ نے لکھی ہے بیان پر چند ترمیمیں و تبرا لکھے جاتے ہیں۔

دَعِ ذِكْرَهُنَّ فَمَا لِهِنَّ وَفَاءٌ
يَكْسِرْنَ قَلْبَكَ لَمْ لَا يُجْبِرُنَّهٗ
بِرَجْعِ الصَّبَا وَعَهْدُهُنَّ سَوَاءٌ
وَقُلُوبُهُنَّ مِنْ أَوْفَاءِ خِلَاءِ

ترجمہ: اچھوڑ ذکر انکا یعنی عورتوں کا اسلئے کہ اُن میں وفائیں ہو اکا جھوٹا اور انکا عہد و پیمان برابر ہے تیرے دل کو توڑنے کی پھر نہ جوڑ سکی انکا دل وفا سے خالی ہے۔

قَالَ الْمُنَجِّمُ وَالطَّبِيبُ كِلَاهُمَا
إِنْ مَتَّحَ قَوْلُهُمَا فَلَسْتُ بِمَخَاسِرٍ
لَنْ يَخْشَرَ الْأَمْوَاتُ قُلْتُ أَيْكُمَا
وَأَنْ مَتَّحَ قَوْلِي فَأَخْشَرُ عَلَيْكُمَا

ترجمہ: کہا منجم اور طبیب دونوں نے کہ مردے برگزنا اٹھیں گے۔ کہا میں نے دُور ہوا اگر تمہاری بات سچی نکلے تو مجھے نقصان نہیں ہو سکتا اور اگر میری بات سچ ہوئی تو تم کو نقصان ہوگا۔ امام غزالی نے یہ دو شعر لکھوائے سرسبز کی طرف منسوب کیے ہیں لیکن شیخ العارفین امام محی الدین قدس سرہ فتوحات میں فرماتے ہیں کہ ایہ اشعار علیؑ کے ہیں چنانچہ شرح مذکور میں بھی مندرج ہیں۔

اور کتب معتبرہ سے ثابت ہے کہ جناب سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اشعار کے ہیں چنانچہ روایت ہے کہ جب روح مطہر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خاکدان ظلمانی سے عالم نورانی کی طرف تشریف فرما ہو کر رونق افروز اعلیٰ علیین ہوئی تو حضرت سیدۃ النساء کو ایسا الم ہوا کہ حیطہ تحریر و تقریر سے باہر ہے بعد دفن کے قبر مبارک پر تشریف لائیں اور ٹھوڑی سی مٹی وہاں کی اٹھا کر سونگھی اور یہ اشعار پڑھے۔

مَاذَا عَلَيَّ مَنْ شَقَّ قَرْنَيْ أَحْمَدَ
صَبَّحْتُ عَلَى مَصَافٍ لَوْ أَنَّهَُا
أَنْ لَا يَشُمَّ مَذَاكِرَ مَنْ فَوَالِهَا
صَبَّحْتُ عَلَى الْأَمْرِ مَنْ كَيْالِهَا

ترجمہ: کیا چاہیے اُسے جو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نریت کو سونگھے اسکو یہ چاہیے کہ عمر بھر کوئی خوشبو نہ سونگھے

مجھ پر وہ مصیبتیں پڑیں کہ جو دلوں پر پڑتیں تو دلوں کی راتیں ہو جاتیں۔
اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام مقامِ رجز میں فرماتے ہیں۔

خَيَّرَ اللَّهُ مِنَ الْخَلْقِ إِلَى أَهْلِ مَتَى فَأَنَا مِنَ الْخَيْرَيْنِ

یعنی میرا باپ بہترین مخلوق خدا ہے اور مان بھی پس میں دوا چھون کا بیٹا ہوں۔
حضرت عباس بن امیر المومنین علیؑ فرماتے ہیں۔

وَاللَّهِ لَوْ قَطَعْتُمْ عَيْنَيَّ لَا جَمِيتَيْنِ صَابِرَاتَيْنِ دِينِي

یعنی قسم خدا کی اگرچہ میرا ہاتھ تنے کاٹ ڈالا لیکن میں وگن کو اپنے دین سے بچاؤں گا یعنی دین پر جو حملات
ہیں میں اُس پر کسی نہیں کروں گا۔
حضرت علیؑ اکبر فرماتے ہیں۔

أَنَا عَلِيُّ بْنُ حُسَيْنٍ بْنُ عَلِيٍّ مُحَمَّدٌ وَبَيْتُ اللَّهِ أَقْلِي بَابِي

یعنی میں بیٹا حسین بن علیؑ ہوں قسم بہت بیتِ اہل کی تم نبی سے بہت قربت رکھتے ہیں۔

مَاذَا تَقُولُونَ إِذَا قَالَ النَّبِيُّ لَكُمْ مَاذَا تَعْلَمُونَ إِنَّهُ حَكِيمٌ لَا مَقَرَّ

یعنی کیا جواب دو گے جب نبی تم سے فرمائیں گے کہ تم نے کیا حال دیکھا کہ تم غیر الائمہ تھے۔
روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص نے شہداء سے جہاد نو شیرانیوں کے روئے کیا تو جو لوگ شعر
کے فن میں مہارت رکھتے تھے اُن سے فرمایا کہ ایسے اشعار جو غازیوں کی طبیعت کو تیز اور مستعد تجویز کریں سناؤ چنانچہ
شعرا اور غازیوں نے ایسا ہی کیا۔ تذکرہ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حضرت ابوالعباس ساسی مرید حضرت ابو بکر دہلوی
رحمۃ اللہ علیہما فرماتے تھے کہ اگر نماز بے قرآن کے پڑھا ہوتی تو اس شعر سے روا ہوتی۔

أَتَمَنُّ عَلَى الزَّمَانِ مَجَالًا أَنْ يَذْهَبَ فِي الْحَيَاةِ خَلْقَتْ جِرًا

یعنی زمانہ سے توفیق چاہتا ہوں یہ کہ دیکھی جائے زندگی میں دورت آزاد مردی۔

شعر محمود و مذموم

اس حدیث سے کہ الشعر هو ظلام فحسب حسن و فحسب قبيح یہ بات پیدا ہوئی ہے کہ بعض شعر محمود ہے
اور بعض مذموم ہے۔ محمود وہ ہے جس میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہو اور دایمات مضامین دورہ ظالم
و بے فائدہ باتوں سے خالی ہو اور غلو سے پاک ہو اور اس میں ظالموں اور فاسقوں کی خدشاں نہ ہو اور مذموم
وہ شعر ہے جس میں اس قسم کی باتیں ہوں اور جلیط شعری دو حسین و دوین شعری بھی دو حسین و دوین ایک فرقہ محمود

اور اس میں وہ شعراء داخل ہیں جنکے شعرون میں مضمون حسن و پاکیزہ اور نہایت عمدہ ہو جسکے سننے سے بے اختیار کلمات تحسین و آفرین زبان سے نکلیں اور انکے کلام میں کوئی بے تہذیبی اور خلاف شرع بات نہ ہو دوسرا فرقہ کُند مومسہ اس میں وہ لوگ ہیں جنکے شعر قبیح بزرگوں کی ہجو اور کلمات تمسک اسلام اور استہزاء سے شریعت اور مخرقات و دہشیات سے بڑھوں اور ہزلیات سے مملی ہوں۔

ہر شاعر کو اس بات کا لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ یہود و کلمات اور بڑی بات زبان سے نہ نکالے اور دشنام و بیجو و ملامت سے پرہیز کرے ترمذی نے ابوامامہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا یا حیاء اور بات محاذ کر کے کنا دو شاخیں ہیں ایمان کی اور فحش و بدزبانی اور بے وقارک بات کہتا دو شاخیں ہیں خفاق کی بعض شعراء متقدمین نے جو کلمات پسند و لصاح ظرافت و ہزل بازی میں دانستہ مستہزئہ ہیں وہ صاحب دہون کے واسطے انتباہ کامل ہے۔ عقلاً خوب جانتے ہیں چنانچہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اپنے کل م میں لکھتے ہیں۔

بہر است نکتہ امین گفتار | ہزل بکنار و جد از دہوار |
شاعر دن کو یہ بھی ضرور ہے کہ شعروں میں ایسے مشغول دہوت نہ رہیں کہ بیشتر اوقات شعری کاشتیں کھین کر رہیں اور دوسرے اوقات غافل رہیں بلکہ چاہیے کہ فکر معاد و معاش و سرشتہ حفظ مراتب بزرگان اور تمیز حق و باطل با تہمت نہ دین جو شاعر ایسا خیال نہ کرے اور شب و روز اسی شغل میں رہے اور اوقات ضائع کرے اُسکو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان فرمایا ہے جیسا کہ مسلم نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک روز میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا جاتا تھا ایک لڑکی ایک شاعر آگے آیا کہ شاعر پڑھتا جاتا تھا اپنی س رہ میں مدہوشانہ اشعار پڑھتا چلا جاتا تھا آپ نے فرمایا کہ پڑو شیطان کو اور یہ بھی فرمایا کہ آدمی کے پیش کا پیپ سے بھرنا بہتر ہے اس بات سے کہ وہ شعر سے بھرے اس سے معلوم ہوا کہ ہر وقت شعر کی فکر میں رہنا اور اوقات ضائع کرنا اور فکر معاد و معاش سے غافل رہنا ممنوع ہے۔

دوسرے موقی حقیقت اردو اور شاعری رنجیت کے بیان میں |

رنجیت مصد رنجیت سے مقبول کا مینغہ ہے یعنی بٹا ہوا یا گری پڑی پریشان چیز چونکہ زبان اردو کوئی زبانوں سے ملکنی ہے اسلئے اسکو رنجیت کہتے ہیں اور اس زبان میں ہر طرح کے الفاظ پریشان جمع ہیں مثلاً عربی فارسی کی پنجابی پوہلی بنگالی مادامی بڑی بندیل کھندی و کھنی انگریزی سریانی یونانی فرانسیسی چینی پشتو وغیرہ مثال کل مرزا غلام فرید تھے کہ احمک زبانی دریافت ہوا کہ دوم دس کی ٹوٹی جھوٹی تھی اُس میں ایک ٹوڑے پر عثمان پاشا کو ہزیمت ہوئی مدعی غالب نے میں نے کہا آپ اس جلی کی بات کا کاتب کو قہقہہ کرتے ہیں چنانچہ پاشا

جزل افواج دم بڑے شجاع و بہادر ہیں بغیر فتح کیے ہوئے میدان جنگ سے منہ نہ پھیرینگے اس مثال میں
زبان اور دریافت اور بہادر اور میدان جنگ الفاظ فارسی ہیں اور نہایت اور غالب اور یقین اور افواج
و شجاع و فتح وغیرہ الفاظ عربی اور جلی یعنی نادان و زبان و زبان پنجابی اور پاشا کی اور جزل انگریزی اور کا ہے
جسکے ساتھ لفظ کو ملا ہے زبان برج کا لفظ ہے۔

دریائے ستلج سے اُس طرف زبان پنجابی ہے اور جس قدر دریائے ستلج سے اس طرف دہلی تک نظر کریں تو
آرود زیادہ تر فصیح ہوتی جاتی ہے دہلی دارالسلطنت اور اسکے گرد و لواح سے جس قدر آگے بڑھیں برج بھاشا اور
پوربی داخل ہوتے ہوئے بنگالی بن جاتی ہے اور جس قدر جنوب کو چلے جائیں ماٹلاٹری داخل ہوتے ہوئے
کوئٹی اور گجراتی ہو جاتی ہے۔

حال کی تحقیقات کا نتیجہ یہ ہے کہ ہندی کا پہلا شاعر جس کا تخلص پنڈت غلامت ۷۷۷ بکری ہیں
گنڈا ہے اس لیے ہندی شاعری کی پیدائش ابھی تک سمت سات سو میں جہور نے مانی ہے سمت ۸۹۰ میں
بھی ایک شاعر کا کلام ملا ہے مگر ابھی تک شاعر کا صحیح نام معلوم نہیں ہوا سمت ایک ہزار سے با ترتیب
حالات ملنے لگے اس سمت میں ایک مشہور شاعر بھوآل کے نام سے گنڈا ہے اور سمت ۱۱۸۰ کے
تک بھگ دو مسلمان شاعر بھی گندے میں چند ہردای ایک بڑا زبردست شاعر ہمارا جو پر مٹی راج کے
دربار میں تھا اور اس کا زمانہ سمت ۱۲۲۵ سے سمت ۱۲۴۹ تک مانا گیا ہے چند کے زمانے سے
پہلے صرف آٹھ ہندی شعرا کا وجود اس وقت تک دریافت ہوا ہے ان آٹھ میں پانچ ہندو اور
اور تین مسلمان ہیں۔

اصل زبان اردو کی بھاشا ہے اور حلاوت و ٹکینی فارسی و عربی سے ملی ہے قدیم شعراے ہند
اشلوک اور دوہے اور گیت میں مضامین شمری کو ادا کرتے تھے ہندوستان میں وید کی زبان
راج مٹی گیارہویں صدی عیسوی سے پہلے زبان بھاشا ایجاد ہوئی جسکی عمر نو سو برس سے زیادہ نہیں۔
اور پھر ہی زبان راج رہی مگر گیارہویں صدی عیسوی تک کوئی کتاب زبان بھاشا میں تصنیف نہیں ہوئی
سنہ گیارہ سو کیا نوے میں سلطان محمد شہاب الدین غوری نے ہندوستان پر چڑھائی کی اور میان کے آخری
ماجد پر مٹی راج کو شکست دے کر اپنا تسلط کیا اور رفتہ رفتہ بخوبی قبضہ سلاطین اسلامیہ کا ہو گیا تو شعراے
کامدار اور مادنیان بلاغت شعرا فارس سے ہندوستان میں آئے اور کچھ عرب سے تک اپنی اصلی زبان میں شعر
کہتے رہے رفتہ رفتہ ہندوستان کی زبان قدیم میں الفاظ عربی و فارسی اور ترکی ملتے گئے بہانک کہ تیرہویں
صدی عیسوی مطابق ساتویں صدی ہجری میں حضرت ابوالحسن امیر خسرو مدنی روح طبع خدا داد اور قوت ایجاد

رہتے تھے سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں اس عالم میں رونق بخش ہوئے اور داو شاعری دی اور
 سخن سنجی با قیام کیا اور طرز جدید کے موجد ہو کر وہ نیا ڈھنگ اختیار کیا کہ تا قیام قیامت نام اکا صنفی ہستی قائم
 رہے گا اکثر گیت اور پہیلیاں زبان بھاشا میں اسی طرز و ترکیب پر کہی ہیں اور بہت اشعار و غزلیں زبان
 مرودہ وقت اور بحر فارسی میں موزون کی ہیں اور مکر نیاں زبان بھاشا میں خاص نالکی مخمرعات سے ہیں
 اسی طرز و طرح انہیں اور ڈھکوسلے اور دو سٹخنے بھی کہی کہی کہا کرتے تھے کہ وہ بھی انہی کی ایجاد ہیں یہاں پر
 کچھ اشعار اس قسم کی غزلوں کے اور تھوڑی سی مکر نیاں وغیرہ بطور مثال کے لکھی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو
 اس وقت کی شاعری کا ڈھنگ معلوم ہو۔

اشعار غزل

شبان ہجران دراز چون زلف ریز و صلتش جو عمر کوتاہ	سکھی ہیا کو جو میں نہ نکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری بیتان
بھایک اندل دو چشم جاو و بعد فرج ہم ہر تسکین	کسے ہڈی ہے جو جاسا ہے پیارے ہو کو ہاری بیتان
حق روز وصال عشر کہ دادا ما فریب خسرو	بٹھائے راکھوں کو سن دی سا جن جو کھنہ پاؤں دیون غیلان

مکری

ادبھی اٹاری پلنگ بچسایا	میں سوئی میرے سر پر آیا
کھل گئیں اکھیاں بھئی اشد	سکھی کوئی سا جن تا سکھی و چند
ایضاً	ایضاً
ایک بجن مور اسن للجا و سے	کچھ چوے اور بات ہنا و سے
ہوٹن لاگ بھی رس کھینچا	سکھی کوئی سا جن تا سکھی و نیچا
ایضاً	ایضاً
سگری رین پھٹین پر راکھا	رنگ رس سب واکا چاکھا
بھور بھئی تب دیا ڈار	سکھی کوئی سا جن تا سکھی ہار
ایضاً	ایضاً
کھوڑا چومت دن رات	ہوٹن لاگ کمت نہ بات
چا سے میری جگ میں پت	سکھی کوئی سا جن تا سکھی نت
ایضاً	ایضاً
اُس بن بکھر چین نہ آد سے	وہ میری تس آن بکھا د سے

ہے وہ سب گن بارہ بانی | سکھی کوئی ساجن ناسکھی بانی

انگل

کھیر پٹائی جتن سے۔ چرخہ دیا جلا۔ آیا کتا کھا گیا۔ تو بیٹھی ڈھول بجایا۔ لایا پانی لا۔

ڈھکوسلا

بھادون کی پکی پیلی۔ چوچوڑی کپاس۔ بی ہترائی دال پکاؤ گی۔ یا نگاہی سور ہون۔

بنولی کی پیلی

نور سے ایک تریا اتری آئے بہت رتجایا | باپ کا اسکے نام جو پوچھا آدھا نام بتایا
آدھا نام پتا پر پیارا بوجھ پیلی موری | ایسر خسرو یون کہیں اپنے نام بنولی

ناخن کی پیلی

بیون کا سر کاٹ لال | نانارا ناخون کیا

لال کی پیلی

اندھا گونگا ہرا لے گونگا آپ کہا ہے | دیو سفیدی ہوت انگار گونگے سے بھڑ جائے
ہانس کا سندروا کا باسا پاشے کا وہ کھا جا | سنگ ملے تو سر پر رکھیں واکورا دراجا
سی سی کر کے نام بتایا۔ تائین بٹھا ایک | اٹا سیدھا ہر بھردیکو وہی ایک کا ایک
بھید پیلی مین کے تو سن سے میرے لال | بی فارسی ہندی تینون کر دخیال

خالق باری بھی انہی کی مخلوقات کرتے ہیں اس میں فارسی کی بگردان کے اول اثر کیا ہے اور
اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سوقت کون کون سے الفاظ مستعمل تھے جو ب مزدک میں۔

حولہ

اودون کی جو پری بابت چٹو کی آٹھ پری | باہر کا کوئی آئے ناہین آئین سب شہری
صاف صاف کر آگے راکھے جس میں ناہین تو سلا | اورون کے جہان سنگ سادے چٹو کے موسل

ایسے ہی اور شعرا سے وقت نے غزل سرائی کی ہے چنانچہ حامد کوئی شخص ہوا ہے اسکا نام معلوم نہیں
کہتے ہیں کہ حامد باری اسی کی تصنیف ہے اسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید کوئی پنجابی ہے یا اسکا
کلام ہے۔

عزم سفر جون کردی ساجن نینو نیند نہ آئے جی | ندر و صالت ناوانتہم تم بن ہرزہ ستا لے جی
میر غلام من دہلوی نے تذکرہ شعرا میں لکھا ہے کہ جہانگیر کے عہد میں ایک شخص پنجاب کی غلص

گرتا تھا اس کا یہ شعر ہے ۔

ٹھکانی ہے اپنے من میں اب تو یہی سرچن
تجہ بیم کی گلی میں خاکی کو خاک ہونا

مرحمت نوحانہ جاوید کہتے ہیں کہ ایک پرانی بیاض مین جو اس وقت میرے پاس موجود ہے مٹی پیارے لال
خونی تخلص کی ایک غزل مندرج ہے جو مد جہانگیر مین فارسی شاعر تھا اور اردو بھی کہنے لگا تھا مین اُسکے
چند شعر بیان لکھا ہوں ۔

جن بیم رس چاکھا نہیں ابرست بیا تو کیا ہوا
تو بد لود طواریں ساری عمر ضائع کیتی
جوگی و جنگم سیور رنگ لال کپڑے پہرے کے
جیو مین نہیں پی کاہد دیشھا شاخ ہوئے گر
جب عشق کے دیارے مین ہوتا نہیں غنچ قاشت
نارنگ بسی سب پھوڑ کر دل تن سے ترن غلوت بکڑ
جن عشق مین مرنا دیا جو جگ جیا تو کیا ہوا
سکے مگر حیلے گئے ملا ہوا تو کیا ہوا
واقع نہیں اس حال مین کپڑا رنگا تو کیا ہوا
من کارہٹ پھرتا نہیں سمن کیا تو کیا ہوا
لگا بنا رس دوار کا پنگٹ پھرتا تو کیا ہوا
شونی پیارے لال بن سب مین ملا تو کیا ہوا

پھر رفتہ رفتہ کن مین بھی شاعری شروع ہوئی اور وہاں کے دکنی الفاظ رغبتہ کی زبان مین ملتے گئے اور سبب
اسکا یہ ہوا کہ محمد شاہ بن تعلق لے اپنے عہد مین ایک مرتبہ تمام اہل دہلی کو نکال کر دکن آباد کن مین بھیجا تھا اس نقل
و حرکت کے سبب سے دکنی الفاظ رغبتہ مین بہت مل گئے دوسرا سبب یہ تھا کہ جو لوگ سلاطین بادشاہ کے ہر کام
دکن کو جاتے تھے اشار شعراے دکن کے لاتے تھے اور دکن کے شعرا مین - احسن - اشرف - جعفر خوشنودی -
عزیز اللہ - احمد فیضی - لطفی - ہالفی - ہاشم - سعدی وغیرہ بیان پر غصوڑا سا کلام بھی بعض شعراے دکن کا درج
کیا جاتا ہے ۔

سعدی

تشفہ چو دیدم بر رخست گفتم کہ یہ کیا دیدیت ہے
ہمنا تم کو دل دیا تم دل لیا اور دکھ دیا
سعدی غزل انکیختہ شیر و شکر آہیختہ
گفتا کہ در ہوا درے اس شہر کی ریت ہے
تم یہ کیا ہم وہ کیا یہ بھی جگت کی ریت ہے
درختہ درختہ ہم شعر ہے ہم گیت سے

احمد

گر بختے ناز غے کے در زیر پیر غے نہ
مگر خفکے بازی گرس خوانندہ و عالم شود
گر بچہ شیرے کے با شیر رد ہر دور
از اجل خود تا بد بردن آخر گلیلا ہوے پر
اصلیکہ نارد کے رود آخر نہ ہوا ہوے پر
مردی کہ دھمکے رود آخر گلیلا ہوے پر

ولہ

بھون دھن کی چٹھان صوری سانہ لے گوشہ | کرمیت کی باندھی اور پیت کی ہاٹ پر نکلی

خوشنودی

سب برین جاگے سچ پر تو بھی بجن آیا نہیں | چپ چپ کے دیکھی ہاٹ میں دشمن کو دکھلایا نہیں

فضلی

نکھون ہون نیم جان جانان تصدیق تجھ کر کے کو | کیا سب تن کو میں درین الجھون دشمن پہلے ہون

باشم

دکھن اور ہند کے دلبر ہم سے بے حجاب اپنے | کہ گھڑے جاند سے بوجن کے خط کے بیچ تا بچے

اسن

جب لے سفر نے کیا تب تے غیب آدارہ ہون | یا بیگ بی آیا کون یا بھکے بولے کر

جعفر

غزوان سے دیکھو شوخ مجھے مار کر چلے | ہر وح تپہ ماہ منی تھار کر چلے

اشرف

پیامد میرے تین برآگ بھایا ہر جو ہوئی موسو ہو جا | بھوت اب جو کیوں کارنگ ریا ہر جو ہوئی موسو ہو جا

عزیز اللہ

مجھ نیم جان میں کیا سکت بولون جو دلیان کی صفت | عاجز عزیز اللہ آپر دکھن کے سب بران مدد

لطفی

میں عشق کی گلی میں گھائل پڑا تھا تپہ | جو بن کا ماتا اگر بھکو کھندل گیا ہے

باتلفی

تیری اکھان وزلف سے کافر ہوا سارا جہان | اسلام اور تھوے گمان زہد اور مسلمانی گدھر

اُس جہ کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص مصری کو دودھ میں گھولے لوارل اسکی حق تولی دیان ملی

ہن اور چنے واسے کو کبھی بھیکے دودھ کا گھونٹ اور کبھی کچھ مٹھا اور کبھی ساری مصری منہ میں آجاتی ہے

آخر کو گھل کر دونوں ایک ہو جاتے ہیں جب مشنہ ابھری میں نسل نیوریہ کے پانچوین تابدار بند شاہجہان نے

نیا شہر شاہجہان آباد کیا اور قلعہ معلے اور جامع مسجد اور شہر شاہ کو تعمیر کرایا اور قاب علی مردان خان نہر لایا

اور بادشاہ نے خوش فرمایا اور شہر کو انکلافت قرار دیا تب انہوں نے اہل کمال اور صاحب خسر

قدر دانی و فیض سانی اس صاحب قرآن ثانی کی شکر حضور میں جمع ہوئے اور ہر ملک کے لوگوں کا مجمع ہوا رفتہ رفتہ
 پہلانی بولی متروک ہونے لگی اور محاورہ صاف ہوتا چلا مختلف ملکوں کے آدمی باہم جمع ہوئے سودا سلف لین دین
 نشست برخاست سوال و جواب میں ایک دوسرے سے گفتگو ضرور پڑی چونکہ اصلی زبان ہر ایک کی جدا
 تھی اس لیے ضرورت ہوئی کہ کچھ الفاظ دوسری زبان کے ملا کر غالب کو سمجھائیں اسی طرح یہاں کے اصلی باشندہ کو بھی
 واجب ہوا کہ اپنے کلام میں کچھ الفاظ و محاورات اہل فارس کے ملا کر مطلب کو ان کے ذہن نشین کرتے چند روز کے
 بعد ایک نئی زبان جس کو اب اردو کہتے ہیں ہو گئی جو ترکی میں اردو بانا لشکر کو کہتے ہیں اور یہ زبان اردو
 شاہی سے نکلی ہے پس کثرت استعمال سے خود زبان کو بھی اردو کہنے لگے اور اردو مرہا شہر دہلی کا نام ہو گیا۔
 یہ صرف شاہ جہان کا اقبال ہے کہ یہ زبان اُس کے اردو کی طرف منسوب ہو گئی ورنہ اوپر کے بیان سے معلوم
 ہوا ہوگا کہ بنا اُسکی اسی زمانے میں پڑ گئی تھی جبکہ مسلمانوں کا قدم پہلے پہل ہندوستان میں آیا شاہ جہان کے عہد
 تو صرف زبان اردو کے ایک تماثل صورت اختیار کرنے کی بنیاد قائم ہوئی تھی اُس عہد سے اب تک اس زبان
 میں تبدیلی جاری ہے۔ بیشتر جو لوگ اردو دان ہوتے تھے نہ تو وہ شاعر ہوتے تھے نہ بسبب عدم رواج کے
 اردو میں شعر کہتے تھے اور نہ کسی دوسری علمی اہم ضرورتوں میں اس گھریلو زبان سے کچھ کام لیتے تھے کیونکہ اسکی
 انشا پر داری فخر نہ سمجھتے تھے پس علمی کتابی اور درباری زبان تو فارسی تھی اور معاملات میں عوام کے ساتھ اردو
 بولنی پڑتی تھی اور جو لوگ شاعر تھے وہ بسبب اہل فارس ہونے کے اردو سے ناواقف ہوتے تھے اس سبب
 شعر فارسی کہتے رہے اور اگر فکر بھی کی تو اس وقت کی ٹوٹی بھوٹی بولی اُسے بھری پوری خوبی کے ساتھ
 ادا نہ ہو سکی چنانچہ میرزا معترف سطر است کہ بڑا عالم ایران کا تھا اور شاعر کامل عہد عالمگیر میں ہوا ہے اور مدت تک
 ہندوستان میں رہا ہے اُس نے زبان اردو میں یہ شعر کہا۔

از زلف سیاہ تو بدل ددم پری ہے در گلشن آئینہ گناہم پری ہے ۴

ایسے ہی قزلباش خان امید نے کہ بڑا صاحب کمالات تھا اور اہل ہند سے اُسکی خوب محبت
 رہی ہے اور علم موسیقی میں بھی مہارت تھی اردو میں یہ مطلع لکھا ہے۔

بامن کی جہنی ایک مری آنک سون پری گالی دیا و غصہ کیا اور دگر لری ۵

آخر عہد عالمگیر سے شعرا اس زبان میں شعر کہنے لگے چنانچہ مرزا عبد القادر بیدل جو شاعر کامل اور فقہ و
 تصوف میں بے مثال تھے اور سنہ گیارہ سو تینیس ہجری میں انتقال کیا کہتے ہیں۔

ست ہوجھ دل کی باتیں وہ دل کمان ہر ہم تن اس مخم بے نشان کا حاصل کمان ہے ہم میں
 جب دل کے آستان پر عشق آنکر پیکارا پردے سے بار بونا بیدار کمان ہے ہم میں

مرزا عبدالغنی بیگ قبول کہتے ہیں۔

دل یوں خیال زلف میں پھرتا و نردون | اتار یک شب میں جیسے کوئی پاسبان بچر |

مگر ایک عرصے تک شاعری اردو نے بہت سا رواج پایا اور نہ کوئی نثر زبان اردو میں تصنیف ہوئی
محمد شاہ کے عہد سے پہلی کوئی تصنیف نثر اردو کی دیکھنے میں نہیں آئی محمد شاہ کے عہد میں مسئلہ ہجری میں ایک
شخص نے کتاب ۴۰ مجلس اردو میں لکھی ہے جس میں وہ خود کہتا ہے "لہذا کوئی اس صنعت کا نہیں ہوا مخترع اور ایک
ترجمہ فارسی بعبادت ہندی نثر نہیں ہوا سمجھیں اس اندیشہ عمیق میں غوطہ کھایا اور بیابان تامل و تدبیر میں گشت
ہوا۔ یہ عبارت اوپر کے بیان کی تصدیق کرتی ہے اور اس سے اسوقت کی زبان کتابی بھی معلوم ہوتی ہے۔
پھر بعض بعض تصانیف اردو میں ہونے لگیں اور شاعری کا چرچا بھی زیادہ ہو گیا یہاں تک کہ سر طحطاہ شہر اسے
رہنمۂ بسم اللہ دیوان شاعری عنوان رسالہ سنواری حاجی ولی تخلص بہ ولی نے دہلی میں اگر اس فن کو
رواق بخشی اور ہندوستان میں تخم شاعری کا بویا اسے نظم اردو میں ذہنی رتبہ حاصل ہے جو انگریزی نظم میں جا سہ
کو اور فارسی میں اردو کی نوادہ دہلی میں تہلیل کو شخص احمد آباد گجرات کا رہنے والا عالمگیر کے عہد میں پیدا ہوا محمد شاہ
بادشاہ ہندوستان کے وقت میں دہلی میں آیا اور آخر عمر اپنی بیمن گزاری اور اردو شاعری کو پھیلایا اور فارسی
کے طور پر دیوان کہ مرتب کیا اگرچہ اس سے پہلے اور اسکے عہد میں اس زبان میں حکیم یار علی شفا اور غازی
اور غواص اور شاہ تجلی اور سراج اور جلال اور مطالب وغیرہ اکثر شعرا نے فارسی بحر و بحر میں اردو
کے اشعار کہے ہیں لیکن کوئی شاعر اسوقت تک زبان رہنمۂ بسم اللہ کے رتبے کو نہیں پہنچا ہر چند کلام اُس کا
بہ نسبت کلام زمانہ حال کے ایسا ہے جیسے ہندوستانی گزلی بمقابلہ انگریزی بلبل کے لیکن وہ اپنی طبع خلطہ
کی مدد سے نظم اردو کا دیوان جمع کر کے بچپون کو اس امر کا شوق دلا گیا اور اردو شاعری کو فارسی شاعری کے
ڈھنگ پر لانے کے لیے رہنما ہو گیا گو اسکے نقش قدم آئے واسے هجوم خلائق کے پیرون لے شاکر کھدے مگر
نہیں اُس نے اپنا نقش قدم نظم اردو کی تواریخ کے صفحوں پر ایسا جما دیا ہے کہ قیامت تک حق اتادی اسکا کیلج
یا ظل نہیں ہو سکتا اسکے کلام میں اکثر مضمون مناسب بھی ہیں اور فصاحت بھی بہ نسبت دوسرے شعرا سے
محاصر کے زیادہ ہے اور مذاق بھی اچھا ہے یہاں پر بطور نمونہ کچھ اسکے اشعار کہے جاتے ہیں۔

احوال گر کون میں دل بے قرار کا
اُس شوخ کو خیال اگر ہے شکار کا
نشہ ہوش ہے اس بادہ ریکانی میں
کو چہ زلف ہے یا گوشہ تنہائی ہے

طاقت نہیں کسی کو کہ اک حرف سن سکے
اُسے تو ہمارے طرف تیغ ناز سے
خط کے آنے نے خبردار کیسا گرو کو
سن وئی رہنے کو دنیا میں مقام عاشق

تجرب کی صفت لعل بدخشان سے کہو لگا مین جب سے دکھا خواب ہوا دوائے خوبی تعریف ترے قد کی الفت دارا سے سا جن بے دفائی نہ کر حسد اسون ڈر آرسی دیکھ کر نہ ہو منسرد یہ تل تجھ ٹکمرے کیے مین مجھے اسود جرد ستا	جامد مین تری مین غزالان سے کہون گا اس خواب کو مین یوسف کنعان سکھون گا جاسر و گلستان کو خوش الحان سے کہون گا جگ ہنسائی نہ کر حسد اسون ڈر خود ہنسائی نہ کر حسد اسون ڈر رخندان مین ترے مجھ چاہ زمرم کا اثر دتا
--	--

چونکہ اس وقت تک زبان ریختہ شمسۃ اور صاف نہیں ہونے پائی تھی بندش کی جیتی ترکیب کی درستی غفلتوں کا رد بہت کم تھا اور نہ خیالات میں آجکل کی سی نزاکت تھی اور نہ تشبیہ و استعارہ تھا اور نہ فارسی محاوروں کا زور حاصل تھا ایسے بہت سے الفاظ بجا شا اور گجراتی وغیرہ کے ایسے تھے کہ اب سننے میں بھی نہیں آتے اور محاورات میں بھی فرق تھا شا اسون اور سین اور سستی بجائے سے اور کون بجائے کو اور مین کو بجائے ہم کو اور جگ مینے بجائے مینان اور برنے بجائے مین میان آبرو کا قول ہے مصرع بنے جامد نہ تھا اک جھول تھی اور تجرب لب کی صفت بجائے تیرے لب کی صفت اور مین بجائے طرح یا صفت اور مین بجائے کلام اور نہت بجائے ہمیشہ اور ٹکمرے بجائے منہ اور پھر بجائے اند اور مجھ دل بجائے میرے دل اور مومین۔ سو مین۔ پی۔ چیم بجائے مشوق اور انجھوان انسودنگی جمع کے لیے اور مھوان پلکان مجھون پلکونی جگہ اور مین آنکھوں کی جگہ اور مین بجائے میرا اور یہ بجائے یہ اسی طرح در اور براور از و فیہ اکثر لکھ بالکل حروف رعا بل موجود تھے جس طرح مردون مین دکنی اردو زبان میں سب سے پہلے صاحب دیوان ہوا ہے اس طرح تذکرہ حکیم قاسم سے ثابت ہوا کہ عورتوں میں سب سے پہلے مہ لقا نام چندا تخلص ایک حیدر آبادی عورت بازاری شاگرد شیر محمد خان تخلص بہ ایمانے اردو زبان کا دیوان فراہم کیا مزید برآں یہ کہ دکنی عالمگیر اول کے وقت میں موجود تھا تو چندا رنڈی دکنی نے عالمگیر ثانی کے عہد میں یہ فخر پایا کہ عورت میں سب سے پہلے صاحب دیوان کہلائی یعنی اس میں جس کا چرچا عالمگیر ہوا وہ عالمگیر ہی کے زمانے میں کن میں پہلے ہوا۔ آخر تاہاں سے ظاہر ہوا کہ چندا اسکا نام اور مہ لقا تخلص تھا اور طبقات الشعراء سے دریافت ہوا کہ سلسلۂ اء میں اس شاعر نے اپنا دیوان کسی محلہ گاہ میں اپنے یثان انگریز کو نذر دیا تھا جو سرکار کہنی کے کتب خانہ موجودہ شہر لندن میں رکھا گیا اسکے کلام سے صرف یہی ایک شعر اکثر تذکرہ میں دیکھا گیا۔

اخلاق سے تو اپنے فاقف جان ہے گا	یر آپ کو غلط کچھ اجک گمان ہے گا
مگر یہ ثابت نہیں کہ زبان اردو میں پہلے پہل کس عورت نے شعر کہا کیونکہ بعض لوگوں نے لکھا کہ لور جان	نندہ جہانگیر شہشاہ ہندوستان نے اردو شعر کہا بلکہ یہ شعر اسکی طرف منسوب کرتے ہیں۔

یہ پشت ہے یہ سربے تقصیر ہے اور میں ہوں

نگہ کے بوجھ سے جاتی ہے ٹوٹی

پوشیدہ جگر رکھتی ہوں مانند حنا کے

کل نم جو کہتے تھے شمشیر ہے اور میں ہوں

چمن میں ہے جو یہ ننھی سی بولی

ظاہر میں مرے حال کو سرسبز نہ جسا نو

مگر یہ قول پایہ اعتبار سے ساقط ہے کیونکہ نور جہان ایاز تاتاری کی بیٹی تھیں ہمارے جنگل میں پیدا ہوئی اپنے والدین کے ہمراہ اکبر اعظم کے زمانے میں وارد ہند ہو کر شیرفلگن خان ترکان سے بیاسی گئی جو اسکو اپنی جائیر فصاحت و درپ میں بیگیا اور جہانگیر نے تخت نشین ہو کر سنہ جلوسی پندرہ یا سات میں شیر نڈو کو رو باہ گری سے مروا کر اُسے اپنے محل میں داخل کیا پس اُسکی زبان کس طرح اُردو ہو سکتی ہے کیونکہ گوجرانو کے زمانے میں حضرت میرزا دہلوی نے کچھ کچھ چھیڑ چھاڑ ہندی بولی میں شروع کی تھی اور اشعار اُردو کی اکثر صفت کے موجد ہوئے تھے اور سنہ بعد بھی بعض بعض نے اُردو کی شعر گوئی پر مبادرت کی مگر اسکو اکثر نے تسلیم کیا ہے کہ زبان اُردو نے ایک تہا نصورت شاہ جہان کے وقت سے اختیار کی ہے بلکہ شعر گوئی تو اُسکے زمانے میں بھی بخوبی نہ ہوئی تھی پھر نور جہان کو نکلا اُردو کے شعر کہتی شاید ایسا ہو کہ اُس شاعرہ فاضلہ نے وہ مضامین فارسی میں لکھے ہوں وہ متلوزین اپنی زبان میں ترجمہ کر لیے ہوں البتہ اس قدر ثابت ہے کہ مردوان کے ساتھ ہی ساتھ عورتوں کی شعر گوئی بھی شروع ہوئی ہے۔

پھر روز بروز اُردو کی شاعری ترقی پائی گئی اور بہت سے اساتذہ فارسی گو نے بھی اس میں طبع آزمائی کی اور ہامش فصاحت و بلاغت و موجب شستگی الفاظ اور درستی زبان ہوئے چنانچہ حشمت شخلص میر معتمد علی خان کہ استاد فارسی گو ہیں اور میر افضل ثابت اور فتح عبدالرحمن تیسے انکی صحبت اور مطارعات رہے ہیں اور شاعر ہذا مذاق میں سخن و درعوش بیان مضامین عاشقانہ مانند سننے میں طاق ہیں اور سنہ ۱۰۲۳ ہجری میں حیات ابدی کا شربت نوش کر کے زندگی جاوید پائی ہے کہتے ہیں۔ ۵

گور کے سونے ددانوں کو جگاتی ہے بہار

شور ہے غل ہے قیامت مست آتی بہار

میر شمس الدین فقیر دہلوی کہ علم و فضل و قافیہ و معانی و بیان و بدیع میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور

سنہ ۱۰۲۳ ہجری میں دارقانی سے عالم جادو دانی کو رحلت فرمائی ہے کہتے ہیں۔ ۵

خال اسکی بیاض گردن کا

نقطہ انتخاب ہے گویا

بے غرض دید سے یان کا تم تکلف سے چین

خواہ ادھر بیٹھ گئے خواہ ادھر بیٹھ گئے

کم ہے آواز ترے کوپے کے باشندہ دن کی

نالہ کرنے سے مارا نکے گلے بیٹھ گئے

سراج الدین علی خان اُردو جو زبان فارسی کے استاد بڑے ذی استعداد تھے اور جنکے دہن

تریت سے ایسے بالکمال خمر سے رنجہ پرورش پا کر اُسٹے جو زبان اُردو کی اصلاح دینے والے کلمات اور

جس شاعری کی بنیاد جنگت اور فدائی غفلتوں پر تھی اسے کھینچ کر فارسی کی طرز اور ادائے مطالب پر لے آئے یعنی مرزا جان جاناں ظہر سزار فیج سودا تیرقی میر خواجہ میر درد وغیرہ اور سلسلہ ہجری میں رحلت کی ہے کہنے میں یہ

اُس تند خوںم سے ملنے لگا ہوں جبکہ

جان تجھ پر کچھ اعتماد نہیں

بٹھالے پیچ جا کر شیشے تمام توڑے

آتا ہے صبح اٹھ کر تیری برابری کو

بندہ سگونا نام قلندر تخلص انہی کا ہم عصر یوں نغمہ سرائی کرتا ہے۔

جی کو سرزندگی نہیں ہے

نہتے ہی تھے گا اشک ناصح

کیا جی کے کرین کہ جی نہیں ہے

ردنا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

نظام الدین احمد بلگرامی۔ صانع خلص جنہوں نے شیخ علی حزمین اور والد داغستانی کی صحبت سے

تکلف اٹھایا اور انعام شعری ہزیمین میں رنگ طبیعت دکھایا ہے کہتے ہیں۔

صنم کی اُس محبت پر دیا تھا جان و دل صانع

نہ تھا معلوم ہو جائے گا یوں نامہ زبان اپنا

حسان السند مولانا سید غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی زبان اردو میں طبع آزمائی کی ہے یہ شخص

ہے جسے علماء ہندوستان میں سب سے پہلے دیوان عولی اشعار کا مرتب کیا ہے اور سلسلہ ہجری میں سب سے

پہلے اول ہندوستان کے اُن عالموں اور ادیبوں کا تذکرہ جو تصانیف سے باقیات صالحات رکھتے ہیں کتاب

سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان کی دوسری فصل میں لکھا ہے۔

کیا دھوان دھارا س می سے اُسکی پھر لب

جسکی ٹھوکرے سیمانی ہوا کے لب کو میں

دانہ خال لب سے اُسے دام میں باتوں کے آہ

تیری عمر میری نے قتل اک عالم کیا

دل جلون کا ہے یہ دوداہ دامن گیر لب

گرب میسے سے دون تشبیہ تو ہی تحقیر لب

کل دکھا کر مرغ دل میرا کیا تسخیر لب

ہے بجا اُس کو میان کیے اگر شیر لب

انہوں نے ایک قصہ دلچسپ نثر اردو میں بھی لکھا ہے جو بلی ناے کے نام سے مشہور ہے۔ انکے سوا دوسرے

شعراے ریختہ گو مثل نجم الدین آبرو و معروف بہ شاہ مبارک جیسں خان شوق اور شیخ شرف الدین۔

مضمون اور مصطفیٰ خان نیک رنگ اور شرف الدین علی خاں پیام اور شیخ ظہور الدین شاہ

حاتم اور شاہ غلام محمد خان غلامی و رمیز عباد اور میر محمد شاگرنا جی اور شیخ احسن اللہ احسن وغیرہ

اس زبان کو چھوڑا احصاف کیا ان سب میں کبھی تر ظہور الدین شاہ حاتم تھا اُسے اوائل میں جو غزلیں اور قصائد

اور رباعیات و مثنوی وغیرہ کھینچ دہ شاہ مبارک آبرو اور ناجی کی طرز میں ہیں اور اکثر زبان قدیم کا استعمال ہے لیکن آخر عمر میں بہت سی باتیں غیر مانوس چھوڑ دیں چنانچہ اپنے کلیات سے ایک چھوٹا سا دیوان خود انتخاب کر کے اسکا نام دیوان زادہ رکھا جس میں پانچ ہزار سے زیادہ ابیات ہیں دیوان زادہ کے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں نے بہت سے محاورات و الفاظ قدیم جیسے قد برو از دہسی بجائے تسبیح و تسبیح بجائے تسبیح و بگانہ بجائے بیگانہ و دوانہ بجائے دیوانہ و غنم و جگ و نت و مرا بجائے میرا اور تسی بجائے سے اور اردو بحر بجائے اُدھر اور کید بحر بجائے کدھر اور پچ بجائے پڑ اور بیان اور دآن بجائے یہاں اور دہان کو ترک کر دیا اور رائے مہملہ کا قافیہ رازی ہندی کے ساتھ مثل گھوڑا دہورا و پڑوسر بھی موقوف کر دیا ایسے شاہ حاتم کا کلام بہ نسبت دیگر شعراء سابق کے صاف ہے اور اسنے صنعت ایہام وغیرہ کا بھی بہت کم استعمال کیا ہے مگر پھر بھی ایہام کا طریقہ بہت جاری رہا بلکہ اس کے بعض محضرون نے اس صنعت کو اپنا شیوہ اختیار کر لیا تھا چنانچہ ناجی دہلوی بھی اسی میں سے ہے اور یہ طرفان قباحت زیادہ تراکیب آبادی شاعر دن کا حصہ ہے چنانچہ شاہ مبارک آبرو اور رائے مہملہ شرف الدین مضمون کو اسکا بہت خیال تھا اور میر تقی دایہام کو اکبر آبادی بھی اپنے استاد آبرو کے شیوے کا تبع ہے چنانچہ سید الشاکتے ہیں۔

نہیتا جو مکا تو تھا بن مکک کا
دوانہ ہوں میں تو غرض اس چپک کا

جھٹکا چٹکا ترے اس نمک کا
یہ ہے میر سجاد کا طور انشا

ایک بڑا نامی شاعر اس عہد کا کہتا ہے۔

جن مرے لائے کو نافرمان کیا
ٹمک آن گلے لاگ تجھے رام دہانی
دل آم ہو کے چٹکا جا من اسے اٹھا لا
فتد ہو جس کا نہال کی مانند

پرست کھینچے اُن رقیبوں کا حندا
کافر بچہ لب شگری دودھ ملائی
سوتا پڑا تھا کیاری نازک بدن اکیلا
کیون نہ ہم سے ہو وہ سجن باغی

غور کیا گیا تو اسکی وجہ یہ دریافت ہوئی کہ زبان اردو کا ماخذ زبان عربی و فارسی و ہندی ہے اور ان تینوں زبانوں میں اس قسم کی صنعتوں کو نہایت حسن و خوبی سمجھتے ہیں شعر عربی کی مثال۔

من انجب الما ثور منذ قدیم
من البحر من کف الامیر تسیم

اَصَحِّ قَاتوے ماسمناہ فی اللہ
احادیث یروہا الشیوٰل من الجیسا

ان اشعار میں شاعر مدوح کے جو دستخط کی تعریف بیان کرتا ہے اور صنعت مراعات النظر میں کہتا ہے کہ صحیح ترین اور قوی ترین اخبار مالورہ سے جو مننے جو و بخشش کے بارے میں کئے ہیں وہ خبریں ہیں کہ سیل نے زبان باران

اور ابران کے دریا سے اور دریائے مدوح کے ہاتھ سے سُنی ہیں اور محسن جلی آتی ہیں پس یہ بات ثابت ہوئی کہ تاخذ اخبار صحیحہ جو دریا کا مدوح ہے اور رتبے میں بحر و سیل و ابر سے بڑھ گیا ہے۔ فارسی کی مثال۔

مولوی جامی

مرا فراق تو روز سے ہزار بار کشد | فراق چون تو گل ابن چین نہ ار کشد
خبر عشق خون من رغبت بنگاہ پائے تو | راست زود کشتنم شمع شدم برائے تو

انوری

ساقیا خیز کہ گل رشک رخ حور شد | بوستان جنت دے کو شرطو بے ست چنار

سلمان ساوجی

بہار زراغ کمان گرد و عقاب نیر او پران | شود بوم و جود شوم دشمن جفت با عنقا

علی ہذا القیاس ہندی و سنسکرت کی کتابیں استعارات و کنایات سے بھری ہوئی ہیں ہماری شاعری میں چونکہ فقط احتمالی اور دھمی مضامین ہوتے ہیں اس باعث سے جو تاریخ کی کتابیں نظم میں ہیں وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہیں اور ایک راست مطلب کو صاف صاف ادا کرنا ہمارے شاعروں کو نہایت مشکل ہو جاتا ہے اور عبارت سے مطلب اہل مفہوم نہیں ہوتا اس امر کی شکایت میں مزار رفیع السودا نے کیا فرمایا کا ایک نمونہ لکھا ہے۔

کامل فن سخن کہتے ہیں اُس کو اکمل | پرورش افطنی منظور ہو جس کو اول
پیش بیان تک کہ عبارت ہی کو کر دین مہمل | اعتقاد اُن کا ہے یوں وہ جو کوئی بسین اچھل

مونہ ہو پرورش شانہ میں تو ہو موصول

شعر مہبط پر ادا یہ کرتے نہ ڈرین | اپنے دیوان میں اُس شعر کو پڑھ پڑھ کے مرین
لقب بے ربط لازم کہتے ہیں بھڑکھڑ | چشم کو آہو سے بن شاخ یہ نسبت نہ کریں

ابرد کو شیخ سے تشبیہ نہ دین بے حقیقت

ریش بابا جو سنی ہے کوئی قسم انگور | شانہ دوسرے بن اُسکا وہ نہ لادین نہ کور
ربط الفاظ کو معنی سے نہ دین تا مقدور | لغت و لشران کو مرتب جو ہو کر نا منظور

رام پور کی یہ کٹاری کھین اور سیتا بھل

بان تلک باک نہیں یادکے ریاستہ پو شہر | زلف کے واسطے بند ہو جائے کہیں سانپ کی لہر
بیشمار کہ وصف میں گوہر و درخش پھر | نہ تداثر ان کے سخن کا سا کہ جس میں یہ قہر

باندھتے ہیں لب کو جو یہاں غر تو دہن کو منقل

شکر کرتے رہے۔

جب خواجہ میر درد اور میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا شاگرد شاہ حاتم اور میر سوز اور مرزا جان جاناں۔
 منظر کا در آیا تو انھوں نے زبان آند کو دست درست کیا اور اکثر الفاظ غیر مانوس و قبیح مثل پی و تیم و بے
 معشوق (دور شن) (بمعنی دیدار) و باقی (خط) اور مین (درات) اور ساچھ (شام) اور برہ (فراق) اور آگن
 و آگ (اور مے) بفتح میم (دلون کسور) یا بے بھول (بمعنی مین) وغیرہ الفاظ ترک کر دیے تاہم لفظ ریت بمعنی رسم اور
 سبھ بمعنی معشوق اور نت بمعنی ہمیشہ اور تنک اور سپر اور جیدھر اور کیدھر اور او دھر اور تنک اور او دھر اور کور
 بمعنی طرف اور دکھو بغیر یا بے محتانی بجائے دکھو اور لگ بمعنی تنک اور ستی اور ستی بجائے سے اور باناں اور ماناں اور طہاں
 وغیرہ علامت جمع بالفاظ نون اور جیو بمعنی جی) اور مجھ دل کی بجائے میرے دل کی اور تجھ رُخ کی صفت بجائے تیرے
 رُخ کی صفت اور تجھ ساتھ بجائے میرے ساتھ اور بچن بمعنی کلام یا باتیں اور جون اور جیون بمعنی مثال در نکسے بمعنی نکلے
 اور سون بمعنی قسم اور دوانہ بجائے دیوانہ اور لو ہو بجائے ہو و نیج بمعنی در میان اور الفاظ جمع بے اضافت اور اکثر
 جگہ علامت فاعل کا نہ ظاہر کرنا جیسے مین دیکھا بجائے مین نے دیکھا وغیرہ استعمال مین رہے سودا کہتے ہیں یہ
 گرو لکھون ہی غنچون کی صبا اک دم مین کھوے ہے نہ بلجھین تجھ سے اے آہ کھو مجھ دل کی کلچھ پان +

ولہ

یا انکی مین کون کس سستی اپنا احوال

زلفین خوبان کی مرے دل کی ہوئی ہین خجال

اسی واسوخت مین ایک جگہ سستی بزیادتی یا بے محتالی آیا ہے اور لفظ سیر جواب مؤنث بولا جاتا ہے سودا
 نے اسکو تذکرہ کرنا چاہا ہے۔

ہر سنگ مین شرار ہے تیرے ظہور کا

موسے نہیں جو سیر کردن کوہ طور کا

قلندر

بہنے عالم کا سیر کر دیکھا

اُس پری روسا کم بشر دیکھا

سوز

قتضارا وہ قاتل ادھر آن نکلا

کہ لینے کو جس کے مرا جان نکلا

میر

اگرچہ جہان مین نے سب جہان مارا

وہ سناں کی نایابی کے جان مارا

ولہ

انہیں نگے ہے مرے دل کی آیا ہے گا ہے

اے فلک بہر خدا رخصت آہے گا ہے

اور بھیچک بزیادتی یا تہمتانی بجائے بچک میر کے کلام میں آیا ہے اور انھوں نے برخلاف مہر کو موش
سوزدن کیا ہے میر سوز کو علامت مفعول (داوسون سے استعمال کرتے تھے اور بعض شعرا کون باضافہ نون غنہ
لکھتے تھے اور مرزا جان جاناں منظر بجائے کو نکون بولتے تھے چنانچہ جب میر انشا اللہ خان انکی ملاقات کو گئے
اور وقت ملاقات کے کہا ہڈھیات سے تا عنفوان اور عنفوان سے الی ان اشتیاق مالا یطاق تقبیل مقبہ عالیہ
نہ بجزے تھا کہ سلک تحریق و تقدیر میں مستم ہو سکے الحمد للہ کہ اب باحسن بیچہ شاہد مراد جلوہ گر ہوا "تو مرزا صاحب نے
اسکے جواب میں فرمایا "اپنے نکون بھی بد و لطفی سے تمہیں ایسے انخاص کے ساتھ موالست و مجالست رہا کی ہو
اور لفظ دسا یعنی دیکھا گیا خواجہ محمد میر اثر تخلص چٹوٹے بھائی اور سجادہ نشین خواجہ میر درد کی شنوی
میں آیا یہ شنوی نری محاورات میں تصنیف فرمائی ہے کوئی شنوی اس تعریف کے ساتھ زبان اردو علم
میں کم نظر آئی ہے۔

انشاء اللہ خان نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ خواجہ میر درد تلوار کی جگہ تر فار بولتے تھے تکلفات صنائع
اور فضول استعارات اور ایہام کا ترک اور صفائی کلام کی خواجہ میر درد کی ذات سے ہوئی ہے۔
اسی زمانے کی آخری سرحد میں میر حیدر علی خیراں اور مرزا جعفر علی حسرت شاگرد اسے سرپ سنگ دیوانہ
اور انشا اللہ خان آکشا بن میر انشا اللہ خان قصہ نخلت اور غلام حسین شکیب دہلوی اور غلام ہمدانی
مصحفی شاگردانی اور میر حسن دہلوی ابن میر غلام حسین ضاحک اور قلندر بخش جرأت شاگرد حسرت
وغیرہ شعراے دہلی و لکھنؤ شعر کہتے رہے اور زبان اردو میں بہت سے تصرفات کیے اور الفاظ ایچہ اور جیدہر
اور کیدہر اور بھیچہ یعنی باز سے حرف یا اور او دھراؤ نا اور جیونا دیوہ سے حرف داوا درستی سے حرف تا کو نکال کر
اور باتان دراتان وغیرہ الفاظ کی علامت جمع کو داوا اور نون سے بدل دیا اور تجتیر اور ریت اور تجمن اور تنک و
نیٹ وغیرہ سب الفاظ ترک کر دیے اور جہان علامت فاعل کا ذکر کرنا ضرور ہے وہاں اُسے ذکر کرنے لگے گرا تجمن
سے مصحفی کے کلام میں میر و سودا کے وقت کے محاورے باقی تھے چنانچہ انکے کلام میں تنک اور میان اور میں بجائے
میں نے اور تجمن کو بجائے جنگو اور انھوں کو بجائے اُن کو اور ایدہر اور کیدہر اور پوچھو ہو بجائے پوچھتے ہو اور
رقیبان اور شرمانیان اور رہجاتیان اور نت اور بولیان اور کھولیان مستعمل ہوئے ہیں۔

سید انشا اور جرأت نے بہت صاف کلام کہا اور بمقابلے دوسرے ہمصر دن کے بہت کچھ چھوڑ دیا
گزرت اور تنک اور انکھڑیان اور زور یعنی بہت اور کئے یعنی پاس اور تجمن کے بجائے جن کے اور
تسپ یعنی اس پر اور میان بے تکلف بولتے رہے اور داچھڑے۔ بجلارے۔ جھوٹا۔ اچی۔ سید انشا کا
انماز خاص ہے اور کہیں کہیں جرأت کے کلام میں میں نے کی جگہ میں اور پیر اور جیدہر یا تہمتانی کے اضافے

کے ساتھ آیا ہے اور تین کی جگہ بیچ بھی بول جاتے ہیں۔
جب زمانہ شیخ امام بخش ناسخ اور خواجہ حیدر علی آتش شاگرد مصحفی اور حکیم مومن خان مومن اور شیخ
محمد ابراہیم ذوق اور شاہ نصیر دہلوی شاگرد میر محمدی مالک اور مرزا سدا اللہ خان غالب اور میر مستحسن
خلیق اور میر سلامت علی ویر اور میر بہر علی انیس کی شاعری کے عروج کا آیا تو ان حضرات نے قدما کی
ناہمواریوں کو ایسا صاف کیا کہ طرز جدید پیدا ہو گئی اور اس زبان کو نہایت صفائی اور شستگی حاصل
ہوئی تین اور بیگانہ تک کو استعمال سے خارج کیا اور بہت سے قدیمی الفاظ جو سید انشا اور جرأت کے
بیان مستعمل تھے وہ چھوڑ دیے۔

اساتذہ دہلی کے کلام میں آئے ہے اور جاتے ہے اکثر ہے مگر اخیر کی غزلوں میں انھوں نے بھی بچاؤ کیا ہے
شاہ نصیر اپنی ابتدائی غزلوں میں کہیں کہیں ٹک بول جاتے ہیں اور جس طرح جمع مؤنث کے لفظوں کو الف و
نون کے ساتھ مصحفی کے زمانے تک بے تکلف بولتے تھے ان کی ابتدائی غزلوں میں کہیں کہیں ہے چنانچہ
میر کی غزل کا مطلع ہے۔

جھانیں دیکھ لیاں بے وفائیاں دیکھیں	بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں
------------------------------------	-----------------------------------

شاہ نصیر کا مطلع ہے۔

کبھی اُس رخ روشن پہ جھانیاں دیکھیں	لکھنا میں چاند پہ سو بار جھانیاں دیکھیں
------------------------------------	---

اسی زبان میں ظفر خواجہ وزیر علی وزیر میر علی صبا۔ رند۔ رشک۔ فلق۔ امیر امیر اللہ
تسلیم حکیم ضامن علی۔ جلال۔ تاجر۔ متیر۔ امانت نشی امیر احمد بیانی امیر لواب مرزا خان دل غ شعر کہتے رہے
ان لوگوں کی زبان آج ہمارے واسطے سند ہے اور یہ لوگ زبان اردو کو ایسی حالت میں کر گئے ہیں کہ جب تک کہ
اور طوق جدید نہ پیدا ہو تب تک یہ زبان کچھ حاجت اصلاح و مداخلت کی نہیں رکھتی لیکن اس عہد میں دہلی لکھنؤ
کی زبان میں بڑا فرق پڑ گیا یعنی شعراء دہلی کے بہت سے متروک الفاظ و تراکیب کو شعراء لکھنؤ نے جائز رکھا ہے
اور بہت سے الفاظ و محاورات جو شعراء دہلی کے نزدیک درست تھے انکو ترک کر دیا ہے کیونکہ زبان دانان لکھنؤ کو
الفاظ کی تراش و تراش کا بڑا خیال رہتا ہے اور ان دنوں اسی فکر میں بہت ہیں اور جملہ دہلی ایسی باتوں کو
فضول سمجھتے ہیں فائدہ جن الفاظ و محاورات کا ترک کرنا ہر ایک طبقے کے شعرا کی نسبت بیان کیا گیا ہے وہ سب
اکثریت کے ہے اگر کوئی محاورہ متروک انہیں سے کسی کے کلام میں پایا جائے تو اس سے ہمارے بیان کی تکذیب
نہیں ہو سکتی اس لیے یہ نفسیات متاخرین جو متفق علیہ اور مستند تمامی شعراء کے ہیں بعض بعض موقع پر ان کے کلام میں اس
قسم کے الفاظ موجود ہیں چنانچہ ناسخ اور امیر کے کلام میں ایک جگہ مذکور کا لفظ بہت کے معنی میں آیا ہے۔

ناسخ

عابد زاد چلے جاتے ہیں پیتا ہے شراب اب تو ناسخ نور رند لا ابالی ہو گیا

امیر

نکلت برسات کا ہے زور گھٹا چھائی ہے صحن گلزار میں گھنگور گھٹا چھائی ہے

اقبال

آئینہ دیکھو اپنا سامنے لے کے رہ گئے صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غور دھتا

یعنی آئینہ دیکھو۔

جمال حورو پری پردہ ہے طعنہ زن مٹی آتش بلائے جان ہوئی سُرخ و سفید بن مٹی

یعنی بن کے یا بنکر۔

موصوف جمع ہوا اور صفت فقط ہندی ہو تو اب موصوف کی مطابقت کے لیے صفت کو جمع بولنا خلاف
یہ کہتے ہیں مگر خواجہ حیدر علی آتش فرماتے ہیں۔

حد طفلی میں بھی تھا میں بسکہ سودائی مزاج بیڑیاں منت کی بھی پہنیں تو میں نے بھاریاں

انیس جلدی میں گوجوانوں نے چوٹیں بچائیاں آتش خنکان بھگو نظر آتے ہیں مردوں سے پڑے
غالب تنم کش مصلحت سے ہوں کہ خوبان تجھے عاشق میں بنا ولہ کیوں ڈرتے ہو عشاق کی بے حوصلگی سے
یاں تو کوئی سستا نہیں فریاد کسو کی غالب اپنے دیوان کے خاتمے میں کہتے ہیں کہ کسو نصیح نہیں قافیہ کی
رعایت سے اگر لکھا جائے تو عیب نہیں ورنہ نصیح بلکہ انصح کہے ہے واؤ کی جگہ یا بے تمنا کی سے میرے
دیوان میں ایک جگہ قافیہ کسو بیا د ہے۔ ناسخ کے کلام میں جو باتیں رہ گئی تھیں وہ رشک کے یہاں
درست ہوئیں اور میر پر خاتمہ ہو گیا۔

طرز قدیم و جدید

شعراے ریختہ کی طبع آزمائی اکثر فقط انہی چند مطالب میں محصور ہے مضامین عاشقانہ گلشت ستانہ
نصیبوں کا رونا اُمید موہوم پر خوش ہونا اُمرا کی ثنا خوانی جیسے قضاہوے اسکی خاک اُٹلائی اور اب تو مرن ہفتہ
رہ گیا ہے کہ چند عمر لی ثولیدہ خیالوں اور پامال مضمونوں کو بار بار غزل کے چند شعروں میں جو سیدھی سادھی متواتر
بحروں میں ہونے میں جمع کر دیتے ہیں پیش پا افتادہ تشبیہوں اور قبذل ستاروں کا ذخیرہ انکے لیے موجود ہے
جسکو متعدد صدیوں سے لوگ دہرائے چلتے رہے ہیں کانا مونا کے طفلان میں سے بعض کے اولاد کمال کے
دیکھنے کے ہوئے ہیں اور جہاں استاد کلمات میں زمانہ کمال گمانک پہنچا دینا کہیں سے کہیں گئی۔ مگر کیا

ان شعرا کو یہ معلوم ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ انکی نظموں میں سوائے زلف و رخ خط و خال اور معمولی چڑھا چائی اور بے مزہ مبالغوں کی دھوم دھام اور قافیوں کے مسلسل کشکون کے کوئی اور ایسا مضمون نہیں ہوتا جس سے قوموں کے دل اہل بائیں اور جس کام پر انکو آمادہ کرنا چاہیں آمادہ ہو جائیں سخت سے سخت جگر انسان کے دل میں جوش پیدا ہو جائے گریبان چاک ہو جائیں صد دیوانہ سے صد اے آفرین بلند ہو۔ ایسی شاعری کسی کام کی نہیں جس میں زلف اتنی دراز ہو کہ سراہی نہ ملے مشوق کی کمر غلامی سے

دیوان میں سادہ ہی جگہ چھوڑ دی ہم نے | مضمون یہ ہاندھارتی نازک گری کا

ابنہ اب اہل کمال کی ایک ایسی جماعت پیدا ہو گئی ہے جو ایشیائی طرز قدیم کی انشا پر فازی میں کامل و سنگاہ رکھنے کے علاوہ زبان انگریزی کی لٹری قابلیت میں ماہر ہے۔ ایسے مغربی خیالات کو نزلے اتار دینے تشبیہوں اور کھنجروں اور نقشوں کی عمدہ تراشوں سے ایشیائی لباس پہنانے میں ساعی رہتی ہے ان لوگوں نے گمنام طرز سخن کو بدل کر فن شاعری کو سہل کیا اور ایشیائی تشقانہ خیالات کو قدیم مضامین کے سانچے میں ڈھالا جس سے ایشیائی طرز قدیم میں مغربی انشا پر فازی کا رنگ مل گیا ایک طرز جدید پیدا ہو گئی جو حد درجہ عجیب اور دلکش ہے اسکی اشاعت اخبارات کے ذریعہ سے مغذ افروز ہونے لگی فارسی کی تقلید سے اردو نظم میں حقیقت سستی کی گئی تھی اور صد ہا قسم کی قیدیں اور ہزار ہا قسم کی پابندیاں مقرر ہوئی تھیں وہ ان اہل قلم کے کم کرنا شروع کر دیں اب وہ بے لطف مضمون آفرینی اور خیالی سرکہ آرائیوں کو چھوڑتے جاتے ہیں درولی جذبات کے ابھارنے اور نیچر کا سماں دکھانے کی طرف متوجہ ہیں جس سے ہماری زبان کا فیشن نہایت خوبصورتی سے بدل رہا ہے اب یہ طرز ایسی مقبول خلائی ہوئی ہے کہ وہ پڑا لے اور نامی شاعر جنکی طبیعتوں پر پرانی روغنی اپنا سکھ جا چکی تھی اس سے منظر ہونے جاتے ہیں اور مصداق کل جدید اندیز اس نئی مفید طرز پر ایسے فریختہ و دلدادہ ہوئے کہ یہی رستہ اختیار کرنے لگے ہیں اس نئی طرز میں نہایت سہولت سے کام لے رہے ہیں یہاں تک کہ اب انگریزی کی تقلید سے قافیہ کی قید کو بھی اٹانا چاہتے ہیں انکی دلیل یہ ہے کہ قافیہ خاص کر ایسا جیسا کہ شعرا نے اسکو نہایت سخت قیدوں سے جکڑ بند کر دیا ہے اور پھر اس پر دین اضافہ فرمائی ہے شاعر کو بلا شبہ اس کے فرائض ادا کرنے سے باز رکھتا ہے جس طرح صنائع لفظی کی پابندی معنی کا خون کروتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ قافیہ کی قید ادا سے مطلب میں خلل پانداز ہوتی ہے۔ اب اردو کی نظم و نثر دونوں چیزیں نہایت آسان ہوتی جاتی ہیں کیونکہ نظم اردو کی قید کی مجھ ریاں قدیم شاعری کی تقلید خصیہ کرنے دو تین اور ہاں انکا رنگ زمانہ حال کے مذاق کے موافق ہے غذا جائے شور انگنان زمان استقبال کیا قیامت برپا کرے گئے

دنیا کے جوڑے میں ہرگز کم نہونگے
 چرچے ہی رامینگے افسوس ہم نہونگے
 شاید کہ بارانِ وادرس ہماری یاد میں بھی کئی آہِ مسرت کھینچیں اور دعائے خیر میں بادلوں یورپ میں۔
 بلینک درس یعنی غیر متقفے نظم کا بہ نسبت متقفے کے زیادہ رواج ہے غیر متقفے نظم کی مثال یہ اشعار مولوی
 محمد امجد علی کے ہیں۔

ارے چھوٹے چھوٹے تارو
 تمہیں دیکھ کر نہ ہو دے
 کہ تم اد پنے آسمان پر
 ہوے روشن اس روش سے
 کہ ایک دمک رہے ہو
 مجھے کس طرح بخشے
 جو ہے کل جہان سے اعلیٰ
 کہ کسی نے بڑا دیے میں

گھر اور محل گویا

جو میں آفتاب تابان
 دہین جلوہ گر ہوے تم
 ہے مسافروں کے حق میں
 اگر اتنی روشنی بھی
 تو غریب جنگلوں میں
 نہ تیز ساس و چپ کی
 لے بچا یا اپنا چہرہ
 یہ تمہاری جگہ کا ہسٹ
 بڑی نعمت اور راحت
 نہ میسر آتی اُن کو
 یوں ہی بھوتے بھگتے
 نہ طرف کی ہوتی شکل

نہ نشانِ راہ پاتے

مولوی محمد حسین آزاد

ہنگامہ ہستی کو
 ہر خشک و تر عالم
 جو خاک کا ذرہ ہے
 حکمت کا مرقع ہے
 انداز سے ہے جاری
 اک رنگ کہ آتا ہے
 اور دیکھنے والوں کی
 منہ مہرہ رنگین یا
 گر غور سے دیکھو تم
 صنعت کے تلاطم میں
 یا پانی کا قطرہ ہے
 جس پر قلم قدرت
 لود کرتا ہے گلکاری
 سود رنگ دکھاتا ہے
 آنکھیں تو کھلی ہیں
 بلور کے ٹکڑے ہیں

بر مخطئہ و ہر ساعت	قدرت کے تماشے، مین
عالم مین پڑے ہوتے	پران کی نسین پروا
ہرگز کہ یہ سب کیا ہے	اور اس کا سبب کیا ہے

تنبیہ اس قسم کے تمام کلام اصطلاح کی رو سے نثر مرجز مین داخل ہوئے قابل مین انکو نظم مین داخل کرنا فن الشاہر داذی ہوئی۔ فارسی۔ اردو کے خلاف ہے یہاں انگریزی کا قاعدہ چلانا گویا ایک مقررہ اصطلاح فن کے گلے پر چھری پھیرنا ہے۔

شعرا کا کلام۔ اور شعری کے جوہ

عوام مین جو یہ بات مشہور ہے کہ ہر شہر مین شعرا کا کلام غیر شعرا کے کلام سے فصیح اور روزمرہ انکا اور فن کی بول چال سے صحیح ہوتا ہے قابل اعتبار اور لائق تسلیم نہیں تمامی باہل اس کے اور باب تحقیق کا اس پر اتفاق نہ کہ اکثر اوقات شعر بسبب رعایت قافیہ و حفظ وزن کے خلل انداز نصاحت ہوتا ہے مخان آزدوئے داو سخن مین کہا ہے کہ غالب یہ ہے کہ اہل روزمرہ سے بھی غلطی واقع ہوتی ہے اور بسبب اسکا اکثر وزن و قافیہ کی رعایت ہے جو نظم کے واجبات سے ہے اور اسوجہ سے تقدیم و تاخیر پیدا ہوتی ہے اور روزمرہ دان کو اپنی ترکیب کی غلطی پر اطلاع حاصل نہیں ہوتی اور کبھی جو طبیعت کی وجہ سے وزن اور قافیہ کا تنگ راستہ غلطی مین ڈالتا ہے اور غیر موقع لفظ استعمال مین آجاتا ہے ہاں جس لفظ کو شاعر کے کلام مین مطابق محاورے کے پائین دہ فصیح اور مستند ہے جس لفظ کو چار شاعر عالی مرتبہ نے استعمال کیا ہو وہ مستند ہے اگرچہ دراصل غلط ہو یا دس شاعر اہل زبان اس پر اتفاق کریں یا علی العموم اس کے ساتھ لفظ کو تیار رکھتے ہوں تو وہ بھی مستند ہو سکتا ہے مگر قافیہ مین خلل قابل نہیں ہو سکتا اور شعر کے سمجھنے کے کئی طریق مین (۱) عام اہل زبان کا طریق کہ مفردات و مرکبات کے معانی جو کچھ مشہور معروف ہوتے ہین بزرگوں سے سنا کر یاد کر لیتے ہین اور اس کے موافق شعر کا مطلب سمجھ لیتے ہین اور اس طریق مین خواص عوام دونوں شریک ہین اس باب مین فصیح و غیر فصیح کا کوئی تمیز نہیں۔ چونکہ عوام کو کلام کی باریکیوں پر اطلاع نہیں ہوتی اسلئے وہ شخص زیادہ فصیح اور سمجھدار ہوگا جسے خواص سے تربیت پائی ہو اور وہ شخص ایسا سمجھدار اور فصیح نہیں ہو سکتا جسے عوام سے تربیت پائی ہو پس یہ بات کہنے کا حق کسی اہل دہلی یا لکھنؤ کو نہیں ہو سکتا کہ زبان اردو ہماری مادری زبان ہے اور بچے اسکو اپنے ہاں کی بول چال عورتوں سے سیکھا ہے اسلئے ہمارا روزمرہ شعر و شہر مین رہنے والوں زیادہ فصیح اور صحیح ہے کیونکہ عوام سے زبان کو سیکھنا کمال مین داخل نہیں اور عوام کے موافق بولنا عزت و اعتبار کے قابل نہیں جب تک دقائق اور اسرار پر اطلاع حاصل نہ ہو اور یہ بات نصحا کی تربیت اور انکے کلام کے سمجھنے پر موقوف ہے (۲) ان لوگوں کا سمجھنا ہے جنہوں نے کچھ کتاب مین زبان اردو کی پڑھی اور

دیکھی ہیں اور کسی اہل کمال کی صحبت نہیں پائی ہے (۳) ارباب معانی کا بکھنا ہے کہ یہ لوگ نکات قدیم و تاجیر اور فصل و وصل اور ایجاز و اطناب کو جانتے ہیں مگر مجاز و مرسل اور تشبیہ و استعارہ کے اسرار سے واقف نہیں ہوتے حالانکہ انہی پر شعرا کے کلام کی بنیاد ہوتی ہے (۴) ارباب بیان کا بکھنا ہے کہ یہ لوگ تشبیہ و غیرہ کے نکات کو تو جانتے ہیں لیکن محسنات بدیعی سے مطلع نہیں ہوتے (۵) عالمان بدیع کا بکھنا ہے کہ وہ اس فن میں پوری پوری مہارت رکھنے کی وجہ سے کمال سخن کو نکات بدیعی پر مشغول کر دیتے ہیں اور یہاں تک صنائع بدیع میں مبالغہ کرتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ بعض اہل بدیع نے نکتہ اتقائے علم معانی کے مسائل میں سے ہے اور استعارے کی بحث کو جو علم بیان کے قبیل سے ہے علم بدیع میں داخل کر دیا ہے اس طرح سرقہ شعر کو بعض اہل بدیع نے صنائع میں شمار کیا ہے حالانکہ میوب میں داخل ہے اور بعض اہل بدیع نے شعر کو جو علم معانی کے مباحث سے ہے علم بدیع میں وارد کیا ہے اور صرف شریح کے سبب جو حقیقت میں کوئی صنعت نہیں ہے شوقیہ وغیرہ کو بھی صنائع معنی کے بیان میں گھنا پڑا ہے (۶) ان لوگوں کا بکھنا ہے جنہوں نے نہ تو اس فن کے کالمین کی صحبت اٹھائی ہے اور نہ کسی قسم کا کمال علمی رکھتے ہیں بلکہ یہ جو اشعار کے معانی اپنے قیاس و رائے سے کرتے ہیں وہ فصاحت و بلاغت سے بہت گری ہوئے ہوتے ہیں (۷) مذاق شعرا کے موافق بکھنا ہے اور یہ اتنی باتوں پر موقوف ہے بند و بست اور ترکیب الفاظ کا جاننا اور اس طریق کی رعایت رکھنا جو صاحب شعر کو منظور ہو خواہ وہ خیال ہو یا افابندی ہو یا تمثیل ہو یا اور کچھ ہو اور ان چیزوں کا معلوم کرنا نہایت مشکل ہے اس لیے کہ متاخرین میں سے بعض فرمایہ کہتے ہیں کہ یہاں یہاں بروزن جان ہو بروزن جہان ہو یہ معنی بالاولیٰ کی جگہ پر ہو ملک نہ تو تک ہو نہ ہی کے یہ مست ترک کر دیا جائے اسکی جگہ لون نفی کا استعمال کیا جائے حروف علت جو آخر الفاظ عربی اور فارسی میں آتے ہیں انکا خوب واضح ہونا چاہیے تنگی کے ساتھ دیگر زبان پر نہ آئیں مگر الفاظ ہندی میں خصوصاً مقام جمع میں مضائقہ نہیں ساتھ اور ہاتھ کو بات اور رات کے ساتھ قافیہ نہ کرنا چاہیے اور پر کی جگہ جوہر کے معنی میں ہے پرلانا چاہیے لفظ فارسی یا عربی اور ہندی کے درمیان واو عاطفہ نہ آنا چاہیے جو لون آخر الفاظ عربی و فارسی میں آتا ہے اگر وہ بے کسی ترکیب کے ہو تو باعلان استعمال کیا جائے ہر ششٹا سے چند الفاظ کے جنکو گفتگو میں لایا اعلان کے ساتھ نہیں بولتے ہیں مثلاً گران اور خزان اور روان اور دون اور طیان اور عیان وغیرہ اور جس لفظ مضائقہ الیہ میں لون واقع ہو اسکا اعلان نہ کرنا چاہیے الہف آخر الفاظ ہندی و فارسی وہ دنی سے ساقط نہ کرنا چاہیے البتہ الی کا سقوط و حرفی الفاظ میں مضائقہ نہیں بلفظ سر جو اس کے معنی میں ہے جب ترمیم کے ساتھ نہ آئے تو حرف اول کے کسرے سے سوزون

کیا جائے اسلئے کہ رذر مرہ میں اسی طرح مستعمل ہے اور جب یہ لفظ باز کیب ہو تو چاہیے کہ حرف اول کے فتح سے
باندھا جائے اگر کہ حرف شرط ہے بے الف کے نہ باندھا جائے لفظ اور کہ حرف عطف ہے اس میں ظاہر ہو نولو
اور رائے مملہ کا ضرور ہے بائے موحده کو الفاظ فارسی اور عربی کے قبل نہ نکالنا چاہیے جیسے بوقت صبح یا ہنگام
شام عصر یعنی دیر کی جگہ وقف ہونا چاہیے آئے ہے بجائے ہے کی جگہ آنا ہے جانا ہے لکھنا چاہیے رکھے
تخفیف کاف کے ساتھ نو کاف مشدود کے ساتھ ہو۔ لفظ۔ بل بے کو استعمال نہ کرنا چاہیے ٹھکانا نہ ہو ٹھکانا
بعد بائے موحده کے یاے تختانی کے ساتھ ہو یا سطح نہ ہوتا نہ ہوتا بعد بائے فارسی کے ہاے ہوز کے ساتھ ہو
بکھو نہ کبھی ہو شعلہ اور وعدہ وغیرہ کو دریا کا قافیہ نہیں کرنا چاہیے لفظ طرح کہ لغت کی رو سے ساکن الاوسط
ہے برعایت اصلی ساکن الاوسط ہی باندھنا چاہیے زیادہ اور پیادہ اور پیالہ اور سیاہ کی یاے تختانی کو خوب ظاہر
کرنا چاہیے گر بندی الفاظ میں یعنی پیارا اور پیاس کی یاے تختانی کو بہت ظاہر کرنا چاہیے بلکہ یہ تخفیف
و ب کر زبان سے نکالنا چاہیے رکھا اور چکھا کو حرف اوسط کی تشدید کے ساتھ استعمال کرنا چاہیے وغیرہ
تشدید کے اس باب میں کی جگہ اس بارے میں استعمال کرنا چاہیے کے تین اور ہیگا کو ترک کر دینا چاہیے
اول کی جگہ کو اول دوم کی جگہ ہے استعمال کرنا چاہیے اور دیکھ کر کی جگہ حرف دیکھ نہ لکھنا چاہیے مگر دوسرے
ان الفاظ کا لانا جائز جانتے ہیں اور یہ عمل قیاد کے نہایت مناسب ہے اسلئے کہ اباب تصوف لے
کہا ہے کہ مباح کو مست چھوڑ تاکہ تو حرام میں نہ پڑ جائے۔

اور اس ذرہ بے مقدار کا مختاریہ ہے کہ اس شخص کو ان تمام مراتب کا جامع ہونا چاہیے اور مراتب مذکورہ
کے جامع اور شاعر سخن نغم میں فرق ہے۔

تذکرہ نویسوں کے نقائص

تذکرہ نویسوں نے عجب ڈھنگ اختیار کیا ہے جس پر مہربان ہوئے اسکی تعریف میں بہت کچھ غلط فرمائی
کی ہے اور جن سے کچھ سروکار نہیں اُنکے حال سے چشم پوشی کی ہے کسی شاعر کے حالات اصلی اور کیفیت استعداد
اور دستور العمل ایام زندگانی اور اُسکے معاملات جو اُسکے ابناء کے عصر کے ساتھ واقع ہوئے ہوں اور تاریخ ولادت و
وفات و ذکر تصنیفات اور نام حاکم وقت وغیرہ ضروری باتیں درج نہیں کیں نہ یہ لکھا ہے کہ یہ شخص صاحبِ یوان
تھلا یا نہیں جس سے کچھ تعلق ہوا اُسکے اشعار بہت اور عمدہ عمدہ انتخاب کر کے لکھ دیے ہیں اور جس سے عداوت
ہوئی اُسکے ایسے اشعار تلاش کر کے درج کیے ہیں جو موجب مضحکہ ہوں بلکہ اُسکے اوصاف سے اعراض کر کے
بجھو بیچ لکھی ہے۔ اب مختلف نمایاں تیفتہ نے اپنے تذکرہ نگارش کے خارجین اکثر شاعروں کے اُستاد کا نام تک
لکھنے میں کوتاہی کی ہے اور بہت سے شاعروں کے حالات ایک ایک ڈونڈ سطر دن میں ختم کر دیے ہیں البتہ

بعض شعرا کی تعریف بہت کی ہے خصوصاً اپنے استاد مومن خان مومن کی تعریف اور نقل اشعار میں بہت سادہ
 و سادہ کا صوف کیا ہے اور بعض شعرا کو سخت عیب لگایا ہے چنانچہ میان بھی امان حوت قلندر بخش حیرت
 کی نسبت بہت کچھ مونی اگلے ہیں لکھتے ہیں کہ یہ شخص اصول و قوانین شاعری سے بہرہ نہ رکھتا تھا انعامات خارج
 از آہنگ گاتا تھا اور اس کی ناموری کا باعث یہ ہوا کہ اشعار موافق طبائع او باش فالاطاع کے کہتا تھا ہم کہتے ہیں
 کہ جرأت بڑا خوش فکر تھا اس کی نازک خیالی سب پر ظاہر ہے غمور خوش مذاق شعر عاشقانہ کہنے میں طاق تھا عاشق
 و معشوق کے راز و نیاز اور حسن و عشق کے معاملوں کو جس شوخی اور چوچلے پن سے اُس نے برتا ہے وہ اُسی کا حصہ ہے
 جرأت سادہ معاملہ بند کم گذرا ہے اور اس امر سے ہر شخص کو آوار ہے چنانچہ نواب مصطفیٰ خان نے اس مضمون کو
 یوں ادا کیا ہے ”جو مضامین در میان عاشق و معشوق کے گذرتے ہیں اکثر موزون کرتا تھا طبیعت ذکی رکھتا تھا
 اور اپنے استاد حسرت کا فخر تھا اتنے ”یہ بھی عجیب بات ہے کہ جرأت کے کلام میں رطب یا بس بہت نہیں ہے
 اور وہ غزل گوئی میں اگرچہ تیر کا متبع ہے مگر میر کی فصاحت اور سادگی پر ایک شوخی اور بانگین کا انداز ایسا
 بڑھایا ہے کہ خود صاحب طرز ہو گیا ہے اُس کی طرز اُسی کا ایجاد ہے اور آج تک اُسی کے لیے خاص ہے جیسے
 اس وقت معمول خلائق تھی آج تک ویسی ہی چلی آئی ہے۔ اسی طرح سید انشا اللہ خان کی نسبت جو ایک
 نامور شاعر تھے لکھا ہے کہ اُنکے کلام کی روش طریقہ راسخہ پر نہیں اور علم تو اس قدر نہ تھا مگر ہر فن میں کوس لمن
 و ملکی بکلتے تھے اور شاعرات و مطارحات سے شعلے معاصرین کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا میں کہتا ہوں کہ میر
 انشا اللہ خان علم تازہ طبع بلند آواز رکھتے تھے کلام اُلکا عالی الفاظ رکاکت سے خالی سقم سے پاک عیب سے
 صاف ہے سابقین جو موجد فن تھے اُنکے دیوانوں میں دس یا بیس شعر شالی صنائع و بہائے وغیرہ کے دیکھنے میں
 آتے ہیں مصنف مزاج انشا کا کلام دیکھتے اور غور کرے کوئی غور کیفیت سے خالی اور کوئی مضمون نا درست
 نہیں ہر ایک غزل مطلع سے بیکر مقطع تک بری کی صورت ہے بیان کا لطف مملو ہے کی ٹیکنی ترکیبوں کی
 خوشنما زائشیں دل کو تیرا دیتی ہیں۔ علم کے ساتھ شوخی طبع و لطافت بہت تھی ایسے انھوں نے کلام کا انداز ایسا
 رکھا ہے کہ جو چاہتے ہیں سو کہ جاتے ہیں نہیں معلوم ہوتا کہ ان کا دُور مرہ یہی بڑا سحرہ بن کرتے ہیں جو غزلین یا
 غزلوں میں اشعار با اصول ہو گئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ جو نہیں انکی غزلوں میں جو غزلیت کے اصول کی پابندی
 نہیں تو وجہ اسکی یہ ہے کہ اُن کی غزلیں اکثر منکلاخ زمین میں ہوتی تھیں پھر اُس میں قافیہ نہایت سخت
 لیتے تھے اسی واسطے قانون کلام یہ رکھا تھا کہ کیسا ہی قافیہ ہو اور کیسا ہی مضمون جس پر جسے پہلو سے بندھا
 بعد ناخین جا ہیے یہی حال قصائد کا ہے کہ کبھی کوئی ایسا شوخ مضمون نئی تراش سے لے آئے ہیں کہ قصیدہ
 کی مناسبت اور وقار کے اصول ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں پس اپنی قوت بیانی اور جوش مضامین کی وجہ سے

کہیں کہیں قصیدے کے اصول کو کھودیتے ہیں ان کے تعطلی میں شبہ کرنا تحقیق کے خلاف ہے علم متداولہ دوسرے
میں وہ خاصی دستگاہ رکھتے تھے چنانچہ یہ مقطع ان کا زبان پوری میں اس مدعا پر شاہد ہے

انسا لہ کھان بیان بڑے محاجل جہین ہن | صدر اطرھیں میں جن سیتی طلبم اے کے

انکی نسبت یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا کہ لٹری قابلیت کے لحاظ سے انسا جیسا جامع جنیات آدمی
امیر خسرو اور فیضی کے بعد آج تک ہندوستان کی خاک سے نہیں اٹھا انکی نسبت کہا گیا ہے کہ انکے علم کو شاعری
لے اور شاعری کو شعرے پن نے برباد کیا۔ ایسے ہی میر سوز کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ کلام ان کا جادہ فقیر
سے ہٹا ہوا ہے میں کہتا ہوں کہ گو انکی انشا پردازی میں صنائع اور اغراق نہیں مگر زبان عجیب میٹھی زبان
ہے درحقیقت غزل کی جان ہے محاسن رنگین کی بعض مجلسوں سے اور ہمارے عہد کے پہلے کے
تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کلام صفائی محاورہ اور لطف زبان کے باب میں ہمیشہ سے ضرب المثل ہے
انکے شعر کا قوام نقط محاورے کی چاشنی پر ہے فارسی بندشیں، اضافت، تشبیہ، استعارہ انکے کلام میں بہت
کم ہے۔ اس لحاظ سے انھیں گویا اردو غزل کا شیخ سعدی کہنا چاہیے اگر اس انداز پر زبان رستی یعنی فارسی
تکسین، شکل استعارے، بعید الغم تشبیہیں، سخت و سنگین الفاظ اور نازک خیالیان اُس میں داخل ہوں
بلند پروازی اور مضمون آفرینی کی بجائے اس میں قوت بیانی کا مادہ زیادہ ہوتا تو آج اہل اردو کو
اس قدر شکاری نہوتی اور اردو نظم میں ہر ایک مضمون کے ادا کرنے کی لیاقت اور طاقت ہوتی کلام کو
رنگینی اور استعارہ و تشبیہ سے بلند کر دینا آسان ہے مگر زبان اور روزمرہ کے محاورے میں صاف صاف
مطلب اس طرح ادا کرنا جس سے سننے والے کے دل پر اثر ہو بہت مشکل ہے مثنوی میر حسن کی نسبت لکھتے
ہیں کہ قطع نظر بعض پانفراے شاعری کے محاورہ عوام میں بڑی نہیں کہی ہے یا الفاظ سحرالبیان کی شان سے
بہت گرے ہوئے ہیں اُسکے صاف بیان فصیح محاورے ایسے ہیں کہ آج تک کوئی مثنوی اُسکو نہ پہنچ سکی بیان
ایسا دلچسپ ہے کہ اصل واقعہ کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھینچ جاتا ہے اور باوجود اسکے ایک شعر بھی اصول فن سے
بال بھر اور حیا و معر نہیں گرا ہے اُسے قبول عوام ہی کا شرف نہیں پایا ہے بلکہ خواص نے بھی اُس کو پسند کر کے
تعریف کی مولوی شبلی نے موازنہ انیسویں دہائی میں گلشن نیگار کے مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے میر حسن واقعہ نگاری کی
وسعت میں ابتذل اور عامیانا نہ بول چال کی پروا نہیں کرتے افسوس مولوی صاحب نے میر حسن کے
انتہائی کمال پر کیسا بد نما داغ لگایا ہے یہ نہ خیال کیا کہ میر حسن کی خوش بیانی واقعات اور نچیل مذاق میں
ڈوبی ہوئی ہے اُسکی صفائی بیان اور لطف محاورہ اور ضرب المثل کی خوبصورتی کے ساتھ بندش و دشواری
مضمون اور طرز ادا اور ادا کی نزاکت حد توصیف سے باہر ہے آج جس کا نسخہ ہے جو ان خوبوں کے ساتھ چلے

بھی موزون کر کے میر حسن کی ثنوی بالکل نظرت کے اصول پر ہے یعنی جو جذبات عاشق و معشوق کے دلوں میں پیدا ہوں وہی ادا کر دیے ہیں نظیر اکبر آبادی کی نسبت کہتے ہیں کہ اُس کے اکثر اشعار بازار یوں کے زبانِ مذہب میں باعتبار ایسے اشعار کے اُسکا شمار شعرا میں نہیں ہو سکتا مگر ہم سے کوئی پوچھے تو یہی کہیں گے کہ نظیر کا ذہن بہت رसा تھا مشق کا یہ عالم تھا کہ متوجہ طبیعت سے دریا کی طرح بہتا تھا اور موزونی طبع کا یہ حال تھا کہ کیسی ہی سنگلاخ زمین ہوتی اُسکی سمند فکر کی ہامال بھی وہ اپنے کلام میں نیچر کا سماں دکھانے کی طرف متوجہ تھا اور وہ خیالی معرکہ آرا یوں پر اس کو ترجیح دیتا تھا اور اب جو جو انگریزی ترقی کرتی جاتی ہے نظیر کا رنگ ہر دل غریزہ ہوتا جاتا ہے انگریزی تعلیم سے دلوں کو واقعات اور قدرتی مناظر کے ساتھ ایک خاص قسم کا لگاؤ ہو جاتا ہے اور انسان اُس قسم کا رنگ ہر جگہ صوبہ ہوتا ہے لگتا ہے پس اُردو کی دنیا میں ایسے شخص کو نظیر کے شعروں میں اپنے مذاق کی کچھ کچھ پھسل پھسل باتیں نظر آ جاتی ہیں مگر شعرا کی نازک خیالیوں میں جسکو شیفتہ اصل شاعری سمجھتے ہیں ایسی ایک بات بھی نظر نہیں آتی ایسے انکی شاعری روز بروز بیکار اور فضول ہوتی جاتی ہے چنانچہ اس زمانے میں حالی وغیرہ کچھ رنگ ایسے پیدا ہو گئے ہیں جنکو نیچرل مذاق کی طرف توجہ ہے۔ شبلی نے موزنہ آئیس و دبیر میں نظیر کے کلام کو تبذل اور ساقیانہ بتایا ہے اور یہ نہیں خیال کیا کہ اُس کے بیان میں اگرچہ مبالغے کے زور یا جوش و خروش کی دھوم دھام نہیں مگر جس چیز کا بیان کرتا ہے اُسکی کیفیت واقعی دکھا دیتا ہے جس سے سننے والے کو وہ مزہ آ جاتا ہے جو اصل شے کے دیکھنے سے آتا برخلاف اُن شعرا کے جن کو اُنھوں نے اتنا درجے کا قاصد الکلام مانا ہے کہ وہ جس شے کا ذکر کرتے ہیں صاف اُسکی بُرائی اچھلائی نہیں دکھا دیتے بلکہ اُسکے مشابہ ایک اور شے جسے اُنھوں نے اپنی جگہ اچھلایا بُرا سمجھا ہوا ہے اُسکے لوازمات کو شے اول کا کار بیان کرنے میں جسکی شدت نے کلام کو خیالی ہاتوں سے شمع توہمات کا فانوس بنا دیا ہے شیخ امام بخش تاسع کے حق میں صاحب تذکرہ گلستان سخن نے لکھا ہے کہ ناسخ بے معنی گو ہے اور اُسکے اشعار سماع میں مگر یہ کلام نہایت ناملائم ہے اور اپنے زعم میں ازالہ ثقالت طعن اور تخفیف شدت اغراض کے لیے اس مطلب کو گویا پردہ لطیف و کناہ میں بیان کیا ہے۔ ایک دشمن کماں نے اپنے دیوان میں تاسع کو خود منشا ادب سے مرشد لکھا ہے۔ ارمنان گو کل پرشاد میں محمد عیسیٰ تنہا دہلوی شاگرد صحفی کا تلمیذ قرار دیا ہے منشی شیو پرشاد وہی لکھتا ہے کہ شیخ امام بخش تاسع نے سرقہ مضامین سے مقدمین کے فارسی دیوانوں کو تیار کیا ہے اور سیر اکبر آبادی نے اپنے تذکرے میں شیخ صاحب کے ہر شعر کے مقابل ایک شعر لکھ دیا ہے میں کہتا ہوں کہ تاسع کا سا اعتبار کسی کو نصیب نہوا دشمنوں نے بھی عاجز ہو کر اور اپنے استادوں کی

زبان چھوڑ کر اُسی کی پیروی کی اور ناسخ کے دیوانوں کے طفیل سے زبان دان بن گئے اُنکے اشعار اہل علم اور صحیح التدق کی زبانوں پر مذکور اور مخمور دن میں مشہور ہیں ہاں نابھدان کو چہ شعر فہمی اُن کے اشعار صحیح المعانی کو بے معنی کہنا انون کو دھوکا دیتے ہیں کیونکہ اُنکے ادراک و فہم سے دور ہیں۔ ناسخ کا کلام عموماً شاعری کے ظاہری عیبوں اور لفظی سمنوں سے بہت پاک ہے اُصول کبھی ہاتھ سے نہیں جاتے دیا صائب کی تشبیہ... کو اپنی صنعت میں ترکیب دیکر ایسی خوبی سے بیان کیا کہ بعض موقع پر کلام میں بسیدل اور ناصر علی کا رنگ آگیا اور اردو میں وہ اُس سے صاحب طرز قرار پائے اُنھیں ناسخ کہنا بجا ہے کیونکہ ناہموار طرز قدیم کو نسخ کیا ہے اُنکی طرف مرقہ مضامین کی نسبت کرنا اپنی نادانی دکھانا ہے ایسا صاحب کمال جسکی تصنیفات کمال نازک خیالی اور مضامین عالی کے ساتھ کئی دیوانوں میں موجود ہے وہ مرقہ کا قصد کرتا اور توار مضامین سے کوئی بشر خالی نہیں بس ان بخودی باتوں پر توجہ بے حاصل ہے۔ مؤلف گلشن بے خار چونکہ طبیعت شکل پسند رکھتے تھے موشگافی اور خیال بندی کو پسند کرتے تھے اسلئے وہ ایسے کلام کے زیادہ مداح ہیں جسکے مضامین میں خیالی نزاکت اور ماتھا درجہ کی موشگافیان ہوں اسی لیے ناسخ اور آتش کو رتبہ شاعری میں برابر نہیں جانتے حالانکہ دونوں صاحب کمال ہیں اور اپنی اپنی طرز میں ہر اک جواب نہیں رکھتا دونوں میں سے کوئی کمال سے خالی نہیں البتہ طبیعتیں مختلف ہیں ناسخ کی طبیعت مضمون دقیق کی طرف مائل تھی اُنکے کلام میں شوکت الفاظ اور بلند پروازی اور نازک خیالی تو بہت ہے مگر تاثیر کم ہے اور خواجہ صاحب کو کلام کی سادگی اور محاورے کی صفائی پسند تھی وہ سیدھی بات کو سچ نہیں دیتے تھے استعارے اور تشبیہیں قیوب الفہم لکھتے تھے جس سے سُنے والے کے دل پر اثر ہوتا تھا۔

اہل تذکرہ کو چاہیے کہ شاعر کا اصلی حال بغیر رعایت و طرفداری کے لکھیں اور عداوت کا اظہار بھی تذکرہ نویس میں نہ کریں اول سے آخر تک نیک نیتی اور انصاف پر نظر رکھیں اور اشعار کے انتخاب کی طرف متوجہ نہ ہو کر حتی الوسع بھری غزل نقل کریں تاکہ ناظرین اُس شاعر کی لیاقت و استعداد سے واقف ہوں اور جانیں کہ فن شعر میں اس شخص کی کیسی دستگاہ ہے اور کس رتبے کا شاعر ہے۔

تیسرا موی شعری تعریف میں

شعر کے معنی لغت میں جاننے کے ہیں اور اصطلاح میں اس کلام موزون کا نام ہے جو اوتنان مقررہ میں سے کسی وزن پر ہوا و مقفے ہوا و یا بقصد موزون کیا گیا ہو پس بیان سے معلوم ہوا کہ اگر ایک کلمہ کسی وزن کے وزن پر ہوا کلام ہو مگر موزون نہ ہو یا کلام موزون ہو مگر مقفے نہ ہو یا کلام موزون مقفے ہوا بقصد نہ موزون

کیا گیا ہو وہ اصطلاح کے موافق شعر نہیں ہے اور شاعر کے غویٰ جتنی جاننے والے کے ہیں اور اصطلاح میں
 اس شخص کو کہتے ہیں جو بڑی بھلائی بھر وزن و قطع و قافیہ وغیرہ لازم شعر کو جانتا ہو پس جو شخص ان
 لوازم شعری سے خبردار نہ ہو گا گو طبع موزون رکھتا ہو اسکو شاعر نہ کہنا چاہیے۔ حالی اپنی کلیات کے مقدمے میں
 لکھتے ہیں کہ شعر کے لیے وزن ایک ایسی چیز ہے جیسے رنگ کے لیے بول جس طرح رنگ فی حد ذاته لفظ کا قتل
 نہیں اسی طرح نفس شعر وزن کا محتاج نہیں البتہ وزن کی شرط نظم کے لیے بہت قدیم عرب کے بوک یقیناً شعر کے
 لیے مبنی سمجھتے تھے جو شخص معمولی آدمیوں سے بڑھ کر کوئی مؤثر اور دلکش تقریر کرتا تھا کسی کو شاعر جانتے تھے
 جاہلیت کی قدیم شاعری میں زیادہ تر سی قسم کے برجستہ اور دلادیز فقرے اور مثلین پائی جاتی ہیں جو عرب
 کی عام بول چال سے فوقیت اور امتیاز رکھتی تھیں یہی سبب تھا کہ جب قریش نے قرآن مجید کی نزلی اور
 عجیب عبارت سنی تو جنہوں نے اسکو کلام الہی نہ مانا وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے لگے۔
 حالانکہ قرآن شریف میں وزن کا مطلق التزام نہ تھا محقق طوسی اساس الاقتباس میں لکھتے ہیں نہ عبری اور
 سریانی اور قدیم فارسی میں شعر کے لیے وزن حقیقی ضرور نہ تھا سب سے پہلے وزن کا التزام عرب نے کیا ہے
 قافیہ بھی ہمارے ہاں شعر کے لیے ایسا ہی ضروری سمجھا گیا ہے جیسے کہ وزن گرد حقیقت وہ بھی نظم ہی کے لیے
 ضروری ہے نہ شعر کے لیے اساس میں لکھا ہے کہ یونانیوں کے یہاں قافیہ بھی مثل وزن کے ضروری
 نہ تھا۔ انظر وزن اور قافیہ جنہر ہماری موجودہ شاعری کا دار و مدار ہے اور جیسے سوانس میں کوئی ہستی
 ایسی نہیں پائی جاتی جسکے سبب سے شعر کا شعر بڑا طلاق کیا جاسکے یہ دونوں شعر کی ماہیت سے خارج ہیں
 اسی لیے نہانہ حال کے محقق شعر کا مقابل جیسا کہ مموثا خیال کیا جاتا ہے نثر کو نہیں ٹھہراتے بلکہ علم و حکمت کو
 ٹھہراتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جسطرح حکمت کا کام براہ راست یہ ہے کہ ہدایت کرے تحقیقات میں مدد پہنچائے
 اور روشن کرے عام اس سے کہ کوئی اس سے محظوظ یا متعجب یا متاثر ہو یا نہ وہ اسی طرح شعر کا کام براہ راست
 یہ ہے کہ فی الفور لذت یا تعجب یا اثر پیدا کرے عام اس سے کہ حکمت کا کوئی مقصد اس سے حاصل ہو یا نہ
 اور عام اس سے کہ نظم میں ہو یا نثر میں حالی نے بیان اتہا درجے کی غلطی کی ہے اور اپنے مستعدوں کو
 غلطی میں ڈالنے کا کام کیا ہے اسیلئے کہ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ شعر کے لیے وزن شرط نہیں وہ اہل شطرت
 ہیں اور اساس الاقتباس کا جو حوالہ دیا ہے وہ بھی فن منطق ہی میں ہے منطقین کی اصطلاح میں شعر اور
 چیز ہے اور شعر کے نزدیک شعر اور چیز ہے پس حالی نے نامی سے منطقین کی تعریف کو شاعرانہ کی تعریف
 کے سمٹ میں داخل کر دیا ہے محقق طوسی نے اساس الاقتباس میں بطور منطقیوں کے شعر کی تعریف کی ہے
 کیونکہ یہ کتاب ہی منطق میں لکھی ہے اور معیار الشعراء میں شعر کی تعریف اسی طرح کی ہے جو عرف جمہور میں

شہور ہو اور وہ یہ کہ شعر کلام موزون متقفے کا نام ہے کیونکہ یہ کتاب فن عروض میں لکھی ہے پس منطقیوں کے نزدیک وزن شعر کی ماہیت میں معتبر نہیں ان کے نزدیک جو کلام قضا یا تخیلیہ سے بنے وہ شعر ہے وزن ہونا اس میں ضرور نہیں چنانچہ شیخ بوعلی سینا کتاب شفا کی بحث منطق میں فرمایا ہے لا نظر بالمنطقی فی شئ من ذلك الا فی کونه کلاما محیلا یعنی منطق کی نظر وزن اور قافیہ کی طرف نہیں اس کے نزدیک تو یہ چاہیے کہ وہ کلام مخیل ہو اور دوسری جگہ کہتا ہے انما یبطل بالمنطقی فی الشعر من حیث ہو مخیل یعنی وہ شعر میں اس حیثیت سے فکر وغور کرتا ہے کہ وہ کلام مخیل ہے اور امام مازنی نے شرح عیون الحکمۃ میں فرمایا ہے ان نظر فیہ من حیثیت انہ یفید تخیلا قانما مقام التصدیق والترغیب فذلک هو المنطق بلکہ محقق طوسی نے خود اس میں دونوں اصطلاحوں کے فرق کو کھول دیا ہے اس طرح کہ شعر در عرف منطقی کلام مخیل است و در عرف متأخران کلام موزون متقفے اور دوسری جگہ لایا ہے مادہ شعر سخن است و صورتش نزدیک متأخران وزن و قافیہ و نزدیک منطقیان تخمیل اور پھر کھولا اس میں یوں کہا ہے نظر منطقی خاص است بتخمیل و وزن را از ان جهت اعتبار کنند کہ بوجہ انتضائے تخمیل کنند صناعت منطق باحث بالذات از تخمیل شعر است و بالعرض از دیگر احوال یہ تو شعر منطق کی نسبت مقدار یک شعر متعارف کی نسبت اس میں کیا کہا ہے بحسب این عرف ہر سخن را کہ وزن و قافیہ دہے و اسشتہ باشد خواہ آن سخن برہانی باشد خواہ خطابی خواہ صادق خواہ کاذب و اگر ہمہ توحید خالص یا ہدایات محض باشد آنرا شعر خوانند و اگر از وزن و قافیہ غالی باشد اگرچہ تخمیل بود آنرا شعر خوانند اور تخمیلات وہ باترین ہیں کہ جب نفس کو پہنچتی ہیں تو وہ انکی تاثیر سے کسی چیز کی طرف راغب ہو جاتا ہے یا اس سے نفرت کرنے لگتا ہے بغیر غور و فکر کے کیونکہ نفس رغبت یا دہشت سے منفعل ہو جاتا ہے اور تخمیل کا اثر بقابلے تصدیق کے نفس پر جلد پڑتا ہے کیونکہ اس میں تعجب صدق سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ یہ لذیذ ہے اور تخمیلات کسی طرح کے ہوتے ہیں کبھی سچے ہوتے ہیں کبھی جھوٹے ہوتے ہیں کبھی تخمیل ہوتے ہیں کبھی غلط ہوتے ہیں اور نفس میں ان کے اثر سے یا انساٹ پیدا ہو جاتا ہے یا انقباض اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تخمیلات کی تاثیر تصدیق سے زیادہ ہوتی ہے اگرچہ اس کے ساتھ تصدیق نہیں ہوتی اور منطقیں نے شعر کے لیے یہ بات شرط کی ہے کہ کلام قانون لغت کے مطابق ہو اور اس میں ایسے اعلیٰ درجے کے استعارے اور عمدہ تشبیہیں ہوں کہ نفس میں انکی وجہ سے تاثیر عجیب ورائض غریب پیدا ہو کر فرحت یا رنج و غم آجائے اسی لیے قضا یا شعر میں ادبیات صادقہ استعمال جائز نہیں اور ادبیات صادقہ سے مراد ایسے قضا یا ہیں کہ عقل ان قضا یا کا تصور کر سکی

اُن کے قلعی ہونے کا حکم لگا دیتی ہے کسی دوسری چیز کی طرف محتاج نہیں ہوتی جیسے کل بڑ ہے بڑے
ملکہ شعر میں مخیلات کا ذبیہ کا استعمال مستحسن ہے جس شعر میں مخیلات صادقہ کا استعمال ہوتا ہے وہ بڑ
ہوتا ہے جیسے ناسخ کی نظم سراج کے یہ شعر۔

کی خدانے جو یہ زبان عطا اس سے ہے مختلف مزدنی تمیز کوئی کر ڈی ہے کوئی ہر بیٹھی کوئی اچھی ہے کوئی رشت زبون سب فردان کے زبان واقف ہے جو نہویہ تو کچھ نہ ہو معلوم اور بھی ہو کے ہیں زبان سے کام اس کے احکام بہر دندان ہے	ہے بلا شک عطیہ عظم اس سے پاتے ہیں نہت ہر چیز تکلیں کوئی کوئی کھٹ مٹھی مزے سب چیزوں کے ہیں نوناگون انہی اسرار کی یہ کاشف ہے نہ ہو کوئی مزہ کبھی مفہوم ہے مہر دقت بلع آب و طعام قوت تام بہر دندان ہے
---	---

ولہ

نفع کیا کیا ہوا کو بخشا ہے بعض اوقات اگر ہوا نہ چلے دم رکین آدمی پڑیں میسار آدے طاعون یا و با آدے اس سے ہے زندگانی ابدان ناک سے جوف تن میں جاتی ہے خارج تن میں لگتی ہے یہ اگر	صحت ہم اس سے پیدا ہے کبھی ن مات اگر ہوا نہ چلے یو کے فاسد ہوں سو کھیں بھانپا غلے پرافت و بلا آدے اس سے ہے نفع صحت انسان زندگی اس سب سے آتی ہے حق میں ابدان کے ہر مصلحت
---	--

اسی طرح یہ شعر مولوی محمد حسین آزاد کے۔

اسے آفتاب صبح سے نکل ہوا ہے تو ہیں رز و شب زمانے کے پیچ قدم ترے وامان کو ہسار میں اب جا کے سو رہو اے دوست تیرا حکم تھا جایی جہان میں دن ہے خدانے بگاودیا کام کے لیے	عالم کے کار دبار میں دن بھر بھر ہے تو پیمانے محنتوں کے یہ ہیں بیش کم ترے دن بھر کا کام شام کو بھیج کے سو رہو اور روشنی تھی عام زمین آسمان میں اور رات کو بنایا ہے آرام کے لیے
---	---

لیکن یہ قاعدہ اکثری ہے نہ کلی اس لیے کہ بعض نظم باوجود صدق مقدمات کے عمدہ استعاروں اور
برجستہ تشبیہوں کی وجہ سے نفس میں تاثیر اور لذت پیدا کرنے میں محیلات کا ذہب سے کم نہیں ہوتی
جیسے متاخرین میں سے درو تکص یک شاعر سیر کو ہمار کی کیفیت لکھتا ہے۔

در حقیقت ہے عجب پر کلفت سیر کو ہمار
ایسا وہ ہیں کرورون اک طرف ساکھو کے بیٹ
دیکھنا کیا ہوں کہ صد ہا چشمہ ہاسے کوثری
اک طرف سر آسمان جا ہی ہیں صد ہا چوٹیاں
رستم دوران بھی ان غاروں کو گرد کیجے کبھی
باوجود اسکے ہے انہیں کچھ عجب دل بستگی
تحت کو ہی کی طرف دیکھو کہ کس انداز سے
نرم نازک ڈالیوں پر اسے بھی نازک ہن برگ
کس قدر دل چسپ تھا نظارہ ہنگام سفر
ایک جانب اٹھو رہا ہے قلمائے کوہ سے
رفتہ رفتہ چھا گیا اطراف دادی میں دھوان
اسکو میں ناحق دھوان کہتا ہوں یہ تو اصل میں
یا کہ رہنا سے زمانہ کی زبونی دیکھ کر
یا کہ آہیں مجتمع فرقت سے ماروں کی ہیں یہ
یا نظر بازوں کی نظروں سے بچانے کے لیے
الغرض جو کچھ بھی ہو یہ ہے بہت دلچسپ چیز
جس قدر کم ہوا جاتا ہے یہ نورانی دھوان
جس طرح تصویر خانے میں مصور کی پلیٹ
بس اسی صورت سے جتنا ابر ہے کم ہو رہا

جسے ہر نظارے پر صد ذوق جنت ہے تیار
گر رہے ہیں دوسری جانب ہزاروں انبار
سنگلا خون برہن کرتے اپنی ہستی کو نثار
دوسری جانب نظر آتے ہیں دہشت ناک غار
کیا عجب ہے خوف سے آبلے اُسکو بھی بخار
یعنی اٹھتی ہیں اسی جانب یہ نظریں بار بار
باغبان قدرت کا دکھلاتا ہے پھولوں کی بہار
اور ان پتون کی نوکین کس طرح ہیں قطرہ بار
ادبخی اور بخی چوٹیوں پر پہلے ہاتے مرغزار
کس قدر آہستہ آہستہ یہ نورانی عسبار
دور پھر پڑنے لگی چاروں طرف ہلکی پھووار
کوثر مواج ہے یا جوے شیریں کی بے دھار
قلب سے اشجار صحرا کے یہ نکلا ہے بخار
جاری ہیں بہر عرض حال سوے کردگار
حسن کو ہی پر یہ پردہ کچھ رہا ہے بار بار
دیکھنا اب رفتہ رفتہ ہو رہا ہے کم غبار
بس اسی بہت سے ظاہر ہو رہے ہیں سب انجبار
اپنی جزئیات کا کرتی ہے تدریجی انجبار
آہستہ ہیں پھر مرے پیش نظر کو ہی سنگار

بہ صورت جمہور کے نزدیک شعر میں وزن اور قافیہ دونوں معتبر ہیں صرف تخیل ہی کافی نہیں
پس جو وزن حقیقی اور قافیہ رکھتا ہو خواہ اسکی ترکیب بڑبائیات سے ہو یا جدلیات سے یا
خطابیات سے یا مغالطات سے یا تخیلیات سے یا ہدیانیات سے وغیرہ وغیرہ شعر ہے اور

تخیل ذات شعریں معتبر نہیں اسی پر شعر کی تعریف کلام موزون مقفے کے ساتھ کرتے ہیں نہ
 کلام موزون مقفے کے ساتھ اور وزن (داد کے فتح زائے ہوز کے سکون سے) مراد ہوا اس ہیئت سے جو نظام ترتیب کلمات
 سکناات اور ترتیب حروف اور تناسب عدد حروف اور مقدار کے تابع ہوا ایسے نہج پر کہ نفس
 اس سے ایک خاص قسم کی لذت کا اور اک کرے اس اور اک کو ذوق کہتے ہیں میزان الوافی
 میں محمد سلیم بن عظیم جعفری نے کہا ہے کہ بعض کے نزدیک وزن ہیئت ذوق کا نام ہے جو
 ذہن مستقیم میں حاصل ہوتی ہے ترتیب ارکان موضوعہ سے اور نتیجہ دونوں تعریفوں کا ایک
 تناسب عدد سے مراد یہ ہے کہ ارکان مصرعون کے مساوی ہوں پس چار رکن والا مصرع تین رکن
 والے مصرع کے ساتھ موزون نہ سمجھا جائیگا اور مقدار کے تناسب سے یہ مراد ہے کہ ارکان ہاہم
 مقدار حروف میں تناسب و تقارب ہوں پس جو مصرع تین مفعولن پر مشتمل ہو وہ اس مصرع کا جو تین
 مستعملن پر مشتمل ہو متحد الوزن نہ ہوگا لیکن سالم اپنے مزاحف کے ساتھ جیسے فاعلن اور فاعلان
 اسی طرح ایک مزاحف دوسرے مزاحف کے ساتھ مثلاً فاعل اور فعل تناسب معتبر سے خالی نہیں
 اور چونکہ طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے اوزان شعر بھی قوموں میں مختلف طور پر ہوتے ہیں اور ہر
 موزون کسی وجہ سے محیل ہوتا ہے اور اک طرح کی تاثیر پیدا کرتا ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ ہر کلام تخیل ذہن
 شعر رکھتا ہو بہت سی نثر کی عبارتیں تخیل کا فائدہ بخشی ہیں اور چونکہ وزن سے کلام کی خوبی دو بالا
 ہو جاتی ہے اسی لیے کہا ہے کہ وزن دار کلام سلاست میں پائی کی طرح ہے اور لطافت میں ہوا کی
 مثل ہے اور انتظام میں موتیوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ عرب کی قدیم شاعری میں جو زیادہ تر جزر
 فقرے اور مثلین پائی جاتی ہیں تو اس سے شاعروں کی طبیعت کی خوبی ثابت ہوتی ہے اور یہ ثابت
 ثابت نہیں ہو سکتی کہ شعر کے لیے وزن ضرور نہیں اور عرب جو قرآن کی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر
 پیغمبر خدا کو شاعر کہنے لگے تھے تو اس سے بھی بیاثر ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا کہ شعر کے لیے وزن شرط
 نہیں بلکہ وجہ اس کی یہ تھی کہ وہ یہ جانتے تھے کہ فصیح و بلیغ کلام نظم ہو یا نثر شاعری ادا کر سکتا ہے۔
 نظم اور شعر میں وزن اور عدم وزن کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں دونوں میں وزن معتبر ہے شعرا
 کی اصطلاح میں نظم الفاظ کی ایسی ترکیب کو کہتے ہیں کہ اس کے معانی میں بھی ترتیب ہو اور ان کی دلالت
 کا بندوبست مقتضائے عقل کے موافق ہو اور یہ بات نہ کہ لفظوں کو آگے پیچھے بول دیا جائے اور
 جس طرح اتفاق پڑے بغیر لحاظ ترتیب اور دلالت کے ایک لفظ کو دوسرے لفظ سے ملا دیا جائے
 پس یہ نظم ہے۔

سیر جوئی زرافشان مانگ سبز اسیر و دشالہ ہے تماشا ہے پر طاؤس نے کالے کو پالا ہے
 اور جب اسکو یون کمین سے سیر افشان زر سبز مانگ و دشالہ جوئی ہے اسیر و پر ہے تماشا کو
 کالے طاؤس پالا ہے یا تو یہ لفظ ہوگا نہ نظم اور حالی کا یہ کسنا کہ حال کے محقق شعر کا مقابل شر کو نہیں
 ٹھہراتے بلکہ علم و حکمت کو ٹھہراتے ہیں یہ بھی درست نہیں اسلامی دنیا کے تمام الشاہر دازاد و سمنور
 بالاتفاق شعر کا مقابل شر کو ٹھہراتے ہیں عروضیوں کا یہی مذہب ہے اور جو لوگ شعر کا مقابل علم و حکمت کو
 ٹھہراتے ہیں وہ اہل فلسفہ ہیں انکے نزدیک شعر غیر یقینات میں سے ہے اسلئے وہ علم و حکمت یعنی یقینات
 کا مقابل ہے پس یہ ہر اک فلم کی علمی اصطلاح ہے اور یہ کسنا کہ شعر کے لیے وزن حقیقی ضروری نہ تھا
 سب سے پہلے وزن کا التزام عرب نے کیا ہے بالکل تحقیق کے خلاف ہے واقعی ہے کہ ہر زبان کے شعر
 کے لیے وزن ضروری ہے البتہ موجودہ قواعد وزن کو عربوں نے ایجاد کیا ہے ورنہ فن عروض کی ایجاد
 کے پہلے سے بھی شعر وزن دار ہوتے تھے اور انکے وزن کا معیار وجدان سلیم اور ذوق طبع مستقیم تھا
 انہی اشعار کو جانچ کر وزن کے قواعد مقرر ہوئے ہیں۔ اور محقق طوسی نے اساس میں یہ جو کہا ہے
 کہ قدما کلام غنیل کو شعر کہتے تھے اگرچہ وہ وزن حقیقی نہ رکھتے ہوئے اور یونانیوں کے بعض اشعار
 اس طرح کے تھے اور دوسری پرانی زبانوں جیسے عبری سریانی فارسی میں بھی اس کا اعتبار نہ تھا
 عرب نے اول وزن حقیقی کو شعر میں اعتبار کیا ہے مثل قافیہ کے اور پھر دوسری قوموں نے انکی
 متابعت کی یہ قول بھی حالی صاحب کے مفید نہیں اسلئے کہ ہم یہ کہیں گے کہ قوموں نے جس شعر میں
 وزن کا اعتبار نہ کیا تھا وہ ہے جو یقینات کے مقابل ہے اور قدما سے مراد محقق طوسی کی حکما و
 فلاسفہ ہیں نہ شعر کیونکہ شعرا و اہل عروض کو انھوں نے متاخرین کے لفظ سے تعبیر کیا ہے علاوہ
 اسکے ان زبانوں میں علمائے علم عروض کے قواعد بھی مضبوط نہ کیے تھے اسلئے سوائے ذوق طبع
 سلیم کے وزن شعر کے جانچنے کا کوئی معیار نہ تھا یہی حال شعرا سے عرب کا بھی تھا کہ وہ ذوق طبیعت
 سلیم کے اقتضا سے شعر تو کسی وزن عروضی پر کہتے تھے مگر انکے ہاتھ میں اسکے جانچنے کے لیے کوئی
 میزان نہ تھی اسی وجہ سے کبھی ایک وزن سے دوسرے وزن قریب پر انتقال کر جاتے تھے اور
 غلطیان کھا جاتے تھے قواعد عروض کے ایجاد کرنے کے وقت انکی ہانسی غلطیوں کو تغیر حافات اور
 سکتہ ماننا پڑا ہے کیونکہ قواعد عروض ان کے اشعار کے مطابق بنائے گئے ہیں نہ یہ کہ قواعد عروض کو
 پیش نظر رکھ کر شعر کہے جاتے تھے جسکو مجہور کی اصطلاح میں شعر کہتے ہیں ایسا شعر ہر زبان میں وزن
 ہی ہوتا رہا ہے اگر کوئی جاہل اپنا دل خوش کرنے کو چند الفاظ بے وزن جوڑ کر انکو شعر سمجھتا تو ایسا

کلام اہل علم کے نزدیک سلف سے خلف تک کسی زبان میں شعر نہیں مانا جاتا۔ اور یہ قول بھی صحت سے عاری ہے کہ عرب نے اول وزن حقیقی کو شعر میں اعتبار کیا اس لیے کہ ہندوؤں کے بیان ہزار دن برس سے شعر میں وزن حقیقی کا اعتبار چلا آتا ہے پس جس کلام میں وزن حقیقی موجود ہو وہ شعر ہے اور جس میں نہ ہو وہ شعر ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ قافیہ مطلق شعر کے واسطے ضرور ہے یا نہیں بعض اس طرف گئے ہیں کہ مطلق شعر کے واسطے ضرور نہیں بلکہ اسکی بعض قسموں کے واسطے ضرور ہے جیسے قصیدہ اور قطعہ اور رباعی وغیرہ اور اس تقریر پر ذاتیات شعر سے نہوگا بلکہ اسکے عوارض سے ہوگا اور محققین کا مکررہ اعظم قافیہ کا اعتبار ذات شعر میں واجب سمجھتا ہے چنانچہ بوعلی سینا بھی شفا میں کہتا ہے لایکد ان یسھی عندنا الشعر مایس جھقفے یعنی جو مقفے نہیں وہ ہمارے نزدیک شعر نہیں یاد رکھو کہ اگر ان دو کلموں کو کہتے ہیں جو باہم ایسی اسناد رکھتے ہوں کہ اگر اسکا کہنے والا چپ رہے تو سامع کو فائدہ حاصل ہو جائے اور کچھ انتظار نہ رہے پس شعر میں کلام کی قید سے سخن بے معنی بھی نکل گیا اور شعر کی تعریف آپر صادق نہ آئی اس لیے کہ اس سے سامع کو کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا لیکن مجازاً اسکا بھی شعر کہتے ہیں جیسے کہیں یہ شعر مہمل دے معنی میں مثال اسکی یہ شعر تاشد علی ضیا بدیونی شاگرد مثنوی اسماعیل حسین شیر کا۔

لمحوظ موقع طلب مدعا رہے	چشم حباب بحر میں سرمہ لگا رہت
ایسے ہی یہ شعر شاگرد تخلص بدیوانی کا۔	
تم حتم خانی میں لگاؤ کے جو سی	ہو بعضہ اشتر میں نکل آئیے تھائے
سلہ اور بھان محمد بن احمد بیرونی جس نے تقریباً سنہ چار سو تیس میں وفات پائی ہے اسنے کتاب السنہ کے تیرھویں صفحے میں جو زمان سنسکرت کے علم نمود اور شعر کی کیفیت اور ایجاد کے بیان میں ہے لکھا ہے کہ یک مہاراجہ جکا نام سالی دان ہے اور نصیح نام شالی داہن ہے اسکے حمد میں ایک ہندو عالم نے سادایو کی بہت پرستش کی تو انھوں نے ظاہر ہو کر غوکے کچھ قرا دیتائے اس عالم نے دو قرا دے سالی دان کو سکھائے اور اسکے سامنے جھند پڑھے اور جھندوں کا شروں کا درن کیا ہوتا ہے اور یہ علم عودھ کے مغابل ہے ہندو اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے کیونکہ انکی کتاب میں نظم میں ہیں دیلوہ چند وہو وزن الشعر	
مقابل علم العروض لایستغنون منہ فان کتبہم منظومہ۔ بعد اس بیان کے علم وزن شعر کے ایجاد کی نسبت امیرونی کہتا ہے	
اول من استخراج ہذا الصنائہ کان پٹکل وچلت یعنی جس نے اس صناعت کو اول استخراج کیا وہ یہ شخص ہیں۔	
(۱) پٹکل (۲) چلت سالی دان کا اس ساکھا کہلاتا ہے اور سنہ یسوی سے، مختبر برس درست بکری سے	
ایک سو ۲۵ سال بعد شروع ہوا ہے ۱۲ سنہ۔	

ہدیدا الشعر

مرکز محور گردون بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح خبہ منہ آب نہیں

آب حیات میں لکھا ہے کہ جب شیخ ناسخ کے پاس کوئی نادان فتنہ شائق کلام آتا تو چند بے معنی غزلین بنا رکھی تھیں ان میں سے کوئی شعر پڑھتے یا اُسی وقت چند بے ربط الفاظ جوڑ کر موندن کریتے اور سناتے اگر وہ سوچ میں جاتا اور چپ رہ جاتا تو سمجھتے تھے کہ کچھ سمجھتا ہے اُسے اور سناتے تھے اور اگر اُسے بے تحاشا تعریف کرنی شروع کر دی تو اسی طرح کے ایک دو شعر پڑھ کر چپکے ہو رہتے تھے مثلاً۔

آدی نخل میں دیکھے مورچے بادام میں
ٹوٹی دریا کی کلائی زلف ابھی پام میں
تو نے ناسخ وہ غزل آج لکھی ہے کہ ہوا
سب کو شکل ید بیضا میں سخندان ہوتا

چوتھا مونی شعر کی قسموں میں باعتبار اوصاف کے

بدائع الافکار فی صنائع الاشعار میں مذکور ہے کہ اشعار کئی قسم کے ہوتے ہیں (۱) مملوع اور یہ ایسا شعر ہے جو پسندیدہ وزن میں بنایا جائے جیسے۔

مومن

دقن جب خاک میں ہم سوختہ سامان ہونگے
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کرے
ہم نکالیں گے سُن اے موج ہوا بل تیرا
تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دون
منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھاؤں گا کبھی
ناصر دل میں توانا تو سمجھ اپنے کہ مسم
غیر جھوٹا ہے محلہ پر ترے دل تفتہ کی
صبر یارب مری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں
ایک ہم ہیں کہ ہوے ایسے پشیمان کہ بس
پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
داغ دل نکلیں گے تربت پہ مری جون لالہ
عمر ساری تو کٹی عشق بتان میں مومن

فلس ہی کے گل شمع شبستان ہونگے
ہم تو گل خواب عدم میں شب بھران ہونگے
اُس کی زلفوں کے اگر بال پریشان ہونگے
اور پنجائیں گے تصویر جو حیران ہونگے
زندگی کے لیے شرمندہ احسان ہونگے
لاکھ نادان ہوئے کیا تجھے بھی نادان ہونگے
گل نہونگے شر آتش سوزان ہونگے
چارہ فرما بھی کبھی قیدی زندان ہونگے
ایک وہ ہیں کہ خیمین چاہ کے ارمان ہونگے
پھر وہی پاتوں وہی خار بیابان ہونگے
یہ وہ اگلے نہیں جو خاک میں نہان ہونگے
آخری وقت میں کہا خاک مسلمان ہونگے

(رب) جس کا وزن ثقیل ہو وہ نامعلوم ہے جیسے۔

الشا

ارے دل کچھ اٹھین تیری خبر نہیں تری جاہت میں نگوڑے اثر نہیں۔

غالب

عجب نشاط سے جلا دے چلے ہیں ہم آگے اگر اپنے سائے سے سراپاؤں کے دو قدم آگے

ظفر

کمان میں رخ پہ بالے کے گھر نزدیک نزدیک ستارے ہیں یہ نزدیک قمر نزدیک

کام

یہ تھوڑی تھوڑی سے ندے کلائی موڑ کر بھٹلا ہوتا سا قبا پلا دے حسنم بخور کر

(۲) ملائم اس شعر کے الفاظ آسان اور شیریں اور دل پسند ہوں جیسے۔

الشا

جگر کی آگ بجھے جس سے جلد وہ شے لا قدم کو ہاتھ لگاتا ہوں اٹھ کہیں گھر چل نکل کے دادی وحشت سے دیکھ اے مجنون گرا جو ہاتھ سے فریاد کے کہیں تیشہ نزاکت اس گل رعنا کی دیکھ اے انشا

(رب) اسکے خلاف کو متنافر کہتے ہیں جیسے۔

تفسیر

ترے ناخون میں ہر عقدہ کشائی
ترے آگے آئین جو حورانِ جنت
ترے عہد میں بین معطل بتوں کے
ترے خصم کے نطفہ بد کی خاطر
ترا جدِ شہ انبیا و ملائک
اسی پر ہے نص ابقیانی جہنم
علی بجز خارِ عالم لدنی

انا مل مقابلہ قفل مار رب
مکمل حیون اور مشکین ذوائب
سہام جفون و سیوف حواجب
بنین تربت کند صلب ترا رب
شہ قاب قوسین فخر الاطائب
غلا سورہ کاف میں ہے مخاطب
علی ہر خیش اوری فی النوائب

بروج امامت کے ہیں نو کو اکب
 بین منصوص اُس کے یہ بارہ اطائب
 سب اُن کے سوا من قبیل لا جانب
 و تو دست و دشت عصیان کے طالب
 افاعمی کی اولاد نسل عقارب
 طویل الحاسن قصیر الشوارب
 دم حیض ام الخبائث کے شارب
 سواد رخ شخص مخد دل و خائب
 فصار و کمن کان فی اللیل طالب
 ہوئے مستحق نعیم و مواہب
 تاسف میں احبار و قیس و راہب
 تو الکن ہو طی اللسانی من غالب
 نہ کا برق خالط نہ للنفیع جالب
 صیاح ذباب و نباح اکالب

ائمہ تیری نسل سے تا بھدی
 ہوا حکم کو تو واقع الصادقین
 نئی کے کہی جزو ہیں اقربا ہیں
 تمہارے عدد ساکن شام و کوثر
 بن ذات اعلام و ذات القلائد
 بظاہر مسلمانوں کی صورتوں میں
 منافق تھے وہ مرتدان قدیمی
 ترے بغض سے شام کا شہر ٹھہرا
 تری نکث بیعت سے کچھ پھیل نہ پایا
 ترے سبب سزاوار و اربابا تم
 ترے غم میں کفار تک رو رہے ہیں
 فرس کا اگر وصف و رد زبان ہو
 مطیع اشارات راگب سراسر
 صدا شیرون کی اس کے شبہ کے آگے

(۳۷) ایسا شعر جس کے لطائف و معانی کا سمجھنا آسان ہو جیسے -

میر تقی

نہ رہی دشت میں خالی مری جا میرے بعد
 بارغ میں خاک اُڑاے گی صبا میرے بعد
 خون رلاے گا اُسے رنگ حنا میرے بعد
 پہلے میں جاتا تھا اور باد صبا میرے بعد
 کون کھوے گا ترے بند قبا میرے بعد
 شاید آجائے کوئی آبلہ پا میرے بعد
 میرے مجنون ترا کیا حال ہو میرے بعد
 یاد آئی مرے عیسے کو دوامیرے بعد

آئے سجادہ نشین قیس ہوا میرے بعد
 منہ پر بکھ دامن گل و دین گے مرغان چین
 اب تو بنس بنس کے لگاتا ہے وہ مہندی بیلین
 وہ ہوا خواہ چمن ہوں کہ چمن میں ہر صبح
 چاک کرتا ہوں اسی غم سے گریبان کفن
 تیز رکھنا سر ہر خار کو اسے دشت جنون
 کیا عجب مرقد لیلتے سے یہ نکلے جو صدا
 بعد مرنے کے مری قبر پر آیا وہ میر

و ب، اسکی ضدت صفت کہلاتی ہے نصف سیدھے راستے سے پھر جانے کا نام ہے جیسے -

غالب

شمار بٹھے مرغوب بٹ شکل پسند آیا
تھا شاہے بیک کف بدون صد دل پسند گیا
ہوا سے سیر گل آئینہ بے مہری قاتل
کہ اندازِ بخون غلطی بدن بسمل پسند آیا

ولہ

میری تعمیر میں مضمحل ہے اک صورت خرابی کی
بیوے برفِ خرمن کا ہے خون گرم دھقان کا

ولہ

ایک قدم وحشت سے درسِ دفترِ امکان کھلا
جادہ اجڑاے دو عالم وحشت کا شیرازہ تھا

منہ

پوچھو مت رسوایِ اندازِ استغناء سے کس
دستِ مرہونِ حنا رخسارِ رہن غارہ تھا

ایضاً

ذرہ ذرہ سا غریب خانہ نیرنگ ہے
گردشِ مجنونِ بچشمِ کما سے لیے آشنا
شوق ہے سامانِ طرازشِ اربابِ عجز
ذرہ صحرا دستگاہِ قطرہ دریا آشنا
شکوہِ پنجِ رشکِ ہمدیگر نہ مٹا چاہیے
میرانا نو مونس اور آئینہ تیرا آشنا
کوہِ کن نقاشِ یک تمثالِ شیرین تھا اسد
سنگ سے سرمایہ کر ہو دے نہ تیرا آشنا

(۴) مہمل متنع نفث میں مہمل آسان کے معنی میں ہے اور متنع دشوار کے معنی میں اصطلاح
میں ایسے شعر کو کہتے ہیں جس کی مثال بنانا دشوار ہو اگرچہ بظاہر مہمل معلوم ہوتا ہو جیسے۔

بقا

دیکھو آئینہ جو کتا ہے کالہ رے سے مین
اس کا مین چاہتا ہے والا ہون بقا واہ سے مین

تصیر

خیالِ زلفِ دو تار مینِ تصویرِ پیشاکر
گیا ہے سانپِ نکلا ب لکیرِ پیشاکر

گلزارِ نسیم

عالم کا ترے جہان بیان ہے
بے تابیِ دلِ جہانِ جہان ہے
زنجیرِ جنونِ کڑی نہ پڑ یو
دیوانے کا پائون درمیان ہے
ذرے کا بھی چمکے گا ستارہ
ظالم جو زمین و آسمان ہے
جو دلِ غم کہ مہر ہے فلک پر
دلِ مین مرے ابلک نہان ہے

کس شوح میں ہونسیم بولو
آنکھیں تو ملاؤ دل کمان ہے
(۵) حزل لغت میں تمام اور بڑے کو کہتے ہیں اصطلاح میں ایسے شعر کا نام ہے جس میں
الفاظ عمدہ اور زور دار ہوں اور انکی شمسٹ مضبوط ہو معانی عالی اور تین ہوں چھپکے الفاظ
اور چھپندہ بندش سے پاک ہو لفظاً اور معنیاً اس میں کسی طرح کا نقصان متصور نہ ہو جیسے

غالب

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصال پار ہوتا
ترے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان بھوش جانا
کوئی میرے دل سے پوچھے تیرے تیریم کش کو
یہ کمان کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کون کس سے میں کہ کیا ہر شب غم بڑی بلا ہے
ہوے مر کے ہم جو رسوا ہو کے کیوں نہ غرق دیا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا
یہ خلش کمان سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غم گسار ہوتا
نہ تھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

(۶) مہجراں کیا شعر ہے کہ بے سوچے فی الفور اور تر ت کما جائے اس لفظ کا اشتقاق ارتجال سے
ہے جس میں جم ابجد ہے اور اس کے معنی ہیں فوراً بغیر سوچے بات کہنا اور فی البدیہہ شعر
بنانا آپ حیات میں لکھا ہے کہ میر سوز نے اپنا یہ مطلع سودا کے سامنے پڑھا۔

نہیں نکسے ہے مرے دل کی گاہ ہے گاہ ہے
اے فلک بہر خدا رخصت آہے گاہ ہے
مرزا سنکو کوئے کہ میر صاحب بچپن میں ہمارے ہاں بشور کی ڈونڈیاں آیا کرتی تھیں یا تو
جب یہ لفظ سنا یا آج سنا ہے میر سوز بچارے ہنسر چکے ہو رہے مرزا نے خود ہی وقت مطلع کہہ کر پڑھا۔
نہیں جو گل ہوس ابرسیا ہے گاہ ہے
اگاہ ہوں خشک میں اے برق لگا ہے گاہ ہے
اسی کتاب میں لکھا ہے کہ شاہ نصیر نے رنگتوں کے حسن تشبیہ میں فوراً یہ شعر کہے تھے۔

اے نیر برج آسمان اقبال
یہ نذر حقیر ہو قبول خاطر
ان رنگتوں پر غور سے کیجے گا خیال
پردے میں شفق کے ہیں گرد بند مال
ایک بار نواب سعادت علی خان کے کہنے سے انشاء فی البدیہہ رباعی بنائی :-
عولی نہ فارسی نہ ترکی
یہ تاریخ کی ہے کسی لڑکی
نہ ستم کی نہ تال کی نہ ستر کی
جولی علی نقی خان بہادر کی

ایک رنڈی کو رتھ میں سوار دیکھ کر شاہ نصیر نے اسی وقت کہا۔

اُسکے رخت کا کلس سُنہری دیکھ	شب کہا ماہ سے یہ پردین نے
بہر پرواز یہ نکالی ہے	جو بیخ بیضے سے مرغ زرین نے
ناسخ نے ایک مصرع کہا ہے کہ چشم نیم باز مجب خواب ناز ہے۔	
گرد و سرا مصرع جیسا جی چاہتا تھا دیکھا نہ ہوتا تھا اسی فکر میں غرق تھے کہ خواجہ وزیر آگئے انھوں نے خاموشی کا سبب پوچھا شیخ صاحب نے بیان کیا اتفاق ہے کہ انکی طبیعت لڑائی فی البدیہہ کما ہے فتنہ تو سوراہا ہے در فتنہ باز ہے پڑ شیخ صاحب بہت خوش ہوئے پڑ (۷) فکری یعنی وہ شعر جو غور و فکر کے بعد بنایا جائے یہ مرتجل کی ضد ہے۔ (۸) ذوالنوعین ایسا شعر جس میں دو قسم کی صنعتیں ہوں جیسے ترجیع مع التجنیس کہ یہ مجموعہ ہے دو صنعتوں کا جس میں سے ایک صنعت ترجیع یہ ہے کہ الفاظ ایک دوسرے کے مقابل ہم قافیہ ہوں دوسرے صنعت تجنیس یہ ہے کہ وہ مصرع الفاظ تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں مخالف جیسے کرم کماش شعر میں	
نزدہ پہونچا نہ کلائی ہے بات	نزدہ پہونچا نہ کلائی ہے بات

ایک جگہ پہونچا عضو کا نام ہے اور دوسری جگہ مصدر پہونچنا سے ماضی کا صیغہ ہے اور ایک جگہ کلائی ہاتھ کے خاص حصے کا نام ہے اور دوسری جگہ کل آئی چین و آرام حاصل ہونے کے معنی میں ہے اور ایک جگہ ہاتھ ایک خاص عضو کا نام ہے اور اُس کے قبل ہے کا لفظ رابطہ مثبت غیر زبانی ہے اور دوسری جگہ بیہات عربی کا لفظ ہے افسوس کے معنی میں جسکو فارسی میں تیر اور تعجب کی جگہ بھی استعمال کر لیتے ہیں اگر دوسے زیادہ صنعتیں جمع ہوں تو اُسے متنوع کہتے ہیں جیسے۔

ناسخ

کچھ تری یا ت کو ثبات نہیں	ایک ہاں ہے تو پانچ سات نہیں
اس میں تین صنعتیں ہیں ایک صنعت تجنیس زائد و ناقص ہے بات اور ثبات میں دوسرے تضاد ہے ہاں اور نہیں میں تیسرے سیاق و الاعداد ہے ایک در پانچ اور سات میں (۸) خمریات ایسے اشعار کا نام ہے جن میں شراب کے اوصاف اور ساقی اور آرائش محفل کے حالات ہوں۔	

سید محمد خان رند

ساتیا پلوانک ظرفون کو چلو بھر شراب	میں ہوں دریائوش کیادیتا ہر اک ساغر شراب
------------------------------------	---

<p>فصل گل پہنچ ہی ہے آج کل گھر گھر شراب ہے دعا ستون کی یارب مثل ماہ و آفتاب پھر مہار آئے الہی پھر شکستہ ہو دین گل شوق سے دامادی پیر مغان کرتے قبول گریون ہی چند سے رہی افراط سے کی ساقیا غم غلط ہوتا ہے غمگین کا سرور بادہ سے گھل ہی جاتی ہے بناوٹ آدمی کی نشہ میں مستمر ہے وقت فرصت ایک دورہ اور ہو</p>	<p>بادہ کش بدستیان کرتے مین پی پی کر شراب جام گردش مین یہے کھایا کرے چکر شراب تاک کے سائے مین ایندین مست پھر پھر شراب خوبصورت سی اگر ہوتی کوئی دخت شراب چاہیے بہتی پھرے مے خانے کے باہر شراب خون دل پینا پڑے مجھ کو نہو دے گر شراب صاف دکھلا دیتی ہے انسان کا جوہر شراب ہے ابھی شیشے مین اسے ساقی کی ساغر شراب</p>
--	--

ذوق

<p>دیوے ساقی جسے اک جام وہ دعوے سے کے انشاء اللہ رے تری مستی و بالادستی سلسبیل آکے اگر خلد سے ہو آب سبیل زندگانی سے ہے مقصود شراب ساقی زندگی چند نفس ہے کمزور ہد سے کہ تو ہیچہ گوشے مین نہ تو چھوڑ کے اس جلے کو مے نہیں برقعہ مینا مین مگر جلوہ فروز اسے خنک دل کبھی تو اس سے ہو سرگرم نشاط دل جو گھر غم کا ہو اس مین ہو سرما یہ عیش دل پر دوسوہ کی ہوتی ہے مے سے دشت</p>	<p>آج جو پاس ہے میں نہیں جمشید کے پاس شب کے ست کہ کر لولی گردون سے مسائل کے مے لوش کہ بھتی ہے کہیں اس سے پاس اور باقی ہے تو سب ہم خیال و دوسواں پاس کر عیش کا کیا کرتا ہے پاس الفاس دیکھ زندان خرابات نشین کا اجلاس کوئی خورشید بقا ہے شفقی رنگ لباس غم کو جادل مین نہ دے جی کو نہ رکھانے اداس وہ مثل ہے کہ کمان گھولے مین جل کے پاس کھلتا ہے ہاتھ سے ساقی کے یہ قفل سو اس</p>
---	--

سودا

<p>پہنچ ساقی کہ اب دل کو نہیں صبر لگی ہے کر لے اگر سوے گلشن لکھنڈ آیا ہے ابرا زغرب تا شرق انافل کو خراب منہ مایو کام ستم ہے گر نہو اب ساغر و جام</p>	<p>تری دوری مجھے سوقت ہے جبر چراغ گل لیم صبح و دوشن مجھے بے کشتی نے تو نہ کر غرق لیک لیکر بغل مین شیشہ و جام عجب ہی لطف ہے بچھولی ہی شام</p>
--	--

مننی پھونک دے ہر خدا کے
نہیں مٹرب یہ ہنگام خموشی
کہ ہو دے سرمہ آواز بلبلی
جو ملا کچھ کے سر پھوڑا اُس کا
بہا راب جو کے اُس پر عمل ہے
جواب نے کشان میں دون خدا کو
دہن سے شیشے کے لور شیش قاضی

جھکا دے منہ میں ساقی شیشے کے
کہ آہو بچا ہے وقت بادہ نوشی
ترا ناگا وہ پی کر سا غزل
جو بولے محتسب منہ توڑا اُس کا
سخن اس وقت اس کا بے محل ہے
کے ہے دیکھ راب اس ہوا کو
کریم اپنے کو میں کر لون گا راضی

مثنوی میر حسن

تمامی کے پردے لگاے تسلیم
مرصع کا اُس پر اڑتا کر غلاف
نہ نکلیں سولا کر چنے طاق میں
کہ لیجا دے بوانکی گل پر شرف
ہوا ہو گئی عطر دالان میں
بجی اک طرف ڈالیوں کی قطار
وہ باہر کے دالان میں جا بجا
اور اُس پر تمامی کے تیکے لگا
قرینے سے اُس میں رکھے ہاربان
انوکھی گھڑت کے کئی جو گھر سے
ظہوری نظیری کا کل انتخاب
پراز شعر سودا و میر حسن
قرینے سے زیر چھپر کھٹ دھرا
دھری جو پڑا اک طرف کو غم تراش
کرین دیکھ غش جسے بادہ نوش
دھرا اُس پر ساقی نے کرا انتخاب
کہ چھوٹے نہ ہے منہ لگا لے ہو

خواصون نے گھر کو دیا انتظام
بچھا فرش اور کر چھپر کھٹ کو صاف
وہ نرگس کے رستے جو آفاق میں
ولایت کے میوے دھری ہر طرف
دھری نکلنے خاص الوان میں
دھری کیا ریان اک طرف بے شمار
اچار و مربے دھری خوشنما
چھپر کھٹ کے پاس ایک سند بچھا
چنگیرین بنا اور رکھ پاندان
کئی عطر دالان و ان مرصع دھری
سرہانے مجلہ دھری اک کتاب
دھری اک بیاض اور رشک چین
فلدان بھی اک نزاکت بھرا
دھرا اک طرف گنچہ خوش قماش
کچھی ایک چوکی پڑا تورہ پوشش
صراحی و ساغر شراب و کباب
و لے اُس کو رکھا چھپائے ہو

کہا خاصہ بندہ کو خردار کر	کہ رکھیو تو خاصے کو تیار کر
ایضاً	
عمارت کی خوبی درون کی وہ شان چقین اور پردے بندھے زرنگار کوئی ڈور سے در پہ اٹکا ہوا وہ مقیش کی ڈوریاں سر بسر چقون کا تماشا تھا آنکھوں کا جال سنہری مغرق چقین ساریاں دیے ہر طرف آگئے جو لگا وہ مٹھل کا فرش ہاسکا ستر کہ بس رہن بچنے اُس میں روشن مدام چہر ٹھٹھٹ مرصع کا دالان میں زمین پر تھی اس طور اُسکی جھمک	لگے جس میں زلفیت کے ساہان درون پر کھڑی دست بستہ بہار کوئی زہ بے خوبی سے لٹکا ہوا کہ بہ کا بندھا جس میں تار نظر نگہ کو وہاں سے گذرنا محال وہ دیوار اور در کی گلکاریاں گیا چو گنا لطف اُس میں سما بڑھے جس کے آگے نہ پائے ہوں مطر شب و روز جس سے مشام جھمکتا تھا اس طرح ہر آن میں ستاروں کی جیسے فلک پر چمک

فائدہ جس نظم کے اشعار میں باسے تقسیم کیا کر کوئی مضمون کہیں نہ نظم تقسیم کساتی ہے جیسے

امیر تقی

بعضا لے کہ یہ نقاشیاں ہیں سب اسکی باحمد سے کہ نبوت ہوئی ہے اس پر ختم بمقتضیٰ کہ ولایت مسخران نے کی ہر آن امام کہ تشنہ ہے زہر قاتل کا ہر آن شہید کہ تشنہ لبے شکستہ دل ہر سردھری شیوین بکینہ خسرو بشق ویر بطوف حرم لبعی تمام ہر آب و رنگ گلستان بہ یکسی اسیر بساغری گلگون بہ تو بہ سنگین ہر سنگری چاک و بہ بقراری جیب	زمین ہو یا ہو فلک یا حجر ہوں یا اشجار بقاطمہ کہ وہ ہے بنت سید مختار بہادری کی غلاموں کا جسکی فن و حیل گر سے میں بخت دل کے میں پہلے نزار موا ہے دخت بلایں میں اب تلک آثار بگرم جوشی فندہ ہا دو سختی کسار بلوچ مشہد عاشق بسوز شمع مزار کہ اُسکو کینج نفس میں رہی ہے یاد بہار بدل نوازی ساقی بہ ابر دریا بار ببینہ کاوی دشمنہ بزخم دامن دار
--	---

بسی باطل ناخن بعقدہ دل کار
 بہستی سے تاب و بخاطر ہشیار
 بکمزبانی صبر و بدیدہ بیدار
 بشیخ و مسجد و تسبیح و رشتہ زنا
 بگرگہ جرگہ خزا لان بدیدہ خونبار
 بقطرہ قطرہ شراب و بجام دست یار
 بجان عاشق مسکین کہ یار ہے نثار
 بنہین دکھائی اسے بعد مرگ کو چربار
 بخاطر دم آخر کہ اُس سے ہے بیزار
 باعتبار از اجابت بحلفہ اذکار
 بخوش سوادِ شہر و بقریہ و دیار
 یہ آرزو سے ہم آغوشی وہ بوس کتار
 بجان کنی گلوگیر و حسرت دیدار
 کہ فحکو علم و ان سب کا کیا کردن میں
 رہے نہ بعد مرے ہند میں یہ شست طہار
 نجمہ آستان کے آگے کہ ہے فلک کے دار

بحیرت رخ جاتان بچشم دامانہ
 بتقلیل و بہ سب و بلفز شش مردم
 بہ یونج گونئی دے تابی وہ بے خوابی
 بدیر و برہمن و کفر و با صتم گونئی
 بسیل خانہ خراب و بوادی بجنون
 بخوشہ خوشہ سرشاک و بار بست خرو
 بضیف جسم نزار و بطاقت سرکش
 بخاک عاشق بے خانمان کہ باد صبا
 باضطراب چراغ و بد فہمی نسیم
 بدور گردی رنگ قبول یاس و عا
 بخیل خیل خرابی بگوشہ صحرا
 بشوق وصل نگار بجان مایوسی
 بہ سینہ کو بی زخم جگر بجا تم تیر
 قسم ہے میرے تئیں ان تمام سمونگی
 یہ آرزو ہے مرے دل میں بد تو کئے شہا
 اٹارنے اسکو صبا یان تلک کے لے پہونچے

فائدہ دیگر اب ہم یہ لکھا ہے کہ شعر کی بنیاد اچھے وزن۔ شیون الفاظ عمدہ معانی۔ درست
 توانی۔ سہل ترکیب اور لطیف مضامین پر ہو اس طرح کہ اس سے کچھ سکنا آسان
 ہو اسکا مطلب اخذ کرنے کے لیے زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ ہو اور استعارات بعیدہ۔
 مجازات شاذہ تشبیہات کا ذبیہ اور تجنیسات مکررہ سے خالی ہو اور ہر بیت کے لفظ و
 معنی پورے پورے اُس میں موجود ہوں سوائے سیاق کلام اور سلسلہ معانی کے
 دوسرے اعتبار سے غیریت پر موقوف نہ ہو اور الفاظ و توانی کا درو بست بخوبی ہو اور
 خاص قصیدے کے لیے اتنا اور ضرور ہے کہ وہ تمام ایک طرز پر ہو۔ ایسا نہ ہو کہ عبارت
 کہیں عمدہ اور کہیں خراب ہو جائے اسی طرح نہ معانی کبھی مرتب اور کبھی مضطرب ہو
 الفاظ کا باہم میل بنا رہے اور متروک الفاظ سے پاک ہو اس امر کو تفویض کہتے ہیں

جو لغت میں کپڑے پر رنگ برنگ کے خطوط بنانے کے معنی میں ہے۔

پانچوان موی شعر کی تفصیل میں باعتبار اقسام نظم کے

اصطلاح میں شعر کو بیت بھی کہتے ہیں کہ دو مصرع مساوی ہونے میں اور عروض و ضرب رکھتے ہیں و جدا سکی یہ ہے کہ بیت کے معنی گھر کے ہیں اور گھر کے لیے زمین چھت ستون پنج رسی کبل۔ ٹاٹ۔ کپڑا اور نقاشی سب چاہیے ایسے ہی یہ چیزیں شعر کو چاہئیں کہ اسکو بھی گھر سے مناسبت ہے پس اسکی زمین مضمون ہر مضمون کوئی ارادہ مکان بنانے کا کرتا ہے تو پہلے زمین تلاش کر لیتا ہے اسی طرح جب شاعر شعر کہنے کو ہوتا ہے تو پہلے مضمون تلاش کر لیتا ہے اور اسکی چھت قافیہ ہے اور رسی اور پنج اور ستون ارکان بیت ہیں جس طرح کہ رسی اور ستون اور پنج سے گھر ٹھک ہوتا ہے ایسے ہی ارکان بحر سے مضبوطی ہر کونکہ ارکان مرکب ہیں سبب دروند اور فاصلے سے اور لغت میں سبب رسی کو کہتے ہیں اور وند پنج کو اور فاصلہ ستون کو اور جیسے کہ گھر کپڑے اور کبل اور ٹاٹ سے تیار ہوتا ہے اسی طرح بیت الفاظ سے تیار ہوتی ہے فائدہ اکثر صحرانشینان عرب کا گھر کبل اور کپڑے کا ہوتا ہے بطور پال کے۔ اور گھر میں آرائش کے واسطے نقاشی بھی کرتے ہیں تو بیت کی نقاشی منسلع و بدائع لفظی و معنوی کی رعایت کرنا ہے اور گھر کے دروازے کے ڈوکنواڑ ہوتے ہیں اسی طرح غالباً شعر کے بھی دو مصرع ہوتے ہیں اور جس طرح لوگ گھر کے اندر دروازے کی راہ سے آتے جاتے ہیں اسی طرح خیالہا سے مردم مدعاے بیت میں مضاربع کی راہ سے پونچنے ہیں خلیل کے نزدیک بیت کے لئے دو مصرعون کا ہونا لازم ہے اور شعر کے نزدیک بیت کا مرادف ہے اور سواے خلیل کے دوسرے علما بیت کے لیے دو مصرعون کا ہونا واجب نہیں جانتے بیت کے مصرع اول کے پہلے جز کو صدر اور اخیر جز کو عرض کہتے ہیں اور دوسرے مصرع کے جز اول کا نام ابتداء مطلع اور پچھلے جز کا نام۔ ضرب و عجز ہے اور درمیان میں دونوں مصرعون کے جوڑا اسکو حشو قرار دیتے ہیں یعنی لغوی سے صدر کے اول و بندی و ابتداء اور مطلع کے معنی شروع و جاے آغاز وغیرہ اور عرض کے معنی طرف کے اور ضرب کے معنی قسم و حصہ کے اور عجز کے معنی سرزن وغیرہ کے ہیں اور حشو بھرتی کو کہتے ہیں پس وجہ تسمیہ اجزائے بیت کی ان اسما کے ساتھ ظاہر ہے الغرض کلام موزون و مقفے کی دس قسمیں ہیں۔ غزل۔ قصیدہ۔ مسطیٰ ترکیب بند۔ ترجیع بند۔ مثنوی۔ قطعہ بدایع۔ مستزاد۔ منہر۔

بیان غزل

غزل اُن اشعار متفق الوزن والقوافی کو کہتے ہیں جنکی بیت اول کے دونوں مصرعے مقفے ہوں اور اس بیت کو مطلع کہتے ہیں اور باقی ابیات غزل میں صرف مصرع ثانی میں تانیہ ہوتا ہے اور بیت ثانی کو حسن مطلع ذریعہ مطلع کہتے ہیں اور ایک غزل میں دو یا تین یا زیادہ مطلع بھی لاتے ہیں جیسا کہ شاعر نے ایک غزل چودہ شعر کی لکھی ہے اور وہ سب شعر مطلع ہیں چنانچہ خود انھوں نے اسکی طرف اشارہ کیا ہے۔

لکھے سب اس غزل میں لطف تو نے دیکھ مطلع

تیرا کدو بھی پیر ہے اگر دیا حضرت کا

اور امانت کی اس غزل میں ۹ مطلع ہیں

دیا میں ہوا شب گردون جناب کا

دڑے کو حق نے رتبہ دیا آفتاب کا

اور اس غزل میں ۱۱ مطلع ہیں۔

نظر میں تو لگا ہے شراب ہر غرت یوسف

امانت گرم ہے بازار اپنی طبع موزوں کا

امانت کی ایک غزل میں ۲۲ شعر ہیں جس میں سولہ مطلع ہیں۔

ذوق کی اس غزل میں ۱۰ مطلع ہیں۔

اجل کو جو طبیب در مرگ کو اپنی دوا کچھ

ترے کوچے کو دہ بیمار غم دار الشفا کچھ

اور سب سے آخر کی بیت کو نظم غزل اور مقطع کہتے ہیں۔ فارس اور ہند کے شعرا نے ایک اچھا طریقہ وضع کیا ہے کہ اپنی فائیت کے لیے ایک مختصر سا نام اختیار کر لیتے ہیں اور اسکو اپنی نظم کے بیت آخر میں لاتے ہیں اور اس کا نام تخلص ہے خان آرزو چراغ ہدایت میں گھٹتے ہیں کہ تخلص اس بیت کو کہتے ہیں جس میں شاعر اپنا تخلص لائے جیسا کہ اس شعر میں کمال فہم کے۔

کمال از گفتہ خود ہر چہ داری

تخلص ما سے تو بس آبدار ست

مؤلف کتاب ہے کہ اس شعر میں تخلص سے مراد گویا ہے کہ اسکا ذکر قصیدے میں آیا ہوا ہے مقطع مقصود نہیں اور ظاہر ہے کہ حسن تخلص بھی اس صنعت کو کہتے ہیں کہ قصیدے میں اول چند شعر کسی مضمون کے لکھ کر پھر ہر مصرع کی طرف سلاست الفاظ اور نفاست معنی اور وجہ لطیف اور طرز ظریف کے ساتھ رجوع کی جائے شعرا عرب میں تخلص کا دستور نہ تھا یہ تخلص یا نام کا جز ہوتا ہے جیسے انشا اللہ خان نے اپنا تخلص انشا کیا اور حکیم موسیٰ خان نے موسیٰ اور شیخ امیر محمد مینائی نے امیر یا کوئی اور نام کسی رسایت و مناسبت سے تجویز کرتے ہیں جیسے محمد تقی نے میر و مرزا رفیع نے سودا اور مرزا اسد اللہ خان نے غالب اور شیخ ابراہیم نے ذوق اور نواب

میرزاخان نے داغ اور شیخ امام بخش نے ناسخ اور خواجہ الطان حسین نے خالی رکھا۔ تخلص اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اکثر نام شاعر کا ارکان بحر میں گنجائش پذیر نہیں ہوتا۔ اس لیے ضرورت تخلص کی ہوتی ہے۔ ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ بعض شاعر جو فارسی ورغیہ یا اردو بھاشا یا فارسی و بھاشا دو زبانوں میں سخن سرائی کرتے ہیں وہ دونوں میں تخلص مختلف لاتے ہیں جیسے عنبر شاہ خان فارسی میں عنبر اور اردو میں انشہ تخلص کرتے تھے اور ذواب مصطفیٰ خان کا فارسی میں حسرتی اور اردو میں ہیبت تخلص تھا اور حسین علی خان شاگرد میرزا غالب فارسی میں خیالی اور اردو میں شادان تخلص کرتے تھے جن لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تخلص مونس نہ چاہیے اور اس خیال سے تخلص لیم پر معرض ہوئے ہیں یہ انکی محض نادانی ہے۔ ایسے کہ بہت سے تخلص اساتذہ کے مثل جرأت اور دشت اور حشمت وغیرہ کے مونس ہیں ان تخلص اچھا چاہیے کیونکہ اس کی تاثیر ضروری ہوتی ہے جب واجد علی شاہ اور نگ نشین اور دھوکے قلق و اسیر جو نامی شاعر ہیں صاحب ہوئے ایک روش صاحب حال نے کہا خدا خیر کرے اللہ تاثیر اسما سے صاحبین سے بچائے انجام کار عرصہ قلیل میں فقیر روشن ضمیر کے اندیشے کا ظہور ہوا بادشاہ کی ریاست جاتی رہی یکایک سیر قلق عظیم ہوئے۔ شاد و ناد بعض شعرا تخلص مطلع میں بھی لے آتے ہیں اور پھر اسی غزل کے مقطع میں مکررات لے ہیں یہ بات سودا کے کلام میں بہت پائی جاتی ہے مثلاً۔

جرأت

عاشقی جرأت نکرنا حق نہجی کو غم لگا	ربط سب کے رکھ بہت بوجی کسی کے کم لگا
دن بدن تحلیل جرأت کیوں ہوا جاتا ہو	آہ یہ بیٹھے بٹھائے تھکویکا غم لگا

وہ کمان ابرو اگر در پے ہوا ہے تیرے	تر کش ان پلکوں کا ہے بالائے تر کش تیرے
روئے دلکش وہ خدا جائے کہ کس کے لگا	کیونکہ عاشق رہے ہیں ایسی ہی تصویر کے

ناسخ

گرا سے ناسخ مہجور سے کچھ کام نہیں	جدا اس بہت مغرور سے کچھ کام نہیں
رات دن نور خدا کوہ نجف سے حیاں	نیکو ناسخ جبل طور سے کچھ کام نہیں

اگر تخلص کو مقطع میں اس طرح لائیں کہ دو معنی کی طرف بھی رجوع کرتا ہو اور اسکو قطعی تخلص کہنے میں تامل ہو اور اس سے تخلص قائل معلوم نہ ہوتا ہو تو یہ بات بے لطف ہے اور خالی رکاکت سے نہیں مثلاً لفظ تمنا کہ خواہش کے معنی میں ہے شاعر کا تخلص ہو تو چاہیے کہ مقطع میں اس طرح لائیں کہ شاعر کے تخلص ہونے پر

دعالت کرے جیسے اس مقطع میں مولوی محمد قاسم تنہا مراد آگاہی کے۔

رہکتے جاؤ قدم آنکھوں پہ تمنا کی ذرا | ادھیان اس حرم پاک کے جانے والے

نہ یہ کہ سامع جب تک دوسرے شخص سے نہ پہچھے معلوم ہو جیسے اس مقطع میں۔

عاشق خستہ کی رخصت دم آخر ہے خروبا | ہے اُسے تیرے ہی ملنے کی تمنا باقی

اس بیت میں یکایک بغیر تحقیق کے لفظ تنہا سے شاعر نہیں معلوم ہوتا بلکہ خواہش کے منے پیدا ہونے
علیٰ ہذا القیاس اس مقطع میں مرزا امین رفاقت کے۔

ہر سونے ایک دم میں رفاقت جو چھوڑے | کیا ایسی زندگی کا بھروسہ کرے کوئی

اس میں صاف صاف نہیں معلوم ہوتا کہ یہ شعر رفاقت کا ہے۔

لطیف کا مقطع ہے۔

بندگی پر نہیں ہوتوں تراطف لطیف | تو نے جب چاہا تو درویش کو سلطان کیا

سکندر کا مقطع ہے۔

حیف عقیقی کے لیے کچھ نہ سکندر نے کیا | آپ کے روز جیسا کس لیے دارا مارا

انفرض غزل میں سوائے ذکر شراب و کباب و خال و خفا و شاہد رونا و شگواہ الم مفارقت و ذکر وصال و
بیان جفا کے فلک و خوے ہر عشوق کے اور قسم کے مضمون مثل نصیحت و معرفت و وعظ و پند و غیرہ کے
زیادہ نہیں اور یہ بھی ضروری ہے کہ اول سے آخر تک ساری غزل ایک ہی مضمون کی ہو خواہ فراق کی خواہ وصال کی
خواہ اور مضمون کی مگر ساتھ میں کے نزدیک غزل میں ہر شعر کا مضمون علیحدہ اور مختلف ہونا بھی جائز ہے یعنی اگر شاعر
مطلع میں وصل کا حال باندھے اور زیر پہ جمع میں جدائی کا حال بیان کرے تو رد ہے بلکہ یہی بہت شائع
ہے اور ایک نئی طرح اور نکلی ہے کہ اپنے عشوق کو دوسرے کا عاشق قرار دیکر کچھ اسکی بیانی کچھ اپنا رشک
کچھ اور تجھ پر عیاں لکھتے ہیں اس سے عجیب غریب لطیف حاصل ہوتا ہے شعرانے استعمال شعاردن کے
پہنچنے کے لیے نئے استعارے اور استعارے نکالے ہیں اور ایک ایجاد جدید تصور کر کے نازک خیالی نام
رکھا ہے اس سے کلاموں میں خیالی نزاکت اور تازگی لطافت تو ہو جاتی ہے مگر کلام پر اثر نہیں ہوتا چونکہ
دنیا میں ہر کس نئی چیز روز دیتی ہے اسلئے یہ طرز ہر اک کو پسند ہے اور علم کی شکل پسندی کے لئے زیادہ تر
قوت دی ہے جو قدما کی تخلید سے صفائی اور سادگی کی لکیر پر نقیر میں اور اغلاق کو ناپسند کرتے ہیں اور اس
مطلب اور طرز کلام میں صفائی پیدا کرنے کی کوشش رکھتے ہیں جس سے سنہواے کے دل پر اثر ہوتا ہے۔
نازک خیالی کا نمونہ۔

تصویر یار ہنس نکیرین پاس ہے	سکھ دیچ میری قبر میں شیشہ گلاب کا
مطلب شاعر کا یہ ہے کہ جب قبر میں نکیرین آئیں گے اور مجھ سے پچھ سوال کریں گے تو یار کی تصویر دکھا دوں گا	ایہ کہ جب وہ مجھ سے پوچھیں گے کہ تیرا رب کون ہے تو میں یار کی تصویر دکھا دوں گا اور کہوں گا کہ میں اس کے سوا کسی کو نہیں جانتا جیسا کہ مجنون کا جواب مشہور ہے
یہ نہ چندان شوبہیلی در سرم بود پیکر پر داسے کار دیگر	بود پیکر ہنر وہ اس تصویر کو دیکھ کر غش کر جائیں گے انکے ہوش میں لانے کے لیے شیشہ گلاب کا ساتھ ہونا ضروری ہے
میری قبر میں رکھ دینا اس قسم کے اشعار سمجھ جائے ہیں۔ اور ہر ایک کے فہم میں شکل سے آتے ہیں غالب یہ	ظاہر ہے کہ گجر کے نہ بھاگنے کے نکیرین
بادۂ دو شیشہ یعنی رات کی پل ہوئی شراب جو مرنے سے پہلے پی تھی محض زراہ شوخی کے کہنا ہے کہ	ہاں مجھ میں گر بادۂ دو شیشہ کی بو آئے
نکیرین کے سوال و جواب سے بچنے کی کوئی تدبیر اسکے سوا نہیں کہ شراب پیکر میں تاکہ نکیرین اسکی بو کی	گراہت سے بغیر سوال و جواب کیسے چلے جائیں سولہ
کار گاہ ہستی میں لالہ داغ سامان ہے	برق خرمین راحت خون گرم دہقان ہے
یعنی دہقان کی سعی گل کے حق میں گل کی خرمین راحت کے لیے برق کا کام دیتی ہے دیکھو وہ گل	کے درخت پر اسقدر کوشش کرتا ہے لیکن اسکا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ گل لالہ کے دل پر داغ ہوتا ہے۔
ولہ	
انچہ ناشگفتہا برگ عافیت معلوم	باد وجود پچمی خواب گل پریشان ہے
مطلب یہ ہے کہ کھیلنے کے وقت تک غنچے کے مایہ آرام و عافیت کا باقی رہنا ناممکن ہے کیونکہ	ظاہرین اگر اسکی صورت صنوبری سے اسکی دلچسپی کا خیال ہوتا ہے لیکن حقیقت میں اسکی چھڑیوں
میں پریشانی کا مادہ پنهان ہوتا ہے۔	
ولہ	
رکھا غفلت کے دور افتادہ ذوق فنا و	اشارت فہم کو ہر ناخن بربدہ ابر دکھا
ولہ	
پریشانی سے مغز سہوا ہے پنبہ بالش	خیال شوخی خوابان کو راحت آفرین پایا
ناسخ	
میری آنکھوں نے مجھے دیکھ کر وہ کچھ دیکھا	کہ زبان مژہ پر مشکوہ ہے بینائی کا

ولہ

اکھل گیا ہم پر عنا صجب ہوئے بے اعتدال

رابطہ واجب کے مکہ حج دست دشمن میں نہیں

آج کل کے بعض شعرا کلام میں نہایت تکلف کرتے ہیں الفاظ مصنوعی اور شکل بھرتے ہیں اور یاران
بلید الطبع پر عجب غالب کر کے اور صاحب طرز جدید مشہور ہونے کو اپنے شعرا بڑھا کرتے ہیں اور اکثر کلمات
خلاف محاورہ روزمرہ اور استعمال میں لاتے ہیں جنکے دریافت کرنے کے واسطے کتب لغت وغیرہ کی حاجت
پڑتی ہے اس واسطے کلام ان کا غیر فصیح اور قابل عدم التفات ہوتا ہے کلام نظم و شوم سے بھی شاعران کو احتراز
کرنا چاہیے بعض اوقات ایسا مضمون بدشگون زبان سے نکلتا ہے کہ اسکی تاثیر سے ضرور خرابی واقع ہوتی
ہے جیسے ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ خاتم آل تیموریہ کا یہ شعر ہے

مر گئے آذر بھڑک کر دام سے چھوٹ نہ تم

دل کی دل ہی میں تناسل رہائی رہ گئی

حضرت بادشاہ صاحب مرتے مر گئے انکو غزن کی قید سے نہ چھوٹے دل کی دل ہی میں تناسل
رہائی رہ گئی۔

المختصر اصطلاح میں غزل ان اشعار کا نام ہے جنکی تعریف ادب کی گئی اور نہایت میں خوب جوانی کا حال
بیان کرنے اور عورتوں کی صحبت اور عشق کا ذکر کرنے کو کہتے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ ایک شخص عرب میں
جس نے اپنی ساری عمر رند مشربی اور عشقبازی میں گذاری اس کا نام غزل تھا اور ہمیشہ عشق و حسن کی
تعلیق کیا کرتا تھا اور سخن عاشقانہ کہتا تھا پس ایسے اشعار کو جن میں حسن و عشق وغیرہ کا بیان ہوا اسکے
نام سے موسوم کر دیا یعنی غزل کہنے لگے مگر قول اول درست ہے۔ عرب کے اشعار میں مرد کا عشق عورت
کی طرف ہوتا ہے اور فارسی میں عشق مرد کا مرد کی طرف اور اردو میں مرد کا عشق عورت کی طرف
اور مرد کا عشق مرد کی طرف یعنی دونوں طرح ہے اس لیے کہ ماخذ اردو کا عربی اور فارسی ہے اور عرب
رغبتہ قبیح عرب و عجم دونوں کے میں نہیں ادیبان عرب کی تعلیم سے مرد کے عشق کا عورت کی طرف اظہار
کیا اور شعراے فارس کی اتباع سے مرد کے ساتھ عشقبازی کا شیوہ اختیار کیا جو لوگ کہتے ہیں کہ اردو
میں عشق مرد کا مرد کی طرف ہے نہ عورت کی طرف وہ بڑی غلطی پر ہیں یہ نہیں دیکھتے کہ شاعری رغبتہ
میں اردو کے سب سے پہلے اردو عورتوں کی پستان وغیرہ دونوں کی تعریف موجود ہے اور اساتذہ
و موجودین فن کے کلام سے یہ بات ظاہر ہے۔ مثلاً۔

امانت

با محرم سے بڑے میں سیٹھا بگڑا

دلے میری تلیا کا سبب بے دردان آبی ہوا

آتش

کسی کی محرم آب روان کی یاد آئی | حباب کے جو برابر کوئی حباب آیا

برق

چاندنی بن گئے گرتی جو نہا کر پنی | گاج کے پھول ہوئے اُنکے بدھن مہتاب

ذکی

بہر محرم میں دکھائے گر لطافت حسن کی | خام اتار آسابت رنگین کی پستان بہر سو

رند

مدش ہے آفتاب سے وہ گور اگور بیٹا | بستر نر سے یار کی کرتی کی توئی ہے

قلق

گلوں پر خاصل دھوکا ہو گیا رنگین کٹورے کا | رنگ گل میں جو عالم تھاتری لنگیا کے ڈور لگا

ولہ

دوڑیہ آب روان کا سر کا جو اسکے محرم سے مجھے | کہ بحر حسن منم کا ہمو دکھا دیا ہے حباب دھا

صحفی

بیم کیوں بچے شاہین سے نہ ہو پستان کو | ادا میں رکھتی ہے اپنے دو کو تر کرتی

اخگر

آئناک کی لونگ سونگھتا ہوں | حاجت مجھے کیا ادا بچی کی

ذوق

اللہ رمی تاب حسن کا سکا در بلاق | چشمکے تی کرے ہے سہیل من کے ساتھ

نادر

نیل سونے کی بنے عکس طلائی رنگ کا | حلقہ بینی کی جار کھو جو تنکا اک میں

حزین

پنے جو یار تنے کرن پھول کان میں | چو نہ لوٹی رہی شبہم تمام رات

احمد حسین خان صبا

کان چھ دوائے جو اس نے تو عش آیا مجھ کو
 با لے پن ہی میں کیا بس تہ و بالا مجھ کو

محسن

واہ کیا تاثیر ہے رنگ صبح یار کی
بن گیا ہیرا جو پنا آئے سبزہ کاں میں

شہید

چاندی کی چوڑیوں کو طلائی بنا دیا
رنگ خنایا ہے یازے اکیر ہاتھ میں

ولہ

شوخی یہ رنگ خنایا گل ہے جبکہ عکس ہے
بحرے مچھو لو نیکے بنے سونیکے لنگن ہاتھ میں

نادر

بوجھ اتنی چیز کا کیا دست نازک کے گئے
آر سی جھلک کرے ہوئی ستار سیوڑیاں

بحر

حسن روز افزون لے گئی انشائی خیم میں
بن گیا انگلیا کے اندر وہ سمسکر چھپاتیاں

تابت

ٹوٹتے ہیں شب وصل دست شوق انھیں
یہ گول گول ہر کیا سخت تیرے سینے میں

جلال

آر سی زلف ہوا سے جو تری پتیاں کا
ابر نے یلیا آغوش میں گساروں کو

جوش

تمھاری مانگ نے بٹھای ہوش و صبر قرار
لٹا ہے شام کے رستے میں قافلہ دل کا

امانت

سیہ موبان پا جامہ گلانی چینی سفید
دو پٹہ سرخ انگلیا سبز کرتی زعفرانی ہے

جلال

بناؤ فخر سرخ اختری چوٹی پر
آہا سدا بھی رہے بڑی چوٹی

گویا

پیشی ہے چوٹی یار کی مچھو لو نیکے ہار میں
سنبل لے گل کھلائے ہیں فصل بہار میں

منیر

سو بیچ بڑے لکھ لائیں ہو میں نام
ان سب سے بنائی بُت مغرور کی چوٹی

ان تمام اشعار میں ان چیزوں کی تعریف مذکور ہے جو عورتوں سے خصوصیت رکھتی ہیں۔

اسیر

خط نمودار ہوا وصل کی راتیں آئیں جن کا اندیشہ تھا ستم بروہی باتیں آئیں

آباد

سبزہ خط ہے طلسم حسن کے رخ بر عیان در نہک ممکن ہے شعلے پر ٹھہرنا گاہ کا

تسلیم

وید کے قابل ہے جو بن سبزہ زنا کا سجزہ ہے سبز ہونا آگ پر گزار کا

خلیل

بتوں کا سبزہ خط قال کا نہیں محتاج بغیر ہر خط اعتبار رکھتا ہے

وزیر

سبزہ خط سے ہوا اور دقار عارض خضر آباد ہوا نام دیار عارض

وزیر

میں بھگی نہیں ہیں دو وزیر اس اُٹھنے والی نمایاں پشت لعل اب پہ پہلے خرگان کا

ان اشعار میں ایسی چیز کی تعریف ہے جو مرد سے خصوصیت رکھتی ہے۔

ریختہ کے مقابل ایک زبان ریختی اور ایجاد ہوئی ہے اس میں عورتوں کی بولی عورتوں کے ساتھ بانڈھی جاتی ہے سو جدا سے سعادت یا رخاں رنگین ہیں اسکی بنیاد فقط یاردن کے ہنسے ہنسلنے پر ہے مگر انشاء اللہ قاتان نے اس طرز کو جلا دے کر خوب گلدستہ سجایا متاخرین میں جان صاحب اس فن کے ہرٹس ماہر ہیں یہاں پر ایک دو شعر ریختی کے بطور نمونہ کے لکھے جاتے ہیں۔

رنگین

میں وہ بھی اور دھننے کی نہیں کل کی اونچی باجی تجھے خگا دو جھلا جھل کی اوڑھنی

دراہڑ کو رنگین کے تحقیق کر لو یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کمارو

انشا

مرد و انجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں جسکو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوح

دلہ

تم نے بڑی کہانی تو بیسٹری اتا آپ بتی تو کوئی بات نہ چھیڑی انا

نہیں شکار لیا تو لے تو بھرا اٹھانے	مرے دروازے کی کیون چوڑا کھڑی تانا
مین ترے صدقے نہ رکھ اچھری باری	بندی رکھ لیگی ترے بد لے ہزاری دزدہ

حاصل صاحب

نماز پڑھ پڑھ کے لوگنا ہوں اپنے تو بھوکا کیا کر
نکاحی بیانی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنٹی کو گھٹن

بھان بند وہ دے دو گنا خدا خدا خدا کر
بنایا صاحب نام بارہ خدا کی مسجد کو تھے ڈھاکر

بھاشا میں عشق عورت کا مرد کی طرف ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ بندہ دوزخی قوم میں مرد کم اور عورتیں زیادہ
ہونیکے سبب مرد محبوب ہوئے کیونکہ کم چیز عزیز اور زیادہ چیز محقر ہوتی ہے پس شان محبوبی مردوں سے
متعلق ہو گئی اور عاشقی عورتوں کے ساتھ مخصوص ہوئی مولوی غلام علی آزاد نے اسی طرح لکھا ہے۔

۱۔ مین چھڑاے جات ہو نبل جان کے موسے | اس ہر دے کی جاؤ گے مرد بد و نکی تو سے

ہستی در پن سے استفاد ہوتا ہے کہ اگر عورت کی طرف سے عشق بازی کی ابتدا کی جاتی ہے تو ایسے بیان
میں شیرینی زیادہ ہوتی ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے عورت کا عشق مرد کی
نسبت بیان کرنا چاہیے پھر عورت کی عاشقی کا ڈھنگ دیکھ کر مرد کا عشق عورت کی نسبت بیان کرنا چاہیے۔
غزل کے اشعار طاق ہوتے ہیں اور محققین کے نزدیک ایک غزل کی تعداد پانچ شعر سے کم نہیں ہوتی
اور گیارہ شعر سے زیادہ نہیں لیکن بعض اگلے شاعروں کے نزدیک ایک غزل کی تعداد کم سے کم تین شعر اور انتہا
پچیس شعر تک ہے اس زمرے میں مترہ اور آئیں اور آئیں بلکہ اس سے زیادہ اشعار کی غزل کہتے ہیں چنانچہ
مختوم ان متاخرین فارسی کے کلام میں چالیس شعر تک اور شعراے متاخرین ریختہ کے کلام میں پچاس تک شعر
تک کی غزلیں موجود ہیں پس اگر کوئی شاعر نہایت برجستہ اور پسندیدہ مینون اور دھپسپ بھرون میں لطف محاورہ
درستی ترکیب اعلیٰ درجے کی لطافت و فصاحت نئے خیالات اور چٹے قافیوں کے ساتھ طویل طویل غزل لکھے اور اصول
غزلیت کو ہاتھ سے نہ جانے دے تو یہ کمال شوق مخموری پر دلیل ہے البتہ اگر مضمون پھر وہابیات اور قافیہ
پونج و خراب ہونگے تو کوئی پسند نہ کرے گا۔ اگر کوئی کہے کہ ایسا ہی تر مضمون کم پایا جاتا ہے جو دہم تقدیر کا
اسیر نہوا ہو۔

ایمان پادہ پا خوردند و رفتند	اشی خفانہ پا کردند و رفتند
یہ تو قول ہرگز مسلم نہیں ہے کہ بعد دنیا میں کافیشناں تہی ہے اسکی فیض سانی میں کسی صورت سے	مئی نقصان نہیں ہم اس قول کو ایک بڑے گائی بی ماسے کے مطابق پائے ہیں۔
ابنوزان ابر رحمت دزدان مست	ختم و خم خانہ بامہ دزدان مست

اور نسیم کتا ہے۔ ۵

ہر چند کہ اگلے اہل فن تھے	سلطان قلم و سخن تھے
آگے اُن کے سرورغ پانا	سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر عجب سخن سدا ہے باقی	دربانہیں کار بند ساقی

اور صاحب ترانہ شوق کتا ہے۔

لیکن نہیں انجمن ہے خالی	کب سیکدہ سخن ہے خالی
حاصل نے کش کو کچھ نہ کچھ ہے	پلچٹ ہی سہی اگر نہیں مئے

شعر اے رختہ نے ایک زمین میں چار چار یا پنج پنج غزلیں لکھی ہیں اور ہر غزل کے مقطع میں دوسری غزل کا اشارہ کیا ہے شیخ امداد علی بکراؤن شیخ امام بخش لے جو امام بخش ناسخ کے شاگردوں میں نامور ہیں ہفت غزل لکھا ہے یعنی سات غزلیں ایک زمین میں کی ہیں ایک غزل کا مقطع یہ ہے۔ ۵

سگ و دربان کے لیے کوچہ جانان چھوڑا	خجرت رک گئے خاشاک سے دریا ہو کر
مولوی مذاق کا بھی ایک ہفت غزل ہے جو نہایت آجے تاب کے ساتھ لکھا ہے اُن میں کا ایک شعر یہ ہے۔	
بھاڑ کر چینک اسے صورت کاغذ کشمیر کو	بردہ دل کا ورق لایا رکھ کی تصویر کو ۶

زمین غزل مراد مدیقت و قافیہ سے ہے مع قید بحر کے صورت مذکورہ بالا میں ہر غزل میں دوسری غزل کا اشارہ کرنا ضروری نہیں اکثر شعراے رختہ ایسا بھی کرتے ہیں کہ ایک زمین میں ایک غزل لکھ کر اُسی زمین میں قافیہ بدلا کر دوسری غزل لکھتے ہیں اور غزل اول کے آخر میں تبدیل قافیہ کا اشارہ کر دیتے ہیں۔ اور کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ مطلع غزل کے مصرع ثانی کو مقطع کا مصرع ثانی کر دیتے ہیں جیسے اس غزل میں خواجہ درو علیہ الرحمۃ کے ۵

ترانہیں ہوں کچھ میں اس سخت دل کے ہاتھوں	پتا ہوں آپا نے کجنت دل کے ہاتھوں
لے در دھیر بھیر آتا دل میں ہی ہے میرے	پتا ہوں آپا نے کجنت دل کے ہاتھوں
غالب	
عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
مرنے کی ایدل اور ہی نہ میر کر کہ میں	شایان دست و بازو سے قاتل نہیں رہا
گو میں رہا رہیں تمہارے روزگار	لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا
بیدار عشق سے نہیں ڈرتا مگر اسے	جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

ضمین نے مطلع کے مصرع ثانی کو تمام غزل کا مصرع ثانی بنایا ہے۔

زمین اوپر ہے نیچے آسمان ہے زمین اوپر ہے نیچے آسمان ہے زمین اوپر ہے نیچے آسمان ہے زمین اوپر ہے نیچے آسمان ہے زمین اوپر ہے نیچے آسمان ہے	نبی جی کا وہ عالی آستان ہے اڑائی خاک بنے اب وہاں ہے ملائک لے گئے رقصان شہاد شب یلدا میں نیچے ہو گیا چاند ہوا ضامن یہ ثابت عکس مضمون
--	---

مثال اس غزل کی جو مضمون واحد میں ہے۔

میر

جانا یہ کہ آفتاب نکلا جس سے کہ ترا حجاب نکلا آنکھوں سے ہون خون تاب نکلا عالم یہ تمام خواب نکلا پر ہو کے بہت حشر اب نکلا ہر مسخرگی کا باب نکلا جس جوے چمن سے آب نکلا	شب وہ جو پیے شراب نکلا شربان پیالہ لے تاب نکلا تھہ بن جو پیا تھا قرط لے کا مستی میں شراب کی جو دیکھا شیخ آنے کو میکہ سے مین آیا ایک جرہ شراب ہی مین دعا تھا غیرت بادہ عکس گل سے
---	---

سوز

کہ بتے کو اس کے مرا جان نکلا یہ کشتہ تو کچھ جان پہچان نکلا بھلا اس کے دل کا تو ارمان نکلا یہ خورشید بھاڑے گریبان نکلا تو دل کی جگہ خشک پیکان نکلا	قضا ما وہ قاتل ادھر آن نکلا کھڑا نش پر ہو کے بولا کہ ہے ہے کھڑے رہنے والو مگر سوز ہے یہ مرکشتہ ایسا تو ہے جس کی خاطر چھری لے کے من بند سینے کو چھڑا
---	---

نظرت کی یہ غزل نقطہ چشم و ابرو اور دیکھنے کے مضمون میں ہے۔

غزل

نہ ایسی چشم دیکھی در نہ ایسے دستان ابرو عجب نگیرہ ہے وہ چشم طرزہ ماں بان ابرو	بہت سے چشم جامد در بہت دیکھے مان بڑ پسند آوین نہ کیوں کر وہ سار سے یہ دنگو
--	---

نہ آؤں کس طرح دہشت مجھے اس چشم مابوسے	کہ ترک مست ہو وہ چشم تیغ خون نشان ابرو
نظر اپنی پری و حور و غلمان پر پڑے کیونکر	تھامی ہی نہ انکی چشم دیکھی نے بتان ابرو
ہزاروں لالہ روغنچہ دہان دیکھے پری نظرت	کہان دہ چشم فلان شاخ گل گل کہان ابرو
مثال اس غزل کی جو متفرق مضامین میں ہے	

ذوق

ہے تیرے کان زلف مغبر لگی ہوئی	رکھے گی یہ نہ ہاں برابر لگی ہوئی
بیٹھے بھرے ہوئے من خم کی طرح	پر کیا کوں کہ ہر ہے منہ پر لگی ہوئی
جلتے بغیر خون کوئی رکتی ہے تیری تیغ	ہے یہ تو اسکو چاٹ شکر لگی ہوئی
میت کو غسل دیجو نہ اس خاک ساسکی	ہے تن پہ خاک کو چہ دبیر لگی ہوئی
جیسے بھی گر ہے پاس تو ممکن نہیں شفا	خورشید کو وہ تب ہے فلک پر لگی ہوئی
نکلے ہے کب کسی سے کاسکی زہ کی نوک	ہی پچاس سی کلیجے کے اندر لگی ہوئی
بیٹھے ہیں دل کے بیچنے والے ہزار ہا	گذری ہے اسکی راہ گذر پر لگی ہوئی
منہ سے لگا ہوا ہے اگر جام مے تو کیا	ہے دل سے یاد ساقی کوثر لگی ہوئی
اسے ذوق دیکھ دختر ز کو نہ منہ لگا	چھٹی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

حکیم زندہ

قصہ سکر صراحی کا سبب خاموش ہے	جسکو جتنا ہے کشتہ اتنا ہی اسکو ہوش ہے
اپنا اپنا طوف ہر ساقی کے سب محتاج ہیں	کوئی تو خم نوش ہو اور کوئی ساغر نوش ہے
ہے بندھی خلقت کی گردن میں غلامی کی رس	خوب چھوٹا میں یہ اُن کا صدقہ پاپوش ہے
جلوہ فرماتے ہی رخصت ہو گئے سب کے حواس	انکی یاد کیا ہے گویا الوداع ہوش ہے
اپنا ہا انداز خود اگر چڑھایا یار نے	اسیے مرتد ہمارا آج نخل پوش ہے
قید سے ہستی کے چٹکر خوب آسائش ملی	قبر لے بھا مرا پر درودہ آغوش ہے
دیکھ کر آتے ہوئے زندہ کو دیوانہ منش	دور سے ساقی نے تارا یہ کوئی مد ہوش ہے

بیان قصیدہ

قصیدہ اصطلاح میں اُن اشعار کا نام ہے جن میں کسی کی طرح یا بھوڑ کر کی جاتی ہے یا وعدہ و نصیحت و پند و موعظت یا تلوین بہار یا شکایت و زنگار و عیو و مضامین درج ہوئے ہیں اور وہ اشعار معانی و توفیق

اور صنائع و بدائع فغنی و معنوی کے ساتھ بیان کیے جاتے ہیں جس سے زور طبیعت شاعر کا معلوم ہوتا ہے اور شاعری کی تکمیل خاص قصیدے کی مشق و مہارت پر موقوف ہے جس شاعر نے قصیدے میں کمال ہنس نہیں پہنچایا وہ مسلم الثبوت نہیں سمجھا گیا یہاں تک کہ عظیم شاعری شیخ سعدی اور امیر خسرو جیسے بزرگوں کا دامن بھی اس آلودگی سے پاک نہیں رہا مگر زاناب کا قول تھا کہ جو قصیدہ نہیں لکھ سکتا اسکو شعر میں شمار کرنا نہ چاہیے اور اسی بنا پر وہ شیخ ابراہیم ذوق پور شاہ اور شاہ قصید کو اور تصور جانتے تھے۔ بر خلاف غزل کے قصیدے میں فصاحت بلاغت و تانت نینون باتون کا ہونا ضروری ہے آجکل کے اکثر شعرا نے قصیدے کو غزل کے ڈھنگ پر لکھا ہے اور یہ نہیں جانتے کہ قصیدہ اور غزل میں بڑا فرق ہے۔ غوی معنوی قصیدے کا طبع مغز کے ہیں چونکہ ان اشعار میں دڑے بڑے مضامین زور طبیعت اور پوری طاقت کے ساتھ لکھے جاتے ہیں اس مناسبت سے انکو قصیدہ کہنے لگے بعضوں نے اور بھی وجہیں لکھی ہیں مگر ایک ہیں سر نخینہ متقدمین سے لیکر متاخرین تک تیر تقی و مرزا رفیع سودا اور حسرت اور آتشا اور مومن غالب و ذوق نے قصیدے لکھے ہیں مگر مقدمین میں میر کا قصیدہ بہ نسبت انکی غزل کے کم پایا ہے اور سودا کے قصائد لاجواب اور نہایت زور کے ہیں یہی وجہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ سودا کی قرین انکے قصائد سے پست رہتہ ہیں متوسطین میں سید آتشا کے قصیدے بھی نہایت عمدہ ہیں متاخرین میں شیخ ابراہیم ذوق اور اسلمیل حسین میر نے وہ زور طبیعت دکھایا اور ایسے قصیدے لکھے کہ آج تک کسی کو وہ بات نصیب نہوئی ہے پھر چھوٹے قصیدہ گوئی ختم کر گئے دو قصیدے نعت و منقبت میں شہیدی کے بھی مشہور ہیں ہر چند کہ اور شاعروں نے بھی اس زمین میں زور طبیعت آزمایا ہے مگر انکا کلام اس مرتبے کو نہ پہنچایا میزان الافکار میں بحث ابطال میں لکھا ہے کہ کتر قصیدہ وہ ہے جو سأت شعر رکھتا ہو اور رختہ میں قصیدے کے اشعار پندرہ شعر سے اور بقول بعض انیس ہیں شعر سے کم نہیں ہوتے اور اتنا ستر تک قرار دی ہے لیکن فصاحت متاخرین کے قصیدے دو دو سو شعر تک کے پائے جاتے ہیں بعض شعرا فارسی نے بھی ایک سو میں شعر تک حد مقرر کی ہے اور عرب کے شعرا نے پانچ پانچ سو اشعار کے قصیدے لکھے ہیں حسان السد میر غلام علی آزاد بلگرامی سجدہ امرجان میں کہتے ہیں کہ میں نے قصیدے کی حد اکیس بیت کے اکیس تک مقرر کی ہے تاکہ قوت سماع کو اس سے آرام ملے اور طبیعتوں کو ناگوار نہ گذرے یہ بھی دستور ہے کہ اکثر قصیدے اپنے حرف ردیف سے مشہور ہوتے ہیں مثلاً حرف آخر بیت قصیدہ کا کاف ہوگا تو کاف نہ کہنکے اور لام ہوگا تو لام نہ اور کاف ہوگا تو کاف نہ علی بن القیاس بعض قصیدے اپنے مضمون سے مشہور ہوتے ہیں یعنی جو ذکر ان میں ہوتا ہے اسی سے منسوب ہو جاتے ہیں مثلاً اگر قصیدے میں کسی کی

مدح ہو تو مدحیہ اور اگر اپنے فخر و مباحات میں ہو تو فخریہ اور جو اس میں بہار کا ذکر ہو تو بہاریہ اور عشق کا ذکر ہو تو عشقیہ کہلاتا ہے اور کبھی قصیدے کا نام باعتبار اس کے رہنے کے ہوتا ہے جیسے ۶ فی شیرازی نے اپنے ایک قصیدہ فارسی کا نام عمان الجواہر رکھا ہے اور ایک کا ترجمہ الشوق اور انشائے ایک قصیدے کا جو صنعت عاطفہ میں ہے اور کئی صنعتوں پر مشتمل ہے طور الکلام نام رکھا ہے اور سودا نے اپنے قصیدہ ونگویاب البختہ اور بجزر میکران اور تفسیح یک روزگار کے ساتھ موسوم کیا ہے حسرت نے اپنے ایک قصیدے کی جس کی رویت ساتون ایک ہے گل باغ بخت تاریخ نکالی ہے غزلکہ ہر صورت میں قصیدے کی دو قسمیں ہونگی ایک تمہیدیہ دوسرا خطابہ جسکو مجددیہ بھی کہتے ہیں۔

بیان قصیدہ تمہیدیہ

تمہیدیہ کے معنی منت میں فرش بچانے کے ہیں چونکہ یہ قصیدہ دن میں مدح مدوح کی اور نام مدوح کا بعد ذکر خیر امور زائد کے بیان کیا جاتا ہے پس یہی فرش بچانا ہے اور اس جگہ تمہیدیہ سے مراد ہے کہ مدح کے پیشتر چند بیتوں میں کچھ بہار کی صفت یا زمانے کی شکایت خواہ عشق و حسن کی نیفیت یا اور کوئی مضمون بیان کیا جائے اُس کے بعد عمدہ طور سے ربط دیکر مدح کی یا عجب یا جو کچھ مقصود ہو شروع کیا جائے تمہیدیہ کے بعد مطلب کی طرف متوجہ ہونے کو گریز اور حسن تخلص اور تخلیص کہتے ہیں اور جس مقام سے تمہیدیہ چھوڑ کر مطلب شروع کیا جائے اُس مقام کو تخلص کہتے ہیں اور وہاں پر ایک اشارہ معقول بھی کر دیا کرتے ہیں اور جس قصیدے میں گریز نہ ہو اس کو مقتضب کہتے ہیں اور تمہیدیہ کو تشبیب بھی کہتے ہیں شین متعوط سے تفصیل کے وزن پر اور بعضوں نے اُس کا نام نسیب نون و سین مہملہ سے بروزن نجیب بھی کہا ہے اہل تحقیق کا قول ہے کہ تشبیب وہ ابیات ہیں جن میں ایام شباب اور عشق کا ذکر ہوا ایسے کہ تشبیب شباب کا حال بیان کرنے اور مشوق کی صفت کر نیے معنی میں شباب سے مشتق ہے اور تشبیب بھی غزل کہنے اور عورت کے جمال کی صفت کر لے کے منے میں ہے اور شاعروں کے نزدیک تشبیب اور نسیب اُن ابیات کا نام ہے جو قصیدے میں تمہیدیہ کے طور پر مدح یا عجب کے پہلے لکھتے ہیں اور شاید پہلے ہی عادت ہو کہ اُن شعروں میں مضمون عشقیہ ہی لکھتے ہوں لیکن اب اس کی قید نہیں تشبیب عام ہے خواہ حسن یا عشق یا اور طرح کے اشعار ہوں یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تشبیب بمنزلہ جزو قصیدہ کے ہے گویا اُس کا دیباچہ ہے پس قسم علیحدہ نہ ٹھہری جیسا کہ در بعض لوگوں نے اسکو ایک قسم جدا قرار دیا ہے حالانکہ علیحدہ نہیں بلکہ قصیدے ہی کے ثار میں ہے عیت القصیدہ ہے کہ شاعر کے اول اول کوئی مضمون ذہن میں آئے اور اُس کو نظم کر کے قصیدے کی بنیاد اُس پر

رکھے پس چونکہ مدار قصیدے کا اس شعر پر ہے اسلئے اسے بیت القصیدہ کہا گیا اور عرف عام میں قصیدے کی بنویت بھی بہتر ہو وہ بیت القصیدہ کہلاتی ہے۔

آنقض ایک ہی قصیدے میں مدوح کو غائب فرض کر کے پھر خطاب پر آتے ہیں اور تعریف کرتے ہیں اور جو کچھ مدعا ہوتا ہے وہ عرض کیا جاتا ہے تاکہ اسکی خاطر خاطر پر بار نہ گذرے بعض شعرا غیبت کے خطاب کی طرف آتے وقت ایک اشارہ بھی کر دیتے ہیں جیسے اب کوئی مطلع مدح حاضر میں پڑھتا ہوں مدوح میرے سامنے ہے یا اور طرح پر اشارہ ہوتا ہے اور قصیدے کے آخر میں مدوح کے حق میں مدعا کرتے ہیں اور اسکو دعائیہ کہتے ہیں اور اگر دعا شرط کے ساتھ ہو اس طرح کہ جب تک زمین و آسمان قائم ہے تیراقبال قائم رہے تو بعض شرطیہ بھی کہتے ہیں اور بعض صرف دعائیہ قصیدے میں چار چیزوں کا اچھا ہونا ضرور ہے ایک مطلع کہ سامع سُکر خوش ہو جائے اور طبیعت اُس کی ایسی مخلوط ہو کہ بے اختیار ہو جائے اور بے سنی باقی قصیدے کے قرار نہ پڑے اگر مطلع بُرا ہوگا تو سامع کا جی نہ لگے گا اور طبیعت کو وحشت ہوگی کیونکہ مضمون نا ملائم طبیعت کو ناگوار ہوتا ہے بلکہ قصیدہ سننے سے گھبرائے گا اگرچہ باقی کلام نہایت عمدہ اور لطیف ہو جس قصیدے میں کئی مطلع لکھتے ہیں اُسے ذوالمطالع اور ذات المطالع کہتے ہیں اور یہ بات خوبی میں داخل ہے۔ دلیل کے مطالع کو ملاحظہ کر دے۔

سودا	
اگر عدم سے نوساتھ فکر روزی کا	تو آب و دانہ کوئے کر مر نہ ہو پیدا
	اولہ
اٹھ گیا بھرن دوسے کا جھٹان سے عمل	تیغ اُردی نے کیا ملک خزان شاصل
	اولہ
ہو جب کفر ثابت ہو وہ تمغائے سلمانی	بہ لڑائی شیخ سے زنا رتبیج سلیمانی
	مطلع ثانی
عجب نادان ہیں جن کو ہر عجبتاج سلطانی	فلک بال ہما کوپل میں سوئے ہر گز رانی
	اولہ
صبح صید پر اور یہ سخن بہت شہرہ عام	
حلال و حرام نہ تاج دروزہ حرام	

ولہ	ہے پردہ رخ سخن کی مجھے اپنی جان تک	ولہ	جون شمع زندگانی ہر میری زبان تک
ولہ	چہرہ مہر و شہ ہے اک سنبھل شک فامد	ولہ	حسن بتان کے دور میں بحر ایک شام
ولہ	لسان دانہ روئیدہ ایک بار گرہ	ولہ	کھلے جو کام سے میرے پڑے ہزار گرہ
ولہ	مستغنی ذاتی نہ ہوس کی ہو تسخیر	ولہ	حدن ہر جان سونیکا دان خاک ہر کسیر
ولہ	آنجوش کا ہودل نور ہے دہرے تنگ	ولہ	باور نہیں تو دیکھ کہ نالان سدا ہر تنگ
انشا	نوع بشر میں تھے نہاں آتش باد و آب و خاک	انشا	عشق نے کرو یہ عیان آتش باد و آب و خاک
ولہ	مخدوم میں لے جولی بتر گل پر کروٹ	ولہ	جنش باد بہاری سے گئی انگھڑا چٹ
ولہ	کیا چیز دیو مرد سخندان کے سامنے	ولہ	پر چلتے ہیں فرشتوں کے لسان کے سامنے
ولہ	سحر بہار سے خوشبو میں لگی یہ پیٹ	ولہ	کہ صاف چاند سے کھڑے کے کھل گئے گھونٹ
ولہ	گھسیان نور کی تیار کر اسے بوسے سخن	ولہ	کہ ہوا کھائے کو نکلنے کے جو اتان چمن
ذوق	نہ ہے نشاط کہ گرتیجے اُسے تحریر	ذوق	عیان ہو خاسے سے تھر تھر غم جاے صبر
داغ		داغ	
	کیا جوان بخت جوان سال ہوا ہے عام		فلک پر بھی کھاتا ہے جوانی کی قسم

مومن

کتنی ہے میری تیغ زبان سے زبان تیغ | کیونکر سخن فردش ہوں سوداگران تیغ

مطلع ثانی

سلا دیا عہد کو ہومین بسان تیغ | میری زبان کے گے تلے کیا زبان تیغ

دوسرے قصیدے کا مخلص یعنی گریزا چھا ہونا چاہیے اور یہ مقام تمام قصیدے میں شکل ہے
کیونکہ مطلب آشنا کو باہم ربط دینا ایسا ہے جیسا دودھنی کو آپس میں دافق کرنا نیز تمام قصیدے کی
جان سے مثلاً یہ

سودا

وہ خم رسالت نہیں جسکا کوئی ہمتا | اور ہے بھی جو کوئی شہ مردان ہی ہمتا

اسمین حضرت علیؑ کی مدح کی طرف گریز ہے۔

ولہ

جو طشت شمع نہوا کے روغن میں جا کر | تو آفتاب نہ ہر شب نظر سے گم ہوتا

اس میں مدح حضرت علیؑ موسیٰ رضاؑ کی طرف گریز ہے۔

ولہ

خدا کے واسطے بانا تو اب مٹنے سے خوبان کے | نہیں ہر آنے ہرگز قائمہ غیر از پشیمان
نظر رکھے سے حاصل نہ کہ چشم دلف کے ادب | مگر بنا رہو سے صعب یا کھینچے پریشانی
نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت یا کہ | برہمن کو حنم کرتا ہے تکلیف مسلمان
نہ ہے دین محمدؐ پر وی ہین اسکی جو ہود کے | رہے خاک قدم سے اس کے چشم غرضانی

گریز ہے مدح حضرت پیغمبر خداؐ کی طرف۔

ولہ

مردم دستگیری کا شیوہ ہے اس قدر | نزدیک ہے نہ ہاتھ کو کپڑے خسا کا رنگ
ہوتا نہ اٹنے ناخلفوں میں جو ایک خلع | کھا جاتی زہر مار دیا م آگے تنگ

یعنی وہ سیف الدولہ بہادر کی جس سودا

پاؤں سے نہ کوئی نطف و گرم کا کسی میں تنگ

گریز ہے مدح سیف الدولہ کی طرف۔

ولہ

ارض سما کا ہونا قبضے کے بیچ اپنے
بوجھ کہا ہے تو نے یہ جھکوسب مبارک
بے دعوتے خدائی کیونکر مجھے گمان ہو
مین اور میرے سرور میرا بسنت خان ہو

گریز ہے مرج بسنت خان خواجہ سراے بادشاہی کی طرف۔

ولہ

غلط ہے توجیز مانے مین سمجھے یہ سودا
بغیر ناخن شیر خدا جہان مین کوئی
کہ کار بستہ سے پاروں کی کھولین بارگرہ
کسی کے کام کی کھولے نہ زینہارگرہ

گریز ہے منقبت حضرت علیؑ کی طرف۔

ایضاً ولہ

اکا غدد خامہ دغیر مرد مرکب سودا
شاہ مردان جو نہوی نری خلقت منظور
ہو کے کہنے ہین بیکل ہل کر چاروں ایک
ہوئے غصہ نہ کبھی ملے ہم چاروں ایک

ایضاً حسرت

نہنت اقلیم کی مین سیر کی برسرے لیے
بان گلزل مین یہ ہو کوئے نجف کو جادوں
باعث رنج و تعب مین مکان سلوان ایک
کہ بہشتین ہو مین اب حق کی بان سلوان ایک

موسن

لے خاک دل کو داغ کرتی ہے
بے زدی سے مری مجھے حاصل
اندر خورشید کی درخشانی
کچھ نہ ہوگا بحسب زبانشمائی
کھول دون مین یہ راز نہائی
ختم جس پر ہوئی سخن رانی
مرج خوان شہ وزیر نقب

حالی

گرگزین ذکر نذات طاعات
چھیر دون گرفتارہ منہ باد
تاغ کردون مذاق فسق و فجور
دل خسر دین ٹوالدون ناسور
کے آؤن لویہ عفو تصور
گر گھون نعت سرور جمہور
بان گنگا بر اور وان مغفور
کہیت جاؤن جو حق سے غدر گناہ
لوان ملائک سے ددخس کلام
دہشت منشاہ آئی جس کا

تیسرے حسن طلب یعنی مداح مدوح سے مقصد حاصل کرنے اور کوئی چیز یا شے میں ایسی
تحریر یا نثر و نثر سازی کرے کہ انہماک قبول ہو جائے اور مدوح اگرچہ بخیل و شرم ہو مگر علو مرتبتی کو کام فرما کر
سی چشمی سخاوت سے اسکی حاجت روار کرے مثال اسکی۔

غالب

ایک اکم ہے یہ شرف کہ خضر کا غلام ہوں	مانا کہ جاہ و منصب ثروت میں مجھے
سہرا بازن کو ہو تو ہوا سے ماہ	ولہ اقرب ہر روزہ بر سبیل ورم
تجھ کو کیا پاپہ رد شناسی کا	سنہرے تقریب عید مادہ پار
جانتا ہوں کہ اس کے فیض سے تو	چہ بنا چاہتا ہے وہ تمام
ماہ بن ماستاب بن یمن کون	بند ایک بانٹ دے گا تو انعام
میرا اپنا جدا معاملہ ہے	اور کے عین دین سے کیا کام
ہے مجھے آرزو بخشش خاص	کرے تجھے سے امید رحمت عام
جو کہ بخشے گا تجھ کو فروریغ	کیا نہ دے گا تجھے سے گلفام

دریائے لطافت

دل مرا تجھ سے طلب کرتا ہی سودینا زرخ	میں یہ کہتا ہوں کہ مفلس پس آنا زرخ
شک کہتا ہے کہ تلو شرم بھی آتی نہیں	تجھ سے کیا فائدہ فرماے اے مہربان
آپ میں مداح ایسے کے کہ جسے ہاتھ سے	جو کا کیسہ تھی ہے اور خالی جبب کزن
کس کو باد رہے کہ تم رکھتے نہیں جو اندکون	استعد و دولت کہ رکھتے تھے سلا طین کبان

جو تجھے منقطع عمدہ ہوا ہے کہ سامع تمام ابیات سن کر بھول جاتا ہے اور منقطع کا فطر رہتا ہے
پس اگر منقطع اچھا ہوا تو تمام ابیات از سر نو لطف دینی ورنہ سارے قصیدے کا مزہ جاتا رہے گا۔
مثال اسکی۔

سودا

سے سردی تجھے دے ہر ایک عید کے دن	طرت سے ساتی کوثر کے ساتی گلفام
نخل میدت اپنے ہوں یر و مند مجیب	ولہ ہو محبت نہ تری جسکو نہ یاوے دہ چل
پرداز ہما جب ہو سودا ج معلومت	ولہ شہباز کا طالع کے ترے اپنے ہے جنگ

ولہ

نامہ و مدہ فلک پر بار بار رہے درخشان | یہ آستانِ دوست مسجود و دجھان ہو

النشاسیلمان شکوہ کے مدحیہ قصیدے میں

بس سلیمان حسان تو ہی ہو اور دنیا ہو | جب تلک گنبد مینا میں رہے چکا ہٹ

ولہ

برخیزد دن میں بے سرو سامان ایک آج | آیا ہوں تجھ سے باسرو سامان کے سامنے

کتنی مجھے بھی ہووے تعجب نہیں کرتھا | ہر ہند کے سرے تلج سلیمان کے سامنے

مومن

تیرا اقبال روزِ انسزدن ہو | جیسے مومن پہ فضل رحمانی

داغ

ادعا آٹھوں پہرے ہفت اقلیم آئے تھیں | ترے قلعہ کے ٹھہرے رنج مسکون جاؤ یواری

مثال قصیدہ تمید یہ کی ذوق کہتے ہیں۔

شب کو میں اپنے سر پہ ترخا ب رحمت | نشہ علم میں سرست غور و نخوت

مزیہ لیتا تھا پڑے علم و عمل کے اپنے | تھا تصور مرا ہر امور میں تصدیق صفت

ہو گیا علم حصولی تھا حصولی مجھ کو | تھا مرا ذہن نہ محتاج حصول صورت

جو مسائل نظری تھے وہ بدیہی تھے تمام | عقل کو تجربے کی آتش ہوئی تھی کثرت

نہ غرض مجھ کو نتیجے سے نہ کچھ شکل سے کام | تھی مری نگر کو ہر شکل فطائے عصمت

ادہن میں سب مرے حاضر صورت علیہ | پر حبتانی نہ تھی منظور مجھے عسلیت

چا رہنا چار چو غریب سے یار دلی کبھی | درسِ تدریس پہ آجاتی تھی بھیکو رغبت

کبھی ہمت تھی مری قاعدہ صرف میں مرث | کبھی تھی غمین ہر نحو نے مجھے محویت

کبھی منطق کو تفوق تھا مرے ناطق سے | تحت حکمت ہو یہ فنِ گرجہ و تحت حکمت

کبھی میں کرتا تھا تصریح معانی و بیان | کبھی میں کرتا تھا توضیح نجوم و ہیئت

کبھی تھا علم الہی کی طرف ذہن رسا | کبھی کرتی تھی طبعی بین طبیعت جودت

کبھی تھا عقل پہ نہ ہب مرا مانند حاکم | کبھی مثل شکل مجھے پاس ملت

کبھی کرتا تھا قدم چرخ کا ثابت بجبات | اور کبھی کرتا تھا باطن سارا شقت

کبھی لکارتیا مست پرین لڑائی دہل
 حشر جساد میں تھا کادہ ترود بسلو
 کبھی تھی غصہ تدویر فلک کی بجھے سیر
 کبھی ثابت مرے نزدیک فلک کی گردش
 کبھی میں کرتا تھا اے، خوس بن جوہر سائے
 کبھی منقول پہ مانل کبھی سوئے معقول
 کبھی کرتا تھا بجسلی پہ خواہی خسریہ
 کبھی میں کرتا تھا قانون سے تشریح ملایا
 کبھی شایون کے کرتا تھا میں پیش روی
 کبھی تین افی تھاق میں تاسو نستانی
 کہ ملاحد کی تھی ترود کلام حساد
 کبھی میں شیخ تیوخی، در کبھی شیخ رئیس
 مانل مہر تھی ایسا کہ ادا کرتا تھا
 کبھی میں شانہ ادب دان، ملین
 کبھی پیش نظر انیل و زور و نوریت
 کبھی زرد تھیون میں ایسا کہ سارے سوئے
 کبھی یہ آگنی شاستر وید و پیران
 آخر میں دیکھا تو اعلم حجاب الاکبر
 فائدہ لیا ہر اک علم کی جانی تو رہا
 بے قدر نہ پڑے صورت بہیود نظر
 علم سے لاکھ ہو شمع تری پر رب تقدیر
 یہ حالات مثال قصص جنوہ
 لگ گئی آنکھ مری دیکھتا کیسا خونین
 اللہ شہر سے حسن اس کا کہ سر نہ بدتم
 چینی رنگ کادہ اپنے دیکھ کر عالم

کبھی کرنا سنچ چہ سنکھے سو حجت
 کبھی خلی عالم برنچ میں سنکھے اک حیرت
 کبھی میں تاپتا تھا سٹچ زمین کی دھوت
 کبھی مثبت مرے نزدیک زمین کی حرکت
 کبھی میں کرتا تھا سلول سے ثابت علت
 کبھی میں فقہ پر راغب کبھی سوئے حکمت
 کبھی کرتا تھا اشارات و شفا کی سمیت
 کبھی میں کرتا تھا قاموس میں تصحیح لغت
 کبھی لیجا تھا اشراقیوں پر میں بخت
 کبھی میں مقرر لی باعث رذروت
 کہ وجودی، شہودی سے بیان دود
 کبھی علامہ کبھی صوفی صافی طینت
 کبھی میں بارہ مقام اور کبھی چاروں دست
 نظم میں نام مراثر میں میری شہرت
 کبھی صحف میں نظر میری سر پرایت
 شہر و پازند میں کرتے تھے مرقعیت
 رون اک بات شہادت کی تھا میں غایت
 عاقبت پایا تو بان ابلہ کو اہل جنت
 فائدہ کیا جو ہر اک فن کی تھی بہیت
 دور آئینہ دل سے نمودنگ گفت
 نہ کہ کوئی نکتہ شیخ علیہ الرحمت
 ہوئے اکیار و فساد، خواب غفلت
 کہ مجسم نظر آتی ہے نوید حجت
 تھادہ خالق کا تماشا ہے ظہور قدرت
 ایک عالم کا ہوں لیکے بغل میں جنیت

آکے اُس رشک سیانے کما بالین پر
دیکھ تو کیا افق مشرق انوار سے ہے
چرخ مینائی پر اک سبز پری کا عالم
دی ہے مجھ میں مؤذن کے اذان ہرگز نہ
ہوئی بنگالے سے تا قوس کی پیداوار
سحر عید ہے کر عید کا سامان نشاط
فکر کر نہایت عید کا اُس شاہ کی تو
دہ شہنشاہ بہادر شہ کسری انصاف
قوت ملت و دین نافع کفر و ایمان
کون اُس کا شیعہ صاف صفات جو
سننے ہی میں نے بھی مطلع روشن لکھا

لا تم تم کہ یہ غافل نہیں وقت غفلت
جلوہ افروز رخ بانو سے صبح عورت
شفق صبح پر اک لال پری کی حالت
باد صو ہو کے نمازی نے ہو باندھی نیت
چلے جہنا کو بزمین کوئی بیکر مورت
روز شادی کی ہے آمد شب غم کی نصرت
دور میں جس کے ہر صبح صبح دولت
خسرو جم خدم و داد و دارا شمت
حامی شرع بنی حاجی شرک و بدعت
کون اُس کا نہیں سرگرم تباہ و بخت
مطلع صبح کو ہو سننے سے جسے خجالت

مطلع ثانی

مصطفیٰ رخ تراے سایہ رب العزت
تیرا آواز دولت ہے مقنن ابد
تیرے عشرت کدے میں دخل کسے نہ
صفیہ علم پر جس سے تو ہم نہ تو
ماہ نوایک فلک پر ترے نو بردون بین
کیسے گوہر انجم ترا صرف انعام
نیت نیک تری آئینہ حسن عمل
تجھ سے راضی ہو خدا و خدا کا محبوب
کیا اللہ نے جب تجھ سا ولی نعمت خلق
نطق شیرین سے ترے عام طاوت ہو
آئے طوفان جو ترے قہر کا طغیانی پر
وہ تری تیغ کی برش ہو کہ سایہ جس کا
آسیا دار چہرے کیوں نہ فلک گرد زمین

تھوڑے معنی ہا کثرت علیکم نہایت
تیرا ایوان عدالت ہے محل عبرت
تیرے خلوت کدے میں بالسی جہا کثرت
جہا عیش میں ناہید سے تو ہم صحبت
نوفلک نو گردن میں تیرے قدیم الخدیت
طاقت اطلس گردون ترا وقف خلعت
عمل نیک تر اجلوہ حسن نیت
تیرا حامی ہے بنی اور بنی کی عزت
کیونکہ واجب نہ خلایق پہ ہو شکر نعمت
خمر تلخ ہو مختل کا سب سے شربت
کشتی نوح بھی با عدا کو ہو گرداب صفت
کرے اک دم میں ہیوے سے معلق صورت
تیرے نوں کے جو کاوے کی ارجا ہے پھرت

کیا ترے قبل کے اوصاف کچھ نہیں کہ وہ
 اسکی خرطوم ہے گر طرہ لیلے کی مثال
 آب باران کرم تہرا وہ شہوت خضر
 عدل کے نقطہ کو دیتا نہیں نقطہ کوئی
 دور انصاف میں گرتے ہو کشتہ سیاب
 عید کو دیکھتے تھے ساتھ خلائق کا ہجوم
 منتہی ہوں نہ کبھی تیری صفات نیلو
 ذوق کرتا ہے دعائیہ پر اب ختم سخن
 عید ہر سال مبارک ہونگے عالم میں
 خیر خواہوں کے ترے چہرے پہ ہونگے نشاط

ابر رفتار جیل پیکر گردن رفعت
 توہین دندان صفا ساعد سلی کی صفت
 برسے لائے پہ توافیوں میں نہو سمیت
 عدل سے ترے جو موقوف ہر کرم شہوت
 تو بلا شبہ پڑے دینی ہوس کو دیت
 کئے عارف کہ یہ کثرت میں پیدا ہوئے
 گریبان کچھ تاحشر صفت بعد صفت
 کہ زبان کو ہے نہ یا مانہ تسلیم کو طاقت
 باشکوہ دشمن دجاہ و بعمر و صحت
 اور بند خواہوں کے رخسار پر اشک حسرت

بیان قصیدہ خطابیہ

قصیدہ خطابیہ یا مجددیہ اسے کہتے ہیں کہ ابتداء سے قصیدہ سے مدح یا بھود وغیرہ اصل مطلب شروع
 کر دین یا در تمہید نہ لکھیں عامہ شعرا ایسے قصیدے کو مکابرہ بولتے ہیں مثال اسکی یہ قصیدہ شہیدی کا
 بطور انتخاب کے جس میں خود شاعر نے قصیدے کے مجدد ہونے کا اشارہ کیا ہے۔

طلوع روشنی جیسے نشان ہوشی کی آمد کا
 دبستان ازل میں وہ معلم عقل کل کا تھا
 بجمہ میں زلزلہ نوشیروان کے قصہ میں آیا
 چمن پہلے کن فراش اسکی بزم رنگین میں
 شرف حاصل ہوا آدم اور ابراہیم کو اس سے
 شب روز اس کے صابز اور نکا گوار و جنات
 وہ اس عالم میں بدوق بخش تھا حور و نکا لکین کو
 شب مزاج پڑے عرش پر دم میں انرا آیا
 نہ رعد کے کثرت میں نہ آوازات مطلق کو
 بھر و ساہر کسی کو ایک صابر عافیت کا ہر
 ترے پاؤں سے ہنم فلک پر منزل کیوان

ظہور حق کی جت ہر جہان میں نور احمد کا
 تھا نام و نشان جن روزوں اس طرح چرخ
 عرب میں شورا کٹھا جسم اسکی آباد کا
 بہار آفرینش ایک یونان اس کی مسند کا
 نہ تھا فخر عالم فخر تھا اپنے اب و جد کا
 مجبب حب باد و بخار و روح الامین کو بھی فخر کا
 گیا جنت میں طوبی اپنے سایہ اس سے قد کا
 بیان اس قلم معنی کے کیا ہو فیروز اور مد کا
 نہ جتنا صغر گر نقش احد میں ہم احمد کا
 مجھے نام مبارک کا ہر ذوق تفریق کو سد کا
 ترے مجد سے ہستم آسمان پر فرق فرق کا

اُدھر اللہ سے واصل و ہر مخلوق کا شامل
 ہو گیا جس گھڑی شرک کے سامان نیرم جنت میں
 خد بن گئے کیا کیا نعمتیں دیتا ہی بندوں کو
 رہا کہے میں تیرے در کے روئے پر نہ جا پالی
 لب گوہر نشان ابونگے جب عرض شطرت کو
 عدو کو خستہ نکا رہو تیری رسالت میں
 تری تعریف میری زبان میں آئی ہی تیری
 بھینک مثل تقویم کس یوان ہزاروں کے
 ہوئی ہی رحمت عالی دہری معراج کی طالب
 کبھی نزدیک جا کر آستانے پر ملوں انھیں
 مدینے کی زمین کے گرنہ لائق ہو مرا شہر
 تمنا ہو دختہ ترے روئے کے جا بیٹھے
 خدا تمہے جو ہم ایسا ہی شہیدی کس محبت سے

خواص اس بزم کبریٰ میں عقاربند
 کھلے گا حال امت کو ترے انعام بید کا
 ترا دست دعا ضامن ہے جہاں کل کے مقتدا
 اسی اندوہ سے بزرگ ترہ سنگ سود کا
 تماشا گاہ خستہ میں تکیہ نیک منہ بد کا
 محل باقی رہے اللہ کے قول مؤکد کا
 صفا بان تک خستہ ہوگا اس تیغ ہند کا
 ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعار مجد کا
 میسر ہو طواف ای کاش کھلو تیرے سر قد کا
 کبھی میں دوڑ بیٹھوں در گردن نظارہ گند کا
 کسی صحراب میں ان کی میں خوش ہوں ناماد و دو کا
 نقش جس وقت توٹے طائر روح مقید کا
 زبان پیری جس دم نام آتا ہے محمد کا

ابیان مستط

مستط مفعول ہے تسیط کا اور تعصیط کے معنی موتی بردنا اور جمع کرنا ہیں اور اصطلاح شعرا میں اسے کہتے
 ہیں کہ چند مصرعے متحد الوزن والقوافی جمع کر کے بند اول کہیں اسی طرح اور کئی بند اسی وزن میں لکھیں اور ہر بند
 قافیہ جابا ہو لیکن مصرع آخر ہر بند کا قافیہ میں بند اول کا تابع ہو اور اسکی آٹھ قسمیں ہیں مثلث مربع پنج سدس سبع مثمن عشر
 مثلث ایسے کہتے ہیں جسکے ہر بند میں تین تین مصرعے ہوں پہلے تینوں مصرعون کا ایک قافیہ ہو باقی بندوں میں دو مصرعے
 قافیہ جابا نہ میں لکھ کر تیسرے مصرعے میں قافیہ مناول کی رعایت سے ہو وہ علیٰ ہذا القیاس مثال اسکی یہ

عباس علی خان بے تاب رام پوری

سید کا ہے کو تھی دلربا کے آنے کی خوشی ہو تھی کیونکہ فضا کے آنے کی

خبر ہے نفس پر اس بے وفا کے آنے کی

نہیں چونکنا بھی دان بھلا میں کی تاج کچھ کے اور ہی کچھ مرچا میں اکرنا صبح

اکھا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

بگڑنے پہلے ہی ظالم فضا کچھ تو سہی نہ جاے کیوں دل دروغ چین کیسک لگئی

		بہار دفع ترے سُکرا کے آنے کی پڑ		
	شب فراق مجھ سے مرے بھی نہ دیا	ایک خیال زلف میں خود رنگی نے قہر کیا		
		اُسید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی		
		اگر دین میں وعدہ خلائی کا شکوہ کس کس سے		
		اجل بھی رہ گئی ظالم سنا کے آنے کی پڑ		
		مرے جنازے پر آنے کا ہے ارادہ تو		
		کہ دیر اٹھائے میں کیا ہے صبا کے آنے کی		
		خدا کے واسطے بیتاب تم توجہ کدوا		
		نہجے یہ ڈر ہے کہ مومن میں نہ کہتا ہو		
		مری تسلی کو رز جبر کے آنے کی		
		کبھی یا کرتے ہیں کہ پہلے بند کے مصرع آخر کی ہر بند کی گروہ میں تکرار کرتے ہیں۔		
		نظام الدین میرٹھی		
		خوشی اک شعلہ بورت دن کا		
		شمار افزون ہوا کے سال دس کا		
		حسدا حافظ خدا حافظ کوئن کا		
		کوئن دنیا کے ہر خطے میں نامی		
		نزیون اور سکینون کی حامی		
		حسدا حافظ خدا حافظ کوئن کا		
		رہے محفوظ اُس کا تاج اور تخت		
		حسدا حافظ خدا حافظ کوئن کا		
		عبد المجید ازل لاہوری نے شلٹ میں تیسرے مصرع کا قافیہ بند اول کے قافیہ کا تابع نہیں بکھا		
		اور یہ اصطلاح جمہور کے خلاف ہے۔		
		ہم ہیں جب محروم ترس دیدے		
		کیا غرض ہکو ہلال عید سے		
		کیا مزہ ہکو ہلال عید سے		
		عید کیا ہم بے قرار دن کی بھلا		
		عید کیا ہودل نگار دن کی بھلا		
		وہ جو آتے ازل تو عید تھی		
		ہم سے ہوتے ہم بھل تو عید تھی		
		دل کو کچھ بڑی بڑی بھل تو عید تھی		

نظام رامپوری نے ایک مثلث اس طرح کا لکھا ہے کہ اُس کے بند اول کے تینوں مصرع ہم قافیہ میں باقی
بندوں کا دوسرا اور تیسرا مصرع قافیہ میں بند اول کا تابع ہے اور پہلے مصرع کا قافیہ علیحدہ ہے حالانکہ
دستور ہے کہ ہر ایک بند کا پہلا اور دوسرا مصرع ایک طرح کا قافیہ رکھتا ہے اور صرف تیسرا مصرع
قافیہ میں بند اول کا تابع ہوتا ہے۔

گل فردوس کے خوردن لے لو گوندھا سہرا

کو نسیان سے کہ تو موتیوں کا لاسہرا

ایچھے نوشہ کے پے چاہئے اچھا سہرا

جوش میں آگے جو ستون کی طرح جھومتا ہے

کس کی آنکھوں کا یہ ہے دیکھنے والا سہرا

مست و مدہوش ہے کس واسطے ایسا سہرا

عکس چہرے پر نوشہ کی ہر اک گل شاہ

عرق رخ سے بنا نور کا دریا سہرا

ہوین لیتا ہے پڑاموج میں کیا کیا سہرا

آبا سرکار سے نوشہ کا شہنا خلعت

آبا رچمن خلدے بھیجا سہرا

دل حاسد میں ہے کاٹا سا کھٹکٹا سہرا

نغمہ یہ اس واسطے نوشہ کے ہر د مال نظام

دردندان سے ندامت زدہ ہوگا سہرا

گودر خسانی میں تابش میں ہے یکسا سہرا

کچھ سے کی سی ہاٹ ہی دنیا بھر سے ساری ٹھی

یہ ٹھی چاہے بیٹھی لے لے کھٹی چاہے کھٹی

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

روپ رنگت جھول زمین بیکھقل کچھ پری

اور یہ میٹھی نیچے تھی آئو کی سی کیری

لے ترے من چلے کا سودا ہے کھٹا اور میٹھا

دولہ

دنیا ہے سراسر اس میں تو بیٹھا مسافر ہے

اور جانتا ہے یان سے جانا تجھے آخر ہے

کچھ ماہ خدا دیکھا جا تیرا بھلا ہوگا

جورب نے دیا جھکو تو نام بہر کے دے

گرایا نہ دیا تو لے دان دیو گیا کیا بندے

کچھ ماہ خدا دیکھا جا تیرا بھلا ہوگا

دیوے گا اسی کو تو وہ جس کو ہے دلوانا

پر ہے یہ لفظ جھکو آواز سنا جاتا۔

کچھ راہ خدا دیکھا جائیگا

مرتب زمین چار چار مصرع اس طرح ہوتے ہیں پھر دوسرے بند میں تین مصرع قافیہ جُدا گانہ میں لکھ کر چوتھا مصرع قافیہ بند اول کی رعایت سے لکھا جاتا ہے ایسے ہی بند تیسرا اور چوتھا اور پانچواں جہاں تک اتفاق پڑے لکھتے ہیں یا ایسا کرتے ہیں کہ غزل کے اشعار پر دو مصرع بڑھادیتے ہیں مثلاً عبد العالی خان تو گر غلف عبد الواحد خان مسکین نے مولف کے شعرون کو مربع کیا ہے۔

جان جانی ہے یہاں بحر بدول جومین

بقراری نہو کس طرح ہرگز آنسو میں

درد فرقت کا شدت ہر دم پہاڑ میں

پیش ہر رخ یار سے تن گل جاتا

طالب دید تو بس بکھنے ہی جل جاتا

سوہری کا جو ہونا نہ ازہر دین

دل خوش

کیا صل عاروے رسول دوسرا

عارض یہ خدا تمس قرہ میں تو کجا ہے

اُس چہ فایر لور کا عالم تو جدا ہے

اگر دل ہے سراپا کے تصویر میں غزل

سب لور سے سمور ہے اسکا جسد پاک

وہ مطلع الوار خدا شمس شمع ہے

مرا قنیل دیا ہے لطافت میں کہ اس زمانے میں شعراے رغیہ جنکی طبیعت میں شاعری کی قوت تئیں ہوتی جب اپنی شہرت اور حصول منفعت کے لیے مرثیہ گوئی شروع کرتے ہیں تو مربع میں لکھتے ہیں۔

گویا

دیتے تھے اہل بیت پیمبر کے واسطے

کہتے تھے شیر تک نہیں اصفیٰ گویا

بابی پلاؤ سائی کوثر کے واسطے

جب تیر کھانکے اصفربے شیر مر گیا

اگر دی کو خالی دیکھ کے بالوں کے یہ کہا

یا شاہِ دین بتاؤ مرا لال کیا ہوا
اصغر کو لاؤ خالقِ اکبر کے واسطے

کبھی یہاں کرتے ہیں کہ پہلے بند کے مصرع آخر کی باقی بندوں میں تکرار کرتے ہیں جیسے یہ

مولوی محمد اسماعیل

تنے گاسرت کا اب شامیانہ | انجے کا محبت کا تقارحسانہ

حیات کا گائین گے مل کر ترانہ

اگر وصیر آتا ہے اچھا زمانہ

نہ ہم روشنی دن کی دیکھیں گے لیکن | اچھک اپنی دکھلائیے اب بھلے دن

اگر کے گا زمانہ ترقی کیسے بن

اگر وصیر آتا ہے اچھا زمانہ

زبانِ قلم سیف پر ہوگی غالب | دہیٹے نہ طوائف سے پھر حق کے طالب

اگر محکوم حق ہوگا دنیا کا غالب

اگر وصیر آتا ہے اچھا زمانہ

مجلس اسکو کہتے ہیں کہ بائج بائج مصرع کے بند لکھے جائیں اور ہر بند کا پانچواں مصرع پہلے بند کے پانچویں مصرع کے قافیہ پر ہو یعنی پہلے بند کے پانچون مصرع اور باقی بندوں کا صرف پانچواں مصرع متحد القوافی ہوں مثال اسکی۔

دیاستنکر نسیم

مجھے تو کہتے ہوں رنگ تیرا گھڑی میں کچھ ہر گھڑی میں کچھ تر
نہ آج مانو گا کل کا وعدہ گھر میں کچھ ہر گھڑی میں کچھ ہے

اگر گھڑی کی صورت لگا کر کھڑا گھڑی میں کچھ ہے گھڑی میں کچھ ہے

میں ہوں مریض تب محبت عیاں ہے بے تاب یوں کی موت
جو کوئی دم پائے گرم محبت تو بھونکے جا صور سے گرفت

جو دم میں زندہ تو پل میں مردہ گھڑی میں کچھ ہر گھڑی میں کچھ ہے

شکوہ باز نہ تم قبولو یہ باد بندی ہے سب فضولو
شاخ شاخ چین پہ بھولو نہ تمت عشق رنگت بولو

جو مثل برق آسمان کو چھو تو پل سست سحاب بولو
نہ باغ سیر جہان پہ بھولو نسیم نیرنگ ہے نہ بھولو

کہ بازی گر کا یہ ہر تماشا گھڑی میں کچھ اور گھڑی میں کچھ ہے
اکڑایا کرتے ہیں کہ غزل کے اشعار پر تین تین مصرع لگاتے ہیں اور یہ قسم خمس کی بہت شائع ہو رہا ہے
شاعر نے تقدیر میں سے لیکر اس زمانے تک خمس لکھے ہیں اور اپنی یاد دوسرے شاعر دلی غزلوں پر مصرع لگاتے ہیں
کمال خمس کا لطف یہ ہے کہ پانچواں مصرع بیکار ہو جائے یعنی تین مصرع اس قسم کے لگائے جائیں کہ چوتھا مصرع اس کے
ساتھ بہت چسپان ہو اور پانچویں مصرع کا محتاج نہ رہے اور اس میں ربط دوسرے اور چوتھے مصرع کا بہت عدم
جاء ہے باوجودیکہ تمام شعراء ماضی و حال نے اس کی طرف توجہ کی ہے مگر ان لطائف سے کم لوگ واقف ہوئے
میں جن شاعروں نے ان باتوں کا التزام رکھا ہے ان کے خمس ہر ایک کو پسند و مرغوب میں حق یہ ہے کہ خمس
شکل ترین اور اعلیٰ ترین اقسام سمط سے ہے شاعر کی طبیعت اور استعداد کا حال اس سے معلوم ہوتا ہے
دوسرے کے مضمون کو اپنا کر لینا بڑا شکل کام ہے مگر اکمل حسین خان نادر نے تمام شعراء شاہیر کی ایک
ایک غزل کی خمس کر کے دیوان ترتیب دیا ہے۔

خمس نا در بر غزل مصحفی

ہم کو ہم سائے میں رہنا گھر بنا مانع ہے	راہ چلنا منع ہے کوچے میں آنا منع ہے
سرفروں رکھتے ہیں گردن کا اکٹھا مانع ہے	دیکھنا کس کا وہاں در تک بھی طمانع ہے

روزانہ دیوار سے اکھین لڑنا منع ہے

ہوئی ہے تدبیر سے ہر ایک شکل دل نشین	ہو سکے ممکن مجال ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں
مکلفہ ظلم ایجاد کرتے ہیں بتان ناز میں	رازدل کا بوجھتے ہیں بولتے دیتے نہیں

بات سمجھ بڑا چکی ہر لب طمانع ہے

دم نہ نکلے تن سے مجھ نیم جان کو حکم ہے	تر نہوں بلکین یہ چشم خون نشان کو حکم ہے
ہونٹوں پر نالہ ہر اب قطع زبان کو حکم ہے	سینے میں سوزش ہے اور ضبط افغان کو حکم ہے

آگ گھر میں لگ گئی ہر اور بجھانا منع ہے

کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ پہلے بند کے معرہ آخر کی ہر بند کی گرہ میں تکرار کرتے ہیں جیسے۔

احداث

جسے اب راحت جان تجھے از تابنا	کیا بدن سخت صیبت میں عین سار ہوتا
مضطرب و ششہ و حیران خفا رہتا ہوں	کسی چہرے میں تو ستون میں کیا رہتا ہوں

سمجھ لیٹے ہوئے دن رات پڑا رہتا ہوں

کیا بیان اپنی جوانی کا کروں میں غمگین	طاقت اب بستر اندوہ پہ ہٹنے کی نہیں
نہ تو بیٹھوں ہوں نہ اٹھتا ہوں جلا ہوں	یاد کر کے تری محبت کو بس اسے پروہ نہیں

منہ لیٹے ہوئے دُرات پڑا رہتا ہوں

دستور یہ ہے کہ ہر شعر کو علیحدہ علیحدہ ایک بند میں تضمین کرنے ہیں مگر حکیم سید مہدی کمال نے نواب حامد علی خان دلی راہپور رشک تخلص کی ایک غزل کو یوں غنّس کیا ہے کہ مطلع چار بندوں میں تضمین کیا ہے اور باقی اشعار کو تین تین بندوں میں درحقیقت ایک غزل کے تین غنّس میں تضمین مقطع کے بند یہ ہیں۔

بگڑی ہوئی حالت میں کوئی بھی نہیں پتا	انفدہ کی کثرت میں کوئی ابھی نہیں اپنا
تسائی اُترت میں کوئی بھی نہیں اپنا	اسے رشک مصیبت میں کوئی ابھی نہیں اپنا

اپنا نہیں جب اپنا بیگانہ کو کیا کہیے

بیگانہ جو ہو کوئی ہوتا ہے کہیں اپنا	انداز بدلتا ہے کہیں چرخ بریں اپنا
کب دم کی صورت سے ملتے یقین اپنا	اسے رشک مصیبت میں کوئی ابھی نہیں اپنا

اپنا نہیں جب اپنا بیگانے کو کیا کہیے

کیا کہیے کمال سکو قسمت نے دکھایا کیا	اپنوں سے دم آخر انکھوں کو بھرا دیکھا
کھپتا تھا رگوں کے دم اپنوں کا نقشہ تھا	اسے رشک مصیبت میں کوئی ابھی نہیں اپنا

اپنا نہیں جب اپنا بیگانے کو کیا کہیے

سندس اس میں چھوٹے مصرع کا بند ہوتا ہے اور ہر بند کا مصرع ششم قافیہ میں بند اول کا تابع ہوتا ہے مثال اسکی۔

علامہ محمد مجبو با شندہ سورت

خامہ ہے جس میں کہ نشست بد بیا کروں	طوڑ کے طعنے کا کا جل لاؤں طوڑا کروں
سنگ موسیٰ کی کھول بہر دید بیا کروں	آب دور اشک سے حل ہو کے جتا کروں

ہر کاغذ سایہ ہاں ہم پیدا کروں

وصف اس خیمے کے سایہ کا انشا کروں

سہ سیکاری پری چن شاد بہر دل سپا	زلف خوبان کے چنسا ہوں بیطن و خیال میں
سکان کے باغ کی بھابی کی طوڑ دیا کروں	پروں کے تار مار بلا سو اسے خط و خیال میں

یا رسول اللہ ﷺ کب تک اس طالعین
اوں بازار مدینہ میں کھجکاب سودا کر دن

رجختہ گو یوں نے ایسے چھ مصرعون کو جن میں چار ایک وزن اور قافیہ کے ہوں اور دو مصرع اُنکی
وزن اور دوسرے قافیہ کے بطور گرہ کے ایک مطلع کی طرح واقع ہوں مسدس قرار دیا یا اور اسکو مستطین شمار کرنا محض
غلطی ہے اسلئے کہ مسدس کی تعریف ایسے اشعار پر صادق نہیں آتی مستطین اول بند میں سب مصرعون کا
متحد الوزن والقوافی ہونا اور بندوں کے صرف مصرع آخر کا باعتبار وزن اور قافیہ کے بند اول کا تابع ہونا شرط ہے
وہ بات ایسے اشعار میں پائی نہیں جاتی اسلئے کہ ان میں دو مصرع آخر کے علیحدہ قافیہ رکھتے ہیں اور چار مصرع
دوسرے قوافی میں ہوتے ہیں یہی حال تمام بندوں کا ہوتا ہے کہ دو شعر دن میں قافیہ اور ہوتا ہے اور
تیسرے شعر کا قافیہ اور ہوتا ہے پس اس قسم کا مسدس داخل مستطین نہیں۔

مستطین۔ یہ سات مصرع کا بند ہوتا ہے پہلے بند کے ساتوں مصرع متحد الوزن والقوافی اور دوسرے بند کے
چوتھے بند کے جہاں تک اتفاق ہو چھ مصرع اور قافیہ پر اور ساتوں مصرع ہر بند کا مثل قافیہ بند اول
کے ہوتا ہے۔

متمم۔ میں ہر بند آٹھ مصرع کا ہوتا ہے پہلے بند کے آٹھوں مصرع متحد الوزن والقوافی اور
بندوں کا صرف آٹھوں مصرع قافیہ میں تابع بند اول کا۔
منسج میں نو مصرع کا بند اور عشر میں دس مصرع کا بند برعایت معلومہ ہوا کرتا ہے مگر قسمیں
شعر کے دیوانوں میں کم دیکھی جاتی ہیں شاذ و نادر کسی رسالے میں بطور مثال کے لکھی ہیں ہم بھی بسبب
طوالت اور متروک الاستعمال ہونیکے ان اقسام کی مثالیں درج نہیں کرتے۔

بیان ترکیب بند

ترکیب بند اسے کہتے ہیں کہ ایک غزل کے طور پر چھ اشعار مع مطلع کے لکھ کر اسکے بعد ایک در بیت
متغی یعنی ایک مطلع بطور گرہ کے لگائیں پھر دوسرے بند میں دوسری غزل بند اول کے ہی وزن پر بند کر دیں
اور اسکے بعد بھی ایک در مطلع سے گرہ لگائیں ایسے ہی جتنے چاہیں بند لکھیں اور ہر بند کا مطلع یعنی گوشت
لاتے جائیں کیونکہ اگر ایک ہی مطلع کی ہر گرہ میں تکرار ہوگی تو اسکو ترجیع بند کہیں گے مہیا کا آگے معلوم ہوگا۔
ترکیب بند کی مثال۔

ناظر

دل پر خون ہے یہاں جام شراب کھلام

اساقیا، تجھن دہر ہے عبرت کا مقام

متلون ہے مزاج فلک مینائی
صبح کو اور ہے کچھ رنگ جہاں شام کو اور
ایک کو ایک طرح پر نہیں اک لحظہ قرار
شاہد اس قول یہ ہر رنگ حسینان جہاں
چھٹی کی ہیں نہ وہ گھاتیں نہسی کی باتیں
نہ کناٹے نہ اشارے نہ وہ چٹون نہ وہ آنکھ
نہ وہ غمزہ نہ وہ عشوہ نہ وہ عالم نہ وہ روپ
زیب زینت سے نہ تھی جب کو گھڑی بھر صفت
زلف کے دام میں کرتے تھے جو غنقا کو شکار
وہ نہ خاک بلاؤں میں سر اس میں اسیر
کوئی سُستا نہیں آواز اب کی افسوس
خواب میں بھی نظر آتی نہیں انکی صورت

طرفہ نیرنگ دکھاتا ہے طلسم لہام
طبع خوبان کی طرح رنگ بدلتا ہے دوام
جہن بکبل کو نہ اس بارغ میں گل کو آرام
کہ نظر آتے ہیں وہ خار جو تھے گل اندام
نہ کسی سے وہ بگڑنا نہ کسی پر الزام بل
رسم و رہا اب ہ کسی سے نہ وہ پیغام و سلام
نہ وہ گرمی کی ادائیں نہ وہ شوخی کے کلام
اب نہ مطلب بھین لکھے سے نہ مٹی کا کام
خود وہ صیاد ہیں نخچر کی صورت نہ دام
کنگھی چوٹی میں گرفتار جو رہتے تھے مدام
جو نہ اغماض سے سنتے تھے سجا کا کلام
دل میں گھڑ گھوٹ نہیں جن جو روشن کا مقام

روپ بدلا جو زمانے نے نیا دور ہوا
اور تھانگہ جہاں اور سے کچھ اور ہوا

کیا ہوا سرود قداب وہ تمہارا خم و چم
کہو کیوں چھوٹ گئی مشق جفا کاری کی
کھینچتے کیوں نہیں اب میان سے تم خیزناز
کچھ نہ عشاق سے مطلب نہ اختیار کے کام
چہن کیوں کر تھیں آغوشِ محبت میں آیا
کیا گذرتی ہے نہ خاک تمہارے سرو پر
ناز و نیاز وہ نزاکت کہو کس نے لے لی
سچن تک تھا تھیں دلائل کے آنا منزل
ناز و نیاز واداعشوہ کرشمہ غمزے
ہاے وہ چہن چہن شوخی انماز کے ساتھ
ہاے وہ ابرو سے خمدار و دھڑکان دراز

کیا ہوا لالہ رخواب وہ تمہارا عالم
کہو کیوں ٹوٹ گیا سلسلہ جو رستم
دیکھتے کیوں نہیں اب تیغ ادا کا دم ختم
نہ ادھر چشم غضب نہ ادھر چشم گرم
تم تو آغوشِ تصور میں بھی لیتے نہ تھے دم
فرشِ یدم تو نزاکت سے نہ رکھتے تھے قدم
سچ بناؤ تھیں اپنی ہی نزاکت کی قسم
کس طرح طے ہوئی راہ سفر ملک عدم
خاک میں مل گئے سب ہاے تم ہاے تم
ہاے وہ ناز سے تہرکا بدلتا ہر دم
ہاے وہ ناز سے تہرکا بدلتا ہر دم

ہاے وہ شعلہ رخسار کی فتنے میں بھڑک	ہاے وہ گیسوے پر بیچ کا ہوتا برہم
ہاے وہ فتنہ جگانے کی روش سے چلنا	ہاے وہ چھا گلین سینے ہوئے پیر پانچم
دا در بقیا نری ایک بھی صورت باقی	
بہر عبرت ہے زبان و نپہ حکایت باقی	

بیان ترجیع بند

ترجیع بند اسے کہتے ہیں کہ ایک ہی شعر کی ہر گروہ میں تکرار ہوا سمیوں و ترکیب بند میں ہی فرق ہو کہ وہاں ہر گروہ میں مختلف شعر لگائے جاتے ہیں اور یہاں ایک ہی شعر لگایا جاتا ہے مثال آسکی۔

نظیب اکبر آبادی

تیرے لب لال سے گل اندام	ہے حرمت لعل حرمت انجام
گل برگ ہے غرق شبنم رشک	دیکھے سے ترایہ لطف اندام
عارض سے فجل ہے عارض صبح	کا کل سے فجل ہے کا کل شام
یہ حسن بکام دل تو پا کر	رکھتا ہے غضب ہمیں تو نا کام
خوبی لئے تجھے کیا ہے زیب	زمیندہ نہیں ہے تجھ سے یہ کام
اتنی بھی نہ کیجئے جفائیں	جو خوبی پہ جس سے آئے التزام
دکھو پا کے تری تعدیوں سے	ہم سخت بجان میں اسے دل آرام
اب چھوڑ عتاب کی ادا کو	دے طول درشتہ جفا کو
وہ گل ہے تو آج حسن ایجاد	ہے گلشن حسن تجھ سے آباد
قامت کا ترے بیان خوبی	کرتے ہیں چین میں سرود شمشاد
ہیں تیرے ہوا کے ہسم ہوا دار	تو ہم کو الم سے کرتے برباد
ہم دیکھتے تھے ہیں شاد ہوتے	تو ہم کو کرے ہے غم سے ناشاد
یوں زلف میں تیری ہم پہننے میں	ہو دام میں جیسے صید صیاد
ہو دل سے فتاد اجا اپنے اوپر	اتنی نہیں کرتے اسے بیداد
تیرا ہے نظیر جان و دل سے	سن عرض یہ اس کی لئے پرزاد

اب چھوڑ عتاب کی ادا کو
دے طول نہ رشتہ جفا کو

بعض کتابوں میں ترجیع کی ایسی تعریف کی ہے کہ اُس سے ضبط ہو گیا ہے مثلاً مصنف مناظر الاشراف نے کہا ہے کہ ترجیع وہ شعر ہے کہ ایسی بیت کے ساتھ حصّہ کیا جائے کہ اُس کے ہر مصرع میں قافیہ ہو اور حصّہ اُس کا ایسی چند بیتیں ہوتی ہیں جو تمام مطلع ہوتی ہیں اور وزن و قافیہ میں اتحاد رکھتی ہیں اس حصّہ والی بیت کو بند ترجیع کہتے ہیں اور وہ بند غالباً ہر جگہ ایک ہی بیت ہوتی ہے اور کبھی کبھی دو سے غیر ہوتی ہے اور یہ چاہیے کہ بند باعتبار معنی کے ابیات سابق سے مرتبط ہو جس سے مخفی تعبیر جمالی میں لکھا ہے کہ ترجیع کئی قسم ہے اول یہ کہ شاعر پہلے یا سات یا نو یا گیارہ بیتیں جس وزن اور قافیہ اور ردیف میں چاہے کہے اور بعد اُن کے ایک اور بیت لائے کہ اُس قافیہ اور ردیف پر نہوا اور پھر اُسی قدر بیتیں کہ پہلے کی تھیں مگر ایک اور بیت لائے اسی طرح آخر تک انجام کو پہنچائے اُن ابیات کو خانہ اور اُس بیت کو بند کہتے ہیں دوسرے یہ کہ بعد ہر خانے کے ابیات بند ایسے ہوں کہ قافیہ اور ردیف میں اتحاد رکھتی ہوں اگر ابیات بند کو جمع کریں ایک قطعہ ہو جائے تیسرے یہ کہ بند ہر جگہ ایک ہی بیت ہو چوتھی قسم یہ ہے کہ سب خانوں کی ردیف ایک اور قافیہ مختلف ہو یا بالعکس مولوی عبدالحکیم پسر مولوی صہبائی ذوق کے مرثیے میں ایک ترجیع بند لکھا ہے جس کے ہر بند کے ۴۴ شعر ہیں اور اس شعر فارسی کی تکرار ہے۔

حیف در چشم زدن محبت یا را آخر شد
روے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

ترکیب بند و ترجیع بند باختراع جدید

رجحہ گویوں کے ایک صورت نکالی ہے کہ اپنے بندس کو ترکیب بند قرار دیتے ہیں اس طرح کہ اول چار مصرع ایک قافیہ میں کہتے ہیں پھر دو مصرع دوسرے قافیہ میں مکران کو اُن چار مصرعوں کے ساتھ ملحق کر دیتے ہیں اور پہلا بند نام کہتے ہیں پھر چار مصرع دوسرے قافیہ میں مکر دو مصرع دوسرے قافیہ کے اُس سے ملحق کر لے ہیں اسے بند دوم کہتے ہیں اسی طرح اور بند لکھتے ہیں یہ قسم نہ تو ترکیب بند میں داخل ہو سکتی ہے اور نہ مسط کی تعریف اس پر صادق آسکتی ہے کیونکہ ترکیب بند میں پہلا شعر مفعف ہوتا ہے اور باقی اشعار کے مصرع دوم میں قافیہ ہوتا ہے اور اُس بندس میں بند کے دونوں شعر مفعف ہوتے ہیں اور مسط میں ہر بند کا مصرع آخر یا شعر آخر قافیہ میں بند اول کا تابع ہوتا ہے پس ایسا بندس دونوں سے علیحدہ ہے اور کبھی اس میں گرہ کا شعر کرنا یا جب ہر بند کی گرہ کا شعر علیحدہ ہوگا تو وہ ترکیب بند ہے اور جو ایک ہی شعر مکرر آئے گا تو یہ ترجیع بند ہوگا اور اس قسم کے ترکیب بند و ترجیع بند بندس پر منحصر نہیں ہیں اور

سفر وغیرہ صورتیں بھی استعمال ہیں مسدس ترجیع بند کی مثال۔

امیر

ہر روش اور ہی سامان نظر آتے ہیں	جان تازہ گل دسویں سمن پاتے ہیں
جھومتے ہیں جو بھر سر دھو کھاتے ہیں	رقص کرتے ہیں تو طاؤس یہ چلاتے ہیں

تندہ پر شور و سیہ مست ز کسار آمد
مے کشان مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

کرتے ہیں مرغ چین شور گھٹا چھائی ہے	ہر روش ناخنے ہیں مور گھٹا چھائی ہے
نکف برسات کا ہے زور گھٹا چھائی ہے	صحن گھڑ میں گھٹا گھٹا چھائی ہے

تندہ پر شور و سیہ مست ز کسار آمد
مے کشان مژدہ کہ ابر آمد و بسیار آمد

مثال مستس ترکیب بند کی۔

حالی

امیرون کا عالم نہ پوچھو کہ کیا ہے	غیر انکا اور ان کی طینت جدا ہے
مزا دار ہے ان کو جو ناسزا ہے	ردا ہے انھیں سب کو جو ناروا ہے

شریعت ہوئی ہے زکونام ان سے
بہت فخر کرتا ہے 'سلام ان سے

ہر اک بول پر ان کے مجلس خدا ہے	ہر اک بات پر دان درست طور کا ہے
نہ گفتار میں انکی کوئی خطا ہے	نہ کردار ان کا کوئی ناسزا ہے

وہ جو کچھ کہتے ہیں کہ سکے کون ان کو
بنایا نہ بیوان نے فرعون ان کو

کسی قوم کا جب الٹا ہے دستور	تو ہوتے ہیں سخی ان میں پہلے تو نگر
کمال ان میں رہتے ہیں باقی نہ جو ہر	یہ عقل انکی ہادی نہ دین ان کا رہبر

نہ دنیا میں ذات نہ عزت کی بدوا
نہ عقبت میں دوزخ نہ جنت کی بدوا

اور شمن ترجیع بند مولوی سید احمد بریلوی کا جسکی گرد میں اس بیت کی تکرار ہے۔

دل کو مرے تسخیر کیا اک عربی نے | مکی مدنی ہاشمی و مطلبی نے

اور ثمن ترکیب بند میر حسن صاحب ثنوی سحر البیان کا جسکا پہلا شعر یہ ہے۔

نقاب چہرے خورشید جب اٹھاتا ہے | سحر ہر ایک کو ہر کام پر لگاتا ہے

اور ثمن ترکیب بند میر تقی کا جسکے پہلے بند کا پہلا شعر یہ ہے۔

عمر گزری ہو چکا آسودگی کا روزگار | ریخ و محنت کے تین آرام سے ہم ننگ دعا

اور مشعر ترجیع بند شہید کا نعت میں جسکا ایک بند یہ ہے۔

جب چلا چاند مدینے کا سورب خلیل | بچہ گئی ہر درخشان کی فلک پر قندیل

شیر فردوس کی رکھی کسین آدم نے سبیل | کہ اسی راہ سے گزرے گا وہ فرزند جمیل

فرش خلعت کا بچاتے تھے کسی چاہے خلیل | کہیں یوسف تھے کھڑے اور کہیں اسماعیل

روح پر روح لگی گرے براہ تعجیل | جب ہوا نغمہ سرا صور میں یون اسرافیل

مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل جان با وفادایت چو عجب شش تہی

اور مولوی کافی نے ایک ترجیع بند لکھا ہے اُسکے ہر بند کے سولہ سولہ مصرع ہیں گویا ثمن مضاعف

ہے اور اس میں شیخ سعدی کے اس شعر کی تکرار ہے۔

اگر بر سر و چشم من نشینی | نازت بکشم کہ ناز غینی

ترکیب بند کی گرہ کے مصرع جو آخر بند پر واقع ہوئے ہیں خواہ وہ سب متفق القافیہ ہوں خواہ مختلف

القافیہ دونوں امر جائز ہیں پس اگر وہ سب گرہ کے شعر نکال کر جمع کیے جائیں اور سب شعر ایک ہی قافیہ میں

نہوں تو ایک ثنوی جُدا گانہ بن جائے گی بشرطیکہ وہ ترکیب بند مجبور خصوصاً ثنوی میں قصداً کہا گیا ہو ورنہ

ثنوی نہوگی اور ترکیب بند کا وزن ثنوی میں لکھنا لازم ضروری نہیں جس بحر میں چاہیں کہیں اور جن لوگوں

نے یہ کہا ہے کہ وہ گرہ کے اشعار اگر متفق القافیہ ہوں تو علیحدہ جمع کیے سے ایک غزل ہو جائے گی یا انکی

غلطی ہے یہ نہیں خیال کرتے کہ وہ سب مطلع میں غزل کی شکل کمان سے ہوگی۔

بیان مثنوی

نعت میں ثنوی منسوب ہے مشتے کی طرف اور مشتے ایہم مفتوح و سکون ثا سے ثلثہ دالغ مقصورہ سے

دو کے مشتے میں ہے جب یا سے نسبت اُسکے آخر میں لگائی گئی تو الغ مقصورہ واد سے بدل گیا اور اصطلاح

میں ان اشعار کو ثنوی کہتے ہیں جن میں دو مصرع باہم مقفے ہوں شعراے ریختہ میں میر تقی میر اور میر حسن اپنے اپنے

وقت میں مثنوی لکھنے میں کامل گذر گئے ہیں اس فن میں یدِ طوبیٰ رکھتے تھے ہائی شعرا انہی کے پیرو ہیں
مشاعر میں شعرا ربیعہ بن جلیم تو سن خان سوم نے مثنوی کے فن کو بہت چمکایا اور خوب داد بخوری کی
مثنوی کے ویسا ہے میں توجہ و مناجات اور مدح حاکم وقت و تعریف سخن و عشق وغیرہ و سبب تائید و
تصنیف کا ہونا مولانا نظامی گنجوی کی ایجاد ہے پہلے یہ بات ضرور نہ تھی اور مثنوی کے سات وزن مقرر
ہیں انہی میں کہتے ہیں۔ اپنی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ بحر متقارب متضمن مجذوف الآخر یا مقصور الآخر اسکا وزن یہ ہے فعلن فعلن فعلن فعلن
یا فعلن دوبار اس بحر میں کارزار اور محاربات سلاطین وغیرہ لکھتے ہیں جیسے فارسی میں شاہنامہ فردوسی
طوسی اور شاہنامہ قاسم ثنائی اور سکندر نامہ خواجہ نظامی اور نضر نامہ ملا ہاشمی شاعر مولانا جامی اور
ربیعہ میں شاہنامہ مولچند تخلص منشی شاد شاہ نصیر بلوی اور تاریخ بدیع تصنیف منشی میر اللہ تسلیم غنی
شالو نسیم بلوی اور سکندر نامہ اردو معنفہ سید عین الدین احمد شافعی احمدی وزن میں ہے یہ چند شعرا اسکے ہیں

دعوت آراہد شاہ کزدون سریر
پہلے دشمنوں کی طرف بے درنگ
کہ سادون سے بھاؤن ملے جس طرح
اکمین پارسیوں کے نوکستان

ہوا جبکہ تابندہ مہر نیسہ
جوان وہ جو تھے شیر صحر سے جنگ
سے دولون شہزادہ اس طرح
کسی سمت تھے گزنا تشریفستان

منشی لطو طارم ستایان نے اسی وزن میں مہاجر رشت کو نظم کیا ہے۔ نثر و کتاب میں لکھا ہے۔

بہت رمضان جوانی پر ہے
نہ پرستہ بانگ بلبل کارنگ
زور سے سے سر ہنر غنی کی بات

زبان مستم کل فشانی پر ہے
دلخائے ورق تھنہ گل کارنگ
ہمکٹے غنی کی صورت درات

سعدی نے اُس وزن میں بوستان اخلاق و آداب و رخصت میں لکھی ہے۔ لیکن استاد بولفا
نصیر فردوسی نے اس وزن میں تنویری بوسنت زبانا نصیر عشقہ کو بھی موزون کیا ہے یہ شعر اس کا بطور
نمونہ کے لکھا جاتا ہے۔

کہ ہستم خود شہر بد نبال بود

بد نبال شمشیر کے خال بود

اور ربیعہ و یون میں سید غلام حسن صفت میر غلام حسین صاحب نے قصہ متقیہ مثنوی بحر البیان مرتب
ہے مثنوی میر حسن اس وزن میں لکھی ہے جس کا ہندوستان میں شہرہ ہے اور آج تک جواب نہیں ملا
یہ شعر اسی کا ہے۔

جو نصف تنیگے کہیں گے سبھی نہ ایسی ہوئی ہے نہ ہوگی کبھی

اسی طرز پر صغیر علی مردت فرزند کبیر علی بسنحلی نے ایک مثنوی لکھی ہے فن شعر میں اسکے دعوے کا مدار اسی پر ہے اور غلام علی تخلص علی کی مثنوی خستہ تھا جو بنام نہاد جواب مثنوی سحرالبیان کے لکھی گئی ہے اور مثنوی یوسف زریخا مصنفہ شاہ رؤف احمد رانت اور مثنوی اکرام الدین ضیغم بھی اسی وزن میں ہے یہ اسکے شعر ہیں۔

دکھاتی تھی زیور کی اپنے پھین
خناسے ہوا دست و پا کا وہ رنگ
جواہر کے دریا میں بھی غوطہ زن
کر یا قوت دیکھے تو ہو جائے رنگ

پیش لے بہار دانش کو بھی اسی بحر میں نظم کیا ہے یہ شعر اسی کے ہیں۔

طبیعت کو تھا ایک شب اضطراب
دل دسینہ بھی متصل تھا طیان
جگر تفتہ تھا اور آنکھیں پر آب
الم سے تھی ہر اک مژہ خون چکان

(۲) بحر ہرج مسدس مخدوف الآخر یا مقصور الآخر اسکا وزن یہ ہے مفاعیلن مفاعیلن
فحولن یا مفاعیلن دوبار یہ وزن عشق و عاشقی کے ذکر کے ساتھ مختص ہے چنانچہ فارسی میں مثنوی یوسف زریخا مولانا جامی کی اور یوسف زریخاے ناظم ہروی اور مثنوی نیرنگ عشق تصنیف محمد اکرم غنیمت لاہوری اور مثنوی شیرین خسرو خواجہ نظامی اسی وزن میں ہے اور رنجیتہ میں نواب محبت خان فرزند حافظ الملک حافظ رحمت خان کی مثنوی مسسوپو اور مثنوی پربات مصنفہ میرضیا والدین عبرت شاگرد نواب محبت حسان اور میر غلام علی عشرت شاگرد مرزا علی لطف تلید سودا اسی وزن میں ہے تصنیف دو شاعر اس کا مادہ تاریخ ہے اگرچہ یہ مثنوی دلچسپ مرثیہ عاشقان ہے لیکن بہت سی باتیں اس میں بوج و بچر ہیں جس سے اہل علم کو اس پر حرف ہے میان عشرت نے ایک جگہ لکھا ہے۔

نہیں اسکا جو تاج و تخت تابوت
تو یہ تخت روان ہے تخت تابوت

تابوت میں الف زائد غلط ہے صحیح ثبوت ہے لیکن اس جگہ واو زائد ہے۔

عبرت کہتا ہے۔

وہ آہن کو ہے بالخصیص کھینچے
برنگ سنگ متعاطیس کھینچے

ولہ

لیکن جتنے وان خرد و کلان ہیں
لسان عاشقان اہل وفا ہیں

ہاں عبرت کی نظم میں تمثیلیں اچھی واقع ہوئی ہیں اور اسکا کلام بھی عشرت کے کلام سے پرزور ہے مثنوی طلسم شایان بھی اسی وزن میں ہے لیکن اسنے طالع سخن بنج نہیں پیشی سید اسماعیل حسین میر کی مثنوی

سراج المضامین کا بھی یہی وزن ہے یہ اسکا شعر ہے۔

ہوا جسم سے اس کھانیکے قابل

نمک ٹھہرا قسم کھانے کے قابل

سودا کی دو مثنویاں اس وزن میں ہیں ایک مثنوی میں کہتے ہیں۔

تپ دل دے بقدر خواہش دل

کہ تاہر استخوان میرا ہو گلرہیز

الٹی سلسلہ زن کرا تش دل

کراست کردہ عشق آتش انگیز

دیگر

کیا ہے جس نے عشق پیدا

وہی معنی ہے طولی کے سخن کا

مراد دل نام پر اس کے ہے شیدا

وہی ہے آب و رنگ اپنے چمن کا

بعض شعرا نے اس وزن میں سوائے مضامین حقیقہ کے دوسرے حالات بھی لکھے ہیں جنانچہ خوشتر نے مائیں کے داستانوں کو اس وزن میں نظم کیا ہے مگر نور شاعری اور قوت بیانی کے اعتبار سے یہ مثنوی گری ہوئی ہے۔

نہ لائی تاب ہجر گل عنادل

ہوا ہے چمنائے بے رام شکل

یہاں عنادل بے محل ہے عندلیب چاہیے رنگین لے اس وزن میں گھوڑوں کے علان میں ایک رسالہ لکھا ہے جسکے خاتمے کا شعر ہے۔

فسر است نامہ رنگین رکھا نام

فرستامہ جو یہ پہونچا با تم سام

(۱۳) بحر ہزج مسدس اربع مقبوض محذوف الآخر یا مقصور الآخر اسکا وزن یہ ہے
مفعول مفاعیلن فعلن یا مفاعیل دو بار یہ وزن بھی حالات طالب مطلوب کے ساتھ مخصوص ہے فارسی میں
یہی بحر بنون نظامی و نند من فیضی اسی وزن میں ہے اور رخیہ میں دیا شکریہ لکھنوی شاگرد آتش کی مثنوی
گلزار نسیم کا یہی وزن ہے رخیہ میں کوئی مثنوی آج تک ایسی عمدہ اس بحر میں نہ دلی نسیم نے ہر مضمون کو
تشبیہ کے پردے اور استعارے کے بیچ میں ادا کیا ہے اکثر مطالب کو اشاروں اور کنایہ کے رنگ میں
دکھایا ہے باوجود اسکے زبان فصیح اور کلام شستہ اور پاک ہے اختصار بھی اس مثنوی کا ایک خاص صفت
ہے ہر معاملے کو اس قدر مختصر کر کے ادا کیا ہے جس سے زیادہ ہو نہیں سکتا اور ایک شعر درمیان سے
انکال لو تو داستان برہم ہو جاتی ہے یہ اشعار اس کے ہیں۔

نمرہ ہے قلم کا حمد باری

حمد حق و مدحت پیمبر

ہر شاخ میں ہے شکوہ کاری

کرتا ہے یہ دو زبان سے یک سر

پانچ انگلیوں میں یہ وزن زن ہے	یعنی کہ مطیع پنجستن ہے
منشی مظفر علی اسیر کی مثنوی درۃ التاج بھی اسی وزن میں ہے یہ ایک شعر براق کی تعریف میں لکھا ہے	
ستوخی سے نہ تھی کسی جگہ تاب	یانی کی جگہ بیا تھا یہ تاب
مثنوی لیلیٰ بجنون مصنف نواب مرزا تقی خان تبوس کا بھی یہی وزن ہے یہ اشعار اسی کے ہیں۔	
یارب مرے سر میں شور غم رکھ	بے غم مجھے صاحب الم رکھ
ہوتا رہے درد میرے دل میں	بجینی ہو میری آب و گل میں
تڑپوں غم دل کی کاشیوں سے	دون جان ہزار کا و شون سے
ابر غم عشق دل پہ برسے	ریزان رہیں اشک چشم تر سے
جلتا رہے غم سے داغ دل کا	افسردہ نہ ہو چسپ داغ دل کا
یہی وزن مثنوی ترانہ شوق کا ہے طالب علی خان عیشی کی عشقیہ مثنوی کا بھی یہی وزن ہے	
سرایہ سوز و ساز ہے عشق	نیرنگ نیاز دنا ہے عشق
ہے عشق سے دلغ داغ لالہ	ہے عشق اثر طراز لالہ
بے نیش کرے یہ سینہ کا دی	دے نوک مژگ کو خون ترا دی
بے جرم دگنہ بخون بلبل	آلودہ کرے ہے دامن گل
(۴) بحر خفیف مسدس جنون محذوف الآخر یا مقصورا لآخر اس کا وزن یہ ہے	
فاعلاتن مفاعلن فعلن یا فعلنان دوبار اس وزن میں زیادہ تر مواعظ اور حقائق و حکم مذکور ہوتے ہیں جیسے فارسی میں حدیقہ حکیم سنائی غزنوی اور سلسلہ اذہب مولوی جامی کی اور رنجیتہ میں اسی وزن میں حالی نے مثنوی حب وطن لکھی ہے چنانچہ اس میں کہتے ہیں۔	
اے وطن اے مرے بہشت بریں	کیا ہوے تیرے آسمان و زمین
رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا	وہ زمین اور وہ آسمان نہ رہا
تیری دوری ہے مورد آلام	تیرے چھٹنے سے چھٹ گیا آرام
کائے کھاتا ہے باغ بن تیرے	گل ہیں نظر دن میں دل غ بن تیرے
لیکن بعض شعراے رنجیتہ اس وزن میں عشق کا بیان کرتے ہیں جیسے مثنوی دریاے عشق میر تقی کی اور مثنوی سعدیہ انداز حسین تسلیم کی اور بعض شویان مرزا شوق کی اور مثنوی طلسم الفت نسلین کی۔	

قلق

ساقیا دے وہ جام الفت خیر	ہو جو صبا سے خوش عشق انگیز
اس لیے ہوں ایاغ کا مشتاق	اک کلچہ ہے داغ کا مشتاق
ایک دل چاہتا ہے عشق کا داغ	ایک ویرانہ میں ہے گاہ چراغ
عبدالغنی ہی سے برنگ جوان	محو آفت تھا وہ دہشتہ خوبان

(۵) بحر رمل مسدس مخدوف الآخر یا مقصور الآخر اس کا وزن یہ ہے فاعلان فاعلان فاعلن یا فاعلان دو بار اس وزن میں اکثر حقائق و معارف و حکایات علماء اہل تشدد و بند و خصلت و غیرہ بیان کی جاتی ہیں جیسے شہنوی حضرت شیخ فرید الدین عطار موسوم بہ منطق الطیر اور شہنوی شاہ ابو علی قلندر اور شہنوی مولانا سے روم کی اور رسالہ نان و حلو تصنیف خواجہ بہار الدین آملی بھی اسی وزن میں ہے اور رنجیتہ میں شہنوی ایجاد رنگین تصنیف سعادت یار خان رنگین اور شہنوی گھڑا براہیم اسی وزن میں ہے یہ چند اشعار ایجاد رنگین کے ہیں۔

میں جو چند سے دہر میں مہمان رہا	گرچہ دانا تھا دے نادان رہا
میں نے جیتے جی کیے لاکھوں گناہ	جانکر نامہ کیا ایسا سیاہ
سالمہ انسو سے پاؤں گل جیسا	میں جبا دنیا میں پر غافل جیسا
تو کہیں چلنا نہ میرے ہی راہ پر	رکھو دھیان اپنا ذرا اللہ پر

محمد عبد اللہ خان نے شہنوی عابد اسی وزن میں لکھی ہے جسکے دو شعر ہیں۔

دور چشم خلق سے حق سے قریب	تھا کسی سحر میں اک عابد کلین
حاصل اُس کو جب سے تھا من شعور	اہل دنیا سے رہا کرتا تھا دور

کبھی اس وزن میں قصہ عشقیہ اور شوریدہ سروں کی شورش بھی بیان کرتے ہیں چنانچہ ابو رکنی صاحب امام الدین خان نے اس وزن میں ایک مختصر شہنوی موسوم بہ فراق نامہ رنجیتہ میں موزون کی ہے اس کے اشعار ہیں۔

عشق سے ہے زلف کا مصرع دراز	عشق روم حسن کا آئینہ ساز
عشق بازی کا سنا چاہے جو طال	یوچہ انور سے کہ ہے اُس کو کمال
دل کی سوزش سے دہی آگاہ ہے	اُس کو اس آتش کدے میں راہ ہے

اور ایک شہنوی حکیم مومن خان کی بھی اس وزن میں ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

ساقیا اب ناز بیجا کس لیے	چین ابرو بے محابا کس لیے
اے تنک ظرف اس قدر بد خو نو	دل ہوا کھٹا ترش ابرو نہ ہو
سیر کی کئی شنویاں مختلف مضامین میں اس وزن میں ہیں جنکے آغاز کا ایک ایک شعر یہ ہے۔	
تھا گنتے کا بیچ اک درویش پاس	میر
تھا گنتے کا بیچ اک درویش پاس	میر
ایک بلی مونی تھا اُس کا نام	ولہ
معتین جب تھیں تو یہ فن شریف	ولہ
سنیو ابے اہل سخن بعد از سلام	ولہ
سودا لے ایک شخص کی بچہ میں اس وزن میں ایک شنوی لکھی ہے گئے ہیں۔	ولہ
آہ و اوپلا ز دست روزگار	توش خالون میں یہ غم ہے رو بکا
سمان قونی کی بچہ میں بھی ایک شنوی ہے۔	
ساقیا بھرا سئے جادو سے جام	جس کا سحر سامری بھی ہو غلام
(۶) بحر رمل مسدس مجنون محذوف الآخر یا مقصور الآخر اس کا وزن یہ ہے فعلاتن فعلاتن فعلن یا فعلان دوبارہ اس میں حسب قواعد مقررہ عروض فعلاتن کی جگہ فاعلاتن سلم بھی دل میں آتا ہے اس وزن میں بھی بزرگان دین اور ارباب حکمت کا ذکر پسندیدہ ہوتا ہے مولوی غلام امام شہید کی شنوی مرغیتہ موسوم بہ نغمہ عشق اسی بحر میں ہے۔	
ایک عاشق غمی حلیمہ دانی	جس لے گھر نیٹھے یہ دولت پائی
وہ کچھ اس رمز سے آگاہ نہ غمی	اُس کی قسمت میں یہ دولت غمی لکھی
بے اُس شاہ کو لائی گھر میں	نور احمد کو لائی گھر میں
اس وزن میں موسن خان نے قصہ عشقیہ بھی لکھا ہے جسکے چند شعر یہ ہیں۔	
ساقیا زہر پلا دے تجھ کو	شریت مرگ چکھا دے تجھ کو
تلخی یاس عبادت کب تک	حسرت ذوق شہادت کب تک
کیا فدا سودہ الماس نہیں	سم ہلاہل ترے کچھ پاس نہیں
بھر دے اک جام کہ مر جاؤں ابھی	بھول کر آپ میں آؤں نہ کبھی

(۷) بحر سرچ مسدس محذوف الآخر یا مقصور الآخر اسکا وزن یہ ہے مفتعلن مفتعلن
فاعلن یا فاعلان اس وزن میں سوائے عشقہ قصون کے اور سب کچھ حالات زیباہن مخزن الاسرار نظام
مطلع الانوار خسرو اور تحفۃ الاحرار جامی یہ تنون ثنویان فارسی کی اسی وزن میں ہیں اور رنجتہ میں ایک
ثنوی جس میں میلاد شریف حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حال کو موزون کیا ہے مولوی
حفظ اللہ بدیوانی تخلص بہ بندہ نے لکھی ہے جسکے یہ شعر ہیں۔

حمد خدا خائے کی سراج ہے	نام خدا اناے کا سراج ہے
بسمہ مصحف حسن رسم	شاہد مضمون کی ہے ابرو کا خم

غلام امام شہید نے قصہ حضرت بلال کو اس وزن میں لکھا ہے۔ سودا نے لافحی کی تعریف میں ایک ثنوی
اس وزن میں موزون کی ہے۔

ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ تحفہ چیز	سب سے سوا سودا کو لافحی عزیز
----------------------------------	------------------------------

سودا نے حکیم غوث کی ہجو میں ایک ثنوی لکھی ہے۔

صدر کے بازار میں ہے اک دہنگ	انار اہلبا ولبا بت کا ننگ
-----------------------------	---------------------------

المختصر ثنوی انہی ساتوں وزن کے ساتھ مخصوص ہے سوائے دوسرے اوزان میں نہیں لکھی
جاتی اور جو بعض شعرا نے دوسرے اوزان میں ثنویان لکھی ہیں مورد طعن ہوئے ہیں مثلاً فارسی میں
سیرغبات اصفہانی کی ثنوی گل کشتی جسکا یہ شعر ہے۔

آفرین باد بر بندے کہ جوابش گوید	حسیر فی در نظرے در خوش آتش گوید
---------------------------------	---------------------------------

اس وزن میں ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلن روز بہان علیہ الرحمۃ کی ثنوی شیر و شکر اس وزن میں
فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن عین اور رنجتہ میں میر کی ایک ثنوی متقارب اثرم سالم کے وزن پر ہے
جس کا ایک شعر یہ ہے۔

کوئی مردانہ از حیا پرہ	انگھ تھی اس کی پشت پا پر
------------------------	--------------------------

اور اسی وزن کی ایک ثنوی مومن کی ہے جسکا یہ شعر ہے۔

کھو بیوسا قی تم کو سب کو کے	بیٹے ہیں کب سے کھوٹ لو کے
-----------------------------	---------------------------

میر کی ایک ثنوی کا وزن یہ ہے فاعلن فاعلاتن فاعلن فاعلن۔

کئی برس ہمارے کئے تھا ایک خروس	خروس عرش کی اولاد سے دے فسوس
--------------------------------	------------------------------

میر صاحب کی ایک ثنوی کا وزن یہ ہے مفعول فاعلاتن فاعل فاعلن۔

اسے جھوٹ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے | شیوہ یہی سمجھوں گا یہی سب کا طور ہے

ایضاً اولہ

اک جو بحر کو رزق کی وسعت سی ہوئی | اشکی کی حوصلے نے تو رجبت سی ہوئی

محمد حسین آزاد کی مثنوی موسم زمستان کا یہ وزن ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فعلن۔

ہے جوان بیتا اسی شب میں جوانی لڑھا | اور جو بڑھا ہی تو لیتا ہی کہانی کا مزہ

اور آزاد کی مثنوی شب قدر کا یہ وزن ہے مفعول فاعلاتن مفاعیل فاعلن۔

اے رات سنتا ہوں کہ ترے سر پہ تلخ ہی | ہر گور اُسمین ملک جیش کا خراج ہے

یہی وزن مثنوی ابرکرم کا ہے۔

محمد بزمین کے دیکھو تو ہر خاک ڈر رہی | اور گردِ چار سو تہ افلاک اڑ رہی

سوز کی ایک مثنوی کا یہ وزن ہے مفعول فاعلاتن مفاعیل فاعلن آغاز مثنوی کا یہ شعر ہے۔

دعویٰ ہے بڑا ہے سوز کو اپنے کلام کا | جو غور کیجئے تو ہے کوڑی کے کام کا

اگرچہ ان میں سے بعض نظموں کے لاجواب ہوئے ہیں کسی کو کلام نہیں اور حتیٰ یہ ہے کہ بہ سبب عمدگی مضامین اور شوخی ادا کے اس طرف توجہ بھی نہیں کی جاتی ہے لیکن یہ وزن مثنوی کے نہیں۔

بیان قطع

قطعہ کبسا دل دسکون تانی اس کے معنی ٹکڑے کے ہیں حرف اول کے فتح کے ساتھ خطا ہے مگر بعض فصیحے متاخرین نے فتح بھی جائز رکھا ہے۔ اصطلاح شعر میں مراد ہے اُن چند ابیات سے کہ جن میں ایک بیت کا مطالب دوسری بیت سے متعلق ہو یعنی جب تک دوسری بیت نہ معلوم ہو مطلب کھلا اور بیت اول مقفے ہو در بناء قافیہ بیت اول کے مصرع ثانی پر اور دوسری بیتیں قافیہ میں اسی مصرع کی تابع ہوں اب غزل میں بھی قطعہ پائے جاتے ہیں مگر تقدیم کے نزدیک غزل میں قطعہ لکھنا عجیب تھا شعرا نے حد قطعہ کی دو بیت سے یکا یک سو تر شعر تک مقرر کی ہے جو نوٹ قصیدہ مختصر کو قطعہ کہتے ہیں محض نادانی ہے قصیدے میں دو بیت بلکہ زائد مطلع ہو سکتے ہیں اور قطعہ میں مطلع نہیں ہوتا کبھی قطعہ میں کسی دوسرے کے یا اپنے شعر کو فارسی ہو یا ریختہ یا کسی غیر بالمثل کو ضمیں کرتے ہیں۔

ذوق

کہوں کیا ذوق احوال شبِ حشر | کہ بھی اک اک گھڑی سوسو مینے
نہ تھی شبِ ڈال یکھا تھا اک اندھیر | مرے بخت سب کی تیرگی کے

تپ غم شمع سان ہوتی نہ تھی کم
یسی کہتا تھا گھبرا کر فلک سے
کہان میں ادھر کہان یہ شب مگر تھے
سواب ظلمت کے پردے میں کیے ظلم
خوف کس بادہ نوشی کے تھے آج
خواس و ہوش جو مجھ سے قریب تھے
میری سینہ زنی کا شور سن کر
اٹھایا گاہ اور گاہ بٹھٹھا یا
کہا جب دل نے تو کچھ کھا کے سورہ
خٹوٹا جان کا قالب سے رشتہ
بہت دیکھا نہ دکھلایا ذرا بھی
کہا جی نے مجھے یہ بھر کی بات
لگے ہانی چوانے منہ میں انسو
گردن غر کے تھوڑے سے باقی
کہ قسمت سے قریب خانہ میرے
بشارت مجھ کو صبح وصل کی دی
ہوئی ایسی خوشی اللہ اکبر
موزون ہر جسا بردقت بولا
تیرے جو یا میں اس چین میں ہم
تو بڑا مان مست و مضائقہ کیا

اور آتے تھے پسینوں پر پسینے
کہ ادبے مسر ہدا قتر دیکھنے
میری جانب سے تیرے دل میں کہنے
ارے ظالم تری کینہ دری نے
پڑے یہ زہر کے سے گھونٹ پیئے
قریب سے بوسے سب بے قریب
پیشے جاتے تھے ہمایوں کے سینے
بچے بے تاب بی و بے ملافتی نے
بہت الماس کے توڑے ٹپنے
بہت سی جان توڑی جاگنی نے
طلوع صبح سے منہ روشنی نے
یقین ہے نہج تک دیگی نہ جیسے
پڑھی یا سین سرہانے کسی نے
گھر کے تھے میری زندگی نے
اذان مسجد میں دی ہارے کسی نے
اذان کے ساتھ میں و فرخی نے
کہ خوش ہو کر کہا خود یہ خوشی نے
تری آواز کے اور مدینے
سو و ٹھونڈھے ہو گل کو عندلیب و دوست
فکر ہر کس بقدر رحمت دوست

غالب

در بار دار بگ بہم آشنا نہیں
ہے اس سے یہ مراد کہ تم آشنا نہیں

اگر ایک بادشاہ کے سب خانہ زاد ہیں
کانون پہ پاتھر رکھتے ہیں کرتے ہو سلام

اکبر

توصاف کہتے ہیں تیرے رنگ ہی سیلا

قدیر وضع یہ قائم رہوں اگر اکبر

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں جو اعتدال کی کیسے تودہ ادھر نہ ادھر ادھر یہ ضد ہے کہ لٹ بھی چھو نہیں سکتے ادھر ہے دفتر تیر مصلحت ناپاک غرض دو گونہ عذاب ست جان مجنون	خود اپنی قوم مچاتی ہے شور و ادلا زیادہ حد سے بے بائون سب سے بھلا ادھر یہ مدھن ہے کہ ساقی صراحی سے کلا ادھر ہے وحی ولایت کی ٹاک کا تمیلا بلا سے صحبت لیلا و فترت لیلا
---	--

بیان رباعی

بدائع الافکار فی صنائع الاشعار میں مولانا حسین کاشفی فاعظ کے لکھا ہے کہ اسکو رباعی اس سے کہتے ہیں کہ یہ بحر ہزج سے مخصوص ہے اور بحر ہزج عرب کے شعرون میں چار اجزا پر ختم ہوتی ہے پس رباعی کی ہر ایک بیت دو بیت مربع کی طرح ہوگی اور مجموعہ چار بیتیں ہوگا ہزج مربع الاجز سے۔ اہل فارس اسکو دویتی کہتے ہیں اور بعض ترانہ بھی بولتے ہیں کیونکہ فاعظ اس کا ایک ترانہ بچہ تھا چونکہ رباعی چار مصرعون پر تمام ہوتی ہر سلیے شاعر کو چاہیے کہ اُس کے الفاظ میں نہایت کوشش کرے اگر تفسیر مصرع بھی قافیہ رکھتا ہوگا تو اسے مصرع کہیں گے ورنہ خفی بولینگ بفتح خاے محمد و صادمہملہ ابن قیس کہتا ہے کہ جو کہ ارباب موسیقی نے اس وزن میں اچھے اچھے مالک اختراع کیے ہیں اسلیے فارسی میں اسے ترانہ کہتے ہیں۔ اور اوزان اس کے مخصوص ہیں انکے سوا رباعی اور اوزان میں نہیں لکھی جاتی ہیں تفصیل اوزان رباعی کی تو ہیج تمام خبریہ عروض میں مذکور کیا لنگی رباعی میں چار مصرع ہوتے ہیں جن میں سے جو تھا مصرع پہلے اور دوسرے مصرع کے ساتھ قافیہ میں متفق ہوتا ہے اور تیسرے مصرع کے واسطے لازم نہیں کہ اسکا بھی وہی قافیہ ہو جو تھا مصرع نہایت خوبی کے ساتھ ہونا چاہیے جس سے تینوں مصرعون میں جان بڑ جائے مثال اس کی۔

امانت

کر بخند اگر عاقل و فرزانہ ہے نسب کے دانے پہ نظر کرنا دان	دانائی پہ بھولا ہے تو دیوانہ ہے گروں میں گرفتار ہے جو دانہ ہے
---	--

مومن

انفت میں بھی مجھ کو دکھ دیے جلے دم سب سے ہو کہ اب یہ کامین نام نہ لون	مذکور نہ امت کا کیے جاتے ہو یوں بھی تو وہی نام لیے جاتے ہو
--	---

ناسخ

تصویر صنم میں کمرے گلک ازل
بزم عالم غیب کون جانے یہ راز
پنہان ہے نگہ سے یا نگہ کا ہے خلل
کچھ موی سے بڑھے خدایچ ہے یثیل

غالب

کہتے ہیں کہ اب وہ مروجہ آزار نہیں
جو ہاتھ کر ظلم سے اٹھایا ہو گا
عشاق کی پرستش سے کسے عار نہیں
کیونکر مالون کہ اُس میں تلوار نہیں

قدما کو بیشتر اس کا بھی التزام تھا کہ رباعی کے ہر مصرع میں قافیہ رکھتے اب کچھ ضرور نہیں رہا اس
قسم کی رباعی کی مثال یہ ہے۔

غالب

بھیجی ہے جو مجھ کو شاہ جم جاہ نے دال
یہ شاہ پسند دال ہے بے بحث و جدال
ہر لطف و عنایات شہنشاہ پہ دال
ہر دولت و دین و دانش و داد کی دال

ولہ

میں شہ میں صفات ذوالجلالی باہم
ہوں شاد نگیوں اسافل و عالی باہم
آثار جلالی و جمالی باہم
ہے اب کے شب قدر و دوالی باہم

بیان مستزاد

مستزاد اسے کہتے ہیں کہ رباعی کے مصرعون کے ساتھ ایک فقرہ رباعی کے وزن کا ملحق کر دیں
مستقدمین نے غزل کے ساتھ بھی غزل کے وزن کا فقرہ لگا کر مستزاد کیے ہیں اور یہ دو قسم ہوتا ہے۔
مستزاد عارض اور مستزاد الزم مستزاد عارض وہ ہے کہ مضمون شعر کا فقرہ پر منحصر نہ ہو اور مستزاد الزم وہ ہے
کہ معنی اس کے فقرے پر منحصر ہوں قسم اول بہتر ہے بعض کہتے ہیں کہ مستزاد ذرا نامذکور میں اور اکثر کے نزدیک
مستزاد مزید علیہ کا نام ہے اور مستزاد کی کئی صورتیں ہیں یا ایک فقرہ ایک مصرع کے ساتھ ہو یا دو
فقرے یا تین فقرے یا زیادہ ایک شعر کے ساتھ مثال ایک فقرے کی ایک مصرع کے ساتھ غزل میں
اور یہ بہت شائع ہے۔

غزل

میں ہوں عاشق تجھے تم کھائے سے الگ رہیں نہ کہ ہے غم میری غذا
نہ ہے معشوق تجھے غم سے سرد کار نہیں نہ کھائے غم تیری بنا

دل و دین تیرے حوالے کیے کرتے ہی طلب + اور جو کچھ کہا سب

بھر جو بیزار ہے تو مجھ سے بتا اس کا سبب + میری تقصیر ہے کیا

ابھیے خط یکر ڈن لکھ کر تمہیں ہشیاری سے + بڑی دشواری سے

منے بھیجا نہ جواب ایک بھی عیاری نے + یہ بھی قسمت کا لکھا

طلب برسہ پہ کیوں اتنا بڑا مانتے ہو + ہمیں بچا سکتے ہو +

دیکھو ہم میں وہی جاننا ہزار جھمین جانتے ہو + کرتے ہیں جان و نسا

ہے حیات ابدی گر ہو شہادت حاصل + تیرے ہاتھوں قاتل

تیرے آب دم شمشیر کو تیرا بسل + نکمے ہے آب بقا

کیا کمون میں ترے انداز واداکا عمام + ہے ستم ہائے ستم

دیکھ کر ہوش زمین کیا کہ نکل جائے گام + اسے بت ہوش ربا

نہ تو تقدیر سے ہو اور نہ تحریر سے ہو + اور نہ تدبیر سے ہو

ہم تو کہتے ہیں ظفر جو ہو تو تقدیر سے ہو + ہے یہی بات بجا

جرات

غارت گردین و مبت کافر و سرایا + اللہ کی قدرت

محسن مبت کافر و فدا کی کا جھنگرا + ملک دیکھ صورت

باد و ہر نگہ چھپتے غضب نہرا + کھڑا اور قدم ہر قیامت

ہمیں بال یہ بکھرے ہو گھرے یہ دھواں + حار و جون و دھواں

الشا

فرما لے لگے ہنسکے سنو اور تماشا + یہ شکل یہ صورت

ارشاد مرے حق میں بھی کچھ ہو دیکھا آیا + ای پیر طریقت

میں جو کہا ہو نہیں ترا ماشق و شیدا + ای کان ملامت

کبے کا گردن خون کہ نجلے کو جاؤں کیا حکم ہے بھوکا

ایک مصرع کے ساتھ دو فقر و ان کی مثال -

محمد جان شاد

بندر رکھ کام و زبان + کرنہ فریاد و بکا +

ہاغبان دشمن جان + گھونٹ ڈالے گا گلا

غور سے کر تو نظر + گفتگو سخت نہ کر

ٹوٹنے کا ہے گمان + نہ کر ہی بات سنا

لامکان چسپے ہیں ہم + تیرے ہی سر کی قسم

نالہ زن باغ میں ہو بکبل نا شاد نہ بین

ڈر رہی ہے کہ خفا ہو ستم ا بجا د نہ بین

سنگ سمجھا ہے پڑین تیری سمجھو پہ چسپے

دل نازک ہے یہ میرا کوئی نوا د نہ بین

پوچھو اسے خانہ بر انداز نہ کچھ حال ستم

بے گھر ایسا کوئی مرغ چمن آزاد نہیں مصرع شعر ہے اسے شاہ جواہر دین ہو کلام غزل اس طرح کی کہنے پر کر اور نہیں اور ایک شعر کے ساتھ ایک فقرے کی مثال یہ مستزاد میر سید حسین ساکن بارہ کا۔	آشیاں کا ہے نشان نہ نشیمن کا پتا وہ عبارت ہے تمام مستزاد اسکا ہے نام دیکھ تو ہو گا عیان شاہدوں نے ہے کہا
اس رشک سیحانی جدالی میں یہ بہت حال کس طرح ادا ہو سکے اس بُت کا سراپا منسب یاد ہے بسمل ہون تری تیغ نگہ سے اس بُت کی محبت ہے مری خاک میں مخلوط	عاشق کو نہ ہر صبر نہ طاقت ہی بدین بیمار ہو گیا خاموش زبان ہوتی ہر اوصاف دہن میں اسرار ہو گیا خجھر کی طرح پھرتی ہر عاشق کے بہن میں - کمور ہو گیا یہ رشتہ ترک ہو جو عیان میرے بدن میں زنا ہو گیا
کنور حامد علی خان ناشاد نے مستزاد اس طرح کا لکھا ہے کہ ہر شعر مشنوی کی طرح علیحدہ قافیہ رکھتا ہے اور فقرہ زائد کا قافیہ اول سے آخر تک ایک ہی طرح کا ہے وہ یہ ہے۔	
مراد دل دکھتا ہے اور سنسنی سی چپائی ہو دلیر ہوا ہوں بھٹک چلا دم	احواس دہوش غائب ہیں کہ جیسے زہر بھی پی کر
شراب ناب ٹھنڈی اور تہ خانے سے گرائی پلائے جا نہیں تھپہ غم	مزار تب دخت زندہ تھی الایا ہٹا الساقی
نثار جواد مسٹ جاؤ نہ یاد آؤ نہ یاد آؤ ہو تم آپس کے سنج و غم	انغم و کشت تردد با سے اب تو تم چلے جاؤ
مرے پیروں کے تپے کون سے ہیں بچول کیا جانوں بمچھ لیستا ہوں کم سے کم	انہ شاخون ہی کے خوشبودار پھولوں کو میں بھی جانوں
اری او غیر فانی موت بھلو کون کہتا ہے ترے آگے ہے گردن خم	یہ چشمہ زندہ کی کاہد توں سے یوں ہی بہتا ہے
مستزاد کی مثال رباعی میں۔	

مومن

کہ دین میں تمنا قلب یگانہ اپنا تھے بہت سے خفا سب دیر و حرم کی خاک چھوٹی ہوئی کیا خاک کہیں	تھا ہے صنم کو جانا اپنا اللہ ہی غطا دیکھ تو کہیں نہیں ٹھٹھا، سنا، جی بیٹھ گیا
مومن دل سامکان جو برباد دیا، ماندہ حباب	ولہ ان سنگہ لون کردے کیا خاک لیا، جزیرے و نداب

یعنی وہ مکان کہ تھا خدا کا مسکن + کزندرتبان
 بر باد کیا اُسے یہ کیا کام کیا۔ لے خانہ خراب
 مزار فیج السودا نے ایک مربع مستزاد لکھا ہے۔ ۵
 ہے ایک روایت زروایات پُر از غم + ر و اُس کو تو سُن کر
 میدان میں شہ دین کے مارے گئے جس دم + سب خوش و برادر
 تزیب سے لگے کہنے یہ تب سرور عالم + تم سنتی ہو خواہر
 سر پر نہا کوئی مرے مونس دہم دم + غیر از دم خجس
 یہ کہلے ہوا شاہ کا میدان کو آہنگ + رخصت ہو بہن سے
 اور راست کیے اپنے بدن پر سلج جنگ + ہمشکل کفن سے
 اُس آن حرم بیچ قیامت کا ہوا رنگ + فرقت کے عن سے
 اکبار گیا شیون دہما سے پُر از غم + افلاک سے اُدھر
 راغب کر دل صبر پر حق کا ہے یہ مرغوب + گوجی ہے غم اندوز
 اس امر میں بندے کو خموشی ہے بہت خوب + از نالہ جانسوز
 اگر یہ مبادا نہ کہیں حضرت ایوب + محشر کے تمھیں روز
 صابر نہ رہی مرضی ایزد یہ کوئی دم + اولاد ہمیشہ

بیان نثر

فرداے کہتے ہیں کہ ایک بیت بلا قافیہ متضمن مثل وغیرہ مضمون خاص کی لکھیں اور بعضوں کے
 نزدیک دونوں مصرعوں کا قافیہ مختلف ہونا ضرور نہیں اور ابیات غزل وغیرہ پر اطلاق فرد کا نہیں
 ہو سکتا یعنی غزل اور قصیدے کی بیت کو ہر چند واحد ہو فرد نہیں کہیں گے پس فرد خاص ہے اور
 اور بیت عام کیونکہ فرد اسی شعر کو کہنا چاہیے جو نہما ایک شعر ہو پس معلوم ہوا کہ بہار بے خزان کے
 مصنف نے جو یہ لکھا ہے کہ فرد کے واسطے یہ بات ضرور نہیں ہے کہ شاعر جب ایک ہی شعر کے
 نہ اسکو فرد کہیں گے بلکہ غزل یا قصیدہ خواہ قطع یا شتوی وغیرہ کا بھی شعر لکھایا پڑھا جائے تو وہ بھی فرد کہیں
 گے سو انحریر کیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا کہ ہر بیت بے قافیہ وغیرہ پر اطلاق فرد کا رد کرتے تو قسم جدا گانہ کیوں
 قرار پائی۔ دریاے لطافت میں مزار قبیل بھی ایسا ہی کہتے ہیں الحاصل فرد کہنا پیشتر طریق قدما کا تھا۔

نقد

عشق خال بہتان سے ہو گی نجات کیونکہ نکتہ نواز ہے اللہ

ولہ

نہ کھائیں اس شکر ب پر نہ کیونکر نہ رنگ
آج طوطی بوتا ہے اُسکے خط بنز کا

درد

نہیں ہے بے سبب یہ خندہ دندان کا ہرگز
کسی کے تو ہو پیئے پر یعنی دانت رکھتا ہے

مومن

جاننا مومن اُسے دیا غیر کو خطاب
ہم جان پر بھی کھیلے پر نام اور کا ہوا

ولہ

رحم کرنے کا نہیں مومن وہ کافر کیش پھر
فائدہ رونے سے سر جو کھٹ کا صلہ پھر

چھٹا مونی اقسام نظم میں باعتبار مضمون کے۔

مضمون کا کلام سے نظم کی انہی قسمیں ہیں واسوخت۔ برنیہ۔ سلام۔ نوحہ۔ ندبہ۔ شہر آشوب۔

بیان واسوخت

واسوخت بیزاری کو کہتے ہیں اور شاعر دن میں اس نظم کا نام ہے جس میں معشوق سے بیزاری
اور عاشق کے لیے بے پردائی کا مضمون اور دوسرے معشوق سے دل لگانے کی جھیلکا اسکو جلی کٹی
کہتے ہیں لکھیں۔ مثال از نواب یوسف علی خان۔

ناظم

کیا نہیں اور جہان میں صنم سیمین بر
اور بھی سرو گل اما میں تجھ سے بہتر
جس میں ہو کوسے ونا ایسے بھی گل میں اکثر
تلخ دوا یکس میں تو سیکڑن خیر میں میں خمر

درد چاہے بیل کا گل تو میں بہت
اک کمر قمری کی ہو پیدا تو حضور میں بہت

اب وہ گل چہرہ کردن فضل خدا سے پیدا
خار ہوں ماسن یکرنگی طہیت سے جدا
مکے کو چے میں نہ افیاس کی پہونچی ہیں
کوئی گلچین نہو اس باغ میں بندے کے سوا

خوش مزاجی بھی ہو انا نوا دا بھی اُس میں
رنگ لغت کا بھی ہو تو دنا بھی اُس میں

گرمی آتش رخ جب نہر آئے تجھ کو
ناز کی سبب ذہن کی وہ دکھائے تجھ کو
ہیزم خشک کی مانند جلائے تجھ کو
صورت سبب کس داغ لگائے تجھ کو

رشک سے روئے یہ خون دیدہ گریان تیرا
غیرت دامن گل چین ہو گریبان تیرا

بیان مرثیہ

دستور قدیم ہے کہ کسی عزیز و قریب یا دوست خواہ امیر و رئیس کی وفات کا واقعہ اور حزن و ملال کا حال مرثیے میں لکھتے ہیں اور یہ وضع صرف اہل فارس کی نہیں ہے بلکہ عرب میں بھی یہ دستور قدیم سے جاری ہے اور اب اکثر مرثیہ وہی ہے جس میں حضرت امام حسین اور ان کے رفقاء کی شہادت کا حال اور فاقہ کو بلا لکھا جاتا ہے اور مسدس یا ثمن ترجیع بند خواہ ترکب بند کی شکل میں ہوتا ہے مثال اس کی۔

ولگیہ

قاسم لے کہا دل سے کہ اب کیا ہیں راویں
ایسا نہ کوئی نام محمد کا مشاد سے
شپیر کو گھیرے میں سوار اور پیاد سے
مرنے کا یہی وقت ہے ہمت جو خدا سے

دیکھا سوے شپیر جو ہمت کی نظر سے
تلوار نکالنے لگی قاسم کی کر سے

قاسم لے جو کی فوج حسین سب تہ و بالا
حسنیت اُسے کسنا تھا سب عالم بالا
پھر تو کسی خود مرنے وہاں سر نہ نکالا
جو ایک نے آئینہ اُسے پیچھے سے مارا

فرمایا کہ کہہ دے یہ کوئی میرے چچا سے
اک اہل و غالی اُسے مارا ہے دغا سے

جس وقت ہوا فراطاعت سے بہت چچا
دل سے کہا کو تا ہی ہے ہمت بخت بد
اور سینہ پراز زخون سے جون خانہ رہور
پانچون سے نہ تلوار چھٹے تا بہ لب گور

ہمت سے کہا اب نہیں موقع ہے کی کا
پانچون سے کہا وقت ہے ثابت قدمی کا

تیرا کے گرے جب تو یہ غمو کو پکارے
گراؤ تو پورے ہوں سب لہریان ہمارے
کو شر کی طرف جانے میں ہم پیاس کے مارے
جو دم ہے سو آخر ہو وہ قدمو نہ تھارے

جس وقت سنا شور یہ اس غنچہ دہن کا
شپیر کو مطلق نہ رہا ہوش بدن کا

اعضاتن قاسم کے جدا سب نظر آئے	وہ ہاتھ کئے شاہ نے آنکھوں کے لگائے
سیدھا کیا گردن کو یہ میں اس کو سنا ہے	اب کوئی اٹھائے تو تعصین خاک اٹھائے
یہ تھک کے ہو سوے کہ بجا ہوش نہیں ہے	
گردن ہی کہیں ہاتھ کہیں پانوں کہیں ہے	
بیان سلام	
جو مرثیہ غزل یا قصیدے کے طور پر لکھا جائے اسے سلام کہتے ہیں لیکن ایسی نظم کے مطلع میں سلام خواہ مچھرا یا سلامی خواہ بحرئی کا لفظ بھی اکثر استعمال ہے مثال۔	

دلگیر

ای سلامی ہے اثر جذب دل بیتاب میں	شاہ بے کس جلد کیا بیٹی کے آئے خواب میں
غم میں گوہر کے سکینہ روئے روئے مری	تھانہ فرق اشکون میں اور کچھ سوتروں کی آیت میں
زندگی بھر تھا سدا یہ قول سجادِ حرم میں	مرگ سے بدتر ہے جینا وقت احباب میں
شاہ فرماتے تھے ہوں میں دارث شیر خدا	سجدہ آخر گردن گاتخ کی محراب میں
وقت سرکٹنے کے یہ نکلی صدا شاہِ دین	آب کوثر کا مزہ ہے خنجر بے آب میں
تھا جہاز آلِ پنچیر کا خشکی میں یہ حال	جسٹاچ پھنس جاتی ہے کشتی کبھی گرداب میں
گیا رحوں شب کو محرم کی یہ تھا زینب کا قول	رخمی مان جاے کا لاشہ ہے پڑا مہتاب میں
بوئے شبہ پانی پہ زینب کا دینا فاقہ	خمر امہان ہوا ہے آکے قحط آب میں
گری روز قیامت کا ہے کیا دلگیر خوف	گرٹے گی تھکوا جاگہ شاہ کے مرداب میں

بیان نوحہ

جو مرثیہ مستزاد کی وضع پر ہو تو اسکو نوحہ کہتے ہیں۔ مثال

منصور

یا لونے یہ اصغر سے کہا گود کے پاسے + او گیسو دُن ڈالے	یون پڑ گیا تو شمر ستمگار کے پاسے + او گیسو دُن ڈالے
اکبار تو اور رحمت جگر گود میں آؤ گوبٹ یہ چڑھے ہو	معصوم تو ایسے نہ کہیں دیکھے نہ بھالے + او گیسو دُن ڈالے
بچہ ننھے سے ندا بولو تو اسے اصغر نادان دانائی لگی قربان	اس کو کچھ حلی کو کیسے تم کس کے حوالے + او گیسو دُن ڈالے
زور زد کے مڑ پتا ہی یہ بھائی علی اکبر باحالت مضطر	دن تھکوا نگانیر بیان سینے پہ بھالے + او گیسو دُن ڈالے
ظلم نے مرا لوٹ کے سارا لیا زبوں نے سر پہی ہر چادر	مارا ننھے تیر دن کے مرے ناز کے پاسے + او گیسو دُن ڈالے

تو غیرت خود شید ہوا کی ماہ منور + پیارے مرے صغر
 کرتی ہے بیان رورو کے بانو دل رنجور اس طرح سے منصو
 زلفین میں تری چاند سے رخساروں پر ہوا کی گیسوں
 اب تو کہیں دنیا سے خراج کھو اٹھا لے گیوں والے
 مگر واجد علی شاہ نے تو جے غزل کی زمین میں کئے ہیں جیسے۔

اسکینہ کنتی تھی رو کر مرے بے سرمے بھائی	علی اکبر علی اکبر مرے بے سرمے بھائی
شعاع نیر تابان فروغ کوکب رخشان	سمن برشکل بنجیر مرے بے سرمے بھائی
سر سبز نور نیزے بدھڑا ہے اے مہ انور	پڑا ہے خاک پر پیکر مرے بے سرمے بھائی
ہوا سینے کا کیا عالم نہیں باقی ہر تن میں دم	روان سبط بنجیر مرے بے سرمے بھائی
گئے دنیا سے یہ پیارے کون کس سا کہ وہ کچے	خفا میں ساتی کوثر مرے بے سرمے بھائی

بیان نڈبہ

نڈبہ نوعہ دشمن اور ماتم کے معنی میں ہے اصطلاح میں نڈبہ وہ لفظ ہے جو مصرع کے آخر میں آتا ہے اور زمین کے طور پر رونے میں کہا جاتا ہے اور سینہ کو بی کی جاتی ہے جیسے واجد علی شاہ کہتے ہیں۔

حضرت خیر نسا کا جا با حسین حسین حسین

پانی نہ اُسے دشت میں پایا حسین حسین حسین

تیر گئے تلوار میں پڑی ہیں بر پھیان غم کی دل میں گوی ہیں

بھال سردی نیزہ لگا یا حسین حسین حسین

بیان شہر آشوب

شہر آشوب اُسے کہتے ہیں کہ ملک کی بربادی اور دیوانی اور تباہی اور اہل ملک کی مصیبت کا حال لکھا جائے مثال سکی نواب مرزا خان داغ کے شہر آشوب کے بند۔

فلک نے فرد غضب تاک تاک کر ڈالا	تمام پردہ ناموس چاک کر ڈالا
یکایک ایک جہان کو ہلاک کر ڈالا	غرض کہ لاکھ لاکھ اُسے خاک کر ڈالا

جسلی ہیں دھوپ میں شکنیں جو ماہتاب کی تھیں

کچھی ہیں کانٹوں میں جو پتیاں گلاب کی تھیں

زبان جو بد لیں تو صورت بدل نہیں آتی	طین جو خاک بھی نہ بر تو مل نہیں آتی
کسی طرح کسی پہلو سے کل نہیں آتی	پکارنے ہیں اجل کو اجل نہیں آتی

	جو سر کو بھڑوین تو پھر برے سر رکھتے ہیں جو ٹوٹن کا ٹوٹنے کا ٹٹے الگ کھٹکتے ہیں	
پیادہ پاہون روان شمسوار صد فوس دلیل خوار ہون اہل قار صد افسوس	لو کے گھونٹو پین بادہ خوار صد افسوس ہزار حیف دل بے قرار صد افسوس	
	بھٹکے ہیں بارالم سے بنے ہوئے کیسے بگڑ گئے ہیں یکایک بنے ہوئے کیسے	
<p>رام پور کے کتب خانے میں ایک ضخیم مثنوی شہر آشوب نام رکھی ہے اس میں توہم کسی کی چالاکیاں فروپ دھوکہ بازی اور بد اعمالی دکھائی ہے اور اطراف ہندوستان کے اکثر شہروں کی نام و کسیوں کے کرد و نما کا کچا چٹھیا بیان کیا ہے مصنف اس کا ناظم ہے اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ لوہاب یوسف علی خان ناظم والی رامپور ہونگے یہ ایک شعر اسی کا ہے۔</p>		
دیم سنگ سے کبھی نہ بل جائے	برسون نکلی میں رکھ کے پچتاے	
سودا		
جہان آباد تو کب اس تم کے قابل تھا کہ یوں اٹھا دیا گویا کہ نقش باطل تھا	نہ کبھی کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا عجب طرح کا یہ بحر جہان میں ساحل تھا	
کہ جس کی خاک سے یعنی تھی خلق ہوئی اول		
دیا بھی وان نہیں روش تجھے جس کا فائوس گردن دل پر از امید ہوئے مایوس	بڑے ہیں کھنڈروں میں آئینہ خانے فائوس گھردن سے یوں بچا کے نکل گئے ناموس	
ا ملی نہ ڈولی انھیں جو تھے صاحب جو ڈول		
بجیب ناد یوں کا اندون ہے یہ معمول ہے ایک گود میں لڑکا کلاک سا بھول	وہ برقع سر پہ ہے جس کا قدم تلک پر طول ادہ اُنکے حسن طلب کا ہر ایک سے یہ اصول	
کہ خاک پاک کی بیج ہے پیچھے جو مول		
اگر مہ ہوا سمع تو سنتے ہی یہ نام پڑا حشمت طالع سے خارجی سے کام	دیا کچھ اُسے بمقدور کر کے نذر امام دروغ و راست کا لایادہ در میان کلام	
یہ آگے اور چلین کر کے زیر لب لاول		

پہلا جزیرہ علم عروض میں

اور اس میں تچہ شہر دلاویر ہیں۔

پہلا شہر بچرون کی ایجاد کے ذکر میں۔

عقلاے چند قاعدے مقرر کیے ہیں کہ ان سے وزن شعر کی صحت و سقم دریافت ہو جائے اور اس علم کا نام عروض ہے میں کے نقشہ سے موجد اس علم کا خلیل بن احمد بصری ہو جس نے اس علم کو کوہ گادری کی آواز سے استخراج کیا ہے حمزہ بن حسن اصفہانی خلیل کے حق میں کتاب تنبیہ میں لکھتا ہے کہ خلیل نے یہ علم اپنی ایجاد سے نہیں نکالا بلکہ اسے نصیف کی ہے یعنی علم موسیقی اور نغم سے یا اصول علیحدہ کر کے ان پر ایک فن بنا کر کھڑا کر دیا ہے کیونکہ یہ دونوں علم آپس میں قریب و رایت کے نزدیک ہیں اور خلیل کو ان فنون میں بہت مہارت تھی مگر یہ بھی اسی کتاب میں لکھا ہے کہ جب سے اہل اسلام کا شیوع ہوا کسی نے ایسا علم کوئی بھی نہیں نکالا جس کی اصل ملائے عرب لے نہ نکالی ہو سو اسے خلیل مذکور کے کیونکہ اس کی کوئی اصل نہ کسی حکیم کی مقرر کی ہوئی تھی اور نہ کوئی اس کی مثال مقابل کے سابق میں ہو چکی تھی اور وجہ تسمیہ اسلی یہ ہے کہ جب اس نے یہ علم ایجاد کیا تھا تو مکہ معظمہ میں فارو تھا سو تینا دبر کا کہہ معظمہ کے نام سے نام زد کیا کیونکہ عروض ایک نام ہے خانہ کعبہ کا۔ البعم فی معاہیر اشعار البعم میں لکھا ہے کہ عروض اسکو اس لیے کہتے ہیں کہ شعر کو اس پر عرض کرتے ہیں مطلب یہ ہے کہ شعر کو اس سے جا پختے ہیں تاکہ موزون غیر موزون سے علیحدہ ہو جائے اور وہ فعل ہے مفعول کے معنی میں یعنی عروض مروض کے معنی میں ہے بنا عروض کی **فعل** پر ہے جس طرح بنا اوزان لغات عرب کی ان تینوں حروف پر ہے تاکہ تعریف اور گردان اوزان لغوی اور شعری کی ایک طور پر ہو جس طرح اہل لغت کہتے ہیں کہ ضرب فعل کے وزن پر ہے ضارب فاعل کے وزن پر اور مضرب مفعول کے وزن پر عرضی کہتے ہیں لفظ الہی فاعل کے وزن پر ہے اور عود آیا۔ مفاعیلن کے وزن پر اور لفظ کھل ہے سبطا علان کے وزن پر۔

اس کے علاوہ اور کئی وجہ تسمیہ ہیں جنکو رسالہ عروض یعنی وغیرہ میں لکھا ہے مثلاً۔ (۱) عروض طرف اور کنارہ چیز کے معنی میں ہے چونکہ یہ علم بھی بعض علموں سے کنارے پر ہے اس لیے عروض نام رکھا (۲) بعض کہتے ہیں کہ لفظ عروض کی ترکیب میں عین و ما و ضاد ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں چونکہ اس علم سے وزن صحیح اور غیر صحیح میں فرق ظاہر ہوتا ہے اس لیے عروض کہنے لگے (۳) بعض کہتے ہیں

کہ عروض لغت میں راہ کشادہ کے معنی میں ہے اور جس طرح پہاڑ کے رستے میں ہو کر شہر دن اور مقاموں کو جاتے ہیں اسی طرح اس علم کے ذریعے سے شعر موزون اور ناموزون کی طرف پہنچتے ہیں اور اس کے جاننے سے شعر غلط اور صحیح معلوم ہو جاتا ہے (۴) بعض کہتے ہیں کہ عروض بادل کے معنی میں ہے اور جس طرح بادل اور اس سے پیدا ہوئی چیزوں میں نفع زیادہ ہے اسی طرح اس علم میں نفع کثیر ہے (۵) بعض کہتے ہیں کہ شعر کے مصرع دوم کے لفظ آخر کا نام عروض ہے اور اس علم میں اس کا ذکر زیادہ آتا ہے اس لیے یہ بھی عروض کہلاتا ہے۔

مگر وجہ موجود وہی ہے جو البعم میں مذکور ہے القصہ خلیل کے بعد دوسروں نے بھی اسی بنیاس پر اور اس میں زیادتیان کیں چنانچہ اول خلیل بن احمد نے یہ پندرہ بحرین ایجاد کی ہیں جو اہل تہذیب و ادب کامل وافر ہنر و رجز و زمل و سرخ و مضارع و سجع و خلیف و مجتہد و مقتضب و تقارب و بعد اسکے چار بحرین اور نکلیں ایک متدارک اسکو ابو الحسن اخفش نے وضع کیا ہے فرہنگ لغات و حالات نخاعہ ضمیمہ کتاب تلخیص البیان و مسالک البیہ میں جو لکھا ہے کہ بعد خلیل بن احمد عروضی کے اخفش نے بحر مجتہد ایجاد کی یہ بات سراسر غلط اور محض بے بنیاد ہے بلکہ بحر مجتہد بنجر آن پندرہ بحرین کے ہی جنکو خلیل بن احمد نے وضع کیا ہے اخفش نے تو بحر متدارک نکالی ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا دوسری جدید اسکو بزرجمہر نے استخراج کیا ہے اور بعض اس بحر کو غریب بھی کہتے ہیں مولوی صہبانی اور مولوی مفتی سعد اللہ نے بزرجمہر کو وزیر نوشیروان کا لکھا ہے بحر غلط ہے اس لیے کہ غمہ بابرکت حضور پر نور نبوتی میں آخر زمانہ بزرجمہر وزیر کا تھا اور خلیل بن احمد عروضی زمانہ تابعین میں دوسری صدی میں ہوا ہے کہ سنہ ایک تین میں پیدا ہوا اور سنہ ۱۰۰ میں مراور یہ بھی معلوم ہے کہ بحر جدید بعد خلیل بن احمد کے ایجاد ہوئی ہے اسوقت بزرجمہر وزیر نوشیروان کما ان تھا تیسری بحر قریب اسکو مولانا یوسف نیشاپوری نے نکالا ہے اور یہ وہ شخص ہے کہ فارسی میں علم عروض پہلے اسی نے جاری کیا ہے اور یہ شخص خلیل بن احمد عروضی سے دوسو برس کے بعد پیدا ہوا ہے جو حقیقی مشکلی یہ کسی در شخص لے نکالی ہے۔

بحر مذکورہ بالا سے بحر مجدد یعنی جدید قریب اور مشکل اشعار فارسی کے ساتھ مختص ہیں اہل عرب ان میں شعر نہیں کہتے اسی طرح اہل و دیہ و بیط و دافتر کو شعراے عجم نے استعمال نہیں کیا اس لیے کہ وہ وزن نامطبوع و نامرغوب ہیں عربی شعروں کے ساتھ مخصوص ہیں متعدد میں فصحاے عجم نے بحر کامل میں بھی شعر کہے تھے لیکن حضرت امیر خسرو دہلوی جامی نے اس وزن میں شعر کہنا شروع کیا پھر یہ بحر بہت شائع ہو گئی اور بحر مقتضب نہایت کم مستعمل ہے سوائے ان کے باقی بحرین عربی و فارسی و رخیہ میں علی العموم مستعمل ہیں القصہ بحر مذکورہ سے سا

بحرین مفرد ہیں اور بارہ مرکب مفرد انکو کہتے ہیں جن میں ایک ہی رکن کی تکرار ہو اور مرکب دو جو دو مختلف
 کنون کی تکرار سے حاصل ہوں اور وہ سات بحرین مفرد ہیں پتھرچ رجزہ رمل کامل وافر متقارب
 متدارک۔ اور بارہ بحرین مرکب یہ ہیں پتھرچ متقارب متضارع مجتہد طویل متدرج بسیط پتھرچ خفیف
 متدرج قریب متساقل بحر مفرد میں متقارب اور متدارک ثمن الاصل میں یعنی سب اٹھ ارکان سے
 مرکب ہیں و متخرج اور جزا و رمل اور کامل اور قافر سدس الاصل میں لیکن شعراے فارس اور رخیہ کے یہاں
 یہ بھی ثمن مستعمل ہیں اور بحر مرکب میں بعض ثمن ہیں اور بعض سدس اب خواہ ثمن کو سدس مصرع مشقہ وغیرہ استعمال
 کوں خواہ سدس کو ثمن و مصرع وغیرہ لائیں جو بحر ثمن ہو اور وہ سدس لائی جائے اسکو بحر و کہتے ہیں یا سب سے کہ ایک
 ایک بحر مصرع سے کم ہو گیا اور بحر و کے منے کٹے ہوئے کے ہیں پس جس بحر کے مصرع میں چار رکن ہوں اسے باعتبار بیت
 کے ثمن کہتے ہیں اور جس میں تین رکن ہوں اسے باعتبار بیت کے مستدرس۔ اور جس کے مصرع میں دو رکن ہوں
 اسے باعتبار بیت کے مخرج کہتے ہیں۔ عربی کی بحرین مثلث اور مشقہ اور موعده بھی ہوتی ہیں مثلث غلیل
 کے نزدیک در مشقہ اخفش کے نزدیک و موعده سوائے زجلج کے سب کے نزدیک شعر نہیں ہے بلکہ مجمع
 ہیں داخل ہے اور مثلث دو مصرعون پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ وہ تمام ایک بیت ہوتا ہے اور یہ سب غیر غلیل کی
 ہے جس کے نزدیک بیت کی تقسیم دو مصرعون پر واجب نہیں اور غلیل کے نزدیک مجمع میں داخل ہے کیونکہ وہ
 بیت کا اقسام دو مصرعون پر واجب جانتا ہے البتہ مشقہ دو مصرعون پر مشتمل ہوتا ہے مگر فارسی رخیہ میں ثمن
 سدس کے سوا بہت ہی کم رائج ہے بلکہ متاخرین نے دس دس اور سولہ سولہ اور ستر ستر رکن کے اشعار
 کہے ہیں ارکان کا حال آگے ہم مفصل بیان کریں گے انشا اللہ تعالیٰ۔

فائدہ علم عروض ہندوستان میں قبل بنک رخیہ سے رائج ہے اور اس علم کا نام ہندی میں ننگل ہے
 شعراے ہند بڑے نازک خیال گلدے ہیں اب بھی خال خال موجود ہیں زبان ہندی میں اشعار قریب ایک
 بحر میں ہر صنف کے گونا گوں پائے جاتے ہیں بحرین عربی و فارسی و ہندی کی اکثر مختلف ہیں کچھ متفق بھی ہیں جیسا کہ
 بحر متقارب و کفض الخیل یعنی متدارک بحر مسلح عربی و فارسی و ہندی تینوں زبانوں میں مستعمل ہیں متقارب کو ہندی
 میں بھجنگ پریات بضم بے موعده و جمع کہتے ہیں معنی اس کے سانپ کی چال ہیں اور بے آنکے یہاں
 ثمن مستعمل ہے اور کفض الخیل کا نام ترکھنگ ہے کسرہ تائے فوقانیہ سے اور ہندیوں کے یہاں یہ وزن ثمن
 و سدس و ثمن مضاعف مستعمل ہے مضاعف ہونی صورت میں اکثر بسبب خفیف یا ثقیل اول مصرع میں و ایک
 بسبب خفیف آخر مصرع میں لائے ہیں اور در میان میں سٹت فعلن ہوتے ہیں ان میں بھی اکثر متحرک العین ہوا کرتے
 ہیں نہ بھنگ کے لغوی معنی ٹوٹنے والے ہیں اصطلاح میں اس بحر کو کہتے ہیں جن میں تین جگہ بسرام یعنی وقف ہوا اور

اس بحر میں دو دو تک مدنی و دو مصرع مقفے ہوتے ہیں اور تکون کی تعداد مقرر نہیں ہے اور بحر سرج کو ہندی میں چپائی کہتے ہیں اکثر ثنویان اسی بحر نظم کرتے ہیں۔ ہندی کی ایک بحر میں جس کا نام سورٹھ ہے قافیہ مد میان شعر کے آتا ہے اور عجب لطف دیتا ہے ظاہر ایسا قافیہ کسی زبان میں نہیں آتا جیسے اس سورٹھ میں ہے

دوہا آٹا جان اور بات دو جی نہیں
پنکل کرت بکھان چند سورٹھ ہوت ہیں

ان دونوں تکون یعنی مصرعین جان اور بکھان قافیہ ہے اور دوہہ کو آٹا کرنے سے سورٹھ ہو جاتا ہے اسی مضمون کو شاعر نے اس سورٹھ میں ادا کیا ہے چنانچہ سورٹھ نہ کور کے آٹا کرنے سے یہ دوہا ہو جاتا ہے یہ

اور دو جی بات نہیں دوہا آٹا جان
چند سورٹھ ہوت ہیں پنکل کرت بکھان

مولوی غلام علی آزاد بلگرامی نے ہندی کے علم بدیع و تشبیہات وغیرہ کو عربی و فارسی کا چارہ پہنایا ہے انکی کتاب غزلان الهند فارسی زبان میں نے دیکھی ہے صنائع ہندی کے لیے شعراے فارسی کے اشعار تلاش کیے ہیں وہ کہتے ہیں کہ علم بدیع ہندی دمازمنہ سابقہ پیش از زمان اسلام بوجہ آمد۔ صنائع تین طور پر ہیں ایک وہ جو عربی اور ہندی میں مشترک ہیں جیسے اہتمام حسن السلیل۔ تجاہل العارت معراجت۔ استعارہ۔ تشبیہ جناس۔ سجع اور بعض عربی کے مخصوص ہیں جیسے استخدام حسن الخلم۔ یعنی قصیدے میں گریز اور تاریخ بقاعدہ حمل وغیرہ اور بعض ہندی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

دوسرا شہر ارکان افاعیل اور بحرون کی ترکیب اور دائرہ کے بیان میں

اشعار کے وزن کرنے کے لیے چند طرح کے الفاظ مقرر کیے گئے ہیں ان کو ارکان کہتے ہیں اور بحر میں انہی ارکان سے مرکب ہوتی ہیں اور ارکان آٹھ ہیں جن میں سے دو خامسی یعنی پنج حرفی ہیں ایک فعلین۔ دوسرا فاعلسن اور چوتھا سماعی ہیں مفعولین اور مفعولات بنم تا یلاتن اور فاعلاتن اور مستفعلین اور متفاعلسن اور متفاعلتین لیکن عروضی دور کن فاعلاتن اور مستفعلین کو چار قرار دیتے ہیں اور دو قسم کرتے ہیں فاعلاتن اور مستفعلین کو متصل اور فاعلاتن اور مس قطع وزن کو منفصل کہتے ہیں اس حساب سے دس رکن ہوسکتے ہیں یہ فرق اعتباری ہے اور فائدہ اسکا دائرہ شہد منعکسہ

سلطہ بطم میں مسدود کون طو مجول دما سے ہند مفتوح دما سے غلو ط السلفظ ۱۲

میں معلوم ہوگا اور وجہ اتصال و انفصال کی کتابت سے معلوم ہو سکتی ہے فرض کہ ارکان کو اصول اور
 اجزا اور میزان اور تفاعیل اور مفاعیل اور افعال اور اوزان عروض بھی کہتے ہیں اور ان سے
 فقرہ ہائے شعر کو برابر کرتے ہیں اور یہ رکن ان میں جڑوں سے جن کو اصول سترہ گانہ کہتے ہیں مرکب
 ہوا کرتے ہیں سبب و تدبیر فاصلہ سبب کہ دو حرفی کو کہتے ہیں اور اُسکی دو صورتیں
 ہیں اگر حرف اول متحرک اور دوسرا ساکن ہو تو اسکو سبب خفیف کہتے ہیں جیسے اب۔ توجا۔ مص۔ عور۔ لن وغیرہ
 اور اگر دونوں حرف متحرک ہوں تو سبب ثقیل کہتے ہیں اور اس طرح کا لفظ سوا عربی کے اور کسی زبان میں
 پایا نہیں جانا یا کسی لفظ کا جز ہوتا ہے جیسے لفظ ہمہ میں ہائے غنی نہ شمار کیا جائے تو سبب ثقیل رہتا ہے ایسے
 کہ یہ متحرک ہے ہندی میں سبب ثقیل ترکیب حرفی یا لفظی سے حاصل ہو سکتا ہے مثلاً زہا میں زہ کو سبب
 ثقیل اور ہا سبب کو خفیف اعتبار کر سکتے ہیں دندہ دراصل نون حرف نفی اور ہا صیغہ ماضی پر وتد کہ حرفی کو کہتے ہیں اُسکی
 تین صورتیں ہیں اگر دو حرف اول متحرک واقع ہوں اور حرف ثالث ساکن ہو اُسے وتد مجموع یا وتد مقرون کہتے ہیں جیسے دیالیا
 وغیرہ اور اگر حرف اول آخر متحرک اور حرف وسط ساکن ہو تو اُسے وتد مفروق کہتے ہیں جیسے ہا اور بیان اور جان اور غایت اور
 تحت اور درد اور زرد میں حرف ثالث ساکن نہیں اسلئے کہ عرضیوں کی اصطلاح میں حرف ساکن اس حرف کو کہتے ہیں جسکے اقبل حرف
 متحرک ہو پس جب حرف ساکن کا اقبل بھی ساکن ہو اسکو اصطلاح میں ساکن نہیں جانتے بلکہ متحرک حکم میں رکھتے ہیں اور وجہ اُسکی مزا ثقیل نے
 چار ضربت میں اس طرح لکھی ہے کہ عرضی ساکن ایسے حرف کو کہتے ہیں جس سے ابتدا محال متغیر ہو پس جس حرف ساکن کا اقبل بھی ساکن ہو اسکو اصطلاح
 ابتدا کرنا محال نہیں بخلاف ایسے حرف ساکن کے جسکا اقبل متحرک ہو مثلاً سوداع کچھ آگ رہ گئی تھی سو عاشق کا
 دل بناء ظاہر ہے کہ کچھ آگ مفعول بضم لام کے وزن پر ہے اور اگر مفعول مضموم اللام کی جگہ مفعول بسکون لام پر ہو تو
 درست نہوا اسلئے کہ تقطیع میں یہ وزن لام کے ضم سے آتا ہے بلکہ مفعول سکون لام سے رسائل عرض میں آیا ہے
 نہیں ہے اور اگر عرضیوں سے خلاف کیا جائے تو حسرت کے اس مصرع کا کیا حال ہوگا جو اسی وزن میں ہے
 سے نازک دلون کے زخم کو مغم کچھ نہو کہ دال دلون کی مفعول کے لام اور آگ کی کات کے مقابل واقع ہوئی اور
 پس ایسے کات کو ساکن نہ کہنا چاہیے یہی حال ہا اور پاں اور جان اور بخت و تحت اور درد اور زرد وغیرہ کے حرف
 سوم کا ہے غرض کہ عروضی جس حرف کو ساکن قرار دیتے ہیں وہ کبھی تقطیع میں متحرک نہیں ہو سکتا جیسے اب۔ توجا۔ کا۔
 حرف دوم گودہ حرف چود و سرون کے نزدیک ساکن ہے متحرک ہو جاتا ہے پس جو حرف ساکن ایسا ہے کہ اسکا
 اقبل بھی ساکن ہے وہ اس گودہ کے نزدیک متحرک ہے مثلاً سے بدفت اشک اب نکلتے ہے شاہد اشک کا
 کات مفاعیلن کے ہم کے مقابل ہوا ہے پس اگر ساکن ہوتا تو ابتداء رکن کی اس کے ساتھ کس طرح جائز ممکن ہوتی
 اور اگر دراصل متحرک ہوتا تو مصرع ناموزون پڑ جاتا صاحب بصیرت بدریہ بات ردشن ہے

کہ جب واقعہ عرض یہ مصرع مستجاب تو بدقت اس مفہام میں گنہ گار ہے اور جدا کے
 کہ اب نکلے مفہام میں ذہن میں آتا ہے اگر مصرع میں کات کی حرکت پڑنے میں ظاہر ہوا اور سر کی رائے پہلے کی
 طرح ساکن قلمی قرار پائے تو مصرع کا سوزون ہونا متعین ہو جائے فاصلہ بھی دو طرح پر ہے اگر چار حرف کا کلمہ
 ایسا ہو کہ اس میں تین حرف اول متحرک ہوں اور چوتھا ساکن تو اسکو فاصلہ متحرک اور فاصلہ صولت
 کہتے ہیں جیسے عربی میں افعہ تنوین کے ساتھ (یعنی افعہ) اور فارسی میں صفا اور چہم ہندی میں کوئی لفظ
 ایسا دیکھنے میں نہیں آیا البتہ ترکیب کے ساتھ حاصل ہو سکتا ہے جیسے نگیا اور زبا کہ دونوں لفظی کا ہے اور
 گیا اور زبا صیغہ ماضی کا برج کی زبان میں کہنی یعنی مشتوق چوتھی یعنی ہے یا ویجتا ہے ہری یعنی ملحقہ وغیرہ
 کلمات پائے جاتے ہیں اور اگر چار حرف ایسے ہوں جن میں چار حرف متصل متحرک ہوں اور پانچواں ساکن
 اسکو فاصلہ کبریٰ کہتے ہیں اور بعض اسکو فاصلہ ضبط کہتے ہیں ہندی میں اسکی مثال نہیں البتہ عربی
 میں ہے جیسے سکتہ بحالت تنوین دینے تکشج بعض کہتے ہیں کہ چار حرف کا کلمہ سبب ثقیل اور سبب خفیف
 سے بنا ہے اور پانچ حرف کا کلمہ سبب ثقیل اور دو تہ مذکور سے مرکب ہے اور فاصلہ ملحقہ کوئی چیز نہیں
 مدعوئی مہمانی بھی کہتے ہیں کہ یہی حق ہے لیکن جہور نے اس جرد ثبات کا بھی اعتبار کیا ہے چنانچہ رکن متفعلن
 میں بعضوں کے نزدیک دتہ مجموعہ پر فاصلہ منفرست مقدم ہے اور جو لوگ فاصلہ کے قائل نہیں وہ کہتے ہیں کہ
 دتہ مجموعہ کے پہلے ایک سبب ثقیل اور ایک سبب خفیف ہے اور متفعلن میں بھی کہ اسکا عکس ہے وہی
 ترکیب برعکس ہے یعنی فاصلہ یا ایک سبب ثقیل اور ایک سبب خفیف پر دتہ مجموعہ مقدم ہے اور بعضوں
 نے فاصلہ کو مانا ہے لیکن سبب ثقیل کے قائل نہیں مزا ثقیل کی بھی یہی رائے ہے اور حق یہ ہے کہ عروض نجوم میں
 فاصلہ نہیں سبب ثقیل خفیف یا سبب ثقیل دتہ مجموعہ کی ترکیب قرار دی جائے گی اور عروض عرب میں فاصلہ
 مستتر ہے مثلاً اعدن لفظ عربی کو عروضیان عرب فاصلہ منفرستہ یونے اور صفا و عروضیان فارس سبب ثقیل اور
 سبب خفیف سے مرکب بتلائیں گے سنگشن کو عربی و طس و اے فاصلہ کبریٰ کہیں گے اور فارسی و اے
 ایک سبب ثقیل اور ایک دتہ مجموعہ پس سبب اور دتہ عربی و فارسی میں مشترک ہیں اور فاصلہ عربی کے
 ساتھ خصوصیت رکھتا ہے فارسی میں اسکا اعتبار نہیں جلی ہذا القیاس رخیۃ میں بعض فاصلہ کبرے کو
 فاصلہ بعض مجموعہ اور فاصلہ منفرستہ کہ فاصلہ لہاد ہلہ کہتے ہیں اور بعضے دونوں کو بعضاً دمج قرار دیتے
 ہیں قائمہ شاعر کو اس امر کا لحاظ ضرور ہے کہ ایک بیت میں فقط اسباب یا او تادی فواصل ہی ہوں بلکہ
 سبب کا جمع کرنا لازم ہے گو شعراے قدیم نے مصلی سگان میں اسرار فرد کہے ہیں لیکن وہ پسند طبعانہ
 ہنوعے جیسا کہ ۔

گلِ آشفته اُس کے رو کا	سُسل اک زنجری جو کا
------------------------	---------------------

سنبھل اک زنجری جو کا


اس شعر میں سبب خفیف مع ہوسہ ہیں کیونکہ وزن اس کا فعلن فعلن فعلن بکوان عین و دوبار ہے

بہار سنگرام بدایونی

یہ قصور ہی قصور ہی ہے ندے کلائی موڑ موڑ کر
بجلا دو تیرا ساقیا پلا دے خم پنجوڑ کر پلا

بجٹل ہو تیرا ساقیا پلادے خم بخوڑ کر پا

اس شعر میں تمام دتد جمع ہوئے ہیں ایسے کہ اس کے وزن یہ ہے مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن دو بار



مراود خمن اگر چه زمانه رها

آریا یون هی مین دوست یگانہ را

اس شعر میں تمام قاصص جمع ہوئے ہیں اسکا وزن یہ بحر فعلن فعلن فعلن فعلن فعلن۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کان مذکورہ بالا میں سے محوّلین میں دو مجموع ایک سبب خفیف پر مقدم ہے اور
فما علّٰق میں عکس اسکا ہے مفاعیلین میں دو مجموع کے بعد دو سبب خفیف میں مفعولات و ضمّ تا بلاتذریعہ
میں اول دو سبب خفیف میں بھوتہ خرق یا در شفا و عکس۔ میں بعضوں کے نزدیک فاصلاً صغریٰ و در مجموع
مقدم ہے بعضوں کے نزدیک ایک سبب ثقیل و ایک سبب خفیف کے بعد و در مجموع ہے مفاعیلین میں
اسکا عکس ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا مستفعلین متصل ہیں دو سبب خفیف مقدم ہیں ایک و مجموع پر
مس لفع میں منفصل ہیں ایک و مفروق در میان دو سبب خفیف کے ہے۔ اور فاعلاتن متصل ہیں دو مجموع و میان
دو سبب خفیف کے ہے اور فاعلاتن منفصل میں و در مفروق مقدم ہے دو سبب خفیف پر متصل اور منفصل
فرق بسبب کتابت کے، یعنی متفعلن منفصل میں میں لفظ لن سے اور فاعلاتن منفصل میں میں لفظ لاتن سے
جدا لکھا جاتا ہے اس وجہ سے منفصل قرار پائے اور متفعلن اور فاعلاتن متصل میں ملا ہوا ہوا اسلئے یہ متصل
کہلائے بندہ میں اتصال اور انفصال نہیں آتا یہ فرق اعتباری ہے متفعلن منفصل بحر خفیف مجتث
جدید۔ بدیل۔ غیر اور مجموع میں آتا ہے اور فاعلاتن منفصل بحر مضایع) قریب مشاغل۔ صریح قلب اور اصیم
میں واقع ہوتا ہے۔

جب بیان ارکان کا ہو چکا تو ہم بیان پر مجروح نہ کیے اور ان بیان کرتے ہیں دیا اور کہو کہ سات مفرد مجروح
 ہیں سے بجز پنج میں رکن فاعلین کی تکرار ہے اور اسکا وزن یہ ہے مفاعیلین مفاعیلین مفاعیلین دوبارہ
 اور بجز رمل میں رکن فاعلاتن کی تکرار ہے اور اسکا وزن یہ ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبارہ
 اور بجز رجز کا وزن یہ ہے مستعلن مستعلن مستعلن مستعلن دوبارہ اور بجز کامل کا وزن یہ ہے متفاعلین متفاعلین

مفاعیلین متفاعیلین دوبارہ اور بحر وائیں کا یہ وزن ہے مفاعیلین متفاعیلین متفاعیلین متفاعیلین دوبارہ اور بحر متقارب کا یہ وزن ہے فوولن فوولن فوولن فوولن دوبارہ اور بحر متدارک کا یہ وزن ہے فاعیلین فاعیلین فاعیلین فاعیلین دوبارہ اور بحر مرکب ہے بحر منسرح کا یہ وزن ہے متفعیلین متفعولات متفعولات متفعولات متفعولات دوبارہ اور بحر مقضب کا یہ وزن ہے مفعولات متفعیلین متفعولات متفعولات متفعولات متفعولات متفعولات دوبارہ اور بحر منسرح سے نکالا ہے اسیلے کہ بحر منسرح متفعیلین مفعولات متفعولات متفعولات متفعولات متفعولات متفعولات مفعولات متفعولات ہے دونوں میں ارکان ایک ہی ہیں لیکن ترتیب میں فرق ہے بحر مضارع کا یہ وزن ہے مفاعیلین فاع لاتن مفاعیلین فاع لاتن دوبارہ اس بحر میں فاع لاتن منفصل ہے بحر محبت کا یہ وزن ہے مس تفعیلین فاعلاتن مس تفعیلین فاعلاتن دوبارہ اس بحر میں متفعیلین منفصل ہے بحر طویل کا یہ وزن ہے فوولن مفاعیلین فوولن مفاعیلین دوبارہ بحر مدیدہ کا یہ وزن ہے فاعلاتن فاعیلین فاعلاتن فاعلاتن دوبارہ بحر بسیط کا یہ وزن ہے متفعیلین فاعیلین متفعیلین فاعیلین دوبارہ بحر منسرح کا یہ وزن ہے متفعیلین متفعولات متفعولات متفعولات متفعولات متفعولات دوبارہ بحر خفیف کا یہ وزن ہے فاعلاتن مس تفعیلین فاعلاتن دوبارہ اس بحر میں مس تفعیلین منفصل ہے بحر حیدر کا جسکو نذر چہری بھی کہتے ہیں یہ وزن ہے فاعلاتن فاعلاتن مس تفعیلین دوبارہ اس بحر میں مس تفعیلین منفصل ہے بحر قریب کا یہ وزن ہے مفاعیلین مفاعیلین فاع لاتن دوبارہ اس بحر میں فاع لاتن منفصل ہے بحر مشاکل کا یہ وزن ہے فاع لاتن مفاعیلین مفاعیلین دوبارہ اس بحر میں فاع لاتن منفصل ہے۔

فائدہ بحر مستندہ سے تین بحرین اور تین کوانکو عرضیان پاری نے ایجاد کیا ہے وہ یہ ہیں ایک بحر عریض اسکا وزن مفاعیلین فوولن مفاعیلین فوولن دوبارہ ہے صاحب معیار الاشعار کہتے ہیں کہ اسکا نام مقلوب طویل رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عکس طویل ہے دوسری بحر عمیق اسکا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبارہ ہے یہ مقلوب مدیدہ ہے اور عریض کو مستطیل اور عمیق کو متحد بھی کہتے ہیں تیسری بحر مفاعلاتن مفاعلاتن مفاعلاتن مفاعلاتن دوبارہ ہے اسکے رکن سالم میں آٹھ حروف ہیں م ف و ا ع ل ت ان لکراس بحر کا کوئی نام نہیں رکھا گیا ہے اور حقیقت میں یہ وزن رجز ثمن مجنون منزل یا کامل ثمن موقوف منزل ہے اور ابو عبد اللہ قرشی نے بحرین اور دائرہ منعکس سے استخراج کی ہیں لکراہل فن مثل ہر امی سرشی وغیرہ کے نزدیک یہ بحرین مقبول نہیں کیونکہ بحر قدیمہ مشہورہ میں مندرج ہیں غور کیا جاتا ہے تو خائلی نہیں پایا جاتا جیسا کہ حدائق المعجم میں غایۃ العرضین سے نقل کیا ہے۔ اور وہ بحرین ہیں بحر صغیر اس بحر کا وزن مفاعیلین فاع لاتن فاع لاتن دوبارہ ہے اس بحر میں فاع لاتن منفصل ہے بحر کبیر اسکا

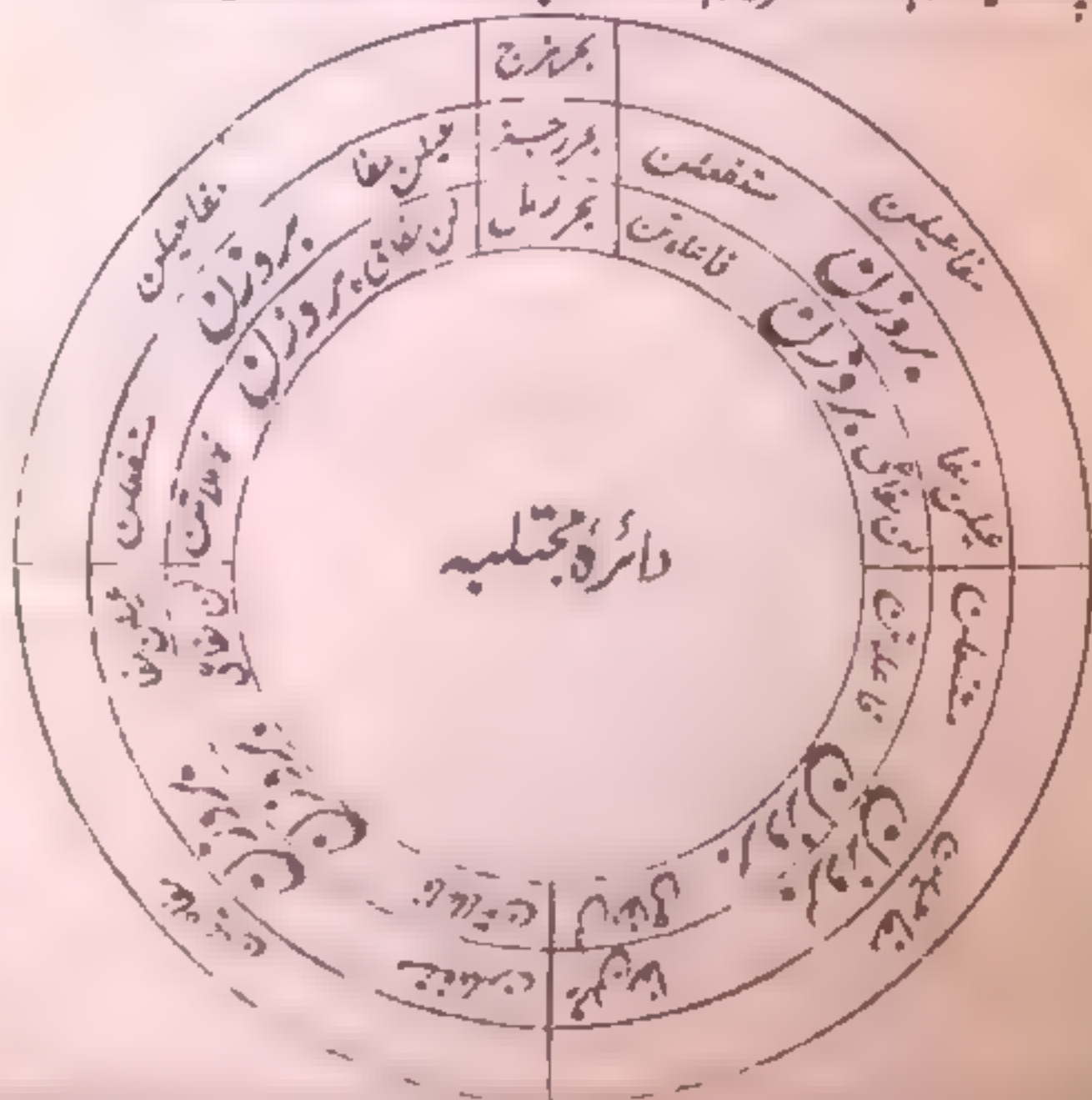
وزن مفعولات مفعولات مستعملین دوبار ہے بجز بدیل اس کا وزن مس تفع لن مس تفع لن فاعلاتن دوبار ہے
اس بحر میں مس تفع لن مفصل ہے بجز قلیب فاع لاتن فاع لاتن فاع لاتن فاع لاتن فاع لاتن مفصل
ہے بجز حمید اس کا وزن مفعولات مستعملین مفعولات دوبار ہے بجز اصیم فاعلاتن مفعولات فاع لاتن
دوبار ہے اس بحر میں فاعلاتن مفصل ہے بجز سلیم مستعملین مفعولات مفعولات دوبار ہے بجز صغیر مس تفع لن
فاعلاتن مس تفع لن دوبار ہے اس بحر میں مس تفع لن مفصل ہے بجز جمیم فاعلاتن مس تفع لن مس تفع لن
دوبار ہے اس بحر میں مس تفع لن مفصل ہے۔

ایک شخص معاصر حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ عاشق صادق نام نے اپنے رسالہ جامع الصنائع میں
دور کن متفاعلاتن اور مفعولاتن ثبت حرفی تازہ اختراع کیے ہیں اور تین بحرین اور ایجاد کی ہیں
لیکن نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو متفاعلاتن اجتماع دو فعلین کہ بحرین کا ہے اور مفعولاتن دو فعلین ساکنین
اجتماع متبادل بحر متدارک بخوان ہے اور دوسری متدارک مقطوع اور وہ تین بحرین ہیں اول اکت
متفاعلاتن متفاعلاتن متفاعلاتن دوبار و ہم زلل متفاعلاتن متفاعلاتن متفاعلاتن دوبار
یہ وزن بحر ثمن مطوی مرفل معلوم ہوتا ہے جسکو بعض رسالہ والوں نے بحر سرج میں ذکر کیا ہے اور یہ انکی
خطی ہے بہر کیف متفاعلاتن کن مستعملین کی فرع ہے چنانچہ آگے چکر معلوم ہوگا سوم او قمر مفعولاتن مفعولاتن
مفعولاتن مفعولاتن دوبار اور صاحب جامع القوائد نے ایک رکن مفعولاتن ایجاد کر کے منون نام رکھا ہے
اور دوسرا متفاعلاتن تائے فوقانی کے فتوح اور عین کے کسے اور تائے فوقانی آخر کے ضے سے ایجاد کر کے اکت
نام اٹھل رکھا ہے مگر مفعولاتن دو فعلین ساکنین کا اجتماع ہے اور متفاعلاتن فعل فعل کے وزن پر
ہے اور یہ دونوں رکن ثمن کی فرع ہیں اول اثرم ہے اور دوم مقبوض ہے۔

علامہ اسکندر لکھی بھٹن ہیں بحسب مفعول فاعلاتن مفعولاتن دوبار مواسع فاعلاتن مفعولاتن
ثمن فاعلاتن مفعولاتن ثمن دوبار مفعولاتن مفعولاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبار مفعولاتن ثمن
خرب مکفوف مخدوف پر فاعلاتن بڑھا دیا ہے (غرض یہ ہے کہ اصول محصور ہیں نہ فروع عینی ارکان فاعلاتن
دست سے زائد نہیں آسکتے اور جو رکن پایا جائیگا وہ انہی کی ترکیب و کمی بیشی وغیرہ سے پیدا ہوگا اور
فروع کی شکلیں اور بجدون کے تغیرات محصور نہیں چنانچہ عرب اور متقدمین شعر کے بحر کے بیان بھی ایسی
شکلیں ارکان کی مشمل میں جو رتبہ میں نہیں دیکھی جاتیں ہیں ہم جس قدر فروع بیان کرینگے وہ وہ میں
جو غالباً موجود ہیں اور ان سے سوا کا بھی حاصل ہونا ممکن ہے۔

وانرون کا بیان

نہی برون میں سے ایک بحر کے سبب ورنہ دناصلے و مقدم اور موخر زمین و اس سے دوسری بحر نکل سکتی ہے اور نکلنا اس طرح کا ہوتا ہے کہ اس وزن کے افلاک ظلال سے ہیں چہ ان اخلاط کی جگہ اصلی ارکان رکھتے ہیں اور اس امر کو قوت بحر کہتے ہیں اور اسکے واسطے دائرے بھی مقرر ہیں یعنی ارکان کو ایک دائرے میں رکھتے ہیں پس مدور جگہ میں رکھنے سے ایک رکن کا جزا خرد دوسرے رکن کے جزا اول کے متصل ہوتا ہے کلف معلوم ہو جاتا ہے اور جو بحر میں باہم سبب و دناصلے کی تقدیر و تاخیر سے نکلتی ہیں ان کو کہتے ہیں کہ ایک دائرے سے ہیں مثلاً رکن مفاعیلین کو کاس میں اول و دناصلے سے پھر دو سبب خفیف ہیں اگر چار بار پڑھیں تو بحر ہرج ہے اور اگر دونوں سبب خفیف و دناصلے سے پھر یک رکن مفاعیلین مفاعیلین چار بار پڑھیں تو بحر وزن مستقلین بحر جز ہو جائے اور دناصلے کو دونوں سببوں کے بیچ میں ڈال دین اور لین مفاعیلین چار بار پڑھیں تو بحر وزن فاعلان بحر مل ہو جائے پس یہ تینوں بحر ان ایک دائرے سے نکل سکتی ہیں اور چونکہ اس دائرے میں ارکان کے سبب اور دناصلے کو ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھتے ہیں اس لیے اس کام کا نام مقالبہ کیا گیا ہے کیونکہ جلب کے معنی کھینچنے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ رکھنے کے ہیں صورت اس دائرے کی یہ ہے۔



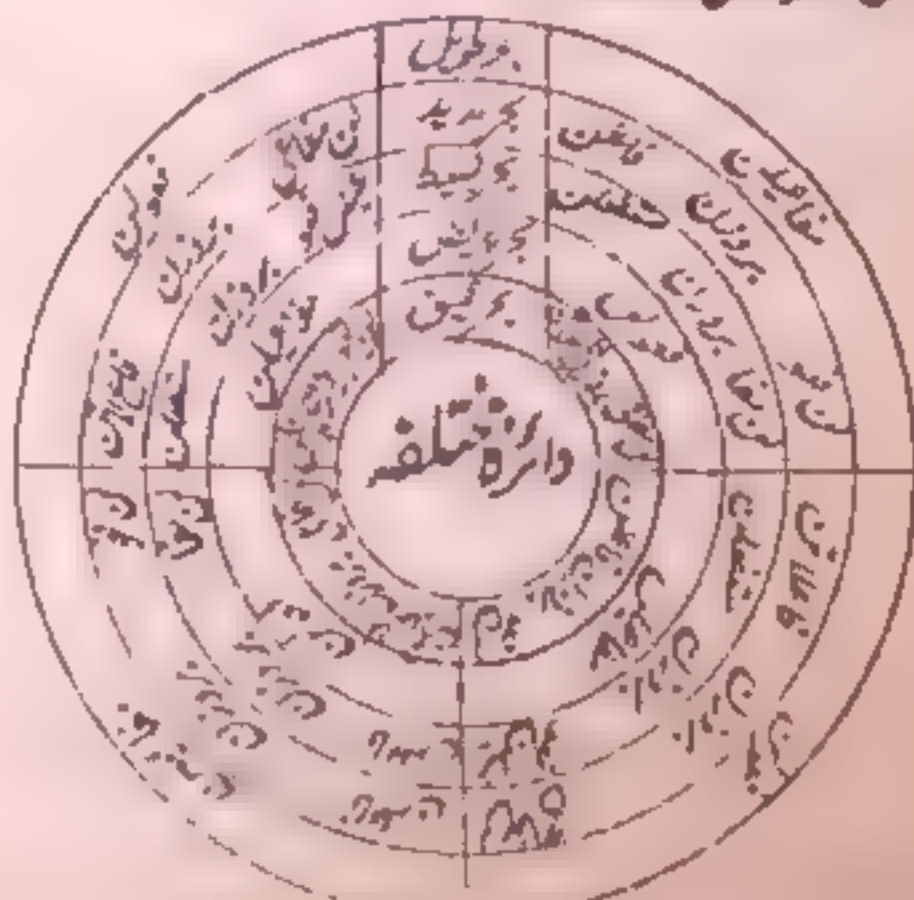
ایسے ہی رکن متفاعلین کو کہ اس میں فاصلہ صغریٰ و تند مجموع پر مقدم ہے اگر چار بار پڑھیں تو اور بحر کامل ہے اگر اس کے برعکس و تند مجموع کو فاصلہ صغریٰ پر مقدم کریں اور چار بار پڑھیں تو علین متفاعلین بر وزن متفاعلین بحر وافر ہے پس یہ دو بحرین بھی ایک ہی دائرے سے نکلتی ہیں اور اس دائرے کا نام موقوف ہے اس لیے کہ الفت سے ماخوذ ہے اور ان دونوں بحرین کے ارکان میں الفت ہے یعنی جیسے بحر طویل کا رکن متفاعلین فاصلہ صغریٰ اور تند مجموع سے مرکب ہے اسی طرح بحر وافر کا رکن متفاعلین و تند مجموع اور فاصلہ صغریٰ سے بنا ہے۔ اس دائرے کی صورت یہ ہے۔



اسی طرح اگر رکن فعلن کو چار بار پڑھیں تو بحر متغایر ہے اور جو سبب خیف یعنی لن کو فلو پر کہ تند مجموع ہے مقدم کر کے لن فلو چار بار پڑھیں تو بحر وافر فاعلین بحر متدارک بنتی ہے اس دائرے کا نام متفقہ ہے ایسے کہ دونوں بحرین کے رکن و تند اور سبب سے مرکب ہونے میں اتفاق رکھتے ہیں صورت دائرے کی ذیل میں لکھی جاتی ہے پہلے اس دائرے سے صرف بحر تغایر حاصل ہوئی تھی اور منفردہ نام تغایر خلیل بن احمد کے جب اخفش نے بحر متدارک ایجاد کی تو اس دائرہ کا نام

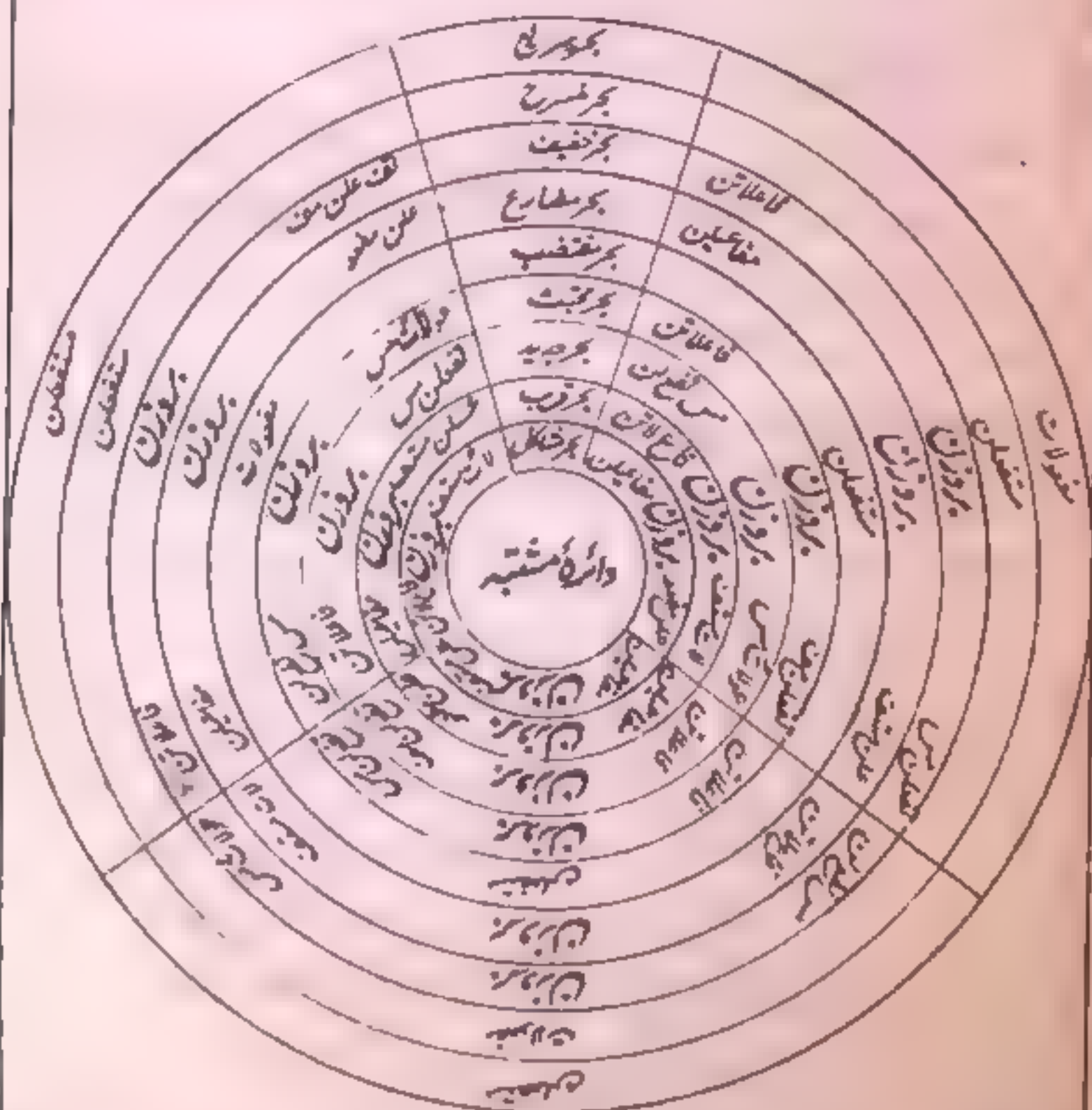


بحر طویل اور بحر مدیدہ اور بسیط بھی ایک دائرے سے ہیں فی بحر طویل مرکب ہے فعلین مفاعیلین سے یہ رکن چار بار آتے ہیں پس اگر فعلین کے سبب خفیف سے شروع کریں ورنہ مجموعہ کو آخر میں ڈال دین تو فعلین مفاعیلین فعل چار بار ہو بروزن فاعلین چار بار یہ بحر مدیدہ ہے اور اگر مفاعیلین کے پہلے سبب خفیف سے شروع کریں اور ورنہ مجموعہ لینے مفاکر آخر میں ذکر کریں تو مفاعیلین مفاعیلین چار بار بروزن سے مفعولین فاعلین چار بار ہو جائے یہ ورنہ بحر بسیط ہے اور بعض عرضیوں نے بحر فیض اور عمیق کو بھی اسی دائرے سے افشاک کیا ہے بحر فیض مفا سے شروع کر کے مفاعیلین فعلین چار بار ہے اور بحر عمیق لین سے شروع ہو کر فعلین مفاعیلین چار بار بروزن فاعلین فاعلات چار بار ہے اس حساب سے پانچ بحرین ایک دائرے سے نکلتی ہیں اور دائرہ کا نام مختلف ہے کیونکہ ارکان باہم مخالف ہیں کوئی ہماسی ہے کوئی سہامی اس دائرے کی صورت یہ ہے۔



بحر سرسج اور محبت اور مضارع اور مقضب اور سرسج اور خفیف بھی ایک دائرے سے جسکو دائرہ مشتبہ کہتے ہیں نکلتی ہیں نگاہ صورت میں کہ بحر سرسج کا چوتھا رکن اور مقضب کا تیسرا رکن مفعولات اور بحر محبت کا تیسرا رکن متفعّل اور بحر مضارع کا چوتھا رکن فاعلاتن نکال کر مثل بحر سرسج اور خفیف کے سدس قرار دے لیا جائے کیونکہ بحرین مشبہ ہیں اور سرسج و خفیف سدس الاصل ہیں مثلاً بحر سرسج کا یہ وزن ہے متفعّلن متفعّلن مفعولات دوبارہ اگر دوسرے متفعّلن سے شروع کریں اور اول کو تیغیے ڈالیں تو متفعّلن مفعولات متفعّلن دوبارہ ہو جائے یہ بحر سرسج سدس ہے اور اگر دوسرے متفعّلن کے سبب خفیف ثانی سے شروع کریں اور ناقسل و آخر میں یمن تو متفعّلن مفعولات متفعّلن مفعولات متفعّلن فاعلاتن متفعّلن فاعلاتن دوبارہ خفیف ہو جائے اور اگر متفعّلن ثانی کے دتہ مجموع سے پڑھیں تو علن مفعولات متفعّلن ہی تفع بر وزن مفاعیلن فاعلاتن مفاعیلن ہو جائے اور یہ بحر مضارع سدس ہے تنبیہ بحر خفیف میں اس تفع لن اور بحر مضارع میں فاع لاتن متفعل ہے ایسے کہ بحر خفیف میں عو کے وزن پر اس اور لات کے وزن پر تفع اور ع کے وزن پر تن ہے یون متفعّلن بنا ہے اور بحر مضارع میں لات کے وزن پر فاع اور ع کے وزن پر لاتن ہے اس طرح فاعلاتن حاصل ہوا ہے اور بحر سرسج کو مفعولات سے شروع کیا جائے تو مفعولات متفعّلن متفعّلن دوبارہ بحر مقضب سدس ہو جائے اور اگر مفعولات کے دوسرے سبب خفیف سے ابتدا کریں تو عوفات متفعّلن متفعّلن مفع دوبارہ بر وزن متفعّلن فاعلاتن فاعلاتن دوبارہ بحر محبت سدس ہو جائے اس میں بھی رکن اس تفع لن منفصل ہے اس میں کہ عو اور لات اور اس کے مقابل میں اور تفع اور لن واقع ہوا ہے بحر جدید اور قریب اور مشکل بھی اسی دائرے سے نکلتی ہیں یعنی اگر بحر سرسج کے متفعّلن اول کے سبب ثانی سے پڑھیں تو متفعّلن متفعّلن مفعولات سدس دوبارہ بر وزن فاعلاتن فاعلاتن مفع لن دوبارہ ہو جائے یہ بحر جدید ہے اس بحر میں اس تفع لن منفصل ہے اس میں کہ عو کے مقابل میں اور لات کے مقابل تفع اور اس کے مقابل میں واقع ہو ہے اور اگر متفعّلن اول کے دتہ مجموع سے شروع کریں اور سہیون کو دوسرے کریں تو علن متفعّلن مفعولات متفع دوبارہ بر وزن مفاعیلن مفاعیلن فاعلاتن بحر قریب ہو جائے اس بحر میں فاع لاتن منفصل ہے کیونکہ لات متفع کے مقابل واقع ہوا ہے اور اگر مفعولات کے دتہ مفروق سے شروع کریں تو لات متفعّلن متفعّلن مفعول دوبارہ بر وزن فاعلاتن مفاعیلن مفاعیلن دوبارہ بحر مشکل ہو جائے اس بحر میں بھی فاع لاتن منفصل ہے کیونکہ فاع مقابل لات کے اور لاتن مقابل متفع کے واقع ہوا ہے اسی سبب سے بعضوں نے اس دائرے کا نام دتہ

لکھا ہے یعنی اس دائرہ مشتبہ میں دو منفرد واقع ہیں اور وجہ اشتباہ بھی اس میں ہی ہے کہ
 مس لقع لن اور قلع لاتن دونوں متصل اور مفصل واقع ہوئے ہیں پس دونوں میں شبہ پڑتا ہے اور
 سہروردی نے کہا ہے کہ بحرین اس کی متنبہ ہیں۔ فائدہ میرشمس الدین فقر حدائق البلاء میں کہتے ہیں
 کہ بحرہید اور بحر قریب اور بحر مشاکل کو کہ متاخرین کی اختراع سے ہیں اساتذہ نے استعمال نہیں کیا
 اور نہ یہ بحر پانچوں دائروں میں سے کسی دائرے سے نکلتی ہیں یہ لکھنا ان کا صحت کے خلاف ہے اسلئے
 کہ یہ قینون بحرین دائرہ مشتبہ سے بموجب تشریح مندرجہ بالا نکلتی ہیں۔ صورت دائرے کی یہ ۵۔



تنبہ ہے ان اہل فرد سے کہ بحر مسدس اور شمن کو ایک دائرے سے انگاک کرنے کے لیے بڑا تفصیل
 گوارا کرتے ہیں اسکی بعینہ نظریہ ہے کہ ایک عضو کی اصلاح کے واسطے دوسرا عضو صحیح اور سالم کا ٹیڑا لاجائے

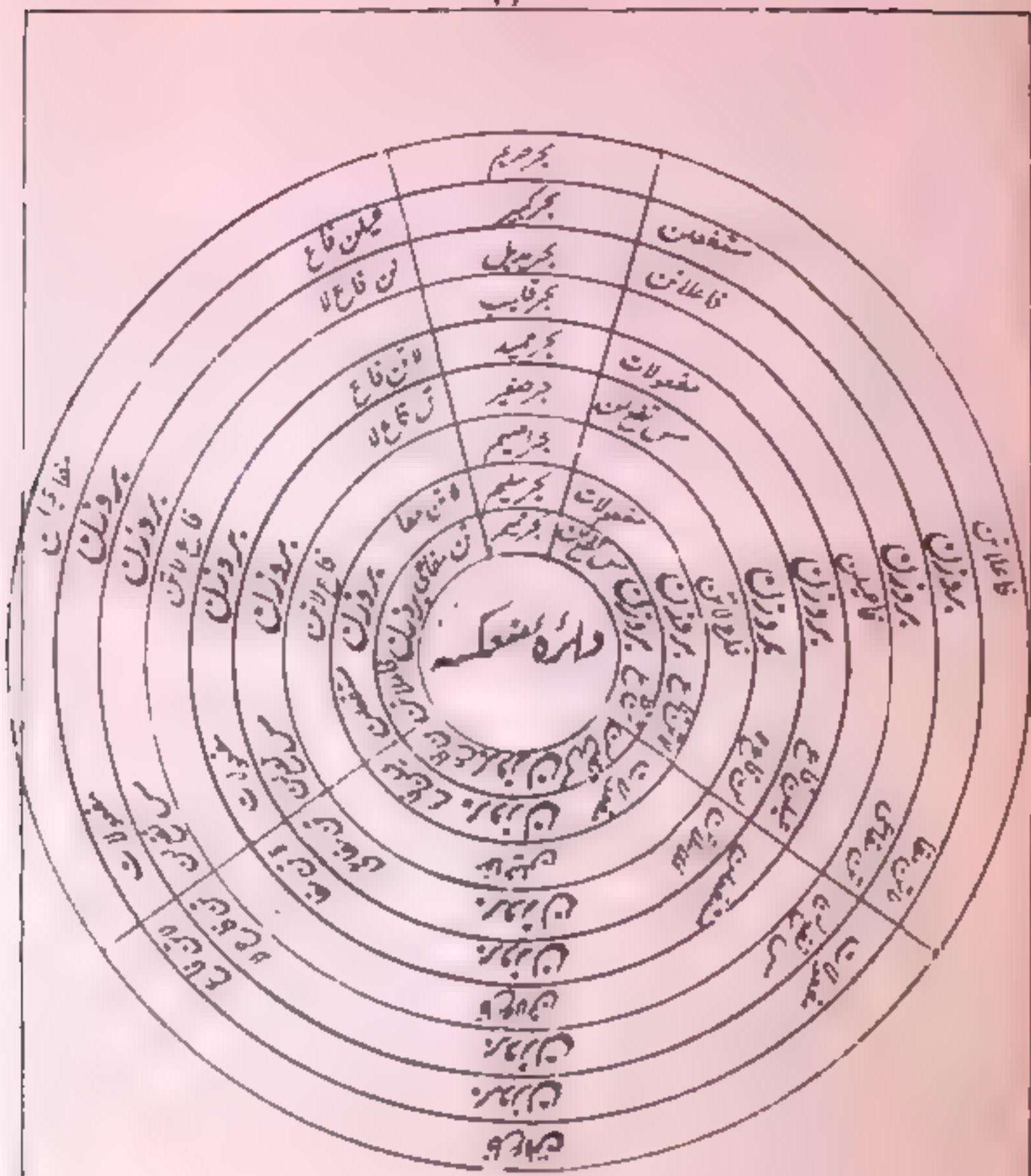
اور بحر بھی کوئی نفع معتد بہ مرتب نہویں نہیں سوچتے کہ جب شمن بحر میں مسدس ہو گئیں باوجودیکہ وہ بیشتر شمن
 ہی متعل ہیں تو ایک دائرے سے نکالنے سے کیا فائدہ حاصل ہوا لطف انفکاک اُس صورت میں ہے کہ
 اصل رکن بحر کے محذوف نمون اور اسکی صورت یہ ہے کہ ثمنات کے واسطے علیحدہ ایک دائرہ تجویز کیا جائے
 اور مسدسات کے واسطے جداگانہ دائرہ قرار دیا جائے۔ اسلئے ہم دو دائرے لکھتے ہیں کہ جن سے بخوبی شمن بحر میں
 باہم جداگانہ منفک ہو سکتی ہیں اور مسدس جداگانہ اور نام بھی ان کے مناسب حال تجویز کرتے ہیں۔

بحر مخرج اور محبت اور مضارع اور مقتضب دائرہ متوافقہ سے نکلتی ہیں مثلاً بحر مخرج کا یہ وزن ہے
 مستفعلن مستفعلن مستفعلن مفعولات دو بار اگر مستفعلن کے وند مجموع سے پیر صین تو وطن مفعولات مستفعلن
 مفعولات مستفعلن ہر وزن متاعیلین فاعلاتن مفاعیلین فاعلاتن ہو جائے اور یہ بحر مضارع ہے اور اس بحر میں
 فاعلاتن منفصل ہے اسواسطے کہ لات کے وزن پر فاع اور مستف کے وزن پر لاتن ہر سطح فاعلاتن حاصل ہو جائے
 اور بحر مخرج کو اگر مفعولات سے شروع کریں تو مفعولات مستفعلن مفعولات مستفعلن بحر مقتضب شمن ہو جائے
 فاعلاتن یہ ہے کہ اس بحر کو بحر مخرج ہی سے نکالا ہے اسلئے کہ بحر مخرج میں مستفعلن سے شروع کر کے مفعولات پر
 تمام کرتے ہیں اور مقتضب میں مفعولات سے شروع کر کے مستفعلن پر تمام کرتے ہیں ان دونوں میں ارکان ایک ہی
 ہیں صرف فرق ترتیب میں ہے اور اگر مفعولات کے دوسرے سبب خیف سے ابتدا کریں تو مفعولات مستفعلن
 مفعولات مستفعلن ہر وزن متاعیلین فاعلاتن مستفعلن فاعلاتن بحر محبت شمن ہو جائے اور اس میں بھی رکن مس نفع لین
 متصل ہے اسلئے کہ عواورات اور مس کے مقابل میں اور نفع اور کن واقع ہے اور نام اس دائرے کا متوافقہ
 اس نظر سے رکھا گیا ہے کہ ارکان اس دائرے کی بیرون کے مباہمی ہونیکے سبب باہم متوافق ہیں۔



بجز سرلیع اور خفیف اور قویہ اور جدید اور شاکل دائرہ متضائقہ سے نکلتی ہیں مثلاً بحر سرلیع کا یہ وزن ہے
مستفعلن مستفعلن مفعولات اور اگر مستفعلن اول کے سبب ثانی سے شروع کریں تو تفعّل مستفعلن مفعولات مس بروزن
فاعلاتن فاعلاتن مستفعلن ہو جائے یہ بحر جدید ہے اس بحر میں مس تفعّل منفصل ہر عولات مس کے مقابل
مستفعلن واقع ہوا ہے اور اگر اسی مستفعلن کے وزن سے شروع کریں اور اسباب کو مؤخر کر دیں تو تفعّل مستفعلن مفعولات
مستف بروزن مفاعیلن مفاعیلن فاعلاتن بحر قریب ہو جائے اس بحر میں فاعلاتن منفصل ہے کیونکہ لات مستف
کے مقابل واقع ہوا ہے اور اگر دوسرے مستفعلن کے سبب خفیف ثانی سے شروع کریں اور ماقبل کو آخرین لائیں
تو تفعّل مفعولات مستفعلن مس بروزن فاعلاتن مس تفعّل فاعلاتن بحر خفیف ہو جائے اس بحر میں مس تفعّل منفصل
ہو جائے کہ عموماً کے وزن پر مس اور لات کے وزن پر تفعّل اور مس کے وزن پر تفعّل ہے یوں مستفعلن بنا ہوا اور اگر مفعولات
کے وزن پر فرق سے شروع کریں تو لات مستفعلن مستفعلن مفعول بروزن فاعلاتن مفاعیلن مفاعیلن بحر شاکل ہو جائے
اس بحر میں فاعلاتن منفصل ہے کیونکہ فاعلاتن مقابل لات کے اور لاتن مقابل مستف کے واقع ہوا ہے اس وزن کا
نام متضائقہ اس اعتبار سے رکھا ہے کہ اسکی سبب بحرین سے اصل ہونیکلی وجہ سے باہم نسبت رکھتی ہیں۔

بھرا کبیر قلیب حمید۔ جمیم وغیرہ جنکو اللہ فرشی نے استخراج کیا ہے وہ دائرہ منکسہ سے نکلتی ہیں اس دائرے کی ہر ایک بھر دو تد مجموع اور چارو تد مفروق پر ختم ہے برعکس دائرہ مشتبہ کے کہ اس کی ہر بھر چارو تد مجموع اور دو تد مفروق کو شامل ہے اسی واسطے نام بھی اسکا منکسہ رکھا ہے صریح قلیب اصیم میں فاع لاتن منفصل ہے اور بدیل۔ صغیر۔ تیمم میں مس تفع لن منفصل واقع ہوا ہے۔ یہ دون بھرا میں دائرہ منکسہ سے اس طرح نکلتی ہیں۔ (۱) بھرا صریح کا وزن یہ ہے مفاعیلین فاعلاتن فاعلاتن اس میں فاع لاتن منفصل ہے (۲) اگر مفاعیلین کے وتد مجموع کو مؤخر کر کے پہلے سبب خفیف سے شروع کریں عیلن فاع لاتن فاع لاتن مفاعیلین مفعولات مفعولات متفعلن ہو جائے یہ بھرا کبیر ہے (۳) اگر مفاعیلین کے دوسرے سبب خفیف سے شروع کریں اور ماقبل کو آخرین لائین تو لن فاع لاتن فاع لاتن مفاعیلین مفعولات متفعلن فاعلاتن بھرا بدیل ہو جائے اس بھرا میں مس تفع لن منفصل واقع ہوا ہے اس لیے کہ فاع کے مقابل تفع پڑا ہے (۴) اگر پہلے فاع لاتن سے شروع کریں اور مفاعیلین کو تیجے کر دیں تو فاعلاتن فاعلاتن مفاعیلین بھرا قلیب ہو جائے اس میں فاع لاتن منفصل ہے (۵) اگر پہلے فاعلاتن کے پہلے سبب خفیف سے شروع کریں اور دو تد مفروق کو آخرین لائین تو لاتن فاع لاتن مفاعیلین فاعلاتن مفعولات متفعلن مفعولات بھرا حمید ہو جائے (۶) اگر پہلے فاع لاتن کے دوسرے سبب خفیف سے شروع کریں اور اول کو آخرین لائین تو تن فاع لاتن مفاعیلین فاعلاتن مفعولات متفعلن بھرا صغیر ہو جائے اس میں مس تفع لن منفصل ہے اس لیے کہ فاع کے مقابل تفع واقع ہوا ہے (۷) اگر دوسرے فاع لاتن سے شروع کریں اور اس کے ماقبل کو مؤخر کر دیں تو فاع لاتن مفاعیلین فاعلاتن ہو جائے اور یہ بھرا اصیم ہے اس میں فاع لاتن منفصل ہے (۸) اگر اسی فاع لاتن کے پہلے سبب خفیف سے شروع کریں اور دو تد مفروق کو تیجے پڑھیں تو لاتن مفاعیلین فاعلاتن فاعلاتن مفعولات متفعلن مفعولات ہو جائے اور یہ بھرا سلیم ہے (۹) اگر دوسرے فاع لاتن کے دوسرے سبب خفیف سے شروع کریں اور پہلے تمام اجزا کو تیجے کر دیں تو تن مفاعیلین فاعلاتن فاعلاتن مفعولات متفعلن مفعولات بھرا حمید ہو جائے اور اس میں مس تفع لن منفصل ہے کیونکہ فاع کے مقابل تفع واقع ہوا ہے۔



تیسرا شہر زحافون کے بیان میں

محقق نہ رہے کہ جو رکن اوپر بیان کیے گئے اور جو بحرین لکھی گئیں ہمیشہ اسی صورت یعنی اصل وضع پر انکا استعمال نہیں ہوتا بلکہ اکثر ارکان کے حروف میں کمی بیشی تسکین و تبدیل وغیرہ کرتے ہیں جس سے ایک بحر سے کئی بحرین اور ایک رکن سے کئی ارکان جنکو فروغ کہتے ہیں پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ تغیر کبھی

کسی حرف کے ساکن کرنے سے کبھی کم کرنے سے کبھی کچھ زیادہ کرنے سے ہوتا ہے اور اس تغیر ارکان کا نام **زحافات** ہے اور زحافات جمع زحفت کی ہے اور زحفت بالفتح کے معنی لغت میں تیر کے نشانے سے بیڑ چلا جانے اور کسی چیز کے اصل سے دور ہو جانے کے ہیں اور بعض کے نزدیک زحافات حرف اول کے کسرے سے لغت میں تیر کے نشانے کے پاس پہنچ جانے کے معنی میں ہے اور اصطلاح علم عروض میں تغیر و تبدیل کو بھی میثی اور ساکن کرنے حروف ارکان کو کہتے ہیں اگر زحافات کو زحفت کی جمع قرار دیا جائے تو یہ جمع مفرد کی جگہ مستقل ہے اور دوسری صورت میں زحافات فقط مفرد ہوگا نہ جمع اور نہایت الراجح سے بھی یہی ثابت ہے اور ارکان کا تغیر ہونا تین طرح پر ہے یا متحرک کو ساکن کر دینا یا بعض حروف کو کم کر دینا یا بعض حروف رکن میں بڑھا دینا متاخرین تمام تغیرات کو زحافات کہتے ہیں اور متقدمین کے نزدیک اس تغیر کا نام زحافات ہے جو حرف آخر سبب خفیف یا ثقیل میں واقع ہو اگر دتہ یا فاعلے یا سبب کے حرف اول میں کسی قسم کا تغیر ہوگا تو **علل** ہے لیکن متقدمین کا قول جمل مشورین علی العموم ہر ایک تغیر کو زحافات ہی کہتے ہیں ہم بھی طریقہ مزدوجہ کو پسند کر کے عام طور پر زحافات سے بحث کرتے ہیں اور بے فائدہ ناظرین کتاب کو خطبان میں نہیں ڈالتے بعض اہل فن نے زحافات و علل کو علیحدہ علیحدہ قرار دیکر دونوں کی تفصیل جدا جدا کی ہے لیکن اپنے ہی قول سے مخالف ہو کر زحافات کو علل میں اور علل کو زحافات میں داخل کر دیا ہے۔ تمامی زحافات دو قسم میں مندرجہ اور مزدوجہ مفرد وہ کہ کسی رکن میں ایک ہی تغیر واقع ہو مثلاً خرم اُسے کہتے ہیں کہ اس مجموعے سے جو رکن کے اول میں واقع ہو پہلا حرف گرا دینا اور کف یہ ہے کہ رکن کے ساتویں حرف ساکن کو ساقط کر دینا مزدوجہ۔ وہ ہر ایک سے زیادہ تغیر ایک رکن میں واقع ہوں اور نام ایک ہو اور تغیرات مزدوجہ میں سے بعض ثنائی کہیں بعض ثلاثی ثنائی وہ کہ دو تغیر سے مرکب ہوں اور ثلاثی وہ کہ تین تغیر سے مرکب ہوں انہیں سے بعض کے لیے لقب خاص اپنی فقط مفرد موضوع ہوتا و مثال ثنائی کی خرب ہے کہ اجتماع خرم و کف کا نام ہے اور مثال ثلاثی کی جم ہے کہ یہ اجتماع کف و عقل و خرم کا نام ہے پس حجم تین تغیرات سے مرکب ہے ایک مزدوجہ کف تیسرے عقل اور بعض کے لیے کوئی لقب خاص مقرر نہیں ہوتا بلکہ ترکیب مفردات کے موافق لگے تعبیر کرتے ہیں جیسے مقبوض مسبق زحافات مفردہ بایس ہیں۔ افالہ۔ اخمار۔ ترفیل۔ تسبیح۔ تشحیث۔ ظلم۔ جب۔ جرع۔ حذف۔ حذف۔ ختم۔ خرم۔ رفع۔ صلح۔ طع۔ عصب۔ عصب۔ قبض۔ قصر۔ قطع۔ کف۔

۱۲ دریا کے لطافت ۱۲

۱۳ غیاث العفات ۱۳

۱۴ علت کی جمع ہے ۱۴

وقت اور زحاف مزدوجہ کیس ہیں۔ تہر۔ ثرم۔ جحف۔ جم۔ خبل۔ خرب۔ خزل۔ فلع۔ رجع۔ زلل۔ بشر۔
 شکل۔ عقص۔ عقل۔ قضم۔ قطف۔ کسف۔ بخر۔ نقص۔ ونقص۔ تہم۔
 ان میں سے بعض مخصوص کسی ایک بحر سے ہیں بعض مشترک ہیں چند بحرون میں اور بعض عروض عربی سے
 سے مخصوص ہیں اور بعض عروض فارسی کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں بعض مشترک ہیں دونوں میں اس کتاب
 میں انھیں زحاف کا ذکر ہوگا جو رخیۃ میں مستعمل ہیں اور رخیۃ میں زیادہ وہی زحاف مستعمل ہیں جو شعراے فارس کے
 استعمال میں ہیں کیونکہ اردو کی شاعری میں کافیضان ہے مگر تکمیل فن کی غرض سے بعض وہ زحاف بھی
 کہیں کہیں ذکر کیے جائیں گے جو رخیۃ میں مستعمل نہیں ہوئے زحافات کے بعد جو فروع حاصل ہوئی ہیں ان کی
 دو قسمیں ہیں ایک مؤلف ایک غیر مؤلف مؤلف اس فرع کو کہتے ہیں جسکی تعبیر دو کلموں سے ہوتی ہو جیسے
 مقبوض مسبق اور غیر مؤلف۔ وہ ہے کہ اسکی تعبیر دو کلموں سے نہو اگرچہ اسکا صدق دو تخریر سے مرکب ہو
 مگر لفظ میں مفرد ہو جیسے اخرج کہ عبارت ہے اخزم دکنوف سے یہ بیان مجمل زحاف کا تھا اب مفصل بقیمہ
 ارکان کے لکھا جاتا ہے اور تفصیل ارکان کی ہم پہلے اس سے بیان کر چکے ہیں اور سب رکن باعتبار ترکیب
 تخریر کے دس قرار دیے ہیں۔

زحافات مفاعیلین

رکن مفاعیلین کے بارہ زحاف ہیں خضم۔ کف۔ قصر۔ نبض۔ شتر۔ حذف۔ خرب۔ ہتم۔ زلل۔
 جب۔ نہر۔ تبسبغ۔

خرم۔ بفتح خاء معجمہ سکون رائے مہملہ لغت میں اسکے معنی اونٹ کے نتھنے میں حلقہ ڈانے کے ہیں اور
 اصطلاح میں مراد ہے اسقاط حرف اول و نہ مجموع سے جو رکن کے اول میں واقع ہو پس مفاعیلین سے فاعیلین
 رہتا ہے اسکی جگہ مفعولین رکھ دیتے ہیں کیونکہ اہل عروض کا قاعدہ ہے کہ جو رکن مزاحف بے معنی یا غیر مانوس
 رہ جاتا ہے اسکو لفظ مانوس متفق الوزن سے بدل لیا کرتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہوتا ہے اس رعایت کو ملحوظ
 رکھتے ہیں اور جہاں ممکن نہیں ہوتا چار لفظ مہمل کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جیسے فرج۔

کف۔ بفتح کاف و تشدید فاء اسکے نوی منی باز رکھنا ہیں اور اصطلاح علم عروض میں رکن کے ساتویں حرف
 ساکن کے گرائے کو کہتے ہیں پس مفاعیلین سے مفاعیل بضم لام رہ جاتا ہے۔

قصر۔ بفتح قاف سکون صاد مہملہ در کھلا اسکے نوی حتی چھٹا کرنا ہیں اور اصطلاح میں مراد ہے اسقاط کنا حرف
 ساکن سبب خفیف کا جو آخر رکن میں واقع ہوا ہو اور ساکن کرنا اسکے ماقبل کا پس مفاعیلین سے لن سبب
 خفیف کا ساکن گڑبلا اور لام ساکن ہو گیا مفاعیل رہا قائمہ ہر چند کہ مفاعیل کا لام عروضیوں کے نزدیک

متحرک ہے اسلئے کہ وہ حروف موقوف کا اعتبار نہیں کرتے یعنی جس حرف کا ماقبل ساکن ہو اسکو متحرک مانتے ہیں مگر چونکہ قصر مصرع کے آخرین واقع ہوتا ہے اور حرف آخرین سکون کو پایا جاتا ہے اسلئے حرف مذکور کو ضرورۃً ساکن مان لیتے ہیں میزان الانکار میں لکھا ہے کہ مفاعیل بسکون لام کی جگہ فعولان بہتر ہے تاکہ مفاعیل مکفوف کے ساتھ کتابت میں التباس پیدا نہ ہو۔

قبض بفتح قاف و سکون باء موحده و سکون ضاد تہجہ اسکے لغوی معنی تنجے سے پکڑ لینا ہیں اور اصطلاح میں عبارت ہے اس سے کہ رکن کے پانچویں حرف ساکن کو جو سبب میں ہو گرا دینا پس مفاعیلین کا پانچواں حرف ساکن یا بے تختانی ہے اسکو گرانے سے مفاعیلن رہ جاتا ہے۔

شتم بفتح شین مجروح ثنات فوقانی و سکون راء مہملت میں اسکے منی ہلکے کے بھر جانے اور کٹ جانے ہیں اور عروضیوں کی اصطلاح میں عبارت ہے اجتماع خرم و قبض سے پس اسبب خرم کے حسب مندرجہ بالا مفاعیلین سے میم گرا اور بسبب قبض کے یا بے تختانی کہ حرف یچم ہے ساقط ہوئی تو فاعیلن رہ گیا۔

خذف بفتح حاء خطی و سکون ذال مجروحنا اسکے منی ٹال دینا ہیں اور اصطلاح میں مراد ہے اسقاط بسبب خفیف سے جو رکن کے آخرین ہو پس مفاعیلین سے لن کہ آخر کا سبب خفیف ہے گرا دینا مفاعی رہا اسکو اسکے ہموان فعولن سے بدل لیا۔

خریب بفتح قاف جمعہ و سکون راء مہمل و باء موحده اسکے معنی دیوان کرنا ہیں اور اصطلاح عروض میں مراد ہے اجتماع خرم و کف سے پس میم مفاعیلین کا بسبب خرم کے اور نون بسبب کف کے گرا دیا تو فاعیلن رہ گیا اسکو مقبول سے بدل لیا۔

شتم بفتح ہاء ہوز و سکون تاء فوقانی و میم اسکے منی جڑ سے دانت توڑنا ہیں اور بیان مراد ہے اجمال خذف و قصر سے پس مفاعیلین سے لن بسبب خذف کے گرا دیا یا بے تختانی بسبب قعر کے گرا کر عین ساکن ہو گیا تو مفاع رہا اسکو فعول لام ساکن سے بدل لیا یہ زحاف مصرعہ کے آخرین آتا ہے۔

جست جیم مفتوح اور باء موحده کی تشدید سے اسکے لغوی معنی خسی کرنا ہیں اور اصطلاح میں دو سبب خفیف جا آخر رکن میں ہوں اُنکے حذف کرنے کو کہتے ہیں پس مفاعیلین سے می اور لن دو سبب گرا رہا گیا اسکی جگہ فعل رکھ دیا لام ساکن سے یہ زحاف بھی مصرع کے آخرین آتا ہے اور بعض جب کی تعریف یوں کرتے ہیں کہ رکن مفاعیلین میں دو مرتبہ خذف کو عمل میں لانا جب ایک مرتبہ مفاعیلین کے آخر سے سبب خفیف ساقط کیا تو خاعی رہا اور دوسری مرتبہ سبب خفیف کے حذف کرنے سے مفاعہ گیا جسکو فعل سے بدل لیا پہلی صورت میں زحافات مفرہ سے ہوگا اور دوسری تقدیر پر زحافات مزدہ میں ہے۔

زَلَّیْل - یفتح مائے بحیرہ لام اول و سکون لام دوم اسکے اخوی معنی ران کا بے گوشت ہونا ہیں در اصطلاح
 میں اجتماع خرم و خرم کو کہتے ہیں پس مخاعیلین سے بسبب خرم کے فاعیلین اور بسبب خرم کے فاعل باقی رہ گیا۔
 تَبْرَیْل - یفتح مائے موحده و سکون تاء فو قانی و راء مملکت میں دم کاٹنے اور چڑھے اٹھانے کو کہتے ہیں
 اور اصطلاح میں مراد اجتماع خرم و جب سے پہلے خرم بسبب خرم کے اور دونوں سبب بسبب جب کے حذف ہوئے
 فاعیلین سے فاعل باقی رہا اسکو فتح سے بدل لیا۔

تَبْرَیْل - یفتح مائے فو قانی و سکون سین مملکت کسر مائے موحده و یاء تختانی حروف اور سکون غین بحیرہ سے
 لغت میں اسکے معنی تمام کرتا ہیں اور اصطلاح میں مراد ہے اس سے کہ ایک سبب نسبت کے بیچ میں جو اکثر کن
 واقع ہوا ہو الف زیادہ کرنا پس مخاعیلین سے مخاعیلین کا کیا اور توجیہ اخوی کی اور لغت کے بموجب مخاعیلین
 کے آخرین ایک لون ساکن اضافہ ہو کر تَبْرَیْل و تَبْرَیْل ساکن کا نہ بنا اور وہ مخاعیلین سے بدل گیا یہ زحان آخرین
 اپنے اصلی رکن مخاعیلین کے ہونے لگتا ہے اسی طرح مخاعیلین اور لغتوں ہوزن ثمار کے جاتے ہیں اور فاعل
 فعل باہم اور فاعل دفع آپس میں ایک وزن میں خیال کیا جاتا ہے کہ تَبْرَیْل خرم و مفعول میں واقع ہوں وسط کا
 میں بی ویشی درست نہیں پس یہ بارہ زحان مخاعیلین کے ہونے اور فاعل علی اٹھا رہا ہے یعنی رکن مخاعیلین
 اصل ہے اور یہ واقع ہونے زحان کے اٹھا رہا ہے اسکی ہو جاتی ہیں مفعول اخرم سے مخاعیلین
 نام مضموم سے کفوف ہے مخاعیلین سالم ساکن سے تصور ہے مخاعیلین تَبْرَیْل فاعلین اشتہار
 مفعول المائے ضم سے اعراب ہے فاعلین مفعولین ہے فاعلین سالم ساکن سے اہم ہے فعل
 میں و سکون لام محبوب ہے فاعل اعراب ہے۔ فاعلین مفعولین ہے مخاعیلین مفعولین ہے
 یہ مفعول مفعولین کے جمع ہونے سے بنی ہے اس طرح کہ مخاعیلین نہیں کی وجہ سے مفعولین ہو اور جب
 مخاعیلین میں تہذیب کی وجہ سے ایک الف زیادہ کیا گیا تو مخاعیلین ہو گیا یہ مفعولین کو مفعولین سے کہتے ہیں
 مفعولین اعراب مفعولین ہے یہ فرع خرم اور تہذیب کے جمع ہونے سے بنی ہے خرم کی وجہ سے مخاعیلین فاعیلین
 ہوا اسکو فاعلین سے بدل لیا اور تہذیب کی وجہ سے اس میں ایک الف زیادہ کر کے مفعولین کر لیا فاعلین
 اشتہار ہے اس لیے کہ مخاعیلین اشتہار کی وجہ سے فاعلین ہوا اور تہذیب کی وجہ سے فاعلین فاعلین ہو گیا ہے۔
 فاعلین مفعولین سے حذف ہے حذف کی وجہ سے مخاعیلین مفعولین ہوا اسکو فاعلین سے بدل لیا اور تہذیب
 فاعلین مفعولین بن گیا غیاث اللغات میں اسی طرح لکھا ہے حالانکہ یہ اور مقصود یعنی مخاعیلین فاعلین لام سے ایک
 ہی نام ہے فاعلین سکون غین اعراب مجزوف ہے یہ فرع خرم اور حذف کے جمع ہونے سے حاصل
 ہوا ہے اس لیے کہ مخاعیلین خرم و جب سے فاعلین ہو جاتا ہے اور حذف کے سبب سے فاعلین رہتا ہے

فعلین سے بدل لیتے ہیں فعلان بسکون عین اختم مقصور ہے ایسے کہ خرم کی وجہ سے فاعیلین فاعیلین ہوا اور قصر کے سبب سے فاعیل لام ساکن سے رہا اسکو فعلان سے بدل لیا۔

زحافات فاعلاتن۔

فاعلاتن متصل کے دس زحافات ہیں جن۔ کف۔ تشیث۔ قصر۔ غل۔ حذف۔ تہر۔ سبل۔ جمع۔ تنجیح۔

خلین بفتح خاے بحر و سکون باے موحده و سکون نون اسکے لغوی معنی چھپا دینا یا پیٹ دینا اور عامس کا سی معنی ہیں اصطلاح عروض میں مراد ہے اسقاط حرف ساکن سبب خفیف سے جو رکن کے بدل میں ہو پس فاعلاتن سے فعلاتن رہ گیا۔ قاعدہ ۵ یہ زحافات بحر مضارع کے فاعلاتن میں نہیں آتا اس سبب سے کہ جن سبب خفیف کے ساتھ مخصوص ہے اور مضارع میں جو فاعلاتن ہے اسکے اول میں وند مفروق ہے کیونکہ وہ مفصل ہے۔

کف کات کے فتح ادسنے کی تشدید سے باز رکھنا یہاں مراد ہے اسقاط ساکن ہفم سبب خفیف کے پس فاعلاتن فاعلات بضم تارہ گیا۔

قصر بفتح قاف و سکون کھاد ہلہ و راے ہلہ رکن کے آخر سے سبب خفیف سے حرف ساکن کے گرانے اور اسکے ماقبل کے ساکن کر لے کو کہتے ہیں پس بسبب قصر کے فاعلاتن سے نون کہ سبب خفیف کا حرف ساکن ہے گرا اور اسکے ماقبل کی تاءے فوقانی ساکن ہو کر فاعلات بسکون تارہ گیا اور فاعلاتن سے بدل دیا تاکہ فاعلات مضموما التاء التباس نہ ہو۔

تشیث بفتح تاءے فوقانی و سکون شین بحر و کسر میں ہلہ و سکون یاے محروف و تاءے مثلثہ موقوف میون الفاخرہ میں بدالہدین ابی عبداللہ نے لکھا ہے کہ بیان تشیث کی بابت ۷۰ خطیوں میں چار قول ہیں (۱) خلیل کہتا ہے کہ وند مجموع کے دوسرے متحرک کے گرانے کا نام تشیث ہے پس فاعلاتن میں علاوہ مجموع پر بسبب تشیث کے فاعلاتن رہا اسکو مفعولین سے بدل لیا شریف کہتا ہے کہ تشیث لغت میں تفریق کے معنی میں ہے پس جب لام کو علا سے جو وند کا دہمائی حرف ہے گرا دیا تو اس کا انتظام ہو گیا (۲) بعض کہتے ہیں کہ وند مجموع کے دو متحرک میں سے پہلے حرف کے گرانے کا نام تشیث ہے اور یہ قول خفیش کا ہے پس فاعلاتن میں سے بسبب تشیث کے عین گر کر فاعلاتن رہا اسکو مفعولین سے بدل لیا۔ (۳) بعض کہتے ہیں کہ تشیث وند مجموع کے حرف ساکن کے گرانے اور اسکے ماقبل کے ساکن کر لے سے مراد ہے پس فاعلاتن بسکون لام ہوا اسکو مفعولین سے بدل لیا بعض کے نزدیک یہ مذہب

قطر کا ہے (۴) زجاج کتا ہے کہ نشیث زخافات محدود ہیں سے ہے کہ اول فاعلاتن میں ضم کرنے ہیں یعنی سبب خفیف اول کے ساکن کو گرا دیتے ہیں بعد اسکے دند مجموع کے حرف اول کو ساکن کر دیتے ہیں پس الف کے حذف کو دینے کے بعد فاعلاتن بن جاتا ہے جسکو مفعولن سے بدل لیتے ہیں یہی قطر کا مذہب بتاتے ہیں پہلے مذہب کو یون تریج دی جاتی ہے کہ دند مجموع کے دوسرے متحرک کا گرا نا بہ نسبت دوسرے علون کے بہتر ہے۔ اور دوسرے مذہب کی تریج کی بابت کہا گیا ہے کہ دند کا پہلا حرف حذف کرنا بہتر ہے جیسا کہ حرم میں معمول ہے تیسرے مذہب کو یون تریج دی گئی ہے کہ دند مجموع کے ساکن کا گرا نا اکثر معمول ہے چوتھے مذہب کو ابو الحکم نے یون تریج دی ہے کہ یہ امر قیاس سے باہر نہیں ہے اور خاص کر ایسی صورت کے ساتھ کہ حرکت کا حذف واقع ہوتا ہے جو حرف کے حذف سے سہل ہے مثلاً کہ تحقق طوسی نے بیان کیا ہے کہ جب کسی سبب خفیف کے حرف ساکن کے حذف کو دینے کے بعد اسکا حرف متحرک دند مجموع سے ملے تو میں حرف متحرک جمع ہو جائیں اور جب درمیان کے حرف متحرک کو جو دند مجموع کا پہلا حرف ہوتا ہے ساکن کیا جائے تو اس تغیر کو ہم تسکین کہتے ہیں اور تسکین کا شمار زخافات مزدوجہ میں ہوگا اگرچہ تسکین حقیقت میں یہ ہے کہ دند کے متحرک اول کو ساکن کر دین اور یہ بسیط ہے مگر چونکہ اس کا وقوع ایک تغیر سابق پر موقوف ہے اور وہ سبب خفیف کے حرف ساکن کو حذف کرنا ہے اسلئے تسکین کو مرکبات میں داخل کیا گیا۔ زجاج مفعولن کو مخبون مسکن نہیں کہتا بلکہ شعث کہتا ہے شعث میں اگرچہ جار قول میں لیکن ظاہر یہ ہے کہ وہ بھی عبارت مخون مسکن سے ہے پس مخون مسکن میں شعث ہے اور شعث میں مخون مسکن ہے یہ زخافات بحر مضارع کے رکن فاعلاتن میں نہیں آتا اس سبب کہ اس میں دند مجموع نہیں ہے۔

شکل بفتح شین مجرور سکون کاف ولام اسکے معنی لغت میں چوپائے کے پاؤں رسی سے باندھنا ہیں اور اصطلاح میں وہ جس میں مراد اجتماع ضمن یکف سے ہے پس فاعلاتن سے سبب ضمن کے الف گر کر فاعلاتن اور سبب کف کے لون گر کر فعلات بضم تا باقی رہ گیا یہ بھی بحر مضارع میں نہیں آتا اسلئے کہ ضمن وکف جمع ہوگا نام شکل ہو اور بحر مضارع کے فاعلاتن میں ضم ہی نہیں ہوتا۔

حذف بفتح حاء مطلق سکون ذال بفتح ذال یعنی ٹانہ یا اسلئے اصطلاحی معنی حذف کرنا سبب خفیف کا ہیں جو رکن کے آخر میں واقع ہو پس فاعلاتن سے تن گر کر فاعلاتن رہ گیا اسکی جگہ فاعلاتن بکھڑا۔

بفتح بے موحده سکون تاسد ذکائی درائے محدود فاعلاتن کے لغوی معنی دم کا ٹھکانہ اور اصطلاح میں

حذف و قطع کے جمع ہونے کو کہتے ہیں پس فاعلاتن سے بسبب حذف کے فاعلا رہا اور قطع کی وجہ سے الف گر کر اُس کا ماقبل ساکن ہو گیا تو فاعل بنا اسکو فعل ساکن العین سے بدل لیا بعض اسکو بجا سے اتر گئے کے مطلق محذوف کہتے ہیں اور بعض اسکو صرف مطلق بولتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ فاعلاتن میں قطع ایسے واقع ہوتا ہے کہ آخر سے بسبب خفیف کو مع ساکن و تذخروع کے گرا دیا جاتا ہے اور اُس کے حرف ماقبل کو ساکن کر دیا جاتا ہے تب یہ قطع رکن فاعلاتن منفصل میں نہیں آتا ایسے کہ اس میں تذخروع نہیں اور اس زحاف کے واسطے رکن میں تذخروع کا ہونا شرط ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ مفعولن شعث کے محذوف کر کے سے بھی فعلن پیدا ہوتا ہے یعنی مفعولن سے بسبب حذف کے ان گر اسفورا اسکو فعلن سے بدل لیا پس ایک فعلن اترے اور ایک شعث محذوف اور فعلن مخبون محذوف ساکن بھی ہے یعنی فاعلاتن مخبون سے بسبب حذف کے تن گرا خلاء عین متحرک سے ہوا اور بسبب تسکین کے عین ساکن ہو گیا پھر اسکو فعلن ساکن العین سے بدل لیا اور خواجہ نصیر الدین طوسی کے نزدیک یہی متر ہے کیونکہ اس جگہ خبن لازم ہے۔

ترکیع بفتح راء مہملہ سکون با سے موحہ دو قف عین مہملہ معنی چار ہونا مراد ہے اجتماع خبن و تیر سے پس فاعلاتن سے بسبب خبن کے فا کے بعد کا الف گر گیا اور بسبب تیر کے آخر کا بسبب یعنی تن اور اُس کے ماقبل کا الف گر کر لام ساکن ہو گیا اس صورت میں فعل ساکن اللام باقی رہا بعض لوگوں نے اسکی ترکیب اور طرح بھی لکھی ہے جس کا مال یہی ہے جو ہم نے بیان کیا تفصیل کا فرق ہے اور یہ زحاف چونکہ مرکب ہے خبن اور حذف اور قطع سے ایسے بعض اسکو مخبون محذوف مطلق بھی کہتے ہیں۔

جمع بفتح جیم و سکون حاء مہملہ دو قف فاعلی لغنی نقصان کرنا اور کھال اتارنا اور گنبد کا اچک لینا۔

موضوعیوں کی اصطلاح میں مراد ہے فاعلاتن مخبون کے فاصلہ صغیر کے حذف کرنے سے پس فاعلاتن تن باقی رہا اسکی جگہ فتح نقال کر لیا۔

تسبیغ تفعیل کے وزن پر ہے۔ توجیه القوانی اور اسکے ترجمے شایگان میں لکھا ہے کہ یہ لفظین مہملہ اور عین ہجر سے ہے جسکے معنی ہیں کپڑے کو لمبا کرنا اور چیز کو پورا کرنا اُسکے تمام لوازم کے ساتھ یا عین ہجر و عین مہملہ سے ہے جسکے معنی ہیں بیٹ بھرنے کے قریب ہونا اور اصطلاح میں حمل میں سے ہو اور وہ زیادہ کرنا تو ان ساکن کا ہے اُس سبب خفیف کے بعد جو آخر میں اُس رکن کے ہو جو صریح اول و دوم کے آخر میں آوے اور ایسے رکن کو مسبق با سے موحہ کی تشدید یا تخفیف سے بولتے ہیں پس فاعلاتن اس عمل کے بعد فاعلاتن آخر میں دونوں ساکن کے ساتھ ہو جائے گا اور ایک سے دو ساکنوں

ملنے کی وجہ سے ایک فاعل سے بدل کر فاعلان ہو جائے گا اسکو فاعلیان سے بدل دیتے ہیں اس عمل کا نام اسباق بھی ہے لیکن مشہور تعریف یہ ہے کہ سبب خفیف جو آخر کن میں واقع ہوا ہو اس میں ایک زیادہ کر کے فاعلان ہو اسکی جگہ فاعلیان استعمال کرتے ہیں یہ کن آخر میں اپنے اصلی کن فاعلان کا ہموزن شمار کیا جاتا ہے اور رکن محذوف اور مقصور بھی ایک ہی وزن میں محسوب ہوتے ہیں یہ دس نہات فاعلان کے ہوئے اور اصلی فروع سولہ ہیں فاعلان بکسب جنہوں سے فاعلات بضم ناکفوف ہے مفعولن شحت یا مخبون سکون فاعلان سکون مقصور فاعلات بکسر عین و نسیم اشکول فاعلن محذوف فاعلن سکون بکسر عین اشحت محذوف یا مخبون محذوف سکون یا مقطوع یا مقطوع محذوف فعل بکسر عین سکون لازم موزوع فع مجوز فاعلیان سب فاعلن بکسر عین مخبون محذوف یہ فروع دوزخا فون کے جمع ہونے سے بنی ہے اس طرح کہ فاعلان جن کی وجہ سے فاعلان ہو گیا اور حذف کی وجہ سے فاعلان کے آخر سے ن گر گیا فاعلین کے کسر سے رہا اسکو فاعلن سے بدل لیا فاعلات بکسر عین و سکون تاسے فوقانی مخبون مقصور ہے یہ فروع دوزخا فون کے جمع ہونے سے بنی ہے فاعلان کو جن کے فاعلان کر دیا اور فصر کی وجہ سے فاعلان کا لون حذف ہو کر تاسے فوقانی ساکن ہو گئی اس طرح فاعلات حاصل ہو گیا اس کو فاعلان سے بھی بدل دیتے ہیں فاعلان سکون عین و سکون فون مخبون سکون مقصور ہے یہ فروع کئی زحافون کے جمع ہونے سے بنی ہے فاعلان جن کی وجہ سے فاعلان ہو گیا اور فاعلان جن کے سکون کو ساکن کر کے فاعلان ہو گیا اور پھر فصر کی وجہ سے اس کے آخر کا لون ماقط ہو کر فون کے ماقبل کی ماقط ہو گئی پس فاعلات سکون عین و سکون عین و سکون عین سے بدل لیا اور اس فروع کو شحت مقصور بھی کہہ سکتے ہیں یعنی فاعلان میں شحت اور فصر کے جمع ہونے سے فاعلان حاصل ہو سکتا ہے اس طرح کہ شحت کی وجہ سے فاعلان فاعلان یا فاعلان رہتا ہے اور یہ فصر میں آتا ہے تو آخر کا لون حذف ہو کر تاسے فوقانی ساکن ہو جاتی ہے پھر فاعلات یا فاعلات فاعلات فاعلان سے بدل جاتا ہے اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شحت کی وجہ سے فاعلان فاعلان سکون میں سے ہو جاتا ہے جیسا کہ زجاج کا نام ہے اور فصر کے باعث سے فاعلات تاسے ساکن رہتا ہے فاعلان سے بدل دیتے اسکو مقطوع میں بھی کہتے ہیں اور نیز میں بھی کہتے ہیں یہ فاعلات فاعلان یا فاعلان رہتے ہیں فاعلان فاعلان میں رہتا ہے اور فاعلان میں فاعلان کے آگے سے فاعلان ہو جاتا ہے اور فاعلان فاعلان کے نزدیک چلے گیا جن میں لازم ہے اسے مخبون سکون مقصور بھی کہتے ہیں یہ فروع مجوز اس سے ہے یہ فروع دوزخا فون کے جمع ہونے سے بنی ہے اس طرح کہ حذف کی وجہ سے فاعلان ہو گیا

اور رفع تسبیح کے سبب سے فاعل ہو گیا فعلی لان بکسر عین کسر لام و تشدید یاء سے تحتانی مخبون مسبق ہے عین کی وجہ سے فاعلاتن فعلاتن بکسر عین ہوا اور اس میں تسبیح کے گئے سے فاعلاتن ہو گیا جسکو فعلی لان سے بدل لیا مفعول لان شعث مسبق ہے تشعیث کی وجہ سے فاعلاتن مفعولن ہوتا ہے اور تسبیح کے سبب سے مفعولن مفعولان بن جاتا ہے اس کا نام مخبون ساکن مسبق بھی ہے کیونکہ فاعلاتن ضمن و تسکین کی وجہ سے فاعلاتن سکون عین سے ہو جاتا ہے اور تسبیح کے باعث سے یہ فاعلاتن بن جاتا ہے پھر مفعولان سے بدل لیتے ہیں۔

ازحافات فاع لاتن

فاع لاتن مفصل کے تین زحافات ہیں۔ کف۔ بضم۔ حذف۔
کف۔ مراد ہے گرانے ساکن مخم سبب خیف سے پس فاع لاتن سے فاع لاث بضم تا۔ رہ گیا۔

قصر کہتے ہیں ساکن سبب خیف رکن آخر کے گرانے اور اسکے ماقبل کے ساکن کرنے کو پس فاع لاتن سے فاع لات بکون ماباقی رہا اسکو فاع لان سے بدل لیتے ہیں تاکہ فاع لات مضموم الٹا سے امتیاز رہے۔

حذف اس سبب خیف کے گرانے کو کہتے ہیں جو رکن کے آخر میں ہو پس فاعلار رہا اسکو فاعلن سے بدل لیا اور اسکی فردع بھی تین ہیں فاع لات بضم الٹا مکفوف۔ فاع لان بکون نون مقصورہ فاعلن محذوف۔

ازحافات متفعّلن

رکن متفعّلن متصل میں نوزحافات آتے ہیں۔ جن۔ ط۔ قطع۔ خیل۔ خلع۔ رفع۔ غلظہ۔ اذالہ۔ بربیل۔ خیلن۔ اپنے حذف کرنا حرف ساکن سبب خیف کا جو رکن کے اول میں آیا ہو پس متفعّلن سے سبب جن کے سین گر کر متفعّلن رہا اسکو مفاعّلن سے بدل لیا۔

کھٹے بفتح طاء مطلق و تشدید یاء سے تحتانی یعنی لپیٹنا اصطلاح میں مراد ہے اسقاط ساکن چارم و سبب خیف میں سے جو رکن کے اول میں ہے فاصلاً واقع ہوں پس متفعّلن سے سبب ط کے حرف فا گر کر متفعّلن رہا اسکو مفتعلن بکسر عین سے بدل لیا یہ زحافات اس تغنن مفصل میں نہیں آتا کیونکہ اس میں واقع ہونا شرط ہے۔

قطع بفتح قاف سکون طائے مہملہ عین مہملہ اصطلاح میں مراد ہے حرف ساکن و تد مجموع کے حذف کرنے اور اسکے ماقبل کے ساکن کرنے سے بشرطیکہ رکن کے آخر میں واقع ہوا ہو پس مستفعلن سے بسبب قطع کے نون گر کر لام ساکن ہو گیا اور مستفعل باقی رہا اسکی جگہ فاعل بن گئے۔

خبل بفتح خاے ہمد سکون باے موحده و لام اسکے نوی منی ہاتھ پانوں کا ٹناہن اور اصطلاحی تعریف حیون فاخرہ میں نون لکھی ہے کہ اجتماع خین طے کا نام ہے پس مستفعلن سے بسبب خین کے حرف سین اور بسبب طے کے قے کر کر متعلن رہا اسکو فاعل بن بفتح عین لام سے بدل لیا ہے۔

خلع بفتح خاے ہمد سکون لام و عین مہملہ اسکے نوی منی کپڑے اتارنے کے ہیں اور بیان مراد ہر اجتماع خین و قطع سے پس مستفعلن سے بسبب خین کے بموجب تشریح مندرجہ بالا سین اور بسبب قطع کے نون گر کر لام ساکن ہوا اور متفعل رہا اسکی جگہ فاعل بن رکھ دیا۔

رفع بفتح راء مہملہ سکون فا و عین مہملہ اس کے نوی منی اٹھانے کے ہیں اصطلاح میں ایک بسبب خیف کے حذف کرنے کو کہتے ہیں اس رکن سے جس کے اول میں دو بسبب خیف واقع ہوئے ہوں پس مستفعلن سے تفععلن رہا اسکو فاعل بن بدل لیا۔

تحد و بفتح حاء عطی و دال منقوطہ اول مفتوح و ذال منقوطہ دوم ساکن معنی چھوٹا ہونا دم کا اصطلاح میں عبارت ہے اسقاط و تد مجموع سے و آخر رکن میں واقع ہو پس مستفعلن سے مستف رہا اس کی جگہ فاعل بن رکھ دیا اور یہ زحاف مستفعلن منفصل میں نہیں آتا اسلیے کہ اس میں تد مجموع نہیں ہے۔

اذا لم بکسر الف و فتح ذال نقطہ دارو سکون الف دوم و فتح لام بمعنی دامن و راز کرنا اصطلاح میں عبارت ہے ایک الف و تد مجموع میں قبل از ساکن زیادہ کرنے سے بشرطیکہ و تد رکن کے آخر میں واقع ہو پس مستفعلن سے مستفعلن ہو گیا یہ زحاف مستفعلن منفصل میں نہیں آتا اسلیے کہ اس میں ایک تد مفروق در میان دو بسبب خیف کے ہے۔

ترقیل بفتح تاء نو تانی و سکون راء مہملہ و کسفا و سکون یاے تحتانی و لام بمعنی دامن کھینچنا اور دما ز کرنا اور بزرگ کرنا بیان مراد ہے و تد مجموع آخر رکن پر بسبب خیف زیادہ کرنے سے پس مستفعلن سے مستفعلن بن ہو گیا اس کو مستفعلن سے بدل لیا یہ زحاف بھی مستفعلن منفصل میں نہیں آتا کیونکہ اس میں تد مجموع نہیں ہے فانکرہ فارسی اور اردو میں یہ زحاف کم آتا ہے

عربی میں بکثرت۔ یہ نور حاف مستفعلن کے ہوئے اور فروع یہ ہیں یعنی زحاف کے بعد ایسی شکلیں اور نام پیدا ہوتے ہیں

مستعملین متصل میں مستعملان نڈال کھاتا ہے اور بیان میں۔

کھت اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ رکن کے ساتویں ساکن کو کہ سبب خفیف میں ہو گرا دین پس
س نفع لن سے مستعمل لام کے منے سے رہ جاتا ہے۔ اور فروع سے نفع لن کے یہ میں مفاعیلن جنون۔
مفعولن مقصور مفاعیلن بضم لام شکول سے نفع لان میں مستعمل بضم لام مکفوت فحولن جنون مقصور
یہ فروع سے نفع لن میں جنون و قصر کے جمع ہونے سے حاصل ہوئی ہے اس طرح کہ جنون کی وجہ سے نفع لن
مفعولن ہوا اور بجز قصر کی وجہ سے کھلے سبب خفیف کا حرف ساکن ساقط ہو کر امکا پہلا حرف کہ لام ہے
ساکن ہو گیا اور اب مستعمل رہ گیا جسکو فحولن سے بدل لیا مفاعیلان جنون نڈال ہے اس نفع لن کے
بوجہ جنون کے مفاعیلن حاصل ہوا اور جب بوجہ اذالہ کے آخر کے دتہ مجموع میں ساکن سے ماقبل ایک
الف بڑھایا تو مفاعیلان ہو گیا۔

زحافات مفعولات

زحافات مفعولات بضم تاء فوقانی کے لوہین۔ وقف۔ طے جنون خیل کسف۔ رفع صلح جمع غیر
وقف بفتح داود سکون قاف وفا بغنی کھرا ہونا اصطلاح میں مراد ہے اسکان تاء سے مفعولات کے
پس مفعولات بسکون تازہ کیا اور مفعولان سے بدل لیا اور یہ بدل لینا محض واسطے امتیاز مفعولات غیر مفعولات
کے ہے ورنہ مفعولات بھی غیر مانوس نہیں۔

طے مراد ہے سبب خفیف ثانی کے حرف ساکن کے دور کرنے سے پس بسبب طے کے داوگر کو کہ
مفعولات بضم تاء رہا اسکی جگہ فاعلات بضم تاء آئے۔

جنون سبب خفیف اول کا ساکن گرا نا پس بسبب جنون کے گز کر مفعولات سے مفعولات بضم تاء رہا۔
اسکو مفعولات یا مفاعیل سے بدل لیا اور ان دونوں کا حرف آخر مضموم ہے۔

خیل لجا قتل جنون و طے کا پس مفعولات سے بسبب جنون کے نے اور بسبب طے کے داوگر کو کہ
مفعولات رہا اسکو فاعلات تاء مضموم سے بدل لیا۔

کشف بفتح کاف او سکون میں مہملہ وفا کپڑ پوتے اور اونٹ کی اڑی کاٹنے کے منے میں ہے۔
اور بعض کہتے ہیں کہ۔ کشف شین ہجر سے برہنہ کر کے منے میں ہے لیکن صاحبان کثان و قسطاس

و قنابوس و مقلح اسے پہلے لغت سے تصحیف بتاتے ہیں اور اصطلاح میں مراد ہے اس سے دتہ مفرد
کے دوسرے متحرک کو گرا دین پس تاء کے آخر کے سقوط کے بعد مفعولات سے مفعولات باقی رہتا ہے اس کو
مفعولن سے بدل لیتے ہیں اور صاحب مقلح کے نزدیک کشف اجتماع وقف و کھت کا نام ہے۔

پس مفعولات بسبب وقف کے مفعولات بسکون تارہا اور بسبب کف کے تارے ساکن گر کر مفعولات رہا اس کی جگہ مفعولین رکھ دیا پہلے قول کے مطابق کسف زحافات مفردہ میں سے ہوگا اور دوسرے قول کے موافق زحافات فردوجہ میں سے۔

رفع بمعنی اٹھانا بیان مراد ہو کر دینا بسبب خفیف کا جواول رکن میں واقع ہو پس مفعولات مفعولات رہ گیا اس کی جگہ مفعول لام مضموم سے رکھ دیا۔

صلح صادمہملہ کے فتح اور ملام اور میم کے سکون سے اسکے معنی جرٹ سے ناکان کاٹنے کے ہیں **اصطلاح** میں مراد ہے دند مفروق کے حذف کرنے سے پس مفعولات بسبب صلح کے مفعول ہا اسکو فعلین ساکن العین سے بدل لیا۔

جذع فتح ہم د سکون دال و حین مہملہ سے بمعنی ناک یا کان یا ہاتھ یا ہونٹ کاٹنا اور **اصطلاح** میں مراد ہے اسقاط دو سبب خفیف سے اور حرف آخر دند مفروق کے ساکن کرنے سے پس مفعولات ہو کر مفعولات بضم تارہا مفعولات کی تارے فوقانی ساکن ہو کر مفعولات بسکون تارہا اس کی جگہ فاع رکھ دیا۔

نحر فتح نون و سکون طے و راے مہملہ سینہ کاٹنا اور ادات کو مار ڈالنا **اصطلاح** میں عبارت ہے بعد جذع کے اسقاط الف سے پس مفعولات بسبب جذع کے مفعولات بسکون تارہا اور اس سے الف اسقاط ہوا ثولت رہ گیا اسکو فتح سے بدل لیا یہ نوزحافات مفعولات کے ہیں اور فردوجہ اسکے اس قدر

ہیں مفعولات لان۔ باعلان لون موقوف فاعلات بضم التا مطوی مفاعیل بضم اللام مخون فاعلات بضم عین و تاجون مفعولین۔ سکون مفعول۔ بضم لام مرفوع فاعلین بسکون عین اصلم قل ع۔

مجزوع فتح نیمحورہ فائدہ مجذوع اور مخورہ مخورن خمار کے جاتے ہیں فاعلان بسکون عین مطوی موقوفہ فرع طے اور وقف کے جمع ہونے سے بنی ہے مفعولات طے کی وجہ سے مفعولات بضم تارہا ہو گیا اور وقف کی وجہ سے حرف آخر ساکن ہو گیا اسکو فاعلان بدل لیا مفاعیل بسکون عین موقوف بضم تارہا ہو گیا اور

وقف کی وجہ سے اسکا حرف آخر ساکن ہو گیا جس کو مفاعیل سے بدل لیا فاعلین مطوی سکوت ہے اس فرج یعنی طے اور کسف دونوں زحافات جمع ہوئے ہیں مفعولات طے کی وجہ سے مفعولات ہا اور کسف کی وجہ سے مفعولات رہ گیا اسکو فاعلین سے بدل لیا فاعلات بضم عین و سکون تارے فوقانی مفعول موقوف

ہے، فرج قبل اور وقف کے جمع ہونے سے بنی ہے مفعولات بسبب قبل کے مفعولات بضم تارہا اور وقف کی وجہ سے حرف آخر ساکن ہو گیا اسکو فاعلات سے بدل لیا اس کی جگہ فاعلان عین متحرک کے ساتھ بھی استعمال کرتے ہیں فاعلان عین ساکن کے ساتھ مفعول موقوف سکون ہے فاعلین بکسر عین مفعول

مکسوف ہے خیل کی وجہ سے مفعولات معللات بفتح عین وضم تاءے فوقانی رہ گیا اور کسوف کی وجہ سے تاءے فوقانی گر گئی اور معللا باقی رہا اسکو فعلین سے بدل لیا۔ **فعلون** مجنون مکسوف ہے مفعولات خبن کی وجہ سے معللات بضم تاء رہ گیا اور کف کی وجہ سے حرف آخر گر کر مولا ہو گیا جس کو فعلون سے بدل لیا **فعلولان** مجنون موقوف ہے اس لیے کہ ضمین ووقف کی وجہ سے مولات بسکون تاء ہو گیا اس کو فعلولان سے بدل لیا۔

زحافات مفاعلتن

مفاعلتن کے آٹھ زحافات ہیں **عصب** **عصب** **عصب** **عقل** **عقل** **عقل** **عقل** **عقل**۔
عصب بفتح عین مہملہ و سکون صاد مہملہ دیاے سوحہ اسکے لغوی معنی فراہم کرنا شاخاے درخت کا کاٹنے کے لیے اور خشک ہونا تھوک اور زبان کا ٹھہرنا پیاس کی وجہ سے ہیں۔ اصطلاح میں عبارت ہے اسکان لام مفاعلتن سے پس بسبب عصب کے مفاعلتن بسکون لام رہا اسکو مفاعیلین سے بدل لیا۔
عصب بفتح عین مہملہ وفتح صاد مہملہ و سکون یا سے سوحہ اسکے لغوی معنی شاخ کا ٹوٹنا ہیں اصطلاح میں رکن مفاعلتن میں زخم کرنے سے مراد ہے یعنی اس وقت ثبوع کا جو رکن کے اول میں ہو پہلا حرف گرا دینا تو بیان میم گر کر مفاعلتن رہا اسکی جگہ مفعلتن نقل کر لیا۔
عقل بفتح قاف وفتح صاد مہملہ و سکون میم اسکے معنی دانت توڑنا ہیں اور مراد ہے اجماع زخم اور عصب بصاد مہملہ سے پس مفاعلتن سے بسبب زخم کے میم گرا اور بسبب عصب کے لام ساکن ہو گیا مفاعلتن رہا اسکو مفعولین سے بدل لیا۔

عقل بفتح عین مہملہ و سکون قاف ولام لغوی معنی اس کے اونٹ کے بازو اور ساق باندھنے کے ہیں اصطلاح میں جہاں عصب بصاد مہملہ اور قبض کو کہتے ہیں پس مفاعلتن کا بسبب عصب کے لام ساکن ہونا اور بسبب قبض کے گر کر مفاعلتن رہا اسکو مفاعلتن سے بدل لیا۔ اور مولوی سعد اللہ نے قول لانا نہیں نے صفات القاموس میں یون کہا ہے کہ عقل مفاعلتن میں عصب اور قبض کے جمع ہوئے کا نام ہے میر مفاعلتن بسبب عصب کے مفاعیلین ہو گیا اور بحر عصب کے قبض کی وجہ سے یاے تختانی گر کر مفاعلتن بن گیا غرض کہ مولوی صاحب اول مفاعلتن کا لام عصب کی وجہ سے ساکن کر کے مفاعیلین سے بدلتے ہیں اور بحر مفاعیلین کی یاے تختانی کو قبض کی وجہ سے گرائے ہیں اور ہر سے پہلے قول میں یہ بیان ہے کہ مفاعلتن کا لام بسبب عصب کے ساکن ہو جاتا ہے اور

اسکو بغیر مفاعیلین سے بدلے ہوئے بوجہ قبض کے لام ساکن کو گرو پتھن میں پس مفاعلتن ہوتا ہے وہ مفاعلتن سے بدل دیا جاتا ہے مطلب ایک ہی ہے طرز بیان میں فرق ہے اور صاحب خزرجہ کہتا ہے کہ عقل عبارت ہے اس سے کہ مفاعلتن کے سبب ثقیل کے دوسرے متحرک کو کر بانچوان حرف رکن کا یعنی لام ہے گرا دین پس مفاعلتن کو مفاعلتن سے بدل لیتے ہیں اور اس صورت میں عقل زحافات مفردہ میں سے ہوگا فائدہ یہ مفاعلتن مشابہ ہے ساتھ اس مفاعلتن کے جو مفاعیلین سے سبب قبض کے حاصل ہوا ہے لیکن استیاریہ ہے کہ یہ مفاعلتن معقول ہوا بحر دافر کے نہیں آتا اس لیے کہ زحافات عقل رکن مفاعلتن سے خصوصیت رکھتا ہے اور رکن مفاعلتن مخصوص ہے بحر دافر سے۔

مجموعہ یحییٰ بن یحییٰ سکون ہم دم اسکے نفوی منی مرد کا لڑائی میں بے نیزہ ہونا میں اور اصطلاح عرض میں مراد ہے اجمل عقل فرم سے پس مفاعلتن سے سبب عقل کے لام ساکن ہو کر گر گیا اور سبب خرم کے ہم متحرک حذف ہوئی فاعلتن باقی رہا اسکو فاعلتن سے بدل لیا۔

لغض یعنی کم کرنا مراد اجمل عصب بہ صاد مہملہ و کف سے ہے پس سبب عصب کے مفاعلتن کا لام ساکن ہوا اور سبب کف کے نون ساکن گر پڑا مفاعلتن بغیر تا باقی رہا اسکو مفاعیل بغیر لام سے بدل لیا۔
عقوص یعنی عین سکون قاف و صاد مہملہ یعنی زلفون کے بال پیٹنا اور اصطلاح میں عبارت ہے اجتماع فرم و لغض سے پس سبب خرم کے مفاعلتن سے ہم گرا دے سبب لغض کے لام ساکن ہو کر نون حذف ہوا فاعلیت بغیر تارہ گیا اسکی جگہ مفعول بغیر لام لے آئے۔

قطعت یعنی قات و سکون طائے ہوا و فاعل اسکے نفوی منی انگور وغیرہ کا ذخیرہ کاٹنا میں اصطلاح عروض میں مراد ہے اجتماع عصب بصاد مہملہ اور حذف سے پس مفاعلتن سے سبب عصب کے لام ساکن ہوا اور بوجہ حذف کے آخر کا سبب خفیف گر گیا مفاعل لام کے سکون سے رہا اسکی عوض میں فاعل لے آئے۔

یہ آٹھ زحافات مفاعلتن کے ہوئے اور فروع کے یہ نام ہیں مصوب صاد مہملہ سے مفاعیلین عصب ضاد تجربہ سے مشتعلین۔ یحییٰ مفعولین۔ یعقول مفاعلتن۔ اجم فاعلتن۔ منقص مفاعیل بغیر لام۔ ناقص مفعول بغیر لام۔ مقلوب مفعولین۔

زحافات مفاعلتن

زحافات رکن مفاعلتن کے سات ہیں اضماع لغض سئل۔ قطع حذف۔ اذالہ۔ تر میل۔ اضماع یکسر لغض و سکون ضاد تجربہ و یم و الف و وائے ہوا اسکے نفوی منی گھوڑے کا دبلا کر دینا میں اور قطع رکن میں چپانے کے معنی میں لکھا ہے اور اصطلاح میں مراد ہے ساکن کر لئے تاکہ مفاعلتن سے

پس متفاعلن بسکون تا کی جگہ متفعّلن رکھتے ہیں۔

فصل بفتح واو و سکون قاف و صاد مہملہ اسکے معنی گردن توڑنا ہیں اور یہاں مراد ہے اجتماع اضماع و ضمین سے پس بسبب اضماع کے متفاعلن کی تے ساکن ہوئی اور بسبب ضمین کے گرہ پڑی متفاعلن رہ گیا قائدہ متفاعلن سے شبہ ہوتا ہے کہ وہ متفاعلن ہوگا جو متفعّلن سے بسبب ضمین کے حاصل ہوا ہے یعنی متفعّلن سے بھی بسبب ضمین کے سین گر کر متفعّلن رہتا ہے اور متفعّلن متفاعلن سے منقول ہو جاتا ہے پس پہچان یہ ہے کہ متفاعلن موقوف متفاعلن کا سوا بجز کامل کے نہیں آتا ایسے کہ رکن متفاعلن بجز کامل سے مخصوص ہے۔

خزل - زکریا انصاری نے تصید و خزع جیہ کی شرح موسوم بفتح رب ہرہ میں لکھا ہے کہ خزل قافے مجرور زائے مجرور سے ہوا اور بعض نے جیم اور زائے مجرور سے لکھا ہے اور دونوں صورتوں میں حذف اول مفتوح اور دوم و سوم ساکن ہے اور معنی اسکے کاٹنے کے ہیں بیان عبارت ہے اجتماع اضماع و ضمین سے پس متفاعلن سے بسبب اضماع کے لام ساکن ہوا اور بسبب طے کے چوتھا حرف ساکن حذف ہو گیا متفعّلن رہ گیا اسکی جگہ متفعّلن رکھ دیا۔

قطع بفتح قاف و سکون طائے مہملہ و عین مہملہ یعنی رکن کے آخر سے ساکن و تہ مجموع کو اگر اسکا ماقبل ساکن کرنا نہیں متفاعلن سے متفاعل لام ساکن سے رہا اسکو فعلان میں کسور سے بدل لیا۔

خزف بفتح خاے حطی فتح ذال نقطہ دار اول و سکون ذال نقطہ دار دوم یعنی دمکا چھڑنا ہونا اصطلاح میں ملوہ ہے رکن کے آدی سے و تہ مجموع کا ساقط کرنا پس متفاعلن کے متفاعل میں کسور سے بدل لیا موسو صراح ہو گیا کتب لغت و عروض میں خزف طے حطی و ذال منقوطہ سے لکھا ہے لیکن مولوی صہبائی خزفیم مفتوح اور ایک ذال منقوطہ سے لکھتے ہیں اور بتے ہیں کہ جس رکن میں یہ زحاف واقع ہو اسکو اجز کہیں گے اور میر تقی میر کا بھی یہی قول ہے اور باعتبار نقوی معنی کے بھی دونوں لفظ مترادف ہیں اور یہ جو میزان الافکار میں لکھا ہے کہ بعض اے جیم اور ذال ہما سے کہتے ہیں اتنے تو ہر انکی غلطی ہے۔

اؤالہ یعنی و تہ مجموع میں جو رکن کے آخر میں ہو ایک الف زیادہ کرنا پس متفاعلن سے متفاعلان ہو گیا۔
ترقیل آخر رکن کے و تہ مجموع پر ایک بسبب خفیف اور پڑھانا پس متفاعلن سے متفاعلن تن ہوا اسکو متفاعلان سے بدل لیا۔

یہ سات زحان متفاعلن کے ہوئے اور فروع اسکی یہ ہیں متفعّلن مضمّن متفاعلن موقوف متفعّلن
خزول فعلان متفعّلن بکسر میں مخدو یا اجز متفاعلان ذال متفاعلان مزل متفعّلان بکسر

نزال یہ فرع اضمار اور اذالہ کے جمع ہونے سے بنی ہے اس طرح کہ متفاعلین میں اضمار کی وجہ سے تا فوقانی کو سکون ہو گیا اور اذالہ کے سبب سے نون سے پہلے ایک الف بڑھ گیا اس طرح متفاعلان بن گیا جس کو متفاعلان سے بدل لیا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ متفاعلین اضمار کی وجہ سے متفاعلین سے بدلا گیا اور اذالہ کے سبب سے متفاعلین متفاعلان بن گیا متفاعلان ہر قوس نزال ہے یہ فرع ان دو زحافاتون کے جمع ہونے سے بنی ہے وقص واذالہ متفاعلین وقص کی وجہ سے متفاعلین ہو گیا اور پھر متفاعلین اذالہ کی وجہ سے متفاعلان بن گیا متفاعلان ہر متفاعلین نزل کی وجہ سے متفاعلین ہو کر متفاعلین سے بدل گیا اور اذالہ کی وجہ سے متفاعلین میں نون سے قبل ایک الف زیادہ ہو کر متفاعلان ہو گیا متفاعلان ابکسر میں مخذوذ نزال ہے مخذوف کی وجہ سے متفاعلین سے عین گر گیا تو متفاعلین کو فعلین کسور الین سے بدل لیا اذالہ کی وجہ سے اس میں ایک الف نون سے قبل زیادہ ہو کر متفاعلان بن گیا متفاعلان مضر مرفل ہے یہ فرع اضمار اور تر فیل کے جمع ہونے سے بنی ہے اضمار کی وجہ سے متفاعلین کی نے ساکن ہو گیا پھر تر فیل کے سبب سے ایک سبب خفیف اُسکے آخین اضافہ ہوا تو متفاعلین تن ہو کر متفاعلاتن سے بدل گیا متفاعلاتن ہر قوس مرفل ہے وقص کی وجہ سے متفاعلین متفاعلین ہو گیا اور تر فیل کے باعث سے ایک سبب خفیف اُسکے آخین بڑھ گیا تو متفاعلین تن ہوا اسکو متفاعلاتن سے بدل لیا متفاعلاتن مخذول مرفل ہے متفاعلین نزل کی وجہ سے متفاعلین ہو گیا تا سے فوقانی کے سکون سے اور تر فیل کے باعث سے اُسکے آخین ایک سبب خفیف زائد ہو کر متفاعلین تن جسکو متفاعلاتن سے بدل لیا مفعولین مقطوع مضر ہے زحاف قطع کے آنے سے متفاعلین متفاعلاتن لام ساکن سے ہو گیا اور اضمار کی وجہ سے متفاعلاتن کی تا سے فوقانی ساکن ہوئی پھر اسکو مفعولین سے بدل لیا فعلین۔ لیکن میں مخذوذ مضر ہے مخذوف کی وجہ سے متفاعلین متفاعلاتن سے متحرک سے رہ گیا اور اضمار کے سبب سے تا ساکن ہو گئی تو متفاعلاتن سے بدل لیا۔

زحافات فحولن

رکن فحولن کے ساتھ زحافات میں قبض قصر حذف تلم نرم ستر بسیغ۔
قبض یعنی ساکن بنیم سبکاتون گرانا پس فحولن سے فحول مضم لام رہا۔
قصر یعنی ساکن سبب خفیف کا آخر رکن سے گرانا اور اسکا ماقبل ساکن کرنا پس فحولن سے فحول ہر سکون لام ہو جاتا ہے۔

تلم بفتح ثا سے مثلث و سکون لام و میم بھی ہو راخ کرنا اصطلاح میں مراد ہے رکن فحولن میں نرم کرنے سے یعنی دتہ مجموع سے کہ رکن کے اول میں ہو حرف اول متحرک کو حذف کر دیں پس فحولن سے فحول ہو کر۔

عولن رہا اسکی جگہ فعلن بسکون میں رکھا گیا۔

شرم یعنی شامے مثلثہ درامے ہملہ مفتوحہ میں ساکن یعنی آئے کے دانت توڑنا اور اصطلاح عود فعل میں مراد۔
اجتماع قبض و خرم سے ہے پس بسبب خرم کے لے اور بسبب قبض کے نون عولن کا لڑ پڑ عول لام مضموم سے رہ گیا۔
اسکو نقل میں ساکن اور لام مضموم سے نقل کر لیا اور فاعل بھی اسکی جگہ رکھ سکتے ہیں۔

تجزیہ یعنی باے موحود و سکون تامے فوقانی درامے ہملہ یعنی جڑ سے اکھڑنا اور دم کا ٹٹا اصطلاح میں عبارت
ہے اجتماع حذف و قطع سے پس عولن سے بسبب خفیف بوجہ حذف کے گر گیا اور واد بسبب قطع کے گر کر صین
ساکن ہو گیا اس طرح فاعل باقی رہا بعض اسکی جگہ نقل تجویز کرتے ہیں اور ابن قیس کے نزدیک تریہ ہے
کہ عولن کا و تہ گروین پس ابن باقی رہتا ہے اس صورت میں مرکب ہونگا۔

تسبیغ یعنی سبب خفیف کے درمیان میں الف بڑھانا پس عولن سے عولان ہو گیا۔

سات زحافات عولن کے ہوئے اور اسکی فروع یہ ہیں عول بضم لام مقبوض عول بسکون لام
مقصود فعل رفع میں سکون لام محذوف فعلن بسکون میں اٹلم فعل یا فاعل اٹلم رفع۔ اتر عولان
سبغ فعلان بسکون میں اٹلم سبغ اس فروع میں دو زحافات جمع ہوئے ہیں ایک اٹلم جس کی وجہ سے عولن
سے عولن ہو جاتا ہے اور تسبیغ کی وجہ سے نون ساکن کے پیشتر ایک الف بڑھ کر فعلان سے بدل لیا جاتا ہے
اور یون بھی کہہ سکتے ہیں کہ اول عولن کو فعلن سے بدل لیتے ہیں پھر فعلن میں نون تسبیغ کا اضافہ ہو کر فعلات
میں جاتا ہے۔

ازحافات فاعلن

رکن فاعلن کے چھ زحافات ہیں بغین قطع حلق جندفہ اذالہ۔ ترفیل۔

بغین یعنی ساکن بسبب خفیف کو حذف کر دینا جو رکن کے اول میں ہو پس فاعلن سے فعلن میں مکسور سے مراد۔
قطع یعنی ساکن و تہ مجموع کو گرا کے اسکے ماقبل کو ساکن کرنا پس فاعلن سے فاعل رہا اسکی جگہ فعلن بسکون
میں کے آئے اور بعض کا یہ مذہب ہے کہ و تہ مجموع کے دوسرے متحرک کو حذف کر دینا چاہیے اس صورت میں
لام گرا جائیگا اور فاعلن رہیگا اسکو بھی فعلن سے بدل لینگے۔

بغین کہتے ہیں کہ فعلن بسکون میں مجہول مسکن ہے یعنی فاعلن میں بغین کے بعد تین حرف متحرک
جمع ہو گئے پھر بسبب تسکین کے درمیانی حرف کو ساکن کر دیا کہ وہ و تہ مجموع کا پہلا حرف ہے پس فعلن بسکون میں
حاصل ہوا وہ اسکی یہ ہے کہ رکن مطلق صرف مصرعون کے آواز میں آتا ہے اور فعلن بحر متدارک میں درجہ
بھی آ جاتا ہے اس لفظ میں فروع مجہول سکون کھلائے کی اور بحر متدارک کے ساتھ خاص ہوگی فعلن کو فاعلن سے

مقطع کہنے کی صورت میں علت تغیر اور ہے اور مخبون مسکن کہنے کی حالت میں علت تغیر دوسری چیز ہے اور پہلی صورت میں فاعل کا نون اور لام کی حرکت گر کر فعلن حاصل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں الف اور عین کی حرکت محذوف ہو کر فعلن بنا ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ جب تمام شعر فعلن بسکون میں ہو تو اسکو مخبون مسکن کہنا چاہیے اور اگر عرض و ضرب میں فعلن واقع ہو تو اسے مقطع سمجھنا چاہیے اور مخبون مسکن متدارک کے سوا دوسری جگہ نہ آئے گا اور مقطع بسیط میں بھی آتا ہے۔

خلع یعنی اجتماع خبن و قطع کا پس فاعلن سے الف بسبب خبن گر اور لون بسبب قطع کے گر کر لام مل گیا ہوا فعل بکسر عین سکون لام ہو گیا۔ یہ قول ابن فیس کا ہے صاحب مخزن الفوائد نے جو خلع خبن و قطع کا اجتماع قرار دیا ہے اور فعلن کو مخبون مقصور لکھا ہے یہ غلط ہے اس لیے کہ قصر اصطلاح میں ہمارے اسقاط ساکن سبب خفیف اور اسکان ماقبل سے اور فعلن مخبون میں بسبب سنین کیونکہ یہ رکن فاعلن سے حاصل ہوا ہے اور اس میں بسبب خفیف کے بعد و تہ مجموع ہے غرض کہ نہ اصل رکن فاعلن میں بسبب کا وجود ہے نہ فعلن مخبون میں جو تصر آئے۔

حذفینے و تہ مجموع کا ساقط ہونا پس فاعلن سے و تہ مجموع گر کر فار ہا اسکو رفع سے بدل لیا۔

اؤالہ یعنی آخر رکن کے و تہ مجموع میں ساکن سے ماقبل الف بڑھانا پس فاعلن کے فاعلان ہو گیا۔
ترقیل و تہ مجموع پر بسبب خفیف زیادہ کرنا پس کرنا پس فاعلن سے فاعلن تن ہوا اس کو فاعلان تن سے بدل لیا۔

یہ چھ نزعات فاعلن کے ہوئے اور فروع اسکی یہ ہیں فعلن بکسر عین مخبون فعلن بسکون میں مقطع فعلن بکسر عین سکون لام مخرج رفع محذوف فاعلان نزال فاعلان مرفل فعلان میں کے کسرے سے مخبون نزال یہ فروع دوزخا فون کے اجتماع سے بنی ہے ایک خبن دوسرے اؤالہ خبن کی وجہ سے فاعلن سے فعلن بکسر عین بنا اور اؤالہ کی وجہ سے لون سے بیشتر ایک الف زیادہ ہو کر فعلان ہو گیا اور بعض کہتے ہیں کہ فاعلان نزال میں سے الف بسبب خبن کے گرنے کے بعد فعلان ہو جاتا ہے فعلان سکون میں سے مفلوع نزال قطع کی وجہ سے فاعلن قاعل رہ کر فعلن ساکن العین سے بدل گیا۔ اور اؤالہ کی وجہ سے ایک الف اضافہ ہو کر فعلان ہو گیا۔ اور بعض فعلان کو مخبون مسکن نزال کہتے ہیں

بیان محاقیہ و مراقبہ و مکاتفہ

و محاقیہ بضمیم و تہ ثبات و باء موحده اسکے لغوی معنی ایک دوسرے کے پیچھے آنا ہیں در اصطلاح عرض میں سے کہتے ہیں کہ ایک شعر میں جب دو بسبب خفیف جمع ہوں تو ان دونوں کو جا میں ایک ساتھ

رہے دین یا ایک کو رکھیں ایک کو گرائیں مثلاً بحر مجتبیٰ میں رکن مستفعلن کی سبب اور نون کا ایک ساتھ
 گرنا جائز نہیں خواہ دونوں کو ثابت رہے دین خواہ ایک گرا کر ایک بچیں اور سبب خفیف کے جمع ہونے کے ایک
 شعر میں تین طور ہیں یا یہ کہ بہ حسب وضع کے حاصل ممکن میں دو سبب خفیف جمع ہوئے جیسے مفاعیلن مستفعلن
 اور مفعولات میں یا بعد مزاحف ہونے کے دو سبب اکٹھے ہو جائیں جیسے مفاعیلن مضمر ہو کر مستفعلن اور
 مفاعیلن معصوب ہو کر مفاعیلن ہوتا ہے یا دور کن مکر دو سبب خفیف پیدا ہوئے جیسے بحر مل و مفاعیلن
 فاعلاتن کہ میان رکن اول کا آخر اور رکن ثانی کا اول مکر تین فاعل دو سبب خفیف ہو گئے پس یا توان
 دونوں سببوں کو سالم رکھ کر تین فاعل پڑھتے ہیں یا سبب اول کے نون کو حذف کر کے تین فاعل حاصل کرتے
 ہیں یا دوسرے سبب کے الف کو دور کر کے تین فاعل پڑھتے ہیں ان تینوں صورتوں کو معاقبہ کہتے ہیں۔
 اور تین کا گنا جائز نہیں اس لیے کہ دونوں سببوں کے حذف ساکن حذف کر دینے سے تغلا پیدا
 ہو جائے گا اور یہ فاصلہ کبر سے سبب سے غرضی نہیں جانتا ہیں۔

مراقبہ بحریم وقع قاف رہا۔ رحد اسکے لغوی معنی ایک دوسرے کی نگہبانی کرنا ہیں اور اصطلاح میں
 اسے کہتے ہیں کہ جب دو سبب خفیف جمع ہو جائیں تو دونوں کا کرنا اور دونوں کا ثابت رکھنا ایک ساتھ
 جائز نہیں بلکہ ایک کو ضرور گرنے میں اور یہ کہ مفاعیلن اور مفعولات اور مستفعلن میں واقع ہوتا ہے مثلاً۔
 بحر مضارع میں رکن مفاعیلن کی ہی اور نون کا ایک ساتھ رکھنا اور ایک ساتھ کرنا جائز نہیں۔

مکافئہ بحریم وقع نون و نون اسکے لغوی معنی ایک دوسرے کو پکڑنا ہیں اور اصطلاح میں اسے
 کہتے ہیں کہ جب دو سبب خفیف جمع ہو جائیں تو دونوں کا ایک ساتھ کرنا جائز ہو جائے یا میں تو دونوں
 ایک ساتھ رکھیں چاہیں گرائیں یا ایک ہی کو رکھیں اور یہ حذف کرنا حرف ساکن کا بسبب کسی
 نہاد کے زحافوں متذکرہ بار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ رکن مفعولات میں بسبب جمع کے دونوں سبب
 خفیف گرتا ہے میں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ تینوں صورتیں ارکان سے کچھ خصوصیت نہیں رکھتی ہیں بلکہ
 بحرین سے متعلق ہیں یعنی ایک رکن میں کسی بحر کے درمیان معاقبہ ہے مراقبہ نہیں اور اسی رکن
 میں کسی دوسری بحر میں مراقبہ ہے معاقبہ نہیں اس لیے ہم کہتے ہیں کہ معاقبہ مدید منسرح رمل وافر
 منسرح خفیف لہو لیل کامل اور مجتبیٰ میں آتا ہے لڑکا مل اور وافر میں ایسی حالت میں واقع ہوتا ہے
 کہ مضمر و معصوب ہو کر میں اور مراقبہ شامل قریب مدید اور مضارع میں لازم ہے اور میں منسرح میں
 غالباً ہوتا ہے اور بحر نہایت میں جائز ہے اور مکافئہ منسرح بسیط اور رجز میں آتا ہے۔

کون کون زحاف کس کس زبان اور بحر سے خصوصیت رکھتا ہے

ناظرین پر غفیٰ نہ ہے کہ اگرچہ کل زحاف اُترا یس ہیں جن میں سے گیارہ زحاف حسب بصلوہل
 حسب بضاد و تجمہ عقل - نقص قطف - قسم - جم - عقص - اضمار - وقص - نخل - عربی سے مخصوص ہیں۔
 اور اہل فارس کے استعمال میں بہت ہی کم ہیں۔ اور یہ تیرہ زحاف اہل فارس کی ایجاد سے ہیں۔
 جب - ہتم - زلل - تبر - جدرع - طر - جحف - ربع - دس - عرج - طس - سلخ - رفع - عربی میں مستعمل نہیں اور یہ
 جو میں زحاف - غبن - طے - قبض - کف - خیال - شکل - غرم - ظم - غرب - شتر - شرم - قطع - حذو - اذالہ - ترفیل -
 خلع - وقف - کسف - صلح - قصر - حذف - تسبیح - تشریفات - مشترک ہیں جو تہراہل فارس کی ایجاد سے ہے وہ
 رکن مفاعیلین سے مخصوص ہے اور تبر مشترک قولین اور فاعلان سے مخصوص ہے گو ہم نے انہی
 زحافات کو بیان کیا جو زبان اردو میں کثرت سے مستعمل ہیں خواہ وہ عربی سے مخصوص ہوں یا فارسی
 سے اور جو زحافات اس زبان کے اشعار میں جاری نہیں اُن کا ذکر خاص کر مع تفصیل بے سود ہے اور
 زحافات کی تقسیم بھی باعتبار خصوصیت کے جو انکو عربی و فارسی سے حاصل ہے اس کتاب میں بالکل
 فضول ہے مگر بر سبیل شذوذ کہیں ایسا بھی ہو گیا ہے خصوصاً فارسی کے تیرہ زحاف جن میں سے کل
 چار زحاف جب - ہتم - زلل - تبر - رباعی سے مخصوص ہیں کسی رباعی کا عروض و ضربان سے غالی نہیں
 ہوتا لیکن اساتذہ نے رباعی کے وزن میں غزل کہنی بھی جائز رکھی ہے اسلئے یہ زحاف غزل کے
 عروض و ضربان میں بھی آسکتے ہیں باقی نو زحاف بہت ہی کم مستعمل ہیں اور تعریف و تفصیل
 اُس زحاف کی زیادہ مفید ہوتی ہے جو زحاف کئی رکون میں مشترک ہوتا ہے اور اگر غور سے دیکھو تو
 مستعملین متصل ہیں مفعولان جسے اہل فارس اعرج کہتے ہیں مقلوع مسبغ ہے اسلئے کہ مستعملین مقلوع
 ہو کر مفعولین ہو جاتا ہے اور مفعولین تسبیح سے مفعولان ہو سکتا ہے مگر اس سبب سے کہ اس حالت میں کن
 کے آخری میں کمی بھی اور بیشی بھی مانتی پڑے گی اور یہ محبوب ہے اسلئے ایک نیاز زحاف مانتا پڑا اور
 مستعملین کے لام کی تسکین کے قائل ہوئے اور اسکو مفعولان سے بدل لیا اسی طرح مستعملین متصل
 میں فعلان لیکون عین کو جو یہ - مظموس کہتے ہیں ہم اسے محذوز مسبغ بول سکتے ہیں کیونکہ مستعملین
 محذوز ہو کر فعلان لیکون عین رہ جاتا ہے اور فعلان مسبغ ہو کر فعلان ہو سکتا ہے مگر یہاں بھی اسی خون
 سے ایک نیاز زحاف جس میں وہ عجب نہ ہو مانتا پڑا چنانچہ طمس - یعنی اسقاط عین و لام کے قائل
 ہوئے اور مستعملین کو فعلان سے بدل لیا پس اعرج کو اعرج اور مظموس کو مظموس کہنا چاہئے نہ

اعرج کو مقطع سبع اور مطوس کو حذو سبع چند کہ یہ دونوں زحافات یکساں رکھن میں ہوتے ہیں اور انکی نظیر کہیں پائی نہیں جاتی مگر ان کا انکار نہیں ہو سکتا کس لیے کہ ان دونوں زحافوں میں کسے سطح اور ڈرس میں بھی کہ اول فاع لاتن شفعل میں اور دوم فاعلاتن متصل میں ثناء ہو کر آتا ہے ایک ایسا نیا تغیر ہوتا ہے جو سوائے شفعل متصل اور فاع لاتن شفعل اور متصل کے کسی اور رکن میں نہیں ہوتا بیان سے ثابت ہوا کہ محقق طوسی نے جو شعیث کے بیان میں خلیل کے مذہب پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اسکی نظیر کہیں پائی نہیں جاتی بجا ہے کیونکہ بہت سے تغیرات ایسے ہیں جن کا نظیر کہیں پایا نہیں جاتا اسی طرح شعیث میں بھی ایک ایسا نیا تغیر ہوتا ہے کہ سوائے فاعلاتن کے اور کہیں پایا نہیں جاتا۔

جبکہ اول مجمل بیان زحاف کا کیا گیا اور پھر ہر ایک رکن کے ساتھ زحافوں کی تشریح ہوئی تو اب ہر ایک زحاف کا حال بہ تخصیص بکھر گیا جاتا ہے۔ زحاف۔ اذالہ بحر جزو مدارک و بیسط کامل اور سریع و منسرح و مقتضب مدید و جدید میں آتا ہے اور اکثر عروض و ضرب میں واقع ہوتا ہے نحو میں کم اور صدر و ابتدا میں بالکل نہیں آتا اور یہ ہم تیسرے مونی میں بیان کر چکے ہیں کہ مصرع اول کے پہلے جزو صدر اور مصرع ثانی کے پہلے جزو ابتدا مطلع کہتے ہیں اور مصرع اول کے پہلے جزو غرض اور مصرع ثانی کے پہلے جزو ضرب و عجز ہوتے ہیں اور دونوں مصرعون کے بیچ میں جوازا ہیں الکانام مشو ہے اظہار اور قص اور خزل یہ زحاف بحر کامل سے مخصوص ہیں ترلیل یہ زحاف فارسی و ریختہ میں نادر الوقوع ہے عربی میں بحر کامل سے اختصاص رکھتا ہے کبھی رجز میں بھی آتا ہے بسین بحر ہزج رمل متقارب مضارع محبت مدید خفیف ان آٹھ بحر وں میں آسکتا ہے شعیث بحر رمل محبت مدید خفیف چار بحر وں میں آتا ہے تلم یزحاف بحر متقارب میں واقع ہوتا ہے اور طویل میں بھی آتا ہے حبش یہ زحاف بحر ہزج اور مضارع میں آتا ہے جدرع منسرح مقتضب سریع تین بحر وں میں آتا ہے۔ حذو بحر جزو کامل و مدارک و بیسط میں بہت آتا ہے باقی بحر وں میں اگرچہ متعلق متصل ہو بہت کم آتا ہے حذف بحر ہزج رمل متقارب مضارع محبت طویل مدید خفیف مشکاں قریب میں آتا ہے خبیر بحر رمل بحر مدارک منسرح مقتضب محبت مدید بیسط سریع خفیف جدید گیارہ بحر وں میں آتا ہے جمع بحر رمل و محبت و خفیف میں واقع ہوتا ہے خلع بیسط اور جزا و مدارک میں آتا ہے خرم بحر ہزج اور مضارع اور قریب میں واقع ہوتا ہے رفع رجز و منسرح دو بحر وں میں آتا ہے صلح بحر منسرح و مقتضب و سریع میں آتا ہے طے بحر جزو منسرح مقتضب بیسط سریع باقی بحر وں میں واقع ہوتا ہے۔

اہمیت ہوتی نہیں دیکھا دلدار کو قیامت ہو! اندر میر کچھ نہیں غنی کیا موت کے ندامت ہی
تسلی ہے ہوتی مستفعلین نہیں دیکھا مفاعیلین دلدار کو مستفعلن قیامت ہے مفاعیلین تدبیر چہ
مستفعلن نہیں ہوتی مفاعیلین کیا موت سے مستفعلن ندامت ہے مفاعیلین۔

تبہیہ ارکان انامیل میں سے فاعلین اور فعولن مفاعیلین کی فرع واقع ہوئے ہیں اور مفاعیلین
مفاعیلین کی فرع ہے اور مستفعلن مفاعیلین کی پس یہ چاروں بہ نسبت اپنے اصول کے فرع ہونگے اور انہی
فرع کے مقابلے میں اصول ہونگے۔

یہ بھی جانتا چاہیے کہ زحاف تین قسم کے ہیں ایک وہ جو بیت میں سب جگہ آتے ہیں اور وہ
یہ چھ ہیں یحبن۔ طے قبض۔ کف خیال۔ مکمل۔ مگر کف اور شکل اور خیال عروض و ضرب میں نہیں آتے
یہ زحاف چونکہ کسی خاص مقام سے خصوصیت نہیں رکھتے اس وجہ سے ان کو عام کہتے ہیں۔

دوسرے وہ کہ صدر مطلع سے مخصوص ہیں اور باقی ارکان میں نہیں آتے اور وہ پانچ ہیں خرم
علم ضرب۔ شتر۔ نرم۔ مگر استعمال عرب میں یہ پانچوں زحاف صدر مطلع سے مخصوص ہیں اہل فارس و نختہ
نے انکو کسی مقام سے مخصوص نہیں رکھا ہائیک کہ کبھی کبھی خرم و علم کو عروض و ضرب میں بھی استعمال
کرتے ہیں البتہ بسوقت حشو وغیرہ میں خرم کرتے ہیں تو اس وقت خرم نہیں کہتے تحقیق کہتے ہیں
اور رکن کو بجا سے خرم کہنے کے مخفق بولتے ہیں اور تحقیق خاے نقطہ دار اور لون کے ساتھ
کھا گھوٹنے کے معنی میں ہے عدائق بحر میں اسی طرح لکھا ہے لیکن علامہ نقشبند نے شرح خزرجہ میں
خاے مہملہ اور باے موحده کے ساتھ بیان کیا ہے اور تحقیق کے معنی جمع کرنا ہیں اور اس صورت میں
رکن کو مجموع کہنا چاہیے مگر مشہور خاے نقطہ دار دونوں ہی سے ہو اور باقی چار زحافوں کا نام بھی نہیں
بدلتے پس اہل فارس و نختہ کے استعمال میں بجا سے چھ زحاف کے گیارہ زحاف عام ہیں۔

تیسرے وہ جو عروض و ضرب سے مخصوص ہیں اور باقی ارکان میں نہیں آتے اور وہ یہ تیرہ
ہیں قطع۔ حذو اذالہ۔ ترلیل۔ خلع۔ وقف۔ کسف۔ مسلم۔ تصر۔ حذف۔ تسبیح۔ تبر۔ تشبیب۔ کجیلی۔ دولون
قسموں کے زحاف خاص کہلاتے ہیں۔

فائدہ جلیلہ۔ صاحب سیار الاشار نے ایک زحاف ایجاد کیا ہے اور وہ فارسی کے
ساتھ مختص ہے محقق طوسی کہتے ہیں از جملہ تغیرات عام کہ یہ شعر فارسی خاص صفت کے آنست
کہ ہر کجا سے حرف متحرک متوالی افتد تسکین او مطاردادارند و در یک وزن محرک و سکن با ہم
بیامیزند و این مطرد است اما آنجا کہ مالتے افتد مثلاً باشد کہ بحر بسبب تسکین در بدل افتد

چنانکہ درین وزن کہ فَعْلَاتُ فاعلاتن اگر عین فَعْلَاتُ مُسکَن کنند تا این وزن شود مفعول فاعلاتن ہر یک از بحر دیگر ست پس تسکین کے مقتضی اشتباہ بود لثاید۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں کہیں تین مسلسل متحرک حرف واقع ہوں ان میں تسکین اوسط جائز ہے لیکن ایسے موقعوں پر جہاں کوئی ایسا مانع موجود ہے جس سے بحر بدل جائیگا اندیشہ ہے مثلاً وزن رمل ثمن مشکول فَعْلَاتُ فاعلاتن اگر فَعْلَاتُ کے عین کو ساکن کر دیا جائے تو بحر بدل جائے گی اور مضارع کا وزن مفعول فاعلاتن پیدا ہو جائے گا ایسی صورت میں تسکین جائز نہیں۔

چوتھا شعر تقطیع کے بیان اور حروف ملفوظی و مکتوبی کے ذکر میں

معنی نہ رہے کہ لغت میں تقطیع کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں اور اصطلاح علم عروض میں جو شعر کما رکھان انا عیل سے ہوزن و برابر کرنے کو کہتے ہیں تقطیع میں تخصیص نہیں کہ حرکات باہم یکساں آئیں اسی قدر کافی ہے کہ متحرک اور ساکن مقابل ہو جائیں یعنی یہ ضرور نہیں کہ ضم مقابل حمے کے اور فتح مقابل فتح کا اور کسر مقابل کسر کے ہو حرکت کا مقابل حرکت کے اور سکون کا مقابل سکون کے ہونا شرط ہے مثال۔

ذوق

حد دآبا ہے بکر نامہ بر لکھا نصیبون کا اگر نیلے لیکے کیا خط مدعی سے مدعا سمجھے
تقطیع عد دآبا مفاعیلن ہ بکر نامہ مفاعیلن مہر لک کا مفاعیلن نصیبو کا مفاعیلن کرے گے
رے مفاعیلن ک خط کا مفاعیلن مدعی سے مدعا سمجھے مفاعیلن۔

ایضاً

دل عبادت سے چرانا اور جنت کی طلب کام چور اس کام پر کس منہ سے اجرت کی طلب
تقطیع۔ دل عبادت فاعلاتن سے چرانا فاعلاتن اور جنت فاعلاتن کی طلب فاعلن ہ
کام چورس فاعلاتن کام پر کس فاعلاتن منہ سے اجرت فاعلاتن کی طلب فاعلن ہ الفاعل لے منہ
اکثر اشعار کے تقطیع کرنے میں مقابلہ کان کے واقع ہوتے ہیں اگر با منہ ہوں تو بہتر ہے مگر کچھ

ضرور نہیں ہے۔

اس شعر میں ذوق کے ہر رکن کے مقابل الفاظ با معنی آئے ہیں۔

مرے دل میں جو حسرت ہو نکالو نہیں کہاں اسکو | نہ وہ زیر فلک نکلے نہ وہ زیر زمین نکلے

تقطیع مرے دل میں مفاعیلین جو حسرت ہے مفاعیلین نکالو نہ میں مفاعیلین کہاں اسکو
مفاعیلین نہ وہ زیرے مفاعیلین فلک نکلے مفاعیلین نہ وہ زیرے مفاعیلین زمین نکلے مفاعیلین
اس امر کا بھی لحاظ سخن بلکہ واجب ہے کہ جزو شعر کا جو مقابل جزو بحر کے واقع ہو وہ مضحکہ انگیز
نہ ہو جیسے میر حسن کے اس شعر میں۔

الگ ہم سے یوں رہنا اور جھوٹنا | یہ اور یہی ادیر مرے ٹوٹنا

عروض و ضرب میں ٹٹنا مقابل فعل کے واقع ہے اگرچہ اساتذہ کرام و بلخائے عظام کی نظر شیر
بلندی مضامین و ایجاد لطائف معانی و مراعات علم بیان و بديع و غیرہ امور معظم بہ مقصور ہوتی ہے اور
نگاہ التفات امور کیلکہ اور کسی جزئیات کی طرف کم ہوتی ہے اور ارتکاب اس قسم کے حیوب کا کلام
کو پایہ اعتبار سے ساقط اور مرتبہ کمال تکم کو پست بھی نہیں کرتا تاہم ایسی ترکیبوں سے احتراز ادا ہے
ہے کیونکہ اکثر اباب و دل اور صاحبان فراست کے سامنے فحش ہونا اور خفت اٹھانا پڑتا ہے
چنانچہ سرخوش نے اپنے تذکرے میں لکھا ہے کہ ایک شاعر نے جمائگیر کی ہرج میں ایک قصیدہ
کہا تھا اور اُس نے پڑھنا شروع کیا جب ہی کہ میں مصرع مطلع کا پڑھا ہے اے تاج دولت
برسرت از ابتدا اتنا تھا فرمایا کہ تو عرض جانتا ہے اور شعر کے وزن و تقطیع سے باخبر ہے
عرض کیا کہ مجھے یہ چیزیں معلوم نہیں فرمایا کہ اگر عرض دان ہوتا تو تیری گردن مروا دیتا شاعر
بیچارہ گھبرا گیا کہ کیا خطا واقع ہوئی مہربانی سے آگے طلب کر کے فرمایا کہ جب اس مصرع کی تقطیع
کوں تو اس طرح وزن ہوگا اے تاج دو مستفعلن لت ہرست مستفعلن از ابتدا مستفعلن
تانا اتنا مستفعلن لت ہرست بدین اور بد قال ہے شاعر کو ایسی چیزوں سے خبردار رہنا
چاہیے۔

تقطیع کے واسطے اول جاننا ارکان و بحر کا اور واقفیت اوزان بحر کی ضرور ہے تاکہ تقطیع
حقیقی پھوڑ کر غیر حقیقی نہ کرے تقطیع حقیقی اسکو کہتے ہیں کہ تقطیع میں بحر کے رکن مطابق درج ہیں
جیسے اس شعر کی تقطیع میں۔

دلچست گئی نہ بعد فنا بھی مرغبار | ذوق باقین کرے ہر سقف پیر کن کے ساحل

تقطیع وحشت گ مفعول ای ن بعد فاع لاٹ فتابی م مفاعیل بلا فاع رفاع لان پ
 بانے ک مفعول رے ہ سنف فاع لاٹ پہرے کے مفاعیل ہن کے سات فاع لان پ یہ وزن
 بحر مضارع ثمن اخرج مکفوف مقصور کا ہے۔ اور تقطیع غیر حقیقی وہ کہ جو اسکے مخالف ہو مثلاً
 اس شعر کی تقطیع اس طرح پر کی جائے وحشت گئی مستعملین نہ بعد فاعول فتابی فاعولن مراغب رفاع لان پ
 بانے کرے مستعملین ہ مقف فاعولن کمں ک سات مفاعلان پ یہ رکن کسی بحر خاص کے نہیں ہیں
 اور یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ تقطیع میں حروف غیر ملفوظی شامل نہ کیے جائیں اور جو حروف
 لکھے جاتے ہیں مگر پڑھنے میں آتے ہیں وہ تقطیع میں شمار کر لیے جائیں یعنی حروف مکتوبی
 غیر ملفوظی تقطیع سے ساقط کر دیے جاتے ہیں اور حروف ملفوظی غیر مکتوبی داخل کر لیے
 جاتے ہیں۔

بیان حروف مکتوبی غیر ملفوظی

شال حروف مکتوبی غیر ملفوظی کی فارسی میں لفظ خود داری ہے کہ واوا کی تقطیع میں نہیں آتی۔

الکبر

وہ ادا کی کہ قضا آگئی خود داری کی

تقطیع۔ واوا کی فعلاتن کہ قضا فعلاتن گ واخدا فعلاتن ری کی فعلن پ نظر کی فعلاتن
 ک اثر کہ فعلاتن گ واوا فعلاتن ک طرح فعلن اسی طرح خورشید کی واوا تقطیع میں نہیں آتی۔

ارشد

بیانہ مے ہاتھ میں ساقی کے نہیں تھا

خورشید کو تنہا میں لیے ماہ مہین تھا

تقطیع بیان مفعول وئے ہات مفاعیل م ساقی ک مفاعیل ہی تا فاعولن پ خورشید مفعول
 کٹ تنہا م مفاعیل لیے ماہ مفاعیل ہی تا فاعولن اور ہندی میں ہاے مخلوط التلظ معتبر نہیں ہوتی
 جیسے گھر اور خیمہ اور جھنڈولا کی ہا اسی طرح انشا کے اس شعر میں لفظ کھولے اور کھڑے اور کھونگھٹ اور
 پھر کی ہا تقطیع میں ساقط ہوتی ہے۔

کھولے جب چاند سے اس کھڑے کا گھر کھڑے عاشق

کیون نہ پھر پوسہ بلایں تری چٹ چٹ عاشق

تقطیع کول جب جافاعلاتن رس اس ک فعلاتن ٹیک گوگٹ فعلاتن عاشق فعلن ہا کون پر
 فعلاتن لائے فعلاتن تری چٹ فعلاتن عاشق فعلن ہا ان اشعار میں سواے حروف نہ کوہ بالاکے اور حروف

بھی تقطیع کے وقت نکال ڈالے جاتے اور تونینڈول اور داغون سے وغیرہ الفاظ کا بھی مقبر نہیں ہوتا اور جہاں الفاظ عربی پر الف لام وارد ہو وہاں الف تقطیع میں نہیں آتا جیسے ہوا ہوس اور انا الحق اور ابوالحسن اور عبدالمجید وغیرہ ان اشعار کی تقطیع سے سب کی مثالیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

ناسخ

غضب سے سرو باندھا اس پری کے قد گلگون یہ کشتیا ع نے نامزدن کیا مصرع موزون کو تقطیع غضب ہے سر مفاعیلن و باد اس مفاعیلن پری کے قد مفاعیلن در گلگو کو مفاعیلن یہ کس شاعر مفاعیلن ان نامزد مفاعیلن کیا مصرع مفاعیلن ع موزو کو مفاعیلن۔

امات

این انائی گھانیون میں بھگیتی کی پھرتیان یا لٹ کی چوٹ دیتے ہیں سر کا بتا کے ہاتھ تقطیع ہے ایک مفعول گا یوم فاعلات یہ کہ مفاعیلن یرتیا فاعلاتن یا پاٹ ک مفعول چوٹ دیت فاعلاتن سر کا ب مفاعیلن تا ب فاعلاتن۔

دبیر

بانوسرا صفر کے قریب آگے پکاری اڈال تھنڈوٹ ترے بالونہ میں واری تقطیع بانوس مفعول راصفرک مفاعیلن قریباک مفاعیلن پکاری فاعلاتن اڈال مفعول جادو ت مفاعیلن رباوب مفاعیلن م ناری فاعلاتن۔

مومن

رقیب ہوا ہوس نے رد نہا میں تیرے کب جان دی وہ تو وارو ہے کیا تباے دیار عشق کی رسین تقطیع رقیب بل مفاعیلن ہوس نے رد مفاعیلن تباے نے مفاعیلن کب جادی مفاعیلن و نور و مفاعیلن و کا جانے مفاعیلن دیار کے عشق مفاعیلن ق کی رسین مفاعیلن۔

دبیر

خود نشہ ز شر پڑھو رہے میں بغا خیر کہتے ہیں انا العبد لرز کر صنف دویر خد فن مفعول و شر پڑھو مفاعیلن ہے فاعلات مفاعیلن ح نے نیز مفاعیلن کہتے مفعول اتل جہد مفاعیلن لرز کر ص مفاعیلن نہویر مفاعیلن کبھی الف لام دونوں تقطیع میں گر جاتے ہیں جیسے اس شعر میں۔

آسمان جاہارخشم

بیت الضم کو چھوڑ کے بچے جو جائیں گے یوں | زاہد تو ہی بتا ہے وہاں کیا دھڑا ہوا

تقطیع بمقتضیٰ ص مفعول تم ک چوڑا فعلات ک کہے کٹ مغامیل جا، کون فاعلان اور یہ عام قاعدہ ہے کہ کون غنہ لفظ میں اور میں اور وہاں اور جہاں اور کہاں اور کہیں اور کہوں اور جوں اور ہوں اور نون جمع وغیرہ کے مصرع کے پنج میں تقطیع میں نہیں آتے چنانچہ یہ بات اوپر کی مثالوں سے بھی ظاہر ہوئی اور اسلئے ذیل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔

صفحہ

جب میں کہتا ہوں کہ میں تم کے پیارے عارض | کیا چمک کر وہ میں کہتے کہ ہمارے عارض

تقطیع جب تم کہتا فاعلاتن ہ ک ہے کس فعلاتن ک پیارے فعلاتن عارض فعلن۔ کا چمک کر فاعلاتن وہ کہتے فعلاتن ک ہمارے فعلاتن عارض فعلن + اس شعریں لفظ میں اور میں اور ہوں کے نون غنہ تقطیع میں نہیں شمار کیے جاتے۔

فوق

سینے کا چاک سینے کی فرحت کہاں کہیں | مصروف زخم دل کی لگس رانین میں ہم

ولہ

اجان دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا | ابھی بنے تجھے تنہا نہ پایا پٹا

ان شعروں میں الفاظ کہاں اور رانیوں اور جہاں وغیرہ میں نون تقطیع میں شمار نہیں کیا جاتا اور لرن غنہ جیسا اوپر ذکر ہوا آخر مصرع میں ہو تو اس کے گرانے اور رکھنے کا اختیار ہے اور اس کا حال بحد کے بیان میں معلوم ہوگا اور اگر وسط مصرع میں ایسا لفظ آئے کہ اس کے آخر میں سوانوں کے اور کوئی حرف ساکن ہو اور اس حرف کا ماقبل بھی ساکن ہو اور اس کے حرف علت ہونے کی قید نہ ہو اس حرف کو موقوف کہتے ہیں وہ حرف اگر اس طرح تقطیع میں آتا ہے کہ اس پر کوئی حرکت قرار دے لی جاتی ہے اور جو آخر میں واقع ہو تو اسکو بحالہ ساکن رکھنے میں جیسا کہ پہلے قصہ وغیرہ کے بیان میں ملو پر لکھا ہے کہ عروضیوں کے نزدیک جس حرف کا ماقبل ساکن ہو وہ ساکن نہیں شمرک کے حکم میں ہے اور آخر مصرع میں بدرجہ مجبوری اسکو ساکن ٹاتے ہیں کیونکہ آخر میں ہر ایک لفظ سکون کو چاہتا ہے مثال لفظ موقوف کی تلاش معاش خیم خیم زرد در در سیر وغیرہ۔

شعوری

بجرا ہے ہے چار پہر مضطر آفتاب | روشن ہے یہ کہ کوہ ہوا بچپل آفتاب

اس شعر میں چاسکی را اور آفتاب کی فنا اور محو کی واو تقطیع میں متحرک ہو جاتی ہیں اور آفتاب کی باے سوحدہ ساکن رہتی ہے تقطیع۔ برتا مفعول ہے و چار فاعلات بہر مضط مفاعیل و آفتاب فاعلان۔ روشن و مفعول ہے ک محو فاعلات ہوا پنج پ مفاعیل را آفتاب فاعلان۔

مہدی علیخان جلیس

ایاس رہتے کا بھلا ہے برونگا کیا کام | اب تو غیرونگو سمجھتے ہیں ہ اچھا دل میں
اس شعر میں پاس کا سین متحرک رکھا گیا ہے کیونکہ در میان میں واقع ہوا ہے اور لفظ کام اور
آخر مصرع میں واقع ہوئے ہیں ایک میں میم موقوف ایک میں لون غنہ حرف آخر اور دونوں ساکن ہیں
رکھے گئے ہیں (کا کام) اور (دل میں) فاعلان کے وزن پر ہیں اور بسبب اس کے کہ لون غنہ
بڑھنے میں نہیں آتا فاعلان کی جگہ فعلن بھی درست ہے۔ اگر وسط مصرع میں تین ساکن آجائیں
تو اول کو بحال خود رکھتے ہیں اور دوسرے کو متحرک کر لیتے ہیں تیسرے کو تقطیع میں شمار نہیں
کرتے ہیں اور اگر آخر مصرع میں ہو تو حرف اول و دوم کو بحال خود ساکن رکھتے ہیں اور
تیسرے کو گراتے ہیں۔

غالب

لہ دست غمخواری میں میری سی فرمائیگی کیا | از خم کے بھرنے تلک خن نہ بڑھ جائیگی کیا
اس شعر میں لفظ دوست کی واو ساکن در سین متحرک ہوگا اور تاے فوقانی ساقط ہو جائے گی
تقطیع۔ دوس غم خا فاعلاتن ری م میری فاعلاتن سی فرما فاعلاتن نے گ کا فاعلن۔ زخم کے
بڑنا علان نے تلک تا فاعلاتن غن ن بڑجا فاعلاتن نے گ کا فاعلن۔

سعد الشاہ

دا بستمہ ہو تجھے اپنی یاں زیست | جب تو ہی نہیں تو پھر کہاں زیست
اس بیت میں لفظ زیست آخر میں واقع ہے حرف یا اور سین ساکن ہیں و تاے فوقانی ساقط
ہوتی ہے تقطیع۔ وابست مفعول کا تجس اب مفاعلن ن یا زبس مفاعیل جب زہ مفعول نہی ت پر
مفاعیلن کہا زبس مفاعیل + اور یاے تختائی کیاری اور نیولا اور کیون وعرہ الفاظ کی اور اکثر یاے تختائی
لفظ پیارا اور خیال کی تقطیع من نہیں آتی۔

انشا

ابو کی نگر کی جو کیاری ہن ندیکہ پانی | ہے ہماری ہی طرح تجھ کو بھی کیاری روزہ

تقطیع بول نگر فاعلاتن کج کاری فعلاتن من دیکھا فعلاتن پانی فعلن ہر ہماری فاعلاتن
سطح تج فعلاتن کج بکاری فعلاتن روزہ فعلن۔

گلزار نسیم

جاناکہ یہ ہے شگون نرالا | نیولا یکڑا ستین مین پالا پالا

تقطیع جاناک مفعول سے ہے شگون مفعولن نرالا مفعولن + لولا پ مفعول کڑا ستی مفعولن م
یالا مفعولن۔

میر تقی

عشق برے ہی خیال پڑا ہے چین گیا آرام گیا | جی کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا

تقطیع عشق فعل برے ہی مفعولن خال فعل پڑا ہے مفعولن چین فعل گیا آرام فعل گیا
دل کا فعلن جانا فعلن پڑا فعل گیا ہے مفعولن صبح فعل گیا یا مفعولن شام فعل گیا۔

انشا

کھول آغوش نہ تو مجھ سے رکاوٹ لپٹ | اب جو پیٹا ہے تو آپار کی کر دٹ سے پٹ

تقطیع کول آغوا فاعلاتن ش ن تو مجھ فعلاتن س رکاوٹ فعلاتن س پٹ فعلن + اب ج لپٹا
فاعلاتن دٹ اپا فاعلاتن رک کر دٹ فعلاتن س پٹ فعلن۔

یکرنک

کیون ہوئے ہوئے کہو دشمن ہمارے اس قدر | دوست کا ہوتا ہے دشمن کوئی کیا ہے اس قدر

تقطیع کیون ہوئے ہوئے کہو دشمن ہمارے فاعلاتن تم کہو دشمن فاعلاتن من ہمارے فاعلاتن اس قدر فاعلن + دوست کا
ہو فاعلاتن تاہ دشمن فاعلاتن کوئی ہمارے فاعلاتن اس قدر فاعلن + جو حرف اپنے ماقبل کی حرکت
کے اظہار کے لیے ہو وہ حرف بھی مکتوب غیر محفوظ ہے یعنی تقطیع میں نہ آئیگا جیسے ہا سے مخفی نال اور لاس
اور بقیہ اور غنیہ کی۔

حسن علی خان اثر

اُس کے غل شب در زندان اگر بچر آیا | شیون زنجیر خواب حجت کو افسانہ بھٹا

تقطیع سب غل شب فاعلاتن تا در زندان فاعلاتن و اگر بچر آیا
تقطیع سب غل شب فاعلاتن تا در زندان فاعلاتن و اگر فاعلاتن پر گیا فاعلن شیون فاعلن

فاعلاتن جیر خاپے فاعلاتن بخت کواف فاعلاتن سان تا فاعلن + اور بہت سی جگہ پائے تھائی
جیسے اور ایسے اور اسے اور میرے اور تیرے اور تمہارے اور ہمارے اور پیشانی اور
نورانی وغیرہ الفاظ کی اور اکثر موقوفوں پر بالفاظہ اور شہ وغیرہ کی اور واد جو اور ہو اور کو اور تو وغیرہ کی
تقطیع کرنے وقت خارج کر دیتے ہیں اور یہ باتیں امثلہ صدر میں بخوبی ظاہر ہیں اور اشعار ذیل سے
بھی واضح ہوتی ہیں۔

ہاے وہ دل جسے ہم بچھے تھے افلاک کے مول | دولت عشق سے بکنا ہی بہان خاک کے مول
تقطیع ہاے وہ دل فاعلاتن جس ہم سم فاعلاتن جت افلا فاعلاتن ک ک مول فاعلان + دو
عش فاعلاتن نس بکنا فاعلاتن ہا فاعلاتن ک ک مول فاعلان + اس شعر میں یاے تحتانی
الفاظ جسے اور تھے اور اسے کی تقطیع میں محسوب نہیں اسلئے کہ پڑھنے میں نہیں آتی رحمت مصرعہ
بل ہم سے وہ ہر بات میں کر جاتے ہیں کیسے + تقطیع بل ہم سے مفعول و ہر بات مفاعیل م کر جاتے
مفاعیل + کیسے فاعلان + اس مصرع میں ہم سے اور کر جاتے کی یاے تحتانی اور وہ کی ہا شمار
تقطیع میں نہ آئی۔

ہمایون قدرا میں

حاجت نہیں ہی شمع کی میرے مزار پر | ہر شب ہی سوز آہ سے روشن چراغ دل
تقطیع حاجت ن مفعول ہی ہ شمع فاعلات ک میرے مفاعیل ہا پر فاعلن ہر شب مفعول
سوز آہ فاعلات م روشن ج مفاعیل ہا غ دل فاعلن + اس شعر میں رہے اور کی اور
رے کی یاے تحتانی تقطیع میں ساقط ہوتی ہے۔

بیدار

نہ گئی تیری سرکشی ظالم | مجھے ہر چند جہ سائی کی
تقطیع نہ گئی تے فاعلاتن سرکشی مفاعیل ظالم فاعلن ہا ہر چند فاعلاتن وجہ سائے فاعلن کی
کی فاعلن + اس شعر میں تیری اور مجھے کی یاے تحتانی تقطیع سے گرتی ہا امانت بات پیشانی کی جو کچھ
ہے سو پیشانی ہے + تقطیع۔ بات پیشا فاعلاتن ن ک جو کچھ فاعلاتن دس پیشا فاعلان کی ہر
اس مصرع میں پیشانی اور کی اور ہے کی یاے تحتانی اور سو کی واو تقطیع میں ساقط ہوتی ہے۔

غالب

خیر کو یارب وہ کیوں کرتے گستاخی کرے | اگر دیا بھی سکوائی ہی تو شرما جائے ہے

تقطیع غیر کو یا فاعلاتن رب کو کر فاعلاتن منع گستا فاعلاتن نمی کرے فاعلن اگر حیابی فاعلاتن اس ک اتی فاعلاتن ہے ت شرعا فاعلاتن جاسے ہے فاعلن اس شعر میں ہادہ کی اور فادہ مسکو اہد نو کی گرتی ہیں۔

سید علی اسن اشک

اوس برد کی حمایت ہیں دل پر آنکھیں | نوڑ گرتی ہیں جو بیرون کی بلبر پکین |

تقطیع قوس ابرو فاعلاتن ک حمایت فاعلاتن س ہل پر فاعلاتن اکین فاعلاتن نوڑ گرتی فاعلاتن برج بیرون فاعلاتن ک برآمد فاعلاتن پکین فاعلاتن اس شعور میں کی اور سے کی یا سے تختانی اور جو کہ واو قطع میں محسوب نہیں اس لیے کہ تلفظ میں نہیں آتیں۔

میرسن

میں اس طرح کا دل لگاتی نہیں | یہ شرکت تو بندی کو بھالی نہیں |

تقطیع مصرع ثانی سے شرکت فعلوں کے بندی فعلوں ک باقی فعلوں نہیں فعلوں سے مصرع میں تو اور کو کی واو قطع میں نہیں آتی اس لیے کہ وہ پڑھی نہیں جاتی۔
الف بھی اکثر لفظوں سے گرجاتا ہے۔ اشعار ذیل پر غور کرو۔

میر

اک دورت بیان کیا کروں میں کے تو | یہ دل گرد کلفت کا اک کاروان ہے |

تقطیع۔ کدورت فعلوں بیان کا فعلوں کر دے فعلوں کے تو فعلوں سے دل گرد فعلوں کلفت فعلوں ک اک کا فعلوں دعا ہے فعلوں گرد کلفت کا سے الف محذوف ہوتا ہے۔

گویا

چمن میں تیکے اشارہ جو سو سے نخل حنا | تو ساعدا اشارے کے اعلیٰ رنگ مرجان پر |

تقطیع۔ چمن م کی مفاعلن ج اشارہ فاعلاتن ج سو سے نخل مفاعلن ل حنا فعلن سے سات شا مفاعلن ریکب الٹ لی فاعلاتن برنگ مفاعلن جاسے فعلن دوسرے مصرع میں اشارے کا الف ساکت ہوتا ہے اور اور بھی کئی حروف ساکت ہوتے ہیں۔

محمد حسین آزاد

وعدہ دیکھا کہ اک پیر کمرن سال آئے | پر عجب شان سے وہ مرزخو تر اعمال آئے |

تقطیع۔ دختن و سے فاعلاتن ک ک اک ہی فاعلاتن رکمن مفاعلاتن للے فعلن پر عجب شا فاعلاتن

ن س وہ مفعلاتن دختر افعالن لآ ایتے فعلن نہ دیکھا کا الف حذف ہوتا ہے اسکے سوا اور بھی
دوسرے کئی حرف ماقط ہوتے ہیں۔

ولہ

ا کرتا خرمین ہے تو ہی بکھرے ہوئے دانہن کما | کوئی اک دانے سے ہے پاتا سوجا لونکو
تقطیع۔ کرت خرمین فاعلاتن ہ ت ای بک فاعلاتن رہوے و فاعلاتن نو کو فعلن۔ توہ اک
فاعلاتن ن س ہے پافاعلاتن لٹ سوجا فاعلاتن نو کو فعلن۔ اس شخص میں علاوہ کئی حروف کے کرا اور
پات کے الف تقطیع میں گرتے ہیں واد عا لطف بھی کبھی پڑنے میں نہیں آتی اور کبھی پنے ماقبل کے نئے کے
ظاہر کرنے کا کام دیتی ہے چلی صورت میں تقطیع میں شمار نہیں کی جاتی اور دوسری صورت میں شمار کی
جاتی ہے۔

فوق

جو بچہ حسن تبارن کو ایمان انھیں کہہ دو دین کیساں | پوچھتے کبہ میں ہ مسلمان ہشتہ چین فرنگ ہو کر
تقطیع من جج جسے فعل فعلن تبارن ایما قول فعلن ا لے رہے کف قول فعلن بدی و یک
فعلن۔ پچھت کبہ قول فعلن۔ مسلمان قول فعلن ہمیشہ جیو قول فعلن فرنگ ہو کر قول فعلن
اس شخص میں جو اور کو کی واد اصل در کردین کی واد عا لطف تقطیع میں نہیں آتیں اس لیے کہ پچی
نہیں جاتیں اور چین و فرنگ کی واد عا لطف تقطیع میں حرف ساکن شمار ہوتی ہے۔

بیان حروف ملفوظی غیر مکتوبی

اب یہاں سے ان حرفوں کا بیان کیا جاتا ہے جو لکھے نہیں جاتے اور تقطیع میں شمار کیے جاتے ہیں ان
کو حرفین ملفوظی غیر مکتوبی کہتے ہیں جیسے الف ممدودہ کو بجائے دو حرف الف کے شمار کرتے ہیں
اور صورت ملکی یہ ہے جس حرف پر یہ نشان ہوتا ہے اُسکو کھینچ کر پڑھتے ہیں جیسے اور گا برہن مفلول

میر ضیاء الدین ضیا

احسان تھاجیک کو ہکو بھی جواب تھا | ابوقطائے لگا شاید کہ خطائے لگا
تقطیع۔ صاف تاجب فاعلاتن تک ت ہکو فاعلاتن بی جوابے فاعلاتن صاف تا فاعلاتن اب
ت خطا فاعلاتن لے لگا تا فاعلاتن ید کہ خطا فاعلاتن نے لگا فاعلاتن۔ حروف مشدد
بھی دو حرف گنے جاتے ہیں کیونکہ تشدید ایک حرف کے دؤ دفعہ پڑنے کو کہتے ہیں اور صورت ملکی

یہ ہے جس حرف پر علامت ہوگی وہ دوسرے پڑھا جائے گا اور دوحرف تقطیع میں آئیں گے
جیسے مذب بروزن فعلن اسکو تقطیع کے وقت یوں لکھینگے مذبذب۔

واسطی

سوز عشق قد جانان نے کیا کسکو نہ خشک اسکو کھڑکھڑا رہا ہر سو کاٹا ہو گیا

تقطیع سوز عشق فاعلاتن قد جانان فاعلاتن نے کیا کس فاعلاتن کو نہ خشک فاعلان ہو کر گل
فاعلاتن مارے ہر فاعلاتن سر و کاٹا فاعلاتن ہو گیا فاعلان فائدہ مرزا قلیل نے دریائے لطافت
میں لکھا ہے کہ حروف ملفوظی غیر مکتوبی ہندی میں نہیں آتے یہ بات خالی سہو سے نہیں
کس لیے کہ بہت سے الفاظ ہندی میں ایسے دیکھے جاتے ہیں جن میں ان قسم کے حروف موجود
ہیں جیسے آجاء اور رتی اور کنا اور ندی اور بھدا اور بنی وغیرہ مثلاً ذیل پر غور کرو۔

امانت

کشتہ رخ ہوں جلاؤ نہ اگر کی تبی چاہے قبر کا نور حسرت کی تبی

سودا

ہوے کتوال کو وہ مانے زور یہ تو پختہ کی جھول کا ہے چور

ولہ

ہونہ سکے شاعر اور شرپہ دل یا اپنا تخلص ندان بنے کا اٹو کیا

عظم

دستا بھی کھئے حوصلہ نوارہ ساننگ چلو ہی بھرجو پانی میں گڑ بھر اخیل چلے
تم اپنے فیل منے کو نکالو سے مرے ہاتھی سے دو ٹکر لڑا لو

ارشاد

دوپٹہ آب روان کا پڑا ہے سینے پر بھلا کسی نے بھی دیکھے جا چکے ہیں آب

میر

ایک دن ایک کو آ بیٹھا بے گمان جیسے ہوا آ بیٹھا

ولہ

یہ تو میں کیوں نہ پھیلے یک سرے
پچو نس بھی تو نہیں ہے چپتر پر

	ولہ	
پیکر اپنی خدا نے رکھی ہے	ڈالس اک ایک جیسے کھتی ہے	
	ولہ	
مکتوب کی جستجو میں ہوا مدٹا بات کا	دسویں کا کتاب کہ نگہ کا نہ گھاٹ کا	
	ولہ	
غیر ضل نسوس کی جگہ بتی	اب کہاں کو گھیا ہے دلی	
	انشا	
نسیمت کا ناڈا ہر گھڑی کیوں بیٹھتا ہے	برادر ناجو ہو چکی ہیں کیا چوٹوں کو دل ڈالے	
	ولہ	
بڑھوا سا جرایک ہے پٹیا	اسکا پانی میں ہے بندھا لٹھا	
	اسیر	
دل لہز قہقہوں میں لٹک کر چو لگاتے جاگ	پیش پو ب کہ سینوں کا تماشا عطر	
	غصیا	
بارہ نوشی میں جزلعت یا کر لڑا گیا	میں میں الیا پڑ پھنکا کہ اچھو ہر گیا	
	تریا نہ خستے آبرو	
حال ہاں ملک عدم کا کوئی پتہ ہوتا ہے	قل کر بنی ہے خیموں کے میں جاگ	
	قصر	
ات کو گھر کے کو اڑا نکھڑکھا ہے مارا	ازرا گفت دے ہے ہر دھکے گل گئے	
	ولہ	
اڑا دے کو خاک گدھنی میں چر رہا ہے	کر کے ششم مند بہتار میں جگر کا	
	ولہ	
ہو تیرے ہاتھوں سے تیق کا کھانا ہوا	مور پر چپے ہے تو یہ کیا گھڑا ہوا	
سکر میں تو ان کا ہو گیا بس غم ہوا	یہ ننگ ہے نہ ناؤ کا یہ سنا ہوا	
	کچھ ہے دامن براہ راستوں جب نہ سنیں	
	یہ نہیں ہے نہ سنیں یہ نہ سنیں ہوا	

حاقم

مارنے کو رقیب کے حاقم استنیر ہے بر ہے دھت ہے

توین بھی جو آخر کلمات میں آتی ہے اور کبھی نہیں جاتی دوسرا حرف قرار دیا جاتی ہے اور تقطیع میں محسوب ہوتی ہے کیونکہ توین نون ساکن کا نام ہے۔

ورد

افکر پہلوی وہ کرتا تھا صریحا لیکن میں جو پوچھا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا

لقطیع ذکر میرا فاعلاتن و وکرنا فاعلاتن ت صرحت فاعلاتن لیکن فعلن پائے ج پوچھا فاعلاتن کے نئے فاعلاتن رے مذکور فاعلاتن ملن تا فعلن پائے الحاصل جو حرف پڑھے اور بونے جاتے ہیں اگرچہ کھے نہ جاتے ہوں تقطیع میں شمار کیے جائیں گے جیسے نسطاوس کا وں میں دوہ ادا و اس کسرے میں جو کھینچ کر بٹھا جائے ایک یاے تختانی اور باے مختفی وغیرہ میں وقت اضافت جانب کلمہ دیگر ایک ہمزہ متحرک محسوب کرتے ہیں اور جو ہمزہ کھینچ کر بٹھا جائے وہ ہمزے ایک حرف مستقل کے گنا جاتا ہے۔

سنی

سنی شاہ کا دس نے یہ خبر کہ ترکوں نے کاٹا سیاوش کا سر

لقطیع سنی شاعولن کا ودفولن س نے یے فوہن خبر فعل پائے کہ ترکوں فوہن ن کاٹا فوہن سیاوش فوہن ک سرفعل لقطعا دس میں دو ادا و شمار کی گئی ہیں۔

محمد سعید خان سعید

دیکھا نہیں ہے مار کو طلاؤں مارے کیسو پڑا ہے نیچے دل داغدار کے

لقطیع دیکھا ن فوہل ہی مارفا علات ک طلاؤں مفاعیل مارے فاعلن کیسو پ فوہل پڑا پچ فاعلات وے داغ مفاعیل دار کے فاعلن اس شعر میں طلاؤں میں دو ادا و شمار کی ہیں جدول کے لام کے بعد ایک یاے تختانی اضافہ کی گئی جو کسر اضافت کے کھینچنے سے پیدا ہوئی ہے۔

ذوق

بندہ کا ہے نہ مضمون اس ہاں تنگ کا ہاتھ اپنا فکر میں زیر زخندان ہی رہا

لقطیع بن سکا ہم فاعلاتن سے ن مضمون فاعلاتن اس وہاے فاعلاتن تنگ کا فاعلن پائے بات اپنا فاعلاتن فکرے زے فاعلاتن سے زخندان فاعلاتن ہاں فاعلن اس شعر میں فاعلاتن تنگ سوز زیر زخندان میں کسر کھینچ کر بٹھا جاتا ہے اور یاے تختانی شمار کی جاتی ہے پاور جدول اور ہاں فاعلاتن سے اور

نوں لفظ مضمون اور مخدمان سے خارج کر دیے جاتے ہیں۔

أَلِفًا

طلسم طرفہ تراشولے میرے مردمان باندھا
 کہ ہے اک اک گروہ میں حاصل صد بھر دکان باندھا
 لفظ طبع طلسم طرفہ عیلمن قرآن سومفا عیلمن ن میرے مرغا عیلمن دما بادامفا عیلمن ک ہے اک
 اک مفا عیلمن گروہ مفا عیلمن صلے صد بھر مفا عیلمن رکا بادامفا عیلمن اس شعر میں بھی طلسم طرفہ تریدہ
 حاصل صد بھر کے کسرے کے کھینچنے سے یاے محتانی پیدا ہوتی ہے اور نون اور یاے محتانی وغیرہ
 عند حدن گرتے ہیں۔

5

نالہ مرغ سحر لے اے بیمار کیا	کسین ڈر ہے کہ خفا تجھے وہ دلدار نہو
------------------------------	-------------------------------------

تقطیع نالے مرزا علما تن غ سمر نے فعلاتن اُس بیمار فعلاتن رکیا فعلن ہاگ وہ ہو فعلاتن
ک فعل غ علما تن س دولما فعلاتن ردو فعلن ہا اس شعوبین لفظ نالہ لمرج محبین ہاے مفتفی کے مرغ کی
حرف مضاف ہونے کی وجہ سے ایک ہزہ پیدا ہوتا ہے اور تقطیع میں وہ ایک حرف علیحدہ شمار
کیا جاتا ہے۔

یا پخوانی شہر جو کہ کشمیر میں

جس قدر بحرین دوسرے فہرین بیان کی گئیں ان میں سے بعض بحرین اشعار عرب سے
مخصوصیت رکھتی ہیں جن میں شعرا سے بچنے کے طبع آزمائی نہیں کی اور بعض فارسی شعروں کے ساتھ
مخصوص ہیں جن میں مستعمل نہیں اور بعض شکر ہیں اور بحر مستعمل فارسی میں سے بعض ایسی ہیں
جن میں متقدمین نے اشعار کے ہیں اور متاخرین نے انکو ترک کیا ہے یا اس طرح بیان کا استعمال
نہیں کرتے ہیں یا جو بحر سدس و مربع استعمال کی جاتی تھی اب اسکو ثمن کے سوا نہیں لاتے غرضکہ
ایسے ہی اختلاف واقع ہو گئے ہیں اور ان سب بحر مستعمل عرب و عجم میں سے بعض ایسی ہیں جو رخیہ
میں مستعمل ہیں اور بعض ایسی ہیں جو رخیہ والوں نے متروک کیا ہے پس یہ کتاب جو عرض مقامیہ
رخیہ کی ہے اس میں وہی بحرین اور وہی شکلین بحرین کی بہ تشریح لکھی جائیگی جو رخیہ میں مستعمل
ہیں اگر ضرورت کوئی ایسی بحر یاد دینے جو شعر عربی یا فارسی کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے تو اسکی
طرح اشارہ کر دیں گے اور اس کتاب میں ہر ایک مقام اور ہر ایک فن میں زبان رخیہ سے بحث

ریخ رشک خمر کو اپنے دہ جس دم دکھاتا ہے	تو حیران ہو کے آئند بھی ایسا نمٹھ چھپاتا ہے
اگر ہم دل لگی کے واسطے بیٹھیں کہیں ہمارے	دل وحشی بہ صد ذلت ہیں ان کے اٹھاتا ہے
یہ حالت ناتوانی نے تیرے بیمار کی کر دی	کہ ایک ایک گام پر وہ ٹھوکرین لاکھوں بھی لٹاتا ہے

اور عرض و ضرب مغایل ن میں بھی آئے ہیں۔

میر محمد زکی میٹھا سن زکی

برا ہوتا تو انی کار دلا با ہے لمو برسوں	مرے دل میں رہی ہر دل غم کر از زور برسوں
حباب آسا خیط عشق سے جو بار آترے ہیں	ایسا نذر جاتے ہیں پہلے سر سے نیچے پائوں دھرتے ہیں

ان شعروں میں عروض اور ضرب مغایلاں ہیں۔ محقق طوسی میاں الاشعار میں لکھتے ہیں کہ ایسے دو ساکنوں کے لائق ہونے کی وجہ سے مسبق نہ سمجھنا چاہیے کیونکہ الف اور زون غنہ و حرف نہیں بلکہ ایک حرف کے قائم مقام ہیں جیسا کہ درمیان ابیات میں ایسے دو حرف یکساں کے حکم میں شمار کیے جاتے ہیں اگر کہا جائے کہ درمیان ابیات میں چونکہ اشباع نہیں ہو سکتا اسلئے وہاں ایسے دو حرف ایک قرار دے دیے جاتے ہیں بخلاف اواخر ابیات کے کہ وہاں اشباع ہوتا ہے پس بیان مسبق نہ ملنے کا کیا سبب ہی جواب اس کا یہ ہے کہ اگرچہ اواخر ابیات مکمل تسبیح ہے لیکن دائرے سے غرض لازم آتا ہے اسلئے بیان بھی دو ساکنوں کو ایک ہی ساکن قرار دینا چاہیے البتہ بجز وہی مضائقہ نہیں لیکن خواجہ کا یہ قول زون غنہ میں جاری ہو سکتا ہے حالانکہ تاخرین ساکن نامد غیر غنہ بھی لائے ہیں اور وہ سوہے تسبیح کے دوسری تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا مولوی سعد اللہ نے شرح میں سی طرح لکھا ہے مثلاً۔

ازول محمد

وہ چپ ہے جو نہوتا تھا تہ وارد رس خاموش	اُسی کی چپ سے گویا ہو گئی بت انجمن خاموش
گزشتاری کا اُسکی تھا نہ ہی کیا وقت اکر صباد	نویں کیونچ فصل گل میں ہے مرغ چمن خاموش
خوشی بھی نہ بن جائے گی کیونکہ نیرت فریاد	غضب ہر اس طرح ہوں خوش نوا یاں چمن خاموش

عروض و ضرب دونوں میں ہیں۔

اسما خلیل خان عبیر امپوری

کتاب طالع برسی سمت جہان دمن وہ بت سے درد

بت کو بھلا پھر کس سے جا کرین کردن سنراد

عروض و ضرب دونوں میں ہیں کبھی ایک سبب ہو بت اور دوسرا سالم۔

سید محمد خان رند

گلیم فقر کو کیوں دوش پر ہم ڈالتے اسے رند
سدا تصویر کی صورت جو حیران رہتے ہوا کر رند
لگانے زندگی تک ہر عزیر و استر با اسے رند
اگر کیل سے بہتر جانتے کم خواب دشمن کو
کسی آئینہ رو سے کیا کہیں پھر دل لگایا ہے
معدن سوئے جیب جا کر نہ رختہ ہے نہ مٹا ہے

ولی

تہ و بالا ہونا نالوں سے آخر عالم بالا
اثر فریاد کا ہے صاف ظاہر اس کی جہوں سے
رند کے اشعار میں عود صنیع ہین اور ولی کے اشعار میں ضرب سنہ ہین بلکہ درمیان مصرع ہین بھی
اشباع جائز ہے۔ قاضی یوسف مرکھے یوسف تخلص۔

رسول اللہ کے فرزند علی کے لادے دل بند
ہین نہرا کے جگر ہونند محی الدین جیسلائی
سوائے عود صنیع کے دونوں مصرعون کے حشون بھی فاعلان صنیع واقع ہے۔
بعض شعرا نے بجز ہج ثمن سالم کو مضاعف بھی استعمال کیا ہے مثال اسکی۔

از معیار البلاغت

چمن میں وہ نگار بن خط گیسو پریشان راست قد خوش جسم مہیما جو اگر جلوہ گر ہو دے
نبخشہ جا پڑے سودا میں سنبیل پیچ کھائے پابگل شمشاد زگر گس زرد و گل چاک جگر ہو دے
ہزج ثمن سالم محذوف الآخر یا مقصور الآخر مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن فعلن یا مفعول
دو بار حذف مراد ہے اسقاط سبب آخر کن سے پس مفاعیلن سے مفاعی محذوف رہا اسکو فعلن سے
بدل لیا اور قصر مراد ہے اسقاط حرف ساکن سبب خفیف اور اسکان ماقبل سے پس مفاعیل مقصور
رہا۔ محذوف کی مثال۔ ہ

ظفر

بتوں پر جان جاتی ہے خدا مارے کہ چھوڑے
تقطیع تو پر جا مفاعیلن ن جاتی ہے مفاعیلن خدا مارے مفاعیلن کہ چھوڑے فعلن پائی کی طر
مفاعیلن زبانی ہے مفاعیلن خدا مارے مفاعیلن کہ چھوڑے فعلن پائی مثال مقصود کی۔

کہاں ہر گز پہ پائے کے گھر نزدیک نزدیک
ستارے ہین یہ نزدیک قمر نزدیک نزدیک

خانی ناخن باز بر سر و قامت یار
پڑے دس پانچ مہین گھرگ تر نزدیک نزدیک
دونوں بیٹوں میں عرض و ضرب مقصود یعنی مفاعیل کے وزن پر مبنی بدستور ہے اور اجتماع
دونوں کا ایک غزل میں جائز ہے جیسا کہ۔

ولم

بجز ہم بتان دشمن دین و دل و جان
کوئی اصحبت نہیں بجاتی خدا کر مجھوڑے
عرض مقصود ہے اور ضرب محذوف باقی بدستور مگر محقق طوسی کی رائے کے مطابق عرض بھی
محذوف ہے۔

ہزج شمس ابر مفاعیلن مفاعیلن فع دوبار جیسے

نہ چل شوخی سے کراے دل خرام آہستہ
نکلتا ہے یہاں ماماں کام آہستہ
شکر و حول کی ہے ایدل قبیح کرنا
صبا کو دیکھ کیا رکھنی ہو کام آہستہ

تفلیح نہ چل شوخی مفاعیلن مس کر ایدل مفاعیلن خرام آہستہ مفاعیلن نہ فع الخ
لفظ فع ابر ہے۔

ہزج شمس مقبوض مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن دوبار قبض مراد ہے اسقاط حرف
پنجم سے جو ساکن ہو پس مفاعیلن سے مفاعیلن مقبوض رہا مثال اسکی یہ شعر سادہ سنگھ کام
بدیوانی کا ہے۔

یہ غمٹری غمٹری جو ندے کلائی موڑوڑ کر
بھٹلا ہو تیرا قیابلا دے حسنم بچوڑ کر

تقطیع یہ توڑ تو مفاعیلن ڈرے ندے مفاعیلن کلا، مو مفاعیلن موڑوڑ کر مفاعیلن : ہلاہے مفاعیلن
رساتیا مفاعیلن پلاوغم مفاعیلن غمٹوڑ کر مفاعیلن فائدہ مفاعیلن مفاعیلن سے بسبب قبض کے
حاصل ہوا ہے اور مستفعلن سے بھی بسبب قبض کے مفاعیلن بنتا ہے جیسا کہ اوپر حافظوں کے بیان
میں معلوم ہوا ہوگا پس رجز مجنون اور ہزج مقبوض دونوں کا ایک وزن ہوا لیکن اس وزن کو ہزج
میں شمار کرنا زیادہ مناسب ہے اسلئے کہ رکن مفاعیلن مفاعیلن سے بہ آسانی پیدا ہوتا ہے نسبت
مستفعلن کے کیونکہ اس میں صرف حرف یا ساقط کیا گیا ہے اور اس میں حرف سین گلا کر مستفعلن کو
مفاعیلن سے بدلا ہے۔

ہزج شمس مقبوض سالم مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن دوبار مثال اس کی
یہ اشعار غالب کے۔

عجب نشاط سے جلاد کے چلے ہیں ہم آگے
 قضائے تھانھے چاہا خراب بادۃ الفت
 کہ اپنے سائے سے سر پانوں سے دو قدم آگے
 فقط خراب کھا بس نہ چل سکا قلم آگے
 تقطیع عجب نشاطا علن ط سے جلا مفاعیلن د کے چل مفاعیلن ہم آگے مفاعیلن کہ اب
 ان سا مفاعیلن سے سے سر یا مفاعیلن د سے دو مفاعیلن قدم آگے مفاعیلن قضا سے تا
 مفاعیلن مجھے چاہا مفاعیلن خراب یا مفاعیلن د سے الفت مفاعیلن فقط خراب مفاعیلن ب
 لکس کا بس مفاعیلن ن چل سکا مفاعیلن قلم آگے مفاعیلن قسم جتا مفاعیلن ز پے آنے مفاعیلن کہ
 سے رکام مفاعیلن ت سے غالب مفاعیلن ہے شش کا مفاعیلن ت سے جو لے مفاعیلن
 تہ جان کی مفاعیلن قسم آگے مفاعیلن اسکی تقطیع بحر محبت شمن مجنون میں بھی ہو سکتی سہن سے
 ہنرج سمون اشترا مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن دوبار اشترا د سے اجتماع خرم و قبض
 یعنی حرف اول تہ مجموع و حرف پنجم اکون و ورا نا پر مفاعیلن سے فاعلین اشترا بنایا۔

الاشا

برق شعلہ زان چمکن بھی درو شال مہتاب
 تقطیع برق شعلہ فاعلین ان نہ حقیقی تھا ایسے بڑی فاعلین خرد شاست مفاعیلن پائرم افع ملن
 گرمی سانی مفاعیلن بزم در فاعلین و ز شاست مفاعیلن۔

بادی

کیا معنا ہے اس آیت ہم بھی گرو سوا
 شوق تھا بڑا ملکوانی خود نسائی کا

غالب

عشق سے طبیعت نے زنت کا مزیا یا
 درد کی ادائیگی درد لا دوا یا یا

دلہ

انکار اس بیری دش کا اور پھر بیان بنایا
 بن گیا رقیب آخر جا بوزاردان اپنا

نگار

نہ میں خود یا است تمنا کہ یوں بڑھائی جا
 اور ساتھ محشر کے ایک بلا لگائی ہے

ان سے سب آتش زمین سے دریا بہا اشترا بہا و در و عس و ضرب سام و در و شومین ایک در کس اشترا
 ایک سام سے اور در و عس یا شرب سام سے آتش زمین سے یا کس شومین سے

تنگدیسے ہم اٹھ کر اٹھے یا ٹون گھرائے اپنے نقش پا کو تھا سجدہ ہر قدم کے بعد
 تقطیع تنگدیسے س اٹ کر فاعلن مفاعیلن اٹ پاؤ گراے فاعلن مفاعیلن پاؤں نقش پا کا
 فاعلن مفاعیلن سجدہ ہر قدم کے بعد فاعلن مفاعیلن صدد ابتدا شر ہے اور حشون بھی ایک
 ایک رکن اشتر ہے اور ایک ایک سالم اور عروض بھی سالم مگر ضرب مسبق واقع ہوئی ہے اسی وزن
 میں ہے یہ شعر نظم کا ہے

فان اشارہ کبر و مطلع ہلالی ہے ہے یہ آہ کا مصرع تقطیع فغانی یان
 ہنرج مغممن ا حرب مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن دوبار حرب مراد ہے اجتماع خرم و کف
 سے یعنی بسبب خرم کے حرف اول اور بسبب کف کے حرف ہفتم گرایا تو مفاعیلن سے فاعیلن حرب
 رہا اس کو مفعول سے بدل لیا مثال۔

مغل

خورشید جو نکلا ہی اس وقت یہ لرزان ہو اکوٹے پہ کھڑا شاید وہ ماہ نقا ہو گا
 تقطیع۔ خورشید مفعول ج نکلا ہے مفاعیلن اس وقت مفعول ی لرزا ہو مفاعیلن پا کوٹے
 پ مفعول کڑا شاید مفاعیلن وہ ماہ مفعول لقا ہو گا مفاعیلن صدر و ابتدا حرب ہے اور غزل
 و ضرب سالم اور ایک رکن حشو کا بھی ا حرب ہے اور ایک سالم۔

عبدالرسول نشار

جب حرف محبت کے باہم سے گئے گذرے ہم تم سے گئے گذرے تم سے گئے گذرے

اور عروض و ضرب مسبق بھی لانا درست ہے جیسے سودا کے اشعار میں۔

ست پوچھ کر کس سے پرے ترس پے ہیں بندے اک شیخ نوبے کی دستار نظریں میں ہے
 سینے سے کھینچے کیونکر عاشق کے خدائے عشق جز داغ کہیں اس کا سوزِ نظر میں ہے

میر محمدی بیدار

بے طرح کچا بدھ کو دہست شراب کن پچھے ہوئے آنا ہے تلوارِ حشرِ حافظ
 یوں ہر سے فرمایا اس لئے وقت گئے ہم جاتے ہیں اب نیزا بدھ خدا حافظ

چارون شعرون میں عروض مسبق میں اور ضرب سالم۔ اس وزن میں در بیان مصرع میں مفاعیلن کی
 جگہ مفاعیلان سکون ٹون کے ساتھ آسکتا ہے لیکن مصرع زبان پر کھٹکتا ہے اور اسکو سکتہ کہتے ہیں ی
 قبیل سے ہے بابو غلام محمد طور کی ایک نظم۔

معبود تھے جب اصنام مفقود تھا حق کا نام | سدم علم اسلام تجھ سے ہوا اونچا ہے

تقطیع معبود مفعول ت جب اصنام مفاعیلان مفقود مفعول ت حق کا نام مفاعیلان ہے اسدم ع
مفعول ہے اسلام مفاعیلان تج سے وہ مفعول واو چاہے مفاعیلان۔

ہزج ثمن مخفوف سالم الآخر مفعول مفاعیل مفاعیلان دو بار خرب مراد
ہے اجتماع حزم و کف سے چنے حرف اول و حرف ہفتم کو گرانا پس مفاعیلان سے فاعیل خرب ہوا اسکو
مفعول مضموم اللام سے بدل لیا اور کف مراد ہے اسقاط حرف ہفتم سے پس مفاعیلان سے مفاعیل مخفوف
رہا یہ وزن رخیۃ میں مروج نہیں بہر صورت مثال یہ ہے۔

تا عکس رخ یار کو سینے میں رکھے اپنے | آئینے کو اس واسطے سیما کے ربط ہیگا
ہے دل میں اڑانے کی میرے پرے گریبان کو | ہمدم تجھے کیا فکر فوساز کا خبط ہیگا

صدر وابتدا خرب اور خشو مخفوف اور عرض و ضرب سالم ہیں تقطیع تا عکس مفعول رخ یار
مفاعیل کے سینے مفاعیل ر سے اپنے مفاعیلان ہے آئین مفعول کے اس واس مفاعیل سیما
مفاعیل س ربطیگا مفاعیلان ان شعرون میں ہیگا کی با بھی ساقط ہوتی ہے۔

اے تو مجھے زخم کا ہر زخمین خطرہ ہے | پر مڑ رہے کمین تیرے نہ پیکان کے ٹکڑے ہوں

اس شعر میں خرب مفاعیلان سبع ہے اور عرض بدستور ہے۔

ہزج ثمن مخفوف مخذوف الآخر مفاعیل مفاعیل مفاعیل فعلن کف مراد ہے اسقاط
حرف ہفتم سبب خفیف سے پس مفاعیلان سے مفاعیل بضم لام مخفوف ہوا اور خذوف کہتے ہیں اسقاط
سبب خفیف کو آخر کف سے پس مفاعیلان سے مفاعی مخذوف رہا اسکو فعلن سے بدل لیا مثال

طالب

تب ہجر سے اے یار دل زار جلا ہے | ذرا دیکھ دل زار نیا باغ کھلا ہے

تقطیع ہے ہجر مفاعیل س اے یار مفاعیل دے زار مفاعیل جلا ہے فعلن۔ اگر اس وزن
میں ایک مصرع خرب مخفوف مقصور یا مخذوف ہو تو شعر ناموزون نہوگا۔ جیسے۔

اجاب تو یوں کہتے ہیں کچھ چیز تو کھانو | اگر خون جگر جسکی غذا اسکی غذا کیا

پہلے مصرع کا یہ وزن ہے مفعول مفاعیل مفاعیل فعلن اور دوسرے مصرع کا یہ وزن ہے مفاعیل
مفاعیل مفاعیل فعلن۔

یہ دم ایسا ہے ادبر کے کدھنکے اگر ج | ہستی سو بے راہ عدم دیکھیے کس وقت

پہلے مصرع کا یہ وزن ہے مفاعیل مفاعیل فعلن اور دوسرے کا یہ وزن ہے مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل۔

ہر جہت میں اے حرب مکفوف مقصوراً آخر مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل دو بار حرب سے مراد ہر اجتماع خرم و کف کا یعنی حرف اول ہختم کو اگر مفاعیل سے مفاعیل حرب بناؤ اسے مفعول سے بدل لیا اور ہختم کو اسقاط حرف ہختم بسبب خیف سے پس مفاعیل سے مفاعیل ہختم لام مکفوف ہوا قصرت سے مراد ہر اسقاط حرف ساکن بسبب خیف کے جو آخر کن میں ہوا اور ساکن کرنے اس کے ماقبل سے پس مفاعیل سے مفاعیل بلکون لام مقصور رہا مثال۔

عشقی

تو جسکو کر بھجا ہے شیشے میں ہر بال اے مینے میں بچا لاسے نہیں اے گل ترناں
لقطعیج۔ تو جنگ مفعول کر ج مفاعیل ہ شیشے م مفاعیل و ہر بال مفاعیل۔

ناسخ

تیرے لب جان بخش ہوئے پانچ جب سرخ عالم نے کہا چشمہ جوان میں ملی آگ

آتش

اے رشک سیما کا جو کرنا ہے کوئی ذکر ہوتا ہے مرا صورت بیمار عجب وہ

ہر جہت میں اے حرب مکفوف مخدوف آخر مفعول مفاعیل مفاعیل فعلن دو بار

میر درد

مغدر ہمیں کب ترے صفوں کے رخ کا آقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

انواب محبت خان

جسکو تری آنکھوں کے سرکار رہے گا بالفرض جیا بھی تو وہ میرا رستہ نا

مولفہ

کیون کرتے ہو چشم بہت عیار کا چرچا بیمار سے اچھا نہیں بیمار کا چرچا

ولہ

طوطی کی طرح آنکھ بدل جاتا ہر سب سے گنبد دوار نہیں یار کسی کا

ولہ

اے چارہ گرد کرتے ہندسہ دو ایک باقی تن رہجو میں اب میرا کیا

اگر وہ چشم غریب نہ تھا ہوں بھی ایک قصہ روز را خدوف تو شعر ناہ و زون نہ کا جیسے اس شعر میں

قائم

اقتسامو مجھے آمدین کوئی اسکی کہ ناگاہ

بجائے نہ گھر سے کمین باہر تیش دل

صدر و ابتدا خرب ہے ہر اور خشو کفوف ہے اور عرض مقصور اور ضرب محذوف۔

انشا

ہم مختلف خلوت بنخانہ میں اسے خج

جانا ہے تو جالہ ہی طواف حرم اچھا

کھڑ گئے آتا ہوں کوئی دم میں میں تم پاس

پھر دے چلے کل کی طرح سے مجھ کو دم اچھا

اگر خشو میں ایک رکن سالم اور ایک خرب یعنی مفاعیل مفاعیل کی جگہ مفاعیل مفعول آجائے تو درست ہے مثال۔

ملوکف

شیدائیں ہونا ہوں کسی بیت پر اسی سے

میں آپ ہی مجنون ہوں میں آپ ہی لیل

پہلا مصرع اس میں زن پر ہے مفعول مفاعیل مفعول اور دوسرا مصرع اس میں وزن پر ہے مفعول مفاعیل مفعول قطع یوں ہے مے آپ مفعول ہ مجنوں ہ مفاعیل مے آپ مفعول لیل مفعول صدر و ابتدا خرب اور عرض و ضرب محذوف اور مصرع اول کا خشو کفوف اور مصرع ثانی کے خرمین ایک رکن سالم اور ایک خرب ہے۔

ہزج شمس ان خرب مقبوض ازل مفعول مفاعیل مفاعیل ناع دوبار فاع رکن مفاعیل میں اجتماع خرم و ہزج سے حاصل ہوتا ہے اسکو اصطلاح میں ازل کہتے ہیں مثال اسکی یہ غضنفر علی خان حکیم پسر سید مظفر علی خان اسیر کہتے ہیں۔

کیا خوب چھپا ہے واسطی کا دیوان

اہر دل کو حکیم یہ سخن ہے مقبول

تقطیع کا خوب مفعول چپاہ و مفاعیل سطر کا دی مفاعیل ان ناع اہر دل کے مفعول حکیم یہ مفاعیل سخن ہے مق مفاعیل بول ناع

ہزج شمس ان خرم اشتراک کفوف محبوب مفعول تائیل مفاعیل فعل دوبار مفعول ان خرم ہے اور فاعل اشتراک اور مفاعیل بضم لام کفوف اور فعل بفتح صین سکون لام محبوب ہے۔

ہزج شمس ان خرب اہتم مفعول مفاعیل مفعول ناع دوبار مفعول خرب اور فاعل اہتم مثال ہر دو وزن

ابو چھپا جس وقت مجھے ہاتھ نہ کسی

ایچ چھپا دیوان فضل رسول

مصرع اول کا یہ وزن ہے مفعول فاعل مفعول فعل اور مصرع دوم کا یہ وزن ہے مفعول مفعول مفعول فاعل مفعول فعل
مفعول فعل تقطیع ہر دو مصرع پر چار جس مفعول وقت مج فاعل میں ہائے ان مفعول کی فعل تاریخ مفعول
چپا دیو مفعول مفعول نے فضل مفعول رسول فعل۔

ہنچ مستدس سالم۔ مفاعیلین مفاعیلین دوبار مثال اسکی یہ ہے۔

موقف

کیا کیوں زلف کو قربان کرکے بر
وہ الٹی لگ گئے ہم سے قسم لینے

بلائین کڑھنم لیتے تو ہم لیتے
جو سج پوچھو قسم لیتے تو ہم لیتے

تعلیق۔ کیا کورل معاعیلن ف کو قربا معاعیلن ن مکرے پر معاعیلن الخ۔
ہر ج مسدس مقبول منفاعلن منفاعلن دو بار قبض سے مراد ہے اسقاط حرف ساکن
ساکن نیچم پس معاعیلن سے منفاعلن رہ گیا مثال اسکی۔

طالب

روانہ بیرے گھرے جب ہوا غم

تقطیع روان ے مغا علن - گرس جب مغا علن ہوا ضم مغا علن -

الموقف

کھوتویہ تپ کو غم رہے کمان

ماہیچ مسدس مقصور الآخر بنفایلیں بنفایلیں بنفایلیں دو بار مثال۔

۱۰۰

انہیں دینی دکھائی صورت زلیست | غضب صورت ہوں آیا دیکھا آج |

عروض ضرب مقصود زمین باقی ارکان سالم لقطیع نہیں دینی مفاعیلین کا فی صومفاعیلین رستے
زمینیت مفاعیل اسی وزن میں ہے یہ شعر آتش کا۔

محببت کو بیون کے ہوا اگر مٹول	نی آدم نہ لے یہ درد سر مٹول
-------------------------------	-----------------------------

منج مسدس محذوف الآخر متاعیلن متاعیلن فعلین دوبار مثال -

فوق

مقدوری پر گرسود و زریان ہے تو ہم نے یان نہ کچھ کھو یا نہ پایا

اکے کیا ہائے زخم دل ہمارا

لمؤلفہ

جست سامان ہے غافل برس کا	بھروسا ہے نہیں یاں اک نفس کا
ہوس باقی رہی دل میں نہ کوئی	مگر اک نام باقی ہے ہوس کا
خیال دل ہی آخر ہم نے چھوڑا	کہ یہ ظالم نہیں ہے اپنے بس کا

سب شعرون میں عروض ضرب مخدوت ہے یعنی مفاعیلن سے سبب خفیف گر لو یا مفاعی مخدوت نہ رہا اسکو فعلن سے بدل لیا اگر عروض ضرب میں ایک جگہ مفاعیل مقصور دوسری جگہ فعلن مخدوت لایا جائے تو ہو سکتا ہے مثال سکی۔

صدق

ہدقت اشک اب نکلے ہے شاید	ہوا آنکھوں میں ہے خست جگرست
--------------------------	-----------------------------

ہرج مسدس خرب مقبوض مسبق مفعول مفاعیلن مفاعیلان دوبار مفاعیلن سبب خرب کے مفعول اخرب حاصل ہوا اور سبب قبض کے مفاعیلن سے مفاعیلن اور تسبیح سے مراد آخر سبب خفیف میں ایک الف بڑھالے سے پس مفاعیلن سے مفاعیلان ہوا۔

مولوی صہبائی

اکتا ہے کہ اب نہ کھینچ تو آہیں	ہیں دل سے ترے تو ہم تلک راہیں
--------------------------------	-------------------------------

تقطیع کتا ہ مفعول ک اب ن کے مفاعیلن ج تو آہیں مفاعیلان ل الخ اس وزن میں زحاف بھی بدل جائے ہیں یعنی صدر و ابتدا و حشو و عروض و ضرب میں باہم کچھ فرق بھی ہو جاتا ہے جیسے اس شعر میں مولوی صہبائی کے۔

بیٹھا وہ رقیب کے جو پہلو میں	اٹھایہ درد دل کہ کھینچی آہ
------------------------------	----------------------------

تقطیع بیٹا و مفعول رقیب کے مفاعیلن ج پہلو میں مفاعیلان اٹھ ٹایہ مفعولن درد دل مفعولن کہ کھینچی آہ مفاعیلان صدر و اخرب اور ابتدا و حشو و عروض و ضرب مسبق واقع آہ کے ہیں اور پہلے مصرع کا حشو مقبوض درد دوسرے کا حشو اشتر۔

ہوس

جی میں ہے کسی کو نچھ نہ دکھلاؤں	اک کھینچ کے آد مرد مر جاؤں
---------------------------------	----------------------------

مفعول مفاعیلن مفاعیلان	مفعول مفاعیلن مفاعیلان
------------------------	------------------------

اگر نون غنہ کو اعتبار نہ کریں تو یکساں مسبق مفاعیلان سالم کہہ سکتے ہیں مسبق کی

مثال بے خلاف یہ ہے

کیا کیا نہیں مجھ پر کر چکے بیداد | اللہ سے ہے تو مجھے فریاد

تقطیع - کا کان مفعول ہج پ کر مفاعلن چکے بیداد مفاعیلن الخ -

ہرج مسدس ا خرب مقبوض مفعول مفاعلن مفاعلن دوبار مثال سے

گل بچوے جو تھے چمن کے جھڑ گئے | وہ نقش و نگار سب بگڑ گئے

تقطیع گل بچوے مفعول ج تھے چمن مفاعلن کہ جڑ گئے مفاعلن ؛ وہ نقش مفعول نگار سب

مفاعلن بگڑ گئے مفاعلن اگر اس شعر میں جھڑ گئے اور بگڑ گئے میں ہمزہ مکسور کو ساقط کر کے صرف کا فاعلی

مکوفت اور یا سے تختانی کو ساکن ٹھہریں تو یہ وزن ہو جائے مفعول مفاعلن فاعلن یہ شعر ہوس گئے

منوہی لیلی مجنون میں اسی وزن میں لکھا ہے اور وقت و تکلف سے خالی نہیں اور نہ جس وزن کی

مثال میں وارد کیا ہے وہ بے تکلف ہے -

ہرج مسدس ا خرب عالم الآخر مفعول مفاعلن مفاعلن دوبار مثال سے

کہتے ہیں کہ وہ نگار آتا ہے | کیا فائدہ جی بی تن سے جانا ہے

تقطیع کہتے مفعول وہ نگار مفاعلن آتا ہے مفاعلن ؛ کا فار مفعول جی بی تن مفاعلن میں

جانا ہے مفاعلن اور اس وزن میں عروض ضرب سبع اور سالم جمع کرنا بھی جائز ہے -

ہرج مسدس ا خرب مکفوف مقصور مفعول مفاعل مفاعل دربار سے

جب تک ہے جان میں گل و گلزار | یارب رہے وہ گوشہ دستار

تقطیع - جب تک مفعول جہلمے گ مفاعل ل گلزار مفاعل یارب مفعول وہ گوشہ

مفاعل یارب دستار مفاعل ؛

مثال دیگر

حاصل نہو یار کا پا بوس | افسوس صد افسوس صد افسوس

منہ زرد ہے گلے بھی ہوئے خشک | بیماری قرفت لئے یا چوس

ہرج مسدس ا خرب مقبوض - مخدوف الآخر مفعول مفاعل مفاعل دوبار مثال -

کیا پوچھے ہے حال بلبلون کا | مجھ نہا کہ جہاں نہ گذرنی ہے گذرے

گل چین نچے کیا تری بلا سے | گل توڑ کے تو تو گود بھر سے

مولوی محمد حسن کا گوردی

بیضاوی صبح کا بیان ہے | تفسیر کتاب آسمان ہے |

تقطیع بیضاوی مفعول ہے صبح کا مفاعلین یہاں ہے فاعلین | تفسیر مفعول کتاب مفاعلین یہاں فاعلین

المولف

اسے خانہ حشر اب یہ خرابی | دیکھ آپ کو لے دل اور سنبھل کچھ |
یکساں نہیں دور چرخ ایدل | خوش باش کہ آج کچھ ہے کل کچھ |

ہزج مسدس | خرب مقبوض مقصور | الآخر مفعول مفاعلین مفاعیل و بار مثال

مولوی محمد حسن

انوار بیاض مطلع صاف | والتجیر کے حاشیہ پر کشاف |

اہلبیت قلی خان حسرت

فرہاد سے ہم سہری کرے کون | سرکس کا پھر ہے یون مرے کون |

ہزج مسدس | خرم اشتر مخدوف | الآخر مفعولین فاعلین فاعلین دوبار خرم سے مراد ہر اسقاط حرف
اول و تذمومع سے پس مفاعیلین سے فاعیلین رہا اسکو مفعولین سے بدل لیا اور اشتر مخدوف کا حال ادھر
معلوم ہو چکا ہے فاعلین اشتر اور مفعولین مخدوف ہے۔

الغیم

کاٹا دن تو ٹپ ٹپ کر | آفت کی رات سر پر آئی |

تقطیع کاٹا دن مفعولین تو ٹپ فاعلین ٹپ کر فاعلین | آفت کی فاعلین رات مفاعلین
پہر آئی فاعلین۔

گویا خرطوم اتر دہا تھی | انشا صورت دیوار قہقا تھی |

ترانہ شوق

صبح کاذب کو دن نہ جانو | مٹی دھوکے کی ہے یہ مالو |

ہزج مسدس | خرم اشتر مقصور | الآخر مفعولین فاعلین مفاعیل دوبار۔

الانشاء

چنبیاں پیاری تھی مادہ قیل ایک | جس پر ہو جائیں غش بدونیک |

تقطیع چنبیاں یا مفعولین ریت یا فاعلین دنیلیک مفاعیل | جس پر ہو مفعولین جاے غش فاعلین

بدونیک مفاعیل فائدہ یہ چاروں وزن یعنی مسدس اعراب مقبوض مخذوف اور سدس اعراب مقبوض مخذوف
اور سدس اعراب اشتراک مخذوف اور سدس اعراب اشتراک مقصور ایک ہی شمار کیے جاتے ہیں اور انکو شاعر ایک
غزل میں جمع کرے تو جائز ہے۔ ناظم

پڑھتا ہے شرب بی کے لالہ | ناظم رندون میں یار سا ہے

مصرع اول ہرج مسدس اعراب اشتراک مقصور ہے اور دوسرا مصرع ہرج مسدس اعراب اشتراک مخذوف۔

الشا

خاطر مستون کی جس سے ہو جمع | روشن دہ کرے مراد کی شمع

پہلا مصرع ہرج مسدس اعراب اشتراک مقصور ہے اور دوسرا مصرع ہرج مسدس اعراب مقبوض مقصور۔

احسن کا کوری

دل سے مرے ساتھ شہنی کی	بچھ سے دشمن کو دوست جانا
مفعول مفاعلن فعلن	مفعولن فاعلن فعلن
کچے والوں نے رہزنی کی	خال ابرو نے مار ڈالا
مفعولن فاعلن فعلن	مفعولن فاعلن فعلن
ننگی دست نہ اپنے جی کی	جی بھی نکلا تو داسے سرت
مفعولن فاعلن فعلن	مفعولن فاعلن فعلن
کچھ ہم سے کو تو اپنے جی کی	احسن کیون چپ ہو سکی ہریا
مفعول مفاعلن فعلن	مفعولن فاعلن فعلن

اوزان مذکورہ بالا کا کلیہ یہ ہے کہ اگر صدر و ابتدا اعراب (مفعول) آوے تو نحو مقبوض (مفاعلن)
آوے گا اور اگر اعراب (مفعولن) آوے تو نحو اشتراک (فاعلن) آویگا اور عذر و ضرب مخذوف یا مقصور
اس اختلاف کو کہ زحاف میں واقع ہوتا ہے عوام کہتے ہیں۔

ہرج مسدس اشتراک مخذوف الآخر فاعلن فاعلن فعلن دوبار مثال۔۔۔

آج ہے یار کے جدائی | پھر بلا سر پر اپنے آئی

تقطیع۔ آج ہے فاعلن یار کے فاعلن جدائی فعلن پھر بلا فاعلن سر پر فاعلن آئی
فعلن صدر و ابتدا اور نحو اشتراک ہے اور عذر و ضرب مخذوف۔
ہرج مسدس اشتراک مقصور الآخر فاعلن فاعلن مفاعیل دوبار مثال۔۔۔

بادہ ایسا کہ ہوا اور العنزم
جس پر لہجائے زاید خشک

جس کو پیکر منوار دن اک بزم
جس سے شرمائے ناز و مشک

صدر وابتدا در خواشتر ہے اور دروغ ضرب مقصور فائدہ غرض و ضرب میں ایک ہی بیت
میں یا کئی اشعار میں مقابلے عنوان کے مفاعیل بھی آسکتا ہے۔

ہنرج مربع سالم مفاعیلن دوبارہ من ذرن پر نہایت مؤثر مضمون کا ایک بھجن ہندی
زبان میں دیکھا گیا ہے اس میں سے دو شعر ہم یہاں پر درج کرتے ہیں۔

بھجن جگنے کی باری ہے
بھجن بن کام جاتا ہے

عجب سدھ بدھ باری ہے
بھجن من بول بھاری ہے

نرمان علی سو جان پوری

ہلال عید جان سنزا دکھائی دے کیا ہرجا

جہان میں غلغلہ مٹھا

کہ روز عید ہست امروز

یوان و پیر گاتے ہیں نہیں پھوٹے سہلتے ہیں

نقاب غم اٹھاتے ہیں

کہ روز عید ہست امروز

اس مربع میں گرہ کے شعر کے آخرین مفاعیل دن واقع ہے ایک خبر میں ایسا ہی لکھا دیکھا ہے
ہنرج مربع مقبوض مفاعیلن دوبارہ مثال۔

لمو لفقہ

دل و جگر کو چین کر وہ بے وفا گیا کہ ہجر

ہمارے حال زار سے آست ذرا نہیں خبر

تقطیع دل و جگر مفاعیلن ک چین کر مفاعیلن بے وفا مفاعیلن گیا کہ مفاعیلن۔

ہنرج مربع اخرب مفعول مفاعیلن دوبارہ محمد حسین آزاد کی یہ نظم غیر متفقہ اسی وزن پر ہے۔

ہنگامہ ہستی کو

ہر خشک و تر عالم

گر زور سے دیکھو تم

صنعت کے تلامذہ ہیں

ہنرج مربع اخرب مقصور مجذوم مفعول مفاعیلن دوبارہ کتب پرست و شاد

کہتے ہیں۔ سہ

آیا ہوں وطن سے	ناشاد دکن سے	نسر زند کا غم آہ	لایا ہے وطن سے
ہاں آؤ خبردار	نکلے نہ دہن سے	بیل گئی اڑ کر	افسوس چمن سے
برخاست ہوئی جمع	دنیا کی لگن سے	ہے بھکھو شکایت	اس چرخ کھن سے
آئسوہن کہ موئی	آئے ہیں عدن سے	اس عشق کو پوچھو	تل اور دمن سے
مردے کو سروکار	بے گور و دفن سے	منصور کو بہت کام	ہاں داروین سے
لیکرم سے دل کو	رکھیے گا جتن سے	واقع ہے توئے شاد	کیا شعر کفن سے

(۲) بحر رمل

بحر رمل فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبارہ رمل بفتح را سے مہملہ و فتح میم سکون لام لغت میں دوڑنے اور پو یہ چلنے کے معنی میں ہر دو نگہ یہ بحر جلدی اور سرعت کے ساتھ پڑھی جاتی ہے اس لیے اس کو رمل کہتے ہیں بعض نے وجہ تسمیہ اسکی یہ لکھی ہے کہ رمل لغت میں دوڑنا کہنے میں چونکہ اس بحر کے رکن میں دو سبب کے درمیان میں دند ہے اور دندری کو کہتے ہیں تو گویا سبب کو دند سے بن دیا ہے اور اس تقدیر پر ہم کے سکون سے ہونا چاہیے مگر شہور میم کے فتح سے ہر چنانچہ سید انشا کہتے ہیں۔ سہ

گر تو شاعر سے میں صبا آن کل چلے	کہہ غنیم سے کہ ذرا دو سنبھل چلے
اتنا بھی مد سے اپنی باہر کل چلے	پڑھتے کو شب جبار غزل در غزل چلے

بحر ہزین دال کے بحر رمل چلے

اس بحر کو شعرا سے عرب نے نمن استعمال نہیں کیا ہے اور فصحا سے عجم و ریختہ نے نمن اور سدس دونوں طرح استعمال کیا ہے اور ہر دض و ضرب اس بحر کے شعرا اردو میں سالم نہیں آتے اس لیے کہ ان کے سالم ہونے سے شعر بے اُتلف ہو جاتا ہے۔ غرائب الجمل کا یہ مصرع اسی وزن میں ہے سہ لوزمال گلشن شاہی گرامی ہیں یہ دونوں تقطیع لوزمالے فاعلاتن گلشن شاہ فاعلاتن ہی گرامی فاعلاتن ہے یہ دونوں فاعلاتن۔

دیگر

تاب بر آتا نہیں مطلق دل بے تاب ہو رہا	پیچ کیا کمانے لگیں زلفیں بھاری اندون میں
خانہ جنگی کی تری شہرت بھی ہے اس قدر	نہر کے بھی پاس دہشت سے ہے خمیر طلالی

دی بیان غم نے میرے کوہ کو بیان تک گداڑا
آخرش سن سن کے رشک آگینہ ہو گیا وہ
تیرے دیوانے کی خاطر زلف کی رہنمائی اب
لے پری جوش جنون میں کچھ تو زیور عیاں کر

اسیے اکثر محذوف یا مقصور یا مقطوع یا مشعث یا مسبغ لاتے ہیں اور اس میں محذوف آتے
ہیں۔ جن۔ کف۔ فکل۔ عذف۔ قصر۔ تشعیث۔ تسمیج۔ ربیع۔ جمع۔

رمل۔ ثمن۔ محذوف فاعلاتن فاعلاتن فاعلن دو بار سبب حذف کے فاعلاتن
سے سبب خفیف آخر کا اگر فاعلن سے بدل لیا گیا۔

مولوی شاہ محمد طالب

چیرے سینے کو تن کیجے دل دلیہ کو
یہی دو جاگہ ہو اور کیا کھا گیا میں تیر کو
تقطیع چیرے سی فاعلاتن نے کُتنی کی فاعلاتن بے دے دل فاعلاتن گیر کو فاعلن
یے ہ دو جا فاعلاتن گاہ اگر کا فاعلاتن کا گیا میں فاعلاتن تیر کو فاعلن

جرات

کیا غضب ہو اسکی تو مرضی ہو سکو ٹالو
اور میں کہتا ہوں کوئی پاؤں اس کے ڈالو

قلندر

قصہ خورزی کا گرد میں تری ایجان ہے
تیر کرے تیز کچھ شکل نہیں آسان ہے

ذوق

حق تو یہ ہے یہ انانیت عجب عجاز ہے
قصہ ہو نجا یا زبان دار تک منصور کا

مولفہ

اگر دیا زندہ ہمیں ٹھوکر لگا کر ناز سے
بعد مرنے کے دکھایا معجزہ رفتار کا

ولہ

عالم سنی میں ہم جو ہوسہ بازی کر گئے
واقعہ اُس وقت وہ ہندہ نوازی کر گئے

ولہ

اگرچہ ہے مطلوبے جان خیز کے واسطے
منت منہ کھینچ کیوں شائلیں کے واسطے

رمل۔ ثمن۔ مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دو بار سبب قصر کے فاعلاتن کا
ساکن ہضم کر کر اور اسکا ماقبل ساکن ہو کر فاعلاتن رہا اسکو فاعلان سے بدل لیا مثال۔

قدرت

جرم بہتری محبت کے مین کرتے ہیں قتل ا
حفظ جان کے واسطے گرتے کیجئے انکار حیف

امانت

نقش پاسے ہے خجل حسن جمال قتاب
یار کے نھر پر چھے کب ہی جمال قتاب

ملو لفظ

کوئی تو میخوار بیان ڈوبا ہی اور دیار حسن
ابھوڑتے ہیں سر جو اپنا جام معکوس قباب
اور دزن محذوف کو مقصور کے ساتھ جمع بھی کر سکتے ہیں مثال۔

اقبال

اس چین میں مرغ دل گائے نہ آزادی کا
آہ یہ گلشن نہیں ایسے ترانے کے لیے

رجب علی سرور

یا تو ہم پھرتے تھے اُن میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں انگوٹھوں میں ہر دم کو چھائے لکھنؤ

ملو لفظ

شب بسر کرنے لگے آخر خماری میں مدام
عقد پردین کو سمجھ کر خوشہ انگور ہم
استعدرا جلافت ہے گردش ایام ساز
خان دوران زمان ہر اک کہینہ ہو گیا
سب شعرون میں عروض مقصور اور ضرب محذوف ہے اور اس کے ہاں عکس کی مثال یہ ہے۔

ناسخ

دشمنی کرتا ہے جس سے ہوا امید دوستی
روشنی کی جا جلاتی ہے مراکشاں شمع
بیشعے دیکھا نہیں ہرگز کسی نے ایک دم
گنتی ہے اس بزم کو ایسا سا سفر خانہ جمع

امیر مینائی

کہہ دو رضوان سے یہی جھل جھول سبزہ دان بھی ہے
اور کیا جنت میں رکھا ہے جو دکھلائیے آپ

یار محمد خان شوکت

سیر جنت خوب جب رضوان مجھے دکھلا چکا
بے تاہل نھر سے نکلا ہائے لطف کو سے دست

حضرت ظفر علیہ الرحمۃ نے بحر رمل کو مشعر بھی استعمال کیا ہے یہ انکا کلام ہے۔

ہوئے خاک اپنا شاہد شاہ جسے منظور ہو وہ خاکسارا
خاک رہ ہو خاک پاہو یہی ہوا ردہ بھی ہوا ردہ کچھ نہ

ہر دزن ناعلا تن ناعلا تن ناعلا تن ناعلا تن ناعلا تن دوبار عروض مقصور ہے اور ضرب محذوف۔

رمل مشمن مجنون فعلاتن فعلاتن فعلاتن دوبار سبب خبن کے حرف دوم ساکن سبب خفیف کا کرکڑ بجاے فاعلاتن فعلاتن رہ گیا اگرچہ یہ وزن بحر کامل موقوف سے مشتق ہے اسلئے کہ اس کا رکن قطع کے بعد متفاعل رہتا ہے جسکو فعلاتن سے بدل لیتے ہیں مگر اس وزن کا رمل میں شمار کرنا بہتر ہے کیونکہ رمل میں فعلاتن بدل کر نہیں آتا ہے مثال تلفظ کے مخمس کا بند حکیم سنائی کی غسنر فارسی پر۔

گنبدہ و جرم بھی کرنا ہے تو رزق رسانی	ترے الطاف سے محروم نہ بیخوار نہ زانی
اگر تو ستار ہے سب اتنا اسرار نہانی	ہمہ راغیب تو پوشی ہمہ راغیب تو دانی

ہمہ را رزق رسانی کہ تو موجود عطائی

تقطیع گن اذ جر فعلاتن م پ بی کر فعلاتن ت ة تو ز فعلاتن ق ر سانی فعلاتن اور عروض و ضرب میں فعلاتن کے عوض فعلیان مسبق بھی درست ہے۔

ولہ

تلفظ اسوقت میں خاموش ہو کیا غنجہ کی مانند	کہ یہ اشعار مناجات کے یاد آئے آست چند
کرے تو عیض میں کس طرح تری اپنی زبان نہ	سب دندان سنائی ہمہ توحید تو گویند

مگر زاتش دفرخ بودش زود رہائی

اور رکن اول سالم بھی آتا ہے اور یہ دلیل ہے اس بات پر کہ ارکان شش حرفی ارکان اصلی دائرے میں نہیں ہیں بلکہ سباعی کی فرع ہیں اسلئے کہ جب اکثر ارکان سداسی پائے گئے اور ایک سباعی اور سباعی سے زحاف خبن کی وجہ سے سداسی بنتے ہیں تو معلوم ہوا کہ ارکان سداسی دائرے میں اصل سباعی ہیں پس جن عروضیوں نے رمل سالم اور رمل مجنون کو علیحدہ علیحدہ بحر قرار دیا ہے یہ انکی رائے تحقیق کے خلاف ہے۔ مثال۔

میں شہیدیں لب لبیب کا ہوں ہم مرے خونے	سگرزین میں بھی ہوں بلبل خشان کی س دق
ہمسا جانا بھی ہو کوئی بشر و بھیمیں تو جانل	رکھد اس تیغ جفا کے تلے پر بھیمیں تو جانان

پہلے شعر کے عروض و ضرب میں فعلاتن ہے اور دوسرے شعر میں فعلیان واقع ہوا ہے۔

رمل مشمن مجنون مشعت مقصور فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلاتن بسکول عین دوبار سبب

خبن کے فاعلاتن سے فعلاتن رہ گیا اور تشعیث سے مراد یہ ہے کہ دند مجموع کے پہلے حرف متحرک کو اور ایک تول کے موافق تہنوع کے دوسرے حرف متحرک کو گرا دیتا اور ایک تول کے مطابق دند مجموع کے ساکن کو گرا کر اسکا

اقبل کو ساکن کر دینا اور ایک قول کے مطابق ارد فاعلاتن میں جنین کر کے پھر و نہ مجموع کے حرف اول کو ساکن کر دینا پس فاعلاتن سے فاعلاتن یا فاعلاتن یا فاعلاتن بسکون لام یا فاعلاتن بسکون عین رہا اور بسبب قصر کے فون اگر فاعلاتن یا فاعلاتن یا فاعلاتن بسکون تا و لام یا فاعلاتن بسکون عین شعث مقصور ہوا اسکو فاعلاتن ساکن عین سے بدل لیا خواجہ نصیر الدین مفتی طوسی کے قول کے موافق فاعلاتن کو شعث مقصور نہیں کہہ سکتے اسلئے کہ بیان خبرین لازم ہے پس فاعلاتن مجنون کو مسکن و مقصور کیا ہے مثال - ۵

نظیر

ایسی دل ہے کہ ہوا غنا نہ بھی غناک | اسی دل ہو کر ہوا تیغ قضا سے صد چاک
تقطیع ہے وہ دل ہے فاعلاتن کہ | فاعلاتن غناک فاعلاتن وہ دل ہے فاعلاتن
کہ ہوا کے فاعلاتن قضا سے فاعلاتن صد چاک فاعلاتن

غالب

انغم شیرے ہو سینہ بیان تک لہریں | کہ بین خون جگر سے مری آنکھیں رنگین
رمل شمرن مجنون مقصور فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن عین کے کسرے سے دوبار

غالب

تپش دل نہیں بے رابطہ خوف عظیم | کشش دم نہیں بے ضابطہ جبریل
تقطیع ہے دل فاعلاتن نہ ہے فاعلاتن اپنے فاعلاتن و عظیم فاعلاتن کشش دم فاعلاتن
و نہ ہے ضابطہ فاعلاتن اپنے فاعلاتن رعیل فاعلاتن
رمل شمرن مجنون محذوف مسکن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن بسکون عین دوبار خواجہ
نصیر الدین طوسی کا قول ہے کہ بیان فاعلاتن کو ابتر کرنا چاہیے اسلئے کہ ابتر محذوف مفلوج ہوتا ہے بدون جنین
کے و اس دیکھ جنین لازم ہے پس بہتر یہ ہے کہ مجنون محذوف مسکن کہیں فاعلاتن مجنون کو محذوف کیا تو
فعل ایک عین رہا اور مسکن کرنے سے فعل کا عین ساکن ہو گیا اسکو فعل بسکون عین سے بدل لیا۔

مصحفی

مرض عشق سے ترکی سبھل چاؤن گھا | زمین و جاربیں کو کہیں مل جاؤن گا
مرض و فخر مجنون محذوف ساکن ہوا اور باقی تمام رکن شیل شعری طرح ہیں۔
رمل شمرن مجنون محذوف فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن عین کے کسرے سے دوبار

فعلن مجنون مخدوف ہے مثال۔

غالب

ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ

عجب رام دیا بے پرواہی نے مجھے

تقطیع ہو سے گل فعلاتن ک تصور فعلاتن م ب کٹکا فعلاتن ن رہا فعلن ب عجب آثار فعلاتن م دیا بے فعلاتن پر بالی فعلاتن ن مجھے فعلن۔

کنور سین مضطر

خلل انداز وفا کو غم ساز ہوا

جو جواب خط مضطر تسل انداز ہوا

ان چاروں وزنوں کے واسطے ایک حکم ہے اور اجتماع ایک غزل میں روا ہے اور اگر سب میں پہلا رکن سالم ہو دے یا صدر سالم ہو دے اور ابتدا مجنون یا اس کے برعکس تو بھی شعر ناموزون نہوگا اور یہ اکثر مستعمل ہے۔

عباس علی خان بیتاب

بھاگیا اپنے زلیں قتل کا ایما ہم کو

بعد مردن بھی ہے مرنے کی تمنا ہم کو

المؤلفہ

یاد میں پائے نگارین کترے اڈنگلو

جس کو دکھا کف افسوس ہی ملے دکھا

صدر و ابتدا ساکن ہر اور عروض و ضرب مجنون مخدوف مسکن۔

مولوی شاہ محمد عرف حافظ شبراتی طالب

قاصد اُسنے ہی اُس عہد شکن کا پیغام

دل مرا آج پیمبر کی قسم ٹوٹ گیا۔

صدر و ابتدا ساکن ہر اور عروض مجنون مسکن مقصور اور ضرب مجنون مخدوف۔

الذاع

رکوش اُس چین چین سے خم گیسو نہوا

نہ ہوا بد مقابل عجز ابرو نہ ہوا

صدر سالم اور ابتدا مجنون اور عروض و ضرب مجنون مخدوف۔

منوال صبا لکھنوی

چرخ کوکب یہ سلیقہ ہے تمکاری میں

کوئی مشوق ہر اس پردہ نگاری میں

صدر و ابتدا سالم اور عروض و ضرب مجنون مسکن مقصور۔

تاسخ

گوہنستا نہیں جز جامہ رنگین تو آج | غن یک روز ملے گانٹ تو کام سفید

صدر سالم اور ابتدا مجنون اور عرض مجنون مسکن غصہ ہو اور ضرب مجنون مقصور ہو۔

موقوفہ

لور رخ زلف سے چمکا تو جھکے سجدے کو | یکتا القدر بھی کر در دیوار تمام

صدر و ابتدا سالم ہو اور عرض مجنون کھنڈن مسکن اور ضرب مجنون مقصور۔
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشوین مفعولین بجائے فعلاتن لایا جائے مثال سکی۔

الٹا

کیا فقط آنکے بچاؤ کے لیے اے اٹا | اپنی ٹھی بن ہرک غنچا زریتا ہے

پہلا مصرع بدستور ہو اور دوسرے مصرع قطع ہے اپنی مسٹ کی فاعلاتن مہرک غن فعلاتن
چہ زریٹے مفعولین تا ہے فعلین۔

ولہ

اندلی کے جو گرندیل میں ہونگے سب جمع | کرنا چھوٹے گا جس وقت کہ آسکے درستن

جو وزن پہلے شعر کے دوسرے مصرع کا ہو وہی اس شعر کے دوسرے مصرع کا ہے قطع وزن بہت
کرن پو کے فاعلاتن گا جس وق مفعولین ت ک آسک فاعلاتن درشن فعلین۔

منیر

گل نشان ہو گئے یون عیسوی خبری سال | خلد روح افزا مضمون وین بیر الظہر

دوسرے مصرع کے خسومین مفعولین دافع ہے جبکہ خسومین بجائے فعلاتن کے مفعولین لانا جائز ٹھہرا اور
اسانہ سے اسکا استعمال کیا تو ہم بکشادہ پیشانی کہ سکے ہین کہ بیارے امانت سے ہرگز غلط و غلطی نہیں
ہوئی بلکہ جن لوگوں نے اعتراض کیا ہے اُن کی غلطی و نا فہمی ہو اس کے اس شعر کو۔

اس پر راضی ہو تو قرآن اٹھا لائیں مینا | رکھ تو اے مصحف دہانہ قسم کھاؤں میں

ایک صاحب نے اپنے رسالے میں بوج کر کے زور طبیعت دکھایا ہے اور بے کلاف قلم اٹھا رکھا ہے کہ
ان میں اضافت نامک ہے ہم اُنہے کہتے ہیں کہ اگر اخافت ہی نہ قرار دیا ہے تو کیا مضائقہ ہے اُنکو یا ہے کہ
حضرت سعدی علیہ الرحمۃ کے اس شعر فارسی میں بھی غلطی نکالیں۔

نزد بدہ مرد سببای راتا سر بدہ | دُرش زرنہ ہی سر بندہ در عالم

تقطیع شعرا میں اس پر راضی فاعلاتن دت قرآن فاعلاتن ن انا فاعلاتن او میں فاعلاتن ۳ رک
لے موص فاعلاتن قف رونا مفعولن ت قسم کا فاعلاتن او میں فاعلاتن ۴ تقطیع بیت فارسی زربده مفعولاتن
و سپاہی فاعلاتن راتا مفعولن بد بد فعلن ۵ اور گرش زر فاعلاتن نہ ہی سرفعلاتن بند در فاعلاتن عالم فعلن
وزن رمل شمع مجنون کو فاجہ صمت اتہ بخاری و فیہ لے مضاعف بھی استعمال کیا اور بسبب طوالت
کے عوام اُسے بحر طویل کہتے ہیں لیکن اردو میں کم استعمال ہے یہ قصیدہ شہید کا اسی وزن پر ہے۔ ۵

یہ بحر کیسی ہے بر لور کہ تمہو میں مسرور ہر اک باغ میں معمور ہے سامان بہار
گل جھکتا ہے چمن زور مکتا ہے ٹپکتا ہے ہر اک شاخ تر و تازہ سے فیضان بہار
کیا جھکڑے سے جلی آتی ہے سرست ادا مائل شوخی حیا نکلت گل دست گریبان بہار
تا کسی خار سے اُچھے نکسین پانہ لگے گرد زمین ہاتھ میں پھولوں کے ہے دامان بہار

پچھلے شعر میں صدر مجنون ہے اور ابتداء سالم اور دوسرے شعر میں صدر ابتداء و نون سالم ہیں اور عرض
و ضرب دونوں شعر کا مجنون مقصور اور خوش مجنون ہے۔

رمل شمع مشکول فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن دوبار شکل مراد ہے اجتماع ضمن کف سے بسبب ضمن
کے الف فاعلاتن کا اگر اور بسبب کف کے ساکن ہفتم یعنی نون گرا پس فعلات مشکول رہ گیا مثال۔

انشا

پچھے تھے حرم کورہ میں ہوا گھنم چاشق نہ ہوا اب حاصل نہ لیا غدا اب الٹا

آ تقطیع چل ترح فعلات ریم کہ رے فاعلاتن ہوا گھنم فعلات تم پر عاشق فاعلاتن ۴ نواٹ
فعلات داب حاصل فاعلاتن سے لیا غ فعلات ذاب انشا فاعلاتن۔

امیر احمد بیگ قیس

دل مضطرب دیکھا جب مضطرب الٹا ہوا اور مضطرب نے جو در انقباب الٹا

غالب

ترے وعدے پر مجھے تو یہ جان چھوٹ جاتا کہ خوشی سے مر نہ جائے اگر اعتبار ہوتا
کوئی میرے دل سے پوچھے تو تیرے تیرم کش کہ یہ خلش کمال سے ہوتی جو جگر کے پلدا ہوتا
یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب تجھے ہم دلی نہ سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

تمام اشعار میں صدر و ابتداء مشکول ہے اور عرض و ضرب سالم اور خوشین ایک رکن مشکول اور ایک
سالم ہے۔ اور عرض و ضرب میں فاعلیان صیغ بھی درست ہے۔

بندر ابن راقم

مری بد شرابیوں کو یوں توہم گساران ہے وہ عمل کہ ہووے سبب نجات یاران
صدر وابتدا مشکول ہے اور عرض و ضرب سیخ ہے اور دشوین ایک رکن سالم ہے اور ایک مشکول ہے
تقطیع بریدش فعلات راہیو سے فاعلاتن کرتوب فعلات مے گساران فاعلیان یہ مؤخر فعلات
ملک ہووے فاعلاتن ہے ن فعلات ہات یاران فاعلیان۔

انشا

یہ نگاہ پٹنہ یہ رنگت پستی یہ بل خندان
اگر اہل اور نون غنہ کو ایک حرف مانا جائے تو فاعلیان کی جگہ فاعلاتن لایا جائے بہر صورت سیخ
کی مثال یہ ہے۔

امیر

کٹی عمر پیری ساری جیسے شمع باد کے بیج
یہی رونا جلنا کلنا یہی اضطراب تجھ میں
عرض سیخ ہے اور ضرب سالم۔
رمل مسدس سالم فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبار مثال۔

قتل عالم کر چکا غمزہ تو بوے
تقطیع قتل عالم فاعلاتن کر چکا غم فاعلاتن زہت بوے فاعلاتن کا کیا لے فاعلاتن خان ما
بر فاعلاتن باد تو نے فاعلاتن پ اور عرض و ضرب سیخ یعنی فاعلیان بھی لاسکتے ہیں جیسے۔

بے محابا چاک کرتا ہے گریبان
میر کی مثنوی زبان زد عالم کے اس شعر کی تقطیع بھی اس وزن میں ہو سکتی ہے۔
جب بڑوں سے مارنا ہموار کھائیں
کج خرامی سے تب اپنی بازار میں

تقطیع۔ جب بڑوں سے فاعلاتن مارنا ہم فاعلاتن دار کا میں فاعلیان کج خرامی فاعلاتن سے
تب اپنی فاعلاتن بازار میں فاعلیان پ اگر اہل اور نون غنہ کو ایک حرف مانا جائے تو فاعلیان کی جگہ
فاعلاتن آریگا مثال ذیل میں فاعلیان ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

فندی انگشت سے وہ کرتا ہو رنگ
اور بیان دل پر تو غم کے ہاتھ سے سنگ
رمل مسدس مقصور۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبار۔
ہے بیان کس کو شب فرقت میں ہوش طامح ہو چلی ہو کی ہزاروں بار صبح

تقطیع ہے یہاں کس فاعلان کو جسے فاعلان تن قبت م ہوش فاعلان + ہو چکی ہو فاعلان کی ہزاروں
فاعلان بار صبح فاعلان۔

المؤلفہ

طلاق ابرو پر نہیں بس بت کے خال | خائے حق میں مودن ہے بلال

رمل مسدس مخدوف فاعلان فاعلان فاعلان دوبار مثال۔

خواجہ وزیر

خط پہ خط لائے جو میرے نام سے | بولا ان مرغون کا ڈر بہ کھل گیا

نواب یوسف علی خان ناظم

بے ترانی اب تو آؤ سامنے

صلی میں ہم سے بہت پردہ کیا

المؤلفہ

ان بتوں کا یہ ہی ایدل کام ہے

سرور تر ہے خط کشمیر سے

آہ سوزان شمع دکھلانے لگی

ایک کو گالی ہے بوسہ ایک کو

چشم کے خس خائے میں رہ رہ دش

راہ گم کی زلف کے کوچے میں جب

عروض و ضرب میں ایک جگہ فاعلان مقصور اور ایک جگہ فاعلان مخدوف بھی جمع کرنا درست ہے

نواب مسطیغ خان شیخہ

یہ صد آئی لب سو فار سے

اکھول جلد اسے شیفہ آغوش شوق

المؤلفہ

ایک خطا صادر ہوئی زنجیر سے

پائون کیون پڑتی ہو میرے بار بار

رمل مسدس مخبون فاعلان فاعلان فاعلان دوبار مثال

کہ ترے واسطے وہ خاک بسر ہے

تجھے عاشق کی بھی اسے یار خبر ہے

تقطیع نج عاشق فاعلان کہ پ اسے یا فاعلان خبر اور فاعلان + کہ ترے یا فاعلان سطرۃ
فاعلان کہ بسر ہے فاعلان۔

رمل مسدس مخبون مسبق فاعلان فاعلان فاعلان دوبار مثال سے

کب نکل سکتی ہے بلبل سے پھر آواز

نائے کا دیکھ رہے باغ میں انداز

صدر وابتدا سالم ہیں اور خوشنویان اور عود ضل و ضرب منجھون مسبح۔
رمل سدس منجھون مخدوف مسکن فعلان فعلن سکون عین دوبارہ۔

شہید

بکھی آنکھوں پہ بھالیتی تھی | ابھی سینے سے لگائینی تھی |
تقطیع کب آؤ گئے فعلان پ بٹلے فعلان لی تی فعلن لکھ۔

مومن

نہ کچھ آشفتمہ سری نے مارا | کہ مجھے چارہ گرمی نے مارا |
رمل سدس منجھون مخدوف فعلان فعلن سکون عین دوبارہ۔

شہید

درود یوار سے آتی تھی صدا | کہ حلیہ پہ ہوا فضل خدا |
تقطیع۔ درود یوار۔ فعلان رس الی فعلان ت سے فعلن۔

مومن

غفلتی پھر کسی صورت نہ گئی | نہ گئی دل سے کدورت نہ گئی |
رمل سدس منجھون مقصور۔ فعلان فعلان فعلان۔

رمل سدس منجھون مشدق مقصور یا منجھون مسکن مقصور فعلان فعلان
فعلان ادل من فعلان عین کے کسرے سے ہے اور دوم من سکون سے مثال دولون کی

مومن

سر منجھون پہ بھی تو ہے مشہور | کہ ہوا نازہ پہلے کا عبور |

ایضاً

کسی کے لب پہ مین مرجانا کاش | کسی کے چہرے پہ ناخن کی خراش |

دولون شعرون کے پہلے مصرعے دوسرے وزن کی مثال ہیں اور دوسرے مصرعے پہلے کی
ان اوزان کے صدر وابتدا میں بجائے فعلان منجھون کے فاعلان سالم بھی آتا ہے۔

جرات

ناصحوپ مین جرات نہا | اب بھلا سے بھالے گا |

خواجہ وزیر

سرمیرا کاٹ کے پچتائیے گا
کسکی پھر جھوٹی کھائیے گا

دونوں شعرون میں صدر وابتدا سالم ہیں اور حشو مخبون اور عرض و ضرب مخبون مخذوف ہے۔

مستحقفی

ستیشہ نے کی طرح اے ساقی
چیر پو مت کہ بھرے نیٹھ ہیں

ولہ

تم ذرا چشم نمائی کر دو
شوخیان ہم سے ہرن کرتے ہیں

دونوں شعرون میں عرض و ضرب مخبون مخذوف مسکن اور صدر وابتدا سالم ہیں

غالب

اہل تدبیر کی داماند گیان
آباؤں پر بھی خانا بندھے ہیں

صدر وابتدا سالم اور عرض و ضرب مخبون مخذوف یعنی فعلن عین کے کسے ہے۔

المؤلفہ

دل کو تم آنپہ فدا کرتے ہیں
جان پر اپنی جفا کرتے ہیں

اس شعر میں عرض و ضرب دونوں مخبون مخذوف مسکن ہیں باقی بدستور۔

راغب

تکھد پٹے چھپایا اکسے
دل کو پردے میں لھپایا اکسے

المؤلفہ

شوق ہو جسکو گلزار سے لیل
دیکھ لے آگے ہر اے عارض

ان دونوں شعرون میں بھی عرض و ضرب مخبون مخذوف مسکن ہیں۔

کشن پر شاد شاد

ہاسے کیا جو رہے کیسی بیداد
کس کے میں جا کے کروں اب فدا

فا علان فن فعلان فن فعلان
فا علان فن فعلان فن فعلان

دن دہاٹے میں لٹی اے لوگو
آسمان نے کیا بھکاو برباد

فا علان فن فعلان فن فعلان
فا علان فن فعلان فن فعلان

دے گیا داغ مہ لختِ جگر فلا علان فعلان فعلن دیکھتا تھا جو تجھے باپ ترا فاعلان فعلان فعلن ابنودہ دام المین ہے اسیر فاعلان فعلان فعلان	مرا پیا را مرا آصف پر شاد فاعلان فعلان فعلن دل ہی دل میں رہا کرنا تھا فاعلان فعلان فعلن کہیں اس دام سے ہو جلد آراہ فاعلان فعلان فعلان
--	--

جرات

پردہ ست گھر سے اٹھانا یکبار فاعلان فعلان تو چلا اور یہ جی اس تن میں فاعلان فعلان فعلن ہجر کے غم سے نہ گھبرا جرات فاعلان فعلان فعلن	بچہ میں اوسان نہیں ہے کا فاعلان فعلان فعلن کسی عنوان نہیں رہنے کا فاعلان فعلان فعلن اتنا حیران نہیں رہنے کا فاعلان فعلان فعلن
---	--

عرض پہلے شعر میں مخبون مسکن مقصور ہے اور باقی میں عرض اور سب میں ضرب مخبون مخزون
سکن ہے ہنسنے ان تمام شعروں میں لون غنہ کو علیحدہ حرف ساکن نہیں مانا ہے اگر ضرورت حشو میں بجائے
فاعلان کے مفعول ہو تو بھی درست ہے مثال اسکی۔

ادھر آؤ جانی اب یہ ہستا	بس نہ اتنا بھی عاشق کر ٹھٹھا
-------------------------	------------------------------

تقطیع اذہ آؤ فعلان جانی اب مفعول نستا فعلن پس ن اتنا فاعلان بی عاشق
مفعول ک کر فعلن

ریل مربع سالم فاعلان فاعلان دوبار مثال

ریح اٹھا کر دل پھنسا کر تاصحامت کر نصیحت پر ماتا ہے بات کو وہ	جاملا دشمن سے دلبر ہو گیا دل مثل تھپر دیدہ دولت مند مسکر
---	--

بر وزن فاعلان فاعلان۔

ریل مربع مقصور یا مخزون فاعلان فاعلان یا فاعلان دوبار مثال۔

ظفر

بوسہ رخ دو ہمیں
درد دل اپنا صنم
چپ رہا جانا نہیں
وہ بحث ہیں کوستے
اس غنڈل پر سب ظفر
دل ہم اپنا دین نہیں
کیون نہ ہم تم سے کہیں
کب نکل چکے رہیں
آگے بن کیونکر مر بن
آفسرین تجھ کو کہیں

ان تمام اشعار میں عروض و ضرب کو محذوف قرار دینا چاہیے اور نون غنہ کو علیحدہ ساکن نہ ماننا چاہیے
جیسا کہ محقق طوسی کا مذہب ہے مقصود کی مثال اشعار دیل کے عروض ہیں۔

شاہ وزیر اعظم حیدر آباد

اس نے میرے ساتھ حیف
اس نے صد ہا گھر کو آہ
باپ سے بیٹے کو حیف
باپ کا بیٹے کو رنج
دے گا وہ دل کی مراد
کیسی شادی کیسا رنج
کیا کہون میں کیا کیا۔
دم میں ویران کر دیا
کر دیا اُس نے جڑا
اس شکر نے دیا
کر دعا صبح و سہا
ہونا جو تھا ہو گیا

رمل مریخ مجنوں۔ فطانت فطانت دوبار۔

الشا

اری مونی ادھر آؤ
مرے دل کی بھی خبر ہے
کہ سکھائے ہنر آؤ
نچھے اے پنجبر آؤ

پیلے رُکن کا سلم ہونا بھی جائز ہے مثلاً۔

ولہ

مارے کیا ہی کودے
جادے اپنے جو گھر آؤ

ولہ

ہو جہان خوش دہن جاد
چکیوں میں نہ اڑاؤ

اگ دل میں نہ لگاؤ | بس نہ انشا کو کڑھاؤ

اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک شعر کے صدر و ابتدا میں رکن سالم و مخبون کو جمع کیا جائے جیسے۔

ولہ

رہ گئی دیکھ اصفین کل | پکڑ اپنا جگر آتو
کوئی بخت نہ ہو گی | کہیں تجھ سے کٹر آتو

ولہ

ادھر آؤ نہ ستاؤ | پاس اپنے نہ بلاؤ

ولہ

کیجئے کیا ہی اندر میں | دیوے چھٹی اگر آتو
کہا ہو گرا نسا تجھے ہاں | دیکھ بے بھر نظر آتو

ربل مربع مشعت مقصورہ فاعلاتن فعلان بسکون عین دو بار یہ ٹکڑ پہلے بتا دیا گیا کہ جمہور فعلان کو مشعت مقصورہ کہتے ہیں اور عتق طوسی کی رائے کے مطابق اسکو مخبون مسکن مقصور کہنا چاہیے مثال اسکی یہ

نازست کرائے سرد | لبت جو ب ہے تو

عروض مشعت مقصورہ ہے اور ضرب مخبون مخذوف یعنی فعلن کسرہ عین سے کس لیے کہ فاعلاتن سے بسبب خبن کے فاعلاتن ہوا اور اس کے آخر سے بسبب خفیف گرا بسبب خذن کے یہ فعلان کو فعلن سے بدل لیا۔

ربل مربع مشکول فعلا ت فاعلاتن دوبار مولوی محمد اسمیل نظم غیر مقفے میں کہتے ہیں۔

وہ غریب کھیت دا کے | وہ اُمید وارد ہقان
کہ کھڑی ہے جن کی کھیتی | کہیں کھیت کٹ رہا ہے
کہیں گہ رہا ہے خرمن | نہیں آنکھ اُن کی جھپکی
یوں ہی شام سے سحر تک | میں تمام رات جا کے

یہ چاروں سرائس نون پر ہیں فعلا ت فاعلاتن دوبار اور آخر میں فاعلیان بھی درست ہے جیسے حکیم مظفر حسین اظہر و ہلوی کی نظم غیر مقفے میں۔

مے خدا سے پاک و برتر | مے ملک کو عطا کر

وہ بہشت حریت تو

نہ جہان ہو خوف دل کو

نہ جہان ہو پارہ پارہ

یہ وسیع رنج مسکون

یہ تفرق و تقسم

جہان ہو طلب نہ عاجز

اے خدا کے جل و اکبر

وہ بہشت حیات دے

نہ سکھائے وہ دریا

جو ہے چشمہ انقل

جہان میرے سارے کاموں

جہان میرے سب خیالوں

میں فقط کوئی ہو رہبر

(۳) بحر رجز

مستفعلن مستفعلن مستفعلن دو بار رجز بفتح زائے مہمل و فتح جیم و سکون زائے بحر ان اشعار کو کہتے ہیں جو معرکہ جنگ میں اور فخر کے موقع پر لائی قوم کی مردانگی اور شرافت کے بتانے کو پڑھتے ہیں اور چونکہ اکثر ایسے اشعار اس بحر میں ہوتے ہیں اس لیے اس بحر کا نام رجز رکھ دیا یا رجز کے معنی اضطرابی اور شتابی کے ہیں اور اشعار بہادری جو میدان جنگ میں پڑے جاتے ہیں وہ وقت اضطراب کا ہوتا ہے اس وجہ سے اس کا نام رجز رکھا ہے اور بعض نے وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ رجز اونٹ کی ایک نالی کا نام ہے جو اسکے چوٹن میں ہوتی ہے اور اسکی وجہ سے چلنے میں کانپتا ہے چلتا ہے اور کھڑا ہوتا ہے ہے چونکہ اس بحر کے پہلے دو سبب خفیف ہیں اس وجہ سے حرکت کے بعد سکون واقع ہے اس مناسبت سے اس بحر کا نام رجز رکھا ہے اس بحر کو نصحائے فارس درختہ لے اکثر شہنشاہان استعمال کیا ہے بخلاف شعراء عرب کے کہ شہنشاہان استعمال نہیں کرتے سدس اور ثلث اور شہنشاہان بیشتر استعمال میں لاتے ہیں اور شعراء فارس درختہ سدس استعمال نہیں کرتے لیکن برہمینی بلخی نے فارسی میں ثلث کا بھی جواب دیا ہے چنانچہ اول اس کا یہ ہے۔

لوشہ جہان زین تو بہار و سال نو

بروزن مستفعلن مستفعلن مستفعلن اور یہ تمام بیت ہے جس میں دو مصرع نہیں اور موجد اسکی

بحرے مخصوص ہے اور بحر موحّد نہیں ہوتی اور سوائے خبن و طے کے اور کسی زحاف کا استعمال کم کرتے ہیں اور اس بحر میں پنج زحاف آتے ہیں خبن طے قطع - افعالہ - ترفیل -

مومن خان

دنرات فکر جو زمین یوں ریخ اٹھنا کب تک | مین بھی ذرا آرام یوں تم بھی ذرا آرام لو
لقطیع دنرات تک مستفعلن رسے جو رسے مستفعلن یورج اٹھا مستفعلن ناکب تک مستفعلن پائے
لی ذرا مستفعلن آرام لو مستفعلن تم لی ذرا مستفعلن آرام لو مستفعلن -

ولہ

مومن تم اور عشق بتان ای پیر و مرشد خبر ہے | یہ فکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

میر تقی

استی مین لغزش ہو گئی مندر رکھا چاہیے | اے اہل سجد اس طرف آیا ہوں مین بہکا ہوا
ادھر رکن سالم کے مقابل رکن مستفعلن نڈال بھی آسکتا ہے افات عبارت ہے ایک لفظ و تہ مجبور
مین بڑھانے سے ذوق کا ایک بخش ہے - ۵

انوار عرفان سے ترایمنہ ہوا ہے ایسا صاف | جسکی پہنختی رو تنی ہے قات سے لے تابہ قاف
خورشید و مہ کو رو برو تیرے کہاں مقدورات | کرتے ہیں دولون روز و شب کرتے در کا طواف

ای قبلہ روشن دلان ای کبہ اہل صفا

تیری شناک ہو سکے اے خسرو الالنگا | اب یہ دعا ہے ذوق کی حق مین ترے شام دگھا
جب تک زمین پر ہی فلک پر پڑا | فرخ ہمیشہ عید ہو تجھ کو شہا با عسرو جاہ

بدخواہ ہو تیرا سدا ریخ دالم مین مبتلا

ہر اک بند کے چار دن مصرعون کے عود خض و ضرب نڈال ہیں - اسی طرح حالی کے توں مین -

آتا ہے وقت انصاف کا نزدیک ہی یوم الحساب | دنیا کو دینا ہو گا ان حق تلفیوں کا و ان جواب
اگر آخر مین نون غنہ ہوتا تو یہ کہہ سکتے تھے کہ وہ نطیع مین علیحدہ محسوب نہیں ہوتا لیکن بیان نامہ غیر غنہ
و عاس صورت مین دائرے سے خروج لازم آتا ہے - اور اس مین کوئی مضائقہ نہیں ایک جگہ رکن سالم
دوسری جگہ نڈال بھی درست ہے مثال -

شن پر شاد شاہ

اُسے کہا کیا کام ہے مین نے کہا ہر وقت دید | اُسے کہا کیا شغل ہے مین نے کہا سودا تیرا

اُس نے کہا وہ کون تھا ظلمات میں خواہاںِصال
میں نے کہا یہ شاد ہے عاشق ترا شیدا تیرا

امیر مینائی

پیری میں اسے زاہد نہیں یہ تیرے گیسوے سفید
ہمیں دوش پر یہ دو کفن اک اس طرف اک اس طرف

حالی

یاں تک تمھاری بھوکے گائے گئے دنیا میں گیت
اتکو بھی ہے دنیا کی گھن کا آگیا آئسہر یقین

تمام اشعار میں ارکان عروض مذال ہیں اور ارکان ضرب سالم برعکس کی مثال۔

مولوی محمد حسن علمی بریلوی

مدت سے تھے ہم منتظر شکر خدا آیا تو پھر
اب کوچ ہو پیش نظر آنکھوں میں اشک آئے ہیں ہم
گزریست ہی پھر پائی گئے در نہ بہت بچتا میں گئے
نصرت سے ہی دل پر الم فرقت سے جان پر سخت غم
ملکہ اشباع در میان مضارح میں بھی جائز ہے جیسے داغ کے قول میں۔

ہے عید کا سامان دو چند آئینہ ہوں لپست و لبت
مطلع بضمون وسیع اک لکھن با شان رفع
استاد عبد الواسع جلی نے رجز ثمن کو دو چند بھی استعمال کیا ہے اور قصیدہ مسجع لکھا ہے اگرچہ رخیہ میں
مستعمل نہیں مگر مولوی غلام امام شہید نے ایک قصیدہ مسجع لکھا ہے اُس کے اشعار یہ ہیں۔

آئی بہار اب ہر چین کی بلبل و گل کا وطن دیر و حرم سے نعرہ زن آئے ہیں شیخ و برچمن
ناہ سے کہہ دے سخن ہو فصل گل تو بہ شکن گرجا ہے عیش جان زن منجوار کا تیکے جلن
آئی بہار جانفرا لائی گلستان میں صبا پیغام وصل دل با گل کھل کھلا کر ہنس پڑا
موج ہوانے کا کیا ہر غنچے کا بند قبا بلبل یہ کرتی ہے صدا اب میں ہوں اور میرچمن
رجز ثمن بریلوی مفتعلن مفتعلن مفتعلن دو بار طے آئے کتے ہیں کہ ان دو سبب خفیف میں
سے جوڑ کر کے اول میں ہوں چوتھے ساکن کو گراوینا پس مستعلن سے مستعلن مطوی رہا اس کو مفتعلن
سے بدل لیا شاں اُسکی۔

خواب میں اک بوسہ رنگ کھ پاتا تھر لگا
رات اندھیری میں مرے دزد حنا ہا تھر لگا

تمام ارکان مطوی ہیں لفظیغ خاب ماک مفتعلن یوسرن مفتعلن کے کف پامفتعلن ہات لگا
مفتعلن اسی طرح دوسرا مصرع ہے۔

رجز شمن مطوی مرفل مفتعلاتن مفتعلاتن مفتعلاتن دو بار۔ ترفیل سے کہتے ہیں کہ آخر
رکن کے دتد مجموع پر ایک سبب خیف زیادہ کر دینا پس مفتعلن کے آخر میں کہ مطوی ہر تن پر لکھایا تو مفتعلن
تن ہوا اسکو مفتعلاتن سے بدل لیا۔

ذوق

تو سر دنیا ظل الہی حکم ترا ماہ بہ ماہی
حکم پہ حاضر نظم پہ ناظر تیرے جلوس جشن کی خاطر
جلوے سے تیرے ہونہ منور شام دگر آفاق تو کیونکر
تیری شمیم خلق سے طاری تیری لیس طبع سے جاری

تحت ترا ہے تاہ ترے اور فوق ہے تیرا ماہ ترے
لوح سکندر لشکر دارا تحت فریدون مسند کسے
ہم ہودوا سے دیدہ شیر مر ضیا سے حیرت حیرا
باد بہاری مشک تناری عود قناری عہر سارا

لفظیغ تو سر دنیا مفتعلاتن ظل الہی مفتعلاتن حکم ترا ماہ مفتعلاتن ماہ بماہی مفتعلاتن پ تحت ترا ہے
مفتعلاتن تاہ ترے اور مفتعلاتن فوق تیرا مفتعلاتن تاہ تری یا مفتعلاتن یہ وزن مقارب شمن مضاعف
اثرم سالم فعل فعلن سے ملتا ہے اور جہاں ایسا اتفاق ہو کہ ایک بحر کا زحاف دوسری بحر کے زحاف
کے مطابق پڑھا جائے تو فرق دہان اس طرح ہوگا کہ جہاں ارکان اصلی مزاحفات حصہ حصہ ایک بحر کے
ساتھ پائے جائینگے تو وہ بحر متماز و متعین ہو جائیگی پس جبکہ بحر مقارب اثرم سالم میں رکن اصلی بھی رکن اثرم
کے ساتھ موجود ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس وزن کو اسی میں داخل رکھنا چاہیے۔

رجز شمن مطوی۔ مخبون مفتعلن مفاععلن مفاععلن دو بار مفتعلن مطوی ہر اور مفاععلن مستفعلن
سے بدلا ہوا مخبون ہے۔ مثال۔

اویسی

باغ میں گلزار ہو فصل بہار ہو نہ ہو
میں ہوں غزل سرا دہان بیل زار ہو نہ ہو

لفظیغ باغ میں گل مفتعلن غدار ہو مفاععلن فصل بہار مفتعلن۔ ہونہ ہو مفاععلن بیطرح دوسرے مصرع
کی تقطیع ہوتی ہے۔

مولفہ

آؤ نہ تم تو خمی خستہ جگر کو تو بلدا
کوئی تو بات مان تو یہ نہ سہی تو یہ سہی

بخی بادہ کش سے کہہ دیوے ہمیں بھی ہم سے
کہو کہ تباہ ہیں بہت نشہ کے اب قمار سے

حشو یا عروض یا ضرب کا مخبون مزال یعنی مفاعلان لانا جائز ہے مثال۔

اذوق

تا کہ یہ گہراور ہنود طاق پرست یوں باز | پھوٹدین شرک پوجنا آتش آب خاک باد

تقطیع۔ تاک یہ گہ مفتعلن راز ہنود مفاعلان طاق پرست مفتعلن ت یوں باز مفاعلان پھوٹدین شرک مفتعلن ک پوجنا مفاعلان آتش آب مفتعلن خاک باد مفاعلان پھر صرغ اول کا حشو اور صرغ ثانی میں عروض و ضرب مخبون مزال واقع ہوئے ہیں یعنی مفاعلان مخبون میں سبب ذالت کے سبب خفیف کے درمیان الف اور ط پڑ گیا ہے۔

غالب

مین نے کہا کہ ہم ناز چاہیے غیر سے تھی | جسکے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کیر یوں

کھیل کھلاڑی کے یہ دیکھ کیا ہی بہم یہ ہوئے | آتش ایک پہ ایک مہربان آتش مباد و آب خاک

جان پڑی غشی میں ہر ایسی کشاکشی میں ہے | کیا کہوں ہاے بے زبان آتش مباد و آب خاک

ایک رکن مطوی اور ایک مخبون یا ایک مطوی اور ایک مخبون مزال علی الترتیب واقع ہوئے ہیں رجز ضمن مخبون مطوی سے بنے رکن مخبون کو مقدم اور رکن مطوی کو مؤخر لانا مفاعلان مفتعلن مفاعلان مفتعلن دوبار شعرا سے ریختہ نے اسکو استعمال نہیں کیا بہر پنج یہ شعر اس وزن پر ہے۔

آج بڑا ٹھک گیا رشک پری دکھانے مجھے اپنی ادا | تو کیا کہوں میرے وہیں حواس کئے جاتے رہے

تقصیع۔ ج ٹ گیا مفاعلان رشک پری مفتعلن دکھانے مجھے مفاعلان اپنی ادا مفتعلن آج ٹوکا کو مفاعلان میری مفتعلن حواس سے مفاعلان جاتے رہے مفتعلن۔

رجز مسدس سالم مستفعلن مستفعلن مستفعلن دوبار مثال۔ ۵

ہم کو ملا جو لطف کو سے بار کا | کب وہ صبا کو لطف ہے گزار کا

رجز مسدس مطوی مفتعلن مفتعلن مفتعلن دوبار مثال۔

علم کا ابس سے گلہ لطف ہے | جو نہ منے شکوے کا کیا فائدہ

رجز مریج سالم۔ مستفعلن مستفعلن دوبار۔

واجد علی شاہ اختر

اس عشق نے رسوا کیا | مین کیا بتاؤں کیا کیا

آہ دل نا شاد ہے | اور آسمان پیدا کیا

رجز بیع مطوی مخبون مفتعلن مفاعلان دوبار عروض و ضرب مین مخبون مزال یعنی مفاعلان بھی

درست ہے۔ کنور حامد علی خان ناشاد کہتے ہیں سے

صبح نسیم کی بہار	ساتھ لے آئی بوے یار
ہوش و حواس پھر کسان	دل کو قرار پھر کسان

اس بحر میں شعراے عرب ایسے زحافات استعمال کرتے ہیں کہ شعراے فارسی اور خیال بندان ریختہ وہ صورتیں استعمال نہیں کرتے۔

(۴) بحر کامل

متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن دوبارہ بحر جیسی دائرے میں وضع کی گئی ہے ویسی ہی متفاعل اسلئے اسکو کامل کہتے ہیں مثال۔

رفیق

رہ عشق کے کج بیج میں جو رفیق تھے سو جدا ہوا | اگر ایک نالہ واہ کو مرے دم سے ہم سفری رہی
تقطیع رہ عشق کے متفاعلن کج بیج سے متفاعلن ج رفیق نے متفاعلن س جدا ہوئے متفاعلن
اگر ایک نامتفاعلن لہ آؤ کو متفاعلن مردم سے ہم متفاعلن سفری رہی متفاعلن۔

الغیر

ہمیں یہ اُمید نہ تھی صبا کہ یہ خاک یوں اڑ جائیگا | ترے در بدر کے پھرانے کو بھلا کیا مرا ہی خبر تھا

سیخ مداری

وہ ابھی ہی لوکل آئے رنزدہ ہنوز تازہ بہار ہے | نہ کچھ آئے سے اُسے خبر نہ حنا سے کچھ سود کار ہے

حسرت

یہ بھی اک ستم ہے کہ خواب میں مجھے شکل آ کے دکھائے | کبھی نیند برسوں میں آئی تھی سو اسی پہانے جگا گئے
عروض و ضرب نڈال بھی درست ہے جیسا کہ مرزا جعفر علی فصیح کے اس شعر میں۔

علی اصغر ابھی تھا جان بلب جہٹ اُسکا مارا لعین نے تیر

وہ حساب سا سر آب تھا تھی ہو اسی جان حساب میں

عروض نڈال ہے اور باقی اجزاء ستور ہیں اگرچہ عروض و ضرب کے نڈال ہونے کی صورت میں دائرے سے خروج لازم آتا ہے مگر جبکہ اساتذہ نے استعمال کیا ہے تو اس میں مضائقہ نہیں۔

اقالت مراد ہے دند مجموع میں الف زیادہ کرنے سے پس متفاعلان نڈال ہے اور یہ بحر زبان فارسی درختہ میں مزاحف مستعمل نہیں الا شائد و نادری بعض شعرا نے طبع آزمائی کی ہے اگر ایک دو بیت سے

زیادہ نہیں اسکے زحافون میں مضمر ہے اگر تمام ارکان مضمر ہونگے تو رجز کی طرف رجوع کر جائے گی ہم بھی بطور مثال کے دو ایک وزن لکھتے ہیں۔

کامل مضمّن مضمر۔ متفاععلن متفاععلن متفاععلن دو بار اضمار سے تائے متفاععلن کا ساکن کرنا مراد ہے پس متفاععلن مضمر ہوا اسکو متفاععلن سے بدل لیا مثال۔

طالب

انہونی کبھی مجھ سے خطا نہوا کر دمچیر خفا | نہ دیا کر دم گایا نہ کیا کر دمچیر جفا
ایک رکن سالم اور ایک مضمر ہے علی الترتیب لقطعیہ۔ ن بی بی کی متفاععلن ج سے خطا متفاععلن نہوا کر متفاععلن ج پر خفا متفاععلن آخ اور اگر اسکو مقلوب کریں تو یہ وزن ہوگا متفاععلن متفاععلن متفاععلن متفاععلن دو بار ہر رجز بعض رکن سالم اور بعض رکن مضمر بلا ترتیب لانا اور کامل سالم و مضمر کا جمع کرنا بھی درست ہے مثال اسکی یہ ہے۔

اُس خوب دو کو جو دیکھ لے یہ مجال کیا ہر حرکی | کہ وہ سیتن نام خدا تصویر پر ڈھلی نور کی
لقطیع اُس خوب دو متفاععلن ک ج و یک نے متفاععلن یہ مجال کا متفاععلن ہر حرکی متفاععلن کہ
دو سیتن متفاععلن نام خدا متفاععلن تصویر ہے متفاععلن دس نور کی متفاععلن۔

ضامن

ہر مکان اپنا لامکان سولشان اپنا ہر بے نشان | اب ضامن آکرے کیا بیان کہ خود بھی اپنے دھری ہی
لقطیع ہ مکان آپ متفاععلن نالامکان متفاععلن س نشان آپ متفاععلن رجز باقی تمام ارکان سالم ہیں

حامد علی رضوی بیتاب

حامد علی بیتوا کے گناہ بخشہ سے اے خدا | بطفیل احمد تجھے تری شان قبل جلالہ
مصرع اول کا یہ وزن ہے متفاععلن متفاععلن متفاععلن متفاععلن متفاععلن۔
کامل سدس مضمر ندال۔ متفاععلن متفاععلن متفاععلن دو بار مثال۔

ترے ہجر سے آئی ہر جان نارا | یہ بتانے تجھے تو تھا کہاں اسے گا دزار
لقطیع رجز کے متفاععلن آ ا ا ی و کت متفاععلن ہر جان نارا متفاععلن یہ بتانے متفاععلن تو تاکر متفاععلن اسے گا دزار متفاععلن ہر صدر دابتہ سالم ہیں اور شوشم اور عرض و ضرب مضمر ندال ہے۔
کامل مربع متفاععلن متفاععلن دو بار کنور حامد علی نام ناشاد مخلص نے اس بحر کو بطور اہل عرب مربع بھی استعمال کیا ہے۔

ب

مرے دل نہیں نہ دماغ ہے
جو مجھے جانے والے چلے گئے
دل و سینہ اپنے نگار ہیں
دہی خوش نصیب شہید ہیں
بکھی ایک بھی نہ وفا کیا
کما میں نے ایک ن اضم
لگا کئے ہنسکے کہ نجم سن

مجھے ہوش ہے نہ حواس ہے
ابھی باقی حسرت دیاس ہے
تری پلکین ہیں کہ کنار ہیں
ترے کو میں چنکے نزار ہیں
ترے جوئے سارے قرا ہیں
ترے فم میں ناز و نزار ہیں
یوں ہی روتے پھرتے ہزار ہیں

(۵) بحر وافر

مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن دوبارہ وافر کے کسرے سے ایسے کہتے ہیں کہ اس بحر میں ستم
بہت کم گئے ہیں یا اس بحر میں حرکات کثرت سے ہیں یہ بحر عربی سے خصوصیت رکھتی ہے رخیۃ میں متحمل
نہیں بعض شعراے فارسی نے یہ تکلف اس میں شعر کہے ہیں۔
وافر مثنیٰ سالم۔ طالب کہتا ہے۔

ڈاکے کہا بھلا بے بھلا خفا جو ذرا ہوا وہ صم

مرا بھی ذرا گلہ نہ رہا ہنسا جو گین مجھے یہ ستم

تقطیع۔ ڈاک کہا مفاعلتن بلا بلا مفاعلتن خلاج ذرا مفاعلتن ہوا و صم مفاعلتن مراب ذرا

مفاعلتن کلہ نہ مفاعلتن ہساج کیا مفاعلتن تھے یہ ستم مفاعلتن

(۶) بحر متقارب

فولن فولن فولن دو بار یہ بحر اکثر مثنیٰ سالم متحمل ہے اور تقارب اور متقارب اس لیے
کہتے ہیں کہ اس میں دتا اور سبب نزدیک ہیں کیونکہ لغت میں تقارب تفاعل کے وزن پر باہم نزدیک
ہونے کے معنی میں ہے اور تقارب فم میم اور فتح تائے فوقانی اور کسر رائے مہملہ سے ایک دوسرے
سے نزدیک ہونے والے کو کہتے ہیں۔

عروض و ضرب اس بحر کے سالم یا مقصور یا مخذون ہر طرح متحمل ہوتے ہیں یا در اسکو شعراے فارسی نے
بہت استعمال کیا ہے اور شعراے رخیۃ بھی اس کو پسند کرتے ہیں اور اس کے زحاف چھ ہیں قبض
تقصیر مدون۔ تلم۔ شرم۔ بتر۔

مقارب مثنیٰ سالم الا تس فیولن فیولن فیولن فیولن دوبارہ۔

انشا

سستی تھی کسی سے جو بجرتقارب
کہ تو نے ہے اپنے سین پر یہ کسک

اُسے کر لیا گھنگردون کا تفسن
فعلون فعلون فعلون فعلون

تقطیع سستی فعلون کسی سے فعلون جج بحرے فعلون تقارب فعلون یا اُسے کر فعلون لیا لنگ
فعلون ردو کا فعلون تفسن فعلون فعلون

رند

عدو غیر نے تھکود بسر بنایا
نہ گستا تھا کوئی حسینون میں ادب

کوئی جوڑ کچھ مفسر رہتا یا
تجھے دے کے دل میں نے دلبر بنایا

شکر لب کہا میں نے کڑوے ہوئے خم

مولفہ

جو ہے کس بارنگ رخسار تیرا
کٹی عجب مثل جناب آہ اپنی

ہوا کیا کہیں دل گرفتار تیرا
نجانا کہ اس بحر فانی میں کیا ہے

مستقارب شمن مسبح - فعلون فعلون فعلون فعلولان دوبار مثال۔

انواب سید جعفر علی خان جعفر شمس آبادی

لیے میں سلیمان کی جیسے عدد ہیں
عروض و ضرب دونوں مسبح ہیں۔

انہیں تورہ چارہ بالکل تھی مسدود

سید علی راحسین واسطی

مبارک تھیں تاجدار سی شہنشاہ
مبارک تھیں ختیار سی شہنشاہ

مبارک یہ دربار داری شہنشاہ
مبارک زبان پر ہماری شہنشاہ

شہنشاہ کی عمر و عزت زیادہ

چاندون مہر عون کے عروس ضرب مسبح ہیں اور کاتب لقرن یہاں نہ بھننا چاہیے یعنی یہ نہ خیال کرنا چاہیے
کہ اصل میں شہنشاہ تھا کاتب نے شہنشاہ کو یہاں ہے ایسے کہ مصنف نے ریاست پشیا لہ کے قصبہ منوڑ
میں ۱۲ برس سلاطین کو ایک جلسے کے اندر اپنی زبان سے شہنشاہ پڑھا تھا۔

سحاب

پڑا انکی چوٹی میں کوڑے کا سوبا ف
انظر اے دوسا نپاک کچلی میں

ناسخ

لب گنگ بیتابی ایسی ہے بے یار
بھی دارمین ہوں کبھی پارمین ہوں

لہند

چڑھاؤ گا گل گور محنون پہلے رند
نظر جب وہ لیل شائل چڑے گی

ولہ

کرم کیجئے آئیے حضرت عشق
ہے خون جگر بہا فی تھواری

مطیر نواب جعفر علی خان لکھنوی

زبان مبارک سے ہو جلد ارشاد
سکینہ یہ کہتی تھی اشد فریاد
ہراک کتا تھا دیکھ کر شان عباس
مدینہ نبی کا تھا را وطن ہے
بہت تنگ میرے گلے بن رسن ہے
یہ حمزہ ہے با حیدر صف شکن ہے

ان اشعار کے عروض مسنح ہیں اور ضرب سالم اس کے برعکس کی مثال یہ ہے۔

جعفر

پسر کو پدر کا ملا ارت یک سر
دماشت کی آیت کو فظلی میں لکھ کر
یہ تاریخ بھی ترجمہ ہے اسی کا
حکومت ہو عثمان علی خان کو مسعود
لکائے ہیں جعفر نے اعداد مقصود
سلیمان ہوا وارث تاج داؤد

محقق طوسی کہتے ہیں کہ یہ ناپسندیدہ ہے اس لیے کہ حرف آخر عروض و ضرب کا جابرے سے باہر ہو
پس اسی وجہ سے عروض و ضرب کے وزن غنہ کو مع اس کے ساکن ماقبل کے ایک حرف شمار کرتے ہیں۔

امانت

کشش لذت شوق و صلت کی کھجور
ہوں وہ میری زبان کھینچتے ہیں

منشی میر محمد جان اوج

کون کیا میں اس خیم جادو کی بائیں
ٹرایا مجھے آنکھ سب سے لڑا کر

شعر اسے تقارب شمن سالم کو مضاعف بھی استعمال کیا ہے چنانچہ یہ شعر ذوق کا اسی وزن

میں ہے۔

تسا نہیں ہو کہ امداد دل کو پیش کا صلہ سو کہ مرقع
اسی حق ہو قائل اگر حق دلائے یہ سبیل سے پاؤں جان کو

نظام ساکن جا درہ

یہ عین معنی ہے ہر شبک جمیون کہ ہر حرف جملہ اگر دیکھو
 لگائی ہو غوطہ جبہ طبع موزوں اٹھاتی ہے گوہر تازہ مضمون
 متقارب ثمن مخدوف الآخر فعولن فعولن فعل دو بار فعولن بسبب حذف کے فغورہ کیا اسکو
 فعل سے بدل لیا مثال۔

میر حسن

یہ حسن جوانی اور اس پر عین قسم
 لقطیع۔ یہ صنو فعولن جوانی فعولن انا ہے فعولن یہ غم فعل ہے قسم ہے فعولن قسم ہے فعولن
 قسم فعل۔

امیر بینائی

تصور مژہ کا تری رات ہجر
 رگ جان میں نشتر چھوٹا رہا
 ہومین ہمارے جو پیسی گئی
 خدا تک یہ بت بھی میں پہونچے ہوئے
 بہت شوخ رنگ خنا ہو گیا
 کہ جو کچھ زبان سے کہا ہو گا
 متقارب ثمن مقصور الآخر فعولن فعولن فعولن دو بار شاہ رؤف احمد رافت تنوی
 یوسف وزیر نیا میں لکھتے ہیں۔

پلا سا نیا مجھ کو جام شراب
 یہی ہے مری آبرو کی سبیل
 وہ پانی کہ ہو جس میں مٹی کی آب
 لگا دے مرے لب سے دریائے نیل
 نہانے کو جاتا ہے وہ سوے آب
 کہ ہر نقش پا جس کا ہے آفتاب
 سب بیتوں میں عروہں و ضرب مقصور ہے۔

ادب

نہ غیر دنیا کرے ستمگار ناز
 اتھائیں گے ہرگز نہ اغیار ناز
 اجتماع قصر حذف کا ایک شعر میں درست ہے۔ مثال۔

میر

کوئی نا اُمید نہ کرتے نگاہ
 گو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے
 عروہں مقصور ہے اور ضرب مخدوف۔

سعید رامپوری

سعید انکے غم میں ہوا دن بسر
خدا جانے اب کیا دکھائے گی رات

عرض مخدوف ہے اور ضرب مقصور۔ فدائے اس وزن کے صدر وابتدا کو اٹلم یعنی فعلن بسکون ملین
بھی بہندرت استعمال کیا ہے لیکن شعرا نے رنجتہ کے کلام میں ایسے اشعار نظر سے نہیں گذرے بہر صورت
مثال یہ ہے۔

المؤلفہ

سہان نوازی بہت خوب ہے
خدا کو بھی یہ بات مرغوب ہے

تقطیع مہا فعلن نوازی فعلن بہت خوفون ب ہر فعلن خدا کو فعلن ب یہ با فعلن ت مرغو
فعلن ب ہے فعل

مستقارب مٹمن اٹلم سالم الاخر فعلن فعلن فعلن او بار فعلن میں عین ساکن، یٹلم مراد ہے
فعلن کے حرف اول کو گرائے سے پس عولن اٹلم رہا اسکو فعلن سے بدل لیا۔

النشا

دست جنون سے ایدے دیا
سونے نپائے ٹک پائون پھیلا
ابرو ہوا ہے چمکے بے کبلی
مست روئے ساقی لا جام مے لا

صدر وابتدا اٹلم اور عرض و ضرب سالم ہے اور حشون بھی ایک جزو اٹلم ہے اور ایک سالم۔
تقطیع دستے فعلن جنوسے فعلن ایدے فعلن روئے فعلن پائے فعلن ٹک پائون پھیلا
پہلا فعلن حشون بجائے فعلن سالم فعلن مسبح لانا بھی جائز ہے خواہ ایک مصرع میں خواہ دونوں میں جیسے

النشا

جام مے عشق موند آنکھ پی جا
سہے ایک ہی گھونٹ کڑوا سیلا

اس شعر کا وزن یہ ہر فعلن حو لان فعلن فعون دوبار۔

دلہ

گرت تھے مذکور میرا تھارا
فریاد و شیریں بخون و لیلے

اس شعر کے پہلے مصرع کا وزن یوان ہر فعلن فعولان فعلن فعولن درد سرت مصرع کا وزن یہ ہے
فعلن فعولن فعلن فعولن۔ مسطور

ای سوزہ دیکھ آتا ہے قافل
بے رنگ ظاہر آتا بھی غافل

چشم گردانصات کی گردا	میرا دست و شیریں لبی و عذرا
مومن	
عیش و طرب اندرہ غنہ بیان	دست جنوں سے چاک گریبا
زلف مسلسل سلسلہ جنیان	حلقہ کا کل یا در زندان
<p>اس وزن میں رکن فعل و فاعل و مفعول و اسم کے ساتھ رکن اتم یعنی فعلن بیکون عین بھی آتا ہے اور قاطع ان ارکان کا ایک وزن میں روا بلکہ کثرت سے شائع ہے چنانچہ میر کی غنوی مکی بہ جو شش عشق کے ان اشعار میں ہے۔</p>	
<p>تاب نے ٹھونڈی اک دم صحت فعل فاعل فعلن فعلن ایک گھڑی آرام نہ پایا فعل فاعل فعلن فعلن سنبھل اک زنجیری سو کا فعلن فعلن فعلن فعلن ماہ دو ہفتہ شرمندہ ہو فعل فاعل فعلن فعلن تشنہ قدم تھا یا سمن اُس کا فعل فاعل فعلن فعلن شایان اُس کے شان تھا فاعل فعلن فعلن فعلن فعلن جی پر عرصہ تنگ ہمیشہ فعلن فعلن فعلن فعلن برق حشر من مہ بردے میں فعلن فعلن فعلن فعلن برق حشر من عالم امکان فعلن فعلن فعلن فعلن</p>	<p>صبر نے چاہی دل سے رخصت فعل فاعل فعلن فعلن خواب و خورشش کا نام نہ آیا فعل فاعل فعلن فعلن گل آشفہ اُس کے رو کا فعلن فعلن فعلن فعلن مہ وہ چہرہ تابندہ ہو فعلن فعلن فعلن فعلن چشم برو سارا چمن اُس کا فعل فاعل فعلن فعلن چشم کرشمہ جان تھا فاعل فعل فاعل فعلن فعلن سر پر اُس کے سنگ ہمیشہ فعلن فعلن فعلن فعلن معا دیکھا یک رہ پردے میں فعلن فعلن فعلن فعلن ہنٹے میں وہ صفا سے دندان فعلن فعلن فعلن فعلن</p>

خون صراحی آس گردن پر
فعل فعولن فعلن فعلن

ریشک سحر کو صافی تن پر
فعل فعولن فعلن فعلن

اس وزن میں عروض و ضرب میں فعل بفتح عین سکون لام اور فتح اور فعول بھی واقع ہوتے ہیں فعل قدرت ہے اور فتح ابنہ اور فعول مقصور۔۔۔

ظفر

پوچھ نہ دلبر کیا کہو میں
فعل فعولن فعلن فتح
تھکوا مقہر کیا کہو میں
فعل فعولن فعلن فتح
خاک اور تپھر کیا کہو میں
فعلن فعلن فعلن فتح
یہ نہ کہیں گر کیا کہو میں
فعل فعولن فعلن فتح
ماہ انور کیا کہو میں
فعلن فعلن فعلن فتح
بانین ظفر پر کیا کہو میں
فعل فعولن فعلن فتح

گزرے جو ہم پر کیا کہو میں
فعل فعولن فعلن فتح
ہمتوازل سے غم کش ہیں
فعل فعولن فعلن فتح
تیری کمورت سنگدلی
فعل فعولن فعلن فعل
زلزل درخ ہے شام دھم
فعلن فعلن فعلن فعل
میرج کو تیرے خورشید کہیں
فعل فعولن فعلن فعل
جھوٹی رہ تو بتاتے ہیں
فعلن فعلن فعولن فتح

اولہ

درد جگر دودن سے ہے
فعل فعولن فعلن فتح
کوئی لبشر دودن سے ہے
فاع فعول فعلن فتح
خالی گھر دودن سے ہے
فعلن فعلن فعلن فتح

جی کا ضرر دودن سے ہے
فعل فعولن فعلن فتح
آس کو سکھاتا کیا کیا شہ
فعل فعولن فعلن فتح
پھرتا ہے وہ ماہ کہان
فعلن فعلن فعلن فعل

اشک نشانی کرتے کیوں فعل فعلین فعلین فع پھسرتا قاتل تیغ بکف فعلین فعلین فعل فعل بیٹھا عاشق مرنے پر فعلین فعلین فعلین فع	چشم تردد و دان سے ہے فعل فعلین فعلین فع آٹھ پر سرد و دان سے ہے فعل فعلین فعلین فع باندھے کسر و دان سے ہے فعل فعلین فعلین فع
---	--

صاحبقران

مت بھگو بہکانا آج فعلین فعلین فعلین فاع رونا کل کا بھول گیا فعلین فعلین فاع فعل کرتے ہیں اوقات بسر فعلین فعلین فاع فعل شمع رخون کی مجلس میں فاع فعلین فعلین فاع سیرے دل کی خدمت میں فعلین فعلین فعلین فع	صدے جاؤں جانا آج فعلین فعلین فعلین فاع ہستا ہے دیوانا آج فعلین فعلین فعلین فاع نادان ہو کر دانا آج فعلین فعلین فعلین فاع کنا تھا پروانا آج فعلین فعلین فعلین فاع گر تھگو بے جانا آج فعلین فعلین فعلین فاع
---	--

یہ وزن دو چند بھی مستعمل ہے مثال اسکی یہ

اتمد مرسل کان رسالت جان ولایت ملک بروزان فعل فعلین آٹھ بار ایک رکن اثرم ہر ایک سالم علی الترتیب۔	ساتی کوثر شافع عشر بھگو دکھا دواہنی زیارت
---	---

میر تقی

عشق کیا سر دین گیا ایمان گیا اسلام گیا کن کن اپنی مل کو روک بجران میں بکلی اس کا لقطع عشق فعل کیا سر فعلین دین فعل کیا ای فعلین مان فعل کیا اس فعلین لام فعل کیا فعل دل سے فعلین ایسا فعلین کام فعل کیا کہ فعلین حسن سے فعلین مے تا فعلین کام فعل کیا فعل	دوٹے ایسا کام کیا کچھ جس سے بین کام گیا خواب گئی بواب گئی ہر چین گیا آرام گیا
--	--

آفا لکھنوی

اُٹھ لی میری دولت ایمان کعبہ دلو تو نے دھکا ہاں ذرا بھی دُبت کافر تجھ کو خدا کا خوف نہ آیا
 تقطیع ٹوٹ فعل لی میری فعلوں دول فعل ت رہا فعلوں کعب فعل بدل کو فعلوں تو نے فعلوں
 ڈاکے فعل ۴ ہاڈ فعل رابی فعلں اوب فعل ت کافر فعلوں حج کو فعلں خدا کا فعلں خوف فعل نہ آیا۔
 فعلوں ۴ جلد اول مخزنہ جاوید میں پہلے مصرع کے ابتدا میں ہاں ہی لکھا ہے جو حرف اکباب ہے اگر اسے ہو جو
 رنج و افسوس کا کلمہ ہے تو پھر تقطیع یوں ہوگی ہاں فعل ذرا بھی فعلوں۔

مشاعر نصیر

شب کو کیونکر تجھ کو ہی پھبتا سر پر طرہ ہار گئے میں جون پروین وہاں نہ تھا سر پر طرہ ہار گئے میں
 تقطیع شب کو فعلں کو کر فعلں حج ک فعل وہ پت تا فعلوں سر پر فعلں طرہ فعلں ہار فعل گئے میں
 فعلوں ۴ جو پر فعلں دینو فعلں ہاں ل فعل مہ تا فعلوں سر پر فعلں طرہ فعلں ہار فعل گئے میں فعلوں
 ردق سر بان داغ جنوں کرا شک سلسل زین گئے میں چاہیے تجھ کو غیرت لیلے سر پر طرہ ہار گئے میں
 تقطیع ردق فعل ق سر یا فعلوں داغ فعل جنو ہے فعلوں اشک فعل سلسل فعلوں زین فعل
 گلو ہے فعلوں ۴ چاہ فعل سے حج کو فعلوں غیر فعل ت لیلی فعلوں سر پر فعلں طرہ فعلں ہار فعل
 گئے میں فعلوں۔

ولہ

ریشک چین تو سیر کرے گا جب کہ کنار حوض لب جوا خوارہ اور بچول رکھے گا سر پر طرہ ہار گئے میں
 تقطیع ریشک فعل چین تو فعلوں سیر فعل کرے گا فعلوں جبک فعل کنارے فعلوں حوض فعل لب
 جو فعلوں ۴ نوڈا فعلں راڈر فعلں پول فعلں رکے گا فعلوں سر پر فعلں طرہ فعلں ہار فعلں گئے میں فعلوں

ولہ

عکس شعاع مہر نہیں یہ بیل چنبیلی لپٹی ہے سر و چین لے کیا ہی پیدا سر پر طرہ ہار گئے میں
 تقطیع عکس فعل شعاعے فعلوں مہر فعل نہی لے فعلوں بیل فعل چنبیلی فعلوں لپٹی فعلں ہے فعل
 سر پر فعل چین نے فعلوں کیا ہے فعلوں پیدا فعلں سر پر فعلں طرہ فعلں ہار فعل گئے میں فعلوں ۴

الشا

انارہ کھلا سو کوں سراسر وعدہ ہوا کا وہ عالم دولہ دل کا سرکہ آراہ کردہ اہل صلاح

لقطع نال فعل کلا سو فعل کوں فعل ہوا کا فعل ہو عا فعلن لم فع یا و فعل
ل دل کا فعل ہو فعل ک آ ا یا فعلن آ ا ہ فعل گرد ہے فعلن اہل فعل صلاح فعل
مستقارب متمم مقبوض اتلم فعل فعلن فعل فعلن دو یا قبض سے مراد ہے گزانا حرفہ بنج ساکن کا
پس فعلن سے فعل مقبوض ہے اور تم سے مقصود ہے گزانا حرفہ اول کا پس فعلن سے فعلن اتلم ہوا
اسکو فعلن ساکن العین سے بدل لیا۔

طالب

ترپ رہا ہوں میں نیم بسمل خبر لے میری شتاب قاتل
ذکرین مقبوض بین دو اتلم لقطع ترپ رفعل اہو فعلن م نیم فعل بسمل فعلن خبر لہ فعل
میری فعلن شتاب فعل قاتل فعلن۔

یہ عشق اب کیا بسا ہے دل میں کہ بجز خون بہ رہا ہے دل میں

یہ وزن مولوی جامی کے دو چند سولہ رکع پر مبنی کیا ہے اور رخیہ میں بہت مشتمل ہے۔

الشاعر

جو کوئی ہم سے تم کشون کو عبث تا کر خفا کرے گا یہی کہنے کے جاؤ صاحب خدا تمہارا بھلا کرے گا

محب علی عالی

عرض میں دوسے کے دے ہے گالی سوال کی جو دیا یہ طرز تو نے تھی نکالی سوال دیگر جواب دیگر

مولفہ

تماشا ایسا نہ لکھا ہو گا کسی لے ہدم کہیں کبھی بھی کرے پلاتا تھا ہکو ساقی نہ بکے ہم وہ بہک رہا تھا

رواف احمد رافت

یہ کسکی خرگان آہ بار بچہ رہے ہیں بومیں ہماری برین کہ نکل غریب پڑ گئے ہیں ہزار دن دزن دل دگر میں

خواجہ امام الدین اثر

وہ جسے چپ ہیں ہم نے چپ ہیں سناؤ بے سنا رہے ہیں شکایتیں دل کی نہ وہی ہیں مزہ نہ کہتے رہے ہیں

شاہ نصیر

سدا ہر اس آہ چشم تر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران اس کے دیکھو ٹٹک پنے گھر سے ذلت بجلی زمین پہ باران
نہاں ہر کب چشم ہر پش سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران ہر اس نگہ سے اس ٹٹک تر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران

ضیائی بیگم

تھارا ہم سے ہمارا تم سے نہ اٹھ سکے گا عتاب ہرگز
اٹھنے تو کیونکر کرے بتاؤ کہ تم ہونا زک میں یا تو ان ہوں

ملفوظ

نظر نہ آیا جو کوئی تجھ سازمین کے اوپر فلک کے نیچے
بھوونے تیری ہلال ترسان خرام سے زلزلہ ہر لڑان
راقم انحراف نے اس وزن میں سے چار رکن گھٹا کر بحر کو بارہ رکن پر بھی مٹی کیا ہے۔

ملفوظ

حریف دے ہر و شوخ دول کا ستارے والا
عجب نہیں ہر فلک جو یونے میں کا بوسہ
صنم رکھائے میں کیسے کیسے یہ نام تم سے
کیا ہے نانا دادا سے جا مان خرام تم نے
عروض و ضرب میں بجائے فعلن اٹلم کے فعلان اٹلم مسیح اظہار وزن کے ساتھ بھی لاسکتے ہیں جیسے
اکبر شاہ خان فرحت راہ پوری کے شعر میں ہے

لگی ہر ہاتھوں سے جا کسی کے یہ دست برد ہکا دیکھ کر آہ
بیون نہ خون ایک چلو کیونکر بھلا کو تو میں اب خفا کا
عروض میں فعلان ہے۔ وسط مصرع میں بھی لاتے ہیں مگر مصرع کا وزن کو ناموزون معلوم ہوتا ہے
اور اُسکو سکتہ کہتے ہیں مثال۔ ہے

میں تیرے قربان مرا کہا مان تو چل مسرت ذرا مرست
کہ کھائیں گلغام ہوا گلزار شراب شغل رکھینگے دلدار
بر وزن فعل فعلان فعل فعلان فعل فعلان فعل فعلان دوبار شیخ علی حزمین مرحوم کی آیات
غزل فارسی وزن متقارب مقبوض اٹلم ہے اوما کے تین مصرعون کے درمیان فعل فعلان بجائے
فعل فعلان واقع ہوا ہے چنانچہ یہ مصرع اسی غزل کا ہے مصرع اگرچہ صد سال زینودہیا بخاک راحت
فتادہ باشم لقطیع اگرچہ صد سال فعل فعلان زبے غدیہا فعل فعلن بخاک راحت فعل فعلن
فتادہ باشم فعل فعلن۔

خواجہ عسکرت اللہ بخاری نے متقارب شمرن مقبوض اٹلم مضاعف کو بھی دو چند کیا ہے اور ایک
ایک مصرع کی بنا سولہ رکن پر ڈالی ہے مگر اشعار اُردو میں وزن میں نہیں دیکھے گئے۔
مقارب مستدس سالم فعلن فعلن فعلن دوبار جیسے۔

محمد رضا برق

بجا۔ بجا۔ بجا۔ بجا۔ بجا۔ بجا۔

شکر کی جو تعریف ہے

مریضوں کو صحت سے چلنا	گل پاک خاکِ شفا ہے
یہاں کو رہتے ہیں مینا	غبارِ آنکھ کا طوطیا ہے
سیجا نفس ہے ہوا سے	ہوا کھانی اُس کی دوا ہے
دل تنگ کھلتا ہے اس جا	فرج بخش ہے دل کشا ہے
عدو کو ہے تعبیاں موئے	ابراے مہبان عصا ہے

عروض و ضرب میں فعلوں کی جگہ فعلوں بھی درست ہے جیسے۔

ولہ

یہ مصرع کہا حسب ارشاد اعیان کیا خطا استوا ہے
تقطیع۔ یہ مصرع فعلوں کا حصّہ فعلوں بارشاد فعلوں + حیا کا فعلوں خطا اس فعلوں
توا ہے فعلوں۔

بجہ متدارک

متدارک بضم بیم و فتح تاے فوقانی و کسر راء مہملہ کے منے ملنے والے کے ہیں چونکہ بجہ
بعد خلیل بن احمد کے اخفش نے نکالی ہے اور خلیل کی بگردن میں لگئی ہے اس لیے اس کا
نام متدارک رکھا گیا اور اسکو رکض الخلیل اور غریب بھی کہتے ہیں اس بجز میں یہ زحافت بہت
آئے ہیں۔ خبن۔ قطع۔ تسکین۔ حذف۔ اور اس کے ارکان اصلی یہ ہیں فاعلن فاعلن
فاعلن فاعلن دوبار۔

متدارک شمر۔ سہا لم مثال شیر کی نزل کے یہ اشعار۔

ہاتھ کیا چوہے بیوسہ خمدارتک	دور کھینچے لگا دامن یارتک
بے نشان ضعف ہو تن زارتک	سیرے جاے میں باقی نہیں یارتک
دم گشتا آ کے سیرے یہ فلت میں	روشنی ڈھونڈتھی ہر شہباز تک
سخت جانی سے میری ہی قی نہ تھی	دانت پیسا کی فصے میں تلوار تک
فوج حصیان لگے گھیرا ہر سمت سے	توبہ کس طرح چوہے گشتا رتک

تقطیع۔ ہات کا فاعلن پڑج کے فاعلن سوے خم فاعلن دارتک فاعلن + دو مرتبہ
فاعلن نے لگانا فاعلن + درسنے فاعلن یارتک فاعلن۔

علی اوسط رشک

رشک نے مصرع سال رحت کیا | شعر گوئی اچھی لکھو سے دلا

تقطیع رشک نے فاعلن مصرع فاعلن سال سرح فاعلن لت کما فاعلن شعر گوئی
فاعلن ای ائی فاعلن لکن او فاعلن سے دلا فاعلن۔
عروض یا ضرب میں بجائے فاعلن کے فاعلان بھی درست ہے۔ جیسے۔

منیر

دل جو ہوتا حرم کا کبوتر منیر | میری عرضی پہونج جانی ہرگز تاک

عروض میں فاعلان ہے اور ضرب میں فاعلن سالم۔
مستدارک مثنیٰ نذال فاعلان فاعلن فاعلان فاعلن دوبار مثال

مؤلفہ

میرے ساتھ باغ کو کل در رشک گل گیا | بس تمام دفتر درد و سرخ دھل گیا
تقطیع میر سات فاعلان باغ کو فاعلن کل در رشک فاعلان گل گیا فاعلن باغ اک رکن
نذال ہے اور ایک سالم۔
مستدارک مثنیٰ محذوف۔ فاعلن فاعلن فاعلن فر دوبار مثال اسکی یہ اشعار غزل
مؤلف کے۔

اپنی صورت ذرا تم دکھا دو | میرے دل کی لگی کو بھسا دو
مر رہا ہوں جسے لو میسا | اپنے مردے کو اگر جلا دو
اس کو جنت کی پردا ہی کیا ہے | جس کو تم اپنے کو چے میں جلا دو
ان کے در پر جو میں بیٹھتا ہوں | تو یہ کہتے ہیں اس کو اٹھا دو

تقطیع اپن مو فاعلن رت ذرا فاعلن تم دکھا فاعلن وضع پ میر دل فاعلن کی لگی فاعلن کو
بجا فاعلن وضع پ یہ وزن مضاعف بھی مستعمل ہے اور چوتھا رکن ہر مصرع کے حشو میں محذوف آتا ہے
مثال اسکی یہ اشعار نوے کے۔

جاننی ہوں درد کے کچھ آنکھیں کچھ لوزراں غم سے ہو | اپنی یکس بہن کی خبر لو میرے ما جائے مظلوم بھائی
سیاس میں جتنے گون گٹائی تھے جنگل میں تہی بھائی | کروا کی میں نکو بھائی میرے مان جائے مظلوم بھائی
تقطیع جان دس فاعلن تی ہر فاعلن رو کب دے فاعلن کو فاعلن آ اک کو فاعلن لوزراں فاعلن

گویا

نچو ہو نجد کے بن میں گزار مر کے کا ٹوٹے جسم نزار مرا
 اگر عضو ہر ایک نگار مرا تھیں قیں برہنہ پاکی قسم
 تقطیع کر عرض فعلن (دکسر عین) ادھرے فعلن (دکسر عین) اک نکا فعلن (دکسر عین) رما فعلن (دکسر عین)
 تم قے فعلن (دکسر عین) اس برہ فعلن (دکسر عین) انا پا فعلن (دکسر عین) اک قسم فعلن (دکسر عین) ادھر
 اگر برہنہ پا کو اضافت کے ساتھ پڑھا جائے تو اگرچہ فعلن (دکسر عین) کے وزن پر ہو جائے گا مگر اضافت زائد ماننا پڑے گی
 اور یہ عیب ہے کیونکہ ایسی ترکیب کی دو حالتیں ہوتی ہیں ایک قول کے مطابق پہلا اکم صفت مقدم کر
 اور دوسرا اکم موصوف مؤخر ہے اور ایسی صفت جو اپنے موصوف حقیقی پر مقدم ہو اس کا حرف حشر
 ساکن ہوتا ہے اور دوسرے قول کے مطابق پہلا اکم تمیز مقدم ہے اور دوسرا ممیز مؤخر اور اس صورت
 میں برہنہ پا کے معنی یہ ہونگے کہ برہنہ ازرد سے پا جیسے بلند پایہ اور خوب اور بہ شکل یعنی بلند ازرد سے
 پایہ اور خوب ازرد سے رو اور بہ ازرد سے شکل۔ اور ممیز و تمیز کے درمیان بھی کسرۃ اضافت نہیں
 آتا پایہ کہ ایسی ترکیب قائم مقام اضافت لفظی کی ہو اور یہاں کسرۃ آخر مصافات کا دور ہو جاتا ہے
 بخلاف اضافت معنوی کے ہر صورت اسکی صاف مثال یہ ہے۔

المولفہ

بے چشموں کے لیے تخت جگر ہوے دیکھ غل جھیر محل کھر
 کیا نامے لے تب بھی نہ سچ اثر شب سحر کی سوز و بکا کی قسم
 تقطیع چشمن فعلن (دکسر عین) ام س آئے فعلن (دکسر عین) سے مخ فعلن (دکسر عین) (دکسر عین) الی آخرہ۔
 متدارک شمس مقطوع فعلن فعلن فعلن فعلن دوبار عین کے سکون سے چونکہ قطع او آخر مصارع
 سے مخصوص سمجھا گیا ہے اور اس جگہ تمام بیت میں ہوتا ہے لہذا اس کو مخبون مسکن بھی کہتے ہیں یعنی فعلن
 مخبون مکسور العین کو ساکن العین کر لیا ہے۔ مثال۔

طالب

ہر دم کرتا ہوں میں ناری پا
 دیکھی بس بس تیری یاری
 تقطیع ہر دم فعلن کرتا فعلن ہو میں فعلن ناری فعلن دو یکے فعلن بس بس تیری فعلن یاری فعلن
 نواب جعفر علی خان رئیس شمس آباد

سُن تو باتیں موزون تُرکی
 اُنکڑے ٹکڑے ہے ہے ترکی
 تنبیہ یہ وزن نقارب میں بھی داخل ہو سکتا ہے درو بان اسکو نقارب مثنیٰ اُنکم کہیں گے

اس لیے کہ فعلوں سے فعلن آئیں ہو کر تا ہے پس دونوں وزنوں میں مابہ الامتیاز ہے کہ متقارب ثمن آئیں
میں فعل اور فعلوں اور فعل بھی جمع ہو سکتے ہیں فعلوں رکن سالم ہے اور فعل اثرم ہے اور فعل مقبوض
ہے اور متدارک میں نہ فعلوں آ سکتا ہے اور نہ فعل وافع ہو سکتا ہے اور نہ فعل کیونکہ رکن سالم اسکا
فاعل ہو اور رکن فاعل کوئی فعل آتی ہو اور نہ فعل اور نہ فعلوں میر کی ثنوی جوش حلق بحر متقارب میں آتا
اور اسکے بعض شعر پورے پورے وزن متدارک ثمن مقطوع میں تقطیع ہو سکتے ہیں جیسے۔

دیکھ اس رخ کی نور افشانی	شمع مجلس پانی پانی
گل آشفته اس کے رد کا	سنبال اک زنجیری موکا

متدارک مقطوع کو ہرج اخزم اور رمل شعث کے مطابق بھی تقطیع کر سکتے ہیں کیونکہ یہ دونوں وزن
مفعولن میں جو دو فعلن کی برابر ہے پس جب متدارک ثمن مقطوع کا اخزم یا رمل شعث کے مطابق تقطیع
کرین گے تو ہر مصرع دو مفعولن اور ایک فعلن کے وزن پر ہوگا اور اس وزن کو ہرج مسدس خسرم
محذوف یا رمل مسدس شعث محذوف کہا جائے گا۔ حقائق البلاغۃ میں میر تقی میر نے لکھا ہے کہ
وزن متدارک ثمن مقطوع کا نام صوت الناقوس بھی ہے اور وجہ تسمی حضرت عبداللہ بن جعفر
النصاری سے اس طرح منقول ہے کہ ایک روز حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ ملک شام کو
تشریف لے جاتے تھے راہ میں ایک ترسانا قوس بجا رہا تھا آپ نے فرمایا کہ ناقوس کہتا ہے
فہا حقاً حقاً صدقا صدقا صدقا۔ اور یہی فعلن فعلن فعلن کا وزن ہے۔
یہ وزن ثمن مضاعف بھی مستعمل ہے اور بعض رکن کا مخبون اور بعض کا مخبون مسکن (مقطوع)
لانا بھی ہو سکتا ہے۔

امانت

صیاد کے جب پھندے میں پھنسے مرنیکا بہانہ کیا ہے | بعد میں پھر کئے کی ہر جگہ ہم دام میں کر دم سے چھٹے
تقطیع فتنے یا فعلن (مخبون مسکن) اور جب فعلن (مخبون) پندے فعلن (مخبون مسکن) ام لے فعلن
(مخبون) مرنے فعلن (مخبون مسکن) کہا فعلن (مخبون) انکیا فعلن (مخبون) اپنے فعلن (مخبون مسکن) ہم
فعلن (مخبون مسکن) یہ پرک فعلن (مخبون) لے کی فعلن (مخبون مسکن) جگہ فعلن (مخبون) ہم و افعلن
(مخبون مسکن) ام آ فعلن (مخبون) کر دم فعلن (مخبون مسکن) سچے فعلن (مخبون)۔

سیخ بنی بخش عاشق

جب احسا گل کر غاب ہوے اور ازل کیا بالکل ازل | تو چلتا پھرتا سہو ہوا اور اکھ لڑنا بھوں گے

لَقَطِيعٌ جَبَّ أَعْمُ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) ضَاكِلٌ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) كَرَفَا فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) ك
 بِمَوَ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ) أَكْرَأَ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) كُنَّ بِلَ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ) كَلَّ فَو فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) نَظَرَ
 فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ) تَوَجَّلَ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) تَابَرَ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) تَابَهُ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) تَبَوَّأَ
 فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ) آثَرَ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) كَرَّ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ) تَابَوُ فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ مَسْكُنٌ) لَ كُنَّ
 فَعَلْنَ (مَجْبُونٌ) -

مگر شعراے عرب دوسری رکن متفعّلین مفعولات کو ساری بیت اعتبار کر لیتے ہیں اس نقصان کو کپڑے اٹارنے سے تشبیہ دیکر اسکا نام منسرح رکھ لیا اور وزن اسکا یہ ہے متفعّلین مفعولات متفعّلین مفعولات بضم تا دو بار یہ بحر مزاحف مشتمل ہے نہ سالم اور شعراے عرب نے سدس استعمال کیا ہے مگر شعراے فارسی و ریختہ مثنوی استعمال کرتے ہیں اور اس بحر میں عروض و ضرب موقوف بالکسوف یا بحدود و غیر آتے ہیں اور اس میں جو وہ زحاف واقع ہوئے ہیں منجملہ انکے پانچ متفعّلین سے متعلق ہیں طے - قبض - حذف - تبیین - مدفع - اور نو مفعولات سے علاوہ رکھتے ہیں ضبن - طے - اجتماع ضبن - ودوقف - اجتماع ضبن - دکسف - اجتماع طے - دوقف - رفع - جلع - مخر - دکسف - اجتماع طے - دوقف - رفع - جلع - مخر -

منسرح مثنوی موقوف متفعّلین فاعلات متفعّلین فاعلات دو بار متفعّلین مطوی ہے متفعّلین کا اور بسبب وقف کے مفعولات بضم تا سے مفعولات بسکون تار ہا اور بسبب طے کے اس سے واو گر ٹری مفعولات مطوی موقوف ہوا اسکو فاعلات بسکون تا سے بدل لیا۔

نیاز

دل میں ہم اپنے نیاز رکھتے ہیں موطح راز
سوچھے ہے اسکو یہ بھید کی نہو چشم کور
تقطیع دل ہم سب متفعّلین کے نیاز فاعلات رکت ہا سو متفعّلین طرح راز فاعلات سوچ ہا اس
متفعّلین کو بید فاعلات جس ک نہو متفعّلین چشم کور فاعلات -
منسرح مطوی بسکوف متفعّلین فاعلین متفعّلین فاعلین دو بار فاعلین مطوی بسکوف اسلئے کہ
مفعولات میں سے بسبب طے کے واو گر ٹری اور بسبب کسف کے تے گر ٹری پس مفعولار ہا اس کو
فاعلین سے بدل لیا مثال۔

ناصر جنگ

یاس دھم دار زود حج یہ سب چیز ہے
بل بجز ترا حوصلہ دل بھی غیب چیز ہے
اس شعر میں چار رکن مطوی ہیں اور چار مطوی بسکوف تقطیع - یاس دھم متفعّلین آرزو فاعلین حج
یہ سب متفعّلین چیز ہے فاعلین بل بجز ترا متفعّلین حوصلہ فاعلین دل بھ غیب متفعّلین چیز ہے۔

محمد روشن جو شش

یار کو قاصد مرے جا کے اگر دیکھنا
میری طرف سے بھی تو ایک نظر دیکھنا
کل جراثے دیکھ کر ہو گئے ہم عجیب
ہنسکے وہ کہنے لگا بھر بھی دھو دیکھنا
یہ بھی جائز ہے کہ خمیں دوسرا رکن فاعلین (مطوی بسکوف) واقع ہو اور عروض ضرب میں فاعلات

زمحوی موقوف (آئے جیسے

الشا

مجھے نہ اتنے اچی ہوئے رہو بے کاظم
اسکو مجھے ایکے تم کہنے تو دو بے کاظم

کسو سنا کر کہا آپے او بے کاظم
ہو ٹھہری ماٹا لیے پی یہ ٹھنی دھین خیر

لقطعیہ کس ک سنا متعلق کر کہا فاعلن (مطوی مکسوف) آپ ن او متعلق بے کاظم فاعلن
(مطوی موقوف) مجس ن اٹ متعلق لے اچی فاعلن (مطوی مکسوف) موت رہو متعلق
بے کاظم فاعلات (مطوی موقوف) دونوں شعرون میں رکن متعلق مطوی اپنی متعلق آیا ہے اور
رکن مفعولات عروض و ضرب میں مطوی موقوف ہے اور حشومین مطوی مکسوف ہے غرض کہ یہ بات
جائز ہے کہ حشومین یا عروض و ضرب میں مطوی مکسوف فاعلن اسی طرح تینوں جگہ مطوی موقوف
فاعلات لائین اور انکو باہم جمع کریں۔

نیاز بریلوی

خاک کے تپے لے دیکھ کیا ہی بچایا ہر شور
جن و ملک کے آپر کر رکھا ہے اپنا زور

لقطعیہ خاک ک پٹ متعلق لے ن دیک فاعلات کاہ بچا متعلق یاہ شور فاعلات جن ن
ملک متعلق کے آپر فاعلن کر رک ہے متعلق آپ ن زور فاعلات مصرع اول میں حشومین
موقوف اپنے فاعلات ہے اور مصرع ثانی میں حشومین مطوی مکسوف اپنے فاعلن آیا ہے اور عروض و ضرب
مطوی موقوف ہے۔

انزاکت

کیون نہ میں قربان ہوں جب کہے ناز سے
ہمکو جفا کا، ہر شوق اہل وفا کون ہے

یہاں عروض و ضرب میں بجائے فاعلات مطوی موقوف کے فاعلن مطوی مکسوف واقع ہوا اور
مصرع اول کے حشومین بھی مطوی مکسوف ہوا اور مصرع ثانی کے حشومین مطوی موقوف ہوا۔

سودا

شکے سپاہی بہات دھین بہت خوش ہوا
ایک بظاہر بہ حرب سد ہوا سنے کہا

حشومین دونوں مصرعون کے فاعلات مطوی موقوف ہوا اور عروض و ضرب میں فاعلن مطوی مکسوف
ہے اس زنجیر اختلاف زحاف کا بھی جائز ہے مثلاً۔

حال دل خستہ آہ میں نے جو ان سے کہا
تو بولے یہ چپ ہی رہ سننے کی طاقت کہا

مصرع اول اس وزن پر ہے متعلق فاعلات متعلق فاعلن اول مصرع اس وزن پر ہے

مفاعِلن فاعِلن مفعِلن فاعلات مصرع اول میں مفعِلن مفعول اور فاعلات متوہین مفعول موقوف ہے
اور عروض مفعول مفعول اور مصرع ثانی میں ابتدا مخبون اور ایک مفعول جشوکا مفعول مفعول اور ضرب
مفعول موقوف پر تقطیع حال دئے مفعِلن خست آہ فاعلات مین ج اَن مفعِلن سے کہا فاعِلن پات
بول بئے مفاعِلن چپ ہ رہ فاعِلن مین ن ک طام مفعِلن قست کما ن فاعلات ۔

مفسر حتمین مفعول منجور مفعِلن فاعلات مفعِلن فع دوبار مفعِلن اور فاعلات مفعول ہیں
اور نحرے مراد یہ ہے کہ مفعولات کے دو سبب خیف اول و رالف کو اگر کتابے آخر کو ساکن کر دین پس
مفعولات سے لت منجور حاصل ہوا اسکو فع سے بدل لیا انشاء اللہ خان نے ایک خزل اس وزن میں
لکھی ہے ۔

کوئی نہیں اس پاس خوف نہیں کچھ	ہوئے ہو کیوں بچو اس خوف نہیں کچھ
یہ نہیں فتنے کا عطر جس سے کڑا ہو	آتی ہو چھوٹوں کی باس خوف نہیں کچھ
کچھ یہ نہیں چوکیدار جس سے جھجک ہو	یہ ہے اور اسے گھاس خوف نہیں کچھ
باندھو آستانہ دھیان آگ صوفین کا	بچو لے ہوئی ہیں پلاس خوف نہیں کچھ

تقطیع ۔ کو رہی مفعِلن اس پاس فاعلات خوف نہی مفعِلن کچھ فع پات ہوت ہ کو مفعِلن
بے حواس فاعلات خوف نہی مفعِلن کچھ فع ۔

غالب

اگر مری جان کو قرار نہیں ہے	طاقت بیداد انتظار نہیں ہے
دینے ہیں جنت حیات دہرے بدست	نشہ باندازہ خار نہیں ہے
تو نے قسم مے کشی کی کھائی ہو غائب	تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

تقطیع آگ مری مفعِلن جان کو فاعلات راز نہی مفعِلن ہے فع طاقت بے مفعِلن داد
انت فاعلات قرار نہی مفعِلن ہے فع ۔

مفسر حتمین مفعول مجدوع مفعِلن فاعلات مفعِلن فع دوبارہ مجدوع اُسے کہتے ہیں کہ مفعولات
کے دو سبب خیف کو ساقط کر کے وقت مفرق کے متحرک آخر کو ساکن کر دین اس صورت میں مفعولات
سے لات بسکون تا مجدوع رہتا ہے اس کو فاع سے بدل لیتے ہیں انشا کے چاندن شردن میں عروض و
ضرب منجور ہے اسلئے کہ ہاے مخلوط اللفظ خواہ شعر کے آخر میں واقع ہو یا درمیان میں تلفظ میں نہیں آتی
اور تقطیع میں بھی ساقط کر دیا جاتی ہے مثال اسکی یہ ہے ۔

نمہ تو تک اپنے کو دیکھ یو یگا یہ مول یہ بھی ہوا لون تیل لے ہے جسے تول

لقطیع۔ موت تک پ مفعّلن کے ک دیک فاعلات لے دیک بے مفعّلن مول فاع ہا یہ ب ہوا
مفعّلن لون تیل فاعلات لے ہے جسے مفعّلن تول فاع ہا ان دونوں وزنوں میں شومطوی مکسوف یعنی فاعّلن
بھی درست ہے مثلاً۔ سہ

شر تو بے ربط و پوچ گئے ہے شوق آپا خین خلق میں شہرے سے ہر ذوق

لقطیع۔ شہر بے مفعّلن ربط پوچ فاعلات کہن س ہے مفعّلن شوق فاع ہا سب اے
مفعّلن خلق بے فاعّلن شہر س ہے مفعّلن ذوق فاع۔
عروض و ضرب میں مخور و مجدوع کا جمع کرنا بھی جائز ہے جیسے۔ سہ

کان ہیں اسکے زبیں نالون سے مملو حال دل نازک کرتا ہے سموح

لقطیع۔ کان ہ اس مفعّلن کے زبیں فاعّلن نال میں م مفعّلن لوفع ہا حال دے مفعّلن نازک
فاعّلن کرت ہ اس مفعّلن سموح فاع ہا پ مفعّلن مطوی اور فاعّلن مکسوف اور فاعّلن مجدوع اور فاع
مخور ہے۔

شرح مسدس مطوی مفعّلن فاعلات مفعّلن دو بار مثال۔ سہ

نالہ دل نارسا ہے یار تلک اپنی پہونج کب ہے گلزار تلک

لقطیع نالہ دل مفعّلن نارسا فاعلات یار تلک مفعّلن ہا اپن پہونج مفعّلن کب مفعّلن گلزار تلک
فار تلک مفعّلن اس بیت میں سب اجزا مطوی ہیں۔

شرح مسدس مطوی مقطوع مفعّلن فاعلات مفعّلن دو بار مفعّلن اور فاعلات مطوی
ہیں اور مفعّلن مقطوع ہی یعنی مفعّلن سے بسبب قطع کے حرف آخر و تد مجموع یعنی لون گر کر اسکا
ماقبل یعنی لام ساکن ہو گیا تو مفعّلن مقطوع رہ گیا اسکو مفعّلن سے بدل یا مثال اسکی۔ سہ

آنکھوں میں نے کاغذ ایتک ہے بیج کسین ہم کو تو آپ پر شک ہے

لقطیع۔ اک م م مفعّلن کاغذ فاعلات ایتک ہے مفعّلن بیج کہ ہم مفعّلن کوت آپ
فاعلات پر شک ہے مفعّلن عروض ضرب مقطوع ہے اور باقی مطوی اور یہ دونوں وزن خواہے
فارص و رخیہ میں کمتر مستعمل ہیں۔

(۹) بحر مقتضب

مقتضب لغیر ہم سکون فان وقع تائے کو فانی فرغ ضاد بجمہ و سکون باے موحہ اسکے

معنی ایک چیرے نکلا ہوا اور کاٹا ہوا ہیں چونکہ یہ بحر مفرغ سے نکالی اور کاٹی ہے یعنی اس بحر کا عکس ہے اسلئے اسکا نام مقتضب رکھا گیا وزن اسکا یہ ہے مفعولات مستفعلن مفعولات مستفعلن دو بار بحر کلام عرب میں مجزوء مستعمل ہے یعنی آخر کا جز اس سے گرا کر استعمال کرتے ہیں اور اس بحر میں اتنے زحاف آتے ہیں جن میں طے قطع صلح وقف کسف جلع پس ان میں سے جن میں اور طے اور وقف اور کسف اور جلع اور صلح مفعولات سے علقا قرار رکھتے ہیں اور قطع و افعال مستفعلن سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس بحر میں مفعولات کے واو اور ف میں مراقبہ ہے یعنی معاً دونوں کا گرائنا یا ثابت رکھنا جائز نہیں اگر ف ساقط کی جائے تو واو ثابت رکھینگے اور اگر واو ساقط کیجائے تو ف ثابت رہے گی شعراے قدیم نے اس بحر کے ایک دو وزن مثنیٰ اور مسدس میں طبع آزمائی کی ہے مگر وہ شعر ثقیل ہونے کے سبب سے پسند طہانے ہوئے نازک خیالان عرب و فارس نے اکثر اس بحر کو مربع استعمال کیا ہے اور خیال بندان ریختہ نے اس وزن کو مثنیٰ بھی پسند فرمایا ہے۔

مقتضب مثنیٰ سالم صغی کتاب ہے۔

ان بالوحین اب کیوں نہیں ہوتا شان کیا ہر
تقطیع ان بالوم مفعولات اب کو نہیں مستفعلن ہوتا شان مفعولات کا ہر صم مستفعلن تیرے کہیں۔
مفعولات آگے مرا مستفعلن دل آشت مفعولات ہر اے صم مستفعلن۔
مقتضب مثنیٰ مطوی فاعلات مفعلات مفعلات دو بار مفعولات سے فاعلات مطوی ہے اسلئے کہ مفعولات میں طے اس طرح واقع ہوتا ہے کہ سبب خفیف ثانی کے حرف ساکن کو دور کرتے ہیں اور مفعولات فاعلات سے بدل لیتے ہیں اور مفعلات مستفعلن سے مطوی ہو کر آیا ہے کیونکہ مستفعلن میں طے سے میرا ہے کہ دوسرے سبب خفیف کے ساکن کو گرا دین اور مستفعلن کو مفعلات سے بدل لیتے ہیں مثال۔

بجز غیر رشک پری کب خوشائی سیرچیں
تقطیع حج غیر فاعلات رشک پری مفعلات کب خشی فاعلات سیرچیں مفعلات ہا گل ہا خا فاعلات
دلکٹ مرے مفعلات رویت ہا ز فاعلات یا دالم مفعلات ہا اور یہ بہت بھی اسی وزن میں ہے۔
یار بے وفا سے ہمیں کب امید وصل ہوئی
خوش دل رہا سے ہمیں کب امید وصل ہوئی

اس میں بھی جمع اجزا مطوی ہیں۔ تقطیع یاربے و فاعلات فاس بے مفعولن کب امید فاعلات وصل ہوئی مفعولن شیخ دل فاعلات باس بے مفعولن کب امید فاعلات وصل ہوئی مفعولن۔ مقتضب شمن مطوی مقطوع فاعلات مفعولن فاعلات مفعولن دوبار فاعلات مطوی ہے مفعولات کے اور مفعولن مقطوع ہر مفعولن کے مثال۔

مثال

کارگاہ ہستی میں لالہ داغ سامان ہے
برق خرمین راحت خون گرم دہقان ہے

اسے رنج بے تابی کس طرح اٹھایا جائے
داغ پشت دست غم شعلہ خس بدندان ہے

تقطیع کارگاہ فاعلات ہستی مفعولن لالہ داغ فاعلات سامان ہے مفعولن برق خرمین راحت خون گرم دہقان ہے مفعولن داغ پشت دست غم شعلہ خس بدندان ہے۔
نے راحت مفعولن خون گرم فاعلات دہقا ہے مفعولن یاور کھوکھو کہ یہ بحر ہجر شمن اشتراک مل جاتی ہے۔
ایسے کہ بحر ہجر شمن اشتراک یہ وزن ہے فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن دوبار مثلاً شعر مذکورہ صدر کہ
بحر ہجر شمن اشتراک میں یوں تقطیع کر سکتے ہیں تقطیع۔ کارگاہ فاعلن ہستی مفعولن لالہ داغ فاعلن
خ سامان ہے مفاعیلن برق خرمین راحت مفعولن خون گرم فاعلن م دہقا ہے مفاعیلن گر خیال
رہے کہ مقتضب شمن مطوی مقطوع میں کبھی مستعملن مطوی ہو کر نیچے مفعولن بن کر اور کبھی سالم بھی آجاتا ہے اور
یہی بحر ہجر شمن اشتراک بحر مقتضب مطوی مقطوع میں باعث تمیز ہے چنانچہ دریا سے لطافت میں مزار تیل
کے کلام سے اور زور کامل العیار میں منشی مظفر علی اسیر کے قول سے یہی بات پیدا ہوتی ہے مثلاً اس شعر
میں مہری خیرازی کے یہ بات صاف معلوم ہو جاتی ہے۔

در فراق او مہری فرض کن کہ شبہارا
میتوان بروز آرد روزرا کے چاند

تقطیع اسکی یہ ہے در فراق فاعلات او مہری مفعولن فرض کن کہ فاعلات شبہارا مفعولن چاند تو اب
فاعلات روز اور مفعولان روزرا کہ فاعلات سے چکنہ مفعولن آپس اگر ہم اس بحر کو بحر شمن اشتراک میں کہیں اور
بچھلے مصرع کی یوں تقطیع کریں۔ تقطیع۔ میتوا فاعلن بروز اور مفاعیلان روزرا فاعلن کے چکنہ مفاعیلن
تو ہم پر یہ اعتراض ہوگا کہ مفاعیلن کی فرع مفاعیلن کمان آتی ہے بلکہ مفاعیلن کی فرع بحر وافی مفاعیلن
آتی ہے پس فرق درمیان بحر ہجر شمن اشتراک بحر مقتضب شمن مطوی مقطوع کے ظاہر ہو گیا اس مقام پر ہم کو
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو اعتراض خان آرزو نے شیخ علی حنین کے چند اشعار پر باعتبار بحر ہجر شمن اشتراک
کیا ہے اور مولوی لہام بخش مہسائی نے قول فیصل میں اس کا جواب دیا ہے ذکر کریں کیونکہ یہ بات فائدہ
سے خالی نہیں شیخ کے اشعار یہ ہیں۔

<p>شب کہ باہر یا فغان و فراق و حسرت غیر تم صلازد و گفت دانے زن بجان فکر زاد راہ طلب رسم رو نوروان نیست زین سروش فرخندہ ہوش در سماع آمد از ادب بجائے قدم دیدہ قطرہ زن کردم</p>	<p>داشتم بسینہ دے رشک پیر کنعانے تا بکے فردماندہ در طلسم حیرانے بس بود شکستہ دلی با درست ہمایاے تن ز شوق جانان مند باسے تابہ چانے تا گمان بہ پیش آمد سہل گین بیابانے</p>
<p>خان آرزو نے سب اشعار کو بر وزن فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن بحر ہزج ثمنی شترین قرار دے کر شیخ کی غلطی نکالی ہے اور کہتے ہیں کہ پہلے مصرع میں زیست خویش کی نے اور دوسرے مصرع میں (بسینہ دے) کی اور تیسرے مصرع میں (زند گفت) کی اور چوتھے مصرع میں (شکستہ دلی) کی وال اور تیسرے مصرع میں (بجان) کی جم اور پانچویں مصرع میں (راہ طلب) کی طوے اور نوین مصرع میں (بجائے قدم) کا قاف ساکن ہوں اور تیسرے مصرع میں (رخت) کی تے ساقط کی جائے جب یہ وزن درست ہو مولوی صہبائی کہتے ہیں کہ ان اشعار کو بحر ہزج ثمنی شترین شمار کرنا بڑی غلطی ہے یہ ساری غزل بحر مقتضب میں ہے اور بحر مقتضب کے اصلی ارکان میں مفعولات متغیلات متغیلات متغیلات متغیلات ان اشعار میں مفعولات مطوی ہو کر ہر جگہ فاعلات آیات ہے اور متغیلات بعض مقام پر مطوی ہو کر متغیلات ہے اور بعض حامل مطوی مسبق متغیلات اور بعض جاسقوط ہو کر مفعولین اور بعض جاسقوط مسبق ہو کر مفعولان آیا ہے اور یہ بات تمام عروضیوں کے نزدیک جائز ہے اور تقطیع یوں ہے تقطیع شب کہ باہ فاعلات زار فاعلات مفعولن و فراق فاعلات یوسف خویش متغیلات ۴ دا شتم ب فاعلات سین دے متغیلات رشک پیر فاعلات کنعانی مفعولن ۴ غیر تم ص فاعلات ۴ زیست متغیلات دانے ب فاعلات زن بجان - متغیلات تا بکیف فاعلات رومانہ مفعولن در طلسم فاعلات حیرانے مفعولن ۴ فکر زاد فاعلات راہ طلب متغیلات رسم رو فاعلات و زدن نیست مفعولان ۴ بس بودش فاعلات گشت دلی متغیلات با درست فاعلات بیانی مفعولن علی ہذا القیاس ور شعرون کی بھی تقطیع ہوتی ہے یہاں سے ثابت ہے کہ ملکہ الاتقیان بحر ہزج ثمنی شترین اور بحر مقتضب ثمنی مطوی تقطوع میں متغیلات مطوی و متغیلات مطوی مسبق وغیرہ کا آجلا ہے در نہ بحر ہزج میں دہان پر مفاعیلن لانا بڑے گالانکہ مفاعیلن بحر ہزج کی فروغ من سے ہے ہی نہیں۔</p>	<p>خان آرزو نے سب اشعار کو بر وزن فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن بحر ہزج ثمنی شترین قرار دے کر شیخ کی غلطی نکالی ہے اور کہتے ہیں کہ پہلے مصرع میں زیست خویش کی نے اور دوسرے مصرع میں (بسینہ دے) کی اور تیسرے مصرع میں (زند گفت) کی اور چوتھے مصرع میں (شکستہ دلی) کی وال اور تیسرے مصرع میں (بجان) کی جم اور پانچویں مصرع میں (راہ طلب) کی طوے اور نوین مصرع میں (بجائے قدم) کا قاف ساکن ہوں اور تیسرے مصرع میں (رخت) کی تے ساقط کی جائے جب یہ وزن درست ہو مولوی صہبائی کہتے ہیں کہ ان اشعار کو بحر ہزج ثمنی شترین شمار کرنا بڑی غلطی ہے یہ ساری غزل بحر مقتضب میں ہے اور بحر مقتضب کے اصلی ارکان میں مفعولات متغیلات متغیلات متغیلات متغیلات ان اشعار میں مفعولات مطوی ہو کر ہر جگہ فاعلات آیات ہے اور متغیلات بعض مقام پر مطوی ہو کر متغیلات ہے اور بعض حامل مطوی مسبق متغیلات اور بعض جاسقوط ہو کر مفعولین اور بعض جاسقوط مسبق ہو کر مفعولان آیا ہے اور یہ بات تمام عروضیوں کے نزدیک جائز ہے اور تقطیع یوں ہے تقطیع شب کہ باہ فاعلات زار فاعلات مفعولن و فراق فاعلات یوسف خویش متغیلات ۴ دا شتم ب فاعلات سین دے متغیلات رشک پیر فاعلات کنعانی مفعولن ۴ غیر تم ص فاعلات ۴ زیست متغیلات دانے ب فاعلات زن بجان - متغیلات تا بکیف فاعلات رومانہ مفعولن در طلسم فاعلات حیرانے مفعولن ۴ فکر زاد فاعلات راہ طلب متغیلات رسم رو فاعلات و زدن نیست مفعولان ۴ بس بودش فاعلات گشت دلی متغیلات با درست فاعلات بیانی مفعولن علی ہذا القیاس ور شعرون کی بھی تقطیع ہوتی ہے یہاں سے ثابت ہے کہ ملکہ الاتقیان بحر ہزج ثمنی شترین اور بحر مقتضب ثمنی مطوی تقطوع میں متغیلات مطوی و متغیلات مطوی مسبق وغیرہ کا آجلا ہے در نہ بحر ہزج میں دہان پر مفاعیلن لانا بڑے گالانکہ مفاعیلن بحر ہزج کی فروغ من سے ہے ہی نہیں۔</p>

(۱۰) بحر مضارع

مفاعیلن فاعلاتن مفاعیلن فاعلاتن و دوبار جانا چاہیے کہ مضارع بضم ہم و فتح ضا ہمزہ کے برابر ہے۔

و سکون عین مملہ کے معنی مشابہ کے ہیں چونکہ یہ بحر نسج سے اور بقول بعض بحر نرج سے مشابہ ہے
 اس لیے اسکا نام مضارع ہے اس بحر میں قلاع لائن مفصل ہے یہ بحر سالم متصل نہیں مزاحف متصل ہے
 اور اس بحر کو جب مجزئیے سدس کرتے ہیں تو قلاع لائن گرا دیتے ہیں نہ مغایلیں کو جیسا کہ شمن سے سدس
 کرتے وقت معلوم ہوگا اور اس بحر کے رکن مغایلیں میں یا اور نون میں مرقبہ ہے یعنی ورنون کا سا قلع
 کرنا یا ثابت رکھنا جائز نہیں اور اسکے زحافات سات ہیں کف - خرم - خرب - قصر - حذف - قبض - تسخیر
 بعض رسالوں میں تین زحافات سلج اور طس اور تخنیق اور بھی لکھے ہیں اس صورت میں بحر مضارع
 کے زحافات دس ہوئے۔ مخفی نہ ہے کہ تسخیر - بفتح سین - مملہ و سکون لام و فاعی - بحرف لغت میں پوست
 کھینچنے کے معنی ہیں ہے اور اصطلاح میں مراد ہے قلاع لائن میں و دسبب خفیف کے حذف کرنے
 اور عین کے ساکن کرنے سے پس قلاع عین موقوف سے باقی رہے گا اور بعض
 قلاع کو محبوب موقوف کہتے ہیں کیونکہ حب یہ ہے کہ و دسبب خفیف جو رکن کے
 آخر میں ہوں گرا دیے جائیں پس جب کے بعد قلاع بکسر عین رہے گا اور وقف
 سے مراد حرف اکسرد و تدفروق کا ساکن کرنا ہے اس صورت میں قلاع سکون
 عین سے باقی رہا اور طس بفتح اول و سکون میم رنون سمیٹنے نایدید کرنا اور مونڈنا
 اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں کہ قلاع لائن لے و دسبب خفیف کو مع عین کے
 گرا دیں اس صورت میں قلاع ستارہا اسکو ف سے بدل دیتے ہیں پس بحر میں
 فح مطوس ہے اور بحر نرج میں ابتر ہے اور پس اس کو محبوب مکشوف کہتے ہیں کیونکہ زحافات جب
 کی وجہ سے قلاع لائن قلاع رہی تا ہے اور کشف عبارت ہے اس سے کہ تدفروق کا حرف آخر
 سا قلع کر دیا جائے اس صورت میں نہ رہ جائے گا جسے فح سے بدل لینگے اور تخنیق بفتح تاء فتائی
 و سکون خا سے مجرہ و کسزوت و سکون یا سے تخفانی و قاف موقوف لغت میں گلا ٹھونکنے کے معنی ہیں
 ہے اور اصطلاح میں خرم کا قائم مقام ہے و ردہ یہ ہے کہ مغایلیں کے وند مجموع کے حرف اول
 گرا دینا پس مغایلیں سے قلع لائن سے بدل لیتے ہیں اشعار و باب میں خرم ابتر سے شعر
 کے سوانح میں آتا اور شعور سے فارسی کے جمع اجزائے بیت میں اسکا لانا جائز رکھا ہے جو کہ مفعول مغایلیں
 سے شقی ہے ایسے اگر شروع میں ہوں تو خرم کیلئے اور باقی اجزائے بیت میں مخنق بولا جاتا ہے
 اگر تاخر میں اس تفریق کی باندی کم کرتے ہیں اور لفظ خا سے مجرہ و رنون مشدود مفتوح کے
 ساتھ بہ حدائق البیوم وغیرہ سے اسی طرح ثابت ہے لیکن شرح خزرجیہ میں علامہ نقشبند کے

کلام سے مستفاد ہونا ہے کہ یہ لفظ فاعلِ مطلق اور بابِ مودہ سے ہے اور متعلق سے ہے
تجنیق سے جو جمع کرنے کے لئے ہے۔ بہر صورت کتبِ فقہ و منطق میں۔ فاعلِ لاتن سے
علاقہ رکھتے ہیں اور کفِ خرم۔ خرب۔ قصر جب۔ زمان۔ تجنیق۔ قبض۔ تین رکن مثالیان سے
تعلق رکھتے ہیں۔

مضارع شمن اُخریب مفعولِ فاعلِ لاتن مفعولِ فاعلِ لاتن و دہا خرب کہتے ہیں اجتماع
جن دکن کو یعنی رکن کے وقت اہل اور حرفِ ختم کا زمانہ پس مفعولِ فاعلِ لاتن سے فاعلِ فاعلِ مفعولِ اُخریب رہا
اس کو مفعول سے بدل لیا مثال۔

راجہ بہادر

یہ زخمِ دل ہمارے مرہمِ تلک پہونچے | ہم آن تلک پہونچے دہم تلک پہونچے |
لے قطع ہوا زخمِ دل ہمارے مفعولِ فاعلِ لاتن مرہمِ تلک نہ پہونچے مفعولِ فاعلِ لاتن ہم آن
تلک نہ پہونچے مفعولِ فاعلِ لاتن دہم تلک نہ پہونچے مفعولِ فاعلِ لاتن رکن مفعولِ اُخریب ہے
اور فاعلِ لاتن سالم آیا ہے۔

انشا

صاحب کے ہرزہ پن سے ہر ایک کو گلہ ہو
دین گالیاں ہزاروں سن مطلع اس غلہ کا
میں جو بنا بنا ہوں میرا ہی حوصلہ ہے
کہنے لگا کہ انشا اس کا یہی صلہ ہے

مختصر

دل کا پتہ نہ پایا زلفون کو کھول دیکھا
گیسو کو ڈھونڈ مارا طرہ ٹول دیکھا

لمو لفظ

اُچھے ہوئے دلون میں دیتے ہیں اور گویں
ہر گام پر دکھا کر ناز و داد سے جلوہ
کاکل کو ناب دیکر سنبل سے بال والے
دل چھین لے چلے ہیں خنجر و دلال والے
رمز سخن کو سمجھیں نازک خیال والے

عروض و ضربِ مسبق یعنی بجائے فاعلِ لاتن فاعلِ لیان بھی آسکتا ہے خواہ ایک میں فاعلِ لاتن
اور دوسرے میں فاعلِ لیان ہو مثال۔

میسر

رہیے خیر ہے اسے رشک ماہِ تاج
آنکھوں میں ہیں ہماری عالم سیاہ تا چند

عروض و ضرب مسبق بین۔

اولہ

خط سے جو ہے گرفتہ وہ نہ نہیں نکلتا
مانند چشمہ اخیر ہم و کبیرین راہ تا چند
عروض میں قاع لاتن اور ضرب میں قاع بیان ہے۔

میر

شرم و خیا کہان کی ہر بات پر خوشخبر
زیر فلک بھلا تو دوسے ہر آپ کو میر
اب تو بہت دہ بے بیباک ہو گیا ہے
کس کس طرح کا عالم بیان خاک ہو گیا ہے

ولہ

یوسف سے پیکے تا گل پھر قاف سے یکے تا جمع
تینوں سعدون کے عروض مسبق بین اور ضرب سالم۔
یہ حسن کسکو لیکر بازار تک نہ پہنچا

سودا

اے چرخ سفلہ بدور سے آسمان بزم ہر
قادرانہ ہر عقل تیری اوندھا ہر لوح ہم سے

میر حسن

میں حال مل کہوں ہوں تم شکوہ بچو ہوا
چون آمد سر زبا کس کا ہوں خود دیدار
مسا ہوں میں کہاں کی سنتے ہوں کدھر کی
نئے پاؤں کی خبر ہے مجھ کو نہ اپنے سر کی
مستوبین بھی فاسقان آتا ہے مثال بھر۔

کیا جائے زاہد پیر ہے دردے بھی کیر
ادنی سی ہے یہ تاثیر عود تباب ہوگا

مضارع تمکن اذرب محذوف مفعول قاع لاتن مفعول قاع لن دوبار قاع لن محذوف ہے
قاع لاتن سے۔

ارکتہ نہیں بر سقاں تاب غنا بل
پہلو میں ہو گیا ہے مثل کہا ب دل

اقتضای سرگشان مفعول ہی و مطلق قاع لاتن تابے مفعول تاب دل قاع لن پہلوم مفعول
ہو گیا ہے قاع لاتن مثلاً ک مفعول باب دل قاع لن۔

مضارع تمکن مفعول مقصور مفعول قاع لاتن مفعول قاع لن دوبار سبب کف کے مفعول
سے مفعول مفعول حاصل ہوا اور سبب کف کے قاع لاتن سے قاع لاتن بغیر مفعول رہا اور سبب
کے قاع لاتن سے قاع لاتن لیکن تاربا کی بگڑ قاع لاتن رکھ یا مثال سے

ارے دل کہا تو مان زلف دوتا کو بیٹھا | خبردار کیا کرے ہے نہ کالی بلا کو بیٹھا
 لقطیع ارے دل کہ مفاعیل ہا ت مان فاع لات نہ زلف مفاعیل تاک چیر فاع لان یا خبردار
 مفاعیل کا کرے ہ فاع لات نہ کالی ب مفاعیل لاک چیر فاع لان بیان پر مفاعیل کی فرغ مفاعیل
 مکفوف اور فاع لاتن مفصل کی فرغ لات مکفوف اور اسی کی فرغ فاع لان مقصورہ اور اگر دشواری بجا
 قالات کے فاع لن آجائے تو بھی جائز ہے مثال -

ہو مواج جبکہ دل میں غم کا شیط سیاہ | ہو بھڑکون اُس میں لگی شاد اور لب سیاہ
 لقطیع - ہ تود اوج مفاعیل جبکہ دل فاع لن مغم کا ش مفاعیل طے سیاہ فاع لان ہ بڑکون
 مفاعیل اُس م دل کہ فاع لات شاد و رب مفاعیل طے سیاہ فاع لان - اور عرض ضرب میں بھی
 فاع لن درست ہے مثال -

مرے استخوان یارہ اخلر بچہ کے کما | کہیں چل جائے اُسے یہ تیرا دہان ہما
 لقطیع مرے است مفاعیل خان پار فاع لات - اخلر م مفاعیل ج ک کا فاع لن ہی چل ن
 مفاعیل جائے ان س فاع لات ی تیرا مفاعیل ہا ہما فاع لن -

الینما

رہی سیر جب مقابلاً چرخ پیر ہوتا | کہ گردون ہدف تھا اور مرزا مالہ تر تھا
 مضارع مہمن ا خرب مکفوف مفعول فاع لات مفاعیل فاع لاتن دو بار بسبب خرب کے
 مفاعیل کے مفعول ا خرب حاصل ہوا اور بسبب کف کے ساکن مفعول فاع لاتن سے
 فاع لات اور مفاعیل کے مفاعیل مکفوف باقی رہا مثال -

اے خنق تھک میرے ستارے سے فائدہ کیا | جب دل ہی جل چکا ہو جلانے سے فائدہ کیا
 لقطیع اے خنق مفعول تھک میر فاع لات ستارے سے مفاعیل فائدہ کا فاع لاتن جب دل ہ
 مفعول جل چکا فاع لات جلانے سے مفاعیل فائدہ کا فاع لاتن -

دیکر

سینے پہ دلغ ایمنہ کے اس سبب آئے | پر بھائی میں پڑ گئی یہ کسی رشک ہ کی بہت
 لقطیع سینے پہ مفعول دلغ اسی فاع لاتن کے اس س مفاعیل بہت میں آئے فاع لاتن پر
 چار مفعول پڑ گئی ہی فاع لات کسی رشک مفاعیل ماہ کی ہ فاع لاتن +
 مضارع مہمن ا خرب مکفوف مقصور مفعول فاع لات مفاعیل فاع لاتن دو بار مثال -

مکرم الدولہ غالب

ارہتے ہیں آئینہ سے ہمیشہ دو چار آپ | تنہا ہی لوٹتے ہیں یہ ساری بہار آپ

تقطیع رہتے ہ مفعول آئینے سے قاع لات ہمیشہ مفاعیل چار آپ قاع لان پانچ ماہ مفعول لوٹتے
قاع لات یہ ساری ب مفاعیل ہار آپ قاع لان۔

مولفہ

ساتی یہ لاش مست کی بوست زین میں ڈاب | اسکو خم شراب کے تونہ تشین میں داب

ایک مصرع کے حشو میں بجائے قاع لات مکفوف کے قاع لاتن سالم اور بجائے مفاعیل مکفوف کے
مفعول اخب لائیں اور دوسرا مصرع وزن سابق پر ہو تو جائز ہے جیسا کہ منیر کے شعر میں۔

ہو حکم تو گرہ دل اعدا کی کھول دین | رکھتے ہیں چشم ناخن سے انتظار ہاتھ

پہلا مصرع اس وزن پر ہے مفعول قاع لات مفاعیل رعن اور دوسرا اس وزن پر مفعول قاع لاتن
مفعول قاع لان۔ تقطیع ہو حکم مفعول ذرہ و قاع لات ل اعدا مفاعیل کولہ سے قاع لان ہرے
ہ مفعول چشم ناخن قاع لان سے انت مفعول ظاہرات قاع لان ہ

انشاء اللہ خان

کیا کام ہو کھو سجدہ دیر و حرم کے ساتھ | ستون کا سر جھکے ہر صراحی کے خم کے ساتھ

مفعول قاع لات مفاعیل قاع لان | مفعول قاع لات مفاعیل قاع لان

وحشی تری نگہ کا بہا بان کعبہ یکہ | بھرنے لگا تلنگ غزال حرم کے ساتھ

مفعول قاع لات مفاعیل قاع لان | مفعول قاع لات مفاعیل قاع لان

کم قوت ایسے ہم نہیں اوقات اپنی یاد | شہبہ ہی کرتے گزرتے ہر شیراز کے ساتھ

مفعول قاع لات مفاعیل قاع لان | مفعول قاع لات مفاعیل قاع لان

مضارع تمہیں خرب مکفوف مخدوف مفعول قاع لات مفاعیل قاع لان دوبار مثال۔

سودا

آدم کا جسم جبکہ مناصر سے مل بنا | بھاگ رہ گئی تھی سو عاشق کا دل بنا

تقطیع۔ آدم ک مفعول جسم جبکہ قاع لات مناصر مفاعیل مل بنا قاع لان بھاگ مفعول

رہ گئی ت فاع لات س عاشق ک مفاعیل دل بنا فاع لن۔

منا صاحب

جسم قسم تو نازد نزاکت سے مل بنا
پر یہ بڑا غضب ہے کہ بھر کا دل بنا

حسرت

نازک دلوں کے زخم کو مرہم کبھونہ ہو
پیرا ہن جباب پھٹے تو ر فونہ ہو

ملو لفظ

قاتل نے جبکہ تن سے مرے سر جدا کیا
اتنا کوئی نہ بولا کہ ظالم یہ کیا کیا

ہرگز نہ آگ سینہ پر سوز کی بجھی
گو سیل ان شک نکھوان سے میری ہا کیا

کیا مال تھا جو دل اُسے بچھی دے سکا
نا چیز خیر کے لیے ناحق خفا کیا

تمام شعرون میں صدیقا بتد ا خرب اور عروض د ضرب مخدوف ہے اور حشو مخفوف عروض فلع لن
مخدوف اور ضرب فاع لان مقصور اور بالعکس بھی درست ہے اول کی مثال جان صاحب طراس
کتاب ہے۔ ۵

سودا ہر زلف یوسف ثانی کا اس قدر
روئے میں ہم کھڑے سر بانا زرار زار

عروض فلع لن مخدوف ہے اور ضرب فلع لان مقصور ہے بالعکس کی مثال سلیمان خان اسد
کتاب ہے۔ ۵

کیا کیا نہ دشتین بوئیں اس عشق میں نصیب
خیز گئی وقار گیا مال ذور گیا

مضارع مسدس ا خرب مکفوف سالم الاخر مفعول مفاعیل فاع لاتن دوبار مفاعیلان ہے
مفعول ا خرب ہر اور اسی سے مفاعیل مکفوف ہے اور فاع لاتن سالم مثال۔

شکوہ ہے کسی کا نہ ہم کو ایدل
دے بیٹھے جان ابنا اسکو دے دل

لقطعیع شکوہ مفعول کسی کان مفاعیل ایک اسے دل فاع لاتن پانچ بیٹ مفعول ہجائیت
مفاعیلان س کے دے دل فاع لاتن پانچ ایک رکن فاع لاتن اصل شمن سے حشون کم کر دیا ہے
مضارع مسدس ا خرب مکفوف سالم الاخر بطور دیگر۔ مفعول فاع لات مفاعیلان دوبار
مثال ۵

پردہ اٹھا جو اس رخ روشن سے
دون کا لہان ہے سارے نازکے وا

لقطعیع۔ پردہ ا مفعول مانج اس فاع لاتن رخ روشن سے مفاعیلان ہر کا مفعول

ماہ سار فاع لات زمانے کو مفاعیلن + سے

شیخے میں ہم پری کو اتارین گے | | چڑھ جائیگے کبھی تو وہ فتا بوین
تقطیع شیخے ہم مفعول ہم پری ک فاع لات اتا یگے مفاعیلن + چڑھا مفعول گے
کبھی فت فاع لات و قابوے مفاعیلن + آخرین مفاعیلن کی جگہ مفاعیلان بھی آسکتا ہے
جیسے سے

سنتا ہوں محاسب کیا ہے فرق | | مے خانہ میکشان بلا نوشو
تقطیع سنتا مفعول محاسب ن فاع لات کیا ہے فرق مفاعیلان + مے خان
مفعول مے کشان فاع لات بلا نوشو مفاعیلن -

اسی مثال میں ہے یہ بیت بھی سے

چھوٹے بڑے پہچمے نہیں موتوں | | مے کش ہوں مجھ کو جام دیا خم سے
تقطیع چھوٹے بڑے ب مفعول ب مے کش فاعلات نہی موتوں مفاعیلان + مے کش
فاعلات مجھ کو جام فاعلات دیا خم دے مفاعیلن + بیان مفعول ا خرب ہے اور
فاعلات مکفوف اور مفاعیلن سالم اور مفاعیلان مسبق اور پہلے بیان کر دیا گیا ہے کہ اس
بجرا کا جب کوئی جز گزریں گے لو فاعلات ہی گرائیں گے نہ مفاعیلن -

مضارع مسدس ا خرب مکفوف مقصور مفعول مفاعیل فاع لان دوبار مفعول ا خرب
ہے مفاعیل مکفوف اور فاع لان مقصور اور عرض و ضرب میں محذوف و مقصور کا جمع کرنا
بھی جائز ہے یعنی عرض میں فاع لن اور ضرب میں فاع لان لانا ممکن ہے مثال سے
کیون چاک گر بیان گل نہ ہو | | بہ تنگ تباے شکست رنگ

تقطیع کو چاک مفعول گر بیان مفاعیل گل نہ فاع لن ہے تنگ مفعول تباے ش مفاعیل
کست رنگ فاع لان صدر داند ا خرب اور محذوف مقصور اور عرض محذوف اور ضرب مقصور ہے -
مضارع مسدس ا خرب مکفوف محذوف مفعول فاع لات فاع لن دوبار مثال سے

انا صبح نیست آئی نہ دم بھیر | | تو چکیان چلین مرے سر پر
تقطیع انا صبح محذوف نیست آئی فاع لات ن دم بر فاع لن + تو چاک مفعول چلین مرے سر پر
فاعلات ر سر پر مفعولن -
مضارع مسدس ا خرب مکفوف مقصور مفعول فاع لات مفاعیل دوبار سے

دل کھینچتا ہے آہ شرر بار	ہیتے ہیں اشک چشم جگر یار
بر سے نہیں ہے ابر گستر بار	ہر بار چشم سے نگرے اشک
ہوتا نہ بزم یار میں گر بار	دل چھوڑ کر کے جاتا نہ ہر بار

(۱۱) بحر محبت

مس نفع من فاعلاتن من نفع لن فاعلاتن دوبار جثا ث لغت میں بمعنی جڑ سے اکھاڑنے کے ہے چونکہ اس بحر کے سدس کو بحر خفیف سے نکالا ہے اسلئے محبت بضم میم و سکون جیم درج ثا سے فوقانی و سکون ثا سے مثلث نام رکھا ہے گویا بحر محبت بحر خفیف ہے کہ جڑ سے اکھاڑی ہوئی بحر پس محبت مشمن نفع لن فاعلاتن من نفع لن فاعلاتن دوبار ہے اور محبت سدس میں من نفع لن مقدم پر وہ فاعلاتن پر اور بحر خفیف میں من نفع لن فاعلاتن کے بیچ میں بحر گویا بحر خفیف کے مس نفع لن کو بیچ میں سے اکھاڑ کر اور اول میں ہلکر محبت سدس کو حاصل کر لیا ہے یہاں سے معلوم ہوا کہ محبت اصل میں سدس کا نام ہے لیکن مشمن کو مجازاً کہتے ہیں اور اس بحر کو شوا سے عرب سدس اور مربع استعمال کرتے ہیں اور فصحا سے بحر مشمن کے سوا نہیں لاتے پوشیدہ تر ہے کہ اس بحر میں رکن من نفع لن منفصل کی سین اور لون میں ہوا تبہ ہے یعنی معاً گرا نا دونوں کا جائز نہیں اور اس بحر میں زحاف طے نہ آ سکے گا اسلئے کہ طے اُسے کہتے ہیں کہ دو سبب سے کہ رکن کے اول میں بے فاصلہ واقع ہوئے ہوں جو تھا ساکن گرا دیا جائے اور اس بحر میں من نفع لن منفصل ہے جس میں دو سبب خفیف کے درمیان ایک وند مفروق بحر اور اس بحر میں نوزحاف آتے ہیں ضبن۔ نصر۔ حذق۔ کف۔ ربح۔ جھن۔ تسبیح۔ تشیث۔ فیکل۔ ان میں سے مس نفع لن کا ایک زحاف ضبن ہے باقی سب زحاف فاعلاتن کے ہیں اور قطع اگر اس بحر میں آئیگا تو فاعلاتن میں آئے گا نہ مس نفع لن میں۔

محبت مشمن مجبول مفاعلن فاعلاتن مفاعلن فعلاتن دوبار مس نفع لن بسبب ضبن کے مفاعلن رہا اور فاعلاتن بسبب ضبن کے فعلاتن ہو گیا۔ مثال۔

رند

اموافقت میں عناصر کی گرفتار نہوتا	افراق روح کا قاب سے افلاق نہوتا
تقطیع موافقت مفاعلن م عناصر فعلاتن ک گرفتار مفاعلن ق نہوتا فعلاتن پ	افراق روح مفاعلن م
نکات غالب فعلاتن س لاث تفا مفاعلن ق نہوتا فعلاتن پ	

مرزا غالب

تو اپنے شکوے کی باتیں کھوکھود کے پوچھو
خند کر دے دے کہ اس میں گڈلی ہے
دلایہ دردالم بھی تو منتظر ہے کہ آسرا
نہ گریہ سحری ہے نہ آہ نیم شبی ہے

تمام اجزا مخبون میں اور فعلاتن کی جگہ مفعولن بھی لکنا ہے اسکو کتہ کہتے ہیں۔ مثال :-
کو ایک عمر سے بچپن و بقیہ را پرانا تھا
سبب ہے کیا اب بدل جو اضطراب نہیں ہے

تقطیع : ایک عم مفاعلن رس بے چے فعلاتن ن بے قرار مفاعلن ر پڑانا فعلاتن : سبب ہ کا
مفاعلن اب ایدل مفعولن ر ج اضطراب مفاعلن ب نہی ہے فعلاتن :-
محبت شمن مخبون مقصور مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان دوبارہ (فعلان بکرت عین ہے)

ظفر

لگانہ خط سے رخ شوخ پر عتاب کو عیب
دگر نہ لگتا گن سے ہے آفتاب کو عیب
اگر شراب کی موجیں نہیں ہر آب میں سانپ
خط شعاع سے لہرائیں آفتاب میں سانپ

تقطیع : لگانہ خط مفاعلن س رس رخ شوخ فعلاتن رخ پر عتاب مفاعلن ب ک عیب فعلان عین متحرک
رخ عروض و ضرب مخبون مقصور ہے اور باقی مخبون :-
محبت شمن مخبون محذوف مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن عین کے کسرے سے دوبارہ :-

عالی

سریج اسکو اگر حال دل جتانہ سکے
تو کیا غزل میں بھی پڑ پڑ کے ہم سنانہ سکے
عروض و ضرب مخبون محذوف ہے :-

مولفہ

جگوں زخم کا شاید کہ اب نشان نہ رہا
جوانی چشم سے سیلاب غن معان نہ رہا
جنون کی پردہ درسی سے جہانمیں پر فلک
کسی طرح سے مرا زاد دل نہان نہ رہا

جہان ہم آسکے لیے جا کے جبہ سا نہ ہوے
کوئی زمانے میں ایسا تو آستان نہ رہا

محبت شمن مخبون محذوف مسکن مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن بسکون عین دوبارہ فعلن عین
کے سکون سے ابتداء و مقطوع بھی کہلاتا ہے مگر تحقق طوسی اس کے مخبون محذوف مسکن ہی کہنے کو ترجیح
دیتے ہیں مثال :-

عشرت

عشرت صال میں دل پر تعلق ابھی سے ہے
کسی نے شام کے آنے کو کیا کہا عشرت

دونوں بیتوں میں عروض و ضرب مخبون مخذوف مسکن ہے۔

محببت مثنوی مخبون مسکن مقصور مفاعیلن مفاعیلن (عین کے سکون سے)
دو بار مثال۔

ظفر

غضب ہی پنا ہے اُس شوخ جنگیں برداشت
جو بیستا ہے سدا عاشق حزن برداشت

عروض و ضرب مخبون ہے جسے شعرت مقصور بھی کہتے ہیں۔

یاد رکھو کہ یہ چاروں وزن قافیہ شمار کیے جاتے ہیں اور ایک نزل میں جمع ہونا انکا جائز ہے مثال۔

غلام محی الدین بتلا

کے ہے منکے وہ یوں بتلا کے تھے کو
کہ خواب ناز کو تازہ یہ اک نسا نہ ہوا

اس بیت میں عروض مخبون مخذوف مسکن ہے اور ضرب مخبون مخذوف۔

ظفر

جہان میں دل عاشق کو ہو کہاں آرام
بکھتا عشق میں ہر کون اضطراب کو غیب

عروض و مخبون مسکن مقصور ہے اور ضرب مخبون مقصور۔

تعلیم

تکست چرخ سے ہے اپنے آگے کی
انہی ٹوٹے کہیں گردن اس کیے کی

سیان گلاب ہے با عطر یا کہ نازہ شک
عجب ہی لطف کی بو ہے ترے پسینے کی

ہر ایک شخص کو دے بیٹھنا دہرین دشنام
سیان یہ بات بھی ہے کچھ بھلا قرینہ کی

مولفہ

یہ کسکی ساق بلورین کی تاب ورتہ آب
کرے ہے ماسی کا خانہ خراب ورتہ آب

بھڑک مین ترے ننھے کی دیکھ لی شاید
جو پھیلیوں کو ہوا اضطراب ورتہ آب

نہیں ہوتا وہ آب روان کی کرتی ہیں	اٹ گیا ہے کوئی یہ جاب ورتہ آب
بچہ نہ تو عرق آلودہ اُسکے ٹکڑے کو	ہوا ہے جلوہ فزا آفتاب ورتہ آب
جلے ہوئے کی جو آتی ہر بویہ دریا سے	کلیجہ ہوتا ہے کسا کباب ورتہ آب

ولہ

حرم میں کہے میں بت خانے میں کلیسا میں	تھارے حسن کا چرچا کہاں کہاں نہ رہا
---------------------------------------	------------------------------------

ولہ

بچہ کے ہاتھ لگانا کہ عاشق جانباز	نہو گا مجھ ساز مانے میں جا میں پیدا
----------------------------------	-------------------------------------

جرات

اجل گرہنی خیال جمال یار میں آئے	تو بچہ بجائے فرشتہ بری نزار میں آئے
بھلا پھر اُسکے اٹھانے میں کیوں دیر لگے	کسی کی موت کسی کے جو انتظار میں آئے
نفان پھر اُسکی ہو بریز یا س کیونکہ نہا	بزیر دام جو مرغ چمن ہمار میں آئے
ٹہنیں نہ دلنے اگر ہو گا لیان لاکھوں	وہ دینے غیرت گل یک کیا ہزار میں آئے

اٹھے جہان نہ جرات اٹھ کے درد فراق

اتنی موت بھی آئے تو دھڑلے میں آئے

محبت شمع مشعل مجنون مخدوف یا مسکن مقصور مفاعلن مفعولن مفاعلن فعلن لیسکون عین
یا فعلان لیسکون عین و دوبار فاعلاتن سے مفعولن کرنے کو تشبیہ کہتے ہیں اور اس زحاف کی کئی ترکیبیں
ہیں بعض فاعلاتن کا عین ساقط کرتے ہیں اور بعض لام حذف کر کے اُسکی جگہ مفعولن رکھ دیتے ہیں اور
بعض فاعلاتن میں لیسکون لام بنا کر اسکو مفعولن سے بدلتے ہیں اور زحاف جنحوی کے نزدیک بہتر ہے تاکہ اول
اقطاع تن مجنون کیا جائے بعد اُس کے عین کو سائن کر کے اس صورت میں فاعلاتن عین ساکن سے ظاہر ہو کہ
مفعولن سے بدل دیا جائے مثال اسکی۔

شاد بدایونی

کسی کو ہرگز اپنا نہ جانو اسے شاد	کہ دشمن جان ہوتا ہے بھائی بھائی کا
تقطیع کسی ک ہر مفاعلن گز اپنا مفعولن نہ جانو مفاعلن اسے شاد فعلان لیسکون عین	کہ
دشمن مفاعلن جا ہوتا مفعولن کا بار ہا مفاعلن کا فاعلاتن لیسکون عین	کہ صدر وابتداء و نون مفعولین

مخبون اور عروض سکون مقصور اور ضرب مخبون محذوف سکون اور حشو کا ایک جز مخبون ہے اور ایک جز مشعت۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک مصرع کے حشو میں فعلان ہو اور دوسرے کے حشو میں مفعولن
مثال اسکی۔

شاد بدایونی

کسی کا جاہ و ثروت نظر نہیں آتا | خراب ہو جو خانہ یہ خود نمائی کا

مصرع اول میں حشو کا ایک جز مخبون ہے اور ایک جز مشعت اور دوسرے مصرع کا حشو مشعت نہیں لقطیع کسی ک جا مفاعیلن ہو ثروت مفعولن نظر نہی مفاعیلن آتا فعلن بکون عین +
خراب ہو مفاعیلن حی خانہ فعلاتن ہے غنہ مفاعیلن بی کا فعلن بکون عین +

الموافقہ

بنا بچہ کے خم زلف عبیرین کا تو | اثر ایسے نہ کہیں زہر مار شیشے میں

لقطیع بنا بچہ مفاعیلن کے خم زل مفعولن ف عبیری مفاعیلن کا تو فعلن بکون عین + اثر کرے مفاعیلن ن کہی زہ فعلاتن رہا رشی مفاعیلن سے مے فعلن بکون عین +

(۱۲) بحر طویل

فعلن مفاعیلن فعلن مفاعیلن دوبار اس بحر کا طویل اس سبب سے نام ہوا کہ اول واضع لے اس سے بڑی کوئی بحر وضع نہیں کی تھی مثال کنسیالال مؤلف رسالہ بحر العروض کا شعر ہے

نکرو جفا کاری نکرو یہ عیاری | خدا سن بھی میں ہو خدا سن بھی میں ہے

لقطیع۔ نکرو فعلن جفا کاری مفاعیلن نکرو فعلن سے عی یاری مفاعیلن خدا سن فعلن بی سے ہو مفاعیلن خدا سن فعلن ہی سے ہو مفاعیلن

صفی امر و ہوی

تمھاری جدائی میں لبون پر دم آیا ہے | کوئی تنگ جی سے یون سی کام آیا ہے

لقطیع تمھاری فعلن جدائی مے مفاعیلن لبون پر فعلن دمایا ہے مفاعیلن پاک کی تن فعلن تنگ جی سے یو مفاعیلن میسا فعلن کمایا ہے مفاعیلن اس بحر میں قبض۔ کف۔ قصر۔ حذف۔ ثلم۔ شرم۔ تسبیح یہ زحاف آتے ہیں اور فعلون میں قبض ثلم۔ شرم۔ حذف یہ چار زحاف واقع ہوتے ہیں اور مفاعیلن میں قصر قبض۔ کف۔ حذف۔ تسبیح یہ پانچ زحاف آتے ہیں رعیتہ میں متعل نہیں پڑی میں بھی

تہ تکلف بعض بعض نے اس میں اشعار کے ہیں یہ بحر عربی سے مخصوص ہے فائدہ جلیل ہو لوگ تحقیق سے بہرہ نہیں رکھتے وہ ہر اس وزن کو بحر طویل کہتے ہیں جس میں رکن زیادہ ہوں مثلاً شہید کے اس شعر میں سے

یہ سحر کیسی ہے پُر نور کہ جہور میں سرور ہر اک باغ میں مہور ہے سامان بہار

گل جھکتا ہے جن زور مہکتا ہے ٹپکتا ہے ہر اک شاخ تر و تازہ سے فیضان بہار

اسی طرح نظیر کے اس قول کو بحر طویل میں ایک مصرع سمجھتے ہیں۔

اک دن باغ میں جا کر چشم حیرت زدہ واکر جامہ صبر تبا کر طاثر ہوش آرا کر شوق کو راہ ناکر مرغ نظارہ آرا کر دیکھی رنگت جو چمن کی خوبی نسرين و دمن کی شکل بچون کے دہن کی تازگی لالے کے تن کی تازگی گل کے بدن کی کشت سبزے کی ہری تھی نہر بھی لہر بھی تھی ہر خیابان میں تری تھی ڈالی ہر گل کی ہری تھی خوش نسیم سحری تھی سر و شمشاد و صنوبر سنبل دوسن دوعر نخل سیوے سے رہے پھر نفس باد صبر درو دیوار و مہر تبین قمری تھی مطوق کہیں تگور و حلق نالے بلبل کے مدق کہیں غوغائی کی بوق بوق اسفند شاد ہوا دل شل غنچہ کے گیا کھل غم ہوا کشتہ و بسمل شادی خاطر سے گئی مل خوری ہو گئی حاصل روح بالیدہ ہوا آئی شان قدرت دی دکھائی جان سی جان میں آئی باغ کیا تھا گویا اللہ نے اس باغ میں جنت کو اتارا ہے

اور انشا کے اس قول کو بحر طویل جانتے ہیں۔
بختاوندی ذاتے کہ رحیم ست و کریم ست و علیم ست و حکیم ست و عظیم ست و سلیم ست و قدیم ست و شریف ست و لطیف ست و خیر ست و بصیر ست و نصیر ست و کبیر ست و رؤف ست و غفور ست و شکور ست و دود دست و در خلق نمود ست و بود خالق و خالق قسم سے خورم اکنون کہ مرا بہر بخور تو سر و کار نمود ست دے از طرفت گشت شروع این حمد اقوال مزخرف شنو اسے مردک تا دان اندر دہنت شامشہ عالم الخ۔

(۱۳) بحر مدید

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دُوبار مدید برد زن جدید کے سننے کھینچے ہوئے کے ہیں چونکہ اس بحر کے رکن سباعی میں اول و آخر تہ مجموع کے ایک لایک سبب کھینچا ہوا واقع ہے ایسے اسکو مدید کہا یہ بحر اکثر سالم آتی ہے شعرا سے عہد کے بیان کثرت سے اور شعرا سے فارسی میں کمتر استعمال ہے اور رخیہ میں

بالکل مستعمل نہیں شاذ و نادر کسی کسی نے طبع آزمائی کی ہے اور لون فاعلاتن اور الف فاعلن کے درمیان حاقبہ ہے ابن جنی وغیرہ اس بجر کو مسدس الاصل بتاتے ہیں مگر صحیح قول اول ہے۔
مدید مثنیٰ سالم قدیر کہتا ہے۔

اور تو باتیں بڑی چھوڑ دین سب خیر کا پر نہ اس کو چنے کی باز آیا اب تک میرے
لقطع اور تو با فاعلاتن کے بری فاعلن چوڑ دی سب فاعلاتن خیر کے فاعلن پڑ نہ اس کو
فاعلاتن چنے کا با فاعلن نہ اسے اب تک فاعلاتن میرے فاعلن۔

صفحہ

ہجر میں یہ حال ہر نسبت کی صورت میں
لقطع ہجر کے لیے فاعلاتن حال ہر فاعلن زیس کی صو فاعلاتن رت نہیں فاعلن رتخ۔
اور عرض و ضرب میں نڈال یعنی فاعلن کی جگہ فاعلان بھی قدست ہے۔
اور شمارے عرب اس وزن سے ایک فاعلن ترا کر مسدس بھی استعمال کرتے ہیں اور اہل فارس
نے بھی یہ تکلف اس وزن میں موافق اور مجوز خصوصاً عرب کے شعر کے ہیں اور اس صورت میں
عرض و ضرب فاعلاتن سالم اور فاعلان مقصور اور فاعلن مخذوف اور فعلن بہ تحریک عین مخبون
مخذوف اور فعلن بکول عین تہر مخملط اور غہر مخملط دونوں طرح و امین اور معیار الاشعار میں ایک جگہ خوب
نصیر الدین کے قول سے استفادہ ہوتا ہے کہ عرض و ضرب فعلان بہ تسکین عین بھی جائز ہے جیسے
اس شعر میں۔ ۵

خاک میں ملکر ہوے برباد دل لگانے کی ملی کیا داد
بر وزن فاعلاتن فاعلن فعلان دوبار لیکن اس پر صاحب میزان الافکار شارح معیار الاشعار اعتراض
کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فعلان اگرچہ فاعلاتن کی فرع میں سے ہے لیکن بکر مدید میں نہیں واقع ہوتا
نیز کامل عیار ترجمہ معیار الاشعار میں منشی مظفر علی آسیہ لکھتے ہیں کہ فعلان مدید میں کیوں نہیں آتا کہ محقق علیہ
بکر مدید میں لکھتے ہیں کہ در مجز و عرض مخذوف یا مخبون مخذوف و ضرب مخبون مخذوف یا تہر بکار دہتہ اور پس فعلن
اور فعلان ایک ہی اور الف اور لون آخر میں بجائے یک حرف ہے اور زیادت یک ساکن بھی مغیر
وزن نہیں ہے اور خود محشی لکھتا ہے کہ فعلان از فردغ فاعلاتن ست اور بکر مدید میں خود حاشیہ
لکھا ہے کہ بعضے ضمن در فاعلان مقصور جائز نہ دارند مگر صواب جواز آن ست اور تسکین وسط سب
جگہ جائز ہے اور رسالہ عبدالواسع میں فعلان بقطع مسبق بکر مدید میں لکھا ہے قائل۔ اور مربع اس بجر کا

بسیب سے کہ ریل سے ملتا ہے وہاں ہے خوشنما ہے ظفر کی یہ غزل سے اس غزل پر سب ظفر آفرین تجھ کو کہیں آسی وزن میں ہے۔

مولفہ

درد کی حالت مری	اکہد دجا کے یار سے
رات بھر ٹپکا کیا	سر تری دیوار سے
پوچھتے ہو حال کیا	فاشق بیدار سے
نفسہ بر پا ہو گیا	یار کی رفتار سے
شاد کیجیے ایک دن	وعدہ دیدار سے
رات بھر ترپا کیا	فرقت دلدار سے

بر وزن: ملائین فاعلن دو بار یہ وزن بیمنہ رمل مربع مخدوف الآخر ہے اور فاعلان بیان آخر میں نڈال ہے نہ مقصور۔

(۱۴) بحر بسیط

مستفعلن فاعلن مستفعلن فاعلن دو بار بسیط الفتح اول اور طائے حلی آخر میں اس کے معنی پچھے ہوئے کے ہیں چونکہ اس بحر کے امکان میں اول سبب پچھے ہوئے ہیں چودہ مجموعہ ہیں ایسے اسکو بسیط کہا ہے عروض اس بحر کی مخبون اور سالم اور مقطوع مشتمل ہے اور ضرب مخبون اور نڈال اور سالم اور مقطوع بھی آتی ہے مگر فاعلن سے فعلن اور مستفعلن سے فعلن۔ اور میزان الانکار میں مولوی سعد الشد مرحوم نے مخبول بھی لکھا ہے مگر مخبول اس بحر میں کوئی ضرب نہیں بالکل یہ اوزان رخیہ میں مشتمل نہیں زبان عربی میں اس میں اشعار کے جاتے ہیں۔

بسیط متمم سالم مثال اسکی۔

گہرا گیا گھر میں لگت ہوئی دشت	بہلا میں دل کی جنون جنگل کی اب گشت
لقطیع گہرا گیا مستفعلن گرم دل فاعلن لغت ہوئی مستفعلن دشت سے فاعلن پھلائے دل	مستفعلن اسے جنو فاعلن جنگل کباب مستفعلن گشت سے فاعلن پھلائے دل

صفحہ

تا حق بلایم پڑا کیوں دل بچھے کیا ہوا	فائل کی ہے یار میں کیا سودا ہوا
--------------------------------------	---------------------------------

بسیط ثمن مخبول مفاعِلن فاعِلن فعلن (عین کے کسرے سے) دوبار مثال۔

گویا

لو کھا دے شکل ذرا صنم ہرے خدا یہ ہے سوال مرا گھر رہے نہ ذرا
لقطیع دکا و شک مفاعِلن ل ذرا فعلن صنم ہر مفاعِلن ر خدا فعلن پ ا یہ ہے سوال مفاعِلن
ل مرا فعلن کچھ رہے مفاعِلن ن ذرا فعلن تمام جزا مخبول ثمن۔
بسیط ثمن مخبول۔ مفتعلن فاعِلن مفتعلن دوبار مفتعلن مطوی ہر مستفعلن سے۔

گویا

دیکھ کے جھکوری ایک ذری ہو گئی جھکو وین بے خبری
لقطیع دیک ک تج مفتعلن کو پری فاعِلن ایک ذری مفتعلن پ ہو گئی ج مفتعلن کو پری فاعِلن
بے خبری مفتعلن۔

۱۵۱ بحر سرلیح

مستفعلن مفعولات مستفعلن مفعولات دوبار سرلیح بروزن امیر شوق ہے سرعت سے سرعت کے
منی تنالی کے ہیں چونکہ یہ بحر جلد پڑھی جاتی ہے لہذا اسکا نام سرلیح ہو گیا اور یہ بحر ثمن سالم اشمال
خین جنین آتی بلکہ سدس مستعمل ہے اور اصل سے ایک رکن مفعولات کم کر دیتے ہیں اور مستفعلن
مستفعلن مفعولات لاتے ہیں اور شعرا سے فارسی درختہ اکثر مطوی لاتے ہیں اور عروض ضرب اکثر
مطوی موقوف یا مکسوف ہوتے ہیں اور اس بحر میں نوزخات آتے ہیں طے خین خیل۔ وقف کیفیت
سلم۔ نخر جردع۔ قطع ان میں سے طے خین خیل قطع مستفعلن سے متعلق ہیں اور خیل کشف۔ وقف
سلم جردع نخر مفعولات میں آتے ہیں۔

سرلیح سدس مطوی مکسوف مفتعلن فاعِلن دوبار طے مراد ہر استقامت ساکن جہاز
دو سبب خفیف میں سے جو رکن کے اول میں ہوں پس مستفعلن بسبب طے کے مستعلن مطوی رہا
اسکو مفتعلن سے بدل لیا اور مفعولات کا داو بسبب طے کے گر کر مفعولات رہتا ہے اور بوجہ
کشف کے اسکی تاسے فوقانی دور ہو جاتی ہے اور مفعلا مطوی مکسوف رہ جاتا ہے اسکو فاعِلن سے
بدل لیتے ہیں مثال۔

شیفۃ

غیر بھی کیوں تجھ سے نہاں ہو گیا اگر جس دم وفا قابل قہر رہے

تقطیع غیر کو مفعولن حج س بنا مفعولن بیگ گزاعلن نجوم ونا مفعولن قابل نفع مفعولن
تویر ہے فاعلن

شکر سے دل جبکہ جدا ہو گیا نشاط انگ سے بُت بُت سے خدا ہو گیا

انجیب

اشک خشن زلف کو مین لے کہا مجھ سے یہ اک کار خطا ہو گیا

چشم کو چو اپنی نہیں کھولتا موقوف کس کا یہ دل طالب دیدار ہے
مارسیہ پاکہ ہے کالی بلا زلف ہے یا کوئی شب تار ہے
مردوں کو ٹھوکر سے بلاتا ہے وہ ہے یہ کرامات نہ رفتار ہے

سریع مسدس مطوی موقوف مفعولن فاعلن ونا بار مفعولات سے بسبب طے کے
مفعولات بضم مین ونا رہا اور سبب وقف کے ساکن ہوئی مفعولات رہا اسکو فاعلان سے بدل لیا
تال یہ دو مفعولات کے ایک قاضی کی مجھ میں ہے

مرد سے بولے کہ نہ کرو نکاح زن سے کہ چارہ میں شوہر مباح
دے کوئی ہندو گرا کے ایک دام آگائے سلمان یہ یہ کرو نہ حرام

عروض دضرب مطوی مسوت کے ساتھ مطوی موقوف جمع کرنا بھی درست ہے مثلاً لیسیم دہاوی
کے شعر میں ہے

آپ کے وعدہ دن کو ہمارا سلام دیکھو جکے خوب جی جاؤ بھی

اس وزن میں نہ جانت بدل بھی جائے چنانچہ غلام امام شہید کے اس قول میں ہے

جس گھڑی اشد افسر کہا مکتولن مفعولن فاعلن
گشتا تھا لوگوں کا چھری سے گلا مکتولن مفعولن فاعلن

پہلا مصرع مطوی مفعولن مسوت ہے اور دوسرا مطوی مسوت مفعولن مفعولن سے مفعول ہے
نفع سے مراد یہ ہے کہ مفعولن کے دند مجموع کے حرث ساکن کو گرا کر اسکے ماقبل کو ساکن کر دین پس
زن اگر کر لیم ساکن ہو گیا مستفعل رہا اسکو مفعولن سے بدل لیا تقطیع جس گرا ل مفعولن لاہوک
مفعولن برکما فاعلن پکٹ تھ لو مفعولن گوک چری مفعولن سے گلا فاعلن ظفر نے ایک غزل
لکھی ہے جس میں زحافات کی بڑی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور اس میں بعض اجزاء مفعول بھی آئے ہیں
اور رفع رکن مستفعل میں ہے کہ اسکی وجہ سے مستفعل کا پہلا سبب خفیف مفعول ہو کر مفعولن رہتا ہے

اور اسکا جگہ فاعلن لے آتے ہیں پس صدر وابتدا میں یا حشو میں فاعلن مرفوع ہوگا اور عرض
و فاعلن ب میں مطوی مکسوف اور کہیں عرض صرف مکسوف اور کہیں فقط موقوف
واقع ہوا ہے اگرچہ اہل عروض نے زحاف رفع کے بحر سرریع میں واقع ہونے کی تصریح تمہیں کی ہے
لیکن ظفر کی غزل میں جب تک رفع نہ مانا جائے گا وزن درست نہ ہوگا وہ غزل یہ ہے۔

کی تھی کیا کچھ سے مرے یا ر شرط	کچھ بھی ہے یا دستگار شرط
مفعولن مفتعلن فاعلان	مفعولن مفتعلن فاعلان

صدر وابتدا مقطوع ہے اور حشو مطوی اور عرض و ضرب مطوی موقوف۔

دین و ایمان دل و جان لیکر	دینا بوسہ بھی ہے اکبار شرط
مفعولن مفتعلن مفعولن	مفعولن مفتعلن فاعلان

صدر وابتدا مکسوف ہے باقی یہ ستور کسف سے مراد یہ ہے کہ مقولات کی تائے مضموم کو سا
کر کے حذف کر دیتے ہیں پس مفعول کو مفعولن سے بدل لیتے ہیں۔

شمع کی طرح رہ آفت میں	سرگشا نا بھی ہے سو بار شرط
فاعلن مفتعلن مفعولن	فاعلن مفتعلن فاعلان

صدر وابتدا مرفوع ہے اور حشو مطوی اور عرض فقط موقوف اور ضرب مطوی موقوف۔
وقف سے مراد یہ ہے کہ مقولات کی تائے مضموم کو سا کر کر دین پھر اسکو مفعولان سے بدل لیتے ہیں

در پائے نہ فغان کراتنی	ہے ادب بھی دل بیمار شرط
فاعلن مفتعلن مفعولن	فاعلن مفتعلن فاعلان
چپکا نہ رہ مرغ چمن دام میں	کچھ ہی نہ کچھ بھگو ہے گفتار شرط
مفتعلن مفتعلن فاعلان	مفتعلن مفتعلن فاعلان
ماز نہان گریہ سے کھل جائے گا	ہو دے گار سوا سربازا ر شرط
مفتعلن مفتعلن فاعلان	مفتعلن مفتعلن فاعلان

صدر وابتدا اور حشو کا مجنون ہونا بھی جائز ہے اور ضمیمہ فاعلن میں اس طرح ہوتا ہے کہ
میں کو حذف کر کے مفاعلن سے بدل لیتے ہیں مثلاً۔

ادل دجا ر سوز سے تھے داغ داغ	گھر میں نہ رکھتا تھا وہ گھر کا چراغ
------------------------------	-------------------------------------

تہ تلخ دو بر مفاشن سوز میں نے مفتعلن داغ داغ فاعلان پھر گرم ترک مفتعلن تات و گر

مفتعلن کا چایغ فاعلان یا داو عطف کو تلفظ میں لائے سے یہی بہتر ہے۔

سریع مسدس مطوی مقطوع مجزوع مفتعلن مفتعلن فاع دو بار مفتعلن مطوی اور مفتعلن مقطوع اور یہ دونوں مستفعلن کی فرع ہیں اور جمع مراد ہے اس سے کہ مفعولات کے دو سبب خفیف حذف کر کے تاسے آخر کو ساکن کر دیا جائے پس مفعولات سے لات بسکون تا مجزوع حاصل ہوا اسکو فاع سے بدل لیا۔ مثال۔

نالہ ہمسارا ہے بجز زون یا سنگ کو بھی کرتا ہے حور

تقطیع نال ہما مفتعلن را ہے پر مفتعلن زون فاع یا سنگا ک بی مفتعلن کرتا ہے مفتعلن حور فاع۔ حدائق البلاغت میں لکھا ہے کہ بجائے مفتعلن مقطوع کے مستفعل مضموم اللام مفتعل بھی جائز ہے تمکو اس بات سے تعجب ہوگا کہ مستفعلن کے زحافات میں ہننے کف نہیں لکھا ہے پھر بیان کیسے آسکتا ہے تو جواب اسکا یہ ہے کہ بعض محققین کا یہ مذہب ہے کہ کف رکن کے ساتویں ساکن کے گرائے کا نام ہے جو سبب خفیف میں ہو اس صورت میں کف کا آنا سوائے مثل لفع لن منفصل کے نہیں ہو سکتا ہے لیکن زعمشری اور صاحب مفتح کے نزدیک کف سبب سے خصوصیت نہیں لکھا بلکہ مطلقاً رکن کے ساکن ہنقم کے حذف کر کے کا نام ہے خواہ وہ سبب میں ہو یا نہ میں پس اس صورت میں اس کا آنا مستفعلن متصل میں بھی جائز ہے اور جبکہ مستفعلن کا ساتواں ساکن گرائے تو مستفعل لام مضموم سے باقی رہے گا اور اس مذہب کے مطابق بحر سریع میں مستفعل مفتعل آتا رہا ہوا ہے۔ جیسا اس بیت کے مصرع ثانی میں۔

از معیار البلاغت

تو ہے سرایا حسن اور نازا بین ہون مجسم سوز و گداز

تقطیع توہ سر مفتعلن یا حسن مفتعلن ناز فاع یا ہے مجسم مفتعلن سوز مفتعل از فاع۔ سریع مسدس مطوی مجزوع مفتعلن مفتعلن فاع دو بار مفتعلن سوز اور دو سبب خفیف اور حذف آخر کے گرائے سے پس مفعولات سے مفتعل اور ت گرا کر لا محوریانی رہا اسکو فاع سے بدل لیا۔ مثال۔

عشق کا دیوانہ ہے دل یا ابرو سے اس کی جان بسمل

تقطیع عشق ک دی مفتعلن دانا ہے مفتعلن دل فاع یا ابرو اس مفتعلن کی جا پس مفتعلن دل سریع مسدس مخبون کا سوٹ مستفعلن مفتعلن فاع دو بار سبب خفیف کے مفعولات

بحر سریع از معیار البلاغت

معوالات بضم تا مجنون رہا اور بسبب کسوف کے گر کر مولا مخون کسوف ہو گیا اسکو فاعلین سے بدل لیا مثال سے

اے دل خازن خون میں اس ضرر کی

اہر چین اسکی قید ہے ستم کی

عرض و ضرب مجنون کسوف، اور باقی سالم یہ وزن فارسی داندین مستعمل نہیں۔
لقطیع اے دل خازن مستعملین زقوم اس مستعملین ستم کی فاعلین پھر چین اس مستعملین کی قید ہے
مستعملین ستم کی فاعلین پھر چین اس مستعملین کی قید ہے

(۱۶) بحر خفیف

خفیف کے معنی ہلکے کے ہیں چونکہ اس بحر کے سب ارکان ہلکے ہیں اسبب اسکے کہ دو سبب خفیف
وند مجموع کو گھیرے ہوئے ہیں اسلئے اس بحر کا نام خفیف رکھا ہے اس بحر کو متاخرین شعراء فارسی
اور شعراء رچینہ نے سوائے مسدس مزاحف کے اور کسی طرح استعمال نہیں کیا ہے اور تمام اجزاء سالم
مستعمل نہیں مگر صدر وابتداء سالم بھی استعمال میں آئے ہیں اور مجنون بھی اور عروض و ضرب بھی مجنون بھی
بجنون سے بھی مجنون مقصور بھی ثبوت مقصور جسکو مجنون سکن مقصور بھی کہتے ہیں کبھی مجنون حذف بھی شطوع جسکو مجنون
مخفون سکن بھی کہتے ہیں آئے ہیں اور اس بحر میں اتنے زحاف واقع ہوئے ہیں طبعی شکل قصر حذف ثبوت محفون تسبیح
کف رکن مس تفع لن میں ضمن قصر کف شکل واقع ہوئے ہیں اور فاعلاتن میں ضمن کف شکل حذف ثبوت
تبع اور تسبیح آئے ہیں چونکہ اس بحر میں مس تفع لن مفصل ہے اسلئے زحاف ملے نہیں آسکتا کیونکہ
اسکے لیے رکن کے اول میں دو سبب خفیف کا ہونا ضرور ہے اور میان اول میں ایک ہی سبب
خفیف ہے اسی طرح قطع بھی اس بحر کے رکن مس تفع لن میں نہیں آسکتا اگر آسکتا ہے تو فاعلاتن میں
آسکتا ہے اور اس بحر کے اصلی رکن یہ ہیں فاعلاتن مس تفع لن فاعلاتن و دوبارہ تقدیم فارسی نے ثمن
بھی استعمال کیا ہے اور مزاحف لائے ہیں اور ثمن ہونے کی صورت میں آخر میں ایک مس تفع لن کا
اضافہ ہوتا ہے زبان اردو میں اسکے استعمال کی جو صورتیں ہیں وہ ہم بیان کرتے ہیں اور درمیان
نون فاعلاتن اور سین مس تفع لن کے اسی طرح درمیان نون مس تفع لن اور الف فاعلاتن کے
اور نون فاعلاتن اور الف فاعلاتن کے ساتھ ہے۔

خفیف مسدس مجنون فاعلاتن مفاعلاتن فاعلاتن دوبارہ فاعلاتن مجنون ہے فاعلاتن سے
اور مفاعلاتن مجنون ہے مس تفع لن سے مثال۔

ملولفہ

دل مضطرب رہا ہے ویکن نظر آتی نہیں وصال کی صورت

تقطیع دل مضطرب رہا مفاعلن وایسن فعلاتن یا نظر آتی فعلاتن نہیں وصال مفاعلن
ایک صورت فعلاتن یا اس بحر کے اوزان میں صدر وابتدا خواہ فاعلاتن سالم ہوں یا فعلاتن مخبون
اورین ایک حکم میں ہیں چنانچہ یہ شعر اسی وزن میں ہے۔

ملولفہ

مثل گل رنگ چہرے کا ہوا حق ہے غنچہ سان در دے جگر ہوا شق ہے

تقطیع مثل گل رنگ فاعلاتن گ چہر کا مفاعلن ہونق ہے فعلاتن یا غنچ سان در فاعلاتن دے
جگر مفاعلن ہونق ہے فعلاتن۔

مرزا غالب

وہ فراق اور وہ وصال کہاں ہے وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں ہے

فرصت کا دوبار شوق کیسے ہے ذوق نفاہ مال کسان ہے

یہ دونوں شعر مرزا غالب کے ہیں اور درستی مثال کے واسطے اس مصرعون پر فقط یہ بڑھا دیا ہے۔
خفیف مسدس مخبون مسبق فاعلاتن مفاعلن فعلیان دوبار غنچ کی وجہ سے فاعلاتن
فعلاتن کسرین ہو یا اور اس میں تسبیح آنے سے اعلیٰ مان بن گیا جس کو فعلیان بہ تشدید بائے تقانی سے
بدل یا مثال ہے

پاس سے اسکے دور کر کے فلک آہ یوں ہنسا کر زمین رولانا تھا اے واہ

تقطیع۔ پاس سے اس فاعلاتن ک دور کر مفاعلن ک فلک آہ فعلیان یا یوہا کر فاعلاتن
ہے رلامفاعلن ت اے واہ فعلیان۔

خفیف مسدس مخبون مقصور فعلاتن مفاعلن فعلان کسرین دوبار مثال۔

قلق

نگراں جان بلب کی شکے یہ بات ابھی ہو جاتی ہے خصوصیات

تقطیع۔ گراں جان فاعلاتن بلب کی شکے یہ بات مفاعلن ک یہ بات فعلان یا آپ ہو جاعلاتن ت
ہے مقصور مفاعلن حیات فعلان یا صدر وابتدا سالم کی یہ مثال ہو۔

ایار علی خان مستمند

تیر تک وصل کی ہے یار اُمید | ہے شل ایک دم ہزار اُمید

اسی مثال میں ہے یہ شعر مثنوی مہر دہادہ مونسہ نواب علی بہادر خان علی تخلص کا ہے

صبح کے جب عیان ہوئے آثار | ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلی دُوبار

خفیف مسدس مخبون خدوف فعلاتن مندا مندا فعلن دوبار عین کے سرے سے۔

انھیں باتوں میں تھا وہ رشک چمن قلموں پر جاتے ہیں قبل قلم سخن

تقطیع ان باتوں فعلاتن م تا درش مفاعلتن ک چمن قلموں پر جاتے فعلاتن م قبل قلم سخن
ع سخن فعلن صدر دہادہ اسلم کی مثال۔

ہریان الدین زادا

چرخ کے کیسے انقلاب ہوئے | آپر بھی ہم نہ کامیاب ہوئے

اب مارا قضا کا نام بیا | بولشہ واہ جی واہ خوب کام بیا

خفیف مسدس مخبون مخزون مسکن فاعلاتن مفاعلتن فعلن بسکون عین دوبار۔

غالب

شکن زلف عنبرین کیوں ہے | نگہ چشم سرمہ سا کیا ہے

تقطیع شکن زلف فعلاتن ت منبری مفاعلتن کو پہ فعلن : نگہ چشم فعلاتن م سرمہ

فاعلتن کا ہے فعلن : اور صدر دہادہ اسلم اس وزن میں یوں ہے۔

حالی

سب کمالات اور ہزاران کے | فرہین ان کے ساتھ جائیں گے

قوم کیا کہے ان کو ردے لگی | نام یر کیونکہ جان کھوئے لگی

سست

آج دلبر کو خواب میں دیکھا | نور حق کا حساب میں دیکھا

خفیف مسدس مخبون مسکن قصور فعلاتن مفاعلتن فعلان بسکون عین دوبار۔

قلق

کہ گھسٹتا بحر میں چوڑا کچھ بار | کل آلی تہاے جگر ادھار

تقطیع ک کڑی بر فعل تن م چوڑ کر مفاعیلن گربار فعلان پٹکلائی فعلان تن ت اے جگر مفاعیلن
انگار فعلان مصدر وابتدا سالم کی مثال

تسلیم

چشم بدور وہ شبیلی آنکھ صفت عینی ہے رسیلی آنکھ
اگر ایک مصرع کے آخر کے رکن میں فعلان اور فعلن میں یکسور سے اور دوسرے مصرع کے آخر کے
رکن میں فعلان اور فعلن میں کے سکون سے ماٹ جائیں تو موزون ہے اور ایک غزل میں جمع ہونے
میں چنانچہ شعرا پر بخوبی روشن ہے۔ مثال ہاسکی۔

عزیز شاہ خان رشتہ

زندہ مانند شمع پھر نہ آٹھا اسکی محفل میں جا کے جو بیٹھا
عروض مخدوف ہے اور ضرب مخبون مسکن مخدوف۔

احمد علی نسبت

ہر کسی سے جو بل یہ کرتی ہے کسی بانگے سے کیا لڑی ہے آنکھ

شاہ حاکم

اُنکے کوچے میں مجھ کو پھرنا دیکھ رشک کھاتی ہے آسیا میرا
عروض مخبون مسکن مخدوف ہے اور ضرب مخبون مسکن مقصور ہے۔

درد

دیکھنے کو رہے ترستے ہم نہ کیا تو نے رحم پر نہ کیا
سب کے جوہر نظر میں آئے درد بے ہنر تو نے کچھ ہنر نہ کیا
ہو گیا جو فنا حساب آسا موقع وہی دریا سے غم سے پار ہوا
چشم سے اشک لے کل کے کیا دل کے جانے کا پاترا بشتاب
غمسہ ہستی میں جو کوئی آیا سٹ گیا جلد وہ لبسان حباب

بحر حقیف مربع مخبون فاعلان مفاعیلن دوبار مفاعیلن مخبون ہے اس فعلن
سے آئندہ میں مفاعیلان بھی جو اس فعلن سے مخبون ندال ہے آسکتا ہے۔ مثال۔

ہم ترستے رہیں نگار ہو تو اور دن سے ہم کنار
منتظر ہم رہے مزار وہ نگاہیں ہوئیں نہ چار

مچھ سے پوچھا رقیب نے	روئے تم کیوں ہونا رزار
دل کد رہے یار سے	ہے یہ آئینہ پر غبار
موت آئی نہ ہجرت میں	ہست ہوں دل میں شرسار

لقطعیع ہم ترستے فاعلاتن رہے نگار مفاعلان + ہوتے آؤر و فاعلاتن میں ہم گسار
مفاعلان - فاعلاتن سالم ہے اور مفاعلان و مخبون نڈال۔
پہلے دونوں خسروں کے عروض و ضرب میں مخبون نڈال ہے باقی تینوں خسروں کے
عروض میں صرف مخبون اور ضرب میں مخبون نڈال۔

دیکر

ہے خدا سے یہی سوال	پیش چشم اس کا بوجھال
شب یہ گزرے کسی طرح	ذکر اس ماہ کا نکال

کبھی مگر فاعلاتن بھی مخبون ہو کر فاعلاتن آتا ہے جیسے۔
اے جنوں تیرے ہاتھ سے نہ بچا اک قبا کا تار
لقطعیع - اے جنوئے فاعلاتن رہا ت سے مفاعلان +
نہ بچا اک فاعلاتن قبا کا تار مفاعلان۔

(۷) بحر جدید

فاعلاتن فاعلاتن مس تفع لن دو بار اس بحر میں مس تفع لن منفصل ہے۔ یہ بحر نئی ہے
اور بعد خلیل بن احمد کے ایجاد ہوئی ہے اسکو جدید کہتے ہیں اور بزرجمبری بھی مشہور ہے اسلئے
کہ بزرجمبری نے ایجاد کیا ہے اس بحر میں فقط چار زحافات کف اور ضبن اور قصر اور اذالہ آتے ہیں
فاعلاتن میں ضبن و کف و لرقع ہوتے ہیں اور مس تفع لن میں ضبن و قصر و اذالہ آتے ہیں بقدر
اسکو مریع بھی کرتے تھے مگر توسطیں اور متاخرین نے منروک فرمایا۔
جدید مسدس سالم - فاعلاتن فاعلاتن مس تفع لن دو بار مثال۔

المؤلف

کے کیا وہ ہمیں رت آرام دل	مچھ نہیں باقی رہا اب جس نام دل
---------------------------	--------------------------------

لقطعیع - لے گیا وہ فاعلاتن بے مروت فاعلاتن آرام دل مس تفع لن کچ نہیں ہا فاعلاتن

فی رہا اب فاعلاتن جز نام دل سے تفع لن ۔

جدید مسندس محبوبان فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبار فاعلاتن فاعلاتن سے اور فاعلاتن سے تفع لن سے محبوبان سے اس دن میں انشا لے ایک غزل لکھی ہے ۔

غزل

مجھے حاصل ہو جو تک بھی فراغ دل
نہ مجھے لازم ہے توافل یہ سانیہ
نہ مجھے ہا و مخالف سے تو کبھی
غزل اب او بھی بگردن میں ککے پڑھ
تو رہے کیوں پیش و در داغ دل
مے عشرت سے نہی ہوا داغ دل
یہ مرا بار حند ایا چہ داغ دل
نہ بلا اس میں بھی آتسا سراغ دل

تقطیع ۔ کج حاصل فاعلاتن ہج تک بی فاعلاتن فراغ دل فاعلاتن ہج تک رہے کو فاعلاتن ہجودر فاعلاتن و داغ دل فاعلاتن ۔

انشا

نہ کردن شکوہ شکایت سو کیوں بھلا
جو کبھی ایک گھڑی بان بھی ہو گئی
جو کہا میں نے کہ غش ہوں نودہ پری
ابھی اڑنے لگے قارون کی طرح
مری حالت پہ مجھے کچھ نظر نہیں
تو رہی پھر وہی دود و بہر نہیں
یہ لگی کہنے کہ کچھ اس کا ڈر نہیں
یہی افسوس ہے انشا کے پر نہیں

جدید مربع مکفوف فاعلاتن سے تفع لن دوبار فاعلاتن مکفوف ہے کف اسے کہتے ہیں فاعلاتن کا ساتھ ان حرف ساکن جو سبب خیف میں ہے گرا دیں پس فاعلاتن سے فاعلاتن بضم رہ گیا اور مس تفع لن سالم ہے اور اصل سے یہاں ایک فاعلاتن کم ہو گیا ہے مثال سے

اعتبار کچھ تو رکھو اتنے بدگمان مت ہو

تقطیع اعتبار فاعلاتن کج تو کو مس تفع لن اتن بدگ فاعلاتن ماست بنو مس تفع لن

(۱۸) بحر قریب

چونکہ اس بحر کے ارکان بحر ضار و بحر ہزج کے قریب قریب ہیں اس لیے اسکو قریب کہتے ہیں ۔ اصل اس بحر کی فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن دوبار ہے اس بحر میں فاعلاتن منفصل ہے اور یہ بحر مزاجت منعمل ہے اور اس میں پانچ نغات آتے ہیں کف ۔ خرم خرب مقبر حذوف پہلے تین نغات

مفاعیلین میں آتے ہیں اور دو کچھلے فاع لاتن ہیں۔

قریب مسدس مکفوف۔ مفاعیل مفاعیل فاع لاتن دو بار مفاعیلین سے بسبب کف کے مفاعیل بضم لام رہ گیا ہے مثال۔

ترے غم میں پیارے کل گیا دل	شرارے سے ہے فرقت کے جل گیا دل
----------------------------	-------------------------------

تقطیع ترے غم مفاعیل پیارے ن مفاعیل کل گیا دل فاع لاتن شرارے سے مفاعیل فرقت کے مفاعیل جل گیا دل فاع لاتن۔

قریب مسدس مکفوف محذوف یا مقصور۔ مفاعیل مفاعیل فاع لن یا فاع لان دو بار مثال۔

اگر دن شکوہ شکایت نہ کیوں بھلا	مرے غم سے اُسے ہے خبر نہیں
--------------------------------	----------------------------

تقطیع کرو شکوہ مفاعیل شکایت ن مفاعیل کو بلا فاع لن + مرے غم سے مفاعیل اُسے ہے خبر مفاعیل برنی فاع لن۔

قریب مسدس اربع مکفوف مفعول مفاعیل فاع لاتن دو بار مفاعیلین سے مفعول بضم لام اربع ہے اور مفاعیل بضم لام مکفوف ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا اور فاع لاتن سالم ہے مثال۔

کیوں کرتا ہے مجھ کو تو بار رسوا	پھر مجھ کو ملے گا نہ مجھ سا شیدا
---------------------------------	----------------------------------

تقطیع کو کرت مفعول ہجرت مفاعیل بار رسوا فاع لاتن پھر مجھ کو مفعول ملے گا ن مفاعیل مج سے شیدا فاع لاتن۔

قریب مسدس اربع مکفوف مقصور مفعول مفاعیل فاع لان دو بار مفاعیلین سے مفعول بضم لام اربع ہے اور مفاعیل بضم لام اسی سے مکفوف ہے اور فاع لاتن سے فاع لان مقصور ہے۔

اُس شوخ سے پیدا ہو کیسے ربط	گستاخ میں سم اور وہ بد مزاج
-----------------------------	-----------------------------

تقطیع۔ اُس شوخ مفعول سے پیدا مفاعیل کیسے ربط فاع لان پگستاخ مفعول ہم اربع مفاعیل بد مزاج فاع لان۔

قریب مسدس اربع مکفوف محذوف مفعول مفاعیل فاع لن دو بار فاع لن فاع لاتن سے محذوف ہے مثال۔

اے یا چلو باغ سیر کو	پر ساتھ نہ کے پلنا عیسر کو
----------------------	----------------------------

تقطیع امر یا مفعول مجز یا باغ مفاعیل سیر کو فاعل لائن پر سات مفعول نہ لے چکن مفاعیل غیر کو
فاعل لائن پر

قریب مسدس ا خرب مفعولین مفعول فاعل لائن دو بار خرم مراد جو استقاط حرف اول و تتم
مجموع سے پس مفاعیلین سے فاعیلین ا خرم رہا اسکو مفعولین سے بدل لیا اور خرب مراد ہے اقبل و خرم و
کف سے پس مفاعیلین میں حرف اول و تتم مجموع بسبب خرم کے اور حرف ہفتم بسبب کف کے کرگز فاعیل
لام مضموم سے حاصل ہوا اس کو مفعول سے بدل لیا مثال سے

دکھ تھکتے اس عشق کی بددست	بدست تک پائی نہ ہم کے راحت
---------------------------	----------------------------

تقطیع۔ دکھ تھکتے مفعولین اس عشق مفعول کی بددست فاعل لائن پر بددست تک مفعولین پائی ان مفعول
پہن راحت فاعل لائن پر

قریب مسدس ا خرب ا خرم مفعول مفعولین فاعل لائن دو بار مناسب یہ ہے کہ بیان ا خرم کو مفعول
کسین سے

جانی چلو جلدی اٹھ کھڑے ہو	سن جاؤ اتنی خفگی نہ کیجئے
---------------------------	---------------------------

تقطیع جانی رج مفعول لوجلدی مفعولین اٹ کھڑے ہو فاعل لائن لے۔

(۱۹) بحر مشاکل

اس بحر کی اصل فاعل لائن مفاعیلین و دوبار ہے اور مشاکل بضم سیم دفع تین معجزہ کسر کاف
سکون لام اس سبب سے نام ہوا کہ مشاکل کے معنی مانند کے ہیں اور یہ بحر بحر قریب کی مانند ہے۔
تھوڑا سا فرق ہے اس بحر میں فاعل لائن مفصل ہے شعراے ریختہ نے اس بحر کو کم استعمال کیا ہے
اور اس بحر میں تین زحاف کف۔ قصر۔ حذف۔ واقع ہوئے ہیں کف فاعل لائن اور مفاعیلین و ولون
زحاف ہے اور حذف و قصر حرف مفاعیلین کے۔

مشاکل مسدس مکفوف مقصور فاعل لائن مفاعیل مفاعیل دوبار مثال سے

بار عم کو اٹھا تا ہی پڑا آہ	داغ بھر کو کھانا ہی پڑا آہ
-----------------------------	----------------------------

تقطیع اس طرح سے بار عم ک فاعل لائن آہ مفاعیل پڑا آہ مفاعیل داغ بھر فاعل لائن
آہ مفاعیل پڑا آہ فاعیلین بسبب کف کے رکن فاعل لائن سے فاعل لائن بضم تا اور پہلے
لفظ جیلین سے مفاعیل بضم لام مہاجت اور دوسرے مفاعیلین سے بسبب قصر کے فاعل لائن ہو کر

اس کا مقابل یعنی لام ساکن ہوا ہے اور عرض و ضرب میں فعلوں مخدوف بھی درست ہے
محمد بن قیس نے اپنے رسالے میں لکھا ہے کہ بعض شعراء قدیم اس بحر کو ثمن کر کے اشعار کہا
کرتے تھے مگر چونکہ وہ پڑھنے میں نہایت ثقیل ہوتے تھے اس لیے وزن ثمن کو ترک کر دیا۔
مشاکل ثمن مکفوف مقصور فاع لات مفاعیل فاع لات مفاعیل دو بار فاع لاتن سے
فاع لات بضم تا مکفوف ہے اور مفاعیلین سے مفاعیل بضم لام مکفوف ہے اور کھپلا مفاعیل لیکون لام
مقصور ہے اور یہ بھی مفاعیلین کی فرع ہے مثال۔

الوقت من شب روض یون بسرخاک | خون ہارین انگریزان لہن شجرتاک

تقطیع الوقت فاع لات شب روض یون فاع لات سرے خاک مفاعیل ۲۶ جو
بہار فاع لات م انگریز مفاعیل ۲۷ ش فاع لات جرے تاک مفاعیل۔

یہ ان انیس بحر وں کا بیان ہوا جو خلیل بن احمد کے عہد میں اور اسکے بعد اخضر اور بزرجمبر وغیرہ
نے ایجاد کی ہیں اور شعراء فارسی درختہ نے انکو استعمال کیا ہے باقی گیارہ بحرین عریض و متون وغیرہ
جو عروضیان پارسی نے نکالی ہیں چونکہ زبان درختہ میں متعل نہیں اس لیے ان کا ذکر نہ کیا جاتا ہے
ارکان ان کے پہلے معلوم ہو چکے اب اس قدر جان لینا چاہیے کہ بحر صریح کے دو وزن نہایت
ہلکے ہیں ایک مکفوف مقصور مفاعیل فاع لات فاع لان دوسرا خرب مضرب مفعول فاع لاتن
فاع لاتن مگر پہلا وزن نرح مکفوف اشتر مقبوض مفعول فاعلن فاعلان سے ملتا ہے اور
دوسرا مضارع خرب اشتر مطبوس مفعول فاع لاتن فاعلن فع سے ملتا ہے یاد رکھو کہ فتح بحر مضارع
میں مطبوس ہے نہ محجوف کیونکہ اس بحر میں زحاف جمع واقع نہیں ہوتا وجہ یہ ہے کہ اس میں فاعلاتن
منفصل ہے جس میں فین نہیں آتا اور جمع کے لیے اول فین کا ہونا ضرور ہے پس جس نے یہاں
فتح کو محجوف کہا ہے یہ اسکی سخت غلطی ہے ہاں فتح کو محبوب مکشوف کہہ سکتے ہیں اور اس صورت
میں یہ وزن مضارع خرب اشتر محبوب مکشوف کہلائے گا اور بحر کبیر کے بھی بہت خفیف وزن
ہیں ایک منظوم۔ فاعلات فاعلات متعلین یہ وزن وافر جم مفعول فاعلن فاعلن فاعلن سے
ملتا ہے اور دوسرا بحر بنال مفاعیل مفاعیل فاعلان یہ وزن بعینہ وزن نرح مکفوف مقبوض سے
ہے اور بحر بدیل کے خفیف ترین اوزان سے مخبون ہے مفاعلن فاعلان مگر یہ وزن بعینہ وزن
کامل مقبوض منظوم ہے اور بحر قلیب کے دو وزن نہایت سبک ہیں ایک مکفوف مقصور
فاعلات فاعلات مفاعیل اور دوسرا مخدوف۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن مفاعیل

مخبون سے نکلتا ہے چنانچہ اسکے یہ رکن ہیں فاعلات فاعلن فعلیان اور دوسرا مدید مسبق فاعلاتن
 فاعلن فاعلیان کا مخوزن ہے اور بحر حمید کے بھی اخف یہ دو وزن ہیں مطوی موقوف
 فاعلات مفتعلن فاعلان سویہ وزن بعینہ مقضب سدس کا وزن ہے اور مخبون مکسوف مفاعیل
 فاعلن فعولن یہ وزن اور بحر ہزج کا وزن مکفوف مقبوض منقوط ایک ہی ہیں اور بحر اصیم کا سبک
 وزن فعلاتن فاعلن فعلاتن مخبون مقبوض ہے لیکن حقیقت میں یہ وزن خفیف سدس مخبون ہے
 کسی طرح کا تفاوت نہیں اور شعر اس بحر کو کبھی اخرم مقصور یا محذوف ایسے فاع لاتن مفعولن فاع لاتن
 اور فاع لاتن مفعولن فاعلن استعمال میں لاتے ہیں مگر یہ وزن بحر رمل کو مشقت مقصور اور محذوف
 کر کے بھی نکال سکتے ہیں اور مفعولن کو جو پہلے یہاں اخرم کہا ہے بہتر یہ ہے کہ اسکو مثنوی بولیں جیسا کہ
 ہم بحر مضارع میں بیان کر آئے ہیں اور بحر سلیم کا اخف وزن مطوی موقوف مفتعلن فاعلات
 فاعلان ہے مگر یہ وزن شرح مطوی مکسوف مخبون کمال سے بھی پیدا ہوتا ہے جو یہ ہے مفتعلن
 فاعلن فاعلان اور مطوی مکسوف مفتعلن فاعلات مفعولن بھی آتی ہے مگر حقیقت میں یہ وزن
 بحر شرح کا مطوی مقطوع ہے اور اس بحر کا ایک وزن نہایت خفیف مخبون موقوف فاعلن مفاعیل
 مفعولان ہے جو بعینہ بحر ہزج کا وزن مقبوض مکفوف مقصور ہے اور بحر صغیر کا سب سے زیادہ
 خفیف وزن۔ فاعلن فعلاتن فاعلن مخبون ہے لیکن یہ وزن مجتہد سدس بھی نکلتا ہے اسی طرح
 اس بحر کے وزن سالم کا حال ہے اور بحر جمیم کا سبک نزدیک مخبون ہے جسکے رکن یہ ہیں فعلاتن
 فاعلن فاعلن لیکن یہ وزن کامل مقطوع و توحس اور مشاکل مخبون مقبوض سے متحد ہے کچھ بھی تفاوت
 نہیں اور یہ بحر ایک رکن کی کمی سے مجز بھی مستعمل ہے چنانچہ فاعلاتن مس تفع لن اور فعلاتن مس
 تفع لن مگر یہ دونوں وزن بحر خفیف کو بھی مجز و کیے سے حاصل ہو سکتے ہیں اسی واسطے ہم نے
 مثالیں ترک کر دیں۔

تتمہ عیوب عروضین

(۱) تخلیع وزن نامطبیوع و ناخوش و ارکان ثقیل میں شعر لکھنا عیوب کلام سے ہے اور اس عیب کو تخلیع
 بفتح تاء سے فوقانی و سکون خا سے بحر و کلام دیا سے معروف و میں موقوف کہتے ہیں۔

(۲) توجیہ اللفظی المصطلحات العروض را فوقانی میں لکھا ہے کہ تخرید بجا سے حطی بر وزن تفعیل بحر
 کے اختلاف و تغیر کو کہتے ہیں تاء کو احتیاطاً جابہ ہے کہ ایک بحر سے دوسری بحر پر نقل نہ کر جائے کیونکہ

جو بحر میں آپس میں منشا بہیں اور جن میں تفاوت بہت کم ہو ان میں شاعر دھوکا کھا جاتے ہیں اور بعض ایک بحر میں اور بعض دوسری بحر میں کہ جاتے ہیں جیسا کہ مرزا غنی محمد بیگ عظیم شاگرد شاہ حاتم سے جو سودا کے شاگرد بھی مشہور ہیں ایسا ہو گیا تھا کہ بحر ہرج کے ساتھ بحر رمل کو ملا دیا تھا اور انشاؤں میں انہوں نے جلسہ مشاعرہ میں اعتراض کیا تھا ہاں اگر اشارہ کر دیتے تو کچھ مضائقہ نہیں اور شعرا اکثر ایسا کرتے ہیں۔

کہا بلی نے کچھ شعلے جو اسکو نہاں لیے	التشا یہ خود انکی سادسی جہاں بیٹے دہان لیے
بدل کر بحر کو اشعار طرچی کی بھی بیٹے	کہ ہل ذوق باہم جس بیٹے میں خوشہ سان لیے
گلے سے تیرے کدھر کوئی اہل نل پٹے	یہاں تو آٹھ پہر رستے ہیں نخل لیے
اگرچہ احمسے وہ سوار متصل لیے	پراپے ڈھپکے نہ پٹے کدھل کدھل لیے

گستاخ لکھتا ہے کہ وحشت کے اس شعر کا۔

بسجھائے ہیں مرے نالوں نے بھائے	فلکسودنی پشت خمیدہ کو تھائے
--------------------------------	-----------------------------

مصرع اول رنج سدس اور مصرع ثانی تقارب ثمن ہے مگر مولف کی دالت میں دونوں مصرع وزن تقارب ثمن میں ہیں پہلے مصرع میں سے ایک سبب خفیف کا بتان کر سواد کی غلطی سے قلم اندازہ ہو گیا ہے شاید یوں ہو بیصرع

بسجھائے ہیں اب میرے نالوں نے بھائے

مولوی سید محمد عبدالرشید مخلص برشید شعر غالب کے مکملے میں کہتے ہیں۔

ہستی کے مست فرب میں آجایو اسد	عالم تمام حلقہ دام خیال ہے
دیار دوسرا کب دہر میں بتا تو	پھر کیا یہ تو تو میں میں ہر کیا قیل مقال ہے

تیسرے مصرع کا یہ وزن ہے مفعول فاعل لاتن مفعول فاعل لاتن اور باقی مصارع کا وزن ہے مفعول فاعل لاتن مفاعیل فاعل لن۔

(۳) اختلاف غیر متاد بھی عروض بحر میں عیب ہے جسے استعمال عروض محدود یعنی فوٹوں کا بحر طویل میں اور عروض مطلق یعنی مقلات کا بحر کامل میں کہ حسب مذہب سکا کی صاحب مفتاح کے متاد نہیں ہے اور اس عیب کا نام اتحاد ہے اور حسب مذہب صاحب قصیدہ خزرچہ کے اختلاف مطلق متاد و غیر متاد کو کہتے ہیں بحر رمل میں پس نظیر متاد کی یہ ہے کہ شاعر عروض سالم یعنی مفاعیل سے فوٹوں عروض محدود یعنی فعلن (بسر عین) کے انتقال کرے۔

پچھٹا شہر رباعی کے بیان میں

عرب میں رباعی کا دستور نہ تھا شعرا نے ہجرت ہجرت میں سے نکالی ہے معیار ابلاغت میں لکھا ہے کہ موجد اسکا رود کی ہے ایک روز راد میں چلا جاتا تھا اثنائے راد میں امیر یعقوب بن لیث صفار کا بیٹا یا زہد سالہ لڑکوں میں جو بازی کر رہا تھا یعنی چندہ جوڑ کو گچی میں ڈالنا چاہتا تھا ایک بار چھوڑ کر گچی میں جا پڑے اور ایک جو باقی رہا تھا وہ بھی لڑک کر جا پڑا تب وہ خوش ہو کر کہنے لگا مصرع غلطان غلطان اے مدد تا بن گو یا استاد رود کی کو یہ کلمات فصیح بہت اچھے معلوم ہوئے اور غور کیا تو علم عروض میں موزون پایا پھر اس سے جو میں وزن اقتراع کیے مگر بیان ایک امر قابل غور و تردد ہے وہ یہ کہ امیر یعقوب بن لیث صفار کے بقول مؤلف تذکرہ خزانہ عامرہ ۲۵۱ ہجری میں نام درسی حاصل کی تھی اور بروایت ضعیف حمد اسلام میں نظم فارسی کا موجد ہی ہے چنانچہ اُس کا ایک مصرع اور بقولے ایک شعر نقل کرتے ہیں اور استاد رود کی نے جو تھی صدی کے اوائل میں موعودہ طور میں قدم رکھ کر ہماری طبع کی مدد سے اقسام شعر کی بنا ڈالی ہے۔ بعض کتابوں میں اُس لڑکے کا نام نہیں لکھا ہے مطلقاً لڑکے کا لفظ لکھ دیا ہے اور رود کی کو رباعی کا موجد ماننے کے لیے یہی بہتر ہے تذکرہ دولت شاہ میں یون بیان کیا ہے کہ یعقوب بن لیث صفار جنہ سب سے اول ملک ہجرت میں خلفائے بنی عباس پر خروج کیا تھا اُس کا بیٹا بعد کے دن چند لڑکوں کے ساتھ جوڑ بازی کرتا تھا امیر بھی اُس کے پاس کھڑے ہو کر تماشا دیکھنے لگا امیر زادے نے جوڑ گچی کی طرف پھینک جن میں سے سات گچی میں چلے گئے اور ایک اچھل کر باہر کی طرف آگیا امیر زادہ ناامید ہو گیا تھوڑی دیر کے بعد وہ بھی لڑک کر اندر چلا گیا اس خوشی میں امیر زادے کے منہ سے یہ الفاظ نکلے مصرع غلطان غلطان ہی رود تا بن گو یا یعقوب کو یہ کلام پسند آیا اور اپنے مصاحبوں کو حکم دیا کہ اس کو جانچیں کہ شعر کی قسم سے ہے یا نہیں ابودلف اور زینب الکعب نے متفق ہو کر قطع کی تو ہجرت ہجرت میں موزون پایا اور ایک مصرع لگا دیا پھر ایک بیت بڑھا کر دم مٹی کہنے لگے اور یہی نام مشہور ہو گیا تھوڑے عرصے کے بعد یہ نام موقوف کر کے رباعی نام مقرر کیا۔ شمس الدین محمد بن قیس نے ہجرت میں بیان کیا ہے کہ ترانہ اسکا اسیے کہتے ہیں کہ رباب موسیقی نے اس وزن پر اچھے اچھے راگ بنائے ہیں، لیٰ میں ایسے اشعار کو قول بولتے ہیں اور کسی خاص راگ وغیرہ کے لحاظ کے بغیر صرف اشعار کے لحاظ سے دو مٹی کہتے ہیں کیونکہ اس میں دو بیت سے زیادہ نہیں اور عرب مستعربہ رباب سے

ہوتے ہیں کیونکہ یہ بحر ہرج میں ہے اور وہ اشعار عرب میں مربع الاجزاء ہے پس رباعی کی ہر ایک بیت عربی کے اعتبار سے ہنرے دو بیت کے ہوتی لیکن وہ زحافات جو رباعی میں مستعمل ہیں عرب کے اشعار میں نہ تھے اس لیے اس میں اگلے زمانے کے شعراء عرب نے شعر کے متاخرین عرب نے اس کی طرف خوب رغبت کی اور عربی میں اس کا بڑا رواج ہو گیا ابن قیس نے یہ بھی لکھا ہے کہ خواجہ امام حسن قطان نے کہ ائمہ خراسان سے ہے ان جو ہیں اوزان کے منضبط ہونے کے لیے دو شعر ایجاد کر کے ان میں لکھا غرضکہ زحافات اس میں نو آئے ہیں خرب بخرم فی بعض۔ کف۔ اتم۔ جب۔ تبر۔ شتر۔ زلل۔ اور ارکان مزاحف یلنا حنف و سالم باہم کرک کر بعض کے نزدیک اٹھارہ اور بعض کے نزدیک چوبیس وزن حاصل ہوتے ہیں اور ان سب کا جمع کرنا جائز اور روا ہے اگرچہ بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ مصرع وزن اربع میں ہو تو اور دوسرے مصرع بھی انہی اوزان میں چاہیں اور جو مصرع اول اربع ہو تو اور تینوں مصرعوں کو بھی اسی وزن میں کہیں انہی اربع کو اربع کے ساتھ جمع نہ کریں بعض بدعیوں کے نزدیک جیسے اربع کے بارہ وزن اربع کے بارہ وزنوں کے ساتھ ہیں ہو سکتے ہیں طین وہ اوزان جن کے فعل و ضرب میں فعل اور فاعل ہیں ان اوزان کے ساتھ بھی ہیں کے خود فعل و ضرب فعل اور رفع واقع ہوئے ہیں جمع نہیں ہو سکتے مگر اساتذہ کے قلم میں اس کی قید کم دیکھی گئی اور ان کے نزدیک جائز ہے کہ ان اوزان میں سے ایک وزن پر پاروں مصرع ہوں یا ہر مصرع ان اوزان میں سے ایک ایک وزن پر دو مصرع بعض مصرع ایک وزن پر ہوں اور بعض ایک وزن پر ہوں جیسا کہ ان رباعیوں میں۔

میر تقی

جو ہے کما سو وہ نہ مانا افسوس

جہانان نے ہمیں بھیج دیا افسوس

آیا نزدیک جی کا جانا افسوس

شب آئے ہیں دیر کی قیامت اب تو

پہلا اور دوسرا مصرع اس وزن پر ہے فعل مفاعل مفاعل فاعل اور تیسرا مصرع اس وزن پر

ہے مفعول مفاعل مفاعل فاعل اور چوتھا مصرع اس وزن پر ہے فعل مفاعل مفاعل فاعل

نواب بیاضی صاحب علی خان تاج

الشیخ کو سب آفتاب اس کا امام

آج رہا ہے میرا ملک نیکی کا

تارے گنتا ہوں میں سحر تک ناظم | تسبیح امام تک پہونچکر ہوتا ماسم
 پہلا مصرع اس وزن پر ہے مقول مفاعیل مفاعیلن فاع اور دوسرا اور چوتھا اس وزن میں ہے
 مقول مفاعیلن مفاعیلن فاعل اور تیسرے کا یہ وزن ہے مقولن فاعلن مفاعیلن فع ۴

نشتی اسماعیل حسین منیر

جس روز سے دخل بے بسی نے پایا | ہونٹوں کا نہ قرب بھی منہ سے پایا
 اپنا ساتھی تمام دنیا میں منیر | ڈھونڈھا تو بھی کو بے کسی نے پایا
 اس رباعی کا پہلا اور دوسرا اور چوتھا مصرع اس وزن پر ہے مقول مفاعیلن مفاعیلن
 فع اور تیسرا مصرع اس وزن پر ہے مقولن فاعلن مفاعیلن فعول۔

المانت

ہر گل کو نجل داغ جگر سے پایا | بلبیل کو ندیم شور و شر سے پایا
 دیکھا دم سرد سے صبا کو ٹھنڈا | بالائی شبنم کو چشم تر سے پایا
 پہلا مصرع اس وزن پر ہے مقول مفاعیل مفاعیلن فع اور دوسرا اور تیسرا اس وزن پر مقول
 مفاعیلن مفاعیلن فع اور چوتھا اس وزن پر مقولن فاعلن مفاعیلن فع۔

غالب

جن لوگوں کو بڑی مجھے عداوت گہری | کہتے ہیں مجھے وہ رافضی اور دہری
 دہری کیونکہ ہو جو کہ ہو دے صوفی | شیعہ کیونکہ ہوا و راہ النہری
 پہلے مصرع کا یہ وزن ہے مقول مفاعیل مفاعیلن فع اور دوسرے کا یہ وزن ہے مقول مفاعیلن
 مفاعیلن فع اور تیسرے و چوتھے مصرع کا یہ وزن ہے مقولن فاعلن مفاعیلن فع۔
 الحاصل اس بحر کا نام بحر رباعی ہے کیونکہ رباعی سوا اس بحر کے اور بحر میں نہیں کہی جاتی اور قصیدہ
 و غزل کا رباعی کے وزن میں کہا جاتا درست ہے پس جو لوگ واقف ہیں وہ عوام کی طرح ہر اک
 وزن کی دوہیت قافیہ دار کو رباعی نہ کہیں گے لیکن مستعمل عروض کے مؤلف کا یہ قول کہ جو رباعی
 اوزان مذکورہ بالا سے خارج ہو تو ان کو قطع کرنا چاہیے نہ رباعی تعریف قطع کے مقابلے میں تردد سے
 خالی نہیں اور یہ جو کہا ہے کہ رباعی ان چوبیس وزن سے خالی نہیں ہوتی تو اس سے یہ نہ سمجھنا
 چاہیے کہ رباعی کا انحصار انہی میں ہے بلکہ رباعی اتحاد و اختلاف اوزان مصاریع کے اعتبار سے

بہت سے وزن رکھتی ہے مطلب اُس قول سے یہ ہوتا ہے کہ اُس کا کوئی مصرع ان وزنوں سے
 خالی نہیں ہوتا اور مؤلف غیاث کی اس تعریف میں بھی کہ رباعی کا وزن خاص ماحول ولاقوۃ
 الالبابا شہ ہے اگر اس وزن میں نہ تو قطع کہیں گے مسامتت ہے کیونکہ رباعی کے چوبیس وزن
 ہیں ان میں سے ایک وزن ماحول ولاقوۃ الالبابا شہ بھی ہے پس وزن رباعی اس میں منحصر نہیں
 جیسا کہ اُس نے سمجھا ہے۔

واسطی

عاشق میں ہوا ہوں اک بت کا نگار	کچھ کام نہیں ہے مجھ کو جزائے واہ
اب کفر سے مطلب ہے نہ اسلام سے کا	لاحول ولاقوۃ الا باللہ

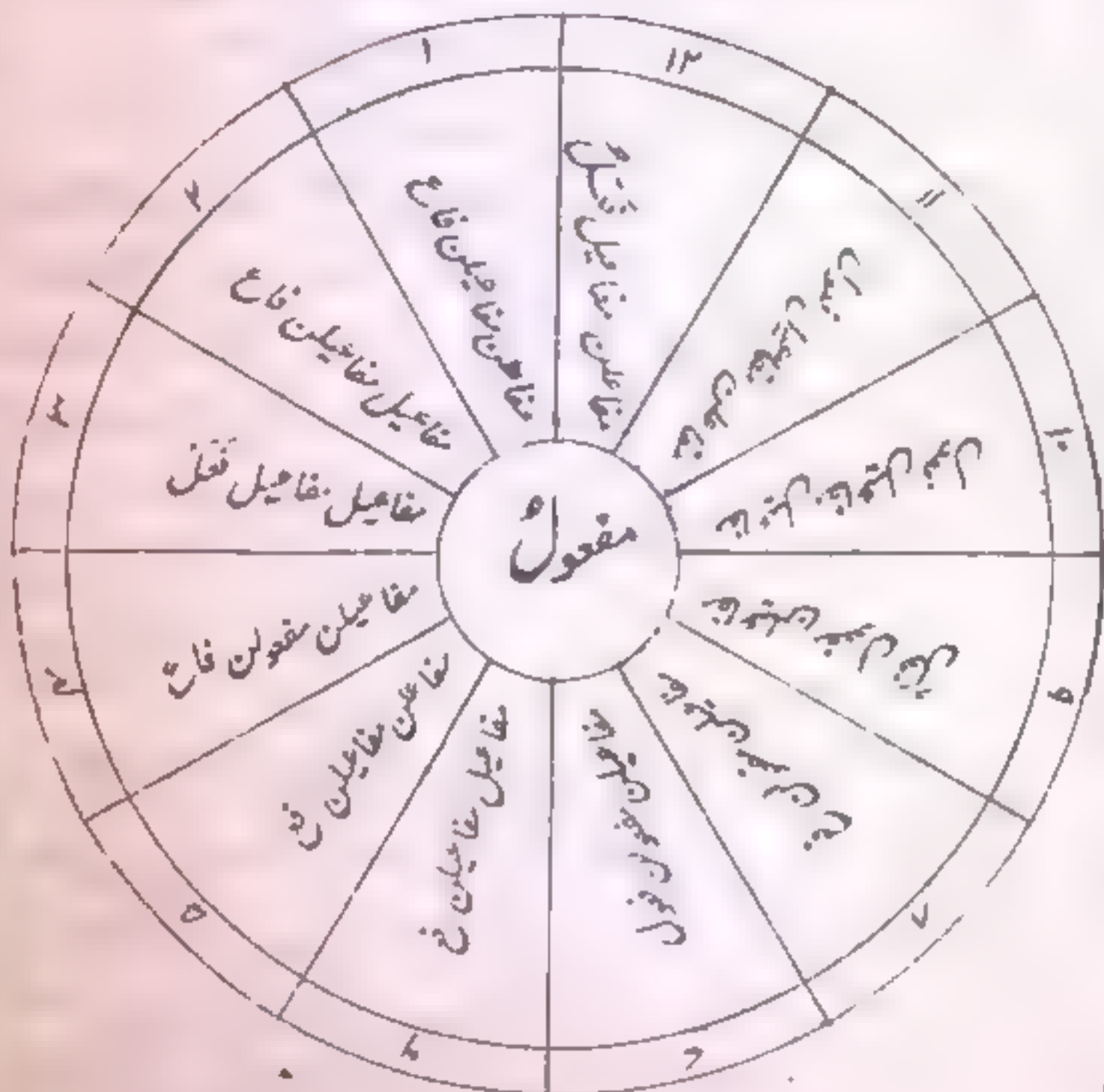
وہ دس ارکان جن سے باہم ترکیب ہو کر رباعی کے چوبیس وزن حاصل ہوتے ہیں یہ ہیں
 مفعول مفاعیلین سالم ہے اور مفعولین اخرم ہے جسکو مخموم بھی کہتے ہیں اور مفعول لغیر لام اخر
 ہے اور مفاعیلین مقبوض ہے اور مفاعیل کفوف ہے لام مقبوم ہے اور مفعول مخموم ہے لام
 مقبوض ہے اور مفعول محبوب ہے اور رفع اتر ہے اور فاعلین اشر ہے اور فاعل انزل ہے
 ان چوبیس اوزان میں سے بارہ وزن کا صدر وابتدا خرب ہے یعنی مفعول اور باقی بارہ وزن
 صدر وابتدا خرم یعنی مفعولین آتا ہے اور یہ چوبیس اوزان تشریح کے واسطے دائرہ میں لکھے جائے
 ہیں اور ملحوظ اخرم و خرب کے بارہ بارہ اوزان کے واسطے علیحدہ علیحدہ دائرے
 مقرر ہیں۔

دائرہ اخرب المصدروالابتدا کے اوزان کی تفصیل یہ ہے

اول یہ کہ ایک جز خشو کا مقبوض اور ایک سالم اور عروض ضرب ازل ہوں دوم یہ کہ
 ایک جز خشو کا کفوف اور ایک سالم اور عروض ضرب ازل ہوں سوم یہ کہ دونوں جز خشو
 کے کفوف اور عروض ضرب محبوب ہوں چہارم یہ کہ خشو کا ایک جز سالم اور ایک اخرم
 اور عروض ضرب ازل ہوں پنجم یہ کہ ایک جز خشو کا مقبوض اور ایک سالم اور عروض ضرب
 ضرب اتر ہوں ششم یہ کہ خشو کا ایک جز کفوف اور ایک سالم اور عروض ضرب اتر ہوں
 ہفتم یہ کہ خشو کا ایک جز سالم اور دوسرا خرب اور عروض ضرب اتر ہوں ہشتم یہ کہ
 خشو کا ایک جز سالم اور دوسرا اخرم اور عروض ضرب اتر ہوں نہم یہ کہ خشو کا ایک جز سالم اور

دوسرا اُخر ب اور عرض مضرب محبوب ہوں و اتم یہ کہ حشو مکفوف ہو اور عرض و ضرب اتم
ہوں یا ترمیم یہ کہ حشو میں ایک جز مقبوض ایک جز مکفوف ہو اور عرض و ضرب اتم
ہوں و ترمیم یہ کہ حشو میں ایک جز مقبوض اور ایک جز مکفوف اور عرض و ضرب
محبوب ہوں۔

دائرہ اُخر باب الصدر والابستدا



ستارہ ان میں دو نمبر لکھ دیے جائیں گے جو دائروں کے اوزان کے مقابل لکھے ہوئے ہیں۔

ہم سے ن مفعول ملوت فاعلن ک سمجھے تم مفاعیلن کرفع پ لے نام مفعول ن پاس کا
مفاعلن ج پانی تم مفاعیلن ہورفع پ

مولوی محمد اسماعیل

۱۰ تیزی نہیں بجز اوصاف کمال
۵ خرگوش سے لے گیا ہر کچوا بازی
۱ کچھ عیب نہیں اگر چلو دھمی چال
۱ ہاں راہ طلب میں شرط ہی استقلال
تقطیع تیزی ن مفعول ہ بجز مفاعیلن اوصاف کمال فاعلن کچھ عیب مفعول ہی
اگر مفاعلن چلو دی می مفاعیلن چال فاعلن پ خرگوش مفعول س لے گیا مفاعلن کچوا مفاعیلن بازی
رفع پ ہاں راہ مفعول طلب م مفاعلن ط ہے استق مفاعیلن لال فاعلن -

تاسخ

۶ وہ خط نہیں لکھتا تو ہو کیون دل تنگی
۲ بننے بھی کیا نامے کا لکھنا موقوف
۶ تازہ یہ زمانے کی نہیں نیرنگی
۵ اب اپنے قلم کو بھی ہے عذر تنگی
تقطیع وہ خط ن مفعول ہ لکھتا مفاعیلن کہہ کر دل تن مفاعیلن کی رفع پ تازہ سے مفعول
نامے ک مفاعیلن نہی نے رن مفاعیلن کی رفع بنے ب مفعول کیا نام مفاعیلن ک لکھنا
مومفاعیلن قوف فاعلن اب اپن مفعول قلم ک بی مفاعلن ہ عذر سے لن مفاعیلن کی رفع -

ولد

۶ ہے جسم مرا اور نہ جان ہے باقی
۱۱ کرتا ہے خدا تو امتحان تادم زلیست
۵ تربت میں نہ کوئی امتحان ہے باقی
۶ تربت کا ہنوز امتحان ہے باقی
تقطیع ہے جسم مفعول مرا اور مفاعیلن نہ جاؤ با مفاعلن فی رفع تربت م مفعول ن کوئی اس
مفاعلن تھا ہے با مفاعیلن تی رفع پ کرتا ہ مفعول خدات ام مفاعلن تھا تادم مفاعیلن م زلیست
فعل پ تربت ک مفعول ہنوز ام مفاعلن تھا ہے با مفاعیلن تی رفع -

رشد

۱۱ عید رمضان ہے واہ کیا روز سعید
۱۱ اللہ وزیر ہند کو رکھے شاد
۱۱ عالم میں ہیں خرمی کے آثار پدید
۱۱ ہر شب ہوش برات ہر روز ہوش
تقطیع - عید سے مفعول مضاء و مفاعلن ہ کا روز مفاعیلن سعید فاعلن پ عالم مفعول
ہ خرمی مفاعلن ک آثار مفاعیلن پدید فاعلن پ آل لاء مفعول وزیر ہیں مفاعلن دکور ک

مفاعیلن شاد قاع یا ہر شب ہ مفعول شبے برا مفاعیلن ت ہر روز مفاعیلن ہ عید فحول؛

التفصیل اذران دائرہ اخزم الصدر والابتدا

اخزم الصدر والابتدا سے مراد وہ ہے جس کے صدر و ابتداء میں مفعولن آتا ہے پہلا یہ کہ خشو کا ایک جزا شتر ایک سالم اور عرض و ضرب ازل ہوں دو سرا یہ کہ ایک جزا خشو کا اخب اور ایک سالم اور عرض و ضرب ازل ہوں تیسرا یہ کہ خشو کا ایک جزا شتر اور ایک مکفوف اور عرض و ضرب محبوب ہوں چوتھا یہ کہ خشو اخزم اور عرض و ضرب ازل ہوں پانچواں یہ کہ خشو اخزم اور عرض و ضرب تبر ہوں چھٹا یہ کہ خشو کا ایک جزا شتر اور ایک سالم ہو اور عرض و ضرب اتر ہوں ساتواں یہ کہ خشو کا ایک اخب ہو اور ایک مکفوف ہو اور عرض و ضرب اتم ہوں اٹھواں یہ کہ خشو کا ایک جزا اخب اور ایک سالم اور عرض و ضرب اتر ہوں نواں یہ کہ خشو کا ایک جزا اخزم اور ایک اخب اور عرض و ضرب محبوب ہوں دسواں یہ کہ خشو کا ایک جزا اخب اور ایک مکفوف اور عرض و ضرب محبوب ہوں گیارھواں یہ کہ خشو کا ایک جزا شتر ایک جزا مکفوف اور عرض و ضرب اتم ہوں بارھواں یہ کہ خشو کا ایک جزا اخزم اور ایک جزا اخب اور عرض و ضرب اتم ہوں۔

صورت دائرے کی یہ ہے۔
دائرہ اخزم الصدر والابتدا



اس میں چار سبب اور چار وتدائے ہیں۔

یہ اُن چوبیس اوزان رباعی کی تشریح ہے جن کو استاد سعدی نے ایجاد کیا تھا اور اسکے بعد دوسرے شعرا نے بحر ہزج مسدس اربع مقبوض مخدوف پر فعلین بکسر عین اور فعلین بسکون عین اور فعلات بسکون عین بڑھا کر تین وزن نکالے ہیں وہ یہ ہیں مفعول مفاعیلن فعولن فعلین بکسر عین مفعول مفاعیلن فعولن فعلین بسکون عین۔ مفعول مفاعیلن فعولن فعلات علیٰ ہذا القیاس اگر بحر ہزج اخزمی اکثر مخدوف تھا بھی تینوں رکن بڑھائے جائیں تو یہ وزن اور پیدا ہو سکتے ہیں مفعولن فاعیلن فعولن فعلین بکسر عین اور مفعولن فاعیلن فعولن فعلین بسکون عین اور مفعولن فاعیلن فعولن فعلات لیکن بنظر تامل دیکھا جائے تو یہ وزن اُن چوبیس اوزان سے علیحدہ نہیں صرف تباہی ارکان ہے چنانچہ مفعول مفاعیلن فعولن فعلین بکسر عین کا وزن مفعول مفاعیلن فعولن فعلین بسکون عین کا وزن مفعول مفاعیلن فعولن فعلین بسکون عین کے آخر سے ایک سے لام کم کر کے فعلین بنا لیا ہے اور اُس لام کو فعل سے ملا کر فعلین بکسر عین کر لیا ہے اسی طرح مفعول مفاعیلن فعولن فعلین بسکون عین کا وزن مفعول مفاعیلن فعولن فعلین بسکون عین کے آخر سے ایک سبب خفیف کم کر کے مفاعیلن کو فعلین بنا لیا ہے اور اس سبب کو فع سے ملا کر اُسکو فعلین بسکون عین سے بدل لیا ہے اور تعجب یہ ہے کہ غالب جیسے سخن سنج نے بھی یہاں دھوکا کھا کر بحر ہزج مسدس مقبوض مخدوف پر ایک فعلین کی زیادتی کو رباعی میں مان لیا ہے اور مفعول مفاعیلن فعولن فعلات پر وزن مفعول مفاعیلن فعولن فعولن فاعیلن ہے اسی طرح اوزان اخزمی میں قیاس کر لینا چاہیے جب ارکان مذکورہ بالا میں اوزان رباعی کا انحصار ہو سکتا ہو تو انہیں بحر ہمزان نئے رکن بڑھانا بالکل فضول ہے۔

الغرض بارہ بارہ وزنوں کے جو دو حصے ہیں ان میں ہر حصے کی رباعیان اختلاف وزن اور ترتیب مصارع سے اکتالیس ہزار چار سو بہتر ہو سکتی ہیں تفصیل اسکی یہ ہے کہ جب ایک حصے کے بارہ وزنوں میں سے ہر ایک وزن کے پہلے مصرع کے ساتھ دوسرا مصرع بارہ بارہ طرح سے لگایا جائے گا تو اس دوسرے مصرع کے ملنے سے یعنی بارہ کو بارہ میں ضرب دینے سے ایک سو چوبیس ثنائی شکلیں پیدا ہوں گی صورت ضرب کی یہ ہے۔

$$\begin{array}{r} ۱۲ \\ ۱۲ \\ \hline ۲۴ \end{array}$$

$$\frac{۱۲}{۱۲}$$

اور جب ان ایک سو چوبیس شکلوں میں سے ہر ایک شکل ۱۲ لے کر ساتھ تیسرا مصرع جو ہمیں چوبیس

طرح سے لگایا جائے گا تو اس تیسرے مصرع کے ملنے سے یعنی چوبیس کو ایک سو چوالیس میں ضرب
دینے سے تین ہزار چار سو تھپین ثلاثی شکلیں پیدا ہونگی صورت ضرب کی یہ ہے۔

$$\begin{array}{r} ۲۲ \\ \times ۱۴۴ \\ \hline ۵۶۴ \\ ۲۸۸ \\ \hline ۳۱۵۶ \end{array}$$

اور جب ان تین ہزار چار سو تھپین شکلون میں سے ہر ایک شکل کے ساتھ چوتھا مصرع بارہ بارہ
طرح سے لگایا جائے گا تو اس چوتھے مصرع کے ملنے سے یعنی بارہ کو تین ہزار چار سو تھپین میں ضرب دینے
سے اکتالیس ہزار چار سو بہتر کامل شکلیں پیدا ہونگی صورت ضرب کی یہ ہے۔

$$\begin{array}{r} ۱۲ \\ \times ۳۱۵۶ \\ \hline ۳۷۸۷۲ \\ \hline ۳۷۸۷۲ \\ \hline ۳۷۸۷۲ \end{array}$$

اور جب ایک حصے کی اکتالیس ہزار چار سو بہتر شکلیں ہوئیں تو ظاہر ہے کہ دونوں حصوں کی اس
سے دگنی یعنی بیاسی ہزار نو سو چوالیس شکلیں ہونگی جنکے وزن یا ترتیب مصاریع میں کچھ نہ کچھ فرق ہوگا
الحمد للہ بحور کا اختتام ہوا۔

دوسرا جزیرہ علم قافیہ میں

اس جزیرے میں پانچ شہر برطافت میں

پہلا شہر حروف قافیہ کے بیان میں

علم قافیہ ایک ایسا علم ہے جس میں شعر کے غلط آخر کے تناسب اور عیوب سے بحث کی جاتی ہے
اور غرض اس کی یہ ہے کہ ایسا ملکہ حاصل ہو جائے کہ شر ایسے قافیوں کے ساتھ بنا سکیں جو مقام
کے مناسب ہوں اور ایسے عیوب سے خالی ہوں جن سے طبع سلیم کو تنفر پیدا ہو اور غایت اس کی
یہ ہے کہ قافیہ میں غلط سے احتراز رہے اور مبادی اسکے وہ بعدیات ہیں جو اشارے قافیوں
میں تلاش کرنے سے حاصل ہوتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ قافیہ ایک ایسا علم ہے کہ اس
میں مرکبات موزون سے انکے اور اخباریات کی حیثیت کے ساتھ بحث کی جاتی ہے حاشیہ کبریٰ

مین سید محمد منہوری نے لکھا ہے کہ اس علم کا موجد امیر القیس کا مامون ہل ہل بن ربیعہ ہے لغت میں قافیہ کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں اور اصطلاح میں قافیہ چند حروف معین کا نام ہے جو مطلع غزل و قصیدہ و بیات شنوی کے ہر مصرع کے آخر میں اور قطعہ و باقی اشعار غزل و قصیدہ کے مصرع ثانی کے آخر میں الفاظ مختلفہ کے اندر مکرراتے ہیں اور مستقل نہیں ہوتے جیسے ان شعرون میں امیر کے سے

وقت رفتار ہے زریز عجب پیش قدم	نقش پارہ میں بن جائے میں دینار و درم
در دولت کی وہ عظمت ہو کہ جس سے ہر دم	نوکائے ہوئے ہے لام ہویا و او قسم
تنگدل رہے عدو نام جو اسکا ہو درم	ساحت لوح یہ سٹے کہ ہو میدان قلم

پہلے شعر میں لفظ قدم اور درم کے آخر کی ہم اور دوسرے شعر میں لفظ ہر دم اور قسم کی ہم ایک طرح دوسرے شعر میں رقم اور قلم کے آخر کی ہم حرف قافیہ میں سے ہے اور غیر مستقل ہے یعنی علیحدہ نہیں آسکتی بخلات ردیف کے کہ وہ بعد قافیہ کے کلمہ مستقل ہوتا ہے کہیں متحد المعنی کہیں مختلف المعنی مگر اختلاف لفظ ردیف کا روا نہیں اور اسکا بیان مفصلاً آگے آئے گا اکاسل قافیہ کا اطلاق نو حروف پر ہوتا ہے۔ رون۔ تید۔ تاسیس۔ دخیل۔ روی۔ وصل۔ مزید۔ خروج۔ نائرہ۔ لیکن ان سب حروف کا جمع ہونا ضرور نہیں ایک خواہ دو خواہ تین یا زیادہ جس قدر چاہیں جمع کریں اور یہ بھی خیال رہے کہ حرف روی اصل قافیہ ہے اسی پر قافیہ منحصر ہے باقی آٹھ حروف کے لانے نہ لانے کا شاعر کو اختیار ہے بخلات حرف روی کے کہ انکے لانے میں شاعر مجبور ہے اس کا ترک انکے اختیار سے باہر اور دور ہے جیسے اشعار بالا میں ہم حرف روی ہے غرض کہ حرف روی لی رعایت تمام ابیات میں ضرور ہے۔

روی کا بیان

روی اسے مہملہ کس فتح اور دوا کے کسر اور یاے حروف سے لفظ کے اس حرف آخر کو کہتے ہیں جو مصرع یا بیت کے آخر میں واقع ہوا ہو اور یہ حرف مکرراتا ہو اور قافیہ کی بنیاد اسی پر ہوتی ہے اور یہ حرف اکثر اصلی ہوتا ہے جیسے امیر کے اشعار میں حرف ہم۔ کبھی حرف زائد کو بھی حرف اصلی کے علم میں کر لیتے ہیں مثلاً

مرزا محمد قلی خان ہوس

مزیل جنن ہے میرے خشک سالی

جو کوئی صدف ہو در سے عالی

خشک سالی میں یاے زائد ہے اور خالی میں یاے اصلی۔

ولہ

محنت زدہ ستم رسیدہ

از دفتر دوستان جریدہ

رسیدہ میں یا زائد ہے اور جریدہ میں اصلی

میر حسن

نظر جو کہ بڑتی تھی بوٹی جھڑی

ہر ایک عالم شوق میں تھی کھڑی

انیس

کس مرتبہ تھا لطف و کرم رب غنی کا

تھا زہد یہ اور زور تھا خیر شکنی کا

دبیر

اجنبش میں ہر اب روضہ رسول عربی کا

اک ہاتھ نکل آیا ہے مرتد سے نبی کا

باقی آٹھ حروف میں سے بچلے نو حروف قافیہ کے چار حرف ردف۔ قید۔ تائیس دخیل۔ ردی سے پہلے آتے ہیں اور اصلی ہوتے اور وصل و مزید و خرج و نائرہ حروف ردی کے بعد ملحق ہوتے ہیں اور زائد ہوتے ہیں پس جب تک کہ کوئی حرف بعد حرف ردی کے ملحق نہ ہوگا۔ حرف ردی ساکن ہوگا اس صورت میں اس کو ردی مفید کہیں گے جیسے سرشار بریلوی کے ان اشعار میں۔

۵

مری جانب سے چھاتی تھنے کرلی یار تھپری

بنائی ہے دلوں کے درمیان دیوار تھپری

بگھلتا ہی نہیں یہ سنگدل عاشق کی باتوں سے

مگر کرلی ہے چھاتی صورت کبسا تھپری

یار دیوار کبسا میں حرف ردی راے مہمل ساکن ہے اور جس صورت میں کہ حرف ردی متحرک ہو اس کے بعد حرف وصل مل جائے تو اس کو ردی مطلق کہتے ہیں مثال۔

سودا

نے بیکل جبین نہ گل نو مدیدہ ہوں

میں موسم بہار میں شاخ بڑیدہ ہوں

اس شعر میں دال مہملہ متحرک ردی مطلق ہے۔

انیس

پُرساں کوئی کب جو ہر ذاتی کا ہے

ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے

اس شعر میں تاء فوقانی متحرک ردی مطلق ہے۔

المؤلفہ

بلاد سے آج تو ساغر شراب ارغوانی کا
ہست دعویٰ تھا بلبل کو بھی اپنی خوش بانی کا

مین دیوانہ ہوں کسی کی چشم میگون کا
کیا خاموش رہی باتوں میں اس گل آویختگی

ان حروف کا بیان جو ردی سے قبل آتے ہیں

ردی کا بیان

ماننا چاہیے کہ ردی بکسر اول و سکون دال مہملہ و فادہ و ثمر ہے ردی مطلق اور ردی زائد
ردی مطلق اسے کہتے ہیں کہ ایک ساکن قبل حرف ردی کے بلا فاصلہ واقع ہوا سکے اور ردی کے
درمیان کوئی اور حرف واسطہ نہوا اور وہ حرف ساکن حروف مدہ میں سے ہوتا ہے جیسے یار
اور نو اور تیر میں الف اور واو اور یاء ساکن اور جو یاء تھائی اور واو کے ماقبل فتح ہونو
ردی نہیں جیسے واو دور اور جور کی اور یاء تھائی خیر اور سیر کی مگر بعض اہل فن جیسے ابن
قطع وغیرہ نے واو اور یاء ساکن ماقبل مفتوح کو بھی ردی شمار کیا ہے اور جمہور کا اتفاق
مذہب دل پر ہے۔ فائدہ الف اور واو اور یاء ساکن کو حرف علت کہتے ہیں پس
اگر ان کے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو تو حروف مدہ ہیں جیسے یار اور نور اور تیر اور جور اور
نہ ہو جیسے دور اور مین تو لیں بروزن دین کہلاتے ہیں اور جہان کہیں الف ساکن آئے گا
اس کے ماقبل فتح ہی ہوگا پس الف ہمیشہ ہی مدہ رہتا ہے مگر یہ ضرور نہیں کہ جہان فتح ہو تو بعد
اس کے الف ہی ہو بلکہ کبھی طو کو بھی یا اور سوا اسکے اور حرف مدی صحیحہ میں سے آسکتا ہے خواہ ساکن
ہو خواہ متحرک جس وقت الف کے ماقبل فتح ہوگا اس فتح کو فتح طویل کہیں گے جیسے باپ یار
اور اگر بعد فتح کے کوئی اور حرف ہوگا تو وہ فتح نصیر کہلاتا ہے جیسے قل کہ سفر حضر وغیرہ اور
حروف واو اور یاء کی صورتیں ہیں ایک معدی کہ لال اور مدی یا مجول کے قبل ٹھہرتا ہے اور یاء معدی
و مجول کے قبل کسرہ فرق اس قدر ہے کہ معدی کا ضمہ اور کسرہ خوب کھینچی پڑھا جاتا ہے
اور مجول کا ضمہ اور کسرہ زیادہ کھینچی نہیں جاتا خلاصہ کلام یہ ہے کہ حروف ردی غالباً
اصلی ہوتے ہیں کیونکہ حروف ردی بھی اصلی ہوتا ہے اور اگر حرف ردی زائد ہو اور
حکم میں حرف اصلی کے کر لیا جائے تو بالضرور حرف ردی بھی زائد ہوگا جیسے زرین
اور قالین میں۔

قلق

چار سو فرس محل وقت السین | ایچ میں ایک مسند زرین |

چونکہ نون غنہ زرین کا قایم کے نون کے مقابل حرف روی کے حکم میں معتبر ہوا تو یاسے تختائی
 زرین کی قایم کے مقابل ردف ٹھہری حالانکہ قایم میں یاسے تختائی اصلی اصترین میں زائد ہے
 اور یہ دونوں حرف زر کی نسبت کے واسطے لاحق ہو سکتے ہیں۔

شوق سے نام صغیر کو دل پہ کندہ تکیے | لکھو لکھو کیونکہ ہر وہ نقش زیبا اس سین کے واسطے
 عمر ضائع کی ہو اور حرص دنیا میں غیث | کام کیا اسے دل کیا خلد برین کے واسطے
 شانہ سان بننے کیا ہر دلو اپنے پاک چاک | اس پری پیکر کی زلف عبرین کے واسطے
 عشق سے دل کو جلا سینے میں خاکستر کیا | بنے اب رہے کو آہ آتشین کے واسطے

اس قسم کے ردف کو ردف مطلق اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اور حرف روی کے درمیان کسی حرف
 واسطہ نہیں ہے۔

ردف بالالف کی مثال۔

منظفر علی اسیر

زمانہ ریخ دیتا ہے بقدر حال انسان کو
 گدا کو فکرتان اندیشہ عالم ہے سلطان کو

انسان اور سلطان میں آخر کا نون حرف روی ہے اور اس کے ماقبل کالف ردف اصلی۔

انواب میر محبوب علی خان آصف

انصاف اپنا اسے جیت عیار ہو چکا | جب تو ہوا وعد توحت دایار ہو چکا

عیار اور یار میں اسے مہملہ حرف روی ہے اور الف حرف ردف

ردف بالواو اور ردف بالیا۔ دو طرح پر ہے ایک معروف کہ اس کے ماقبل کا ضمہ او کسر و کھینچ کر
 پڑھا جائے جیسے نور اور تیر ناد معروف کی مثال۔

ذوق

شرق نظارہ ہے جب اس میخ پر نور کا | ہے مرام رخ نظر بردانہ شمع طور کا

نور اور طور کی اسے مہملہ حرف روی ہے اور واو معروف ردف :-

احسرت

کوئی دشمن سے بھی کڑا ہوا سلوک
دوستی کر کے کیا ہے میان خوب سلوک

یا سہ معروف کی مثال۔

انفاق

ہوئی جب جسم آدم کے لیے تھیں مٹی کی
فلک کے اور ملک سے بڑھ گئی تو قیر مٹی کی

خمیر اور تو قیر کی رائے مملہ حرف روی ہوا اور یا سہ عثمانی ردف شاد۔

گر بن آتی مری تقدیر سے تدبیر نہیں
کیا ترے دید سے غافل ہوں کسی مہاجان
کیا ہوا اے کو اس میں بھی تو تاثیر نہیں
کیا مری آنکھ میں بھرتی تری تصویر نہیں

مؤلفہ

پھر ہوا سے کوچہ قاتل گریبان گیر ہے
ہرزہ گردی در بدر کی دن کو رہتی ہی نہ تھے
کس طرح چپکے سے اُس کا ہو میرا پے بس
کس طرح جائیں نہ ہم وان خواہش تقدیر ہے
رات بھر شور و درون ہے نالہ شہ گہر ہے
ہر قدم پر بیان جھٹکتی پاؤں کی زنجیر ہے

اُس کے در پر لچا اور تجھ دو اطلاق ندوہا

جو مریض عشق ہے اُس کی ہی تدبیر ہے

دوسرے مجھول کہ اُس کے ماقبل کا ضمیر اور کسرہ کہیں چکر نہ پڑھا جائے جیسے زردار درویر۔ داد مجھول
ان مثال۔

جوشش

قانا مائی تو کز بیٹھی جدا آغوش سے ہم کو
اگر است دیوایر ناتوانی دوش سے ہم کو

آغوش اور دوش میں حرف شین روی ہے اور داد مجھول ردف۔

یا سہ مجھول کی مثال۔

سرسار بریلوی

بریں ہر ہے اور انہیں غیروں سے میل ہے
آلہ سوین میرے خوان بگر کا جو میل ہے
قدرت کا تیری قادر مطلق یہ کھیل ہے
دامان ترکے حاشیے پہ سرخ بیل ہے

میل اور کھیل اور بیل میں حرف لام روی ہوا اور یا سہ مجھول ردف۔

واو اور یا سے معروف و مجہول کا قافیہ میں باہم جمع کرنا

شعراے فارس نے اکثر بلکہ بیشتر معروف کو مجہول کے ساتھ قافیہ کر لیا ہے اور مجہول کو معروف پڑھنا انکے یہاں جائز ہے مگر رنجیتہ میں ایسا قافیہ کرنا میوہ ہے گو فارسی کی تقلید سے بعض بعض فصحاے رنجیتہ نے بھی ایسا کیا ہے لیکن نظر غور و انصاف دیکھا جائے تو خالی عیب سے نہیں کیونکہ ان کا لہجہ یہ ہرگز نہیں کہ مجہول کو معروف پڑھتے ہوں اس بارے میں ہم کو تحقیق مزاقتیل کی پسند ہے یہاں پر چند شعر بطور مثال کے قافیہ معروف و مجہول کے لکھے جاتے ہیں جو کھلے اُن سے تعرض نہیں آئندہ کہنے والوں کو نصیحت ہے۔

ذوق

وادی ظلمت میں اپنی دخل ہو کب نور کا	مہرک شعلہ سا ہے سو بھی چلے غ دور کا
تیرے کوچے میں تن لاغر ترے رنجور کا	اک خبار ناتوان ہے کاروان مور کا
عشق کے مکتب میں ہو فرہاد سب کے تیز دین	تین دن چائے اگر تو یزید میری گور کا

حافظ شبرانی طالب

ابو یہ عزت ملی اس نالہ بُر شور سے	دیکھ کر بھکوا اٹھا شور قیامت دور سے
-----------------------------------	-------------------------------------

احمد خان غفلت

علوشان ترے ہاتھی کی ہو رقم کیونکر	نمود ارض و سموات ہے یہ جسکے حضور
گر آپہ چڑھ کے تے دیکھئے تو آئے نظر	فرشتہ شکل عصافیر آدمی جون مور

دبیر

خاموش دبیر اب نہیں لکھنے کا ہر مقدور	رن میں میں بہتر شہد ابیکشن و گور
--------------------------------------	----------------------------------

میر حسن

کھلے اُس کنوئیں کے یکایک نصیب	اک آیا وہ اُس میں بہ دلفریب
-------------------------------	-----------------------------

امون خان

وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغیر شے کی	کہ تھمتی ہی نہیں بھکی ہوئی ہر دیر شے کی
مدام اُس لبریکش کے منہ لٹا ہوا سانی	بنائی ہاے کیا اللہ نے تقدیر شے کی

سودا

آہ اک رذر ترے دل میں نہ تاثیر کیا
زندگانی نے دوعالم کی مجھے سیر کیا

سالما ہم نے صنم نالہ شمشیر کیا
شعور بھی نہ اٹھے بسکہ اذیت کچنی

دولہ

جب آگے سے آٹھ بجائے قالین کے شیر

ہوے دیکھ حیران صغیر و کبیر

ناخ

سانے بہت ہلے پیر کھڑے رہتے ہیں

اہم نماز دن میں جو مادر کھڑے رہتے ہیں

ظفر

آج سارے دن رانا چیرا نکھون گئے
پھر گئی اک صورت شمشیر نکھون گئے

نہایت شب کس کی رہی دیر نکھون گئے
آگئی جو یاد نکھون گئے پر خم تری

کبھی اس یاسے تمنا کی جو کلمات عربی میں الف کے پ سے پیدا ہوئی ہو یا سے ردت ساز
جمع کرتے ہیں جیسا میں شعور میں سودا کے۔

اُس یار دل شان گدے بھی بلیب میں

مستوق مثل عاشق مہلی رہیب میں

میر شمس الدین فقیر کا یہ قول ہے کہ جس الف کو امالہ کر کے یا سے ردت کر لیتے ہیں وہ ہر دوت نہیں
آتی ہی مرزا تقی بہرے براہن العجم فی قوانین العجم میں فرمایا ہے اور اس باب میں تاکید ملیغ کی ہو
مگر صاحب العجم آرا سے ناصری امالے کے بیان میں کہتا ہے کہ ازیر اور مادر جو آثار و ادبار کا امالہ
ہیں دونوں کاندہیر کے ساتھ قافیہ کیا ہے۔

ردف زائدہ حرف ساکن ہے جو حرف مد یعنی ردت مطلق اور ردی کے درمیان
میں واقع ہو جیسے دوست کا سین مہملہ اور تاخت کی خائے نقطہ دار پس جو ردت ایسا ہے کہ اس
میں اور ردی میں حرف ساکن واسطہ ہوتا ہے اُس کو ردت اصلی کہتے ہیں اور اُس حرف ساکن کو
ردف زائدہ کہتے ہیں اور جو ردت کہ اُس میں اور ردی میں کسی حرف کا واسطہ نہ ہو اُس کو ردت لائزل
ردف کہتے ہیں اور خواجہ فیروز الدین محقق طوسی نے ردت زائدہ کو ردت میں داخل نہیں کیا بلکہ ردی
میں داخل کیا ہے در ردی مضاعف یعنی ردی دو چہ نام رکھا ہے محمد بن قیس عروسی خوازمی
اور لاجال نے بھی یہی لکھا ہے اس صورت میں حرف قافیہ دہل ہوتے ہیں کیونکہ ردی سرد
سمیت نو حرف پہلے ہی تھے جب ایک حرف یہ (ردی مضاعف) بڑھا تو دستش ہو گئے

عرض کہ خواجہ کے نزدیک ایک حسرت والی روی کا نام روی مفرد ہے اور دوسرے حسرت والی روی کا نام روی مضاعف اور جمہور کے نزدیک حسرت اول روی ہے اور دوم ردت زائد اور ردت زائد کے چھ حرف مخصوص ہیں ان کے سوا نہیں آتے (۱) نون (۲) فاسے مجھ (۳) سین مہملہ (۴) شین مجھ (۵) زائے مہملہ (۶) فا۔ پس جبکہ ردت مطلق کے تین حرف ہوئے داو۔ الف۔ یا۔ اور ردت زائد کے چھ اور جب پتہ کو تین میں ضرب دیا تو اٹھارہ ہوئے لیکن یہ اٹھارہ صورتیں تمام علی الترتیب کسی بان میں نہیں آتیں بلکہ فارسی میں سواتیرہ کے اور نہیں دیکھی گئیں ہم اردو کی مثالیں لکھتے ہیں اول نون مثال اُس نون کی جو الف کے ساتھ ہو چاند اور ماند۔

انشا

اکون اُسکی جبین کو کس طرح چاند پڑا کہ اُس سے لاکھ حصہ چاند تھا ماند

میر حسن

غلا فون پہ پانات کے پردہ مانک ستابی سے تقارون کو سینک مانک

امین

خورشید ترا دیکھ کے نہ کانیپ کے نکلا ہر چادر مہتاب میں نہ ٹھٹھانپ کے نکلا

سودا

ٹھگ نہ تنہا چڑھے ہے اُسکے آٹ مل رہی ہے اچکون کے بھی سانٹ

ولہ

بال مندوق میں رہے کس بھانت تن کے کپڑ نہ چور دن کا ہے دانت

مثال اُس نون کی جو یاے معرف کے ساتھ ہو چھینک اور سینک۔

انشا

اور کچھ چھینکنا جھٹ مت چھینک تیز بینی کو دیکھ آئے چھینک

مثال اُس نون کی جو یاے مجہول کے ساتھ ہو سینک اور چھینک۔

مرزا اختر یار خاں شباب ساکن جاوہر

چوٹ کا دل کے نہیں ہر سگونی بے علاج آتش خسار مردیان سے اسکو سینک

بد نصیبی سے نہ یہ تدبیر ممکن ہو شباب
چیر کر پہلو سے بہتر اسی کہ دل کو پھینک دے
مثال اُس لون کی جو داد و معرفت کے ساتھ ہو بوند اور موند - سوس اور گھونس -

میر تقی

اگر گیا میں پکے ہو کا سا گھونٹ
بہی دیکھوں بیٹھے ہر کس کس یہ اڈٹ

ولہ

اُن نے جو ماریاں ہیں گھونسیں گھونس
موش دشتی ہوا ہے کوئے گھونس

ولہ

اُن نے ماری ہیں ایسی کتنی گھونس
گھونس کیے دہرے کوئے گھونس

انشا

لی آج حیات عیش کے گھونٹ
یکبار ہی تاپنے لگے اڈٹ

مثال اُس لون کی جو داد و جھواں کے ساتھ ہو گوند اور توند بمعنی بڑا پیٹ -

انشا

ماری بھیل نہون ہی کج جو بیج
دامن میں گل کے لک گئی کھونچ

ولہ

وہ جویرے چھڑنے کو تھکوا کر چوہ دے
اُسکی دم میں باندھ بندھ چاندنی کو سوہ دے
دوسرا خے نقطہ دار - مثال اُس نے کی جو الف کے ساتھ ہو شناخت اور تاخت بمعنی صل
معدہ رجز و زمرہ اردو میں مستعمل ہے -

شباب

آرزو حیرت فارمان نہون پامال شوق
چھوڑنا ہر گز نہ دامن ہمت صبر و شکیب
ایسی بے بنیاد چیزوں پر دل لانا شباب
لاکھ جان سے اُس پہ ہو قربان کہ جسکی ساخت

اسی قبیل سے ہے -

میر

بدنامی اُسکی ہے بے ساختہ
کیا ہے یاں میش بچہ انداختہ
اس شعر میں خاں بچہ روت نہ ہے - اور نامے نور تانی ردی اور ہاں ہو زحمت و صل جسکی تفصیل

آگے آتی ہے۔

شال اُس نے کی جو داؤ کے ساتھ ہو جیسے سوخت اور دودھت بمعنی حاصل مصدر نہ بمعنی صیغہ ماضی کہ یہ دونوں لفظ دونوں معنی میں زبان فارسی کے ہیں لیکن اردو میں حاصل مصدر کے معنی میں الفاظ تاخت اور شناخت کی طرح استعمال کیے جاتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں فلان نے ازراہ سوخت یعنی حسد کے یہ بات کہی۔ فلان درزی کی دودھت عمدہ ہے۔

شباب

سوزن مڑو سے کر دیتے ہیں دودھت دل	سخت باتوں کو انکی کبھی بھٹ جاتا ہے
نہو جس کو بتر شرف سوخت دل	زادہ خشک اُسے کون کے گا انسان

اسی قبیل سے ہے۔

بیدار

رشتہ دید سے اور دن کی نظر دودھت ہے	تیر سے ہی رخ سے یہ شمع نلکہ افروختہ ہے
دل پر سوداغ پر جان پر سو غم اندودھت ہے	نذرین اُس شہ خوبان کی کروان کیا بیدار

یہ وہ ہے کہ باتے تختانی کے ساتھ ہو گرش زدنیں ہوئی اگر کوئی کہے کہ لفظ ریخت بھی ریختہ میں مستعمل ہے تو اسکے دو جواب ہیں اول تو ریختہ کو اردو میں علیحدہ بولتے ہیں بلکہ شکست و ریخت کہتے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ ریخت کے مقابل قافیہ کے واسطے کو نسا لفظ اور ایسا لائیں گے جو اردو میں مستعمل ہو تیسرا سینر مہا شال اُس سین کی جوائف کے ساتھ ہو۔

الشا

مدت آنی ہی اور درخواست	تھی ویسی ہی صاف بے کم دکاست
------------------------	-----------------------------

سیر حسن

دکھائی اٹھوں کے ہمیں ناہ راست	کہ تا ہونہ اُس راہ کی بازخواست
-------------------------------	--------------------------------

سودا

اگر زنجلب جو پوچھے تو سودا سے حق را	کتنوں کو اب چٹایے تجھ نہ کوئلے راست
-------------------------------------	-------------------------------------

اور وہ سین جو داؤ کے ساتھ جیسے دوست اور پوست۔

حسن

وحدت ہی چمن میں مغز پاست	صادق ہے ہمار پریمہ دوست
--------------------------	-------------------------

سودا

پیاز کا آگے ہاتھ میں رکھا پوست

کل کیا بی چلا جو گھر کو دست

ولہ

ماش کی روٹی سے تو کھا ساگ پوست

اور غذا اسکو یہ بتلائی دست

اور وہ سین کہ یاے تختانی کے ساتھ ہو سوائے لفظ زیست کے اور کوئی لفظ اس کے مقابل
زبان اردو میں نہیں سنا گیا مگر میر کے بند کے ایک مصرع میں قافیہ زیست لفظ استعمال فارسی ہے
اور ایک مصرع میں زیست روجہ اردو اور بانی دو مصرعوں میں زیست اور یکرنگی است قافیہ آیا ہے۔

یہ ان مستون میں کوئی نہیں پابست زیست
جتنے زیست نظر آتے ہیں اب سب میں زیست
کیونکہ یہ زیست بہت ہودے تو وہ روزہ کہ زیست
کہ ترا نیز باین فرستہ سر یک رنگی است

محمد حسین علی

ادب دس کی عمر جسدن ہو گئی یا زیست کی آدمی کو چاہیے کچھ قد زنجی زیست کی

چوتھا شین نقطہ دارد شین کہ الف کے ساتھ ہو جیسے برداشت بمعنی تحمل اور چاشت
بمعنی سوچ نکلنے اور دوپہر کے درمیان کا وقت زونجی کے قریب اور کاشت بمعنی کھیتی کرنا۔ بو
جوت۔ زراعت۔ برداشت اور کاشت دونوں ماضی کے صیغے ہیں اور حاصل مصدر کے معنی
میں شامل ہوتے ہیں۔

شایان

غرض ایک دن بھی کم و دھرتی شاست بیاس و ہر اور سب وقت چاشت

شباب

خواہش وصل تباں ترغیب دیتی ہے اگر آرزو و حسرت دارمان کی دل میں کاشت ہو
شیخ صاحب پھر نہیں شوار وصل مہوشان خاطر اقدس میں اس سختی کی گز برداشت ہو

اور وہ شین کہ واو کے ساتھ ہو جیسے گوشت اگرچہ یہ لفظ زبان اردو میں مروج بلکہ کثیر الاستعمال ہے
مگر قافیہ کے واسطے کوئی اور لفظ اس کے مقابل نہیں دارد شین کہ یاے تختانی کے ساتھ ہو مثال اسکی
کتنے میں نہیں آئی یا پھر انرا سہل ہو کہ ہر حرف اشعار اردو میں ردف نام کی جگہ نہیں آیا اس کی
مثال اردو میں نہیں اگر کوئی تکلف سے چھری کو کاردار مائے کو آرد باندھے تو تمام اشعار میں یہی آغا
کرنا ہوگی چھٹا فے وہ فے جو الف کے ساتھ ہو جیسے یا نت بمعنی قائمہ یا نا اور وہ فے جو واو کے ساتھ ہو

جیسے کوئی بغنی اندوہ انکے مقابل کوئی لفظ دسرا اردو میں مستعمل نہیں اور وہ غے جو یاے تختانی کے ساتھ ہوا سکی کوئی مثال نہیں۔

قید کا بیان

یہ حرف بھی ساکن ہوتا ہے سوائے ردف کے (یعنی سوائے حرف مدہ کے) جو ساکن بے فائدہ رومی کے قبل آئے اُس کا نام قید ہے جیسے ابرکبر اور خبر شریعہ اول سکون تاے فوقانی یعنی چھپانا۔ شرمگاہ کا ڈھلنا اور وحد نجد اور نحو نحو اور نجت نجت اور صدر رقد اور جذب عذب بفتح عین مملہ و سکون ذال نقطہ دار و یاے موحده یعنی آب شیریون خوش مزہ و خوش گوار اور ہر ایک کھانے پینے کی چیز جو خوش مزہ خوش گوار بولدر سرد دراد زرم زرم اور پست مست اور چشم چشم اور اصل فصل اور قطع نطع اور رعل جبل اور نغم مز اور رجت رجت اور نقل عقل اور ذکر فکر اور علم علم اور شمع جمع اور بندہ بند اور غور جور (ما قبل واد کے قوی سے) اور زہر قہر اور سیر خیر (ما قبل یاے تختانی کے قوی سے) الفاظ مذکورہ میں سے عذب اور نطع بفتح نون و سکون طاے مملہ و عین مملہ یعنی فرش فرش چیزیں اور وہ چمڑا جو درویش کر پر باندھتے ہیں اہل اردو کی زبان پر جاری نہیں پس شراردو میں باندھ لینے سے داخل اردو نہیں ہو سکتا کیونکہ لفظ کا شعر میں آنا معتبر نہیں بلکہ مشہور ہونا شرط ہے پس کے اردو کہنے میں قابل ہے۔

مخفی نہ رہے کہ بعض اہل فن نے واد اور یاے ساکن ما قبل مفتوح کو بھی ردف میں داخل کیا ہے جیسا کہ ہم ردف مطلق کی بحث میں بیان کر آئے ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ جو حرف ساکن رومی کے قبل بے فاصلہ آئے اور حرف مدہ سے منوہ قید میں داخل ہے خواہ واد ما قبل مفتوح اور یاے تختانی ما قبل مفتوح ہو خواہ سوائے ان کے اور حرف اور جن لوگوں نے حرف قید کا حصہ صرف ان دس حرفوں میں کیا ہے۔

عین و فادون و یا سیدان یقین

باد خاور ازاد شین دشین

انکا استقرانا قص ہے۔

فائدہ ۵ حرف مخصوصہ فارسی یعنی پ چ ژ گ اور مدد مخصوصہ ہندی یعنی ٹ ڈ ٹا بسبب ثقالت کے حرف قید نہیں ہوتے اب حرف قید کی مثالیں لنظ میں بھی واسطے فائدہ کے لکھتے ہیں۔

الش

پاس رسوائی سے دل پر مردے کا سا جب تک	خبط نالہ ہجر کی شب میں فشار قبر ہے
صاف میرے آنسو دکھانا ہو اسکی تھڑی	دیدہ ترکا کسی عاشق کے رد مال پر ہے
پیلے پر دانے سے مغز شمع بن لگتی ہو آگ	بے تامل حسن بھی بد عشق الہ صبر ہے

مومن حسین صفی

خرم و غرب اور قبض کف اور بزم	اشتراک و جب ذلل بس ختم
------------------------------	------------------------

فصیح

طعنوں پر ذوالفقار کی چاؤ نکو و جد تھا	یابی تھی آپ قیس عدو دشت بخد تھا
---------------------------------------	---------------------------------

حسن

بہد اسکے پڑیم تو علم صرف و نحو	کے سبق جتنا نہ کر تو اس کو محو
--------------------------------	--------------------------------

سودا

محبت کا جہان سر سبز ہو نخل	من و تو کے غم کو کیا ہے بان و نخل
----------------------------	-----------------------------------

میر حسن

امبارک تجھے اسے شبہ نیک نخت	کر پیدا ہو دارث تاج و تخت
-----------------------------	---------------------------

مولفہ

بلبلو کیوں کر نہ سر سبز نخت باغبان	نار ہا کی کیا ہی بھول اور بھل رخت باغبان
سبزہ دگل دیکھ کر بلبل مانگے ہو دعا	مشرک قائم رہے یہ تلج و تخت باغبان
گل کی خاطر ہی مجھے بھی جو کچھ کتا نہیں	بے شکتا ہوں ہر دم نرم و سخت باغبان

سودا

وہ نیچے جب صف محشر کے آصدر	د فور اپنے سے آفرش ہو بے قدر
----------------------------	------------------------------

دبیر

یہ جھوک یہ پیاس درجہ بان کا تہ و عنبر	ان عارضوں میں عارضوں کا پر توہ پر بدر
---------------------------------------	---------------------------------------

اقیس

اسی شنایں بشرابی عمر صرف کرے	آمن کو رشک وہ گوہر شرف کرے
مثال آئینہ شفاف دل کا طرف کرے	کلام صاف کرے پاک دل کا طرف کرے

عبرت

کسی نے ایسا دیکھا ہے اولوالعزم کہ جاے رزم کو بجھے ہے نت رزم

منشی

منشی اور دیکھی بہت رزم و بزم ہر اب مٹنے سہراب در تہم کی رزم

امانت

مرتبہ شانوں کا بڑا چاہتے ہیں حسن مست
اس سے بہتر کوئی مضمون نہیں ملتا سردست
واژگون جام ہون انکو تو مضمون کیا بہت
تن کی کرسی پر غصہ نڈھون پالی ہر

میر حسن

آنا محال ہوش میں ہے مجھ سے مست کا
بد ہوش ہو چکا ہوں میں روز الست کا

آفت مظہر نگر کی

ہمیشہ کہتے تھے آفت کو لوگ نہشت نصیب
سوانح کو چے میں تیرے ہوا بہشت نصیب

میر حسن

بے شمع سان کیوں کوئی اشک سے
جلے کس لیے آتش رشک سے

سوز

حاجی طوف دلستان کرد تو کچھ ملے
ناسحا گریا رہے ہم سے خفا تو تھک گیا
سوز نے دامن جوڑیں پاؤں تو دہن چین
ورنہ کیے میں دھراؤ کیا بغیر از شک و حش
چین پیشانی ہی ہر اسکی ہماری سرپوش
کنے لاگا ان دلوں کچھ زد چل نکلا ہر

مثنوی لیلی مجنون باز تجلی

رہے تاکجا وادی فصل میں
جلہ دے اسے محل وصل میں

مثنوی لیلی مجنون از ہوس

بے نشتر و بے طیب بے قصہ
چھٹنے لگی آگے ہاتھ کی قصہ

لاحہ

جو شمع تھی شب کو زینت نطفہ
گلے نے اس کا سر کیا قطع

نسیم

ابو لا وہ کہ دیکھ کر گیا جہل
کھلم بھی کہیں مٹتے ہیں فعل

میر حسن

گلویت وہ نوبت کے درائے بعد	گر جناد وہ دھونسوں کا مانند رہ
----------------------------	--------------------------------

منشی

نہیں اس سے چارہ کوئی درخز	کہ مانیوں کو دے آدمی کا توغیر
---------------------------	-------------------------------

عبرت

تا شاہا تھوڑے گانچے مُفت	لے گا سہل میں تیرا دیانِ جفت
--------------------------	------------------------------

منشی

وہ یک دست تھا سرخ و زردوش	رنگا نام پھر کاویانی درفش
---------------------------	---------------------------

امتنوی نلدن مولفہ نکست

گزینہ تھا اور اس لیے عقبہ	دو در دین کیا بچے دم نقد
---------------------------	--------------------------

امتنوی ظل بہا

ہوس سے خندا کا ذکر مشکل	آسان نہیں ہے یہ فنِ مشکل
-------------------------	--------------------------

ایقصد یہ طول ہو گیا ذکر	مطلب سے اڑا ہے طائرِ فکر
-------------------------	--------------------------

سود

بود کبھی مالہ دین کی اُسے یہ شکل	حرام اُنیز ہوا کیا شرب کیا اکل
----------------------------------	--------------------------------

ولہ

اگر بالقرض تھی وہ عیب کی سنگ	شب ماتم سے بھی گزری پست تلخ
------------------------------	-----------------------------

یار محمد خان شوکت

پڑے قافلے پر جو ترکانِ بلخ	لگا کئے سامان ہوا عیشِ تلخ
----------------------------	----------------------------

جوہر

اکہین ہے تمنائے تحصیلِ علم	اکہین ہے خیالِ بزرگیِ حلم
----------------------------	---------------------------

عشرت

وہ دونوں عاشق و مستوق ہوئے جمع
بچے یکبارہ جون پروانہ دشمنِ جمع

مرزا محمد علی فدوی معروف بہ مرزا ابجد دہلوی

نغمے ہونے ہیں درد مند جدا | گو کرے کوئی بند بند جدا

میر حسن

نہ گوہر میں ہے اور نہ ہر سنگ میں | و لیکن چمکتا ہے ہر رنگ میں

المؤلف

بگڑی دھڑی رہا ہوا کا جل نہیں فقط | بکھرے ہیں بال چہرے کا کچھ رنگ اور راز
مرد بہ اپنے کشتے کے بیٹھے نہ کس لیے | لے گشتگان نازیہ اور رنگ اور ہے
دشت جنوں کی سیر کو پاسے پر آبلہ | چلتا مجھے ابھی کئی فرسنگ اور ہے
دل کو ترے بزور لیا پھر دیا لیا | بجھی خیال کبجو یہ جنگ اور ہے

خدا مان متا

گریز کا اس نگاہ کی اب طور اور ہے | لے ساکنان سے کدہ یہ دور اور ہے

میر حسن

وہ نزدیک پہونچے جب اس شہر کے | کیا پاس جا خیمہ اک نہر کے

ایس

دریا قجیل تھا سبز پیر سے میں تھی پیر | سبز بجلی کے عشق میں کھائے ہو کھار ہر

انشا

چند مدت کو فراق صنم و دیر تو ہے | آؤ کہے ہی کوہ وائیں جاو سیر تو ہے
کس سبب کس لیے کیا فائدہ چھوڑ دینے | جرم و تقصیر و گنہ داسطہ کیون خیر تو ہے
دوستی کا جو گمان تھے ہو اس کا کیا دخل | بان یہ سچ واقعی انشا سے تھیں سیر تو ہے

فائدہ اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ بعض شعرا حرف قید کے مقابل قافیے میں غلطی کا خیال نہیں کرتے
تاکہ جائز الفاظ لے آتے ہیں حالانکہ یہ بات انکی سخنوری کو بڑھ لگاتی ہے جیسے نگار صاحب شہنوی اردو
یوسف زلیخا کے اس شعر میں ہے

بدی کیا مجھ میں ہے اسے سر و خوش قد
جو دل میں مجھے تو ہے گا مکہ در

اتھانیسری

ویکن قوی ہے شریعت کی حد اسی واسطے ان کو کہتے ہیں عہد

یار محمد خان شوکت

پیاپے تھا حملہ کنان بے ادب چلی ہاتھ سے اُسکے ہفتاد ضرب

ولہ

کہ موتہ میں اسدم ہے جنگ جہل زجیش محمد زفتح ہر تسل

مفتون

آج ہے وہ شاہ دالازیب تخت جس سے شاہان جہان کی بہت

تاسیس کا بیان

یہ الف ساکن کا نام ہے جو قبل روی کے ہوا اور اس حرف کے در روی کے درمیان ایک متحرک فاصل ہوتا ہے جیسے جاہل اور عاقل۔ داود اور جاکر تساہل اور تفاضل قافیہ میں تاسیس کی رعایت تمام ابیات میں واجب نہیں بلکہ مستحسن ہے اگر نہ ہو تو قباحت نہیں عاقل کا دل در کافر کا سر قافیہ بہت آتا ہے۔

ذوق

ہے کان اُسکے زلف معبر لگی ہوئی رکھے گی یہ نہ بال برابر لگی ہوئی

محکم

عطر سے جبکہ معطر شو نگھی گل یک بیک کہو گیا بس شو نگتے ہی مست سنبلی یک بیک

محشر

وقت قتل اتنی ندی فرصت کہ کسوں دلی با سانس بھی لینے نہ پایا کیا کہوں قاتل کی با

ولہ

گر تجھ سے یوفائی میں ہو گل کا اتفاق ہے مجھ سے داد خواہی میں بگیل کا اتفاق

رہنے میں ترجیح دے ماب دل ناتوان کے موے کر کے ساتھ ہے گل کا اتفاق

اخرض قافیہ جو لفظ بلفظ مقابل ہو اس کو شعر اسے صنعت میں داخل کیا ہے اور اس صنعت کا نام اعنات دیکر اول دسکون عین سملہ دسکون دالف و تاسے فوفتانی

موقوف ہے اور لزوم والا یا جو بھی نکتہ میں بیٹے لزوم ایسی چیز کا جو لازم نہ ہو اور صرف لزوم بھی بولتے ہیں۔ نیز نے دو سو پندرہ شعر کا قصیدہ لکھا ہے جس میں اس حرف کا التزام ہے۔ یہ دو شعر اسی میں سے ہیں۔

جب افیون شب ہو اچرخ تاب	ہو۔ نخم خشناش انجم بھی غائب
چنے مرغ زرین نے دانے کی صورت	نیر کی دنیا سے خب کو اکاب

راحت صاحب مثنوی تلذذین اردو

مثل کہتے ہیں یہ استاد کامل	کہ دیوانہ بکا رخویش عاقل
----------------------------	--------------------------

میر سوز

اہل ایمان سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا	آہ یارب ماز دل نیز بھی ظاہر ہو گیا
---------------------------------------	------------------------------------

سعید

عجب کیا اگر میں بھی سیر چاہ بابل ہوں	کسی ہر شمال کی دقن دل شامل ہوں
--------------------------------------	--------------------------------

تاسع

آج دعوت اسکی کیانی کا باطل ہو گیا	سچت کرنے کو جو آئینہ مقابل ہو گیا
-----------------------------------	-----------------------------------

فائدہ۔ حرف تاسیس کل عربی میں ہونا ضرور بلکہ حاجات سے ہے۔

دخیل کا بیان

یہ وہی حرف متحرک ہے جو تاسیس اور روی کے درمیان حائل ہوتا ہے جیسے ہا سے ہ اور قاف جاہل اور عاقل میں اور واما اور کاف اور او، چاکو میں اور ہا سے ہوز اور فاف اور ہا اور فافل میں اور ایک شعر میں اذیت دخیل مختلف ہو تو کچھ قیاحت نہیں اس کی موقوفہ مستحسن ہے نہ واجب مثلاً شامل و کامل اصل و فاصل عاقل و ناقل نسیم و ہلوی جلد و الف لیلے میں کہتے ہیں۔

وہ بولی وہ قلندر یوں ہے ناقل	کہ جب سب کہ چکے وہ مرد عاقل
------------------------------	-----------------------------

طلب کی دل سے ہر اک نے اجازت	ہووا کہ چلے اب نہیں اتنی تمازت
-----------------------------	--------------------------------

تمنا کے دل کچھ نہ حاصل ہوئی	نشتی بکاک عدم جان واصل ہوئی
-----------------------------	-----------------------------

انیس

ناخن تھے بہ نوسے جو بالائے انامل	سوفید مین پڑھ بڑھ کے ہو کہ وہ کمال
اعضائیں عوض خون کے حرارت ہوئی تامل	تقی خست کی تصویر وہ دکھ درد کی حامل

نواب یوسف علی خان ناظم

جواگ میریص کے ہین سائر	ہوئے ہین قبور اوصیا کے زائر
خورشید کو جس طرح سے ہو سیر بروج	حق بارہ ناموں میں ہر یون ہی دائر

تراپ کی ساری غزل اسی قبیل سے ہے۔

مشریت پہ ہر جہ کی خوب ہستقامت	وہ کیونکر نہ وابل کشف و کرامت
یہی دونوں کام آتے ہین عاقبت ہین	رہین دین و ایمان اپنے سلامت

انہی یہ غزل بھی اسی خست تین سے ہے۔

یا اتنی بانگی صورت پر کوئی مانگ نہ ہو	زخمی تلوار ہو ابرو کا برگھائل نہ ہو
روئے بانان دیکھ کر متاگ ہو رنگ نہ ہو	زلف کالی گورے کھڑے پر اگر حامل نہ ہو

مولوی محمد انصاری

ایک قطرہ جو تھا بڑا دلاور	دریا سے محیط کا شنداور
---------------------------	------------------------

مؤلف نے ایک غزل کہی ہے جس کے ہر قافیے میں حرف تائیس کے لائے کا التزام کیا ہے اور حرف
دخیل کی واقفیت کا بھی التزام رکھا ہے یہ اشعار اسی غزل کے ہین۔

ساق سینہ پر غضب قہر کیلی بیتان	ظرفہ تر کر نی ہے محرم کی کساد شہری
پانی ہو جائے نہ کیون رشک سادگی بھری	چشم خونبار کی بھی یہ مہارث ہت نہی

ان حرفوں کا بیان جو بعد حرف روی کے آتے ہین۔

اور زائد ہوتے ہین

اول وصل یہ حرف بعد روی کے بلا فاصلہ آتا ہے اور اگر سوا حرف وصل کے کوئی
دوسرا حرف درج دوزید وغیرہ نہ ملا ہو تو یہ حرف وصل روی کو متحرک کر دیتا ہے اور خود ساکن ہو جاتا ہے

در نہ قاعدہ کلیہ نہیں متحرک بھی ہوتا ہے اور ساکن بھی رہتا ہے اگر یہ حرف حذف کر دیا جائے تب بھی کلمہ ہا معنی باقی رہتا ہے بخلاف ردی کے کہ اگر اسکو دور کر دیں تو کلمہ مہل ہلے معنی ہو جائے گا جیسے پیٹ اور پیٹ میں تاسے ثقیل کے دور کر لے سے لفظ بے معنی ہو جائے گا مثال وصل کی بقراری غفلت شعاری موڑا چھوڑا وغیرہ۔

امانت

رکھے محفوظ خدا عشق کی تیاری سے موت بہتر ہے کمین دل کی گرفتاری سے

لفظ سے ردیف اور یا سے تحتانی وصل در راے مہملہ حرف ردی ہے۔

مودا

ہمیشہ جون رگ تاک بریدہ ہوا آنتوتا سر مرگان رسیدہ

میر

اگر گئے دست دے ہم آغوشی ہم سری ہم کناری ہم دوشی

ولہ

بوسہ اس بُت کا یکے منہ موڑا بھاری تھیر تھا چوم کر چھوڑا

ہوس

اگر ہمارے تو نے منہ کو موڑا کیا جی میں ٹھنی جو سب کو چھوڑا

دونوں شعرون میں راے ثقیل ردی ہر اور الف حرف وصل۔

تعلیم

میں نے دشمن سے دوستداری کی اپنے ہاتھوں سے اپنی خواری کی

ولہ

داد پائی نہ بیان کسی فریادی نے اگر دیے گھر کئی دیران تری بیدادی

دوسرا خروج یہ حرف بلا نا صلاہ حرف وصل کے بعد آتا ہے جیسے آنا اور جانا کہ آ اور جا کا الف ساکن ردی ہر اور فون حرف وصل اور اسکے بعد کا الف خروج۔

مذاق

آج آتے ہیں وہ کچھ نکھو نہیں قزاتے ہوسے بحر اور اعجاز اک پردے میں دکھلاتے ہوسے

قزاتے اور دکھلاتے میں الف حرف ردی ہے اور حرف تا وصل اور یا سے تحتانی خروج اور

لفظ ہوسے ردیف۔

میر

ہو اس شور سے میر دوتا رہے گا	اوہ سایہ کا سے گوشتا رہے گا
------------------------------	-----------------------------

رہتا اور سوتا میں واو حرف ردی اور تے حرف وصل و رالف خروج ہوا اور ہوگا ردیف ہے۔

ولہ

سرخ لڑتے ہیں ایک دولا تین	سیکڑوں ان سفیدوں کی باتیں
---------------------------	---------------------------

لا تین اور باتیں میں تے فوقانی ردی اور باے تحتانی وصل و زنون خروج۔

ولہ

خون جگر ہو بنے لا گا	پلکوں اسی پر رہنے لا گا
----------------------	-------------------------

بنے اور رہنے میں ہا ردی ہے اور زنون وصل اور یا خروج۔

سودا

عاشق کی بھی کشتی ہیں کیا توب طرح راتیں	دو چار گٹھری ردنا دو چار گٹھری باتیں
--	--------------------------------------

مثنوی سعدی

ناخن غم کی کاؤستین ہوئی	اشک ترکی تراوشین ہوئی
-------------------------	-----------------------

حالی

دیس کو بن میں جی بھٹکتا رہا	دل میں کاٹا سا ایک کھٹکتا رہا
-----------------------------	-------------------------------

بھٹکتا اور کھٹکتا میں کاف حرف ردی ہوا اور تے فوقانی حرف وصل و رالف خروج۔

ایس

پردانج زبان کو سچنے کی نہیں	حاجت جیل سخن کو بچنے کی نہیں
-----------------------------	------------------------------

دربار ہے ابرطیع لیکن ہوں خموش	عادت ہے برسنے کی گر بننے کی نہیں
-------------------------------	----------------------------------

مولانا یوسف عرذنی نے خروج کا ذکر نہیں کیا لہذا محقق طوسی نے انکی اتباع سے فرمایا کہ درست ہے کہ خروج فارسی میں نہیں ہے کیونکہ حرف وصل متحرک نہیں ہونا مولوی صہبانی کہتے ہیں کہ مولانا یوسف عرذنی نے حرف خروج کو حرف وصل میں شمار کیا ہے جس طرح جمہور متاخرین حرف بعد از تاء کو تائید کہتے ہیں۔

تیسرا مزید یہ حرف بعد خروج کے بلافاصلہ آتا ہے جیسے کہے گا اور رہے گا میں باے ہوز

حرف ردی اور یاسے تختانی حرف وصل اور کاف فارسی خروج اور الف مزید ہے۔

اغیس

پیاسے تو اسی خاک پہ گھوڑیے گرے گا | ہے بہ بین خجرتری گردن پہ پھرے گا

گرگا اور پھر گامین راسے ہلہ ردی ہے اور یاسے تختانی وصل اور کاف فارسی خروج اور الف مزید ہے۔

میر حسن

اکدھر سے تم آئے کمان جاؤ گے | دیا اپنی پیمپ بھی فرماؤ گے

جاؤ گے اور فرماؤ گے میں الف ردی ہے اور داد وصل اور کاف فارسی خروج اور یاسے تختانی مزید ہے۔

ولہ

اگاہم میں مشتاق کچھ گاہے | سامن میں کاہکود کھلا ہے

گاہے اور دھلا ہے تن الف ردی ہے اور ہزہ وصل اور یاسے تختانی متحرک خروج اور یاسے تختانی ساکن مزید ہے۔

سودا

بولے مرزا بُرائہ مانو گے | اینا اُستاد بھکود بانو گے

انوکے اور جانوکے میں نون ردی ہے اور داد وصل اور کاف فارسی خروج اور یاسے تختانی مزید ہے۔

ولہ

یراب اس حال سے گھروں تکہ جاؤں | بھلا دان جا کے ٹھہر کسکود کھاؤں

جاؤں اور دھلاؤں میں الف ردی ہے اور ہزہ مضموم وصل اور داد ساکن خروج اور نون مزید ہے۔

ولہ

تری مہندی کویت لیل کے دھوؤں | تری کلفت کو سرتا پای کھوؤں

دھوؤں اور کھوؤں میں داد وصل ردی ہے اور ہزہ مضموم وصل اور داد ثانی خروج اور نون مزید ہے۔

نشئی

ہدے حملہ آور جو تورانیان | تو پہونچے ادھر سے بھی ایرانیان

تورانیان اور ایرانیان میں پہلا نون ردی ہے اور یاسے تختانی وصل اور الف خروج اور نون ثانی مزید ہے۔

میر حسن

کہوں کیا میں اس سب کی خوبیاں | پرندوں میں کب ہوں یہ محبوبیاں

سودا

بیل میں کسی بہین بد شرابیاں | ٹوٹی بڑی بہین غنچگی ساری گلابیاں

میر تقی

تلوار غرق خون میں آنکھیں گلابیاں ہیں | دیکھیں تویری کب تک نہ بجایاں ہیں

ان تینوں شعروں میں باسے موحہ حرف روی یاے تختانی وصل الف خروج نون مزید ہے۔
چوتھا نائڑہ۔ یہ بعد مزید کے بلافاصلہ آتا ہے جیسے کہنگا اور رہنگا کہ یہاں فاو دین وصل
اور لون خروج اور کاف مزید اور الف نائڑہ ہے۔

دبیر

اہم آنکھ نہ چھوڑینگے ہمیں چھوڑینگے عباس | آخر کو پنجہ لوبا باسے کر توڑینگے عباس

راے تغیل حرف روی ہے اور یاے تختانی اول وصل نون مزید کاف فارسی خروج یاے ثانی نائڑہ۔

ولہ

پرسش میں اماموں کی علی حیکے راسینگے | قائل جو ہمارے ہیں یہ وہ آپ کہینگے

راسینگے اور کہینگے میں حرف ہا روی یاے تختانی وصل نون خروج کاف فارسی مزید یاے آخر نائڑہ۔

انیس

تاریکی زندان میں نہ اس طرح گھٹینگے | یوسف تو چھتے قید سے کیا ہم نہ چھٹینگے

گھٹینگے اور چھٹینگے میں تاءے ہندی روی ہے اور یاے تختانی وصل اور لون خروج اور کاف
فارسی مزید اور یاے آخر نائڑہ۔

ولہ

ان باغیرنگے زور کو دم بھر میں توڑینگے | ہم سائے رسول خدا کو نہ چھوڑینگے ؟

توڑینگے اور چھوڑینگے میں باسے ہندی روی ہے اور یاے تختانی وصل اور لون خروج اور کاف
فارسی مزید اور یاے آخر نائڑہ۔

سودا

چار کے کاندھے جب یہ جاوے گا | توشہ کی رودی کو بھی کھاوے گا

الف جاوگیا اور کھاوگیا میں ردی ہو اور واو حرف وصل دریاے تحتانی مزید اور گاف خروج
اور الف آخر کا نائره۔

میسر

ناچار ہم تو جہ بن جی مار کر رہینگے | براس روش کو تیری یہ لوگ کیا کہینگے

مولوی امام بخش صہبائی نے لکھا ہے کہ ان چار حرفوں میں سے بجز حرف وصل کے اور کوئی
حرف اشعار اردو میں واقع نہیں ہوتا اور وہ بھی اغلب کہ انتہی الفاظ میں ہوتا ہے جو فارسی میں
جیسے خفتہ اور نہفتہ میں آتے حرف ردی ہے اور با حرف وصل ملکر قول تحقیق کے خلاف ہے
مزاقتیل نے دریاے لطافت میں ثابت کیا ہے کہ زبان ہندی میں بھی چاروں حرف زائد آتے ہیں اور
اسی پر محققین کا اتفاق ہے چنانچہ اساتذہ کے کلام میں دیکھا گیا ہے اور اوپر کی مثالوں سے واضح ہوا
بلکہ نائره کے سوا ایک دو حرف اور بھی آتے ہیں لیکن قافیہ کی فرع بھی چاروں حرف ہیں اور وہ
حرف زائد نائره کی فرع ہیں اور بقول خواجہ نصیر الدین طوسی یہ حروف داخل ردیف ہیں خواہ کلمہ مستقل
ہو یا غیر مستقل (مثال ایک حرف زائد کی اجلاوے گا اور گلاوے گا میں جل اور گل صیغہ امر لازم ہے
اور الف کی زیادتی سے تعدی ہو گیا پس لام ردی ہے اور الف وصل اور واو خروج اور
یاے تحتانی مزید اور گاف فارسی نائره کی فرع ہے۔

عبدالرسول نشار

ہاتھ سے ان جامہ زیبونکے نکل جائیگے ہم | یہ گریبان دامن صحرا کو دکھلا دیگے ہم

سودا

کیا ترے بعد کر کے کھاوین گے | جبکہ کسب اپنا بھول جاوین گے

میرسن

بہت آپ اس سے اٹھا کینگے خط | بہت میں سے اسکی پائیگے خط

میر تقی

نور نظر کو کھوکھو کے میں سوکون گا دیکھیں | دل بھر رہا ہے خوب ہی روؤنگا دیکھیں

مثال دو حرف زائد کی جلاوے گا اور گلاوے گا الف حرف وصل اور واو خروج اور یاے تحتانی
اور واو دلون نائره اور گاف فارسی اور یاے تحتانی آخر کی نائره کی فرع ہیں۔

حالی

ہر انت میں سینہ سپر کر لے والے | قطعاً ایک اللہ سے ڈرنے والے

کر لے والے اور ڈرنے والے میں رائے سہلہ رہی ہے اور نون وصل اور یائے محکافی خروج اور واؤ مزید اور
الف تائزہ اور لام اور یائے آخر تائزے کی فروع۔

ایضاً

بہت آگ چلوں کی سلگائے والے | بہت گھانس کی گھریاں لانے والے

اگر کوئی کہے کہ نون غنہ عروضیوں کے نزدیک حرف میں داخل نہیں ہے تو پھر نون غنہ جلاوٹینگے اور
جلاوٹینگے وغیرہ میں کس طرح محسوب ہوا ہم اسکا جواب یہ دینگے کہ اہل قافیہ ان حرفوں کو جنکو عروضی تقطیع میں
نہیں لاتے قافیہ میں احتہر کرتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر کیوں الفاظ سینک اور چھینک اور چاند اور
ماند اور اونٹ اور گھونٹ اور چھینک اور چوچ اور کھوچ وغیرہ کو مثال ردف مرکب
میں داخل کرتے۔

روی کی قسمیں

حرف روی جب ساکن ہو جیسے دہن اور ذقن میں نون تو اسکو روی مقید کہتے ہیں کیونکہ اس کا
سکون اسکے لیے ایک قید ہو کہ جو جاری ہونے سے روکتا ہے اور جب حرف وصل سے ملکر متحرک
ہو جائے جیسے کرے اور دھرے میں رائے سہلہ متحرک ہے تو اسکو روی مطلق کہتے ہیں کیونکہ اس
میں اطلاق اور روانی ہوتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا پس روی مطلق ہو یا مقید دو قسم پر ہے (۱) اگر
اسکے ساتھ کوئی دوسرا حرف قافیہ کا شامل نہ ہو تو اس کو روی مجرد کہتے ہیں ان حرف قافیہ میں سے
یہ چار حرف ایسے ہیں کہ روی کے اول میں آتے ہیں۔ روت۔ قید۔ تاسیس۔ دخیل اور یہ تین
حرف روی متحرک کے آخر میں متصل ہوتے ہیں مزید خروج۔ تائزہ پس ایسی روی کو جس کے ساتھ
کوئی دوسرا حرف قافیہ کا نہ آئے ساکن ہونے کی حالت میں روی مقید ہو کہیے اور متحرک
ہونے کی صورت میں روی مطلق مجبور کہیے۔

۱۲ سہ مفعول ہے قید کا

۱۳ سہ مفعول ہے اطلاق کا

۱۴ سہ مفعول ہے تجرید کا

ردی مقید مجرد کی مثال

بقاؤ اللہ خان بقا

بہت رات آئی نہ آیا پیارا
ترازو ہوا نیم شب کا ستارا
چھپا منہ کو دامن سے دیتے ہو بوسہ
یہ بوسہ ہے کیسا نہ آدھا نہ سارا

ان اشعار میں رائے مہملہ کے بعد الف ردی مجرد ہے کیونکہ بیان ردی کے سوا کوئی اور حرف قافیہ کا نہیں ہے اور سبب ساکن ہونیکے ردی مقید بھی ہے اس لیے ردی مجرد مقید کہینگے۔

شاہ حاکم

یار کا بھکواس سبب ڈر ہے
شوخی ظالم ہے اور شکر ہے

قداد و شکر میں رائے مہملہ ردی مجرد مقید ہے۔

اشرف علی خان قنان

کباب ہو گیا آخر کو کچھ بُرا نہ ہوا
عجب یہ دل پر جلاتو بھی بے مزانہ ہوا

بُرا اور بے مزاکا حرف آخر ردی مجرد مقید ہے۔

مصحفی

دعا دینے سے شب سیرۂ ترک تیغ زن
سیاہی زادہ کا بھی کچھ مین کیون ہون چلن بگڑا

تیغ زن اور چلن مین نون ردی مجرد مقید ہے۔

مثال ردی مطلق مجرد

غفلت

اکوڑی کوئی ہاتھ پر اس کے دھڑے
نوح کی کشتی میں یہ رخسہ کرے

فلق

اُن سے سرگرم دلبری ہو گا
محو شوق ستگری ہو گا

پہلے شعر میں دھڑے اور دسرے میں دلبری اور ستگری کی رائے مہملہ حرفت یا گھٹائی کے ساتھ ملی ہوئی ردی مطلق مجرد ہے۔

غلام حسین خان خیال

شرکان کی یہ کاوش نہیں بیک فکری ہے | ابرو کی اشارت نہیں ٹھیک زنی ہے

فکری اور زنی کا لون یا کے ساتھ بل کر ردی مطلق مجرور ہے۔

شوق شاکر دسودا

داسن کو تیرے خون رہے بن بھرے ہوئے | چھوٹے نہ اپنا شوق تو قاتل مرے ہوئے

بھرے اور مرے میں رائے مہملہ مع یاے تختانی کے ردی مطلق مجرور ہے۔

(۳) اگر کوئی حرف قافیہ کا اول یا آخر میں شامل ہو تو ردی کو اُس کے ساتھ منسوب کر دیتے ہیں جبکی تفصیل یہ ہے۔

دالف (مقید مردن یعنی ردی ساکن کے ساتھ حرف ردن ہو اور مردن مفعول کا صیغہ ہے ارداف سے۔

مشیر

پہچان کے ریشہ کی صدا کو بدل نار | دھڑا سو، مشیر بید اللہ کا دلدار

اس شعر میں زار اور دلدار کی رائے مہملہ ردی مقید مع ردن کے ہے۔

محبت

ہوتا ہے ابھی حاصل سب کام محبت کا | دے اُس کو خداوند اتمام محبت کا

کام اور جام میں ہم ردی مقید مع ردن کے ہو اور محبت کا رد لفظ ہے۔

آتش

پری پسند طبیعت یہ ہے نہ جور پسند | اٹھارے بند ہیں ہم کو میں حضور پسند

رائے مہملہ ردی مقید مع ردن کے ہو اور پسند رد لفظ ہے۔

اجرات

ای جنون آباد رہو نو کہ دشت مری | بعد مجنون پھر بسا یا خانہ رنجیر کو

ہم کو بھی جرات کے مرنیکا بڑا افسوس ہے | کی بہت تدبیر لیکن کیا کریں نقد پر کو

ان اشعار میں رائے مہملہ ردی مقید مع ردن کے ہو اور کو رد لفظ ہے۔ اور حرف قید بھی اس میں داخل ہے مثلاً۔

بقاواللہ خان بقا

ترگان ترکے نیچے یون ل کالخت دم لے | جون انگر سا فرزیر درخت دم لے

لخت اور درخت میں تارے فوقانی ردی مقید مع قید کے ہے اور دم لے ردین۔

رافت

وہ گردن کامونی صراحی کی شکل پا | پیٹھ کے نظارے سے شرب داخل

شکل داخل میں لام ردی مقید مع قید کے ہے۔

انیس

کچھ کچھ کے جاے ساری زراعت میں آب | محروم ابن ساتی کو ثریہ کیا ہے فسر

اُس میں یہ نہر بھی ہے جو ہے فاطمہ کا مہر | شہرہ ہی تازیون کی تواضع کا شہر شہر

نہر اور قہر اور مہر اور شہر میں راسے مہملہ ردی مقید مع قید کے ہے۔

قلندر

طالب نہیں ہون دین کا دنیا پرست ہون | عاشق ہون درد کش ہون قلندر ہون است ہون

تارے فوقانی ردی مقید مع قید کے ہے اور ہون ردین ہے۔

مومن

اب پریشان ہون میں خاطر جمع | رات دن تاب مہر و شعلہ شمع

جمع اور شمع میں عین ردی مقید مع قید کے ہے۔

محبت

گر یاد سوز دل کو مرے کھینچی ایک آہ | دکھا جو اسنے شمع پہ جلتے تنگ رات

شب تیری خوب کھائیں تجھے گالیان | کیا کیے اُس کا جانار با عار و تنگ رات

تنگ اور تنگ میں کاف فارسی ردی مقید مع قید کے ہے اور رات ردین ہے۔

رب (ب) مقید موسس یعنی ردی ساکن کے ساتھ حرف تائیس و ذیل ہو مثلاً۔

ہوس

کھا عشق سے یہ کچھ اُسکو حاصل | کھا چارہ عاشقان پہ مائل

اس شعر میں حاصل اور مائل میں لام ردی مقید مع تائیس و ذیل کے ہے۔

انیس

دہ شان وہ شوکتہ تہورہ جلال
طینت میں کرم طبع میں انصاف عدالت
پھیلتے ہیں کہیں جو ہر شہر اصالت
اقبال علی شان شہنشاہ رسالت

چاروں مصرعون میں تاسے فوقانی ردی مفید مع تائیس وخیل کے ہے۔
رج مطلق مردف موصول غیر مخرج یعنی ردی تحرک کے ساتھ ردف موصول ہو مگر حرف مخرج نہ ہو۔

افغان

بتلائے عشق کو ایہ دمان شادی کمان
کا شرجا جاتے قیامت اور کے دیوان خشر
آگے اب تو گرفتاری میں آزادی کسان
وہ افغان جو ہے گریبان چاک فریادی کہا

شادی اور آزادی اور فریادی میں دال ردی مطلق ہے اور یاے تختانی اور دال کے قبل
الف ردف۔

داغ

دشمنوں کے دوستی خیر دن یاری چاہیے
خاک کے پئے بنے تو خاکساری چاہیے

اس میں بھی ادبی صورت ہے۔

مومن

اک غلو ہوش بہ بیہوشی کا پ
عالم اک اپنی فراموشی کا
شین بیہوشی اور فراموشی میں ردی مطلق مع ردف کے ہے اور یاے آخر وصل۔

بیدار

رشتہ دوستی اور دن کے جو چاہوں ٹوٹے
بھکو ہر روزی خوں ہے ای طفل مراح
پر کوئی بات ہی تجھ سے مری اُفت چھوٹے
شیشہ دل نکمیں باقم سے ترے بھوٹے

ٹوٹے اور چھوٹے اور بھوٹے میں تاسے نفیل ردی مطلق مع ردف کے ہے اور یاے تختانی وصل

مش

نرگس کی طرح شوق میں سب تن میں یز ہوں
قمری کی طرح طوق بگردن ہے دل برا
حیرت سے گل کے رنگ گویاں دیدہ ہوں
ان خوش قدوں کا بندہ بے زر خریدہ ہوں

دیدہ اور دریدہ اور خریدہ میں دال آخری ردی مطلق ہے اور یاے تختانی ردف اور یاے
آخر وصل۔

انشا

نہی جو دریا کے گرد کی رہتی فان ہوئی رعفران کی کھیتی

ریتی اور کھیتی میں تاسے فوقانی ردی مطلق ہے اور ماقبل کی یاسے تختانی مجہول ردن اور آخر کی یاسے معروف وصل۔

خوشر

نہ دکھلائے حسد اسخ غریبی کہ ہے رہنا وطن کا خوش نصیبی

غریبی اور نصیبی میں تاسے موحده ردی مطلق ہے اور اسکے ماقبل کی یاسے معروف ردن ہے اور آخر کی یاسے معروف وصل اور حرف قید بھی ردن کے شمار میں ہے۔

مومن

تکلیف کن سیاہ سبزی مفتی طہریق سے پرستی

ستی اور سے پرستی میں تاسے فوقانی ردی مطلق مع قید کے ہے اور یاسے تختانی حرف وصل۔

خوشر

برادر کی بھی ہے نیک بختی رہے پیش برادر دقت سختی

نیک بختی اور سختی میں تاسے فوقانی ردی مطلق مع قید کے ہے اور یاسے تختانی حرف وصل۔

تسلیم

ران کے پائے میں سرنگی جلوہ پرداز شوخی دشنگی

نیرنگی اور شنگی میں کاف فارسی ردی مطلق مع قید کے ہے اور یاسے تختانی وصل۔
(دو) مطلق مردن موصول مخرج سے حرف وصل کے ساتھ خروج وغیرہ بھی ہون مثلاً۔

اسودا

عاشق کی بھی کشتی ہیں کیا خوب طر حرائینا دو چار گھڑی رونا دو چار گھڑی باتینا

راتین اور باتین میں الف ردن ہے اور تاسے فوقانی ردی مطلق اور یاسے تختانی وصل اور نون خروج۔

میر حسن

کون کیا میں اس سب کی خوبیان پر ندون میں کب ہوں یہ محبوبیان

خوبیان اور محبوبیان میں فا و ردن ہے اور تاسے موحده ردی مطلق اور یاسے تختانی حرف وصل اور الف خروج اور نون مزید۔

سودا

جھینکنا جاڑے کا جو جھینکین میں | اک سخن ہے تو لاکھ جھینکین میں |
 دونوں مصرعون کے قافیوں میں یاے معروف و فاصلی ہے اور دونوں ردف تراکدو
 کاف حرف روی مطلق یاے تحتانی و دم حرف وصل اور لون خروج۔

سودا

انبل میں کسی یہ میں بدشرابیان | ٹوٹی پڑی ہیں غنچوں کی ساری گلابیان |
 شرابیوں اور گلابیان میں یاے موحده روی مطلق ہے اور آگے ماقبل کا الف ردف اور یاے
 تحتانی وصل اور الف دونوں خروج و مزید۔

ایس

ان باغیوں کے زور کو دم بھر میں توڑینگے | اہم سایہ رسول خدا کو نہ چھوڑینگے |
 توڑینگے اور چھوڑینگے میں داو ساکن ردف ہے اور رائے ہندی روی مطلق اور یاے تحتانی
 وصل اور لون خروج اور کاف فارسی مزید اور آخر کی یا نازہ۔

تسلیم

بات بگڑی ہوئی سنواروں گی | اٹری چوٹی پہ جان واردن گی |
 سنواروں گی اور واردن گی میں الف حرف ردف ہے اور رائے ہمدردی مطلق اور رداد حرف
 وصل اور لون خروج اور کاف مزید اور یاے تحتانی نازہ۔
 (۵) مطلق موسس موصول غیر مخرج۔

تسلیم

کہا یوسف نے یہ بے حاصلی ہے | تری یہ آمد و سب جاہلی ہے |
 حاصلی اور جاہلی میں الف تائیس ہے اور سادہ و دخیل اور لام روی مطلق اور یاے تحتانی وصل
 (۶) مطلق موسس موصول مخرج یعنی حین و کے ساتھ مخرج و نیزہ و و سے حرفت بھی ہے۔

تسلیم

انا خن غسیم کی کا دشین ہوئی | انک ترکی ترادشین ہون گی |
 کا دشین اور ترادشین میں الف تائیس ہے اور دخیل و دشین روی مطلق اور یاے تحتانی
 وصل اور لون خروج۔

تنبیہ قافیہ کے باعتبار حرفوں کے یہ نام ہے۔

اگر قافیہ میں ردی کے ساتھ کوئی اور حرف جمع نہ ہو ردی تنہا ہو تو اسے قافیہ مجرہ کہتے ہیں اور اگر ردی کے ساتھ کوئی اور حرف بھی قافیہ کا شامل ہو تو دیکھنا چاہیے کہ یہ حرف ان حروف میں سے ہے جو ردی کے قبل آتے ہیں یا ان حروف میں سے ہے جو اس کے بعد آتے ہیں پس اگر ان حروف میں سے ہے جو ردی سے پہلے واقع ہوتے ہیں تو ایسے قافیہ کو قافیہ مردفہ اور قافیہ موسسہ کہتے ہیں اور اگر ان حروف میں سے ہے جو ردی کے بعد آتے ہیں تو ایسے قافیہ کو قافیہ موصولہ کہتے ہیں جو قافیہ حرف قید کے ساتھ ہوا کو بھی قافیہ مردفہ کہتے ہیں کیونکہ قید بھی حرف کے قبل سے ہے اور جو قافیہ وخیل کے ساتھ ہوا کو بھی موسسہ کہتے ہیں اسی طرح جو قافیہ خروج احد مزید اور مائرہ کے ساتھ ہو اسکا نام بھی موصولہ ہے اور جس قافیہ میں ردی ساکن ہوا اسے قافیہ مقیدہ کہتے ہیں اور اگر ردی متحرک ہو تو قافیہ مطلقہ کہتے ہیں خواجہ نصیر الدین طوسی رسالہ معیار الاشعار میں لکھتے ہیں کہ جو کچھ وصل کے بعد ہو وہ ردیف ہے خواہ مستقل ہو خواہ غیر مستقل اور مہر کا مذہب یہ ہے کہ جو کچھ ردی کے بعد آئے اگر مستقل ہو ردیف نہیں ہے۔

استعمال قافیہ کی صورتیں

قافیہ جو ان حرفوں کی ہیئت مجموعی سے مراد ہے جن کا ذکر ادب پر ہوا تین حال سے خالی نہیں۔
(۱) یا الفاظ اور معنی دونوں میں مختلف ہوگا جیسے درد اور زرد وغیرہ۔

میر

دل عشق کا ہمیشہ حریف نہ رہتا	اب جس جگہ کہ داغ بیان پہلے درد تھا
عاشق بن جنتو میر کے بھی ضبط عشق کے	دل جل گیا تھا اور نفس اب پہ سرد تھا

دستلی

یہ اہل کبرٹے یلو کار تک نہ رہا	مکان کیسے کسی کا فرات تک نہ رہا
ہوا سے تندے کیسا غضب کیا پس رنگ	کہ جس گلی میں ہمارا فبار تک نہ رہا

داغ

اب بھی گر پڑے ضعف سے نالے	ساتواں آسمان لیتے ہیں
مستعد ہو کے یہ کو تو سہی پڑ	آئے استخوان لیتے ہیں

(دس) یا فقط معنی میں مختلف ہو اور الفاظ میں متفق اور یہ جنس ل میں شمار کیا جاتا ہے۔

عظیم

ایک دو غزل کے کہنے سے بن بیٹھے شاعر
ناصر علی نظیری کی طاقت ہوئی ہر طاقت

دیوان شاعر و نثر کے نظر سے رہے ہر طاقت
ہر چند ابھی نہ آئی ہر ذہنیہ طاقت

وجہ

تسکین درد دل کو نا آج ہو نہ کل ہو
بے یار بیکلی ہے وہ ہی ملے توکل ہو

جرات

حسرت میں مر گئے ہم ہر دم تلکٹ ہو چکے
دم ہم تلکٹ ہو چکا ہم دم تلکٹ ہو چکے

غالب

بھیجی ہے جو بھگوا شاہ حجاز نے دال
یہ شاہ پسند دال بے بخت و جدال

ہر لطف و عنایات شہنشاہ پر دال
ہر دولت و دین دانش و داد کی دال

بیدار لے ایک غزل لکھی ہے اور اس میں لفظ قافیہ مع الجینس کا التزام کیا ہے یہ اس کے شعر ہیں۔

کون ہے بانا رخسار میں ترے ہم سنگ
مین جو دیوانہ ہوا سرخیل ارباب بھون

حسن کی میزان میں تیرے ہر دم پانکٹ
ہاتھ میں تیرے ہر طفل سے سنگ ہے

حسرت کی غزل میں قافیہ لفظ دم کی کر کے میں تیار ہے۔

کٹ نہیں چلتی شب غم اور کوئی کہہ نہیں
جو کچھ داری چھلنے میں تری ابرو سے

یا شب ہر سخت دل با صبح مجھ میں دم نہیں
بیچ کہوں قاصد کسی شیریں یہ دم نہیں

دم مجھے دیتا ہے تو یعنی ترا ہوں آشنا
غیر سے پھر لوں تکیوں کی اگر دم نہیں

فلق

کچھ تیرے ملتا نہیں عشق زدن کی چہاہ کا
پانی نایا آشنا یوں نے بہت اس چاہ کا

راقم الحروف نے بھی ایک غزل اسی صنعت میں لکھی ہے چنانچہ اسکا مطلع یہ ہے۔

کس مصور کے بھرا پیکر میں تیرے رنگ سے
آخر میں ہی اسکو اد صنعت کو اسکا رنگ

جب سے تیرے حسن کی روشن ہوئی ہر ماہ تاب
رخ سے خوبان و د عالم کے پریدہ رنگ ہے

برق

سینہ داغون سے رشک باغ ہوا جسے دیکھا وہ باغ باغ ہوا

(۳) قافیہ لفظوں میں متغائر ہوا اور متن میں متفق ہو جیسے سرد اور برد بننے سرد اور قرآن فرقان اور نزل غ اور کلاغ اور عجائب و غرائب۔

پیش

جلانا ٹھامرے کو بیٹے نمط ۶ تھا اعجاز اس کا سیما نمط

مذاق

واعظ بتوں کے آگے نہ قرآن نکالیے صورت سے انکی منی فرقان نکالیے

میسر

بگر کیا ہی برزن ہو اس بن میں نراغ یہ زہرہ نہیں رکھتے کوئی کلاغ

اشرف بیگ خان اشرف

اسی اُمید یہ کیا کیا ہے پر دتا گوہر اسی اُمید یہ اپنا ہے دکھاتا جوہر

یہ بھی معلوم ہو کہ جہان ردیف نہیں ہونی وہاں قافیہ آخر میں ہوتا ہے کیونکہ اس کے ملوی ہنسی کیجئے آئے والے کے میں مثال اسکی۔

انشا

صبح دم میں نے جلی بستر گل پر کروٹ جنبش باد بہاری سے گئی آنکھ اُچٹ

اس میں قافیہ آخر میں ہے۔

درد

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں میں ستم دیدہ
گردل ہو تو آزرده خاطر ہو تو زنجیر

حسرت

ہوش جسکا ہوز کی عقل رسا بلع فہم
منفعل سہو برائے ہو بہت طبع سلیم
واحق گرج ہے شیر می و سنے سخن
نہجے بن بوسے نہ ہرگز نہ گئے کو نطق کلیم
فن و شاعر کا آنا نہیں ہے بے تعلیم

علم کتنے ہیں کہ اس فن کے تئیں لازم ہیں
لغز کشمین لاکھ جگہ پاوے زبان شاعر کی
فن مہمل نہیں یہ اس میں جو کچھ دہی
ور نہ بے علم کا احوال ہے مانند سقیم
جسب تلک صکت الفاظ سے ہووے دہ علم
رکھتے تھے پاس بلاغت جو شاعر تھے قلم

اور اگر بعد قافیہ کے ردیف بھی ہو تو قافیہ علم اخیر میں ہوتا ہے مثال اسکی۔

انصر اللہ خان سلطان

اس لب سے کیا نعل کا جب رنگ برابر
دیکھا تو نہیں اُس کے یہ پاسنگ برابر

اس میں قافیہ حکم آخر میں لکھا جاتا ہے اور ردیف آخر میں ہے۔

غالب

دھوتا ہوں جب میں مینے کو لیس ہم سن پاؤں
رکتا ہر قصہ کھینچ کے ہا ہر لگن کے پالوں

انفوض قافیا الفاظ مختلفہ کے اندر مکرر واقع ہوتا ہے اور مستقل نہیں ہوتا یعنی بغیر ملائے دوسرے لفظ کے نہیں آتا کیونکہ مستقل ہونا ردیف کے واسطے لازم ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا مثلاً۔

ابن

خورشید نے جو رخ سے اٹھا لی کلقاب شب
در کھل گیا سحر کا ہوا بند باب شب

اس شعر میں نقاب و درباب کے اندر باب کے موصدہ اور الف قافیہ ہے اور یہ دونوں علیحدہ نہیں آسکتے دونوں نقاب اور باب کے شمع میں آئے ہیں۔

آتش

امانت کی طرح رکھا زمین کے روز بخشتہ تک
نہ اک موکر ہوا اپنا نراک تا کفن بگڑ
لگے ننھ بھی چرا لے دیتے دیتے گالیاں جھا
زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجئے دہن بگڑا

ان اشعار میں کفن اور دہن کے لون قافیہ ہیں اور وہ بغیر ملائے دوسرے حروف کے نہیں آسکتے۔

ذوق

رخصا بہر قدم ہے وہ یہ ہوش نش یا
ہو خاک شفقان نہ ہم آغوش نقش یا

اس شعر میں ہوش اور آغوش کے اندر داد اور شمع قافیہ ہے اور وہ غیر مستقل میں یعنی دوسرے حروف کے ساتھ آئے ہیں۔

مولوی سید اکبر حسین اکبر

اور نچانیت کا اپنی زینہ رکھنا
 غصہ آنا تو نچسرل ہے اکبر
 احباب سے صاف اپنا سینہ رکھنا
 لیکن ہے شدید عیب کینہ رکھنا

اس رباعی میں زینہ اور سینہ اور کینہ کا حرف آخر قافیہ ہے اور وہ غیر مستقل ہے یعنی نہ مستقل نہیں ہو سکتا۔

وزیر

جست چھوڑے کیسو عنبر کا سانپ
 ہوا ہے ہاتھ مرا میری آستین کا سانپ

عنبرین اور آستین میں یاے تختانی اور لون قافیہ ہے اور وہ غیر مستقل ہیں کہ بغیر ملے اور الفاظ سے تنہا کام نہیں دے سکتے۔

آغا علی خان مہر

ترے منہ کی کنہ یاے نہیں ایسا نہ کسی کا
 ترے منہ کے آگے بالکل نہیں قد رسوں گل
 ترے پاؤں کی صفت ہو کے طاقت بیان ہے
 وہ زبان بکدہن ہو یہ دہان بک زبان ہے

ان اشعار میں الف اور لون قافیہ ہے اور وہ غیر مستقل ہے۔

المولفہ

ورد الفت کا ان آنکھوں میں اثر تھا کہ نہ تھا
 تو ہی کدے کہ کف پاے بت غیرت مہر
 جبہ سا جبکہ نہ تھے ہتویہ تم ہی کس د
 چیر سینے کو مرے ہو کے خفایوں بولا
 قطرہ اشک ہمارا بھی گھر تھا کہ نہ تھا
 حسن خوبی میں فزون تجھے فخر تھا کہ نہ تھا
 سجدہ گاہ دد جہان آپ کا رہ تھا کہ نہ تھا
 اس سہ نعت کے پہلو میں جگر تھا کہ نہ تھا

ان اشعار میں راے ہملہ قافیہ ہے اور وہ غیر مستقل ہے کہ بغیر ملے اور الفاظ سے تنہا کام نہیں دے سکتا۔

کسین اودھ سر یہ شیر جاتا تھا
 کچیر تانہ پے پیچھے آتا تھا

جانا اور آنا میں میں میں حرف تھیلے قافیہ میں لپی دو دو الف ساکن اور ایک ایک تارے فوقانی مفتوح قافیہ میں شمار پاتے ہیں مگر غیر مستقل ہیں۔

گھرتے آئے داغ سیاہی ولہ
 کام جگر کا کرنی تباہی

سیاہی اور تباہی میں الف ساکن اور ہائے ہوز اور یاء تختانی قافیہ ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ تینا
مستعمل نہیں ہو سکتے۔

ولہ

شب و روز نہ یاد کرتا اُسے کئی بار اک دم میں مرنا اُسے
کرتا اور مرنے میں راسے پہلا اور نون والے قافیہ ہے اور وہ بغیر کے دوسرے حروف کے استعمال
میں نہیں آ سکتے۔

امیر مینائی

ہماری بخودی تمید و تیرے غمیش کی مٹا کر نقش ہم اپنا ترا نقشہ جمائے میں
امیر اندر وہ ہو کر غنچہ دل سوکھ جاتا ہے وہ میلے ہو کو قیصر مرغ کے جب ڈانے میں
جمائے اور آتے میں الف اور تاءے فوقانی اور یاء تختانی قافیہ ہیں اور ظاہر ہے کہ بغیر کے دوسرے
حروف کے قابل استعمال نہیں۔

ولہ

ہم ڈاؤ آئینہ ہو گویا دیکھنے دے گے کہ خود ہی دیکھو گے حسن اپنی خود نمائی کا
بہار آئی ہے پھر خیر ہو حشر دادنا جنوں کے ہاتھوں میں امن پر پار سائی کا
خود نمائی اور پار سائی میں الف ساکن مع یاء مصدری اور ہمزہ کے قافیہ ہے اور اس
میں یہ صلاحیت نہیں کہ بے ضم ضمیر کے آسکے یاء مصدری پر ہمزہ کے ہونے کی یہ وجہ سے کہ جب
یاء مصدری یا یاء نسبت ایسے کلمے کے آخر میں آتی ہیں جس کے مابعد کا حرف الف مدہ ہوتا ہے
تو ان کے الحاق کے وقت ایک ہمزہ ان سے پہلے بڑھا دیتے ہیں۔
قافیہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تمام کلمہ تمام کلمے کے مقابل آتا ہے جیسے عاقل اور کامل۔

امانت

مثل ہاروت اسیر چہ بابل ہو دے دل گزر رہے جبینوں پہ نہ مائل ہو دے
مومن

دیکھی جو ادرہ سے یوں نکا وٹ بھیانک سب یہ ہے بنا وٹ
انہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جزو کلمہ ایک کلمہ مستقل کے مقابل آتا ہے جیسے قل عاقل کا دل کے
مقابل میں۔

محمد علی خان عرف آغا حیدر

مین تو فائل ہوں عشق کامل کا	مرتبہ اور ہو گیا دل کا
-----------------------------	------------------------

سودا

اوسے جو کھینچ سائے تلوار	جب تک پہنچے اُسکا اُٹھس تک دار
--------------------------	--------------------------------

نثر و غنوی میں دو قافیوں کے سوا گنجائش نہیں ہے کہ غنوی میں بہت بیت جداگانہ ہوتی ہیں اور غزلیں دو فقرہوں سے زیادہ قلت کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں مگر اسکو نظم میں قافیہ اور غزلیں سجع کہتے ہیں اور باعتبار اس لفظ کے نظم کو مقفے اور نثر کو مسجع کہا جاتا ہے اور قرآن شریف کی آیتوں میں قاصدہ لواتے ہیں اخفش کے نزدیک بیت کے آخر کا نام کلمہ قافیہ میں داخل ہے۔ شرح خزرجیہ میں ملا غلام نقشبند نے لکھا ہے کہ قافیہ دو طور پر ہوتا ہے (۱) اصلی اور وہ یہ ہے کہ لفظ مفرد ہو جس کے اجزاء دو سکین جیسے۔

ذوق

تازبان رود بہرین ہو فلسفی کا یہ کلام ہے ہے بے افلاک ثابت لغی خرق والقیام کلام اور التیام کے اجزائے با معنی نہیں ہو سکتے۔ (۲) ممولہ اور وہ یہ ہے کہ مرکب ہو جیسے۔

المانت

باتوں آخر کو مرا در تری پیشانی ہے	جو میں کستا ہوں وہ اک نیک شیشانی ہے
-----------------------------------	-------------------------------------

دوسرا شہ حروف قافیہ کی حرکتوں کے بیان میں

قافیہ کی حرکتیں چھ قسم ہیں۔ توجیہ۔ مجرے۔ رس۔ اشباع۔ ضد۔ نقاد۔

بیان توجیہ

توجیہ لفظ تاء فوقانی و سکون و او و کسرتیم تازی و سکون یا سے تثنائی معروف وہا سے ہوزیدی کے ماقبل کی حرکت کو کہتے ہیں بشرطیکہ ردی ساکن ہو جیسے دہن اور ذقن میں حرکت ہا سے ہوز و رقان کی مثال

صداوق عظیم آبادی کہا

دو ہر ہر سے یار کے چاہ ذقن میں اب	ایسے لوزغر کے بھی مہلے دہن میں اب
-----------------------------------	-----------------------------------

اصف الدولہ

تری تیغ جب ہم علم دیکھتے ہیں
جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں
دہین سر کو اپنے قلم دیکھتے ہیں
کسی کا جو نقش قدم دیکھتے ہیں

ان اشعار میں ہم حرف روی ہے اور اُس کے ماقبل کے حروف کی حرکتوں کا نام توجیہ اور وہ توجہ تو

میر اکبر علی خاں

تکاتے کی ہر جانرگان جو تخت جگر نکلا
تجربہ نخل و جس میں کہ شکل گل نر نکلا

نمراور جگر میں اسے مہملہ روی ہے اور اُس کے ماقبل کے حرف کی حرکت کا نام توجیہ اور وہ توجہ تو

دلاغ

عصہ حشر میں اند کرے گم مجھ کو
غیرت ماہ کے خسرو انجسم مجھ کو
اور پھر دھونڈتے کھراے ہوئے مجھ کو
نام کو دلاغ ہوں کیا جاتے ہوئے مجھ کو

ان اشعار میں ہم حرف روی ہے اور اُس کے ماقبل کی حرکت ضمہ کا نام توجیہ ہے۔

بیان مجرے

مجرے بفتح میم سکون جیم تازی دفتح راے مہملہ اور آخر میں الف مقصورہ جو یا سے تختانی کی شکل پر
لکھا جاتا ہے لغوی معنی اُس کے جاری ہونے اور روان ہونے کے ہیں اصطلاح میں مدی متحرک کی
حرکت کو کہتے ہیں جیسے۔

دلاغ

کہان تک لکھوں اسکا حال بربادی
کسی کو قید محن سے نہیں ہے آزادی
کہان تک آکھوں آسمان کی جلادی
کہ دلاغ دلاغ ہر دل ہر کوئی ہی فریادی

دال مہملہ حرف روی ہے اور یا سے تختانی حرف وصل پس دال کی حرکت کسرہ کا نام

مجرے ہے۔

غیور

تسین بھی نکی شیریں نے کچھ تیشہ زلی پر
تجربہ دین فریاد تری کوہ کنی پر

نون حرف روی ہے اُس کی حرکت کسرہ کا نام مجرے ہے۔

بقا

مے کشی غیر کی مغل میں جو کرنی ہو تو یار
مخسب سے نمودر ذہ گری ماہ صیام
باخبر رہو کہ ہر پنجبہری شیشے میں
شام کو سے سے زکھ لین سحری شیشے میں

دونوں شعرون میں اسے مہملہ کی حرکت کسوا کا نام مجرے ہے۔

سودا

تجھ کو بخشی ہے خلق کی خوبی
سن کے باہم تری و ناداوی
حق کے ایسی کہ بہ ز مجوبی
نبھے ہر عمر و خضرین یاری

پہلے شعور میں باے موحده کی حرکت اور دوسرے شعور میں اسے مہملہ کی حرکت کا نام مجرے ہے۔

میرسن

شنو جانی اپنے پہ جو کوئی مرے
نودل پہلے اپنا بھی صدے کرے

مرے اور کرے میں اسے مہملہ حرف روی ہے اور باے خمائی وصل جبکے متصل ہونے سے
رے کسور ہو گئی ہے اسی کسرے کو مجرے کہتے ہیں۔

حالی

طلم درع ہر مقدس کا توڑا
نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

توڑا اور چھوڑا میں اسے ثقیل حرف روی ہے حرف وصل کے ملنے سے مفتوح ہو گئی ہے اسی
حرکت فتح کا نام مجرے ہے۔

ماہ پہ بیٹھا وہ سرگشتہ
آگے تھا کب بجسراں دیدہ
میر دیکھے راہ عمر گزشتہ
آہ وہ تازہ ظہار سیدہ

پہلے شعور میں تاسے فوقانی کی اور دوسرے شعور میں دال مہملہ کی حرکت کا نام مجرے ہے۔

بیان رس

رس بفتح اسے مہملہ سکون سین مہملہ الف تائیس کے ماقبل کی حرکت کا نام ہے جیسے برابر
اور سراسر میں حرکت پہلے اسے مہملہ کی۔

ناسخ

ماہ نو سے جو وہ خورشید مقابل ہو
یہ یقین ہے کہ نظر آئے ہی کامل ہو

مقابل اور کامل میں قاف اور کاف کی حرکت کا نام رس ہے اس حرکت کا اختلاف ممکن ہی نہیں

ہمیشہ فتح ہوتا ہے اور حرف میں موافقت کی قید نہیں۔

بیان اشباع

اشباع بکسر الف و سکون شین معجمہ و فتح باء موحده و سکون الف و عین مہملہ موقوف لغت میں پیٹ بھرنے کے معنی میں ہے اور اصطلاح قافیہ میں حرف ذیل کی حرکت کا نام ہے جیسے حرکت داو اور دال مہملہ کی تکرار اور چادر میں اور حرکت باء موحده اور میم کی مقابل در کامل میں

سودا

کہ اس حسن محکم ہر طوالت

مبسا دا ہو کسی دل کو طالت

طوالت اور طالت کی لام کے فتح کا نام اشباع ہے۔

بیان خذو

خذو بفتح حطی و سکون ذال معجمہ و دو موقوف لغت میں اس کے معنی دو چیز کا باہم برکینا ہیں اور اصطلاح میں ردف اور قید کے ماقبل کی حرکت کا نام ہے پس یہ حرکت ردف بین الف کے قبل زبر اور داؤ کے قبل پیش اور یا سے تختانی کے قبل زیر ہوتا ہے۔ الف کی مثال۔

قدرت اللہ قاسم

میں مد نظر اپنے مجھ کام نہیں رکھتا

آغاز محبت یا ان انجام نہیں رکھتا

کام اور انجام میں میم کے ماقبل کا الف ردف ہو اور الف کے ماقبل فتح ہے۔

ارمان پسہ جعفر علی حسرت

آسرا بالین سے آنا قیامت شاق

یہ دل بیمار جسکا نزع میں شاق ہے

شاق اور شاق میں الف ردف ہے اور شین و تا کے فحون کا نام خذو ہے۔
داو مجھول کی مثال۔

سراج

کیا شراب محبت نے دل کے خم میں خوش

عجب نہیں جو قیامت نکات بول ہو خوش

خاور ردف ہو اور آ کے ماقبل کے ضمون کا نام خذو ہے۔

واؤ معروف کی مثال۔

میسر

ہنگامہ گرم کن جو دل نا صبور تھا

پیدا ہر ایک نالے سے شور شور تھا

نا صبور اور شور میں واؤ ردیف ہے اور اُس کے قبل ضمہ ہے جسکو خذو کہتے ہیں۔
یا سے مجھول کی مثال۔

دبیر

دوزخ کھلی تھی بند تھے سب کوچے گریز

گرتی تھی کوند کر جو وہ برق شرارہ ریز

رہ رہ کے گرم ہوتا تھا ہنگامہ سنیز

چلنے میں تیغ تیز فرس تیز ہاتھ تیسر

ریز اور گریز وغیرہ میں یا سے مجھول ردیف ہے اور اُس کے ماقبل جو کسرہ ہے وہ خذو کہلاتا ہے۔
یا سے معروف کی مثال۔

مزاعلیٰ نقی محشر

جلدی ہو بیچ کہ تیرے ہی آنکلی دھیل ہے

جان منتظر آنکھوں میں دقت جیل ہے

روحیل اور دھیل میں یا سے معروف ردیف ہے اور اُس کے ماقبل کا کسرہ خذو ہے۔ یہ تمام مثالیں
اُس خذو کی ہیں جو ردیف کے ساتھ ہو۔ اب اُس خذو کی چندا مشلہ پر غور کرو جو قید کے ساتھ ہوتا ہے۔

حالی

تھا ترنی پہ ابھی نشہ صبا ہے است

روح بھی بادہ دوشینہ سے اپنی بدست

تا سے فوقانی ردیف ہے اور سین ساکن تہدیم اور لام کی حرکت کا نام خذو ہے۔

ولہ

ایک نو کر بنے اور ایک خذو اند بنے

نا تو ان ٹھہرے کوئی کوئی تو مند بنے

تو مند اور خذو اند میں میم اور واؤ کی حرکت کا نام خذو ہے۔

خوشتر

کسی کا خوش نہیں آنا اسے عیش پا

برائے جنگ پھر تا ہے لیے جیش

جیش و جیش میں بیناد و جیم کی حرکت کا نام خذو ہے۔

گلزار نسیم

بولادہ کہ دیکھ کر گیا جھل | کار بھی کہیں نکلے ہیں عمل

جھل اور عمل میں جیم اور لام کی حرکت کا نام خدو ہے۔

مومن

مجھ پہ بھی جھگور جم نہیں یہ کزخت دل | کم ہوئے گا جہان میں تجھ سا بھی سخت دل

کزخت اور سخت میں راے مہملہ اور سین کی حرکت کا نام خدو ہے۔

سودا

اٹھایا رخت غم دان سے بصد جبر | کیا صرف گریبان رشتہ صبر

جبر اور صبر میں جیم اور صاد کی حرکت کا نام خدو ہے۔

محمد حسین آزاد

رنگ سنولائے ہوئے چہرے تھے گرد آلود | دل تھے کلفت زدہ اور سینے تھے درد آلود

درد اور گرد میں گاف اور دال کی حرکت کا نام خدو ہے۔

پاے نے کعبہ نے کنشت پرست | مومن بن گئے یک سنگ و خشت پرست

کنشت اور خشت میں لون اور فاک کی حرکت کا نام خدو ہے۔

جب ہوئی خاطر پریشان جمع | ولم پھر تو ہر شب بسان شعلہ شمع

جمع اور شمع میں جیم اور شین کی حرکت کا نام خدو ہے۔

مثنوی سعدین

ایسی اس مادے میں صاحب فکر | ہر زبان ہر مکان میں اک کا ذکر

فکر اور ذکر میں فے اور ذال کی حرکت کا نام خدو ہے۔

دل

بیمیں جباب بقا بھی تو زہر ہو جائے | جو چاہیں رحمت باری تو قہر ہو جائے

زہر اور قہر میں راے بھراہ اور فاف کی حرکت کا نام خدو ہے۔

شایان

نمایان ہو سے اس قدر عسل زرم | کہ نحسین کہنے تھے سب اہل بزم

نذر اور بزم میں رائے مہملہ اور بائے موحده کی حرکت کا نام مذوہ ہے۔

بیان لفاظ

نفاذ بفتح نون وفتح فا و سکون الف و ذال ہجر موقوف نام ہے حرف وصل و خروج و مزید کی حرکتوں کا اور چونکہ زبان اردو میں نائے کے بعد بھی ایک دو حرف آتے ہیں اور نائے متحرک ہو جاتا ہے اس لیے نائے کی حرکت بھی نفاذ کے قبیل سے ہوگی یہاں چاروں کی مثالیں ترتیب وار بیان کی جاتی ہیں۔
(۱) وصل کی مثال جیسے حرکت داد کی آدے اور جاوے میں۔

مرزا ابراہیم بیگ شرر

جھوٹی ہر محبت تم بیان کسکو جتاتے ہو | تقریر میں گنت ہے کیوں باتیں بناتے ہو |
جتاتے اور بناتے میں تائے فوقانی مفتوح ہے اور یہ حرف وصل ہے اس کسرے کو نفاذ کہتے ہیں۔

حالی

دیس کو بن میں جی بھٹکتا رہا | دل میں کاتسا اک کھٹکتا رہا |
بھٹکتا اور کھٹکتا میں تائے فوقانی مفتوح ہے اور یہ حرف وصل ہے اس فتح کا نام نفاذ ہے۔

داغ

حسرتیں لگیں اس بزم سے چلنے والے | ہاتھ ملتے ہی اٹھے عطر کے ملنے والے |
چلنے اور ملنے میں لون حرف وصل ہے اور اس پر جو کسوہ ہے اسی کا نام نفاذ ہے۔

مومن

داوڑ سے تو ہونٹ کاٹتے ہو | لام آیا ہے تولب کو چاٹتے ہو |
کاٹنے اور چاٹنے میں تائے فوقانی حرف وصل ہے اور اس کی حرکت نفاذ کہلاتی ہے۔
(۲) خروج کی مثال جیسے حرکت یاے تختانی کی جالیا اور آلیا میں۔

مصحفی

تنغ لے اس کی کلیجہ کھالیا | پائے آئے ہی مجھے سنگو الیا |
کھالیا اور سنگو الیا میں یاے تختانی خروج ہے اس کی حرکت کو نفاذ کہتے ہیں۔

اکسین جھکو سائے میں عٹھرایے | جو دم ٹھہرے لو آگے بجا سیے |

ٹھہرایے اور لیجائیے میں الف ردی ہو اور ہمزہ مکسور وصل اور اُس کے بعد کی یاے تختانی مکسور خروج
جس کے کسرے کا نام نفاذ ہو اور دوسری یاے تختانی مزید ہے۔

سیر حسن

یلا نو جوانو بڑھے جاسو | دو جانب سے باگین لیے آيو
جائیو اور آئیو میں الف ردی ہو اور ہمزہ مکسور وصل اور یاے تختانی مضموم خروج اور دو مزید
پس یاے مضموم کے منے کا نام نفاذ ہو

بولی اس رستے سے اُسکولائیو الحسن | آگے آگے اسکے پر تو آيو

۱۳) مزید کی مثال جیسے حرکت کان فارسی کی جاد بگا اور او بگا میں۔

یہ کیا خبر تھی کہ پیغام اپنی بیعت کا مذاق | یزید ابن سبیر کو یون سنائے گا
اُجاڑ ہوگی مدینے کی بستی آبادی | حسین جھاؤنی کرب بلا میں جھلے گا

۱۴) نائرے کی مثال جیسے حرکت کان فارسی کی جلاؤ بگا اور گلاؤ بگا میں۔

کیا ترے بعد کر کے کھاؤں گے | سودا جبکہ کسب اپنا بھول جاؤں گے

کھاؤنگے اور جاؤنگے میں اد حرف وصل ہو اور یاے تختانی اول خروج اور نون مزید اور کان
فارسی نائرہ اور یاے دوم نائرہ کی فرع پس کان فارسی کے کسرے کا نام نفاذ ہو۔

مولوی صہبائی لکھتے ہیں کہ از بسکہ حرف خروج کا اشعار اردو کے قافیے میں خود ہی نہیں واقع
ہوتا اسی لیے یہ حرکت بھی نہیں واقع ہو سکتی یہ قول سراسر تحقیق کے خلاف ہے اور اُسکی تفصیل
اور پر ہو چکی ہے۔

تیسرا شعر عیوب قافیہ کے بیان میں

قافیے کے عیب مجملاتین قسم کے ہیں ایک قسم ایسی ہے کہ اُسکا استعمال عند الضرورت بھی جائز نہیں
ہے اور دوسری قسم ایسی ہے کہ عند الضرورت جائز ہے مگر قبیح ہے اور تیسری قسم ایسی ہے کہ بے ضرورت
بھی روا ہے مگر قبیح ہے اور عیوب مذکورہ میں بعض کے القاب مخصوص ہیں اور بعض کے القاب نہیں
ہیں۔ یہ نوہن۔ اتوار۔ اکفا۔ اجارہ تحریف ردی۔ سسناد۔ ایطا۔ مہول۔ غسلو
تسہین۔ لغیر۔

بیان اقواء

اقواء بکسر دل سکون قاف لغت میں بے توشہ ہونے کو کہتے ہیں اور اصطلاح قافیہ میں توجیہ کے اختلاف کا نام ہے یعنی روی کے ماقبل کی حرکت کا مختلف ہونا چونکہ یہ عیب اس لیے ہوتا ہے کہ شاعر کا توشہ جو قافیہ صحیح ہے تمام ہو جانا ہے اس لیے اقواء کہتے ہیں جیسے گل بالضم کا قافیہ جل بالفتح سے کرنا اس طرح قافیہ لانا اور وہ ہے جیسے مرزا غالب کے ان اشعار میں۔

یاد ہر شادی میں بھی ہنگامہ یارب مجھے	بچہ زاہد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے
دل لگا کر آپ بھی غالب مجھے ہے ہو گئے	عشق سے آتے تھے مانع میرزا صاحب مجھے

لفظ صاحب کی حائے عطی باعتبار قواعد صرف کے مکسور ہے اور لب دیارب میں لام اور رے مفتوح اگر کوئی کہے کہ محاورے میں صاحب کی حائے عطی بھی مفتوح ہے تو اہم جواب دینگے کہ شعرا سے متقدمین و متاخرین نے بکسر حائے عطی لکھا ہے۔

سودا

میں جو پوچھا سبب کما مت پوچھ	بات کہنی یہ نامناسب ہے
لیکن اس واسطے میں کہتا ہوں	درد سننے کا تو جو طالب ہے
ہے جو کچھ نظم و شعر عالم میں	زیادہ برادیر صاحب ہے
ہر ورق پر ہے میر کی اصلاح	لوگ کہتے ہیں سو کا تب ہے

انشا

ہین فارسی میں کلاک صاحب	وہ خاص حضور کے مصاحب
-------------------------	----------------------

قلق

کیسے تو آپ کون صاحب ہیں	کوئی شے کے مجھے طالب ہیں
-------------------------	--------------------------

انیس

دولوں تھے اسی بھائی کے آرام کے طالب	جانے دی جس شخص سے گذرین یہ مصائب
دوسو اس کا یہ کونسا ہنگام ہے صاحب	بیجان ہو ہے علی اکبر کے مصاحب

راقم نے شہر امیر میں مسئلہ ہجری میں نواب مرزا خان صاحب داغ سے اس باب میں استفسار کیا تو جواب دیا کہ غالب نے مقولہ غیر بیان کیا ہے اور مثال میں یہ شعر نواب یوسف علی خان تانم کا

پڑھا۔ ۵

قلمی غیر کی گفتار کی دیکھی ناظم
 میں جو آتا ہوں تو ہوتا ہی نواب کے ہیں
 اور حق یہ ہے کہ اب روزمرہ اردو میں صاحب اعلام کے ساتھ بفتح حاء طی پشیر مستعمل ہے بلکہ
 اس سے کیا مقصد کسی کی زبان میں کچھ ہو جو غلط ہم لوگوں کی زبان پر جاری ہونے دی صحیح سمجھے
 جائینگے جیسے آتش کے اس شعر میں۔ ۵

دختر رزمی موسیٰ میری بہیم ہے
 میں جہانگیر زون وہ نور جہان بیگم ہے
 لفظ بیگم کا ت فارسی کے فتح سے وقع ہوا ہے۔ در اردو میں ہی مروج ہے اگرچہ یہ لفظ ترکی ہے
 اور اہل زبان کا ت پر کسرہ بولتے ہیں در میر آدمی کی بی بی کو اور ہر عمدہ عورت کو بیگم کہتے ہیں اور
 یہ لفظ کا ت کے فتح سے امیر من کے معنی میں آتا ہے جیسا کہ غیاث اللغات میں لکھا ہے ہاں جس وقت
 لفظ صاحب عربی عبارت میں لکھیں یا تلفظ کو میں اس وقت انکی زبان کی پابندی لازم ہے
 قافیہ میں البتہ صحت لفظی ضرور ہے۔

خواجہ الطاف حسین حالی

غائب ہے نہ شیفہ نہ تیر باقی
 غشت ہو نہ سالک ہو نہ الوری باقی
 حالی اب اسی کو زرم یاران بکھو
 یار دن کے جو کچھ ہن دلغ دلیری باقی
 نیز بفتح نون و تشدید یاء تختانی مکسور مبالغے کا صیغہ ہے بسیار نور کنندہ کے معنی میں اس کو
 انور کے ساتھ قافیہ کرنا صحیح نہیں۔

نثار شاگرد شاہ حاتم

یہ سودا تو دیکھو کہ دل بچتا ہوں
 لے شیشے کو زیر بغل بیچتا ہوں

گلزارِ نسیم

بولا کہ وہ رات کو اُفق میں
 غور شدیدا تھا آتش شفق میں
 افق بزمینیں ہر اور شفق بفتح نہیں۔

گویا

تھے جو نادان اس میں اگر گر گئے
 تھے جو نادان وہ کنارہ کر گئے

شہیدی

پھٹنے کے مثل تقویم کمن یوان ہزاروں کے
 ہوا عالم میں شہرہ میرے اشعار مجد کا
 زمین کے شاعر و نگو کب مجال گنگو مجھ سے
 ترے صدقے سے میں محو و رہتا ہوں عطا کا
 عطار و لغت کی رو سے عین کے غمے اور راسے مہلہ کے کسرے سے ہے اور مجد دین پہلی مال مہلہ
 شد و مفتوح ہے۔

ثنوی زائر

در پیش ہے مجھ کو ایک حاجت
 دینار و درم کی ہے ضرورت
 کہد یا مستقی سے جا فصد کر
 لکھد یا مجنون کو شیر شتر پ
 کر دے لب میرے کو اس ماغ سے پُر
 آگے پھر قدرت خدا کی سیر کر
 کہوں کیونکہ یکبار وہ بل گیا
 کف خاک ہو خاک میں مل گیا
 پھرے ہم چار سوائے نیک باطن
 نپائی انتہائے فوج دشمن پ
 خوشتر

فکار صاحب ثنوی یوسف زلیخا

تجھے گودی میں اپنی پرورش کی
 ہمیشہ جان اپنی میں لے خوش کی
 بیج ہے پوتھے گزوب در دل
 کہ دل لگنے سے بس ہوئی ہر بیل
 جکمون نے کہا اب ہے یہ لازم
 کو شتر بلا فساد اس دم
 ولہ

کسے ہے عاشقوں میں یہ بستر
 کہ معشوق اسکی خدمت میں ہو حاضر

ولہ

دلیکن اب بھی ہے یہ بات ظاہر رکھا ہے جو مجھے اس قید اندر

حکیم سید اکبر علی گوالیاری

سرخیل و بیران جہان میرا قلم ہے
رستم لکھون طاقت میں تو رستم کے زیادہ
رُتبہ یہ ہے اُسکو کہ وہ اوصافِ رستم
مدہوش ہوں اس جا پہ جو اس اپنا بھی کم

انشا

عدادت پر تو سب کی مستعد ہے
خصوصاً عاشقوں کے اسکو کہ ہے

انیس

اصحاب کے فرمائے تھے یہ احمد مرسل
جو حضرت جبریل ہوئے غرض کے نازل

راحت صاحب شنوی نلدن اردو

اسی صورت سے دل میں کر تصور
جدا کر لی دمن کی لصف چادر

علی

غرض ہر کہیں سیر کرتی ہوئی
چلی آئی ہر سمت پھرتی ہوئی

ولہ

کھڑی رہ گئی ہے یہ گرتی ہوئی
دم سرد سینے سے بھرتی ہوئی

عشرت درشنوی پدماوت

شہ زبین کلاہ چرخ چارم
کہ اس میں وہ پری پرداز طائر
ہو اردلق نذر سے تخت عالم
پدم کے پاس پہونچا نامہ لے کر

منشی طوطا رام شایان در طلسم شایان

کہ جب تک آہ میں آؤنگا بھر کر
ایہ حمزہ آہ وہ جائے گا مرکز

اور اگر من مدی متحرک ہووے یعنی بسبب حرف وصل کے رومی متحرک ہو جائے تو حرکت

نوحیہ کا اختلاف مضائقہ نہیں رہتا جیسے

میر تقی

جو سیل سرشک کا چہ ہے دریا کے بھی ہو ٹوٹ جاتے ہے

اس شعر میں حرف لام ردی ہے اور ایسے نغنائی وصل ہے پہلے مصرع میں ردی کا قبل مفتوح ہے اور دوسرے مصرع میں مکسور۔

میر حسن

کہ یہ سنگ اکھڑے بیان سے ہے کسی طرح چھتی سے پھر ٹٹے

نگار

نہیں موج حوادث سے ملے وہ کہ جب تک پیار سے اپنے سے ملے وہ

دبیرا

غلہ جو مرے تخت میں ہے آہ چلے گا فاقہ شکنی کے لیے وہ ٹکڑے گا

میر

جنون میر کی باتیں دشت و گلشن میں چلیاں کہ جو بگل سنے دم مارا نہ چھریاں پیکر کی لیاں
فائدہ بعض کتابوں میں اقوال اختلاف بحر کے کا نام لکھا ہے۔

بیان اکفا

اکفا بکسر الف و سکون کاف تازی و فتح ذی اسے کہتے ہیں کہ حرف ردی مختلف ہوا اور حرف وکاء اختلاف بہت محبوب ہے جیسے ہاں کو بان سے قافیہ کرنا مثوی پیداوت مصنفہ میر ضیاء اللہ نے عبرت کی اس بیت میں یہ عیب ہے۔

ہنم کا ہو گریچہ نہین زب
وہ آہن کو ہے باغ فیض میں

نہیں کوئی عمل میں اس کے فراق بغیر از غزا چشم شمس

چار باغ زندین

سین سے بات رہے سب ہو یا سے بند ہوس

۵
بیشکی ہر انداز
یہ وقتوں سے
بات کہتے ہیں
یہ باتوں کا
تھے ہیں

<p>مثنوی مدح فاطمہ الزہرا</p>	<p>کسی ہاتھ بندوق ہے درسد</p>
<p>اور یہ بھی سی قبیل سے برگزیدہ</p>	<p>پایہ پورناج - سگ اور شک - غور اور دور و غور</p>
<p>دل چاہے ہے پھر اپنے کو پرستے</p>	<p>دل لینے کا وہ اور ہی کی شہو غنا</p>
<p>مفت آغٹنے کے نہیں یارک کوچے</p>	<p>ایک بوت کیلے باندھ کر ہر شے</p>
<p>پیر و مرشد کی قسم کو کہ بی لیکے دی</p>	<p>جہد بہتہ پر جہد کھول کر پھر کے</p>
<p>مثنوی پداوت از شہرستان</p>	<p>سوا سکی ماسے پردہ ماسے چنور</p>
<p>عنان سمند صبا دم پکڑ</p>	<p>غرض اب مستعد شیاست ہر طور</p>
<p>زمین تک سر سے جوہرے کا اثر تھا</p>	<p>ایار محمد خان شوکت</p>
<p>ستون اسکے تلے یہ پائون بین چار</p>	<p>خدا کے نور کا وہ اک شہر تھا</p>
<p>انغریس س طرح سے کشتی ر</p>	<p>سودا</p>
<p>دن جو گندرا دیہ دھڑکا پورہ شہر آتی</p>	<p>رہے دودانت آگے سو میں اڑوا</p>
<p>اسی طرح مدت تہی جب سے</p>	<p>چرخ گری عشق کی تپ سے</p>

شب خواب میں کچھ تھا مجھ کو کہیں ہے
ہر جلس پری سا کچھ آدم تو نہیں جہلا

دل سے جو گراہ آنکھیں لیلیٰ کو لیا تب نے
اک آگ لگا دی ہر اس مرد خوش گیسے

تراب

اسکی چشم مست نے کیا مجھ کو حیران کر دیا
لے جنون ہ کیوں دامگیر ہو تیرا کبھی

نرس اور حرکتی ہر کیوں تو آنکھیں بھیا بھیا
ہاتھ سے تیرے ہو جسکا گریبان تارتا

ولہ

لب پہ ہر تلخی فنجان کی لب پہ ہر شیریں کاشو
اب کرم کر کب تلک غم سے تیرا دنا رہو

تن میں ہر صغر کا غلبہ میں ہر سود کا زور
استین کھد سہری آنکھوں پہ یاد اس نچوڑ

میر حسین تسکین دہلوی

رہتے ہیں یوں تو روز ہی کے کوڑ بند
ہوتا نہ میرے ہاتھ لگائے سے گر غبار

کیا جالے آج کیا ہے جو کی ہر در آربند
تو باندھتے قبا کے ندہ چار چار بند

فرہنگ آصفیہ میں در اثر اور در اثر دون طرح لکھا ہے۔

گو قدمائے کاف فارسی اور کاف تازی اور زائے فارسی اور زائے تازی اور زائے فارسی و تازی اور جیم فارسی و تازی وغیرہ کو بعض جگہ قافیہ میں جمع کر لیا ہے مگر اہل بلاغت اُسے میوب جانتے ہیں اگر ایسا نہ تو تو لگا اور گناہ۔ اعتراض اور التذاذ اور احتراز احتیاط اور احماد الغیاث اور التماس اور اخلاص کہ ابتدا میں شعرے فارسی جمع کرتے تھے درست ہوتے مگر درست نہیں بلکہ ان کا جمع کرنا عیب فاحش ہے اگرچہ دولوں حرفت قریب المخرج ہون چاہکر باسے ہوز اور حائے تخطی کا اختلاف تو ہرگز مناسب ہی نہیں۔

محقق طوسی کے نزدیک اختلاف حرف روی کا ہے اختلاف قریب المخرج کے اکفا ہے یعنی اعتبار قریب المخرج کا اس میں ضرور نہیں قریب المخرج ہون یا نہ ہون اور یہی ابن حاجب کے مقاصد الجلیل میں کہا ہے اور باعتبار قریب المخرج کے اجازہ ہے اس صورت میں اکفا عام ہے اور اجازہ خاص لیکن صاحب مختار اور خزرجیہ کے نزدیک اکفا اختلاف مدی کا ہے بشرطیکہ مخرج میں متغایہ اور جو قریب المخرج نہ ہو تو اجازہ ہے۔

بیان تحریف روی

وہ یہ ہے کہ صیغہ مستعمل سے حرف روی کو ایسے صیغے کے ساتھ تبدیل کریں جو شایستگی قافیہ کی پیدا کرے مثالیں اس مقام کی صاحب رسالہ مطلع خورشید نے یہ لکھی ہیں جیسے باے موحده خواہ کی واؤ کے ساتھ بدل کر گاؤ کے ساتھ قافیہ کریں۔

مولوی

گریزے دیوانہ شدید دم گاؤ
بر سر تپ چندان بزن کاید بخواد

عکاد الدین اسفندی

بروزین معرفتہائے پرازریو
سر بار ایمن اسے شیخ کالیو
غلط کردم درین صورت کہ گفتم
ز خندان نگار خویش راسیو

لفظ سیو کو کہ اصل میں سبب باے موحده تھا واؤ کے ساتھ بدل کر سیو کر دیا اور ظاہر کر دیا
میں نے غلطی کی اس صورت میں کہ زخندان یا رکو سیو کہا اور یہ مصرع ذومعنی ہے مشترک باہلہ
اختلاف حرف روی و تشبیہ انتہ مؤلف کتابت کہ اسکی مثال اردو میں مثنوی سیلی مخنون کے
یہ شعر ہو سکتے ہیں۔

تازست جہا میں اس سے کد ہون
روح ہے اور میں جسد ہون
رحلت میں کردن گاؤ ہر سے جد
ہووس گاؤ جانشین مسند

کد اور جد کو کہ اصل میں باے موحده سے تھے بسبب جسد اور مسند کے دل کے ساتھ
بدل کر کد اور جد کر دیا۔

انشا

آلے کاترے خیال جد سے گذرا
دل صبر و حیا سے اپنی مدت گذرا
کب تک دیکھا کروں بھلا بیٹھا راہ
بس پار کہ انتظار جد سے گذرا

اسی قبیل سے ہے۔

میسر

عجب نہیں ہر بجائے جو سیر چاہ کی ریت
گستاخین ہر گریہ کہ جوگی کس کے بیت
ہزار شاہ و مسواک و فصل شیخ کرے
ہمارے عندیہ میں تو بڑی جہیت پلیت

میرے نزدیک شعر ذیل بھی تحریفِ زدی میں داخل ہو سکتے ہیں۔

نالب

آند سیناب طوفان صدا سے آب سے
بزمِ مے و خشت کدہ ہر کس کا چشمِ مست کا
نقشِ باجِ جوکان میں کھتا درنگِ جادہ سے
شیشے میں بخش پری نہان ہر موجِ بادہ سے

یہاں ہر دوسرے شعر پر نظر کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ قافیہ بادہ اور جادہ ہر یک کے پہلے شعر میں اردو ترکیب کے اعتبار سے جادے سے چاہیے نہ کہ جادہ کے اور۔ پہلے قافیہ غلط ٹھہرتا ہے۔

منشی

شکستہ کیے یکسر آتش کدہ
کیا زندہ آستنا کو آتش زدہ

بیانِ سناد

بکہ سون مہلہ و فتح نون دسکون لف و دقف دال مہلہ اشباع یعنی حروفِ دخیل کی حرکت و رفت و رفتہ رفت و قید کے ماقبل کی حرکات کے اختلاف کا نام ہے اسی نام سے مشہور ہے اختلافِ دیوت و روت و روت قافیہ کا تفصیل اسکی یہ ہے۔
(۱) اشباع یعنی حروفِ دخیل کی حرکت کا اختلاف ہے۔

اعلام سرور

آشتی جو ہوئی غرقِ حق سالم نکل آئی
وہی ہی بجلم شہ عالم نکل آئی

فکار

کہا ہر ایک سے اُس دم یکا یک
عجب آدم ہے یہ شکلِ ملا یک

ولہ

ہر پروانِ بہت کا سہ میں ماہر
وہاں بھقین صفت چصف حاضر ہر سر

ایاز محمد خان بھوپالی

جواہرِ بیجے رامِ حاضر یک
گلِ زر کو عسقلِ نچا ور یک

اسودا

زبِ تقدیرت اسکی سراسر
سے کیا دانش جو سوئے اُسپر دائر

اثر آب

کیا نام خدا در دجیری اُس کی صدا ہے
جو اہل رادت ہین سو مرشد کی طلب میں
کوئی فکر کرے بدجھے تو کیا کہتی ہے ساری
کوئی ہند کو آتے من کوئی جاتے ہین قاری

میر حسن

وہ ظاہر میں ہر چند ظاہر نہیں
یہ ظاہر کوئی اُس سے باہر نہیں
باہر محاورہ اُردو میں ہاے ہوز کے فحی سے مستعمل
ہی چنانچہ رند کہتے ہین۔ ۷

باغ سے کوئی نکلنا ہے گل تر باہر
آپ سے ہو گئے ہین سرد صنوبر باہر
شہر میں جی نہیں لگتا کسی صورت میں
مرد سودا کی ہون پھرتا ہون ہین باہر باہر

نامہ قلق

پوچھے طرز لباس کیونکر ہے
کبھی جانے کے اپنے باہر ہے

مومن

مستے ہی اُس کے مین آنے کی خبر
پردے کے واسطے آیا باہر

داغ

رخک گستاہی کہ قاصد کے ملا آنے عطر
کہ مرے نام کا خطا کے معطر آیا
شب وعدہ نہوا ایک جگہ مجھ کو قرار
صبح تک میں کبھی گھر میں کبھی باہر آیا

اگر ردی کے ساتھ حرف وصل ملکر تحریک ہو جائے تو حرکت اشباع کا اختلاف جائز ہے جیسے حافظی
اور داورمی۔

(۲) ردف کے ماقبل کی حرکت کا اختلاف اور یہ ردف بالافتح مین ممکن ہی نہیں باقی صورتوں
میں نامواہی جیسے نور بالضم کا قافیہ قدر بالفتح سے اور دیر بالکسر کا قافیہ سیر بالفتح سے۔
شال اختلاف خود کی ردف بالواو و ردف بالیا مین۔

اشرف مؤلف تفسیر سورہ یوسف

کرامت ہی عبرت ہی ہیبت ہے زور
محبت امانت ہے کر تو یہ غور

یار محمد خان شوکت

پہنمار حارث نے باز درو شور
بہت جب کیا بست کرنے کا طور

غوث

کوئی مال چھینے کسی کا بزور
یا کسی پر کرے تھا کوئی ظلم و جور

علی مصنف تجستہ لقا

بٹیرون کے بیٹھے درختوں پہ جوق
پھرن فریان ڈال گردن میں طوق

سودا

ایک دن مرنا گئے کرتے کو سیر
ہو گئی اس میں ٹمک اک طعمہ کو دیر

دلہ

تھا غرض ہر جانور پر کیا وہ شیر
(۳) قید کے ماقبل کی حرکت کا اختلاف جیسے۔

علی

وہ پشتواز کی چین آفت کی لہر
گرے جس سے گرداب جہت میں ہر

بلاقی داس مصنف رسالہ دلشاد جہان

اوجھا کھانے کو کما اس نے کہ زہر
نوش باداؤسنے کما از روے ہر

منشی

ہوئی بنہ سلطان پوران دخت
دہ شمش بہر ہی زیب و سیم دخت

سودا

اٹھ گیا افسوس اپنے عمر سے
کہ نہ تھا وہ بھی عزیز مصر سے

میر

بہ لگ لگ نہ تیر رہا دشت میں
نہ غمخوارک آیا نظر گشت میں

تنبیہ جو سالیں پہلے ردف میں ذکر کی ہیں وہ قید میں بھی وارد ہو سکتی ہیں۔

اگر حرف ردی متحرک ہو جائے تو اختلاف خذ خواہ ردف میں ہو یا قید میں مضائقہ نہیں در نہ
نا جائز ہے۔

(۴) حرف ردف کا اختلاف اشعار عرب میں جائز اور شائع ہے لیکن زبان فارسی میں کسی طرح
جائز نہیں اور رختہ میں بھی کار کو دور کے ساتھ قافیہ نہیں کرتے بلکہ اختلاف ردف کو مجید میوب

بکھتے ہیں جیسے ۔۔۔

یار کے ساتھ غبر کو دیکھا | پہلوے گل میں حسا کو دیکھا

(۵) حرف تید کا اختلاف معیوب ہے لیکن قہارے فارسی درخت کے کلام میں بہت پایا جاتا ہے
خواہ دونوں لفظ مختلف قریب المخرج ہوں یا نہ ہوں اور اول بہت معیوب نہیں مثال۔

سودا

نہایت اک کینہ کُنہ عصر | کہ دلکش نظم سے جس کی ہر اک نثر

ولہ

چنانچہ میں جو یہ قصہ کیا نظم | کہ ہودے تاقیاست رونق بزم

یار محمد خان شوکت

دو بالا ہوئی آتش جنگ گرم | نہ دیکھنی تھی بہرام نے بھی یہ رزم

نشتی

ہوا بلخ میں چینیان کو جو دخل | کیا بلخیوں کو اسیر اور قتل

قلق

فرش کی جا ہے فرش دہن دشت | زرب دیتی ہر صدر بخودی کی شست

عجرت

برہمن کو وہاں ہے رزق حاصل | ہے بدکاروں کو اس سے فسق حاصل

علی

زمانے میں ہے آج یکتا ہے عصر | کروں کیا بیان خوبی نظم و شعر

محمد بخش مجور مولف نورتن

اور جن کو نہیں ہے اس میں دخل | اپنے نزدیک ہیں وہی بے عقل

مرزا ابوالقاسم ابن مولوی محمد عباس رفعت

ایک زبان کہتے ہیں سب اہل عقل | ہیگی بہت خوب یہ واللہ نظم

عرش سے تا فرش یہ ہے غلغلہ

روح نزا نظم ہے تاریخ ختم

فکار

ہزاروں اشتر و فیل یہ بہت کہ ہو دریا سے نیل اس فیل سے بہت

مثنوی سعدی

سب حسینوں سے اُسکی وضعی بخدا با نیکین کی قطع نئی

شیان

دورق روکش شعلہ مہر ہو بھرا خالی نقطون میں اک سحر ہو
بکھتا تھا وہ ہر برہمن کی قدر بکا یک تھا جو کچھ کیا اُس کی نذر

ایس

بے سر تھا ازل سے تھی خطا اصل میں جلی مارا اُسے دیندار نہ تھا سل میں جسکی
بعض اختلاف حذو اور اختلاف اشباع کو داخل اقوار کہتے ہیں اور بعض محققین کے اختلاف
توجیہ کو بھی اسناد میں داخل کیا ہے اور ہم نے جو اختلاف توجیہ کا نام اقوار لکھا ہے وہ ان کے
نزدیک اختلاف مجرے کا نام ہے۔

بیان ایطار

ایطار بکسر الف ویا سے معروف و طائے مہملہ پا کال کرنا صاحب کشف اللغات نے
جو ایطار بیا سے موحده لکھا ہے خطا کی ہے اور اصطلاح میں اُسے کہتے ہیں کہ قافیہ میں معنی
دائم پر تکرار حروف زوائد کی ہو بغیر موافقت ردی کے اور اُسکی دو قسمیں ہیں خفی اور جلی
ایطار کے خفی۔ وہ ہے کہ حرف زائد کی تکرار خوب ظاہر نہ ہو جیسے دانا اور دنیا کہ اگرچہ الف
ان میں زائد اور مکرر ہے لیکن بسبب کثرت استعمال کے جزو کلمہ معلوم ہوتا ہے اسی مثال میں
صاحب غیاث نے آپ و گلاب بھی لکھا ہے۔

سودا

داں روئی اگر جو گھر میں پکے بچہ بھر گئی کبھی نہ اُس میں رے
پکے اور رے میں یاے تختانی حرف زائد ہوا اسکو حذف کر دین تو ردی میں اختلاف ہو جائے گا۔
فرہنگ آصفیہ میں لکھا ہے کہ زلنا مصدر لازم ہے اور ہندوؤں کا محاورہ ہے اُسکے
معنی ہیں ملنا۔ آمیزش ہونا۔ شامل ہونا اور اس میں لائے مہملہ مفتوح پکے سے اسے مانوہی

شکوئی پداوت

بلاک برہمن ہشیار وانا
بہ تحصیل علوم اس بہت کو سونپا
دان اور سونپ امر کے صیغے ہیں ایک فارسی کا لفظ ہے دوسرا ہندی کا۔

ول

تہ زلف اُسکے وہ کن پھول زیبا
اصل میں زیب اور پھول ہیں الف نامزد ہیں۔

ناسخ

سوط اُسکے نہانے سے بسکہ آب ہوا
حباب بخر بہ اک شیشہ گلاب ہوا

اور ایطا سے جلی۔ وہ ہے کہ اُس میں تکرار ہوتی ہے جیسے چلتا ہے اور کتا ہے۔ جانے والا اور رونے والا قاوران اور فاضلان دیوے اور جاوے چاہنا اور مانگنا پس تا ہے چلتا ہے اور کتا ہے میں اور نے والا جانے والا اور رونے والا میں اور جاوے میں ونا چاہنا اور مانگنا میں اور الف و نون قاوران و فاضلان میں مکرر زائد واقع ہوئے ہیں اگر ان کو حذف کر دیں تو حرف ردی میں اختلاف ہو جائے گا اور ایطا میں ہی قاعدہ کلیہ ہے کہ جب حروف زوائد علامت کو کسی کلمے کے آخر سے دُور کر دیا جائے تو قافیہ درست تر ہے اس طرح کے الفاظ کا ایک بیت کے قافیہ میں لانا درست نہیں ہاں اس طرح اگر قافیہ کیا جائے تو درست ہو جلتا ہے چلتا ہے جانے والا آنے والا دیوے کیوے چاہنا کراہنا فاضلان و اصلان اس قسم کے الفاظ کا قافیہ بے عیب ہے اگر کوئی حرف زائد ان سے گرا دیا جائے تو بھی ردی کی موافقت میں فرق نہ آئے گا مگر ایطا میں لکھا ہے کہ جو حروف ردی پر زائد ہیں ان کو گرا دینے کے بعد اگر ردی دونوں مصرعون میں موافق نہ رہے تو قافیہ کے معیوب اور غلط ہونے میں شبہ نہیں اس وجہ سے یہ کہنے کا حق حاصل نہیں کہ متقدمین فارسی میں ایسا قافیہ لائے ہیں اور بعضوں نے کہا ہے کہ اختلاف تصریف کا لفظی اور اثبات میں جیسے کہ درست کر متقاضی تکرار قافیہ نہیں۔

میر تقی

دیکھے سب لوگ پھر کے چاروں دانگ
مردی بانگی ہے عجائب سوانگ
شخص بہت کے دل کے ہاتھ نہ مانگ
مانگے ہی توجہ کچھ خدا سے مانگ

جو کہے ہے سو تو غشلی سے کہہ

مرزا نوشہ غالب نے لکھا ہے کہ ایٹا اُسے کہتے ہیں کہ دو کلمے ایک صورت کے ہوں جیسے الف فاعل گویا اور مینا اور استخوانا کا اور ایسا ہی الف دنون جمع مثل چراغان و جوانان کے اور ایسا ہی الف دنون مانند گریان و خندان کے پس اگر یہ مطلع میں آپڑے تو ایٹا سے جلی ہے اور اگر غزل یا قصیدے میں بطریق تکرر قافیہ آئے تو ایٹا سے خفی ہے اہل خرد نے خاک اڑائی ہے اور بات بتائی ہے اور خفی و جلی کی تفسیر میں وہ لکھا ہے کہ صاحب طبع سلیم کبھی اُسکو نہ سمجھے چہ جلی اُنکے نامے مثال ایٹا سے جلی کی۔

سودا

انکی مشرف کے گھر لگاؤن گا اور پستیمین ترانکا لون گا پا
لگاؤن گا اور نکا لونگا میں الف اور لام ردی میں کیونکہ دراصل لگا اور نکال میں اور انکے مابعد کے حروف زائد ہیں جنکے حذف کر دینے سے حرف ردی میں موافقت نہ رہے گی۔

شاہ رحمان

بوقت محسوس کو مارینگے ہم اہو خاک میں اُسکا ڈالیں گے ہم
مارینگے اور ڈالینگے میں (ینگے) حروف زائد ہیں جنکے حذف کر دینے کے بعد ردی میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔

اسی قبیل سے یہ بندامانت کے مخمس کا۔

ادھر سے اچھے ہو کا روان جو گزریں گے ہر اک کو اپنے مسافر کا ہم یاد دین گے
نہ کب تک دل گم گشتہ کی خبر لینگے پھرا جو کو پہ کاکل سے کوئی بو جھینگے

سنا بڑا گیارستے میں قافلہ دل کا

کتنی ہی جھلیوں میں پٹا ہے فلح صدیوں سے امن میں وہ رہتا ہے
پٹا اور رہتا میں تا سے لقیلا در با سے مخفی ردی میں اور مابعد انکے حروف زائد ہیں۔

مثنوی پدماوت

جو بے مہری نہ کرتی زلف خوبان تو ہوتی مجھ کو کیوں شام غریبان
غریب اور خوب پر الف دنون زائد ہیں۔

منہ

استاردن کے بناؤنیک ساعات رجال نصیب کے سیر مکافات

ساعت اور مکان پر علامت جمع زائد ہیں۔

مثنوی نلدن موافقہ نکست

ہر ایک سے تھا مرد و خواہان + مطلب جو یان بکوچہ پو یان

دو لون قافیون میں الف و لون زائد ہے۔

سمجن موافق سر و شخن

لا ساقی وہ شراب کہ جس میں ہوں سینا | پی کر جسے میں تو زدن سبوا و گلابیان

مستان اور گلابیان میں (ریان) حرف زائد میں جو حذف کر دینے سے دو لون قافیون کی ردی مختلف ہو جاتی ہے۔

میر شیر علی افسوس

رکھے سیارہ گل کھول آگے عند لیون کے | چمن میں پھول گویا آج میں تیرے شہیدون کے

عند لیون اور شہیدون میں (ون) زائد میں جن کے حذف ہونے کے بعد وہی میں اختلاف آجائیکا

معصوم علی

تو افسر دل عندر بیان ہے | مرہم زخم سینہ ریشان ہے

دو لون مصرع میں الف اور لون جمع کی تکرار ہے۔

انقلاب سڑکی موافقہ ہاتھ

نسین دیکھتے دوست دشمن کی آنکھیں | الگی ہیں رقیبون کی کیا کیا نہ گھاتیں

عبرت

رکھیں مالن نے پیش شاہ خوبان | یہ رکھ کے عرض کی چھو لون کی چھڑیان

خوبان اور چھڑیان میں (ان) زائد ہیں۔

سودا

پشکا گاڑھے کا کب تلک ہا بدھون | موٹی شلوار تا کچا پہنوں

باندھو اور پہن کے حرف زائد کو حذف کر دیا جائے تو ردی میں موافقت باقی نہ رہے۔

ولہ

چیرا میں تیس گز کا باندھون گا | سرخ ہی باندھون کا پروں کا

اگر باندھو نگا اور پرونگا کے حروف زائد کو حذف کر دیا جائے تو ردی میں موافقت باقی نہیں رہے
متعارف نسخوں میں پرونگا ہی اگر اسکی جگہ سینون گا ہو تب بھی وہی قباحت باقی ہے۔

ولہ

توین جامہ بھی اُس کا بنواؤں | اوچی چولی کا تنگ سلواؤں
بن اور سل میں نون اور لام حروف اصلی ہیں باقی زوائد جنکے حذف کر کے بعد حروف دی
کی موافقت باقی نہیں رہے گی۔
اسی قبیل سے ہے۔

انیس

پہرمت تھی شان پر شان مثل تھارزار | ہر صف میں تھی سپر پر سپر مثل لالہ زار
زار کلمہ زائد ہے جس کے دور کرنے سے ردی کی مطابقت نہیں رہتی اور زار کا زائد اور
مکر ہونا خوب ظاہر ہے۔

ولہ

قربان صنعت قلم آفریدگار | تھی ہر ورق پر صنعت ترصیع کردگار
گار کلمہ زائد ہے جسکے دور کرنے سے ردی میں مطابقت نہیں رہتی۔

نشتی

لیا خسرو نامور نے حنراج | دیا اُس کو ہر تاجور نے حنراج
نامور اور تاجور میں در کلمہ زائد کے دور کرنے سے حرف ردی کی مطابقت نہیں رہتی اور در کا
زائد اور مکر ہونا ظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ایطائے جلی کے قبیل سے ہے کہ قافیہ میں کلمہ واحد کی
معنی واحد پر تکرار ہو لہٰذا ایک لفظ ایک معنی میں مکرر لایا جائے جیسا کہ اس مطلع میں۔

میر درد

مدرسہ یادیر تھا یا کعبہ یا بخانہ محفّا | ہم بھی مہمان تھے دان وہ ہی صاحب خانہ تھا
دیوان نعیم کے قلمی نسخے میں ایک غزل دیکھی ہے جسکے مطلع میں ایطائے ہے۔
جفا پیشہ ہو جو کوئی کسی کا درد کیا جانے | تکلف بر طرف ظالم کسی کا درد کیا جانے
کسی نے اُس سے پوچھا میرے تئیں یہ کون کی کج کہ
کہا ہنسکر میں کیا جانوں اُسے میری بلا جانے

بشیر خان لکنت

ہزاروں ہنسنے گل کھائے بدن پر | فدا جب سے ہوئے اُس گلبدان پر
اور یہ کہنا کہ گل بدن اسماءے مشوق میں سے | تو فرقہ معنی ہو کر قافیہ جائز ہے درست نہیں اسی قبیل
سے ہے نادر علی نادر لکھنوی کی مشنوی کا یہ شعر۔

نہ ایسا کوئی شہر آباد ہے | کہ آباد جو سرخ آباد ہے
اگرچہ شعر اسباب زور طبیعت کے ایک لفظ کو ایک ہی معنی پر قافیے میں کی طرح سے لاتے ہیں
لیکن مطلع غزل و قصائد اور اشعار مشنوی و قطعات میں جائز نہیں چنانچہ آتشائے ایک غزل ہی
قسم کی لکھی ہے لیکن اُس میں قافیہ کا مطلع میں مکرر نہ لانے کا اشارہ کر دیا ہے کہتے ہیں۔

اس زمین میں وہی اک باغ نگاہِ آتش | جو کہ ہم بے کی بھی چوٹی کو تریتا ہے
یعنی اور ایسی غزل لکھ کہ اس کا مطلع چھٹ
میر یار علی تخلص بہ جالتصاحب اس غزل کے قافیہ میں ایک لفظ کو ایک ہی معنی میں بار بار
لایا ہے۔

مر جاؤں تو نہ آئے وہ بندی کی گور پر | کیا ہوں گدھی میں جان ددن بہرام گور
یر دانے باجی صبح سے مرتے میں شام تک | روتی ہر شمع رات کو عاشق کی گور پر
کل غزل کا یہی طور ہے بحر مطلع کے کہ اس میں لفظ گور تین بار آتا ہے اور مصرعوں میں نیز معنی قبر کے
نہیں ہیں۔ خواجہ محمد مرتضیٰ خان اقبال نے جو د شعر کی غزل لکھی ہے جس میں تین مطلع ہیں تیسرے شعر کے
دوسرے مصرع میں سو قافیہ ہے اور چار دیگر دلیں باقی تمام شعروں میں یہی قافیہ اور ردیف ہے اور اس
قافیہ کو بارہ شعروں میں نئے نئے مضامین کے ساتھ باندھا ہے۔

ہوش ہر پایہ افسار کا کھو جائے گا | آپ جا گئے تو فتنہ ابھی سو جائے گا
دل کی بیتابی کا قصہ میں سناؤں لکھو | ایک ہزار وہ عیار ہے سو جائے گا
موادی عبداللہ کانپوری غم تخلص کی ایک غزل جو جس کا مطلع یہ ہے۔
سنا جو تارِ عنقا کی لکھ کر کیا | بری وہ بال ہے تیری کس کر کیا

گیارہ شعر کی غزل جو باقی تمام شعروں میں قافیہ مکرر ہی ہے یہ دوسرا بھی اسی کے ہیں۔
نہ ہو جزا غم وہ عیب بہانہ ہے | نہ ہو نادھت ہے غم تو کر کا
جسے کہتے دم میں دہری سب سے | امین بھامر کے یہ نکتہ کا

جدا لا حد مخلص بہ احد کے دیوان میں ۲۵ شعر کی غزل ہے مطلع کے مصرع اول میں قاتل قاتل آیا ہے باقی سب جگہ قاتل قاتل ہے یہ اشعار اس کے ہیں۔

بھر جوجی جاؤں تو کتنے لگون قاتل قاتل مردم دیدہ بکارا کے قاتل قاتل سارے عالم سے صد آئے کہ قاتل قاتل روح جنت میں بکارا کے کہ قاتل قاتل بعد مردن بھی صد آئے گی قاتل قاتل	بعد مرنے کے بھی یہ شوق شہادت ہے مجھے اس قدر دید کی حسرت تھی پس مرگ مجھے تو پیئے قتل اگر تیغ بکھٹ ہو دے کبھی یاد آئے گی جولنت تہ شمشیر کی دان کشتہ تیغ ادا ہوں مری تربت سے احد
---	---

امانت کی ایک غزل میں شعر کی ہے مطلع میں نوجوان اور ہڈیاں قافیہ ہے باقی تمام شعر دن میں ہڈیاں قافیہ کیا ہے۔

رباعی اور مسدس وغیرہ اقسام سمط کے بندون میں ایطابا لکل ناجائز ہے جیسے مرزا میر کے شعر
ان بندون میں۔ ۵

شکر پسر فاطمہ کا کٹ گیا سارا ان دونوں کا مرنا نہ خواغہ کو گوارا	اب عقل ہماری ہی کرتی ہر گوارا عباس بھی پیارا ہوا اور کبھی پیارا
--	--

ولہ

بس رو چکے اسیر ہوں ادنو نیا ب سوار پر چھوڑتی تھیں لاش کو ہو میں نہ زنیار	کتنے لگا بکارا کے یوں شعر بد شعار تاکید کر رہے تھے ہزار دن تم شعار
---	---

ایس

چورنگ تھا سینہ تو کلیجہ تھا دو یارا بیچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دو یارا	چار آئینہ والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا کتے تھے زرہ پوش نہیں جنگ کا یارا
--	---

جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دام اجل ہے	
--	--

امانت

حال یوں دل کا نہ تھا حسرتی سے بہا دیکھتا تھا کسی عشوق کو بھر کر نہ نگاہ اچھی صورت پہ کبھی دل نہ تریب جاتا تھا	عشق کے نام سے آگے نہ خبر تھی واللہ جھپٹی آنکھ جیمنوآن سدا تھی واللہ کوئی کستا تھا جو عاشق تو میں کٹ جاتا تھا
---	--

رباعی ناسخ

وہ موتمن افضل الہی سے ہیں خوش رات دن افضل الہی سے ہیں
ہے مصرعہ تاریخ بقول ناسخ وہ موتمن افضل الہی سے ہیں

اس رباعی کا مصرع اول و چہارم ایک ہے ایسے ایطائے جلی واقع ہوا ہے اور مصرع ثالث میں بقول ناسخ لکھ دینے سے عیب کا تدارک کچھ ہو گیا ہے خواجہ نصیر الدین طوسی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ شنوی اور مسدس وغیرہ اقسام سطح میں اگر ایطائے واقع ہو تو مضائقہ نہیں چنانچہ فرماتے ہیں "در قوانی بجہا و مشنویا و خانہاے مربع و مسطابقصاے بیارنگند و استعمال بعضے عیوب را روا دارند لہٰذا ایطائے جلی سخت عیب ہے اور ایسے قافیے کا استعمال بہت نازیبا و قطعاً ناروا ہے لیکن غزل خواہ قصیدے میں چوگاہ شعر کے بعد لانے کا مضائقہ نہیں اور تکرار ایسے قافیے کی ردیف دلی غزل میں ایک بار اور قصیدے میں تین بار تک روا ہے مگر مطلع میں قبیح محض ہے اور تکرار قافیے کی جتنی زیادہ قریب ہوتی ہے اتنی ہی عیوب زیادہ ہوتی ہے پس سات بیت سے کم کے بعد تکرار قافیے کی نہ کرنی چاہیے اگر سات بیت کے بعد تکرار واقع ہو تو زیادہ عیوب نہیں کیونکہ کم سے کم اشعار قصیدہ کی تعداد سات شعر ہے پس جبکہ سات بیت کے بعد قافیہ کر آئے گا تو یہ فرض کیا جائیگا کہ گویا اعادہ دوسرے قصیدے میں ہوا ہے اور اگر لفظ کی تکرار دوسرے سے معنی میں ہو تو وہ ایطائے نہیں بلکہ تجنیس ہے جیسے۔

تسلیم

کبھی دیکھے مئے نہ ایسے کان لکھن کانوں کو ناز کی کی کان

میر

دہن مچھلی بکتی تھی دھڑکی کی سیر دیکھ نہ کھاتا تھا ہو کوئی سیر

ہادی علی بیخود

یہ کافر ہو درخشان آن میں نہ مانگ دل جنوں کو جویلی سے لے مانگ

صاحب برہان قاطع شائگان خفی و جلی کی تفسیر کے بعد ہونارسی میں ایطائے خفی و جلی کے نام ہیں لکھتا ہے کہ ایسا قافیہ غزل بلکہ قصیدہ بجز میں ایک جگہ لانا جائز ہے مثلاً جسر قصیدے میں کہ قافیہ سلمان اور گران اور جهان ہو روا ہے کہ اسبان لائیں ایسے کہ فقط ایک جگہ سے تکرار یعنی لازم نہیں آتی اور بجز خزان لانا جائز ہوگا کیونکہ الف و نون اسبان و خزان میں ایک معنی میں ہے اور رضا قلی خان

ہدایت انجمن آراے نامری میں لکھا ہے کہ مفرد کو جمع کے ساتھ قافیہ کر لے کو شائگان جلی کہتے ہیں جیسے دلبران اور مردمان کو جان اور زبان کا قافیہ کریں اور مفرد کو اسم فاعل کے ساتھ قافیہ کرنے کو شائگان خفی کہتے ہیں جیسے گویا اور مینا اور شنوا کو معما اور زینجا اور نیجا کے ساتھ قافیہ کرنا۔ محمّد بن قیس کا قول ہے کہ جس قافیہ میں روی حرف اصلی نہ ہو گا وہ شائگان نہیں ہے جیسے دلبران اور فنا اور حرف زائد اس وقت شائگان ہے جب توانی مقید میں واقع ہو نہ توانی موصول میں۔ پس میر کے اس شعر میں۔

دقت یکان تو نہیں اسے دوستان | اب یہی ہے ہر زمان و مد زبان
ایطائے جلی ہے۔ کیونکہ دوستان جمع ہے اور زبان مفرد ہے۔

دلہ

بہت بنے دیکھے دزیر دشمنان | شکار ایسے دستور سے تھا کسان
شہان جمع ہے اور کمان مفرد۔

وحید

نہ دزیر میں نادک سرگرد کمان | ہیں پیش راہواروں کی گویا کنوتیان
کمان مفرد ہے اور کنوتیان جمع ہے اور سزا دہر کے اس شعر میں ایطائے خفی ہے۔
میں اسکا پس ہوں جو خدا کلمہ شناسا | فرزند ہوں اسکا جو نبی کا ہے نواسا
کیونکہ شناسا میں الف فاعلیت کیلئے ہے اور نواسا کا الف اصلی ہے۔

نسیم

شہ نے کما شن دزیر دانا | بے دیکھے تھے کوکس نے مانا

عالی

حنین ابن اسحاق قیس دانا | ضیا ابن بشار ناس الاطبا

نسخ

آنا بیات دشمن میں اسے دانا | مادے یودان کے ہوں سب پیدا

اور خواجہ نصیر الدین ٹوپی نے لکھا ہے کہ جب قافیہ مرکب سے ایک جز کر دافع ہو اور سب معنی واحد پر آئے اس قافیہ کو شائگان کہتے ہیں جیسے الف و نون جمع اور الف فاعلیت کا اور یاے تکید مصدری وغیرہ اور شائگان سے کثرت نامزد ہے اس واسطے کہ گنج شائگان

اس گنج کو کہتے ہیں جس میں مال بہت اور بچہ ہو اور قافیہ شائگان میں بھی تکرار ایک معنی کی بکثرت ہے اور شائگان کے معنی لغت میں بیگار کے بھی ہیں یعنی وہ کام جو حاکم کے حکم سے بے مزدوری کیا جائے اور جس طرح بیگار کا کام ناقص و خراب ہوتا ہے اسی طرح اس قسم کا قافیہ بھی بسبب بے اہتمامی اور نقصان و خرابی کے بیگار سے مشابہ ہے یا یہ امر بھی بے مزدوری کے کام کی طرح حکم کا ہے اور تعلق شاہد حاکم سے رکھتا ہے مردن شعرین شائگان کا نامادرت گیری کے قابل نہیں رہتا کیونکہ مدح و عیب قافیہ کو چھپا دیتی ہے جیسے۔

حالی

نسون جب یہ پاتی نہیں کارگردہ ۴
تو کرتی ہے آخر کو در یوزہ گردہ

دلہ

پڑا غلغلہ جنکا تھا کشور و ن میں
وہ سوتے ہیں بنداد کے مقبروں میں
پہلے شعر میں علامت فاعلیت کی تکرار ہے اور دوسرے شعر میں علامت جمع کی تکرار ہے اور دونوں جگہ ردیف نے تکرار کے عیب پر پردہ ڈال دیا ہے۔ ۵

حالی

لٹاؤ سس کو ناچنا بتایا ۴
کونل کو انا پنا بتایا
ناچنا اور انا پنا میں علامت مصدر کی تکرار ہے غزل اور قصیدے میں قافیہ اول مصرع کا چاہیے کہ اور ابیات کے مصرع اول میں تکرار لائیں کہ اسکو ذوالمطالع کہتے ہیں اور یہ خارج ہر عیب اخطا سے جیسے۔

ادوق

کیا غرض لاکھ فدائی میں ہوں دست دے
انکا بندہ ہوں جو بند سے ہیں محبت دے
چاہیں اگر چارہ جراثیم کا محبت دے
بچیں لباس و نمک سنگ جراثیم دے
گئے جنت میں اگر سوز محبت دے
تو یہ جاوے دو رخ ہی میں جنت دے

نارنج

چیت وہ قسم جو بیر میں زرد
موجاتے سفید باہمن زرد
پہنا ہے جو توت پر سن زرد
یاں ہے یرقان غم سے تن زرد
ہستی سے ہو رہا ہر جہ اس کا دہن کرد
ولہ یان سنگ کو دکاں ہے مار دہن کرد

ستی سے کر رہے ہو مٹ تم دہن کیو
نازک یہ ہو ٹھہرین کہ کرے گا غن کیو

دراغ

دل نہ رہا سکتے میں تم کی طرح
تم مرے دل میں رہو م کی طرح
لیکن مصرع دم میں نہ چاہیے ورنہ بٹا ہوگا۔
ٹوٹ گیا تیرے قسم کی طرح
دم نہ سہی حسرت و غم کی طرح

بیان مہول

مہول اُسے کہتے ہیں کہ ایک جگہ قافیہ لفظ واحد ہو اور ایک جگہ ترکیب حاصل ہو مرزا قتیل
چهار شربت میں لکھا ہے کہ مہول میں بنا قافیہ کی تلفظ پر ہوتی ہے لہذا کئی دہشتی حروف کی کتابت کی رو سے
قابل اعتبار نہیں اور مرزا سے موصوف نے دریائے لطافت میں کہا ہے کہ اگرچہ مہول کو آج کل صنایع میں
شمار کرتے ہیں مگر دراصل قافیہ کا عیب ہے ہر کیف یہ در طرح پر ہے ایک ترکیبی دوسرا تحلیلی ترکیبی
اُسے کہتے ہیں کہ قافیہ پورے دو کلموں سے مرکب ہو مثلاً۔

فرزاد سیر

صادق مثال شمس و قمر کی نہ اُسے نہ
کیا تاب نہ تو دیکھو جو بر رو آئی نہ

خوشتر

خوش آئی رام کو جب خاک ساری
الی اپنے بدن پر خاک ساری

امانت

پانوں آخر کو مراد تری پیشانی ہے
جو میں کہتا ہوں ہا اک دن شہر پیش آئی ہے

غالب

کہتے چین ہے غم دل آسکا دسائے نہ نے
میں بلانا تو ہوں اُس کو لگاے جذبہ دل
کیا ہے بات جہان بات بنائے نہ نے
اُسے بن جائے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ نے

ضمیر

کس سے بچ کون جا کے تری بیدادی
جو ہے دنیا میں سو کہتا ہے مجھے ایزادی

دبیر

میں اسکا پسروں جو خدا کا ہے شناسا
فرزند ہوں اُس کا جو بنی کا ہے نواسا

جان آسکی ہوں پانی نہ ملا جسکو ذرا
میں وہ ہوں پھر جبکہ ہے وہ مدد کیا

مومن

ایک دن جی زیادہ گھبرا یا
جان بیتاب کو نہ صبر آیا

نسخ

ایا نہیں وہ ماہ مہینے گزر گئے
پہم جو آنے کی صف عشاق پر نگاہ
ہر شرے زیادہ جلو خانہ آپ کا
وہ یار ہم پیالہ وہ ساتی وہ کمان
پوچھا جو رو کے بارے نسخ کے حال کو
رو یا میں اس قدر کہ سینے گزر گئے
بیٹوں سے تیر توڑ کے سینے گزر گئے
مجرایوں کے سر سے سینے گزر گئے
سب پی میکشی کے قریبے گزر گئے
ہنسکر کہا رقیب شقی نے گزر گئے

منت

مدعی اس سے سخن ساز بہ سا لوسی ہے
تمت عشق عبث کرتے ہیں منت مجھ
پھر تنکا کو بیان مرثیہ یا بوسی ہے
ہاں گرنے کی خوابان تنکا کو خوسی ہے

تحلیلی وہ ہر کہ ایک لفظ کے ٹکڑے کئے سے قافیہ حاصل ہوتا ہے یعنی ایک لفظ کے ایک حصہ کو قافیہ میں شمار کریں اور ایک جز کو ردیف میں داخل کریں جیسے قاتل قضا اور سبیل قضا اور بالقضا پس بل کو قافیہ قاتل اور سبیل کے مقابل کیا اور قضا کو ردیف میں داخل کیا جیسا کہ میرمد کی اس غزل میں شرار اور نظر وغیرہ قافیہ ہے اور سے ردیف ۔ ۵

ابچشمی ہے دشت کو مری چشم شرے
کیون بیخ تری دشمنی کرتی ہے سرے سلت
آتی ہے نظر پھر دہن غائب ہو نظر سے
بھکو تو نہیں کام کسو کی بھی کرے
اسطرح کے رونے سے تو دل پیار کے
ای کاش یہ ابرو زہ دل کھول کرے

بر قافیہ ہے مقابل نظر اور شرار اور کر کے اور سے ردیف ہے۔

دلاور خان بیرنگ

نہیں مطلب مجھے کچھ باغبان اور
سدا بیرنگ رہ غفلت سے مدہوش
دوانا ہوں میں گل کے رنگ بوکا
مثل مشہور ہے سویا سوچو کا

ذوق

ساقیا ہوں جو صبح کی نہ عادت والے
رہے جو نیشہ ساعت ہر مکر و دولوں
کس مرض کی بن دیا لب جان بخش ترے
صبح محشر کو بھی اٹھیں نہ ترے متوالے
بکھی مل بھی گئے دو دل جو کدورت والے
جان بلب زین ترے آزار محبت والے

مومن

کے ہر چھڑنے کو میرے رستہ بن کر سمیں
اگر مشہور ہوا فسانہ اپنی بے رستی کا
رفیق ہوا مونس رونما میں شہر کربان دی
نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جان میری
فدا سمجھو تو جان میں صال غیر پر ہر دم
نہ دون ملے کسی معشوق اور عاشق کو پسین
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں
وہ نو وارد ہے کیا جانے دیا عشق کی زمین
اثر کس کس کو ہو ہو بھی اگر فریاد ہے کس میں
مرجان کون ہر یہ کسلی جھوٹی کھاتے ہو سمیں

امانت

رفتار کے چلن سے غضب دل لہجائیے
چوٹے سے سن میں بار بڑے تم ہو چائیے

الشا

سمند ناز پہ وہ شہسوار جو نکلا
پچاس آگنی ہر شاخ گل کھٹانے میں
جو خوب سوچو تو ہے نام جسکا استغنا
تو غل سا بیج گیا بانا بیج بیج کا
خدا کے واسطے اپنی مکر تو مت بھکا پ
دی تو اصل ہے الشا ہزار لالچ کا

سوز

جو دل کہتا اتنی اس دربار کے گھر سا
ساتون فلک کے دل پہ بیج بیج دیکھو بیجو
شاید کہ اپنے گھر کی دی آئے شاگ بدلی
خالی بڑا ہے اب یوں اُڑا ہوا نگرا
نکلی اگر جگر سے یہ آہ عرش فرسا
خوشید کی کلمہ بر کچھ تو دھرا ہے برسا

اجرات

دیکھو زخمی مجھے اب کو چہ قاتل دالے
عشق کا جو ہو دل نگار سو پکتا ہی نہیں
اب بجز حشر ملاقات ہماری معلوم
آج گلشن میں سنا باد ہماری آئی
انکے کہتے ہیں کہ اگر خم جگر سلوا لے
اگر چہ قسمت ہوں جان بر مرض سل دالے
مکھنم نزع کوئی اس سے ہمیں ملنا لے
غنیہ دل کو ہمارے بھی کوئی کھلوا لے

نوا

اُس پائے ضائی پر رکھتا ہوں جو میں کو
کس ناز سے وہ ہنس کر کتا ہے کہ بس سر کو

آتش

اتھ سیر کھی ہے جو کوئی قاتل قضا
دل نہ دوں گا پیشتر سے دیکھا ہوں یار کو
زندگی سے تنگ ہیں ہم بھی رہنا با قضا
جان حاضر ہے جو مجھے ہوتی ہے سائل قضا

انا

دے دو پٹہ تو اپنا ملل کا
دوسرے میں جو سر گرنا ہوں
کھون ناسخ جو وصف چشم سیاہ
ناتوان ہوں کفن بھی ہو ہلکا
تیرا دروازہ کیا ہے صندل کا
ہو سیاہی میں طور کا جل کا

امیر حسین تسکین

مین نے جو رکھا پائوں پر سر کو
بوے وہ ناز سے کہ بس سر کو

آتش

آئے بہار جائے خزان ہو چمن دست
برجھا دان اُن کا عاشق و مشوق پر طے
سجدہ کوین بچھے بُت دزنار توڑ کر
بیمار سال بھر کے نظر اُمین تندرست
برسون رہا معاملہ روح و تن درست
چاہیں حقیقت اپنی اگر وہیں درست

ظفر

اداہ کیا طرز ستم تجھ کو شکر یاد ہے
کھیلتا ہے کہ اُس نا رسیاہ زلف سے
اگ جہان تیرے ستم سے کر رہا فریاد ہے
کیا تجھے ای دل کوئی کالے کا منتر یاد ہے

ایسا قافیہ ایطال کی طرح غزل میں ایک بار اور قصیدے میں تین بار تک نمایاں رکھتا ہے اور مطلع میں بھی
آپڑے تو صبح ہی بخلاف ایطال کے کہ مطلع میں اُس کا واقع ہونا نہایت میوب ہے۔

بیان غلو

غلو غلو غلو اور لہجہ کے مضمون سے یہ ہے کہ ایک مصرع میں حرف ردی ساکن ہو اور دوسرے
میں متحرک مثال۔

مومن

مین اگر آپ سے جاؤں تو فرار آجائے
پرہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہویا آجائے

کر در اور بھی ہے جوش جنوں خوار و ذلیل	مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی غار آجائے
ٹھہر جا جوش جنوں ہے توڑ مینا لیکن	چارہ سازوں میں ذرا دم دل نہ آجائے
حسن انجام کاموں مبارک ہو خیال	یہی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے
اس غزل میں رائے مہملہ ردی ہے اور تمام اشعار میں وہ ساکن ہے مگر مقطع میں مفتوح ہے۔	

جرات

کیونکہ بستر پر کرے پاؤں وہ رنجور دراز	جسکی خود رفتگی بھی ہو سفر دور دراز
اس غزل میں رنجور و بجز طور قافیہ اور دراز ردیف ہے اور اس شعر کے مصرع ثانی میں دور و دراز بوقافیہ اور ردیف ہے اس میں یہ نقصان ہے کہ باعتبار محاورہ اصلی کے دور کی رے کا ساکن اگر تا جائز نہیں اسلئے کہ دور و دراز عطف کے ساتھ ہے پس پہلے مصرع میں روی ساکن ہے اور دوسرے میں متحرک ہے جیسے اس شعر میں۔	

میر دوست محمد صالح

ایسا ہی برق ہم نہوان رسیدن از عزم او	رہ دور و دراز ست ای کبوتر مال و شکن
اور محاورہ فارسی میں اردو دالے داخل نہیں کر سکتے عافظ علیہ الرحمۃ کا یہ مطلع۔	
صلاح کار کجا دمن خراب کجا	بہین تفاوت رہ از کجاست تا بلجا
اسی قبیل سے ہے لیکن چونکہ انھوں نے آگاہ کر دیا پس وہ عیب جاتا رہا اور یہ ایک عجیب ٹکڑا ہے حاصل یہ ہے (بہین تفاوت رہ از کجاست تا بلجا) یعنی فرماتے ہیں دیکھنا کتنا تفاوت ہے ایک جگہ حرف روی ساکن ہے اور ایک جگہ متحرک مگر بیان مقرض کو گنجائش ہے کہ کہے تفاوت کو ہم جانتے ہیں سوال یہ ہے کہ تفاوت تینے کیوں رکھا، کا جواب پہلا مصرع ہے (صلاح کار کجا دمن خراب کجا) یعنی میں عاشق زار دیوانہ ہوں صلاح کار سے جھک کر کیا کام شعرا کے یہاں یہ قاعدہ علی العموم جاری ہے کہ اگر مطلع میں یا اور اشعار میں غزل و قصیدے کے کوئی نقص آجائے اور اسکی اطلاع کر دیں تو وہ عیب جاتا رہتا ہے جیسا کہ مذاق بدایونی نے اپنی اس غزل کے مقطع میں ایک امر کی طرف اشارہ کیا ہے۔	

آمرین شیخ و برہمن اللہ اللہ ام رام اگر	زیارت گاہ ہے وہ کبتہ الہی کنشتی کا
لڑائی گری تھر تو ابن مسانی کو شرا	مضر ہے نام، دی خواجہ ترس گھر کے بشتی کا

مذاق اعجاز خواجہ سے جلاؤن ناؤ خشکی میں | زمین شعر ترین قافیہ لاؤن میں کشتی کا
 مطلب یہ ہے کہ ہاوردیکہ اصل لغت میں کشتی بفتح کاف تازی ہے اور قافیہ میں یہ لفظ یہاں نہیں
 آسکتا لیکن اعجاز خواجہ سے میں قافیہ میں لاؤنگا گویا ناؤ خشکی میں جلاؤن گالیئے ناؤ خشکی میں چلاؤ اور
 ایسے الفاظ کا قافیہ ایسے موقع پر لانا دونوں امر محال ہیں لیکن اعجاز خواجہ سے یہ بات ممکن ہے
 مولوی صہبائی لکھتے ہیں کہ یہ بھی عیوب قافیہ سے ہے اور قریب غلو کے ہے کہ ایک مصرع میں دو
 حرف اصلی ہو دوسرے مصرع میں حرف زائد کو حرف اصلی کے حکم میں کر لیا ہو جیسے کہ یاے تختانی لالی
 کی بمقابلہ یاے اصلی کالی کے۔

فراست نامہ رنگین

اگر حد سے زیادہ ہو دے لالی | اور اس لالی پر جتنی ہو دے کالی

صفت مرگان میں ترے چمکے ہر تیرنگی اتنی | کسکے تاراج کو اٹھی ہے یہ فوج دہنی
 پہلے مصرع میں دو یاے اصلی ہو اور دوسرے میں یاے نسبت زائد

میرسن

زبیں شعر کہنے میں وہ و ناری | ہر اک شعر ان کا ہے جون آرسی
 یاے تختانی آرسی کی اصلی ہے اور یاے تختانی فارسی کی زائد ہے کیونکہ نسبت کے واسطے
 لاحق ہوئی ہے۔

جرات

اب بنجا میں بجان بلبا بوقت ایجا مانہ ہوں | تیرے اٹھ جلے سے کافر ہوں گزرتلہ ہوں
 اپنا حال اپنے ہی سے کتا ہوں نہیں نہانی میں | آپ ہی افسانہ گو ہوں آپ ہی افسانہ ہوں
 اسکی محفل میں اگر کچھ ڈھب بنے اور دستور | کبجو مذکور میر اس گمین ہوں یا نہ ہوں
 اسٹھ نہ موڑوں گا تری شمشیر سے قاتل لگا | نام ہر جرات مرا اس بات کو مردانہ ہوں

حالی

یہاں اور میں جتنی تو میں گرامی | خود اقبال ہے آج ان کا سلامی
 تجارت میں ممتاز دولت میں نامی | زمانے کی ساتھی ترقی کی حامی

ولہ

طبیعت میں جو اسکے جوہر تھے اصلی ہوئے سب تھے مٹی میں ملکر وہ مٹی

میر

آفرین صنایع لوگوں میں کیا لگایا باغ آکر کاغذ میں

بقاۃ اللہ خان بقا

جب دل صدیاں تیرے عشق سے بھرا تھا کوچہاے زلف میں شکر مثل شانہ تھا
ہاے جس گلشن کی ہم کرتے تھے سیریں پر کیا اب یہ ہوتا ہے گمان سبز ہی گویا دان تھا

نواب کلب علی خان والی رام پور

ملا ہزار دن سے میں تجھے اک زمانہ ملا مگر خدا کی قسم تم سا بے وفائے ملا
ملا ہر یار تو نواب تھے خوش کیوں ہو خدا ملا کوئی دولت ملی خسرتانہ ملا

آتش

روئے مژہ آن آنکھوں کے دلوں دکھا دیا تشبیہ دی جو چہرہ قاتل کے خال
صیاد نے شکار چھری سے لڑا دیا گولی نے بے تفنگ نشانہ اڑا دیا
کافر سے بھی نہو جو کیا ناز حسن نے عاشق کے دل کو توڑ کے کئے بوڑھا دیا
عشر حضور یار نہ ماہ چہ سار وہ دن ہو گیا نقاب جو شب کو اٹھا دیا
سوداے زلف یار کی سر میں جگہ ہوئی دام بلامین دل کو قضا نے پھنسا دیا
خط سے رہا نہ حسن رخ یار کا فرسوغ بچھنے نے اس چراغ کے دل کو بجھا دیا

بوچھا ہے عارفوں سے جو ہم نے وہ ہے کسان
آنکھوں کو بند کر کے ہے دل کا پتا دیا

آن اشعار میں دکھا اور رٹا اور اڑا اور ڈھا اور اٹھا اور پھنسا اور بجھا اور پتا قافیہ ہے اور
دیاردلیت اور الف جو حرف روی ہے کہیں حرف اصلی ہے کہیں نہ بھی غلو کے قبیل سے کچھ کے
قابل ہے کہ ایک جگہ روی حرف محفوظ و مکتوب ہو اور دوسری جگہ حرف محفوظ غیر مکتوب مثلاً پیش
مصنف بہار دانش کے شعر میں ۔ سے

بلا لایا گھسے میں اُسے دھنڈا گویا اُسے گنی کر کچھ اس کا جتن

ولہ

ہوا سننے خوشنود شبہ یہ سخن کیا حکم خرگوش کو دفعہ

شاعر نے تنوین کو جنون حکمی ہے نون اصلی کے مقابل مدی بنایا ہے تنوین اصطلاح صرف میں نون ساکن ناند کا نام ہے جو غلط کے آخر میں تاکید کے لیے آتا ہے علامت اس کی ایک سی دو حرکتیں ہیں اس طرح کہ لکھنے میں کسی حرف پر دو فتح یا دو کسرے یا دو ضمے کر دیتے ہیں دو نون حرکتیں پڑھنے میں نون ساکن معلوم ہوتی ہیں لیکن نون لکھا نہیں جاتا میزان الانکار میں لکھا ہے کہ نون تنوین حقیقت میں حرف جداگانہ ہے جسکو پڑھتے ہیں اور لکھتے نہیں ہیں اور تنوین کے جتانے کے لیے جو دو حرکتیں لکھتے ہیں یہ مبتدیوں کے سمجھانے کے لیے ہے حقیقت میں نون تنوین کی یہ شکل نہیں بہر صورت اہل لغت نون تنوین کو نہیں لکھتے بخلاف عروضیوں کے کہ وہ نون تنوین کو لکھتے ہیں اس طرح فعلن (فعل) آتش کے اس شعر میں بھی۔ دی کا مدار تلفظ پر ہے۔ ۵

ہاتھ سے تیرے کبھی ہے جو کوئی قاتل
زندگی سے تنگ ہیں ہم بھی دینا بالقضا

بیان تضمین

قافیہ کی اصطلاح میں تضمین جس عیب کا نام ہے وہ اس تضمین سے جو شاعری میں متعارف ہو جدا ہو لیے ایک مصرع میں ایسا قافیہ لانا کہ اس کے معنی مصرع ثانی پر موقوف ہوں اگرچہ اس کا عیب میں داخل ہونا کوئی وجہ نہیں رکھتا اور حق وہی ہے جو مولوی امام بخش صہبائی لکھ گئے ہیں مگر ناجار بہ تعلیق گذشتگان ہمنے بھی صیوب میں لکھنا بشال اسکی۔

دبیر

نا چیز سہی کم سہی رہنے میں میں را
ہاتھ آن کا پکڑ کر حسن پاک کو سونپا
بابائے غلاموں کے بھی حق میں کہا کیا
عباس غلاموں سے بھی کم مرتبہ ٹھہرا
میراث کی خواہش پر نہ درے کی طلب
پر بھائیوں میں میری حقارت کو غصہ ہے

لغظ آلا کے واقع ہونے سے دریافت ہونا سننے کا اس کے مابعد پر منحصر ہے۔

مومن

کچھ نہ کچھ کر گئے اثر طے
کہ ہوا مسر بان فلک لینے

کئی دن بعد ایک شب تنہا	اتفاقاً علی وہ سہ سہما +
انیس	
حضر کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر اکبر نے عرض کی کہ میں سب خبر سے	جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر لٹتا ہے کوئی آن میں خیر انسا کا گھر
ملتی نہیں رضا، میں آنسو بہاتے ہیں بابا گلا گٹانے کو میدان میں جلتے ہیں	
میسر	
جگر میں اپنے باقی روتے روتے کبھی جو آنکھ سے چلتی ہے آنسو	اگرچہ کچھ نہیں اسے ہم نشین پر تو پھر جاتا ہے پانی سب زمین پر
منشی	
تو مائل ہوا سو سے کشتی اگر نہیں چاہتا یہ کہ تجھ سا جوان	تو ہاں میں بھی کشتی کو حاضر ہوں پر مرے ہاتھ سے کشتہ ہووے یہاں
یہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ ایک لفظ مفرد کے دو جز کر کے بعض کو مصرع اول کے قافیے میں اور بعض کو مصرع ثانی کے ابتدا میں لے آتے ہیں اشعار عرب میں ایسا قافہ کثیر الاستعمال ہے صاحب قصیدہ بردہ فرماتے ہیں۔	
محمد سید الکونین وال ثقلی	ان والفریقین من عرب دن عجم
مصرع پہلا یا سے ثقلی پر تمام ہوا اور نون مصرع ثانی میں شامل ہے۔ مگر فارسی اور اردو میں یہ امر نہایت سیوہ ہے ایسا کوئی نہیں کرتا مگر بسبیل ظرافت اور ہزل کے جیسے مولوی جاقی کی اس رباعی میں سہ	
اے شادی عید چون بکام دل ریح دورم بد اہل دل کز آزادی ریح	دایم شدہ مجوس درین عکدہ مع بوس ست برسم عید ہم از تو طمع
مصرع اول کے آخر اور مصرع دوم کے اول جز سے اعدایم اور مصرع دوم کے جز اول اور مصرع سوم کے جز اول سے معذرم اور مصرع سوم کے جز اول اور مصرع چہارم کے جز اول سے مجوس حاصل ہوتا ہے اردو میں ایسی تو کوئی مثال نہیں ملتی مگر اس کے قریب قریب مولوی محمد اسماعیل کا یہ شعر ہو سکتا ہے۔ سہ	

جو ہن آنتاب تابان	نے چھپایا اپنا جلوہ
اسی قبیل سے ہے حکیم منظر حسین اظہر کی نظر غیر متغیہ من -	
جہان میرے سارے کاموں	جہان میرے سب خیالوں
میں فقط کوئی ہو رہبر	
بیان تغیر	
پنے اشعار میں قافیہ بدل ڈالنا یہ بھی عیب ہے مگر اشارہ کرنے سے کوئی عیب باقی نہیں رہتا اور شعراے ریختہ اکثر مقلع میں اس امر کا اشارہ کرتے ہیں اسکی مثال یہ ہے -	
آدمی خیر کیا آئے نہ پھوڑے پتھر	انشا پھونکے جس جلوے سے سب طور کے پتھر
لکھ غزل اور بدل قافیہ انشا کہ شرار	نکل آئے ہیں بہت تونے یہ پھوڑے پتھر
کھادین ہر چند کہ بارش کے زڑے پتھر	ولہ پر نہیں سب مرے اشکوٹ دڑے پتھر
لکھ غزل اور یہ تبدیل توانی انشا	تو نے آخر تو میں اس بڑے چپڑے پتھر
فوج لڑکوں کی جڑے کیوں نہ تراڑے پتھر	ایسے خبطی کو چبا جائے جو کڑا پتھر
نزل انشا اور بھی یک لکھ نہی کھراوردیف کی	کہ زبر کے قافیے حسین جون کے نفرت الی زبر
نہ تو کام رکھے شکار سے نہ تو دل لگائے سیر	پس باگے حضرت عشق جی چلے جاؤ گھر کی سیر
جرات	
نہ جی کو دل کی خبر نہ دل کو جی کی خبر	نہ بے بغیر کسی کو نہیں کسی کی خبر
بدل کے قافیہ کیے غزل اک اور ای طبع	جو ہو بچے شاعر دن نکلیا فی شاعری کی خبر
مطلع	
ہماؤں ہم نغان کیا میں گلستان کی خبر	تفس میں مجھ کو نہیں اپنے آشیان کی خبر
ہماں شمع کریں سوز دل بیان کیا خاک	زبان رکھتے ہیں لیکن نہیں زبان کی خبر
حسن	
آئے آئے آج گردہ گلبدن رہ جائے گا	بیگلی سے مرے تو یہ خستہ تن رہ جائے گا
گر کے گایاں بدل کر قافیہ اور اک غزل	شاعر دن میں نام تیرا حسن رہ جائے گا

مطلع

آشیان بکاخ میں اپنا نشان رہا۔ لے گا
ہم چلے جاؤ گے اور یہ آشیان رہا کے گا

ہا اور الف کا قافیہ میں جمع کرنا

شعرے رنجہ بعض جاہاے آخر الفاظ تو قافیہ میں الف سے بدل دیتے ہیں جیسے۔

ہوں

ہوں عشق پر سے غم رسید
آگاہ کرو کہ یہ ہوا کیا

دیکھو

پر وہ رہے نامہ عمل کا
کھل جائے نہ قبر میں لقا فا

رند

خار کرتا ہے جوانمردوں کو سفلوں کو غرور
دقت فکر شعرا گر آما بناوٹ کا خیال
کب محیط غم میں ڈوبا جسکا تو حامی ہوا
اس مینے میں بھی مہر دے رہا پہلوئی
گھر پہ بچش کا اس عرش مست کے یہ دل
دوسرا مجھ سانہوگا کوئی برگشتہ نصیب
اب کہاں وہ ایندنا مستوں کا وہ ہوش کہل
اب نہیں دل میں کدور شعرد حاصل صفا
سُن تو چرخ پیر کیا تو بھی کیسا ہو گیا
گل رُخ رنگین ہوا شبنم پسینا ہو گیا
ہر حباب اُسکے لیے گویا سفینا ہو گیا
عید کا بھی چاند خالی کا مہینا ہو گیا
آسمان کو ٹٹے کا جسکی ایک زینا ہو گیا
کی محبت میں نے جس سے اُسکو کیسا ہو گیا
ساتیا موقوف جب سے کا پنا ہو گیا
جیسے اشارتی کا سینہ میرا سینا ہو گیا

لیکن یہ بھی شرط ہے کہ وہ لفظ کسی اور لفظ سے ترکیب نہ دیا گیا ہو ورنہ قافیہ غلط ہوگا جیسے ان
شعروں میں مرزا دہر کے۔

میں سوزن ترکان بکترے زخم سیون کا
موجودہ ار مستہ جان ہے پے بخت

ولہ

اکتی تھی کہ آئے نہ یہاں شاہ مدین
گزارا بہن رستے میں محرم کا مہینا

ولہ

صفر کومان کی زمین جو تھا مہینا مہتا
عابد کو تب تھی نہ دجبال سکینہ تھا

ولہ	
قلموش دبیر اب کہ ہے جی تن سے مٹانا	نشد سے کر عرض کہ اسے رب زمانا
از بہر حسین و حسن اسے خالق دانا	جو کج سے جلین تو انھیں دوزخ میں جلا نا
سیونگا اور پئے بچہ۔ رب زمانہ اور دانا۔ شاہ مدینہ اور مہینا اور جمال سیکندہ کا قافیہ جائز نہیں بسبب مضاف الیہ ہونے بچہ اور مدینہ اور زمانہ اور سیکندہ کے (مستفاد از تحقیقات مولوی عبد الغفور خان نساخ -)	

میر	
گئے پاس اُس کے وہ شیخ زمانہ	رکھا پھر اُس کے آگے لا کے کھانا
شیخ زمانہ اور کھانا کا قافیہ جائز نہیں بسبب مضاف الیہ ہونے لفظ زمانہ کے۔	

مرزا محمد سعید الدین احمد خان طالب	
ملایک کو مری مٹی عزیز اور محترم ہوتی	اگر بن خاک در ہوتا حسین الدین حشتی کا
نچے میری نظریں جلوہ کون مکان کیونکر	کہ میں ہوں محفوظ مہین الدین حشتی کا
بات اور رات وغیرہ کو قافیہ میں ہاتھ اور ساتھ کے ساتھ جمع کرنا	
شعرا بات اور رات اور مہیات اور گات وغیرہ کا قافیہ ساتھ اور ہاتھ بھی کر لیتے ہیں مگر غور کیا جائے تو ایسا قافیہ درست نہیں کیونکہ ہاتھ اور ساتھ میں ہاے مختفی بھی ہے اور رات اور بات اور گات اور مہیات میں نہیں۔	

علی محمد خان علی تخلص	
دھیان میں لائے ہیں جی بھری کسی کی گات کم	مارتے ہیں نہ ہیں چپائی پر دونوں ہاتھ اکم
محبت رامپوری	
عجب گردش میں ہیں ندون اوقات کشتی ہم	آئینہ ہم کوئی ساعت جیسے ساتھ کشتی ہے
دلیر شاہ دلیر	
پھر بھی یارب وہ بھی دن رات ہو	یار ہوئے ہوئے میں ہاتھ ہو

دبیر

دیکھنے کے حضور ایسی کوئی بات نہ ہوگی | روح آپ کی بیمار کے کیا ساتھ نہ ہوگی

اسی قبیل سے ہے سودا کے ان اشعار میں باٹ کا قافیہ ٹھاٹھ کے سلفہ حیلے آخر میں تاسے ہندی کے تلفظ میں ہا مخلوط ہے جیسا کہ نفائس اللغات میں مذکور ہے۔ ۵

منظر کا شعر فارسی اور ریختہ کے بیچ | سودا یقین جان کہ روٹا ہے باٹ کا
آگاہ فارسی تو کے اسکو ریختہ | واقع جو ریختہ کے ذرا ہوسے ٹھاٹھ کا

چوتھا شہر اقسام قافیہ میں باعتبار وزن کے

طلسم کشایان گنجینہ سخن تحریر کرتے ہیں کہ موافق قول خلیل بن احمد عروضی کے حد قافیہ کی باعتبار وزن شعر کے حرف آخر ساکن سے اُس کے ماقبل کے حرف ساکن تک ہو برابر ہو کہ کلمہ کا جز ہو یا پورا کلمہ ہو یا ایک کلمہ پورا اور دوسرے کلمے کا جز ہو یا پورے دو کلمے ہوں پس صحفی کے اس شعر میں۔ ۵

تین لے اُسکی کلیجہ کھالیا | اس نے اُسے ہی مجھے سُنکوا لیا

کھا لیا اور سُنکوا لیا میں ڈوالف اور دو حرف متحرک کہ اُنکے درمیان میں واقع ہیں قافیہ میں چنانچہ کھا لیا میں ڈوالف اور اُنکے درمیان کالام اور یاے تختانی متحرک اور سُنکوا لیا میں دو لُف اور اُنکے درمیان کالام اور یاے تختانی متحرک قافیہ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ خلیل کے نزدیک کھا لیا میں کاف عربی کی حرکت اور سُنکوا لیا میں داؤ کی حرکت بھی قافیہ میں شمار ہوتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاف عربی اور داؤ قافیہ سے خارج ہیں مگر سکا کی اور صاحب خزر جیہ نے لکھا ہے کہ یہ دونوں بھی خلیل کے نزدیک قافیہ میں داخل ہیں اور آفیس کے ان شعر دن میں بھی قافیہ کا یہی حال ہے۔ ۵

ہاتھوں میں لے چکے جو اُسے شاہ القیا | بانو گیکاری نو نڈی کو صاحب جلالیا
بجھانے پر حسین کے بانو نے رو دیا | دیکھا فلک کو یاس سے اور سر ٹھکالیا

ولہ

یہ وہ ہے راہ خدا میں جو مجاہد | یہ سابق الایمان ہے یہ عابد و زاہد
پیدا ہوا جب خلق میں اُسکا ہون میں شاہ | سجدہ نہ کیا اور کو جس نے خالق واحد

مجاہد اور عابد اور شاہ اور واحد میں الف اور وال اور اُنکے درمیان کے حرف قافیہ ہیں اور

دوسرے قول کے مطابق جیم اور زائے مجمر اور شین منقوطہ اور داء کی حرکات بھی قافیہ میں شامل ہیں پس حرف ساکن تک جس قدر فاصلہ زیادہ ہوتا جائے گا قافیہ کا نام بھی علیحدہ بدلتا جائے گا جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے اور اس قول کے موافق قافیہ نو حروف میں منحصر رہا اور ان حروف کا کچھ نام نہیں ہے اور اگر آخر بیت میں دو حرف ساکن واقع ہوں تو وہ دونوں ساکن اور اُن کے ماقبل کی حرکت قافیہ ہے جیسے۔

رضا

خواہ نزدیک رکھو خواہ رکھو دور ہیں دیکھنا ایک نظر تکو ہے منظور ہمیں

کہ یہاں دور میں واو اور را اور دال کا ضمہ قافیہ ہے اور منظور میں واو اور را اور ظا کے مجمر کا ضمہ قافیہ ہے۔

خلق

اُف خون میں وفا کا پاس نسین جون گل کا غدی میں پاس نہیں

پاس اور پاس کا الف اور سین قافیہ ہے اور باے عربی اور باے فارسی کی حرکت بھی قافیہ میں داخل ہے۔ اور اخفش کے نزدیک شعر کا تمام کلمہ آخر قافیہ میں داخل ہے اور بعض تنہا حرف ردی کو قافیہ اعتبار کرتے ہیں اور بعض حرف ماقبل ردی کو بھی قافیہ میں شامل کرتے ہیں اس جبکہ خلیل کے نزدیک قافیہ دو ساکن میں منحصر ہوا تو اسکی پانچ صورتیں ہوتی ہیں اول مترادف یعنی لفظ قافیہ کے آخر میں دو ساکن بلا فصل آویں جیسے نوک چوک۔ نور جو دوم متدارک جس میں درمیان دو حرف ساکن کے ایک حرف متحرک ہو جیسے دلبر اختر۔ بہتر بدتر سوم متدارک جس میں درمیان دو حرف ساکن کے دو حرف متحرک واقع ہوں جیسے طنطنہ۔ خلخلہ۔ حوصلہ ولولہ۔ باخبر بے خبر چارم۔ متراکب یعنی وہ قافیہ جس میں دو حرف ساکن کے درمیان تین حرف متحرک واقع ہوں جیسے قبلہ من کعبہ من بستر غم فارا ملہ۔ ہجر۔ شکاوس یعنی وہ قافیہ جس میں درمیان دو ساکن کے چار حرف متحرک واقع ہوں اسکی مثال اُنہ کو میں نہیں یہ قسم عربی کے مخصوص ہے فارسی میں بھی مستعمل نہیں۔

قافیہ مترادف

یہ قافیہ آٹھ بحر وں میں آتا ہے ایک بحر ہزج اس میں جب آوے گا کہ عروض دضرب مقصور

ہوں یعنی مفاعیل یا اہتم ہوں یعنی فاعل یا ازل ہوں یعنی فاعل یا مہم ہوں یعنی مفاعیلان یہاں مفعول
مثال قافیہ مترادف کی دیکھائی ہے۔

ضعیف سے کروں اسکی میں کیا بات (مفاعیل) مسودا کہ جسے نہ تھی بڑھیا آگ کی بات (مفاعیل)

مشنوی نلدن مولفہ نکست

مرغان چمن میں نغمہ پرداز (مفاعیل) کرتے ہیں بندوق و شوق پرداز (مفاعیل)

مومن

اے خراجہ خواجگان دم خشم و عتاب (فعل) کیا تاب کہ دیکے کوئی تجھ کو جواب (فعل)

ولہ

یہ کچھ رہ نہ سنت نہ طریق توحید (فعل) پھر کیا ضرور سبکی یگانہ ہمید (فعل)

ذوق

قلم تاراستی پیشہ ہواور کاغذ صفا آئین (مفاعیلان) قلم زن تا ہو مشکلا نشان کاغذ خط سے مشکلا گین (مفعول)
زبان برتا سخن ہواور سخن میں معنی رنگین (مفاعیلان) سخن تا داد چاہے اور تا اہل سخن حسین (مفاعیلان)

فائدہ یہ قول بعض مؤلفین کا کہ قافیہ مترادف بحر زج میں جب آئے گا کہ عروض و ضرب مقصور یا
اہتم ہوں ازماہ انحصار نہیں ہے کیونکہ اس بحر میں جب عروض و ضرب ازل یا مہم ہوں تو بھی آسکتا ہے
جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہواور سراج بریل اس میں جب آتا ہے کہ عروض و ضرب مقصور یا مہم
ہوں اور قصود تبیین کن سالم میں ہوں یا مزاحف میں مشال قافیہ مترادف کی بحر بریل میں۔

مومن

اُس لئے کہ نہیں مزا نحال (فاعلان) ہر ج سے ہم ہیں محروم وصال (فاعلان)

یہاں قصر کن سام میں ہے اس لیے کہ فاعلان سے فعلات مقصور ہے جس کو فاعلان سے
بدل لیا ہے۔

ولہ

انکار اندیشہ انجام و مال (فاعلان) و ہم نا کارہ و بے صرفہ خیال (فاعلان)

یہاں قصر کن مزاحف میں ہوا لیے کہ فعلات مخبون کو مقصور کرنے سے فعلات معین کے کسر سے
بنایا ہے جسکو فاعلان سے بدل لیا ہے۔

ولہ	کچھ نشان کہ سکون کی تھی چاہ (فعلان)	اسکا انجام نہ کیوں سوچے آہ (فعلان)
عروض و ضرب میں تسبیح رکن مزاحفت میں واقع ہوتی ہے اس لیے فعلن (سکون میں) موقوف یا اتر کر تسبیح کرنے سے فعلان حاصل ہوتا ہے اسکو مخبون سکون مقصور اور شعث مقصور بھی کہتے ہیں۔		

۷

افندی انگشت سے وہ کرتا ہر رنگے فاعلیان	اور یان دلپزیر غم کے ہاتھ سے سنگ فاعلیان
عروض و ضرب میں فاعلیان سالم مسجع ہے۔	
<p>فائدہ۔ مولوی امام بخشؒ مہابی قافیہ مترادف کے بیان میں لکھتے ہیں کہ بحر مل میں جب ہوتا ہے کہ مقصور ہو یعنی فاعلات نے کے سکون سے یا شعث ہو یعنی معولین فاعلتین سے بدلا ہو کیونکہ فاعلتین بسبب سکون لام کے مستعمل نہ تھا بدانت ناقص مؤلف کے فاعلات مقصور کا ذکر تو بجا ہے لیکن مفعول شعث کا لکھنا سہو سے قالی نہیں کیونکہ فاعلات کے آخر میں الف ساکن پھرتے ساکن ہے اور قافیہ مترادف کی بھی یہی تعریف ہے کہ اسکے آخر میں دو حرف ساکن بلا فصل واقع ہوں پس مفعول شعث میں یہ بات نہیں اس لیے کہ اس میں داؤ ساکن پھر لام تحرک وسط میں فاصل پھر نون ساکن ہے تعجب ہے کہ مسجع یعنی فاعلیان اور شعث مقصور یعنی فعلان بسکون عین کے ذکر کو نہ چھوڑ دیا اور مفعول شعث کو لکھ دیا جو مفید مدعا نہیں میسر کی بحر مضارع اس میں جب آوے گا کہ عروض و ضرب مقصور یعنی فاع لان : مسجع یعنی فاع لیان : دون مثال۔ قافیہ مترادف کے بحر مضارع میں آٹ کی۔</p>	

میر تقی

لاؤن تری صفت کے صفت میری ہر محال فاع لان	آشفہ طبع شاعر خستہ کی کیا مجال دفاع لان
--	---

ولہ

کیا ظلم کیا تعدی کیا جور کیا جفائیں (دفاع لیان)	اس چرخ نے کری ہین ہے بہت ادائیں (دفاع لیان)
<p>فائدہ۔ تشریح بعض محققین کی کہ بحر مضارع میں قافیہ مترادف جب آتا ہے کہ عروض و ضرب مقصور یا مسجع ہوں کیونکہ بحر مضارع مسدس کا رکن آخر مخفیلین مقصور ہو کر مخفیل اور مسجع ہو کر مخفیلان ہو جائے گا کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتی اس لیے کہ اول تو بحر مضارع رخیہ میں مسدس مستعمل ہی نہیں مثال کے طور پر کچھ وزن مسدس عروض کی کتابوں میں لکھ دیے جاتے ہیں دوسرے اور جو</p>	

مشتمل ہے اُس میں رکن فاع لاتن کو آخر میں لائے ہیں مفاعیلن آخسر میں نہیں واقع ہوتا یسیر کے مثنیٰ بہت مشتمل ہے اور اُس میں رکن آخر فاع لاتن کے قصور تسبیح کی حالت میں قافیہ مترادف کا آنا ممکن ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں معلوم ہوا چوتھی بحر سرریح اس میں قافیہ مترادف جب آئے گا کہ عروض و ضرب مطوی موقوف یعنی فاعلان ہوں یا مجدوع یعنی فاع مثال۔

عقالت

مرد سے بولے کہ نکر دو نکاح (فاعلان) زن کے چارہ میں شوہر مباح (فاعلان)

قدیر

عشق محمد بن دن رات (فاعل) رہوے مری صرف اوقات (فاعل)

پانچویں بحر فہرج اس میں قافیہ مترادف جب آئے گا کہ عروض و ضرب مطوی موقوف یعنی فاعلات یا مجدوع یعنی فاع ہوں مثال۔

شاہ نیاز احمد

خاک کے پتے نے دیکھ کر کیا ہی مچایا ہر شور فاعلات جن و ملک کے اوپر کر رکھا ہی اپنا زور (فاعلات)

قدیر

اکلبہ اخزان میں آپ لائے جو تشریف (فاعل) بندہ آوازی کی کیا ہو سکے تعریف (فاعل)

چھٹی بحر جزاس میں جب آتا ہے کہ عروض و ضرب مذال یعنی مستفعلان ہوں مثال۔

ظفر

واللہ بغیر از یحییٰ یارا کسی کو یہ کسان (مستفعلان)

جواس بلا کو ٹال دے ہو دے شفیع عاصیان (مستفعلان)

بادر نہ آتا ہو جسے دیکھے عیسان کا کیا بیان (مستفعلان)

اکھتے ہیں دروازے اُپر تا گھر ہے دارالامان (مستفعلان)

ساتویں بحر تغارب اس میں جب آتا ہے کہ عروض و ضرب مقصور یعنی فاعول یا مسبق یعنی فاعلان یا انکم مسبق یعنی فاعلان بکون میں ہوں

میرسن

تہفتہ اُسی سے سوال و جواب (فعل) سدا رو بروا کے غم کی کتاب (فعل)

لیلیٰ مجنون مؤلفہ میر تجلی

دے غور میں نے جو کی اے ندیم (فعل) جواہر کا تھا وہ درخت عظیم (فعل)

موسن

صبح جدائی شام غریبان (فعل) کام دل ناکام رقیبان (فعل)

میر

خون باری سے چہرہ گلون (فعل) خلق رسل چشم پر خون (فعل)

پہننے میں وہ صفائے دندان (فعل) برق خرمین عالم امکان (فعل)

اکھوین بکر کامل اس میں اس وقت آتا ہے کہ عرض و ضرب نڈال یعنی متفاعلان یا مضمر نڈال
یعنی متفعلان ہوں جیسے۔

امیر پینائی

وہ نیم گلشن کن نکان وہ نیم روضہ جاودان (متفاعلان)

وہ قمر خدمتک آستان وہ قضا علم وہ قدر نشان (متفاعلان)

صبر رامپوری

کسی دوست کو شب غم نہ تھی مرے جینے کی ذرا بھی امید (متفاعلان)

جو سنا دیا کہ وہ آتے ہیں نہ مرض پہ ہوتی سب کو حید (متفاعلان)

لا اعلم

ترے بھرے آئی ہے لب پر جان زار (متفعلان)

یہ بتائے تھے تو تھا کمان اے گلزار (متفعلان)

قافیہ متواتر

چند مجروحین آتا ہر ایک بھر زج اس میں جب آئیگا کہ عرض و ضرب سالم بنی مفاہیلن یا مجروح
یعنی فعل میں ہوں مثال قافیہ متواتر کی بھر زج میں۔

ذوق

گلستان میں ہوتا گل اور گل سے شاخ ہوزیبا (مفاعیلن)

ایستان میں ہوتاے اورنے سے نغمہ ہو پیدا (مفاعیلن)

نسال تاک میں انگور ہوا انگور میں صبا (مفاعیلن)

نشہ صبا میں ہوا اور ہونشہ جب تک نشاط افزا (مفاعیلن)

مومن

انگاہ لطف سے کیا کیا اشارے (فعلن) کہ منظور نظر ہو تم ہمارے (فعلن)

مشنوی نلدن من مؤلفہ نکست

اے مہر منور رسالت (فعلن) دیباچہ دفتر عدالت (فعلن)

دوسری بحر مل اس میں جب آتا کہ عرض و ضرب سالم یعنی فاعلاتن یا مجنون یعنی فعلت یا مجنون محذوف مسکن یعنی فعلن میں کے سکون سے ہوں مثال اول۔ ۵

میری انکی اب نہیں مہر و محبت (فاعلاتن) یہ نقطہ اک دور کی صاحب سلامت (فاعلاتن)

گر خدیر میرا نہیں بے شیشہ خالی (فاعلاتن) تیغ ہر ایمین شراب پرنگالی (فاعلاتن)

ظفر

نہ پرستش کا تو محتاج نہ محتاج عبادت (فعلن) نہ عنایت تجھے درکار کسی کی نہ حمایت (فعلن)

مومن

مثال سوم۔

وہی صحبت وہی ہر عالم (فعلن) وہی ہمناد وہی رونا باہم (فعلن)

تیسری بحر جزا میں جب آتا ہے کہ عرض و ضرب مقطوع یعنی مفعولن ہوں مگر ایسا وزن ریختہ میں دیکھا نہیں گیا شاید کسی نے لکھا ہو جو کھٹی بحر مضارع اس میں قافیہ متواتر جب آتا ہے کہ عرض و ضرب سالم یعنی فاعلاتن ہوں مثال۔ ۶

میر

آیا ہے ابرج کا قیلے سے تیسرہ تیسرہ (فاعلاتن)

مستی کے ذوق میں ہیں آنکھیں بہت سی خیرہ (فاعلاتن)

پانچویں۔ بحر متعارف اس میں جب آتا ہے کہ عرض و ضرب سالم یعنی مفعولن ہوں جیسے۔

میسر
 اُسوگر گزشت اب ہماری زبانی رفعلن
 کسی رچہ جانی نہیں یہ کمائی (رفعلن)

مومن
 الیگی میرا چین وہ بالکل (رفعلن)
 ساتھ سہ ہارس صبر و تحمل (رفعلن)
 چھٹی - بھر تدارک اس میں جب آگیا کہ عرض و ضرب مقطوع بنی فعلن بکون عین ہون جیسے۔

طالب
 ہر دم کرتا ہوں میں زاری (فعلن)
 دلچسپی پس تیری یاری (فعلن)
 اور رباعی میں بھی آتا ہے بشرطیکہ عروض و ضرب اتہر پنی فعلن کیونکہ فعلن کے قبل فاعلین آتا ہے
 یا مفعولن پس ان دونوں کا حرفہ آخر سانس بمنزہ حرف ساکن باقبل فاعل کے ہو گیا اور دو سنگنوں
 کے درمیان ایک فعلن متحرک ہو گئی مثال۔

امومن
 یہ چند منافع مراد یہ بہت (رفع)
 سہ کفر و شلال و فسق و فجور (رفع)
 بتلائے میں بدعتی امام حق کو (رفع)
 آگیا کہ جہاد بت فلاں شست (رفع)

قافیہ تدارک
 نو برون میں آتا ہے ایک بحر بجز اس میں جب آتا کہ عروض و ضرب مقبوض سینے
 فاعلن ہون جیسے۔

ظفر
 میں ہوں ضعیف و ناتوان دوسری پار کی قافیہ فاعلن
 اسکی ہوا وصل جو جھک کر آگے لے جلی (مفاعلن)
 میرا علاج دوسری بحر جھکے ہوئے مفاعلن
 دوسری بحر اس میں جب آگیا کہ عروض و ضرب مقبوض فاعلن ہون جیسے۔

دوسرے
 مائے حقین یہ تصور کا راز (مفاعلن)
 قند بک مینہ سے زمین عطاردی فاعلن

دیوان سوم مصحفی

دلی میں اپنا بھجوا دیکھو

یقیناً بجز اس میں قافیہ متدارک جب آئے گا کہ عوض و ضرب سالم یعنی مستفعلن یا یحجوبن
یعنی مفاعیلن ہوں۔
مثال اول۔

نظیر اکبر آبادی

جواد کی بستی رکھے اس کا بھی بستا ہے پُرا (مستفعلن)

جواد کے مارے چھری اس کے بھی لگتا ہے چھرا (مستفعلن)

حافظ بانکی پوری

اے ابطحی و شہر بنی اے محترم اے محترم (مستفعلن)

اے خزن صدق و صفا اے معدن جود و کرم (مستفعلن)

مثال دوم۔

مومن

صحیح ہوئی تو یہ ہوا ہے وہی تیرا ختری (مفاعیلن)

کثرت دروے سیاہ شعلہ شمع خادری (مفاعیلن)

چو تختی بحر کامل اس میں جب آتا ہے کہ عوض و ضرب سالم یعنی شفاعیلن یا مضر یلے
مستفعلن ہوں مثال اول۔

امیر مینائی

شب جشن خالق بحر و بر جو طلب ہوئے تو بندھی کر (شفاعیلن)

صف بنیا تمی از دم آید وہ نجوم میں ہفت مشر (شفاعیلن)

۵۹

کے خلق حق نے جو انبیاء اخصیہن ایک ایک تہذیب و مذہب شفاعیلن

جو کیم کرید زینیا تو مسیح تو دم بن قسرا (شفاعیلن)

مثال دوم۔

طالب

نہ ہونی کہنی کھنسنے خطا نہوا کر دیکھ پھر خطا (مستفعلن)
 نہ دیا کرو تم گالیان نہ کیا کر دیکھ پھر خطا (مستفعلن)
 پانچویں بحر متقارب اس میں جب آتا ہے کہ عروض و ضرب مخدوف یعنی فعل عین مفتوح و لام
 ساکن سے ہوں اور اس میں دوسرا ساکن اس طرح ہوتے ہیں کہ فعل کے قبل فاعل آتا ہے اسکا لون
 ساکن ہے پس فاعل کا لون ساکن بمنزلہ ساکن ماقبل فاعل کے ہر قانون ساکن اور لام ساکن کے
 درمیان فاعل میں متحرک ہووے جیسے اس شعر میں۔

میر حسن

دو شطربور دن تک بے محل (فعل)
 بڑے اشیانوں سے اپنے کل (فعل)
 دہا تھوں میں سونے کے موٹے کرے (فعل)
 جھلک جس کی ہر ہر قدم پر بڑے (فعل)
 چھٹی۔ بحر متدارک اس میں جب آتا ہے کہ عروض و ضرب سالم ہوں جیسے اس شعر میں قطعہ تاریخ
 رحلت شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے۔

رشک

اشک نے صبح سال رحلت کہا (فاعل)
 شر کوئی اٹھی لکھو سے ولا (فاعل)
 ساتویں بحر متدرج اس میں جب آتا ہے کہ عروض و ضرب مطوی کسوف یعنی فاعل آوین جیسے۔

سودا

اتنے بے صاحبو آ کے یہ ہم سے اڑے (فاعل)
 انا کوئی جانے انھیں یہ بھی میں شاعر بڑے (فاعل)
 آٹھویں بحر مضارع اس میں جب آتا ہے کہ عروض و ضرب مخدوف یعنی فاعل
 ہوں جیسے۔

میر

آداب سلطنت نہ تھا جھکورا بطہ (فاعل)
 حرکت نہوتی مجھ سے کوئی غیر ضابطہ (فاعل)
 نوین۔ بحر سربیع اس میں قافیہ متدارک جب آتا ہے کہ عروض و ضرب مطوی کسوف یعنی
 فاعل ہوں جیسے۔

تسمید

جھکونین چاہیے باغ ارم (فاعل)
 سر ہوا و درہ خاک قدم (فاعل)

قافیہ متراکب

یہ قافیہ دو بحر و دو وزن آتا ہے۔

ایک بحر جزین جبکہ عروض و ضرب مطوی یعنی مفتعلن ہوں جیسے۔

قدر

اب نہیں طاقت کہ جسے خون شدہ دل سرخ و لب (مفتعلن)

لطف کرو نطف کرو چھوڑ دو سب قسم و غضب (مفتعلن)

دوسری بحر بل اس میں اس وقت آتا ہے کہ عروض و ضرب مخبون مخذون یعنی فعلن
بکسر عین ہوں اور میان دو ساکنوں کے درمیان تین تحرکوں کے جمع ہونے کی یہ صورت ہے
کہ فعلن کے پہلے فعلاتن آتا ہے اور اس کا نون ساکن ہے پس فعلاتن کا نون ساکن بمنزلة الساکن
ما قبل فعلن کے ہر نو فعلاتن کے نون ساکن اور فعلن کے نون ساکن کے درمیان تین حرف
متحرک یعنی فتعل ہوئے۔ جیسے سرین کہ اس شعر میں۔

سینہ وقف خلش خارا لم (فعلن)

جگر و سر ز نش نشتر غم (فعلن)

فائدہ ان چاروں قسموں کا قافیہ بحر مذکورہ بالا میں واقع ہونا پس سبیل احصر کے نہیں اور
ابیات مردف مستثنیٰ ہیں اور قافیہ تنکادس چونکہ عربی سے مخصوص ہے اور اشعار فارسی میں بھی
ظہن و شکمش قافیہ نہیں کرتے اس لیے کہ فاصلہ اکبر ہے لہذا اس کا بیان فضول ہے یہ شالین جو تمام
قافیوں کی دی گئیں اور اشعار ہر قسم کے برعایت ہو کر لکھے گئے اس سے یہ مطلب نہیں ہر کہ ایک قصیدہ
یا غزل وغیرہ میں ایک ہی قسم کا قافیہ ہونا چاہیے نہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ قافیہ عربی میں ان پانچ
قسموں سے اور رخیہ میں پہلی چار قسموں سے زیادہ نہیں ہو سکتا خواہ ایک غزل و قصیدہ میں چند
طرح کا قافیہ لائیں اور ایک مطلع میں ایک مصرع کا قافیہ ایک قسم کا ہو اور دوسرے مصرع کا قافیہ
دوسری قسم کا جیسا کہ علی العموم شائع ہے۔

اوپر کی مثالوں میں اس قسم کے اشعار تلاش کر کے لکھے گئے ہیں جنکے دونوں مصرعوں میں ایک
قسم کا قافیہ ہے اور شاعر اگر اس کا التزام کرے اور دونوں مصرعوں میں مطلع کے یا ہر ایک شعر میں غزل و
قصیدہ کے ایک قسم کا قافیہ لائے تو از دم مالا یلزم کے قبیل سے ہے۔

تنبیہ یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ نون غنہ محققین ایل و ض کے نزدیک حرف میں داخل

نہیں ہے اس وجہ سے اسکو تقطیع میں نہیں لکھتے ہیں پھر اس شہر میں نون غنہ کا کیون اعتبار کیا ہے
جواب اسکا یہ ہے کہ اہل قافیہ کے نزدیک نون غنہ معتبر ہے اور اسکو ایک علیحدہ حرف سمجھتے ہیں چنانچہ
مزا قلیل نے دریائے لطافت میں کہا ہے کہ نون غنہ عروضیوں کے نزدیک حروف میں داخل نہیں اسوجہ
سے اسکو تقطیع میں نہیں لکھتے اسی طرح جو حرف تلفظ میں نہ آئے یا جہان کوئی حرف دو حرف کی ترکیب
سے حاصل ہوا ان میں سے ایک کو شمار نہیں کرتے جیسے واؤ خود کی اور تاو وال راست دار کی اور
نون چاند کا اور اہل قافیہ ان حروف کا اعتبار کرتے ہیں۔

پانچواں شہر ردیف کے بیان میں

پوشدہ تر ہے کہ ردیف کو شعراے عجم نے اختراع کیا ہر شعراے عرب کے یہاں مانند رباعی اور
مخلص کے اسکا دستور نہیں لیکن سلاکی نے شعراے عجم کی اتباع سے چند غزلین مردف کی ہیں اور رباعی
کو اس سے بھی پہلے دوسرے شعراے عرب نے شعر۔ عجم کی تقلید سے اختیار کیا ہے۔
ردیف اس لفظ کا نام ہے جو قافیہ کے بعد آتا ہے اور دوسم پر ہوتا ہے ایک مستقل کہ براہ استقلال قطعاً
آیات میں بقید ملر وارد ہو دوسرا غیر مستقل یعنی مستقل حکمی وہ ہے جو قافیہ معمولی میں پایا جائے
کہ نصف لفظ کو قافیہ اور نصف کو ردیف ٹھہرائیں مگر باتفاق جمہور لفظ خواہ کلمہ ہو یا کلام مستقل اور
نہ لفظ والمعنی ہوتا ہے اور معنی شعر کے اس سے ایسے تعلق ہوتے ہیں کہ رباعی کے تمام ہمیں ہوتے
مثال ردیف متفق اللفظ والمعنی کی۔

سودا

ہاں کشتان مجست یہ جو ہوا شو ہوا

جو گزرے مجھ آت مت کہو ہوا شو ہوا

مرے لہو کو تو دامن سے دھو دھو دھو

سباوا ہو کوئی ظالم ترا گر زبان گیر

پہلے شعر میں کہو اور دھو دھو دھو شعرین دھو قافیہ ہوا اور ہوا شو ہوا ردیف۔

نثار

زخمی کو بہت کے مٹنے سے راحت ہے

گر اوان بھی تو پیڑ کے تو سنگ جرات ہے

انیت اور سنگ جرات قافیہ ہوا اور زخمی کو بہت ہے۔

نواب احمد علی خان رند

حشر کو جب حساب مانگیں گے
اپنے ساتھی لائے بالی سے

الامان شیخ و شاب مانگیں گے
رند و ان بھی شراب مانگیں گے

پہلے شعر میں حساب اور شراب اور دوسرے شعر میں شراب قافیہ ہو اور مانگیں گے ردیف۔

حالی

ہیں مار رفیق پر نصیبت میں نہیں
اس بات کی انسان سے توقع بڑھت

ساتھی ہیں عزیز یک لست میں نہیں
جو نوع بشر کی خود جبلت میں نہیں

پہلے مصرع میں نصیبت اور دوسرے میں ذلت اور چوتھے میں جبلت قافیہ ہو اور میں نہیں ردیف

موقوفہ

اس دل کو اندہ پر دست ہے طاری اندون
چہن دم بچھو بھی ہیں لینے نہیں دیتی ہواہ

لاکوی موج ہوا نہ بھیر بھاری اندون
کام کر ڈالے گی اپنا بے قرار ی اندون

ان دونوں دو ارن شعر دن میں ردیف ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کے نزدیک لفظوں کی تکرار شرط ہے نہ معنی کی لینے۔ گرد دوسرے شعر میں یہ کلمہ دوسرے معنی میں آجائے تو درست ہو جیسا کہ مزار سلیمان شکوہ کے ان دو شعر دن میں۔

گالیان سیکڑوں ہر بات پر اب دینے لگے
کس طرح ان فی ثلثین کروں کیونکر تعظیم

دیکھو جھڑنے میں کیا منہ سے مرے یار کے پھول
دست و پا اپنے گئے دیکھتے ہی یار کے پھول

غالب

جمہد دروازہ خاور کھلا
خسرو بخشیم کے آیا صفت میں
وہ بھی تھی اک سیما کی می نمود
ہیں کو اکب پھر نظر آئے زمین کچھ
ہیزم سلطان فی ہولی آراستہ

مہر عالم تاب کا منظر کھلا
شب جو تھا گنجینہ گوہر کھلا
صبح کو راز مہ و اختہ کھلا
دینے میں دھوکا پہ بازی گر کھلا
کعبہ امن و امان کا در کھلا

ان شعر میں مسرمانہ بان سے سوا
خسرو و آفاق کے منہ پر کھلا

جرات

میرزا گوہر سرشک چشم سے دامان تر پیا
 سکھادی پردہ داری حسن نے یہ اسکو خاموشی
 جواز ماہ تطف پاٹوں وہ رشک لکے کھے
 تو پونچے کرسی دل کا ہمارے عرش پر پیا
 خواجہ نصیر الدین طوسی کا یہ بھی قول ہے کہ مستقل ہونا ردیف کا بھی ضرورت نہیں ہے کلمہ ردیف
 مستقل ہو یا غیر مستقل دونوں طرح درست ہے لیکن ردیف غیر مستقل سے خواجہ کی مراد وہ
 حروف قافیہ میں جو بعد حرف وصل کے آتے ہیں مثلاً خروج اور مزید اور نازہ کے اگر تفاق جمہور
 قول اولیٰ پر ہے یعنی مستقل ہونا ردیف کا شرط ہے پھر بن اشعار میں۔

حالی

وہ بیوان بن رحمت تھب پائے والا
 مراد بن لڑہون کی برسات والا
 مصیبت میں نچوان کے کاہ آئے والا
 وہ پش پڑے کا غصاٹے والا
 خواجہ کے نزدیک پائے والا اور لائے والا اور آئے والا اور چائے والا اسے صرف بی والا
 ردیف میں داخل ہیں کیونکہ یا کے تحتانی خروج ہے اور وہ مزید در سے نازہ اور رام اور نعمت
 نازے کی فرع ہیں اور ہو کے نزدیک یہ قافیہ میں داخل ہیں۔
 نواب کلب علی خان مرحوم دالی راہپور کی ایک نثر بہت جگہ دوست پر ہیں۔
 وہ چشم و رخ دکھائے ہیں سیر گل شراب
 یہ خوب ہیں نہیں اندر سنبھل و شرب
 واعظ نازد روزہ مبارک رہے تجھے
 یا ان بزم میں ہے زمزمہ قلقل و شراب
 اس میں داو حرف عطف ردیف میں داخل ہے اور شراب کے شامل ہے خانہ کدہ
 معنوی کلمہ غیر مستقل ہوتا ہے لیکن اس میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ ردیف کے یہ استقلال
 ضرورت نہیں حرف عطف معطوف علیہ اور معطوف دونوں سے تعلق رکھتا ہے۔
 شیخ امام بخش ناسخ کے کلام میں غلطی کا گمان بہت کم یہاں آتا ہوا ایک مرتبہ دیوان دوم کے مطابق
 اتفاق ہوا ردیف امایں یہ غزل نظر پڑی۔

اگر دیکھنے والے ترے غرض بہ نور سیاہ
 ہو گیا استک کی مانند یہ کا زریہ سیاہ
 غرض کہ اس ساری غزل میں جو دو قافیہ اور ایک قافیہ ہے دوسرا قافیہ ہے
 عتہ جودہ مطاع نہ کمشور باد فروری شمسہ پار ہفتہ ۱۱

یاد ساقی میں شکتی ہر شراب شک کی جا

بہن مرے دیدہ تریا کہ بہن بلور سیاہ

اس شعر میں رائے ہملہ بلور کی کسرہ تو عیفی جاتی ہے مگر محاورہ اردو میں بعض موقع پر ساکن پڑھنا بھی جائز ہے جو قیاس لغوی کے خلاف ہے شیخ قطع میں فرماتے ہیں کہ

باس جو چٹکے پڑھتے تھے غزل وہ گئے دان

اب تو ناسخ کبھی کر آئے ہیں جو دور سے

تمام غور ہے کہ لفظ سیاہ میں لفظ آہ جڑ بھی نہیں کیونکہ لفظ سیاہ میں یا س ختانی ترک و راحت ساکن ہے اور شیخ مقطع کی ردیف میں سے ان کا ترجمہ در آہ الف محدودہ سے لائے ہیں تیرے اس سے بھی ایک عجیب کام کیا ہے کہتے ہیں کہ

اثر ہوتا ہمارے گرد عسایہ میں

لگ آٹھتی آگ سب ارض سماں

کفن کیا عشق میں نے بن بنا

کچے نو ہو میں بھتیر دن کے جاٹ

ضعیف دزار تنگی سے ہیں آجیند

دیند تیس اڑتے ہیں ہوا میں

ساری غزل میں دعا اور سادہ اور ہواد غیرہ تانہ اور میں ردیف ہے مگر دوسرے شعر میں جانے کے لاکر جا کو تانیہ کے مقابل مانا ہے اور اسے اردیف کے باوجود یکہ اور جاہ میں ہیں حروف کا کلمہ ہے اور آخر میں ان غنہ ہے ایسی دیت نہایت میوب ہے۔

میر سید حسین

کو چہ ترا سے سرور دان رشک چمن ہے

لبیک کی روش کو چے میں عاشق کاوٹن ہر گلزار گویا

عاشق جو شب وصل ہوا طائب ہوس

ہو جائے میں خاموش ہر ایک سخن میں قرار ہے گویا

شعر اول میں لفظ ہے ردیف ہے اور باقی اشعار میں لفظ میں ردیف واقع ہوا ہے اور یہ تمام

شعر ہاں اگر اس کا اشارہ کر دیں تو عذرا ائمہ نہیں چنانچہ شعراے ریختہ کے یہاں یہ دستور ہے کہ

مقطع میں غزل آخر کے اختلاف ردیف کا اشارہ کر دیتے ہیں جیسا کہ انشا کرتا ہے۔

بدل اب ردیف کو کہ غزل کہ انشا کی برہم

کہ پرے ہر عرش عظیم سے بھی کچھ میں گھری ہوا بدل

غم وہ دوتا سفت یا نزل الم سے دلائے غزل کہن

یہی جائے بلا خبر ہے کہ غزل کہہ کر ایسا کہن

اول

کل بھی غزل میں عجز نہ جاتا ہے

بہن مرے دیدہ تریا کہ بہن بلور سیاہ

کہ وہ دور بہ تبدیل دے پتہ

نہایت عجز نہ جاتا ہے

پیش دل ہی سے ہم ملے گلے بیٹھے مین
چھڑت شعلہ گل بسکہ جلے بیٹھے مین
جائز ہے کہ تمام شعریا تمام مصرع قافیہ اور ردیف ہو جیسے -

ظفر

صنما ہم کہیں تو کیا کو مین
مدعا ہم کہیں تو کیا کو مین
مدعا ہم کہیں تو کیا کو مین
مدعا ہم کہیں تو کیا کو مین

گلزار نسیم

بے رخ ترے واسطے ہوئی مین
فرخ کترے واسطے ہوئی مین

ولہ

رنجور جو ہوں تو مین تمھیں کیا
مجبور جو ہوں تو مین تمھیں کیا

منشی الوار حسین تسلیم

راہد دن کے طفیل سے یارب
عابد دن کے طفیل سے یارب

ولہ

سونہ سو گند ہو گیا اُس کو
رونا سو گند ہو گیا اُس کو

درد

ای درد بہت تو نے ستایا ہم کو
بے درد بہت تو نے ستایا ہم کو

سید منصور علی رامپوری

کنے مجھے چین سے کیا ہے بچپن
بچپن کرے اُسے بھی کوئی یارب
جسے مجھے چین سے کیا ہے بچپن
انے مجھے چین سے کیا ہے بچپن

مومن

کیا مناسب تھے یہ بے باک سخن
تو مناسب تھے یہ بے باک سخن

ناسخ

عشق بد ہے اسے دل نادان سمجھ
غم نہ ہو ظلمات کا کال مین نہ جا
یہ سند ہے اسے دل نادان سمجھ
نا بلد ہے اسے دل نادان سمجھ

قول ناسخ منع شغل عشق میں رہا مستند ہے اردل نادان سمجھ

رنجین

شب تجھ سے جدا ہوئی تو معلوم ہوا
دل تجھ کو بہت چاہتا ہے اے رنجین
جب تجھ سے جدا ہوئی تو معلوم ہوا
اب تجھ سے جدا ہوئی تو معلوم ہوا

ردیف کا جو لفظ زائد واقع ہو کہ معنی سے کچھ تعلق نہ رکھتا ہو اسے ردیف معیست کہتے ہیں
خاقانی کے عہد سے مرزا صاحب کے زمانے تک تمام شاعر دن کے کلام میں یہ ردیف پائی جاتی ہے مگر
متاخرین نے اسے فضول سمجھ کر ایک قلم ترک کر دیا خاص کر مطلع میں ایسی ردیف کا آنا زیادہ تر
معیوب سمجھا ہے جیسا کہ اس شعر میں مرزا دبیر کے۔

ایمانی سکینہ کہ خدارا ارے لوگو
دو نون میں مصرعوں میں پہلی ردیف بیکار ہے۔
بتلاؤ نہیں ضبط کا یارا ارے لوگو

حافظ عمر دراز فاضل

ساقیا بادہ دوشینہ کا اک جام پلا
تپکھلے مصرع کی ردیف نائد ہے۔
میں نہیں مقتد کفر نہ اسلام پلا

محمد حسین آزاد

اس تیرہ شب میں شاعر روشن دماغ ہو
پہلے مصرع میں ردیف زائد ہے ایسے کہ شاعر روشن دماغ مبتدا ہے اور بیٹھا خبر ہے دوسرے مصرع میں خبر
رابطہ ہے درمیان مبتدا و خبر کے پس پہلے مصرع میں ہے کی ضرورت نہیں اور جلائے چراغ حال ہے
اور اس تیرہ شب میں اور اندھیرے گھر میں خبر سے متعلق ہیں۔
بیٹھا اندھیرے گھر میں جلائے چراغ ہے

آتش

لکے جو یوسف اکھنیں کوئی تو یہ کہنے ہیں
لفظ کا کہ ردیف ہی بیکار رہی۔
ہیں بھی سمجھے ہو تم نیچے کے قابل کا

خواجہ وزیر

کیون نہ انگشت شہادت ہوں کمال قابل
دل ترا قتل پر کیون نہ ہو مائل قابل
تیر دستی میں نہیں تیری اتامل قابل
اب شمشیر عناصر میں ہو داخل قابل

ایک ایک ردیف بیکار ہے۔

ولہ

ہے سخن گو گو حندا حافظ

اُس صنم کو حندا کہوں نہ کہوں

ردیف نائد ہے۔

شمس انسا بیکم متخلص بہ شرم

ہجرین مجھ کو اگر ہوگی شفا کیا حاصل

دوسرے مصرع میں عبث نے کیا حاصل کو بیکار کر دیا ہے۔

میر وزیر علی صبا

چکے بیٹھا ہی جھکائے ہوئے گردن کیا

انقد دل ہاے چور اگر بت پُرفن کیا

دوسری ردیف بیکار ہے۔

ولہ

گل سے تپیل ہو گئی بزار قیصر باغ میں

دیکھ کر رنگین تر از خسار قیصر باغ میں

دوسری ردیف نائد ہے۔

منیر

زار حضرت شاہ شہد ہے داے

مرجع روح ملک تانی عقل اول

باقیات الصلحا شمس ضحا ہے داے

انکی تصنیف ہیں کیا کیا کتب بسوط

دوسرے شعر میں ردیف فضول ہے۔

حسرت

افعی جوڑے کچھ نہیں چار انہ جیے گا

دل اسکی یہ زلف کا مارا نہ جیے گا

دوسری ردیف بیکار ہے۔

ضامن

میں ترے کوچے میں جاناں سیکڑوں

چشم گریان سینہ بریان سیکڑوں

دوسری ردیف فضول ہے۔

فائق

ترے عارض سے من شرمندہ ایسے ہیں پانچون
گل دایئہ دخور شید دماہ و نستر پانچون
جس شعر میں ردیف ہوا سے مراد کتنے ہیں اور یہ مفعول ہے تردیف کا اور جس میں ردیف نہ ہو
صرف قافیہ ہوا سے مقصد بولتے ہیں فائدہ واجب و لازم ہے کہ غزل و نظم میں ردیف پر ہرگز کھانا
و حصر نہ کرے جس طرح یردائیم کے شعرون میں جو طبقہ شعراے متقدمین میں سے ہے۔

پانچہ قد کی طرح سر و گلستان میں نہیں ہے
ماند بخت لعل بدخشان میں نہیں ہے
مست زلف ہذا اس میں غریبون کا ہر دل صید
کچھ آس بھی جینے کی غرض اس میں نہیں ہے
بدخشان و خراسان و گلستان قافیہ اور میں نہیں ردیف قرار دے کر مضرعہ راجعہ میں قافیہ نہ رکھا اور
ردیف پر اکتفا کی۔

مجرأت

دیدہ حسن کو بھی دید کی ہو جیسے ہوں
ساق پا ہو یہ بلور میں کہ چلے اُس پہ ہوں
اگر لفظ اُس پہ کو یوں لکھیں اُس پہ تو عیب رفع ہو جائیگا۔ مگر بے معنی ہو جائیگا۔

سودا

عاشق تو نامراد ہیں بس اس قدر کہ ہم
دل کو گنوا کے بیٹھ رہے صبر کر کے ہم
اس شعر میں بھی اگر لفظ اس قدر کہ ہم کی کاف کو یوں لکھیں (کے) تو عیب نہ رہے گا۔ مگر
بے معنی ہو جائے گا۔

ولہ

محمد باعث ایجاد افلاک
محمد علت عنائی افلاک

مثنوی طالب علی خان عیشی

بے عشق سے دلغ دلغ لالہ
ہے عشق اثر طہرا ز لالہ

مثنوی گلزار عشق

واہ رے ظالم تری بے ہاکیسان
خوفہ تر ہیں کچھ تری بے ہاکیسان

ہندھ سنگھ قلندر

نہیں ہے وصل ہمارے نصیب یا قسمت	بنے ہیں غیر کے ہی و نصیب یا قسمت
تھی جن لبوں کے طبع بوسہ گالیاں بھی نہیں	اب ایسے پھوٹ گئے یہ نصیب یا قسمت
ملا تھا یارِ شک اک غیر اگر نہ بہکا دے	ہو دیسی سیری کمان یہ نصیب یا قسمت
نہیں جو فضل قلندر تو کیوں ہوں زوید	کہیں اٹ نہیں دیکھے نصیب یا قسمت

فائدہ تقدیر کا قاعدہ تھا کہ واحد کے لیے وہ اور یہ ہاسے ساتھ استعمال کرتے تھے اور جمع کے لیے وہ اور یہ حرف اول کے کسرے سے لاتے تھے اسی بنا پر قلندر کی غزل کا قافیہ معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں عیب نہ رہے گا۔ ان قافیوں میں ایک غلطی یہ ہے کہ حرف ماقبل ردی کی حرکت کا اختلاف ہے۔

آج کل جو لوگ انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید کرتے ہیں وہ دوسرے سے قافیہ ہی کو بیکار کہتے ہیں ردیف کا ذکر کیا شاید انگریزی زبان کی ساخت اسی قسم کی ہو جیسا کہ عربی میں ردیف نہایت بدنام معلوم ہوتی ہے لیکن فارسی اور اردو میں تو ردیف نہایت لطف پیدا کرتی ہے البتہ ردیف کے التزام کے لیے بہت بڑا قافیا اور الکلام ہونا ضروری ہے ورنہ ردیف کے التزام کے ساتھ آمد اور بے ساختگی قائم نہیں رہتی لیکن اگر یہ خوبی ہاتھ سے نہ جانے پائے تو ردیف سے شعر چمک جاتا ہے ان دونوں شعروں پر غور کر دو۔

ساقیا عید ہے لا بادہ مینا بھر کے	کہ تے آشام پیاسے ہیں مینا بھر کے
چاہنا خلق کو صبا دھنم سے محروم	ایسی نیت پر بہشت آگے دماغ معلوم
دولوں شعرا نے اپنی حیثیت سے لا جواب ہیں لیکن پہلے شعر کو ردیف کے کس قدر چمکا دیا ہے۔	

تیسرا جزیرہ فصاحت و بلاغت میں

امام فخر الدین رازی نے نہایت الایجاب رافی درایۃ الاعجاز میں کہا ہے کہ بلاغت یہ ہے کہ آدمی کا عبارت میں اس باریکی کو پہنچنا جو اس کے دل میں ہے اور ساتھ اس کے خلل پیدا

کرنے والے اختصار اور طلال پیدا کرنے والی طوالت سے عبارت کو بجا سے اور فصاحت یہ ہے کہ عبارت تعقید سے خالی ہو امام کا کلام نہایت مجمل ہے مین تفصیل کے ساتھ دوسری عبارت مین کتا ہون کہ۔

فصاحت کلمہ اور کلام دونوں مین پائی جاتی ہے یعنی کلمہ بھی فصیح ہوتا ہے اور کلام بھی۔ کلمے کی فصاحت یہ ہے کہ اُس مین جو حروف آئین اُن مین تنافر نہ ہو اور مخالفت قیاس لغوی اور غرابت لفظی سے پاک ہو اور نہ ایسا ہو کہ اُس کے سننے سے کراہیت معلوم ہو اور کلام فصیح وہ ہے جو ضعف تالیف۔ تناقض کلمات۔ تعقید۔ لفظ واحد کی کثرت تکرار پے در پے اضافت۔ ابتدال۔ تغیر افعال۔ تناقض وغیرہ عیوب نہ رکھتا ہو اور ان عیوب کا ذکر مفصل انشاء اللہ ہم کے بیان کریں گے۔

بلاغت سے کلام متصف ہوتا ہے نہ کلمہ۔ کلام بلیغ وہ ہے جو فصیح ہو یعنی عیوب سے خالی ہو اور مقتضائے حال کے بھی مناسب ہو مقتضائے حال کے مناسب ہونا۔ ایسا جامع لفظ ہے جس مین بلاغت کے تمام انواع و اسالیب آجاتے ہیں مثلاً جہان تاکید کی ضرورت ہو وہاں اختصار نہ کیا جائے اور جس جگہ اختصار دلجواز چاہیے وہاں الطاب و طوالت نہ ہو۔ بتدا اور خبر کمان مقدم لائے جائیں اور کمان مؤخر کمان معرفہ ہو کمان نکرہ کمان مذکور ہو کمان محذوف اسناد کمان حقیقی ہو کمان مجازی جملہ کمان خبریہ ہو کمان انشائیہ اور فقر و مین کمان وصل ہو کمان فصل غرض کہ کلام مناسب موقع و مقام کے ہو بیان سے معلوم ہو کہ فصاحت کو بلاغت ضرور نہیں ہے بلاغت کو فصاحت ضرور ہے یعنی جہان فصاحت ہو وہاں بلاغت ضرور نہیں اور جس جگہ بلاغت ہوگی وہاں فصاحت ضرور ہوگی لیکن کلام کی فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہے بعض الفاظ فصیح مین بعض فصیح تر بعض اُس سے فصیح تر لیکن کلام کی بلاغت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضرور ہے کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے اُسکی ساخت بیست نشست سکی اور گرائی کے ساتھ اُسکو خاص مناسب اور توازن ہو زور طبع اور اصول شاعرانہ قائم ہو اور جو لفظ جس مصرع کا حق ہو اُس مین آئے ورنہ فصاحت قائم نہ رہے گی مثلاً میر کہتے ہیں۔

ابرٹھا تھا کعبے سے اور ٹھوم پڑا سینا نے پر بادہ کشون کا جھڑمٹ ہیگا شیشہ اور مینا نے پر

اگرچہ اصل محاورہ ابر قبلہ ہو اور وہ یہاں ابھی سکتا ہے لیکن کعبے سے ذرا مصرع کی ترتیب

گرم ہو گئی ہے۔

سودا

ساغر کر مرے ہاتھ سے لیجو کہ چل میں

کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا

اگر بیان ساغر کی جگہ پیالے کا لفظ آئے باوجودیکہ دونوں ہم معنی ہیں تو شعر یا یہ فصاحت و بلاغت
گر جائے گا میرا نہیں کا مصرع ہرے۔

فرمایا آدمی ہے کہ صحرا کا جاتو

صحرا و جنگل دو ہم معنی الفاظ ہیں لیکن اگر اس مصرع میں صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ آئے تو خود ہی
لفظ غیر فصیح معلوم ہوا اور انہی کا ایک شعر ہے۔

جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں

طائر ہوا میں مست ہرن سبزہ زار میں

یہاں جنگل کے لفظ نے جو فصاحت پیدا کی اور وہ صحرا سے نہیں ہو سکتی۔ انہی کا ایک شعر ہے

تھا مویون سے دامن صحرا بھرا ہوا

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

اوس اور شبنم ہم معنی ہیں اور دونوں صحیح ہیں مگر بیان اوس کی جگہ شبنم کا لفظ لایا جائے تو یہی
لفظ غیر فصیح ہو جائیگا لیکن یہی شبنم کا لفظ اس شعر میں نہایت فصیح ہے۔

خواہاں تھے زیر گلشن زہرا جواب کے شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

اگر بیان شبنم کے بجائے اوس لائیں تو فصاحت بالکل جاتی رہے۔

انشا

نہ چھڑائے نکمت بادہاری راہ لگ اپنی تجھے اٹھکھیلان سو بھی میں ہم ہزار بیٹھے ہیں

یہاں لگ کی جگہ نے لکھنے سے شعر کی گرمی جاتی رہے گی۔ صاحب کمال کی یہ بات ہو کہ جو لفظ جس
مقام پر آئے بٹھا دیا ہے اسی طرح رہے تو ٹھیک ہوتا ہے نہیں تو شعر ریتے ت گر جاتا ہے۔ اور شکم کی
یہی فصاحت و بلاغت ہے کہ مضمون کو ایسے الفاظ میں بیان کرے جو عیوب کلام سے پاک و مفسد
حال کے موافق ہوں اور اپنے زور طبعی سے لفظوں میں دیش سے اس بندوبست ساتھ ترکیب
دے کہ پڑھنے سے لطف معلوم ہو۔

ایضاح میں لکھا ہے کہ مقتضائے حال مختلف ہوتا ہے کیونکہ مقامات کلام کے متفاوت ہوتے ہیں
چنانچہ نکرے کے مقام پر معرے کے خلاف ہوتا ہے اور اطلاق کا مقام تہقید کے خلاف ہوتا ہے اور
تقدیم کا مقام تاخیر کے خلاف ہوتا ہے اور ذکر کا مقام حذف کے خلاف ہوتا ہے اور قصر کا حال اس کے
مخالف سے بیان رکھتا ہے اور وصل کا مقام بیان ہے فصل سے اور ایجاز کا مقام مخالف

ہوتا ہے اظہار و مساوات کے تمام سے وغیرہ وغیرہ۔

کلام فصیح و بلیغ میں کبھی کچھ صنائع لفظی و معنوی بھی پائی جاتی ہیں جو زیادہ تر باعث خوبی کلام ہوتی ہیں اور بلاغت کلام کا مرجع و دباتون کی طرف ہے جب تک وہ دونوں باتین حاصل نہ ہوں بلاغت حاصل نہیں ہو سکتی جس طرح بغیر دولت حاصل ہوئے سخاوت حاصل نہیں ہو سکتی اُن دونوں باتوں سے ایک یہ ہے کہ معنی مقصود کے ادا کرنے میں غلطی سے بچے دوسری بات یہ ہے کہ کلام فصیح و غیر فصیح میں تمیز کر سکے۔ بغیر غلطی سے بچے اور لفظ فصیح و غیر فصیح میں تمیز حاصل ہوئے کسی کا کلام بلاغت کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔

اگر کوئی شخص مضمون کو ایسے الفاظ میں ادا کرے جو مقتضائے حال کے مطابق نہ ہوں یا مقتضائے حال کے تو مطابق ہوں لیکن فصیح نہ ہوں تو وہ بلیغ نہیں سمجھا جائیگا۔

کلام فصیح اور غیر فصیح میں تمیز علم لغت صرف نحو اور حس سے حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ علم لغت سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ فصیح ہے اور یہ غریب ہے اسی طرح علم صرف سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ لفظ کو اس طرح استعمال میں لانا قیاس لغوی کے مطابق ہے اور اس طرح استعمال کی راقیاس لغوی کے مخالف ہے اور علم نحو سے ضعف تالیف اور تعقید لفظی کی کیفیت روشن ہو جاتی ہے اور بعض چیزوں کو حس معلوم کر لیتا ہے چنانچہ حروف اور کلمات کا تنافر حس سے معلوم ہو جاتا ہے مگر ان چاروں سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ معنی مقصود کو ادا کرنے میں خطائے کیونکر نہج سکتے ہیں اور نہ تعقید معنوی کا حال معلوم ہو سکتا ہے اسلئے علم نے معنی مقصود کو ادا کرنے میں خطائے بچتے رہنے کے لیے علم معانی ایجاد کیا اور تعقید معنوی کو جاننے کے واسطے علم بیان نکالا ان دونوں کو علم بلاغت کہتے ہیں اور صنائع لفظی و معنوی کو پہچاننے کے واسطے بھی ایک علم علیحدہ ایجاد کر کے اُس کا نام علم بدیع رکھا اور یہ علم معانی و بیان کا تابع ہے کیونکہ صنائع و بدائع بلاغت کے تابع ہیں یہاں پر تینوں علموں کا بیان علیحدہ علیحدہ جزیرے کی مناسبت سے ایک ایک شہر میں کیا جاتا ہے۔

خیر البلاغت میں لکھا ہے کہ کلام میں دو قسم کا حُسن ہوتا ہے۔

(۱) ذاتی اور وہ یہ ہے کہ بدون اُسکے کلام صحیح نہ ہو اور اُسکو پسند نہ کریں اور یہ بات علم معانی سے معلوم ہوتی ہے۔

(۲) حسن عارضی یہ ہے کہ اس سے کلام فصیح و بلیغ کی رونق بڑھ جائے یہ تین طرح پر ہے
(الف) لطافت (ب) رعایت نسبت (ج) اور صناعت۔

لطافت یہ ہے کہ کلام سے سوائے معنی مراد کے دوسرے معنی بطریق لطیف کے نکلتے
ہوں جیسے انشانے جرأت کے نام کا سوا کما تھا۔

سرہنڈی نگوڑی گجراتن ۛ گجراتن کا سراور پانوں دور کرنے سے
جرات پیدا ہوتا ہے لطیفہ اس میں یہ ہے کہ گجراتن جرأت کی مان کا نام ہے۔

رعایت نسبت یہ ہے کہ تکلم جس چیز کا بیان شروع کرے اول سے آخر تک اسکی
رعایت ملحوظ رکھے اور مناسبات کو جمع کرتا ہے۔

صناعت یہ ہے کہ اسے ماہرین سخن آرائش کلام کے لیے اختیار کرتے ہیں اور علم بدیع میں اس کا
حال مفصل مذکور ہوتا ہے۔

شہر پہلا علم معانی کے بیان میں

علم معانی ایسے قواعد کا نام ہے جن سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ لفظ مقتضائے
حال کے مطابق ہے یا نہیں۔

موضوع اس کا اردو کے اہل بلاغت کی ترکیب مقتضائے مقام کی مطابقت
کے ساتھ ہے اسی مطابقت کو جو کلام کی طرز سے سمجھی جاتی ہے خاصیت ترکیب کہتے
ہیں اسکی رعایت وہی کر سکتا ہے جو بلاغت سے بہرہ رکھتا ہو اور وہی اسکو سمجھ سکتا ہے
جس کا ذوق سخن فہمی صحیح اور درست ہو اسکی غایت یہ ہے کہ ذہن سخن کی مطابقت
میں مقتضائے حال کے ساتھ خطا و غلطی سے محفوظ رہے پس اگر ان قواعد پر لحاظ رکھیں تو
کسی لفظ کے معنی مراد لینے میں خطا و غلطی واقع نہوگی اور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ یہ کلام فصیح
و بلیغ ہے یا نہیں کلام ان دو یا نائد کلموں کو کہتے ہیں جو باہم اسناد رکھتے ہوں یعنی ان کے
درمیان میں نسبت ہو جیسے نسبت فعل و فاعل یا مفعول بہ کی یا نسبت مضاف و مضاف
الیہ یا موصوف و صفت کی اور کلام دو حال سے خالی نہیں یا سکوت تکلم کا اس پر صحیح ہو
اور سننے والے کو اس کلام سے فائدہ حاصل ہو جائے یا اس پر سکوت درست ہو اور اس پر سکوت

کلام سے کچھ مطلب نہ معلوم ہوتا ہو قسم اول کلام مفید و تام اور قسم ثانی کو کلام غیر مفید و ناقص کہتے ہیں مثال کلام تام کی زید کھڑا ہے عمرو کو مار و مثال کلام غیر مفید کی زید کھڑا صاحب کی گھڑی۔ چالاک گھوڑا بے حیا آدمی۔ کلام مفید و تام کو جملہ بھی کہتے ہیں جیسا کہ مفصل میں زعمشری کے کلام سے ظاہر ہے لیکن تساوی کلام و جملہ میں اختلاف ہے شیخ جمال الدین بن ہشام مغنی میں کہتا ہے کہ کلام جملے سے خاص ہے مراد نہیں کیونکہ کلام اس قول کو کہتے ہیں جو مفید بالقصد ہو اور جملہ عبارت ہے فعل و فاعل اور مبتدا و خبر اور اس چیز سے جو ہنر کے متبادر ہے اور عموم کی وجہ سے ہر کلمہ جملے میں افادت قسطن نہیں ہو بخلاف کلام کے کہ اس میں یہ امر شرط ہے اسی سبب سے جملہ شرط اور جملہ جزا اور جملہ اصلہ کہا کرتے ہیں اور کلام نہیں کہتے کیونکہ کہنے والے کو اس سے فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور تہذیب النسخ کی شرح میں لکھا ہے کہ کلام سے جملہ خاص ہے اس لیے کہ کلام خدا پاک کو جملہ نہیں کہتے کلام کہتے ہیں مگر اکثر مخالفین اسے بھی کلام اور جملہ متراوت میں بانٹتے اس کی تیسری تہذیب میں خبریہ اور انشائیہ خبریہ اسے کہتے ہیں کہ مدلول کلام ایک ہی وقت صدق و کذب دونوں کا احتمال رکھتا ہو صدق سے مراد نفس الامر اور واقع کے مطابق ہونا ہے اور کذب یہ ہے کہ واقع اور نفس الامر کے ساتھ مطابقت نہ ہو اور بعض نے خبر کی یون تعریف کی ہے کہ اس کے کہنے والے کو ایک وقت میں جھوٹا یا سچا کہہ سکیں اور فرق دونوں قریبوں میں ہے کہ پہلی تعریف کے مطابق غیر صدق جملہ خبریہ ہوگا اس لیے کہ احتمال صدق و کذب جملہ خبریہ کا وصف ہے اسی کے نفس معنوم سے تعلق رکھتا ہے اور دوسری تعریف کے مطابق احتمال صدق و کذب جملہ خبریہ کا وصف نہیں ہو سکتا اس لیے کہ بیان صدق و کذب بالذات کہنے والے کا وصف ہے اور جملہ خبریہ کا وصف کہنے والے کے ذریعے سے ہے بعض کہتے ہیں کہ خبر صحت سچائی کے لیے بنی ہے اور جھوٹ اس سے عقل کی دلالت کے ساتھ مادے اور مقام کی خصوصیت کے سبب سے معلوم ہوتا ہے نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ صدق یہ ہوگا کہ حکم واقع اور نفس الامر کے ساتھ مطابق ہو نظام معنوی یہ کہتا ہے کہ خبر کا صدق و کذب حکم کے اعتقاد پر مبنی ہے پس اگر وہ خبر کو سچا سمجھتا ہے تو صدق ہے اور اگر جھوٹا سمجھتا ہے تو کذب ہے اور جا حظ کا یہ مذہب ہے کہ واقع کے ساتھ مطابق ہونے اور نہ ہونے کا نام خبر کا صدق و کذب ہے اس کے ساتھ صدق ہے نہ کذب ہے اور ہر ایک مذہب پر دلیلین موجود ہیں جو مطلوبات میں مذکور ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ زید کھڑا ہے۔ خالہ جلا گئی۔ شیخ انکی بخش کو مار و سوال آفتاب ایک نورانی کو ہے وزمین نارنگی کی طرح چمکی ہے اور عالم حادث ہے اور اللہ موجود ہے اور خدا ایک ہے

اور محمد اللہ کے رسول ہیں یہ تمام جملہ خبریں لیکن ان میں جھوٹ کا احتمال نہیں پس ان پر
 جس کی تعریف صادق نہیں آتی جواب ان میں نقیون کے معانی کذب کا احتمال رکھتے ہیں
 گو سند الیہ یا سند کی خصوصیت کی وجہ سے کذب کا احتمال نہیں ہے اسی طرح کبھی کہنے والے کی
 خصوصیت کی وجہ سے کذب کا احتمال اٹھ جاتا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی
 خبر میں کذب کا احتمال نہیں ہے غرض کہ اگر صرف خبر کے مفہوم کو دیکھا جائے تو وہ فرد ایک وقت
 میں دونوں احتمال رکھتا ہے اور سند الیہ یا سند یا مکمل کی خصوصیت امور خارجہ میں سے
 ہے اور خبر کے سچا ہونے کی دلیل تو اتر ہے لیکن شرط یہ ہے کہ غرض اور استدلال سے خالی ہو کیونکہ
 اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اہل غرض اپنے فائدے کے لیے امیر دن کے سامنے جو دن بھر مکان میں
 بیٹھے رہتے ہیں اور دوسرے مقامات کی خبریں منکر دل خوش کرتے ہیں جھوٹی خبریں اپنی
 طرف سے گڑھ کر بیان کرتے ہیں یا بطور ظرافت کے کہیں مارتے ہیں مثلاً آج جامع مسجد
 کے پاس ایک گھوڑی ہاتھی کا بیچ جی ہے اور اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کی خبر عوام میں
 مشہور ہو جاتی ہے اور لوگ تماشا دیکھنے کے لیے جاتے ہیں انشاؤہ ہے جس کے مضمون میں
 صدق و کذب کا احتمال نہ ہو کیونکہ خبر نہ ہونے کی وجہ سے اس سے خبر مقصود نہیں ہوتی اور
 جس چیز میں خبر مقصود نہ ہو اس میں صدق و کذب کا احتمال کیونکہ نہ سکتا ہے کیونکہ احتمال کا مدار
 اس پر ہے کہ خبر غرض سے خبر دی جاوے اور جملہ انشائیہ کا بولنے والا اپنی طبیعت سے ایک
 مضمون ایجاد کرتا ہے چنانچہ کسی کو کہنا کہ یہ کام کر یا مت کر۔ اور ہر جملے میں سند الیہ اور
 کا ہونا ضروری ہے خواہ وہ اسناد خبری ہو یا انشائی۔ مسند الیہ وہ جس کی طرف کوئی امر
 ہو مسند وہ جس کو کسی کی طرف منسوب کرے اور ان دونوں میں جو نسبت ہوتی ہے
 اس کو اسناد کہتے ہیں اور وقوع ملا وقوع کو عبارت نسبت نامہ یا جابید و سلبیہ کے ہے حکم کہتے
 ہیں اگرچہ نسبت مرکب بغیر مفید میں بھی ہوتی ہے مگر وہ مخاطب کو فائدہ نام نہیں دیتی یعنی
 سننے والا اس کو سنا کر خاموش نہیں رہ سکتا بلکہ اس سے مقصود دوسری چیز ہوتی ہے اور
 مرکب مفید میں جو نسبت ہوتی ہے وہ مخاطب کو فائدہ دیتی ہے اور اس کو بچھ کیا اور کون
 کی احتیاج نہیں رہتی۔ کیا کی احتیاج اس وقت ہوتی ہے کہ ذات کو بغیر صفت کے بیان
 کیا جائے یعنی کیا سے صفت کا سوال ہوتا ہے اور کون کی احتیاج اس حالت میں ہوتی
 ہے کہ صفت کو بغیر ذات کے بیان کیا جائے یعنی کون سے ذات کا سوال ہوتا ہے پس

پورا فائدہ اُسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ ذات صفت کے ساتھ اُسی طریق سے بیان ہو اور
 بعد ان کے مطلب اور مضموم بخوبی نہیں سمجھا جاسکتا جیسے اس مثال میں زید کھڑا ہے
 زید مسند الیہ ہے اُسکی طرف کھڑے ہونے کی نسبت کی گئی ہے اور کھڑا مسند ہے کہ اُسکو زید کی
 کی طرف منسوب کیا ہے اور جو نسبت زید میں اور کھڑا ہو کے میں ہے اس کا نام اسناد ہے
 یا جیسے زید عمرو کو مارتا ہے زید مسند الیہ ہے کہ اُسکی طرف مارتا عمرو کا منسوب کیا گیا ہے اور
 مارتا مسند ہے کہ اُسکو زید کی طرف منسوب کیا ہے اور نسبت جو زید اور مارتے میں ہے
 وہی اسناد ہے۔ مسند الیہ اور مبتدا اور خبر عنہ تینوں ایک چیز کے نام ہیں اسی طرح مسند
 اور خبر اور خبر بہ سے ایک چیز سمجھی جاتی ہے۔ سوائے مسند الیہ اور مسند کے جملے میں جو
 اور کلمات ہوں خواہ مفرد ہوں خواہ مرکب ناقص یا تام اُن کو زوائد و توالیع و لواحق و
 ملحقات کہتے ہیں۔ مبتدا و خبر ملحق بہ فاعل کہلاتے ہیں اور حال و تمیز و مستثنیٰ
 ملحق بہ مفعول کیونکہ یہ تینوں مثل مفعول کے فضلہ ہیں اور کلام ان کے بدون تمام
 ہو جاتا ہے اس وجہ سے انھیں تشبیہ بمفعول بھی کہتے ہیں اور مبتدا و خبر و فاعل عمدہ ہیں
 اور مبتدا تشبیہ بفاعل اور خبر تشبیہ بفاعل بھی کہلاتے ہیں۔
 انکا اصل علم معانی میں آٹھ چیزوں سے بحث کی جاتی ہے۔ اسناد خبری۔ مسند الیہ۔ مسند متعلقات
 فعل۔ قصر الشد و صل و فصل۔ سبک و اطباء و مساوات۔ ان آٹھوں چیزوں کو شہر کے لحاظ
 سے ہم ایک ایک باغ میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا باغ اسناد خبری کے بیان میں

اسناد یعنی جو نسبت باہم کلمتین میں ہو اور اس سے مخاطب کو کوئی خبر معلوم ہوتی ہو اس
 خبر کے کئی فائدے حاصل ہوتے ہیں (۱) یا تو شکر کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ سامع ناواقف
 کو کسی امر سے مطلع کرے اسکا نام فائدہ خبر ہے جیسے اگے عمر زید کا بیٹا ہے سامع کو یہ معلوم
 نہ تھا کہ یہ کون شخص ہے اسلئے اُسکو خبر دی یعنی مطلع کیا کہ وہ زید کا بیٹا ہے۔ شاہ نیاز
 کہتے ہیں۔

ادھر کی نہیں جانتے رسم دراہ میان ہمنوا شندے ہیں یار کے

اس میں خبر دی کہ ہم ادھر کی رسم دراہ سے واقف نہیں غیر ملک کے رہنے والے ہیں

اور یہ شعر مذاق صوفیہ میں اور ہی منے دیتا ہے اور وہی منشا شاعر کا ہے مگر بیان اُس کے بیان کا موقع نہیں۔

حالی

غرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نہ تھا
نہ وہ غیر قوم نہ چڑھ کر گیا تھا
کہ پیوند ملکوں سے جس کا جدا تھا
نہ اُس پر کوئی غیر فرمان روا تھا

تمدن کا اُس بڑا تھا نہ سہا
ترقی کا تھا دان قدم تک نہ آیا

قبیلے قبیلے کا بُت اک جدا تھا
یہ عزے پہ وہ نالکہ پر فدا تھا
کسی کا پہل تھا کسی کا صفا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابر ظلمت میں تھا مہر انور
اندھیرا تھا فاران کی جوٹیوں پر

(۲) یا مشکلم کا اپنے علم سے مخاطب کو آگاہ کرنا مقصود ہوتا ہے اُسکو لازم فائدہ خیر کتنے میں مثلاً کوئی شخص کسی آدمی کی تعریف کرے اور دوسرا شخص کہے کہ وہ آدمی بہت اچھا ہے یعنی میں بھی اُس سے واقف ہوں۔

لموافہ

اے جرج تو گزریو نہ کینے سے اچکل
مشکلم نے آسمان کو اس بات سے مطلع کیا کہ میں آجکل تیری کینہ پر دازی کی روش سے واقف ہوں جو کچھ تجھ سے میری خرابی کی تدبیر ہو سکے اُس سے درگزر نہ کرنا۔

غالب

جانتا ہوں ثواب طاعب درہ
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

میر

قد والا تمھاری ہے معلوم
اس سعادت سے جو رہے محروم
خلق خادم ہے اور تو مخدوم
ہے یقینی کہ وہ الالغ، ہر شوم

حشر کو ہوگا مرکب و حال

غزل

پھر لے ہو مجھے روٹھے نہیں جانتے ہو بات | ہم جانتے ہیں تم کو کسی لے سکھا دیا

(۳) یا فائدہ خبر اور لازم فائدہ خبر کے واقف کو انجان قرار دیکر کوئی بات کہی جاتی ہے جیسے کوئی شخص عبادت الہی میں تساہل کرے اور فوائد عبادت کرنے کے جانتا ہے اس سے کہا جائے کہ عبادت کرنا بہت اچھی بات ہے۔

سودا

بیارے نہ بڑا مان تو تاک بات کون میں | کس لطف کی امید ہے یہ جو رہن میں
ہر چند یہ شخص جانتا ہے کہ معشوق کو عاشق پر لطف کرنا اور نہ کرنا اپنا معلوم ہے لیکن تنبیہ
اسکو یاد دلاتا ہے گویا کہ وہ اپنے لطف کر لے اور نہ کر لے پر مطلع نہیں ہے اور یہ منظور ہے کہ
شاید اس وقت تنبیہ ہو کر لطف کر لے لگے۔

واجد علی شاہ

لگاٹھو کر نہ پا کے ناز سے تو | کبھی تاج سر ہندوستان تھے

ایس

قاسم کو غرض کیا جو حسین گریہ دزاری | میں کون سکیں نہ ہو چچا جان کو بیاری
اللہ تو ہے گر کوئی غمخوار نہیں ہے | مٹی مری کیمو قبر کو دشوار نہیں ہے

یہ بات حضرت صفری لے ہی تھی حالانکہ جن لوگوں سے ایسا کہا تھا وہ ان کو بہت عزیز رکھتے تھے چونکہ بیمار ہونے کی وجہ سے انکو ساتھ نہیں لے جاتے تھے اس لیے انھوں نے بطور شکوے کے ایسا کہا۔

غالب

نور مجھے مجھوں گیا ہو تو پتا بتا دوں | کبھی قراک میں تیری کوئی ٹہن بھی تھا

میر حسن

مُر کے جو کوئی اس سے ٹک جائے | جھکے جو کوئی اس سے جھک جائے
ان باتوں کو بد مزہ جانتی تھی مگر چونکہ وہ اس پر عمل نہیں کرتی تھی اس لیے نظم انسانے اسے
انجان قرار دے کر ایسا کہا۔

سُنو جانی اپنے پہ جو کوئی مرے دل | تو دل پہلے اپنا بھی صدمے کرے

اگر آپ پر کوئی شیدائہ ہوا تو پھر چاہیے اُس کی پروا نہ ہو
یہ بات نجم النساء بدرمیر سے اسوقت کہی تھی جب کہ بے لظیر کا انا موقوف ہو گیا تھا۔

دبیر

میں اسکا پسر ہوں جو خدا کا ہی شامسا
جان اسکی ہوں پانی نہ ملا جسکو ذرا سا
فرزند ہوں اُس کا جو بی کا ہو ناسا
میں وہ ہوں پدر جسکا ہی دور روز پیا سا

دلدار ہوں خاتون قیامت کے بستر کا
انکار ہوں محمد کے کچھے کے جگر کا

یہ بات حضرت علی اکبر بن امام حسینؑ نے فوج یزید سے کہی تھی۔
(۴۷) یا شکم کو اپنی شان و شوکت کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسے ایک مشہور و معروف آدمی
کہے کہ ہمارے پاس ہزاروں روپے ہیں حضرت امام حسینؑ کی زبان سے انیس
کتے ہیں۔ ۵

میں ہوں سردار شباب چمن خلد برین
میں ہوں خالق کی قسم دوش محمد کا لکین
میں ہوں انگشتر پیر خاتم کا لکین
مجھے روشن ہر فلک مجھے منور ہر دین

اغالب

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر نغز گوئے خوش گفتار

مصطفیٰ

سب خوش رہا ہیں مری خرم کے جہان میں
چونکہ مصطفیٰ سلم الثبوت شاعر تھا ادر اہل لکھنؤ اسکو جہان استاد مانتے تھے اسلئے اسکا یہ کہنا
پہلی قسم میں داخل نہیں ہو سکتا۔

دبیر حضرت امام حسینؑ کی زبانی

آگے جو رسولان ہدایت شیم آئے
مگر راہ بران سے بھی کم آئے
بیکر خبر آمد خیر الاثم آئے
اللہ کو سب جان گئے جب کہ ہم آئے

ہر شرک کے طوفان رُکے اپنے قدم سے
بُت خاک پہ سجدے کو جھکے اپنے قدم سے

نفس حضرت علی اکبر کی زبانی

صدایہ دی کہ بڑھے دن سے شکر گراہ
وہ میں ہوں جسکا ہی جد نائب سوا اللہ
(۵) یا تخرن و تخرس مقصود ہوتا ہے جیسے۔

منشی

میں آنتا دہ یارب سرخاک ہوں
میں دیکھ دیکھ دور افلاک ہوں

الشا

لسان بید مرے بند بند جکڑے میں
آنگرگ کی نطاب بس گھٹکای جلتا ہوں
نفس کو تنگ کیا ہر حرارت دل نے
دور دروہیا تنگ کہ ہوں شکل سلج
بوضع برگ کے ہوں ترش لبہ مرید
یلا دے مروہ لطف تنگ پئے ترویج

سودا

میں ہوں گر قابل نار جنس
اپنے تیرے فضل کا دریا ہے کیا کم

پیش

میں اکھن ہوں اور سخت عاجز بیان
آنکھ میں آنکھ ہے میری زبان

اگرچہ ان مثالوں میں خبر کے الفاظ اپنے معنوں میں مستعمل ہیں لیکن نہ یہاں مخاطب کو حکم کی خبر
دینا منظور ہے اور نہ مشکل کا مخاطب کو اپنے علم سے آگاہ کرنا مقصود ہے کیونکہ مخاطب خدا تعالیٰ
ہے جو ان دونوں باتوں کا عالم ہے پس یہ الفاظ تخرن و تخرس کے واسطے ہیں۔
(۶) یا خبر سے شکر گزاری مقصود ہوتی ہے جیسے سودا جناب باری کی طرف خطاب
کر کے کہتا ہے۔

عطا کی جب سے مشت خاک کو جان
رکھے ہر کام میں جب تک زبان تر
برائے پوشمش تن بھی بہر حال
ہمارے واسطے اسے رت معبود
بیان کیا کیجئے تیری عنایت
کہ نامعلوم ہو شام و صبح گراہ
فردا ان ہے دم آب و لب نان
تنگ گاہ ہے چکھا دے گاہ شکر
کبھی کمل اڑھاتا ہے کبھی شال
کرم مان باپ سے تیرا ہے افروز
دیکھے ہیں چشم اور نور بصارت
چلین بستی بلندی دیکھ کر راہ

زبان کو فالتے سے دی ہو تسکین | کیا معلوم جس نے ترش و شیرین
(۷) یا خبر مدح و ثنا کے لیے ہوتی ہے جیسے۔

الشا

تسم فضل و کرم میں ترے وہ ہی بوباس | نہ پہونچے گرد کو جسکی کبھی ٹیم مسج
یہ خطاب جناب باری سے ہے۔

اجرات

محمد ہے نبی مدوح ذات کبرائی کا | کرے بندہ ثنا اسکی آدعوئے ہر خدائی کا
رند

شان ارفع ہے تری مرتبہ اعلیٰ تیرا | تو ہے یکتا کوئی ثانی نہیں حقیرا

یابی میں اُسے راہ بری کی کلیم کی | آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیل کا
اسکی مدد سے فوج ابابیل نے کیا | لشکر تباہ کیے پہ اصحاب فیل کا
ظفر

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاس کے | میرا ہی دل ہو رہا کہ جہاں تو سما کے
(۸) یا خبر طرز کے طور پر استعمال کی جاتی ہے جیسے۔

میر حسن

یہ سن سن کے وہ نازین مسکرا | لگی کہنے اچھا بھلا ری بھلا
میں سمجھی ترا دل گیا ہے ادھر | بہانے تو کرتی ہے کیوں بھیر دھر
لگی کہنے ہنس ہنس کے وہ ماہ و ش | ہوئی تھی اُسے دیکھ میں ہی نقش
تحصین کے ترچھڑ کا تھا بھیر گلاب | بھلا میری خاطر بھلا تو مستتاب

بدر منیر شاہزاد سے بے نظیر کو دیکھ کر عاشق ہو گئی تھی مگر جب نجم النساء نے اُس سے کہا کہ
بے نظیر کو بلا کر اس سے خط جوانی حاصل کر تو بدر منیر نے جواب دیا کہ دل تو تیرا چاہتا ہے اور بہانے
بھیر دھرتی ہے جس کا جواب نجم النساء نے بطور طرز کے یہ دیا کہ میں ہی بے نظیر کو دیکھ کر غش ہو گئی تھی
اور تحصیل نے بھیر گلاب چھڑ کا تھا پس بہانہ خبر سے بدر منیر کو واقف کرنا منظور نہیں کیونکہ وہ
اپنے نقش ہو جانے اور نجم النساء کے اُس پر گلاب چھڑکنے سے بخوبی آگاہ تھی علیٰ ہذا تصدیق

دستار خبری سے بہت سے فائدے نکلتے ہیں مگر ان میں سے پہلے دنوں میں تو حقیقی ہیں اور
باقی سب مجازی۔

یاد رکھو کہ جب مخاطب حکم سے خالی الذہن ہو اور نہ اسکو حکم میں تردد ہو تو اسناد پر نوکدات
کو نہ لانا چاہیے کیونکہ حکم پر نوکدات کے بھی اس کے ذہن نشین ہو جائے گا اور اگر مخاطب کو
شک تردد ہو تو اس وقت کوئی نوکد لا کر اس کو اتھویت دینا جائز بلکہ مستحسن ہے کہ اس نوکد
کی وجہ سے اس کا تردد نہ ہو جائے اور حکم ذہن نشین ہو جائے اور اگر مخاطب حکم کا منہ ہو
تو اس صورت میں حکم کی تاکید اور اسناد پر نوکدات کا لانا واجب ہے پس جبکہ خبر کے ساتھ
کوئی تاکید کا لفظ نہ ہو تو اسے ابتدائی کثرت میں اور جبکہ بطور امتحان کے تاکید اسے تو۔
طبیعیہ کہتے ہیں اور جبکہ بطور وجوب کے اس کی تاکید کی جائے تو انکار کی نام رکھتے ہیں اور
اس قسم کا کلام مقتضائے ظاہر حال کے مطابق سمجھا جاتا ہے۔ اور اگر بغیر تردد و انکار کے اسناد پر
نوکدات لائیں تو ایسا ظلم مقتضائے ظاہر حال کے خلاف ہوگا مگر ان کبھی غیر منکر کے ساتھ
منکر کا سا برتاؤ کرتے ہیں اور یہ اس صورت میں ہوتا ہے جبکہ علامات سے یہ معلوم ہو جائے
کہ یہ انکار رکھتا ہے جیسے۔

منشی

وہ کہنے لگا اُس کے یہ دوستان	کہ شاید تو بہت رستم پہلوان
وہ پوچھا کہ رستم رستم نہیں	لیکن اُس کا ہون اک چاکر کز بن

شہر اب کوئی لب کے رستم نہ ہونے کا انکار نہ تھا مگر چونکہ وہ رستم کے نشان اُس میں پاتا تھا
یہ علامت اس بات کی تھی کہ وہ اس کے رستم ہونے کا متفق ہے اس لیے شہر اب کو بمنزلے منکر کے
ترادفیکر زہار کا لفظ تاکید کے لیے ذکر کیا تاکہ تاکید کے الفاظ میں جیسے بیشک صلا فیور ہرگز وغرہ اور قسم گوئی
کے تمام الفاظ شامل اسکی۔

سیر

جو ہر تھاری بارود تک چلتے ہیں ہم	یکتا بہ نیچے ہیں قسم ذوالفقار کی
نیچوں کے پتہ ہونے کی تاکید ذوالفقار کی قسم سے کی ہے۔	

ولہ

گو پئے عبرتے مستر تدبیر	پاٹھ آئی ہے آپ کی تصویر
-------------------------	-------------------------

اگر اے شاہزادہ عالم دل نہیں مانتا خدا کی قسم
شاہزادی کے اپنے عشق کا اظہار کیا ہے اور پھر بنظر رفع شک قسم سے تاکید کی تاکہ بخوبی
معلوم ہو جائے کہ شاہزادی عاشق ہو گئی اور کسی طرح کا شک نہ رہے۔

رنگین

برحق تری باتوں میں نہیں بھدرک
مطلق تری باتوں میں نہیں بھدرک

سروش سخن

سرتک بھی اگر کاٹ کے پھینک دے ہوا
ہم آپ کے قدموں کی قسم انکار کیا

اصغر علی ابرو

جو میں چشم سپاہ یار کی لکھون مفت ایل
تو بیشک ابرو نہ ہو گمان چشم غزالان کا

ذوق

یہ تو یوں مضطرب و سنیے میں لکھون
جی کا رہنا نظر آتا نہیں اصل ہلکو

داغ

جو دکھاؤ بھی دکھون مرغ برتباب ہرگز
یہ وہ آنکھ ہو کہ دیکھا نہیں جسٹو اب گز

بقا

مری چشم سے کیوں نہ خوناب ترے
کہ اہستہ دریا میں سرخاب اترے

مولوی سید حسین احمد بیباک

تو کوچہ دلدار اگر دیکھ لے واعظ
واحد کبھی نام نہ لے حیدر برین کا

حالی

سات پردہ نہیں عریب کسی کا ہر چہ
نہ ہوا آج تو کل ہو گا تھر سوا پ

کمال

بل جو زخار و نہ کھاتے ہیں دلبر گیسو
قتل عاشق کو کرینگے یہ مفسر گیسو

افاق

خوب بل کھاتے ہیں رختزرے دلبر گیسو
ہو یقین بیچ کوئی اڑا ایسے ہم پر گیسو

آصف والی دکن

اکو پھر تو گھبرا کے ذکرِ عددِ پیر
نہیں ہم تو واقف خدا جانتا ہے

آصف الدولہ

دہ قبر سے نہ نکل آئے گا مرادہ
مرازمہ تاکید کے لیے ہے۔
نیک ناسکی روح تو خوش ہونہ دین دوس

حکیم عبد الکریم براہم

صرف اک تار نفس بر ہے مدار
بج تو یہ ہے کچھ نہیں انسان میں

مولف

ہر سبب کچھ اور سستی کی مٹھری مطلق نہیں
رنگ ہی نیلو فری جو عمل شکر بار کا

مطلق تاکید کے لیے ہی کبھی منکر حکم کو غیر منکر خیر کو بغیر تاکید کے لاتے ہیں بشرطیکہ منکر کو اسکے
لئے دلائل و شواہد معلوم ہوں کہ اگر ان میں غور و تامل کرے تو انکار کی وجہ باقی نہ رہے مثلاً منکر
اسلام سے کہا جائے کہ اسلام حق ہے اور اس کلام کے ساتھ کوئی تاکید کا لفظ نہ لایا جائے گا کہ
ہے کہ منکر اسلام کو وہ دلائل معلوم ہیں جو حقیقت اسلام پر دلالت کرتے ہیں اور وہ قرآن کا مجموعہ
وغیرہ ہے اگر یوں کہا جائے کہ تحقیق اسلام حق ہے تو مقتضائے ظاہر کے مطابق ہو جائے۔

سودا

جسے کہ کہے اولوالامر ہے حسین شہید

امام برحق و معصوم پاک انا جداد

ایک شخص امام حسین کو باغی اور یریزید کو اولوالامر قرار دیتا تھا اسکو حضرت امام حسین کی اولاد کی
غیر منکر مانکر قائل نے کہا مصرع

جسے کہ کہے اولوالامر ہے حسین شہید

اس خبر کے ساتھ کوئی تاکید کا لفظ نہ لایا کیونکہ منکر ایک مولوی تھا جسے یریزید کی بیعتی کا حال
اور حضرت حسین کے اولوالامر ہونے کے دلائل معلوم تھے چہرہ غور نہیں کرتا تھا اگر غور کرتا تو ضرور
اپنے عقیدے سے پھر جاتا۔

اسناد حقیقی عقلی و مجازی عقلی

حقیقت و مجاز جس طرح مفرد میں جاری ہوتے ہیں جملے میں بھی جاری ہوتے ہیں برابر ہے کہ جملہ انشائیہ ہو یا خبریہ اور اس سے بحث علم معانی میں کرتے ہیں جس طرح مفرد کے حقیقت و مجاز سے علم بیان میں بحث ہوتی ہے کبھی مفرد میں حقیقت و مجاز کو لغوی کے ساتھ مقید کر دیتے ہیں یعنی حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کہتے ہیں اور اس قید سے مقصود اختراز جملے کے حقیقت و مجاز سے ہوتا ہے۔ اور جملے میں حقیقت و مجاز کو عقلی کے ساتھ مقید کرتے ہیں تاکہ مفرد کے حقیقت و مجاز سے اختراز ہو۔ اور جملے کے حقیقت و مجاز کو کبھی حکمی بھی بولتے ہیں گو نسبت اضافی میں ہو کیونکہ حکم اشرف ہے جو اسکی ایک فرد ہے یا یہ کہ حکم عقل کی طرف منسوب ہے اور کبھی حقیقت و مجاز فی الاشیاء بھی کہتے ہیں اگرچہ نفی میں واقع ہوا سیلے کہ بلغا کے کلام میں نفی اثبات کی تابع ہوتی ہے اور اکثر کی یہ رائے ہے کہ ہر ایک حقیقت و مجاز اسناد کی صفت ہے نہ کلام کی اور کلام کا اتصاف انکے ساتھ اسناد کی وجہ سے ہے۔

غرض کہ حقیقت عقلی ایک جملہ ہے کہ اس میں فعل یا وہ چیز جو فعل کے معنی میں ہے جیسے مصدر واسم فاعل و اسم مفعول و صفت مشبہ اس چیز کی طرف منسوب ہو جو اس فعل یا مفعول کے ساتھ بظاہر متصف ہو جیسے فعل معروف میں فاعل کی طرف مثلاً۔

ذوق

نسیج گلشن میں اگرچہ ہر دم عیسے

اترا بیمار غم تھمہ بن موم جانگزا

اور فعل مجہول میں مفعول بہ کی طرف جیسے۔

غالب

سہرا لکھا گیا زردہ استمال لہر

دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں

پس یہ دونوں مثالیں اسناد حقیقی کی ہیں فعل مجہول میں مفعول بہ فاعل کا قائم مقام سمجھا جاتا ہے پہلی مثال میں سمجھنے کی اسناد بیمار غم کی طرف ہے جو اسکا فاعل ہے اور دوسری مثال میں لکھا گیا کی نسبت سہرے کی طرف ہے جو مفعول بہ اور بمنزلے فاعل کے ہے پہلی مثال میں بیمار غم کو سمجھنے کا اتصاف حاصل ہے اور دوسری میں سہرے کو لکھے جانے کا پس یہ اسناد حقیقی ہے۔

ہوس

تھے محرم راز قیس جو جو

عاشق کا بھی ماجرا سنا یا

محرم باز سب حال کہنے اور عاشق کا ماجرا سنانے اور معشوق کا پتا بتانے کے فاعل ہیں اور یہ سب فعل معروف ہیں۔

انیس

مارا گیا سفر میں غلام شبہ امم

مارا گیا فعل مجہول ہے اسکی نسبت غلام شبہ امم کی طرف ہے جو مفعول بہ ہے اور بظاہر کی قید سے اس تعریف میں اقوال کا ذبہ داخل رہتے ہیں جیسے جاہل کا قول کہ دوائے بیمار کو اچھا کر دیا

اور یہ قول کہ زید آگیا اُس حالت میں کہ زید کے نہ آنے کو کہنے والا جانتا ہو نہ مخاطب پسند دونوں

قول بحسب ظاہر حال کے حقیقت میں باوجودیکہ دراصل کاذب ہیں نہ صادق کیونکہ پہلا قول واقع کے خلاف ہے اسلئے کہ درحقیقت اچھا کرنے کا فاعل خدا ہے نہ دوا اگر اتنا ہے کہ یہ

قول جاہل کے اعتقاد کے مطابق ہے اور اُس کے نزدیک یہ صفت درمیں پانی جانی ہے اسلئے اُسے اپنے اعتقاد کے مطابق اچھا ہونے کو دوا کی طرف منسوب کیا برخلاف دوسرے قول کے (یعنی زید

آگیا ہے) کہ وہ نہ واقع کے مطابق ہے اور نہ اعتقاد کے موافق ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ حقیقت عقلی کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ جو واقع اور اعتقاد دونوں کے مطابق ہے جیسے ایک مومن کہہ خدا نے بیمار کو اچھا کر دیا اسی قبیل سے ہے

۲۔ وہ جو واقع کے مطابق ہے اور اعتقاد کے موافق ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ حقیقت عقلی کی چار قسمیں ہیں۔

۳۔ وہ جو واقع اور اعتقاد دونوں کے مطابق ہے جیسے ایک مومن کہہ خدا نے بیمار کو اچھا کر دیا اسی قبیل سے ہے

۴۔ وہ جو واقع کے مطابق ہے اور اعتقاد کے موافق ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ حقیقت عقلی کی چار قسمیں ہیں۔

شایان

دکھائی خدا نے وہ قدرت کی شان

بنایا سراپا میں ہر عضو خوب

عنایت کیے دیدہ و درمیں

کہ مٹی کے پتلے کو بخشی ہے جان

نہیں اُسکی صنعت میں داخل عیوب

کہ آئینہ ہو حالِ روسے زمین

مومن

ہر جا پہ ہے تیرا جلوہ لیکن

یاں عقل ہے گم کہ بس تجھی کو

تو واحد و بے نظیر و ہمتا

دیکھا تو کہ میں نطس نہ آیا

پایا ہر شے میں پر نہ پایا

تو حاکم و حنائیٰ بر آیا

تجھ کو بھی نہ کہ سکین ترا مثل یان تک نقش ددی مٹایا
(۲) جو صرف اعتقاد کے مطابق ہو اور واقع کے مطابق نہو جیسے جاہل کا قول کہ دوائے
بیمار کو اچھا کر دیا۔

شایان

دیا آدمی کو شرف اس قدر مشا پچھ اوتار سے یہ فساد جو کچھ پ کا اوتار آیا پسند جو ہرنا چھ نے ظلم کی راہ لی جو نر سنگھ بنکر ہوئے آشکار ہوئی بل کی جسم ستاوت عیان پیرام بن کے سہباو کو میری نام بن کر ہوئے جب عیان	ہوئے آپ ظاہر بہ شکل بشر ہوا دفع سنگھ سرب نہاد تو بدھ اور کشیک کو پوچی گزند سزا اپنے بن کے باراہ دی شانام ہر تاکس بد شعار بنے آپ باون پئے امتحان دیا صنو دھر سے نام کھو یشا صاف راون کا نام و نشان
---	--

ان اشعار میں بیان کیا ہے کہ خدائے کبھی پچھ یعنی پچھلی کی شکل میں کبھی پچھ یعنی پچھوے کی
شکل میں کبھی باہ یعنی سور کی شکل میں کبھی نرسنگھ یعنی ایسے جانور کی شکل میں کہ اس میں کچھ حصہ شیر
ہو اور کچھ دمی اور کبھی بولے کی شکل میں اور کبھی پرستار کی شکل میں اور کبھی چاند کی شکل میں ظہور کیا اور یہ امور
قائل کے اعتقاد کے مطابق ہیں اور واقع کے مطابق نہیں کیونکہ غیر میں حلول کرنا اور داخل ہونا
صفات جسم سے ہے اور اللہ تعالیٰ جسم سے منزہ ہے کیونکہ جسم کے واسطے مکان کا ہونا ضروری
اور جب واجب الوجود مکان میں ہوا تو اسکا امکان اور مکان کا وجوب لازم آیا دوسرے
جسم مرکب ہوتا ہے خدائے تعالیٰ ترکیب سے منزہ ہے اسلئے کہ ترکیب کو حدوث لازم ہے اور
ہر مرکب اپنے اجزا کا محتاج ہوتا ہے اور اجزا میں اور اُس میں مغایرت ہو اگر تھی ہے اور
اور جسکو غیر کی طرف احتیاج ہو وہ خدائی کے شایان نہیں تیسرے صفات اجسام کے ساتھ
متصف ہونا لازم آتا ہے۔

(۳) وہ کہ واقع کے مطابق ہو اور نہ اعتقاد کے جیسے اس شخص کا یہ کہ نہ یالیا ہو جانتا ہو کہ ہاں نہیں یا ہر قسم

ہوں

کب میں نے قصد بے سبب کیا ہے
ایلی نے تجھے طلب کیا ہے

یہ قول مجنون کے ہاں ہے اسے اول مجنون کو سمجھایا کہ اب میرے ہمراہ گھر کو چل کر تک
 ٹھکراؤ دیون سے نفرت و وحشت رہے گی اور جنگل میں پھر تار ہے گا جب مجنون نے باپ کی
 نصیحت نہ مانی تو اسے اپنی طرف سے دروغ اس سے کہا کہ چل تجھ کو لیلے کے طلب کیا ہے پس
 مجنون کا باپ لیلے کے نہ طلب کرنے کو جانتا تھا مصلحتاً ایسا کہدیا جس سے مجنون اس کے ساتھ
 شہر کو چلا گیا کیونکہ مجنون یہ بات نہیں جانتا تھا کہ میرا باپ جھوٹ بول رہا ہے اسی قبیل سے ہے یہ قول
 رستم کا شہر اب کے سامنے کہ میں رستم نہیں ہوں۔

وہ کہنے لگا سن کے یہ داستان
 وہ بولا کہ زہرا رستم نہیں
 کہ شاید تو ہے رستم ہیلوان
 میں اس کا ہون اک چاکر کترین

(۴۷) وہ قول جو اعتقاد کے مطابق نہ صرف واقع کے مطابق ہو جیسے مولچند غشی کے یہ
 اشعار نفی سرور کائنات جناب رسالت مآب علیہ التحیۃ والصلوٰۃ میں۔

شفیع گناہان ہر جزا
 فرازندہ رایت سروری
 کشتائندہ عقدہ مدعا
 درخشاں خورشید پیغمبری
 وہ ہی خاص خاصان پروردگار
 قدم اسے معراج پر چب دکھا
 تو یا یہ بڑھا اور معراج کا
 نظر اسکو آیا وہ تابندہ نور

یہ جو کچھ قائل نے کہا ہے اعتقاد کے مطابق نہیں اگر ایسا ہوتا تو وہ مسلمان ہو جاتا مرنے وقت تک
 ہندو کیون رہتا بلکہ صرف اکبر شاہ کے خوش کرنے کو ایسا کہا ہے اسی قبیل سے ہے یہ قول دیا شکر
 نسیم لکھنوی کا گلزار نسیم میں۔

بر شاخ میں ہر شکوفہ کاری
 کرتا ہی یہ دوزبان سے یک سر
 شہرہ ہر قلم کا حمد باری
 حمد حق و مدحت پیغمبر
 باغ انگلیو نہیں یہ حرف زن کی
 بنے کہ مطیع نچترن سے

نسیم نے جو کچھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی آل کی نسبت لکھا ہے یہ کلام اسکا اعتقاد
 کے مطابق نہیں ہے محض شاہان لکھنؤ کے خوش کرنے کو لکھا ہے کیونکہ وہ دم آخر تک ہندو رہا
 اور شاہان لکھنؤ کے خوش کرنے پر دلیل یہ ہے کہ اسے خلفائے رسول کی تعریف نہیں کی کیونکہ شاہان

لکھنؤ دُراٹے لکھنؤ سب شیعہ تھے عرف پنجتن کی نسبت لکھ کر خاموش ہو گیا بخلاف مویہند کے کہ اُسے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی بھی تعریف لکھی ہے کیونکہ اکبر شاہ مسمیٰ تھے اور یہی الناس علی دین ملوکہم کی طرف اشارہ ہے۔

چونکہ نفی اثبات کی تابع ہوتی ہے اسلئے منفی حقیقی عقلی بھی اسی میں داخل ہے۔
مجاز عقلی وہ جملہ ہے جس میں فعل یا معنی فعل کو ایسی چیز کی طرف نسبت کریں جو اُس کے ساتھ متصف نہ ہو چنانچہ فعل معروف ہو تو غیر فاعل کی طرف اور مجہول ہو تو غیر مفعول بہ کی طرف نسبت کی جائے پس یہ غیر سند الیہ مجازی ہوتا ہے اور اُسکی طرف فعل یا معنی فعل کی نسبت کسی علاقے کی وجہ سے ہوتی ہے اور علاقے سے مراد یہ ہے کہ سند الیہ حقیقی کے ساتھ اُسکو کسی قسم کی مشابہت حاصل ہوتی ہے اس مشابہت کی وجہ سے فعل اُسکی طرف بھی منسوب ہو سکتا ہے۔

امیر مینائی

الارکستار کمان موسیٰ ہیں کردیکھ لین صاف جلوہ ہر چراغ طور کا چھویر بیان

کہنے کی نسبت لائے کی طرف مجاز ہے اور وجہ اُسکی یہ ہے کہ یہ فاعل حقیقی سے مشابہت اس بات میں رکھتا ہے کہ جس طرح اُس کے ساتھ فعل کا تعلق ہو سکتا ہے اسی طرح اسکے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

ولہ

ڈری یہ رات کو میری سیختی کی ظلمت کے دعاے نور پڑھ کر اپنے اور شمع نے دم کی

ڈرے اور پڑھنے کی نسبت شمع کی طرف مجاز ہے کیونکہ یہ فاعل سے مشابہت رکھتی ہے اسوجہ سے کہ فعل معروف کا تعلق دونوں سے ہو سکتا ہے پہلے شعر میں کہنے کی نسبت غیر فاعل کی طرف ہر اسی طرح دوسرے شعر میں ڈرے اور پڑھنے کی نسبت غیر فاعل کی طرف ہے اور ایسے موقع پر کسی ایسے قرینہ نظمی یا معنوی کا ہونا ضرور ہے جس سے یہ معلوم ہو سکتا ہو کہ فعل یا معنی فعل اپنے سند الیہ حقیقی کی طرف منسوب نہیں ہوا ہے بلکہ سند الیہ غیر حقیقی کی طرف منسوب ہوا ہے۔

چنانچہ ان دونوں مثالوں میں یہ قرینہ ہے کہ عقل کسی طرح تجویز نہیں کرتی کہ کہنے کا فعل کل لال کے ساتھ قائم ہو اور ڈرے اور مرنے کا فعل شمع کے ساتھ قائم ہو کیونکہ یہ باتیں ذی روح کی شان سے ہیں اور یہ دونوں چیزیں غیر ذی روح ہیں۔

اسی قبیل سند ہے شاد کے شعر میں کہنے کی نسبت حسرت کی طرف۔

حسوں اکبر کی متی تھیں یہ دل سے دت مل
حیف ہو خالی دین ہی مقصد کا پیمانہ رہے

اور قرینے کا ہونا ایسے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اخیر قرینے کے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فعل اپنے
سند الیہ حقیقی کی طرف منسوب ہے جیسے نہ جاری ہے اس جگہ سند الیہ غیر حقیقی ہے جو سند الیہ
حقیقی یعنی پانی کے ساتھ فعل کے تعلق میں مناسبت اور ملاہستہ رہتی ہے
پس جاری ہونے کا تعلق پانی کے ساتھ تو اس لیے ہے کہ پانی کے ساتھ اس کو قیام حاصل ہے
اور نہ کے ساتھ ایسے تعلق ہے کہ جاری ہونا نہ میں واقع ہوتا ہے اور غیر عام ہے اس سے کہ
فی الواقع غیر ہو یا بظاہر متکلم کے نزدیک غیر ہو اور اس قید سے اذال کا ذہب جو نہ واقع کے
مطابق ہوں نہ اعتقاد کے مجاز عقلی کی تعریف سے نکل گئے اور اگر کسی نے یوں کہا کہ فصل خزان
کے باغ کو سرسبز کر دیا تو یہ نہ حقیقت میں داخل ہے نہ مجاز میں حقیقت میں نہ داخل ہونے کی
وجہ تو ظاہر ہے اور مجاز میں اس لیے داخل نہیں کہ مجاز کے لیے علاقے کا ہونا ضرور ہے
پس ایسے قول کے قائل کے حق میں یہ کہا جائے گا کہ اُس نے اپنی بے عقلی اور حماقت سے
یہ بات منہ سے نکالی ہے۔ مجاز عقلی کے علاقے بھی مجاز مفرد کے علاقوں کی طرح ہوتے ہیں اور یہ
کثرت سے استعمال میں ہوتے۔

بھی ملاہستہ کی وجہ سے فعل کو مکان کی طرف منسوب کرتے ہیں مثلاً۔

مولوی محمد اسماعیل

نظر دین ہی سے ہوئی نہ جاری
چل نکلیں گی کشتیاں تمھاری

جاری ہوئی نہ کی طرف منسوب کر دیا حالانکہ درحقیقت پانی جاری ہوتا ہے۔

پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل
ہے گویا رہا تمام جنگل

گوبے کی نسبت جنگل کی طرف کی ہو درحقیقت جنگل کے رہنے والے گوبے رہتے ہیں۔

باغون نے کیا ہے غسل نہمت
کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

غسل کرنے اور خلعت ملنے کی نسبت باغون اور کھیتوں کی طرف کی ہے اور درحقیقت غسل
درختان باغ سے کیا ہے اور سبز خلعت ان نباتات کو ملا ہے جو کھیتوں میں اُگے ہیں۔

انیس

دُبیائے اطفال ہوا نور عین کا
ہنگامہ نظر تھا لٹا کھر حسین کا

نکٹے کی نسبت گھر کی طرف کی ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ گھر میں جو چیز تھی وہ ظہر کے وقت نکٹی اور وہ چیز فریزند ہے۔

حالی

اس سدرین قحط کی دہائی ہے | جان عالم لبون پر آئی ہے

لبون پر جان آنے کی نسبت عام کی طرف ہے حالانکہ درحقیقت ان لوگوں کی جان لبون پر آئی ہے جو عالم میں رہتے ہیں۔

مثنوی زائر

کیا ہوگا یہی تھی فکر بردم | کل اُٹھے کا یاں تمام عالم

میر حسن

اُچھلتے تھے نوارے جو اُسکے دان | کیا سب کل ان کا تاب و توان

اُچھلتے کی نسبت نوار دہلی طرف کی ہے حالانکہ پانی اُچھلتا ہے جو اُنکے اندر ہوتا ہے۔

برکھارت

دریا بچھ بن سسک رہے تھے | اور بن تری راہ تک رہے تھے

سسکنے اور راہ نکٹے کی نسبت دریا اور بن کی طرف کی ہے جو مکان میں حالانکہ دریا کے جانور بغیر برسات کے سسک رہے تھے۔

ایضاً

ندی نامے چڑھے ہوئے ہیں | تیرا کون کے دل بڑھے ہوئے ہیں

چڑھے ہوئے ہونے کی نسبت ندی بالون کی طرف کی حالانکہ پانی چڑھتا ہے جو ان میں بہتا ہے۔

محمد حسین آزاد

یعنی زمین پہ جل رہے تیرے چراغ ہیں | اور آسمان پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں

جلنے کی نسبت چراغ کی طرف کی ہے حالانکہ بنی اور میل جلتا ہے اسی طرح کہتے ہیں یرنالہ بہتا ہے حالانکہ بہنے والا پانی ہے چونکہ یرنالے اور پانی میں مناسبت ہے مجازاً اسی کی طرف منسوب کر دیا۔

آظفر علی خاں

موسلا دھار ہوئی ہوگی کم ایسی بارش | بام قدرت سے مگر بہنے لگے پرناے

اسی قسم سے ہر آگ جلتی ہے حالانکہ جتنے دلی لکڑی ہی ہانڈی پاک رہی ہے حالانکہ پکے دلی
دہ شے ہے جو اسکے اندر ہے۔

حالی

نصیب اُنکا اشیلیہ میں ہے سوتا
نشب در دزبے قرطبہ اُن کو روتا
روئے کی نسبت قرطبہ کی طرف بجاڑا ہے۔

منہ

دولت جو زمین میں تھی مخفی
اُس کے ترے اُسے سب اُگل دی
دولت اُگلنے کی نسبت زمین کی طرف کی ہے جو اُسکا مکان ہے ورنہ درحقیقت یہ فعل اشد کا ہے۔

امیر

جس طرف دیکھو نہ گل باغ میں اتار ہے
شکل نوارہ اُگنتی ہے زمین گنج نہان
کبھی فعل زمانے کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسے۔

سودا

زمانہ دل کو مرے اور عمدہ بارگراں
شکست کینہیں دیتا ہے ایک اُن قرار

موشہ

زمانے نے کچھ قدر دانی نہ کی؟
نظر جانب جان فتانی نہ کی؟
قدر دانی نہ کر کے اور نظر نہ کر کے فعل کو زمانے کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ اُن کچھ دانی نہ
جو زمانے کے اندر میں قدر دانی اور نظر نہیں کی ہے۔

حالی

ایک میں وہ کہ زمانہ کرے انصاف کر
اور کھلچا میں کمالات بھی اُنکے سب
بظاہر انصاف کر کے کی نسبت زمانے کی طرف ہے اور حقیقت میں اُن لوگوں کی طرف ہے
بنام میں موجود ہیں۔

داغ

زمانے نے یکایک چھوڑ دی سب ظلم کی عادت
فلک نے یک قلم موقوف کی طرز ستمگاری
کبھی فعل سبب کی طرف منسوب ہوتا ہے جیسے۔

غشی

نہ رستم نہ سیمرغ نے نال زر | شندہ ہے تو پور کا اسے پدر
اسفندیار کے باپ سے اسفندیار کی بہنوں نے ایسا کہا تھا، سیٹے کاٹنے اسفندیار کو
رستم کی جنگ کے لیے بھیجا تھا جہاں وہ کام آیا پس باپ بیٹے کے قتل کا سبب ہے۔

ولہ

یہ سن کر اُسے غیرت آئی دین | وہ غیرت سر زمر لائی دین
غیرت کسی کے لڑائی میں آنے کا سبب ہوتی ہے۔

ولہ

ادیا شہ نے ترتیب اک خانہ باغ | ہوار شک سے جسکے لائے کو داغ
باغ کا ترتیب دینا بادشاہ کا کام نہیں ہے بلکہ بادشاہ سبب ہے حکم دینے والا۔

آتش

اگر یہ شادی مینا سے ہے ظاہر ہوتا | حال پر صوفیوں کے خندہ زنی جام کرین
خندہ زنی کرنیکا فعل جام کی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ جام خندہ زنی کرنیکا سبب ہے۔

میرسن

سناوت یہ ادنیٰ سی اک اُسکی ہے | کہ اب دن دو شاے دیے ساجے
دو شاے دینے کا فعل محدود (یعنی نواب آصف الدولہ والی اودھ) کی طرف منسوب کیا
حالانکہ اُسکے حکم سے اُسکے نوکروں نے دیے تھے مگر محدود سبب ہے حکم دینے والا۔

ولہ

یہ چاکہ خلقت کسی ڈھب جیے | کئی لاکھ ایکل یک دن میں دیے
ایک ایک دن میں کئی لاکھ دینے کے فعل کو محدود کی طرف منسوب کیا ہے جو سبب امر اور
حقیقت میں اُسکے حکم سے اُسکے نوکروں نے دیے تھے۔

حالی

جنے یوسف کی داستان ہو سنی | جانتا ہوگا روئداد اس کی
مصر میں محتاج پڑا آکر پڑا | اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر
کھانیاں اور کوٹھے کھول دیے | مفت سارے ذخیرے تولد دیے

کھنیاں اور کوٹھے کھول دینے اور ذخیرے تولد لینے کی نسبت ذات یوسف علیہ السلام کی طرف کی ہے حالانکہ یہ کام اُنکے نوکروں نے کیا تھا وہ سبب امر تھے۔

اولہ

کبھی نادر نے قتل عام کیا کبھی محمود نے غلام کیا
قتل عام کرنے کی نسبت نادر کی طرف کی ہے اور غلام کرنے کی نسبت محمود کی طرف حالانکہ ان کے حکم سے اُنکی سپاہ نے یہ کام کئے تھے۔

ایسرینائی

فیض شبنم نے دیے اشجار کو آبی لباس برین ہے مردم گیا کے جامہ آب روان
دھسل آئندہ نے اشجار کو آبی لباس دیے بین اور شبنم سبب ہے۔
کبھی فعل کی نسبت مصدر کی طرف ہوتی ہے جیسے۔

میرسن

غضب سے غضب اسکے کانپا کرے
تہور سے ہیبت بھی اُس کے ڈرے
کانپا کرے کی نسبت غضب کی طرف کی ہے اور ڈرنے کی نسبت ہیبت کی طرف کی ہے اور نسبت حقیقی یہ تھی کہ یہ دونوں محل شخص کی طرف نسبت کیے جاتے جو اُن کا فاعل حقیقی ہوتا یعنی یوں کہتا کہ اسکے غضب سے صاحب غضب کانپا کرتا ہے اور اسکے تہور سے صاحب ہیبت ڈرا کرتا ہے مگر جو مباخذہ کلام میں اُس طرح کہنے سے پیدا ہوا وہ اس طرح کہنے سے پیدا ہوتا چونکہ غضب ہیبت فاعل سے مشابہت رکھتے تھے اس وجہ سے کہ فعل کا تعلق دونوں سے ہو سکتا ہے اس لیے اسناد فعل کی دونوں کی طرف مجازاً صحیح ہے۔

آگہی دام شنید ان جہدہ ریاست بچا
بدعا عتقا ہے اپنے عالم تقسیر کا

سننے کا جان بچانے کی نسبت مجازاً اُسی کی طرف ہے اور حقیقت میں اُس شخص کی طرف ہوتی ہے جو اُنکا طالب ہے۔

اسناد مجازی خبر سے خصوصیت نہیں رکھتی بلکہ انشا میں بھی جاری ہوتی ہے جیسے ہمارا دانش
منظوم میں پیش کرتا ہے کہ بادشاہ نے وزیروں کو حکم دیا۔

کما شہ لے پھر اس سے بہتر کیا	کر داس کا سامان جو کچھ کہ
وزیر دن لے فی الفور تہ بیر کی	در بار گہ پردہ تعمیر کی

بادشاہ نے وزیر دن کو مکان کی تعمیر کے یہ حکم دیا جو انھوں نے تعمیر کیا اور ظاہر ہے کہ مکان کی تعمیر کرنا وزیر دن کا کام نہیں بلکہ عملے کا کام ہے وہ تو سبب ہیں حکم دینے والے۔

قرینہ مجاز عقلی

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مجاز عقلی کے لیے کوئی قرینہ ایسا ہونا ضروری ہے جس سے معلوم ہو کہ معنی حقیقی بیان مردہ ہیں کیونکہ بغیر قرینے کے معنی حقیقی معلوم ہوتے ہیں اور وہ قرینہ کئی طرح کا ہوتا ہے کبھی لفظی ہوتا ہے جیسے سودا کے اس قول میں۔

اکھڑ گیا بہمن دے کا چنستان کھل	تیغ اُردے لے کیا ملک خزان متاصل
سجدہ شکر میں ہر شاخ شردار ہر ایک	دیکھ کر باغ جہان میں کہ م غر و جل

ملک خزان کو متاصل کرنے کی نسبت تیغ اُردے کی طرف مجاز ہے اور قرینہ اس پر شعر ثانی ہے کیونکہ یہ شعر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی اور کرم سے بہار بھیج کر خزان کو دور کر دیا پس اسناد متاصل کرنے کی تیغ اُردے کی طرف تادل کے طریق پر ہے تادل اسے کہتے ہیں کہ کلام کو ظاہر سے خلاف ظاہر کی طرف پھیرنا یہاں تادل کی صورت یہ ہے کہ موسم بہار سبب ہے خزان کے جاتے رہنے کا ورنہ حقیقت میں خزان کا دور کرنا اللہ کا کام ہے۔

سلہ اُردے یا تہ مجہول سے سال شمسی کا دوسرا مہینہ ہندی کا چٹھہ مہینہ اس سے مطابقت رکھتا ہے اور یہ تخفیف ہے اُردے بہشت کا جو مرکب ہے اُرد یعنی نظیر اور بہشت یعنی جنت سے وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ایران و توران میں اس موسم میں بہار کی کثرت ہوتی ہے پھول کھلتے ہیں درختوں میں نئے پتے آتے ہیں کسرا اُفدافت کے کھینچنے سے یا تہ نختالی پیدا ہوتی اور بہمن سال شمسی کا گیارھواں مہینہ ہے اور ہندی کے مہینے پھانگن کے ساتھ غنپڑے سے تفاوت کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے اور دے بروزن سے سال شمسی کا دسواں مہینہ ہے یہ مہینہ ہندی کے مہینے ماگھ یا ماہ سے مطابقت رکھتا ہے اور از تسہیل اللغات مؤلفہ فقہ الغنی خاں مصنف این کتاب

محمد حسین آزاد

اسے دوست قرار دیا تھا جاری نہیں
اور روشنی تھی عام زمین آسمان میں
اس شعر میں آفتاب کی طرف خطاب ہے۔

ولہ

دولاب چرخ پر لگا اپنا مدار ہے
چلتا اسی پہ دور خزان و بہار ہے
ان دونوں شعروں میں اسناد مجازی ہے اور قرینہ لفظی اس پر شعر آئندہ ہے۔

ولہ

دن ہے خدائے بگودیا کام کے لیے
اور رات کو بنایا ہے آرام کے لیے
اور کبھی قرینہ معنوی ہوتا ہے اور اسکی بھی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ عقل کسی طرح تجویز نہیں
کرتی کہ منہ الیہ مذکور کے ساتھ فعل حقیقہ قائم ہو سکے جیسے۔

ابرو

تمھاری زلف بچان لے مجھے بھی مار رکھا ہے
تماشا دیکھتے ہو کیا مرے حال پریشان کا
زلف کے ساتھ مارنیکا قیام محال ہے۔

حلیل

عشق گیسوے بہتان سانس بھی لیتی دی
اڑ دیا بیٹھا رہا گنج دل نا کام پر
عشق کے ساتھ سانس نہ لینے دینے کا قیام محال ہے۔

ظفر

دل بچیر سے تیرا کس کا یہ کہتا ہے کہ سے
جذبہ شوق ترا کھینچ لایا مجھ کو
جذبہ شوق کے ساتھ کھینچ کے لایا قیام محال ہے اسی طرح تیرے ساتھ کھینچنے کا قیام محال ہے۔

امیر مینائی

لا کہ کہتا ہے کہاں موسیٰ ہیں اگر دیکھ لیں
صاف جلوہ ہے چراغ طہر کا مجھ میں عیان
کہنے کا قیام لایہ کے ساتھ عقلاً محال ہے۔

میر تقی

کیا کیا اسے عاشقی مستایا تو نے
کیسا کیسا ہمیں کسا یا تو نے

اول کے سلوک میں کہیں کا نہ کھا	آئندہ کو ٹھکانے ہی لگایا تو نے
ان تمام افعال کا قیام عاشقی کے ساتھ عقلاً محال ہے۔	
داغ	
کون مرے کونزے کو چے میں خود آتا ہے	پرے مینا بی دل ہو کہ اٹا لاتی ہے
کوچہ یا مین بہ حسرت دیدار مجھے	روز بجا کے نئی سیر دکھلا لاتی ہے
میرا مانت علی ممنون	
اے دے کہ ترے لیے اس خاک نشین کو	اجون بادہ لیے پھرتی ہو گھر گھر پیش دل
دوسرے یہ کہ عادت فعل کا قیام مستدلیہ مذکور کے ساتھ محال ہے جیسے اس شعر میں حالی کے یہ	
کبھی یاد دے قتل عام کیا	کبھی محمود نے غلام کیا
یہ بات عادت محال ہے کہ ایک فرد بشر قتل عام کرے پھر غلام بنائے اگرچہ عقلاً ممکن ہے۔	
تیسرے یہ کہ صدر کلام کا موجد کی زبان سے ہو جیسے۔	
برکھارت	
ہیں شکر گزار تیرے برسات	انسان سے لے کے تانبات
گلشن کو دیا ہمال تو نے	کھیتی کو کیا ہمال تو نے
طاؤس کو ناچنا بتایا	کوئل کو الاپنا بتایا
امرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ	اک رات میں کچھ سے کر دیا کچھ
جودا نے تجھے خاک میں پریشان گویا	سب آکے چڑھائے تو نے پروان
بنایا ہند کو گلشن بہار نے ایسا	کہ شوق میں سر دھیم خرامان تھا
ہمال گلشن تصویر تک شمر لائیں	بہار کا چمن دھریں یہ فرماں سنا
ہمارا بے مین کیا کیا اچھا رہی ہو گل	شگفتہ غنچہ مسخار عنہ میدان سنا
چونکہ یہ اقوال موجد دن سے سرزد ہو سکتی ہیں اس لیے ثابت ہوا کہ اس کے کہنے والوں سے	
ظاہر اسناد پر اعتقاد نہ تھا پس ان اسنادوں کو مجاز سمجھا جائے گا ہاں اگر یہ بات یقین کو جوہر	
جائے کہ وہ اس کے ظاہر کے مقتدر تھے تو ان قولوں کا وہی حال ہوگا جو جابل کے اس قول کا تھا کہ	
دوائے بیمار کو اچھا کر دیا ہوا تھا اس بات کا جو مازہ احوال غصیف ہوا سلیے کہ کوئی موجد یہی اسناد کو	

حقیقی نہیں جانتا بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ برسات اور موسم بہار ان کاموں کے سبب ہیں اور حقیقت
ہیں یہ فعل اللہ کے ہیں۔

مجاز عقلی کی شناخت

مجاز عقلی کی شناخت یہ ہو کہ اُس کے لیے فاعل و مفعول ہوتا ہو کہ جب اُنکی طرف اس فعل کی
نسبت کر دی جاتی ہو تو اس حقیقی ہو جاتی ہو مگر اس فعل و فاعل کے ہونے کے دو طور ہیں یعنی کبھی ایسا
ہوتا ہو کہ یہ فعل و فاعل جلد معلوم ہو جائے ہن جیسے۔

مولوی محمد اسماعیل

خاک کے شیر کرتا ہے جب جوش و خروش جٹل تمام ہوتا ہو سنسان اور خروش
یعنی جٹل کے تمام جانور خاموش ہو کر سنسان ہو جاتا ہو۔

مولوی محمد اسماعیل

قطر و ن ہی سے نہر ہوگی جاری جاں بیکینی کشتیان تھاری
یعنی قطار و ن ہی سے تیر ہو کر بانی نہرین جاری ہو جائے گا۔

المؤلفہ

رہائے کچھ دردانی نہ کی نظر جانب جان فشانی نہ کی
پنہ میں زمانہ نے کچھ قدر دانی اور جان فشانی کی طرف نظر نہ کی۔
اور کبھی بڑی غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئے ہن جیسے۔

ذوق

اگرے آہر سیر میں جو سیر عالم بالا فلک کو بھی یون ہی اک آبلہ سازیر باکچے
پنہ سب میں آہ کھینچوں تو اللہ تعالیٰ اس کو اتنی طاقت بخشے کہ وہ آسمان سے بھی آگے
نکل جائے۔

ناسخ

اہل زمین نے کیا ستم تو کیا کوئی نالہ جو آسمان گہن سے نکلیا
پنہ اللہ تعالیٰ نے اسے اتنی تابہ و طاقت بخشی کہ وہ آسمان کے پار ہو گیا۔

ناسخ

جان بیکو کی صورت نظر آتی نہیں لے چلی فردوس کو زلفت مجھے اک حرکی

یعنی دریا کی جڑائی میں اندھ تھامت نے مجھے مرنب کے قریب پہنچا دیا ہے۔

اولع

کیا شب ہجر مرے سر پہ بکلا لاتی ہے اپنے ہمراہ اجل کو بھی لگاتی ہے
یعنی اللہ تعالیٰ شب ہجر میں بھی بکلا لاتا ہے اور اس کے ساتھ اجل کو بھی بھیجتا ہے۔

مجاز عقلی اور استعارہ بالکنایہ میں فرق

سکائی مجاز عقلی کو نہیں مانتا اس کے نزدیک اسکی تمام مثالیں استعارہ بالکنایہ کے قبیل سے
ہیں جس میں شبہ بہ متروک ہوتا ہے اور شبہ مذکور ہوتا ہے اور جو شے کہ شبہ بہ کے ساتھ
خصوصیت رکھتی ہے اسکو شبہ کے واسطے ثابت کرتے ہیں مثلاً "دوائے بیمار کو اچھا کیا" اس میں
دوائے استعارہ شافی حقیقی کی ذات کا کیا ہے درغرض اس سے تشبیہ میں مبالغہ منظور ہے
اور اچھا کرنے کی نسبت دوا کی طرف استعارے کے لیے قرینہ مانا ہے پس جب یہ کہتے ہیں کہ
دوائے بیمار کو اچھا کیا، تو مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ شافی حقیقی نے بیمار کو اچھا کیا ہے اور
اچھا کرنا جو فاعل حقیقی کی خصوصیات سے ہر سکود دوا کی طرف منسوب رہتا ہے اسی طرح
اور مسئلہ کو قیاس کر لو خلاصہ کلام یہ ہے کہ فاعل مجازی کو فاعل حقیقی کے ساتھ فعل کے متعلق
ہونے کی وجہ سے تشبیہ دیجاتی ہے یعنی جس طرح فاعل حقیقی کے ساتھ اچھا کرنے کا فعل متعلق ہے
اسی طرح فاعل مجازی کے ساتھ متعلق کیا جاتا ہے اگرچہ فاعل حقیقی کے ساتھ وہ فعل بطور مجاز
کے متعلق ہوتا ہے اور فاعل مجازی کے ساتھ بطور سبب کے بننے والے فاعل اچھا کرنے یا
موجود ہے اور دوا اچھا کرنے کا سبب ہے پھر نہ فاعل مجازی کو ذکر کر کے اس سے فاعل حقیقی
را دیتے ہیں اور جو چیز فاعل حقیقی سے خصوصیت رکھتی ہے اسکو فاعل مجازی کے لیے ثابت
کرتے ہیں۔ مگر یہ قول سکائی کا صحیح نہیں معلوم ہوتا اس لیے کہ اس قول میں۔

غالب

فلک نہ دور رکھ اُس سے کہ ایک میں ہی نہیں دیا زوئی قاتل کے اُتھان کے لیے
استعارہ بالکنایہ کوئی معنی محصل نہیں رکھتا کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے ناموں کو توفیقی نہ جائے
یعنی اس ذات پاک پر کسی نام کا اطلاق حقیقتہً اور مجازاً بغیر اذن شارع کے درست نہیں
تو اس صورت میں نہ کو فلک نسبت کر سکتے جس کی طرف دور رہنے کی نسبت کی ہو اور اگر

تو یقینی نہ مانا جائے تب بھی یہ شرط ہے کہ ایسے نام کا اطلاق جناب ہاری پر کرنا چاہیے جس کے کوئی برابری لازم نہ آئے اور ظاہر ہے کہ فلک برگشتہ اور متغیر و آشفہ حال ہے اور نیز دہریوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جس کے نزدیک مدار دنیا کے کاموں کا فلک پر ہے اور اگلا احتقاد ہے کہ جو کچھ جہان میں ہوتا ہے سب گردشِ فلکی سے ہوتا ہے اور خداے تعالیٰ کے وجود کے وہ قائل نہیں پس اُن کے نزدیک دُور رکھنے کی نسبت فلک کی طرف حقیقی ہو اور اہل حق کا قول ہے کہ قادر مطلق ایزد بخون ہے اور فلک بسبب ہر پس دُور رکھنے کی نسبت فلک کی طرف مجاز عقلی میں داخل ہے۔

سوال۔ مجاز عقلی میں بھی دہریوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے۔

جواب۔ ایسا نہیں اس لیے کہ استعارہ بالکنایہ میں فعل کی نسبت حقیقی ہے اور کلمہ استعار کی ذات سے دوسرے معنی مراد ہوتے ہیں بخلاف مجاز عقلی کے کہ اس میں اسناد حقیقی نہیں ہوتی۔

سوال عرف عام میں جو ایسے جملے مذکور ہوتے ہیں کہ فلان آدمی کے مکان کو آگ نے جلا یا یا طاعون نے اتنے آدمیوں کا کام تمام کیا یا برت نے ابکی سال بڑا نقصان پہونچایا وغیرہ وغیرہ۔

عشق نے غالب نکما کر دیا | در نہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ سب مجاز عقلی میں داخل ہیں کیونکہ اہل حق کے نزدیک ہر کام کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے حالانکہ اہل عرف میں سے کوئی بھی بولنے کے وقت اس بات کا خیال نہیں رکھتا۔
جواب اس میں شک نہیں کہ اکثر اہل عرف جاہل ہیں فاعل حقیقی اور سبب میں فرق نہیں کر سکتے اور جو لوگ کہ ذہن سلیم اور فکر مستقیم رکھتے ہیں وہ ایسے بھلون کے بولنے کے وقت ضرور اس کا خیال رکھتے ہیں یا ایسے جملے نہر۔ ان کے تصور کی وجہ سے حقیقت عرفی ہو گئے ہیں یعنی عرف کے خلاف سے حقیقت میں ورنہ فی الواقع مجاز عقلی میں۔

دوسرا باغِ مستدالیہ کے حالات میں

مستدالیہ جس کی تعریف ادب کی گئی دینے وہ کلمہ جسکی طرف دوسرا کلمہ منسوب ہو اسکے حالات و دھرم کے ہیں ایک یہ کہ مقتضات ظاہر حال کے موافق ہو تب میں دوسرے یہ کہ مقتضات

ظاہر حال کے خلاف ہونے میں ہم انکو دو چہنوں میں بیان کرتے ہیں۔

چہن اول ان امور کے بیان میں جو مقتضائے ظاہر حال کے موافق ہیں

مسند الیہ کا ذکر جملے میں ضرور ہو یا بلحاظ اس امر کے کہ وہ جملے میں اصل ہو مثلاً۔

آگیا

چشم جانان کو دل زار نے سونے ندیا رات بیمار کو ہمارے سونے ندیا

پہلے مصرع میں دل زار فاعل ہو اور چشم جانان مفعول اور سونے ندیا فعل ہر جہ کی نسبت دل کی طرف واقع ہو اور دوسرے مصرع میں پہلا بیمار مفعول ہو اور دوسرا فاعل ہو۔

غالب

نہ یو چھ لسنہ مرہم جراحست دل کا کہ میں میں ریزہ الماس جزو عظم ہے

چونکہ اپنی ایذا دوستی کا اظہار مقصود تھا، پہلے زخم دل کے مرہم میں ریزہ الماس کا نام لیا کیونکہ ریزہ الماس سے زخم ورنہ بھی بڑھ جاتا ہے چونکہ ریزہ الماس جملے میں اصل ہو اور دوسری مقتضی اس کے ذکر سے حد دل کا ہو نہیں اسلئے اسکو ذکر کیا ہے۔

یا اس سبب سے کہ اپنا مطلب بخوبی واضح ہو جائے جیسے۔

فضل الدین فیاض

ارہ گئے حضرت سید کے جوار مان دل میں پورے ہوتے وہ اب ارمان نظر آتے ہیں

دوسرے مصرع میں ارمان کو ایضاح کے لئے ذکر کیا ہے۔

ایس

میں ہوں سرد شباب چمن خلد برین میں ہوں انگشت پریمبر خاتم کا نکلین

دوسری جگہ ضمیر شکر کو ایضاح کے لئے ذکر کیا ہے۔

سودا

خانہ پرورد چمن میں آخرائے صیاد ہم اتنی فرصت دے کہ ہوسن گل سے نکلتا زاد ہم

دوسرے مصرع میں ضمیر شکر ایضاح کا فائدہ دی ہے۔

یا اس خیال سے کہ سامع گنہ گار ہو اور غیبی ہو تو بھی مطلب سمجھ جائے جیسے۔

سودا

حدیث فاطمہ کے حق میں بضعتہ منی
حدیث یہ جو مکرر بنی نے فرمائی

ہوئی زبان محمد سے بار بار مشاد
سواں حدیث کے فرمائی یہی ہر مردی

دوسرے شعر میں نغظ بنی مقصود بالتمثیل ہے۔

یا ایسا ہوتا ہے کہ منکلم جانتا ہے کہ سامع مستدالیہ کو سمجھتا ہے مگر دوسروں پر اس کاغیب ہونا ظاہر
کرنے کو مستدالیہ کا ذکر کرتا ہے۔

شباب

اچھا عدد لے یار نے کیا جھک کے دیدیا
مین لے کما کہ یار نے بوسہ دیا مجھے

بادوجود کہ سامع کو سوال کے سننے اور اس کے بکھنے سے غفلت نہ چاہیے مگر مجیب کے اس غرض
سے کہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ شخص غبی ہے جواب میں مستدالیہ یعنی یار کا ذکر کیا تاکہ لوگ
سمجھ لیں کہ اس سے اسی طرح گفتگو کر لی جاتی ہے۔

یا مستدالیہ کے ذکر سے اسکے مدلول کی تعظیم مقصود ہوتی ہے بشرطیکہ وہ تعظیم پر دلالت
کرتا ہو جیسے۔

میر حسن

کسی شہر میں تھا کوئی بادشاہ
کہ تھادہ شہنشاہ گیتی پناہ

سودا

برس اب کو کو دل خبر انسا ہر اس سے خوش
حسین بن کے جو کرے قتل کو ال پناشاد

دلغ

انواب نے کی جو قدر دانی میری
اسے داغ گذر گئی جوانی میری

غالب

بھیجی ہے جو جھکو شاہ مجاہد نے دال
اے کطف و عنایات شہنشاہ پدال

منشی

در دولت شاہ عام پناہ
میر غنی کا ہے امید گاہ

انوار

معین ملت معین بن ہو چھلے برے کے بھین دھنی ہو
انوار احمد الدین اشرف
تھارے قدموں میں سر دیا ہے تمھاری سنی آج بھین

یا اُنکے ذکر سے اہانت مقصود ہوتی ہے جیسے۔

سودا

ہمد کے بازار میں ہر اک رنگ عار اُٹھا و طبابت کا رنگ

ولہ

بھلا اس شان کا باقی کہیں ہے کہ جس پر ہر کوئی ایسا تعین ہے

ولہ

بجہ کرے ہیں ہر دماہ دریا پھونکے روز و شب میرے اس سے یوں ہوا داعی میں یہ عسلام دو

ولہ

غاض کہ مولوی سادہ نے اُسکو سنی جان لہقیدے اپنے تی باتیں سب اس سے کیں ارشاد

یا مسند الیہ کو ترک کے لیے ذکر کرتے ہیں جیسے۔

میر تقی

ہادی علی رفیق علی رہنما علی ہادی علی محمد علی آشنا علی
مرشد علی کفیل علی پیشوا علی مقصد علی مراد علی مدعا علی

جو کچھ کہو سوائے تو ہاں مرضی علی

سودا

محمد کنت کنز کی گواہی محمد عالم علم الہی
محمد جگدین سالار مسل ہے محمد ماہرہ جزد گل ہے

یا حظ طبع مقصود ہوتا ہے جیسے۔

نفاق

جسکی طفلی جانیوالی اور شاب نیلو ہے مژدہ اے رند کہ وہ مست شراب نے کوہ

خواجہ درد

اکن لبون نے نہ کی سیحائی ہم نے سو سو طرح سے مردیکھا

سوز

خدا کے لیے میرے اے ہم تیشینو وہ بالکا جو جاتا ہے اُسکو بھلا لو

یا کلام کو طول دینے کی غرض سے جہاں سنانا مطلوب ہو مسند الہ کو ذکر کرتے ہیں اور

اور مفسد اس سے یہ ہوتا ہے کہ سامع اس کے حال کو سننے اور دیر تک اس سے ہم کلامی حاصل رہے
اسی لیے دوستوں کے ساتھ اور نیز ان لوگوں کے ساتھ جسے بات چیت کرنی چاہتا تھا جاتے ہیں
طول کلامی کی جاتی ہے جیسے یہ

کیسے لگا تھا یہ دل لیے لگا تھا یہ دل | کچھ میں نے ابتدا کی کچھ تنہی ابتدا کی

پہلے مصرع میں دل کا حفظ کہ مکر آیا ہے مقصود ہے۔

ایس

یہ سخن کہ کے مخاطب ہوا مرا سے مام | لے سپاہ عرب مصر درے دکنہ و شام
تم ہا کرتا ہر حسین آخری محبت کو تمام | بے مصحف ناطق ہوں سنو مجھے کلام

ولہ

سامنے ہند گئی اور کیا جھوک کے سلام | جوڑ کر ساتھ یہ کی عرض کر لے عرض تمام
ترک داب ہر ہر تندیہ بتلائے نام | اکھا مولائے کہ مظلوم و غریب دنا کام

قیدی ہوں ظلم رسیدہ بھی ہوں نادار بھی ہوں
اس گٹے قافلے کا قافلہ سالار بھی ہوں

یہ وہ موقع ہے کہ ہندیزید کی بوی تپید خانے کے دیکھنے کے لیے گئی ہو وہاں امام بن العابدین کو
قید میں دیکھ کر نام و نسب پوچھا تو امام نے جواب اس طول کلامی کے ساتھ دیا ہو تاکہ اس کی وجہ
اپنی طرف کھینچیں۔

ولہ

بولا کوئی کہ کون بر آواہ خیف ذرار | دل ہو گیا ہے تیری صدا سن کے بقرار
اک آہ سر دھجھ کر یہ ہو وہ دل انگار | آفت زدہ اسیر ویریشان و شوگوار

چھوٹے سے سن میں قیدی زندان شام ہوں
میں دختر حسین علیہ السلام ہوں

پڑتی ہوں اسکی جو کہ ہے کوہن کا میرا | شیر الہ بادشہ آسمان سریر
ایسا کریم تھا وہ دو عالم کا دستگیر | جسے ہزاروں قید سے چھڑا دیلے اسیر

شہرت جہان میں بہت شکل کشا کی ہے
ہم آج بین اسیر یہ قدرت خدا کی ہے

بی بی سکینہ سے مجس کے ایک محافظ نے نام پوچھا تو انھوں نے اس وجہ سے کہ وہ ان کے عالی
رحم کرے اس طول کلامی سے جواب دیا۔
یا اُس کے ذکر سے تحریف اور دھمکی منظور ہوتی ہے جیسے۔

میر

اُسکی خاطر کہیں گے خسرو و کلان
دوست اُسکو رکھے ہن پیر و جوان

سعی اس سن کر نیگے عمدے بجان
لے گاشت علی محمد خان

رکھنا ان پیوں کا ہے کسی مجال

پہلے چارون مصرعون میں سند الیہ کا ذکر تحریف کے لیے ہے۔

منشی

یہ کہہ لگا کہنے پھر یوں مجھ پر
ستم کے ذکر سے بھیر کی غرض سُہراب کو ڈرانا تھی۔

یا تعجب کے لیے ذکر کرتے ہیں جیسے۔

دل لگا کر آپ بھی غالب بھی ہو گئے
عشق سے آئے تھے مائع میرزا صاحب تھے

سند الیہ کی تعریف

اصل یہ ہے کہ سند الیہ معرفہ ہو جیسا کہ خبر کی اصل یہ ہے کہ نکرہ ہو اور غرض اس سے
مشکل کی یہ ہوتی ہے کہ مخاطب کو کامل فائدہ حاصل ہو جائے اور سند الیہ کی تعریف کئی طریق
سے ہوتی ہے جسکی تفصیل یہ ہے۔

سند الیہ کی تعریف ضمیر کے ساتھ

سند الیہ کی تعریف ضمیر کے ساتھ کی جاتی ہے اور یہ تین حال سے خالی نہیں یا مشکل ہوتا ہے
یا مخاطب یا غائب اگر سند الیہ غائب ہو تو اُس کے لیے مفرد ہو یا جمع وہ اور وہ ضمیر ہے اور بعض
دوسے بھی جمع کے لیے استعمال کرتے ہیں مگر فصحا کے نزدیک مقبول نہیں ہے اُسکو نکالنا ہائے کتب
کی زبان جانتے ہیں اور واحد مخاطب کے لیے تو ہے اور یہی فصیح ہے اور قدما تین بھی بولتے
تھے اور ہم جمع مخاطب کے لیے ہے اور تین واحد مشکل کے لیے اور ہم جمع مشکل کے لیے ان

سات الفاظ کے سوا اور بھی الفاظ ضمائر کے لیے آتے ہیں مثلاً تجھے تجھکو تمھیں تمکو مجھکو ہمیں ہمکو اس کو اُنھیں اُن کو یہ بارہ الفاظ مفعول کی ضمیر ہیں اور اُسے آتے اُنھوں نے تو کے تھے تین نے ہم نے یہ چھ لفظ فاعل کی ضمیر ہیں اور چھ لفظ ضمیر کے حروف سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً اُس سے اُن سے تجھے تھے مجھے تھے اسی طرح چھ لفظ اضافت کے لیے آتے ہیں چنانچہ میرا تمہارا تمہارا اُس کا اُن کا اور میں نے کی جگہ میں غیر قصیوں کا لفظ ہے جیسے میں نے کیا یا کیا میں نے کی جگہ میں کیا یا کیا میں بولیں۔ ضمائر کا الف لے اور واسطے کے ساتھ یا سے جموں سے بدل جاتا ہے اور اردو میں یہ دونوں لفظ مضاف شمار ہوتے ہیں اور خاطر کے ساتھ یا سے حروف سے تبدیل ہوتا ہے جیسے تیرے لیے اور تیرے واسطے اور تیری خاطر اور اس صورت میں یہ الفاظ ضمائر اضافی میں داخل ہیں اور اُنھوں کے واسطے اور اُنھوں کی خاطر کے بجائے اُن کے واسطے اور اُن کی خاطر زبان غیر قصیوں کی ہے اور کئے بمعنی نزدیک بھی واسطے اور لیے کی طرح مل کرتا ہے اور اُنھیں سے دراصل اُن ہی سے ہے لیکن اب اصل سے نقل کا استعمال چھا ہے۔ ضمیر غائب کے لیے مرجع کا ہونا ضروری ہے۔ مرجع اس اسم کو کہتے ہیں جسکی جگہ ضمیر آئی ہے اور یہ مرجع ہمیشہ ضمیر سے پہلے ہوتا ہے جیسے نیرنگ خیال کی اس عبارت میں بدیع کا عجب حال ہے کہ اتنا تو اچھا ہے مگر بھر بھی لوگ اسے ہر وقت اچھا میں سمجھتے آئے اسے کا مرجع بدیع ہے۔

حالی

کہ کل فخر تھا جن سے ہندوستان کو | ہو کے آج سب ننگ ہندوستان دو |
 کبھی مرجع لفظ مذکور نہیں ہوتا بلکہ ذہن میں ہوتا ہے چنانچہ غلیات میں معشوق کی طرف جو ضمائر راجع ہوتی ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں۔ مثلاً۔

جرات

وہ گیا کس طرف اٹھ جانے سے جگے یاز | دل کسی در طرف جانے ہو جان در طرف |
 وہ کی ضمیر معشوق کی طرف راجع ہے اور وہ عبارت میں مذکور نہیں لیکن سیاق کلام اور قریب مقام سے معلوم ہو جاتا ہے بخلاف اسما سے ظاہر کے کہ اگرچہ غائب کے لیے موضوع ہیں لیکن اُن میں یہ شرط نہیں کہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو اور ضمیر غائب کا اسم ظاہر کی طرف رجوع کرنا وضع مذکور پر قرینہ ہی جیسے زید آیا۔

خطاب میں اصل یہ ہے کہ معین کے لیے ہو کیونکہ معارف اس لیے وضع ہوئے ہیں کہ معین میں استعمال کیے جائیں دوسرے خطاب یہ ہے کہ کلام کو حاضر پر پونچایا جائے مگر کبھی خطاب معین سے ترک کر کے غیر معین کے ساتھ کیا جاتا ہے تاکہ خطاب بطور بدل کے ہر مخاطب کو عام ہو سکے اور ہر مخاطب یہ سمجھے کہ منکلم نے یہ بات مجھے کہی ہے۔

حالی

کام میں سب بشر کے ہم وطنو
چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ
قافلے تم سے بڑھ گئے کو سون
تم اگر ہاتھ پانوں رکھتے ہو
تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر
تم سے بھی ہو سکین جو مرد بنو
بس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ
رہے جاتے ہو سب سے پیچھے کیوں
لنگڑے لوہوں کو کچھ ہمارا دور
نہ کسی ہم وطن کو کچھ غیور

جبکہ ضمیر مشترکے سوا کوئی اور لفظ فعل کا فاعل ہو اس وقت ضمیر کو صرف صیغہ کی علامت اعتبار کرینگے جیسا کہ زید آیا۔ میں آیا۔ تم آئے۔ عورتیں آئیں۔ زید میں تم عورتیں فعل کے فاعل ہیں اور ضمائر مشترک علامت صیغہ ہیں ورنہ لازم آئے گا کہ ایک فعل دو فاعلوں کی طرف مستند ہو اور یہ محض غلط ہے بعضوں کے نزدیک ضمیر بارز اور اسم ظاہر ضمائر متصل کی تاکید کے واسطے مستعمل ہوتے ہیں اور فائدہ ضمیر بارز اور دوسرے اسم ظاہر کے ذکر کرنے میں یہ ہے کہ سامع کو معلوم ہو جاتا ہے کہ نسبت فعل کی بالضرور اسی فاعل کی طرف ہے۔

مستدالیہ کی تعریف علمیت کے ساتھ

مستدالیہ کی تعریف علمیت کے ساتھ بھی کی جاتی ہے اور علم وہ ہے کہ نام ہو شخص معین اور خاص چیز کا اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ سامع کے ذہن میں ابتداء سے بعینہ حاضر ہو جائے تاکہ اسکو پھر کسی اور کے ساتھ شبہ باقی نہ رہے جیسے۔

ترانہ شوق

اللہ کی حمد ہے زبان پر
وصف اس کے لکھیں جو لکھنے والے
ہے آج دماغ آسمان پر
کوئین کے ردورق ہون کا لے
دوسرے شعر میں ضمیر کے عرفات معینہ الہی کو بعد علم کے دوبارہ حاضر کر دیا

کبھی علمیت سے مستدالیہ کی عظمت و شوکت کا اظہار مقصود ہوتا ہے جیسے

الشأ

وہ سعادت علی عالی اعلیٰ جو ہے معدن جود و سخا لہ احسان و کرم

یہاں یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ سعادت علی کو اظہار عظمت میں دخل نہیں بلکہ اس کے اوصاف و حالات کرتے ہیں کیونکہ عظمت ایک ایسا امر ہے جو کمی بیشی کو قبول کرتا ہے اس صورت میں جو چھ سعادت علی سے مستفاد ہوتا ہے صفات سے اس میں زیادتی پیدا ہوتی ہے۔

الامان بول اٹھیں فیصروم و خاقان و لہ اگر زمین با تھو میں تو لیکے اسے جاؤ ٹوٹ

سودا

شیر نژدان شہ مردان علی عالی قدر دھی ختم رسل در امام اول پادشاہ

علی سے جو عظمت مستفاد ہوتی ہے عالی قدر سے اس میں زیادتی پیدا ہوتی ہے۔

ہوس

کمان ہے جم اور کمان سکندر کمان ہے قیصر کمان ہے مارا

یہ سب کے سب خاک کے تھے تیلے بگاڑ دے بنا بنا کر

مصحفی

خاش ہن ارسطود قلاطون مرے آگے دعویٰ نہیں کرتا کوئی موزون مرے آگے

گویا

مہے ایک تیرا آئینہ بردار سکندر دارا ترے دروازے کے دریا کے برابر

کبھی اظہار علمیت کا تعظیم لظیر کے لیے ہوتا ہے جیسے۔

مومن

نری غلامی کی دولت سے خاک پاے بلال

سفیدہ رخ نفور چین و قیصر روس

نفور چین و قیصر روس جو عالی قدر بادشاہ ہیں اس لیے مذکور ہوئے ہیں کہ خاک پاے بلال کی عظمت ظاہر ہوا وہ بلال کا اس لیے ذکر کیا گیا کہ ذات محمد ح یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بزرگی بیان ہو۔

کبھی اظہار علمیت سے کنا یہ علم کے معنی اصلی کی طرف ہوتا ہے جیسے

مولوی محمد حسین آزاد

آئندہ قدم نہ رکھا قید حرص میں | سچ ہے کہ دی خدا لے ہی کیا ہی سمجھ سے
 آزاد اصل لغت میں غیر بندہ اور بے قید اور بے تعلق کو کہتے ہیں پس یہاں پر کناہ ہے اسکے حرص
 دُنیا سے آزاد ہونے کی طرف وضع اول کی وجہ سے اور وضع ثانی کے اعتبار سے محمد حسین کا تخلص تھا
 پس معنی لغوی قرینہ میں انتقال کے معنی ثانی کی طرف اور وہ ہوا وہوس دُنیا سے آزادی ہے
 پس ملزوم سے اور وہ ذات آزاد ہر لازم کی طرف اور وہ ہوا وہوس دُنیا سے آزاد ہونا ہے
 انتقال باعتبار وضع اول کے ہوتا ہے۔

حافظ عبد الرحمن احسان

حکم والا یہ ہوا قلعے میں احسان نہو | سُن کے اس بات کو اک شہر کا احسان گیا
 شہر دیکھا تو کہ جس شہر میں احسان نہو | قلعہ وہ کیا ہے جس قلعہ سے احسان گیا
 یہ اس قلعہ کا شعر ہے جو احسان نے اکبر شاہ ثانی کی خدمت میں اس موقع پر پیش کرایا تھا جب
 دشمنوں نے انکی طرف سے کان بھر کر قلعہ معلیٰ میں آمد و رفت سلام و مجراسب بند کر دیا تھا۔
 قلمی دیوان احسان کے یہ شعر نقل ہوئے۔

مومن

آج ہوتا کمال کو کہتا | اب تخلص ہوا ہے نقصانی
 کمال ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے اور بیان پر اس لفظ کے معنی اصلی کی طرف اشارہ ہے چنانچہ
 نقصانی کا لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ اسی قبیل سے ہے شعر ذیل میں مومن کا لفظ۔

مومن

گریزے کو چہ سے دی کہے کو نسبت کیا گناہ | مومن آخر تھے کبھی اے دشمن اسلام ہما
 اگرچہ مومن شاعر کا تخلص ہے مگر بیان اسکے معنی اصلی کی طرف کناہ ہے کہ اس چیز کے تصدیق کرنے کو
 کہتے ہیں جسکی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ اسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پاس سے لائے ہیں۔

مولہ

نام آئندہ کا تو دل کو نکال دین | مومن نہوں بنو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

ولہ

ہے نام جو پھر تابع فرمان گردن میں
موس ہوں تو مجھ کو بھی مسلمان گردن میں

وزیر

بگارا پنا گدا کیلے مجھ کو اسے شہ حسن
دزیر کا مقابلہ فقیر کے ساتھ دلالت اس بات پر کرتا ہے کہ اس کے منی اصلی کی طرف لکایا ہے۔

احمد حسین مائل

رد زبختش پوچھ لینا یا حسین
کس جگہ مائل ہمارا رہ گیا

اسی قبیل سے ہے گویا کے اس مقطع میں ترجمہ علم مستدیر نہ مستدالہ۔

گزرے اٹھنے نہ دینے سے بگڑ بیٹھا وہ
واجہ علی شاہ غلام رضا نام اپنے ایک مصاحب کے حق میں کہتے ہیں۔

تلم ایسا جگر کا ایسا سخت
ایسی قبیل سے ہے بحر کا یہ مقطع جس میں علم منادی ہے۔

سگے دربان کے سبب کوچہ جانان چھوڑا
سودا شاہ عالم کی تعریف میں کہتا ہے۔

ترقی ہوا سے دلخواہ عالم
کہا دے تا ابد یہ شاہ عالم

جرات

اسی نہ موڑونگاتری شمشیر سے قاتل فرما
نام ہے جرات مرا اس بات کو مراد ہوں

اس مقطع میں علم مستدالہ نہیں بلکہ مستدیر۔

کبھی اظہار علمیت سے سامع کا حیران و شوش کر دینا مقصود ہوتا ہے جیسے اس شعر میں۔

غالب

اسد اللہ خان تمام ہوا
اے دریغادہ رند شاہ باز

انیس

غل ہوتا ہی ہر سمت جدا ہوتی ہر چیز
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہر چیز

ولہ

علی اکبر کی جوانی کا ہے جانکاہ الم
ناو پیر مار کے ہیں دست تاسف ہر دم

کبھی اظہارِ علمیت سے حظ طبع مقصود ہوتا ہے جیسے اس شعر میں میر حسن کے۔

اے میری نجم النساء تو ہے جان | اری تیرے صدقے مری مہربان

جبکہ نجم النساء وزیرزادی بہت مدت کے بعد شہزادی بدر منیر سے اکر ملی تو اس نے یہ کہا تھا اس کلام میں نجم النساء کا نام صرف حظ طبع کے واسطے ذکر کیا گیا ورنہ در صورتیکہ وہ خود شاہزادی کے سامنے حاضر تھی اس قدر کمنا کافی تھا کہ اری میں تیرے صدقے جاؤں میری جان تو اسی لیے موقع پر نام لینا ضرور تھا چنانچہ یہ بات کتاب توبۃ النصوح مصنفہ مولوی نذیر احمد دہلوی کے اس فقرے سے ظاہر ہوتی ہو دو کلیم لے وہاں جا آواز دی تو کچھ دیر بعد مرزا صاحب تنگ دھڑنگ جالگہ پہننے باہر تشریف لائے اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے اور بولے آہا آپ ہیں معاف کیجئے گائیں نے سمجھا کوئی اور صاحب ہیں آگے آہا آپ ہیں کہا کلیم کا نام نہ لیا۔

پیش

کہ فرزند میرا جہاندار شاہ | جو ہے وارث تخت و تاج دکلاہ

انیس

علی اکبر میری محنت کی طرف بھان کر | امان داری مری بستی کو نہ ویران کر

مان لے سامنے علی اکبر سے یہ بات کی تھی۔
اسی غرض کے لیے شعر ذیل میں فرخ فرخ واقع ہوا ہے۔

گلزار نسیم

شہ نے جو زیر آتے دیکھا | سرخ فرخ چکا راٹھا

کبھی اظہارِ علمیت بیان حسرت و افسوس کے لیے ہوتا ہے جیسے مرزا غالب نے ایک خط میں لکھتے ہیں وہی بالا خانہ ہے وہی میں ہوں سٹیر میون پر نظر ہے کہ وہ میر مہدی آئے وہ میر سرفراز حسین آئے وہ یوسف مرزا آئے وہ میرن آئے وہ یوسف علی خان آئے مرے ہوؤں کا نام نہیں لیتا پچھڑے ہوؤں میں سے کچھ گئے ہیں انتہے۔

کیا فیس ناشاد اس عشق میں امیر لکھی جان فریاد اس عشق میں
 ہوتی اس سے شیریں کی حالت تباہ کیا اس سے یلی نے خیمہ سیاہ
 سنا ہو گا دہق پہ جو کچھ ہوا نل اس عشق میں کس طرح سے ہوا

جو غدر اپہ گذر اسوند کو رہے
 دمن کا بھی احوال مشہور ہے

غالب

ہاں اے نلک پیر جوان تھا ابھی عارت کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور
 ہوس

بیٹھا تھا جہاں یہ چشم پر خون دارفتہ عشق لینے مجھوں

تم بھی نہ رہے خون دم محمد بھی سدھار اب کون اٹھائے گا جنازے کو ہمارا
 دبیر

لاشے سے بسر کے نہ جدا ہو دے گی مادر بیٹھوں گی میں جس بن میں رامینگے علی اکبر
 ولہ

میر و غالب آزرہ سے بھر لوگ کہانہ دل غاب یہ ہیں عنایت ہمہ دان ہلی
 انظار علمیت تحقیر کے واسطے ہوتا ہے جیسے

الوار حسین تسلیم

سو کھئے شہر باتیں کرتی ہر دھکی وہ نقیر و بھی بھک منگی بھوک کی

قلق

کس سڑی کا ابھی یہ تھا مذکور کون مجنوں جو قیس تھا مشہور

عاشقی کا مزہ وہ کیا جانے
 نام مہر و فادہ کیا جانے

یہ قیس کو عاشقی کا کیا سلیقہ تھا۔

کبھی سامع کو ترجمہ پر برا لکھتے کر نیکی یہ علم کو بیان کرتے رہن جیسے۔

	مومن	
جان مومن ترے قربان مومن		کہ ترے صدقے مری جان مومن
	ولہ	
سوزش سینہ سے تھا شعلہ فشان		مومن زار کہ تھا گرم بسان
	مظہر	
کیا ہوا اسکو وہ اتنا بھی تو بیمار نہ تھا		لوگ کہتے ہیں مومن مظہر بیکس افسوس
مظہر کے ساتھ بیکس کی فید سے یہ فائدہ ہے کہ سامع رحم کے لیے زیادہ برا لگتی ہو۔		
	نہیں	
پس مصحف ناطق ہوں سنو مجھے کلام		اتم پہ کرتا ہر حسین آخری حجت کو تمام
	محشر	
ای بے سنگین دل بے عاشق ہیل کی گنا		حال دل کچھ مختصر کرتا ہر محشر کٹکٹ
	انظام رامپوری	
کہ حسب حال ہر یہ قول عارف باطن		ترے کرم سے ہو نوید کس طرح سے نظام
	دبیر عباس کی زبانی	
بابا نے غلاموں کے بھی حق میں کہا کیا کیا		ناچیز سہی کم سہی رستے میں میں آلا
عباس غلاموں سے بھی کم مرتبہ کھڑا		ہاتھ اُن کا پکڑ کر حسن پاک کو سونپا
		اسی فائدے کے لیے بکاؤلی کا ذکر دوسرے شعر میں ہے۔
	گلزار نسیم میں بکاؤلی کی زبانی	
سبزے کا سانا رمار داماں		گل کا سانا بھرا گریبان
اب چین کہاں بکاؤلی کو		لکھلا کے کہا سمن پری کو
		مسند الیہ کی تعریف خطاب و لقب و کنیت کے ساتھ
		کبھی مسند الیہ کی تعریف کنیت و لقب سے کی جاتی ہے اور اس سے یا تو توصیف مسند الیہ

کی منظور ہوتی ہے جیسے اس مثال میں۔

مذاق

مرتضیٰ دُبو ترابِ بوا الحسن بوالا ولیا | بوالائمہ سید والا علی مشککشا

اس مثال سے کنیت و لقب دونوں ظاہر ہیں۔

گویا

جود و ستون کو سمجھتے ہیں دشمنانِ علیؑ | تو انکے سر کو کرے تیغِ بو ترابِ شلم

میر تقی

ہے کریم اب بھی وزیر ابن وزیر | اصف الدولہ فلک قدر و جناب

حالی

یہی شفقت تھی کہ جب نے سو بھلایا بجا | شیخ قدوق نے بیٹے کا کیا کام تمام
یا تحقیر سنا یہ کی مراد ہوتی ہے جیسے ان مثالوں میں۔

سودا

ایہ کہا شیخ نے شیطان سگڑا ہم سے مل | آشناست ہو تو سودا سے خرابی کا

ولہ

اتفاقاً بزمِ زندان میں ہوا وارد جو شیخ | پنجہ انکا دم بدم داری کا اسکی شانہ تھا

ولہ

کام اس گلی میں سر سے سودا گزر چکا | کیا تاب یک دم جو ادھ بوا موس چلے

ولہ

پیوند ہوزمین کا یارب ستابا صبح | سی سی مرا گر بیان آن نوجوان مارا

سیار

ٹھانی یہی ہماں منجوں اپنے دِل میں | داعظ جو ملے اسکے عامے کو امارد

طفہ

منہ پر چڑھنا نہیں شمشیرِ ستم کے آسان | بوا موس بھاگے نہ کیوں عشق کے میدانِ سحر

سودا

مٹھرانہ گالیوں کے ترے کوئی بوا موس | راک میں ہی رہ گیا ہون دما کو قدیم کا

حافظ یہ چاہے عہد لیے اسکے براؤن میں سو وہ پیادے کو دے کے تین دیے اور وہ پکا شیخ اور ناصح اور داعظ اور بوالموس اور حافظ الفاظ واسطے تحفہ کے ذکر کیے گئے۔

مسند الیہ کی تعریف اسمائے اشارہ کے ساتھ

مسند الیہ کی تعریف اسمائے اشارہ کے ساتھ بھی کی جاتی ہے اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اسکی خوب وضاحت ہو جائے۔

فرق معنوی ضمیر اور اسم اشارہ میں یہ ہے کہ اشارہ امور حسی کے لیے موضوع ہے اور ضمیر حسی اور غیر حسی دونوں کے لیے نہیں ہے جیسے کہتے ہیں زید سے میں ملا تھا وہ نہایت عمدہ آدمی ہے۔ لفظ ضمیر ہے جو زید کی طرف راجع ہے اور زید محسوسات سے ہے۔ غیر حسی کی مثال۔

از مشنوی سحر البیان

قلم جو لکھے اُس سے افزود ہے
وے پرورش سب کی منظور ہے

وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے
اگرچہ وہ بے فکر و غیور ہے

دونوں شعرون میں وہ لفظ ضمیر ہے اور خدا کی طرف راجع ہے جو غیر محسوس ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مرجع ضمیر کا ذہنی ہوتا ہے حسی نہیں ہوتا یعنی اعضا سے ظاہر سے تعلق نہیں رکھتا اور اشارہ باعتبار معنی حقیقی اپنے کے صرف محسوس حاضر کی طرف ہوتا ہے اور یہ اعضا سے ظاہر تک بھون مٹھ پاؤں اور دل وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے اور اگر کہیں غیر محسوس غیر حاضر کی طرف اشارہ کیا تو مجاز پر محمول ہوتا ہے کہ غیر محسوس کو محسوس حاضر تصور کر کے اُس کی طرف اشارہ کر کے ہیں چنانچہ منشی شاہنامہ اردو کی نسبت کہتا ہے۔

بہت خوب ہے بلکہ ہے بے نظیر

کہ دالند یہ نامہ ولیب زبیر

یعنی یہ کتاب کہ ذہن میں معقول و متصور ہے اور بات تک وجود میں نہ آئی ہے بشرطیکہ خطبہ الحاقی نہ ہو اسم اشارہ فاعل لازم اور مبتدا کے لیے واحد ہو یا جمع یہ مقرر ہے اور جمع کے لیے پھر بھی قدما کے محاورے میں تھا مگر اب متروک ہے اور فاعل متعدی اور مفعول اور متعلق بہ حرف کیلئے

اُس استعمال ہے جیسے اُنے مجھے بہت ستایا اور اُسکو میں بہت چاہتا ہوں اور اُس سے مجھے
 کچھ غرض نہیں اور فاعل کی جمع کے لیے اُنھوں نے اور مفعول کی جمع کے لیے اُنھوں کو اور
 اُن کو استعمال کرتے ہیں اور یہ پچھلا لفظ فصیح ہے اور متعلق بہ حرف کے لیے اُنھوں سے
 اور اُن سے لاتے ہیں اور پچھلا لفظ فصیح تر ہے اور اُس نے کی جگہ اُنھوں نے بھی استعمال کر سکتے ہیں
 اور لفظ یہ اشارہ قریب کے لیے ہے اشارہ بعید کے لیے اُردو میں وہی لفظ مستعمل ہے جو ضمیر واحد
 کے لیے آتا ہے انشاء اللہ خان سے دریاے لطافت میں یہ بات فروگذاشت ہو گئی ہو اور
 ثبوت اس کا یہ ہے کہ اسم اشارہ مشار الیہ کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے اور اسم ضمیر مرجع کے ساتھ جمع نہیں
 ہو سکتا۔ پس ان اشعار میں۔

سید اصغر علی آبرو ساکن ٹونک

اُس زلف سیہ کا ہر یہ نقشامے آگے | یا کھیل رہا ہر کوئی کا لامرے آگے

شاہ مبارک آبرو

افسوس ہے کہ مجھ کو وہ پار بھول جائے | وہ شوق وہ محبت وہ پیار بھول جائے

اسکا زلف اور وہ کا پار اور شوق و محبت کے ساتھ جمع ہونا دلیل ہے اس بات پر کہ یہ دو لفظ
 یہاں اشارہ بعید کے لیے مستعمل ہوئے ہیں اور اُس اور اُن الف مکسور کے ساتھ اشارہ قریب کے
 ہیں اور اس اور ان الف مضموم کے ساتھ اشارہ بعید کے لیے۔
 خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسند الیہ کی تعریف اسم اشارہ کے ساتھ یا تو زیادتی مدح کے لیے
 ہوتی ہے جیسے۔

عشرت

ارادہ میر کا کرتا ہے جبکہ وہ گرو | یہ ناز کی کہ جبین پر عرق ابھی ہے

یعنی اُسکی ناز کی بہت بڑھی ہوئی ہے۔

محمد افضل خان افضل

یہ قطع یہ بربد یہ شوخی یہ شان تیغ | یہ گھاٹ یہ تراش یہ پہلو یہ اُن تیغ

غالب	
یہ مسائل نصیحت یہ ترا بیان غالب	نہ تھے ہم ولی نہ تھے جو نہ بادہ خوار ہوتا
ابن	
سب تھک گئے مگر نہ تھکے تیرے کچھ	وہ سو کر رہا اسی گل پر بہن کے ہاتھ
یعنی وہ سو کر عظیم الخ۔	
ولہ	
وہ سرد ہوا لور کی دہ صبح کا عالم	اور زمرے مرغان خوشاں لکان کے وہ ہا ہم
وہ سبز کا صحرا یہ پٹے گوہر شبنم	اور صبح کی نوبت کی صدا آئے وہ ہر دم
ولہ	
جلنا وہ باد صبح کے چھوٹوں کا دم ہم	مرغان باغ کی وہ خوشاں لکانیاں ہم
وہ آب و تاب نہ وہ موجوں کی بیج و خم	سردی ہوا میں پر نہ زیادہ بہت نہ کم
وہ لور صبح اور وہ صحرا وہ سبزہ ناز	تھے طائر و ننگے غول درختوں پہ شمار
جلنا نسیم باد کھڑے کا وہ بار بار	کو کو وہ قمر یون کی وہ طاؤس کی پکا
وہ دشت وہ نسیم وہ چوٹ کے وہ سبزہ ہا	بچھو لو نہ جا بجا وہ گمراہے آباد
میرسن	
وہ نکلے فلک اور وہ مہ کا ظہور	لگا تمام سے صبح تک وقت نور
وہ سنسان جنگل وہ لور قمر	وہ براق سا ہر طرف دشت و در
وہ اجلا سا میدان چمکتی سی ریت	اگا نور سے چاند تاروں کا کھیت
نظیر	
وہ بہار میں وہ فضا میں وہ ہوا میں وہ ہر دم	وہ طربہ عیش کچھ جکا نہیں حد و حساب
یا کثرت منظور ہوتی ہے جیسے	
ابن	
ہالو کو تسمین دے کے چلا شاہ نامدار	وہ پیاس لور وہ دھوپ کا صد مہ دہ خطر
دوق	
تسمیم عیش سے ہر یہ زمانہ عطر آگین	کہ فرص خبر اگر ہے زمین نو گرد عیر

یا تحقیر کے لیے جیسے۔

جھٹٹا کر ترا تحقیر سے شہر و دیار یہ بندی ہی لائی ہے تقصیر وار

مولوی محمد اسماعیل

یہ تن و توشل در یہ رفتار ایسی رفتار پر خدا کی مار

پہلا اسم اشارہ تعظیم کے لیے ہے اور دوسرا تحقیر کے لیے۔

نفیس

مخس بد کہ اڑے جس کا سایہ کچلے بوم وہ تیرہ رنگ کہ جس کے سود شام بوم

یا باعتبار قرب و بعد کے اسکا حال بیان کرنا مقصود ہوتا ہی جیسے۔

احسن

اشک گلگون کو نہیں بعل گھر سے چونکہ یہ رکھے سنگ نسبت وہ جگر سے چونکہ

وجاہت جھنجھالی

اندر کر سکتا نہیں جبل جو ہو علم سوا جتنا یہ بڑھتا ہے وہ اتنا ہی گھٹ جاتا ہے

ایس

جنت انعام کر کہ دوزخ میں جلا وہ رحم ترا ہے یہ عدالت تیری

مسند الیہ کا معہود ہونا

کبھی نکرہ معہود ہونے کی وجہ سے معرفہ ہو جاتا ہے اور معہود اُسے کہتے ہیں جو ایک شے معین اور
مقرر ہو اور وہ دوم پر ہے ایک معہود خارجی وہ نکرہ ہے کہ بقرینہ مقالیہ یا کسی خاص وجہ سے
ذات خاص پر دلالت کرتا ہے مثلاً

ملشی

گیا گیو دو میں گذر بانگے پاس گذر بان لگا کرنے گفتار یا س

مصرع دوم میں گذر بان سے دہی گذر بان مراد ہے جسکا ذکر مصرع اول میں ہوا ہے مگر اس قدر کہ
کہ مصرع اول میں گذر بان مسند الیہ نہیں ہے۔

سننے والے کبھی نہیں سمجھ سکتے۔

ہے لکھنؤ کی جان تو کلکتے میں ایسے
 لکھنؤ کی جان سے واجد علی شاہ فرمان روا سے اودھ مراد ہیں اور اسکے معبود ذاتی ہوتے
 ہیں کوئی شبہ نہیں۔

غالب

مجھے جنون نہیں غالب ہے بقول حضور

فراق یار میں تسکین ہو تو کیونکر ہو

غالب کے عہد میں حضور سے بہادر شاہ دوم مجھے جالے تھے جو شاہانِ تیموریہ کے سب سے
 پچھلے براے نام تاجدار تھے اور لفظ حضور مصناف الیہ مجبور ہے۔

مسند الیہ کی تعریف موصول بنا کر

کبھی مسند الیہ کی تعریف اُس کو موصول بنا کر کی جاتی ہے اُردو میں اسم موصول کی علامت
 یہ ہے کہ جو تہا واحد مذکر کے لیے اور جوںسی واحد مؤنث کے لیے اور جوںسے جمع مذکر کے لیے
 اور جوںسیان جمع مؤنث کے لیے اور فصیح لوگ جمع مؤنث کے لیے بھی جوںسی بولتے ہیں اور جو اور
 جس کے اور جن کے اور جھوں نے اور جس کو اور جن کو اور جس سے اور جن سے بھی اسم موصول
 کے الفاظ ہیں اور جسکی جگہ جس کسی اور جن کبھی بھی درست ہے اور جو کی جگہ سو بھی خور لوان
 میں مستعمل ہے اور کوئی سا اور کوئی اسی بھی موصولات کے لیے آتے ہیں۔

اور اسم اشارہ بھی کاف بیانیہ کے لائے سے موصولات کے حکم میں ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقت پر
 باقی نہیں رہتا اور کبھی اسم اشارہ کے ساتھ جو بھی آتا ہے جو سوائے شرط کے بیان کا بھی فائدہ دیتا
 ہے اور اس طرح تعریف کئی سبب سے کی جاتی ہے۔

یا تو اس لیے کہ سامع مسند الیہ کے دوسرے خاص ظاص حالات سے واقف نہیں ہوتا صرف
 صلے سے واقف ہوتا ہے پس اُس کے جملے کے لیے مسند الیہ کو اس طرح ذکر کرتے ہیں
 تاکہ صلے کی وجہ سے جو ایک جملہ خبریہ ہوتا ہے اور اُس میں بیان اُنسی موصول کا ہوتا ہے
 سامع کو معلوم ہو جائے مثلاً جو لڑکا کل غیر حاضر تھا آیا جو لڑکا اسم موصول کل غیر حاضر تھا یہ جملہ خبریہ
 اُسکا صلہ ہے۔

نظام رامپوری

تمھارے پاس جو گھوڑا کیت رنگ کا ہے وہ بخشے مجھے اللہ بخشے اللہ
جو کیت رنگ کا گھوڑا موصول در تمھارے پاس موجود ہے جملہ خبریہ اسکا صلہ تو موصول
صلے سے ملکر ابتدا خبر اسکی دوسرا مصرع ہے۔

ظفر

سو تاتھا جو شب کھلے ترے سر کے تلے ہاں بیٹھا غر خندان کے سب وہ در کے تلے ہاں
جو موصول ہے سو تاتھا شب رکھنے ترے سر کے تلے ہاں صلہ پر موصول صلے سے ملکر ابتدا
دوسرا مصرع خبر ہے۔

امیر

دکھایا انقلاب تازہ عالم کے حادثے کے جو مرتے ہیں وہ جیتے ہیں جو جیتے ہیں وہ مرتے ہیں
جو یعنی جو لوگ اسم موصول اور مرتے ہیں اسی طرح جیتے ہیں صلہ دو ان اسم موصول سے ملے
سے ملکر ابتدا اور بالعدا نکلی خبر۔

سرس حانی

وہ خط جو تھا ایک دھورون کا گلہ گران رو دیا اس کا عالم میں پلہ
یہاں وہ اسم اشارہ مع خط کے موصول اور جو کاف بیانیہ کا قائم مقام ہے۔ دھورون کا
گلہ تھا صلہ ہے موصول صلے سے ملکر ابتدا دوسرا مصرع خبر ہے۔

ولہ

وہ تو میں جو ہیں آج غمخوار انسان اور زندگی اور انکی پرست تی یکتا ان

منہ

تو رونا کی تمھارے جو ہے غمنا ان کو وہ خواب میں زمین بستا

شایان

موتنی جو چرتے تھے شوے شمال بکڑے گئے ان کو یہ بد حصال

ناسخ

در شرت غایت یزید مر رہے کہ جو غمنا آیا نظر دہر سب سے

ولہ

جو غذا توڑتے ہیں آگے ہیں جو چباتے ہیں اُنکے پیچھے ہیں

یا مسندالیہ کی تعظیم مطلوب ہوتی ہے جیسے۔

غالب

قیامت ہے کہ ہووے مدعی کا ہمسفر غالب وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے پھر سے

وہ کافر موصول جو بیان کے لیے اور با بعد صلہ ہے۔

بیٹھا ہے جو کہ سایہ دیوار یارمین ولہ فرمان روا کے کشور ہندوستان

جو یعنی جو کوئی اسم موصول ہے سایہ دیوار یارمین بیٹھا ہے صلہ اور یہاں تعظیم مقصود ہے۔

ایس

چڑھائیں عدد اسکو نیز ہے یہ آہ محمد کے زانو پہ جو سر رہے

جو سر مسندالیہ موصول ہے اور محمد کے زانو پہ رہے صلہ ہے۔

قاسم علی شوکت

کاٹ ہے جو ابرو کے خمدارمین ہے یہ برش کب کسی تادارمین

جو کاٹ مسندالیہ اور موصول ہے اور ابرو کے خمدارمین ہے صلہ ہے اور یہاں موصول

کی تعظیم مقصود ہے۔

یا مسندالیہ کی تحقیر منظور ہوتی ہے جیسے۔

امیر عینائی

جو کو بلا میں شاہ شہیدان سے پھر گئے کچے سے مخزن ہو قرآن سے پھر گئے

جو لوگ اسم موصول ہے شاہ شہیدان سے پھر گئے صلہ ہے موصول صلے سے ملکر مبتدا ہوا اور دوم

مصرع خبری اور یہاں موصول کی تحقیر منظور ہے۔

اقبال

قطرے جو تھے مرے عرق افعال کے موتی سمجھ کے شان کریم نے چن لیے

جو قطرے اسم موصول اور میرے عرق افعال کے تھے صلہ ہے اور یہاں صلہ سے موصول

کی تحقیر نکلتی ہے۔

تراب

جو گھر گھر پیرے یکم وزر کے لیے مرے کون اُس یکم بر کے لیے

غلام دستگیر نامی

اصول اُفت سے جو بخیر ہیں وہ اسلام کے واسطے پُر خطر ہیں

یا ایسے کہ اُسکا ذکر نہ صراحت کے ساتھ اچھا نہیں معلوم ہوتا جیسے۔

حالی

پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی جو نہ آئی تھی وہ بلا آئی ۛ

یہاں منہ الہ کا ذکر صراحت کے ساتھ کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ کوئی خوبی کی چیز نہ تھا ایسے موصول بنا کر لائے۔

ولہ

سزا دار ہے اُن کو جو ناسزا ہے روا ہے اُنھیں سب کو جو ناروا ہے

ولہ

وہ جو کچھ کہ میں کہ سکے کون اُن کو بنایا ندیموں نے فرعون اُن کو

ولہ

اعلوم ہے جو موردِ نیا سپین میں گذری جسوقت از بلا ہوئی دان صاحب افسر

یا اس بات کی طرف اشارہ منظور ہوتا ہے کہ خبر اس قسم کی ہوگی جیسے۔

اذوق

زمین پہ نورِ قر کے گرے میں صاف اظہارِ روشنی ہے کہ جو میں روشن ضمیر اُنکو فروغ اُنکی فردتی ہے

جب یہ کہا کہ جو لوگ روشن ضمیر ہیں تو اس موصول در صلے سے اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ
مبتدا کی خبر ایسی چیز پر مبنی ہوگی جو روشنی اور فروغ کی قسم سے ہوگی۔

مومن

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ یاد ہو وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ یاد ہو

جب یہ کہا وہ قرار جو ہم میں تم میں تھا تو اس موصول در صلے سے اس بات کی طرف اشارہ ہوا

کہ اس مبتدائی خبر میں کوئی بات قرار کے یاد رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق بیان ہوگی۔

حالی

یا کباز دن کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا :
جو کنوڑے میں وہی مجھے کھٹکتے ہیں سدا
موسول مع صلے کے یعنی جو لوگ کنوڑے میں اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ اس کے بعد کوئی ایسی خبر
آنے لگی جو مجرموں کے مناسب حال ہوتی ہو۔

ولہ

بوزہر منہ میں دل لگا بڑھانا ہوں میں
خوبیان انگلی زمانے میں جانا ہوں میں

ایک

ابرہمن کو بہت سختے تو اسے صدم
جس نے جو مانگا خدا سے مل گیا

واجد علی شاہ اختر

از دل یہ نصیحت کسی صاحب کی ہوسکتی
بھولے جو تجھے اُسکو بھی تو یاد نہ کرنا

ناسخ

جو تیرے عشق میں ہلاک نہیں
زندگانی کا لطف خاک نہیں
کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس ایما کے ذریعہ سے شان خبر کی تعظیم بھی استفاد ہوتی ہو مثلاً جو آسمان کا
پیر کو یہ نہ ملا ہے اُسے ہمارے یہ مکان بتایا اس مثال میں موصول مع صلا اس بات کی طرف
شار کرتا ہے کہ خبر میں کوئی تعمیر کا ذکر ہوگا اور یہ ایما اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ مکان
عانی شان ہوگا کیونکہ اُسکا بنائے والا وہ ہے جس نے آسمان کو پیدا کیا ہے۔

حالی

جب صورت تک عدالت کی کچھ دیکھی نہ تھی
باغ سے جسے بڑونگی آن اب تک دی نہ تھی
یہ کہتا ہوں کہ یہ وہ رات دن جگر میں تھا :
یا تو ان اک اُسکا عدالت میں تھا اور ان گھر میں تھا
شاعر کے اس قول میں کہ جو شخص اتنی عظمت رکھتا تھا کہ اُسکو عدالت تک جانے کا کام نہ پڑا تھا
اور وہ اپنے اسلاف کی طرح نہایت وقار سے رہتا تھا اور جس طرح اُسکے بڑے عدالت میں جانے کو
مار بچتے تھے اسی طرح وہ بھی سمجھتا تھا ایما یہ اس بات کی طرف کہ خبر میں جیرید بنی ہے وہ کوئی
ایسا امر ہے جس میں عدالت کی قسم کی کوئی بات ہوگی خبر اس میں یہ بات بھی پیدا ہوتی ہو کہ جبکہ

ایسا عالیشان آدمی بیگنا ہون کے لیے رات دن چکر میں تھا اور عدالت میں پے درپے جاتا تھا تو وہ کوئی اہم معاملہ ہوگا۔

مصحفی

انھوں کو صاحبِ خرمن بھی سمجھتے ہیں جو مصحفی کے ہیں کہ ملنے خوشہ چنوں میں شاعر کے اس قول میں کہ جو مصحفی کے خوشہ چین یعنی شاعر ہیں اس بات کی طرف ایما ہے کہ اس کی خبر میں کوئی ایسا ذکر ہوگا جو خوشہ چینی کے مناسب ہوگا اور یہ ایما اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کے خرمن یعنی دیوان نہایت عمدہ ہوں گے کیونکہ وہ مصحفی جیسے شاعر کامل کے خوشہ چین ہیں۔

کبھی یہ ایما غیر خبر کی شان کی عظمت پر دلالت کر نیکاً ذریعہ ہوتا ہے جیسے۔

دبیر

از بہر حسین و حسن اے خالقِ دانا جو مجھے جلیں تو انھیں دوزخ میں جلا نا جو مجھ سے جلیں موصول مع صلہ کے ہے اور اس میں ایما ہے اس بات کی طرف کہ خبر میں کوئی عذاب و عقاب کی قسم کا مضمون ہوگا اور اس ایما میں متکلم کی شان کی تعظیم بھی جاتی ہے کیونکہ اُس کے ساتھ حذر رکھنے کی وجہ سے حاسدوں کے عذاب دینے کی دعا کی گئی ہے۔

میر تقی

جو کہ خود سر رکھتے استادوں سے عار ان کے تئیں ہرگز نہ ہوتا اعتبار موصول مع صلہ یعنی مصرعِ اول ایما ہے اس بات کی طرف کہ خبر کوئی ایسی چیز ہوگی جس میں تحقیر موجود ہوگی اور اس سے استادوں کی تعظیم بھی نکلتی ہے اس لیے کہ اُن سے عار رکھنے کی وجہ سے بے اعتباری پیدا ہوتی ہے۔

نفیس

مقابلہ مرا جس نے کیا وہ ہارا ہے اس کی اصل یہ کیا اثر دہون کو مارا کہ جس نے میرا مقابلہ کیا یہ موصول مع صلہ ہے اور یہ ایما ہے اس بات کی طرف کہ خبر میں کوئی ایسی چیز جس میں مقابلہ کرنا کلامی ناکامی کا حال ہوگا اور اس سے اُس شخص کی عظمت پیدا ہوتی ہے جس کے مقابلہ کیا جاتا ہے اور وہ شکستہ ہے۔

جو بآلِ نبی اور صحابہ دل سے رکھے ظفرِ ظفر سے نہیں دُشتری تباہی کا

کبھی یہ ایماں شان خبر کی اہانت کا ذریعہ ہوتا ہے مثلاً۔

شباب

جنکو موزون شعر کا پڑھنا بھی ہو کارا ہم فکر دیوان نے بنا رکھا ہے دیوانہ انھیں

پس بیان موصول مع الصلا اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ خبر میں کوئی ایسی چیز ہوگی جو شعر سے تعلق رکھتی ہوگی اور یہ ایماں اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ایسے شخص کا دیوان تبذل ہوگا۔

مسدس حالی

وہ شعر و قصائد کا ناپاک دفتر
عفوئت میں سند اس سے جو برہم
زمین جس سے ہے زلزلے میں برابر
ملک جس سے مٹتا ہے میں آسمان پر

ہوا علم دین جس سے تاراج سارا
وہ علمون میں علم ادب ہی ہمارا

وہ شعر و قصائد کا ناپاک دفتر موصول ہے اور جو بیان صلہ کے لیے ہوا اور عفوئت میں سند اس سے بدتر و غیر صلہ ہے اور یہ موصول و صلہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خبر میں کوئی ایسی چیز ہوگی جو علم انشا پر دازی سے تعلق رکھتی ہوگی اور یہ ایماں اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ایسا علم ادب نہایت خراب ہوگا۔

کبھی یہ ایماں خبر کی شان کی اہانت کا ذریعہ ہوتا ہے مثلاً جو لوگ شیطان کی اتباع کرتے ہیں وہ عذاب پاتے ہیں موصول مع صلہ کے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خبر خرائی اور بے برگی کے قبیل سے ہوگی اور اس سے یہ بات بھی پیدا ہوتی ہے کہ شیطان حقیر و ذلیل ہے اس کی اتباع کرنا گناہ ہے کیونکہ جب اس کی متابعت پر عذاب مترتب ہوتا ہے تو ضرور محقر ہوگا۔

مذاق

دنیا و دین میں رہتا ہے آلودہ جو فقیر
ادھو بی کا گتار ہے وہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا

جو موصول اور دنیا و دین میں آلودہ رہتا ہے اس کا صلہ ہے موصول مع صلہ کے اس بات کی طرف ایماں ہے کہ خبر میں زبان اور نا کامیابی کی قسم کی کوئی بات ہوگی اور اس سے یہ امر بھی ثابت ہوتا ہے کہ دنیا و دین بری چیز ہیں کیونکہ ان کی محبت میں مبتلا رہنا نفیسہ کے لیے

محرومی درجات کا سبب ہے۔

علمی

اور کیا ترک اسکو جنے ہو عذاب اسکو پڑتا ہے یہ مضمون حادث شریف مصطفیٰ

جنے اسکو ترک کیا موصول مع صلہ کے اس بات کی طرف ایما ہے کہ اسکی خبر میں کوئی تہدید اور سزا کا مضمون ہوگا اور یہ امر نماز جمعہ کے ترک کرنے کی بُرائی پر دلالت کرتا ہے۔

ولہ

ہو کے مومن جو ادا کرتا نہیں اس فرض کو ہو بھلا اس کے جنازے کی ادا کیونکر نماز

موصول مع صلہ کے (یعنی جو شخص مومن ہو کر اس فرض کو ادا نہیں کرتا ہے) اس بات پر ایما ہے کہ اسکی خبر میں پاداش بیان کی جائے گی اور پاداش کے ذکر کے فرض کے ترک کرنیکی بُرائی ثابت کی۔

ظفر

جو بیسکے شراب بے موقع وہی ہوں گے شراب کے موقع

فائدہ اگرچہ جملہ اصلہ تفسیر کی وجہ سے بظاہر موصول کے زیادہ واضح کرینکا موجب ہوتا ہے لیکن اس تعین و تشخیص کو جو اسم اشارے میں ہوتی ہے کم کر دیتا ہے سبب سکا یہ ہے کہ موصول میں تعین عقلی ہوتی ہے اور اسم اشارے میں تعین جسی بہم موصول معنی کلی کے لیے موضوع ہے اور معنی جزوی بہم طور پر دلالت کرتا ہے پس اسکا مدلول عقلی ہوگا اور امور کلی کے اہام میں شک نہیں غایت یہ ہے کہ امور مذکورہ کے جمع ہونے سے تعین حاصل ہو جاتی ہے مگر تعین جسی کے درجے کو نہیں پہنچتی اس صورت میں بظاہر اسم موصول نکرہ مود مودہ سے بڑھ کر اور اسم اشارہ سے کمتر ہوگا جیسا کہ محمود ذہنی و خارجی کی تعریف کا حال ہے۔

مسند الیہ کی اضافت

مسند الیہ کی تعریف اضافت کے ساتھ بھی کی جاتی ہے کیونکہ یہ طریقہ مسند الیہ کے ذہن میں لانے کا بہت ہی مختصر ہے اس سے شکم یا سامع کا مقصود نہایت اختصار کے ساتھ متفہم ہو جاتا ہے مثلاً۔

گزارش

رستے میں ہے گلشن نگارین رستہ ہے زمین مرا وہ گلچین
 گلچین مضاف ہو اور مضاف الیہ یہاں اضافت کی وجہ سے اختصار پیدا ہوا کیونکہ بغیر اضافت کے یوں کہنا چاہیے جسے میرا گل چنا ہو یا جو میرا گل چنے والا ہو کیونکہ بوجہ جلدی اور رنج و ملال کے بکاؤنی کو طول طویل عبارت لکھنے کی فرصت نہ تھی اور اختصار مطلوب تھا اس لیے گلچین کو کہ مسند الیہ ہے مضاف بنا کر عبارت کو مختصر کر دیا بکاؤنی کا مقصود یہ تھا کہ وہاں گلچین رہتا ہے پس اگر وہ تاج الملوک کا نام لیتی یا صرف یہ کہتی کہ وہ وہاں رہتا ہے تو علم کے لائق یا تفسیر کے ظاہر کرنے سے یہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ وہ میرا گلچین ہے۔

جرات

انانوائی سے گرے ایسے کہ پھر اٹھ نہ سکے ہو گیا جزو بدن ضعف سے بستر اپنا
 بستر کی اضافت اپنا کی طرف ہے پس بستر اپنا کہنا یہ کہنے سے مختصر ہے کہ بستر حوا ہی ملک ہے گویا۔

تیرا ہی مکان کعبہ ایمان کے برابر

مراویہ ہے کہ جو مکان تیری ملک ہے اضافت سے جو اختصار پیدا ہو گیا وہ اس میں گمان ہے۔

میر حسن

جہانتک کہ سرکش تھے اطراف کے وہ اس شہ کے رہتے تھے قدموں تلے
 اطراف کے سرکش اس قدر عبارت کا اختصار یہی جو لوگ اطراف میں سرکشیان کرتے تھے۔
 یا مضاف کرتے سے مضاف کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اور مضاف مسند الیہ ہوتا ہے جیسے

ایس

بندی چلی ہو شام کو آل رسول کی دیکھو ہی ہو ہے علی و بتول کی
 آل کی اضافت رسول کی طرف اور ہوئی اضافت علی و بتول کی طرف ہے اور یہاں مضافوں کی تعظیم مقصود ہے لیکن علی و بتول کی ہو مسند الیہ نہیں بلکہ مسند ہے۔

برق

ملا جہ اندر کا اکھاڑا حجت قدس بربق نام رکھا ہے برستان بزم عشرت گاہ کا
 اکھاڑے کی اضافت سے راجہ اندر کی طرف اس کی تعظیم مقصود ہے اسی طرح حجت کی اضافت سے

اقدس یعنی واجد علی شاہ کی طرف صحبت کی تعظیم مقصود ہو صحبت اقدس مسند الیہ ہو اور راجہ اندر کا اکھاڑا مسند ہے۔

حالی

مگر حیف اے فخر عالم کی اُمت | ہوئی آدمیت بھی ساتھ اُس کی نصبت

فخر عالم کی اُمت جو مساوی ہو اس میں اضافت تعظیم کے لیے ہے۔
یا مضاف الیہ کی (یعنی جسکی طرف مسند الیہ مضاف ہوتا ہے) تعظیم منظور ہوتی ہے جیسے۔

میسرین

عجب شہر تھا اُس کا سینو سواد | کہ قدرت خدا ہی کی آتی تھی یاد

شہر کی اضافت سے ضمیر غائب کی طرف مضاف الیہ کی تعظیم مقصود ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُس کے تصرف میں ایک اعلیٰ درجے کا شہر تھا۔

مہاراجہ کشن پرشاد شاہ

ہون گئے نچتر اور شاد دیا ہون | اوج پر آصف کا یہ دربار شاہانہ رہا

دربار شاہانہ کی اضافت آصف کی طرف ہو اور اس سے مضاف الیہ کی تعظیم مقصود ہے۔
یا مضاف یعنی مسند الیہ کی تحقیر منظور ہوتی ہے جیسے۔

سودا

منظر کا شعر فارسی در ریختہ کے نسخ | سودا یقین چانیور ڈرا ہے باٹ کا

شعر کی اضافت منظر کی طرف ہو اور یہاں مضاف کی تحقیر منظور ہے۔

غائب

اور بازار سے آئے اگر ٹوٹ گیا | جامِ جہم سے یہ مراجع سفالِ چھاپے

جام کی اضافت سے سفال کی طرف مضاف کی تحقیر پیدا ہوئی ہے۔
یا مضاف الیہ یعنی اُس چیز کی جسکی طرف مسند الیہ مضاف ہو تحقیر نکلتی ہے جیسے۔

ہوس

اے بخیہ ران میں بد بلا ہون | السان خورندہ اثر دہا ہون

یہاں اثر دہا مضاف الیہ ہے اور اسکی تحقیر اس اضافت سے نکلتی ہے مگر اس قدر ہے کہ

اثر وہاں غیر مستدالیہ کا مضاف الیہ ہے۔

سودا

ہاے ایسا غم نہیں اب تک ہوا میرزا جی کا دلی نعمت ہوا

دلی نعمت مضاف ہے اور میرزا جی مضاف الیہ۔
اور بیان مضاف الیہ کی ہیجو قصود ہے اس لیے کہ چپک کو دلی نعمت کے لفظ سے یاد کیا ہے۔
کچھ تھوڑی سی مناسبت کی وجہ سے ایک کو دوسرے کی طرف مضاف کر دیتے ہیں یعنی تھوڑے
تعلق کی وجہ سے مضاف مضاف الیہ کی ملک ہو جاتا ہے اور یہ کمال اختصاص کے ظاہر کرنے کے لیے ہوتا
ہے یا باعتبار مجاز کے ایسا کرتے ہیں جیسے۔

سنج محمد اقبال

سارے جہان سے اچھا ہندوستان ہمارا ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستان ہمارا
پر بت وہ سب اوجھا ہمایا آسمان کا وہ سنتری ہمارا وہ یاسبان ہمارا

دیکھو شاعر ہندوستان کے ایک شہر کے ایک محلے کے ایک مکان میں رہتا ہے اس فراسی
مناسبت سے تمام ہندوستان کو اپنی ملک بنا لیا۔ یہی حال سنتری ہمارا اور گلستان ہمارا اور
یاسبان ہمارا کا ہے۔

ناسخ

یہ اعلیٰ مرے لکھنؤ کی ہے شان زمین ہے جہان آسمان لکھنؤ

سودا

جو کچھ کہا ہے تو نے یہ تجھ کو سب مبارک میں اور میرے سر پر میرا بہت خان ہو
تا غم ہو جائے ذکر کیا ہے زندہ تران ابوالظفر بہادر

داع

کس مصیبت سے بسویم شب غم کرتے ہیں رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

شب غم میں اضافت باو فی ملا بہت ہے۔ اور یہ مستدالیہ نہیں ہے۔

فائدہ مضاف اور مضاف الیہ میں تغاثر ضروری ہے پس داغ کے اس شعر میں سے

مولائے اپنے فضل و کرم سے بچا لیا رہتا و گرنہ ایک رما کے کو دل غ داغ

داغ جو مضاف ہے داغ کی طرف اس میں بھی نفس شے کی اضافت نفس شے کی طرف

نہیں بلکہ معنادون لفظوں میں تغاّر ہے کیونکہ پہلے لفظ دل غ سے مراد مرے کے غم کا رخ اور
صدمہ ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں کوئی دوسرا لفظ حائل ہو جاتا ہے۔

المولفہ

انکھڑے پتیرے صانع قدرت کا حال ہے یہ بہر چشم زخم دے میں نقط سیاہ

نقط سیاہ مرکب توصیفی مضاف ہے اور خال مضاف الیہ اور دونوں میں مفعول لہ
حائل ہے۔

مسند الیہ کا نکرہ ہونا

مسند الیہ نکرہ بھی ہوتا ہے اور نکرہ ہم غیر معین کو کہتے ہیں جو ایک جنس کی تمام افراد پر لوجا جائے
اور اسکے واسطے کوئی لفظ مقرر نہیں۔ کوئی کہتی۔ ہر جو۔ ایک۔ کچھ۔ وغیرہ ان میں سے ہر اور جو مقرر کا
بھی فائدہ دیتے ہیں اور تنکیر مسند الیہ سے کوئی فائدہ لے سکتے ہیں۔
یا ان افراد میں سے جنہر اس نکرہ کا مفہوم صادق آتا ہے ایک فرد غیر معین مراد ہوتی ہے
جیسے۔

غالب

غیر بھرتا ہے لیے یوں مرے خط کو کہ اگر کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے

یعنی اگر کوئی ایک بھی پوچھے تو چھپایا نہ جائے۔

ایس

کوئی سید کا نہیں آہ بجائے والا حربے لاکھوں میں دراک خم اٹھائی والا

ذوق

کہا پتنگ نے یہ دار ضلع پر چڑھ کر عجب مزہ ہے جو مرے کسی کے سر چڑھ کر

مراد پتنگ غیر معین ہے۔

ولہ

اول سے ہی بشر کو جو رغبت خلافت سے
لیتا تھا کام منہ کا شکم میں یہ نات ہے

حالی

اس عہد میں انسان ہی نہیں ظلم سے محفوظ
مظلوم نہ اب بیل نہ گھوڑا ہے نہ خیر

یعنی اس عہد میں ہر آدمی ہی ظلم سے محفوظ نہیں بلکہ کوئی بیل اور کوئی گھوڑا اور کوئی چیز بھی مظلوم نہیں ہے اگر یہ نکرہ جمع کا صیغہ ہو تو اسکے معنی ہیں سے جماعت غیر معین مقصود ہوتی ہے کیونکہ اس جمع کے مفہوم کی ایک فرد ہوتی ہے جیسے۔

حالی

جب بیٹیوں نے زندگی ا طرح سے پائی
دی زندگی اک در انھیں علم پر چھا کر

یعنی بیٹیوں کی ایک جماعت غیر معین نے۔

محمد باقر

رہ میں سادات نے بھی تاخت کیا
اُس کا مال و متاع کوٹ لیا

یعنی سیدوں کے ایک گروہ نے۔

حسن

خال ابرو سے مار ڈالا
کہے والوں نے رہزنی کی

یعنی کہے والوں کی ایک جماعت نے۔

یا اس نکرے کی جو اتم جنس ہوتا ہے ایک نوع غیر معین مقصود ہوتی ہے جس طرح تنکیر وحدت شخصی پر دلالت کرتی ہے اسی طرح وحدت نوعی پر بھی دلالت کرتی ہے جیسے۔

آرایش محفل

ہر اک گل کا ہے رنگ و عالم جدا
نہیں لطف سے کوئی خالی ذرا

یعنی پھول کی ہر ایک نوع کا رنگ و عالم جدا ہے۔

اکبراد

دم بدم علم سے کرتا عمل ایجاد نے
آت بن کارگر دہرین استاد نے

یا نکرے کی وہ تمام افراد جو وہ صادق آتا ہے مقصود ہوتی ہیں جیسے۔

امیس

اس لہر کے قطروں کے پیمبر سے پیدا
دریا سے نبوت سے گدہر سے پیدا

لئے تمام پیچیدہ پیدا ہوئے۔
یا تعظیم مقصود ہوتی، ہر جیسے۔

گلزار نسیم

ہر چند سنا گیا ہے اُس کو | اُردو کی زبان میں سخن گو
افسانہ محل بکاؤلی کا نثر میں لکھنے والا خاص ایک شخص معین ہر پس سخن گو کا لفظ جو نکرہ
ہے اُس کے نام کی جگہ بغرض تعظیم کے لایا ہے۔

دوق

چلتا نہیں ہے پنجہ خرگان کا کچھ نکل | ہے ایسی خیم ترے ہم آشنا گرہ
گرہ میں تنگیز عظمت کے لیے ہے۔

ناسخ

تو نہیں ساقی تو بخائے میں اک بریا | شیشہ میں نظر آتا ہے نقشہ صورت کا
اک حشر سے مراد حشر عظیم ہے۔

ولہ

بستر رخ و کج تنہائی | رات کیا آئی اک بلا آئی

سید آغا علی خان مرہٹہ

حُسن تھا اُس کا بہت عالم فریب | خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا

ولہ

دل کو مرے کسیر کیا اک عربی نے | اعلیٰ مدنی ہاشمی و ظہبی نے
یا تمیز کے لیے تعظیم میں اور اُس میں بہ فرق ہے کہ وہاں ارفع شان و علو مرتبہ مطلوب ہوتا
ہے اور بیان مقدار اور گداد میں زیادتی مقصود ہوتی ہر جیسے۔

غالب

کوئی دیرانی سی دیرانی ہے | دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
یعنی دشت اس قدر دیران ہے کہ اُس کو دیکھ کر گھر کی دیرانی یاد آتی ہے یاد دشت اس قدر

ویران ہے کہ اسکو دیکھ کر وجہ خوف کے گھر یاد آتا ہے۔

آرایش محفل

اسے اس مملکت کی عجب گل زمین
اکسین بچول یاں کے سے ہوتے نہیں
یعنی بچول یہاں نہایت کثرت سے ہوتے ہیں۔
یا تخیر کا فائدہ بخشا ہے۔

ناسخ
ہو گئی ہر شمع نیرے سلنے ٹھٹھکی
شمعدان کو یا تری محفل میں قرار ہوا

آتش
یون مدعی حسد سے ند سے داد تو ند سے
آتش غزل یہ تو لے لکھی عاشقانہ کیا

میر
متصل ایسے کام کرتے حریص
کام اپنے تمام کرتے حریص
یا تغلیل کا فائدہ بخشا ہے جیسے۔

ایس
یہ سب غلط سنا تھا کہ ہر لشکر کثیر
کچھ نوجوان ہیں محفل میں کچھ اور کچھ ہیں

ناسخ
آتش عشق وہ ہے جس میں سمندر چل جائے
اک شرر جائے جو پتھر میں تو پتھر چل جائے
اک شرر میں تنکیر تغلیل کا فائدہ دیتی ہے۔

مصحف
صاحب ایسے اگر کچھ کسی سے نثرش
تو اسکے رفیع کی ہرگز نہ کر سکیں تدبیر
یعنی ذرا سی نثرش ہو۔ نواب یوسف علی خان ناطم کے اس شعر میں بھی تنکیر تغلیل کے لیے
ہے۔

ایک مزہ البتہ ملتا ہے سودہ بھی مشترک
بوسہ کیا ہے کہ جسکے دینے میں تکرار
یا تنکیر سوا سطرے ہوتی ہے کہ مخاطب ایک بات کو جانتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرنا اسکو بمنزلہ نادان
کے ٹھہرا کر ایسا کہہ دیتے ہیں جیسے مولوی مرکن الدین مکمل کے شعر میں۔

اتنی بھی جفا نہ کرو اسے بُست | اہم بھی ہن کسی خدا کے بند سے
مخاطب جو رحم نہیں کرنا تو اسکو جتانے ہن کہ تیرے عاشق ہن تو کیا ہوا آخر کسی خدا کے بند سے
تو ہن پس بندگان خدا پر رحم کرنا چاہیے مگر بیان تنکیر مسند الیہ میں نہیں ہے دوسری مثال تنکیر
مسند الیہ کی یہ ہے۔

غالب

ریختے کے تھیں اُسے نہین ہو غالب | کہتے ہن گلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا
یا تنکیر سے تجدید مقصود ہوتی، یہ یعنی نیا شخص نئی چیز مراد ہوتی ہے جیسے۔

امومن

کوئی کتا ہے حاشا یہ گرمی غبارِ حس | اسی جانسوز شعلے نے دھواں لگا کر آیا ہے
کوئی کتا ہے ترکیب و غالب غلط بلغم ہے | رطوبت گر نہیں تو کیوں پسینے میں نہایا ہے
جیسے کوئی کچھ کتا ہے کوئی کچھ کتا ہے ایک کہنے والا اور یہ اور دوسرا اور ہے۔
کبھی مسند الیہ علم کو نکرہ کر لیتے ہن یعنی ذات معین اُس سے مراد نہیں ہوتی مثلاً کہیں ایسی
لڑائی میں کوئی رستم ہو جب فتح ہو یہاں رستم سے مراد بڑا بہادر جری ہے یا ہر فرعون کے لیے
ایک موسیٰ ہوتا ہے یہاں فرعون و موسیٰ کی علمیت مراد نہیں بلکہ فرعون سے مراد سرکش اور
موسے سے مراد سرکوب ہے۔

میر

زال دنیا کو جس لے چھوڑ دیا | وہی نزدیک اپنے رستم ہے

قلندر

حاتم ہے یہ گرجہ ہے قلندر | پر خانہ خراب کر گیا دل

توصیف مسند الیہ

مسند الیہ موصوف بھی ہوتا ہے پس کبھی صفت کی قید اتفاقی ہوتی ہے جیسے اس شعر میں۔

غالب

توڑ بیٹھے جبکہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا
آسمان سے بارہ گلفام گزر سا کرے

حسرت

ایں کہا جان بخش عیسے یاے گلفام تجر
بولاد دون کے زیادہ کچھ مری دشنام ہے
بادے اورے کے ساتھ گلفام کی قید اتفاقی ہے۔

ذوق

زمین یہ گر تہی لے آئے دانہ برگ تر
جوڑے ہاتھ سے زاہد کے بچہ تزدیر
تزدیر قید اتفاقی ہے۔

دبیر

ایسا کیا کمال کھتی تھی شمشیر خوش نہاد
جو ہر کند لوک شان خود برق دباد
خوش نہاد قید اتفاقی ہے۔

ولہ

اُونہ ریاض خلوت لے آئے جبریل
غریب ہوا فریح کا حیوان بے عدیل
بے عدیل کی قید اتفاقی ہے۔

ولہ

کوئین سے افضل ہو شہنشاہ خوش انجام
بڑھتے ہیں درودانیہ ملائک سحر و شام
خوش انجام قید اتفاقی ہے۔

فیاض

الہی بخشہ فیاض کی خطاؤں کو
جمال احمد مختار باد قار دکھا
کبھی۔ وہ صفت کچھ فائدہ دیتی ہے پس اس سے اتنے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔
(۱) سندالیہ کی توضیح کرتی ہے جیسے اس مثال میں۔

ناسخ

پڑے عکس کے لب سُرخ کا گرساغین
ہو خجالت سے دہن بادہ گلفام قید
اس مثال میں لب کے لیے سُرخ کی اور بادے کے لیے گلفام کی قید توضیح کے لیے ہے اور ان کا
ہونا ضروری ہے کیونکہ لب سُرخ کے رشک سے شراب سُرخ کا سفید ہو جانا فرض کیا ہے۔

مومن

اڑے ہی رنگ سُرخ مرا نظروں کے تھلنجان
اُس سُرخ بد شکستہ کی پرواز دیکھنا

پر شکستہ کی قید مرغ کے لیے ایسے ضرور ہے کہ اس سے پرواز میں مبالغہ اور تعجب پیدا ہوتا ہے
ایسے کہ باد جو در شکستہ ہونیکے اڑنا ایک تعجب خیز بات ہے۔

غالب

افلاک سے ہم کو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے متاعِ بردہ کو کچھ ہوس میں قرصِ ہزن پر
عیش کے ساتھ رفتہ کی اور متاع کے ساتھ بردہ کی قید توضیح کے لیے ہر مکر موصوفِ مستدلیہ
نہیں۔

میر حسن

یہ خالق کی سن قدرت کا ملکہ تماشے کو نکلی زن حاملہ
حاملہ کی قید ضروری ہے اس لیے کہ شاہزادے کی سواری کا ایسا لطف تھا کہ زن
حاملہ بھی دیکھنے بغیر نہ سکی۔

عصمت

ایستان میں جو نرس تو بس انگیا کو اتار دیا تھیلی نہیں چڑھتی ثم خام کے اوپر
ثمر کے ساتھ خام کی قید ضروری ہے کیونکہ ایستان نرس کو ان کے ساتھ تشبیہ دی ہے
مگر مستدلیہ نہیں ہے۔

(۲) مدح و ذم کا فائدہ دیتی ہے اور یہ اُس صورت میں ہے کہ موصوف پہلے سے متعین ہو
اور مخاطب اُسے جانتا ہو اور اگر متعین نہ ہو گا تو صفت تخصیص کے لیے سمجھی جائے گی اور یہ
ہمیشہ معارف کے ساتھ آتی ہے۔

مثال اول

انیس

بڑے لازموں سے یہ عباس با وفا دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
بادشاہ کی قید مدح کے لیے ہے۔

منشی

کیا پھر وہ سہرابِ فرخ نہاد
طرفِ اپنے لشکر کے خندانِ شاد

مشال دوم

انیس

ایک ایک پل زور شمتن شکوہ تھا | ابن رکاب سبز قدم سرگروہ تھا
سبز قدم ندمت کے لیے ہے۔

مصحفی

اگرچہ بازی انشاے بے حمیت کا | رہا خوش کچھ کر مین بازی تقدیر
بے حمیت ندمت کے لیے ہر اور بیان موصوف مسند الیہ نہیں ہے۔

آمنشی

سرنامہ حمد خدا سے کریم : کہ ہے کردگار و غفور الرحیم
یہاں کریم خدا کی صفت ہے اور اس کی مدح کے لیے ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔
کیونکہ خدا میں تعدد کی گنجائش نہیں بخلاف کسان مسخے بہ عباس کے کہ ان میں تعدد کو گنجائش ہے
اور خدا میں تعدد ناپیدا ہے اسی قبیل سے ہے شیطان لعین اور ابلیس گمراہ کہ ان صفات کی ندمت
کے لیے ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ ابلیس ایک ہو بساں اسکی صفت کے نقص ندمت کے لیے ہونے
میں کوئی کلام نہیں۔

عین الدین احمد مخلص بہ احمد

ہوا جبکہ تابندہ مہر منیر | صفت آرا ہوا شاہ گردون سریر
مہر منیر صفت مدح کے لیے ہے اور مہر ایک لیا علم جو جس میں تعدد کی گنجائش نہیں۔

محمد الکریم خاں الکریم

دوش ملک پہ دلچھ کے لعش شہید عشق
خوردن کو بیگانا ہے عرش برین نو

برین صفت مدح کے لیے ہے اس لیے کہ عرش میں تعدد کی گنجائش نہیں۔

(۳) تخصیص کل فائدہ دیتی ہے بشرطیکہ مسند الیہ نکرہ ہو اور تخصیص سے مراد یہ ہے کہ مسند الیہ میں
جو جو شریک ہوتے ہیں انکو کم کر دیتی ہے جیسے۔

انیس

انکلی جورن میں تیغ حسینی غلاف سے اڑنے لگے شرروم خارا شکاف سے

تیغ موصوف اور نکرہ اور یہ ہر قسم کی تیغ برصادق آتا ہے جب تیغ حسینی کہا تو ان بیخون سے امتیاز ہو گیا جو غیر حسینی ہوں۔

سودا

نہ پوچھ مجھ سے کہ ہر ہی خزان کہاں ہے کہ بیل نفسی کو ہر گل سے کیا سرو کا

(۴) صفت محض ترحم کا فائدہ دیتی ہے جیسے فرماؤ تمکین۔

مولوی محمد اسماعیل

اور کچھوا غریب آہستہ چلا سینے کو خاک پر گھستا

انیس

ہے ہے سان سے جان گئی مہمانگی میت کہ ہر کو ہر مرے گزیل جوان کی

ولہ

شکرۂ سخن بانوے ناشاد بکاری میں کتنی ہوں کیسا سفر اور کسی سواری

میر تقی

ستایا میر بیس کو کسی نے کہ میر اب عرش تک جاتے ہیں تھے

میر موصوف ہے اور بیس صفت اور یہ صفت ترحم کا فائدہ دیتی ہے اور میر کب توصیفی

مفعول ہے نہ مستدلیہ۔

(۵) صفت ضمیر مخاطب کی جگہ واقع ہوتی ہے جیسے ذات گرامی مستم ہے اور جب نام نامی زبان پر آتا ہے تو میر انطق میرے دہان کے بوسے لیتا ہے۔

میر

رابطہ کا دعوے تھا جنکو کہتے تھے مخلص ہیں ہم جانتے ہیں ذات سامی ہی کو ہم سب خاکسار

یمان ذات سامی مفعول بہ ہے۔

سودا

بے مرضی شریف نضا کر کرے کچھ امر جاری کو طرح نہوا سکی زبان ملک

مرضی شریعت مجرور ہے۔

(۶) صفت محض تاکید کے لیے آتی ہو اور یہ اُس وقت میں ہو کہ موصوف میں صفت کے معنی ضمناً موجود ہوں جیسے شہد شیرین۔

مولفہ

فریاد کو کیا چاہیے تھا تیشہ فولاد؟

مرنے کو تو عاشق کے لیے آہ بھی پس

صفت فولاد تیشہ کے ساتھ محض تاکید کے لیے ہے۔

سودا

خلاف اپنے بزرگون کا جو کرے اسکا

اگر کٹا تو کٹا سر زنجیر فولاد؟

موصوف و صفت مجرور میں۔

شعوی سعدی

ناخن عنسم کی کاوشیں ہونگی

اشک ترکی تراوشیں ہونگی

اشک کے ساتھ ترکی قید محض تاکید کے لیے ہے۔

اسیر

شکر بزدہ لب شیرین تو تل ہی خال سیاہ

بجا ہے تل شکری کا گمان ہونٹوں پر

خال کے ساتھ سیاہ کی قید محض تاکید کے لیے ہے۔

۷) صفت صرف تفصیل کا فائدہ بخشتی ہے جیسے ابر کے دربار میں علمائے عربی دُعا بھی موجود تھے۔

دلغ

یہ وہ سرکار عالی ہو کہ جس میں فضیلت ہے

بدخشان تو تورانی و شیرازی و بلخاری

یہ وہ درگاہ والا جاہ ہے جس کے سلامی ہیں

حجازی اور عراقی رومی چینی و تاتاری

بدخشان و غیرہ صفات کا موصوف محذوف ہے اور اگر موصوف کو محذوف نہ مانا جائے تو ترکیب اضافی ہو اور اس صورت میں یہ مثال اس محل کے مناسب نہیں مگر حق یہ ہے کہ موصوف کا محذوف امانتاً نہ درج ہے۔ اس کی صاف اور صریح مثال یہ ہے۔

وحید

بنشانا۔ فرس ابلق و شکی دمیت

بزرگ تیر صفین و چو گین پوسے کوکیت

(۸) صفت محض استہزا کے لیے ہوتی ہے جیسے۔

ذوق

راتوں کو نہ ہو حق کراہی شیخ منا جاتی
سوئے ہوئے چو کینگے زندان خرابیاتی
منا جاتی کی تقلید محض تمسخر کے لیے ہے۔

غالب

جراحت تحفہ الماس راغ جگر ہدایت
سُبَّارک باد اسد غمخوار جان درد مند آیا
یہ اسد تمکو غمخوار جان درد مند کا آنا مبارک ہو جیو کیونکہ اس سے تمکو جراحت بطور تحفے کے
اور الماس بطور ارمان کے اور داغ جگر بطور ہدیے کے ملے گا یا تحفے میں جراحت اور ارمان میں
الماس اور ہدیہ میں داغ جگر اسے اسد تمکو مبارک ہو جیو اس لیے کہ تمہاری جان درد مند کا غمخوار آیا
اُس سے تمہیں یہ چیزیں حاصل ہونگی پس غمخوار جان درد مند صفت بطور استہزا کے واقع ہے اور
موصوف محذوف ہے اور وہ مشوق کی ذات ہے۔

سودا

اک قصہ میں سنا تھا مردم سے یہ قصارا
بیت اخلا گیا تھا مرزا علی پیارا
پیارا کی قید محض تمسخر کے لیے ہے اسوجہ سے کہ آگے چل کر بہت سخت اور مضحکہ انگیز ہجو کی ہے۔

حالی

ایاب کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید
اور لو کر نہیں دیتے کبھی قاکور سید
رشید کی تقلید محض استہزا کے لیے ہے۔

ناسخ

دیکھو ناسخ سر شیخ معجم کی طرف
کیا کلس سواک کا ہے گنبد دستار پر
معجم کی تقلید محض استہزا کے لیے ہے اور شیخ معجم سند ایہ نہیں۔

حالی

طالع شفق کے پیغام عتاب آنے لگے
تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے

طالع کی صفت مشفق کے ساتھ محض استہزا کے لیے ہے۔
کبھی صفت و موصوف میں اجنبی کا فصل ہوتا ہے جیسے۔

صورت وہ جو دیکھی پیاری پیاری ہوس دل میں لگا تیر عشق کاری

یعنی وہ پیاری پیاری صورت۔

مسند الیہ کی تاکید

مسند الیہ ٹوکد ہوتا ہے اور تاکید اسکی یا تو اسلیے ہوتی ہے کہ سامع کو یہ گمان پیدا نہو کہ مشکل نے مجازاً مسند الیہ کا نام لے دیا ہے جیسے آب حیات میں میر درد کے حالات میں لکھا ہے شاہ عالم بادشاہ نے خود انکے ہاں آنا چاہا اور انھوں نے قبول نہ کیا خود کے لفظ سے یہ معلوم ہو گیا کہ شاہ عالم کی طرف انکی نسبت مجازاً نہیں ہے پس اس لفظ نے یہ توہم اٹھا دیا کہ انکی نسبت شاہ عالم کی طرف مجازاً ہے انکے کسی آدمی نے آنا چاہا ہوگا۔

مرزا جعفر اوج

پردہ اٹھ جائے گا جب روئے تجلی کے کلم آپ خود منہ سے کہیں گے ابھی دیکھا گیا ہے

مصطفیٰ

میں آپ فاقہ کش اتنا مجھے کمان مقدور کہ خدا اور کروں کچھ بغیر اش شعیر

سودا

کیا جب آپ تم نے یہ انصاف میں بھی کرتا ہوں عرض رکھیے معاف
یا یہ منظور ہوتا ہے کہ سامع کو یہ توہم پیدا نہو کہ گننے والے نے سہواً مسند الیہ کا ذکر کیا ہے جیسے۔

انیس

دلی دلی کی صدا تھی جہاں جہاں ہو چکا علی علی نظر آئے جدھر جدھر دیکھا
دوبارہ جو علی کا نام لیا تو اس سے یہ بات بخوبی یقین کو پہونچ گئی کہ نظر آنے کی نسبت علی کی طرف سہواً نہیں ہوئی بلکہ ضرور علی نظر آنے تھے اور دوسرا دلی بھی پہلے دلی کی تاکید کرتا ہے اور اس قسم کی تاکید دفع توہم مجاز کے لیے بھی ہو سکتی ہے کیونکہ توہم مجازاً تاکید لفظی معنوی دونوں سے دفع ہو سکتا ہے مگر توہم صرف تاکید لفظی سے دفع ہوتا ہے۔

انشا

ضعف پیری مجھے دیا کن نے اے جوان تو نے اے جوان تو نے

مہربانی یہ کن لے فرمائی	مہربان تو نے مہربان تو نے
قلندر	
کیون توڑتے ہو آئینہ دل کو بیگناہ	یاں دوسرا کمان ہر پیارے ٹھہرے ہو تم
ولہ	
ہم نہیں تم ہو تم نہیں ہم ہیں	اور کوئی نہیں ہمیں قسم ہیں
ولہ	
گر جفا من بانتی اس بات سے بیغم ہیں ہم	تو ہمیں کجی پر ہوس مت بوجھ آخر ہم ہیں ہم
یا یہ بدعا ہو تابت کہ مسند الیہ کا مفہوم اچھی طرح متحقق اور ثابت ہو جائے بغیر کے شبہ کی گنجائش نہ رہے مثلاً اسی مثال میں مصرع	
علی علی نظر آئے جدہ بندھ دیکھا	
یا تاکید اس لیے ہونی ہے کہ سامع یہ نہ سمجھ جائے کہ مسند الیہ اپنے تمام افراد کو شامل نہیں ہے جیسے ان اشعار میں گلزار نسیم کے۔	
شہزادے نے اک مکان بتایا	اک اک اٹھا ادھر کو آیا
سب اٹھ گئے پر وہ چاروں باغی	بیٹھے رہے فرش گل پہ داغی
سب کا لفظ تاکید کے واسطے ہے یعنی سب اے ان چاروں کے سب اٹھ گئے کوئی نہ بیٹھا رہا۔	
ولہ	
گدڑا تھا جو کچھ بیان کیا سب	نبھان تھا جو کچھ عیان کیا سب
ازاد	
دفعہ چاندنی دربار پہ چھائی یک سر	ہو گئے سب درو دیوار طلائی یک سر
منشی	
دلیر و قوی پنجہ شہسوار نام	زبون اس سے ہیں پہلوان سب قنم
سب کا لفظ کہنے سے قبل یہ احتمال باقی تھا کہ بعض پہلوان زبون ہوں جب سب کا لفظ کہنا تو یہ بات جاتی رہی پھر زبون ہولے میں تفرقہ کا احتمال باقی رہا جب تمام کہا تو اس تاویل کو بھی گنجائش باقی نہ رہی کیونکہ لفظ تمام اس بات دالالت کرتا ہے کہ سب پہلوان بالا جماع زبون تھے۔	

عطف بیان

کبھی مسند الیہ کے بعد عطف بیان لاتے ہیں تاکہ اسکی وضاحت ہو جائے اور کوئی احتمال باقی نہ رہے اور جو اسم اسکی توضیح کرتا ہے وہ کبھی مغزہ ہوتا ہے کبھی نکرہ لگاؤں سے کچھ نہ کچھ خصوصیت ضرور رکھتا ہے اور یہ اختصاص حقیقی نہیں ہوتا بلکہ نسبی ہوتا ہے۔ اور عطف بیان صفت کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے یعنی جیسا کہ صفت موصوف کو واضح کرتی ہے اسی طرح عطف بیان مبین کی توضیح کرتا ہے لیکن صفت یا تعریف کے لیے ہوتی ہے یا تخصیص کے لیے اور عطف بیان محض تغیر و بیان کے لیے ہوتا ہے حاصل یہ ہے کہ ایک اسم کو ذکر کرتے ہیں اور چونکہ وہ اسم مشہور نہیں ہوتا اس کو ظاہر کرنے اور روشن کرنے کے لیے ایک دوسرا اسم ذکر کرتے ہیں جس سے پہلا اسم واضح ہو جاتا ہے اور عطف بیان کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اسم مسند الیہ سے زیادہ واضح ہو کیونکہ غرض ایضاح ہے اور ہائز ہے کہ دونوں کے مجموعے سے یہ بات حاصل ہو جائے اور عطف بیان علم یا کنیت یا لقب یا تخلص میں حاصل ہوتا ہے مثلاً سودا کا تخلص زیادہ شہرت رکھتا ہے اور اس کے نام کو جو مرزا رفیع ہے اتنی شہرت حاصل نہیں اگر مرزا رفیع کہیں تو معلوم نہ ہو گا کہ کون شخص ہے اور جبکہ علم کے بعد سودا ذکر کر دیں اور کہیں مرزا رفیع سودا نے یہ قصیدہ لکھا ہے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہی شاعر مشہور مراد ہے یا کہیں حضرت نعمان ابو حنیفہ نے فرمایا ہے "اور یہ اُس حالت میں ہے کہ کنیت علم سے زیادہ مشہور ہو اور اگر علم زیادہ مشہور ہو تو کہیں گے "ابو حفص عمر دوسرے خلیفہ میں" (اسی طرح) "جلال الدین اکبر بہت بے تعصب بادشاہ تھا" اور یہ اُس وقت ہے کہ لقب علم سے زیادہ مشہور ہو۔

نشی

جہان پسندان رستم نامور

اگمان ہے مجھے یہ مرا ہے پر

یہ قول شراب کا ہے پس مرا ہے پر مبین ہے اور جہان پسندان رستم نامور عطف بیان ہے۔

المؤلف

بڑے لائق محمد اکمل خان

ان کے پوتے بھی فضل خاں سے

پوتے مبین ہیں اور محمد امان خان عطف بیان ہے۔

پیش

کہ منہ زہند میرا جہاندار شاہ جو ہے وارث تخت و تاج و گلاہ

واجد علی شاہ

اک زن فاحشہ تھی گنا نام راحت جان بھی تھی وہ خوش انجام

اک زن داحشہ مبین ہو اور گنا نام عطف بیان ہو۔

ولہ

لینے کا ن سے ایک گنا نام خواجہ صورت ہے اور ہے گلفام
یہی حال لبضال عام مرکبہ کے جزو ثانی کا ہے جیسے تہیہ علی شاہ قاسم کل جائین گے
کبھی عطف بیان ایسے اسم کے ساتھ ہوتا ہے جو مبین لینے منہ لیک کے ساتھ خصوصیت
نہیں رکھتا مثال۔

مہاجارت منظوم مصنفہ شایان

تخلص ہے مشہور عام اسیر نہیں ان کا ہندوستان میں نظیر
تخلص مبین ہے اور اسیر عطف بیان ہے اور اسیر تخلص کا ایضاح کرتا ہے اور اس کا اسم مختص نہیں
اس لیے کہ تخلص اسیر پر بھی صادق آتا ہے اور غیر اسیر پر بھی چنانچہ بہت سے شاعران کا تخلص ہو گا اسیر
نہیں اسی طرح اسیر تخلص پر بھی صادق آتا ہے اور دوسری چیز پر بھی چنانچہ قیدی پر اسیر کا لفظ صادق
آتا ہے اور تخلص بیان صادق نہیں آتا پس دونوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہو گا دونوں
کے جمع ہونے سے بیان حاصل ہوتا ہے۔

گلزار نسیم

سب اٹھ گئے پردہ چاروں باغی نشے رہے فرش گل پہ داغی
چاروں باغی مبین ہو اور داغی عطف بیان ہو اور داغی باغیوں کا اسم مختص نہیں البتہ ان کا
ایضاح کرتا ہے اور ان چاروں باغیوں پر بھی صادق آتا ہے اور ان کے سوا دوسروں پر بھی اسی طرح
ان داغیوں پر بھی باغی ہونا صادق آتا ہے اور ان کے سوا دوسروں پر بھی۔

ولہ

احمالہ نام دیو فی ایک چھوٹی بہن اُس کی تھی بڑی نیک
 حالہ بہن ہے اور دیو فی عطف بیان ہے اور دیو فی حالہ کا اسم مختص نہیں اس لیے کہ حالہ دیو فی کا
 بھی نام ہو سکتا ہے اور غیر دیو فی کا بھی اسی طرح دیو فی حالہ بھی ہو سکتی ہے اور غیر حالہ بھی۔

ولہ

نرخ کنے تک آدمی تھی پھر وہ ہی بکاؤلی پری تھی
 بکاؤلی بہن ہے اور پری عطف بیان غیر مختص ہے۔

نائب

لب خشک در تشکی مردگان کا زیارت کدہ ہون دل آزر دگان کا
 دل آزر دگان عطف بیان ہے اُن لوگوں کا جو تشکی میں مر گئے ہیں یعنی میں لب خشک ہون اس لیے کہ
 اُن لوگوں کا جو تشکی میں مر گئے ہیں اور دل آزر وہ ہیں زیارت کدہ ہون۔
 کبھی عطف بیان غیر ایضاح کے لیے بھی ہوتا ہے مثلاً دایغ

میر محبوب علی خان شہ فرخندہ شیم

شہ فرخندہ شیم عطف بیان ہے میر محبوب علی خان کا اور مدح کے لیے آیا ہے نہ ایضاح کے لیے۔

میر

یہ قدر تھی تری مرے سوا ہوا توجیب کرو نق فراے کعبہ محمد کا جانشین
 یہاں عطف بیان یعنی محمد کا جانشین مدح کے لیے ہے نہ ایضاح کے لیے۔

مبدل منہ و بدل

کبھی منہ الیہ مبدل منہ ہوتا ہے اُس کے واسطے بدل لائے ہیں جس سے اُس کا مفہوم بہت اچھی طرح
 سامع کے ذہن نشین ہو جاتا ہے اور پھر غیر کے گمان کی گنجائش دیتی نہیں رہتی جیسے اس مثال میں۔

نیم

دیکھا تو وزیر زادہ بہرام ابوتے میں تھا شکل نقرہ حنام

وزیر زادہ مبدل منہ ہے اور بہرام بدل ہے پس جو کچھ مبدل منہ سے مفہوم ہوتا ہے وہی بدل کے
 ہی مفہوم ہوتا ہے کیونکہ بہرام ذات عین خات وزیر زادہ کی ہے اگرچہ تعبیر میں فرق ہے مگر مفہوم یکساں ہے۔

پس تکرار نے سامع کے ذہن میں مدلول کو ثابت و متحقق کر دیا۔ اسی قبیل سے ہے۔

ولہ

حسن آرا اُس پری کی مادر
باب اُس کا بادشہ مظفر
قد مون پہ گرے کما ادب سے
خُست رہی آپ کے سب سے

ولہ

افرو س کا بادشہ مظفر
روح افزا جس کی ہونہیں دختر
سرفار کر ڈیوڈن کا ہے
سلطان ارم مرا چچا ہے

منشی

گمان ہے مجھے یہ مرا ہے پدر
جہان پہلوان مرستم نامور
جہان پہلوان مبدل منہ ہی اور رستم نامور بدل۔

فلع

صاحب طبل و علم مالک شہر و قلم
میر محبوب علی خان شہ فرخندہ شیم
لفظ میر مبدل منہ ہی اور محبوب علی خان بدل ہی۔

تسلیم سہسوانی

بیڑی اور طوق اُس کا گنا ہے
میان مجنون نے اسکو پینا ہے

منیر

رکھتے ہیں اور صحتوں میں بھی
فارسی آغا علی نموداری

ممنون

جرعہ مے کے لیے یہ خطراب
میسر ممنون پارسائی بھوکلی

یاور کھو کہ فائدہ بدل کل کا مبدل منہ کی توضیح اور اسناد میں مبالغہ اور سلیقہ کے نشاط کو تازہ کرنا ہے اس لیے کہ اول جب کوئی عبارت اجمال کے ساتھ کہی جاتی ہے تو سامع کا ذہن آئندہ کا مشتاق ہو جاتا ہے اور اسکے ذکر سے لذت حاصل ہو جاتی ہے مثلاً مثال اول میں جب ذریعہ زائد لکھا کہ طبیعت مشتاق اُس کے ذکر کی ہوئی کہ وہ کون ہے بعد اسکے بہرام نام اُس کا لیا گیا تو ایک قسم کا غلط حاصل ہوا اور بخوبی وضاحت ہو گئی اور تکرار اسناد سے مبالغہ اسناد میں حاصل ہو جاتا ہے۔

کبھی مدح کے لیے ہوتا ہے جیسا کہ اس قول میں۔

سودا

غیر دولت و دین بادشاہ عالمگیر ضعیف کفر سدا جس سے اور قوی اسلام

ظفر

مرشد پاک رون فخر الدین قبلہ و کعبہ جان فخر الدین

غالب

شاہ روشن دل بہادر شہ کہ ہے ناز ہستی اسپہ سرتاسر کھلا

داع

امیر المسلمین کلب علی خان خسرو دوران وہ فیاض زمان جس سے شہ فیض کا جاری

نعم

ایم ابر تو تو کیا ہے جو ہوم سے مقابل روئے کو میرے حضرت یعقوب چاہے ہیں

یہ قسم بدل کل کما تاتی ہر اس لیے کہ بدل تمام اس چیز پر دلالت کرتا ہے جس پر بدل منہ دلالت کرتا ہے پس جو کچھ بدل منہ سے مفہوم ہوتا ہے وہ تمام بدل سے بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ بدل کی ذات عین بدل منہ کی ذات ہوتی ہے اگرچہ دونوں کے مفہوم مختلف ہوتے ہیں۔

اسکی تین قسمیں اور بھی ہیں (۱) بدل بعض (۲) بدل اشتمال (۳) بدل غلط۔ بدل بعض اور بدل اشتمال اردو میں مستعمل نہیں البتہ بدل غلط پایا جاتا ہے اسکی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ سبقت لسانی اور بھٹول چوک کی وجہ سے زبان سے ایک غلط لفظ نکل جاتا ہے پھر اس کا شمارک و دسرا صحیح لفظ لاکر کرتے ہیں یہ قسم عوام کے روزمرہ میں ہوتی ہے فصحا اور بلخا کے تلفظ میں نہیں کیونکہ ایسا بدل غلطی کی وجہ سے واقع ہوتا ہے اور فصحا و بلخا کچھ کلام کرتے ہیں اس لیے ایسی غلطی کرنے سے محفوظ رہتے ہیں پس اس سے جناب واجب ہے اس لیے کہ نہایت گروہی دومہ کی قسم یہ ہے کہ فصحا اور بلخا پہلے ایک منہ بیان کرتے ہیں پھر اس سے انحراف کر کے دوسرے منہ سے کہتے ہیں اس سے انظار پر شبہ ہوتا ہے کہ اول غلطی کی نفی دوبارہ اس سے کہتے ہیں اور نہایت اس طرح بیان کرنے سے بخیر ترقی دنی سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے نیز بلخا کے کلام میں بہت دفع ہوتی ہے شعرا بھی ہائے اور فہن کے طور پر اس کا کثرت سے استعمال کرتے ہیں جیسے غلام عام شہید کی اس عبارت میں خراب کا ضم ابرو ہے، اشارہ کر رہا ہے کہ اندر

جا کر ذرا ہمارا عالم دیکھو کہ نہیں غلطی ہوئی مجھے بلکہ محراب کا اشارہ یہ ہے کہ پہلے حواس کو دیاں
طاق پر رکھ جائے تب آگے قدم بڑھائیے۔

یار محمد خان شوکت

جواز رنگ دا کو ان وہ عفریت تھا غلط بلکہ جرأت میں اُن سے سو

ولہ

صد اکوس کی تا بچرخ ایشہ غلط بلکہ تا گوشہ کیوں دیشہ

آناد

جہاز عمر روان پر سوار بیٹھے ہیں سوار خاک میں بے اختیار بیٹھے ہیں

شیخ رضی کشا کہ بدل کل اور عطف بیان میں مجھے کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا عطف بیان
بھی میرے نزدیک بدل کل ہے اور تمام مخاۃ اس طرح فرق کرتے ہیں کہ بدل نسبت سے مقصود
ہوتا ہے بغیر اپنے متبوع کے بخلاف عطف بیان کے اسلئے کہ عطف بیان اپنے متبوع کا بیان ہوتا ہے
اور ظاہر ہے کہ بیان میں کی فرع ہے پس عطف بیان میں مقصود اول ہے نہ دوسرا شیخ رضی
کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ بدل میں صرف دو مقصود ہوتا ہے
اور شدید ہے کہ مبدل منہ مشوب الیہ ظاہر میں ہے اور اس کے ذکر میں فائدہ ضرور ہے جو بدل
ذکر کے حاصل نہیں ہو سکتا تھا چنانچہ فصحا کے کلام میں نحو سے بچنے کے لیے مذکور ہوتا ہے
سید شریف نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ مخاۃ نے جو کہا ہے کہ مبدل منہ مقصود نہیں ہوتا
تو مراد اس سے یہ ہے کہ مقصود اصلی نہیں ہوتا نہ یہ کہ اصلاً مقصود نہیں ہوتا دریا سے لطافت میں
انشاء اللہ خان نے دونوں میں اس طرح فرق بیان کیا ہے کہ عطف بیان میں قید علمیت کی
واجب ہے جیسے ہندوستان کے بادشاہ اور ڈھنڈھ میں اور بدل میں ایسا نہیں ہوتا اسلئے
کہ تیرا بھائی زید آیا اور زید بھائی تیرا آیا دونوں برابر ہیں پہلی عبارت میں تیرا بھائی مبدل منہ
ہے اور زید بدل ہے اور دوسری عبارت میں زید مبدل منہ اور بھائی تیرا بدل ہے
لیکن اس قدر تفاوت سے ظاہر کی تفسیر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس عبارت میں کہ میں
رستم کی ناک مڑوڑنے والا حسن بیگ دونوں اکڑ سن بیگ ہو کہ عطف بیان تیرا بھائی
تو بھی جائز ہے۔

عطف حقیقی

کبھی مسند الیہ پر عطف ہوتا ہے یعنی ایک امر میں مسند الیہ کے ساتھ کسی دوسری چیز کو شریک کرتے ہیں پہلے الفاظ کو معطوف علیہ اور دوسرے کو معطوف کہتے ہیں اور دونوں کے درمیان ان حروف میں سے جو عطف کا فائدہ دیتے ہیں ایک حرف فاعل ہوتا ہے اسی لیے اسکو عطف بحروف بھی کہتے ہیں اور جب مطلق عطف کا لفظ بولتے ہیں تو یہی عطف مراد ہوتا ہے اسی لیے عطف بیان کے ساتھ بیان کی قید لگائی گئی ہے۔ زبان اردو میں کبھی حرف عطف کو بوجہ ضرورت وزن کے نہیں لاتے بلکہ اب اسی کو مزہ دار سمجھتے ہیں اور سب سے آخر کے معطوف پر حرف عطف لے آتے ہیں اور یہ تشریح ہر طراز میں لکھا ہے کہ مفردات کے عطف کے لیے یہ شرط ہے کہ بعض کی تقدیم میں بعض پر ملائمت اور مناسبت کی رعایت ہو اور یہ کئی طرح کا فائدہ دیتا ہے۔

یا تفصیل مسند الیہ کی اور اختصار مسند کا منظور ہوتا ہے جیسے زید و عمر دو بزرگے مسند الیہ میں ہیں اور مسند ایک ہے۔

داغ

وہ تیرا عہد ہے علم و عمل سے شاد رہتے ہیں

نقیہ و مفتی و صوفی و شیخ و حافظ و قاری

نسیم

امول سے بزم میں ہو جمع

اینا و کتاب و حجر و شمع

باقی

کائے کھاتے ہیں غم ہجر صنم میں باقی

شمع سیارے ستارے شب بچہ چراغ

انیس

اقبال و تندرستی و آسائش و قرار

اسم و امان و صبر و توانائی و وقار

علم و سکون و راحت و آرام و اختیار

ارعب و ثبات و سرکشی و قدر و تہدار

آثار و قہر حق انھیں معلوم ہو گئے

سب تیغ کے چکاتے ہی معدوم ہو گئے

سودا

سب بزم و سر و دیو و پری اور وحش و طیر

حاضر و غور رکاب سعادت میں کیا مجال

جب معطوف علیہ اور معطوف میں اختلاف تذکیر و انثیٰ کا ہوتا ہے یعنی جب ایک مذکر
ہو اور ایک مذکر اس صورت میں اکثر مسند کو جمع لانے میں جیسے زید و زینب لکھتے -
یا مسندالیہ کے عطف سے حصر پیدا ہوتا ہے جیسے -

حسرت

ایوں رنجتہ کہنے کو شاعر تو ہزاروں ہیں بدنامی کو اور حسرت اک تیسری اور ہم ہیں
یعنی اور کوئی تیسرا بدنام نہیں -

مومن

عشق کے دیکھے ہیں چمنے عالم عشق جانے ہمیں اور عشق کو ہم

سودا

اگر کیجئے انصاف تو کہیں زور و فائز خطا آتے ہی سب ٹل چکے ہیں بزمیں

انیس

نہرا میں نہ حیدر نہ پیر نہ حسن میں اب نکلی جگہ آپ ہیں یا شاذ میں ہیں

بشارت اللہ بیتیاب

جہان میں جس کا نہیں اعتبار دم بھر کا ہماری توبہ ہو وہ یا کسی کا پیمان ہو

حالی

کیے دنیا کا جسکو باغ جستان ادھر فرانس ہو آج یا ہے انگلستان

یا معطوف علیہ و معطوف میں التزام ہوتا ہے جیسے -

میر تقی الدین شانا

چمن میں خندہ گل ہے دینا ہی اور تو ہی افغان ہو نالہ و فریاد ہزاروں کی اور میں ہوں
یعنی جھکودہ لازم ہے اور جھکویہ لازم ہے -

زینت

شب ہمتاب میں تا صبح زینت خیال ماہر وہ ہے اور ہم ہیں

ذوقی

ملنے سے تصور میں کچھ کم نہ مزد دیکھا کرو نہ ہوا اسکی تصویر کی اور میں ہوں

کشن پر شاد شاد

تیر ہے اور سینہ حساد تیغ ہے اور فتح و نصرت ہے

غالب

تو اور آراش حسد کا کل لاف تمکین فریب سادہ دلی
مین اور اندیشہ اسے دور و دراز ہم مین اور راز اسے سینہ گماز

ولہ

تو اور سوئے غیر نظر ہے تیر سینہ مین اور دکھ تری قرہ ہے دراز کا

ظفر

تم ہو اور غیر مین اب درجہ گلشت چاہا ہم مین در ابلہ اور خار بیابانی گلش

سودا

ہے جو کچھ جس کئے ہے اُسکی عطا دیکھ کر خلق جس کو بولے سبے
اصف الدولہ اور جہان ہودے تو ہو اور عمر جاودان ہودے

مومن

بعد یک چندے گرخد اچا ہے مین ہون اور تیرے در کی در بانی

ملو لفر

پوچھتے کیا ہو تم اوقات گزاری میری دان ہو اور نالہ ہو اور رات ہو اور زاری ہو
یا تمخلف کے واسطے ہوتا ہو۔ جیسے

منشی

اگر جنگ کی دل مین ہو کچھ ہوس کو سیر اور تیغ بران ہے بس

اس موقع پر عطف حصر کا فائدہ دیتا ہو جنی سرا کے کچھ نہیں صرف تیغ بران ہو اور تیرا سر ہے
اس صر کے جو عطف سے پیدا ہوا توین پیدا ہوتی ہے۔

ولہ

ترے شیدائے بھر سے چاہی ہزد مین مین ہون نام و گروہ ہو مرد
سحر وہ ہو اور مین ہون اور شت مین گردن سانچا کے مین تنہا ستیز

ذوقی شاہ ذوقی

لکھ ہاتھ وہ قبضے پر برہم ہو گا کئے اب تو ہر ترا سرائی شمشیر اور من ہون
یا سندا لپہ کے عطف سے قائمہ تعجب و رستہ باد کا نگہا ہر جیسے۔

غالب

مین اور بزم سے یوں آشنہ کام آؤں اگر مین نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہو اکتا
لیے بڑے تعجب کی بات ہے کہ مین بزم سے آشنہ کام آیا۔

مومن

مومن تم اور عشق بتان ہی پر و مرشد خیر اگر یہ ذکر اور منہ آچکا صاحب خدا کا ناد ہوا
یعنی مومن تمہاری ذات سے عشق بتان نہایت بعید ہے اور تمہارے منہ سے یہ ذکر
بڑے تعجب کی بات ہے۔

ولہ

اور تجنا نہ عشق بتان اور آپا ی مومن یہ حضرت آگئی کیا بار کیا طبع مقدس مین

ضیاء الدین آزاد

دعویٰ آب تاب اور اس رشک مہر گمٹھ کو بھی آئینے سے دکھایا نہ جائیگا

الشا

تاوان کمان طرب کا سر انجام اور عشق کچھ بھی تجھے شور بے آرام اور عشق
بوچھا کسی نے قیس سے تو ہے محمدی بولا وہ بھر کے آہ کہ اسلام اور عشق

حسرت

زنا را در بت ہے میرے دلخواہ امین اور تسبیح استغفر اللہ

داغ

تم اور آرزو مرے ملنے کی رز و شمر مین اور گفتگو تم بحساب کی

قاسم علی بنان قاسم

واہ کس ناز سے کہتا ہے وفا اور عشق مل گیا ہوں ارے قاسم تیری قسمت مین

قائم

قائم اور تجھ سے طلب سے کی کیونکر کیے کہ ہے وہ نادان پر اتنا تو بد آموز نہیں
یا سندالیہ کے عطف سے مساوات و برابری مقصود ہوتی ہے جیسے ۔

حالی

لاکھ مضمون اور اسکا ایک ٹھٹھول اسٹوکلن اور اسکی سیدھی بات

یعنی لاکھ مضمون اور اسکا ایک ٹھٹھول برابر ہیں الخ ۔

یا سندالیہ کے عطف سے یہ غرض ہوتی ہے کہ مخاطب جو حکم میں خطا کرتا ہے اسکو صواب
کی طرف پھیرے ۔

مومن

قابل ترک تھی خوے ستم آرا نہ کہ میں لائق سو تھی یہ بخش بجا نہ کہ میں

مخاطب کو اعتقاد تھا کہ شکلم قابل ترک ہے نہ خوے ستم آرا اور شکلم لائق سو ہے نہ بخش بجا
یا اسکا یہ اعتقاد تھا کہ دونوں قابل ترک ہیں اور دونوں بھول جانے کے لائق ہیں اسلئے
شکلم نے اسے اس اعتقاد کے بدلنے کے لیے سمجھایا کہ ترک کے قابل خوے ستم آرا ہے نہ میں
اور سو کے قابل بخش بجا نہ میں ۔

ولہ

لائق جو رجوا ہے وہ نہ میں مفتری فتنہ بلا ہے وہ نہ میں

یا شکلم کو شک ہو نیکی وجہ سے عطف کیا جاتا ہے یا شکلم کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مخاطب
شک میں پڑ جائے اگرچہ وہ خود شک میں نہیں ہوتا ہے ۔

میر حسن

برس پندرہ یا کہ سولہ کاسن جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

مومن

انکھہ سنجون سے جی میں ہر یو چوں کہ میں خہری ہوں یا بیابانی

بیابان

عیش و عشرت میں نڈرتی ہر عجب راحت میں ہوں
مکمل جاناں میں ہوں یا جیتے جی جنت میں ہوں

دبدم رگ کے ہونچہ سے کل پڑتی بنا
وصف اُس کا کہ چکے قوارے یا کہنے کوین
یا ابہام مطلوب ہوتا ہے جیسے۔

انیس
اصغر ہو یا کہ تم ہونچے سب کے پاس ہے
رخصت گلا کٹانے کی لوان تو پاس ہے

حالی
تربیت یافتہ ہین جو یان کے
خواہ بی اے ہون اس میں یا ام اے

ولہ
قوم کی خاطر ان کے ہیں سب کام
خواہ اس میں سفر ہو خواہ مقام

اسجاد
ایک دل رکھتے ہیں جو چاہے سولجائے اے
خواہ خط اور خواہ ابرو خواہ قراں خواہ زلف

حالی
ہو کسی شے سے آنکی گرمی بزم
ہے نقطہ روشنی سے آنکو کام
داستان ہو یا کہ نالہ تصور
موم ہو اصل شمع یا کا فور

غالب
جب سیکدہ چھٹا تو بچر اب کس جگہ کی جد
مسجد ہو مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

یعنی خواہ کوئی مسجد ہو یا مدرسہ ہو یا کوئی خانقاہ ہو ان میں سے اب جس مقام میں شراب
مچائے بی لین۔

یا تخیر و اباحت مقصود ہوتی ہے تخیر میں مخاطب کو مختار کر دیا جاتا ہے کہ معطوف علیہ اور
معطوف دونوں میں سے جسکو چاہے اختیار کرے اور اباحت میں معطوف علیہ و معطوف کا جمع کرنا
جائز ہے تخیر میں دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور یہ دونوں مقام انشا میں ہوتے ہیں نہ خبر میں اس لیے
کہ انشا میں ابتدا و کلام ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے پس اس میں شک کا احتمال نہیں ہو سکتا کیونکہ
شک کا محل خبر ہے نہ انشا لیکن تخیر یا اباحت کی تعیین مدلول منطقت سے نہیں ہوتی بلکہ تفسیر و تاجید
سے ہوتی ہے۔

مشال اول

امیر

ناہد السبع من زمار کا ڈور اندال آیا بر من کی طرف ہو یا سلما نکی طرف

سودا

کتنے سخن واقعی من عرض کیے ہیں خواہ آنکو گز بھیجے تو اب خواہ انھیں بنگ

کستان الگزیں درلی آزاد شاگرد عارف

جان تم اپنی بچاؤ گے کما شک آزاد یا مرد عشق من یا عشق کا دعویٰ چھوڑو

مشال دوم

شاہ مبارک آبرو

خداوند اٹھاوے درمیان سے پیر کے پردے ہمارے دام من صیاد کو لایا ہمیں پردے

عباس علیخان بیتاب

یا بندہ نامحون کی زبان کر دے سینا آیا بھگدوسے یہ صبر کہ بیٹھا ستا کروں

یا عطف سے یہ غرض ہوتی ہے کہ ایک محکوم علیہ سے حکم پھیر کر دوسرے کے واسطے ثابت کیا جائے جیسے زیادہ بلکہ مرد یا زیادہ یا بلکہ عمر کیونکہ بلکہ ضرب کا فائدہ دیتا ہے یعنی معطوف علیہ سے اعراض کر کے حکم تابع یعنی معطوف کے لیے ثابت کیا جاتا ہے اور معطوف علیہ سے اعراض کر نیکی یہ معنی ہیں کہ معطوف علیہ کو سکوت عنہ کے حکم میں قرار دے لیا جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ قطعی طور پر اس سے حکم کی نفی کی جاتی ہے جسکا مفاد یہ ہے کہ آنے کا حکم زید سے متعلق نہیں اور منکر کو اس کے آنے اور نہ آنے کے حال سے کوئی خبر نہیں اور زید کا فقط منکر کی زبان سے سبقت لسانی کی وجہ سے مل جل گیا ہے اسی وجہ سے اس سے کلمہ بلکہ کے ساتھ پھر گئے اور آنے کا حکم مرد سے متعلق ہے جو مرد کا مذہب ایسی ہے مگر ابن حاجب کا مذہب یہ ہے کہ اس سے حکم کی قطعاً نفی کی جاتی ہے پس ثابت ہوتا ہے کہ عورت میں تو حکم کے پھیرنے کے معنی دونوں کے نزدیک ظاہر ہیں اس لیے کہ معطوف علیہ جو مرد

نزدیک تو سکوت عنہ کے حکم میں ہوگا اور ابن حاجب کے نزدیک اُس سے حکم کی قطعی طور پر نفی ہوگی لیکن منفی ہونے کی حالت میں حکم کے پھرنے کے یہ معنی مبرود اور ابن حاجب کے نزدیک تو بن سکتے ہیں اور جمہور کے نزدیک اشکال سے خالی نہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ مبرودے کہا ہے کہ منفی ہونے کی حالت میں حکم کی نفی معطوف سے کر کے معطوف علیہ سکوت عنہ سمجھا جاتا ہے اور ابن حاجب کہتا ہے کہ معطوف سے حکم کی نفی کر کے معطوف علیہ کے لیے حکم کا ثبوت قطعاً ہوتا ہے پس یہ نہیں آیا بلکہ عمر داس کے معنی مبرود کے نزدیک تو یہ ہونگے کہ تحقیق عمرو بن آیا اور زید کا آنا اور نہ آنا احتمال میں ہے اور ابن حاجب کے نزدیک زید کا آنا قطعاً ثابت ہے اور جمہور کے نزدیک منفی ہونے کی حالت میں حکم کے پھرنے کے معنی یہ ہیں کہ معطوف علیہ سے حکم کی نفی ہو کر معطوف کے لیے حکم کا ثبوت ہوتا ہے پس ان کے نزدیک اس قول کے کہ زید نہیں آیا بلکہ عمرو یہ معنی ہوتے ہیں کہ تحقیق عمرو آیا ہے اور اس تقدیر پر نہ آنے کا حکم زید سے عمرو کی طرف نہیں پھرتا ہے اس لیے کہ عمرو سے نہ آنا پایا نہیں گیا اس اشکال کا جواب یوں ممکن ہے کہ بیان حکم کے پھرنے سے مراد حکم کا متغیر کرنا ہے اور وہ بیان موجود ہے اس لیے کہ اس قول میں کہ زید نہیں آیا بلکہ عمرو معطوف علیہ کے حکم منفی کو ثبوت کی طرف پھیرا جاتا ہے اور اس قدر کافی ہے۔ کتب فارسیہ میں لکھا ہے کہ بھی اضراب میں حکم معطوف علیہ و معطوف دونوں سے متعلق ہوتا ہے اور معطوف میں ترقی کا فائدہ دیتا ہے جیسے۔

میر

بات شکوے کی بھنے گاہ نہ کی	بلکہ اے جان اور آہ نہ کی
----------------------------	--------------------------

حکم نہ کرنے کا شکوے کی بات اور آہ و زنون سے متعلق ہے لیکن آہ نہ کرنے میں ترقی ہے۔

مولوی محمد اسماعیل

ریل ہون برق ہون چھلاوا ہون	بلکہ میں ریل کا بھی باوا ہون
----------------------------	------------------------------

خلف

کیا گریبان ہی بنا اُس ماہ کا شکل سلا	بلکہ تمہے بھی گریبان کا ہی اختر سنا
--------------------------------------	-------------------------------------

ذوق

فیض تعلیم ہے جو تیرے ہونکر انسان
اجمع الناس سے مانے بلکہ انسان

ولہ

مدح اسکی ہو مناسب تھے بلکہ اسب

یعنی توصیف کے لائق ہر وہ بلکہ البتہ

بعض کے نزدیک ایسا بلکہ جسکے بعد مفرد ہو حروف عاطفہ میں سے نہیں ہے بلکہ جو کچھ اُس کے
ما بعد ہر بدل غلط ہے ماقبل سے اور بدل غلط بغیر اسکے نصیح نہیں اسلئے کہ بلکہ اس غلط کے تدارک کیلئے
موضوع ہے جیسے۔

شوکت

صدا کوس کی تابہ چرخ اشیر

اغلط بلکہ تا گوش کیوان و تیر

اور جسکے ما بعد جملہ ہر وہ حروف عاطفہ میں سے ہر اسی قبیل سے ہو یہ بھی۔

ظفر

پھیرنے کے منہ نہیں مین شعلہ خرم سخن جان

بلکہ یہ تین تین دم کا منہ پھیر جائے گا

ولہ

چشمہ جوان خجل ہر لب اسکا کیا ظفر

بلکہ دیکھا تو لب کوثر پہ پانی پھر گیا

مسند الیہ کی ضمیر منفصل سے تاخیر

کبھی مسند الیہ کو ضمیر منفصل سے مؤخر کر دیتے ہیں اور غرض اس سے یہ ہوتی ہر کہ مسند کی تخصیص
مسند الیہ کے ساتھ ہو جائے یعنی جس مسند کی اسناد عقلاً افراد متعددہ کی طرف صحیح ہوتی ہے اگر
اسکی اسناد ایک کی طرف کر کے ضمیر منفصل لائی جائے گی تو یہ مسند خاص اس ایک پر مقصور
ہو جائے گا جیسے۔

میر حسن

رہ محمد من تیری عز و جاں

بجھے سجدہ کرتا چلون سر کے بل

یعنی مین سجدے کے لیے جھکو مخموس کر لوان سوائے کسی کو سجدہ نہ کروں اور یہ مراد نہیں
کہ تو سجدے کے ساتھ مختص ہے اور اسی ایک چیز پر تو تصور ہے اسکے سوا کوئی اور تیرا وصف
اور حال نہیں۔

لمؤلفہ

بجھے جائے ہر دم سمیع و لبیر

بجھی سے کرے عرض مانی الضمیر

نچھے۔ نچھے دن رات حاجت روا۔۔۔ ابھی سے کے جو کے مدعا

مسند الیہ کی تقدیم

مسند الیہ مقدم ہوا کرتا ہے کیونکہ اسکا ذکر ضروری ہوتا ہے اور اسکی کئی وجہیں ہیں۔
 یا تو اسلئے کہ اسکا پہلے لانا اصل ہے کیونکہ حکم اسی پر کیا جاتا ہے پس ذہن میں اس کا حکم سے
 پہلے متحقق ہونا ضرور ہے اسلئے اسکو محکوم بہ سے پہلے لاتے ہیں اور اس سے عدل کرنیکی کوئی
 چیز مقتضی بھی نہیں ہوتی ہاں اگر ایسا ہو تو اسکو مؤخر کر دیتے ہیں جیسے زید آیا۔

میرسن

وہ نجم النساء اور وہ فیروز شاہ۔۔۔ حیات سے کیے اپنی بیچی نگاہ

نجم النساء اور فیروز شاہ مسند الیہ میں اور کیے مسند۔

نواب محبوب علی خان

صفحہ

شور محشر میں ہودہائی کا

میں اگر غم کمون جدائی کا

پاس ہے عرش کبریائی کا

نالہ کیا لب تک آکے رہتا

پہلے شعر کے مصرع اول میں ضمیر متکلم مسند الیہ ہے اور غم جدائی مفعول بہ اور کمون مسند اور دوسرے
 مصرع میں دہائی کا شور مسند الیہ ہے اور رنج بجائے مسند حادث ہے اور محشر میں مفعول فیہ ہے جو جمع جائے
 سے متعلق ہے اور دوسرے شعر کے مصرع اول میں نالہ مسند الیہ ہے اور آکے رہتا مسند ہے اور دوسرے
 مصرع میں مسند الیہ مقدر ہے اور عرش کبریائی کا پاس مسند ہے۔

بیرہ راجہ ہرکشن سنگھ بیدار

ہم آتے پارسا نہیں کہتا

آپ بیدار کو کہیں کچھ بھی

یا اسلئے کہ سامع کے دل میں محکوم بہ فوب جم جائے کیونکہ جب مسند الیہ کو پہلے لائینگے تو اس کے
 دل میں خبر کا شوق پیدا ہو جائیگا جیسے۔

سودا

رہے گا سبز برنج دھریک دنگل

اور میرا سخن آفاق میں تا یوم نیام

میرا سخن سند الہیہ اور منبر میگا سند ہے۔

عاشق

ترے فیرے وحشت میں کی مدتِ مال | ابراہیم دامنِ دولت کی دھجیان کیا کیا
یا ذکر اسکا اہم ہوتا ہے کیونکہ وہ مطلوب ہوتا ہے اسوجہ سے اسکو اول لائے ہیں جیسے۔

سودا

دماغ آشفہ بان ہوتا ہے غنجے کے چٹکنے سے | جہن میں ہے ای بکبلِ برے ٹکٹ کے چڑھ چڑھ کر

ولہ

علیٰ خلیفہ تھا عثمانؓ بعد یا کوئی اور | جو کوئی اور تھا تو لاکتب سے تو اسناد
علیٰ خلیفہ چہارم درست ہے کہ نہیں | محمدؐ اور وہ آپس میں تھے برادر زاد

ولہ

محب سے چلے دستِ رگڑ کر کندھا | منجیہ آیا جلا قاضی کے آگے نہ حرک
منجیہ کو اسلئے اول لائے ہیں کہ اسکا ذکر اہم تھا۔

ولہ

دل یار کی برگزینہ سزا ف سے چھوٹا

رند

یار اندھیرے میں نکل آتا ہے چھکیرے پاس

انیس

قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر | ادوار دھجے گئے تھے نکالے ہوئے سیر
یا اسکے ذکر سے لذت حاصل ہوئی ہے اسلئے اول لائے ہیں۔

میر حسن

کہا سب نے صاحبِ جلو تو سہی | یہ بیٹا تھا راوی ہے وہی
مقصود بالتمثیل مصرع دوم ہے۔

پیش

کہ فرزندِ میرا جہاندار شاہ | جو ہے وارثِ تخت و تاج و کلاہ
یا اظہارِ تعظیم کے لیے جیسے۔

انیس

عباس نامدار کے پہلو سے دی صدا

ہاں اب نہ جانے دیکھو حسرت مرصبا

سودا

اگر سیس گھر کی جو کچھ رکھے ہر قدر منزلت

دیدہ خفیق میں یہ عرش کا پایہ گمان

کثرارہم

شہزاد سے کر کے پاس اُن کا

خلات سادیا لباس اُن کا

ولہ

نقطے ہوں پسند خوش بیانی

جدول ہوں حصار تحروانی

میرسن

وہ ناخن جو مجھے اُسکے مثل ہاں

سودہ ہو گئے بڑھ کے بد کمال

فکار

محمد حبیب ہوا پیدا جہان میں

سرایت عشق کے کی اُسکی جان میں

سودا

علیؑ مکر دین کے ارکان کی قوت

علیؑ ہے زور بازو سے قوت

علیؑ بڑھق نمونہ بے نمونہ ہے

علیؑ کے آگے دو جگہ سرنگون ہو

علیؑ شہ ہے مظہر فیض قوت

علیؑ کا ان نجا بھر مروت

داغ

مولائے اپنے فضل و کرم پالیا

رہتا و گزرتا ایک زمانہ کو داغ داغ

یا۔ اظہار تحقیر کے لیے جیسے۔

ذوق

مغصہ حاسد و غماز و عدو سے سرکش

زیر شیر غضب تیرے ہوں چارون چو رنگ

امانت

غیرت جب ہے اس گل کو نجائی پوشاک

دل ہر جاے سے وہ باہر کہ جسے کہتے ہیں

شاہ مبارک آبرو

کھن میان خفا میں فقروں کے سال بجا

آتا ہے اُنکو جوش جمالی کمال پر

سودا	
در کس کس طرح ہلانے ہیں	اگر کے آواز معنی و حسن میں
ولہ	
خطائے ترے سب گنوا یا	یہ سرفروں کمان سے آیا
تراپ	
تواریب ملاست کی صلاحیت سے کیا دقت	انفل میں جنکے شیشے اور ہاتھوں میں پیالے ہیں
گو کیا جانے کے مجذوب کہتے ہیں کہ مجنون	کمان اندھے کو سوچھے یہ گورے ہیں کہ کالے ہیں
یا مسرت میں تعجیل مقصود ہوتی ہر بطور نیک فانی کے جیسے۔	
میرسن	
اکسارام جی کی بے تحسپہ رویا	چند زمان سا بالک ترے ہوئے گا
چند زمان سا بالک سندالیہ ہر اسکی تقدیر غافل کے لیے ہے۔	
سودا	
نویہ زیر فلک یون ہوئی ہر شہرہ عام	ہمال عید ہوا اور گیارہ ماہ صیام
نشاط و جشن و طرب خرمی امن امان	خوشی و خوشدلی و عیش و عشرت ایام
صبح عید یہ حاضرین تمنیت کیلئے	اس ستانہ کہ میگاہ سجدہ گاہ انا
ولہ	
محبوب و رسیبت و لطافت تھے کی طرح	ایک سو تھا میر سید علی مستعد کار
پہلے مصرع میں قینون سندالیہ ایسے نام ہیں جنکے معانی میں سترت پیدا کرنی کیفیت ہے۔	
اش	
جشن و نشاط و خوش دلی و عشرت و رسم	عیش و خوشی میں جن سے خوش وقت و ہم
فرخندگی بخت یہ نازان تھے اپنے سب	ہر ایک نعمہ بچ نکھٹا باطوطی ار
ولہ	
خوبی و حسرتی و راحت و آرام و سرور	تیرے دروازے کی تا حشر نہ چھوڑیں جو کھنکھن
ولہ	
فتح و فیروزی و شادی رہیں سب کے نصیب	ملج اقدس کے ملا بہت نہ پھرے پیرا میں

سید علی بن
نقلیہ قند
دہلی
کو عداوت
میں ہو گا

ناسخ

ظفر فتح مبارک ہو تجھے ادا ناسخ کر گیا سر کے سے دشمن غصہ ادا کر دیا

امیر پستانی

فصل گل آئی ہوا گلزار جنت بوستان
فیض شبنم لے دیے اخبار کو آبی لباس
بڑھو کے رضوان سے، روان روز دن دماغ آسمان
برہمن ہے مردم گیا کے حامی اب روان

داغ

جشن نوروز ہے دربار ستہ والا ہے اہل دربار ہزاروں ہین یہاں کم سے کم

ازند

سیر دل سے بالف نے فوراً صدی خوش اقبال مسعود پیدا ہوا آج

نظم ام رامپوری

یہ شادی یہ شادی ہاں سامان مبارک
یا برائی میں تعجیل مقصود ہونی، پر پس بطور بد حالی کے سند ایہ کو پہلے ذکر کرتے ہیں مثال۔

سودا

الکشتن خلق اس کا سدا کام ہے مرگ وقضا مفت میں بدنام ہے

مرگ وقضا کو کہ سند ایہ ہین ایسے پہلے بیان کیا کہ برائی میں تعجیل مقصود تھی۔
امردہ شو مولود یوتا بوت گر اولہ انگیرے ہین آن کے روز اس کا در
یا اسکی تقدیم تقصیر کا فائدہ بخشی ہے جیسے۔

ایس

مین ہون سردار شباب چمن خلد برین مین ہون الکشتہ بنیر حیاتم کانگین

داغ

نواب نے کی جو قدردانی میری اسے داغ گذر گئی جوانی میری

لیکن یہ خبر نہ تھی کہ وقت پیری
مرمر کے کٹے کی زندگانی میری

مقصود یا تمثیل لفظ نواب ہے۔

حذف مستدالیہ

مستدالیہ کو حذف بھی کر دیتے ہیں اور اس کے حذف کر کے مین یا تو یہ فائدہ ہوتا ہے کہ عبث چیز کے ذکر سے بچیں مثلاً توجہ النصوص میں لکھا ہے ضرورت کی کل چیزیں تو کمان سے بہم پہونچاتا تھا ہمارے توشہ خانہ عام سے مگر اسپر تری سیکری تھی کہ گویا ہم تیرے قرضدار ہیں، اس عبارت کے اس جملے میں ہمارے توشہ خانہ عام سے لفظ تو مستدالیہ محذوف ہے اور ساتھ ہی مستد بھی محذوف ہے یعنی تو ہمارے توشہ خانہ عام سے ضروریات کی کل چیزیں بہم پہونچاتا تھا۔ چونکہ ضمیر مخاطب پہلے جملہ سوال میں آچکی تھی اس لیے اب اس کا ذکر عبث و بے فائدہ سمجھا۔

جو نتیجے ہو سکے تو خانہ عجبے کو دے تزیین
یہ کرار ایش دنیا کہ یہ گھر کیا ہیوں ہی ہے
یعنی یہ گھر یوں ہی ہے۔

میر حسن

سودہ کو نسی راہ شریع بنی
کہ رستے کو جنت کے سیدھی گئی
یعنی وہ راہ شریع بنی ہے۔

غالب

کیون نہ درکار ہو مجھے پوشش
جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
کچھ حشر یہ انہیں ہوا ابلی سال
کچھ بنایا نہیں ہے ابلی بار

چونکہ مشکل کے پہلے شعروں میں انہی ذات کو کھول دیا ہے اس لیے خرید اور بنایا کے مستدالیہوں کو ذکر نہیں کیا کیونکہ دوبارہ ذکر کرنا عبث تھا۔

یا مشکل اس حذف سے سامع کے فہم و خیال میں ڈالنا چاہتا ہے کہ اس نے دلیل قوی کی طرف عدول کیا ہے جو عقلی ہے کیونکہ مطالب کے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے دوسری دلیلین میں ایک عقلی دوسری غلطی ان میں سے دلیل عقلی قوی ہے کیونکہ لفظ اس کی طرف محتاج ہوتا ہے اور سامع کے فہم و خیال میں ایسا ڈالنا اس کے لیے نشاط کا سبب ہوتا ہے کیونکہ جب سامع مستدالیہ کے معلوم کرنے کے لیے عقل کو کام میں لاتا ہے تو اس فکر و غور کے بعد مستدالیہ معلوم ہو جانے سے اس کو ایک طرح کا نشاط ملتا ہے۔ ہوتا ہے اور اس کو مستدالیہ کی طرف زیادہ توجہ

گرتا پڑتی ہے۔

غالب

روسے سخن کسی کی طرت ہو تو روسیاء

سودا نہیں جنوں نہیں دشت نہیں

لینے میں روسیاء ہوؤں۔

نسیم

پوشاک جو لینی ہو تو ہو نچساؤ

بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ

کہا کا مسند الیہ کہ تاج الملوک ہر مخدوف ہے۔

ولہ

کیا کہتی وہ دیوئی کہا جساؤ

دیوڈان سے کہا کہ تخت کو لاؤ

ولہ

وہ چونک کے بول اٹھا کہ دانش

بتلاؤ گمان ہے وہ کساؤ

ولہ

پوچھا کہ کدھر کہا بہت دور

بولادہ کہ پچسہر کہا کہ مجبور

انشا

کیا ہاتھ ہلا کے یو جیت ہو خوش

ہم جیسے ہیں خوش کبھی نہوگا کہ خوش

پہلے مصرع میں لفظ خوش کا مسند الیہ مخدوف ہے۔

ناسخ

قاصد اچھوٹ کہا گھر میں ہنرور نہیں

کس طرح گلشن جنت میں بلبل اور نہیں

کہا کا مسند الیہ مخدوف ہے۔

مہر

شبہ زلف یریشان جو ہم بنائے لگے

رکے ہیں آنچھے ہیں گرے ہیں مار بیٹھے ہیں

فائدہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم نے جو مسند الیہ کے حذف کرنے کے یہ دو سبب مرنج بیان

کیے ہیں ایک یہ کہ عبث سے بچنا منظور ہوتا ہے دوسرے متکلم سامع کے وہم و خیال میں یہ واقع

کرنا چاہتا ہے کہ میں نے زیادہ قوی دلیل کی طرف عدول کیا ہے سو یہ دونوں سبب ایک

نظام پر جمع بھی ہو سکتے ہیں البتہ غالی ان سبب نہیں ہو سکتا مثلاً شنوی ترانہ شوق کے ان شعروں میں

آنڈھی کو روان کیا دوان ہے پانی کو روان کیا دوان ہے
بھول سے کھلائے کھلتے ہیں روز و وقت ملائے ملتے ہیں روز

حذف ان دونوں بیون کے مانا جاسکتا ہے یعنی یہ جو نہیں کہا کہ آنڈھی دوان ہے اور پانی
روان ہے اور بھول روز کھلتے ہیں اور وقت رز ملتے ہیں اسکا سبب عجب سے چپا بھی
ہو سکتا ہے اور سامع کے دھم و خیال میں یہ ڈالنا بھی کہ اقویٰ الدلیلین کی طرف رجوع کیا ہے۔
یاشکام کو یہ مقصود ہوتا ہے کہ سامع کا اٹھان کرے کہ آیا وہ باوجود قرینہ موجود ہونیکے مسند الیہ سے
متنبہ ہوتا ہے یا نہیں کیونکہ تنکلم کو یہ گمان پہلے سے ہوتا ہے کہ سامع قرینے کی وجہ سے مسند الیہ کو جانتا
ہے اسلئے اسکا امتحان کر کے اس بات کا یقین حاصل کرنا چاہتا ہے کہ وہ مسند الیہ کے حال
سے واقف ہو گیا ہے چاہے۔

شمس العلم آزاد

کھتا ہوں حساب پڑھا جاتا کچھ نہیں ایسا سیاہ ہے کہ نظر آتا کچھ نہیں
چونکہ رات کی تاریکی کا بیان ہر اسلئے سیاہ کا مسند الیہ مخدوف ہے۔

داغ

جناں ہر ایک ایک نے آتھام میں بچ رہی تھی کس کی بھوٹی جام میں

دولہ

نہ کیوں ہوں لاکھ متا نہ ادا میں میرے نالے میں گدے میگرد ہوں ہر طرح کی سے پیالے میں

مولوی نذیر احمد

بٹی جب آن کے جانو نہ اور رہے جام تو ایسی طب کو سلام اور سلام اور سلام

چونکہ مرض کی وجہ سے جانوں پر مصیبت کے آنے کا بیان ہے اس لیے عاجز رہے کا مسند
مخدوف ہے۔

یاشکام کو یہ حذف کر کے سامع کی مقدرد کاوت کا امتحان مقصود ہوتا ہے اسلئے کہ
وہ حذف کر کے دیکھنا چاہتا ہے کہ قرینہ خفیہ پر متنبہ ہو سکتا ہے یا نہیں چنانچہ زید کے پاس دو
شخص حاضر ہوں جن میں سے ایک بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ہم صحبت اور خدمت گزار ہو۔

اُس وقت زید یہ کہ خدا کی قسم سلوک کرنے کے لیے زیادہ استحقاق رکھتا ہے اور مراد اس قول سے زید کی وہ شخص ہو جو زیادہ ہم صحبت اور خدمت گزار ہے اور اس طرح کا کلام کرنے سے زید کی یہ غرض ہو کہ غائب کی طبیعت کی ذکاوت معلوم ہو جائے کہ آیا وہ اس مخدوف کو سمجھ سکتا ہے یا نہیں اور قرینہ بیان ہو مگر غرضی ہو اور وہ قرینہ یہ ہے کہ سلوک اُس کے ساتھ کرنا لائق ہے جو قدیم الخدمت اور قدیم صحبت ہے۔

دوسری مثال ایک امیر آدمی اپنے ایک مصاحب کے ساتھ ایک حوض کے کنارے بیٹھا ہوا تھا اُس امیر نے مصاحب سے دریافت کیا کہ تلو کو لٹا کھانا زیادہ پسند ہے صاحب نے جواب دیا کہ ہر یانی دوسرے سال پھر اُس حوض کے کنارے پر دو نوان جمع ہوتے اور امیر نے صاحب سے کہا کہ کس چیز کے ساتھ پسند ہے عرض کیا کہ بورانی کے ساتھ امیر ذکاوت اور تیز فہمی سے بہت متعجب ہوا۔

یا اس غرض سے اُسکا ذکر چھڑا جاتا ہے کہ موقع آجائے تو شکم اپنی جان بچانے کے لیے کہدے کہ میری مراد اس قول سے یہ شخص نہ تھا جیسے کوئی زید کی نسبت کہ نہ ناسخ و فاجہ و بشرطیکہ قرینہ اس بات پر قائم ہو کہ مراد اس سے زید ہے۔

یا اسوجہ سے مستند ایہ کا ذکر چھڑانے میں کہ وہ متعین ہوتا ہے اور جو حکم لیا جاتا ہے اُس سے وہی مراد ہوتا ہے دوسرے کی طرف ذہن نہیں جاتا جیسے مجہود ہے خلاق ہے بیان اللہ کا نام مخدوف کر دیا اسلئے کہ وہ متعین ہو ذہن اس کے سوا دوسری چیز کی طرف نہیں جاسکتا کیونکہ کوئی اُس کے سوا عبادت کے قابل ہو نہ کوئی سوا اُس کے پیدا کر سکتا ہے۔

مہاجبھارت مولفہ شایان

خداوند ملک مدد و تدم

کریم و رحیم و غفور و تدبر

نگارندہ نقش لوح و قلم

علیم و خبیر و سمیع و بصیر

یا حکم کو اسلئے متعین ہو نیکادعوے ہو جیسے کوئی شخص سلطان کو لکھ بخش ہو حکم نے بیان مستند ایہ کو چھڑ دیا کیونکہ انکی دانستہ میں وہ متعین ہو اسلئے کہ وہی اتنی دولت بخشا ہو۔

ایس

اور غرض پر تھا شریک علاج ہی

وہ شاہ کہ شاہوں کا یاباج ہی

لڑاتے ہیں میں تن ہوں علیؑ سہیل
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاج نبیؑ
یعنی نبیؑ فراتے ہیں۔

حالی

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے
سرا حکام دین پر چھکا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
کمانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
خدا کے لیے گھر کٹا دینے والے
نقطہ ایک اللہ کے ڈرنے والے

یہاں مسند الیہ کو چھوڑ دیا کیونکہ حکم کی دانست میں وہ تعین ہوا اور وہ اصحاب رسول
ہیں کیونکہ یہ اوصاف وہی رکھتے تھے۔

یا یہ خیال ہوتا ہے کہ اغیار اسکے حال سے واقف نہ ہو جائیں مثلاً کہیں رات آیا تھا اور
برجہ قرینے کے مراد یہ ہو کہ یا آیا تھا۔

یا فرصت کے فوت ہو جانے کے خوف سے مسند الیہ کا ذکر چھوڑ دیا جاتا ہے جیسے کوئی
آدمی شکاری سے کیے ہرن بے یعنی یہ ہرن ہے پس تم شکار کرو جلدی کی وجہ سے مسند الیہ کو
حذف کر دیا۔

ناسخ

رات کو جوری چھپے ہو نچا جو میں
غل بچایا اسنے ددڑو چور ہے
یا گجراہٹ کی وجہ سے مسند الیہ حذف ہو جاتا ہے جیسے۔

مہا بھارت

ہلہبان سے اپنے ہوا تر زبان
کمان ہر کمان ہر کمان
سیدان جنگ میں گجراہٹ کی وجہ سے ارجن کی زبان سے جبرودھن کا نام فوت ہو گیا۔
یا رنج و ملال کی وجہ سے لہول کلامی کو دل نہیں چاہتا جیسے کوئی بیمار سے پوچھے تھا مارا
کیا حال ہو وہ جواب دے کہ علیؑ ہوں اسنے یہ نہیں کہا کہ میں علیؑ ہوں کیونکہ مرض کی وجہ سے
جو ملال اور تنگدلی حاصل ہوا اسنے مسند الیہ کا ذکر چھوڑا دیا۔

ایس

چرسا تھیں شہید کا دینے کو آئے ہیں
شکس کے داغ آج جگر پر اٹھاتے ہیں
یہ وہ موقع ہے کہ حضرت علیؑ ابر شہید ہو چکے ہیں اور حضرت امام حسینؑ زمانے میں تشریف

لے گئے ہیں اور حضرت زریب سے علی اکبر کی شہادت کا واقعہ بیان فرماتے ہیں اس موقع پر سبب
ریخ و غم کے سند الیہ کے ذکر کو چھوڑ دیا، اور وہ ضمیر جمع منکرم ہے۔

ولہ

رخصت طلب ہو شاہ سے اکبر سالانہ فاک
شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام

یعنی یہ غلام۔

یا وزن شعر اور رعایت قافیہ کی وجہ سے نظم میں یا رعایت سجع کی وجہ سے شعر میں سند الیہ
حذف کر دیا جاتا ہو جیسے۔

ایس

بیکس ہوں تشنہ لب ہوں فلک کی ستائی ہوں
پیلے مصرع میں وزن شعر کی وجہ سے بین بیکس ہوں بین تشنہ لب ہوں بین فلک کی ستائی
ہوں نہ کہہ سکے۔

غالب

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہی ترک لزوم
بسیب رعایت وزن کے یہ نہ کہہ سکے کہیں جزا سے ایمان ہو کہیں۔

میر تقی

ہے تو اللہ کا مجسم نور
جاتے ہیں جنکو کچھ ہے عقل و شعور

یعنی وہ جاتے ہیں۔

یا سند الیہ فاعل ہو اُس کو حذف کر کے فعل مند کو مجہول کر دیتے ہیں اور مفعول پر
اقتصار کرتے ہیں جیسے۔

بات اب طول کھی راہ گذر بند ہوئے
کھڑکیاں بجا لی گئیں وزن دُربند ہوئے

بیان صرف اس امر کا بیان مقصود تھا کہ کھڑکیاں اور دروزن دُربند ہو گئے اب ملاقات
غیر ممکن ہے اس سے غرض نہیں کہ کسے دُربند کیے اور کس لے کھڑکیاں بجا ہیں اسلئے سند الیہ
فاعل کو ذکر نہ کیا۔

ایس

قاصد جو میرے نام کا خط لیکے آئے ہیں
سرکاٹ کر رختوں میں لکھائے جاتے ہیں

فائدہ اس میں یہ ہر کہ سامع کو نقطہ قاعدون کا حال دریافت کرنا منظور تھا اور اس سے غرض نہ تھی کہ ہوتا انکو مار کر درختوں میں لٹکاتا ہوا ایسے فعل کو مجہول بنایا گیا۔

ولہ

مارا گیا سفر میں غلام شہہ امم | اقریاد ہے کہ رائد ہوتی میں اسیر نسیم
یا مسند الیہ فاعل کو ایسے حذف کرتے ہیں کہ فاعل عالی شان ہوتا ہے اور مفعول کم قدر ایسے
واقع پر اسکا ذکر مناسب نہیں معلوم ہوتا جیسے۔

محسن

خرقہ ہے نصیب پاسن کو | عمامہ ملا ہے نارون کو پا

نارون بھول ہو گھلا ہے چین سے مدور بشکل عمامہ اسکو عمامہ ملنا بسبب شاہت کے کہا گیا
ہے یعنی بارگاہ باری تعالیٰ سے اس بھول کو عمامہ ملا ہو بھول اک ادنیٰ چیز ہے بمقابلے اُس
فاعل حقیقی کے ایسے کچھ ذکر فاعل کا ضروری نہ سمجھا گیا۔

غالب

سبزہ و گل کے دیکھنے کے لیے | چشم نرگس کو دی ہے بینائی

تشرین اسکی مثال یہ ہو کہ فلان مجرم بری کیا گیا اور فلان جو کیدار کو انعام ملا یعنی حاکم وقت
نے مجرم کا قصور معاف کیا اور جو کیدار کو انعام مرحمت فرمایا۔
یا فاعل مسند الیہ کم مرتبہ ہو اور مفعول عالی مقدار تو مسند الیہ کو حذف کر دیتے ہیں اور خیال
عظمت شان مفعول کے فاعل کو ذکر نہیں کرتے جیسے کہیں لارڈ میو صاحب بہادر جزیرہ اندمان
میں مارے گئے ظاہر ہے کہ انکو ایک دنی قیدی نے مجروح کیا جس سے انھوں نے وفات
پائی پس بیان پر ذکر کرنا ادنیٰ رتبے کے فاعل کا بمقابلے مفعول صاحب عظمت کے نامناسب
سمجھا گیا۔

سند

نام کیا کیا آپنے رکھوائے ہیں | بیروت خود غرض نا آشنا

اور مقام تحذیر میں یعنی ڈرانے کے موقع پر بھی اکثر مسند الیہ محذوف ہوتا ہے اور محذوف نہ کے
ذکر پر اکتفا کی جاتی ہے جیسے کہیں سانپ سانپ یا چور چور یعنی نم بچو سانپ سے یا تم چور کو بکڑو
بیان پر فعل مسند اور مخاطب مسند الیہ کو ذکر نہ کیا۔

انشا

لہریں جوٹی کے تیرے ڈر کے مارے کا پکناپ
جو شب چونک اٹھتی ہوں میں راتوں کو مکر سانپا نہ
بہر پنج قریب کا ہونا خد سے الیہ میں ضرور ہے۔

تاخیر سند الیہ

کبھی سند الیہ کو سند سے مؤخر کر دیتے ہیں اور جو کات تقدیم سند اور تاخیر سند الیہ کے میں
انکو ہم سند کے بیان میں بتا سینگے کیونکہ یہ امر اسی کے مقتضائے حال سے ہے۔

چمن دوم مقتضائے ظاہر حال کے خلاف میں

یہ جو کچھ بیان ہوا مقتضائے ظاہر حال کے مطابق تھا کبھی کلام مقتضائے ظاہر حال کے خلاف
چلایا جاتا ہے کیونکہ باطن حال اسکا مقتضی ہوتا ہے جسکی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) مضمون کے مقام پر منظر کو لانا

جہاں ضمیر لانے کی ضرورت ہے وہاں ہم ظاہر لایا جائے تو اسے وضع منظر موضع مضمون
کہتے ہیں اس صورت میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جہاں ظاہر پہلے آتا ہے اسی کا اعادہ کیا جاتا ہے اسے وضع منظر
موضع مضمون بلفظ کہتے ہیں جیسے۔

غالب

وہ نالہ دل میں خس کی برابر گلہ نیا
جس نالے سے تگاف پڑے آفتاب میں
وہ سحر مدعا طلبی میں نہ کام آئے
جس سحر سے سفینہ رفاں ہو شراب میں

دوسرے مصرع میں نالہ اور چوتھے مصرع میں بحر وضع منظر موضع مضمون لفظ ہے۔
اور کبھی غیر لفظ لاتے ہیں جو پہلے لفظ کا ہم معنی ہوتا ہے اسکو وضع منظر موضع مضمون غیر لفظ
بولتے ہیں جیسے۔

انیس

مفتل میں کمال ہجوم تھا اس نور عین پر
پیر دانے گر رہے تھے چراغ حسین پر

دبیر

اُترا ہے نبی کے لیے یہ کارِ نعمت
ہم صحبت دہم کا سہ میں مجبور دے حضرت

پہلے شعر میں چراغ حسین اور دوسرے میں حضرت وضع منظر موطع مضمین غیر نغظ ہے
 بہ صورت مضمین کی جگہ منظر کی فائدوں کے واسطے مستعمل ہوتا ہے (۱) سامع کو ثابت اور تحقیق
 کرانے کے لیے تاکہ کسی طرح کا ابہام باقی نہ رہے کیونکہ مضمین کی دلالت ابہام سے خالی نہیں ہوتی بخلاف
 منظر کے خصوصاً اُس حالت میں کہ منظر ایسا لفظ ہو جو اشتراک کو بالکل دور کر دیتا ہو جیسے علم پس
 جبکہ ایسا لفظ سامع کے سامنے بیان کیا جائے گا جس میں ابہام نہ ہو تو اُس کے ذہن میں مسند الیہ
 اچھی طرح جم جائے گا مثال۔

ناتخ

مکتوب جو آیا تو ہوا میں بیتاب | پیرا ہن بچیدہ ہو گیا مکتوب

ایس

تم جس کی ہوشیدا وہ برادر نہ ملیگا | پھر گھر میں جو ڈھونڈو گی تو اکبر نہ ملیگا

حسرت

رتیبوں کے حوائے کر کے خط کو نامہ بر کیا | عزیز کیا کمون قاصد تو میرا کام کر آیا

ضمیمہ

جا کے میدان میں کس طرح یہ محبوب لڑے | یہ تو کیسے کہ غلام آپ کے کچھ خوب لڑے

سودا

اعلیٰ خلیفہ تھا عثمانؓ بعد یا کوئی اور | جو کوئی اور تھا تو لا کتبے تو اسناد

اعلیٰ خلیفہ چارم درست ہو کہ نہیں | محمدؐ اور وہ آیس میں تھے برادر زاد

اکبر

کیا اچھا جنوں نے دار پر منصور کو کھینچا | کہ خود منصور کو جینا تھا مشکل باز دان ہو کر

مصرع اول میں منصور مفعول ہے۔

(۲) سامع کے دل میں ہیبت اور رعب ڈالنا منظور ہوتا ہے جیسے۔

مشتی

وہ کہنے لگا سن کے یہ داستان | کہ شاید تو ہے رستم پہلوان

وہ بولا کہ زہار رستم نہیں | میں اُس کا ہوں اک چاکر کترین

تیسرے مصرع میں لفظ رستم وضع منظر موضع مضمین اور مقصود اس سے سامع کے دل میں رستم

کے خفت و مہابت کا داخل کرنا ہو مگر اس قدر ہو کہ مستدالیہ نہیں بلکہ مستند ہو۔
 (۳۳) تعظیم و تکریم کا فائدہ دیتا ہے جیسے۔

وہ سب تو ایک طرف یہ امام اچھے ہیں | امیر حسین علیہ السلام اچھے ہیں
 لفظ حسین وضع منظر موضع مضمین غیر لفظ ہو ورنہ تعظیم کا فائدہ دیتا ہے۔

انیس

رخصت طلب ہو شاہ سے اگر سالار فاک | شہزادہ مرنے جائے سلامت رہے غلام
 شہزادہ وضع منظر موضع مضمین غیر لفظ تعظیم کے لیے ہے۔

خلیق

گذری بہار عمر خلیق اب کہنگے سب | باغ جہان سے ببل ہندوستان گیا
 اس شعر میں ببل ہندوستان وضع منظر موضع مضمین غیر لفظ تعظیم کے لیے ہے۔

شہزادی زائر

جب اسکی صدائنی علی نے | لکھے دہن چار سودی نے

(۴۷) مقصود اس سے تحقیر ہوتی ہے جیسے۔

رحیب علی سرور

اگرے گا تو مرے نالوں کی بھری ببل | سحر آنا تو کر جا کے جا نور پیدا

لفظ جانور وضع منظر موضع مضمین غیر لفظ ہو اور مقصود اس سے ببل کی اہانت ہو۔

(۵) داعی مامور کی تقویت کے لیے ہوتا ہے اور اس سے یہ ہو کہ ایک شخص کو کسی کام کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے تو جو اس شخص مامور کو حکم کی تعمیل پر آمادہ کرنے والا ہوتا ہے منظر ثانی سے اسکو تقویت پہنچتی ہو اور وہ آمادہ کرنے والا امر داعی ہے اور منظر ثانی اسکو تقویت دینے والا ہو مثلاً بادشاہ اپنے کسی نوکر سے کوئی کام کرانا چاہے اور یوں کہے کہ مابعد دولت و اقبال جھکو اس کام کے کرنے کے لیے حکم دیتے ہیں تو یہاں مابعد دولت و اقبال وضع منظر موضع مضمین ہو اور مقتضائے ظاہر کے خلاف ہو کیونکہ مقتضائے ظاہر تو یہ تھا کہ کہتا ہم حکم دیتے ہیں اس لیے کہ مقام تکمیل کا ہو پس اس شخص کو اس کام کے کرنے پر آمادہ کرنے والی بادشاہ کی ذات ہے اس لیے کہ اسکو یہ گمان ہو کہ اگر حکم کی تعمیل نہ کروں گا تو بادشاہ سزا دے گا اور بادشاہ کا اس طرح تعبیر کرنا کہ مابعد دولت و اقبال

تجھ کو اس کام کے کرنے کے لیے حکم دیتے ہیں اس حکم کی تعمیل کرنے کے خیال کو تقویت دیتا ہے پس داعی خوف سزا کا گمان ہے اور اس کو تقویت بخشنے والا لفظ مابعد دلت و اقبال ہے۔

خلق

موتا ہے باپ ادا علی اکبر ابھی نہ جا

اد لال سوے نیزہ و خنجر ابھی نہ جا

دل مانتا نہیں مرے دلبر ابھی نہ جا

ہے نہ جاشیہ پمیر ابھی نہ جا

دوسرے مصرع میں مرے دلبر سے علی اکبر مراد میں موع بہان ضمیر مخاطب کے لائیکا تھا مرے دلبر ایسے لائے کہ انکو باپ کے حکم کی فرمانبرداری کی طرف رغبت ہو اور اس کو ماننے کے لیے مجبور ہوں اسی فائدے کے لیے تیسرے مصرع میں لال اور چوتھے مصرع میں شہیہ پمیر کہا ہے۔
(۶) طلب رحمت و شفقت کے لیے جیسے۔

ایس

تم سے بڑی امید ہو زہرا کی جانی گوا
جھٹا تھین سے لگی ہیں اپنے بھائی گوا
ادل حضرت زینب نے اپنے آپ کو زہرا کی جانی گوا اور پھر کہا ہیں اپنے بھائی گوا تھین سے
یگی پس بیان طلب شفقت منظور ہے اگر یہ منظور نہوتا تو کتین میں تھین سے اپنے بھائی گوا لونی۔

ولہ

اب کس پر میں اس صاحب زار کو چھوڑوں

اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

ولہ

عابد کی طرف دیکھ کے ددڑے علی اکبر

سجاد نے فرمایا کھجے سے لگا کر

آنکھوں کو ملا ہاتھوں کے قدموں پر رکھا سر

گردن میں مری ڈال دوا ہوں کو ہر دوا

(۲) التفات

علمائے معانی کی اصطلاح میں التفات یہ ہے کہ ایک ذات کو ایک طریق سے منجملہ طرق ثلثہ یعنی مکالم و خطاب و غیبت کے یاد کر کے ان تینوں طریقوں میں سے کسی دوسرے طریق پر یاد کرنا بشرطیکہ مخاطب ایک ہو اور دوسری تعبیر مقتضائے ظاہر کلام کے خلاف ہو اور سامع مقتضائے ظاہر

انتظار کرتا ہو پس اس صورت میں یہ اقوال میں زید ہوں تو عمر وہی تعریف التفات سے خارج ہو جائے میں گوان میں سے پہلی مثال میں ایک ذات کو بطریق غیبت کے تعبیر کیا ہے بعد اسکے کہ اسکو پہلے دوسرے طریق یعنی تکلم کے ساتھ یاد کیا تھا اور دوسری مثال میں ایک ذات کو غائب کے ساتھ تعبیر کیا ہے بعد اسکے کہ اول اسکو خطاب کے ساتھ تعبیر کیا تھا مگر یہاں قیثرائی مقتضا کا ہر کلام کے موافق ہے اور سامع اسکا منتظر بھی تھا اسلئے کہ جب تکلم نے میں اور تو ضمائر کے الفاظ زبان سے نکالے تو سامع کو سننے ہی اس بات کا انتظار ہو گیا کہ ان کے بعد اسم ظاہر نہ کر ہو گا جو انکی خبر ہو گا کیونکہ ضمیر کی خبر اسم ظاہر ہی واقع ہوتا ہے۔

انہیں کہتے ہیں۔ ۷

یہ تو نہیں کہا کہ شہر مشرق میں ہوں مولانا سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں
میں کی خبر حسین ہی۔

گلزار نسیم

تو نشر شعلہ میں رگ شمع	تو جوشش یم میں مور بے پر
تو سیل روان میں خستہ دیوار	تو برق دمان میں خرمن حنار
میں نقش قدم تو باد صرصر	

اسی طرح ان اقوال میں۔

غالب

اور وہ میں ہوں کہ گرجی میں کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے لغت مری اوقات سے ہے

میر نثار علی شہرت

تم وہ ہو علم مدن سارے جہان کو دیدار
وہ ہی تو ہو حرفت صنعت بھی تہلا گئے

غافل

کیا تعجب اگر نیری کمر معدوم ہے
تو وہ ہم آئینہ شفات جس میں موشیں

وزیر علی خان

ہم وہ قلم تھے کسی مالی کے لگائے
نرس کی نہالوں میں تجھے آصف کے پلے ہم

داغ

میں وہ ہوں آتش قدم جس سے کچلتے ہیں بیارٹ۔ موم ہو جاتا ہے جو آتا ہے پھر زیر یا
 التفات نہیں گو پہلے شعر میں غائب سے انتقال کلم کی طرف ہوا اور دوسرے اور تیسرے شعر
 میں خطاب سے غیبت کی طرف انتقال ہوا اور چوتھے اور پانچویں شعر میں کلم سے غیبت کی طرف
 انتقال ہوا ہے اور وجہ اسکی کہ بیان التفات نہیں ہے یہ کہ یہ مقتضائے ظاہر کلام کے موافق ہے اسلئے
 کہ اخبار ہر ظاہر کے ساتھ اور سامع کو جسکا انتظار تھا اسکے خلاف بھی نہیں ہے۔
 التفات کے حسن خوبی کی وجہ یہ ہے کہ جب کلام ایک طریق سے دوسرے طریق کی طرف منتقل
 ہوتا ہے تو اس سے سامع کو نشاط نازہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس صورت میں اسکو کلام کے سننے کی
 طرف ترغیب ہوتی ہے کیونکہ ہر تازہ بہ تازہ چیز میں لذت ہوتی ہے پس وہ لذت کی وجہ سے باقی
 کلام کی طرف ملقت رہتا ہے اور التفات کی چھ صورتیں میں ایک یہ کہ غیبت سے خطاب کی طرف
 التفات کریں دوسرے یہ کہ غیبت سے کلم کی طرف التفات کریں تیسرے یہ کہ کلم سے غیبت کی طرف
 متوجہ ہوں چوتھے یہ کہ کلم سے خطاب کی طرف توجہ کریں پانچویں یہ کہ خطاب سے کلم کی طرف چھٹے
 یہ کہ خطاب سے غیبت کی طرف۔

غیبت سے خطاب کی طرف التفات کی مثال

موسن امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مدح میں کہتا ہے۔

بڑھا یہ پایہ الہام راسے صائب سے	کہ مشورے پہ ہوئی اسکے وحی بھی نازل
یقین کہ راہ غامی، ہی بیرونِ پاس کی	نہیں تو سلائے سے کیوں بھاگتا ہی دیو مہل
مثال عدل میں نوشیروان کو چھٹے غلط	کہ بت پرست کمان نازق حق و باطل

اول مدوح کو غائب فرض کر کے اوصاف بیان کیے پھر غیبت سے خطاب کی طرف التفات
 کیا اپنے حاضر فرض کر کے تعریف کرنا شروع کی۔

ایضاً در مدح امیر المؤمنین حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ

شہ کیا عصمت نخت جگر احمد میں	جب مسلم ہی کہ معصوم ہی جزو معصوم
نہ وہ خالق ہی مگر اثر باعث خلق	نہ وہ رازق ہی مگر فاسم رزق مقصوم

السلام لے روش آموز طریق اسلام	السلام ای خضر جادہ جنت ملزوم
وہ ترار شبیر ای شاہ جوانان بہشت	اکہ ہوئی حرمت پیری کی تمنا محروم

سنتے ہی پیر خرد سے دہین فی الفور کیا	اسکی شوکت میں زبان کسی مطلع نے خطور
آستانے کا ترے ناصیہ سا ہے غفور	ہیج ہو بہت حاتم تری ہمت کے حضور

انحیبت سے تکلم کی طرف التفات کی مثال

ان اشعار میں شنوی ظلم الفت مصنفہ قلق کے۔

میرا پیش نگاہ حال رہے	واری اتنا ذرا خیال رہے
کہ یہ مان گور کے کنارے ہے	بے سہارے ہر بے سہارے ہے
ٹکوتو لائے گا خدا بھیہریان	میں یہاں چند دن کی ہون مہمان
اول غائب فرض کر کے یہ کہا گیا کہ یہ مان گور کے کنارے ہو اور بے سہارے ہو چہ ظلم کی	طرف التفات کر کے یہاں کہ میں چند دن کی مہمان ہوں۔

الضیاء

تم سے امید یہ نہ تھی بیٹا	مان پہ کچھ رحم بھی نہیں آتا
سہ سکون گی میں داغ فرقت کا	کیا نتیجہ ہی ہے الفت کا
اول مان کو غائب فرض کر کے کہا مان پر رحم نہیں آتا پھر اسی کو متکلم قرار دیا اور کہا کہ طرح	داغ فرقت سے سکون گی۔

غالب

جنس بازار معاصی اسد اللہ اسد	اکہ سوا تیرے کوئی اسکا خریدار نہیں
شوخی عرض مطالب میں پرگتاخ طلب	ہر ترے حوصلہ فیض یہ از بسکہ لقیں
وے دعا کو مری وہ مرتبہ حسن قبول	
کہ اجابت کے ہر حرف پہ سو بار امین	

میر

تھا کتے کا بچہ اک درویش پاس	پاش بود اسکی تھی مجھ درویش پاس
-----------------------------	--------------------------------

انیس

تم بہ کرتا ہر حسین آخری حجت کو تمام
ابسر مصحف ناطق ہوں سنو مجھے کلام

لاٹھے سے پسر کے نہ جدا ہوئے گی یاد
دیکھو آج حسینؑ کی جہاں میں رہینگے علی اکبرؑ

تکلم سے غیبت کی طرف التفات کی مثال

قلق

بجھکوا ب رو کیے نہ اے خوش ذات
کہ خدا کو بڑی لگے گی یہ بات
یہ بھی تھا خانہ زاد کا مقصد دور
کسین جائے بغیر حکم حضور

ہوس

جہاں انہیں مجھے غم کا آزار
تو جان کہ مرچکا یہ بیسار

سودا

کہنے کو نہ پوچھو نہ ہنر مند دن کے ہوتے
اے شیخ یہ بندہ تو پرستار ہنر ہے

شہید

مری ادلا دسب اکبار مرے
یہ علیم جگر افکار مرے

ذوق

خسرو امین جو کہون سب ترے اوصاف نکو
ذوق کرتا ہے دعا ئید یہ اب ختم سخن
تو سدا منہ سے مرے پھول چھڑیں یا گوہر
تا کہ ہوسنگ سے لعل آب سے پیدا گوہر

میسر

ایکے جو ترے کوچے سے جاؤنگا تو سنو
پھر جیتے جی اس راہ وہ بدنام نہ آیا

انشا

نہ تو کچھ دین سے بہرہ نہ مجھے دنیا سے
سُن لے اس بندہ انشا کی بھی ادا میرے حق

انیس

سفرائے کسا کی باتوں کے مین فرمان
تم جان بچا لو کہ مین لونڈی ہوں بھوپھی جاں
پٹی ہوئے کی مری شکل کرو آسان
جیتی رہی صغرا تو نہ مجھو لے گی یہ احسان

سودا

خصوص میں کہ معقدہ مری خاطر
کہ ہر گرہ میں ہزاروں میں جون اناگرہ
بیل ب بتا کہ اس بھڑے کی سواترے
کھلا دے کس کئے جا کر وہ خاکسار گرہ

برق

اسی بہانے سے پونچھا تو جاؤنگا اتر برق
ہزار شکر کہ بندہ گناہگار ہوا

تکلم سے خطاب کی طرف التفات کی مثال

مومن

رکھے مجھ کو جیسا میں اُس کو عزیز
نہ مشوق و عاشق میں ہوئے تمیز
ہمایا ہوں عشرت کے سامان سب
نکالے مرے دل کے ارمان سب
بس اب چپ کہ مومن دعا ہو چکی
بہت زاری و التجا ہو چکی
اول کہا گیا کہ مجھ کو یہ بات نصیب ہو اور میرا یہ ارمان مٹے پھر خطاب کیا گیا اور کہا گیا کہ چپ
وہ شوق تو کا ہے کو بھلا آئیگا ہم تک | زندہ اگر ہو سکے تو پہونچ تو ہی اُسکے قدم تک

لطف

چاہتا ہوں میں تراقرب جوار حق میں
اے تو امید برآری میں زمانے میں مثل
روز لوں سے جو چھنے لور وہ مجھ سے
اپنے ہمسائے میں دنیا کوئی جنت میں محل
نظر رکھ خامہ بیل ب ہاتھ سے تسبیح بچھا
تم بالآخر علی سیدنا احمد صل
ان اشعار میں پہلے حکم بنکر یہ کہا گیا کہ میں ایسا چاہتا ہوں کہ یوں ہو اور دون ہو پھر اسی ذات کو
حاضر فرض کر کے خطاب کیا کہ بس قلم ہاتھ سے رکھ دے۔

خطاب سے تکلم کی طرف التفات کی مثال

انشا

اب دعائیہ پہ کر ختم قصیدہ انشا
کہ بٹھالے تھے مضامین بہت شاق انش
پاسانی کرو تم میرے شاعر دین کی
کہیں ایسا نہ ہو دے چٹکے سے سراق انش
اولا خطاب کیا کہ قصیدے کو دعا پر ختم کر پھر تکلم بنکر عرض کیا کہ میرے شاعر دین کی پاسانی کرنا

انشا

بہار دعا پر کرا انشا اس قصیدے کو ختم
مدام عقدہ کشار کھڑا سے زمانے میں
الہی اس سے نزاکت رہے سدا غٹ پٹ
اسی کے ہاتھ رہے میرے دل کی سلیج اوٹ

حسن

محسن اب کیجیے گزار مناجات کی بر
سب سے اعلیٰ تری سرکار سب سے افضل
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھر تا با دل
میرے ایمان بفصل کا یہی ہے بجل

خطاب سے غیبت کی طرف التفات کی مثال

مومن

مومن اب ختم کر دعا پر سخن
اس عزیز خطاب پر مومن کی طرف در شعر کے بعد مومن غائب فرض کیا گئے ہیں۔
مرا قبسال روز افزون ہو
جیسے مومن پہ نطقت رحمہ صافی

ناسخ

سبحا بہریت آئے گا چرخ چہارم سے
بہریندیک اس سلیمان زمان کا دور آئے گا
نہیں مومن سے کم رتبہ ترے جلوے کے بخود کا
بیا بانوں میں ہو گا ایک مسکن دام اور دود کا

حالی

اے نازش برطانیہ اے فخر برزک
یہ سچ ہے کہ فاتح کوئی تجھ سا نہیں گذرا
تسیر فقط اگلون کے عالم کو کیا تھا
بند پنے فرائض سے مسلمان ہیں ہند
جتا ہے فقط چرخ میں اتوار کو گھنٹا
گوشت قیصر سے ہے ہر قوم پر ہنسار
اے ہند کے گلے کی شبان ہند کی قیصر
محمود نہ تیمور نہ دارا نہ سکندر
اور تو نے کیا ہے دل عالم کو مسخر
مہمور مساجد میں تو آباد ہیں مندر
سکھ اور زبان گوشتے ہیں رذر برابر
احسان مگر اسلام یہ ہیں اس کے گراشر

مثنوی سعدین

سُن تیرے دل میں کیا سما یا ہے
چربی آنکھوں میں تیری بر چھائی
تو کے کس بات پر دھرا پا ہے
نہیں دیتا ہے تجھ کو دھلائی

بعد اسکے مخاطب کو غائب کے ساتھ تعبیر کرنا شروع کیا۔

بچھیاں لے تو میری جھتی کھائے

ہاتھ ٹوٹیں جو مجھ کو ہاتھ لگا لے

وہ آجڑ جائے جو دیو ہے ہمیں

ٹوٹے اس پرستم جو نو ہے ہمیں

تبیینہ تعریف التفات میں جو وحدانیت مخاطب کی قید لگائی ہے یعنی بننے جو شرط کی ہے کہ مخاطب واحد ہو اس سے غزلیات اس قاعدے سے خارج ہو گئیں خواہ پہلی بیت میں مخاطب اور دوسری میں غیبت اور تیسری میں تکلم یا اس کے برعکس وجہ خروج کی یہی ہے کہ مخاطب ایک نہیں ہوتا۔ مثلاً۔

مومن

جننے کیا کچھ کس کو اتنی بات پر دکھلا دیا

غیر کو سینہ کے سے یکم برد کھلا دیا

آج بنے اس کو اپنا زور و زور دکھلا دیا

زندہ کھنکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا

کنے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا

صبح سے تعریف ہے صبر و سکون غیری

جو نہ کچھ تھا تھا شاعر عمر بھر دکھلا دیا

موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاکھ

پہلی بیت میں خطاب ہی اور دوسری اور تیسری بیت میں تکلم ہی اور چوتھی بیت میں غیبت ہے اور تکلم بھی ہے۔

امیر مینائی

عالم میں سر بلند رہے ہم جہاں رہے

گلشن میں سر و فوج میں مثل نشان رہے

وہ کام کر کہ نامور دن میں نشان رہے

حاکم کا داستان میں اب تک ہی تذکرہ

پہلے شعر میں تکلم ہی اور دوسرے شعر میں خطاب ہے۔

الشا

کہ بڑا ہے آج خم میں قلع شراب اٹا

مجھے کیوں نہ آوے ساقی نظر آفتاب اٹا

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اٹا

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قربان

وہ گنہ گو کہ جس سے یہ وہ خراب اٹا

کھڑے چپ ہو دیکھتے کیا مرے دل بڑگے گو

پہلے شعر میں تکلم ہی اور دوسرے شعر میں غیبت ہی اور تیسرے شعر میں خطاب ہی۔
غزل میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ پہلے ایک شخص کو خطاب کرتے ہیں پھر دوسرے کو جو مخاطب ہی غیبت کے یاد کرتے ہیں ہاں اگر مخاطب ایک ہو تو وہ دشوار غزل کے بھی انتفات کے قبیلہ سے ہونگے اور مثلاً

مقتضائے ظاہر سمجھے جائیں گے۔ بعض اہل فن کے نزدیک اتفات یہ بھی ہے کہ مضمون تمام ہو جائے پھر تمثیل یا دعلے ساتھ اسے ختم کریں۔ مثال اول۔

سودا

اگالی نہیں بے بوسہ مرے دل کو گوارا
چھوٹا کوئی کھاتا ہے تو بیٹھے ہی کے لالچ

مثال دوم۔

ذوق

کتے میں آج ذوق جہان گزر گیا
کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

معصر دوم بیت اول میں اور خدا مغفرت کرے بیت دوم میں اتفات ہے مگر خان آرزو
موسیت غلطے میں اس کے اتفات ہونے سے انکار کرتا ہے۔

(۳) معنی مستقبل کی ماضی کے ساتھ تعبیر

یہ بھی خلافت مقتضائے ظاہر ہے کہ معنی مستقبل کو ماضی کے ساتھ تعبیر کریں اور اس سے اس
بات پر تہنید ہوتی ہے کہ اس معنی کا وقوع متحقق ہو جیسے ہر کے قول میں۔

آج یہ جو بن گیا یا کل گیا
یعنی آج یہ جو بن جائیگا یا کل جائیگا۔

منشی

ذرا ناب جنبش نہیں اب مجھے
یعنی درندے بھلا مجھے کب چھوڑینگے۔

نظام راہپوری

اعادت ہی ہو گئی ہے انکی نظام کچھ اور
اُس بزم سے عد بھی ب صبح و شام نکلا

عالم

یون ہی گرد و تار ہا غالب تو اہل جہان
یعنی تم ان بستیوں کو دیکھنا کہ دیران ہو جائیں گی۔

حالی

ہو چکا خانہ ہنر معمور

اول آباد رفت بے ہنران

یعنی خانہ ہنر آباد نہ ہوگا۔

منشی ہیرالال شہرت

جوانج رہ گیا تو مقرر وہ کل گیا

جانا بھی کوئی عدم آباد کی طرف

میر حسن

کو آج ہم گئے نہ گئے سنیو کل گئے

کو چے سے اپنے ہلکا اٹھانا ہر جلد کیوں

ہوس

ادیکھے گا کہ فتنہ پھر اٹھایا

جب اپنی حدود پر مین آیا

داع

تو جہنم کو کیا دیا تو لے

مجھ گنہگار کو جو بخش دیا

کبھی رعایات و حکایات گذشتہ میں صیغہ حال کو استعمال کرتے ہیں جیسے فاجہ بنگالہ
 بحرہ دیوان کشن گویاں شہید کی یہ عبارت غنیمت اب تک منگیا کا محاصرہ کیے ہوئے ہے ٹوڈرل
 ایچ تک عقلمندی سے قلعہ کو بچا ہے ہوئے ہیں اندر ناتھ روز بروز کا میانی حاصل کر رہا ہے
 جب کبھی موقع پاتا ہے اپنے سواروں ہی سے دشمن کو پریشان کر دیتا ہے جہاں کہیں غنیم کی
 تھوڑی فوج سن پاتا ہے سہارا جہ کی اجازت لے کر پنجاب اس پر جاڑتا ہے قبل مانا لکھ لکھ پوچھے
 اُن کو تباہ کر کے قلعہ میں آجاتا ہے اس طرح متواتر زکین یا کر دشمن گھبراٹھے ہیں قلعہ میں نئے
 افسر کی جنگی لیاقت۔ حوصلہ اور جوانمردی کی ہر طرف تعریفیں ہوتی ہیں غرض کہ روز بروز نو
 اندر ناتھ کی بہادری مشہور ہوتی جاتی ہے۔

دبیر

ذبح ہونے کی مجھے عید ہے خالق ہے گواہ

سور کے فرماتے ہیں یہ فوج سنگار سے شاہ

روکے فرماتے ہیں کما اور درحقیقت یوں چاہیے تھا روکے فرماتے تھے۔

(۴) ضمائر میں وحدت و جمعیت کا اختلاف

مقتضای خلاف ظاہر کی قسم سے یہ بھی ہے کہ ضمائر میں وحدت و جمعیت کا اختلاف کو

مقتضائے ظاہر کے موافق تو یہ ہے کہ جب ایک قسم کی دو ضمیریں برابر واقع ہوں تو وحدت اور
جمعیت میں مطابقت ہو اور اختلاف کرنا مقتضائے ظاہر کے خلاف ہی جیسے۔

اختر

دل و جان سے فدا تھا جو تجھ صنم گیا عشق میں وہ سو ملک عدم

بجلا اور کا لنگوہ تو کیا کریں ہم مرے مرے کا تجھ کو بھی غم نہ ہوا

مرزا فخر دہلوی رمز

مجھ سے کی پہلو تنہی بے درد نے جس روز سے | درد پہلو میں ہمارے دم بدم پیدا ہوا

میر

اقدردالا تمھاری ہے معلوم | خلق خادم ہے اور تو مخدوم

سوز

اس مشق ظلم نے کیا بھکوا دیا | نصیر یہ ہوئی کہ ترا آشنا ہوا

انیس

ابولا وہ اشہد بانہد بجا کہتے ہیں شاہ | محسن و منعم و آقا ہے مرادہ ذیجاہ

ایاز

قاتل نے لگایا نہ مرے زخم پہ مرہم | حسرت یہ رہی جی ہی کی جی میں گئے مرہم
اسی قبیل سے ہی۔

دیکھ

اکبر نے کہا صبر کرو ای شہ عالم | ہم اپنی آغوش میں مہمان ہیں کوئی دم

بندے کو تو کچھ مرگ جوانی کا نہیں غم | افسوس کہ حضرت ہو بے مونس و ہدم

ایک مصرع میں اپنی نسبت ہم اور ایک مصرع میں بندہ جو ہنزلے بھکوکے ہے استعمال
کیا ہے اگر غزلیات میں مختلف شعروں میں ایسا ہو تو وہ مقتضائے ظاہر کے خلاف نہ سمجھنا
چاہیے۔

غالب

عشق بھکوکہ نہیں دشت ہی سی | مری دشت تری شہر ہی سی

دوسری بیت میں کہتے ہیں۔

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے | کچھ نہیں ہے توندادوت ہی می

(۵) ضمیر بے مرجع

ضمیر بے مرجع ذکر کرنا بھی خلاف مقتضائے نظام ہے اقسام سے یہ جیسے۔

ناسخ

واہ کیا حسنِ بال اُتے لیے سے | جو سما ایسے نہ دیکھے کسی دشار کے بیچ

غالب

وہ آئین گھڑن ہمارے خدا کی قدرت | ابھی ہم آنکھیں اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

دولوں شعرون میں ضمائر غائب کا مرجع کوئی نہیں اور یہ غلیات میں کثرت سے واقع ہوا ہے
اسوجہ سے کہ مرجع ایسا شور ہوتا ہے کہ سامع کا ذہن اس کے غیر کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا یا حاکم
کے ذہن میں مرجع حاضر ہوتا ہے اسی کی طرف خطاب کرتا ہے۔

(۶) ضمائر قبل از ذکر

کبھی ضمیر غائب اپنے مرجع سے مقدم آتی ہے اور اس میں عامہ نکتہ یہ ہے کہ جب مخاطب
یا سامع ایک ضمیر مشتاک ہے تو وہ متردّد ہو جاتا ہے۔ مرجع اس کا نہ ہو نہیں اور جب مرجع مشتاک
ہے تو غرض کو یا کاسم کی لذت حاصل ہوتی ہے کیونکہ نظار کے بعد جب ایک چیز حاصل ہوئی
ہے تو زیادہ تر لذت نہ ہوتی ہے۔

غالب

دیا ہے اور کو بھی تا اُت نظر نہ لگے | بنا ہے عیشِ جمالِ حسین خان کے لیے

اُسے کا مرجع جمالِ حسین خان ہے۔

جرات

کیا کیا اے دیکھ اے جراتِ دینِ حشر
یا یوس جو پھر آتا ہے پھر ہر اپنا

اُسے کا مرجع پیغامِ بد ہے۔

ناسخ

نام آئے جو سنا عشق کی بیماری کا: میرے در پر سے پھرا آگے سیما بستا
آئے کا مرجع یہ سکا ہے۔

ذوق

واقعہ کس طرح سے صحت نہ اک عالم کو ہوا جبکہ ہوا اسکی نوید فہل صحت جانفزا
وہ ولی عہد زمان مرزا محمد بو ظفر: اسکی قوت اگر ضعیفون کو بنا داتویا

راوی

اس سنے بوسہ وہ آغوش میں آئے: بخوس کر سے کر زیادہ دہن اس کا

احسان و بلو

بل میں مریض نہ کرے دم میں شفا یہ دے نچے: آہ وہ چشم سے پرست واہ وہ لعل بادہ نوش

واجد علی شاہ

ساتی اسی سے رکتے ہیں شیر خرم کے وار: جام شراب سے کوئی بڑھ کر پیر نہیں

ذوق

وہ کے صل علی یہ کے سبحان اللہ: او بچیں بکھرے پہ جو تیرے مہر خیر ہوا

ولہ

یہ تو ہوں مضطرب و رستہ میں لاکھون زن: جی کا رہنا نظر آتا نہیں اصلاً ہنگو

مصحفی

مرے دم اکٹھے کی جو خبر اسکو دئی کسی سے: کہ میں نیم رہے قاصد بعد اضطراب اللہ

سودا

گزین پاک مسکرت بکشم کہ چشم رحم سا بارو: کہتے ہو ڈھب تارا دیدہ خونبار رو نیکا

ناسخ

ہوندرین دست نگار اسی کا ہر دم: میں مثل گدا ہوں سہماہ قاصد

نواب کلب علی خان

خوشبو ہو یارب اسکی تو اسکا سہ دیو: پیدا کر ایسی شے کہ بہم ہون گل و ثراب

فزیر

اجنبش اودھرا سکوہی کو گردشا دھیر سکوہی ابروہی کہ شمشیر سپر ہے کہ بھری انگلی

الکھ

یار کو دیکھنے کے پہنا کے شب میں اسے لکھا کوئی اگر بھولوں کا گنا بہتر
کبھی اخمار قبل از ذکر کراہیت طبع کی وجہ سے ہوتا ہی جیسے۔

میر

مین گریبان پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہی میر خوش نہیں آتی نصیحت گر کی غمخواری مجھے
چونکہ طبیعت کو ناصح سے کراہیت تھی اس واسطے اس کا ذکر مؤخر کیا۔ اور اسی قسم میں
داخل ہے یہ بھی۔

مولفہ

ہے بجا اسکی جار کھونسل کو چہ سینے کو پھینک دے دل کو
دل کے واقعات سے چونکہ قائل آزر دہ ہے اسلئے اسکے ذکر کو مؤخر کیا۔

ایونس

یہ حیات میں پر دشمن وہ پس کاٹ دشمن کہ آسمان زمین کے زمین کم آسمان سے
چونکہ قائل آسمان و زمین کی دشمنی سے دل میں کبیدہ ہے اس لیے ان کے
ذکر کو مؤخر کیا۔

مومن

ادہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے اکاسہ عمر عدو حلقہ آغوش ہوا
عدو سے چونکہ طبیعت ناراض ہے اسلئے اسکی عمر کے ذکر کو مؤخر کر دیا ہے اور حلقہ آغوش کا مؤخر کرنا
مرن پہلے نکلنے کی وجہ سے ہے۔

استمطراو

استمطراو بھی ظلا و مقضائے ظاہر کی قسم سے ہے اسکے منہ یہ ہیں کہ ایک کلمے کو از دواج
کی وجہ سے ذکر کرنا اس حیثیت سے کہ مطلب میں اسکا دخل نہ ہو جیسے۔

ہوس

انفت کا ہے جرم تیری گردن در پے ہیں ہنر دوست دشمن

(۸) کلام کو برخلاف مراد قائل کے حمل کرنا

خلاف مقتضائے ظاہر کے اقسام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کلام کو برخلاف مراد تکلم کے حمل کیا جائے بشرطیکہ وہ حمل کرنا صحیح ہو اور حمل کرنیویں کامدعا یہ ہو کہ اگر اس کلام کے یہ معنی تھارے تو نزدیک ہوں تو بہتر ہے۔

مثنوی قضا و قدر

اُسے کہا آپ کا نکیہ کدہ | بولے کہ تکیہ مرا اللہ پر

سائل کی مراد تکیے سے وہ مکان ہے جس میں نقرار ہے میں اور مخاطب تکیے کو بھروسے پر حمل کرتا ہے اور قرینہ صارفہ اس میں اللہ پر ہے یعنی ہم اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں جہاں اسے رکھا دینے پڑے جبکہ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے تو رہنے کے لیے مکان کیون مقرر کریں کیونکہ اس صورت میں اللہ پر سے بھروسہ اٹھ جائے گا اور حق یہ ہے کہ یہ قاعدہ صفت ایہام سے مانور ہے جسکا بیان صنائع معنوی میں آئیگا۔

(۹) قلب

اسکی دو قسمیں ہیں ایک قلب منظر اور وہ قلب صفت و موصوف کا ہے اگرچہ موصوف کا حق یہ ہے کہ مقدم ہو کیونکہ وہ قبوعہ کی گز زبان آمد میں فصیح یہ ہے کہ صفت مقدم ہو پس چالاک گھوڑا کہنے میں جو لطف ہے وہ گھوڑا چالاک کہنے میں نہ رہے گا۔

مہر

اسیہ جوئی نہ افشان بانگ سبز ابرو ستالا | تماشا ہے پر طاووس کے کالے بویاں سب

منشی

اکواکب ہیں سب اس فن کے گواہ | کہ شعلہ چلی آسکا ہے خشنہ ماہ

سودا

اتار نیکہ میں اسکی کیونکر بھنسنے نہ دل | اٹھو نہ جکی لاکھون وحشی غزاں نہ سے

دوسرا قلب شاد اور وہ کہ مستحق ہے جیسے غالب کے اس مرید -

پچھتے دیکھتے تر یاد آیا | دل بگارتش نہ فر یاد آیا

جگر تشنہ بجھتے تشنہ جا رہے آرزو مند طلب یہ جب کہ دیدہ ترک باز نہ بھر دل کا

فریاد کا آرزو مند بنا دیا۔

شایان

ہوئی برطرت فوج رنج و الم ہوا دورا رجن پسر کا بھی غم
یعنی پسر ارجن کا۔

حسرت

قصاب پسر کہ اُس پر ہے جان فدا افسوس کہ اُس نے بن چھری ذبح کیا

نشا

بنا سینہ وہ نورِ خاک تودہ ترے تیرنگہ نے جس کو تاکا

ناسخ

جان دین کیونکر نہ اُس طرح پسر کے عشق میں سال کا سنا ہماری جان کو سم ہو گیا
نکتہ عامۃ ترکیب قلب میں یہ ہے کہ جب کلام دوسرے اسلوب پر اور ترکیب تازہ کے ساتھ
لایا جاتا ہے تو سننے والے کو کسی قدر نشا حاصل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ارجن پسر۔
قصاب پسر اور مطرب پسر بہ نسبت پسر ارجن پسر قصاب اور پسر مطرب کے اور شکر میں
بہ نسبت بہ شکر میں کے زیادہ دلچسپ ہیں۔

کبھی قلب سے تعقید پیدا ہو جاتی ہے جیسے غلام سرور کے اس قول میں یہ
مرے سینے میں کر دے نقش تم اسم محی الدین کہ روشن ہو تمھارے نام سے دل کا نگین میرا
یعنی میرے دل کا نگین تمھارے نام سے روشن ہو دس مقصود ہا تمثیل دل کا نگین میرا ہے۔

فوق

نطق شیرین سے ترے عام عطاوت کا ترنخ ہو خنظل کا سب سے شربت
یعنی شربت کا سب سے خنظل کا ترنخ ہو طے مقصود ہا تمثیل ترنخ خنظل کا ہے۔

(۱) مجرید

مجرید کے معنی یہ ہیں کہ ایک طے کو معنوں سے مجرد کر کے پھر وہی معنی زیادات ایضاح کے
واسطے دوسرے طے میں ذکر کریں جیسے تعظیم کرنا تعظیم کے معنی کسی کو بیجا جانا ہیں جب تعظیم خود
مصدر ہے تو ایک بعد کرنا کہ مصدر ہے کہنا داخل مجرید ہے اندر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجریدی
کی تاکید ہو۔

ناخ

اگرے گا جب کہ وہ اتمام اگر تجت حق کو
ازمانے میں رہے گا نام ملحد کا نہرت کا
اتمام کو گامین تجرید ہے۔

ہوس

فاکر کے در خزینہ فی الحال
انعام کیا جو تھتا زرو مال
انعام کیا میں تجرید ہے۔

ولہ

ر مال و نجومیون کو بلوا پڑا
خلعت دیے ان کو از سرایا
سرایا خلعت کو کہتے ہیں اور تمام کے معنی میں بھی آیا ہے یعنی اول سے آخر تک اور
خلعت بکسر اول ان سے ہوئے کپڑوں کو کہتے ہیں جو کمر اور لوک دوسرے شخصوں کو بخشین
اور وہ کم تین کپڑوں سے نہیں ہونے اور ظاہر ہے کہ سر سے پاؤں تک کے کپڑے اس میں
ہوئے ہیں پس شاعر نے خلعت کے معنی میں تجرید لیا اور صرف امیرانہ کپڑے اس سے مراد
لے کر دوسرے معنی لفظ از سرایا میں ذکر کیے۔
کبھی جج کے صیغے کو مجرد کر کے پھر جمع اسکی بناتے ہیں جیسے۔

حسن مولف بکھر بوجھ

مساکینوں کو کر دے صاحب تاج
اشہد ابون کو کر دے دم میں محتاج

ت

بچے اعمالوں سے گریا پوس ہوں
غم نہیں کچھ غوث کا پاپوس ہوں

شیخ نیاز علی بخیر

ہر چے کرتی جین یہ ساری حوریاں
آج تربت پر تڑپا باغ جنان
خور جمع حور کی ہو اسکو ہر ذکر کے جج بنائی ہو۔

ناخ

غلمان و حوریاں میں تصور میں بخیر
ہے رو برو سے دست دل مختصر مشت

افس کے اس مصرعہ میں جیسا کہ بات ہے مصرعہ کرتے تھے حیدران ہوا کھولے ہوئے پر

طیور جمع عربی ہے اس کو مجرد کر کے فارسی کے طور پر جمع بنائی ہو جیسے حکیم حاذق کے
شعر میں ۔۔۔

بدام زلفت تو گو آدمی دگاہ ملک

گئے دوحش گرفتار گہ طیورانند

اسی قبیل کے میر حسن کے شعر میں طیورون ہے۔

دوحش و طیورون تلک بے نعل

بڑے اشیانوں سے اپنے نعل

فائدہ اگرچہ سچ میں خلاف مقتضات ظاہر کی بحث اتنی ہی لانی تھی مگر مسند الیہ
کے حالات سے تعلق رکھتی تھی لیکن کئی باتیں اس مقام پر ایسی بھی بیان کر دی گئیں جو مسند الیہ
کے حالات سے نہیں ہیں اور اس طرح خلاف مقتضات ظاہر کے اکثر مباحث ایک جگہ جمع ہو گئے
اسی طرح چین اول کے بعض مباحث میں بعض بعض مثالیں ایسی لکھی گئیں جن کا ان کا تعلق
مسند الیہ سے نہیں ہے لیکن مناسب موقع پر بھی کرایا گیا ہے کہیں اشارہ کر دیا ہو اور کہیں
ناظرین کے فہم پر اعتماد کر کے اشارہ نہیں کیا ہو اور غرض اس سے یہ ہو کہ ہر مطلب کے حالات
بخوبی روشنی پڑ جائے۔

تیسرا باب مسند کے احوال میں

مسند جسکی تعریف اور پرہیزی لینے والے کلمہ جو مسند الیہ کی طرف منسوب ہو وہ یا اعم ہو یا اخص کے
اقسام سے اگر اعم ہو گا تو یہ بات معلوم ہوں گے کہ یہ صفت مسند الیہ کی ذات میں ثابت ہے جیسے
نہید کھڑا ہے اس سے پایا گیا کہ زید میں کھڑے ہونے کی صفت ثابت ہے اور اس سے مبالغہ
مرح دوم وغیرہ میں پیدا ہوتا ہے

غالب

تاب ثابت ہی ہے کی غالب

واقعہ سخت ہے، درجان عزیز

واقعہ مسند الیہ اور سخت مسند ہوا کی طرح جان مسند الیہ ہو اور عزیز مسند ہو یہ مسند سے
مذمت میں مبالغہ منظر ہے، اور دوسرے سے مدح میں۔

امیہ الشارح

دید کے قابل ہو چمن سبزہ زار

آجہ کی سبزہ زار گریہ گار کا

سبزہ زار جو میں مسند الیہ ہوا دید کے قابل مسند ہوا، گریہ زار گریہ زار مسند الیہ

اور معجزہ سند ہی اور دونوں جگہ مدح میں مبالغہ منظور ہے۔

حالی

زمین سراسر فرب و وہم و گمان	تاج مغفور و تخت خافتالی
نقطہ مہمل ہے لطف اسرار بی	حرف باطل ہے عقل یونانی
ایک دھوکا ہے کمن دادودی	اک تماشا ہے حسن کنعانی

مصرع اول میں فرب و وہم و گمان سند ہیں اور تیسرے مصرع میں نقطہ مہمل سند ہے اور چوتھے مصرع میں حرف باطل سند ہے اور پانچویں مصرع میں دھوکا سند ہے اور چھٹے مصرع میں تماشا سند ہے اور اگر فعل ہوگا تو یہ بات معلوم ہوگی کہ صفت سند الیہ میں پہلے نہ تھی اب موجود ہو گئی جیسے زید سو گیا اس سے ظاہر ہے کہ پہلے جاگتا تھا اب سو گیا۔

السن

ہزاروں حسرتیں جاوہنگی میرے ساتھ دنیا سے	تزار و برق سے بھی عرصہ ہستی کو کم پایا
---	--

اس سے ظاہر ہے کہ حسرتیں پہلے نہیں گئی تھیں اب جاوہنگی اسی طرح عرصہ ہستی کو پہلے کم نہ پایا تھا اب پایا ہے۔

امیر

نہال عشق کو درد کے ہم سر بن کر لے ہن	ہمیں آنکھیں یہ دو نہریں ہن اپنے گلشن دل کی
--------------------------------------	--

اس سے ظاہر ہے کہ نہال عشق کو آگے سر بن نہیں کیا تھا اب کرتے ہن۔

برق

دیکھ لین تم بھی بادل لیتا ہی کیونکر کوئی	ہاں اشارہ کرے وہ چشم فسونگر اپنا
--	----------------------------------

دیکھ لین سند ہم سند الیہ و لیتا ہی سند ہی اور کوئی سند الیہ اور کرے سند کا و پریم سند الیہ۔

الحاصل سند اقسام مذکورہ بالا سے خواہ کسی قسم کا ہو جتنی قیدیں اُس میں طبعانی جائیگی اسی قدر زیادہ خصوصیت پیدا ہوگی اور یہ بات نہایت تسخس ہے پس اکثر سند فعل کو اور فعل کے مشابہہ پر جیسے اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ۔ اسم تفصیل مفعول بہ مفعول مطلق مفعول فیہ مفعول لہ مفعول معہ حال تمیز استثناء سے مقید کرنے ہن اور اس کے زیادہ وقوف حاصل ہوتا ہے جیسے اس شعر میں۔

دلغ

روح روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں | اُدھر جاتا ہوں دیکھیں یا اُدھر چروانہ آتا ہے
 رکھ کر فعل مسند وہ ضمیر فاعل مسند ایہ شمع مفعول بہ روح روشن بتربکیب توصیفی مضاف الیہ
 آگے طرف مکان مضاف پس مضاف مضاف الیہ سے ملکر مفعول فیہ یعنی طرف مکان فعل اپنے
 فاعل اور مفعول بہ اور مفعول فیہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا یہ اسم اشارہ اشارہ
 اسکا مضمون مصرع دوم کیونکہ جب اسم اشارہ ایسے جملے پر آتا ہے جو شروع میں کان بیانہ
 غظاً یا تقدیراً رکھتا ہو تو اسکا اشارہ اس جملے کا مضمون ہوتا ہے پس اسم اشارہ مع اشارہ
 کے مفعول بہ ہے۔ کہتے ہیں فعل فاعل اس کا ضمیر مستتر جو مسند الیہ مذکور کی طرف راجع ہے
 فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا دوسرے مصرع میں جانے اور آنیکا
 فاعل یروانہ بطریق تنازع کے ہے اور اُدھر اور اُدھر طرف مکان ہیں اور دیکھیں اگرچہ فعل ہے
 گریبان شک کا فائدہ دیتا ہے اس لیے مجازاً یا تغلیباً حرف شک سمجھا جاتا ہے اور یہی فائدہ
 حرف عطف سے مقصود ہے اور چونکہ شک میں مبالغہ منظور تھا اس لیے تاکیداً دو حرف شک
 کو استعمال کیا۔

اسیر مینائی

کہہ رہی ہر خشرمین وہ آنکھ شرمائی ہوئی | اب اسے کیسی اس بھری مغل میں رسوائی ہوئی
 کہہ رہی فعل اور خشرمین مفعول فیہ یعنی طرف مکان اور وہ آنکھ ذوالحال اور شرمائی ہوئی حال
 ہے حال ذوالحال سے ملکر فاعل کہہ رہی کا ہوا اور جملہ دوم مفعولہ ہی کہہ رہی کا۔

میر حسن

یہ کہہ اُسے رُو رُو آتا رسنگار | کیا اپنی پشواز کو تار تار
 یہ کہہ میں کہ جو عطف کا فائدہ دیتا ہے محذوف ہے یعنی یہ کہ مکر مقصود ہی مطلب یہ ہے کہ دل
 یہ کہا پھر اُسے رُو رُو کر اپنا سنگار آتا اور اپنی پشواز کو تار تار کیا اُس نے ذوالحال ہے رُو رُو
 حال ہے حال ذوالحال سے ملکر فاعل ہے اوتارا کا سنگار مفعول بہ ہے جس کی علامت یعنی لفظ کو
 محذوف ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہے اور
 حرف عطف دونوں مصرعون کے درمیان سے محذوف ہے اپنی پشواز کو بتربکیب اضافی
 مفعول اول کیا فعل ماضی مطلق مشتق کرنے سے ضمیر مستتر اس کی راجع ہے مسند الیہ کی طرف

اسکا فاعل ہے تا رتا دوسرا مفعول ہے و فون مفعول مل کر مفعول بہ ہوا یہ قاعدہ کلیہ ہے
یہ پہلے مفعول کے بعد علامت مفعولیت کی لاتے ہیں اور دوسرے کے بعد نہیں لاتے ہیں
بلکہ دونوں کو ملا کر مفعول بہ سمجھتے ہیں فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ بن کر
معطوف ہوا معطوف معطوف علیہ سے ملکر جملہ معطوفہ ہوا۔

ذوق

پہر کرتے کو جو صیاد لے جا ہی مقراض ہاتھ ملتی تھی مرے حال پہ کیا ہی مقراض
پہر کرتے کے بعد کہ واسطے کے معنی میں ہے جو میان علت و سبب کے لیے ہے پس پہر کرتے
مفعول نہ ہو اور جو حرف شرط ہے صیاد نے فاعل جا ہی فعل مقراض مفعول فعل اپنے فاعل اور دونوں
مفعولوں سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط ہو اور دوسرا مصرع جزا ہے۔

ظفر

کسی نے اسکو سمجھا یا تو ہوتا کوئی یا نہ تک اسے لایا تو ہوتا
کسی کے فاعل اسکو مفعول بہ سمجھا یا تو ہوتا فعل پس فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر
جملہ فعلیہ ہوا اسی طرح دوسرا جملہ فعلیہ ہے۔

ناخ

نہا رہے ہیں وہ غیروں کے ساتھ گنگا میں نہا میں ہم بھی نہ کیوں آنسوؤں کے دریا میں
نہا رہے ہیں فعل وہ فاعل غیروں کے ساتھ مفعول مع گنگا میں مفعول فیہ فعل اپنے فاعل
اور مفعول مع و مفعول فیہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

سودا

چھینکتا جاڑے کا جو چھینکیں میں اک سخن ہو تو لاکھ چھینکیں میں
چھینکتا مفعول مطلق ہے چھینکیں کا چھینکتا مضاف ہے اور جاڑا مضاف الیہ مضاف
مضاف الیہ سے ملکر مفعول مطلق ہے اور چھینکیں میں فعل حال ہے ہم فاعل مستتر ہے پس فعل اپنے
فاعل اور مفعول مطلق کے ساتھ ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

نشوی سعدین

چل گئی یاں چھری چلی وہ چال چل گیا یا مال
چال مفعول مطلق ہے چلی چلی کا جو سند ہے۔

الش

نصیحت کانگوڑا ہر گھڑی کیوں مینا پیسے بڑا دانا جو ہو چکی میں کیوں چھوٹوں کو دل ڈالے

مہر

مثال بت سب سب میں بے حس یہ دیکھو قر خدا کی نیند میں
یہ جاگے تھے ابتدا میں کس طرح ن جو سوئے ہیں اتنا کی نیند میں
دوسرے مصرع میں نیند میں سوئے میں کا جو مسند ہی مفعول مطلق میں غیر لفظ ہے۔

مسند فعلی کی تقید شرط کے ساتھ

مسند جبکہ فعل یا شبہ فعل ہوتا ہے تو کبھی اسکو جملہ شرطیہ کے ساتھ مقید کر دیتے ہیں اور اس سے
بہت سے فائدے حاصل ہوتے جو حرف شرط کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رکھو کہ علماء سے
عربیت کے نزدیک کلام جزا ہے اور شرط کو کلام میں کوئی مداخلت نہیں وہ صرف حکم خدا کے واسطے
بطور قید کے ہے جیسے دوسرے فضلات پس جو حال ظرف اور مفعول وغیرہ کا ہو وہی اس کا ہے
پس کلام جزا ہی ہے شرط ایک قید ہے ہنرے حال یا ظرف کے اور وہ کلام جس حالت پر شرط سے
قبل ہوتا ہے اسی حالت پر شرط کے بعد بھی رہتا ہے پس اگر جزا جملہ خبریہ ہوگی تو شرط کی قید لگنے سے
خبریہ ہی رہے گی اور اگر انشائیہ ہوگی تو شرط کے بعد بھی انشائیہ ہی رہے گی اور قید کے بعد جملہ شرطیہ خبریہ
یا جملہ شرطیہ انشائیہ بولیں گے غرض کہ شرط کو جزا میں کوئی دخل نہیں ہے وہ ایک قید ہے جزا کے لیے
پس اس مثال میں۔

جرات

گر ند بکھو نگا تمھیں تو اور ہو نگا بقرار اس میں رسوائی ہے کچھ ملنے میں رسوائی نہیں
یہاں جزا اور بقرار ہو نگا ہے اور یہ جملہ خبریہ ہے تو مع شرط کے بھی یہی جملہ خبریہ رہے گا۔

غالب

الفسخ انجمن اردو سے ماہر کھینچ اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ
یہاں انتظار ساغر کھینچ جزا ہے اور یہ جملہ انشائیہ ہے۔

دل

فنا کو سونپ کر شاق پر اپنی حقیقت کا فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلشن کا

فنا کو سونپ جڑا ہے اور یہ جملہ انشائیہ ہے۔

شکستہ

قد کا کل کے دبر کے اگر مضمون بید ہو سکے اسے لکھ کر الف اور لام کی تفسیر پر رکھو

الف اور لام کی تفسیر پر رکھو جواب شرط بغنی جڑا ہے اور یہ جملہ انشائیہ ہے۔

نفس شرط اگر جملہ خبریہ ہو تو حرف شرط اس پر داخل ہو کر اس کو مرکب ناقص بنا دیتا ہے اسی طرح اگر جملہ انشائیہ ہو تو اس کو بھی مرکب ناقص کر دیتا ہے پس یہ دونوں قسم کے جملے حرف شرط کے آلے کے بعد خبریت اور انشائیت پر باقی نہیں رہتے بلکہ مرکب ناقص بن جانے میں جو کلام اور مرکب نام سے خارج ہے اور منطقین کے نزدیک شرط جزا دونوں خبریت سے خارج ہو جاتے ہیں کیونکہ حرف شرط دونوں کو انکی اصل سے خارج کر دیتا ہے پس ان کے نزدیک حکم جزا کا بھی اعتبار نہیں رہتا بلکہ شرط جزا دونوں کا مجموعہ کلام خبری سمجھا جاتا ہے اور دونوں میں ملازمت ہوتی ہے پس ذوق کے اس شعر میں۔

ہوتی اگر عقدہ کشائی نہ بدائشہ کے سلفاً از ذوق حل کیونکہ مرا عقدہ مشکل ہوتا

اہل عربیت کے نزدیک ذوق کے عقدہ مشکل کے حل ہونیکا حکم بدائشہ کے ساتھ عقدہ کشائی ہونیکے وقت یا حال میں ہی پس محکوم علیہ ذوق کا عقدہ مشکل ہے اور حل ہونا محکوم بہ ہے اور شرط کو اس میں کوئی دخل نہیں وہ ایک قید ہے محکوم علیہ و محکوم بہ کے حکم کے لیے اور منطقین کے نزدیک ذوق کے عقدہ مشکل کے حل ہونے کے زوم کا حکم بدائشہ کے ساتھ عقدہ کشائی ہونے کے ساتھ ہی پس اس وقت میں محکوم علیہ بدائشہ کے ساتھ عقدہ کشائی ہونا ہے اور محکوم بہ عقدہ مشکل کا حل ہونا ہے۔ جملہ شرطیہ میں زمانے کی قید حکم ثبوت اور دوام کا رکھتی ہے اور ماضی و مضارع اپنے معانی کو چھوڑ دیتے ہیں جب سورج نکلے گا دن ہے اور جب سورج نکلادن ہے ان دونوں جملوں کے ایک معنی ہیں مستفاد از موسیت حفظی۔ یاد رکھو جملہ شرطیہ میں پہلے جملے کو شرط اور دوسرے کو جواب شرط کہتے ہیں اور جواب شرط میں ایک حرف جزا کا ضرور آنا ہے اور وہ اُردو میں تو ہے جیسے اگر تم آؤ گے تو میں پانچ روپے دوں گا اور کبھی اس حرف کو حذف بھی کر دینے میں۔

حروف شرط کی تفصیل یوں ہے۔

اگر اور گز ایسی چیز کے لیے لگاتے ہیں جسکے ہونے یا نہ ہونے کا یقین نہ ہو اگر نہیں لگاتے

انیس

گر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آپلے پائے نگاہ میں
دیکھو آنکھ سے نکل کے راہ میں ٹھہر جانا یا نہ ٹھہر جانا یقینی نہیں اگر یقینی ہوتا تو اگر نہیں نکلتے
ہی سبب ہے کہ اگر ہمیشہ فعل مستقبل پڑتا ہے ایسے کہ جو چیز ابھی ظہور میں نہ آئی ہو اس کے ہونے
یا نہ ہونے میں کلام ہوتا ہے۔

میر فتح الدین فخر

اگر وہ شوخ چشم آنکھیں لڑائیں اپنی آنکھوں سے
تماشا پسلیوں کا ہم دکھائیں اپنی آنکھوں سے
آنکھوں کا لڑنا اور نہ لڑنا یقینی نہیں۔

فتنی ریاض احمد ریاض

تو وہ آہو چشم پڑ جائے اگر گزار میں
گلزار میں جانا اور نہ جانا یقینی نہیں۔

(۲) ماضی اور حال یروہاں آتا ہے جہاں امر یقینی نہ ہو بلکہ ہو جانا یا نہ ہو جانا فرضی ہو جیسے
اگر غفلت سے باز آیا جفا کی تلافی کی بھی ظالم نے تو گیا کی پٹا

ذوق

وہ از خود رفتہ ہوں جسکی یہ خود ہے
خدائی میں اگر ڈھونڈا نہ پایا

حسن

جی اگر اس سے نگاہ شک سے دل جل گیا
دل اگر اسکو دیا دل ہاتھ سے جاتا رہا

آتش

کام ہمت سے جوا نرد اگر لیتا ہے
سانپ کو مار کے گنجینہ زہر لیتا ہے

(۳) کبھی اگر کو یقین کے محل پر لاسے ہیں گر شک کا ادعا بھی بسبب نارسائی اور
حسرت بسیار کے موجود ہوتا ہے جیسے۔

اہم نشین گرمی یہ شب کٹ جائے
تو میں جانو نگاہ اک بہار کٹا

شب کا کٹ جانا یقینی ہے مگر رازی شب کی وجہ سے عاشق کو حسرت مایوسی پیدا
ہوتی اس لیے ایسا کہا۔

تشنوی یوسف وزلیخا

اگر جان ہے ترے غم میں سدا ہی | اگر دل ہے سدا بچھڑتا

جان کا اور دل کا ہونا یقینی ہے مگر چونکہ معشوق کا وصل حاصل نہیں ہوتا تھا اس لیے
حسرت بسیار کی وجہ سے ایسا کہا۔

ذوق

پھر اگر آسمان تو شوق سے تیر ہی گردن | اگر خورشید نکلا تیرا گرم جستجو نکلا

مخاطب خدا سے تعالیٰ ہے اور یہ دونوں امر اگرچہ یقینی ہیں مگر قائل نے اپنی نارسانی کی وجہ
سے اگر شرطیہ کے ساتھ ذکر کیا اور یہ مطلب صوفیہ کے مذاق کے موافق پورا ہوتا ہے کیونکہ
وہ ہر شے میں باری تعالیٰ کا عشق مانتے ہیں پس کسی ہنکر کو یہاں ان باتوں کے غیر یقینی ہونے
کی نسبت اقراض کرنے کی گنجائش نہیں۔

یا تجاہل عارفانہ کی وجہ سے ایسا کیا جاتا ہے مثلاً خالد زید سے دریافت کرنے کہ تمہارا آقا
کمان ہے یا جو دیکھ وہ جانتا ہے کہ کمان میں ہے مگر آقا کے خوف سے یہ کہے کہ اگر کمان میں ہوگا
تو اطلاع دیتا ہوں اسیلے کہ آقا نے اُس سے یہ کہہ دیا ہو کہ جو کوئی تجھ سے میرا حال پوچھے تو بغیر
میرے مشورے کے اُس سے نہ کہنا۔

امومن

بچوڑ بیگے ہم اپنا دامن بچا | جہنم میں ہے اسے داعطا اگر آگ

حالی

کہتے ہیں حضرت انسان جو بڑائی میں قدم | گاؤ خزانے میں کیا جانے کس بات میں کم
مالکوں کے انھیں گر چھیلنے پڑتے ہیں ستم | دلتیں انکے لیے بھی ہیں مہتیا ہر دم

ولہ

کھیت سے اپنے بچھڑنے کا ہر گراں کو ملال | بدقین گندہ میں کہ لوٹا گیا یا ن عشق صال

ولہ

انکی گردن میں اگر قید کی رستی ہے پڑی | انہی بے بال و پری کی بھی کمانی رہی پڑی

ولہ

یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم	یاں اگر ذات تھی تو اس کی ذات
------------------------------	------------------------------

سودا لاشہ حضرت امام حسینؑ کی زبانی

انصاف کی تیغ سے میں بھی جواب کٹا تو کٹا	اگر کئے تو کٹے رن میں ست پائے کسین
---	------------------------------------

ولہ

اگر مرا ہے مجاسن بھی ہو سے لال	تو یہ دعا ہے کہ تو سرخ رو ہو روز قتال
--------------------------------	---------------------------------------

یہ تجاہل علم معافی کے نکات میں ایسے شمار پایا ہے کہ حال اسکا مقتضی ہو اور اگر اسکا ایراد بطور ظرافت کے ہوتا تو علم بدیع کے قبیل سے تھا۔
یا غرض اس سے عار دلانا اور تو تیغ ہونی ہی جیسے۔

حالی

ہیں ملے تم کو چشم و گوش اگر	یو جلی جائے کو رو کر کی خبر
تم اگر بانہ پانوں رکھتے ہو	ننگڑے لون کو کچھ سہا رادو

ولہ

مختلف آنکے الحق اگر یان ہی ہیں	سلف کے اگر فاتح خوان ہی ہیں
اگر یادگار عزیزان ہی ہیں	اگر نسل شرافت و اعیان ہی ہیں
تو یاد اس قدر انکی رہ جائے گی یان	کہ اک قوم رہتی تھی اس نام کی یان

یا اسوجہ سے اگر کو یقین کے محل میں لائے ہیں کہ مخاطب کو وقوع اور لادفع شہر کا یقین نہیں ہوتا پس اس کے اعتقاد کے مقتضا کے مطابق کلام کیا جاتا ہی جیسے۔

مومن

گردنی ہوں اس میں دم میں بھگو	ہو تیغ علیؑ کی مار بھگو
------------------------------	-------------------------

خوشتر

قسم ہے رام کی گرجان مانگو	تو حاضر ہے نہیں افسوس بھگو
---------------------------	----------------------------

اسی قبیل سے یہ قوں درد کا بھی بھنا جاتا ہے۔

مٹتا ہے تیری اگر ہے تمنا	تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
--------------------------	-------------------------

یا وقوع دلائل وقوع شرط کے عالم کو جاہل قرار دیکر اس طرح کلام کیا جاتا ہے اور یہ اس طاعت
 میں ہوتا ہے کہ وہ مقتضائے علم کے خلاف کام کرتا ہو جیسے کوئی اپنے باپ کو ستائے تو اسکو
 کہا جائے کہ اگر یہ تیرا باپ ہے تو اسکو ایذا نہ دینا چاہیے مخاطب خوب جانتا ہے کہ یہ میرا باپ
 ہے اور مقتضائے اس جاننے کا یہ تھا کہ باپ کو نہ ستانا مگر چونکہ ستاتا ہے تو اسکو بمنزلے جاہل کے
 قرار دیکر اگر کے ساتھ تعبیر کیا۔ ایک شخص اپنے حریف کے ظلم سے نالاں ہو کر کہتا ہے کہ اگر خدا ہی تو نبی
 اپنے کیے کی سزا پائے گا، تم جانتے ہو کہ شرطا مر شکوک پر ہوتی ہے اسی واسطے امر یقینی پر شرط نہیں
 لگانے چاہیے یہ نہیں کہتے کہ اگر آدمی ہر توین نے تمھکو بھائی بنایا، مگر جب اعتقادی یا مسلم امر کو
 شک میں ڈال کر تقریر کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ مخاطب مستنبہ ہو جائے کیونکہ وہ بھی
 ان باتوں کا معترف ہوتا ہے مگر جبکہ اپنے علم کے بموجب عمل نہیں کرتا تو اس کے ڈر لسنے کے لیے
 اس طرح اسلوب کلام اختیار کیا جاتا ہے اگر خدا ہے تو یہ بھی اپنے کیے کی سزا پائے گا، ورنہ مطلب
 اسکا یہ ہے کہ جس طرح خدا مسلم ہے ایسے ہی اس ظالم کے لیے سزا مقرر ہے اسی قبیل سے ہر حالی کے
 ان شعروں میں سے

بٹ جھوٹ بکنا اگر ناروا ہے
 مقرر جہان نیک دبد کی جزا ہے

بڑا شعر کہنے کی گر کچھ سزا ہے
 تودہ محکمہ جس کا قاضی خدا ہے

گنہگاروں جھوٹ جائیگے سارے
 جہنم کو بھر دیگے شاعر ہمارے

بڑے شعر کہنے والے شاعر اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ایسے شعر کہنے کی سزا خدا کے ہاں
 ضرور بلیگی اور عبت جھوٹ بکنا بیشک ناروا ہے مگر چونکہ وہ اپنے علم کے مقتضائے خلاف کام
 کرتے ہیں یعنی ایسے شعر کہنے سے احتراز نہیں کرتے اس لیے انکو بمنزلے جاہل کے قرار دے کر اگر کے
 ساتھ بیان کیا۔

ولہ

اُسی کی طلب میں مرد گر مرد تم

اُسی کے غضب سے ڈر و گر ڈر و تم

اعلمی

اور وہاں لیا گیا بیان اگر کچھ تو کفن
 ایک بھی واپس نہیں گزرتا تو نہیں شکر نکیر

ہیں بیان زلفیت کے کچھ اب کے سو پر ہیں
 بخشین صد ہا بیان پر ہیں حسین بے نظیر

(۴۷) جب صیغہ ماضی استمراری برآتا ہے تو منفی کو مثبت اور مثبت کو منفی کر دینا چاہیے۔

میر حسن

آنکھاری اُسے چاہ ہوتی اگر تو اب تک وہ تم کو نہ آتا نظر
یعنی اُسے آنکھاری چاہ نہیں ہو ورنہ وہ تم کو ضرور نظر آتا۔

غالب

اتری نانا کی سے جانا کہ بندہ طاعتِ محمدؐ ہو
تو نے محمد کو توڑ ڈالا اس لیے وہ استوار نہ تھا۔

ترس و عدد پہ جیسے ہم تو یہ جان بھوٹ جاتا

کہ خوشی کے مرجائے اگر اعتبار ہوتا

خوشی کے زمرے آئیے کہ اعتبار نہ تھا۔

پہنچتی ہمساری قسمت کہ وصال یار ہوتا

اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

یعنی نہ اور جیتے نہ انتظار ہوتا۔

ذوق

افج ہوئے کا مزہ جانتا گر صیدِ حرم آپ گردن پہ چھری پھیر کے بسمل ہوتا

جو نگہ صیدِ حرم ذبح ہوئے کا مزہ نہ جانتا تھا اس لیے آپ گردن پر چھری پھیر کر بسمل نہ ہوا۔

امانت

اتری مژہ پہ نہ ہوتا اگر بہ دل مائل جگر کا آبلہ کیون نوک خار پر ہوتا

مولوی قدرت اللہ قریش

اڈلفون بین اگر دل پہ گرفتار نہ ہوتا یوں روزِ مرا آہ شب تار نہ ہوتا

جو یہ بھی استقبال میں دہنی نمی پیدا کرتا ہے جو اگر کرتا ہے یعنی وہاں آتا ہے جانِ شرط کے
واقع ہونے اور واقع ہونے کا یقین نہو جیسے۔

اُجرات

کوئی آتش کا پرکالہ جو دقتِ خواب یاد آئے

تو بجلیوں کیوں نہ اٹکارے یہ گلمائے شمالی ہم

سودا

جو ناتوان نہ کرے دین و شکاری دین تو خار و خس نہ کون شعلے کو کچھویر

اور جو ماضی و حال میں آگاہی تو یقین کا فائدہ دیتا ہر مسئلہ

الشر

ہوتا ہے سن کے زرد جو امر و بدعی اس تم کی داستان ہے ہمارا داستان کیا

الحجرات

رکھا جو ٹٹ قدم سر پہ یار از رہ نصرت او باغ عرش ہے اس خاکسار کا پہوچا

الجرین

خیال زلف بتان میں جو بیج کھاتے ہیں مڑوٹے ہو ہو کے پیمیش کے دستہ تے ہیں

الشر

جبین پر اپنے آستان کو جو اس محبوب چھوٹا کتاب چہرہ نے نقشہ دکھایا لوح قرآن کا

اصالت

بوسہ جو مانگتا ہوں تو انداز و ناز سے بھکود کھات ہیں وہ انگوٹھا ہلاک ہاتھ

امیر

اڈرے آستان کے جبین پر جو دیکھتے دیکھتے اختر طالع خورشید چمکتے دیکھتے

امیر

بہر عالم میں بر آفت لازم ای اہل کمال کوٹنے کا خوف ہی قطرہ جو گوہر ہو گیا

اور جب اسکا مدخول ماضی تمنائی ہوتا ہے تو اسکا وہی حکم ہے جو اگر کاہی کہ نسبت کو منفی بنا دیتا ہے اور منفی کو مثبت کر دیتا ہے مسئلہ

غالب

اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ پر وہ یگانا جو دوئی کی خوب ہوئی تو کمین دو چار ہوتا

یعنی چونکہ اُس میں دوئی کی خوب نہیں ایسے دو چار نہیں ہوتا

امانت

انہو جو سبزہ خطا بسا رہتے ہوتا نہ بند یار کا طوطی ہزار میں ہوتا

جب یہ کلمہ از استقبال پر تائب ہو تو دوا شرط کا فائدہ دیتا ہر داس سے تعین زمانہ

مقصود ہوتی ہے اس میں اور اگر میں ہی فرق ہے۔

الشا

جب ہوا کھلے گھر آئینے تو دیکھینگے ناچ

وضع پر ہند کی ہر باغ میں جگا کھن

ظفر

وہ شکار انداز جبے ہاتھ میں اپنے تنگ

برق خراجے رنجاک کھلے اڑتی ہوئی

اور جب ماضی و حال پر آتا ہے تو خرم و یقین اس سے مطلوب ہوتا ہے جیسے۔

ذوق

میں اپنے ذوق کے قربان کہ مستی میں محبت کی

بلا یا کسے اس کو جب وہ آیا ہے طلب آیا

آتش

جب میں جانا ہوں تو چھ بھر کے دن کہنے میں

بند آئی ہے میں آپ بھی آرام کریں

مومن

جب سے وہ گئے ادھر نہیں یاد کیا

پوچھی نہیں کچھ خبر نہیں یاد کیا

میر حسن

کئی دن جب آپ گئے اور بھی

بڑے لگے پھر تو کچھ طور بھی

میر تقی

جب تک کہ ترا گذر نہ ہو دے

جلوہ مری گور پر نہ ہو دے

ناسخ

جب تک نہ آپ پاک دہان نبی پیا

اس شیر کے نہ دل میں خیال یا شیر کا

درد

مراجی ہے جب تک نری تنجو ہے

زبان جب تک ہے ہی گفتگو ہے

جوہرین اس میں مدنون امرون میں شدت التزام اور امرتانی کا اول پر شدت مترتب

و نا بھی مقصود ہوتا ہے جیسے۔

ناسخ

ادم بکبل اسیر کاتن سے نکل گیا

جھونکا سیم کا جوہرین سن سے نکل گیا

ظفر

سبز رنگ دست نرم جوہن ترا قاتل مچھا | خون جسم ناتوان تل تل گھٹا تل مچھا
جب کبھی یہ تعیین زمان کے واسطے آتا ہے اگر استقبال پر آگیا تو وہی شرط کا فائدہ لے گا اور
اگر راضی و حال پر آگیا تو اس سے وقوع فعل میں یقین پایا جائیگا جیسے۔

حبیب کبھی خوش پہ آجاتا ہی دریاے الم | کشتی دے کے دسے سے گذر جاتا ہوں

جسوقت طرف زمان ہے مجاز شرط کے لیے استعمال کر لینے میں مگر وقت اس سے ماقط نہیں ہوتا
بلکہ تعیین زمان کا فائدہ دیتا ہے جب شرط کے لیے ہوتا ہے تو جواب شرط پر جزا کا حرف ہوتا ہے
مذکور ہوا مقدار جیسے جسوقت تم آؤ گے میں بھی آؤں گا یعنی میرا آنا اسوقت ہوگا جب تمھارا آنا وقوع میں آگیا
مدعا یہ ہے کہ اپنے آنے کا زمانہ متعین کر دیا اور اگر صرف زمانہ مقصود ہوتا ہے تو جزا کا حرف اس پر نہیں
آتا یہی حال حرف جب کا ہے۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ شرط کے لیے استعمال پایا ہے تو وقت کا لحاظ نہیں
ہوتا کیونکہ اگر وقت کا بھی لحاظ ہوگا تو حقیقت و مجاز کا ایک استعمال میں جمع ہونا لازم آئے گا مگر یہ
اعتراض صحیح نہیں اسلئے کہ حقیقت استعمال اس کا وقت ہی کے لیے ہوتا ہے اور شرط کے معنی
بطور تضمن کے لازم آجاتے ہیں اس طرح کہ طرز کلام سے ایک جملے کے مضمون کا حصول دوسرے
جملے کے ساتھ مفید ہو جاتا ہے۔

انیس

کچھ ہو گا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے نہیں | جسوقت گذر جائے گا پانی سر سے
اور جب یہ لفظ ماضی و حال پر آگیا تو اس سے یقین پایا جائیگا۔

دوق

نیرہ ردی کے تری مہ جہاں تاب کا نور | ویا جسوقت اُٹھ کر نک شب تاب بنا
جہاں نیم زمان کے واسطے آتا ہے جیسے میر کے اس شعر میں۔

کبھی دن کی نہ کہنے پائے اُس سے | جہاں بولے گا کہنے کہ بس ہیں
یعنی جسوقت آج کبھی تعمیر مکان بھی اس سے منظور ہوتی ہے جیسے غالب کے اس شعر میں۔

جہاں تیرا نقش قدم دیکھتے ہیں
خیابان خیابان ارم دیکھتے ہیں

یعنی جس جگہ آج۔

میر حسن

اجہان بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اُسے محبت میں دن رات گھٹنا کئے

غالب

حریف جو شمش دریا نہیں خود داری سطل ا جہان سائی ہو تو باطل ہر دعویٰ ہوتیاری کا
 ہر چہ اور اگر چہ اور اگر چہ اور اگر چہ جس جگہ پر داخل ہوتے ہیں وہ اسکا مضمون متوہم
 ہو جاتا ہے ایسے لیکن یا کوئی دوسرا لفظ اسکا مراد استہراک کے لیے اُسکے جواب پر لفظ
 یا نقد پڑانا واجب ہوتا ہے۔

طالب رامپوری

ہر چہ روسید میں بے نور دے بصر تھا لیکن بزرگ سرمہ منظور ہر نظر تھا

مختصر

گرچہ الطاف کے قابل دل رہتا لیکن اس جو رد جفا کا بھی سزاوارتہ تھا

میر حسن

اگرچہ وہ بی فکر و غیور ہے اس کے پرورش سب کی منظور ہے

غالب

گو میں ہا رہیں تمہارے روزگار لیکن ترے خیال سے غافل نہیں ہوں

حالی

گو منت قیصر ہے ہر قوم اگر انبارا احسان مگر اسلام پہن اس کے گزائر
 فوائد متفرق حرف شر کو بھی حذت بھی کر دینے آئیں اسی طرح حرف خرا کو بھی مثلاً۔

غالب

اے نہ جان تو قال کو خوبہادت کے زبان تو خنجر کو مرجبا کہیے
 بیٹے اگر زبان کٹے اور اگر جان نہ رہے تو ایسا ایسا کرنا چاہیے۔

دسوز

وہ سحر زلفوں کے دھماکے ہیں تو ہم انہو بہانے میں
 وہ دن کو رات کہتے ہیں تو ہم آہ سے دکھاتے ہیں

شاد حیدر آبادی

تم بھی بانگے ہوا دا بھی ہر تمھاری باتلی
تم اگر بات نہیں کہتے ہو یہ بھی نہ سہی
کوزہ و جام بنائی کی تو بھی خاک مری
اسکے بھی کام کی گریہ نہیں مٹی نہ سہی

حسرت

سرور کرے جو سرکشی قد کشیدہ کو دکھا
گل جو دکھا دے پیر میں کھول قبا کہ اس طرح
اگر کوئی تجھ سے یہ کہے رات کی دن ہو کس طرح
جلد سے تو نقاب کوٹھ سے اٹھا کہ اس طرح
ہر کہے کوئی بہشت میں کیونکہ یہ لوگ جائینگے
پیار سے عاشقوں کو تو کھر میں بلا کہ اس طرح

یو چھے جو تیغ کیونکہ دل حسرت زار کا لیا
اسکو بھی تو دکھا دے یار ایک ادا کہ اس طرح

ظفر

گرد جوائے شہسوارائی نظر اڑتی ہوئی
تیرے آنے کی ہین پونجی خبر اڑتی ہوئی
(ب) کبھی سند کی شرط پر جزا کو مقدم کر دیتے ہین جیسے۔

غالب

تجھے تو کچھ کلام نہیں لیکن ای زندیم
میرا سلام کیو اگر نامہ بر ملے

صحت

محفل میں رہ گئے کف افسوس ملے ہم
پردے میں ناز سے جو چھپائے دکھا کے ہاتھ

محشر

اتخذ الخت جگر جابو مجنون کو لیے
اگر تو اے قاصد اشک بکے بیان کو چلا

نویان بھر یہ کہنے ہین کہ اگر جزا مقدم ہو تو شرط کے لیے اور جزا سے مقدم رمانے ہین اور
جزا سے مقدم کو اس پر دلائل کر کے والا جانتے ہین اور کو فیون کے نزدیک جزا سے مقدم ہی کو شرط
موجہ کی خراماتے ہین اور دونوں کے نزدیک ایسی حالت میں کہ جزا مقدم ہو شرط کا ماضی ہونا
لازم ہے لیکن یہ زود عربی زبان سے مخصوص ہے اردو میں باوجود جزا کے مقدم ہونے کے
شرط غیر ماضی بھی ہوتی ہے جیسے۔

اپنی نگینیں چکیتی ہوئی دکھا اینکے الشاہد فی جو میرن نہرہ سورج کی کرن

غالب

نہ سُنو گڑبڑا کے کوئی
نہ کہو گڑبڑا کرے کوئی
روک لو گڑ غلط طے کوئی
بخش دو گڑ خطا کرے کوئی

(رج) کبھی بوجہ قرینہ دالم کے جزا کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کے مؤکدات کو قائم مقام کر لیتے ہیں۔ جیسے۔

حالی

اچرخ کودے اگر وہ حکم سکون
ہو غلط نسخہ نسخین و شہوریا

یعنی اگر وہ آسمان کو ٹھرنے کا حکم دے تو ٹھہ جائے اور اس کے ٹھرنے سے سیاروں کی گردش موقوف ہو جائے اس لیے سال و ماہ کا حساب جاتا رہے اور زمانے کا انتظام ہو کر جائے نسخہ نسخین و شہور کا غلط ہونا جزا کا مؤکد ہے۔

ولہ

کہا در ہو یہ بھی اگر بند اس پر
کما اسپہ بجلی کا کرنا ہے بہتر
پہلے مصرع کے بعد جزا محذوف ہے اور مصرع دوم اس کا مؤکد ہے۔

ذوق

ای ذوق شہید اسکو کرنے میں کمی عاشق
کرتی ہے اگر سبقت کیا دیر لگائی ہے

یعنی اگر سبقت کرتی ہے تو کیا دیر لگائی ہے جزا اس میں محذوف ہے اور کیا دیر لگائی ہے جزا کا مؤکد تھا اس کی جگہ رکھا گیا۔

احسان شاہ جہان پوری

کوچہ یار میں مٹا ہے تو پھر دیر ہے کیا
چھکو سمجھا مٹنے کے ہم ای دل شیدا کب تک

عاشق

دانتوں میں زلف کو چوہا بنے ہو بار بار
کایکا خاک سناں کا جب سر کھیل گیا

جزا محذوف اور دوسرا مصرع اس کا مؤکد ہے۔

کبھی بغیر مؤکدات کے قائم کیا ہوے باغیا قرینہ سابقہ کے حذف کر دینے ہیں جیسے۔

گلزار نسیم

جسوقت وہ گل چین کے لایا
کہنے لگی تو مراد پائی
محمودا خوش ہوئی کہ آیا
بولا کہ جویان سے ہو رہائی

یعنی اگر بیان سے رہائی ہو تو جانیں کہ مراد پائی نہیں تو نہیں چونکہ جزا مقدم مذکور ہو چکی تھی
اس واسطے اُسے حذف کر دیا تاکہ بحث سے احتراز ہو۔

امیر مینائی

جمع ہیں سینے میں پیکان تیر کے
یعنی اگر اک دل گیا تو کیا ہوا۔
سیکڑوں دل ہیں اگر اک دل گیا

اُس تغزل سے کیونکہ قاصد مراد پائی سے
جب تک جزا کلام میں معتبر ہو سکے تو اس کے حذف کا قائل ہونا چاہیے اس لیے کہ اصل ہرگز جبکہ
قطعی طور پر معلوم ہو کہ یہ قائل کی مراد نہیں ہے۔
کبھی جزا کو حذف کر دیتے ہیں اور اس کی علت کو اس کی جگہ رکھ دیتے ہیں زیادتی قوت کیلئے
کہ گویا مضموم مدلل ہے۔ جیسے۔

نسیم

بیجا تو ملے کا جانور ہوں
یعنی اگر بیجا تو کچھ فائدہ نہ ہوگا کیونکہ ملے کا جانور ہوں اور اگر ذبح کیا تو کچھ فائدہ نہ ہوگا
کیونکہ شست پر ہوں۔

غالب

جان دی۔ دی ہوئی اُسی کی تھی
یعنی اگر جان دی تو اچھا ہوا کیونکہ اُسی کی دی ہوئی تھی۔
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ولہ

ہے زبان میری تیغ جو ہر دار
ہے قلم میری ابر گو ہر بار
ہے زم کی داستان گر سینے
ہے بزم کا انزام گر سب کے

کبھی فعل شرط بھی محدث ہوتا ہے جیسے۔

ناسخ

لازم ہے کہ مسافرون کا آغاز | آغاز نہیں تو اذ ضرار سے باز |

یعنی اگر آغاز نہیں کرتے تو اذ ضرار سے باز آؤ۔

امیر

نہیں تو نے دیکھا ہے اس بُت کو زاہد | یہ ایمان ہرگز سلامت نہ رہتا |

یعنی اگر دیکھ لیتا تو یہ ایمان ہرگز سلامت نہ رہتا۔

جو کہ شرط ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مطلق کرنا ہے اسلئے یہ چاہیے کہ شرط و جزا میں اختلاف لفظی نہ ہو اس طرح کہ ایک ماضی ہو اور دوسرا مستقبل و علیٰ ہذا مگر کبھی کسی نکتے کے واسطے شرط و جزا کے صیغوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ ماضی کی طبیعت مضارع سے زیادہ تحقق وقوع پر دلالت کر لے والی ہے اور مضارع کی طبیعت ماضی سے زیادہ وقوع کی تہنیک اور اس کے حدوث کے تجدید پر دلالت کرنے والی ہے جیسا کہ الخواطر الحسان فی المعانی والبیان میں ہے جسکی تفصیل یہ ہے۔

۱) غیر حاصل کو معرض حاصل میں ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ استقبال کا معنی کو کہ ابھی حاصل نہیں ہوئے ہیں ایسے لفظ کے ساتھ جو ان معنی پر دلالت کرتا ہے جو فی الحال حاصل ہیں مثلاً حال کا صیغہ یا زمانہ گزشتہ میں حاصل ہو چکے ہیں جیسے ماضی صیغہ ظاہر کرتے ہیں اور وجہ اسکی یہ ہوتی ہے کہ جبکہ غیر حاصل کے اسباب قوی ہوئے تو وہ حاصل مان لیا جاتا ہے مثلاً۔

غالب

یہی ہے آزمانا تو ستا ناکس کو کہتے ہیں | ردے ہو پے جب تم تو میرا امتحان کیوں ہیں |

شرط میں ماضی ہے اور جزا میں استقبال تو نکتہ اس میں یہ ہے کہ غیر حاصل کو حاصل ظاہر کرنا منظور ہے یعنی گو مشوق ابھی تک عدد کا نہیں ہوا ہے مگر وجہ قوت سبب کے لئے عدد کا ہوئے کے اسباب قوی موجود ہونے کی وجہ سے اسکو عدد کا ہوا ظاہر کیا۔

حالی

نن آسانیاں چاہیں و سابر بھی | وہ قوم آج ڈوبے گی کرکٹ ڈوبی |

(۲) یہ ظاہر کر نیکو کہ جزا کا وجود بخوبی ثابت و مقرر ہے جیسے۔

دبیر

کیا خوب دلیل ہے خوبی کی دبیر سمجھے جو ہر آپ کو اچھا وہ ہے

یہاں مناسب یہ تھا کہ جزا میں بھی استقبال کا صنف ہوتا مگر اس نکتہ بدیعی کی وجہ سے ایسا کیا

شہر آشوب ناظم

پہلو جو چمک کتاب ہے تو آج ۱۷ گابشی ادب ہاتھ کھجاتا ہے تو دیکھا گیا بکاشنی

وزیر

مری جاؤنگا اگر صبح کا تارا نکلا یاد آئے گا کسی بہ کا ڈر گوش مجھے

مومن

بالطبع گر کریم ہو تو مفلس بھی ہے کریم ہوتا ہے سائے کا شجر بے ثمرے فقیر

ظفر

کہون میں حسن میں گر تجھ کو رشک ماہ کنعالی تو جھوٹ اس میں بتا دی ماہ سیکر کیا ہون ہی ہے

(۲) معنی مستقبل کو جملہ شرطیہ میں ماضی کے ساتھ اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس معنی کی شان وقوع کی طرف مائل ہوتی ہے پس اسے ایسے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو واقع شدہ پر دلالت کرتا ہو کیونکہ جو غمہ اس چیز سے جو واقع ہو مترتب ہوتا ہے وہی غمہ فی الجملہ اس سے بھی مترتب ہوتا ہے اور یہ بھی غیر حاصل کو معرض حاصل میں دکھانے کی ایک صورت ہے جیسے مریض کے کہ اگر میں مر گیا تو اچھا ہوگا۔

مولوی نذیر احمد

دو اکا میلہ ای گردقت ابھی نہیں آیا تو ہوتے دیکھا ہی جنگی سے خاک کی آرام

میر

کسان پھر شور و شیون جب گیا میر یہ ہنگامہ ہی اس ہی نوہ گرتک

گلزارِ سکھ

ہو تجھ سی پری جو خصم جانی
انسان کی ہے مرگ زندہ گانی

(۴) سننے والے سے تفاؤل منظور ہوتا ہے کیونکہ حکم جس چیز کا خواہش مند ہوتا ہے اسکو ایسے لفظ سے تعبیر کرتا ہے جو اس کے حصول پر دلالت کرتا ہے جیسے کوئی کہے اگر حسن خاتمہ نصیب ہوا تو بہت ہی اچھا ہوگا۔

مومن

ہو حق وفا و ادا قضا نے چاہا
ہے ترک علاج اُن مومن کا مومن

کہے کا سفر بخت رسائے چاہا
دیکھو چاہیے گئے گز خدانے چاہا

میر

باقی یہ داستان ہو اور کل کی رات ہو
امین بخلص حافظ محمد امین

امین اپنا رہا ثابت جو ایمان
ریشم لدولہ بیدار

اگر عالم رویا میں ہوا وصل کا سلمان
یارب ہو عیان خواب کی تعبیر کبھی

حالی

ہاں مگر کچھ اُمید بندھتی ہے
جب ترے کاروان میں جا پہونچا

تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
پھر رہا باب خلد کتنی دور

(۵) وقوع شرط پر اظہار رغبت کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔

فدا

وصف چشم شوخ کا آیا اگر مجھ کو خیال
مرغِ اُطرب بھین ہرن ہو جائے گا

سوز

جب تلک نکھن کھلی ہر نہ کہہ دیکھیں گے ہم
مزد گئیں جیہ گھڑیاں تپ سوز سب آئندہ ہم

میر بہادر علی محبت

آئینہ آراہم خون سے خون بہا دل کا
لوہ کا دست نگارین سے خون بہا دل کا

آتش

نالہ بلیل شیدا میں اگر ہے تاثیر
دست صیاد میں گچھین کا گویاں ہوگا

ذوق

عبث جان نظر ہونڈو نہ ہو وہ شوخ کہتا
 کبھی خرابی میں وہی فعل آتا ہے جو شرط میں ہوتا ہے اور مفہوم انخالف پیدا ہوتا ہے اور جملہ شرطیہ
 فرض پر محمول ہوتا ہے۔

وزیر

یار بھر جائے تو بھر جائے پر تبادلہ ساز
 صفت قبلہ غار رہتا ہے یک سو ہو کر
 یعنی اگر بالفرض یار بھر جائے مگر تبادلہ ساز نہ

سلاح

اکہی ایکے سالوں میں اگر بے تکلف
 امارے زخم پھیلائے ہو بیٹھے میں دامن کو
 یعنی بالفرض اگر برے تو نمک برے۔

میر

مر گئے ہم تو مر گئے توجی +
 دل گرفتہ تری بلا ہو دے
 یعنی بالفرض ہم مر گئے تو توجیتا رہ حرف شرط اس میں محذوف ہے۔ اسی طرح۔

میر حسن

دگر مر گئی تو بلا سے موی
 تو یوں جانو مجھ بہ صدقے ہوئی

سودا

ویکی جیکہ چاٹ کر چھوڑے
 مستح کو کھانے سے میڑے تو مورے

ظفر

کیون ستاتے ہونا صحو مجھ کو
 گر ستا دے نودہ ستالے دو
 سر کی پروا نہیں ہے شمع صفت
 گر جلا دے مجھے جلائے دو

ذوق

کسی یکس کو ای بیدار گراما تو کیا مارا
 جو آپی مر رہا ہوا سکو گراما تو کیا مارا

ولہ

اُسے چنے بہت ڈھونڈا نہ پایا
 اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

ذکر مسند

مسند کا ذکر اس لیے کرتے ہیں کہ وہ اصل ہے اور اس بات سے عدول کرنے کے لیے کوئی متعفی نہیں ہوتا۔

مولوی سید اکبر حسین

وہ دو چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہل نقوے میں بار مضطر
بزرگ بھی طفل دلو اپنے سکھار ہے ہیں گناہ کرنا
دو چرخ مسند الیہ ہے اور آرہا ہے مسند ہی اہل نقوے مسند الیہ ہے اور زار و مضطر مسند ہی ترک
مسند الیہ ہے اور سکھار ہے ہیں مسند ہی اپنے طفل دلو پہلا مفعول ہے اور گناہ کرنا دوسرا مفعول ان
میں سے کوئی مسند ایسا نہیں کہ قابل حذف و ترک ہوتا۔
یا قرینے پر اعتماد کمزور ہوتا ہے تو احتیاط ذکر کرتے ہیں۔

غالب

کچھ خریدا نہیں ہے ابکی سال | کچھ بنایا نہیں ہے ابکی بار
کچھ خریدا نہیں ہے اور کچھ بنایا نہیں ہے میں نے کی خبر میں اگرچہ دولوں قریب قریب میں
بیان قرینے پر اعتماد کمزور تھا اس لیے ایک کو حذف نہیں کر سکے۔
یا سامع کی فباوت پر تعریض منظور ہوتی ہے مثلاً کوئی پوچھے کہ تمہارے بنی کون ہیں تو جواب
دے ہمارے بنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس بیان ہمارے بنی کو کہ مسند ہے محمد کے ساتھ جو علم ہے
ذکر کیا حالانکہ فرنیہ سوال سے معلوم ہو سکتا تھا اس ذکر کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ
منظور ہے کہ مخاطب غبی ہے قرینے سے نہیں سمجھ سکتا۔
یا نرحم کے لیے مثلاً حضرت علی اصغر کے پاس سے جان بلب ہو نیکی وقت انکی مان کئے لگین۔

انیس

کیا ہو گیا اس صاحب اقبال کو میرے
ہے ہے بے جاتی ہے اجل لال کو میرے

ایضاً

اچھ حق میں اس کنیز کے فرما کے جائیے | صاحب کسی جگہ مجھے ٹھہلا کے جائیے

یہ بات حضرت امام کی رخصت کے وقت سہریاؤں کے فرمائی تھی۔
یا غیر سائل کے سنا نیکیے یہ مثلاً۔

انیس

استہ کی مظلومی پہ گریان ہوئی کھلم کی سیا
بوللا وہ اشہد باشد بجا کہتے ہیں شاہ

مُرنے جو مسند کو بیان کیا اُسکی وجہ یہ بھی کہ اُس کی بات کو غیر سائل بھی سُن کر امام کی طرفدار بنی
آمادہ ہو جائیں۔

تہدید کے لیے ذکر کرتے ہیں۔

نفسی

جدھر قلب میں شاہ کا اُس بھٹا
سواناں ایران کو میدان میں

میں مسند الیہ ہی اور تہ تیغ کھینچوں مسند اور غرض مسند کے ذکر سے ایرانیوں کو ڈراتا ہے۔

ولہ

وہ میں ہوں دلاوریل نامجو
کیا کشتہ اک دم میں زنگام جنگ

وہ میں مسند الیہ ہی اور دلاوریل نامجو مسند ہی اور خلیفہ کیلئے اسے یہاں ذکر کیا ہے اور دوسرے
شعر میں شکلم کی دلاوری کا بیان ہے۔

ہوس نوقل کی زبانی اقربائے سیلی کو

اے بھیران میں بد بلا ہوں

انسان خورندہ اژدہا ہوں

بد بلا اور انسان خورندہ اژدہا مسند ہیں کہ تہدید کیلئے ذکر کیا ہے۔

نفسی

گماشتی نے ڈرین جن جو میری تیغ چلے
جسے میں غیظ سے دیکھوں موت سے سرٹلے

پکڑاؤں شیر کی گردن اگر تو سانسی لے
جری وہ میں ہوں کہ کاٹے میں سکرڑنے لگے

ولہ

وہ میں ہوں ضیغِ نرسب کے زور میں بالا
لو بہا کے تجھے اب جہان سے بھوتا ہوں

علی کے شیردن کے عویش میں جسے پالا
حسین کا ہوں بھتیجا علی کا پوتا ہوں

گلزارِ نسیم

تھوڑا لکھا بہت سمجھنا
در نہ میں بہت سا شکرِ گردنِ گی

کانٹوں میں اگر نہ ہوا الجھنا
آئینگا لودر گزر کر دن کی

شایان

بھرون اُسے اُسوقت میں جیف ہی یہ خیر ہے یہ گرز یہ سیف ہے

یا اس واسطے ذکر کرتے ہیں کہ معینِ کردین کہ مسند اسم ہے یا فعل پس اگر فعل ہوگا تو تجدد کا فائدہ دے گا تجدد سے مراد حدث ہے یعنی نیا کام کرنا جو پہلے فاعل کی ذات میں موجود نہ ہو اور فعل مسند کسی ایک زمانے کے ساتھ مقید ہوتا ہے اور زمانے تین ہیں ماضی مستقبل حال ماضی وہ زمانہ ہے جو زمان تکلم سے پہلے ہو اور مستقبل وہ جو زمان تکلم کے پیچھے ہو اور حال اِجزا سے آخر ماضی و اول مستقبل ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے بدون مہلت کے واقع ہوں چنانچہ زیرِ غماز پڑھتا ہے حالانکہ بعض اِجزا نماز کے اُسے ختم کر لیے ہیں اور بعض باقی ہیں پس حج لعل انات بسیار یعنی بہت وقتوں میں بدون فاعل اور مہلت کے واقع ہوتا ہے اُسکو حال قرار دے لیتے ہیں فعل جبکہ ذات سے ظہور پاتا ہے وہ اُس کا فاعل ہے اور جس زمانے میں ظاہر ہوتا ہے اُسکی طرف اور فاعل کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اُس میں حدث یعنی معنی مصدری مستقل ہوتے ہیں اور نسبت غیر مستقل اور اس سے معلوم ہوا کہ فعل میں تین چیزیں ہوتی ہیں ایک معنی مصدری دوسرے زمانہ تیسرے نسبت فاعل کی طرف۔

شاخ

جو دل ہی ٹوٹ گیا کیا ہو شعرِ تر بیدا
یوہاڑ شاخ شکستہ سے کب ٹم بیدا

دل ٹوٹ گیا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دل میں جو ٹوٹنے کی صفت پہلے نہیں پائی جاتی تھی وہ اب پائی جاتی ہے۔

شیخ حیدر علی صفیر

کوئی تسخیرِ افسون ہی یا عجزِ آنکھِ نہیں
لجھا لیتا ہی دل کو وہ بُت طائرِ آنکھِ نہیں

لجھا لیتا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس بُت طائر میں لجھا لینے کی صفت موجود ہے نہ یہ کہ پہلے نہ تھی اور اب ہو گئی۔

داغ

تاریکی لحد سے نہیں دل جلو نکو خوف | روشن رہے گاتا بقیامت چرخ داغ
 روشن رہیگا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ چراغ میں روشن ہونے کی صفت نہ پہلے پانی جاتی
 تھی اور نہ فی الحال موجود ہے بلکہ زمانہ آئندہ میں موجود ہوگی۔
 اور اگر مستدام ہوگا تو ثبوت کا فائدہ دیگا ثبوت سے یہ مراد ہے کہ مقرر کردین کہ مستدالیہ میں
 یہ صفت ہے۔

اقبال

قوم گویا جسم ہے افراد میں اعضائے قوم | منزل صنعت کے رہے ہما میں دست ڈالے قوم
 قوم مستدالیہ ہے اور جسم مستد ہے اور یہ ثبوت کا فائدہ دیتا ہے یعنی مستدالیہ میں جسم
 ہونے کی صفت ثابت ہے اسی طرح اعضائے قوم مستدالیہ ہے اور افراد مستد ہے اسی طرح
 دست و پا سے قوم مستدالیہ ہے اور منزل صنعت کے رہے ہما مستد۔

امیر مینا کی

ایک سیدھی نگاہ ہر تیری | لاکھ بانگوں کا بانگین صدے
 بانگین مستدالیہ ہے اور صدے مستد اور بانگین میں صدے ہونے کی صفت ثابت ہے۔

امداد علی بک

اسکی نگاہ قہر ہے اپنی نگاہ مہر | ہم اسکے ہیں ہدف وہ ہمارا نشانہ ہے
 اسکی نگاہ مستدالیہ ہے اور قہر مستد ہے۔ اپنی نگاہ مستدالیہ ہے اور مہر مستد۔ ہم مستدالیہ ہے
 اہم اسکے ہدف مستد۔ وہ مستدالیہ ہے اور ہمارا نشانہ مستد ہے۔

اقبال

اس کف میں دیکھ ساغر نازک شراب | دریا میں سرنگوں ہے پیالہ جباب کا
 جباب کا پیالہ مستدالیہ ہے اور سرنگوں ہے مستد ہے۔ فعل کبھی تجدداً استمراری پر دلالت
 کرتا ہے چنانچہ حال شلا سے۔

ایک بہانہ ہے کہ کیا بھی | اک آتا ہے ایک جاتا ہے
 یعنی نیابتی شخص آیا والا ہے اور یہاں ہی جاکے والا اور یہ آنا جانا استمراری ہمیشہ کے لیے
 ہے اور اسی طرح مضارع میں بھی تجدداً استمراری کبھی پایا جاتا ہے چنانچہ۔

میر

جواؤ میر اس طرح روتا رہے گا | تو ہمسایہ کا ہے کوٹوتا رہے گا

اور کبھی محض تجدد ہوتا ہی استمرار نہیں ہونا چنانچہ۔

جرات

جب نہ تب خون مر رہی پیتا ہے | اغم بہت اُسکا مجھہ شیر ہے کچھ

یعنی محظ بہ محظہ میرا خون پیتا ہے۔ اور نفی اثبات کی تائید ہے یعنی جو حال فعل مثبت کا ہوگا وہی منفی کا ہوگا اگر کہا جائے کہ جب کسی کلام میں کوئی قید ملحوظ ہو اور اس کلام پر نفی آجائے تو وہ نفی قید کی طرف راجع ہوتی ہے اور باب تحقیق کا یہی قول ہے پس اس قاعدے کی رو سے کوئی یہ کہتا ہے کوئی وہ کہتا ہے میں نفی تجدد یا استمرار کی ہوگی نہ نفی فعل کی کیونکہ مثال مذکور میں دو مضامین ہیں ایک تجدد کی دوسرے استمرار کی سو نفی کر کے سے دونوں وصف زائل ہو گئے زیادہ توضیح کے لیے ہم بتاتے ہیں کہ فعل کی تین حالتیں ہیں یا تو اُس پر قید تجدد اور استمرار کی یا فقط تجدد کی ہوگی یا فقط استمرار کی ہوگی پس اگر ان تینوں حالتوں میں نفی کرینگے تو وہ نفی ان قیدوں کی ہوگی نہ نفی فعل کی ہم اسکا جواب دیتے ہیں کہ یہ قاعدہ درست اور مسلم ہے لیکن یہ بات بیان کرنی باقی ہے کہ اگر سند میں تجدد یا استمرار ہو تو ایسا ہوتا ہے مگر اسکی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نفی تجدد یا استمرار کی مع نفی فعل کے ہو پنا چہ نہ کوئی آتا ہے نہ کوئی جاتا ہے دوسرے نفی فقط تجدد یا استمرار کی ہونہ نفی فعل کی اور اگر سند میں کوئی قید نہ ہو تو درست کرتا ہے کہ واضع نے خود فعل منفی وضع کیا ہے۔

اصف

اتنی راہو نیز نکلی حسرت بسل ذرا | سینہ تیروں کے پھلنی تیغ سے داچ اکھٹا

حسرت بسل شد الیہ ہے اور نہ نکلی سند سو سند میں نہ نفی تجدد لی ہے نہ استمرار کی بلکہ اصل واضع نے یہ فعل منفی وضع کیا ہے کہ میں سند ایک فعل واقع ہوتا ہے اور ظاہر میں وہ زائد معلوم ہوتا ہے مگر فی الحقیقت وہ اثبات تراد اور محنت کا کرتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مکمل پر اسے ظاہر ہوتا ہے کہ میں کیا کیا ترود دیا ہے جیسے۔

ظفر

اکا شہر کھدولن میرا پناہ یہ ہو مرضی ترنا | تو لے لکھدی لاکے جو شمشیر پیر ہو

جانتا چاہیے کہ لفظ کے اضافت کے ذریعے آتا ہے اور بھی قائم مقام عطف کے آتا ہے اس صورت میں فائدہ اختصار کا دیتا ہے چنانچہ زید کے چلا گیا اور دیکھ کے کہنے لگا یعنی آیا اور چلا گیا اور دیکھا اور کہنے لگا اور کر بھی اسی قسم سے ہے اور اسی موقع پر بولا جاتا ہے پس تو نے رکھ دی لانے کے یہ معنی ہیں کہ توجو لایا اور رکھ دی اور مطلب فقہ اتنی عبارت میں ختم ہو سکتا تھا تو نے جو شمشیر میرے سامنے لیکن لایا ہے اثبات تردد معنی کا منظور ہو یعنی میرے مارنے کے یہ شمشیر ڈھونڈ کر لایا اور مجھ پر ظلم کر نیکی کے لیے اُسے یہ تکلیف اٹھانی پڑی۔

مسند کا فعلی اور بھی ہونا

مسند دو قسم ہے۔ ایک فعلی وہ کہ بغیر توسط کسی دوسری چیز کے مسند الیہ کی طرف منسوب ہو جیسے زید کھڑا ہے اور زید آیا۔ دوسرا بھی وہ کہ کسی دوسرے کے ذریعے سے مسند الیہ کی طرف منسوب ہو جیسے زید اُس کا باپ کھڑا ہے اس مثال میں کھڑا ہونے کی نسبت بالذات زید کی طرف نہیں بلکہ اُس کے باپ کی طرف جو کھڑے ہونے کی نسبت ہے۔ لہذا زید کی طرف منسوب کیا ہو یعنی کھڑا ہونا۔ زید کی طرف اُس کے باپ کے ذریعے سے منسوب ہوا ہے اور غرض اس سے حصول لذت ہر اس لیے کہ اسناد کسی فعل میں جب واضح اور مبہن ہو اگر اُس کو دوسرے طریق پر ذکر کریں تو نفس کو سننے کے بعد ایک قسم کی لذت حاصل ہوتی ہے کیونکہ مسند کا ذکر کیا جاتا ہے تو مخاطب کے نفس کو زعم ہوتا ہے کہ مسند فعلی ہی ہوگا جیسے کہ عادت روزمرہ کی ہے جب اُس کو دوسرے طریق پر ذکر کریں تو نعمت غیر مشرقیہ حاصل ہوتی ہے چنانچہ زید اُس کا باپ کھڑا ہے اگر فعلی ہوتی تو یوں کہا جاتا کہ زید کا باپ کھڑا ہے یہی اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ سبب کی طرف منسوب ہے اور وہ سبب ضمیر ہے چنانچہ زید اُس کا باپ کھڑا ہے اس میں سبب لفظ اُس پر نعت میں سبب رسی کو کہتے ہیں یہ نکتہ ضمیر سے صلات اور صفات ربط پانے میں جیسا کہ رسی سے جنیر میں باندھی جاتی ہے اس لیے ضمیر کو سبب کہنے لگے۔

ترک مسند

مسند کے ذکر نہ کر کے وہی فائدہ منظور ہوتے ہیں جو مسند الیہ کے باب میں ذکر کیا گئے ہیں (۱) بحث کے ذکر سے بچنے کے لیے کسی قرینے کی وجہ سے اور اُسکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مقام میں گنجائش ہو جیسے زید آیا اور عمر بھی پس یہاں عمر کا مسند بوجہ بحث کے محذوف ہے

باوجودیکہ مقام میں گنجائش ہے (تو تہ النصوح) یہ دارالمحن انسان کے رہنے کے لائق ہے
صد ہا مختص ہزار ہا کچھڑے روز کے جھگڑے آسکے دن کی مصیبت یہاں مسند مخدوف ہے اور وہ
نقطہ موجود ہے دوسری صورت یہ ہے کہ مقام میں گنجائش نہ ہو وزن اور قافیہ کی وجہ سے مسند
نہ آسکتا ہو اور قرینہ یہاں یا مخدوف سے پیچھے ہوتا ہے یا پہلے۔

مثال اول

انیس

تب شمرے کہا کہ فصاحت کیا حصول | بیعت انھیں تو صابمہر بھی نہیں قبول
یعنی اگر بیعت انھیں قبول نہیں قرینہ ثانی کی وجہ سے مسند مخدوف ہے۔

ذوق

غیرے انصاف بھی بزم جان میں شاہا | شمع گل گیرے اور شمع سے مٹھو پتنگ

مثال دوم

ولہ

حلاقت ہو چکے دل میں ہ وہ دو چار دن ہے | ہم ناتوان عشق تمھارے کہاں تاک
یعنی ہم ناتوان عشق تمھارے کہاں تاک رہیں مصرع اول میں رہے اچکا تھا اس قرینے
کی وجہ سے دیکھو مصرع میں ترک کیا گیا۔

مولوی محمد امین

مگر دیا کی باقی ہے وہی آن | وہی رونق وہی عظمت ہی شان
قرینہ اول کی وجہ سے وہی رونق اور وہی عظمت اور وہی شان کا مسند مخدوف ہے۔

بکھر

حلاوت زندہ گی کی ہے ملاقات احباب میں | مزہ مردے کو تنہائی کا ہے زندے کو صحبت
یعنی زندے کو صحبت کا مزہ ہے قرینہ اول کی وجہ سے مسند مخدوف ہے۔

ممنون

ممنون کا ورد دیکھ کے فرمائے ہے مسیح | عاجز ہے اس مرض سے دوا اور دوا سے ہم

یعنی ہم دعا سے عاجز ہیں۔

امیر

دریا سے موج موج سے دریا نہیں الگ
 ہم سے جدا نہیں ہو خدا اور خدا سے ہم
 یعنی دریا سے موج الگ نہیں ہے اور خدا سے ہم جدا نہیں ہیں پہلے مصرع میں قرینہ ثانی کی وجہ
 سے مستند محذوف ہو اور دوسرے مصرع میں قرینہ اول کے سبب ہے۔

سودا

دیکھیں تو کسی خیم سے گرتے ہیں بخت دل
 آنا کمان ہے سو زطلبل تنگ کا
 سودا نہ کہتے تھے کہ کسی کو تو دل نہ دے
 تو اس طرح سے رو کے اے ابرو کہ ہم
 رکھتی نہیں ہو شمع بھی ایسا جگر کہ ہم
 اُسو اہوا پھرے ہے تو اب دیدر کہ ہم
 ۲۱۔ بلحاظ کثرت استعمال کے حذف کر دیتے ہیں جیسے مزاج مقدس بیان کیا ہے بسبب کثرت
 استعمال کے حذف کر دیا ہے۔

امیر مینائی

ہم سے کتا ہو کہ گیسو نہ چھو داس
 مارا اللہ کی ناصح تیرے بچانے پر
 یعنی اللہ کی مار پڑے۔

محسن

موقوف حدیث شب کی تصحیح
 یعنی حدیث شب کی تصحیح موقوف کرو۔
 رکھ دتے کتاب پر مصابیح

سودا

سبز فابرو ہوا گل نہ سدا ہوں اک جا
 سا قیا جام کہ ہیں یہ کوئی دم چاروں ایک

دلغ

ہمت اے خاک ہاں مدد اے ضعف
 کوئی دامن بجائے جاتا ہے

مثنوی قضا و قدر

پھر یہ کہا آج کہ بھر کس طرف
 بوئے ہوا حکم خدا جس طرف
 مرزا غالب ایک رفقے میں لکھتے ہیں پروردگار شہاد داب۔

مولوی احمد آزاد

کیا کمون سینے میں تھا جو دل بیتاب حال | جس گھڑی کے وہ اللہ نگہبان گئے

(۳۳) یا شکم یہ چاہتا ہے کہ سامع کے خیال میں یہ ڈائے کہ دلائل عقلی و لفظی میں سے دلیل عقلی اختیار کی ہو جو دلیل لفظی سے قوی ہوتی ہو۔

غالب

لاکھوں نگاہوں کا | لاکھوں بناؤ ایک بڑا عتاب میں

یعنی دوست کی لاکھوں نگاہوں میں ایک طرف ہیں اور ایک نگاہ کا چرانا ایک طرف ہے اور لاکھوں بناؤ سنگار ایک طرف ہیں اور ایک عتاب میں بگڑنا ایک طرف ہے۔

سودا

لگے گئے نہیں شراکت نیاں | میرے سوتھے اور تیرا ایک

یعنی میرے سوتھے اور تیرا ایک رقم برابر ہیں۔
(۳۴) رنج و ملال کی وجہ سے خبر کا نام نہیں لاسکتے کیونکہ غم کی وجہ سے تنگی مقام ہوتی ہے

فسانہ آزاد

”جو گن بولی اچھا جاؤ سوائے کیا کوئی اس طرح روتا ہے اللہ جانتا ہے ہم سمجھے کہ خدا خواستہ کوئی بچا ہے
آپ کے عزیزوں میں شہان مرگیا کا لفظ جو سید ہے غم مقام کی وجہ سے محذوف ہے۔

انرا

اکبر نودں پہ کھاکے شانِ خلد کو گئے | شبہ کہتے رہ گئے مرے دلیر کمان کمان

یعنی کمان گئے کمان گئے یا کمان جاتے ہو۔

خواجہ وزیر

نہ کیا زنج گیا چھوڑے بسمل قاتل | دہن زخم بکا کیا قاتل قاتل

(۵) بوجہ مخالفت و زان کے اختصار مطلوب ہوتا ہے اور ساتھ ہی اس کے مستقر یہ لفظ ہوتا ہے۔

میر حسن

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن | اسین زگرے و گل کہیں یا سمن

یعنی کہیں زگرے و گل موجود تھے کہیں یا سمن موجود تھا۔

(۶) تشریف دہ کہ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں کلام لسانی معنی کا احتمال رکھتا ہو کاس کو جس کے

چاہیں حمل کر سکیں پس اگر ایک مسند ذکر کر دیا جائے تو یہ فائدہ فوری ہو جائے۔

نالہ تسلیم

اجازت او خیال قاصد دل اگر اپو پنا دم تکلیف مشکل ۴

یہاں مسند الیہ اور مسند دونوں محذوف ہیں یعنی اجازت چاہتا ہوں میں یا اجازت دے مجھ کو یا اجازت عطا کر۔

سودا

اُم جنکی شاکرتے ہو کیا بات ہر آنکی لیکن ٹک اوھر دیکھو ای یار بھلا میں

(۷) مسند واجب الستر ہوتا ہے اس لیے کلام میں ذکر نہیں کیا جاتا۔

کیا پوچھتے ہو وصل کا جو شوق مجھ کو قابو میں کر پیارے تم آ جاؤ تو پھر میں

میں مسند الیہ ہے اور اس کا جو مسند ہر وہ اس قابل نہیں کہ علانیہ بیان کیا جائے۔

الش

سرہلانے سے بھر و سانس نہیں پڑتا کس وقت کس ٹیکہ پہ کہ حریان کہ دہن پنہ سے تو پھو

ہم بشری اور مجاہدت کا سوال کرتا ہے اور مسند الیہ و مسند دوزن محذوف ہیں۔

(۸) کراہیت کی وجہ سے حذف کرتے ہیں چنانچہ آپ ہی یہ کہا کرتے ہیں اور آپ ہی وہ

پنے پکتے ہیں اور جھک مارتے ہیں۔

سوز

وعادی تو لگا کہنے کہ چپ ہو سنی میں نے دعا تیری دعا کی

ولہ

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہے گا تحارب ساتھ جو میں نے دفا کی

گر بیان میں ذرا ننھ ڈال دیکھو کہ تینے اس دفا پر ہم سے کیا کی

تو آتا ہے کہ بس بس جو بچ کر بند دفا لایا ہے رت تیری دفا کی

(۹) کبھی مسند کو حذف کر کے اہم اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ اوصاف متعدد وہ پر دلالت

کرے اور یہ اکثر صفت و موصوف میں واقع ہوتا ہے کہ اس میں اختصار ہے۔

ذوق

جب تک تھے گزہ میں احمقوں کے پیسے سب کہتے تھے انا کو آپا ہے ایسے

ایسے ایسے قائم مقام صفت کیلئے ہو اور فائدہ اس میں یہ ہو کہ اس میں اختصار کا مل ہو سکتا ہے۔
(۱۰) مقام دس میں سند کو حذف کر دیتے ہیں جیسے آپ کا وعظ آپ کا فرمانا یعنی آپ کا وعظ اور آپ کا فرمانا بہت اچھا ہے یا بڑا پُر اثر ہے۔

غالب

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالب
انچھے ہم دل سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
یعنی یہ مسائل نصرت نہایت عمدہ ہیں اور یہ تیرا بیان غالب بڑا پُر اثر ہے۔

میر حسن

وہ دوٹھا کا سند پہ آ بیٹھنا
برابر رفیقوں کا جا بیٹھنا
دونوں مصرعوں میں خبر کلیتہً محذوف ہو۔
(۱۱) مقام تعظیم میں سند حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے

نسیم

پل مارے کی ہوئی جو دیری
اشتر کئی جانے تھے اُدھر سے
سبحان اللہ شان تیری
پر آرد و درغن و شکر سے
یعنی سبحان اللہ تیری شان بڑی ہو۔

مومن

اللہ ری تیری بے نیازی
یعقوب کو مدتوں رُلا یا ہا

اللہ ری اگرچہ مرکب ہو حرف نذا اور سنادی سے اسلئے کہ ری ندا کے لیے ادر اللہ سنادی کا
مگر بیان اصلی معنوں پر محمول نہیں بلکہ کلمات تقدیس کا قائم مقام ہو اللہ اکبر کے معنی میں یعنی
اللہ اکبر تیری بے نیازی بڑی ہو تیری بے نیازی مسند الیہ ہو اور بڑی ہو اسکی خبر ہو
اور مصرع ثانی بیان ہے۔ بے نیازی کا۔ ۵

دیکھ آئینہ جو گستا ہے کہ اللہ سے مین
اُسکا مین چاہنے والا ہوں بقا و اہ سے مین

اللہ سے قائم مقام اللہ اکبر کا ہو تقدیس کیلئے مین بتدا بڑا حسین ہوں خبر محذوف۔
(۱۲) تفسیر کے محل پر بھی محذوف ہوتا ہے جیسے ابا کے پھلے مصرع مین داہرے مین کیونکہ
داہرے تفسیر کے لیے ہو مین سند الیہ ہو بڑا خوش نصیب ہوں اسکی خبر محذوف ہو۔

آدوق

بل بے دشت، بے تہ بھی شاخ ہو طرح
بیچ کھاتا ہے دھوان میرے پتہ پر غور کا
یا بکڑی نفیم، یعنی بڑی دشت ہے۔

نہین العابدین نجات

آنحضرت پھر انہیں درپہ بھی پکے آنسو
بل بے بھران نری دشت کہ پورے پھر

غفلت

جن بیاہستی بیل سے پوچھتا ہوں
گلشن میان گل بریا گل میان گلشن

(۱۳۳) حقیر کے موقع پر مخدوف ہوتا ہے۔

حالی

بر کچھ اک محمود خان کے دم سے تجھی شہم کی
آٹھ گیارہ بھی جہان سے آہ قسمت قوم کی
یعنی قسمت قوم کی بری ہے۔

سودا

اسکو ہرگز نہیں حیا سے لگاؤ
جائے تو یہ کسے پلاؤ پلاؤ

(۱۳۴) مخدوف کے موقع پر بھی مخدوف ہوتا ہے۔

حالی

پاتی ہے گھر میں جب دھوان تو
آگ آگ کا غل کرے ہی دان تو

فائدہ چونکہ حذف اصل کے خلاف ہے اسلئے کوئی ایسا قرینہ ہونا لازمی جو مخدوف پر
دلالت کرتا ہو اور یہ قرینہ کئی طرح کا ہوتا ہے۔

(الف) جواب سوال محققین میں واقع ہو جیسے کوئی کہے کون آیا اس کے جواب میں کہا جائے
نہ یہ بیان آیا مسند بقرینہ سوال مخدوف ہے۔

لکنوی قضا و قدر

نام جو پوچھا تو فداے خدا
کام جو پوچھا تو رضاے خدا

اسی بیل سے ہی سودا کے شعر میں۔

سودا نہ کہتے تھے کہ کسی کو تو دل نہ
رہوا ہوا پھرے ہی ثواب رہد کہ ہم

جرات

اتنا بتلائے ہر جانی ہوں میں یار کہ تو
میں ہر اک شخص سے رکھتا ہوں سروکار کہ

اکبر

بوچھا لہان سے جیا تو کتنے دن
دست حسرت لکے ہوا چند روز

(ب) یا جواب سوال مقدر میں واقع ہو جیسے۔

غالب

نہیں کہ بھگو قیامت کا اعتقاد نہیں
شب فراق سے روز جزا یاد نہیں

بیان سوال مقدر ہو گویا شاعر سے کسی نے سوال کیا تمکو قیامت کا اعتقاد نہیں ملتا جواب بتایا
یہ قول صحیح نہیں کہ بھگو قیامت کا اعتقاد نہیں آئے۔

(ج) ابھی سوائے سوال کے دوسرا کوئی قرینہ لفظی یا معنوی ہوتا ہے معنوی کی مثالیں تو
اوپر بیت سی گذر چکیں لفظی کی مثال یہ ہے۔

سودا

جا کے مہلج پہ یہ پڑا اس طرح
میں بیان اس کا اب کروں کس طرح

لاٹھیاں لے لے ہاتھ پیر و جوان
کرتے ہی رہ گئے بھی ہان ہان

بان کے بعد مسند مع سند الیہ کے محذوف ہوا کثرت ایسے جملے کے شروع میں ایک ویرا بان آئے ہوتا
یا بان یا اور کی تکرار ہوتی ہے۔

غالب

مرا ہوں سن آواز پہ ہر چند سر اڑ جائے
جلا دے لیکن مجھے کہے جائیں کہ ان اور

داغ

کیون صرفہ نگاہ مری جان ہو گیا
اک تیرا درمیں ترے فرمان ہو گیا

تشکیہ مسند

کبھی مسند نکرہ ہوتا ہے اور کئی فائدے دیتا ہے۔

(د) تاویل کی یہ مراد ہوتی ہے کہ مسند منحصر سند الیہ میں نہیں اور نہ اس میں تعین ہے جیسے زید
شاعر ہے پس اس قول سے مشکل زید کے صرف شاعر ہونے کی خبر دیتا ہے شاعری کا اس میں حصر نہیں کرتا
اور نہ غنیمت رکھتا ہے کہ زید کسی خاص قسم کی شاعری سے متصف ہے۔

مثنوی زائر

ا شمشیر عتقا کا ایک گھاسل | آکر ہوا شیعہ حق سے زائل
 یہاں مقصود یا تمثیل سائل ہی مگر سائل کا حصر سند الیہ میں منظور نہیں اور نہ سائل کا تعین مقصود ہے

مومن

کب تلک چشم سے خون ہو جاری | کب تلک بعد کرے دل داری
 خون سند الیہ ہی اور جاری سند ہی جاری ہو گا حصر سند الیہ میں منظور نہیں اور نہ تعین مقصود ہے

فلی

ہوا صفائے بنا گوش سدا گوہر صاف | تجلی بحری سے ہوں جیسے اخضر صاف
 گوہر و اخضر سند الیہ ہیں اور صاف سند ہے اور صفائی کا حصر گوہر و اخضر میں منظور نہیں اور نہ تعین مقصود ہے۔

ولم

ایک دن ہم موافق معمول | نچے نشاط و سرور میں مشغول
 ہم سند الیہ ہے اور مشغول سند ہے لیکن مشغولی کا حصر سند الیہ میں مقصود نہیں اور نہ تعین مقصود ہے۔

درد

ہر چند کہ سنگدل ہے شیرین | بسکن فریاد کوہ کن ہے
 سنگدلی کا حصر شیرین میں اور کوہ کنی کا حصر فریاد میں مقصود نہیں اور نہ تعین مقصود ہے۔

ثابت

مہاسے سے فزون ہی حسن رخسار | بہار تازہ ترست لطف اظہار
 پہلے مصرع میں حسن رخسار سند الیہ ہے اور فزون سند ہی اور دوسرے مصرع میں لطف سند الیہ اور اظہار سند ہے اور فزونی کا حصر حسن دلدار میں نہیں ہی اسی طرح اظہار کا حصر لطف میں نہیں ہے اور نہ تعین مطلوب ہے۔

میر

جالور رنگ باختہ سب ہیں | یعنی حیران فاختہ سب ہیں
 رنگ باختہ ہر رنگ کا حصر جالور میں اور حیران ہونے کا حصر فاختہ میں مقصود نہیں اور نہ تعین

مقصود ہے۔

سودا

سخنِ حضرت ہمارے کا ہے معقول

بہین سے جج اٹھون کا ہو گا مقبول

(۳۲) کبھی فائدہ تعظیمِ سند الیہ کا دیتا ہے جیسے کہین احمد ایک عقلتِ آدمی ہے یا صاحب بہادر ایک مدبر ہیں۔

محشر

یہ کل کی بات تھی طفلِ کتبِ عشق کا محشر

براب دیکھا تو اس فن میں ہوا ہے ایک علامہ

حالی

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ

ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ

یعنی اگر تم اعلیٰ درجے کے مرد ہو۔

ولہ

مخاطبِ اس سخن میں شاعر ایک

ہم کو چالین بتائے گا اب کون

شاعر ایک سند ہے اور سند الیہ مقدر ہے۔

(۳۳) کبھی فائدہِ تحقیر کا نکلتا ہے جیسے کہین زید ایک بد معاش ہے۔

میسر

چور و گھر میں رکھے ہر اک شمشاد

کہین چشمک کرے کہین وہ نگاہ

ولہ

تیل کی کٹی بے میں خوش کھڑے

ایک بھڑوے ہوتے ہیں چکنے کھڑے

غالب

اک کمیل ہے اور رنگِ سلیمان مرگے

اک بات ہے اعجازِ میحمارے آگے

(۳۴) کبھی فائدہِ لطیف کا نکلتا ہے جیسے۔

مومن

روح ہے کہ ایک بیوفا ہیں

خسے ہیں حسین مہر ہی بلایں

داع

اک کوہِ گران ہے عشق لیکن

اس کو دلِ ناتوان بہت ہے

تخصیص سند

کبھی سند کو مضاف یا موند وفت بھی لائے ہیں اسکا نام تخصیص ہے اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ فائدہ اٹم ہو کیونکہ خصوص کی زیادتی اہمیت فائدہ کا موجب ہے۔

مثال سند کی تخصیص کی اضافت کے ساتھ

غالب کتاب ہے۔

جس جائیم نافہ کش لاف یار ہے | نافہ دماغ آہوے دست تار ہے

نیم سند الیہ میں جا مفعول فیہ نافہ کش مضاف زلف یار مضاف الیہ اور یہ مرکب ضافی سند ہے اور دوسرے معرے میں نافہ سند الیہ اور دماغ مضاف آہو مضاف الیہ اور پھر مضاف طرف دشت کے اور دشت مضاف الیہ ہو کر پھر مضاف ہر تار کی طرف اور یہ مرکب ضافی سند ہے۔

نفاخ

قیامت کیوں نہ ہو جسم چڑھائے استین قاتل | صفائے ساعد سمین صفائے صبح گردن ہے

: نفاخ ساعد سمین سند الیہ ہے اور صفائے صبح گردن سند ہے۔

مر

ناف ہے ساغر مراد سے گل | بادہ حسن کا ہے مینا پیٹ

حالی

لفظ مہمل ہے تطلق اعرابی | حرف باطل ہے عقل یونانی

ناله تسلیم

دل مشتاق پابند الم ہے | نفس تار کند صید غم ہے

حریف ناله پیدا دہون میں | شریک صحبت فریاد ہون میں

صبا

بے مزار جو مرکز میں اشکبار ہوا | سفینہ نوح کا ہر تختہ مزار ہوا +

ہر تختہ مزار سند الیہ ہے اور نوح کا سفینہ سند ہے۔

ورد

نہ جادو کا جب تک مرے جی میں جی ہے | ترا تم پر سارے مر یا ریجانی

مراہ رجاتی مسند ہے۔

ولہ

اگر خاک مری سُر مٹے البصار نہ ہوئے تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہوئے

مثال مسند کی تخصیص صفت کے ساتھ

سودا کا شعر ہے۔

سے بلبل چین نہ گل لودیدہ ہوں امین موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں

مصرع اول میں مسند الیہ محذوف ہے بلبل چین در گل لودیدہ مسند اول میں تخصیص اضافی ہے اور دوم میں تخصیص توصیفی اور دوسرے مصرع میں میں مسند الیہ ہے اور شاخ بریدہ مسند ہے۔

محشر

محشر شرک خون نے دیا ہے مجھے بہا کیا پوچھتا ہے کشتی طوفان رسیدہ ہوں

میں مسند الیہ محذوف ہے اور کشتی طوفان رسیدہ خبر ہے۔

حکیم مرزا آغا حسن آزل

پیر ہوں میں نہ دستگیر ہوں میں خانہ بردوش اک فقیر ہوں میں

دوسرے مصرع میں میں مسند الیہ ہے اور اک فقیر خانہ بردوش مسند ہے۔

صاحبزادہ محمد سعید خان رئیس ٹونک سعید تخلص۔

کیا لکھوں وصف مطلع ابرو + مصرعہ لاجواب میں دونوں +

لینے دونوں ابرو میں مصرعہ لاجواب میں مصرعہ لاجواب مسند ہے جو صفت کے ساتھ تخصیص رکھتا ہے۔

وزیر

آئینہ دیکھا تو اپنے خط یہ آنکھ اسکی پڑی

کاغذی بادام اس خط کا نقافہ ہو گیا

اس خط کا نقافہ مسند الیہ اور کاغذی بادام مسند ہے۔

تعریف مسند

کبھی مسند کو معرفہ لائے ہیں اور غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ سامع کو جو امر معلوم ہو اس پر ایک حکم کا اضافہ ایک ایسی چیز کے ساتھ کیا جائے جو مثل اس کے ہو جو سامع کو معلوم ہو اور مثل سے یہ مراد ہے کہ دونوں متحد ہوں کیونکہ اگر مسند الیہ اور مسند کے مفہوموں میں بغیرت ہوگی تو کلام سے فائدہ حاصل نہوگا اور تعریف کے کئی طریق ہیں مثلاً مسند علم یا ضمیر یا موصول یا اکم اشارہ ہو مگر جبکہ مسند معرفہ ہوگا تو مسند الیہ بھی ضرور معرفہ ہوگا بشان۔

ایس

یہ تو نہیں کہا کہ شہ مشرقین ہوں مولائے سرچھکائے کہا میں حسین ہوں

میں مسند الیہ اور حسین مسند ہے۔

نسیم

بولی وہ ارے بشرطی ہے کروح افزا کیا بکاؤلی ہے

حافظ عبد الرحمن خان احسان۔

اُس کو بھی حکم ہو نکل آئے صبر کب تک ہو میں نہیں بالوب

قدرت

مرقدین دو تین تہلا کے لگی کتنے مجھے یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ کیا دوس ہے

جرات

اُن نہ کردن نام کو جرات ہو نہیں چیرے اگر عشق کا آراستہ مجھے

ایس

ہرگز غلط نہیں جو مجھے اشتباہ ہے زینب تھیں ہو خالق اکبر گواہ ہے

واجد علی شاہ

یہاں شک لجان مفتون تھامیں کہ لیلی تھی وہ اور مجنون تھامیں

امانت

میں نہ ہوں رند اگر دید و حرم میں جاؤں اگر آنکھ نہیہ بٹھائیں تو مسلمان سریر

مین مسند الیہ ہر اوردہ رند ہوں مسند ہر

لذوق

مین ہوں گنام جب قریب نام آیا مرا
ارہ گیا بس مٹی قدرت جگہ دان چھوڑ کر

ناسخ

ادہ ہمیں مین عشق سے لڑتے ہیں جو تم ٹھونکا کر
ورنہ ناسخ ہقد کس پہلوان مین زور ہے

ظرفیت مسند

کبھی مسند کو ظرف لائے ہیں اور اختصار مسند کا مقصود ہوتا ہے جیسے اس شعر میں۔

ناسخ

کو تساتن ہے کہ مثل روح ہمیں تو نہیں
اگر کون گل ہے جو ترا مسکن رنگ بو نہیں

یعنی وہ کو تساتن ہے جس میں تو مانند روح کے موجود نہیں۔

سودا

سجدہ شکر میں ہے شاخ فرار ہر ایک
دیکھ کر باغ جہان میں کرم عزد جل

یعنی ہر ایک شاخ فرار سجدہ شکر میں مصروف ہے۔

رشک

سانے چشم تصور کہیں! و خانہ خراب
تری آنکھیں تری پلکیں تری رخسار ابرو

یعنی چشم تصور کے سانے موجود ہیں۔

یوسف علیخان غریز کھنوی

اب دل میں ہے خیال جو گیسو یار کا
عالم ہے روز ہجر میں شہاے تار کا

یعنی اب جو گیسوے یار کا دل میں موجود ہے تو شہاے تار کی کیفیت روز ہجر میں پائی جاتی ہے۔

انواب ظفر یاب خان راسخ

بے خشم ابرو ترے یہ ماہ نو
دیدہ مشتاق میں خجہ ہوا

یعنی یہ ماہ نو دیدہ مشتاق میں خجہ ثابت ہوا۔

السن رشاد شاد

لوان الفت ہو جا میں خاندان میں یاد
ہر چمن بچو لاجپلا آباد وہاں رہے

یعنی دلغ گفت جگر میں موجود ہو اور خانہ دل میں یاد موجود ہو۔
 قنآن بخیہ جب نام معنی سخن میں اور سخن حرف میں اور حرف خط میں اور خط جان قال کتاب
 میں ہو دانشمند دن کا تویند جان اس کتاب کا ہر ایک باب میں دعا بخیہ کی مستجاب ہو۔

اعطاف مسند

کبھی مسند معطوف ہوتا ہے اور عطاف سے تفصیل مسند کی اور اختصار مسند الیہ کا پیدا ہوتا ہے جیسے۔

امشی

توانا ہے وہ آپ اور زور مسند | قوی ہے خداوند پست و بلند
 وہ آپ مسند الیہ توانا اور زور مسند معطوف علیہ اور معطوف مسند۔

ولہ

آتشکار ہون اور عصیان شعار | وکے تو ہے غفار و آمرزگار

حالی

عدالت کے زیور سے سببے مزین | بھلا اور بھولا تھا احمد کا گلشن

غالب

خانہ زاد اور مرید اور مداح | تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار

انشا

فیض سحاب فرح سے تھی مزرع امید | گل گل شگفتہ تازہ و شاداب و سبز و خم
 مزرع امید مسند الیہ نامہ ہے اور شگفتہ و تازہ و شاداب و سبز و خم معطوف علیہ و معطوف
 ہو کر مسند میں۔

مومن

نود واحد و بے نظیر و بیکتا | تو حاکم و حقائق برابرا

نود و نون مصرعون میں مسند الیہ اور ابدان کا مابعد مسند ہے۔

تاخیر مسند

مسند جو مسند الیہ سے پیچھے ہوتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ مسند الیہ کا ذکر نہایت ضرور اور مہم
 ہوتا ہے جیسے کہ مسند الیہ کے بیان میں مذکور ہوا۔

میر حسن

ادختون کے پے پچکتے ہوئے	خس و غار سارے جھکتے ہوئے
-------------------------	--------------------------

مرغان باغ بٹھہرین تجھ میں مر رہے ہوئے	گر گس کھڑی ہر آنکھوں میں آنسو بھر رہے ہوئے
---------------------------------------	--

ایس

ایلیخ ہر سرداگ کا اس میں نہیں بچا تمام	بچے ہوا گرم سے بیتاب ہیں تمام
--	-------------------------------

ظفر

کسی نے سکو بکھایا تو ہوتا +	کوئی یا ننگ اسے لایا تو ہوتا
-----------------------------	------------------------------

موصوم علی

بین مسند دار توبے نور	بین گنگار توحید اے غفور
-----------------------	-------------------------

تقدیم مسند

یعنی مسند کو مسند یہ پر مقدم لانے میں اور اس کے مقدم لانے سے کئی طرح کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ اندھا تمام اس کا مقصود ہوتا ہے یعنی اس کا بیان ضرور واہم ہوتا ہے تاکہ تقدیم ایسی چیز کی جس کا حق یہ ہے کہ مؤخر ہوا، ایست پر دلائل کرے چنانچہ۔

نامیخ

ظائر روح نو گردیشے ہیں کیونکر بسمل	تیر رکشے ہیں پر پروندہ کمان رکھتے ہیں
------------------------------------	---------------------------------------

چونکہ یہ تیر و کمان کے ظائر روح کا بسمل کرنا ایک تعجب کی بات ہے اور اس کا بیان اہم و ضرور تھا اس لیے اس کو اول بیان کیا اور پر پردہ مسند الیہ کو پیچھے ذکر کیا۔

میر

شریعت نگر رہا ہے تمام عمر اسے سنیخ	یہ میرا بہ جو گاہ ہے شراب خانے کا
------------------------------------	-----------------------------------

۔ عایت کہ نہایت سابق کی عظمت و قدر بیان کی جائے سودہ خریف بننے سے پانی جانی بھی

۔ مسند میں کو تقدیم کر دیا۔

ولہ

اور مسند کو رکھتے ہیں پر پردہ میں	سے گارشت بٹھکے محمد حسان
-----------------------------------	--------------------------

مومن

پیشین نہ آئے یہ کھول کر بال | ردوین نہ یہ نچھو دھڑ کے ردال

غالب

سند گسین کھولتے ہی کھولتے انکھین بکتا | خوب وقت آئے تم اس مرغ گرفتار کے پاس

ولہ

مشہد عاشق سے جو لگتی ہر کوسن تک حنا | کس قدر یار بے بلاک حسرت پا ہوس ہے

ولہ

ہین زوال آبادہ اجڑا آفرینش کے تمام | مہر گردون ہے چراغ رہگذار بادیاں

نظم

تا ابد آزاد ہین دام و قفس کے جور سے | بکبل تصویر دطاؤس خیال و آئینہ

ذوق

ٹھانی تھی دل میں اب کھینچے کیسے برا | کیا کون کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

جب ایک چیز میں دو وصف موجود ہوں اور سامع سمجھے کہ یہ شے ایک ہی صفت رکھتی ہے نہ وہ
 وہاں تک کہ جائز سمجھے کہ یہ دونوں وصف خارج میں متعدد چیزوں کے ہیں پس جس صفت کو سامع
 نہ متاہد و بحسب زعم شکر کے طالب اس بات کا ہو کہ دوسری صفت کا حکم اور سہر لگائے گا ایسے
 قع پر واجب ہے کہ کسی لفظ کو مقدم کرین مگر کسی شے کے واسطے چنانچہ اہتمام شان مستند وغیرہ
 اور اس مثال سے روشن ہو سکتا ہے۔

سوز

مرقدون ہیں دیکھتے ہیں یہی ان آنکھوں سے ہم | یہ برادر یہ پر یہ خویش یہ فرزند ہین
 پس اگر مخاطب اشارہ کرے کہ یہ برادر جو یا کوئی اور اسی طرح یہ نہ جائے کہ یہ
 یہ برادر کوئی اور یہ نہ جائے کہ یہ خویش یا فرزند یا کوئی اور اس موقع پر کہ یہ مقدم ہوگا اور اگر
 برادر اور پر اور خویش اور فرزند کو تو جائے مگر یہ نہ جائے کہ برادر اور پر اور خویش اور فرزند ہی میں
 اس موقع پر برادر اور پر اور خویش اور فرزند کو مقدم کرے اور یہ کو مؤخر۔

محمد حسیل

عجب قدرتی ستارے ہیں یہ | نظر کی سیاحت و اظہار ہے یہ

سامع یہ تو جانتا ہے کہ سرور ہنسی ہنسی ایک شے موجود ہے مگر اس کا قدرتی شامیانہ ہونا نہ جانتا تھا ایسے اس شے کو مقدم کر کے یہ کو مؤخر کیا۔

گویا

سر قلم کیجے ادا ہے یہ اپنی قسمت کا بس لکھا ہے یہ

مشتوق سر کاٹنا تو جانتا تھا مگر یہ نہ جانتا تھا کہ سر کاٹنا ادا ہی ایسے ادا کو مقدم کر کے یہ کو مؤخر کر دیا

ولہ

قد جانان نہیں قیامت ہے زلف جانان نہیں بلا ہے یہ

سامع مشتوق کی زلف کو تو جانتا تھا مگر اس کا بلا ہونا نہ جانتا تھا ایسے بلا کے ذکر کو مقدم کر کے یہ کو مؤخر کیا۔

(۲) تفاؤل کے لیے مسند کو مقدم کرتے ہیں تاکہ مخاطب اول ہی سے اس شے کو سن لے جو اس کو خوشی پہونچائے گی۔

تاسخ

وے نامہ برآ کے در پر دستک پہونچے مجھے مکتوب یکایک یارب

محض تفاؤل کے لیے دولوں مصرعون کی ترکیبوں کو بدل دیا دراصل یون کہنا چاہیے تھا کہ نامہ برود پر آ کے دستک دے اور مکتوب یکایک پہونچے مگر تفاؤل کے لیے مسند کو مقدم کر دیا۔

ولہ

برائے ترے قدم کی دولت اُمید اُمید وار قاصد

ولہ

آگے یارب جلد در پر نامہ بر دے مجھے مکتوب دلبر نامہ بر

محمد معین

عسی قحط سے پائمال خلقت اس منجھ سے ہوئی پائمال خلقت

تفاؤل کے لیے خلقت اس منجھ سے پائمال ہوئی کو یون کہہ دیا اس منجھ سے ہوئی پائمال خلقت

ہوئی

سرور ہوئی تمام خلقت ہر کہ چہ بھی خوشی کی نوبت

میر حسن

اُسی سال میں یہ تماشا سنو
گئے نو مہینے جب اُسکو گذر
رہا حمل اک زوجہ شاہ کو
ہوا گھر میں شبہ کے تولد پسر

الش

مجھ سے شکم ہو کما دولت بیدار ہوں میں
مقصود بالتمثیل افکار دولت بیدار ہے۔
خواب غفلت سے بس اب چونک گئے میر چلے

رند

آن پہونچا وعدہ دیدار یار
مژدہ یاد اے عاشقان با وفا

سودا

ہے خوشی نام مرا میں ہوں عزیز دنیا
نہ لگے شوق میں جسکے کبھی شائق کی پاک

امیر

بے متباہ قال کوئی ہونے دالی ہر خوشی
ہر چراغ لالہ جوش رنگ سے ہر گل نشان

داغ

کیا جوان بخت جوان سال ہوا ہر عالم
فلک پر بھی کھاتا ہر جوانی کی کسما

راگھو ندر را و جذب

کیا طرب خیر ہے ہنگام ریح الاول
خلق کو ہے یہی پیغام ریح الاول

مقصود بالتمثیل لفظ طرب خیر ہے جو ریح الاول کی خبر ہے۔
درس ۱۳) کبھی بُرائی کے اظہار میں جلدی مقصود ہوتی ہے اسلئے سند مقدم کیا جاتا ہے جسے۔

خوشتر

شعبہ ہے عجب یہ ہر گردون
حقا پیشہ شکر آفتاب ہے
کہ ہر دم اسکی ہے صورت دگران
برا کے رخ سر کس جیلہ جو ہے

متعبد اور جفا پیشہ اور شکر اور فتنہ خوشتر مقدم ہے اور غرض اس سے فلک کی
برائی بیان کرنے میں تعجیل مقصود ہے۔
گرچہ پیر ہے لیکن ہے بے پروا لہ نہایت متقلب ہے اسکی تہ پیرا

کسی کا خوش نہیں آتا اسے عیش
برائے جنگ بھرتا ہے لیے جیش

مومن

کوئی اس دور میں جیسے کیونکر
ملک الموت ہے ہر ایک بشر

قدر

خوش نہوں دولت دنیا سے زلے والے
روشن صورت فوارہ خزانے والے

سودا

اک قصہ میں سنا تھا مردم سے یہ قصا
بیت الحنا گیا عمامہ زرا علی پیارا

تسم

زنبور سیاہ خال اس کے
برگد کی جٹا میں بال اس کے

زنبور سیاہ مسند پر اور خال اس کے مسند الیہ اور برگد کی جٹا میں مسند پر اور بال اس کے

مسند الیہ مسندوں کی تقدیم بیان بڑائی کے اظہار میں تعجیل کی غرض سے ہے۔

مومن

خس کی بشم اشعار خمیدہ
عنت غبار الاثر ولیدہ

ہدایت

اچھے نہیں اچھے نہیں یہ ڈھنگ نھارے
باگڑے ہوئے آتے ہیں نقر رنگ نھارے

(۴۷) بھی مسرت میں تعجیل مقصود ہوتی ہے جیسے۔

ایس

پہو کے اٹھین لیا چودہ ظالم سرور بار
خدام لے کی عرض کہ حاضر میں ننگار

چونکہ صاحبزادگان حضرت مسلم کی گرفتاری میں گدھی اسلئے دربار میں لیا جائے گا حاضر ہو سکیں

پہلے ذکر کیا تاکہ گرفتار کرانے والا جلد مسرور ہو جائے۔

میر حسن

خواہوں نے خواجہ سراؤں سے جا
دہن تدرین گلدان بیان اور کہا

سبارک بخجے اسے شہ نیک بخت
کہ پیدا ہوا دارش تاج و تخت

چونکہ مسرت میں تعجیل مقصود تھی اس لیے پیدا ہوا کو مسند پر اول بیان کیا اور دارش

تاج و تخت کو جو مسند الیہ ہے تعجیل سے ذکر کیا اور یہی وجہ تخلص مبارک کی تقدیم کی ہے۔

(۵) یا سند کو مقدم کرنے سے سُنے والے کو سند الیہ کا شوق دلانا مقصود ہوتا ہے کہ جبکہ میں طول ہوتا ہے اس لیے کہ وہ سند الیہ کے وصف پر مشتمل ہوتا ہے پس یہ قول سُنے والے کے نفس میں ذکر سند الیہ کی طرف شوق پیدا کرتا ہے اس لیے سند الیہ کو نفس میں وقعت اور قیامت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جو چیز طلب کے بعد حاصل ہوتی ہے اسکو بہ نسبت اُسکے جو بلا تکلیف حاصل ہو جائے زیادہ عزت حاصل ہوتی ہے۔

غالب

جام جہان نما ہر شہنشاہ کا نمبر | سو گند اور گواہی کی حاجت نہیں کچھ

جام جہان نما ہر ترکیب اضافی سند مقدم ہے اور شہنشاہ کا نمبر ترکیب اضافی سند الیہ مؤخر۔

اشک

ساتے چشم تصور کے ہین او خانہ خراب | نری آنکھیں تری پلکین ترے خمدار ابرو

شیدا

اُنھر لگے ہین ترے رسا ہین ہاں | سر چڑھے ہین بڑی بلا ہین ہاں

غلام مصطفیٰ قزوینی

تجربہ پڑتی ہے یار سب کی آنکھ | چشم بدو رہے غضب کی آنکھ

حیدر علی صفیر

کوئی تسخیر افسون ہو یا آغاز آنکھوں میں | لہجھا لیتا ہے دلوں کو بت طناز آنکھوں میں

لہجھا لیتا ہے خبر مقدم ہے اور وہ طناز سند الیہ مؤخر ہے۔

نکستہ

اُکاں اس شوخ کے بھر دین تو بکبا ابرو | کوئی جانائے قرین رہتے ہین اکثر گیسو

اس شوخ کے کان بھر دین اور گوش جانان سے قرین رہتے ہین سند مقدم اور گیسو سند الیہ مؤخر سند دن کو بیان مقدم اس لیے کیا ہے کہ سامع کو سند الیہ کے سُنے کا شوق پیدا ہو کہ یہ کس کا ذکر ہے اور جب معلوم ہو کہ یہ گیسو کا بیان ہے تو لذت حاصل ہوتی۔

آرامیش محفل

خوش آئندہ ہے نکستہ راسے ہیل | رہے بزم میں اس سے تیل ہیل

خوش آئندہ سند مقدم ہے اور نکستہ راسے ہیل سند الیہ مؤخر۔

دو چیز ہیں یادگار دوران قائم تیرا ستم اپنی جانفشانی

پہلا سراج سند مقدم ہی اور دوسرا سند الیہ موخر۔

کشن پر شاد شاد

آئینہ بھی تو تہی شخص تو ہی عکس تو ہی اصل میں ایک بین سب تیری قسم غیر نہیں

آئینہ اور شخص اور عکس سند مقدم ہیں اور مخاطب سند الیہ موخر۔

محشر

ہم ترے کوچے میں سب چھوڑتے تنہا بھاگے دل و دین صبر و خرد طاقت و آرام تمام

ابانت

ہے جو سرگرم سلیمان جہان باد و پیر ٹوٹے پڑتے زمین پر نیر اور پیر اور نیر پر

تنبیہ جو قواعد و قواعد ہیں سند الیہ اور سند کے باب میں ذکر کیے ہیں جیسے تعریف اور تنکیر اور تقدیم اور تاخیر اور اطلاق اور تھقیق اور ابدال اور تائید اور عطف اور ذکر اور حذف یہ انہی دونوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ جو کوئی ماہر سخن غور و خوض کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ چیزیں مفعول ہیں اور حال اور تمیز اور مجرور اور مضاف الیہ میں بھی واقع ہو سکتی ہیں۔

چوتھا باب غ متعلقات فعل کے بیان میں

بطور تمہید کے یاد رکھنا چاہیے جو کہ صلاحیت سند ہونے کی رکھے اور معنی مستقل ہو دلالت کرے اور علامہ معنی مصدری کے جو کہ اس کے جوہر میں ہیں تین زبانون میں سے کوئی زبانہ اس کے ساتھ پایا جائے وہ فعل ہے اور ہر فعل کے لیے غرور ہو کہ کوئی اس کا فاعل یعنی کرنا یا ہودے پس اگر فعل صرف فاعل ہی کو چاہتا ہو فاعل کے سوا اور چیز کا محتاج نہ ہے تو اسے لازم کہتے ہیں جیسے احمد آیا اس شال میں آیا فاعل احمد فاعل ہے فعل آنے کا احمد نام ہو چو کہ فاعل فعل تھا اور اگر فاعل کے سوا متعلق کا محتاج ہو اور متعلق لام کے فتح سے وہ شے ہے کہ فاعل کا فعل اس پر واقع ہو یا بمنزلے واقع ہونے کے ہو اور واقع ہونا فعل کا یا بمنزلے واقع ہونے کے ہونا مفعول پر ہوتا ہے تو اس کو مفعول کہتے ہیں جیسے احمد نے اپنے بھائی کو مار بیان سے معلوم ہوا کہ فاعل کو متعلق فعل کا نہیں کہہ سکتے اور سی واسطے فاعل کے حق میں کہتے ہیں کہ فعل اس کے سرزد ہوا یا اس کے ساتھ قائم ہے یا اس کی طرف سند ہے اور یوں نہ کہیں گے کہ اس سے متعلق ہے

اور یہ بات اصطلاح کی رو سے، نہ لغت کی رو سے اور ہمارا یہ کہنا کہ بمنزلے واقع ہونے کے
 ہوا سیتے ہو کا احمد فیروز کو لگایا یا احمد فیروز کو نہ لگایا یا احمد لے یہ بات کہی تینوں چیزیں تعریف
 میں داخل ہیں پہلی مثال میں وقوع فعل کا فیروز پر ظاہر ہے اور دوسری مثال میں فعل لہجائی کا
 خود وقوع نہیں ہوا کیونکہ اُسکی نفی کی گئی ہے بلکہ قائم مقام واقع ہونے کے ہے اس سبب سے
 کہ اگر فعل مثبت ہوتا ہے تو یوں کہتے ہیں کہ فعل اُس پر واقع ہوا اور جب نفی کا حرف فعل پر
 لائے تو وہ فعل منفی ہو گیا اور باعتبار تاویل کے یوں کہا گیا کہ فعل منفی اُس پر واقع ہے اور تیسری
 مثال میں کہنا بات کا ہے نہ کہنے کا واقع کرنا بات پر لیکن اُسکو بھی مانند سے تاویل کے وقوع
 سے تعبیر کرتے ہیں اور فاعل اُسکو کہتے ہیں جس کی طرف فعل کی اسناد بطور قیام کے کی جائے
 مراد استاد سے یہ ہے کہ فعل قائم ہو فاعل کے ساتھ اور میں کہ یہ فعل فلان شخص نے کیا ہو کہ وہ
 فاعل کہلائے گا مفعول بعد ہے کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہوا یا قائم مقام واقع کرنے کے بعض
 فعل دو مفعولوں کو چاہتے ہیں جب فعل اپنے فاعل کی طرف منسوب ہوتا ہے تو اسے نسبت کہتے ہیں
 اور اگر کسی فعل کی طرف منسوب ہوتا ہے تو تعلق کہتے ہیں جیسے فعل متعدی کا تعلق مفعول بہ سے
 ہر فعل کو فاعل سے ناگزیر ہے کیونکہ پیدا ہونا کسی امر کا بدون پیدا کرنے والے کے محال ہے
 مگر اتنا فرق ہے کہ فعل معروف کا فاعل معلوم ہوتا ہے اور فعل مجہول کا نام معلوم بیان مفعول بہ
 کو فاعل کا قائم مقام کر کے فعل کی اسناد اسکی طرف کر دیتے ہیں جس کو مفعول قائم یا مستم فاعل
 کہتے ہیں۔

کبھی ایک اسم کی طرف دو فعل سند ہوتے ہیں اسے باب تنازع کہتے ہیں اور
 تنازع چار حالتوں سے خالی نہیں۔
 (۱) دونوں فعل چاہتے ہوں کہ اسم ظاہر اُن کا فاعل ہو مثلاً۔

آدوق

کرتی از سیر بقرعہ فانوس ناک جھانک | بدائے سہمی شمع مقرر لگی ہوئی

فعل کرتی اور لگی ہوئی کا فاعل شمع ہی اور یہ دونوں فعل چاہتے ہیں کہ شمع ہمارا فاعل ہے۔

رند

زلف اس حور کی دکھانا یا | دل مری جان پر بلانا یا

فعل دکھانے اور بلانے کا فاعل دل ہے۔

بیخود

اگر کراہے آتی ہے ہر دم سناں پر اسٹھ پڑھتی ہر ترے نہ نہیں بھگ کی بھائے بھگ
اگر کراہی اور جڑھتی اور کھائے کا فاعل ریف ہے۔

ظفر

اگر ظفر جائے گل پر نہ کرے تار کہ جی دیکھے رنگین گرائیں شوخ کی پوشاک بہار
(۲) دونوں فعل چاہتے ہیں کہ اسم ظاہر ایک مفعول ہو۔

مستی

مرے ملک سے ختم کو دور کر الم سے چپڑا بھکھو سرد رہ
چھڑا اور کر یہ دونوں فعل چاہتے ہیں کہ جھاوہما مفعول ہے۔

ذوق

مقدر ہی پر گرسود زبان ہے تو اٹھنے یا نہ کچھ کھویا نہ پایا
نظیر اس کا کمان عالم میں ای ذوق کہیں ایسا نہ پائے گانہ پایا
شعر اول میں کھویا اور پایا دو فعل ہیں ان دونوں کا مفعول کچھ بمعنی کوئی چیز اور دوسرے
شعر میں نہ پایا اور نہ پایا دو فعل ہیں اور انکا مفعول نظیر ایک ہے۔
(۳) پہلا فعل چاہتا ہو کہ اسم ظاہر میرا فاعل ہو اور دوسرا فعل چاہتا ہو کہ اسم ظاہر مذکور
میرا مفعول ہو جیسے۔

ناسخ

دیرے ناسخ کی برابر ہو مکے کیا ماہر د حسن میں کرتا ہر دم ہر ستار چاند کو
چاند ہو مکے کا فاعل ہو اور کرتا ہو کا مفعول۔

غالب

دفا داری بشرط: ستواری اصل ایمان ہے مرنے بچانے میں تو کہے میں کارون برہمن کو
مرنے برہمن فاعل ہو اور کارون کا مفعول۔

اصف

ہوتا چاما ہے رنگ گلابی نقاب کا چیتا ہے کب چھپائے سے چہرہ عتاب کا
چہرہ عتاب چیتا ہے کا فاعل ہو اور چھپائے کا مفعول ہے۔

امیر

جلتے ہیں غم سے جان دل دینہ دھلا چا رہا ہے طرف ہر آگ بجھاؤں گمان تک

آگ محل تنازع میں ہے کیونکہ اپنے حملے کا ابتدا ہے اور بجھاؤں کا مفعول ہے۔
(۴۷) پہلا فعل یہ چاہے کہ اسم ظاہر میرا مفعول ہو اور دوسرا فعل اسکی فاعلیت کی خواہش کرے چنانچہ

احسان را میوری

کھا تو لیں بھرمین کر ڈر ہے زہر قاتل شکر نہو جائے

زہر قاتل کھا لیں کا مفعول ہے اور شکر نہو جائے کا فاعل ہے۔

گویا

پھینک دے گا ہاتھ سے اپنے اگر گل کر کے بار سسے بل کر کرے گی سجدہ شکرانہ شمع

گل کر کے پھینک دے کا متع مفعول ہے اور سجدہ کرنیکا فاعل۔

مرزا کاظم حسن

یہی اک رندیائی کھا صد افسوس خدا بخٹے حسن نے بھی قضا کی

حسن بخٹے کا مفعول ہے اور قضا کی کا فاعل۔

صف

کتے کو اپنے قاتل دے ہاتھ سے جو اپنے خلعت سے ہو زیادہ اسکو کفن مبارک

کفن محل تنازع میں ہے کہ دے کا مفعول بھی ہے اور اپنے حملے کا ابتدا بھی واقع ہوا ہے۔

دل غ

بات کی شاخ میں بھی آج ہے وہ اشک کامر اور ناچا ہین لوٹو میں نہ کبھی قول و قسم

قول و قسم توڑنا چاہین کا مفعول ہیں اور لوٹو میں کا فاعل۔

درو

وید و داد پر ہوئی دورے میری اسکی ہر جو میں چاہے تھا وہ بات نہوئے پائی

بات چاہے کا مفعول ہے اور نہوئے پائی کا فاعل۔

ان صورتوں میں تنازع کا رفع کرنا اگرچہ فعل اول و ثانی دونوں کے عمل دینے کے ساتھ بالاتفاق جائز ہے مگر اختلاف اختیار میں ہے چنانچہ بعض فعل ثانی کو عمل دیتے ہیں جیسے
ان شعروں میں۔ ۷

تیرے ناخن کی برابر ہو سکے کیا مہر و حسن میں کرتا ہی مدغم یہ ستار چاند کو
ہو سکے کا فاعل چاند ہے اور یہی کرتا ہے کا مفعول ہے۔

غالب

وفاداری بشرط استواری اصل ایمان ہے مرے بچنے میں تو کہے میں گا ٹون برہمن کو
برہمن مرے کا فاعل ہے اور گاڑون کا مفعول۔

فعل ثانی کو عمل دیا ہی یعنی علامت مفعول کی آئی ہو اور فعل اول میں فاعل کی ضمیر اور اظہار
قبل انکر آمد میں جائز ہے۔ اسی قبل سے ہے۔

امیر

ٹپکے روکے اس محفل میں دنوں کیار سوا دل نامان کو بھاتے کہ چشم ترکو بھاتے

سہیل

خندے عاشق کی یہ ہر بار کچھ جلتے ہیں کہ وہ مشاطے کیسو کو نہ سلجھائے بہت
اور بعض فعل اول کو عمل دیتے ہیں اور فعل ثانی کے واسطے ضمیر لاتے ہیں مثلاً۔

ناور

خاک شہید ناز سے جتنا اٹھا غبار قشقہ لگانے کو ترے سیندھ ہو گیا
فعل اول یعنی اٹھا کو عمل دیا جائے گا اور دوسرے مصرع میں ہو گیا کیلئے ضمیر لانی جائیگی یعنی دم
سیندھ ہو گیا۔ غبار فعل اول کا فاعل ہے اور دم کا مفعول۔

برق

بہر عالم میں رہی کشتی امید نباہ دم بدم موج حوادث کے تپا پچھ مارا
کشتی امید نباہ رہی کی فاعل ہے اور مارا کی مفعول ہیں فعل اول کو عمل دیا جائے گا اور فعل
ثانی کے یہ ضمیر لانی جائے گی یعنی اسکو تپا پچھ مارا۔

یاد رکھو کہ فعل کو مفعول بہ کے ساتھ ذکر کرنا ایسا ہی جیسا کہ فاعل کے ساتھ اسکو ذکر کرنا ایسے کہ
فعل کے ساتھ فاعل یا مفعول بہ کو ذکر کرنے سے سامع کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس فعل کو فاعل اور
مفعول بہ کے ساتھ تعلق ہر فاعل کے ساتھ تو سب سے تعلق ہر فعل اسکی ذات سے وقوع میں آیا ہو اور مفعول بہ کے
ساتھ ایسے تعلق ہو کہ اس پر واقع ہوتا ہے جیسے احمد بخش نے عبد اللہ کو مارا احمد بخش سے مارنے کا
فعل وقوع میں آیا ہی ایسے وہ فاعل ہو اور عبد اللہ پر یہ فعل واقع ہوا ہے اس لیے وہ مفعول بہ کہ

اور فعل کے ساتھ ان دونوں کے ذکر کرنے سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ فعل فی نفسہ واقع ہوا یا ثابت ہو بغیر اسکے کہ یہ معلوم ہو کہ کس سے وقوع میں آیا اور کس پر واقع ہوا پس جب فاعل اور مفعول کو فعل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تو یہ غرض ہوتی ہو کہ فعل اُس سے واقع ہوا ہو اور اس پر واقع ہوا ہو ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ان دونوں کا صرف جاننا منظور ہو یا صرف فعل کا وقوع اور ثبوت مقصود ہو اگر اس بات کا افادہ منظور ہو کہ فعل کس سے واقع ہوا اور کس پر واقع ہوا تو یہ کہا جائے کہ مارنا وقوع میں آیا یا مارنا پایا گیا یا مارنا ثابت ہوا اور فاعل و مفعول کا ذکر تھوڑا دیکھا کیونکہ جب ان کا جتنا منظور نہیں تو ان کا ذکر عبث ہے۔

پس اگر فعل متعدی کے ساتھ مفعول مذکور نہ ہو اور غرض صرف یہ ہو کہ فعل کا فاعل کے لیے ثابت ہونا یا نہ ثابت ہونا معلوم ہو جائے تو فعل متعدی کو بنیادی لازم کے بنا لیتے ہیں۔ اور حذف مفعول کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اُسکو مقدر بھی ملتے کی ضرورت نہ ہو کیونکہ مقدر مذکور کی طرح سمجھا جاتا ہے کیونکہ قرینہ اُس کے وجود پر دلالت کرتا ہے اور سامع جس طرح رکیب میں صریح مفعول کو سمجھتا ہے اسی طرح دلالت قرینہ سے بھی مفعول مقدر کو سمجھ لیتا ہے پس ایسے فعل متعدی کو مفعول مقدر سے بھی تعلق کی احتیاج نہیں ہوتی جیسے لفظ "لو" شعر ذیل میں۔

وحید

لو آمد اسید کا تلامذہ تنوبس اب مضطرزین ہی خوف سے لبرزان ہر فوج سب

ولہ

میدان میں لودہ آگیا نیزہ لیے قلم اٹھی وہ فوج دادی قریطاس میں ہم

یا لہمی

جوڑے کی آس بری کے گڑھ آج دہسوں لو اور شلم تک کو قیامت بیاہوئی

دوق

پیش دشمن نگر حق سے نہیں بیاغ کو آئیں دیکھ ہی آتش غمزد گلستان خلیل

دیکھ کو بیان مفعول کی احتیاج نہیں صرف بنیہ کیلئے ہی ایسی قبیل سے ہی دیکھو تعزیر میں۔

وحید

دیکھو جو قہم رہا وہ نہ زندہ رہے گا آج
گچہ رنگ کہ رہا ہی کہ یا ان خون بے گنا آج

ظفر

نہیں دیکھ بہتر ستانا کسی کا اگر کھانا کسی کا کھانا کسی کا

غالب

کمان تلک کمون ساتی کہ لا شراب دے اندرے شراب ڈبو کر کوئی کباب تو دے

لا کے لیے مفعول مطلوب نہیں ظاہر ہو کہ ان تمام افعال مذکورہ کے ساتھ کوئی مفعول مذکور نہیں ہے اور نہ ہم مقرر کر سکتے ہیں کہ انکا مفعول ہے پس لابد یہی کہنا پڑتا ہے کہ یہ فعل صرف مخاطب کے متوجہ کرنے اور حوصلہ دلانے اور سست کو ہوشیار کرنے کے لیے آتے ہیں مفعول کی ضرورت نہیں دوسری صورت حذف مفعول کی یہ ہے کہ وہ عبارت میں مقدر ہو اور فعل کا تعلق مفعول غیر مذکور سے لابد ہو اور اس مفعول مقدر کے لیے دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ اُس کے متعین کرنے کے واسطے کوئی قرینہ موجود ہو دوسری شرط یہ ہے کہ اُس کے حذف کرتے گئے لیے کوئی غرض بھی پس تفصیل اغراض کی یہ ہے۔

(۱) مفعول کو اس وجہ سے حذف کر دیتے ہیں کہ ابہام کے بعد اسکا بیان کیا جاتا ہے اور اخفا کے بعد اُسکو ظاہر کیا جاتا ہے اور یہ اکثر فعل چاہنے اور ارادہ کرنے اور کہنے اور فرمانے اور پسند کرنے اور محبت کرنے میں محذوف ہوتا ہے بشرطیکہ یہ افعال شرط واقع ہوں پس شرط میں مفعول کو مخفی رکھ کے جڑ میں بھول دیتے ہیں پس یہ جزا اُس پر دلالت کرتی ہے اور اُس کو بیان کر دیتی ہے مثلاً اگر کہیے تو میں کل آؤں۔ اگر فرمائیے تو میں کھانا لاؤں۔ میں اگر چاہتا تو چلا جاتا اگر میں پسند کروں گا تو تم کو پٹھانوں کا بغی اگر آنے کو کہیے اور اگر کھانا لانے کو فرمائیے اور اگر میں چلا جانا چاہتا اور اگر میں تم کو پٹھانا پسند کروں گا۔ ظاہر ہے کہ مبہم ہونے کے بعد بیان زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

محشر

اگر تے ہوئے گردون کو تو چاہے تو سنبھالے تجھ سانسہ کوئی صاحب دسان سنا ہے

یعنی اگر کو گرے ہوئے گردون کو سنبھالنا چاہے تو سنبھالے جب چاہے فعل مذکور اس واسع نے جانا کہ کوئی ایسا مفعول ہے جو چاہنے سے متعلق ہے جب جواب شرط میں کہا سنبھالے تو اس واسع کو معلوم ہو گیا کہ وہاں سنبھالنا محذوف ہوا ہے پس سنبھالے جزا سے توضیح مفعول کی ہو گئی۔

مومن

بعد یک چندے اگر خدا چاہے | مین ہون اور تیرے در کی دریائی
یعنی اگر خدا مجھے تیرے در کی دریائی کرانا چاہے تو میں ہمیشہ تیرے در کی دریائی کرتا رہوں گا۔

ملولفہ

جو فرماؤ تو دکھلا دوں تماشا نکور دینے کا | کمان رہوے نہ صاحب کو مری پنبہ دہائی کا
یعنی جو روئے کے لیے فرماؤ آج

(۲) اس توہم کے دفع کرنے کے واسطے حذف کر دیتے ہیں کہ سامع پہلے سے اُس چیز کا ارادہ نہ کرے جو مراد نہیں ہو یعنی اُسکے حذف سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ سامع یہ نہ خیال کرے کہ اہم بیان کرنا اسی کا ہی پس جب اسکو حذف کر دیتے ہیں تو اسکی اہمیت جاتی رہتی ہے جیسے۔

امانت

ادہ سوختہ ہون مین کہ نہ پاؤت بعد مرگ | سگمے کوے پارمے آخوان تلک
یعنی گوشت کو ہڈی تک نہ پاؤینگے پس گوشت جو مفعول ہے ہر اسکو حذف کر دیا ہے اسلئے کہ اگر اُسکو ذکر کیا جاتا تو سامع کو ابجد کے ذکر سے قبل یہ سمجھ ہوتا کہ سگمے کوے پار ہڈی کو یا دین سے پس ہڈیان نہ جلی ہونگی بلکہ گوشت کا کچھ حصہ جلا ہوگا اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ آتش عشق نے ایمن پورا اثر نہیں کیا اور یہ نقصان ہے جو عاشق کامل کی شان سے بعید ہے اور جب یہ کہا کہ ہڈی تک نہ پاؤینگے اور گوشت کا ذکر اُسدا دیا تو اس توہم کی گنجائش نہ رہی کیونکہ کوئی چیز جب کسی چیز میں جائل ہو تو بغیر اُس جائل کے جے دوسری چیز تک آج نہیں پہنچ سکتی پس معلوم ہوا کہ آتش عشق جہنم تک گوشت کو نہ جلا لیکر ہڈی تک نہیں پہنچ سکتی۔

یا کاظمین جہنم کے ہاتھ سے | سودا پہنچی ہر کار کا کے مرے آخوان تلک
موشن ہر اک چراغ سے جون نکل شمعوں | پہنچا ہر دل غ دل کا مرے آخوان تلک

ان شعروں میں بھی اول کے مطابق حالت ہے۔

ولہ

نشود نامے سبزہ در بجان دینا | ہے کہ نہ زن نمود خطا کفر خان تلک
یعنی اُن چیزوں کی نشود نامہ دوسری چیزوں کو طعنہ زنی کرتی ہے کرتے کرتے خطا کفر خان
تک طعنہ زنی کرنے لگی ہے پس دوسری چیز میں غفلت بہین۔

امیرینائی

ہنس ہنس کے بہت زخم جگر پیر سے ہیں | قائل وہ لگا ہاتھ کہ دل تک اتر آئے
یعنی سینے کے تمام حصوں کو کاٹ کر دل تک کاٹ ڈالے پس دوسرے اعضا کو جو مغبول
ہیں حذف کر دیا ہے اگر ان کو ذکر کیا جاتا تو سننے والے کو مابعد کے ذکر سے قبل یہ شبہ ہونا کہ اس
دل کو کٹوانا نہیں چاہتا اور یہ اس کا نقصان ہے۔

(۳) ایسے حذف کرتے ہیں کہ اس حذف کا ذکر دوبارہ دوسرے محل پر دوسرے فعل
کے ساتھ مقصود ہوتا ہے پس اس واسطے پہلے فعل کے ساتھ اسکو ذکر نہیں کرتے دوسرے کے
ساتھ ذکر کرتے ہیں اگر پہلے کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا تو دوبارہ فعل اسکی ضمیر پر واقع کرنا پڑتا اور چونکہ
دوسرے فعل کے اس پر واقع کرنے کا ہر ایت قصد و اہتمام کے ساتھ ہوتا ہے ایسے مشکل اس
امر پر راضی نہیں ہوتا کہ پہلے فعل کے ساتھ اسکو ذکر کر کے دوبارہ دوسرے فعل کو اسکی ضمیر پر
واقع کرے گو ضمیر اسی سے کتا بہ ہوتی ہے جیسے کہ میں نے بہت ڈھونڈھا مگر سخاوت و سخاوت
میں کہیں آپکا نظیر پایا یعنی میں نے بہت کچھ آپکے نظیر کو ڈھونڈا پہلے فعل کے ساتھ نظیر کو نہ لائے
اگر اس کے ساتھ ذکر کیا جاتا تو آگے یوں کہنا پڑتا کہ میں نے اسکو کہیں نہ پایا اور اس سے وہ غرض
فوت ہو جاتی جو یہاں مد نظر تھی۔

میر

میرے اعمال آہ مست پوچھو

بخشد وادر گناہ مست پوچھو

بھاکرم بڑی کے شرب مدام

تم بھی اسے مالکان رد حینا

یعنی بخشہ و گناہ پس بخشہ و کامغول کہ گناہ ہی حذف کر دیا کیونکہ اسکو دوسرے فعل کا دوسرا مقام پر
مغبول بنانا منظور تھا اور وہ مست پوچھو ہی اگر پہلے آئے تو دوسرے فعل کو ضمیر پر واقع کرنا پڑتا جس سے
غرض فوت ہوتی اور پوچھنے کی غرض نہی کا صریح نفاذ گناہ پر واقع کرنا تھا پس اگر صریح نفاذ گناہ پر بخشہ و
کے فعل کو واقع کر دیتا تو مست پوچھو کے فعل کو گناہ کی ضمیر پر راجع کرنا پڑتا اور غرض یہ نہ تھی کیونکہ
قائل کو آپ گناہوں کی معافی میں اہتمام درجے کی تاکید منظور ہو اور وہ چاہتا ہے کہ انکی پرستش
ہی نہ ہو معافی سے بھی بڑھ کر اس صورت میں سزا گناہ کا تو ہم بھی باقی نہیں رہ سکتا اگرچہ
ضمیر سے بھی یہ بات حاصل ہو سکتی تھی مگر جو مبالغہ معافی میں صریح نفاذ گناہ پر مست پوچھو کا فعل
واقع کرنے میں ہے وہ ضمیر پر واقع کرنے میں نہیں ہو سکتا۔

سودا

مولوی جی سے اب کوئی جا کے مر پائیں
 لکھ لکھا سے ہر ایک کو صبح سے تا پشلم
 کہنے لگا کہ یہ غزل پڑھنے کو اذن عالم دو
 مجھے جو پوچھو شعر ہی کہنے کو انصرام دو

کھوڑے کو دوند و لگام منہ کو ذرا لگام

پانچویں مصرع میں دوند و لگام میں دوند کے بعد لگام کو ذکر کیا اس لیے کہ اگر دوند کے بعد ذکر کرتا تو غرض فوت ہو جاتی اور وہ یہ ہے کہ نہ دینے کا اقبال صریح لفظ لگام پر ہو کیونکہ اس میں مخاطب کی مذمت زیادہ ثابت ہوتی ہے اگر ضمیر ذکر کرتا تو اس میں یہ بھی خفاں تھا کہ شاید دوسری شے کی طرف پھرتی ہو اور اگرچہ معنی مراد مقام کی وجہ سے متعین ہو سکتے تھے مگر مبالغہ جو میں اس کے مناسب تھا کہ نہ دوند واقع کرتا صریح لفظ مفعول پر ہوتا۔

انیس

مجھ سے یہ نہو دیگا کہ امت کو سداؤں
 اللہ سزا دیگا میں کیا انکو سزا دوں
 اللہ سزا دیگا کا مفعول بھی ان کو ہے مگر اس کو یہاں حذف کر کے دوسرے فعل کے بعد ایسی فائدے کی غرض سے ذکر کیا ہے۔

ولہ

کہتے تھے اعدا کہ بچے بھی علی کے شیر میں
 یعنی جب قدم بڑھائے میں تو پھر اسکو بچے نہیں رکھتے دیکھو پہلے فعل کے ساتھ مفعول کو ذکر نہیں کیا

اشیاء

آسا ہے یہی دے بے شش و پنج
 بلا دو آتش تا دور ہو رنج
 دے کے بعد دو آتش کو ذکر نہ کیا بلا کے بعد ذکر کیا اسی نکتے کے واسطے۔
 (۴) مفعول کے حذف سے تمیز اختصار کے ساتھ مطلوب ہوتی ہے اگرچہ صیغہ عموم کے ساتھ مفعول کو ذکر کرنے سے بھی تمیز حاصل ہو سکتی ہے مگر اس صورت میں اختصار فوت ہوتا ہے۔

مشوئی قصا و قدر

آئے کو محتاج نہ جائے دیا
 آئے دیا اس کو خدا نے دیا
 یعنی اس نے عمومًا تمام آئے قانون کو دیا پس اس مثال میں عموم بطور مبالغہ کے مقصود ہے کیونکہ یہ مقام مبالغہ کا ہے۔

احسان شاہ جہان پوری

گئی ہیں عرش تک آہیں نیاز مند و نکی | بنو سنی نہ تھیں نے خدا کے بند و نکی
یعنی خدا کے بند و نکی کوئی فریاد نہ سنی یہاں عموم بطور مبالغے کے مقصود ہے۔

مہا بھارت منظوم

عنایت کیے فضل سے وہ کمال | نمایان ہوئی قدرت ذوالجلال

یعنی تمام بندوں کو فضل و کمال عنایت کیے پس مثال اول در دوم عموم کا فائدہ مبالغہ دیتی ہے
اور مثال سوم تحقیقاً یہ فائدہ بخشی ہو۔ مثال ذیل میں بھی تعمیم کے لیے مفعول محذوف ہے۔

غالب

دیکھو کچھ جو دیدہ عبرت نگاہ ہو | میری سوجو گوش نصیحت نیوش ہے

یعنی میری تمام باتوں اور نصیحتوں کو سنو یہاں عموم کا فائدہ مبالغہ ہوتا ہے۔

(۵) حذف مفعول سے صرف اختصار مطلوب ہوتا ہے کوئی دوسرا فائدہ مقبر نہیں ہوتا
جیسے مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں ”قبلہ آپ بیشک ولی صاحب کرامت ہیں کم و بیش ایک
ہفتہ گزرا ہو گا کہ ایک امر جدید مقتضی اسکا ہوا کہ آپ کو اسکی اطلاع دون خانہ کاہلی خراب آج
لکھنوں کل لکھنوں اب کون لکھے کل صبح کو لکھنوں کا صبح ہوئی غالب اسوقت نہ لکھ سہ پہر کو لکھیو۔
(۶) یا محافظت وزن اور رعایت قافیہ کی وجہ سے مفعول کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

انیس

یرتقیان کھاتے چلے جاتے ہیں تلوار و زین | مار یو پیاسے کہہ شور خنمگاریں

مار یو کا مفعول وزن کی وجہ سے محذوف ہے اور اسکی صفت مذکور ہے۔

تراپ

گر نہ شوخی سے الجھتی اُس میں کنگھی بار بار | کیوں نکلتی زلف کے سمجھ سے صدائے مار مار
سطح شالے سے جھیرٹوں زلف ناگن پار کی | بار کے سمجھ سے نکلتی بہت صدائے مار مار
ان دونوں شعروں میں قافیہ وزن کی وجہ سے مار مار کا مفعول محذوف ہے۔

حالی

کھاؤ تو پہلے بوخسراں کی | جن پہ بیتا بہ بیستی کی پڑی

پہنو تو پہلے بھائیوں کو بچھاؤ کہ ہے اترن تمھاری جن کا بناؤ
کھا فادر پہنوا اور پتاؤ کے مفعول محذوف ہیں۔

(۷) مفعول کا چھپانا منظور ہوتا ہے تو اس لیے بھی حذت کر دیتے ہیں جیسے۔

طفہ

میں خطا وار ہوں خطا کیونکہ کچھ نہ اچھا
لوگوں نے جو کچھ سکھایا چھپانے کی غرض سے اسکا ذکر چھوڑ دیا کیونکہ اس کے ذکر سے فائل کی
ندامت ہوتی تھی۔

(۸) اس لیے ذکر نہیں کرتے کہ اگر کوئی دباؤ واقع ہو تو کم دیا جائے کہ ہمنے اسے برا نہیں کہا ہے
مثلاً جب خالد کے سامنے اس کے دشمن زید کا ذکر آئے تو کم دے لغت بھیجو اور مراد اس سے زید ہی
بوجہ قیام قرینہ کے تو یہاں محض اس وجہ سے اسکا نام ترک کیا گیا کہ ضرورت کے وقت کم دیا جا
کہ میری مراد اس قول میں زید نہیں ہے۔

(۹) متعین ہونے کی وجہ سے بھی مفعول کا ذکر ترک کر دیا جاتا ہے اور اس تعین کی دو
صور ہیں ہیں۔

ایک یہ کہ حقیقتہً متعین ہو جیسے سجدہ کرتا ہوں یعنی خدا کو سجدہ کرتا ہوں۔

ناسخ

جب وہ مسجد میں ادا کرتے ہیں سب نماز اپنی قضا کرتے ہیں
ادا کرتے ہیں کا مفعول یہاں متعین رہا اور وہ نماز ہے۔

میر محبوب علی خان اصف والی حیدر آباد

یہ خانے میں کیا لطف ہو کر امال برکتی آواز چلی آتی ہے لا اور ملا اور
دوسرے یہ کہ اعداد متعین ہو جیسے اس عبارت میں فسانہ آزاد کی جلد اول کی میان
خوچی جو گرا سے تو چھپر کھٹ سے آٹھ سی کھڑے ہوئے اور ایک پڑے اب آؤ دیکھتے ہیں نہ تاؤ گا بھاڑ
بھاڑ کر چلا رہے ہیں لینا لینا لینا اسی قبیل سے ہر ذوق کے دوسرے مصرع میں سمجھ کے مفعول کا
حذت۔

ذوق

سم کو ہم کرم سمجھ بھا کو ہم دقت سمجھ
اور اب پھر سمجھ دہ تو اس بیت خدا سمجھ

- (۱۰) ادب کی وجہ سے مفعول کو ترک کر دین جیسے میں ہر وقت یاد کرتا ہوں یعنی خواب ہر وقت کا تھا۔
- (۱۱) ایسے محذوف کر دیتے ہیں کہ زبان اس کے ذکر سے اکودہ منوجیسے اللہ نے تکبر کی پاداش میں دائمی لعنت کا مستوجب کیا یہاں شیطان کو محذوف کر دیا ہے۔
- (۱۲) مفعول کا ذکر معلوم ہونے کی وجہ سے متروک کر دیتے ہیں جیسے۔

ذوق

یہ کیکے ملائک میں فلک پر رونے
اے کاش کہ اسان سے ہم بھی ہوتے
غفلت میں بھی رہتا ہے یہ اتنا ہشیار
شیطان کے چلا دیتا ہے سوتے سوتے
چلا دیتا ہے کا مفعول اسباب کراہیت کے محذوف ہے یعنی شیطان کی شرکاء میں آکر شامل
سوتے سوتے چلا دیتا ہے بسا اوقات خواب میں شیطان آدمی کے پاس عورت کے عجمس میں اپنے
اچکھو بونچا ہوا ہے سبب احتلام ہونیکا ہے بعض افعال متعدی ایسے ہیں کہ ایک مفعول کی خواہش
کرتے ہیں اور بعض بدو مفعولوں کو چاہتے ہیں متعدی ایک مفعول میں جو نسبت فعل کو مفعول کے
ساتھ ہوتی ہے ویسی نسبت متعدی بدو مفعول کو اپنے ہر ایک مفعول کے ساتھ ہوتی ہے پس معلوم
ہو گیا کہ متعدی ایک مفعول میں ایک نسبت ہوتی ہے اور متعدی بدو مفعول میں دو نسبتیں۔

حالی

سکھائے معیشت کے آداب ان کو
پرٹھائے تمدن کے سب باب انکو
سکھائے کی پہلی نسبت انکو کی طرف ہے اور دوسری نسبت معیشت کے آداب کی طرف اسی طرح
پرٹھائے کی پہلی نسبت انکو کی طرف ہے اور دوسری نسبت تمدن کے سب باب کی طرف۔

حالی

ہر ایک شہر و قریہ کو یونان بنایا
مزا علم و حکمت کا سب کو ملکا یا
بنایا کی پہلی نسبت ہر ایک شہر و قریہ کی طرف ہے اور دوسری نسبت یونان کی طرف اسی طرح ملکا یا
کی پہلی نسبت سب کی طرف ہے اور دوسری نسبت علم و حکمت کے مزے کی طرف

مثنوی سیلی مجنون

گندے بدعاجب اسکو یک چند
بمشا اسے حق نے ایک فرزند
بخشنے کی نسبت سیلی اسے کی طرف سے اور دوسری فرزند کی طرف۔

ولہ

کتنی نہیں خامشی کا پارا

عقرب نے مجھے ہر پیش مارا

ناخ

اسہنے نظارہ دردندان پار سے

تار نظر کو رشتہ گوہر بنا دیا

بنادیا کی نسبت پہلی تار نظر کی طرف ہی اور دوسری نسبت رشتہ گوہر کی طرف۔
اور جب ایک نسبت سے تجرید جاتے ہیں اور منفرد کرنا منظور ہوتا ہے تو پہلی نسبت بڑی اکتفا

کرتے ہیں۔

غیاث الدین نعمت مؤلف غیاث اللغات

بھرتے ہو ہم سے روٹھے نہیں جانتے ہو یا
ہم جانتے ہیں تلو کسی نے سکھا دیا

یہاں سکھا دیا کا مفعول ثانی یعنی کچھ ہمارے خلاف محذوف ہے تلو مفعول اول ہے۔ اور جب
مقام مقتضی مدح کا ہوتا ہے تو تعمیم اور مفعول افراد کے واسطے مفعول ثانی کو حذف کر دیتے ہیں تعمیم اور
شمول افراد سے یہ غرض ہے کہ جو کچھ سامع کے دل میں بجائے وہی اُس سے مراد لی جائے چنانچہ۔

اجرات

جرات اب بندے تنخواہ تو یوں کہتے ہیں

کہ خدا دیوے نہ جب تک تو سلیمان کب سے

وے کا مفعول مال و دولت نہ روحا بہر رزق۔ انعام و اکرام وغیرہ ہو سکتا ہے۔

کبھی ان دونوں مفعولوں میں سے کوئی ایک حقیقت میں صفت یا موصوف ہوتا ہے اور جو ان میں سے
موصوف ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے اپنے اسم ذات ہوتا ہے اُسکو مفعول اول بناتے ہیں اور جو صفت
ہونیکی صلاحیت رکھتا ہے اپنے اسم صفت ہوتا ہے اُسے دوسرا مفعول قرار دیتے ہیں مگر لفظاً موصوف
وصفت واقع نہیں ہوتے۔

پیش

سُرخ مہر و مہ اسنے تابان کیا

سُرخ مہر و مہ حقیقت میں موصوف ہے اور تابان اسکی صفت۔

شایان

ہستی مٹی تو پردے میں یک رنگ ہو گیا

گو عشق نے کمر کے کیا بے نشان مجھے

مجھے مفعول اول موصوف اور بے نشان مفعول دوم وصفت۔

ظفر

صورچے میری کیونکہ نہ از روہ ہو وہ شوخ | تو نے فلک بنایا ہے اندونٹین مجھے

مجھے مفعول اول موصوف اور اندونٹین مفعول دوم وصفت۔

المولفہ

دلگو میرے گل خندان جو کرنا تھا مجھے | لے فلک غنچہ تصویر بنا نا کیون عشا

دلگو مفعول اول موصوف اور گل خندان مفعول دوم وصفت۔

ولہ

جیب داماں کو سدا شک گلون مجھے | مجھے دیکھا یہ جو کچھ دیدہ پرخون دیکھا

جیب و داماں مفعول اول موصوف اور گلون مفعول دوم وصفت۔

ولی

کیا جلوہ سبز خط سے رخ یار نے کیا | حیرت ہے روشن آئینہ رنگارنگ نے کیا

آئینہ مفعول اول و موصوف اور روشن مفعول دوم وصفت ہو۔

بشیشتر ناخدا اور لکھنوی

دیکھے جو باغ میں عرق آلودہ رو سے یار | بنم گلون آب حیات سے ترکے پا

گلون کو مفعول اول و موصوف اور ترکے مفعول دوم وصفت۔

مولوی محمد اسماعیل

بجھکو غافل مگر نہ جانے گا | بندہ پرور برائے ماسے گا

بجھکو مفعول اول موصوف اور غافل مفعول دوم وصفت۔

منشی

میرے خائے کو کر تو گوہر فشان | زبان کو مری کر نصیح اللسان

معمولات فعل کی تقدیم

فعل کے معمول سے مراد مفعول اور مفعول بعد اور مفعول فیہ اور جار مجرور اور طرف اور حال اور تمیز ہیں مگر بیان ان میں سے بعض کی تقدیم کا بیان کیا جاتا ہے اس پر دوسروں کو قیاس کر سکتے ہیں۔

لقدیم مفعول بہ

اصل مفعول بہ کی یہ ہر کہ فعل کے بعد ذکر کیا جائے لیکن کبھی اس کو مقدم لانے میں اس سے
کئی باتیں مطلوب ہوتی ہیں جنکی تفصیل یہ ہے۔
۱) مفعول کی تخصیص پیدا ہوتی ہے جیسے۔

قلق

آپ کو دیکھ دیکھ کر بے آس ہوئی جاتی ہے سب غلاموں کو یا اس
یعنی خاص آپ کو بے آس دیکھ کر ہم لوگ بہت گھبرائے جاتے ہیں۔

غالب

فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اسکو یاد اسے جہاں میں اُسکی ہے انداز کار فرما کا
یعنی خاص فلک کو دیکھ کر وہ یاد آتا ہے کیونکہ جو کچھ تم فلک کرتا ہو اسی کے حکم سے کرتا ہو۔

ناخ

خورشید کو دیکھو آسمان کو دیکھو اتنے بڑے خوان میں ہر اک گردہ نان

موصف

کتنے کو اپنے قاتل دے ہاتھ سے جو اپنے خلعت سے ہوز یادہ اسکو کفن مبارک

گویا

گنہ گویا کے یارب بخشدے تو بنی آل دیان محمد

لیلیٰ مجنون میر غلام علی شاہی

آجھے جھج مکتب میں بچپائے ہم ترے کھنے پڑھنے سے بازائے ہم

گویا

عروس فکر کو دکھلائے گا شباب فلم کرے مداد سے کیونکر نہ اب خضاب فلم

مولوی نذر میر احمد

سکینہ بین کو فرمایا قانع صفرا مرخص ہیں کو بتلایا روغن ہادام

نہشی

شبستان دل کو مرے سر پر چراغ خرد سے منور تو کر پا
مجھے اپنے گنجینہ فیض سے درد انش و گوہر عقل دے

سید امداد امام اثر

بہین بزم حدومین وہ بلانا ہے نمنا ہے	کرم ایسا بھی ہوتا ہے تم ایسا بھی ہوتا ہے
-------------------------------------	--

ایش

باتو کو قسین دیکے چلے شاہ نادر	ادہ پیاس درودہ دھوپ کا صدوہ منظر
--------------------------------	----------------------------------

سیف

جھا کو ترک کر دو تم وفا کو مین چھوڑ دوں	اچھا استہار تھیں ہو کچھ استہار بھی
---	------------------------------------

چونکہ جفا کو عشوق سے خصوصیت ہر در وفا کو عاشق کے ساتھ اختصاص ہوا سیلے دونوں کا ذکر مقدم کیا۔

شہادت استقرار اور حکم ذوق سے ثابت ہے کہ اکثر صورتوں میں تقدیم مفعول سے تخصیص ضرور پیدا ہوتی ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوتا ہے۔

(۲) مفعول کی شان کا اہتمام منظور ہوتا ہے اور تخصیص منظور نہیں ہوتی جیسے۔

غالب

آئینہ دیکھ اپنا ساٹھ لے کے رہ گئے	صاحب کو دل نہ دینے پر کتنا غور ہوتا
-----------------------------------	-------------------------------------

یہاں صرف اہتمام شان مفعول مقصود ہوا سیلے کہ دیکھنے کا تعلق آئینے سے اہم ہے۔

صفت

جلا کے ڈالو نکو اشد یوں جلاتا ہے	رقیب پر پردہ پردانہ شمع رو ہو کر
----------------------------------	----------------------------------

گویا

یہ خوف شرع کا ظاہر مین کوئی اٹلم لے	سدا شراب کو لکھتا ہے آفتاب قلم
-------------------------------------	--------------------------------

مرزا احمد علی ندیم

صفت مرگان کو چٹھایا خدا خیر کرے	لوگ راہ جائے اگر کچھ ظفر کی صورت
---------------------------------	----------------------------------

مومن

جھکو بھی نہ کہ سکین ترا مثل	یان تک نقش دہلی مٹا یا
-----------------------------	------------------------

رند

دوش دایہ کو نہ جانوں مین کنار مادر	برورش یافتہ ہوں دامن صحرا تیرا
کبے کو نہ پوچھیں ہر سندو کے ہوتے	لے شیخ یہ بندہ تو ہر ستار ہر رب

غالب

اے پرے سرحد دارک سے اپنا سجدہ
 قبلے کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں
 (۳) اس لیے مقدم کر کے ہیں کہ تبرک میں تعجیل مقصود ہوتی ہے جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
 اللہ نے اپنا محبوب کیا۔

(۴) تقدیم مفعول سے لذت حاصل کر کے میں تعجیل مقصود ہوتی ہے جیسے۔

غالب

پوسہ دیتے نہیں اور دل پہ ہر لحظہ نگاہ
 انجی من کہتے ہیں کہ مفتائے تو مال اچھا

آصف

نرگس جادو دکھا کر کوئی جادو کر گیا
 دوستو لینا خبر میرا دل مضطرب گیا

سودا

بادے کو ہاتھ سے زاہد کے نہ پیوے ملا
 بریہ ماضی کی کہ کپڑوں پہ جو چھڑکے تو چھڑک

ولہ

جتنے دل میں تو دکھ لو نہیں یہ ہے رشک
 اسی میں جان ہوا اس میں ہی تو ہو

(۵) مسرت میں تعجیل مقصود ہوتی ہے۔

میر

برقع کو اٹھا چہرے سے وہ بت اگر کہے
 اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے

سیک

پوشاک جو لینی ہو تو پہنچا د
 بولیں وہ چلو کما قسم کھا د

سودا

خوش دلی ایک سی میں پانا ہوں
 ہم غریب و غریب پرور ہاں

(۶) برائی میں تعجیل مقصود ہوتی ہے جیسے۔

غالب

غیر کو کیونکر وہ یارب منع گستاخی کرے
 گر حیا بھی اس کو آتی ہے تو شرما جائے ہر

سودا

بزیہ کو تو سلمان گئے ہے اداں میں
 پھر اسکو کیسے اولوالا میں کرے یاد

ولہ

الوحاے کیا باتوں کی میزان میں تولی | قرض کے دو سو کچا سو کی جڑی درموا
(۷) کبھی مفعول کے مقدم لانے سے اسکی شان کی تعظیم مقصود ہوتی ہے

میر حسن

پیمبر کو بھیجا ہمارے لیے | دھی اور امام اُسے پیدا کیے

شاد

اذا ت کو اسم و صفت میں جو نہ دیکھے کوئی | دیدہ اسکا بخدا دیدہ بینا نہ ہوا

مقصود بالتمثيل لفظ ذات ہے۔

قصہ حلیمہ سعیدیہ

لینے اُس شاہ کو لائی گھر میں | پورا شد کو لائی گھر میں

سیم

انسان کو کیا ہے حق تعالیٰ | ہے عقل سے اشرف المخلوق

(۸) تقدیم مفعول میں فاعل کی بڑائی و عظمت نکلتی ہے جیسے اس شعر میں قصہ شاہ روم کے

جسے چاہے تو ہی دیتا ہے عزت | جسے چاہے تو ہی دیتا ہے ذلت

لینے تو ایسا عالی شان و صاحب عظمت ہے کہ جسکو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جسکو چاہتا ہے ذلت
دیتا ہے خواہ بادشاہ ہو خواہ فقیر۔

مستاز گنگوہی

مردوں کو زندہ غلامان بنی کرتے ہیں | حجزہ آجاکے حضرت عیسیٰ کیا ہے

سمجھ کو حجب

مسکینوں کو کر دے صاحب تاج | شہنشاہوں کو کر دے دم میں تلج

پیش

شر کو چھپایا ہر اک سنگ میں | نہان ہوئے گل کی ہر اک رنگ میں

گل و شمع کو اُس نے بخشی نمود | دیا مرغ و پروانہ کو بھی وجود

منشی

کبھی ناتواون کو بختے وہ زور | سلیمان کو گناہ سے کرے مثل مور

جن و دیو و انسان و حور و پری یکے اُسے قدرت سے پیدا تمام دنبرون کو اُس نے کیا ہے دیر	سہ و مہر اور زہرہ و مشتری نہاں تھے ہوتے سب ہویدا تمام کہا نہ شیردن کو اُسے ہے شیر
غالب	
دولون جہان دیکے وہ مجھے خوش رہا	یان آپڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کرین
ملفوظی زائر	
جیسے کو جگہ ملی فلک میں پڑا منہ عون کو نیل میں کیا غرق	خامدون کو گرا دیا درک میں پڑا رکھا موسیٰ کے تاج بر فرق
مولوی محمد اسماعیل	
بکرم کی سب کو تری ہجرت لے بھلا یا ارجن کو تری ہمت و جرأت لے بھلا یا	اور مجھ کو جگہ کا نہو تری شہرت لے بھلا یا اسکندر و جم کو تری شوکت لے بھلا یا
گویا	
اٹھائے سر جو ترے حکم کے بغیر کبھی	سرفلک کو کرے تیغ آفتاب شہر
مقصود بالتمثیل سرفلک ہے۔	
(۹) تقدیم مغفول سے تخصیص کے علاوہ حصہ بھی پیدا ہوتا ہے جیسے۔	
میر حسن	
ہو محمد میں یزیدی عزد جیل	بچھے سجدہ کرتا چلون سر کے بل
<p>مجھے معلوم ہے جس سے مراد خدا ہے تعالیٰ ہے اور تخصیص کے لیے اسکو مقدم کیا ہے جیسا کہ روایت آجندہ سورۃ الحمد میں واقع ہے ایک مغفول ہے جس سے خدا مقصود ہے اور تعبد جمع متکلم کا صیغہ ہے یعنی خاص تجھ کو ہم عبادت کرتے ہیں اسی طرح میر حسن کے مصرع میں کرتا چلون واحد متکلم کا صیغہ ہے اور ضمیر صیغے میں مستتر ہے یعنی خاص تجھ کو میں سجدہ کرتا چلون اور وجہ تخصیص یہ ہے کہ سجدہ اہل اسلام کے نزدیک سوا خدا کے دوسرے کے لیے ممنوع ہے۔</p>	
مذہب الاسلام	
بچھے مجھے دنرات حاجت روا	بچھی سے کے جو کے دعا

بچھے جانے ہر دم سمیع و بصیب | بچھی سے کرے عرض مانی الضمیر

ذوق

بچھت بکھا سکو اور بچھکوند بکھا جون نگاہ | نور ہا انگھون میں اور انگھون کے پیمان پر

بچھکوند بکھا مقصود بالتمثیل ہے۔

غالب

اُسے کون دیکھ سکتا کہ بگناہ ہے وہ بکتا | آجودوی کی بوبھی ہوتی تو کبھی دو چار ہوتا

اُسے کی ضمیر خداے تعالیٰ کی طرف پھرتی ہے اور مقصود بیان تخصیص و حصر ہے۔

تقدیم مفعول دوم کی مفعول اول پر

پہلے مفعول کا حق یہ ہے کہ دوسرے پر مقدم ہو مگر جہاں مفعول دوم کی شان کا اہتمام منظور ہوتا ہے وہاں اسی کو مقدم کرتے ہیں۔ جیسے۔

امیر

روئی ہر شہنشاہستان میں ہر سنس پڑتے میں بچھول | پانی پانی جو کرے دل کو وہ اسوار سہس

حقیقت میں پانی پانی مفعول دوم ہے اور مفعول اول یعنی دل کی صفت ہے لیکن صفت بیان کرنا متکلم کے نزدیک اہم تھا اس واسطے مقدم کیا۔

ہوس

دولت یہ کسے کسولے دی ہے | نعمت ہمیں جو کہ تو نے دی ہے

دولت و نعمت کا بیان اہم تھا انکو پہلے بیان کیا ہا ورنہ مفعول دوم ہیں اور کسے اور ہمیں مفعول اول کو مؤخر کیا۔

صغیر

سحر برائے اگر بھانہ تی کی صورت | برکبوتر کو کرے برکوبوتر گیسو

پہلی جگہ پر مفعول دوم ہے اور کبوتر مفعول اول اور دوسری جگہ پر مفعول اول ہے اور کبوتر مفعول دوم۔

شفتہ

جو بگناہ جانے بچھے خلق کیا نسیم | اگر آشنا آشنا جانتا ہے

پیش

روانی مرے نطق کو کر عطا

سلاست طلاق سے کر آشنا

۵

مردہ پہونچا دُ میرے قاتل کو

کشتہ ناز آج سرود ہوا

نسیم

انجمن مجھے خطاب دیدے

بیلی مین نے بچھے بنایا

ولہ

بادام بفتہ کو دکھایا

یہ سنکے اشارے سے بٹھایا

قمری اُسے سرودنے بنایا

طوق اُس کو طلسم کا بچھایا

گلزار علی سیر

خاطر دسوسہ پیردا ز کا دیوانہ ہوں

خط کبوتر کو دیا لاکھ طرح کے ہین خیال

تقدیم حال کی صاحب حال پر

حال وہ لفظ ہے کہ فاعل یا مفعول بہ کی کیفیت اور حالت کو ظاہر کرتا ہے جبکہ فاعل کے فعل صادر ہو یا اسکی ذات سے قائم ہو اور مفعول پر فاعل کا فعل واقع ہو جسکی حالت معلوم ہوتی ہے اُسے ذوالحال یا صاحب حال کہتے ہیں اصل یہ ہے کہ حال صاحب حال سے پیچھے ہوا کرتا ہے کبھی حال کو صاحب حال پر مقدم کر دیتے ہیں اور اُس جگہ زیادہ اہتمام شان کا پایا جاتا ہے۔

نسیم

اخذان خندان اٹھا دہ بشاش

جب پردہ صبح ہو گیا فاش

خندان خندان حال ہی اسی کا زیادہ ترجیحا منظور تھا اسلئے مقدم کیا۔

اصف والی حیدر آباد

دل مین زہر عشق آخر کام اپنا کر گیا

گھٹنے گھٹنے عاشق بیمار تیرا مر گیا

ہوس

آزردہ دگر یہ ناک دیر نسیم

سب آئے یحیف کرتے باہم

مولوی منظر علی حضوری

کل جو غصے سے مجھے اُنے دکھائی کھین رونے روئے مری آشوب کرائی کھین

ظفر

ہوں وہ گلے کے ہار اُڑاتے پوچھے کچھ ہے ہو پڑے ہین یہ کیوں ہار میں کچھ مل

تقدیم طرف

کبھی طرف اُسکے متعلقات پر مقدم لاتے ہین اور طرف کی شان کا اہتمام منظور موتا ہی جیسے

لمو لفر

بیچ لویہ ہے ابھی سوچھی پیر معان کوستی میں بنے میں جاتا قوس بجایا دیر کا جا کے طواف کیا

کعبہ مکان تبرک عبادت گاہ اسلامیان ہر اس میں ناقوس کا پھونکنا ایک مرغیب تھا اور اسکا بیان ضروری تھا اسیلے اُسکو مقدم کیا اور اُسکا ذکر اول مناسب سمجھا۔

نعیم

کعبہ میں نہیں پایا لودیر میں جاتا ہوں اکسا ہوں کہ شاید وہ ہیرم بیان ہوگا

ناسخ

باغ میں گرج جو اُس گل کی سواری آئی شور ٹیکل ملے کیا باد بہاری آئی

غالب

اپنیس میں گذرتے ہین جو کوچے سے وہ میرا کندھا بھی کھا روٹکو بدلتے نہیں دیتے

ولہ

اُس بزم میں مجھے نہیں بنتی حیا کے بیٹھا رہا اگر چہ اشارے ہوا کیے

صحبت میں غیر کی نہ بڑی ہو کہیں یہ خو دے لگا ہے بوسہ بغیر التجا کیے

ولہ

اپنی گلی میں دفن نہ کر بھکو بعد قتل میرے بچے سے خلق کو کیوں تیر لکھ ملے

گلزار نسیم

واقف اُس بہت کدی سے یقین وہ شہد پ اُس کو لے گئیں ود

تھا نے میں تھا طلسم کا ڈر شش در ہوا چار سمت پھر کر

ذوق

دل بدخواہ میں تھا مارنا یا چشم بدبین میں فلک پر ذوق گر تیر دعا مارا تو کیا مارا

کشتن پر شاد شاد

جو وابستہ ہیں گیسو سے ترے یہ انکی زینت ہے گلے میں طوق ہے اور پائون میں زنجیر رکھتے ہیں

پانچوان باغ قصر کے بیان میں

قصر کے معنی روکنے کے ہیں چنانچہ اللہ فرماتا ہے حُورٌ مَقْصُودَاتٌ فِی الْاِحْتِیَامِ یعنی حورین میں خیموں میں رکی ہوئیں اور اصطلاح علم معانی میں یہ ہے کہ ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ایک خاص طریق پر مخصوص کرنا اور اسکی دو قسمیں ہیں ایک حقیقی اور وہ یہ ہے کہ ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ نفس الامر اور حقیقت میں مخصوص کر دینا اس طرح کہ پہلی شے دوسری شے سے غیر کی طرف کسی طرح متجاوز نہ ہو جیسے خاتم الانبیاء محمد ہی میں اس میں ختم نبوت کا قصر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر ہو گیا اور یہ کام ان سے دوسرے کی طرف متجاوز نہیں ہو سکتا دوسرا غیر حقیقی جسکو اضافی بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک شے کی تخصیص دوسری شے کے ساتھ بہ نسبت کسی شے کے ہو اس طرح کہ اس تیسری شے تک وہ متجاوز نہ ہو سکے اگرچہ یہ ممکن ہو کہ اُس کے سوا کسی اور جو حقیقی شے تک بعض اشلہ میں متجاوز ہو جائے پس قصر حقیقی میں ایک شے دوسری شے سے کبھی کسی کی طرف متجاوز نہیں ہو سکتی اور قصر غیر حقیقی میں بھی اگرچہ ایک شے دوسری شے سے تیسری شے کی طرف متجاوز نہیں ہو سکتی ہے مگر اس کے سوا کسی اور شے کی طرف متجاوز ہو سکتی ہے جیسے زید کھڑا ہے اس سے معلوم ہوا کہ کھڑا ہونا بیٹھنے کی طرف متجاوز نہیں ہو سکتا اور یہ نہیں ہے کہ کھڑا ہونا زید سے کسی اور کی طرف متجاوز نہ ہو سکے عمرو کا یا خالد کا کھڑا ہونا جائز ہے کیونکہ بیان کھڑے ہونے کی تخصیص زید کے ساتھ بہ نسبت بیٹھنے کے ہوتی ہے کہ کھڑا ہونا بیٹھنے کی طرف نہیں پہنچ سکتا مگر زید کے سوا اور اشیا تک کھڑا ہونا متجاوز ہو سکتی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔
والف قصر موصوف کا صفت پر اور وہ یہ ہے کہ موصوف اُس صفت سے دوسری صفت کی طرف متجاوز نہ ہو سکے لیکن یہ جائز ہے کہ اُس صفت سے اور شے بھی متصف ہو سکے (ب)
قصر صفت کا موصوف پر اور وہ یہ ہے کہ وہ صفت اس موصوف سے کسی اور موصوف کی طرف متجاوز نہ کر سکے لیکن یہ جائز ہے کہ اُس موصوف کے لیے اور صفات بھی ہوں اور قصر کی

بحث میں صفت سے مراد صفت معنوی ہے یعنی وہ معنی جو غیر کے ساتھ قائم ہوں اور صفت
نحوی مراد نہیں۔ نحویوں کے نزدیک صفت اُس تابع کو کہتے ہیں کہ ایسے معنی پر دلالت کرتا ہو جو
ذات متبع میں موجود ہوں جیسے چالاک گھوڑا پس لفظ چالاک نے اُس چیز پر دلالت کی جو گھوڑے
میں موجود ہے یعنی چالاک یا ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو متبوع کے متعلق میں ہوتی ہے جیسے
طفل خیر دین خوب اُس شے پر دلالت کرتا ہے جو طفل کے متعلقات میں ہے۔ ہے اور وہ
روپے لیکن اس اعتبار سے کہ وہ طفل کا نمبر ہے صفت طفل کی ہو گیا اسی کو لغت اور صفت
بھی کہتے ہیں۔

اقسام قصر حقیقی

۱۔ اسکی دو قسمیں ہیں (۱) وہ قصر حقیقی جس میں قصر موصوف کا صفت پر ہو (۲) وہ قصر حقیقی
جس میں صفت کا قصر موصوف پر ہو۔

مثال قصر موصوف کی صفت پر مولوی صاحب نفیہ ہی ہیں یعنی حرف ہی صفت کے
مخصوص ہیں اور کوئی صفت ان میں نہیں ہے اس قسم کا قصر ایسے بلیغ سے جو صدق کا متلاشی ہو
واقع نہیں ہوتا کیونکہ کوئی چیز ایسی نہیں کہ اسکی صفات کا احاطہ ہو سکے تاکہ کسی صفت کا اُس کے
لیے ثابت کرنا اور اُس کے ماسوا کا اُس سے بالکل نفی کرنا ممکن ہو بلکہ ایسا کر سنا محال ہے اسیلے
کہ صفت نفیہ کے لیے بھی نفیض ہے اور وہ ایسی صفات میں سے ہے کہ نفی ہاسکی ممکن نہیں اسیلے
کہ نفیض میں کا ارتفاح ممتنع ہے مثلاً جب ہم نے کہا کہ زید شاعر ہی ہے اور یہ ارادہ کیا کہ اور کوئی
صفت اُس میں نہیں پائی جاتی سوائے شاعر ہونے کے تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ وہ کھر ٹے
ہونے کے ساتھ اور کھر ٹے ہونے کے نفیض کے ساتھ بھی تصف نہواور یہ محال ہے۔

مثال قصر صفت کی موصوف پر اور یہ قسم بہت جگہ آتی ہے جیسے مکان میں سوائے
زید کے کوئی نہیں یعنی مکان میں موجود ہونا ایک ایسے معنی میں جو زید پر مقصور ہیں اسی طرح
خدا ہی عالم الغیب ہے یعنی اور کوئی اس صفت سے موصوف نہیں اسی طرح محمد ہی
خاتم الانبیاء ہیں۔

کبھی قصر حقیقی کو مبالغے کے واسطے بیان کرتے ہیں اور صفات متعددہ کو بمنزلے معدوم کے
خیال کرتے ہیں سو یہ کبھی قصر موصوف کا صفت پر ہوتا ہے چنانچہ کہنے میں زید دیوانہ ہی ہے یعنی اور
جتنی صفات ہیں دیوانگی کی ایسی مغلوب ہو گئی ہیں کہ گویا معدوم ہیں اسی طرح میر صاحب مرتبہ کوئی

ہیں یعنی انکی تمام صفات مرفیہ گوئی کے مقابلے میں کا عدم سمجھی گئی ہیں اور کبھی قصر صفت کا موصوف پر ہوتا ہے مثلاً میری شاعر ہیں۔

اس حساب سے قصر حقیقی کی چار قسمیں ہدین۔

(الف) وہ قصر حقیقی جس میں موصوف کا قصر صفت پر غیر ادعائی ہو۔

(ب) وہ قصر حقیقی جس میں موصوف کا قصر صفت پر ادعائی طور پر ہو۔

(ج) وہ قصر حقیقی جس میں صفت کا قصر موصوف پر ادعائی ہو۔

(د) وہ قصر حقیقی جس میں قصر صفت کا موصوف پر ادعائی طور پر ہو۔

اقسام قصر غیر حقیقی

اسکی دو قسمیں ہیں (۱) قصر موصوف کا صفت پر (۲) قصر صفت کا موصوف پر اور پھر ان میں سے ہر ایک میں مخاطب یا تو افراد کا یا قلب کا یا تعین کا اعتبار کرتا ہوں پس یہ چھ قسمیں ہوں گی۔

(الف) قصر موصوف کا صفت پر بطریق افراد کے۔

(ب) قصر موصوف کا صفت پر بطریق قلب کے۔

(ج) قصر موصوف کا صفت پر بطریق تعین کے۔

(د) قصر صفت کا موصوف پر بطریق افراد کے۔

(ر) قصر صفت کا موصوف پر بطریق قلب کے۔

(س) قصر صفت کا موصوف پر بطریق تعین کے۔

قصر حقیقی اور غیر حقیقی میں فرق یہ ہے کہ حقیقی میں تکلم کے نزدیک جمیع صفات مسلوب ہوتے ہیں اور یہ شرط اس میں نہیں ہوتی کہ مخاطب افراد کا یا قلب کا یا تعین کا اعتبار کرے اور یہ مسلوب مقتضی اس بات کا ہے کہ تعدد صفات نہ ہو اور غیر حقیقی میں واجب ہے کہ ان تینوں میں سے کسی ایک کا اعتبار کیا جائے اور عدم تعدد صفات کو اس میں دخل نہیں اور افراد اور قلب اور تعین حسب مقام معلوم ہو سکتے ہیں۔

اب ہم اسلئے کہ یہ مرتبہ بی خاخر نشین ہو جائے ان چھوٹوں صورتوں کو چھ مثالوں میں بیان کرتے ہیں (۱) مخاطب کو اس بات کا اعتقاد ہے کہ زینب بھی ہر اد شاعر بھی ہر تو اسوقت تکلم کے

یہ کہنے سے کہ زید بنجم ہی ہے اسکا یہ اعتقاد باطل ہو جائے گا کہ زید دونوں صفتوں میں شریک ہو اور
 اُن سے موصوف ہو اس مثال میں قصر موصوف کا صفت پر باعتبار افراد کے ہو (۲) مخاطب کو
 اس بات کا اعتقاد ہو کہ زید اور بکر دونوں فقیر ہیں تو تکلم کے یہ کہنے سے کہ زید ہی فقیر ہو مخاطب کا یہ اعتقاد باطل ہو جائے گا
 کہ دونوں صفت فقیر میں شریک ہیں اور جان لیگا کہ بکر فقیر نہیں صرف زید ہی فقیر ہے یہ مثال صفت کے قصر کی موصوف پر
 باعتبار افراد کے ہو یہ دونوں صورتیں قصر افراد کی ہیں (۳) مخاطب کو اس بات کا اعتقاد ہو کہ زید کھڑا ہے تو تکلم کے
 یہ کہنے سے کہ زید بیٹھا ہے نہ کھڑا مخاطب کا یہ اعتقاد کہ زید کھڑے ہوئی صفت کے ساتھ متصف ہو باطل ہو جائے گا اور
 یہ صورت قصر موصوف کی ہے صفت پر (۴) اگر مخاطب کو یہ اعتقاد ہو کہ زید کھڑا ہے نہ خالہ تو
 حکم کے یہ کہنے سے کہ خالہ کھڑا ہے نہ زید مخاطب کا وہ اعتقاد باطل ہو جائے گا یہ مثال قصر صفت
 کی ہے موصوف پر یہ تیسری اور چوتھی شکل قصر قلب کہلاتی ہے کیونکہ ان میں تکلم مخاطب کا تمام حکم
 بدل ڈالتا ہے بخلاف قصر افراد کے کہ اُس میں بعض حکم مخاطب کا شکم ثابت رکھتا ہے اور بعض کی نفی
 کرتا ہے (۵) مخاطب منجملہ دو صفتوں کے کسی ایک صفت کے ساتھ زید کے متصف ہونے کا
 مستفہ ہو کر اسکے نزدیک یہ متعین ہو کہ خاص اس ایک صفت کے ساتھ متصف ہے نہ دوسری
 کے چنانچہ ایک شخص کو جانتا ہے کہ فن شاعری کے ساتھ زید متصف ہے مگر اسکے نزدیک یہ متعین
 نہیں کہ ان میں سے خاص کس کے ساتھ متصف ہے تو تکلم کے یہ کہنے سے کہ زید شاعر ہی ہو اسکا
 یہ شبہ رفع ہو جائے گا یہ قصر تعین کی وہ قسم ہے جس میں موصوف کا قصر صفت پر ہوتا ہے (۶)
 مخاطب کو یہ اعتقاد ہو کہ فن شاعری کے ساتھ زید اور خالہ دونوں میں سے ایک شخص بالضرور
 متصف ہے مگر صاف صاف یہ نہ جانتا ہو کہ خاص یہی ایک شخص متصف ہے پس تکلم کے کہنے
 سے کہ فقط زید ہی شاعر ہے اسکو متعین ہو جائے گا کہ زید شاعر ہے خالہ شاعر نہیں یہ مثال قصر تعین کی اُس قسم
 کی ہے جس میں صفت کا قصر موصوف پر ہوتا ہے اور یہ دونوں قسمیں قصر تعین کہلاتی ہیں
 کیونکہ ان میں اُس حکم کو جو مخاطب کے نزدیک متعین نہ ہو متعین کیا جاتا ہے اور اُس کا شبہ دور
 کر دیا جاتا ہے۔

پس یہ چھ قسمیں قصر حقیقی کی ہیں اور چار قسمیں قصر حقیقی کی ہیں سب مکرر میں قسبیں ہوتی
 سوال اگر کیا جائے کہ بیان ایک اور قسم بن سکتی ہے کیونکہ جب سامع کو تردد زید اور بکر کے
 آنے میں ہو اور تکلم کے کہ نہ زید آیا ہے نہ بکر آیا ہے پس یہ نہ تو قصر قلب ہے نہ قصر تعین کیونکہ قصر قلب
 میں شرط ہے کہ مخاطب مفہوم کلام تکلم کے برعکس اعتقاد رکھتا ہو اور قصر تعین میں شرط ہے کہ

تصور وجود ہوا اور اشتباہ اس بات میں ہو کہ آیا کون شخص دونوں میں سے آیا ہے سو بیان تو کرنا
مخاطب کو تصویر بھی نہ تھا۔

جواب اگر سامع کو تردید اس بات میں تھا کہ جو شخص آیا ہے وہ زید ہی یا عمر دان دونوں میں سے
ایک کے سوا اور کوئی شخص نہیں تو اس وقت یہ قصر قلب ہوگا کیونکہ مکمل کلام سامع کے اعتقاد
کے برعکس ہے اگر مساوات کا ارادہ رکھتا تھا کہ زید آیا ہے یا عمر یا عمر و یا کوئی اور شخص پس بیشک یہ
تصریعین ہوگا کیونکہ اسکا خاص یہ مطلب نہ تھا کہ زید ہی آوے یا عمر و یا عمر بلکہ اسکا یہ مطلب تھا کہ کوئی
ہوا اور مطلب اسکا طلب تعین اور رفع اشتباہ تھا سو وہ برکے کئے سے حاصل ہو گیا مگر اس صورت
میں اسکا جواب مشکل ہے کہ سامع خالی الذہن ہو اور ان دونوں میں سے کسی کا تصور نہ رکھتا ہو پھر بھی
کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کی مثالیں بہت کم واقع ہوتی ہیں۔ یہ مختصر طور پر بیان قصر افراد اور تصریعین اور
قصر قلب کا ہے۔

مشراط قصر

قصر افراد میں جو قصر موصوف کا صفت پر ہو شرط ہے کہ دونوں صفات باہم تنافی و تقابلی نہ ہوں
پس اس صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ زید مینا ہے نہ نابینا کیونکہ قصر افراد میں شرط ہے کہ مخاطب
اعتقاد شرکت کا رکھتا ہو اور کوئی عاقل یہ اعتقاد نہیں کر سکتا کہ زید ایک ہی حالت میں مینا بھی ہو
اور نابینا بھی اور قصر قلب میں جو قصر موصوف کا صفت پر ہو شرط ہے کہ مخاطب ایسے معنوں کا
اعتقاد رکھتا ہو کہ ایک نوع کی تنافی ان میں پائی جائے پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ زید کھڑا ہے نہ شاعر
ہے کیونکہ قصر قلب میں شرط ہے کہ مخاطب مفہوم کلام مشکم کے برعکس اعتقاد رکھتا ہو اور یہ اس
صورت میں ممکن ہے کہ دونوں امر ایسے ہوں کہ ان میں ایک نوع کی تنافی پائی جائے
جیسا کہ کہیں زید کھڑا ہے نہ بیٹھا اور شاعری ایک صفت علیحدہ ہے اور کھڑا ہونا صفت علیحدہ
اور اس قصر قلب میں جس میں قصر صفت کا موصوف پر ہو یہ شرط جاری نہیں ہو سکتی پس جو شخص
اس بات کا اعتقاد رکھتا ہو کہ زید آیا ہے نہ عمر تو اس کو یوں جواب نہیں دے سکتے کہ زید ہی آیا
ہے نہ عمر و اسلئے کہ آنے کے وصف میں دو موصوفوں کا جمع ہونا ممکن ہے پس اس میں تنافی
ہونا شرط نہیں باکہ کبھی تنافی نہیں پائی جاتی جیسے اس مثال میں کہ زید ہی آیا ہے نہ عمر و اور
کبھی پائی جاتی ہے جیسے سوا عمرو کے زید کا باپ نہیں اسلئے کہ یہ قصر صفت کا ہی موصوف پر
قصر قلب کے قبیل سے ہے اور یہ ممکن نہیں کہ دو موصوف زید کا باپ بنے کی صفت میں جمع ہوں

اور قصر تعین میں کبھی قصر افراد کی شرط پائی جاتی ہے اور کبھی قصر قلب کی یعنی کبھی قصر قلب کی طرح دونوں صفات باہم متنافی ہوتے ہیں اور کبھی قصر افراد کی طرح متنافی نہیں ہوتے پس قصر تعین کی مثالوں میں سے بعض مثالیں قصر قلب کی ہو سکتی ہیں اور بعض قصر افراد کی۔

قصر کے استعمال کے طریق

قصر کا استعمال سات طور پر ہوتا ہے (۱) عطف کے ساتھ (۲) نفی و استثناء سے (۳) کلمہ ہی کے ساتھ (۴) تقدیم و تاخیر سے (۵) مستدایہ کی تکرار سے (۶) چند اشیا کی نفی کے ساتھ سی فئے کو ثابت کرنے سے (۷) بعض الفاظ سے۔
اب اس اجمال کی تفصیل مفصل ذکر کی جاتی ہے۔

(۱) عطف کے ساتھ قصر

مثال قصر افراد میں قصر موصوف کی صفت پر یہ کہ زید نجم ہوتا ہے شاعر۔

مصحفی

مراج الکاکٹھول اسقدر پرا ہے کہ وہ | اسنی سمجھتے ہیں اس بات کو نہ مجرم کبیر

وہ موصوف ہے اور موصوفی فیض اور بزم بھرمت صفات ہیں پس ان میں سے پہلی صفت پر موصوف قصر کیا ہے اور جبہ کلیم شرر کی اس عبارت میں برکش حکومت نے اردو کو عدالت کی گری تک نہیں پہنچایا بلکہ یونان کہنا چاہیے کہ خاک سے اٹھایا اور آسمان پر پہنچایا بلکہ جب نفی کے بعد آتا ہے تو تالی کے لیے اثبات کا فائدہ دیتا ہے اس وجہ سے حصر یہ ہوتا ہے بخلاف اسکے کہ اثبات کے بعد آتا ہے تو تنوع سے اثبات کا رفع نہیں کرتا بلکہ اسکو سکوت عنہ کے حکم میں کر دیتا ہے اس لیے قصر کا فائدہ نہیں بخشا پس مثال مذکور میں عدالت کی گری تک پہنچنے کی اردو سے نفی ہوتی ہے اور خاک سے اٹھائے جانے اور آسمان تک پہنچائے جانے کا اسکے لیے اثبات ہوا ہے۔

ترجمہ مثنوی روم مولفہ راسخ پنا

یہ حسین اپنے سے تیری قسم | لکھ تیرے دل سے ہے مرغ و غم

مکمل

آہن تیرے دل سے تیری بات نہ تیری بات | بلکہ خود تیرے دل سے تیری بات کہے تو کہہ دن

نوبہار امید

کھینے کے وقت نہ تھا ایک قدم کا چھوڑے	بلکہ بچتا ہے لیے بھت و شادی کا صفر
--------------------------------------	------------------------------------

پیش

نہ مارا بچے بلکہ دے تجھ کو کھول	دہی فنگو پیار کی مجھے بول
---------------------------------	---------------------------

میر

شہر میں جو نظر بڑا اُس کا

کسی کو اعتقاد ہو کہ شہر کے لوگ بہت سے اوصاف سے موصوف ہونگے تو یہ کہنے سے کہ ہر شخص کو اُس کے نازیبا غافل کا کشتہ پایا یہ اشتاد اُس کا باطل ہو جائے گا اور تمام اہل شہر کا قصران دو صفات میں قرار پائیگا۔

قصر قلب میں قصہ موصوف کا صفت پر

طوائف

گریہ زیا ہے نہ خندہ تمھ کو	تال پر میرے ارے او بد خو
----------------------------	--------------------------

مشتوق موصوف بہت اور گریہ و خندہ دو صفات ہیں اور ان دونوں میں تنافی ہی پس ان میں سے صرف ایک ہونے کی صفت پر قبائل نے موصوف کا شعر کر دیا۔

باد کی

دل نہ وادی نہ اُس کے دل تھا

دل موصوف ہو اور حال رہنما ان سگڑ نہ نہ یا اور خوب نصرت کے لیے افسانہ ہونا یہ دو صفات تنافی ہیں کیونکہ خواب غفلت سے یہ اف نہ ہونے سے راز دل ہو جائے اور ظاہر ہے کہ آگے لینے ہوشیار ہونے اور غافل ہو جانے میں تنافی ہے۔

مولوی محمد اسماعیل

نہیں قصہ یہ دل لگی ہے	بلکہ بھرت ہے آدمی کے لیے
-----------------------	--------------------------

قصہ موصوف بہت اور دل لگی اور بھرت یہ دو صفات تنافی ہیں پس ان میں سے صرف دوسری صفت پر موصوف کا قصہ کر دیا نیز کہ یہ شعر بھی اسی مثال میں ہے۔

سوچیں وہ کہ یہ نہیں کھتی

بہت بلکہ بڑا بھرت اچھنی

بکاؤلی جسکی طرف وہ کی ضمیر راجع ہے موصوفہ اور سمجھتی اور اُچھتی دو صفات متنافی ہیں جن میں سے دوسری صفت پر اسکا قصر کر دیا ہے۔

مولوی محمد اسماعیل

باہتر تو سرکشی کرتے نہیں بلکہ سر کو اور دیتے ہیں جھکا

سرکشی کرتا اور سر کو جھکاتا دو صفات متنافی ہیں جن میں سے دوسری صفت پر باہتر کا قصر کیا ہے۔

ظفر

دیکھے دل اس زلف کو پہنے نہ دیکھا فائدہ

فائدہ اور گھٹا دو صفات متنافی ہیں جن میں سے دوسری صفت پر ظفر کے لپٹا قصر کیا ہے۔

مولوی ظفر علی خان بی لے

لام کا ت آپ ذرا چھوڑیے اسکا نہیں وقت بلکہ یہ وقت ہے اسکا کہ بندھے شرقیہ لام

قصر افراد اور قصر قلب کے لیے بنے علمدہ علیہ مثالیں اس لیے ذکر کی ہیں کہ موصوفہ کے صفت پر قصر میں قصر افراد کی مثال قصر قلب کے قابل نہیں ہو سکتی اس لیے کہ قصر افراد میں یہ شرط ہے کہ دونوں صفات میں باہم منافات نہ ہو۔ اور قصر قلب میں یہ شرط ہے کہ دونوں صفات میں کسی قسم کا تقابل اور منافات ہو گریہ اور خندہ ہو خیار نہ ہونا اور غافل ہونا دل لگی اور جہت سرکشی گرتا اور سر کو جھکانا سمجھتی اور اُچھتی۔ فائدہ۔ اور گھٹا۔ وقت ہونا اور وقت کا نہ ہونا ایسے وصف میں کہ باہم منافات رکھتے ہیں اس لیے یہ قصر قلب کے قبیل سے ہیں اور زید کے نظم و شاعر ہونے میں متنافی نہیں اور نہ ہنسی سمجھنے اور جرم کیس سمجھنے میں منافات ہے اور نہ ظلم کا صبر ہونے اور بہجت و شادی کا سفر ہونے میں متنافی ہے اور نہ عدالت کی کرسی تک پہنچانے اور خاک سے اٹھا کر آسمان پر پہنچانے میں منافات ہے اور نہ اپنے لیے ہونے اور تیرے لیے ہونے میں منافات ہے اور نہ رُخ کو برقی و شعلہ و قمر کہنے اور خورشید جہاں تاب کہنے میں اور نہ مارنے اور کھول دینے میں منافات ہے پس یہ تمام مثالیں قصر افراد کی ہیں اسی طرح میر کے شعور میں بھی کشتہ ناز ہونے اور کشتہ تغافل ہونے میں منافات نہیں اس لیے وہ بھی قصر افراد کے قبیل سے ہے۔

مثال قصر صفت کی موصوفہ پر دید شاعر ہے خالد بہ مثال قصر افراد میں بھی کام آ سکتی ہے۔

اور قصر قلب میں بھی جیسا موقع ہوگا وہاں ویسا اعتبار کر لیا جائے گا اگر قصر افراد کا موقع ہوگا تو اس کو قصر افراد کی مثال مان لینگے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو یہ اعتقاد ہو کہ صفت شاعری کے ساتھ زید اور خالد دونوں متصف ہیں تو متکلم نے یہ کہنے کا سر صفت سے زید ہی منصف ہے خالد کو شاعری نہیں آتی اسکے اُس اعتقاد کو باطل کر دیا کہ مطلق شاعر میں میں بیان افراد کا قصر شاعری پر ہو گیا اور اگر قصر قلب کا موقع ہوگا تو اُس کی مثال مان لینگے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو یہ اعتقاد ہو کہ خالد شاعر ہے زید شاعر نہیں تو قائل کے یہ کہنے سے کہ زید شاعر ہے نہ خالد اُس کا وہ اعتقاد باطل ہو جائے گا اور اس میں قلب اور عکس اُس کے اعتقاد کا ہے کیونکہ جس کو وہ شاعر جانتا تھا متکلم نے اُس کی شاعری کو باطل کر دیا اور جبکہ شاعر نہ جانتا تھا اُس کو شاعر مانا پس اُس ایک مثال کے دونوں جگہ کام آنے کی تمحیص فیصل معلوم ہو گئی اسی طرح اور بھی مثال قصر افراد کی ہوگی وہ قصر قلب میں یا بالعکس کام آئے گی بشرطیکہ قصر صفت کا موصوف پر ہو کیونکہ صفات کی تنافی قصر قلب میں اور عدم تنافی قصر افراد میں موصوف کے صفت پر قصر میں شرط ہے اور صفت کے موصوف پر قصر میں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ بیان خود دونوں موصوفوں میں علانیہ تنافی موجود ہوتی ہے پس بیان دونوں قصر دن کا فرق مخاطب کے اعتبار کے موافق ہوتا ہے۔ ۵

یون ریختہ کہنے کو شاعر تو ہزاروں ہیں	بدنامی کو آخرت اک میر ہیں اور ہم ہیں
--------------------------------------	--------------------------------------

جن لوگوں کو یہ اعتقاد تھا کہ فن شاعری میں بہت سے لوگ کمال رکھتے ہیں تو قائل نے یہ کہہ کر کہ اس فن میں بدنام یعنی نامور ہم دو ہی شخص ہیں اُنکے اس اعتقاد کو باطل کر دیا اور اس فن کے کمال کا قصر و شخصوں کے ساتھ کر دیا اور یہ قصر افراد کی صورت ہے اور قصر قلب کی صورت یہ کہ کسی شخص کو یہ اعتقاد ہو کہ فن ریختہ گوئی میں میر اور حسرت نامور نہیں اُنکے سوا دوسرے شاعر نامور ہیں تو قائل کے یہ کہنے سے کہ میر اور ہم اس فن میں نامور ہیں اُس کا وہ اعتقاد باطل ہو جائیگا اور اس میں اُسکے اعتقاد کو قلب کر دیا ہے۔

مومن

لا لوق جور و جفا ہے وہ نہ میں	مفری فتنہ بلا ہے وہ نہ میں
-------------------------------	----------------------------

ہر مصرع میں موصوف وہ اور میں ہیں اور اُنکا ماقبل صفت ہی پہلے مصرع میں لائق جور و جفا ہونے کی صفت کا قصر ہے اور دوسرے مصرع میں مفری فتنہ بلا ہونے کی صفت کا قصر ہے اور

اگر معشوق کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ اور منکلم دونوں لائق جو روحنا اور مغتری فتنہ بلا ہیں تو اس اعتقاد کے مقابلے میں یہ قول قہر فرد ہوگا اور اگر معشوق کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ لائق جو روحنا اور مغتری فتنہ بلا نہیں منکلم ایسا ہی تو اس اعتقاد کے مقابلے میں یہ قول قہر قلب ہوگا۔

ولہ

قابل ترک بھی خودے ستم آواز نہ کہ میں لائق سو بھی یہ بخش بجا نہ کہ میں پہلے مصرع میں خودے ستم آواز میں دو موصوف ہیں اور قابل ترک ہونا ایک صفت ہے جس میں دونوں موصوف شریک بننے گئے ہیں اور دوسرے مصرع میں بخش بجا اور میں دو موصوف ہیں اور لائق سو ہونا ایک صفت ہے جس میں دو شریک بننے گئے ہیں پس قابل نے قابل ترک کا قہر خودے ستم آواز پر کر دیا اور لائق سو ہونے کا قہر بخش بجا پر کر دیا۔ یہ صورت قہر افراد کی ہے اور اگر اس اعتقاد کے مقابلے میں مانا جائے کہ منکلم قابل ترک نہ خودے ستم آواز اور منکلم لائق سو رہتا نہ بخش بجا تو یہ قہر قلب ہوگا۔

ولہ

چھوڑ دینا تھا کھینچوٹ قسم کو نہ مجھے دل سے کھونا تھا اس انداز ستم کو نہ مجھے بھول جانا تھا جفا سے پیہم کو نہ مجھے نیست کر دینا تھا اندوہ الم کو نہ مجھے

غالب

گرنی بھی ہم پہ برق بجلی نہ طور پر دینے میں بارہ طرف قبح خوار دیکھ کر اور یہ ظاہر ہے کہ جو مثال قہر افراد اور قہر قلب کی ہر وہ قہر تعین کی بھی مثال ہو سکتی ہے کیونکہ یہ یا اعتبار اشتراط کے دونوں سے عام ہے۔

(۲) نفی واستثنا سے قہر

استثنا کے معنی لغت میں نکالنے کے ہیں اور اس نحو کی اصطلاح میں استثنا نکالنا ایک چیز کا ہر اس حکم میں سے جس میں اس کا غیر داخل ہے کہ استثنا کے ذریعے سے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نکالی ہوئی چیز کی طرف وہ حکم منسوب نہیں ہے جو غیر کے ساتھ نسبت کیا گیا ہے جس میں سے نکالتے ہیں اس کو مستثنیٰ منہ کہتے ہیں دریں کو نکالتے ہیں اس کو مستثنیٰ کو لے لے ہیں اور جن حرفوں سے استثنا قائمہ حاصل ہوتا ہے وہ حروف استثنا کہلاتے

بین اور استثنائین نفی سے اثبات اور اثبات سے نفی ہوتی ہے یعنی اول نفی ہو تو دوسرا
ثبوت ہوتا ہو اور اگر اول ثبوت ہو تو دوسرا نفی ہوتا ہے مگر یہ نفی و اثبات ضمناً و اشارۃً سمجھے
جاتے ہیں الفاظ کلام سے مقصود نہیں ہونے مقصود تو صرف اُن افراد پر حکم ہوتا ہے جو استثناء
کے بعد باقی رہتے ہیں کیونکہ اہل نحو کا اتفاق ہے اس بات پر کہ استثنائین میں تین چیزیں ہوتی
ہیں ایک مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے نکالنا دوسرے استثنائے کے بعد جس قدر افراد باقی رہتے
ہیں اُن پر حکم کا ہونا مقصود ہونا بغیر اسکے کہ قدر مستثنیٰ میں نفی و اثبات کا قصد کیا جائے اگرچہ یہ
لازم ہونے میں تیسرے نفی سے اثبات کا اور اثبات سے نفی کا ضمناً و اشارۃً سمجھا جانا بغیر قصد
و عبارت کے اور علمائے معانی کہتے ہیں کہ استثناء تشریک کی نفی کے لیے موضوع پر یعنی
مستثنیٰ منہ کے افراد میں سے جو کوئی مستثنیٰ سے غیر ہو وہ حکم میں مستثنیٰ کا شریک نہیں ہوتا
اور اس سے تخصیص لازم آتی ہے یعنی حکم کا ثبوت مستثنیٰ کے لیے لازم آتا ہو اور اُن افراد
کے لیے جو مستثنیٰ کے ماسوا ہیں حکم کی نفی لازم آتی ہے علمائے معانی اس تخصیص کو قصر
کہتے ہیں پس قصر اسی استثناء سے ہوتا ہے جو نفی کے بعد ہو اگر ایجاب کے بعد ہو گا تو وہ قصر کے
لیے نہیں بلکہ اُس سے حکم ایجابی کی تصحیح مقصود ہوتی ہے پس وہ صرف حکم کے لیے بمنزلے قید کے
ہیں جیسے مردان عالم آئے قصر کا فائدہ نہیں بخشتا اسی طرح آدمی آئے مگر جاہل قصر کا فائدہ نہ بخشتے گا
اور اگر یوں کہیں گے کہ نہیں آیا مگر نہ یہ تو قصر کا فائدہ حاصل ہو گا اس لیے کہ مقصود اس سے یہ ہے کہ حکم
پر مقصور کیا جائے اور اگر صرف تحصیل حکم منظور ہوتی تو یوں کہا جاتا کہ زید آیا۔

مثال قصر موصوف کی صفت پر قصر اذین

تثنوی عابد

راہ میں اُس کو نہ تھی کچھ فکر اور ہاں مگر ہر بات میں کرتا تھا غور

یہاں قصر موصوف کا صفت پر ہی اس طرح کہ کسی کو اس بات کا اعتقاد تھا کہ عابد کو راہ میں
ہر بات سے چیزوں کی فکر ہوگی پس یہ کہہ کر صرف غور کرتا تھا اسکے سوا کسی چیز کی فکر نہ تھی اُس کے
اعتقاد کو باطل کر دیا۔

مومن

نہ وہ خالق ہی مگر ہے اثر باعث خلق نہ وہ رازق ہی مگر قاسم رزق مقسوم

سامع کو یہ اعتقاد تھا کہ وہ خالق اور مثر باعث خلق ہے پس یہ کہہ کر کہ خالق نہیں مگر اثر باعث خلق ہے اس کے اس اعتقاد کو باطل کر دیا اسی طرح سامع کو یہ اعتقاد تھا کہ وہ رازق بھی ہے اور قاسم رزق مقسوم بھی ہے مکمل نے جب یہ کہا کہ وہ رازق نہیں مگر قاسم رزق مقسوم ہے تو اس کا وہ اعتقاد باطل ہو گیا۔

فاور شاگرد طالب علی خان حبشی

جو کہ موسیٰ کو قبلی کا تماشہ دکھلائے کوئی شے دوسری ایسی نہیں الا یہ وہ رخ

مشر

محشر نہیں ہی عرصہ عام میں بالیقین غیر از علی جوان بجز دو الفقار تیغ

حالی

کچھ نہیں ز اور پراہ پاس اپنے مگر امید عفورب عفور

مسائل قصر موصوف کی صفت پر قصر قلب میں

فلق

سب طرح خوش تھا وہ خجستہ نہاد غم نہ تھا کچھ بجز غم اولاد

یہاں قصر موصوف کا صفت پر اس طرح بتا ہے کہ کسی کو اعتقاد اس بات کا ہو کہ غم اولاد کا اور اس کے سوا دوسری چیز کا بھی ہوگا پس جب قائل نے یہ کہا کہ سوائے غم اولاد کے اور کوئی غم نہ تھا اولاد ہی کا غم تھا تو قصر موصوف کا صفت پر ہو گیا اور چونکہ غم ہونے اور غم نہ ہونے میں تنافی ہر اسے قصر قلب کے

غلام حسین شکیبا دہلوی شاگرد میر

ایم بسل نے گر چھوڑا شکیبا غم نہیں پر یہ غم ہر اعتبار دست قائل اٹھ گیا

شاعر نے مخاطب کے اس اعتقاد کو باطل کیا ہے کہ اس ایم بسل کو متعدد چیزوں کا غم ہوگا پس جب شاعر نے یہ کہا کہ سوائے اس کے اور کوئی غم نہیں کہ دست قائل کا اعتبار اٹھ گیا تو قصر موصوف کا صفت پر ہو گیا اور غم نہ ہونے اور غم ہونے میں تنافی ہے۔

ذوق

نہ آیا خاک بھی رستہ مجھ میں عمر رستہ کا لڑکچہ تو دل غصیت کو نقش یا نہ مجھے

مشکل موصوف ہے اور سمجھ میں آئے اور سمجھ میں نہ آ سکی دو صفتیں میں جو دو لون باہم متافی ہیں پس استنسا کرنے سے قصر موصوف کا صفت پر ہو گیا۔

غالب

حال میں معلوم ہو سکتا ہے اس قدر ہے
بہنے بار بار ڈھونڈنے ہار ہا پایا

یہاں قصروصوف کا صفت پر ہر اس طرح کہ مخاطب کو اس بات کا اعتقاد تھا کہ قائل کو دل کے
بست سے حال معلوم ہوں تو اس نے یہ کہہ کر کہ دل کا صرف یہی حال معلوم ہوا ان حالات کا قصہ کر دیا اور دل کا
حال معلوم ہونے اور نہ ہونے میں منافات ہے۔ اس لیے قصہ قلب ہے۔

الشا

فضل حیدر جہان میں ہو نہیں رہا
تو مجھے کچھ نہ ہو معلوم مگر اتنا ہو
کہ کبھی کبھار گریخ بھی دشمن مارے
چھڑی پھولوں کی جیسے کوئی کدھر نہ مارے

یہاں قصروصوف کا صفت پر ہر کہ اگر مخاطب کا یہ اعتقاد ہو کہ قائل نہایت کمزور ہے کسی عیب سے
بردشت نہیں کر سکتا تو یہ کہہ کر کہ مجھے دشمن کی تلوار سے صحن کی چھڑی کی طرح معلوم ہوگی اس کے اس
اعتقاد کو باطل کر دیا۔ معلوم ہونے اور معلوم ہونے میں منافات ہے اس سبب سے قصہ قلب ہے۔

مثال قصہ صفت کی موصوف پر خواہ قصہ افراد ہو یا قصہ قلب

میر حسن

نہیں ہر اس کا کوئی جہیز علی
یہ اس شخص کے اعتقاد کے باطل کرنے کے لیے ہے جس کا اعتقاد یہ ہو کہ پیغمبر کا ہمسرا علی در کوئی اور بھی ہو
یا صرف اور کوئی شخص نہ ہو ہمسرا پس اگر اس اعتقاد کے مقابلے میں مانا جائے کہ پیغمبر کا ہمسرا علی اور کوئی
دوسرا شخص بھی ہو تو قصہ افراد ہوگا اور اگر اس اعتقاد کے مقابلے میں مانا جائے کہ ان کا ہمسرا فقط اور
شخص ہو تو قصہ قلب ہوگا۔

میر

جس نہ آہوے چشم ابلق یار
ابلق کوئی ہرن نہ دیکھا

حالی

اُسید نہیں ہند کے راحت طلبوں کو
راحت کی کسی سائے میں جز سایہ تبصر

موس

جس نہ آہ نہ حقار فیک کوئی
جز گریہ نہ تھا شفیق کوئی

سودا

واقف اسرار اسکا کون چھٹ اسرار حق راز کا اسکے نہیں خبر راز حق کے ماز دان

حسرت

فلک نے کوئی اسباب طرب باقی نہیں چھوڑا مگر باقی ہی غم اسکا بڑی یہ شادمانی ہے

سودا

سوائے مکر زمانے میں رسم و راہ نہیں + وہ کون جا ہی جہان جاہ زیر کاہ نہیں

(۳) قصر کلمہ ہی کے ساتھ جو مفید حصہ

جب ہی کے ساتھ ضمائر مفصلہ اور اسم اشارہ کے الفاظ ملتے ہیں جیسے یہ - وہ - اس تو اکثر حرف ہا گر جاتا ہے اور جب لفظ ہم اور تم اور ان ملتے ہیں تو آخر میں ایک نون غنہ در بر طبع جاتا ہے۔

مثال قصروصوف کی صفت برقص افرادین

زید شاعر ہی کسی شخص کو یہ اعتقاد ہو کہ زید شاعر بھی ہے اور فقیہ بھی ہے تو اسکے اس اعتقاد کے باطل کرنے کے لیے کہا جائیگا کہ زید شاعر ہی ہے یعنی اس صفت کے سوا کوئی اور صفت نہیں رکھتا۔

جرات

اس گلزار بن تو عزیز و جن کے بیچ + کچھ لطف سیر ہو کو نہیں ہے بہار کا
روتے ہی در تڑپتے ہی گزرے ہی بدردش + بچنا محال ہے دل مار و نزار کا

عزیزوں کو یہ اعتقاد تھا کہ مشکل کو روز و شب رد نے اور زرا پتے اور دوسرے کام کرتے گذرتا ہو گا۔
انکے اس اعتقاد کے باطل کر کے یہ مشکل نے کہا کہ مجھے روز و شب روئے اور تڑپتے ہی گلدتا ہی۔

حالی

شاعرون میں بھی ہے یہی تکرار + خوشنویسون کو ہے یہی آزار

لوگوں کو یہ اعتقاد تھا کہ شاعرون میں کئی قسم کی تکرار ہے اور خوشنویسون کو کئی آزار ہیں تو قائل نے شاعرون کی تکرار اور خوشنویسون کے آزار کا ایک ایک چیز میں قصر کر دیا۔

کہتے ہیں اثر میٹھا روئے میں یہ ہیں بامین
اک دن ہیں نہ یار یار روئے ہی کشین راتیں

سامع کو اعتقاد تھا کہ متکلم کی راتیں سوئے اور رہتے اور روتے یا کسی اور طرح کٹی ہوئی قائل کے یہ کہنا کہ راتیں روتے ہی کٹیں اُس کے اعتقاد کو باطل کر دیا اور اپنی راتوں کے کٹنے کا ایک صفت میں قصر کر دیا۔

ہوس

ہے بس یہی لطف چشمہ آب تاشنہ جگر ہو کوئی سیراب
چشمہ آب موصوف ہو اور تشہ جگر کو سیراب کرنا صفت ہے سامع کو اعتقاد تھا کہ چشمہ آب کے لطف متعدد ہیں پس قائل نے یہ کیلئے کہ اُس کا صفت یہی لطف ہو کہ تشہ جگر اُس سے سیراب ہو۔ اس صفت میں اُس کے لطف کا قصر کر دیا۔

مثال قصر موصوف کی صفت پر قصر قلب میں

غالب

دل ہی تو ہر نہ سنگ خشت در دیکھ نہ آئے کیوں
سامع کو یہ اعتقاد تھا کہ اُس کے دل نہیں سنگ خشت ہی بس تکلم نے اُس کے اس اعتقاد کو باطل کر نیکی لیے کہا کہ دل ہی ہو سنگ و خشت نہیں پس یہاں قصر موصوف کا صفت پر ہو گیا یہ قصر قلب ہے کیونکہ دل میں اور سنگ و خشت میں تلافی ہے۔

ولہ

اہم بھی دشمن تو نہیں میں اپنے
معتوق یہ اعتقاد تھا کہ عاشق رقیب کو میرا دشمن جانتا ہو حالانکہ وہ مجھے محبت رکھتا ہے پس عاشق نے یہ لکھ کر کہ تم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ عدو کو تجھ سے دشمنی نہیں محبت ہی مشوق کے اس اعتقاد کو باطل کر دیا چونکہ دشمنی و محبت میں منافات ہو اسیلئے یہ قصر قلب ہے

قصر صفت کا موصوف پر

ذوق

کام تیرا ہی تھا اے ابرہمت مجھے
ابرہ کے اس اعتقاد کے باطل کرنے کو داغ عصیان میرے سوا دوسرے سے بھی زائل ہو سکتے ہیں شاعر نے اس کام کا قصر ابرہ پر کر دیا یہ نظر فرادی اور اگر یہ اعتقاد تھا کہ داغ عصیان دوسرے ہی سے زائل ہو سکتے ہیں تجھے زائل نہیں ہو سکے تاہم پراس کا قصر کرنے سے شعر قباب ہو گا۔

درد

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا تو ہی آیا نظر مدھر دیکھا

نظر آنے کی صفت کا قصر مخاطب پر کر دیا ہو پس ناگرس اعتقاد کے مقابل سمجھا جائے کہ مخاطب اپنے
اُسکے ساتھ دوسری چیز میں مشکم کو نظر آتی ہیں تو یہ قصر افراد ہوگا اور اگر اس اعتقاد کے مقابل مانا جائے
کہ مخاطب تو نہیں نظر آتا دوسری چیز میں نظر آتی ہیں تو اب قصر قلب ہو جائیگا۔

تسکیم

تیسرا ہی تو ہے فساد مردار داماد کو گل دیا ہے مجھے حنار

پتے اور کسی کا فساد نہیں تیل ہی فساد ہے۔

ایس

خادم شہ دین کے ہیں تو عباس علی ہیں اس عہدے کے لائق جو اگر ہیں تو وہی ہیں

دل

صورت یہی شوکت یہی اجلال یہی ہے شہادت یہی حشمت یہی اقبال یہی ہے
سربا یہی نقد یہی مال یہی ہے گوہر یہی یا قوت یہی لال یہی ہے

ذوق

بکھی افسوس ہے آتا کبھی رونا آتا دل بیمار کسمین دہی عبادت والے

واجد علی شاہ

بکھی کو داعظا پند و نصیحت کبھی اُس کو بھی بچھایا تو ہوتا

سودا

فرود اُسکا سدا جاہ و حشم رکھ اسی کو صاحب سیف و قلم رکھ

قلق

برج شاہی دکھا کے کہنے لگا یہی برج شرف ہے اُس مرہ کا

غالب

کہوں جو حال تو کہنے ہو مدعا کیے تھیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیا کیے

برایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے تھیں بتاؤ یہ انداز گفتگو کیا ہے

دلغ

جب کہا اور بھی دنیا میں حسین مجھے ہیں کیا ہی جھجھلا کے رہ بولے کہ میں اپنے ہیں

(۴) ایسی چیز کی تقدیم سے قصر حاصل ہوتا ہے جس کا حق یہ کہ وہ مؤخر ہو

والف) مسند کو مسند الیہ پر مقدم کر دینے سے :- فائدہ حاصل ہوتا ہے بشرطیکہ مسند الیہ معرفہ ہو اگر نکرہ ہوگا تو یہ فائدہ حاصل نہوگا۔

سودا

سودا بھان اپنی زبانی تو ہے
ذی نطق کا ہر خند نہیں تو خالق

آفاق میں خاقانی ثانی تو ہے
بر نطق کا خلاق معالیٰ تو ہے

اپنی زبانی اور خاقانی ثانی اور خلاق معالیٰ مسند ہیں اور توضیح مخاطب مفصل مسند الیہ ہے اور یہاں اس تقدیم سے قصر مخاطب کا اپنی زبانی اور خاقانی ثانی اور خلاق معالیٰ پر ہوتا ہے اور یہ قصر صفت کا موصوف پر ہے اور یہاں قصر افراد اور قصر قلب دونوں بن سکتے ہیں کیونکہ اگر شکل کا یہ قول اس اعتقاد کے باطل کرنے کے لیے ہے کہ خاقانی ثانی اور خلاق معالیٰ اور اپنی زبانی ہونے میں سودا کے شریک دوسرے شاعر بھی ہیں تو یہ قصر افراد کی صورت ہے اور اگر اس اعتقاد کے رد کے لیے ہے کہ سودا خلاق معالیٰ اور خاقانی ثانی اور بھان اپنی زبانی نہیں ہے تو قصر قلب ہوگا کیونکہ اس میں تکلم نے اس تمام اعتقاد کو بدل ڈالا ہے۔

حالی

جان اور مال سے غرور کو کھویا تو لے
مصرعین قید سے یوسف کو نکالا میں نے

اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تو لے
اور ایوب کے بڑے کو سمجھا لایا میں نے

(ب) بعض معمولات فعل کی تقدیم سے دوسرے معمولات پر قصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

ناسخ

کیا گلشن طبع بھلا اس شعلہ رو کے جسم پر
اپنے داغوں کے جلا دیتے ہیں پروانے کو ہم

جلا دیتے ہیں کا فاعل ہم ہے اور پرمانہ مفعول ہے اور مفعول کی تقدیم فاعل پر قصر کا فائدہ دی ہے۔

صغیر

کوئی تیری افسون پر یا عجاظا نکھو نہیں
بھالیتا ہے دل کو وہ بت طناز نکھو نہیں

دل کو مفعول ہو اور بیت طنار اس کا فاعل ہو

ظفر

چمن سے ڈھونڈھتا آوے ہزار تار ہزار
نیادے رنگ پریدہ کے پر سرخ کو گل
رنگ پریدہ کا سرخ مفعول ہو گل فاعل ہے۔

امیر

توپے سے کیا ہشیمان ہیں
زاہد و دیکھ کر گھٹائیں ہم
بعض محققین کہتے ہیں کہ مفعول کی تقدیم فاعل پر قصر کا فائدہ نہیں دیتی یہی قول مرجح ہے۔
(رج) فعل پر مفعول کی تقدیم سے قصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسے۔

میر حسن

مہ حسن نیری سبز و جل
نیچے سجدہ کرتا چادرن سر کے بل

قصہ شاہ روم

خدا کو یاد کرے پسند خاک
بنایا جسے جھکوا یا سا چالاک
مصرع اول مقصود یا تمثیل ہے۔
(و) حال کی تقدیم سے بھی فعل پر قصر پیدا ہو جاتا ہے مثلاً۔

ہوس

روتا ہوا وہ بحالت وجہ
فریاد کنان گیا سو جہد

جواد علی خان ہوس

خندان خندان جدھر چہ راہ
گریبان گریبان ادھر گئے ہم

لواب محبوب علی خان صفت

گلٹنے گلٹنے عاشق بیمار تیرا مر گیا
دلین زہر عشق آخر کام اپنا کر گیا

(ر) فعل پر مجرور کے مقدم کر دینے سے بھی قصر پیدا ہوتا ہے جیسے۔

داع

زالال لطف کی تاثیر سے مٹ جائے شورا لیا
یقین ہو اب نہ بچے خستہ کوئی کنواں کھاری
تاثیر مضاف زلال لطف ترکیب توصیفی مضاف الیہ اور یہ مرکب اضافی مجرور ہے اور حرف سے
جو سبب کا ناکہ دیتا ہے جار ہے اور یہ جار مجرور سے ملکر تعلق ہو مٹ جائے سے جو فعل ہے۔

شاہ غلام عظیم افضل

جب سے کہ ترے نور رخ صاف کو دیکھا | خواہش نہیں ہے رشکِ ہماہ سی کی

جب مجھے جسوقت مجرور ہو اور سے حق جا رہی۔

امداد

زلف میں کرتا ہر اغیار جو اسکے شانہ | پھر کہو دل پریشان رہے یا نہ رہے

زلف مجرور اور میں جا رہی۔

میر علی سجاد

ان آنکھوں پہ دم نکل رہا ہے | مجھ پر نہ نکال یا ر آنکھیں

ان آنکھوں مجرور ہو اور پہ حق جا رہی۔

(۵) سندالیہ کی تکرار سے قصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے

انیس

ولی ولی کی صدا تھی جہاں جہاں پہونچا | علی علی نظر آئے جہم جہم دیکھا

علی سندالیہ ہو اور نظر آئے سند ہو اور علی کی تکرار قصر کا فائدہ دیتی ہے یعنی علی کے سوا کوئی نظر نہیں آیا۔

۴، چند اشیاء کی نفی کے ساتھ کسی شے کا ذکر بطریق اثبات کے کیا جاتا

ہے تو وہاں بھی قصر پیدا ہوتا ہے

سراج

یہاں حالِ کثر عشق لے دل بینوا سے سراج کو | نہ خدیر پانہ خطر یا ملز ایک بے خطری رہی

اس مثال میں کوئی یہ خیال نہ کرے کہ گرجے کے نقشے سے قصر پیدا ہوا ہے کیونکہ بغیر اسکے بھی قصر ثابت

ہے بنظر مزید احتیاط دوسری مثال دیکھائی ہو۔

محسن

کشور کا کل برقع دھم سے رہا رہے

نہ خطا ہو نہ فتن ہے نہ یہ غبر رہے

نہیں مارا زید نے مگر عمر کو بیان مفعول مقصور علیہ ہوا اور فاعل مقصور۔
 اگر کہا جائے کہ قصر کی دو صورتیں ہیں ایک صفت کا قصر موصوف پر ہوتا ہے دوسرے موصوف کا
 قصر صفت پر ہوتا ہے حالانکہ فاعل مفعول دونوں ذات ہیں نہ صفت پس ان میں قصر کہتے صحیح
 ہو سکتا ہے تو ہم جواب دینگے کہ فاعل کے قصر سے مفعول پر اور مفعول کے قصر سے فاعل پر یہ مراد ہے
 کہ جو فعل فاعل کا مستند ہوتا ہے اور جس فعل کے ساتھ مفعول متعلق ہوتا ہے ان کا قصر ہوتا ہے
 نہ یہ کہ فاعل یا مفعولوں کی ذاتوں کا قصر ہوتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مقصور علیہ اور
 حرف استثناء کو مقصور پر مقدم کر دیتے ہیں اور اس وقت میں بھی حرف استثناء مقصور علیہ سے
 مؤخر رہتا ہے جیسے عنہ میں مارا مگر زید نے اس مثال میں فاعل کا قصر مفعول پر ہے اور
 نہیں مارا مگر زید سلم عمر کو اس مثال میں مفعول کا قصر فاعل پر ہے اور مستثنیٰ ائمہ عام ہوتا چاہیے
 تاکہ اخراج اہل سے ثابت ہو جائے اور یہ بھی شرط ہے کہ مستثنیٰ ائمہ جنس و صفت میں مستثنیٰ سے
 مناسبت رکھتا ہو چنانچہ سولہ سفید کے اور کسی کو نہیں مارا اس مثال میں کسی کو مستثنیٰ ائمہ پر اور
 وہ عام ہی زید کا اخراج اس سے ہو سکتا ہے اور جب مستثنیٰ ائمہ کی نفی کی جاتی ہے تو قصر یہ ہو جاتا
 ہے کیونکہ سوائے مستثنیٰ کے بقض مذکور میں کوئی شامل نہیں رہتا۔

چھٹا بلغ الشاکے حال میں

یاد رکھو کہ الشاکہ اطلاق دو چیزوں پر ہوتا ہے ایک اس کلام پر جسکی نسبت کیلئے جو اس کے مفہوم ہوئی اور
 امر خارجی جسکے ساتھ اس کلام کی مطابقت یا غیر مطابقت کا قصد کیا جائے نہ وہ دوسرے اسکا اطلاق
 مشکل کے فعل پر ہوتا ہے اور وہ اس کلام کا القاء اور بیان انشاء سے ملدہ دوسرے معنی میں پہلے سے
 پس طلب کو دشمن ہو تو اس میں یہ لحاظ ضرور رکھنا چاہیے کہ طلب کے وقت مطلوب غیر حاصل۔
 حاصل ہووے کیونکہ حاصل کی طلب محال ہے چنانچہ اگر مردے کو ہمیں کہ مر جا تو یہ محال ہے کیونکہ مر ہو گیا
 مرے گا یا بیٹھے ہوئے آدمی سے کہا جائے کہ بیٹھ کر اس سے کہ طلب کے جتنے اقسام ہیں سب میں یہ دعا۔
 ضرور ہونی چاہیے پس اگر مطلوب ایسا ہے کہ پہلے حاصل ہو گیا ہو تو ایسے موقع پر اسکو اس کے حقیقی معنوں پر
 عمل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے اور معنی سے جانا پڑتا ہے چنانچہ سفید نام انکاری کہ فی الحقیقت خبر ہے لیکن
 بظاہر انشاء ہے ورنہ عامہ میں یہ ہرگز کہ طلب اس قدر واضح ہے کہ کہ تو یا مخاطب بھی اس کو
 جانتا ہے بیان تک کہ کلام اس کا طلب کا اس سے سوا کراہی اور طلب کی پانچ قسمیں ہیں تمنا

استغنام۔ امر۔ نہی۔ ندا۔

بیان تمثا

تمثال سے کہتے ہیں کہ کسی شے کے حصول کی طلب محبت کے طور پر کرنا اور اس میں شرط نہیں
کہ تمسنی ممکن ہو جو وہی ہو کیونکہ اکثر اوقات انسان طلب محال کی بھی کریتا ہے اور وہ محال یا
محال عقلی ہوگا مثلاً۔

مجرأت

مالوف طبع جس سے ہو یا رب حبیب کی ہو جائے کاش شکل مری اس قیب کی

ظفر

اسر طار بھی اچھین دیکھئے کاش ہر کاش دیوے جھکو بھی بناد اور دادا رٹیر

افتا

پیا لیاں گل کی جو دھوئیں تو بلا سے باجی کاش دھتے کو بھی لے مرے کچھ دھوتی صبح

ولم

کاش متو کو نہ ملتی دُر محی اگتے اُسکی جا پیٹہ میناے صہاے کہن کے رو گئے

مومن

بہو پختے دان تو اس پردہ نشین کو دیکھتے کاش ہونے چشم ز گرسیدہ بادام ہم

ناظم

بے شب وصل نہو کاش سحران کی رات کمر ساری مری ہو جائے بس لڑکی بات

لواب کلب علیجان

ازد ہے تہ خنجر ہی بسمل ہو کر کاش یہ بھی مرے پہلو میں ہے دل ہو کر

ذوق

جا سکے خنوع سے نہیں کو پتہ ہو کئے گا بہجائیں کاش گریہ کی طغیانیاں میں ہم

ایمال عاوی۔ ہوگا جیسے۔

داغ

ایکس حد میں ہر آن کی بجھے تاب نہیں
کاش دشمن می جیسے آئین جو حباب نہیں

کاشکے دل دو تو ہوئے عشق میں	میرے ایک رہتا ایک کھوئے عشق میں
دیکھا اگر ملاپ ہوتا ملتے	ایک کاشکے عشق اختیاری ہوتا
اور کبھی شمنی ممکن ہوتا ہے مگر اس وقت میں بھی	بالضرورت اس کے وقوع کی امید اور توقع نہیں ہوتی اگر ایسا نہ ہو تو یہ تمنا نہیں رہے گی تیری ہو جائیگی یہ صورت اس کی مثال یہ ہے۔
ہوئی ہے امت عالی مری عراج کی طالب	شہیدی
ای اجل کاشکے شائستہ حائین شب بھران میں	سو من
اسکی ہر دم کی نصیحت میں تنگ یاہوں	ناصح
کھیل سمجھاؤ کہیں چھوڑ دے بھول جائے	غالب
یہ جو بوڑھا سا ہے دریاں تمھارا ای کاش	کاش یوں ہی ہو کہ میں میرے تلے نہ بنے
سائے میرے اگر وہ بے حجاب آئے سین	عاشق
خان اردو کے ہو بہت غمناک ہیں لکھا ہے کہ جب کلمہ کاش یا کاشکے ماہی اتراری کے ساتھ	جمع ہوتا ہے تو ندامت و حسرت کا فائدہ بخشا ہے مثلاً۔
منظر اک بلندی پیدا رہم بنا سکتے	غالب
غش میں بیٹھے رہے وہ سر کو لیے زالویر	کاشکے غش سے اُدھر ہوتا کاشکے مکان اپنا

نواب کلب علی خان

مسور

جنگے نامے بیونچے میں تجھ تک	اکاش میں اُن کا نامہ بر ہوتا
-----------------------------	------------------------------

اور بھید یہ ہے جو کہ ماضی ضرورتی الوجود ہے کہ معدوم ہو گئی اور امتداد رکھتی ہے پس جب تک
دلائل اسکی نفی کی اتمرار پر جموگی طلب ثبوت فعل کی ایک بار بھی کہ مقتضا طلب غیر حاصل کا ہے
وقوع میں نہ آئیگی برخلاف حال وہ استقبال کے اسلئے کہ اول بضرورت معلوم ہے کہ نہیں کیا ہے
طلب کی وجہ سے اور جو کہ مستقبل بھی تک نہیں آیا ہے وہ بھی اسی قیاس پر ہے۔

استفہام

ذہن میں حصول صورت سے کے طلب کر کے کا نام استفہام ہے اور حصول سے مراد ادراک ہے
اور صورت سے مراد وہ مفہوم ذہنی ہے جو ذہن میں حاصل ہو کر انکشاف و ادراک کا موجب
ہوتا ہے اسی علم ہے اسی کو صورت کہتے ہیں ہی موجود ذہنی ہے کیونکہ جس طرح حقائق اشیا کا وجود
خارج میں ثابت ہے اسی طرح ان اشیا کا وجود ذہن میں بھی ہوا کرتا ہے اشیا خارج میں
اعیان ہیں اور ذہن میں صورتیں اشیا کے جس قدر آثار و احکام مترتب ہوتے ہیں وہ سب
وجود خارجی پر مترتب ہوتے ہیں پس ہر ایک چیز کیلئے جو خاص مفہوم ذہن میں ہوتا ہے وہی اس کا
وجود ذہنی ہے جسکی وجہ سے وہ چیز ذہن میں معلوم و تمیز ہوتی ہے پس اگر وہ صورت نسبت ہو
درمیان دو چیزوں یعنی مثلاً ایسا درخت کے خواہ واقع کے مطابق ہو یا نہ ہو تو اس نسبت کے ذہن
میں نہ رک ہوئے تصدیق کہتے ہیں اگر وہ نسبت جو یکا موضوع یعنی متبادل یا محمول یعنی مستند
یا نسبت یا ان میں سے دو چیزیں یا تینوں ہوں بغیر لحاظ تعلقات باہمی کے تو اسکو تصور ہوتے ہیں
اور یہاں نسبت سے مراد خالی نسبت ہے یعنی بغیر ہر اظہار درمیان دو چیزوں کے۔

استفہام کی دو قسمیں ہیں حقیقی و مجازی۔

۱۔ استفہام حقیقی وہ ہے کہ مکمل غائب سے غیب خبر کرے یا ماس سے کہ درحقیقت مکمل
اس سے علم نہ رکھتا ہو یا تجاہل عار کا نہ کرتا ہو۔

مثال اول جیسے ہر مقررے میں غالب کے صاحب بددہ و فاکب کر دے غلام کو کب
بچھو گے ابھی تو شب کے چلے اور دے گے آرام کرینگے ذہن میں ہے۔

۲۔ استفہام مجازی یا ظاہری

اب کیا ہوتی وہ یا نہ ہوتی یا تو میں خواہ وہ غلام نہ ہو یا

سودا

کسی کی دشمنی سے جو خوش کرے دنگو | وہ کون قوم ہیں کیسے ہیں کیا ہیں بھگوت

دلغ

تھر یک دور سے بزمِ حدو میں خاک ہوتے ہم | کسی کے مات بھرتا نہ پوچھا تم یہاں کیوں ہو

ستایان

کہ تو کون ہے تیرا کیا کام ہے | انسان دے مجھے تیرا نام ہے
کس استاد سے تو نے سیکھا یہ فن | بلاشبہ یکتا ہے ناوک فلن

مثال دوم جیسے اس شعر میں آتش کے۔

بہنیکے کس کا زبور چاند سورج | غمگرمے ہیں زمر گر چاند سورج
شاعر کو معلوم ہو کہ معشوق کا زبور بہنیکے گریز اور تجاہلِ عارفانہ کے سوال کرتا ہے۔

نوا

کھولی تھی چین زلف سے کسے گرہ کتار ہجر | موجِ مدان میں ہر سیلاب نافہ مشکبار تھا
شاعر خوب جانتا ہو کہ معشوق نے چین زلف سے گرہ کھولی تھی مگر تجاہلِ عارفانہ کر کے سوال کرتا ہے۔

مشغولیِ سعدین

کیا اسی کام کو بلایا تھا؟ | اسی خاطر بھگل بنایا تھا

ولہ

اکو کیس بات پراڑے ہو تم | بانوں بے درجہ کیوں پڑے ہو تم

ولہ

کیوں جی کیا تھا تمہیں پیش کا خوش | تن بدن کا نہ تھا تمہیں کو ہوش

دلغ

راہ میں وعدہ کریں جائن جو گھر کو سرین | کون ہے کتے بلایا ہے کیوں مگر آیا

احمد علی بنی ان صادق

میں کہاں وہ عاشقانِ باغِ شعر | اب نہیں سٹھ ہیں ہم اکی فغان
ہاں کے ذوق و غائب و دلغ و امیر | پھوڑا سا کوئے ہیں خود کمان

(۲) استفہام حجازی دو قسم پر ہے۔

الف) اقاری یا تقریری یعنی اس سے مدعا ثابت کیا جاتا ہے اور مخاطب سناں بات کا اترار طلب کیا جاتا ہے جو متکلم کے نزدیک ثابت ہوتی ہے اس میں بظاہر انکار ہوتا ہے اور حقیقت میں اثبات مقصود ہوتا ہے جیسے۔

تشہید

لوگوں نے کہا ہے تشہید آپ کا مظهر فرمایا کہ کیا وہ مرے ہمراہ نہیں ہے

یعنی وہ ضرور میرے ہمراہ ہوگا۔

شاد حیدر آبادی

کب ترے بلوے نے حیران کیا عالم کو

دونوں مصرعوں میں استفہام ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔

شیفتہ

ہر جانی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو

یعنی آپکا نشان قدم بھی گویا اور آب بھی ہر جانی کہیں۔

اوج

سلامی سوز ماتم سے نہ سرگرم فغان کیوں ہو

یعنی سلامی سوز ماتم کی وجہ سے ضرور سرگرم فغان ہو۔

ناصح

کیونکر قسیم نارد جان ہونہ مرتضیٰ

(ب) انکاری جس سے انکار پایا جاتا ہے اس میں بظاہر اثبات معلوم ہوتا ہے اور حقیقت نفی ہوتی ہے جیسے۔

آباد

سبزہ خط ہے طلسم حسن سے رخ بر عیان

یعنی گاہ کا شعلے پر ٹھہرنا ممکن نہیں۔

محسن

کیسی بزمِ دل کی کیا بات ہے مہربانی

غنیہ گناہی بجا لوسے کائنات سے کل

بے کوئی بات پڑمڑولی اور مڑھانے کی مین بے

نواب محمد علی خان یوسف

کون ہر نازک بدن تجھ ماہر و سادہ سر

پھول کی بدھی جو پنی درد نہانہ ہو گیا

کریم اللہ خان درد مند

کنارے سے کنار اکب لے بے بحر کا یارو

بلک کئے کا مضمون دیدہ یز آب کیا جائے

اگر غور سے دیکھا جائے تو استفہام انکاری و تقریری جملہ خبریہ کے قسار سے ہیں مگر چونکہ کہن
مطلب مستقر واضح ہوتا ہے کہ تکلم اور مخاطب دونوں خوب جانتے ہیں اور مشکل انتظار سے کہ
زیادہ وضاحت ہو جائے مخاطب سے استفہام اور استفہام کرنا ہی اسلئے داخل اقسام اشاہ
کلمات جو استفہام کے واسطے موضوع میں یہ ہیں آیا کیا کمون کیا ان کیلئے کیلئے کیلئے کیلئے کیلئے
کیسے کیسی کیا کب کبھی کہہ کہان کے کہنی کہنا مگر وغیرہ۔

آیا الف ممدودہ سے کبھی طلب تصور کے لیے آتا ہے جیسے کہیں آیا مکان میں زید یا عمر
اور کبھی طلب تصدیق کے لیے آتا ہے جیسے آیا تو زید کہ ماہر یا عمر کو اور فوق ان دونوں میں
بحسب قرائن کے ہوتا ہے اسلئے کہ اگر شک ذت فعل میں ہوگا یہ نہ مارنا کہ مخاطب سے صادر ہو اور زید
واقع ہوتا ہے طلب کرنیکا ارادہ کر گیا، سوقت میں مخاطب سے صدر فعل کی تصدیق مطلوب
ہوگی اور طلب تصور کے خیالات ہوتا ہے اور ذوق طبیعت اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کلام آیا
قضایا کے شرطیہ مفصلہ پر آتا ہے اور بغیر ملخصہ الفصال کے نہیں ہوتا اگرچہ دوسرا جز در میان
میں نہ ہو اور وہ جز اول کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ آیا زید آیا ہے اس قول میں اگر شافعی
فعل میں ہوگا تو دوسرا جز نہیں آیا ہے ہوگا اور اگر شک فاعل میں ہوگا تو دوسرا جز یا عمر ہوگا۔

الشا

کہے کا کردان ملون کہ بتخانے کو جادوں کا حکم ہی جھکوا

رشاد مرے حق میں بھی چھوڑ دیا آیا ای پر طریقت

میر

سب درد غم سے غم نہ سبھی پہ تنگ تھا
آبائشب منہراق بھی یار روز جنگ تھا

کیا طلب تصور کے لیے آتا ہے اور ذوی العقول اور غیر ذوی العقول میں مستقل ہوتا ہے اور طلب عام اور طلب حقیقت کے لیے ہر خواہ حقیقی ہو جیسے انسان کیا ہے یعنی اسکی حقیقت کیا ہے یا ادعا یعنی باوجود علم کسی چیز کے اسکی حقیقت سے سوال کیا جاتا ہے ذوی العقول کی مثال۔

غالب

نہ شعلے میں یہ کرشمہ نہ برفِ زین یہ ادا
نکھین بتاؤ کہ وہ شوخ تند خو کیا ہے
غیر ذوی العقول کی مثال۔

جرات

شب کو زاری ہری سن کہتے ہیں یوں ہمایہ
طرفہ تریات پہ سننا ہوں کمون کس سے کہ بابا
کوئی پوچھو تو کلاس شخص کو آزار ہے کیا
مرے ساتھ اس بہت عیار کی گفتار ہے کیا
کون طلب تصور کیلئے آتا ہے اور ذوی العقول میں مستقل ہوتا ہے جیسے۔

غالب

پوچھتے ہیں وہ کہ نکال کون ہے
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلاؤں کیا
بدھو سنگھ قلندر
دیکھتے دیکھتے بہان سے کون
کبھی غیر ذوی العقول میں مستقل ہوتا ہے جیسے۔

ناسخ

وہ کون ہے، ابے جہان جاہ زیر کاہ نہیں

میر

کون گلِ جبرہ رنگین کا نہیں دیوانہ
ابرغ غنچہ ہر ترے چاک گریبانوں کا

کبھی لفظ سا بھی کون کے ساتھ نہ آتا ہے اور اسوقت میں اگر مجھو ہوتا ہے تو غیر ذوی العقول سے
خصوصیت رکھتا ہے اور جیب دوسرے لفظ کے ساتھ ملتا ہے تو ذوی العقول اور غیر ذوی العقول میں مشترک ہوتا ہے
ہر صورت دوسرے لفظ کے ملائے بغیر ذوی العقول پر صادق نہیں آتا انملات غیر ذوی العقول
کے مثلاً یہ کونسا ہے، اس کے معنی یہ کون آدمی ہے فیج نہیں بلکہ یہ کونسا اینڈھا ہے یا کونسا
مرقع تصاویر کے منے میں سے لیتے ہیں۔
ذوی العقول کے لیے آئے، کی مثال۔

آزردہ

گیسا کونسا صید انگن ادھر سے کہ خالی بڑے اشیائے بہت ہیں

مؤلفہ

کونسا رشک چمن گلشن میں ہر آیا ہوا جسکی گرمی سے صبا ہر گل ہر دھجایا ہوا

خندان جواگلے زمانے کا شاء صاحب دیوان ہر کتا ہے

کونسا دشمن مرے اس دوست کو بکائے ہے تند ہو توری چڑھا ہر دم جو بچھرائے ہے

غیر ذوی العقول کے لیے آلے کی اشلہ

سہراب بیک دہلوی

کس دن نہیں خیال وہاں کرکھے وہ روز کونسا ہر جویر عدم نہیں

دلخ

پڑنی کیونکر الہی دل میں اس بت کے گرہ انج رہا تھا کونسا عقدہ مری تقدیر سے

کبھی کیا اور کون طلب تصدیق کے لیے بھی آجائے ہیں چنانچہ استفہام انکاری جو ادعاے
کمال دضوح طلب کے لیے آتا ہے یعنی مطلب یہاں تک واضح ہوتا ہے کہ مخاطب بھی اُسکو جانتا ہے
اور پھر اُس سے سوال کرتا ہے۔

آتش

طلبل و علم ہی پاس ہر اپنے نہ لک و مال ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا

ترجمی نظر سے طائر دل ہو چکا شکار جب تیر کج پڑیگا اڑے گا نشانہ کیا

یوسف

کون ہر نازک بدن تجھ ماہر سا دوسرا بچوں کی بدھی جو ہنی درد شانہ ہو گیا

کیون اور کیسے اور کس واسطے طلب سبب کے واسطے آتے ہیں۔

غالب

وعدہ آئیکا و قانکے یہ کیا انداز ہے تم نے کیون سوچی ہر میرے گھر کی دہانی کج

مضط

ایجان غم دشمن میں یہ شوریدہ سری کیون ہم تو ابھی زندہ ہیں تو یہ جامہ سری کیون ہے

قلق

تمہارا فنی گئے سو تھا آگے کا لاسانپ بنایا کیلئے افشان سے کوڑیا لاسانپ

مومن

کہوں گے غریب سے مست مل تو کہوے طبع سے ٹک کر یہ کیوں کس طرح اسے ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں

ذوق

شانہ کا دل چاک پسند آپ کو آیا اس واسطے ان سینہ نگاروں کو کیسے کس طرح اور کیونکر طلب دفع کے واسطے آئے ہیں۔ جیسے۔

میر حسن

کس طرح سے ریت ہو دی گئی بھلا اور دشتوں اب تو قاصد بھی اُدھر کو آئے جانے سے ہے

طیث

لگا کئے طیش میں ٹھہرے باہر کس طرح نکوان اندھیری رات ہی برسات ہی بجلی چلتی ہے

محبت

کس طرح آہ ہے اس سے ملاقات کا دھب ہر گز نہ ملا آہ کی بھی بات کا دھب

غالب

اکتے ہیں جب رات نہ کچھ طاقت سخن جواز نہ کسی کے دہائی میں نہ کر کے بخیر

ارامت

سب جاتان کو لکھیں گرم عنان میں کیونکر اُدھن فکر کو یا مانہیں جولانی کا کیسا اور کیسا اور کیسی طلب ضعیف اور کیفیت اور حال در کام کر نیکی ریش کیوسے آئین

شہید کی

دریدہ ستم ہم پہ وہ کر جائے مرن کیسے جب یو تھوڑے بعد صاف آج کے ہیں کیسے

حسن

ایسی فرود گئی کیا بات ہو تجا تکیا غنیمت کتا ہی بچا لوے کہ گلشن تہاں

مومن

وہ جو زندہ بن نہیں پاتا دیر و درویشی اب تعلق ہو کر سالہ بزم تہاں بان پر تہاں

ظفر

ایکیسا زمانہ ہوا اکیسا ہے | جہان دیکھو میں وان بڑائی کی باین
کب طلب تعین زمانہ کے واسطے آتا ہے۔

شاد

کب موسم بہار ان آئے گا میری ساقی | رندوں کے واسطے اب دور شرب ہوگا
دیر درم میں جلوہ دیکھنے اس کا کب تم | اسی شاد دور رست کب یہ حجاب ہوگا

رند

کب مٹا عشق کا نشان دل سے | زخم اچھا ہوا تو داغ رہا

مومن

غم رفتہ کی جستجو کب تک | اپنے مرے کی آرزو کب تک
اور کبھی بھی طلب تعین زمانہ کے واسطے آتا ہے جیسے منعم شاگرد نادر کے شعر میں۔
فیض اسی زلف معبر کا ہر سارا | دو بی غمی کبھی کبھی عطر میں بادِ خراہی
کہاں اور کدھر طلب تعین مکان کے واسطے آئے ہیں۔

امتیاز

کہاں اتنی بلاؤں سے بچا سکتا ہر کون دل | نہایت درد غمب کا عین نگاہِ بادِ بکا کاں

میر

رو کا خون جگر سیلاب جگر میں خون کہاں | غم سے بانی ہو کے سب پر گیا میں مومن کہاں

میر و زریں علی صلب

نقاب لٹ کے دکھائی رہے اپنے گشت میں | کہاں یہ ماہ کہاں آفتاب ہوا ہر

امتیاز

حریقِ دوزخِ مرہا کے کل بگاڑ چکا | چلے ہوا آج خدا کے لیے کدھر بنکا

میر

ایکون اب کہ نہ لینی تیری شاعرِ نیم | آواز اس کی ایک ہی دشنام رہ گیا

میر حسن علی خان چوہان

میر حسن علی خان چوہان | میر حسن علی خان چوہان

کس طلب تعین کے واسطے آتا ہے اگر نہ ہو تو غیر ذوی العقول پر صادق نہیں آتا اور جو دوسرا کوئی
لفظ اس کے ساتھ ملا دیا جائے تو ذوی العقول کے ساتھ خصوصیت باقی نہیں رہتی جیسے

غالب

ریشک کہتا ہے کہ اسکا غیر سے خلاصیت عقل کہتی ہے کہ وہ بے ہر کس کا آشنا

گرد راہ یار ہے سامان ناز زخم دل ولہ ور نہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نک
شور جولان تھا کنار بحر کس کا آج گرد ساحل ہے زخم موجہ دریا نک

نغمہ

مانگا میں دل جو اس سے تو کہنے لگا نغمہ کس کو دیا ہے تو نے کوئی ہے گواہ بھی

دوق

کس دم نہیں ہوتا قلق بھر ہے مجھ کو کس وقت مرا نہ کو کھینچا نہیں آتا
کس یہ بھی طلب تعین کے واسطے آتا ہے اور کس کے معنی میں ہے اور یہ مشترک ہے
ذوی العقول اور غیر ذوی العقول میں بخلاف کس کے کہ ذوی العقول کے ساتھ مختص ہے مگر
دوسرے لفظ سے مگر غیر ذوی العقول میں بھی استعمال پاتا ہے اور کس دونوں میں مستعمل ہے مگر
غیر ذوی العقول کے لیے یہ شرط ہے کہ مکرر آئے اول کی مثال۔

امیر مینائی

کون دیر آئے میں دیکھے گا ہزار بھول چل میں کھلے کن کے لیے
بستہ زلف سیہ فام میں کن کے ان کے کوٹ بندہ بے دم دوام میں کن کے ان کے
حور و غلمان و پری تابع فرمان میں تمام کفش بردار گل اندام میں کن کے ان کے
مدم کی مثال دریا سے لطافت میں کن کن چیزوں سے دنیا میں رہ کے پر ہیز تھینے اوریری کن کن
باتوں کا گلہ لے بیٹھے۔

میسر

کن کن اپنی کل کو رو سے ہجران میں سکل اس کا خواب گئی ہے تاب گئی ہے چین کیا آرام گیا
اور گھٹون نے اسکی جمع ہے اور یہ ذوی العقول کے لیے مخصوص ہے جیسے مغفلوں کی جواب بھو
کرتے ہیں یہ فرمائیے کہ ہندوستان کو ان کے سوا کونھوں نے کیا ہے شیخون نے تلوار ماری ہے یا اور قوم نے
یہ لفظ اصل میں پنجابی ہے اکثر نصیحان اردو اس سے استعمال کرتے ہیں بد اسکی جگہ اسکی استعمال

کرتے ہیں۔ مستفاد از دریا سے لطافت۔

کہیں طلب تعیین وقت کا فائدہ دیتا ہے جیسے۔

ذوق

زیادہ ہوگا تو کل سے بھی کہیں روزہ کہ اس میں یا تو روزی ہو اور نہیں روزہ

یہاں استفہام انکاری آتا۔

ابرو

آبرو تذکرہ زلف رسا خوب نہیں ہوتا۔ باتوں باتوں میں نہ دیکھو کہیں آنجناب ہو جائے

کرم

زلف ٹرگا لے لٹتی ہو خدا خیر کرے شک آلودہ کہیں خیر برتان ہوگا
کے اور کتنا اور کتنے اور کتنی طلب کیت عدد کے واسطے آتے ہیں تہلکے
ہیں کے روپ ہیں یا کتنے آدمی ہیں۔

اکبر

پوچھا لقمان سے جیا تو کتنے دن دست حسرت ملے بولا چند روز

غالب

ہوتی ہو تراویح سے فرصت کب تک سننے ہو تراویح میں کتنا قرآن

مولوی نذیر احمد

خدا ہی جالے ہوئیں کتنی عورتیں دیوہ خدا ہی جالے ہوئے بچے کس قدر اتنا

مولوی سید اکبر حسین اکبر

نہیں گچھ اسکی پریشاں لفت اللہ کتنی ہی یہی سب پوچھتے ہیں آپکی تنخواہ کتنی ہے
مگر یہ لفظ شلیہ ہو طلب تصدیق کے واسطے آتا ہے جیسے۔

غالب

میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش غالب اسکا مگر غلام نہیں

یعنی کیا غالب اسکا غلام نہیں ہے۔

اصل استفہام میں یہ ہے کہ حقیقی ہو مگر کبھی کلمہ استفہام سے مجاہد کوئی اور معنی بھی مقصود ہے

جیسا کہ انکار چنانچہ اسکا حال اب وہ یہ معلوم ہو چکا اور اس کے سوا مناسب مقام اور بھی معافی کا فائدہ بخشا ہے اور یہ معافی قرآن سے معلوم ہو جاتے ہیں اور اس وقت میں حرف استفہام اپنی حقیقت پر باقی نہیں رہتا چنانچہ کبھی حرف استفہام فائدہ تعظیم و عظمت کا دیتا ہے جیسے۔

حسن

ایسی تصویر کہ سب صل علی کہتے ہیں | ایسی تصویر کہ سب جل علی کہتے ہیں |

یعنی بڑی صاحب عظمت اور بڑی مقدس تصویر ہے۔

کبھی حرف استفہام فائدہ تعریف و تحسین کا دیتا ہے جیسے۔

ناسخ

خبر ان غافلون کورات دن فکرمات ہے | اگر بن عبرت کہ کیا کیا قصروا یوان ہو گئے خالی |
یعنی کیسے پتھے اپنے قصروا یوان۔

انیس

کیا پاتھر تھا کیا تیغ تھی کیا ہمت عالی | م بھر میں نمودار صغین ہوئی تھیں عالی |
یعنی کیا اپنا پاتھر تھا اور کیا اچھی تیغ تھی اور کیا ہمت بلند تھی۔

ولہ

حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا | دیکھو تو کیا ترائی ہو کیا سیر کیا فضاہ |

ایسا چہل ہے کیا اثر ہے اس میں | ہو جاتی ہیں روشن اندھی نگہین |

ولہ

ولادہ نہ رہ دل تھک گاہ | کیا شند ہی ہوا ہے واہ واہ واہ |

امومن

کیا تن بہ خاک اللہ اللہ | کیا صورت پاک اللہ اللہ |

مستاق

افلون سے تر و ترکان لگا ہواہ دل سے | بجلی کی کیا چمک ہو عالم ہو کیا گھٹاہ |

امانت

زرش کا جلوہ گزرد یا کی مندیل سن | ہو جالغ طور مدشن یار کی تندیل میں |

چھاتیان ہندیابین کیا اُسکے چہرے ذیل میں
 کبھی حرف استفہام سے اظہارِ مسخر و خوش طبعی کا ہوتا ہے۔

نسیم
 بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو
 ڈرے کا نہیں میں کیا بلا ہو
 کبھی حرف استفہام سے تحقیر ظاہر ہوتی ہے۔

نسیم
 بیکل اسی رخک گل کی ہوں میں
 کلم کیا ہو ہزار میں کہوں میں
 مر جاؤں اگر طلب میں تیری
 ولہ میں کیا کہ خبر نہ ہوئے میری

طاہر
 باغ عالم میں قیدار کا ہمسر کیا
 سو کس باغ کی مولیٰ رہ منو کیا
 امرا حاجی شہرت

کیا وہ جگر کہ جس میں نہیں داغ جان گداز
 کیا دل وہ بقرار جو اٹھوں پہر نہیں
 سودا

کیا منہ مرا اور کیا لب لہجہ ہے کہ اُس کا
 لون نام مفصل نہیں آداب کا چٹنگ
 غالب

پیون شراب اگر خم بھی دیکھ لون دوجا
 یہ شیشہ و قدح دوزہ دبو کیا ہے
 ناسخ

بار بار بیٹھ کے کہے میں لندھائی ہے شراب
 محتسب کیا ہے فدا کا ہمیں جب پاس نہیں
 کبھی حرف استفہام سے زبرد تو بیخ منتظر ہوتی ہے جیسے۔

معروف
 کچھ تو سمجھ لیا ہے جو اُسکو دیا ہے دل
 کیون نامی باعث ہمیں بھجائے جائے اگر
 مینے کیون سمجھانا ہے جب کیون نہیں رہتا ہرست بھجا۔

ذوق
 بغل سے لیکے دل کو نکال کر وہ صبح
 جو مانگا تو کہا آنکھیں نکال کر کیا

انشا

لوگوں کے چرچے کا انشا جو تجھے ڈر ہوتا
تیری کیوں آنکھیں بھلا بھٹوٹ ہیں مجھ سے تو بھٹوٹ
کبھی استفہام تجاہل کے لیے ہوتا ہے جیسے میان حسن علی شوق کے شعریں سے
مدت سے یہ بحث درمیان ہے
پر علم نہیں کرکسان ہے
کبھی حرف استفہام سے تعجب مقصود ہوتا ہے جیسے۔

غالب

کہان سے خانے کا دروازہ غالب درکمان غلط
پرانا جانتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلا

ولہ

عشق و مزدوری عشرتکدہ خسرو کیا خوب
ہم کو تسلیم نکونای فرما د نہیں

سیک

بولی کہو کیا کیا کہا خوب
کبے کچھ کیے پھر بھی آئی کیا خوب

کیا خوب تعجب کے لیے ہے۔

کوکب

وصل کی شب کو تو چہرے بٹاؤ بھین
اپنی تاریخ کو یہ چاند گمن کیا ہے

کبھی حرف استفہام سے تفصیل مطلوب ہوتی ہے جیسے غالب کی اس عبارت میں بندہ پر
میرا کلام کیا نظم کیا شکر کیا اُردو کیا فارسی کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں ہوا۔

مومن

کیا کروں اللہ سب ہن بے اثر
اولوہ کیا نالہ کیا فریاد کیا

کبھی حرف استفہام سے دو متغائر چیزوں میں برابری اور مساوات منظور ہوتی ہے
اور بعض نے کہا ہے کہ لفظ کیا کے خواص میں سے ہے کہ جب کرا آتا ہے تو مساوات کا فائدہ دیتا ہے
جیسے ذوق کے اس مصرع میں۔

کیا صوفی ہو کیا سیکش قائل ہے وہ نونین

قلندر

مست ہی رہتے ہیں جن کیارات کیا
ہم سے بد مذہب کی باربفات کیا

سودا

کیا کبوتر کیا ٹیڑی کیا بزرے قمری اور تیر لوسے اور اے طلقے

ولہ

کیا قصیدہ کیا غزل کیا قطعہ بند جو دیف وقافیہ کیجے پسند
آپ کلمہ کچھ کو بھی فرمائیے جسکو جی چاہے اسے دکھائیے

کبھی حرف استفہام سے دد چیزوں میں تفریق منظور ہوتی ہے جیسے۔

برق

دولت دنیا کجا و جرات سمیت کجا شیر قالیں فرسے شیر زبان ہونہاں

حاجی سید محمد اکبر شاہ اکبر

ایلی ہر کمان اور ترا دشت کمان ہاں اے قیس تھے عشق بین ہر خفقان ہے

مستعفی

سوتا بذرہ کمان نور آفتاب کمان کمان وہ سطوت ناہی کمان غور فقیر
مقابلہ جو برابر کا ہو تو کچھ کہیے کمان و بقی و دیا کمان بلا سحر حریر

صفا

بیجا ہے اسکو سرور یا ضارم کہوں قد صنم کمان شجر بے ثمر کسان

کبھی حرف استفہام سے کثرت مقصود ہوتی ہے۔

امیر

تو پڑے سے کیا پشیمان ہیں نا بدون دیکھ کر گھٹائیں ہم

مجید

کتنے نازک خیال ہیں ہم بھی کمر یار لفظ لا سمجھے نا

مستعفی

اگر سی ہاتھ سے یک دم نہیں چھٹتی ہرگز کتنا دارفتہ ہے وہ شوخ بھی خود بینی پر

کبھی حرف استفہام سے تاسف و تحسّر منظور ہوتا ہے جیسے۔

سودا

کمان بہار کمان سانی اور کمان ہر شکار کمان بغنی و مطرب کہ عہد ناخن و تار

رند

میت بانار دھرمین اسے رند	کیا میں لینے گیا تھا کیا لایا
--------------------------	-------------------------------

غالب

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہوئے تک	اکون جیتا ہوتری رلف کے سر ہوئے تک
--------------------------------	-----------------------------------

مومن

کمان و ربط بتان اب کہ اسکو تو مومن	ہزاروں سال ہوئے سیکڑن برس گزرے
------------------------------------	--------------------------------

کبھی حرف استفہام کو حذف بھی کر دیتے ہیں کیونکہ جب قرینہ والہ موجود ہوتا ہے تو ذکر کرنے کی کچھ حاجت نہیں ہوتی جیسے۔

نسیم

توقید جفا میں ہے کہ ہم ہیں	تو دام بلامین ہے کہ ہم ہیں
----------------------------	----------------------------

یعنی آیا توقید جفا میں ہے یا ہم ہیں مراد یہ ہے کہ تو ہی قید جفا میں ہے۔

سید توقیق مہدوی حیدر آبادی

اُس نے کہا باران غم میں نے کہا رونا مرا	اُس نے کہا برقِ ستم میں نے کہا ہنسنا ترا
---	--

ہوس

کتنب کی طرف کبھی وہ اگر	کتا تھا انیسون کو سنا کر
یہی کو نہیں ہوئی رہائی	پڑھنے کو وہ اب تکت آئی

یعنی کیا یہی کو رہائی نہیں ہوئی۔

مثنوی سعدی

تخصین ہو جیب چاک کرتے تھے	تخصین ہو آہ سرد بھرتے تھے
تخصین آنسو بہاتے تھے صاحب	تخصین مجنیں لگاتے تھے صاحب

تخصین جی کھولے جان گنواتے تھے	تخصین دن رات غل مچاتے تھے
-------------------------------	---------------------------

قلق

مثال اُس شوخ کی آنکھوں کے اندھا ہی کہی دیا	یہ جیون یہ شرارت یہ نگہ ہے چشمِ آہو میں
--	---

بیان امر

امر موضوع ہو کسی چیز کی طلب کے واسطے جو بطریق استعلاء و بزرگی کے کی جائے اور دلیل
 استعلاء و بزرگی کی یہی ہو کہ جب سامع امر کے صیغے کو سنتا ہے تو اس کے ذہن میں فی الفور گزرتا ہو کہ
 شکم مجھ کو اس کام کے واسطے مامور کرتا ہو اور خود امر مبتا ہے اور شک نہیں کہ امر مامور سے بزرگتر
 ہوتا ہو بعض علما سے جو یہ منقول ہو کہ امر اپنے صیغے کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہو اس سے مراد
 یہ ہوگی کہ جو لفظ وجوب فعل کا فائدہ دے وہی امر ہو اور اگر ان کے قول سے یہ معنی سمجھے جائیں کہ
 امر ایسے کلمے کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہو کہ جو طلب کے لیے موضوع اور اصطلاح میں امر کا صیغہ
 کہلاتا ہو تو یہ بات درست نہ ہوگی اس لیے امر کا امر کرنا اس صیغے سے مخصوص نہیں اور دوسرے
 لفظ سے بھی اس کی مراد حاصل ہو سکتی ہو پس جو لفظ طلب فعل پر استعلاء و دلالت کرتا ہو
 خواہ ہم ہو یا فعل امر ہو یا فعل مضارع ہو وہ امر ہو چنانچہ صیغہ مصدر اس شعر میں طلب فعل پر دلالت
 کرتا ہے۔

دیکھنا تقویٰ کی لذت کہ جو اُنہی نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی دُر کے لیے

سُنْبِلِ مَرَاتَانِ زِيَانَهُ لَا نَأْتِي ۛ

اسی طرح شعر ذیل میں صیغہ مضارع طلب فعل پر دلالت کرتا ہے :-

رکھو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے صاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

رکھو دراصل رکھے تھا کہ مضارع واحد غائب کا صیغہ ہے اس میں واؤ زیادہ کر دی ہے۔

و

ناکردہ گناہوں کے بھی حسرت کی ملے داو | یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

ملے صیفہ مضارع ہو اور یہاں دعا کے لیے مستعمل ہوا ہے۔

子

جس میں جانا ہوں تو منہ پھر کے یوں کتے میں
 نیند آئی ہے ہمیں آپ بھی آرام کریں

یعنی آرام کرو۔



میرزا نین پیر تم کا بلی اللہ ری

اہانت

فوق دیکھے قیدہ لہار کو شمشاد و شہر | کوئی آوازہ کسا چاہیے آنا دون پر
 کیا جا چاہیے اور کسا چاہیے وغیرہ افعال کا نام صاحب دریائے لطافت نے فعل مرکبی
 اور فوری رکھا، ویسے افعال امر کی جگہ استعمال پاتے ہیں اور ضرورت پر شتمل ہوتے
 ہیں اگر حاضر کے ساتھ کلام کرنے کا اتفاق ہو تو امر حاضر کے حکم میں ہیں اور اگر غائب کے
 حق میں مستعمل ہوں تو امر غائب کے حکم میں ہوتے ہیں اور اگر منکلم کے نفس کی طرف اشارہ
 ہو تو کہنے والے کے نفس کی تحریک سمجھی جائے گی۔

تراب

اگر اسکو نہیں باور کرو گے | تو ایک قصہ میں کہتا ہوں سنو گے
 یعنی اگر اس کو باور نہیں کرنے ہو تو ایک قصہ میں کہتا ہوں اسکو سنو۔ امر کا صیغہ مصدر کی
 علامت دہور کر دینے سے حاصل ہوتا ہے اور اس میں تذکیر و تانیث کی ایک صورت ہے جیسے کہنا سے کر
 اور رجب اسکے آخر میں داؤ زیادہ کر دین تو جمع کا صیغہ بن جائے جیسے کرو اور اگر صیغہ مفرد کے
 آخر میں داؤ دیا جائے تختانی مجہول ہو تو داؤ کو ہمزہ سے بدل دینے میں اور یا محذوف ہو جاتی ہے
 جیسے بوسے ہو اور سو سے سو اور کے سے تو اور دے سے دے اور اگر یا سے تختانی محذوف
 ہو تو وہ باقی رہتی ہے جیسے تھی سے تھیو اور تھی سے پو اور ام مفرد کے بعد ہمزہ اور یا تختانی
 مجہول لگالے سے بھی جمع کا صیغہ حاصل ہوتا ہے جیسے اٹھنے سے اٹھنے اور بیٹھنے سے بیٹھنے
 اور بعض صیغوں میں ہمزہ کے ماقبل جیم مکسور بھی خزانہ کر دیتے ہیں جیسے بیٹھے اور بیٹھے اصل بیٹھے کی
 کر لے پر ہمزہ کے ماقبل جیم مکسور لٹخ کر کے ناے مملہ کو یاے معروف سے بدل لیا ہے اور چونکہ یاے معروف اور
 جیم مکسور کے قبل فتح کاٹ کا ثقیل معلوم ہوتا ہے اسلئے اسکو کسر سے بدل دیا ہے اور جیم مکسور کے بعد سے ہمزہ
 گرا بھی گئی ہے بلکہ یہ زیادہ صیح ہے جیسے بیٹھے و بیٹھے جب بیٹھے اور بیٹھے و بیٹھے کے آخر میں
 لگا دیتے ہیں تو صیغہ فعل مستقبل مفرد کے معنی دیتا ہے اور چونکہ ان معنی میں تو لیم بھی ہوتی
 ہے اس لیے جمع کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔ اور مصدر روینا کا امر بھی امر اور اسکی ضد
 نہیں کے صیغے کے آخر میں زیادہ کر دیا جاتا ہے جیسے پھینکے اور رجب امر کے آخر میں دیا
 لگا دیتے ہیں تو وہ ماضی بن جاتا ہے جیسے پھینکا یا ڈال دیا یا بڑھا دیا یہ صیغہ فعل کے تمام
 ہونے پر دلالت کرتا ہے بخلاف بھیکا اور ڈالا اور بڑھایا کے مثلاً اس مقام میں اس

جس وقت کوٹھے پر سے روپیہ پھینکا میں نے زمین پر گرے نہ دیا ہاتھ میں لیا۔ اگر پھینک دیا تو میں تو اچھا نہ ہوا راس جگہ کہ زید نے غصے کے مارے عمر کو مجلس سے اٹھا دیا۔ اٹھایا مستحسن نہو۔

امر کا صیغہ کئی معنوں میں مستعمل ہے جو قرینے سے معلوم ہو جاتا ہے۔
(۱) طلب فعل پر بطور علو شان کے جیسے۔

نسیم

حالاہ جلی ہوں کیا کہوں میں | داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں

(۲) تسویہ کے لیے مگر اس میں یہ شرط ہے کہ نہی کا اس پر عطف ہو جیسے۔

سودا

گھوڑے کو دو دند و لگام تھم کو ذرا لگام د

(۳) دعا کے لیے جیسے۔

مومن

خدا یا شکر اسلام تک پہنچا کہ پہنچا | بسیر دم بلا ہے جوش خون شوق شہادت کا

انیس

یارب چمن نظم کو گلزارِ ارم کر | اے ابرکرم خشک زراعت پہ کرم کر

(۴) تمنا کے لیے جیسے۔

قلق

جب نپاتا تھا ماہ وہ دلگیر | ہر گولے سے تھی یہی تقریر
تو ہی اب بھکورا ستہ بتلا | کشورِ یار کا ستا بتلا

چونکہ بگولہ راستہ نہیں بتلا سکتا لہذا اسکو تمنا کہیں گے نہ ترجی۔

نسیم

بکبل تو چیک اگر خبر ہے | گل تو ہی مہک۔ بتا کہ صبر ہے

بکا فلی کو کمال اشتیاق ہو کہ گل کا سراغ کہیں سے ملے اس لیے بکبل اور گل سے پتا بتانے کی درخواست کرتی ہے لیکن یہ محال ہو کہ یہ دونوں پتا بتا سکیں لیکن چونکہ کمال اشتیاق پر معمول ہے اسکو ہم اسلئے تمنا کہیں گے نہ ترجی فرق تمنا اور ترجی میں یہ ہو کہ ممکن چیز کی آرزو کو ترجی

کہتے ہیں اور محال و ممکن دونوں کی آرزو کو تمنا بولتے ہیں۔
(۵) ترحی کے لیے جیسے۔

لالہ بہادر سنگھ دلخوش

ہوں ترے ہجر میں جون دیدہ نرگس حیران
چشم پوشی نہ کرا پئے گنگار سے مل

آغا شاعر قزلباش ملہوی

آنکھوں میں ہر دم آؤ خدا کے لیے آؤ
بھرے نہ گلہ ہو مرارستان میں دیکھا

عاشق

ایکباری تو خواب میں آؤ +
کب سے مشتاق ہم تمہارے ہیں

(۶) شدید یعنی غصے کے ساتھ خطاب کر کے لیے۔

ذوق

انہیں ہمیشہ ہے ہر کسی میخوار کا دل
مختص دیکھ نہ کر دشمنی خوب نہیں

ہمارا مطلب دیکھ سے ہو (ستفاد از فائض المعانی)۔

سودا

یزید کیونکہ اولوالامر ہے بتا ملعون
کیا یہ فرض ہوئی اسکو جاہ جون شہاد

نسیم

یجاوہ ہوا کسا کہ جا ہوا
کیسی رانی کمان کا راجا

(۷) عرض کے واسطے مستعمل ہوتا ہے عرض اس طلب کا نام ہے جو بخلان استعمال کے عاجزی و انکساری سے کیجائے مگر شرط یہ ہے کہ دعا کی حد تک نہ پہنچے کیونکہ دعا بارگاہ یزدی سے مخصوص ہے مثال۔

نسیم

حمار کو بھیج آ کے یجاوے
شاید مجھے زندہ پا کے پہنچائے

ولم

کی عرض رضا ہے جو خوشی ہو
شکین زلفوں سے مشکین کسواؤ
تلواریں سے ہو جو قتل منظور
عاشق کی سزا جو بوجھتی ہو +
کالے ناگون سے بھگوڈ سواؤ
ابرہ کے اشارے سے کر چور

اُنندان میں جو زندہ بھیجنا ہو | اپنے دل تنگ میں جگہ دو

ہوس

اگر تو ہی پدر کسی کو اپنا | اک بچا دسم در دو غم میں بھینسا

(۸) کبھی امر برادر کے موقع پر بھی استعجاب میں آتا ہے جیسے۔

حالی

بیتھے بیٹھ کر کیا ہو بسم و طحا | اٹھو اہل وطن کے دوست بزم

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ | ورنہ کھاؤ پیو سچے جاؤ

اس قسم کو علمائے تازمی التماس کرتے ہیں مگر محاورہ اہل بندہ فارس میں التماس اس طلب کو کہتے ہیں جو بزرگوں سے کریں۔

(۹) تخویف کے لیے لاتے ہیں جیسے۔

نسیم

حضرت یہودی تو ہیں تبردار | آجا ان سے ہو یو خرب سردار

یعنی بیان سے چلا جائے ہو یو اور خبردار کے کئے سے ظاہر ہو گیا کہ مرہا بن تخویف کے واسطے لاتے ہیں۔

امیر

اچل سو کے گور غریبان کے یسوان آغا | دیکھ کتنی ارزو میں نذر مدفن ہو گئیں

کبھی محال چیز کی نسبت امر کیا جاتا ہے۔

انس

دیکر صد غور کے زری سر کے بل چلو | ابولی سلامتی کہ سلامت کل چلو

سر کے بل چلنا محال ہو لیکن بسبب ادب اور تعظیم کے امر کیا گیا اور تمنا کے واسطے جو امر کا عیب استعمال کیا جاتا ہو وہ بھی اسی قسم سے ہے۔

بھی بھی امر کو حذف کر دیتے ہیں اور مفعول کو قائم رکھتے ہیں مگر اس سے یہ ہوتا ہے کہ ہمیت مفعول کی ثابت ہو۔

سودا

اسکو ہر گز نہیں حیا سے رگڑاؤ | ناسے تو یہ کے پلاؤ پلاؤ

دوصیفہ امر کے موزون ہے مگر پلاؤ کا ذکر کرنا اہم تھا اس لیے امر کو حذف کر کے امر کی تکرار کی

کبھی لہجہ اسکے بھی صیغہ امر محذوف ہوتا ہے۔

سراب

اذا تمہارا لہجہ اسکا بے تکلف ہو تراب جو کہ میں مرچلے جھٹ پٹ کتنے کتنے لہجہ
کبھی ہر کوئی رلاتے ہیں اور اس کے علاوہ تاکید کے ایک لطف پیدا ہوتا ہے جیسے۔

دبیر

سربانوں پہ پڑتا ہے ارے جلد سنبھل چل کفارے دما دم ہی کتنے ہیں کہ چل چل

ریاضی

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے . جاگو جاگو کہ خوف اسی راہ میں ہے
اٹھو اٹھو یہ خواب غفلت کب تک دیکھو دیکھو اجل کسین گاہ میں ہے

الشا

مرا ہوں اجی زبان سے بولو بولو مجھ نیم جان سے بولو

ایس

مرے سربارے مرے دلبر اے ہم پہ تنہائی ہو اٹھو علی اکبر اٹھو

پیش

انہی پیش کی سنا جات سن سن اس ملتی عبد کی بات سن

بیان نہی

نہی اسے کہتے ہیں کہ بطریق استعلا و بزرگی کے قطعی طور پر ترک فعل کا طلب کرنا یا کسی فعل سے
روکنا اس حیثیت سے کہ اسلوب کلمہ سے وہ ترک طلب اور روکنا سمجھا جائے اگر اسلوب کلمہ سے
نہ سمجھا جائے گا تو وہ نہی نہی ہوگی پس ہٹ جا جو اس شعر میں واقع ہے اس قسم میں داخل نہوگا۔

ذوق

سردہری سے کسی کی کٹے ہی دل سرد ہوا ہٹ جایاں سے دھوپا سے ابر بہاراں چھوڑ کر

کیونکہ بیان نہی ذات کلمہ سے مستفاد ہوئی ہے نہ اسلوب کلمہ سے بلکہ یہ صیغہ امر کا ہے اور
مرا اس سے اپنے سامنے سے ہٹا دینا اور دور کر دینا ہے اور یہ رعایت امر میں بھی ملحوظ ہے
اور بعض نے کہا ہے کہ نہی یہ ہے کہ غیر کو کہیں کہہ کام مت کرو اور بعض نے یوں لکھا ہے کہ نہی عدم
فعل کی طلب کو کہتے ہیں مگر یہ صحیح نہیں اس لیے کہ عدم فعل انزل سے مستفاد ہے نہ اسلوب کلمہ سے

میں نہوگا پھر مخاطب سے اُس کا طلب کرنا کیسے متصور ہو سکتا ہو اور استعمال سے مراد یہ ہو کہ
مشکلم اپنی ذات کو بڑا سمجھے گو واقع میں بڑا نہ ہو۔ نہی کا صیغہ امر کے قبل وزن مفتوح کے بڑھ چلتے ہیں
بڑھ جاتا ہو جیسے کر سے نکرا اور مت کے ساتھ بھی نہی کے صیغے کو استعمال کرتے ہیں کہ امر پر
اُس کے آنے سے امر نہی ہو جاتا ہو جیسے کر سے مت کر۔

انشاء اللہ خان دریاے لطافت میں لکھتے ہیں ”برزبان بلا ہائے مکتبی شاہ جہان آباد و
بعضے ہنود مت حرف نہی باشد مانند مت جاتنے“ مگر میں نے اسکو شعراے مستند کے کلام
میں دیکھا ہے۔

نہی اُس طلب حرکت فعل پر دلالت کرتی ہو جو فی الفور ظہور میں آئے پس ہی سبب ہو کہ
حال میں مستعمل ہوتی ہو اور ماضی و مستقبل میں نہیں۔ اور نہی کبھی اپنے اصلی معنوں کے سوا اور
معنوں میں بھی مستعمل ہوتی ہو۔

(۱) دعا جیسے۔

لالہ ہندو لال طالع

مت پوچھ کچھ حساب یونہی بخش دے مجھے مجرم تو ہوں پہ غفور سراسر سے ہے غرض

ظفر

گر خوشی اس دل غموم سے چاہی آمیز وصل میں ہر توست کیجوا لہی آمیز

رند

نکر عوض مرے جرم و گناہ بید کا الہی تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں

غالب

آنا ہے دل غ حسرت دل کا شمار یاد مجھ سے مرے گنہ کا حساب ای خدا نہ مانگ

(۳) لسو یہ کے لیے مگر اس میں یہ شرط ہو کہ امر کا اسیہ عطف ہو جیسے۔

میر محمد کی بیدار

فراق سے باندھ خواہ مت باندھ اب تیرے شکار ہو گئے ہم

میرے نزدیک یہاں تخیل کے لیے ہر دو سری مثال۔

میر حسین سکین

تم غیر سے ملو نہ ملو میں تو چھوڑ دوں گراں دعا پہ کوئی کے بے دغا نے مجھے

یہاں بھی تحفہ کا مطلب نکلتا ہے اور سورہ کے ساتھ تحفہ کے معنی بھی دوسرے شعر میں
یہ جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں مگر پہلے شعر میں خالص تحفہ ہے جس کو خواہ کے لفظ نے ترجیح
دیدہ ہے۔

(۳) تندیہ دزبرد تو نوح کے لیے ہے۔

زور اور خان دل

مست بھرا سر مرا سے ناصح جاہل اگر پھر بھی جاتا ہے نصیحت کیین دل اگر

بھٹو کے مست بھی کر نہ یاد آدم پھر طرہ وی۔ تو وی۔ وی سم

(۴) غرض کے لیے جیسے۔

مذاق

ہیستہ تبر کی دل زہرا ہوا ہر آب مست رکھ بروح فاطمہ زہرا فراق میں

عرض ہو جناب امیر عالمین

ابوئیں مجھ کو کی زبانی باپ سے

بستر بہ پر اب پر اسے خرد مند مجھ کو نہ کر نصیحت و پند

اب نور و گرستہ خال بسرا زہرا نہ کر خیال میرا

(۵) برابری کے لیے ہم مرتبہ سے تیرے فعل طلب کرتا کو جیسے۔

دوستوں کی جیسے جو کہتے ہوں تو بارے مل اُسکو بھگاؤ کہ تو بھی تو نہ اغیار سے مل

(۶) غوغا کے لیے جیسے۔

آخان غرابی اپنی مست کر پڑا میرے گھر سے گھر نہ ہوگا

نئی کو امر کی طرح کر بھی لاتے ہیں جیسے۔

وزیر

نہ پوچھو تم مرے آنسو نہ پوچھو کے گا کوئی تم کو خوش چین ہے

میرا مان نہرا

طلب توجہ کو کہتے ہیں اور جس اسم کے لیے کی توجہ طلب کی جاتی ہو وہ منادی کہلاتا ہے

اور وہ جملہ متضمن انڈا ر پکار نیلی غرض کیا کہ منادی کے ساتھ واقع ہوتا ہے مقصود بالاند یا جواب
نما کہلاتا ہے اردو میں اس کے واسطے بہت سے حروف مقرر ہیں۔ اے۔ او۔ ارے۔ اری۔
اے۔ او۔ اے۔ ہوتا۔ اچی اور سے۔ اوری۔ اوجی۔ یہ حروف منادے کے ساتھ آتے
ہیں یعنی جس کو توجہ مطلوب ہوتی ہے اس کے نام کے اول یا آخر میں ان حروف میں سے
کوئی حرف لگایا جاتا ہے ان میں سے اچی معرفہ کے لیے آتا ہے جیسے اچی مرزا محمد علی صاحب
باقی تمام نکرہ کے لیے آتے ہیں یا ایسے معرفہ کے لیے آتے ہیں جو غیر معلوم ہو اور معرفہ غیر معلوم
عبارت ہر شخص کے کسی صفت کے ساتھ تصنف ہونے سے یا دوسرے سے کسی نشان
کے ساتھ ممتاز ہونے سے مثال نکرہ جیسے اوجیا یا اومیاں ارے آدمی یا اری لڑکی یا
اور اے چھو کرے یا اے لڑکے اور اے بھائی یا اچی بی صاحب اور جب منادے کی
تغیر و تدلیل منظور ہوتی ہے یا کم قدر کو منادے کرتے ہیں تو یہ حروف معرفہ کے ساتھ
بھی مستعمل ہوتے ہیں جیسے اور اے بیل اور اری راے بیل اور راے بیل ہوت
یا اچی بی لکھو یا اے چنبیا یا اوری یا سمن یا سی طرح مذکر کے لیے مثلاً اور اڑ اور ارے
کلوا اور اے لکھو اور اے کریم بخش اور کریم بخش ہوت مثال معرفہ فی معلوم کی اور جانے والے
یا اولال پکڑی والے یا ارے انا کے لڑکے یا ارے لکڑیوں والے ہوت یا انا جی ہوت
یا اچی سرخ دوپٹے والی ذرا ادھر تو دیکھو اور ذرا سی کا الف ندا بھی زبان رنجیتہ میں مستعمل ہے
جیسے ناصحا سا قیا۔ جانا۔ یعنی اے ناصح۔ اے ساتی یا اے جان۔

رحمہ

سودا

خدا کے واسطے خاموش ناصحا بیدار

لے تری تری بھاکو تری ل من

درد

جب تک بس چل کے سا غریب

ساتیا یاں لگ رہا ہے چاہ چلاؤ

عبدالبحان خان سبحان

جان مدد سے قبول سب جانا

پرکھی من تری ہمیں آنا

اور جبکہ ندا کے یہ معنی ہیں کہ کسی کی توجہ کو اپنی طرف طلب کرنا تو شرط ہے کہ منادے حاضر
ند غائب اگر کبھی غائب کو بھی احاطہ تصور کر کے ندا کرتے ہیں جیسے اس شعر میں ناتھ کے۔

ای ہل شام ملکوت مستندانہ آیا

برجم کیا علم کو کس زلف عنبرین کو

کتاب یوسف علی خان ناظم رام پور ملک رو سیلکھنڈ کے رئیس تھے اور سلسلہ ہجری میں وفات پائی ہے اور حضرت امام حسین کو اہل شام نے سلسلہ ہجری میں شہید کیا تھا مگر لو اب صاحب نے اہل شام کو حاضر سمجھ کے ایسا کہہ دیا۔

سودا

دماغ جھگڑ گیا آخر ترانہ اے غرود
کبھی طلب کے صیغے کو غیر طلب کے موقع پر استعمال کرتے ہیں جبکی تفصیل یہ ہے۔
د ا کبھی مدح منظور ہوتی ہے جیسے۔

حالی

ای نازش بر طایفہ اے نعر بر ترک
ای ہند کے گلے کی شان ہند کی قیصر

غالب

ای شہشاہ فلک سطر دجے مثل نظیر
ای جہاندار کرم شیوہ دجے شبہ عدیل

میر

ای خوشادہ سرزمین طابین جدھر کے قدم
ای خوشاکشور پیرے کی طرف اسکی عنان

داغ

ملانی ہو گئی غسٹ کی عشرت از ہے
سبد ہو گئی آسایوں سے میری شواری
د ا ناسف و محسوس طور ہوتا ہے جیسے۔

انیس

ای روشنی خانہ از ہر اثر سے صدقے
ای باپ کے عاشق مرے شیدائے صدقے
ای تشنہ لب امی بکس تنہا ترے صدقے
ای بہر و فردوس معلے ترے صدقے

اگر کہا جائے کہ ترے صدقے اور تشنہ لب اور بکس تنہا اور بہر و فردوس معلیٰ سے محسوس مستفاد ہوتا ہے پس لفظ ای کو اس باب میں دخل نہ ہوگا تو ہم جواب دینگے کہ محسوس بکس امرا کی جو کمی مٹتی کو قبول کرتا ہے اس صورت میں جو کچھ کن الفاظ سے مستفاد ہوتا ہے لفظ ای سے اس میں زیادتی پیدا ہو جاتی ہے۔

ولہ

بانو سرا صفر کے قریب آگے بگاری
ای لال جھنڈے ترے بالونہ میں فاری

(۳) کبھی شفقت منظور ہوتی ہے جیسے۔

میر حسن

اری چارون کے یہ ہیں استنا ملاول کو آخر کرے ہیں جسد

(۴) کبھی تسخیر اور خوش طبعی کے واسطے آتا ہے۔

ارشد

اجی تیج جی زر سے ہے میکشی جو مفلس ہوا پارسا ہو گیا

یہاں ندامت خرد استنزا کے لیے ہے۔

میر حسن

یہ سن سن کے وہ نازنین مسکرا لی کہنے اچھا بھلا رسی بھلا

مین سمجھی ترا دل گیا ہے ادھر بہانے تو کرتی ہی کیوں مجھ پر دھر

یہاں ندامت خوش طبعی کے لیے ہے۔

(۵) براہ کینتہ کرنے کے لیے جیسے۔

قلق

ارے ادبے مروت او جسد ارے او عالم او ستم ایجاد

یہاں ایک تو لفظ ارے ہے اور دوسرا او پس اگر ایک ملا کے لیے مانا جائے تو ایک لفظ کو نامک ماننا پڑے گا۔

طور

ارے ای ہمدرد بھکودل ینا نہیں لازم کوئی پیدا تو کریوے ہمارا سا جگر پہلے

مرزا جابر جابر

دشمنوں کی تری سازش ہمارے دشمن گو کہ دشمن ہے ترا دوست ہے بد اپنا سا

دوق

نفس کی آمد شد ہی نماز اہل حیات جو یہ قضا ہو تو ارے غافل و قضا بکھو

(۶) کبھی حقارت و تذلیل منظور ہوتی ہے جیسے۔

جوش شاکر دھنی

مین جو سا تجھ میں کیا کیا نہ الم گذرا بولا کہ لبے تیرا روئے ہی جنم گذرا

بھی ہو جائے گا تب بھی خصوصیت میں فرق نہیں آئیگا۔

ایس

ایس ٹیٹس لگ جائے ابگینوں کو

میر جہاد علی صفدری

صفدری قد کو کہیں اسکے کما تھا کل سرو
مشاد کے جمع ہو تب بھی حرف ندا نہیں لاتے۔

ذوق

گلو یہ کہ گئی کیا کان میں تمھارے صبا
کہ لوٹے جاتے ہو پھولے نہیں سرائے ہو

حالی

مقبلو مدبروں کو یاد کرو
خوش دلو غمزدوں کو شاد کرو

سوز

سوز سے دست دل لگاؤ شفق بھیاؤ کے
کبھی منادے بھی خاف ہو جاتا ہے اور اسکے کئی سبب ہوتے ہیں
یا رعایت وزن کے لیے بشرطیکہ قرینہ سیاق کلام موجود ہو۔

مصحفی

مصحفی آج دعائے ہر تجھے یارب
یا ایسے کہ سننے والے کا ذہن جس طرف چاہے سیل کرے۔

سودا

ای وہ ہر تیرے عدل کی نسبت تجھ میں
بچے ای مدوح یا ای معظّم یا ای نواب یا ای عارف مدبران وغیرہ وغیرہ۔ اسی قبیل سے ہے۔

غالب

اے ترا غمسنہ یارِ قائم گیر
اے ترا ظلم سر بسر انداز

بچے ای معشوق یا ای پیارے یا ای دلبر وغیرہ وغیرہ۔
کبھی جواب نہ محذوف ہوتا ہے جیسے۔

انیس

آواز وی زمین نے کر یا حافظ جہان
درشت سے تھر تھرا گیا مرغ آسمان
اور تکرار ستارے کے موقع پر ہمیشہ جواب ندا محذوف ہوتا ہے جیسے۔

تراب

خاتمہ یا نچر اسکا بنے تکلف ہو تراب
جو کہیں درجائے جھٹ پٹ کتنے کتنے یار یا

ہوس

یسی یسی جو تو پکا را پا
اب راز ہوا یہ آشکارا

بیان دعا

خدا کے سامنے عاجزی اور انکسار ظاہر کر کے کوئی چیز مانگتے کو دعا کہتے ہیں دعا کی واسطے جو صیغہ مخصوص ہو وہ بحث مضارع کے صیغہ واحد غائب سے مبتداء اکثر حرف آخر کے بعد واو اور لگا دیتے ہیں جیسے کرے سے کر لیا اور سننے سے سن لیا اور دیکھے سے دیکھ لیا وغیرہ اور جب کبھی آخر میں واو لگانے میں تو حرف سوم مضارع کو جیم سے بدل لیتے ہیں مثلاً دیوے سے دیکھو اور لیوے سے بچھو وغیرہ مثال دعا کی۔

غالب

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھو بار بار یہ در گنجینہ گو ہر کھلا

ولہ

چرخ خم کی ہو سکتی ہو تدبیر رفوی
لکھو بچھو بار بار سے قسمت میں عدوی

کبھی دعا کے صیغوں کو اور موقع پر بھی استعمال میں لانے میں چنانچہ امر بطریق استقبال کے معنی میں آنا ہی امر بطریق استقبال کے معنی یہ ہیں کہ امر کے صیغے میں معنی امر کے بحال رہیں مگر ظہور فعل کا آئندہ پر موقوف ہو اور صیغہ اسکا دعائیہ یا مصدر ہوتا ہے۔

غالب

رکھو غائب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

اسی طرح نبی کے مقام پر دعا کا صیغہ آتا ہے جیسے خوش۔

تو انانی تو کر بیٹھی جفا خوش سے ہمو
آرامت دیکھو اے ناتوانی خوش سے ہمو

طالب

ہاں کھا یومست فریب ہستی

ہر چند کہین کہ ہے نہیں ہے

تکملہ

وجہ حصر انشاءے طلبی کی یہ ہو کہ انشاءے طلبی کا تقاضا یہ ہو کہ مطلوب ممکن ہو یا یہ کہ غیر ممکن پس دوسری قسم تمنا ہو اور پہلی صورت میں اگر اُس کے ساتھ کسی شے کا حصول مطلوب ہو صیغہ ترجیحی کے ساتھ تو اُسے ترجیحی کہتے ہیں اور اگر بغیر ترجیحی کے طالب کے ذہن میں وہ مطلوب ہو تو انتظام کہنے میں اور اگر اُس کے ساتھ کسی امر کا حصول خارج میں منظور ہو تو دو حالت سے خالی نہیں کہ اگر وہ امر کسی فعل کا انتفار ہے تو وہ نہیں ہے اور اگر کسی کا ثبوت ہے تو اس صورت میں اگر کسی حرف ندا کے ساتھ اُس کا ثبوت ہے تو اُسے ندا کہتے ہیں اور اگر حرف ندا کے ساتھ نہیں تو دعا کہلاتا ہے اور دعا بھی علمائے نحو کے نزدیک امر و نہی میں داخل ہے اور فرق علمائے معانی و منطق کے کیا ہے نحوی اس فرق کو نہیں مانتے یہاں تک خاص اصطلاح ہو۔

کبھی جملہ خبریہ جملہ انشائیہ کے موقع پر آتا ہے اور یہ کثیر الاستعمال ہو جیسا کہ کہتے ہیں آپ ہے کہ کل آب پھری میں بلین گے اور مطلب اس سے یہ ہو کہ تم کل پھری میں ملنا اور اس حیثیت میں اس واسطے کہتے ہیں کہ مخاطب کو گوارا نہیں کہ میں دروغ گو ٹھہرون یعنی ملنے کا وعدہ کروں اور نہ مل سکوں اور کبھی جملہ شرطیہ دعا کے محل میں واقع ہوتا ہے چنانچہ تائیدات تصائد میں اس قسم کے جملے بہت ہو گئے ہیں۔

ذوق

سیرت آسمان جب تک کہ دوسرے خیر ہو

السی یہ جہاد شاہ شاہ ہفت کشور ہو

ساتواں باب فصل وصل کے بیان میں

فصل وصل ہو اور وصل سیرطاری اور عارض ہے اس لیے کہ کسی حرف کی زیادتی سے وصل پیدا ہوتا ہے لیکن ہم وصل کو اس لیے پہلے بیان کرتے ہیں کہ وہ بنزرتے ملنے کے ہو اور فصل بنزرتے عدم کے اور ظاہر ہو کہ اعدام بغیر اپنا ملکات کے سمجھ میں نہیں آ سکتا پس جانا چاہیے کہ عطف کبھی ایک مفرد کا دوسرے مفرد پر ہوتا ہے اور کبھی ایک جملے کا دوسرے جملے پر ایک مفرد کے دوسرے مفرد پر اور ایک جملے کے دوسرے جملے پر عطف کرنے کو وصل کہتے ہیں۔

جس پر عطف کیا جاتا ہے معطوف علیہ اور جس کا عطف کرتے ہیں معطوف کہلاتا ہے اور فصل اس سے کہتے ہیں کہ جس کی شان سے عطف ہوا اس کا عطف ترک کر دینا مفرد کی مثال۔

حرف

ترے دندان دل کے گرد یا بے قدر عالم اگر کو حل کو یا قوت کو میرے کو مر جان کہ
دندان معطوف علیہ ہے اور اب معطوف اور دونوں فعل کر دیا کے فاعل ہیں اور یہی
مناسبت عطف کی ہے۔

الشر

صبح اُمید و شب وصل کو یک جا دیکھا آگے جب ترے عارض پر اُتر گیا
صبح اُمید معطوف علیہ اور شب معطوف ہے اور یہ دونوں دیکھا کے مفعول ہیں اور عطف
کی یہی مناسبت ہے۔
اور عطف ایک جملے کا دوسرے جملے پر چار حال سے خالی نہیں۔
(۱) خبر کا خبر پر جیسے۔

حالی

کھرو یا میں نے نشان سلطنت شخصی کا اور دنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا
اس شعر میں پہلا مصرع معطوف علیہ ہے اور دوسرا معطوف اور دونوں جملے فعلیہ ہیں۔
(۲) انشائیہ کا انشائیہ پر جیسے۔

تیش

نہ اچانے اسکے تھا دل میں کہا لے اب جام مے اور مچھو پلا
جام مے مے معطوف علیہ ہے اور مچھو پلا معطوف

مومن

نالہ اک دم میں اُڑا دیوے دھونڈا چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا
چرخ کیا معطوف علیہ ہے اور چرخ کی بنیاد کیا معطوف اور دونوں جملے انشائیہ ہیں کیونکہ
استفہام کو متضمن ہیں۔
(۳) خبر کا انشائیہ پر۔
دہم انشائیہ کا خبر پر پہلی اور دوسری قسم نو بہت شائع ہے تیسری اور چوتھی قسم عربی

میں مختلف فیہ ہو اور فارسی میں قلت کے ساتھ قدما کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ دوسرے میں یہ الفاظ

شست و شو کا اسکے پائی جمع ہو کر مہ بنا اور نمہ دھونیکے چھینٹوں کے تارے دیکھیں
پہلے مصرع میں جملہ خبریہ ہو اور دوسرے میں جملہ انشائیہ اور انشا کے عطف خبر نہ پر کیا ہے۔

ولہ

رونے کی ہے جا کہ آہ کرے اور دل میں ترستہ اثر ہو دے
پہلا جملہ انشائیہ ہو کیونکہ کرے امر حاضر کی جمع کا صیغہ ہو اور دوسرا جملہ خبریہ ہو کیونکہ ہونے
مضارع واحد غائب کا صیغہ ہو جو اس جملہ کے اسمیہ میں رابطہ زمانی واقع ہوا ہو اور عطف جملہ خبریہ کا
انشائیہ بر درست نہیں لیکن اس صورت میں کہ انشا خبر کے منے میں ہو چنانچہ جمع
رونے کی ہو جا کہ آہ کرے

اس مصرع کے یہ معنی ہیں رونے کی جا کہ آہ کرے۔

جملوں میں فصل اور وصل کے کس حالت میں وجوب ہو

(۱) جب ایک جملہ دوسرے جملے کے بعد آئے تو دیکھنا چاہیے کہ پہلا جملہ اعراب صحیح میں
ہے یا نہیں اور محال اعراب میں ہونے سے یہ مراد ہو کہ ابتدا کی خبر ہو یا حال ہو یا صفت یا فعل
پس اگر اعراب کے عمل میں ہو تو اس وقت پھر خیال کرنا چاہیے کہ اگر اس سے یہ مقصود ہو کہ دوسرے
جملے کو پہلے جملے کے اعراب کا حکم لگائیں مثلاً پہلا مبتدا کی خبر ہو اور دوسرے کو بھی اسی مبتدا کی
خبر بنائیں یا پہلا صفت ہو اور دوسرے کو بھی صفت بنائیں یا پہلا حال ہو اور دوسرے کو
بھی حال بنائیں یا پہلا مفعول ہو اور دوسرے کو بھی مفعول بنائیں تو ضرور ہو کہ پہلے پر
دوسرے کا عطف مثل مفرد کے کوین پس اگر دو عطف یا کلمہ اور کے ساتھ عطف کیا جائے
تو شرط عطف قبول کرنے کی بیان ایک مناسبت ہوگی جسکی وجہ سے دونوں جملے جمع ہو سکیں گے اور
عطف میں بھی یہی مناسبت ضرور ہوتی ہو اس مناسبت کو علمائے معانی چہرست جامع کہتے ہیں اور اگر
بجائے علم غائب میں ہوگی تو فصل متعین ہو عطف نہیں کیا جائے گا مثال وصل کی۔

ازاد

بجائے کا غرض کہ جو کچھ ہاتھ آئے گا دیکھو کیا یا کس نے ہو اور کو ان اٹھائیں

کئے کمایا ہی ہر کون مڑا لگا کا عطف کیا ہو کیونکہ دونوں جملے دیکھو کے مفعول ہیں پس بیان
دوسرے جملے کو پہلے جملے کے اعراب کا حکم لگانے سے ہی منہ میں کہ پہلا مفعول ہو تو دوسرے کو بھی
مفعول بنایا ہو یہی حال جرأت کے شعر میں ہے

ارکھا جو کل سے میرے جی کا کھونا اور کھینچے آہ سرد ہر دم رونا

راح

اکر دوسرے کے کلام ہاتھ جگر پر رکھے اور اک ہاتھ سے تھامے رہو من ادا

امیر

اموت کہتی ہو کہ تھے تو حسینو نہیں جان اور مجھے مفت لیے مرے ہیں مرنیوالے

دوق

توجہ ہونا می اہلام تو تجالے میں بت کرے قصد نماز اور کہے نا توں ازان

کے نا توں ازان کا عطف بت کرے قصد نماز پر کیا ہو کیونکہ دونوں ایک شرط کے جزا ہیں۔
چونکہ واد عطف میں جہت جات کا ہونا ضرور تھا اس بنا پر کہ کہتے ہیں کہ نذر محمد خان بی اسے
سٹنٹ انکسٹر دار میں ملی کے اس شعر میں۔

بنیٹ جسے ہوا سکا ہی عالم میں بلج ہو اسکی مراد حاصل روشن چراغ ہے

عطف معیوب ہو اسلئے کہ اسکی مراد حاصل ہونے اور چراغ روشن ہونے میں کوئی مناسبت

نہیں ہیں یہ عطف غیر مقبول ہے کیونکہ وجہ ہے کہ انشانے ان ترکیبوں میں عطف نہیں کیا ہو یہ

فروغ ہے نہ کیونکہ ہو یا غ روشن مراد حاصل مثل مشہور ہے جہان میں چراغ روشن مراد حاصل

اسی طرح فلان پانی پیتا ہو اور شعر گستاہی یہ عطف بھی نامقبول ہو فیصحا کے کلام میں ایسا

عطف نہیں ہوتا اور جامع سے مراد وصف خاص ہے ورنہ اسکی مراد حاصل ہونے

اور چراغ روشن ہونے میں اسی طرح پانی پینے اور شعر لےنے میں بھی مرجع موجود ہو لیکن ان میں

کوئی خاص وصف پایا نہیں جاتا۔

اسی قبیل سے ہیں یہ اشعار راسخ کے۔

اور قصد الاتی ہو کا نون میں ہوا

سود خف ان میں روشن صفات

اور شہیدوں کو فنا میں سستہ حسات

(۲) اگر دوسرے جملے کو پہلے کے اعراب کا حکم لگانا اور دوسرے کو پہلے کے حکم میں شریک بنا

مقصود نہ ہو تو اس موقع پر فصل کرنا چاہیے کیونکہ ایسے جملوں میں دوسرے کا مقصود باقی
ہونا متصور نہیں ہوتا اس لیے کہ بیان پہلے اور دوسرے کے درمیان کوئی نسبت
نہیں ہوتی جیسے۔

اغالب

آئینہ دیکھ اپنا ساتھ لے کر رہ گئے صاحب کو دل ندیہ پہ کتنا غور تھا
اس شعر میں مصرع ثانی کا عطف پہلے پر نہیں تاکہ مفعول کے اختصاص میں شریک
نہو جائے کیونکہ مفعول اور ظرف وغیرہ کی تقدیم اختصاص کا فائدہ بخشی ہی پس اگر عطف
کرینگے تو لازم آئے گا کہ معشوق کو خاص آئینہ دیکھنے کی حالت میں دل نہ دینے پر غور تھا
حالانکہ یہ مقصود نہیں۔

ولہ

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالب مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے
مصرع ثانی پہلے مصرع پر معطوف نہیں اگر معطوف کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ اسکو مانا کا مفعول
بٹھرائیں سو یہ ہرگز مراد نہیں پس ترک عطف کیا گیا تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ متکلم کے مانے ہو و نہیں ہے ہر

ولہ

صحبت میں غیر کی نہ بڑی کہیں خواہ دینے لگا ہر بوسہ بغیر التجا کیے
بوسہ بغیر التجا کیے دینے لگا ہے پہلے پہلے پر معطوف نہیں تاکہ یہ دوسرا جملہ پہلے کے ساتھ خاص
بالظرف میں شریک نہو جائے کیونکہ ظرف کی تقدیم نے پہلے جملے کو خصوصیت بخشی ہے یعنی بوسہ
دینے کی عادت کا بڑنا غیر کی صحبت کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہے دوسرے جملے میں یہ منظور
نہیں کہ بغیر التجا کے غیر کی صحبت میں وہ بوسہ دینے لگا ہے اس لیے کہ بیان بوسہ بغیر التجا دینا بغیر خصوصیت
کے منظور ہے۔

جاء صاحب

کون کہتا ہے ہم سے بولو تو تم آئندہ تو گھونگھٹ سے اپنا کھو تو تم
دوسرے مصرع کا عطف ہم سے بولو تو تم پر نہیں کیلئے کہ اگر اس پر عطف کرینگے تو یہ بھی کون کہتا ہے
کا مفعول ہونے میں اس کا شریک ہو جائے گا اور قائل کا یہ مقصود نہیں وہ تو یہ چاہتا ہے
کہ معشوق اگر زبان سے نہ بولے تو مٹھ ہی دکھا دے۔

(۳) اگر پہلے حمل کے لیے محل اعراب سے نہوا رہے پہلے حمل کا دوسرے کے ساتھ ربط مقصود ہو تو عطف کرتے ہیں مگر اس حرف کے ساتھ جو داویا اور کے سوا ہو جیسے کہتے ہیں زید آیا پس عمرو آیا زید گیا پھر عمرو گیا اور ایسے عطف کے بے کوئی دوسری شرط نہیں ہوتی کیونکہ حروف عطف میں سے داویا اور ثمرات اور جمعیت کیلئے ہیں اور ترتیب یعنی تقدیم و تاخیر مقصود نہیں ہوتی اور نہ جمعیت مقصود ہوتی ہر مثلاً جب کہتے ہیں میرے پاس زید اور عمرو آئے تو یہ فرق نہیں کرتے کہ کون آئے گا کیا اور کون نہیں آئے اور نہ یہ لحاظ ہوتا ہے کہ ساتھ آئے اور داویا اور کے سوا دوسرے حروف عالمہ سوائے اشتراک کے دوسرے معانی بھی دیتے ہیں چنانچہ پس فائدہ جمعیت یا ترتیب دے مہلت کا دیتا ہے یعنی اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ معطوف بنحفاظ ترتیب کے معطوف علیہ کی نسبت میں شریک ہے مگر مہلت اور تاخیر نہیں ہوتی گو حرف میں اس ترتیب کو تاخیر خیال کیا جاتا ہے اور حکم کا ثبوت معطوف علیہ کے لیے معطوف سے قبل ہوتا ہے اور اس قابلیت کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) باعتبار وجود کے اور اسکی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ صرف تعقیب کے آتا ہے دوسری صورت یہ کہ تخریج کے آتا ہے ہوتا ہے تعقیب یہ ہے کہ معطوف باعتبار زمانے کے تاخیر ہو اور اول کو ثانی کے وجود میں کوئی دخل نہ ہو جیسے زید آیا پس عمرو جبکہ اول زید آیا ہو کے بعد عمرو بغیر مہلت کے آیا ہو وافظ پس اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عمرو پہلی ظ ترتیب کے زید کی نسبت میں شریک ہے مگر ایک کا آنا دوسرے کے آنے کی شرط و علت نہیں بلکہ تقدیم و تاخیر اتفاقی ہے و تخریج یہ ہے کہ معطوف علیہ کا وجود تقدم ذاتی و زمانی و دونوں کے وجود میں داخل ہو مثال کے لیے۔

امیر الدین شوخ

ارایا و تہب ہے بین فقیری فقیر منا پس غریب سے بہت مازم ہو ملنا عید کا
ادیا و تہب کے فقیر کی جیسے میں ہے کو غریبوں سے ملنے کے اور تقدم ذاتی و زمانی ہے
اور اولیاد طلب کا فقیر کی جیسے میں رہنا سبب ہو غریبوں کے ملنے کا۔

(۲) صرف باعتبار ذکر افعلی کے معطوف علیہ معطوف سے قبل ہوتا ہے و خود زمانی کی وجہ سے تقدیم و تاخیر نہیں ہوتی اور یہ وہاں ہوتا ہے جہاں عطف مفصل کا مجمل پر ہو جیسے فعل باعتبار امثال کے دو قسم پر ہے ایک ماضی دوسرا مضارع پس ماضی وہ ہے جو گزرے ہوئے زمانے پر

دلائی کرے اور مضارع وہ ہی جو زمانہ موجودہ اور آئندہ پر دلالت کرے۔

پھر فائدہ جمعیت کا مع ترتیب و مہلت کے دیتا ہے اور یہ عام ہے اس سے کہ باعتبار عطف زمانے کے ہو جیسے زید گیا پھر عمر و گیا جبکہ عمر و کا جانا زید کے جانے کے بعد مہلت کے ساتھ وقوع میں آیا ہو۔

معبود شاہ زند

کہو کیا ہے فقیر کا جامہ پھر بتا کیا ہے اُس کا عمامہ

یعنی پہلے یہ بتا پھر وہ بتا۔

تظہیر

یہ کچھ ہر وہ پین بکھو کہ بنکر شکل دینی بکھڑا سبز ہونا ملہانا پھر سمٹ جانا

پہلے تو دل میں محبت کا شجر پیدا ہوا پھر گلے حسرت کے گل شمع کا شجر پیدا ہوا

یا باعتبار ارتفاع مرتبہ کے ترتیب ہو جیسے اس شجر میں تیر کے۔

کیا کیا نہ گیا اس بن صبر اود ماغ و دل رونق گئی بشرے کی پھر نور بھی دید و لگا

سودا

یزید کو تو مسلمان کے ہوا سناس پھر اسکو کئے اولوالمرین کرے ہر یاد

یا باعتبار انخطاط مرتبہ کے ترتیب ہو جیسے ویسے آئے پھر انکا اسٹاف آیا۔

فائدہ کلمہ یا جو تردید کے واسطے آتا ہے جب دو جملہ انشائیہ کے درمیان واقع ہو تو ہر چند

یہ دونوں جملے صورت میں منقطع ہوں لیکن پہلا جملہ بحال رہتا ہے اور حرف عطف کے حذف کر دینے پر دوسرا جملہ شرطیہ متصلہ بن جاتا ہے چنانچہ۔

مہتاب راحہ کا تاب

یا تنگ نہ نا صغ نادان مجھے اتنا یا چلے دکھا دے دین ایسا کم ایسی

کیونکہ مطلب یہ ہے کہ یا تو مجھے تنگ نہ کر اگر تنگ کرنا تو مجھے ایسا دین اور ایسی کم دکھا دے۔

خواجہ ابوسعیدین

یا بھیج یک دتے چیر کے پہلو سے دلاؤ یا دل کے سب کچھ ارمان جانیے

مطلب یہ ہے کہ یا تو اب پہلو کر چیر کے دل بھیجنا، تب اگر ایسا نہیں کرے تو دل کے سب ارمان

کمال کے چاہیے۔

یاد رکھو کہ اگر جملے میں محکوم علیہ و محکوم بہ مفرد ہوں گے تو اس کو قضیہ حملیہ کہیں گے اور اگر مفرد نہ ہوں تو اس کی دو حالتیں ہیں اگر حکم اتصال کا ہو تو شرطیہ متصلہ کہیں گے اور اگر حکم انفصال کا ہو تو شرطیہ منفصلہ ہونگے اتصال سے مراد یہ ہو کہ شرطیہ میں ایجاب کی حالت میں ایک نسبت کے ثبوت کا حکم دوسری نسبت کے ثبوت کی تقدیر پر ہو جیسے اگر زید انسان ہو تو حیوان ہو اور سلب کی حالت میں ایک نسبت کی نفی کا حکم دوسری نسبت کی نفی کی تقدیر پر ہو بالفصل یہ سبکہ نسبتوں میں حالت ایجاب میں منافات کا حکم ہو اور سلب کی حالت میں نفی منافات کا حکم ہو مثلاً کہیں کہ یہ عدد جفت ہے یا طاق ہے ظاہر ہے کہ کسی عدد میں زوجیت اور فردیت جمع نہیں ہو سکتی اور نہ دونوں مرتفع ہو سکتی ہیں۔ فخاصہ کلام یہ ہو کہ جب کہ دوسرا جملہ پہلے پر ایسے عاطف کے ساتھ جو داؤ یا اور کا فیہ ہو عطف کیا جائے گا تو فائدہ حاصل ہو جائے گا اور وہ یہ ہے کہ کلام حروف کے معانی ظاہر ہو جائیں گے بخلاف داؤ کے کہ وہ صرف جمعیت اور اشراک کا فائدہ بخشتا ہے پس یہ اسی میں ظاہر ہو گا جس کے لیے حکم اعراب ہو جیسے مفردات اور وہ جملے جنکے لیے محل اعراب ہو پس اس تفصیل سے ثابت ہو گیا کہ عطف سوائے داؤ یا اور کے دوسرے حروف کے ساتھ اپنے فائدہ بخشنے میں در بیان معطوف علیہ اور معطوف کے اس مناسبت کے ہونے کا محتاج نہیں جس کا نام ہم نے جہت جامع رکھا ہے اور وہ فائدہ جو مناسبت کا محتاج نہیں خود ان حروف کے معانی ہیں بخلاف اس عطف کے جو داؤ یا اور کے ساتھ ہو کہ اس سے صرف معطوف علیہ معطوف کے در بیان جمعیت اشراک کا فائدہ حاصل ہوتا ہے پس جب پہلے جملے کے لیے اعراب سے محل ہو گا تو مشترک فیہ بھی ظاہر ہو جائیگا اور وہ حکم ہے جیسا کہ مفردات میں پس اس کے عطف سے فائدہ حاصل ہو جاتا ہے اور اگر اس جملے کے لیے محل نہیں ہوتا تو مشترک فیہ ظاہر نہیں ہوتا پس اس وقت ایسے جامع مخصوص کی طرف محتاجی واقع ہوتی جو دونوں جملوں میں مشترک ہوتا ہے اور دونوں کو جمع کرتا ہے اور اس جامع کا سمجھنا اتنی چیزوں کے سمجھنے پر موقوف ہے کہ دونوں جملوں کے در میان کمال انقطاع یعنی انفصال یا کمال اتصال بدون ایہام خلاف مقصود کے ہے یا نہیں اور خلاف مقصود کے ایہام نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جب دو جملوں میں فصل کیا جائے تو اس سے خلاف مقصود کا ایہام حاصل نہ ہو بلکہ صلی کر نسبت مراد بخوبی حاصل

ہو سکتی ہو یا اُن دونوں جملوں کے درمیان کمال انقطاع اور کمال اتصال کے ساتھ مشابہت بھی ہے یا نہیں اگر کمال انقطاع یا کمال اتصال کے ساتھ مشابہت اُن میں موجود ہے تو فصل کرنا چاہیے وصل نہ کرنا چاہیے کیونکہ وصل ایک حیثیت سے مناسرت کو چاہتا ہے اور دوسری حیثیت سے مشابہت کو چاہتا ہے اور ظاہر ہے کہ مناسرت نہ تو کمال اتصال کو اور نہ کمال انقطاع کے ساتھ مشابہت کو چاہتی ہے اور مشابہت نہ تو کمال انقطاع کو اور نہ کمال اتصال کے ساتھ مشابہت کو چاہتی ہے یا اُن دونوں جملوں کے درمیان نہ کمال انقطاع ہو نہ کمال اتصال اور نہ ان دونوں کمالوں کے ساتھ مشابہت ہے بلکہ اوسط درجے کی حالت ہے تو وصل کرنا چاہیے کیونکہ وصل ایسے ہی دو جملوں کے درمیان واقع ہوتا ہے جن میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ مناسرت اور مشابہت دونوں باتیں حاصل ہوں اور ان باتوں کا جانا وقت کے خالی نہیں اور جس کے لیے حکم اب ہے اگرچہ وہ بھی جہت جامع پر موقوف ہے لیکن اس میں وقت نہیں ہے کیونکہ اس میں جہت جامع ایسی چیزوں کے جاننے پر موقوف نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب دو ایسے جملے جمع ہوں کہ نہ ان کے لیے اعراب سے محل ہو اور نہ پہلے جملے کے لیے کوئی ایسا حکم ہو جس کا دینا دوسرے جملے کو مقصود ہو یا حکم ہو اور دوسرے کو بھی اس حکم کا دینا مقصود ہو یعنی جس طرح اس حکم کو پہلے جملے کے لیے لگا سکتے ہیں اسی طرح دوسرے جملے کے لیے بھی لگا سکیں تو ایسے جملوں کے چھ حال ہیں۔

(۱) اُن دونوں میں انقطاع (انفصال) اس بات کے ایہام کے بدون ہو کہ اگر فصل کیا جائیگا تو مقصود کا خلاف لازم آئیگا۔

(۲) دونوں میں کمال اتصال ہو۔

(۳) دونوں میں کمال انقطاع کی مشابہت ہو۔

(۴) کمال اتصال کی مشابہت ہو۔

(۵) کمال انقطاع اس بات کے ایہام کے ساتھ ہو کہ اگر فصل کیا جائے گا تو مقصود کا خلاف لازم آئے گا۔

(۶) دونوں کمالوں کے درمیان توسط ہو۔

پس ان میں سے چھٹی اور پانچویں حالت میں دونوں جملوں میں فصل کرنا چاہیے اور باقی پہلی چار حالتوں میں دونوں کے درمیان فصل کرنا چاہیے اس لیے ان چھوں حالات کی تفصیل پر غور کرو۔

کمال انقطاع بدون ایہام کے

کمال انقطاع دو جملوں میں کئی وجہ سے ہوتا ہے۔

ایک اس وجہ سے کہ دونوں لفظا و معنا مختلف ہونے میں مثلاً پہلا انشائیہ ہو اور دوسرا خبریہ پہلا خبریہ ہو اور دوسرا انشائیہ سوان دولوں میں وصل نہیں ہوتا جیسے غالب کے اس قول میں جناب چودھری صاحب ادبم تم صاحب عالم کے پاس چلیں پہلا جملہ انشائیہ ہے اور دوسرا خبریہ پس ہم تم صاحب عالم کے پاس چلیں کوئے اور چٹھٹ نہیں کیا اس لیے کہ یہ خبری لفظا و معنا اور لفظا و معنا انشائیہ لفظا و معنا ہے۔ مصرع۔

ہے خدا جانے کہاں مدت ہوئی اُسکو گئے

اس مصرع میں دو جملے ہیں پہلا استفہام استخباری کو متضمن ہے اس وجہ سے لفظا و معنا انشائیہ ہے اور دوسرا لفظا و معنا خبریہ ہے۔

ظفر

ہم اپنا عشق چکا میں تم اپنا حسن چکا و کہ حیران دیکھ کر عالم میں بھی تھکین بھی ہو :۔
ہم اپنا عشق چکا میں جملہ خبریہ ہے اور تم اپنا حسن چکا و جملہ انشائیہ ہے پس ان دولوں کے درمیان عطف نہیں کیا گیا اسی مثال میں ہم نیم کا مصرع۔

اسفری دشوار خواب کب تک بہت بڑی منزل عدم ہے

سفر ہے دشوار لفظا و معنا جملہ خبریہ ہے اور خواب کب تک لفظا و معنا جملہ انشائیہ ہے اس لیے کہ استفہام استخباری کو متضمن ہے اور بہت بڑی منزل عدم ہے لفظا و معنا جملہ خبریہ ہے اس لیے ان تینوں جملوں میں عطف نہیں کیا کیونکہ کمال انقطاع ہے۔
یہ مثالیں دونوں جملوں کے درمیان کمال انقطاع کی ہیں کیونکہ دونوں لفظا و معنا خبریہ انشائیہ اور نہ دونوں کو اعراب سے محل حاصل ہے۔

دوسرے کمال انقطاع اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دونوں میں سے ایک منافیہ ہو اور دوسرا منافیہ نہ ہو لفظا و دونوں صرف انشائیہ ہوں یا صرف دونوں خبریہ ہوں بیان بھی وصل نہیں ہو سکتا پس یہاں چار صورتیں تصور ہیں۔

(الف) پہلا منافیہ ہو اور دوسرا منافیہ نہ ہو اور دونوں لفظا و معنا خبریہ ہوں جیسے آج زید مرگیا اُسکو بخشے اُسکو بخشے کا عطف زید مرگیا بہ نہیں کیا کیونکہ ملنے کی رو سے انشائیہ ہے

اور زید مر گیا خبر یہ ہو اگرچہ لفظاً دونوں خبر یہ ہیں۔

مرزا کاظم حسن

بھی اک رند باقی تھا صد افسوس | خدا بخشے حسن نے بھی نصیب کی

جملہ یہی اک رند باقی تھا معنا خبر یہی اور خدا بخشے معنا انشا کیونکہ دعا ہی پس خدا بخشے کا عطف
بھی اک رند باقی تھا پر نہیں کیا گو کہ دونوں جملے لفظاً خبر یہ ہیں۔

قائم

بتوں کے دید کو جاتا ہوں دیر میں قائم | مجھے کچھ اور ارادہ نہیں خدا نہ کرے

جملہ مجھے کچھ اور ارادہ نہیں دوسرے جملے خدا نہ کرے سے نہایت منقطع ہے اسلئے دوسرے کو پہلے پر عطف نہیں کیا پہلا جملہ معنا خبر یہ ہے اور دوسرا معنا انشائیہ ہے کیونکہ دعا ہے اور لفظاً دونوں خبر یہ ہیں۔

غلام علی خان وحشت

میرے مرنے کی خبر غیر کو یوں دیتے ہیں | مر گیا وحشت جان باز تری جان دو

حکیم میر محمد مہدی ظاہر

نہ بھائی تھی جس شخص بن دل کو سیر | سو آیا ہے کے لودہ یادش بخیر

(ب) پہلا معنا خبر یہ ہوا اور دوسرا معنا انشائیہ ہوا اور لفظاً دونوں انشائیہ ہوں۔

لوا ب کلب علیخان

دوب مرنے کو مرے داغ جگر کیا کم تھا | چشم تر نے کیے کیوں سات سمندر پیدا

اس شعر میں پہلا مصرع معنا خبر یہ ہوا اسلئے کہ استفہام انکاری کی جو خبر کی تاویل میں ہوتا ہے اور بظاہر انشا ہوتا ہے اور دوسرا مصرع معنا انشائیہ ہے اسلئے استفہام تنبیہ کی اور لفظاً دونوں انشائیہ ہیں
(ج) پہلا معنا انشائیہ ہوا اور دوسرا معنا خبر یہ ہوا اور لفظاً دونوں خبر یہ ہوں مثلاً۔

غالب

یہ لاش بیفکن آسہ خستہ جانی ہے | حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

پہلا جملہ حق مغفرت کرے دوسرے جملے عجب آزاد مرد تھا سے نہایت منقطع ہے اسلئے دوسرے کو پہلے پر عطف نہیں کیا پہلا جملہ معنا انشائیہ ہے کیونکہ دعا ہے اور دوسرا معنا خبر یہ ہے اور لفظاً دونوں جملے خبر یہ ہیں۔

(د) پہلا معنای انشائیہ ہوا اور دوسرا معنای خبریہ ہوا اور لفظاً دونوں انشائیہ ہوں۔ جیسے۔

نواب کلب علی خان

کوئی کیون ہوئے آج کھڑے تھل میں | فوج کرنے کو نہیں کیا کوئی خبر پیدا

اس شعر کے دونوں مصرعوں میں دونوں جملے استفہامیہ ہیں اس لیے لفظ انشائیہ میں لکھ دیا
معنای بھی انشائیہ ہے کیونکہ استفہام بہت باری ہر بخلاف دوسرے کے کہ وہ معنای خبریہ ہوتا ایسے کہ
استفہام تقریری دراصل خبریہ۔

تیسرے کمال لفظ ایسے ہوتا ہے کہ دونوں جملوں میں کوئی جامع نہیں ہوتا اور جامع سے
مراد ایسا وصف ہے جو نہایت خصوصیت رکھتا ہو اور یہ جامع دو حال سے خالی نہیں ہوتا۔

(الف) یا تو صرف جملوں کے مسند الیہوں میں نہیں ہوتا جیسے زید بڑا ہے یا تو چھوٹا ہو یہاں فقط
مسند الیہوں میں کوئی جامع نہیں ہوتا ایسے دوسرے کا عطف پہلے پر نہیں ہو سکتا حالانکہ دونوں
جملے خبریہ ہیں اور بڑے اور چھوٹے میں جامع موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کی ضد ہے
مگر مسند الیہوں میں جامع مفقود ہے۔

شہیدی

خندے کے کرنے میں جو صبح اُس گل سے بڑا ہوتا | غنچے کی تھیاتی پھٹ گئی اعل میں ٹکڑے ہوا
دوسرے مصرع میں دو مسند الیہ ہیں ایک غنچہ دوسرا اعل میں اور ان میں کوئی جامع نہیں ہے
البتہ مسندوں میں جامع ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں کا مصداق ایک ہے۔

انیس

دولت نہ گئی ساتھ نہ الحفال گئے

یہاں دولت والحفال مسند الیہ ہیں جن میں کوئی جامع نہیں اور مسندوں میں اتحاد جمل مع ہے۔
(ب) کبھی جامع فقط مسندوں میں نہیں ہوتا جیسے زید لمبا ہے عمرو سو فیوا لا ہے۔
یہاں صرف مسندوں میں جامع نہیں بشرطیکہ مسند الیہوں میں جامع فرض کر لیا جائے اور وہ یہ کہ
زید و عمرو آپس میں دوست ہوں یا کسی اور قسم کا ان میں تعلق ہو۔

نہی

مترنا ہے دراز کا کلون پر | نہی کی جیاد بڑھ گئی ہے
پہلے مصرع میں نہی مسند الیہ ہے اور دوسرے میں جیات نہی اور ان میں جامع ظاہر ہے اور پہلے

جملے میں مرقا ہی بعضی عاشق ہے سند ہی اور دوسرے میں بڑھ گئی ہے سند ہی اور ان میں کوئی جامع نہیں
 اٹھ دو پٹے سے چھپایا اس نے رنڈ دل کو بردے من بھجایا اس نے
 دونوں جملوں کے سند ایسوں میں جامع یہ کہ دونوں متحد ہیں اور سندوں میں کوئی جامع نہیں۔
 (رج) یا سند الیہ اور سند دونوں میں کسی قسم کا جامع نہیں ہوتا جیسے زید کھڑا ہے علم قدم ہے
 اسی قبیل کے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زید ملہا ہے غم و سوچ الہا ہے جبکہ زید و غم و سوچ جامع نہ ہو۔

گلزارِ مسم

گوشتے میں کوئی نگا نہوے خواستہ کوئی ناکتا نہوے
 پہلے مصرع کے جملے میں سند الیہ کوئی محافظہ ہے اور دوسرے مصرع کے جملے میں سند الیہ خواستہ ہے
 اور ان میں کوئی جامع نہیں ہے اور پہلے جملے میں نگا نہوے سند ہے اور دوسرے میں ناکتا
 نہوے اور ان میں بھی کوئی جامع نہیں ہے۔

دو ساز طرب ملے خوش آہنگ ولہ دور از ادب کھلے بصد ننگ
 پہلے مصرع کے جملے میں ساز طرب سند الیہ ہے اور دوسرے مصرع کے جملے میں دور از
 ادب سند الیہ ہے اور ان میں کوئی جامع نہیں اور اول میں ملے اور دوم میں کھلے مستلک
 اور ان میں بھی کوئی جامع نہیں۔

ایضاً

مرغان ہوائے ہوش را ہی ۱ نقش کف پا بھی ریگ ما ہی
 اور آگے بڑھا وہ جس را دلم ولہ دوبا خورشید ہو گئی شام
 بڑی تھی رخ جنوں کی کا گل ولہ پابوسی گل کو آیا سنبھل

کمال اتصال

دو جملوں کے درمیان کمال اتصال چار طور سے پایا جاتا ہے۔
 ایک یہ کہ دو سہرا جملہ پہلے جملے کی تائید کرنا ہو۔ تائید لہجہ بھی خوبی طور پر ہوتی ہے کبھی نقطی طور پر
 اور تائید کی قدرت یہ ہو کہ سامع جب ایک جملہ شکر گمان کرتا ہو کہ یہ حکم بطور مجاز کے یا غلطی سے
 کیا ہو تو اس کا اس گمان کے دفع کرنے کے لیے متکلم ایک جملے کا عطف پہلے جملے پر کر دیتا ہے تاکہ اس کا
 یہ توہم دلع ہو جائے یہ دوسرا جملہ پہلے جملے کے معنی کی تائید کرتا ہو پس تائید معنوی یہ ہو کہ دوسرے
 جملے کا مقصد ان پہلے جملے کے معنیوں سے تفاوت ہو لیکن ایک کے معنی کے ثبوت سے دوسرے کے

معنی کا ثبوت لازم آئے ایسے جملوں میں عطف نہیں کیا جاتا کیونکہ تاکید اور مؤکد ایک شے کی مثل ہو جاتے ہیں۔

وحید

حاسد یہ دل میں کہتے ہیں گہرا کے یکساں سلطان ملک نظم ہی یہ کچھ نہیں ہر شک
جب یہ کہا گیا کہ حاسد اپنے دل میں اس شخص کو سلطان ملک نظم سمجھتے ہیں تو سامع کو یہ توہم
ہو سکتا تھا کہ یہ بطور مجاز کے یا غلط کہا ہو گا پس سامع کے اس توہم کے دور کر لے کے بے ایک
دوسرا جملہ اسکے بعد ذکر کیا اور وہ کچھ شک نہیں ہے اور کچھ شک نہیں ہے کہ اس ترکیب میں ایسا
جیسا کہ شعر ذیل میں خود کا رتبہ ہے۔

اوج

برودہ آٹھ جایگا جب روئے غلی سے کلیم آپ خود تھ سے کہینگے کہ ابھی کیا دیکھا

شاد

اسی کی آنے اک نہانے تک نہیں اس میں نہ ابھی شبہ و شک
صرح دوم مصرع اول کی معنوی طور پر تائید کرتا ہے۔

ناصح

ہو ترارو کے جہان سوزا اگر عکس فلک ہی یقین خانہ آئینہ سگر جلجائے
خانہ آئینہ سگر جلجائے شرط کا جواب ہو اور اسکی تائید یقین ہو کرتا ہے۔

امیر

سبے بدتر و خیر اس میں نہیں شک لیکن لاج اسکی ہے ضرور آپ کا گھلاتا ہے

امیر کے سب سے بدتر ہونے کی تائید معنوی طور پر اس میں شک نہیں کرتا ہے۔

اور القسطنطی طور پر تائید کی یہ صورت ہے کہ دونوں جملوں کا مضمون ایک ہو پس ایسے جملوں میں بھی
عطف نہیں لیا جاتا ایسے کہ تاکید اور مؤکد مل کر ایک شے کی مثل ہو جاتے ہیں جیسے۔

ناصح

جو ہوا کو خندانہ کرنا خنجر بیت خالق ہوا نہ کرنا خنجر

حمید

نفت آنکی ہر فصل ہر فصل نفت آنکی ہر فصل ہر فصل

شاد

میرے شرب کے سب خلاف کیا میرے مذہب کے سب خلاف کیا

میر حسن

نہیں تیرا کوئی نہ ہوگا شریک تری ذات ہے وحدہ لا شریک

مثنوی سعیدین

وہ یلیدہ جو دان سے آیا ہے وہ یلیدہ جو میں نے کھایا ہے

نام اُسی کا ہے لذت دنیا نام اُسی کا ہے نعمت دنیا

دوسرا شعر مقصود بالتمثیل ہے۔

دبیر

یہ تاج ہر اُسکا جو حسین ابن علی ہے واللہ کلاہ سر شہید پوری ہے

پانچون شعرون میں جو مطلب پہلے مصرعون کے جملوں سے حاصل ہوتا ہے وہی دوسرے مصرعون کے جملوں سے حاصل ہوتا ہے ایک ایک مصرع ایک ایک جملہ ہے ہر شعر میں دوسرا جملہ پہلا جملے کی تائید اور ثبوت کے استحکام کے لیے ہر تاکہ سامع کو یہ گمان نہ پیدا ہو کہ مشکل نے یہ بات مجازاً کہی ہو یا غلط آئی ہے۔

انیس

درون کا ایک نور خدا سے ظہور ہے ظاہر میں ان میں جس سے ایک نور ہوا

جو مفہوم ظاہر میں کا ہے وہی اُسکے جملہ بعد کا ہو۔

موقوفہ

زلف سیاہ یار نے اپنا دکھا جلوہ مجھے لمی کیا بے دین کیا کا ذکر کیا ترسا کی

دوسرے مصرع کے تمام جملے مضمون کے اعتبار سے متحرک ہیں ایسے عطف نہیں کیا۔

مضطرب

میری اُنکی رسمِ الفت چھٹ گئی مدین گزیر میں زمانہ ہو گیا

جو مطلب مدین گزیر میں سے حاصل ہوتا ہے وہی زمانہ گزرا سے مماثل ہوتا ہو۔

ضامن

مارڈا لاکسی کی چاہت ہے ہفت یار کے ہمین ہاں

اس شعر میں جو مطلب پہلے جملے سے حاصل ہوتا ہے وہی دوسرے سے حاصل ہوتا ہے۔

غالب

کہا تھے کہ کیوں ہر شعر کے مٹنے میں رسوائی

جو مطلب بجا کہتے ہو سے حاصل ہوتا ہے وہی بچ کہتے ہو سے حاصل ہوتا ہے۔

دوق

جس سے پوچھو کہ تو آگاہ ہے کیا کہ بیا

انت تعرف کو جس سے وہ کیا کہ نعم

پس تمام شعروں میں دوسرے جملے کا دیا ہی رتبہ ہے جیسا کہ اس شعر میں دوسرے چھوٹے گا۔

صبا

دل سودا ز دمیر از چھوٹے گانہ چھوٹے گا

ایراک حلقہ کی کالاجیل خانہ عطف شکوہ لگا

تنبیہ۔ جبکہ ایک جملہ دوسرے جملے کی تائید لفظاً کرتا ہو تو عطف نہیں کیا جاتا پس اس صورت میں محمد حسین مخلص بہ حسین کے اس شعر میں۔

بچوئے مین بھول غم میں آئی ہمارے

اطلع ہر صاف اور نہیں زرد غبار ہے

عطف درست نہیں اس لیے کہ مطلع کے صاف ہونے سے بھی یہی مراد ہے کہ مطلع گرد و غبار نہیں رکھتا اور مطلع صاف ہونے سے دوسرے معنی مقصود ہیں تو اس صورت میں بھی عطف ناجائز ہے کیونکہ یہ کمال انقطاع کی تیسری قسم ہے جیسا کہ ہمارا آئی ہے اور مطلع صاف ہے مین کمال انقطاع ہے۔
دوسرا طور۔ یہ ہے کہ پہلا جملہ بیان مراد کے لیے کافی نہیں ہوتا اس میں کوئی کمی یا پوشیدگی ہوتی ہے اس لیے اسکے بعد ایک اور جملہ بطور بدل کے لائے ہیں جس سے تمام و کمال انکشاف مراد کا ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ مقام اس بات کا مقتضی ہوتا ہے کہ مراد کی شان کا بخوبی اہتمام کیا جائے اور نکتہ اس میں یہ ہوتا ہے کہ یا تو مراد فی نفسہ مطلوب ہوتی ہے یا شنیع ہوتی ہے یا عجیب ہوتی ہے یا لطیف اور مستحسن ہوتی ہے پس دوسرا جملہ مراد کے بخوبی کھولنے کے لیے بطور بدل کے لایا جاتا ہے تاکہ ظور مراد میں کسی قسم کی کمی اور پوشیدگی باقی نہ رہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔

(الف) جملہ ثانی کا مفہوم پہلے جملے میں داخل ہو۔

مراد کے فی نفسہ مطلوب ہونے کی مثال۔ جیسے کہیں خدا نے ہر کوئی ستمیں

بخشتی ہیں آنکھیں کچھ کو دی ہیں کان سننے کو یہ ہیں زبان دل کا حال بیان کرنے کو دی ہے

بیان نعمت الہی کا جتنا مراد ہی اور وہ فی نفسہ مطلوب ہی اور عبادت و پرہیزگاری اختیار کرنے کا ذریعہ ہے اسلئے اسکا کھونا ضرور تھا پہلے جملے سے مجملات الہی کا حال معلوم ہوتا تھا دوسرے جملوں کے لانے سے اسکی تفصیل ہو گئی۔

روایۃ صادقہ

اور جو ہم میں پہلوان کہلاتے ہیں سینہ ابھرا ہوا ہے۔ قبضہ چڑھے ہوئے ہیں دیکھنے کو موٹے تازے داؤ بیچ خوب سودا بخ بیان پہلوانوں کا حال ظاہر کرتا اور انکے قوس کی حالت کا دکھانا نہ نظر تھا کیونکہ یہ امر فی نفسہ مطلوب تھا اس لیے پہلے جملے کے بعد دوسرے جملے جو انکے حالات پر مشتمل تھے لائے اور اس طرح اس مجمل کی تفصیل ذہن نشین کر دی اور دوسرے جملوں کے مخوم پہلے جملے میں داخل ہیں۔

دلغ

ہماری اکھوں سے بھی تماشہ عجب عجب دکھا اُڑائی دیکھی پھلائی دیکھی غدا بکھا تو اب دیکھا بیان عجب عجب انتخاب تماشوں کا بتانا منظور تھا اسلئے دوسرے مصرع میں اُن عجائب تماشوں کو کھول دیا چونکہ پہلا جمل بیان مراد کیلئے کافی نہ تھا اسلئے اُسکے بعد تین جملے دوسرے بطور بدل کے لائے۔

مولوی محمد امجد

تخمس ریزی جنس اعلیٰ کی ہوئی نصیت میں بویا گیا گیہون چسنا مصرع اول میں پہلا جملہ بیان مراد کیلئے کافی نہ تھا اس کا اجمال دوسرے جملے نے دور کر دیا اور اس جنس اعلیٰ کو بتا دیا جسکی تخم ریزی ہوئی تھی۔

اسیر

ازمانہ رنج دیتا ہے بقدر حال انسان کو آگہ کو کرنا انہدیشہ عالم ہے سلطان کا پہلا جملہ جو مصرع اول میں ہو انکشاف مراد کے لیے کافی نہ تھا اُسکے بعد دو جملے بطور بدل کے لائے جنھوں نے اُسکا خفا دور کر دیا۔

جرات

تیرے خیال میں دونوں جہان سے ہم گزرے نہ اس جہان کی خبر ہے نہ اس جہان کی خبر

ظفر

جاتے ہیں کیا کیا گھیسے رہ رہ و راہ وفا
سر کے بلن زون کے بل سینے کے بلن زون کے بل

جرات

مشاطہ ترے گھر سے جب لیکے نبات آئی
لب بند ہوئے سب کچھ مٹھوئے نبات آئی

مراد کے شنیع ہونے کی مثال

کوئی عورت بدکار ہو اور نماز گزار بھی ہو تو اس کو کہیں دو باتیں جمع نہ کرنا کاری چھوڑ دے اور
از پرٹھا کر جیسے واجد علی شاہ کے اس قول ہیں۔

عجب انداز کی تھی وہ گرو
وہ اڑانے کا ذوق رکھتی تھی
گئے سے آنکھ وہ لگاتی تھی
جو تڑون سے وہ کرتی تھی آٹو
اور پستان سے شوق رکھتی تھی
یور ایک ایک اسکو بھاتی تھی

پہلے مصرع میں اس عورت کے انداز غش کاری کو دکھایا ہے چونکہ اس جملے میں معنی مراد کے
ادا کرنے میں خفا ہے اس لیے دوسرے جملے اسکے بعد لائے جس سے اسکی توضیح ہو گئی اور پہلے جملے کے
ساتھ دوسرے جملوں کا عطف اس لیے نہیں کیا کہ شے واحد کی طرح سمجھے جاتے ہیں۔

میر حسن

لگے پینے با ہم شرابِ حصال
بہوئے ملے لب بہن سے دہن
لگی آنکھ سے نکھر خوش حال ہو
گئیں جسرین دل کی باہال ہو
ہوئے نخل امید سے وہ نہال
دلوں سے ملے دل بدن سے بدن

پہلے شعور میں صحبتِ باغ کو دکھایا ہے چونکہ معنی مراد بخوبی ادا نہیں ہو سکتے ہیں اس لیے بعد میں کئی جملے
ذکر کے جنہوں نے خفا کو بخوبی دور کر دیا۔

صاحبقران

جتون غضب پر شوخی میں ہے بمثال آنکھ
کچھ ملے سے سن میں اسکی بڑی ہے چنناں آنکھ
مراد کے عجیب ہونے کی مثال

ذوق

تسب چیزان بسر نہیں ہوتی
نہیں ہوتی سحر نہیں ہوتی

شب ہجران کا بس نہونا پہلا جملہ ہی اور سحر کا نہونا دوسرا جملہ ہی مگر پہلے جملے سے مراد بخوبی ظاہر نہیں ہو سکتی تھی کہ کس طرح شب ہجران بس نہیں ہو سکتی دوسرے جملے نے مراد کو اچھی طرح کھول دیا کہ شب ہجران کا بس نہونا یہ ہے کہ دن نہیں نکلتا جو اجمال پہلے جملے میں تھا اسکی تفسیر دوسرے جملے نے کر دی اور چونکہ کسی شب کا بس نہونا عجیب بات تھی کیونکہ کوئی شب ایسی نہیں کہ بس نہ ہو سکے پس اسکی شان کا اہتمام زیادہ منظور تھا اور اس غرض سے وضاحت کی حاجت پڑی اور بطور بدل کے سحر نہیں ہوتی اس کے بعد ذکر کیا اور دونوں میں حرف عطف نہ لائے کیونکہ دونوں شے واحد کی طرح سمجھے جائیں

مراد کے لطیف ہونے کی مثال

کوئی شخص رحم دل اور خوش اخلاق ہو تو کہیں کہ وہ خوبون کا مجموعہ ہے رحم دلی اور خوش اخلاقی اس کے خمیر میں داخل ہیں۔

حالی

راستی اور راستبازی اس میں بھی ضرب مثال اس کے کام نہیں رہا تھی اور نہ باتوں میں دخل

امانت

تمہارے گیسوؤں کے ڈھنگ دنیا سے نرا ہے ہینا | پریشان ہون تو سنبل میں جو بل کھائیں تو کالے ہینا
(ب) جملہ ثانی کا مفہوم پہلے جملے میں داخل نہیں ہوتا بلکہ اس سے مناسبت رکھتا ہے مثال۔

شباب

چپ کی نام نہ کر مجھ کو نصیحت م بدم اگر | مرے دل پر تو قبضہ ہے کسی ہوش کی انگلی
یہاں چپ پہلا جملہ ہی بطور بدل کے اس کے بعد کہا مجھ کو نصیحت نہ کر اور مقصود اس سے سبزش ہے۔
نہ رند و مین پھر تو زاہد اے راستہ اپنا | ولہا ٹھہرنا ہے تو پہلے صاف کرے اپنے باطن کو

زاہد کے ٹھہرنے پر کراہت ظاہر کرنے کو کہا کہ رند و مین نہ ٹھہراو جب کہا کہ اپنا راستہ لے تو اس نے اس مضمون کو بخوبی خاطر لکھین کر دیا کیونکہ جب عرف میں اس طرح بات چیت کرتے ہیں تو اس سے کمال کراہت کا اظہار مقصود ہوتا ہے نہ چلا جانا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ راستہ لینا باعتبار مفہوم کے نہ ٹھہرنے سے معاذ ہے اسی لیے تاکید و بیان نہیں ہو سکتا اور نہ راستہ لینا نہ ٹھہرنے میں داخل ہے اسی لیے پہلی قسم سے بھی علیحدہ ہوا۔

اسی قبیل سے ہے۔

آفتاب کے رسوا

رسوا کو کما دیکھنے کل شوخ نے گستاخ | چل دور ہو فی النار ہو کا فور ہو تھو ہو

چل دور ہو کے بعد بطور بدل کے کما فی النار ہو اسی طرح اسکے بعد کما کا فور ہو یہی حال تھو ہو کا ہے
عرف میں جب کہتے ہیں فی النار ہو جاؤ یا کا فور ہو جاؤ تو ان سے معنی حقیقی مقصود نہیں ہوتے بلکہ محض اپنے
سامنے موجود ہونے پر کراہت کرنا مقصود ہوتی ہے۔

النشا

شوخر شر یہ کہ بیٹھے خرام اسکا صاف | دال نے عین بے دور برت ہو چل

تیسرا طور دو جملوں میں کمال اتصال کا یہ ہے کہ دوسرا جملہ بطور بیان کے واقع ہوا اور پہلا بیان
اس لیے لایا جائے کہ پہلے جملے میں کسی قسم کا خفا ہو جس سے مراد کی پوری پوری توضیح نہ ہو سکتی ہو اور مقام
یہ چاہتا ہو کہ بیان خفا دور کر دیا جائے جو جملہ بطور بدل کے اگر پہلے جملے سے معنی مراد کا خفا دور
کرتا ہے اُس میں اور اُس جملے میں جو بطور بیان کے اگر معنی مراد کا خفا زائل کرتا ہے
فرق یہ کہ بدل میں مقصود دوسرا جملہ ہوتا ہے نہ اول اور بیان میں پہلا جملہ مقصود ہوتا ہے
نہ دوسرا کیونکہ دوسرا فقط توضیح کے لیے ہوتا ہے پس اگرچہ جملہ بدل اور جملہ بیان
دونوں توضیح کے لیے ہوتے ہیں مگر بدل واسے جملے میں جو ایضاح بدل سے حاصل ہوتا ہے
وہ اُس سے بالذات مقصود نہیں ہوتا اور بیان واسے جملے میں جو ایضاح بیان سے حاصل
ہوتا ہے وہ بیان سے بالذات مقصود ہوتا ہے۔ مثال۔

واجد علی شاہ

ایک مرض جانارہا تو دوسرا پیدا ہوا | قلب کے پلنے کا بھکو عارضہ پیدا ہوا

دوسرا صریح بیان ہے دوسرا مرض پیدا ہونے کا چونکہ یہ کہہ دینا کہ دوسرا مرض پیدا ہوا ایک بسا اطلاق
کہ جس میں خفا ہے اور مقام مقتضی اس بات کا تھا کہ یہ خفا دور کیا جائے اس لیے یہ کہنے کے دل کے
پلنے کا بھکو عارضہ پیدا ہوا اُس پوشیدگی کو دور کر دیا۔

حالی

ہند اپنے فرائض میں مسلمان ہیں ہندو | مہور مساجد ہیں تو آباد ہیں مستدر

یہ جملہ کہ اپنے فرائض میں مسلمان اور ہندو ہند نہیں خفا رکھتا ہے کیونکہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس
بات میں ہند نہیں اور مقام اسکا مقتضی ہے کہ خفا دور کیا جائے پس دوسرے معنی میں ہند کہ

بیان کر دیا۔

داع

محبت میں جس جاگے ٹٹ گئے ہم یاد دل کسی نے دیا سر کسی نو

امانت

خدا نے اختیار اُسکو دیا ہر روز محشر کا دہی مالک ہر جنت کا دہی قائم ہر کوثر کا

سنو کھرا کے بیتاب

نہ رہے باغ جہان میں کبھی رام سے ہم پھنس گئے قید غص میں جو چٹے دم سے ہم

سید محمد زکریا خان زکی

اتل ہو کر بھی تو رہتے ہیں پریشان عشق سر جہا ہاتھ جدا یا نون جدا ہوتا ہے

چوتھا طور کمال اتصال کا یہ ہو کہ دوسرا جملہ پہلے سے اہم ہو اور پہلے سے غرض متعلق نہ ہو مثلاً کہتے ہیں آئیے تشریف رکھیے یا لو کھانا کھاؤ یا جاؤ سور ہو ظاہر ہو کہ ان مثالوں میں دودو جملے ہیں پہلے جملہ سے کوئی غرض نہیں اور مطلوب دوسرا جملہ ہوا پہلے کمال اتصال کے لحاظ سے فصل کیا گیا اور عطف سے احتراز ہوا جیسے آفتاب ماسے رسوا کے شعر میں چل دور ہو کہ چل سے کوئی غرض نہیں اسی طرح نظام رامپوری کے شعر میں لڑا بتو چھوڑ سے

دہ کسما کے شب وصل اُسکا کتنا ہے لے اب تو چھوڑ مجھے تو نے خوب پیار کیا

اسی قبیل سے ہے اس قول میں ہر حسن کے جا کہ اس سے کوئی غرض مطلوب نہیں ہے

تقیر دن سے آنا نہ ہو تو خفا چلے ہم بھلا جا ترا ہو بھلا

صغر

لشے میں لے پایا بوسہ خفا کیون ہوتے ہو صاحب جلو مل ٹھجو جائے دو کہ ایسا ہو ہی جاتا ہے

مقصود بالتمثیل جلو ہو کہ اس سے کوئی غرض متعلق نہیں جیسے انشا کے اس شعر میں۔

چند مدت کو فراق صنم و دربر تو ہے آؤ کہے ہی کو ہوا میں جلو سیر تو ہے

حالی

ابھی اک نکتے میں تم دو لون کو چٹلائی ہو نزل دوستو غور سے میں کشتی ہوں درجائی ہوں

کمال انقطاع کی مشابہت

دو جلوں کے در بیان کمال انقطاع کی مشابہت یہ ہو کہ دوسرا جملہ پہلے جملے کے ساتھ متصل ہونے کی مشابہت

رکھتا ہو پس دوسرے کو پہلے پر عطف کرنے سے یہ ایسا م پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے جملے کا عطف کسی غیر پر ہے حالانکہ وہ مقصود نہیں ہوتا اسلئے دوسرے کو پہلے پر عطف نہیں کرتے اگر عطف کیا جائے تو معنی مراد میں خلل پیدا ہو جائے پس خلاف مراد کا وہم پیدا ہونا عطف کو مانع ہے اسی وجہ سے اسکو کمال انقطاع کی طرح قرار دیا گیا ہے کمال انقطاع اور اس میں ہی فرق ہے کہ وہ ان نہ امر ذاتی ہے جس کا دفع کرنا کسی طرح ممکن نہیں اسلئے کہ وہ ان دونوں جملوں میں سے ایک خبر یہ ہوتا ہے اور دوسرا نشانہ اور دونوں میں کوئی جامع نہیں ہوتا اور انقطاع کی مشابہت کے موقع پر عطف کرنے کا مانع ایک ایسا امر ہوتا ہے جو دونوں جملوں کی قانون سے خارج ہوتا ہے اور اسکا دفع کرنا کسی قریبے وغیرہ کے نصب کرنے سے ممکن ہوتا ہے اور کمال انقطاع کی مشابہت میں ترک عطف کو فصل قطعی کہتے ہیں جیسے صاحب باغ دہار لکھتا ہے "فقیر نے ناچار خاطر سے مہمان کی استقبال کر کے نہایت تپاک سے برابر اس جوان کے لاٹھیا یا جوان اس کے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دنیا کی نعمت ملی" جملہ دوم یعنی جوان اس کے دیکھتے ہی ایسا خوش ہوا جیسے دنیا کی نعمت ملی پہلے جملے پر موطون نہیں کیونکہ موطون ہونے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ یہ بھی منکلم کے فعل سے ہو اور یہ منظور نہیں اسی مثال میں ہے عبارت ردیائے صادقہ کی ایک مصاحب کو یہ سوچھی کہ ان دنوں دلائی سیوہ فردش آئے ہوئے ہیں کسی دلائی کو ایک پہلوان سے لڑوایا جائے صاحب عالم اسلحہ بجا دوسن کر بھڑک گئے اور فرمایا بھئی دانش تخت کی قسم کیا بات پیدا کی ہے اس عبارت میں مصاحب عالم اسلحہ بجا دوسن کر بھڑک گئے کا عطف اس کے ماقبل پر نہیں کیونکہ عطف کی صورت میں لازم آتا ہے کہ یہ بھی اس چیز میں سے ہو جو مصاحب کو سوچھی تھی۔

کمال اتصال کی مشابہت

یہ ہے کہ دوسرے جملے کو پہلے جملے کے ساتھ متصل ہونے کی مشابہت حاصل ہو صورت اسکی یہ ہے کہ دوسرا جملہ جواب ہو اس سوال کا جسکا چاہنے والا پہلا جملہ ہو اور کلام کا قرینہ اس پر دلالت کرتا ہو پس دوسرے جملے کا پہلے جملے سے فصل کیا جاتا ہے جس طرح سوال محقق مصرح سے جواب کا فصل کیا جاتا ہے کیونکہ دونوں میں اتصال ہوتا ہے اگر سوال وجواب کے معانی کی طرف نظر کی جائے تو ان میں کمال اتصال کی مشابہت ہوتی ہے اور اگر ان کے الفاظ کو دیکھا جائے تو ان میں کمال انقطاع ہوتا ہے کیونکہ سوال نشانہ ہے اور جواب خبر ہے اگر ان کے تاملوں پر لحاظ کیا جائے تو ہر ایک

ایک متکلم کا کلام ہے اور ایک متکلم کے کلام کا دوسرا متکلم کے کلام پر عطف نہیں کیا جاتا ہے تمام تقدیریں پر فصل متعین ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ دوسرے جملے کا عطف پہلے جملے پر نہیں کیا جاتا کیونکہ پہلا جملہ سوال کو مشتمل در مقتضی ہوتا ہے پس ایسی حالت میں پہلے پر دوسرے کا عطف کرنا ایسا ہے جیسے جواب کا سوال پر عطف کرنا اس قسم کے فصل کو استیناف کہتے ہیں اور دوسرا جملہ کہ سوال مقدر کا جواب ہوتا ہے مستانفہ کہلاتا ہے اور اس پر استیناف کا بھی اطلاق ہوتا ہے اور استیناف کی کئی قسمیں ہیں۔ اُن میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ سماع بعد اس حکم کا جو پہلے جملے میں ہوتا ہے سبب بہم ہو اور سبب دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک عام دوسرا خاص۔

سبب عام یہ ہے کہ سماع کو کی طرح بھی حکم کا سبب نہ معلوم ہو مطلقاً سبب جاہل ہو جیسے۔

سودا

ازخم کا دل کے تروتازہ ہے انگور سردا | جاری رہتا ہے مری چشم کا ناسور سردا

ازخم دل کا انگور تروتازہ ہے پہلا جملہ ہے جو ایک سوال کو چاہتا ہے جس کا جواب دوسرا جملہ ہے یعنی جب قائل نے کہا کہ زخم دل کا انگور سردا تروتازہ رہتا ہے تو سوال کیا گیا کہ اس تروتازہ رہنے کا سبب کیا ہے اسے اس سوال مقدر کا یہ جواب دیا کہ مری چشم کا ناسور سردا جاری رہتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب کوئی شخص کسی درد کی شکایت کرتا ہے تو اس شکایت کے سبب اور مرض کا سوال کیا جاتا ہے اور یہ نہیں دریافت کیا جاتا کہ تھاری تکلیف کا یہ سبب ہے یا یہ سبب ہے۔

مرزا حاجی شگفتہ

شکل ہے مری اسکی ہو صحبت برا راہ | مین جلد باز ہوں وہ تغافل شمار ہے

یہ جملہ کہ مری اسکی صحبت برا ہو شکل ہے ایک سوال کو چاہتا ہے جس کا جواب دوسرا مصرع ہے یعنی جب قائل نے کہا کہ مری اسکی صحبت برا ہو شکل ہے تو سوال کیا گیا کہ اس کا کیا سبب ہے اس سوال مقدر کا یہ جواب دیا گیا کہ مین جلد باز ہوں اور وہ تغافل شمار ہے۔

عنایت حسین کیفی

یدے گی نہ پیشانی کی تحریر کسی وقت | اٹلا نہیں حکم خط تقدیر کسی وقت

پیشانی کی تحریر کا نہ بدلتا ایک جملہ ہے جو ایک سوال کو چاہتا ہے اور وہ سوال مقدر یہ ہے کہ پیشانی کی تحریر کیوں نہیں بدلتی اس سوال کا جواب دوسرا مصرع ہے۔

نحیف

پچھتے کس طرح کیسوؤن کی محبت یہ کائے ہمارے کھلائے ہوئے ہیں

گویا کہ کہا گیا کہ کیسوؤن کی محبت کیون نہ چھٹے اسکا جواب یہ دیا کہ یہ کائے ہمارے کھلائے ہوئے ہیں

ظفر

زیادہ عشق کی آتش اگر بھڑکے تو جلتے ہیں ہمارے استخوان کچھ خشک ہیزم سے نہیں کم ہیں

یہ قول کہ عشق کی آتش کے زیادہ بھڑکنے سے جلتے ہیں ایک سوال کا مقتضی ہے جسکا جواب دوسرا جملہ ہے جو دوسرے مصرع میں مذکور ہے۔

سبب خاص یہ ہے کہ سامع پہلے جملے کے حکم کے تمام سہون کی فن کو تصور کرتا ہو مگر ایک سبب خاص ایسا ہو کہ اسکے ثبوت میں مترد ہو اسلئے اسکا سوال کرے جیسے۔

صاحبقران

بھگ کو شہوت ہوئی نیم سے بھی مقرر کسی جھنال کی خاک

پہلا جملہ جو پہلے مصرع میں واقع ہے وہ ایک سوال کا مقتضی ہے اور دوسرا جملہ یعنی دوسرا مصرع استیفاء ہے اور سوال یہ ہے کہ تم کو نیم سے کیون شہوت ہو گئی ہیں سوال سبب خاص سے ہے اور قرینہ اس پر تاکید ہے اسلئے کہ تاکید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سائل سبب خاص کو دریا کرنا چاہتا ہے اور نیم سے شہوت ہو جانے کے ثبوت میں مترد ہے اور تعین کا طالب ہے پس گویا کہ کہا گیا کہ تم نیم سے کیون شہوت ہو گئی کیا جس مٹی سے نیم کیا تھا وہ کسی جھنال کی قبر کی مٹی پس تاکید کے ساتھ جواب دیا گیا اور جھنال کی خاک ہونے کی تاکید کلفظ مقررے کی گئی مطلق سبب کے جواب کو مؤکد نہیں کیا جاتا بلکہ سبب خاص کے جواب کو مؤکد کیا جاتا ہے پس جواب کا مؤکد کرنا دلیل ہے اس بات کی کہ سائل سبب خاص کا طالب ہے اور اس میں مترد ہے اور صفت مخاطب طالب بندہ سمجھا جاتا ہے تو اس وقت حکم کو مؤکد کرنا مستحسن ہے۔

امانت

دم مارنے کی جانشین اے صاحب درگاہ حقا کہ وہاں دخل نہیں دہم دگمان کا

پہلا جملہ جو پہلے مصرع میں ہے سوال کو چاہتا ہے اور حقا کہ وہاں دخل نہیں دہم دگمان کا ایسا وقت ہے اور سوال یہ ہے کہ کیون دم مارنے کی جانشین ہے کیونکہ جب کہا گیا کہ دم مارنے کی جانشین تو مخاطب کے دل میں اس حکم کے ثبوت کے متعلق تردد پیدا ہوا اور وہ اس بات کا سائل ہوا کہ اس عجز کا کیا سبب ہے

پس سائل جملہ اول کے حکم کے ثبوت میں مترود ہے اور اس کے سبب کے دریافت کرنے کا طالب ہے
پس حقا کے ساتھ تاکید کر کے جواب دیا گیا کہ وہاں وہم و گمان کو رسائی نہیں کیونکہ مطلق سبب کے
جواب کو مؤکد نہیں کیا جاتا۔

شاوَاب

وصف کیسو میں سر مشاطی آتی ہے فکر ہے یقین سب عقد ہائے زلف کھلے ہیں آج
گویا کما گیا کس واسطے سر مشاطی وصف کیسو میں فکر آتی ہے کیا آج زلف کے سب عقدے
کھلے ہیں گے پس سائل مترود ہے اور تعین کا طالب ہے اور جواب میں جو یقین ہے کہ لفظ تاکید
کے لیے ذکر کیا ہے یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ سائل کو سبب حاصل دریافت کرنا منظور ہے اور
اور اس میں اس کو مترود ہے اسی وجہ سے تاکید کے ساتھ اس کو جواب دیا گیا۔

ظفر

بڑھ اور غفلت کوئی تبدیل فرماتی اور اللہ ظفر قافیہ بسیار ہے موجود
نشاے سوال مصرع اول ہے گویا کما گیا کہ کیا قافیہ بہت سا موجود ہے اور سوال سبب خاص ہے
اور قرینہ اس پر تاکید ہے کیونکہ تاکید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سائل سبب خاص کو پوچھنا
چاہتا ہے اور اس میں اس کو مترود ہے۔

دوسری قسم یہ کہ سامع پر سوائے سبب کے کوئی اور چیز بہم ہو جو پہلے جملے سے تعلق رکھتی ہو
اور مقام سوال اس کا تکلفی ہو اور اس کی دو صورتیں ہیں۔
(الف) وہ شے عام ہو مثلاً۔

مثنوی شیرین خسرو

کما شیرین مری حرم ہے خاص کما مجھ کو بھی اس سے ہے اخلاص
یعنی فریاد نے خسرو کے اس قول کے جواب میں کہ وہ میری خاص حرم ہے کیا کہا پس کہا گیا کہ
اے یہ کما کما اس سے مجھے بھی اخلاص ہے اور ظاہر ہے کہ فریاد کا قول خسرو کے قول کے لیے

مومن

کما اس بت سے جامرنا ہے مومن کما میں کیا کروں مرضی خدا کی
یعنی اس بت کے اس قول کے جواب میں کہ مومن مرنے کا کیا کہا پس کہا گیا کہ اے کما
میں کیا کروں خدا کی یہی مرضی ہے۔

نسیم

پوشاک جو مینی ہو تو پونچھاؤ | بولین وہ پسو کا قسم کھاؤ

یعنی تاج الملوک کے اس قول کے جواب میں اگر تلو مینی پوشاک مینی ہو تو جھکو پونچھاؤ پرون سے کیا کہا پس جواب دیا گیا کہ پرمان بولین چلو پھر پرمان سوال پیدا ہوا کہ تاج الملوک نے پرون کے اس قول کے جواب میں کہ چلو کیا کہا پس جواب دیا گیا کہ اس نے یہ کہا کہ قسم کھاؤ۔

(ب) وہ شے خاص ہو جیسے تصحقی

زلف مشکین کی شدت ہوئی خوشوار تیر | سچ کہاں ہوتا ہی دندان گزند مار تیر

تقدیر عبارت یہ ہے کہ گویا قائل سے کہا گیا کہ یہ بات سچ ہے یا غلط ہے کہ معشوق کی زلف تیر سے خوشوار تیر ہوئی ہے پس قائل نے جواب دیا کہ سچ ہے اور اس کی نفی تیر اور احتیاط لازم سمجھنے کے لیے یہ بھی کہا کہ ان سانپ کا دندان گزند تیر ہوتا ہے پس اس زلف مشکین سے اپنے آپ کو بچاے رکھنا چاہیے سوال جملہ اول سے پیدا ہوتا ہے اس لیے کہ جب قائل نے زلف کے شدت تیر ہو جانے کی شکایت کی تو اس سے سائل کو یہ تحریک ہوئی کہ وہ یہ سوال کرے کہ آیا زلف معشوق کا شدت سے خوشوار تیر ہو جانا سچ ہے یا غلط پس سائل کو صدق و کذب کا تصور رہے مگر دونوں میں سے ایک کی تسلیم چاہتا ہے اور یہ بات خاص ہے۔

علمی

ست چھپا حق کو نہ کہ ناحق کہ حق راضی ہے | سچ تو ہے کیون جھوٹ بولے آشنا کے واسطے

تقدیر عبارت یہ ہے کہ گویا سائل سے کہا گیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ دوست اور آشنا کے واسطے بھی جھوٹ نہ بولنا چاہیے یا غلط ہے پس قائل نے جواب دیا کہ سچ ہے سوال جملہ اول سے پیدا ہوا ہے اس لیے کہ جب یہ کہا گیا کہ حق باوجود نہ چھپا لے اور ناحق بات کو نہ کہنے سے اللہ راضی ہوتا ہے تو اس کے اس سوال کی تحریک ہوئی کہ کیا کسی اپنے دوست کے لیے بھی حق بات کو چھپانا اور ناحق بات کو نہ کہنا چاہیے۔

غالب

مناشتہ سر کیون سو غیر کے شے میں رسوائی | آنجا کہتے ہیں سچ کہتے ہو پھر کہہ بان کیون ہو

گویا یہ شے میں نہ کہہ کر نہ جانتے ہیں نہ رسوائی کیون ہوئی تو یہ تو اس میں رسوائی

یا غلط ہے اس پر عاشق نے جواب دیا کہ تم جو کچھ کہتے ہو درست کہتے ہو سوال کی تحریک مشرق کو اس خیال سے پیدا ہوئی کہ عاشق میری اس بات کو جھوٹ جانتا ہے یا سچ جانتا ہے۔

ظفر

مجھے دل لیکے دینگے اور گوہم غلط است دل یا معاذ اللہ

جب یہ کہا کہ مجھے دل لیکے ہم اور گوہم لیکے تو اس سے سائل کو تحریک ہوئی کہ وہ یہ سوال کرے کہ یہ جو تم کہتے ہو یہ بات صحیح ہے یا غلط اور پس سائل کو صدق و کذب کا تصور تو تھا لیکن انہیں سے ایک کی تعیین کرانے کے لیے سوال کیا فائل نے جواب دیا کہ غلط ہے اور اس کی تاکید معاذ اللہ سے کی

از ذاکر سعید احمد سعید

یہ کیا خبر تھی کہ ترکی تمام ہوتا ہے
ہمارے روز سعادت کی شام ہوتا ہے
غلط کہ پستی اقبال کا نتیجہ ہے
خواب ہو کے گرفتار دام ہوتا ہے
جو حکمران تھے انھیں خود غلام ہونا ہے
یہ سب ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے

جب پہلے چار دن مصرعون کا مضمون کہا تو سائل کو تحریک ہوئی کہ وہ یہ سوال کرے کہ یہ جو تم مصائب بیان کر رہے ہو یہ امر صحیح ہے یا غلط کہ یہ پستی اقبال کا نتیجہ ہے تو اس نے جواب دیا کہ یہ بات غلط ہے بلکہ یہ سب ہمارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔

تیسری قسم استیفاف کی یہ ہے کہ جس کے لیے استیفاف واقع ہوتا ہے اس کا اعادہ کیا جاتا ہے جیسے۔

ظفر

عرق سے دونہ خط مشکناں کو پانی
مٹا ہی دے ہر حرف کتاب کو پانی

یہاں پانی کا اعادہ کیا گیا جسکی وجہ سے حکم کا استیفاف ہوا ہے اور سوال جو یہاں مقدرا ہے وہ یہ ہے کہ کیوں خط مشکناں کو پانی نہ دین۔

ناصح

مکتوب ہوا آیا تو ہوا میں دل شاد
پیرزہن عجیبہ ہے گویا مکتوب

یہاں دوسرے مصرع میں مکتوب کا اعادہ کیا اسی کے لیے حکم کا استیفاف کیا گیا ہے اور سوال مقدرا ہے کہ مکتوب کے آنے سے غم دل شاد کیوں ہوے۔

ولہ

کیا ہے ذقن وہی بن نہایت
مانند ہی ہے کب ذقن زرد

دوسرے مصرع میں ذوق دہی کا اعادہ کیا گیا ہے انھیں کیلئے حکم استیناف ہو اور سوال
مقدریہ ہو کہ ذوق دہی میں کیوں نسبت نہیں۔

سودا

نہیں ڈرتا یہ لاطھی لاطھی سے کیا کرے لاطھی اسکی لاطھی سے
یہاں دوسرے ٹٹے میں لاطھی کا اعادہ کیا ہے اسی کے لیے حکم استیناف کیا گیا ہو اور سوال
مقدریہ ہو کہ یہ لاطھی سے کیوں نہیں ڈرتا۔

نظام رامپوری

دل لگے، مجھ میں کیونکر مرا دل ترا سا نہیں تجھ مرا
کبھی صدر استیناف محذوف ہو جاتا ہے جیسے۔
حمد کی جاتی ہے حق کی رات دن انبیا و اولیا و ائیں
گویا کہ کیا کہ رات دن کون حق تعالیٰ کی حمد کرتا ہے تو دوسرے مصرع کے ذریعہ سے
جواب دیا کہ انبیا و اولیا و ائیں و حق تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں۔
اس طرح زبان اردو میں استعمال نہیں ہوتا عربی کا طریق ہے۔
کبھی جملہ استیناف کو حذف کر دیتے ہیں جیسے۔

الش

کیا ترے سر آچڑھے چارون چارون الامان شاہ دریا شیخ سدوزین خان تھے میان
گویا کہ بیان سوال کیا گیا کہ کون چارون آچڑھے ہیں اسکا جواب دیا گیا کہ شاہ دریا شیخ سدو
زین خان تھے میان یعنی شاہ دریا شیخ سدوزین خان تھے میان آچڑھے ہیں۔

اعا علیخان مہر

تیرے گریبان کو نہیں ڈھجی کی برسات میں برق کا اولون کا منہ کاہدم کا سیلاب کا
گویا بیان سوال کیا گیا کہ کس چیز کا ڈھجی تو جواب دیا گیا کہ برق کا اولون کا منہ کاہدم کا سیلاب
یعنی برق کا اولون کا منہ کاہدم کا سیلاب کا ڈھجی نہیں ہو۔

وحید اللہ خان وحید

ہم چشم بھارا نہیں دنیا میں کوئی اور باریک لڑنگٹ ہیں اور بڑی آنکھ

گویا سوال کیا گیا کہ کون ہم چہم ہو تو جواب دیا گیا کہ باریک مکر تنگ دہن اور بڑی آنکھ یعنی
= چیزیں ہمیشہ ہمیں۔

جرات

پھر تاہوں مجھ بغیر میں ہو کے دو دانہ ہو بہو | شہر بہ شہر وہ بہ وہ خانہ بہ خانہ کو بکونیا
گویا سوال کیا گیا کہ کمان پھرتے ہو تو جواب دیا گیا کہ شہر بشہر وہ بہ وہ خانہ بخانہ کو بکونیا ان مقامات
میں پھرتا ہوں۔

منشی رام سہماے تمنا

ظہور صبح نے سب کا رخا نہ کر دیا ابتر | فروغ شمع کا پروانہ کا ارباب محفل کا
فنا کے بعد رہتا ہے تمنا ذکر خیر اکثر | سخن دان کا سخن کا شعر کا استاد کامل کا

شاہ نصیر

تو نے اکبار زند پکھا شہ خوبان فوس | ہم ترے مجھے کو سو بار اچھے اور نیچے
گویا سوال کیا گیا کہ کیا نہ دیکھا تو جواب دیا گیا کہ ہم ترے مجھے کیسے سو بار اچھے اور سو بار نیچے
کبھی تمام استیفات حذف ہو جاتا ہے جیسے۔

قلندر

دل میں خیال ایک ہی دلبر کا خوب ہے | اُجڑے ہر ملک آوے ہی جب شاہ دوسرا
دل میں ایک ہی دلبر کا خیال خوب ہے اس سوال مفرد کا یہ جواب ہے کہ جب دل میں دوسرا
دلبر کا خیال پیدا ہو جاتا ہے تو دل دو دلبروں کے خیالات کی کشمکش اور صدقات سے خراب ہو جاتا
ہے پس یہ تمام استیفات حذف کر کے اسکی جگہ یہ قول رکھ دیا گیا کہ جب دوسرا بادشاہ آتا ہے تو
ملک اُجڑ جاتا ہے تاکہ اُس مخدوف پر دلالت کرتا رہے۔

جعفر علی

وہ جو کہتے تھے کہ ہم دُندون کے توڑیے سپر | دوڑ کر کو در پڑے تب بھی نہ ٹوٹا یا پڑ
گویا یہاں سوال کیا گیا کہ جو لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم دُندون سے سپر توڑیں گے وہ کہتے تھے یا جھوٹے
تھے اسکا جواب یہ دیا گیا کہ وہ جھوٹے تھے یہ سارا استیفات یعنی وہ جھوٹے تھے حذف کر کے اسکی علت
مخدوف پر دلالت کے لیے اسکی جگہ رکھ دیا گیا۔

وصال مرتبہ انتہا ہے عاشق کو | امیر اگر نہ ہا تہہ گلین جب تلمک نہ تھا ہلے

گویا یہاں یہ سوال کیا گیا کہ وصال کا مرتبہ انتہا ہونا ہیچ ہو یا تہوٹ اسکا جواب یہ دیا کہ یہ یا
ہیچ ہی پس یہ سارا استیناف حذف کر کے اسکی غلت کو اسکی جگہ رکھ دیا۔

ایک رکھا پاک دامن سے حساب و نسیب سے بھی گرن کے لیے گرن کے دیے

تنبیہ یہ بیان ان چاروں حالتوں کا تھا جو فصل کی مقتضی میں اب ان باقی حالتوں پر غور
کر دو جو فصل کو چاہتی ہیں۔

کمال انقطاع مع ایہام

یعنی انقطاع جسکے ساتھ اس بات کا ایہام ہو کہ اگر وصل نہ کیا جائیگا تو سامع متکلم کی مراد کے
خلاف سمجھے گا پس ایسے موقع پر وصل کرنا واجب ہوتا ہے تاکہ سامع اس میں ہم میں نہ جڑے جیسے کہا جا
کہ یہ گھوڑا سو روپے کو آیا ہے مخاطب کے نہیں اور اللہ تمھاری مدد کرے یعنی یہ بات درست نہیں
پس یہ جملہ اخبار ہو اور اللہ تمھاری مدد کرے جملہ انشائیہ دعائیہ ہو پس دونوں میں یہ کمال انقطاع
ہے لیکن باوجود اس انقطاع کے عطف کیا گیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ مخاطب نے بددعا دی ہو
اس لیے کہ جب کہا جاتا کہ نہیں اللہ تمھاری مدد کرے تو یہ وہم ہوتا کہ بددعا کرتا ہو حالانکہ مقصود دعا
دینا ہی اور جب اور کے ساتھ عطف کر دیا تو اس وہم کے لیے بالکل گنجائش نہ رہی اس جگہ معطوف علیہ
نہی کا مضمون ہر اور معطوف دعا ہے۔

کمال انقطاع اور کمال اتصال میں توسط

جملوں کا کمال انقطاع اور کمال اتصال میں توسط ہونا وصل کو چاہتا ہو اور توسط وہاں
ہوتا ہو جہاں دونوں کے درمیان نہ کمال انقطاع ہو نہ کمال اتصال اور نہ ان دونوں کمالوں کی
شابہت ہو پس جب ایسی حالت کے ساتھ دو جملے جمع ہو جائیں گے تو ان میں وصل کیا جائے گا
اور دو جملوں میں توسط وہاں پایا جاتا ہو جہاں دونوں جملے خبر ہونے میں یا انت ہونے میں متفق
ہوں اور یہ آٹھ صورت پر متصور ہو۔

(۱) دونوں جملوں کے لفظ معنی خبر ہوں جیسے۔

شاہ نصیر

وہ شعلہ روہی سوار تو سن در اسکا تو سن غرق شام

حالی

ہوئیں یوسف کی تختیاں جب دور اور ہوا ملک مصر پر مامور

ظفر

درمان ہر نیش و عشرت باہم اور بیان ہر آہ و نالہ ہر دم آنک ہر دم ایسے ہیں دراپنے ہم ایسے ہیں

انیس

ماہل بہ سفیدی ہوا رنگ رخ متاب اور دیدہ مردم سے سفر کر کے لگا خواب
وہ سبزہ صحرا پہ پڑے گوہر شبنم اور صبح کی نوبت کی صدا آئے وہ ہر دم

مولوی محمد معین

پہاں ہوئی توں آخر کار اور ظلمت شب ہوئی نمودار

لواب محبت خان

ظاہر ہے کہ تو جھک کر جلسے ہر سب بچا اور یہ بھی ہویدا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
(۳) دولوں جملوں کے لفظ و معنی آتا ہوں جیسے۔

واسوخت قلق

اپنے کچھ دل کی ابھی مجھے کہو اور سنو بات بھی سیری نہیں سنئے ہو لو اور سنو

کہو اور سنو و جملہ التائیہ میں اور یہ دونوں جملے لفظ و معنی آتا ہیں۔

حالی

قوم سے جو تھارے ہیں برتاؤ سوچو میرے پیارے اور شرماؤ

ظفر

کے ہر صید افکن صید گہ میں کھینچ کر خیر کہ کتنے رہ گئے جاندار اور بے جان کتنے ہیں

پیش

کہا میں نے اسے مادر یک است یہ گردت کون اور کیسی ہے گائے

ولہ

یہ لونیوتا اور جلدی جلو ترفن نہ چلنے میں ہرگز کرو

مفتون

ہاتھ میں لے جام اور بوتل سنبھال جلوہ جانان کو باتوں میں نہ ٹال

(۳۴) دونوں جملے معنا انشا ہوں اور لفظا خبر ہوں جیسے ۔

سودا

۱۔

ختم کرتا ہوں دعائیہ یہ سودا یہ کلام

دوست ہوں شاد ترے اور دشمن پامال

ترے دوست شاد ہوں اور ترے دشمن پامال ہوں یہ دونوں جملے دعائیہ ہیں جو لفظا خبر ہیں

اور معنا الثانیہ ہیں

ولم

یارب جو ترے دوست ہیں انزلزم میں

ہوئے ہوئے پار انگلی نہ کشتی کو لگے دیر

اور اس میں جو بد خواہ ترا ہونے لگے غرق

موج اسکو نکلنے نہ دے ہو یا لون میں زنجیر

دوسرے شعر کے صدر میں اور عطف کے لیے ہر اور اس کے ماقبل کا جملہ بھی دعائیہ ہے اور مابعد کا

بھی جو معنا انشا ہیں اور لفظا خبر ۔

میر

بات دارو تجھے غیر دن میں بیت وصل

اور سحر سر دکھنے کا دم سے بہانہ ۔ کیجئے

پہنچے اور کیجئے بظاہر انشا ہیں کیونکہ امر کے صیغے ہیں مگر مردان سے خبر ہو اس لیے کہ پتے ہو اور

کرنے ہو کے معنی میں مستعمل ہوئے ہیں ۔

مولوی نذر احمد

جبین و خوش حسین اور میں عاقبت حسین

جب آئے موت تو سب کا بخیر ہوا انجام

دوق

جو کہ ہوں بد خواہ وہ ناشاد اور غمگین رہیں

اور خواہا ہوں کے داں ہو دین ہمیشہ شاد کا مر

(۳۵) دونوں جملے معنا انشا ہوں اور یہ لفظا خبر ہوا اور دوسرا لفظا انشا جیسے ۔

سدا رہے وہ زمانے میں باشکوہ جلال

اور اس کے دشمنوں کو رکھ تو با کمال ملال

دونوں جملے معنا انشا ہیں کیونکہ دعا ہیں اور یہ لفظا خبر ہے کیونکہ صیغہ مضارع رکھتا ہے اور

دوسرا لفظا انشا ہے کیونکہ صیغہ امر رکھتا ہے ۔

خرد ہو جائے یارب یاے انداز

اور اپنے عشق سے کر تو سرا فراز

اس میں بھی وہی صورت ہے ۔

(۵) دونوں جملے معنا انشا ہوں اور لفظا یہ لفظا انشا ہوا اور دوسرا خبر جیسے ۔

مام عقدہ کشا رکھ اسے زمانے میں انشا اور اس کے ہاتھ رہتے میرے دل کی بے جا دھڑ

دونوں جملے معنا انشا میں کیونکہ دعا میں اور پہلا لفظ انشا ہی کیونکہ صیغہ امر رکھتا ہی جو دعا کے ہے
 ہے اور دوسرا لفظ خبر ہی کیونکہ صیغہ مضارع رکھتا ہی جو دعا کیلئے ہی۔
 (۶) دونوں جملے معنا خبر ہوں اور لفظ انشا ہوں جیسے۔

مولوی محمد اسماعیل

ہے حرارت کی کمی بیشی فقط ہوا ورنہ جاتا کون اور گرمی ہے کیا
 دوسرے مصرع کے دونوں جملے لفظ انشا میں اور معنا خبر میں کیونکہ استفہام انکاری کو شمل میں
 جو اگرچہ انشا میں داخل ہی مگر خبر کی تاویل میں ہی اسلئے لفظ انشا سمجھا جاتا ہی اور معنا خبر۔

انور علی

ہم کیا مکھین نصف اسکا ہی تحریر سے باہر اور منہ سے کہیں کیا کہ ہی تقریر سے باہر
 دونوں مصرعوں کے دونوں جملے استفہام انکاری کو متضمن میں اسلئے معنا خبر میں اور لفظ انشا۔

امیر حسن امیر سہارن پوری

کیا نہ تھی تو نڈی تو اور کیا ہم ترے مولانا تھے کیا نہ تھی محکوم تو کیا ہم ترے آقا نہ تھے

امو جان مغتول

خون تکیان کیا اور کیا عذاب آج روز عیش ہے دے بے حساب

(۷) دونوں جملے معنا خبر ہوں اور پہلا لفظ انشا ہوا اور دوسرا لفظ خبر ہو جیسے۔

اتانگی جسم و جان میں کب آتی اور مخلوق ساری مرجانی

یہ بلا جملہ بوجہ استفہام انکاری ہوئے کے لفظ انشا ہی اور معنا خبر ہی اور دوسرا جملہ لفظ معنا و لواظ خبر ہی

شیخ الہی بخش بسم

جھنم کی یہ نہ تھی آنکھ ٹھاکر دیکھو اور ہر وقت رہے پیش نظر جام شراب

دونوں جملے معنا خبر میں اور پہلا لفظ بھی خبر ہی اور پہلا لفظ انشا ہی اسلئے کہ دیکھو اور حاضر کی جمع کا
 صیغہ ہے اور مراد اس سے یہ ہی کہ نہ تھی آنکھ ٹھاکر نہیں دیکھتے ہو۔

(۸) دونوں جملے معنا خبر ہوں اور پہلا لفظ خبر ہو اور دوسرا لفظ انشا جیسے۔

میں یہ سارے دوست ایدل جیسے ہی کیونستے کون مرتا بہ نہ بھاتا تھے کسی کے واسطے

پہلے مصرع میں جملہ خبریہ ہی اور دوسرے مصرع میں جملہ انشائیہ ہی جو معنا خبر ہو اور لفظ انشا ہے
 کیونکہ استفہام انکاری ہی جو معنا انشا ہوتا ہے۔ یہ لفظ انشا۔

ظفر

یہ خطا تملے سے ہو برسم کرے دفر لکھ کر اور خطا دادن میں تم اس غیظا کا نام لو

پہلا جملہ لفظاً خبر ہے اور دوسرا لفظاً انشائیہ ہے کیونکہ ہوا کی جمع کا صیغہ ہے مگر اس سے حال ہے یعنی اس بے خطا کا نام لیتے ہو اس صورت میں مناد دونوں جملے خبر ہیں۔

جامع کی حقیقت

جو وصف دونوں جملوں کو جمع کرتا ہے اس کے لیے یہ واجب ہے کہ دونوں جملوں کے مسند الیہوں میں کوئی مناسبت ہو اسی طرح دونوں جملوں کے مسندوں میں بھی مناسبت ہونا چاہیے یہ نہ ہو کہ صرف مسند الیہوں میں یا فقط مسندوں میں مناسبت ہو کیونکہ دو جملوں کے عطف کے لیے اس قدر کافی نہیں۔
 ۱) اگر مسند الیہ دونوں میں متحد ہوں تو ان کے لیے کسی اور مناسبت کی ضرورت نہو گی یعنی متحد ہونے کی نسبت کافی ہے جیسے۔

شکوئی بہار امید

شکدستی میں کشائش کا دلاتی ہے یقین
 الم درج میں کام آتی ہے ان کے اکثر
 اور بلاؤں میں ہی تو صبر کی کرتی یقین
 اور کٹھن وقت میں تو غماتی ہے ان کی ہر

چاروں جملوں میں اسید مسند الیہ ہے۔

مرزا احمد بیگ ذاکر

پھوڑا سلام کو اور کھینچے تشقہ ذاکر
 طالب کفر ہو اور اس بت عیار سے مل

دونوں جملوں میں ذاکر مسند الیہ ہے۔

حالی

موجود سخن گہراں جہاں ان میں طیب ہے
 اور جاتے ہیں بن آب طیبوں میں سخن گو

دونوں جملوں میں آب مسند الیہ ہے۔

ولہ

اگر سلام کی کچھ حمیت ہے تم کو
 تو جلدی اٹھو اور اپنی خبر لو

دونوں جملوں میں مسند الیہ مخاطب ہے۔

ذوق

بنایا آدمی کو ذوق ایک جزو ضعیف
 اور اس ضعیف سے کل کام دو جہان کیلے

دونوں جملوں میں مسدالیہ خدا ہے۔

آزاد

اہل تحصیل کو پڑھنے کے سوا کام نہیں اور جہان میں انھیں فکر و شام نہیں

دونوں جملوں میں مسدالیہ اہل تحصیل ہے۔

نظیر

یا ن آدمی پہ جان کو داسے ہی آدمی اور آدمی کو تیغ سے مارے ہی آدمی

دونوں جملوں میں آدمی مسدالیہ ہے۔

(۲) اسی طرح اگر مسند متحد ہوں تو ان میں پھر کسی دوسری مناسبت کی ضرورت نہیں یہی اتحاد کافی ہے صرف مسند انہوں میں کوئی مناسبت ہونا چاہیے۔

واسوخت فلق

ہم ادھر رونے لگے اور وہ ادھر رونے لگے

دونوں جملوں میں مسند متی ہیں اور مسدالیہ ہوں میں عاشقی و عشوق کی مناسبت ہے۔

میر

ساتھ کے تئیں مصیبتیں گزرین اور دلون کو قیامتیں گزرین

دونوں جملوں میں مصیبتیں اور قیامتیں مسدالیہ ہیں اور گزرین دونوں جملوں میں مسند تقدیر ہیں

قدرت

تسمیہ ہجران کی مصیبت میں لکھوں کیا قدرت تن سے جان چھوٹے ہو اور جان سے تن چھوٹے ہو

پچھلے مصرع کے دونوں جملوں میں مسند متحد ہیں اور مسدالیہ بھی باہم مناسبت رکھتے ہیں۔

پیش

ابھی چو غ کھولوں تو آفت اُٹھے خرابی اُٹھے اور قیامت اُٹھے

(۳) اگر دونوں جملوں کے مسدالیہ مختلف ہوں تو اس وقت میں ان میں کوئی خاص مناسبت ہونا چاہیے عام مناسبت کافی نہیں مثلاً دو آدمی مسدالیہ ہوں تو ان کے مسدالیہ واقع ہونے کے لیے صرف انسان ہونا یا کھڑا ہونا یا بیٹھا ہونا کافی نہیں بلکہ دوستی یا دشمنی یا رشتہ داری یا امیر ہونے یا تاجر ہونے کی مناسبت ہونا چاہیے یا اسی طرح کوئی اور مناسبت ہو اسی طرح مسد مختلف ہوں تو ان میں بھی کسی قسم کی مناسبت کا ہونا ضروری جیسے۔

مولوی محمد اسماعیل

گوسافر کا مجلس دینی تھی منہم اور زمین تلون کو دینی تھی حلا

پہلے چلے میں گواورد دوسرے میں زمین سندالیہ میں اور ان دونوں میں ملاہست کی نسبت ہے اور سندون میں یہ نسبت ہو کہ مجلس دینا بھی جلا دینے کے قبیل سے ہو کی بیشی کا فرق ہو۔

ندہب عشق

تو دریا ہے اور میں ہوں تیشہ جگر بجھا پیاس کو میری جلا آن کر

دونوں جملوں میں عاشق و معشوق سندالیہ میں اور ان میں عشق کا ہونا بیان جامع ہو اور سندون میں یہ نسبت ہو کہ پانی تشنگی دفع ہونیکا ذریعہ ہو۔

حالی

طبع غالب ہے اور میں مغلوب نفس قاہر ہے اور میں مقہور

دونوں مصرعوں میں سندالیہ میں جزو کل کی نسبت ہو اور سندون میں تضاد کی۔

ظفر

بظاہر سب ہیں انسان ایک باطن کی خدا جانے کہ ہیں انسان ان میں کتنے اور حیوان کتنے ہیں

دونوں جملوں میں سندالیہ انسان اور حیوان میں اور ان میں جزو کل کی نسبت ہو۔

داغ

دل میں کیا خاک جگہ دون ترے ارمانوں کو کہ مکان ہی یہ خراب و رکیراں مجھے ہیں

دونوں جملوں میں سندالیہ میں ظرفیت و مظر و فیت کی مناسبت ہے اور سندون میں تضاد کی نسبت ہے۔

میر

اب وہی گھر ہے بے سرو سامان اور ہوں میں وہی سر و پایہ

سندالیہ دونوں جگہ وہی ہے اور سندون میں ظرفیت و مظر و فیت کی مناسبت ہے اور ملکیت کی مناسبت بھی کہہ سکتے ہیں۔

انیس

مضمون گوہر میں اور صحت سینہ ہی ہے عاف تو یہ کہ قلب بے لینہ ہے

مضمون اور سینہ سندالیہ میں اور دونوں میں مناسبت ہو کہ مضمون سینے سے پیدا ہوتا ہے

اور صدق دگوہر میں بھی یہی مناسبت ہے یعنی گوہر صدق میں پیدا ہوتا ہے۔

شیفتہ

سب اس میں محو اور وہ سب علیہ

آئینے میں ہر آب نہ آئینہ آب میں

مسند الیہون میں خالقیت اور مخلوقیت کی مناسبت ہے اور مسندون میں تضاد کی جامعیت ہے۔

احمد علی صادق

تصنیع تیری غریب نصیب دے دلیرا

اور تھا ہر نعمت سر اول پذیر

مسند الیہون میں جبریت و کلیت کی مناسبت ہے۔ اور مسندون کا مضمون مٹی ہے۔

مقتول

وہ غنی ہے اور وہ رحمان ہے

آیہ لا تقنطوا ایمان ہے

تلف

تیری نے نوشی کی خاطر ساغر سمیں ہوا

اور گڑک کے واسطے زردین کا فی آفتاب

الاش

میکدے میں جل کے سیر عالم نیرنگ

قلقل مینا ہر نعمت اور دور جام قص

الاش

رات وہ بولی تجھے ہنس کر جاہ میان کچھ کھیل نہیں

میں دن بنسودا تو ہی مقلع میرا تیرا میل نہیں

ناصح

مناہی ساقی کبھی بزم سے میں

وہ نہ بتا رہا ہوا ہر ہشیار میں ہون

(۴۷) اگر مسند الیہون میں مناسبت نہ ہوگی اور مسندون میں مناسبت ہوگی یا اسکے برعکس

ہوگا تو غطف صحیح نہوگا جیسے کمین میرے موزے تنگ ہیں اور میرا مکان تنگ ہے اسی طرح زید شاعر اور عمر و کالا ہے۔

(۵) مع تین قسم پر ہر ایک عقلی دوسرا وہی تیسرا خیالی۔ اور عقل ایک قوت ہے

نفس کے واسطے جسکے سبب اسے نفس علوم اور ادراکات کے لیے مستعد ہوتا ہے اور یہ قوت بالذات

کلیات کا ادراک کرتی ہے بہت سے علما جیسے ارباب معانی و عالم باطن و مشکلیں کہتے ہیں کہ

مقتل کی حقیقت کا علم ہمیں نہیں اور وصف اسکا صحیح نہیں باوجودیکہ اسکے وجود کا یقین ہو کر ہوتا ہے

اسکے علم سے ناواقف ہیں۔

اور چھم سے مراد وہ قوت ہے جو خاص معانی کو جو خاص صورتوں میں مین ادراک کرتی ہو
مثلاً کوئی بھیڑ یا خاص ہوا اسکو جو کسی خاص بکری کے ساتھ عداوت ظہور میں آئی ہو اس کو قوت
واہمہ کے ذریعہ سے معلوم کرے بغیر اسکے کہ وہ عداوت حواس ظاہرہ کے ذریعہ سے اس کو پہونچی
ہو کیونکہ حواس کے ذریعہ سے جو چیز پہونچتی ہے وہ صورت کہلاتی ہے مثلاً جب ہم کسی چیز کو
چشمہ کر مزہ معلوم کرتے ہیں تو یہ مزہ صورت کہلاتا ہے نہ منی پس بھیڑیے کو بکری کے ساتھ عداوت
کا معلوم کر لینا قوت واہمہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور یہ معنی کہلاتا ہے کسی حس کے ذریعہ سے
یہ معنی بھیڑیے کو حاصل نہیں ہوتے۔

اور خیال سے مراد وہ قوت ہے جس میں محسوسات کی صورتیں جمع ہوتی ہیں اور یہ
حس مشترک کا خزانہ ہے حواس خمسہ سے جو چیزیں محسوس ہوتی ہیں انکو حس مشترک
لے لیتا ہے اور انکو بیکر خیال میں رکھ دیتا ہر ایک در قوت ان صورتوں میں تصرف کرتی ہے
اس طرح کہ کبھی ایک کو دوسرے سے مرکب کرتی ہر ایک کبھی ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرتی ہے اور ایسے ہی ان صورتوں میں جو جمعی ہیں
مثلاً بھیڑیے کی دشمنی بکری سے مان باپ کی بدشی بیٹے سے ان معنوں کو مرکب کرتی ہے یا
علیحدہ کرتی ہے مثلاً ایک آدمی دس سر کا تصور کرے اس میں ترکیب ہو یا بن سر کا آدمی تصور
کرے اس میں تفصیل ہو اور علی ہذا القیاس اس قوت کو مفکرہ کہتے ہیں اور تخیلہ بھی اسکا
نام ہو مفکرہ اس قوت کو اسوقت کہتے ہیں جبکہ عقل اس سے کام لے اور تخیلہ اس حالت میں
بولتے ہیں کہ وہم اس سے اپنی خدمت لیوے چونکہ عقل انسان سے مخصوص ہے اس لیے
یہ قوت بھی سوائے انسان کے اور حیوانات میں نہیں ہوتی یہاں خیالی سے قوت خیال
کی صورتوں اور انکے معانی میں قوت تخیلہ کا تصرف بطرز مذکور مراد نہیں بلکہ صرف وہ صورت
مراد ہے جو حس مشترک کے ذریعہ سے خیال میں پہونچتی ہو۔

جامع عقلی

وہ ایک امر ہے جس کے سبب عقل اتفاقاً کرتی ہے کہ قوت مفکرہ میں دو جملے جمع
ہو جائیں اور وہ امر کئی طرح ہر ہوتا ہے۔
(۱) دونوں جملوں کے مجزئہ یا مجزئہ تصور عقل میں ایک ہوں اور یہ اسی صورت میں ہوتا ہے
کہ دوسرے جملے کا مجزئہ یا مجزئہ وہی ہوتا ہے جو پہلے جملے کا ہوتا ہے مثلاً۔

ہوس

یون باس گئے گفتگو مت کر اور نجد کی آرزو تو مت کر

دونوں جملوں میں مجر عنہ متحد ہیں۔

ظفر

میر سے گریے نے نہ صوباد کا میر ایک داغ اور دل سے یار کے حرفِ محبت دھو دیا

دونوں جملوں میں مجر عنہ متحد ہیں اور وہ متکلم کا گریہ ہے۔

ولہ

انسان کو کل کا تپلا بنایا ہے اس نے آپ اور آپ ہی وہ مٹا ہر تپلے کو کل کے چل

ہوس

جویلی سے دل تہی اردن میں اور چاہ سے کوتہی کردن میں

دونوں جملوں میں مجر عنہ ایک ہیں اور وہ متکلم ہے۔

نظم

میں اس دل کے جفا سننے کے صدقے اور اس سہ سے کسب ہنسنے کے صدقے

دونوں جملوں میں مسند الیہ متحد ہیں اور وہ متکلم ہے اور مسند بھی متحد ہیں۔

النشا

دانیوں کے ہوئے دوپٹے سُرخ اور بچوں کے چٹے بٹے سُرخ

ہوئے یکساں ہاتھی گھوڑے سُرخ اور سواروں کے سارے جوڑے سُرخ

دونوں شعروں میں مجر بہ ایک ہیں اور وہ سُرخ ہوتا ہے۔

ظفر

ہو دو نون کچھ ایسا سوچ کر چپ کہ وہ چپ ہیں اُدھر اور ہم ادھر چپ

بکھیلے مصرع میں دو جملے ہیں اور دونوں میں مجر بہ ایک ہیں اور وہ چپ ہوتا ہے۔

عبدالغفور شہساز

دائے ناکامی رقیب رو سیہ گھر لے چلا اور میں یہ خوش کہ رہبر سوئے دلبر لے چلا

دونوں مصرعوں میں دونوں جملوں کے مجر بہ متحد ہیں۔

اس کا کسی قید مثلاً صفتِ جمالِ طرفِ دیمہ میں اتنا ہر شعر کے مجر بہ متکلم ہیں۔

ماخلف وغیرہ کے ساتھ مقید ہو تو دوسرا بھی ویسا ہی ہو مثلاً۔

نقیس

فلک کے پار غم و درد کی صدائیں بھین
تمام غمے میں ماتم تھا اور بکا میں بھین
پچھلے مصرع کے دونوں جملے ظرفیت کے ساتھ مقید اور متحد ہیں۔

سودا

نیم ہی ترے کوچے میں اور صبا بھی ہے
ہماری خاک سے دیکھو کو کچھ رہا بھی ہے
پہلے مصرع میں دو جملے ہیں اور وہ قید ظرفیت میں اتحاد رکھتے ہیں۔

ظفر

چشم درخ کو دیکھ کر ترے سدا کی سادہ رو
دنگ ہو گرس بہان اور آئینہ خیران ہی
دونوں جملے پچھلے مصرع کے قید ظرفیت میں اتحاد رکھتے ہیں۔

کنا بیل

ترے منہ کی تجلی دیکھ کر کل رات حسرت
زمین پر ٹوٹی تھی چاندنی اور شمع جلتی تھی
پچھلے مصرع کے دونوں جملے قید حسرت میں اتحاد رکھتے ہیں۔

واحد علی شاہ

غم حسین سے سوسن کی ہر سیہ پوشاک
غم حسین میں پچھلے مصرع کے دونوں جملے اتحاد رکھتے ہیں۔

(۳) دونوں جملوں میں تماثل ہو اور تماثل یہ ہو کہ حقیقت یعنی نوع میں تفرق ہو اور عوارض
میں مختلف ہوں اور باوجود اسکے کسی لیے وصف میں بھی دونوں شریک ہوں جیسے ساتھ ایک
قسم کا اختصاص کہتا ہو جیسے زید آیا اور عمر دگیا پس بیان زید اور عمر میں تماثل ہر اس لیے کہ دونوں
کی صفت ایک ہی کیونکہ دونوں انسان ہیں لیکن عوارض میں مختلف ہیں کیونکہ ایک کی صورت اور
نام دوسرے سے جداگانہ ہے یہ مثال مسند ایہوں میں تماثل کی ہے۔

میر

ہم تو لب خوش رنگ کو اسکے مانا لعل چمک
اور غور سے اُن نے دیکھا جانا کنکر تھیرا رخ
پہلے جملے میں شخص مشکلم یعنی عاشق اور دوسرے جملے میں شخص غائب یعنی مشوق کی ذات مسند الیہ
اور لعل و دونوں کی واحد عوارض میں فرق ہے۔

تقویٰ سعدین

صاحب عقل اُس کو جانتے ہیں اور منصف سب اُس کو مانتے ہیں

صاحب عقل اور منصف دونوں جملوں کے مستدالیہ میں جو نوع میں متفق ہیں اور عوارض میں مختلف

اشرف بیگ خاں اشرف

اُسرا تیرا ہی پس کھتے ہیں کنگال سدا اور بھروسے پر ترے جیتے ہیں بد حال سدا

کنگال اور بد حال دونوں جملوں میں مستدالیہ میں جو نوع میں متحد ہیں اور عوارض میں مختلف۔

سید اکبر حسین اکبر

بتان مغربی سے ہیں تعارف کی تمنا میں دیکھو نگا انھیں اور وہ مرا ایمان دیکھینگے

حسرت

ملافت عشق کے معنے کو جو سمجھے دے پیکے صراح اور وہ قاموس حکا د

صراح اور قاموس نوع میں متحد ہیں اور وہ علم لغت ہے۔

ممتاز

گو تھے مشہور جہان حسن میں یوسف ہدم اور عیسیٰ بھی بھر کرتے تھے اعجاز کا دم پا

ولہ

یوسف اُٹھے تو مصر کے بازار میں بکے اور اک بنی لے نار میں جلوے دکھائیے

میر حسن

یہ طرفہ ترکہ تیری سمجھتی نہیں زبان اور ترے سلسلے مری چلتی نہیں زبان

زبان خواہ شکلم کی ہو یا مخاطب کی سب درحقیقت ایک ہیں اگرچہ بسبب ضافت کے ان کا تشخص بدل گیا ہو مگر جب ضافت شخصہ سے مجرود کیا جائے تو حقیقت ایک باقی رہتی ہے۔

اور مستند دن میں تماشل کی مثال یہ ہو زید بکر کا باب ہے اور دوسرا خالد کا باب ہے پس باب ہونا خواہ بکر کا ہو یا خالد کا یا اور کسی شخص کا سب درحقیقت ایک ہیں اگرچہ بوجہ ضافت کے ان کا تشخص ہر جگہ بدل گیا ہو مگر جب ضافت شخصہ سے مجرود کیا جائے تو حقیقت ایک باقی رہتی ہے۔

شباب

کس سوچ میں ہو زاہد اک جرم دیکھ پیکر یہ شراب ہندی اور وہ ولایتی ہے

شراب خواہ ہندوستان کی ہو یا یورپ کی درحقیقت سب ایک ہی اگرچہ بوجہ نسبت کے اسکا
شخص ہر جگہ بدل گیا ہو۔

ولہ

دیکھ کر کہتے تھے لاشوں کو عدو قتل میں لاش اکبر کی یہ اور لاشہ اصغر یہ ہے

لاش اکبر اور لاش اصغر سندھ میں ان میں مماثل ہے کیونکہ دونوں کی حقیقت ایک ہی لیکن شخص
مختلف ہیں۔

تنبیہ اگر کہا جائے کہ عقل کلیات کا ادراک کر سکتی ہو اور جزئیات کا ادراک اُس کا کام نہیں بلکہ
جزئیات کا ادراک حواس سے علاقہ رکھتا ہو اور مماثل جزئیات میں سے ہو پس اس کا ادراک عقل
کیونکر کر سکتی ہو اور مماثل باحوال عقلی کی قسم میں کیونکر محسوب ہو سکتا ہو تو ہم کہتے ہیں کہ یہ قول بیشک
درست ہے لیکن قوت ساقہ دو مشلون کو یعنی زید اور عمرو کو شخص اور تعین خارجی سے مجز کر لینی ہے
یعنی زید کو زید اور عمرو کو عمرو کہیں باقی بلکہ انسان مطلق آنکو خیال کرتی ہو پس گو یا زید آیا اور عمرو گیا
یہ معنی ہیں کہ انسان آیا اور انسان گیا۔

بعض فضلا کہتے ہیں کہ تجانس اور تشابہ بھی جامع بن سکتا ہو تجانس کے یہ معنی ہیں کہ دو چیزیں
ایک جنس کی ہوں مثلاً آدمی اور گھوڑا جو جنس میں شریک ہیں یعنی وہ بھی حیوان ہو اور یہ بھی
اور تشابہ کے معنی یہ ہیں کہ دو چیزیں عرضیات میں متحد ہوں مثلاً زید اور عمرو دونوں نفاوت
یا شجاعت میں شریک ہوں یعنی یہ بھی سخی یا شجاع ہو اور وہ بھی پس بجانس اور تشابہ بھی
جامع بن سکتا ہو مثلاً حیوانات کے بیان میں کہا جائے کہ طوطا ایسا ہوتا ہے اور بیل ایسا ہوتا
ہے اور گھوڑا ایسا ہوتا ہے اور بہادر وں کے ذکر میں کہا جائے کہ زید ایسا شجاع ہو اور عمرو
ایسا شجاع ہے۔

اشرف بیگ خان اشرف

موسم خاص کا محتاج نہ ہو جکا خمر اور کسی رنگ سے خالی نہ ہو جکا گل تر

نمرو گل و دونوں جملوں میں مسند الید ہیں اور جنس دونوں کی ایک ہے یعنی وہ بھی نہایت میں
ہو اور یہ بھی اور نوع مختلف ہو اور سندھ وان میں جو جامعیت ہو وہ بھی ظاہر ہو۔

ایس

اسوار بھی قلیل پیادے بھی نہ ہو جکا خمر کل سترہ نو اونٹ ہیں درمیں گھوڑے ہیں

اونٹ اور گھوڑے سند الیہ میں جنکی خبر ایک ہی یعنی دونوں حیوان میں اور نوع مختلف ہے۔

برکھارت

کرتے میں پیسے پیو پیو پا اور مور جھنگارتے ہیں ہر سو

میر حسن

چمن سے بھرا باغ گل سے چمن
چنبیلی کہین اور کہین موگرا
کہین ارغوان اور کہین لالہ زار
کہین نرگس اور گل کہین یا سمن
کہین راسے بیل اور کہین موتیا
جد سے اپنے موسم میں سبکی بہار

خضر علی بی ملے

تیری شجاعت نخل تن اور
اور میری مجرات اک اُسکی ڈالی

یعنی محاسب اور منظم کی شجاعت میں تشابہ ہے اور دونوں سند الیہ میں۔

(۴۲) دونوں میں تضاد ہو۔ تضاد الہی کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز دوسری کی نسبت معلوم ہو یعنی ایک تصور دوسرے کے تصور کو لازم ہو مثلاً کسی شخص کے باپ ہونیکا تصور اسکے لیے بیٹا ہونیکے تصور کو لازم ہے جیسے کہین زید کا باپ لکھتا ہے اور اسکا بیٹا پڑھ رہا ہے ان دونوں جملوں میں بات در بیٹا سند الیہ میں اور جامع ان دونوں میں عقلی ہے اور وہ تضاد ہے۔

وحید

بن بن کے برق سایہ تیغ ظفر گرا
وان مورچے سے باپ اٹھایاں پس گرا

مقصود بالتمثیل مصرع ثانی ہے پہلے جملے میں باپ اور دوسرے میں بیٹا سند الیہ میں وان دونوں جملوں کے درمیان حرف عطف محذوف ہے ساسی قبیل سے ہے اقل اکثر ان دونوں کے مضمون میں تضاد ہے کیونکہ جو عد گنتی کے وقت دوسرے سے پہلے فنا ہو جاتا ہے وہ اقل ہے اور دوسرا اکثر ہے پس ہر ایک کا سمجھنا دوسرے کے اعتبار سے ہے مثلاً عمرو پڑا ہے اور زید چھوٹا ہے پس ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اعتبار سے سمجھا جاتا ہے۔

حالی

کیا کمون حال در دنیہائی
وقت کوتاہ قصہ طولانی

پہلے جملے میں وقت اور دوسرے میں قصہ سند الیہ ہے اور پہلے جملے میں کوتاہ اور دوسرے میں طولانی سند ہے۔

ولہ

ایک بمبار اور سو آناں ایک رنجور اور سوتا سورا

اضطراب قلق و ضعف میں کیونکر نہ مرون جان فاحشہ مری اور میں تار کئی

ظفر

ہو دی جان برجہ دے شربت دیدار تو اک انار اور سیڑیوں بیمار اس میں کوئی ہو

محمد حسین متخلص حسین

نقصہ نہیں ہے طول یہ ہے مختصر کلام
 تھوڑا اور بہت کے مفہوموں میں تضاد ہے۔ اسی طرح علت و معلول کے مفہوموں میں بھی تضاد ہے اس لیے کہ جب ایک چیز سے دوسری چیز صادر ہوتی ہے تو پہلی علت ہوتی اور دوسری معلول ہوتی ہے پس اگر معلول کا وجہ اس علت کے سوا کسی اور علت پر موقوف نہ ہے تو اسے علت تامہ کہتے ہیں اور اگر کسی دوسرے کے ذریعہ سے صادر ہو تو علت ناقصہ نام رکھتے ہیں مثال اس کی۔

محمد حسین آزاد

ایک دوست تیرا حکم تھا جاری جہان میں اور روشنی تھی عام زمین آسمان میں

خطاب آفتاب کی طرف ہے۔ آفتاب علت ہے اور روشنی معلول ہے اس مناسبت سے دونوں جملوں میں عطف واقع ہوا ہے۔

ولہ

ہوتا زمانہ بسکہ ہر وابتہ شام سے اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے

مخاطب یعنی آفتاب سبب ہے اور زمانہ سبب۔

حالی

اُس کے مرنے سے مرگئی دتی خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات

پہلے حملے کا مسند الیہ خواجہ ہر اور دوسرے کا شہر اور ان میں جو نسبت ہے وہ ظاہر ہے اور مسند پہلے حملے میں نوشہ ہر اور دوسرے میں برات اور ان میں یہ نسبت ہے کہ نوشہ سبب ہے برات ہونے کا

مولوی محمد سمیع

ہند کی سرزمین ہے ان نا اور ہمالہ پہناڑ جل داتا

ہند کی سرزمین اور ہمالہ پہاڑ دونوں جملوں کے مسند الیہ ہیں اور یہ جنسیت میں شریک ہیں
اسی طرح دونوں جمادات کی قسم ہیں اور ان مانا اور جل داتا سند ہیں اور ان میں وجہ جامع ببیت ہر اسلے
کریانی نایج کے پیدا ہونے کا سبب ہے۔

انشا

مفت جل جائے گا پر بھی سرگ
ارے میں آگ اور تو ہے خس

مسند الیہوں میں دونوں جملوں کے عشق جامع ہو اور سند دن میں جامع ببیت ہر اسلے
کر آگ سبب ہر خس کے جلنے کا۔

جامع وہمی

وہ ہے کہ اس کے سبب سے وہم خیال کرتا ہے کہ دو مجملے قوت مفکرہ میں جمع ہو جائیں پس
جامع وہمی واقع میں کوئی جامع نہیں بلکہ باعتبار اس بات کے جامع ہے کہ وہم نے اس کو جامع
بنایا ہے۔ اور جامع وہمی تین وجہ سے پایا جاتا ہے۔

۱۔ اس سبب سے ہوتا ہے کہ دونوں چیزوں میں تماثل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے یعنی
دونوں میں اتھا نوعی معلوم ہوتا ہے جیسے سفیدی و زردی کیونکہ قوت و اہممان دونوں کو دو مثل
خیال کرتی ہے اس جہت سے کہ یہ دونوں قریب قریب ہیں زیادہ مخالفت باہم نہیں رکھتے
اسلے وہم ان کو نوع واحد سمجھتا ہے حالانکہ سفیدی و زردی دو تماثل چیزیں نہیں کیونکہ تماثل یہ ہے
کہ دو چیزوں میں حقیقت یعنی نوع میں اتھا ہو اور تعین میں اختلاف ہو حالانکہ سفیدی و زردی
میں اختلاف نوعی ہے اور نہ دونوں متضاد ہیں کیونکہ متضاد ایسی دو چیزیں ہوتی ہیں کہ ان میں
اتھا درجہ کا اختلاف ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سفیدی و زردی میں اتھا درجہ کا خلافت نہیں بلکہ ایسا خلافت سفیدی
و سیاہی میں ہے البتہ عقل یہ جانتی ہے کہ سفیدی و زردی دونوں نوع قبا میں جو ایک جنس کے تھے آج ہیں دروہ جنس رنگ

ناسخ

سفید آگے ترے جاندا و سورج زرد ہو ظاہر
یہ ہے کہ کسیرے کی وہ ہے کسیر چاندی کی

نصیر

توس قزح نہیں ہے کہ سلی رکھے ہے چرخ
دو جس میں تار سرخ ہیں اور ایک تار سبز

مصحفی

گلونکو رنگ میں یک سان نہ دیکھا
نظر آئے کہ میں زرد دار کہ میں سرخ

سُرخ دسبر اسی طرح زرد و سرخ میں تماثل کے ساتھ مشابہت ہے۔
 فائدہ چونکہ دہم ایسی دو چیزوں کو جن میں شبہ تماثل ہو ہم مثل قرار دیتا ہے اس لیے شعریں کے
 دوسرے مصرع میں چار چیزوں کا جمع ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

غالب

چار موج کھٹی ہی طوفان طرب سے ہر سو
 موج گل موج حق موج صبا موج شراب

اس لیے کہ دہم نے یہ توہم کیا کہ چار موج میں نوع واحد سے ہیں وہ طوفان طرب ہی اور عواض میں
 مختلف ہو گئی ہیں اور عقل جانتی ہے کہ وہ تباہی چیزیں ہیں اسی طرح سودا کے شعروں میں
 چار چیزوں کا جمع کرنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

جس کے تو پاس نہوے تو اسے عالمین
 مجلس و شادی و تنہائی و غم چاروں ایک

دہم نے مجلس و شادی اور تنہائی اور غم کو جمع کر دیا ہے اور اشتراک ان میں عشق کی مفارقت کا
 صدمہ قرار دیا ہے حالانکہ ان میں نہایت تباہی ہے۔

ولہ

اگر دیابل میں کرشمے نے تری آنکھوں کے
 مسجد و مسجد و دیرو حرم کو جمع کیا ہے اور اشتراک ان میں کرشمہ عشق کا فعل قرار دیا ہے

دہم نے مسجد و مسجد و دیرو حرم کو جمع کیا ہے اور اشتراک ان میں کرشمہ عشق کا فعل قرار دیا ہے
 حالانکہ ان میں نہایت تباہی ہے۔

ولہ

طبع انسان میں ترے عدل کے کھتے ہیں اثر
 خنظل و آب بقا و شربت سم چاروں ایک

جامع دہمی کی وجہ سے خنظل و آب بقا و شربت اور سم کا جمع ہونا اچھا معلوم ہوتا ہے اور دہم کو
 یہ متوہم ہوتا ہے کہ چاروں ایک نوع سے ہیں اور وہ انسان کی طبع میں ایک سا اثر کرنا ہی صرفت
 عواض میں مختلف ہو گئے ہیں چنانچہ خنظل ایک تلخ پھل ہے اور آب بقا ایک خاص قسم کا پانی ہے
 جو ظلمات میں موجود ہے اور شربت ایک سیال اور شیرین چیز ہے اور سم ایک جھری جسم ہے جو چاروں
 عقل و جس کے نزدیک تباہی میں دہم ان کو ایک نوع سے مانتا ہے اور اگرچہ عدل مدوح کا ہونا
 ہونے سے چاروں چیزوں میں ایک سا اثر پیدا ہو جاتا ہے لیکن دہم اس معقول کو بد کمال
 ادعا سے تھوڑا اسکے کے بہتر محسوس کے قرار دے لیتا ہے۔

(۷) جامع دہم تباہی ہے۔ ہوتا ہے اور آواز دہم کی چیزوں میں جو

ایک محل میں متعاقب طور پر وارد ہو سکتے ہوں۔ اتہا درجہ کی مخالفت ہو پس ایجاب و سلب اور عدم
 و ملکہ کا تقابل تضاد میں داخل نہ ٹھہرے گا کیونکہ اگرچہ یہاں بھی مخالفت ہوتی ہے مگر یہاں دونوں
 چیزیں وجودی نہیں ہیں اور اس قیہ سے کہ دونوں ایک محل میں آ رہے ہو سکیں یہ ثابت ہوا کہ دونوں
 اعتراض کے قبیل سے ہوں نہ انباء کے اور اس قیہ سے کہ دونوں میں اتہا درجہ کا خلاف ہو تعاند
 بھی نکال گیا کیونکہ تعاند میں اتہا درجہ کا خلاف نہیں ہوتا چنانچہ سیاہی اور سُرخی اسی طرح سفیدی اور
 زردی میں تعاند ہو تضاد نہیں اگر تضاد کی تعریف میں اتہا درجہ کا خلاف مافوق نہوتا تعاند بھی
 تضاد میں داخل ہوتا کیونکہ تضاد حقیقی کی تعریف میں اتہا درجہ کا خلاف مافوق اور تضاد مشبہی میں یہ مافوق نہیں پس
 تضاد مشبہی تعاند کو بھی شامل ہو تضاد حقیقی کی مثال محسوسات میں سفیدی و سیاہی ہے
 جیسے کہ میں سفیدی اچھی ہے اور سیاہی بُری ہے اور معقولات میں اسکی مثال ایمان و کفر ہے
 جیسے ایمان اچھا ہے اور کفر بُرا ہے حق یہ ہے کہ ایمان و کفر میں تقابل عدم و ملکہ کا ہے کیونکہ ایمان اس
 چیز کی تصدیق و اقرار کو کہتے ہیں جس کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 کے پاس سے لائے ہیں جیسے خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت اور حشر و نشر کا حال اور
 کفر عدم ایمان ہے اُس چیز سے جسکی شان سے یہ ہے کہ ایمان لائے پس ایمان ملکہ ہوا اور کفر اُسکا
 عدم ہوا اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ اُن چیزوں میں سے جن کی نسبت علم ہو جائے کہ نبی صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم یہ اللہ کے پاس سے لائے ہیں کسی ایک کا انکار کرنا کفر ہے پس اس صورت میں
 دونوں وجودی ہونگے اور وہ بھی تضاد کے قبیل سے ہے جو ان چیزوں کے ساتھ منصف ہو
 جیسے سفید و سیاہ اور مومن و کافر۔

ظفر

کہ میں یہ کام شکل کتنے اور آسان کتنے ہیں
 غرض دانا بھی ہم کتنے ہیں اور نادان کتنے ہیں
 کہ دیتے جان کتنے اور بچتے جان کتنے ہیں

کوئی جاننا زیور کو عاشق جان باز سے پوچھو
 سمجھنا عشق کو آفت اور اس آفت میں چلنے کا
 کسی نہ کبھی فکر تیغ امتحان کرا پے بانو کا

خرد

ہم انکو دیکھ کر روتے ہیں اور وہ ہم پہ ہنستے ہیں

ہماری اُن کی صحبت آہ ابرو برق کی سی ہے

سودا

ضعیف کفر سدا جس سے اور قوی اسلام

غریز دولت و دین بادشاہ عالمگیر

میر حسن

اگر غیر دن کو میر ہو ترے عمل کا دن
اور یوں ہجر کی اس دل کو شب تار سے

فیاض الرحمن خواجہ

اس جنت کی طبیعت عداوت نہیں جاتی
اور دل سے اس کی محبت نہیں جاتی

نظام رامپوری

نظام کس کا گلہ اپنی اپنی قسمت ہے
اورصال غیر کو ہوا و فراق یار سے

ناصح

کوئی گڑی ہو اور کوئی پیٹھی
نکلین کوئی کوئی لکھٹ مٹھی

مذاق

جس کی طفلی چلنے والی اور شباب آنے کو ہے
مژدہ اسے رند و کہ وہ مست شراب نے کو ہے

امیر

اسے طول بڈائی یہ نیابے ترا اندھیر
دن سارے زمانے میں ہو اور شب مر لہر

ظفر

آرغیہ ہو دلگیر خندان آؤش جس ہو
تلفظ میں باغ میں پیچھے رشادی و غم پہ

فصل لدین فیاض

سب ہی خواہوں کی فیاض تو بہ خاطر جمع
اور یہ خواہ بہ نشان اشراک ہیں

اور اس شعر میں تضاد نہیں

سید قطب الدین اشک

ہاں وہ مژگنہ آنکھ کی بنا وقت نزع
اور میرا پاس حسرت کی نظر سے دیکھنا

اسی لیے کہ تضاد وہ مقابلہ ہو جو دو ایسی وجودی چیزوں میں ہو جو ایک محل میں وارد ہو سکتی ہوں اور یہاں مقابلہ سلب و ایجاب کا ہو اس لیے کہ پہلا جملہ موجب ہے اور دوسرا سالبہ۔

۱۳) کبھی تضاد کی مشابہت ہوتی ہے جیسے زمین و آسمان ظاہری کہ دونوں وجودی ہیں ان میں سے ایک نہایت پست ہے اور دوسرا نہایت مرتفع ہے اور تضاد کی مشابہت کے یہی خفیہ ہیں کہ ایک نہایت پست ہے اور دوسرا نہایت بلند ہے اور تضاد نہیں اس لیے ایک محل پر دونوں وارد نہیں ہو سکتے کیونکہ دونوں اجسام سے ہیں اراض نہیں ہیں اور نہ دونوں سیاہ و سفید کی طرح ہیں

کیونکہ پست ہونے اور بلند ہونے کا وصف زمین اور آسمان کے مفہوم میں داخل نہیں بخلاف سیاہ و سفید کے کہ سیاہی و سفیدی کا وصف دونوں کی ذات میں داخل ہے اسی قبیل سے ہے یہ شعر حالی کا۔ ۵

اثر فیض عام سے اُسکے کعبہ آباد ہو سیکرہ ہو

کعبہ اور سیکرہ میں شبہ تضاد ہے۔

راہِ صحیح

ہے زمین جائے قرار خاکستان اور گردون مسکن افلاکیستان

ملفوظ

ہزاروں رنج و غم میں خانہ دل میں نہیں کھلتا
سفر دنیا سے ہر دریش سب کو پر خدا جاسے
بہ صواب خانہ آج میں کتنے اور مہمان کتنے ہیں
کہ بے سامان میں کتنے اور باسامان کتنے ہیں

کشن پر شاد مشاد

پانوں پڑے سے نکر منع مجھے نوازیار
غیر کا سر یہ نہیں وریہ قدم غیر نہیں

سرد قدم میں شبہ تضاد ہے۔

مولوی محمد اسماعیل میرٹھی

آسمان ایسا بلند اور زمین ایسی فراخ
خاک دبا دآب دہوار و شنی شمس و قمر

تجلیہ تضاد اور شبہ تضاد میں اس سبب سے جامع پیدا ہوتا ہے کہ وہم اسکو بننے کے مخالف
کے بنالیتا ہے پس یہی باعث ہے کہ جب ایک ضد خاطر میں گذرتی ہے تو دوسری بھی اکثر اوقات
خیال میں آجاتی ہے اور یہ خاطر میں گذرنا وہم کی رو سے ہے نہ عقل کی رو سے کیونکہ عقل حسان میں
سے کسی ایک کا تعقل کرتی ہے تو دوسرے کو بھلا دیتی ہے بخلاف تضاد نفی کے کہ ان میں سے
بب ایک عقل میں غلط کرتا ہے تو دوسرے بھی غلط کرتا ہے

جامع خیالی

وہ ایک امر ہے جس کے سبب سے خیال چاہتا ہے کہ دو جملے تو ت مفکرہ میں جمع ہو جائیں اور یہ اس
سبب ہوتا ہے کہ عطف کرنے سے پہلے ان دونوں کے درمیان خیال میں قرب ہوتا ہے اور اس قرب
کے اسباب مختلف ہیں یہی وجہ ہے کہ جو صورتیں خیال میں ثابت ہو جاتی ہیں وہ از روئے ترتیب وضوح
کے مختلف ہو جاتی ہیں کیونکہ بعض صورتیں ایسی ہیں کہ ایک شخص کے خیال میں وہ ایک دوسرے کے

علمیہ نہیں ہوتیں اور دوسرے شخص کے خیال میں وہی صورتیں آپس میں جمع نہیں ہوتیں اور بعض ایسی صورتیں ہیں کہ ایک شخص کے خیال سے بالکل غائب ہی نہیں ہوتیں اور دوسرے شخص کے خیال میں وہ ہرگز آتی ہی نہیں جب یہ حال ہے تو ایسے دو جہان کے اجتماع کے واسطے اسباب بھی مختلف ہونگے پس ایسے خیال کا جاننا ضروری ہے جو انفسط طبیعت اور عادات سے پیدا ہوتے مثلاً کمین یا رکا قامت و کیف اور قیامت کے قائل ہوئے اجتماع قیامت اور قیامت کا خیال میں فتنوں کے سبب سے ہے۔

ہوس

غم دست افسوس مل رہا تھا اور دور شراب چل رہا تھا
اجتماع غم کے دست افسوس ملنے اور دور شراب چلنے کا خیال میں بے فکری کی وجہ سے ہے۔

سودا

جو گوش ہوش تو رکھتا ہو تو برابر ہے عداے نغمہ داؤد و نالہ دل زار
اجتماع نغمہ داؤد اور نالہ دل زار کا خیال میں سودا گرانہ کی وجہ سے ہے۔

ناظم

کلام سخت کمر کیسے وہ ہم پر برتے ہیں ان کے لعل میں اور لعل سے چھوڑتے ہیں
انشاء

نصو عرش پر ہے اور سر ہے پاسے ساقی پر غرض کچھ زور دھن میں اس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں
اور یہ خیالی امور شاعری کے طریقے پر ہیں اور اس قسم کے آدمیوں کے دل میں خوب نشہ ہونے ہوتے ہیں اگر عام لوگ انکو سنتے ہیں تو پسند نہیں کرتے۔

جملہ حالیہ

اگر دو مسل حملہ حکم کے رسم میں پہلے حملے کی قید ہو تو وہ دوسرا حملہ اس موقع پر حالیہ ہوگا اور حملہ جاری کی شرط یہ ہے کہ طبرہ ہونا انشائیہ اسلئے کہ تاں اگرچہ معنی کی مدت متل خبر ہند کے ہو لیکن جو حکم خبری کی قید ہو اسلئے چاہیے کہ مقید کے باقی رہنے تک ثابت اور باقی رہے اور انشا کے لیے خارج نہیں ہونا بلکہ غلط سے ظاہر ہوتی ہو اور غلط کے زوال سے زائل ہو جاتی ہو اسلئے قید بننے کی

حاصلیت نہیں رکھتی ہے وہ ہر کہ جملہ انشائیہ شرط اور ظرافت اور صفت نہیں ہوتا مگر بہت ہی کم۔

محمد اسحاق خان مٹھا

اپنی تو یہ صورت ہے کہ چون بلبل تصور ہے

لہذا زکی طاقت نہیں اور پاس چین ہے

جملہ پاس چین ہر لوف ہر جملہ پرواز کی طاقت نہیں ہر در حال بھی ہر چو کہ دونوں جملہ افادے میں منسلک ایک دوسرے کے میں تو ربط کلام اور افادے کے واسطے عطف کیا گیا تاکہ جمعیت پر لانت کرے یعنی پرواز کی طاقت کا نمونہ اور چین کا پاس ہونا دونوں ایک وقت میں تھے۔

غالب

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

سفینہ چاہیے اس بزرگزن کے یہ

مدح باقی ہر جملہ حالیہ ہر یعنی ایسی حالت میں ورق تمام ہوا کہ مدح باقی ہے۔

حالی

در کیا ہون اور ہون بے آب

ماہ کامل ہون اور ہون بے نور

چشمہ پیدا و کاروان تشنه

بادہ پر زور و انجمن مخمور

وصل کا حسن و خوبی

یہ بات ضرور ہے کہ دونوں جملوں میں کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہو جو عطف کی صحت کو چاہتی ہو مثلاً دونوں جملے غلطاً دعماً انشائیہ ہوں یا صرف دعماً انشائیہ ہوں یا غلطاً دعماً خبریہ ہوں یا صرف دعماً خبریہ ہوں اور ان میں کوئی جامع عقلی یا دہمی یا خیالی پایا جاتا ہو اور دونوں جملوں کی خوبی میں یہ بات داخل ہے کہ ان میں آئیں میں مناسب قائم ہو اور مناسب یہ ہے کہ دونوں ہمیت ہوں جیسے۔

ناسخ

بان و سی بود کھکے بومایت ظریف

آبایت ہوا کہ مرد ہر سرخ اور زن کبود

معصوم علی

آلورجم اور گناہگار ہوں میں

انفرت کا اُمید دار ہوں میں

العام

وقت ساز خال تیرہ دست کو نسبت ہر کیلے

روم ہر نزدیک رنگ اور رنگ ہر لند کے پائلے

فکار

کما یوسف ہے گو تو تجھ پہ عاشق

اور اپنی عاشقی میں بھی بے صادق

ظفر

ہودہ جان جهان نہ ہرگز دوست	اور دشمن ہواک جان اپنا
----------------------------	------------------------

ولہ

کیا تھا شاہی کہ ہر خرقہ نے آلودہ تمام	اور ہے اسپر غرور پاک دامانی مجھ
---------------------------------------	---------------------------------

ولہ

دان ارادہ آج اُس قاتل کے دلمین و در	اور یان کچھ آرزو سہل کے دل میں در ہے
-------------------------------------	--------------------------------------

امتناز

سکونت ہند کی میرے ستانیکو نہ کچھ کم ہے	اور اسپر در ہے آزار بار ب چرخ اظلم ہے
--	---------------------------------------

محمد یحیی القسین

ہر خدیہ شری ل نامے کی تحریر سے باہر	اور پائے غلبہ ہما دہ تقریر سے باہر
یا دونوں فعلیہ ہوں اور پھر فعلیوں کا تناسب یہ ہے کہ دونوں جملوں میں ایک سے فعل ہوں	مثلاً دونوں جملوں میں فعل ماضی مطلق ہو جیسے۔

اسودا

دل باری ہر گز نہ سز زلفت چھوٹا	اور اُس کو سر مار مجھ عشق نے کوٹا
--------------------------------	-----------------------------------

حسرت

حسرت اب دیا نکی تیری سی کا ہر دور دور	دن گئے فرہاد کے اور دور محنون ہو چکا
---------------------------------------	--------------------------------------

گلزار نسیم

گلچین نے وہ پھول جب اڑایا	اور غلیجہ صبح کھل کھلا یا
یا دونوں میں فعل ماضی بید ہو جیسے۔	

آزاد

تھا آغون نے ابھی دفترہ سمیٹا اپنا	اور نہ تھا علم لے طومار پٹیا اپنا
یا دونوں جگہ فعل ماضی استمراری ہو جیسے۔	

ولہ

تھا کوئی دوش پہ خو جبین اٹھائے آنا	اور بغل میں کوئی بیگ اپنا دبائے آنا
------------------------------------	-------------------------------------

اگرچہ لاتا تھا اور لاتا تھا ماضی شمراری کے صیغے میں جب اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ فاعل سے وہ فعل چند مرتبہ صادر ہوا ہو مگر بیان اُن سے معنی اتفاق کے تراوش پاتے ہیں یعنی اتفاقات سے کسی کا خورجین دوش پر اٹھائے لانا اور کسی کا بغل میں اپنا بیگ باٹے لانا یکجا یا بحسب اتفاق کسی کا دوش پر خورجین اٹھائے لانا اور کسی کا بغل میں بیگ دبا لے لانا واقع ہوا۔

حالی

اُس کے استغاثت جھک جاتا تھا سر غور کا : اور عنایت سے کنول کھل جاتا تھا زور کا :
ہمان جھک جاتا تھا اور کھل جاتا تھا سر کے کر جھک جاتے اور کنول کے کر کھل جاتے پر دلات کرتے ہیں

ولہ

پانوں اٹھتا تھا اُس کا بن کی طرف : اور کھینچتا تھا دل وطن کی طرف :
یا دونوں جگہ فعل مضارع ہو جیسے۔

بیان

سو برس میں نہ نکلے دلی خستہ : اور نکلے تو آن میں نکلے

ظفر

ساتھ خیر و نگے پیے تو بادہ خستہ کھوٹ : اور ہم تجھ میں سپین خوشابہ خستہ کھوٹ

میر حسن

یون رکھے تو اپنا زانو ناگسان کے زیر ستر : اور نہوے سنگ بھی مجھ ناتوان کے زیر سر

یا دونوں جگہ فعل حال ہو جیسے۔

ناسخ

منہ کا سامان کرتی ہے پیدا : اور بیان کرتی ہے پیدا

محی الدین فوق

سچ ہو کرے ہی سے کچھ کام ہوا کرتا ہے : اور پھر کام ہی سے نام ہوا کرتا ہے

ظفر

یا تودہ جانتا ہی جو ہر مرے جی کا خیال : اور یا بار خدا یا مرا جی جانتا ہے

ولہ

مے گل رنگ ترے ساتھ عدد دیتے ہیں : اور ہم رشک سے یاں اپنا لہو پیتے ہیں

شائب

بسکہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض اور رہتی ہے سود کی تکرار
یادوں جگہ استقبال ہو جیسے۔

ظفر

دو گے جواک بوسہ برابر سو کے صنم ہم جھینگے
اور تھیں بھی قائم عہدائشہ کی قسم ہم بھین گے

مولوی عبد الرحمن

صبر بڑھائے گا تیری جان پر اور بے کافد خانہ تیرا گھر

مگر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ معطوف علیہ یا معطوف میں سے کسی ایک کے ساتھ کوئی خاص مطلب متعلق
ہوتا ہے تو اس تناسب لفظی کو ترک کر دیا جاتا ہے مثلاً ایک مین تجدد مقصود ہوا اور دوسرے مین ثبوت
کو ایک جگہ فعل لائی گئے اور دوسری جگہ اسم جیسے۔

امیس

مائل بہ سفیدی ہوا رنگ رخ مہتاب اور دیدہ مردم سے سفر کرنے اگا خوب
پہلے جملے میں ثبوت مقصود تھا ایسے اہم نامے اور دوسرے مین تجدد مقصود تھا ایسے فعل ذکر کیا

آدوق

بزم رنگین مین تری رنگ طرب ہو بزم اور تری خاطر اقدس پہ بھجی آئے نہ رنج
اس مین بھی وہی حال ہے۔

مومن

کب گل کھلے گا دیکھو، فصل گل تو دم اور سوے دشت بھانگے مین کچھ بھی ہے ہم
اس مین بھی وہی حال ہے۔

ہجرات

آہ غیرون کو میر ہو ترے وصل کا دن اور یوں ہجر کی اس دل کو شب بارے

میسر

جب ہوا کچھ شعر کا تہہ بند اور مولانا لگے کرے پسند

کویا

کولی کی گئی آکے جو ٹوٹا کوئی تارا اور ہے نہ نو خنجر عریان کے برابر

یہاں پہلے میں تجدیدی اور دوسرے میں ثبوت۔

حالی

مصر میں فحط جب پڑا اگر اور ہوتی قوم جھوک سے مضطرب

کبھی ایک جگہ ماضی مقصود ہوتی ہے اور دوسری جگہ حال جیسے۔

اسکی کند زلف نے باندھے کسی کے پانوں مولفم اور کاٹتا ہے خنجر بران کسی کے ہاتھ
باندھے صیغہ جمع ماضی مطلق ہے اور کاٹتا ہے صیغہ واحد حال ہے۔

غالب

انالہ جانا تھا پرے عرش سے میر اور اب اب تک آتا ہے جو ایسا ہی رہا ہوتا ہے

کبھی ایک میں ماضی کا ارادہ ہوتا ہے اور دوسرے میں مستقبل کا جیسے۔

آزاد

ایسا بیگا غرض کہ جو کچھ ہاتھ آئے گا ادھیو کیا یا کسے ہے اور کون اڑائے گا

کبھی ایک میں اطلاق اور دوسرے میں تفسید کا ارادہ کرتے ہیں مثلاً ایک جگہ شرط کیساتھ مقید کر دیتے
اور دوسری جگہ مقید نہیں کرتے اور ظاہر ہے کہ شرط جزا کے لیے قید ہوتی ہے جیسے۔

مولوی عبد الرحمن راسخ

مات کو کم سوا اگر ہے تھکودر اور وقت صبح استغفار کر

زیر اگر کھاوے ولی تولوش ہو اور طالب کھائے ملی ہوش ہو

دونوں مثالوں میں معطوف علیہ شرط کے ساتھ مقید ہے اور معطوف مطلق ہے۔

سودا

بس ہو تو رکھوں آنکھوں میں اس آفت جان کو اور دیکھنے دن میں نہ زمین کو نہ زمان کو

اس میں بھی معطوف علیہ شرط کے ساتھ مقید ہے اور معطوف مطلق۔

ذوق

تم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم دفا سمجھے اور اس پر بھی نہ سمجھے وہ تو اس بت سے خدا سمجھے

معطوف علیہ مطلق ہے اور معطوف شرط کے ساتھ مقید ہے۔

جرات

بات ہی دل تو وہ کرتا نہیں مجھ سے کبھی اور جو یہ لے بھی کبھی نہ سے تو شرابا پہا

معطوف علیہ مطلق ہو اور معطوف شرط کے ساتھ مقید ہو۔

ظفر

بند کھنا چشم کا غافل ہو عین مصلحت اور اگر کھولے تو کھول انکھین خبر داری پھر

اس میں بھی معطوف علیہ مطلق ہو اور معطوف مقید ہو۔
کبھی دونوں کو مقید کرتے ہیں جیسے۔

حالی

سر سری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو اور نہیں مانتے گریبات مری تم جانو

درد

ہو خوف اگر جی میں تو ہر تیرے غضب اور دل میں بھر و سار تو ہر تیرے کرم کا

ظفر

سوئے جودل کھول کر ٹکڑے جگر ہونے لگا اور اگر رونے کو روکا درد سر ہونے لگا

الشا

گر بھر و ساری ہمیں اب تو بھر و سا ہے ترا اور تکیہ ہے اگر تیرے ہی در کا تکیہ

متفرق فوائد

وصل میں یہ ضرور نہیں کہ حرف عطف مذکور ہی ہو کیونکہ اکثر وزن شعر کی ضرورت سے سا قطا
کر دیا جاتا ہے اور کہیں بغیر ضرورت کے بھی حذف کر دیتے ہیں بعض مقام پر اس کے حذف سے حسن
پیدا ہوتا ہے جیسے۔

ایش

عنا گو گردِ سُرخِ پارس اکبر یہ سب ملے ہیں دوست کم لٹا ہے

ولہ

مانک مزاج نثرن اندام تیز رو گردون میر باد یہ پمباد برق دم
صرصر سے تند بو سے سکرو ہوا سے تیز چالاک فہم دگر جسے ذہن سے تیز
ذمی جاہ تھا سعید تھا فیروز بخت تھا رہوار کیا ہوا یہ سلیمان کا تخت تھا

سمٹا جھاڑا دھڑ آیا از حیر گیا
چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھہر گیا

یا محمد خان شوکت

رنگ گل حسن چین بوے سخن لطف بہار | چشم بدور مرے یار گل اندام میں ہیں پا

امیر

دیکھے جس کو وہ ہے حسن میں یکتا جہان | لب دہن چشم مزہ زلف مستبہ عارض
فاصلہ اعداد کے درمیان میں نہ لانا زیادتی فصاحت و بلاغت کا موجب ہے جیسے۔

الشاعر

ایک دو تین چار پانچ چھ سات | آٹھ نو دس ہوے بس آٹھ ابس

اگر اعداد میں حرف عطف لائیں تو فصاحت میں فرق آجائے۔
واو عطف کو تلفظ میں نہیں لیتے کیونکہ اس کا تلفظ نخل فصاحت ہے جیسے۔

اسودا

یک دم ترے چچا کو نہ دیتی تھی خلق میں | دارالامارت آگے یہ کتنی تھی دن درین

ولہ

محمد عادل و کامل و عاقل | محمد ہے جو کچھ تھا اُس کے قابل
باوجودیکہ واو دو دکلون یا دو جملون کو ایک حکم میں شامل کرتا ہے اور یا تزدید کے لیے آتا ہے
یعنی دو میں سے ایک کے ہونے کو منع کرتا ہے مگر کبھی ان دونوں کو جمع کر دیتے ہیں اور اس وقت
میں واو زائد ہوتا ہے جیسے۔

ظفر

منزل مقصود تک حسرت مجھے پہونچا سکی | اور یا ایدل مری قسمت مجھے پہونچا سکی

ناسخ

ہو بیخ مرے دل کو دیا ہوا آرام | جز ذکر خدا بھلو نہیں ہے کچھ کام
ضرورت وزن یا رعایت قافیہ کیلئے جس لفظ کے ساتھ رابطہ لگانا چاہیے اسکے ساتھ کو نہیں
لگاتے اور لفظ کے ساتھ لگا دیتے ہیں اور سر جملہ پر بھی نقطہ وزن یا رعایت قافیہ کی وجہ سے آسکتا ہے۔
جیسے۔

اسودا

ہستہ متوطن دہ لعین روم کا | بستی میں رکھتا ہے اثر بوم کا

اہو کے وصف تری کرج کا کسے پورا الشاہ ہے نمونہ اسی کا مہر درخشان کی کرن
رابطہ کبھی تامہ ہوتا ہی لیتے موجود ہر کے منے دیتا ہی جیسے۔

دل

جشن نور و زہے دربار شہ والہ ہے اہل دربار ہزاروں میں بیان کم سے کم
اور رابطے کا بعد خبر کے ہونا ضرور نہیں جیسا کہ توبۃ النصوح کی اس عبارت میں سوچا کہ چلنا اہو
رگتا نہیں پھر قلق سے فائدہ اور اضطراب سے حاصل۔

حالی

اب نہ سید کا افتخار صحیح نہ برہمن کو شدر پر ترجیح

شور مطلق نہیں کوسر میں زور باقی نہ سپ داشتہ میں
بھوک کا ذکر اقل و اکثر میں خانہ جنگی سے امن لشکر میں

نہ کوئی رند ہے نہ کوئی ادبائش

مزاج غریبان کو کیا پوچھتے ہو خدا کا کرم مہربانی تمھاری

ہر جملے کے بعد رابطہ لا نا ضرور ہے مگر یہ کہ تمام کلمہ سابق کو رابطہ سمجھیں اور لاحق کو سابق پر معطوف کریں
جیسے اس فقیرے میں توبۃ النصوح کے

نہ تو ہر وقت گھر میں گھسے رہنے کی اسکی خوشی نہ بال بچوں ہی سے بہت اختلاط کرنے کی عادت۔

ایضاً

عدا مفرق فرزند کافر لہذا ہی اُدھر مال و متاع کا دل ہادہ

خواجہ حسن القدسیان

جس خدا آشنا نہیں کوئی پاشی توئی ہے اور ساحل دور

جب معطوف علیہ اور معطوف میں نہایت اتصال منظور ہوتا ہی تو بعض لفظ جو معطوف علیہ پر
لگے ہوتے ہیں وہ دوبارہ معطوف پر نہیں لگتے جیسے۔

افوق

عید ہر سال مبارک ہو مجھے عالم میں باشکوہ چشم و جاہ و بھر و صحت

اصل میں یوں ہی باشکوہ و باختم و باجاہ و ببرد باری و بخت و بخت لیلین چونکہ نہایت اتصال منظور ہوا سیلے
سب معطوفوں کے اوپر سے ہا کو الگ کر دیا۔

ہوں

باختم و جاہ و ببرد باری | خود چلے برائے خواستگاری

آٹھواں باب ایجاز و اطناب و مساوات کے بیان میں

اصل مراد کے بیان کرتے ہیں جو الفاظ استعمال کیے جانے میں یا تو مدعا کے مساوی ہوتے
ہیں اسکو مساوات کہتے ہیں یا اس سے کم اور ناقص الفاظ سے مدعا ادا کیا جاتا ہے مگر ان الفاظ
سے مدعا نکل جاتا ہے اسکو ایجاز کہتے ہیں یا ادا سے مدعا میں کچھ الفاظ بڑھ جائیں مگر بے فائدہ نہیں ہوں
اسکو اطناب کہتے ہیں طراز میں لکھا ہے کہ کلام اپنے معنی کے واسطے ایسا ہے جیسا لباس قد کے
واسطے پس اگر لباس قد پر درست بیٹھے کہ نہ ڈھیلا ہو نہ تنگ ہو تو یہ حال مساوات کا ہے اور
اگر قد سے بڑھ جائے تو یہ حال اطناب کا ہے اور جو قد سے کم اور اس پر تنگ ہو تو یہ حال ایجاز
کا ہے الخواطر الحسان میں بیان کیا ہے کہ ایجاز دو قسم ہے ایک ایجاز قصر اور وہ یہ ہے کہ معنی
نام نہ ہوں لفظ سے اور حذف وہاں نہ ہو دوسرا ایجاز تقدیر اور وہ یہ ہے کہ لفظ اپنے معنی کے مساوی
اگر الفاظ کم ہوئے اور ادا سے مدعا کو بھی کافی نہ ہوئے تو اس کو اخلال کہتے ہیں جیسا کہ اصغر کے
اس مصرع میں ۔۔۔

مانا شراب میں ہی تو طاعت میں ہر ریا

اصل مراد شکم کی یہ ہے کہ فرض کیا کہ شراب میں شراب ہی تو طاعت میں بھی ریا موجود ہے الفاظ
اس کلام کے ایسے ناقص ہیں کہ ان سے وہ مدعا نہیں حاصل ہو سکتا اسی قبیل سے ہر غالب کے
اس شعر کا دوسرا مصرع ۔۔۔

داغ پشت دست غمزہ شعلہ خس بدندان

اچھے ریخ بیتابی کس طرح اٹھایا جائے

مطلب یہ ہے کہ داغ بزبان حال ظہار غمزہ کر رہا ہے اور شعلہ بھی بزبان حال ظہار غمزہ کر رہا ہے
اور دونوں بیتابی کی تکلیف بروہشت نہیں کر سکتے تو بھلا ہم سے ریخ بیتابی کیونکر اٹھے گا۔

ولہ

رک گیا دیکھ روانی میری

مقابل ہے مقابل میرا

خود ہندی میں غالب کا ایک خط مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام نظر سے گذرا جس میں اس شعر کا متعلق لکھا ہے: تقابل تضاد کو کون نہ جانے گا نور ظلمت شادی و غم و راحت و مرج و جو و عدم لفظ تقابل اس مصرع میں معنی مرج و دوست ہے جیسے حریف کہ معنی دوست کے بھی استعمال ہو غم و شریہ ہے کہ ہم اور دوست از روئے خود عادت ضد ہمدگر ہیں وہ میری طبع کی روانی دیکھ کر رگ گیا اسی لفظ الفاظ اس کلام کے ایسے ناقص ہیں کہ ان سے مدعا حاصل نہیں ہو سکتا۔ میرے نزدیک مرزا اپنے اس شعر کا اصلی مفہوم بیان نہ کر سکے متقابل سے مقصود یہاں حریف اور عدو ہے اور مراد اس سے وہ ہے جو تکلف مقابلے کو کھڑا ہو گیا ہو حقیقت میں قوت مقابلہ نہ رکھتا ہو مطلب یہ ہے کہ حریف چونکہ واقعی طور پر میرے مقابلے کے قابل نہ تھا اسی لیے تاب مقابلہ نہ لاسکا اور میری روانی کے سامنے عاجز ہو گیا متقابل تکلف مقابلہ کرنے والا اور متقابل ہونے حریف و عدو ہے۔

ولم

نقش نازب طناز بہ آغوش رقیب | پائے طاؤس بے خامہ مانی مانگے

مرزا کا یہ مطلب ہے کہ آغوش رقیب میں اس بت طناز کی تصویر ناز لینے کے لیے خامہ مانی کے بجائے پائے طاؤس کی ضرورت ہے طاؤس حسین ہوتا ہے لیکن پائے طاؤس بد نما ہوتے ہیں اسی طرح نقش نازب طناز خوب ہے لیکن بہ آغوش رقیب ٹھیک نہیں اس مطلب کے ادا کرنے کے لیے الفاظ کافی نہیں۔

ولم

زخم گردب گیا نہ تھما | کام گرگ گیا روانہ ہوا

لینے اگرچہ ہمارا زخم دب گیا ہے لیکن ہنوز اس سے خون جاری ہے اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارا کام سکا نہیں کیونکہ اگر زخم دب جاتا اور خون بھی ختم جاتا تو اس وقت البتہ کہہ سکتے تھے کہ کام اگر گرگ گیا تو بہتر نہوایہ مضمون الفاظ کلام سے بخوبی ثابت نہیں ہو سکتا اسی لیے اخلال میں داخل ہے اگر لفظ مدعا سے ناسم ہو اور کچھ فائدہ نہ دے تو اسکی دو صورتیں ہیں

ایک یہ کہ لفظ ناسم معین نہوایے تطویل کہتے ہیں الخواطر الحسان میں لکھا ہے کہ تطویل میں طوالت کے لیے نکتہ ضرور ہوتا ہے اور غیر متعین ہونے سے یہ مراد ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے گردیش سے معنی مطلوب متغیر نہو اور تطویل کبھی تکرار لفظی و معنوی دونوں سے پیدا ہوتی ہے اس طرح کہ ایک لفظ کی بجائے کسی نکتے کے تکرار کی جاتی ہے۔

بہار دانش

اجلا چل چلا چل کئی دن کے بعد
 کبھی صرف تکرار معنوی سے پیدا ہوتی ہے اس طرح کہ دو مترادف بغیر کسی نکتے کے جمع کیے جاتے ہیں جیسے

منور علی اسفقتہ

میرا ہی کیا تصویر بتیاب و بقرار
 جزو اور کون نہیں تیرے واسطے
 بتیاب اور بقرار ایک معنی میں ہیں انکی جمع کرنے میں کچھ فائدہ نہیں پس لطویل ہی اسی قبل سے
 ہے میرا نہیں کا یہ شعر ہے

ہر دم ہے عنایات خدا سے مد و غیب
 شک اس میں نہیں بندہ شبیر ہون لاریب

شک اس میں نہیں اور لاریب غیر متعین زائد میں۔

بشارت اللہ بتیاب

عاصی و گنہگار و خطا دار ہے بتیاب
 عاصی و گنہگار و خطا دار یہ تینوں ایک معنی میں ہیں۔

داغ

خسرو نامور و بادشاہ نام آور
 شان میں جبکی کیا داغ نے مطلع یہ رقم

حالی

کر گئے جوئے بندار کے تھے متوالے
 پریم گئے پیشہ و مزدوری و بخت واسے

منشی

ہمت میں نے دیکھا فز و شب
 نگر مجھ سے گفتار کر و فریب

ولم

سوار اس پہ ہو کر تیل شیر زاد
 نہایت ہوا دل میں سرور و شاد

مثنوی سعدی

اپاسل حباب رز و شب
 بات اندر ز و بند کی کہنے

ہوس

بہتر ہے پر اس پر اسے خرد مند
 کچھ مجھ سے نہ کہ نصیحت و پند

وسطی

اچھا ہے مطیع من دیوان امیر احمد کا کہین زمانے میں جسکا نہیں شبیہ و نظیر

شتاق

دیکھ کر عقد ثریا کو فلک پر اسے ماہ سر نہر و ضیا کا ترے جھومر جانا

مہر

نہ بارے میں نہ ہار میں اُسے جیتے گا کوئی کیونکر وہ ایک بات پر انکار کرتے ہیں مگر تے ہیں

ظفر

ہم نے جون طفل دبستان محبت میں ظفر کھینکا آخر ورق دانش و فرہنگ مڑوڑ

ناسخ

ناز و قمار سے پاتے من جسد مدح روان کردہ خاک شفا ہے ترے بیماروں کو

دلغ

نام لیجے اگر اُس کا تو اُسی دم کھل جائے عقدہ کار ہو کیا ہی جو دشوار و اہم

دوسرے یہ کہ متعین ہو اور متعین ہونے سے یہ مراد ہے کہ اگر ایک کے گرا دینے سے منفی
تغیر ہوں اور دوسرے کے گرا دینے سے متغیر نہ ہوں تو دوسرا نام لے ہوگا اور اس میں اس بات کا
اعتبار نہیں ہے کہ فلان آگے ہو اور فلان پیچھے ایسے لفظ کو حشو کہتے ہیں حشو کے لغوی معنی
بھرتی کے ہیں جو مکینوں کے اندر بھرتے ہیں اور اصطلاح میں اُس لفظ سے مراد ہے جو قبل از
تمام کلام ذکر کریں در معنی مقصود بے اُس کے بھی پورے ہو سکتے ہوں یعنی مطلب کو ایسے الفاظ سے
ادا کیا جائے کہ اُس سے کم الفاظ میں ادا ہو سکتا ہو پس وہ لفظ جو اداسے دعا کے واسطے ضرور نہیں
یعنی مطلب بغیر اُس کے پورا ہو گیا وہی حشو اور یہ بھی دو قسم ہے ایک حشو مفسد یعنی کلام میں
فساد پیدا کرنے والا جیسے۔

میر حسن

بنایا مجھ کو مجھ کو خوب اُسے خدا نے کیا پنا محبوب اُسے

مجھ کو جبکہ حشو ہے کیونکہ معنی بدوان اُس کے تمام ہوتے ہیں اور زیادتی کے یہ متعین بھی ہے اور
مفسد اس لیے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ مال غنیمتی کسی بے بکھے بوجھ بھی بنایا کرتا ہے جناب
رسالت باب علیہ السلام اس قسم کی غلطیاں سے میں جبکہ مجھ کو مجھ کو اُسے بنایا۔ دوسرے

حشو غیر مفید اور اسکی تین قسمیں ہیں۔
 (الف) حشو قبیح کہ کلام اس کے سبب بے لطف اور کم رقبہ ہو جائے جیسے۔

منشی

سخن گوے روشن دل ہو نہ
 یہ کتاب ہے زیر سپر بلند

ولہ

دو ہفتے میں تو ہو چو چودان ملک
 زیادہ خود دیر زیر فلک

ولہ

لگا کر تے صید افگنی بعد جنگ
 خوشی سے تہ چرخ فیروزہ رنگ

شہر ادل میں زیر سپر بلند اور خود دم میں زیر فلک اور شعر سوم میں تہ چرخ فیروزہ رنگ حشو
 بیع ہے اور یہ زیادتی کے لیے متعین بھی ہو اور مفید نہیں۔

منہ

بنا چار چاہا کہ پھر جائے
 طرف اپنے شکر کے پھڑپھڑیے

پھر آئے حشو قبیح ہے۔

دیر

اور حرف لفظ لب میں ہیں اک لام ایک
 ہوتے ہیں میرا لام کے دو بے کے واہ وا

واہ وا حشو قبیح ہے۔

منہ

ستہ لے کما یہ ضرورت ہوش و حواس
 واللہ واہ حق ترا جو ہر شناس ہے

واہ رائد محض اور حشو قبیح ہے۔

ولہ

تا سال ابد ہونہ اس آئینے کی مثال

سال حشو قبیح ہے۔

منہ

آنکھوں کی تری روغن با دام سے بہتر
 عارض کا پسینہ ہو گلاب گل احمد

گل احمد شوقیج ہے

عباس

گرے گر خواب میں قندیل روشن
تراہو نام بے تمثیل روشن
بے تمثیل شوقیج ہے۔

شہنوی یوسف زلیخا

کہا تب شاہ لے یون اس گھڑی آہ
نہیں یہ آدمی ہے حاشا اللہ
آہ شوقیج ہے۔

آفتاب را بے رسوا

ہر زندگی کا لطف تب اکھڑ خوش وقتا
جب ہاتھ میں ساقی کے صراحی ہو سہا
خوش اوقات شوقیج ہے اور دلیل اس پر یہ ہے کہ جب خضر کو یہ چینوں میسر نہیں تو انکی
اوقات خوش کب ہوگی۔

واجد علی شاہ

بے لیکر طلاق وہ گفام
بیرے پاس لئی وہ بت خود کام
بت خود کام شوقیج ہے۔

رنگین

سراہین اپنی ہم قسمت کو رنگین
ہوے امت میں ایسے کی جو بے کین
لفظ بے کین شوقیج ہے۔

آتش

سودا ہر سر کو زلف گرہ گیر سے
دل بنگی ہے کافر خوش عقاد سے

ولم

چہرہ محبوب پر گیسو نہیں لہرا رہے
بت کے آگے کرتے ہیں کفار نافر جام
نافر جام کا لفظ شوقیج ہے۔

پیش

کہ فرزند میرا جانا غار شاہ

جو بہار تان رات و کلا

جبکہ تاج کا لفظ موجود ہے تو کلام کا لفظ حشو قبیح ہے۔

منہ

یہ بلندی ہے اگر طاق سے شیشہ گر جائے | پہونچے بالائے زمین حشر میں بے عیب و خلل

لفظ بے عیب و خلل حشو قبیح ہے کیونکہ غرض یہاں بلندی میں مبالغہ ہے اور وہ بالائے زمین حشر تک پہونچنے سے پورا ہوتا ہے اور شیشے کے ایسی بلندی پر سے بے عیب و خلل زمین تک پہونچنے سے کوئی غرض مقصود نہیں ہے اور نہ اسکی کوئی وجہ بیان ہوئی ہے۔

(ب) حشو متوسط نہ باعث قباحست کلام ہونہ موجب خرابی کلام مثال اسکی۔

حالی

نند رستی کا شکر کیا ہے بناؤ | رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ

جبکہ استفہام موجود ہے تو امر کے ذکر سے کچھ فائدہ نہیں اور نہ نیافاتی کے لیے متعین بھی ہے اور مفید بھی نہیں۔

دوسرے

ایک پھر تو نبیؐ نے یہ دعا بادل تغیر | لے جلوہ دہ تسمیر و قمر مالک تقدیر

بادل تغیر حشو متوسط ہے۔

رج حشو طبع اور وہ وہ ہے کہ کوئی کلمہ زائد مبالغہ یا دعا یا مدح یا ذم وغیرہ کے لیے لایا جائے اور اسکے لانے سے ایک نوع کی خوبی حاصل ہوتی ہے۔

مولوی جلال الدین احمد خان جلالی

ہم جلالی کو بگھتے تھے سدا کا فر عشق | یہ تو لے واسے بڑا گہر مسلمان نکلا

مقصود بالتمثیل لفظ لے واسے ہے۔

سودا

کنے لگا وہ مجھے کہ سودا ہزار حیف | آقاہ میں نے تجھ کو نہ بکھا تھا یاں تک

آقاہ حشو طبع ہے جو سودا کی نسبت مبالغہ اور تعجب کا قائلہ بنشتا ہے۔

ولہ

اس آستان فلک مرتبت کی تاباں | رہے کنیز شب قدر و روز عید غلام

فلک مرتبت کا کلام کے اتمام میں کچھ دخل نہیں کیونکہ جملہ دعائیہ فقط اس قدر ہے شب قدر کا

روز عید غلام اس آستان کا رہے مگر حسن کلام کا موجب ہے۔

مہاراجہ کستن پرشاد شاد

آئینہ بھی ہے تو ہی شخص تو ہی عکس تو ہی

تیری قسم کو کلام کے پورا ہونے میں کوئی دخل نہیں کہونکہ تاکہ کیسے ہو فقط آنا ہے کہ اصل میں
سب ایک ہیں غیر نہیں مگر اس سے کلام میں خوبی پیدا ہو گئی کہونکہ تاکید سے معشوق کو وثوق پیدا ہو جائیگا

بیان مساوات

اس کو اس لیے مقدم کیا کہ یہ اصل ہر اس بات میں کہ اس پر ایجاز و اطناب قیاس کیے
جلتے ہیں مثال اس کی۔

ذوق

بچنے جانا تھا کف یا میں تمہارے خالق

اس شعر میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اصل مراد سے زائد ہو یا کم بلکہ پورے پورے ہیں۔

سودا

کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا

اگر کوئی کہے کہ اس شعر میں حرف ندا محذوف ہوا سیلے ایجاز کے قبیل سے ہوگا تو جواب یہ ہے کہ
اس حذف سے معنی مراد کے سمجھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ولم

نادک نے ترے صید نہ مجھ بڑا زانے کیا

ترے ہے مرغ قبلہ نما اشیائے میں

ناصح

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب دراع چہرہ

طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا

مومن

تم میرے پاس ہوئے ہو گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

قائم

نست تو دیکھو ڈیڑی جا کر کہاں کشتا

دو بار باغہ جبکہ لب بام رہ گیا

بیان ایجاز

ایجاز دو قسم ہے ایک ایجاز فقرہ دوسرا ایجاز حذف۔

ایجاز قصر یہ ہے کہ حذف کے ساتھ التباس نہ ہو یعنی عبارت میں کوئی ایسا لفظ محذوف نہ ہو جو اصل مراد کو ادا کرتا ہو جیسے۔

غالب

دہان ہر بہت پیغامہ جو زنجیر سوائی

یعنی بستان بیوفا کے حلقہ سے دہن ملکر زنجیر سوائی بن گئے ہیں یا یہ کہ حدیث بیوفائی یا ایک بہت سے دوسرے تک اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچی ہے اور اس طور پر ایک زنجیر سوائی کی شکل نمودار ہو گئی ہے اس مصرع کے معنی تو بہت سے ہیں اور لفظ تھوڑے سے ہیں۔

ولم

ملتا نہ اگر نہیں آسان تو سہل ہے دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں

تحصیل دشوار آسان نہیں ہوتی مگر ممکن ہوتی ہے اور تحصیل محال ہرے سے ممکن ہی نہیں ہوتی شاعر کہتا ہے ملتا نہ آسان نہ ہو یعنی دشوار ہوتا ہم سہل ہو مگر مشکل تو یہ ہے کہ دشوار بھی نہیں محال ہے جس میں میرا کسی طرح قابو نہیں مجبور ہوں۔

ولم

نکوہش مانع بے ربطی شور جنون آئی ہوا ہے خندہ احباب نجیبہ دامن میں

یعنی نکوہش میرے شور جنون کی بے ربطی سے مانع آئی اور خندہ احباب کے خیال سے میں نجیبہ دامن کے چاک کر لے سے باز رہا پس گویا احباب کا خندہ جیب و دامن میں نجیبہ ہوا ہے۔

ایجاز حذف وہ ہے کہ کوئی چیز محذوف ہو اور وہ محذوف دو حال سے

حالی نہیں۔

(۱) جزو جملہ ہو مثلاً مضامین محذوف ہو جیسے۔

نواب نیو تنوی

ہوں وہ بیمار محبت کہ نہیں تاب تو ان پنج دقتہ مری آنکھوں سے ادا ہوتی ہے

یعنی نماز پنج وقتہ۔

مولوی عبد الرحمن راسخ

صدقہ ہے یہ غیر کی خوشی کا جلتا مری قبر پر ہے گہی کا

یعنی گہی کا چراغ۔

یا موصوف مخدوف موتا ہر جیسے۔

جرات

کافروہ بلا زلف یہ ہے تری کافر
جازر زمین جسکے چھپا خون سے کالا
یعنے کالا سانپ۔

حالی

کال کیا تھے، کس کو کہتے ہیں بھوک
بھوک میں کیونکہ مرتے ہیں مفلوک
یعنی مفلوک آدمی۔

نسیم

زنجیر جنون کڑی نہ پڑ یو پڑا
دیوالے کا موصوف مخدوف، یعنی عاشق دیوانہ کا پائون درمیان ہی۔

امیر

ساقیا ہلکی سی لاانکے لیے
تندے اور ایسے کم سن کیلے
یا مضاف الیہ مخدوف ہو جیسے۔

ہر چند تھی نشے میں وہ شوخ تو بھی اُسے
ظہر ہر گز ہمارے لب کو آلے دیا نہ لب تک
یعنے اپنے لب تک۔

غالب

یک قدم وحشت کے درس بدقرامکان کھلا
جادوہ اجڑے دو عالم دست کا شیرازو تھا
جادوہ سے مراد جادوہ وحشت ہے۔

انشا

وہ جو مہسار کا اکر کے تنہا
میں نے تھم بھی ڈھوسے پر نہ ملا
یعنے مہسار کا لڑکا۔

ہوس

یارب... سر میں شور غم رکھنے
بے غم نے صاحب الم رکھ
یعنے میرے سر میں شور غم رکھ اور دوسری چیزوں کے بے غم رکھ۔

خوشتر

قسم ہے مام کی گرجان مانگو + تو حاضر ہی نہیں افسوس بھکو

یعنی اگر میری جان مانگو۔

بیخود دہلی

آٹکھ کھتی ہے کتاب برباد کرتے ہیں تجھے کسم سے یہ ارشاد ہے دل میں ترا کھڑ ہو گیا

یعنی ہانکی آٹکھ اور میرے دل میں۔

نشا

لطف ابرو کا تری جبکہ مجھے یاد آیا بھر نہ محراب حرم پر دل ناشاد آیا

یعنی میرا دل ناشاد۔

یا شرط محذوف ہو جیسے۔

لازم ہے کرو مسافرون کا اغراز الخ اغراز نہیں تو آؤ اضرار سے باز

یعنی اگر اغراز نہیں کرتے تو اضرار سے باز آؤ۔

ذوق

زیادہ ہوگا توکل سے بھی کمین روزہ کہ اس میں آیا تو روزی ہے اور نہیں روزہ

یعنی اگر نہیں آیا تو روزہ ہے۔

یا جزا محذوف ہو اور یہ کبھی صرف اختصار کے لیے محذوف ہوتی ہے کوئی نکتہ معنوی

بد نظر نہیں ہوتا جیسے۔

حالی

کہا در ہو یہ بھی اگر بند اس پر کہا اسیہ بجلی کا گرنا ہے ہنر

پہلے مصرع کے بعد جزا محذوف ہے اور وہ یہ ہے تو کیا کرنا چاہیے اور دلیل اس پر دوسرا مصرع ہے۔
لو کہ بھی اس غرض سے حذف کرتے ہیں کہ اسکا حذف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جزا ایک ایسی چیز ہے جسکو کوئی وصف گھیر نہیں سکتا یا اس طرح جس طریق ممکن کو چاہے اختیار کرے جیسے۔

ذوق

ای ذوق شہید اسکو کرتے ہیں کئی عاشق کہنی ہے اگر سبقت کیا دیر لگائی ہے

کہنی ہے اگر سبقت کی جزا محذوف ہے۔

یا مسدالیہ مخدوف ہو چنانچہ انیس حضرت امام حسین کی زبان سے حضرت زینب کے
ساتھ کہتے ہیں۔ ۵

پرسا تمہیں شہید کا دیئے کو آئے ہیں | کس کس کے داغ آج جگر پر اٹھائے ہیں
ضمیر جمع حکم کہ مسدالیہ پر وہ یہاں مخدوف ہو۔
یا مسد مخدوف ہو جیسے۔

موقوف غم میر کہ شب ہو چکی ہم دم | کلمات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے
یعنی غم میر کا بیان موقوف کرتے ہیں۔

ظفر

کوئی کتاب ہے جو وہ آتے ہیں + | کو جھٹا اُس سے جانکر ہوں کون
پنے کون آتے ہیں۔

منشی

غرض اب جیون رہے در میان | ادھر ہم ادھر ہم رہو طمران +
یعنی ادھر ہم طمران رہیں اور ادھر ہم طمران رہو۔

مرزا جعفر علی شرر

اے عشق جگر سوز شر کی تجھے سو گند | اک شعلہ جان سوز کہ شاق فنا ہوں
حسرت

نحت دل گرنے لگے اب اشک گلگون ہو چکا | رحمہ اے آنکھو کہ جنتا میں تھا خون ہو چکا
یا مفعول مخدوف ہو جیسے۔

جرات

جرات اب بند ہی تنخواہ تو یوں کہتے ہیں | کہ خدا دیوے نہ جب تک تو سلیمان کب د
خدا نہ دیوے اور سلیمان کب دے جس کے مفعول مخدوف ہیں۔

مثنوی یوسف زلیخا

نہ کوئی یوسف کی قیمت خو جائے | زلیخا جانے یا یعقوب جانے

زلیخا جانے یا یعقوب جانے کے معنی مخدوف ہیں۔
یا ظرف مخدوف ہو جیسے۔

غالب

انکسے چین ہی غم دل اُسکا دُٹاٹ نہ سہا | کیا بنے بات جہان بات بنائے نہ سہا
یعنی وہاں کیا بات ہے۔

یا معطوف مع حرف عطف کے محذوف ہو جیسے۔

ناسخ

اتواری چراغ پہلے باندھ ٹپی چشم سوزن پر | کسی کا درد ہوتا کسی کو کب زلزلے میں
یعنی پہلے چشم سوزن پر ٹپی باندھ بھڑٹانے لگا کیونکہ کسی کا درد زلزلے میں کسی کو کب ہوتا ہے

احسان رامپوری

اگھو من اللہ کے داغظ سے نہ ہو گور نہ دو | لیجا داس کو اٹھا کر مع منبر باہر
دوسرے مصرع کے بعد اور وہاں اُسکو مارو یا اسکی خبر نہ محذوف ہے۔

جرات

تلق مجھے دل مضطر کا مارے ڈالے ہے | جو بیار سے جھوٹ بکھتے ہو تم لو لاؤ ہاتھ
یعنی لاؤ ہاتھ اور دیکھ لو۔

مولوی محمد معین

یہ سنتے ہی چاندی کی انگوٹھی بھی گئی چل | اللہ ری طمع کی انگوٹھی تری چل بل
پہلے مصرع کے بعد یہ عبارت محذوف ہے اور سننے لگی۔

(۲) وہ محذوف پورا جملہ ہو بلکہ کبھی جملے سے بھی زیادہ حذف کر دیتے ہیں۔

سوال شرط و جزا اور معطوف بھی تو جملہ ہوتا ہے من پس بیان جملے سے کیا مراد ہے۔

اب بیان جملے سے ایسا کلام مراد ہے جو فائدہ پہونچانے میں مستقل ہو دوسرے کلام کا جز نہ ہو اور ظاہر
ہے کہ شرط و جزا کا مجموعہ فائدہ پہونچاتا ہے نہ ہر ایک علیحدہ علیحدہ ہی حال معطوف مع حرف عطف ہے۔
اور جملہ محذوف یا سبب ہوتا ہے سبب مذکور کا جیسے۔

ناسخ

اکہر بامین ہو کشتش آہن بامین خد سہا | دل بچے کیونکہ ہمارا دل رب کے سامنے

ہمان یہ جملہ محذوف ہے کیونکہ اس میں بھی دیکر باقی ہونا ضروری ہے پس یہ جملہ محذوف سبب ہے اس
جملے کا جو دوسرے مصرع میں مذکور ہے۔

غالب

وہ مہربان ہو تو انجمن کہیں انہی شکر وہ خشکین ہو تو گردون کے خدا کی پناہ

ان دونوں مصرعون میں سبب محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مہربان ہو تو ستارے خدا کا شکر ادا کریں کیونکہ اس سے ان کو برقی حاصل ہوگی اور اگر وہ ناراض ہو تو آسمان خدا سے پناہ مانگے کیونکہ اسکو اپنی تباہی کا اندیشہ ہوگا۔
یا سبب ہوتا ہے سبب مذکور کا جیسے۔

انشاء

دین و دنیا و نام و عسز و تمکین تسکین دل قناعت و صبر و یقین

خلقت کو اپنی قوت سے سب کچھ بخشا اللہ مگر ہم ترے بندے ہی نہیں

جو تھے مصرع کا سبب محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ تو تھے، مگر یہ چیزیں اس لیے نہیں بخشیں شاید ہم ترے بندے نہیں ہیں۔

ناسخ

پردانہ کا خون خمر پہ ثابت ہے دگر نہ اسٹی ہے کہاں خمر سرطور کی گردن

پہلا مصرع سبب ہے اور سبب اس کا محذوف یعنی پردانہ کا خون خمر پہ ثابت ہے اس لیے اس کا سر کٹتا ہے دگر نہ الخ۔

کبھی بغیر سبب اور سبب کے بھی جملے کو حذف کر دیتے ہیں۔

گلزار نسیم

کل آپ بھی جگے بیٹھے سیر وعدہ کرایا ہوں کہا خیر

یعنی کہا خیر ہم جلیں گے۔

غالب

ہر سنگ خشت ہے صدق گوہر شکست نقصان نہیں جنون جو سودا کر کے کوئی

یعنی ہر سنگ خشت دھوڑ کے دیوانہ کو مارتے ہیں (گو یا ایک صدق ہے جس سے گوہر شکست حاصل ہوتا ہے اس لیے جنون سے معاملہ کرنے میں نقصان نہیں)

میسر

ملنے کا وعدہ نہ سے تو انکے نکل گیا پوچھی جگہ جو میں نے کہا ہنس کے غائب میں

یعنی ہلکے کہا کہ ہم خواب میں ملیں گے۔

عبدالرحمن خان احسان

اکسی نے پوچھا کہ احسان غلام کی کس کا ابو نیہ لاکے بسم کو یہ کسا میسر

یعنی وہ میرا غلام ہے۔

حالی

تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ ریخ بیمار بھائیوں کا بٹاؤ

استفہام کے بعد ایک جملہ محذوف ہے یعنی تندرستی کا شکر یہ ہے کہ ریخ بیمار رانج۔

سودا

جب غم کروں گھر سے کوئے دوست کو یارو دشمن ہی مرادہ جو کہ یہ کہان کو

یعنی تم کہان کو جاتے ہو۔

دبیر

افزون ہونا کہ قلق تشدد ہانی اند کی طرف دیکھ کے فرمایا کہ پانی

یعنی تم بھگو پانی پلا دو۔

شیخ الہی بخش تبسم

اپنے میخوار کو یون و فن نکرے ساقی ہوا دھر قبر میں شیشہ نوا دھر جام شراب

یعنی اے ساقی تعارف طور پر جیسا کہ رواج ہے اپنے میخوار کو دفن نکر بلکہ یون و فن کر کے اسکی قبر میں ایک پہلو کو شراب کا شیشہ رکھا ہوا در دوسرے پہلو کو جام رکھا ہو پس در بلکہ یون و فن کر جملہ مبین محذوف ہے اور بیان اسکا دوسرا مصرع ہے۔

فطرت

جب کہا دل سے نہر خوار کہا تجھ کو کیا زلف میں مت ہو گرفتار کہا تجھ کو کیا

یعنی جب میں نے دل سے کہا زلف میں مت ہو گرفتار رانج۔

دو جملوں کے حذف کی مثال۔

غالب

گدا بچہ کے وہ چپ تھامری جو شامت آئی اٹھا اور اٹھکے قدم میں نے یا سب ان کیلئے

یعنی پہلے وہ گدا بچہ کے ناموش تھا لیکن میری جو شامت آئی تو میں اٹھا اور میں نے اٹھ کے قدم

پاسان کے لیے جس سے وہ مجھ کو جان گیا اور مجھے اپنے روبرو نہ رہنے دیا۔ کبھی شرط و شرط
 کے دونوں جملے مخدوف ہوتے ہیں جیسے میر حسین نسکین دہلوی کے قول میں سے
 اُس بزم میں آنا نہیں تو بہ کا ذرا پاس | ناصح تجھے ساتی لے دیا جام نہ ہو گا |
 یعنی اگر جام دیتا تو توبہ کا پاس نہ کرتا۔
 تکرار مفعول کے مقام پر بھی جملہ مخدوف ہوتا ہے جیسے پیاسا کہ پانی پانی پانی پانی پانی
 مجھے پانی دے۔

ساتی لے دے کہ اہل مجلس | پانی پانی پکا رے رن +

سودا

اس کو ہرگز نہیں حیا سے لگاؤ | جائے توبہ کے پلاؤ پلاؤ

ناصر

ساتیادے مجھے ستاب شراب | کہ کرتا ہوں میں شراب شراب

دلغ

ہم بادہ کشوں کا خاک سے بھی | آئے گی صدا سبوسو کی

اور محاورے میں روابط کا حذف ایچھا حلوم ہوتا ہے جیسے۔

میسر

سُرق دم آپ سے اُس کا نہوا | اے آبِ قرات خاک تیرے سر پہ

غالب

روئے سخن کسی کی طرف ہو تو رو سیاہ | سودا نہیں جنوں نہیں شست نہیں مجھے

مولوی محمد امجد علی

یہ تن و توش اور یہ رفتار | ایسی رفتار پر ہڈا کی مار

انیس

شہ نے کہا کہ بندہ میں راہین پدر شاہ | پچیلی ہوئی ہر چار طرف فوج ناچار

بیان الطناب

الطناب کبھی الضیاح کے ساتھ کہتے ہیں جو ابہام کے بعد واقع ہوتا ہے اور وہ اس واسطے
 ہوتا ہے کہ ایک معنی دو مختلف صورتوں میں بیان کیے جائیں یا اس واسطے ہوتا ہے کہ وہ معنی زبان

میں خوب چم چائیں یا تکمیل لذت کے واسطے ہوتا ہے جو ان معنوں سے حاصل ہوتی ہے اور یہاں
بہم کے بعد موضوع عطف کے ساتھ نہیں آتا۔

تیسرے

ہر چند سنا گیا ہے اس کو اردو کی زبان میں سخن گو
سنا یا گیا ہے اس کو بہم ہے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس زبان میں سنا گیا ہے اور اس کی تفسیر اردو کی
زبان میں کرتا ہے۔

چوتھے

اسی کا یہ فرض ہے عام کو نہامات کو اور اجرام کو
عام بہم تھا اس کی تفسیر نہامات اور اجرام کے کردی۔

پنجمے

طبیعت کو عموماً ایک نسب اضطراب
اضطراب بہم اور نگہ ہے دوسرے مصرع نے اس کی تفسیر کی ہے۔

ششویں یوسف زلیخا

سدا اس ماہ روستے کام سے تو بلنگ اور اسے ہر شام سے تو
کام سے بہم ہے اس لیے کہ نگہ ہے دوسرے مصرع نے اس کی تفسیر کی ہے۔

اٹھویں

یکل ادھر ت جو وہ اجل کا شکار تھا پیدل ہوا سوار ہو یہ دو وہ چار تھا

نہالی

مجھ سے جب کام چاہیے ہے جموٹ ہو یا فریب ہو یا زور
حسد و بغض و محبت و محبت و محبت

اور ایضاً بعد الابرہام کے قبیل سے توشیح بھی ہے توشیح شین مجرہ اور عین مہملہ سے لغت
میں ردی کو دھن کر لونی بنانے کے معنی میں ہے اور اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ ابتدا سے
کلام میں کئی چیزیں لفظ شنبہ یا جمع کے ساتھ بہم ذکر کریں پھر ان کی تفسیر کی جائے اور مفسرین سے
دوسری چیزیں پر موقوف ہو شال اس کی۔

دو چیزیں یادگار دوران قائم تیرا ستم اپنی جانفشانی

اول دو چیزوں کو بہم ذکر کیا پھر انکی تفسیر کر دی اور تیرا ستم کے بعد حرف عطف محذوف ہے۔

تمقدر

خدا جانے کہ کیا لذت ملی دونوں کو قتل میں اور میرت ہی بسمل کو اور دھڑکتے ہی قاتل کو

حسرت

دو شے کا لطف نہایت دو شے بہت کٹھن
دو شے ہوں مانع یکے دو شے نہوں مانع
طلب کے ساتھ قناعت طمع کے ساتھ انکار
بلا کو جو دو سخا سیل کو دو دو وار

محمد عبدالودود واحد

یہ دونوں جا ملے اس خاک رہ بین
ہو اب فیصلہ دل کا جگر کا

مضطر خیر آبادی

قتل میں تیرے فوائد سوچ کھے ہیں لگی
غیر کی تسکین میری شوق تیرا امتحان

میر حسن

گئے دیکھتے ہی سب آپس میں مل
نظر سے نظر جی سے جی دل سے دل

کبھی اطناب عام کے ذکر کے بعد خاص کے ذکر سے پیدا ہوتا ہے اور خاص کو عطف کے ساتھ ذکر کرتے ہیں نہ بطریق بدل یا وصف کے اور اس سے غرض اسکی مزیت کا جتنا ہوتا ہے کیونکہ باوجود اس بات کے کہ وہ ماقبل میں داخل ہوتا ہے پھر بھی اسکو علاحدہ ذکر کرتے ہیں تو اس میں اسکی مزیت کی طرف تنبیہ ہوتی ہے گو وہ اسکی جنس سے نکلتا ہے اور ایک مغائر چیز سمجھا جاتا ہے اور اسکا تغائر وصفی ذاتی مان لیا جاتا ہے کیونکہ جب وہ چیز عام کی تمام افراد سے اپنے اچھے یا بُرے اوصاف کی وجہ سے ممتاز ہوتی ہے تو اسکو ایک علیحدہ شے عام کے مغائر قرار دے لیا جاتا ہے اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ وہ عام اس خاص کو شامل نہیں ہے پس خاص کا حکم عام سے معلوم نہیں ہو سکتا ہے اور اس قدر تغائر کی بنا پر اس خاص کا عطف عام پر صحیح ہوتا ہے۔

لمشی

گر تیراں ہوے ترک و سالار ترک
ہوئی سرد گرمی بازار ترک

سودا

زبان پر اسکی گذرے حرف جس جاگہ شفاعت کے
کرے دان نا نام زرش بہر اک فاسق و فانی

اسی قبیل سے ہے وہ جو مولوی سید مہدی علی خان نے آیات بینات میں صحابہ کی نسبت لکھا ہے کہ جس طرح اہل سنت اُنکو تمام امت سے مرتبے میں اعلیٰ اور افضل اور ایمان اور اسلام میں سب سے بہتر اور کامل جانتے ہیں اسی طرح شیخہ و خوارج اُنکو سب سے بدتر اور خراب حتیٰ کہ کافر اور مرتد کہتے ہیں سب سے بدتر اور خراب عام ہے کافر اور مرتد اس سے خاص ہیں اور کافر ملہم ہو مرتد اُن سے خاص ہے حتیٰ جب عطف ہے جو عطف کے ساتھ انہما کے معنی بھی دیتا ہے اور ترتیب ہمت کا فائدہ بھی بخشتا ہے مگر اس میں ہمت بہ نسبت پھر کے کم ہے پس حتی بحسب معنی کے پس در پھر میں توسط ہے اور حتی کا معطوف جز ہوتا ہے معطوف علیہ کا یا جزئی مثل ہوتا ہے حکم سابق میں داخل ہونے میں۔
 کبھی اُطباب تکرار سے حاصل ہوتا ہے اور یہ تکرار کسی نکتے کے لیے ہوتی ہے اگر نکتے کے لیے نہ ہو تو وہ اُطباب نہیں تطویل ہے اور نکتہ عامہ یہ ہے کہ اس سے فائدہ تاکید کا لکنا ہی شلّا۔

افوق

اِبرائی میں ہماری نہ اگر اینا بھلا سمجھے بُرا سمجھے بُرا سمجھے بُرا سمجھے
 بُرا سمجھے کی تکرار کے یہاں ڈرانے کی تاکید کا فائدہ بخشتا ہے بُرا سمجھے جب کئی بار کہنا نواسبات کی زبردتہدید ہو گئی کہ اِبرائی میں اینا بھلا سمجھنا خطا ہے ایسا نہ سمجھنا چاہیے۔

ولہ

ند کو رتری بزم میں کس کل نہیں آتا پر ذکر ہمارا نہیں آتا نہیں آتا

مومن

اے جاؤ گا کبھی جنت میں مین نہ جاؤ گا اگر نہ دے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

ہری شکر برق

آئینہ تمہارے رو برد ہے بیج بیج کہو کون خوبرد ہے

شایان

چمک کر جدھر تیج برقی جلی ابل نے پکا راجلی میں جلی

انشا

دو چار سن کے تیرے سخن ہم کڑے کڑے اُسٹھے ہیں کوئی در پہ ترے جب آڑے
 جو رُخزان سے آہ جو اتان بلغ و ہر اوراقِ نشتر کی طرح جو جھڑے جھڑے
 انشا و راے عرش کا رتبہ ہے اسطرح ہیں اب خیال در بھی ہم کو بڑے بڑے

افسانہ

ایدل سدا اس شمع پر پروانہ ہو پروانہ ہو
 ایدل اگر منظور ہے یاں آشنائی عشق کی
 اس نوبہار حسن کا دیوانہ ہو دیوانہ ہو
 ہر آشتائے عشق سے بگادہ ہو بگادہ ہو
 دل میں رہ دلیں کہ مہار قضا سے اب تک میرا
 ایسا بطوع مکان کوئی بنایا نہ گیا

غلام اکبر مسلم

تو اور آپ کا یہ شاخو ان نہیں نہیں
 جلد سے حرم کو تھوڑے سب رقی و برق
 رہنے کو ریزہ بیکل بتان نہیں نہیں
 اس بات میں نکر دل نادان نہیں نہیں
 کیا دخل ترغیم میں رہے نہ میں جان غلط
 میں اور ترک عشق بھلا کچھ بھی ربط ہے
 حاشا غلط غلط غلط لے سر بان غلط
 ای مہربان غلط غلط ای قہر دان غلط

جرات

اشب کسی کا کل کی حکایات ہر واقعہ
 عالم ہے جوانی کا جوا بھرا ہوا سینہ
 کیا بات ہو کیا بات ہو کیا بات ہو
 کیا گات ہو کیا گات ہو کیا گات ہو
 کیا بات ہو کیا بات ہو کیا بات ہو
 جرات کی غزل جسے سننے آئے کہا وہ
 کبھی کثرت مقصود ہوتی ہے جیسے۔

رند

ایک دوساؤ کر گئے نشہ کیا
 خم کے خم پتیار ہوں میں ساقیا

ایس

محرابین کو کہ عصیان میرے
 دیا دریا گر ہے رحمت تیری

میر

آنظم کہ کھینچے الم بد الم
 جو سوسر کی ہوا زباؤں نہ میں
 ترحم کہ مت کرستم بدستم
 عطا پر عطا ہے کرم بر کرم
 کئی بار آنا ادھر لطف سے
 کبھی نڈر سے تعیم نکلتی ہے جیسے۔

مرزا محمد رضا خان برق

وہ جو گلشن میں ترا عقد کیسہ ہو جائے
 غنچہ غنچہ کرہ نافہ آہو ہو جائے

سودا

برگ برگ چمن ایسی ہی صفا رکھتا ہے گل کو دیکھے تو نگہ جائے ہی منسل پہ منسل

ملولفہ

مانند دے مار نہ آیا کوئی نظر گل گل پہ عنایہ پھری گو چمن چمن

کبھی اظناب لیاں کے ساتھ ہوتا ہی نعت میں اقبال اسے کہتے ہیں کہ درد دور شہرون میں۔
جلا جانا اور اصطلاح میں خواہ نظم ہو یا شراں کو ایسے نظر پر کسی نکتے کی وجہ سے خم کرین کہ اصل منے
بغیر اس کے تمام ہوتے ہوں جیسے۔

میر

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب رہتے تھے منتخب ہی جہان روزگار کے

اسکو فلک نے ٹوٹ کے ویران کر دیا ہم رہنے والے میں اسی جڑے دیار کے

جو تھے مصرع کے آخر میں اُجڑے دیار کا لفظ ایسا ہے کہ منے بغیر اس کے تمام ہو سکتے ہیں کیونکہ میر
مصرع نے اس مطلب کو بخوبی ادا کر دیا ہے مگر یہاں اس کو اس لیے ذکر کیا کہ سامعین کی ہمدردی
اس کی طرف مبذول ہو جائے۔

نمشی

مرے ملک سے خصم کو دور کر الم سے چھڑا مجھ کو سرور کر

سرور کر بیان مخاطب کو کام پر آمادہ کرنے کی تاکید کا فائدہ بخشتا ہے۔

حالی

اجتا ہے نقطہ مرجع میں التوار کو گھنٹا سکر اور اذان کو بجتے ہیں روز برابر

یہاں برابر اس بات کی تاکید کا فائدہ بخشتا ہے کہ سکر اور اذان کا گونجنا کسی روز تاغہ نہیں ہوتا۔

سودا

ہجو کی ہے اُن کی تولے آج تکسور جون بھی جن سے مر نہیں سکتی ہی چٹ

رنگین

صبح کو صیتا دئے آتے ہی بس جال کو یانی میں پھینکا کر ہوس

کبھی اظناب تذیل کے ساتھ ہوتا ہے تذیل نعت میں ایک چیز کو دوسری چیز کا دامن
بنانے کے لئے میں ہے اور اصطلاح میں یہ ہے کہ ایک جملے کے بعد دوسرا جملہ بیان کرین اور

دوسرے جملے کے معنی قریب قریب پہلے جملے کے معنوں کے ہوں یعنی جو مقصود پہلے جملے سے ہوا اسی کا اقلہ
 دوسرا جملہ کرتا ہوا اور یہ مراد نہیں کہ جو معنی پہلے جملے کے ہوں وہی بعینہ دوسرے جملے کے بھی ہوں
 ورنہ یہ تکرار ہو جائے گی اور یہ بھی جملے کی تقویت کرتا ہے اور اس دوسرے جملے کے لیے محل اعراب سے
 نہیں ہوتا اس میں اور ایغال میں یہ فرق ہے کہ یہ عام ہے اور ایغال خاص ختم کلام میں ہوتا ہے
 اور تذکیل ہر جگہ ہوتا ہے اور ایغال کے لیے یہ ضرور نہیں کہ جملہ ہی ہو یا تاکیدی کے لیے ہوا
 تذکیل کے لیے یہ دونوں باتیں ضرور ہیں اور یہ کئی قسم ہے۔
 ایک یہ کہ دوسرا جملہ مراد کا فائدہ پہنچانے میں مستقل نہ ہو بلکہ اپنے ماقبل پر موقوف ہو
 میر کے اس مصرع میں۔

شیوہ ہی سمجھوں گا یہی سب کا طور ہے

جو مضمون پہلے جملے کا ہے وہی دوسرے کا ہو مگر دوسرا جملہ یعنی یہی سب کا طور ہی اپنے ماقبل سے
 تعلق رکھتا ہے کیونکہ جس شیوے اور طور کا شاعر نے پہلے جملے میں حال بیان کیا ہو اسی کا ذکر دوسرے
 جملے میں بھی منظور ہے پس دوسرا جملہ فائدہ پہنچانے میں مستقل ہوا اسی قبیل سے ہے۔

ناسخ

اس سے ہے زندگانی ابدان اس سے ہے نفع صحت انسان
 پہلے نفع میں جس بات کا بیان ہو اسی خاص بات کا بیان دوسرے جملے میں بھی ہو اور وہ ہوا ہے۔

محمد باقر

انفت آنکی ہے اصل مایہ سود انفت آنکی ہے اصل ہر ہبود
 اگرچہ دوسرے جملے کے معنی پہلے جملے کے قریب قریب ہیں اور جو مطلب پہلا جملہ رکھتا ہو وہی
 دوسرا بھی مگر فائدہ پہنچانے میں دوسرا جملہ پہلے جملے پر موقوف ہے کیونکہ تنہا اس سے یہ نہیں معلوم
 ہو سکتا کہ کس کی انفت ہر ہبود کی اصل ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ جملہ ثانی سے حکم کلی مقصود ہو اور ماقبل اپنے سے مفصل ہو بلکہ استقلال
 میں رکنا قائم مقام ہو غلطی کی نے شرح الخیص المتعاجل میں لکھا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔
 (الف) جملہ اول و ثانی مواد الفاظ میں متفق ہوں یعنی جملہ اول کے معنی کو جس مادے کے ساتھ
 بیان کیا جائے اسی مادے کے ساتھ جملہ ثانی کے مضمون کو بھی بیان کو بن جیسے۔

مولوی عبدالحکیم

اے خدا تو خالق و رزاق ہے | اے خدا تو رازق و خلاق ہے

جو مضمون جملہ اول یعنی مصرع اول کا دوسری جملہ دوم یعنی مصرع دوم کا اور دونوں جملوں کے مادے کے الفاظ متحد ہونے میں شریک ہیں اور نسبت میں بھی تعلق ہیں کیونکہ دونوں جملے اسمیہ ہیں۔
(ب) جملہ ثانی سے صرف جملہ اول کے مفہوم کی تاکید ہوتی ہو یعنی دونوں جملوں کے متعلق
مستند ایک مادے میں شریک نہ ہوں جیسے۔

شایان

یہی بھیج سے اسکا ہر دم سخن | بنا بھکڑوہ چہ بنا بھکڑون

جو مضموم پہلے جملے بنا بھکڑوہ کا ہے وہی مضمون دوسرے جملے بنا بھکڑون کا ہے مگر
دونوں جملوں کے اطراف مادے میں شریک نہیں یا وجودیکہ صورت دونوں جملوں کی ایک ہی کیونکہ
دونوں فعلیہ ہیں اسی قبیل سے امثلہ ذیل ہیں۔

بہار دانش

فلک بے رضا اسکی کب پھر کے | اجازت اسی کی ہونب پھر کے

ناسخ

جو رطوبات و خلط فاسد ہیں | جتنے فضلات و خلط فاسد ہیں

کبھی اطناب تکمیل کے ساتھ ہوتا ہے اور اسکو حتراس بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کلام
میں خلاف مقصود کا بیجہ ہو اس کے ساتھ ایسی چیز لائی جائے جو اس بیجہ دفع کرتی ہے پس یہ چیز
تکمیل کہلاتی ہے اس میں اور تذلیل میں یہ فرق ہے کہ تذلیل میں تین باتوں کی قید ہے ایک جملہ ہونا
پہلے سے دوسرے کلام کے آخر میں ہو تیسرے نسبت کے بیجہ کو دفع کرے اور تکمیل ان چیزوں میں
سے کسی کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتی اور تکمیل کی تین قسمیں ہیں۔

ایک وسط کلام میں ہو جیسے۔

ملشی

ہوا ہم پہ بارے حسد امربان | کہ بھیجا بجاہ و ششم تجکو یان :

بجاہ و ششم مفعول معہ ہے جو تجکو کی کہ مفعول بہ ہے مشارکت و مصاحبت کے لیے آیا ہے چونکہ
بھیجا جانانیت کی حالت میں بھی ہو سکتا ہے اور یہ مقصود کے خلاف تھا اس لیے اس دہم کے دفع کرنے

کے لیے بجاء دھسم لایا۔

مثنوی لوسف زلنجا

میں ہوں مصنوع اُس صانع کلبے عیب کہ کتے ہیں جسے سب شاہد غیب

یہاں یہ دیکھ ہوتا تھا کہ شاید صانع کا مصنوع عیب دار ہوا سیلے بے عیب کہ اس توہم کو دور کر دیا

نسیم

آبا لون پہ خدا ہوا شہنشاہ

الایا بصداقتیاز ہرا ۵۴

بصداقتیاز مقصود بالتمثیل ہے۔

ناسخ

جسم حیوان سے ہوتے ہیں تحلیل اسب بدرج پاتے ہیں تبدیل

مقصود بالتمثیل بدرج ہے۔

دوسرے اول کلام میں ہوتی ہے جیسے۔

منشی

ملا دون کا بھکونہ خون و خاک

بنامردی آخر تو ہوگا ہلاک

بنامردی ضمیر مخاطب کا مفعول معہ ہی یہاں دشمن کو اپنی مردی کے ساتھ ہلاک ہونیکا توہم ہو سکتا تھا اسیلے بنامردی کا لفظ لا کر اُسکے اُس دھم کو دفع کر دیا۔

غلام سرور

کشتی جو ہوئی غرق تھی سالم نکل آئی

ویسی ہی بکلم شہ عالم نکل آئی

یہاں یہ توہم ہو سکتا تھا کہ شاید غرق شدہ کشتی ویسی ہی نہ نکلی ہو بلکہ کسی قسم کا تغیر و تبدیل اُس میں آگیا ہو اسیلے ویسی ہی کا لفظ لا کر اس توہم کو دفع کر دیا اور سالم بھی اسی دائرے کے لیے ہے مگر وسط کلام میں واقع ہوا ہے۔

منشی

نہ پہونچا اُسے کچھ خرز زنبہار

سلامت وہ کلا بھرا بھام کار

یسرے آخر کلام میں ہوتی ہے جیسے۔

منشی

خدا سے کیا عذاب استوار

کہ بھگور کھون جاودان بادقار

پہلے جملے میں استوار اس توہم کے دفع کرنے کے لیے ہے کہ شاید عہد ناپاؤں کیا ہوا درود سر سے
جملے میں یہ توہم ہوتا تھا کہ شاید بے وفائی کے ساتھ رکھنا چاہتا ہو اس لیے باوقار کا لفظ اس
دہم کے دفع کرنے کے لیے لایا۔

ولم

زنان شہستان گشتاب شاہ ہوین قید یک سر بجال تباہ

مقصود بالتمثیل بجال تباہ ہے۔

پیش

ادیا ہاتھ میں ایلمی کے شتاب کہا جا جواب اس کا لا با صواب

مقصود بالتمثیل با صواب ہے۔

نسیم

اکا فوری جل اٹھی سراپا اٹھڑی ہوئیں تھا جھین جلاپا

مقصود بالتمثیل سراپا ہے۔

کبھی اٹھڑی بٹیم کے ساتھ ہوتا ہے اور تھیم یہ ہے کہ کلام میں ایک فضل یعنی مفعول
یا حال یا مجرور ایسا لاوین جو خلاف مقصود کا شہ نہ رکھتا ہو اور اس سے مبالغہ مقصود ہوتا
ہے مثلاً کہتے ہیں کہ ٹمن نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے کانوں سے سنا ہے اور اپنے
ہاتھ سے لکھا ہے الفاظ اپنی آنکھوں سے اور کانوں سے اور ہاتھ سے تھیم کہ بے ذکر کیے گئے
ہیں اور ان سے دیکھنے اور سننے اور لکھنے میں مبالغہ منظور ہے۔

حالی

لک روئے گئے ہیں بیرون سے چین کس کو ملا ہے بیرون سے

لفظ بیرون سے تھیم کے واسطے مذکور ہوا ہے اور ان سب مثالوں میں فضل مجرور واقع ہوا ہے۔

سوز

جو سناہو کان سے دیکھا ہے آنکھ سے اچھا ہی رہو تو لب اظہار دیکھنا

دبیر

بجاری کا وقت ہے اکبر خدا گواہ اناں ہنگی گھر میں بابہ بیان زخہ سیاہ

افند گھر میں تھیم کیلئے مذکور ہے اور اس سے مان کے صاحب پر وہ عصمت ہونے میں مبالغہ

مقصود ہے۔

منیر

خدا فرزند با اقبال بخشے میرے آقا کو
کرے فرمانِ روائی سارے عالم کی حکومت کا
لفظ حکومت سے تنیم کے لیے اور فرمانِ روائی میں مبالغہ مقصود ہے۔

ہوس

ابر عینم عشقِ دلیر سے
ریزان رہیں اشکِ چشمِ تر سے
چشمِ ز تنیم کیے ہی۔

پیش

سلا یاد میں اُس کی مرغِ سحر
ہر شاخ و ہر نخل پر تنیم کے لیے ہی اور یہ مجرور ہے۔

یگا پک ایسا ہی عالم ہوا کہ عقل کے
الشا اٹھاڑے پر پونگے گویا اتر پڑے جھٹ پٹ
جھٹ پٹ حال ہو۔ ناع کے شعر کے پہلے مصرع میں زیر یا بھی تنیم کیے ہی۔

باغ میں روندے بہت پھولوں کے خرمنِ برباد
ابھی اپنے شہیدِ دن کے بھی بدفنِ زیرِ پا
اسی قبیل سے ہی آتش کے شعر میں تر از دین۔

بوسہ خال کے سودا گین ہوا ہوں یہ زائد
تو لیے مجھ کو تر از دین تو ہو تل بھاری

فقیر

ہم غیر ہو گئے وہ تمھارے ہوئے میں دست
اسر گوشتی تم جو کرتے ہو غیروں کے کان میں

کان میں تنیم کے لیے ہی اس لیے کہ سرگوشتی کے خود کسی کے کان میں آہستہ بات کہنے کے معنی میں
کبھی اطنابِ اغراض کے ساتھ کرتے ہیں اور عرض یہ ہو کہ کلام کے درمیان میں یا

ایسے دو کلاموں میں جو سنوسی طور پر باہم اتصال رکھتے ہوں مثلاً دوسرا جملہ پہلے جملے کا بیان یا تاکید

یا سلوک ہو ایک جملہ یا جملے سے زیادہ لا دین جسکو اعراب سے محل نہ وارد نہ پہلے جملے سے خلاف مقصود کا

شبہہ دفع کرنے کے لیے ہو اور کلام سے مراد نقطہ مستدالیہ و مستند کا مجموعہ نہیں بلکہ تمام وہ چیزیں بھی مراد

ہیں جو مستدالیہ و مستند تعلق رکھتی ہوں جیسے فضلات اور توابع اور یہ جملہ مغرضہ کسی طرح کے فائدہ

کے لیے ہوتا ہے۔

(۱) تنزیہ کا فائدہ بخشا ہے جیسے۔

منہ

یہ بات تو ہے مسلم دلیل کیا لاؤں
مرا گواہ ہے حق لا آتہ الا اللہ

کہ مدح آپکی ہے از قبیل استہباب
انہیں ہے کوئی طمع بھٹکے غیر کسب ثواب

لا آتہ الا اللہ بیان تنزیہ کے لیے واقع ہے۔
(۳) تعجب کے لیے آتا ہے۔

گویا

وقت فوج منہ کو پھیر کر تکیہ کرتا ہے
عدو قاتل ہے کیا اللہ اکبر اپنے بل کا

دلہ

جسے یہ ذبح کرتے ہیں نہیں پھر دیکھنے لگتا
اللہ اکبر تعجب کے وقت یا عظمت کے مقام پر پڑتے ہیں اور بیان مقام تعجب کا ہے۔
(۴) دعا کے واسطے آتا ہے۔

شیخ نبی بخش حقیر

میں نور نظر گبر و مسلمان ہو تم
چشم بد دور ہو قدرت یزدان ہو تم
میں نور نظر گبر و مسلمان ہو معطوف علیہ ہو اور تم قدرت یزدان ہو معطوف اور چشم بد دوران
میں جملہ معترضہ ہو دعا کے لیے جو مستند اور مستدالیہ کے درمیان واقع ہوا ہے۔
انہیں معلوم اک مدت کا قصد حال کچھ وہاں کا
یادش بخیر جملہ معترضہ دعا کے لیے ہے۔

میں

داغ ہو تا بان علیہ الرحمۃ کا چھاتی بہ میر
ہو نجات اسکو بچارہ اسے بھی تھا آشنا
علیہ الرحمۃ جملہ معترضہ ہو دعا کے لیے۔

ناسخ

ناسخ ہے میر سلمہ اللہ کی زمین
اک معنی شگفتہ کو بانہ ہا ہزار رنگ
(۵) تعظیم کے لیے آتا ہے جیسے ملاہب الاسلام کے اشعار۔

محمد کہ اکفت سے جنہر مدام
خدا بھیجتا ہے درود و سلام
کوئی اُن سے رُبے بین بڑھکر نہیں
خدا کی مین ایسا پیمبر حسین

محمد کے بعد درود و سلام تک جملہ معترضہ تعظیم کے لیے واقع ہوا ہے۔
(۵) مدح و تحسین یا خدمت و نظریں کے لیے جیسے۔

منیر

قواب دولہ زینت ایوان سروری
مصرف جشن عیش ہو وہ آسمان شگوا
ہے جس کے اتفاقات سے نشوونما ہے
ہوتا ہے گرد پھر کے تصدیق ہمارے عید
دوسرا مصرع جملہ معترضہ ہے تعریف کے لیے۔

ولہ

حضرت کلب علی خان خسرو خورشید جان
جلوہ فرما جشن میں ہو آج و کیوان جناب
فرش پا انداز ہے جن کا رداسے صبح عید
کیون نہ بزم پاک میں آنکھیں بچھاسے صبح عید
دوسرا مصرع جملہ معترضہ مدح کے لیے ہو کیونکہ پہلا مصرع مبتدا ہے اور تیسرا مصرع اسکی خبر ہے۔

میر تقی

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
اسکو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
رہتے تھے منتخب ہی جہان روزگار کے
ہم رہنے والے میں اشیاء بڑے دیکر کے
دلی کے بعد دوسرے مصرع کے آخر تک جملہ معترضہ ہے مدح و صفت کے لیے۔

امیر مینائی

نعت مولائین کے شعرے تو لے میر
صل علی تعریف کے لیے ہو۔
واہ کیا صل علی حسن طبیعت پایا

ولہ

کیا یہ بکاتا ہی مستون کو تجھے ہوش بھی ہے
تجھے ہوش بھی ہے کا جملہ خدمت کے لیے ہے۔
جو عطا پاشا ہی واعظ وہ خطا پوش بھی ہے
(۶) مخاطب کو تنبیہ کے لیے یعنی غفلت و بے پروائی پر آگاہ کرنے کے واسطے ہوتا ہے۔

غالب

ڈرنا ملک زار سے میر خدا کو مان
خدا کو مان جملہ معترضہ تنبیہ کے لیے ہو کیونکہ بیان مخاطب محبوب ہو اسے تہدید نہیں کی جاتی۔
آخر نواسے مرغ گرفتار بھی نہیں

(۷) تہدید کے لیے جیسے۔

مومن

اہم نکالینگے سن اے موج ہوا بل تیرا اسکی زلفونکے اگر بال پریشان ہوئے
مقصود بالتمثیل سن ہے۔

امیر

آخاب میں آگے دے ہوئے سکرانوں کے خبر کو نہ خبردار خبر ہو کے دو

خبردار تہدید کے لیے ہے۔

(۸) تقویت اور تشدید کلام کے لیے ہوتا ہے جیسے۔

حالی

اب دعا یہ ہے اے شفیع امم بسکہ بیتاب ہے دل رنجور
جاگے تیرے در پہ کشتی عمر جب کروں بحر زندگی سے عبور

ای شفیع امم مناد ہے اور دوسرا شعرو اب ندان میں مصرع دوم جملہ متعرضہ ہے تقویت کلام کیلئے
(۹) اظہار حسرت و افسوس کیلئے جیسے۔

ذوق

عدو آیا ہے بنکر نامہ بر لکھا نصیبون کا کرنگے لیکے کیا خط مدعی سے مدعا سمجھے

مقصود بالتمثیل لکھا نصیبون کا ہے۔

دوسرا شہر علم بیان میں

علم بیان ایسے قاعدوں کا نام ہے کہ اگر کوئی اُن کو جانے اور یاد رکھے تو ایک معنی کو
کئی طریق سے عبارات مختلفہ میں ادا کر سکتا ہے جن میں سے بعض طریق کی دلالت معنی بعض
طریق سے زیادہ واضح ہوتی ہے پس اگر کوئی شخص بعض معانی ایسے مختلف طریقوں میں ادا کرے
کہ اُن میں وضوح دلالت کا اختلاف نہ ہو بلکہ صرف الفاظ کا اختلاف ہو اس طرح کہ الفاظ مترادف
میں معنی کو ادا کرے جیسے کہ زید کریم ہے اور زید سخی ہے یا زید بہادر ہے اور زید جبری ہے
تو یہ بیان کے قبیل سے نہوگا اور موضوع (سبکٹ) اُس علم کا لفظ ہے معنی مقصود و دلالت
کی حیثیت سے دوسری عبارت موضوع اسکا ایسی عبارت ہے جس میں وضوح اور غیر وضوح

دلالت کا تفاوت جاری ہو سکے اور غرض اسکی یہ ہے کہ دلالت عقلی کے ساتھ فائدہ دینے
 نکلہ حاصل ہو جائے اور دلالت عقلی کے مدلولات کو سمجھنے اور غایت اسکی یہ ہے کہ ذہن ایک
 معنی کو متعدد طریقوں کے ساتھ ادا کر کے میں خطا کرنے سے محفوظ رہے اور بعض مبادی اسکی عقلی
 یقین جیسے دلالت کی قسمیں اور تشبیہیں اور علاقے اور بعض وجدانی فذقی ہیں جیسے تشبیہوں کی
 وجہیں اور شعارون کی قسمیں اور انکی خوبی کی کیفیت۔

علمائے علم بیان میں وضوح دلالت کو اسلیئے اختیار کیا ہے کہ اسکی بحث دلالت عقلی یعنی تفسیری
 اور التزامی پر موقوف ہے اور یہ دلالت خفی ہے خاصکر جبکہ لزوم عادت اور طبع کے مطابق
 ہو پس ان دونوں کی تعبیر ایسے لفظوں کے ساتھ کرنا واجب ہو جو زیادہ واضح ہوں نظر اسکی یہ ہے کہ
 جب کوئی شے نہایت باریک ہو تو قوت باصرہ اسکی دیکھنے کے واسطے تیز روشنی کی محتاج ہوتی
 ہے اور جبکہ موٹی چیز ہوتی ہے تو تیز روشنی کی ضرورت نہیں یہی حال رویت عقلیہ
 یعنی فہم قادر اک میں ہے حاصل کلام یہ ہے کہ علم بیان میں جو معانی معتبر ہیں جیسے
 اشعارہ اور کنایہ ان کا دقیق ہونا چاہیے اور ساتھ ہی اسکی جو لفظان معانی پر دلالت کرتا ہو
 وہ دلالت کر کے میں واضح ہو۔

دلالت اصطلاح میں کسی چیز کے ایسی حالت پر ہونے کو کہتے ہیں کہ اگر اس چیز کو جان لین
 تو اس سے دوسری چیز کا جاننا لازم آجائے چنانچہ دھوان ایسی حالت پر ہو کہ اسکی معلوم ہونے سے
 یہ معلوم ہو جاتا ہو کہ وہاں آگ ہے پس دھوان آگ پر دلالت کرتا ہے اور جو دلالت کرے اسکو
 دال کہتے ہیں یعنی دلالت کر کے دالا اور جس پر دلالت کر کے اسکو مدلول بولتے ہیں یعنی دلالت
 کیا گیا۔ چنانچہ دھوان دال ہے اور آگ مدلول اور دلالت کر کے دالا اگر لفظ ہو تو اس دلالت کو
دلالت لفظی کہتے ہیں اور اگر سوائے لفظ کے کوئی اور شے ہو تو اس دلالت کو **دلالت**
غیر لفظی کہتے ہیں جیسے رقم لفظوں پر اور منار فرسنگ پر اور دھوان آگ پر دلالت کرتا ہے
 ان کی دلالت غیر لفظی ہے کیونکہ یہ سب چیزیں لفظ نہیں ہیں اور دلالت لفظی تین قسم پر ہے۔
 ایک قسم یہ کہ اس لفظ کو جس شے پر دلالت کر کے واسطے واضع نے وضع کیا ہے وہ لفظ
 شے پر دلالت کرے مثلاً شیر کہ مقابل جانور زندہ مشہور کے اصل میں بنایا گیا ہے اور اسی جانور پر
 دلالت کرے اس دلالت کو **دلالت وضعی** کہتے ہیں اسلیئے کہ اس میں وضع کو دخل ہے۔
 دوسرے یہ کہ طبیعت کے چاہنے سے وہ لفظ سزا ہو جیسے بیاہ آہ آہ کہ اس لفظ سے

معلوم ہوتا ہے کہ اس کے در وہ پس طبیعت بولنے والے کی درد کے وقت خواہ مخواہ تقاضا کرتی ہو
یہ لفظ زبان سے نکلی جائے اس دلالت کو دلالت طبعی کہتے ہیں کیونکہ اس لفظ کے بولنے میں
طبیعت کے چاہنے کو دخل ہے۔

تیسرے یہ کہ نہ واضح نہ اُس کے پر دلالت کے واسطے وضع کیا ہوا اور نہ بولنے
والے کی طبیعت کے تقاضے سے زبان سے نکلا ہو بلکہ جس وقت وہ لفظ بولا جائے تو عقل اُس سے
کوئی شے سمجھے مثلاً کوئی شخص دیوار کے نیچے کھڑا ہوا لفظ دیر کلمہ اور اُس سے معلوم ہو کہ دیوار
کے نیچے کوئی شخص ہوتا ہے پس دیر نے فقط بولنے والے کے وجود پر دلالت کی اس دلالت کو
دلالت عقلی کہتے ہیں کیونکہ اس میں عقل کو دخل ہے علوم میں زیادہ تر دلالت لفظیہ و شعبیہ
کام آتی ہے کیونکہ طبیعت اور فہم مختلف ہوتے ہیں اس سبب سے دلالت طبعیہ اور عقلیہ منضبط نہیں دین
اور نہ کہنے کوئی مقصد ہندہ متعلق ہر اب معلوم کرو کہ دلالت وضعیہ لفظیہ کی تعریف یہ ہے کہ وہ سمجھنا معنی کا ہر لفظ
سے جس وقت بولا جائے اور یہ سمجھنا نسبت ایسے شخص کے ہر جو اُس لفظ کے اُس شے کے یہ وضع ہونے پر گاہ ہو
کیونکہ اگر گاہ ہوگا تو اس کے نزدیک وہ معنی مجہول ہوں گے اور یہ دلالت تین طرح پر ہے۔

(۱) یہ ہے کہ لفظ جس شے کے مقابل میں وضع ہوا ہے اُس تمام شے پر دلالت کرتا ہے
جیسے انسان جب کہے بولنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ مراد بولنے والے کی فقط حیوان ہے بلکہ سمجھا جائے
مراد اُس کی وہ شے ہے جس میں حیوان ہونا اور ناطق ہونا جمع ہو اس دلالت کو دلالت مخاطبہ
کہتے ہیں اس لیے کہ لفظ اور معنی مطابق ہیں۔

(۲) یہ کہ اُس شے کے ایک جز پر دلالت کرے مثلاً انسان سے حیوان کے معنی سمجھے جائیں اسکو
دلالت تضمنی کہتے ہیں اس لیے کہ جز کے ضمن میں جس کے واسطے وہ لفظ بنایا گیا ہے اور یہ بھی کہتے ہیں
کہ ایک معنی کسی شے کا جز ہوں اور کسی دوسرے شے کے جز کا جز ہوں مثلاً جسم حیوان کا جز تر اور
حیوان انسان کا جز ہے پس جسم انسان کے جز کا جز ہے۔

(۳) لفظ ایسے معنی پر دلالت کرے کہ نہ وہ اُس معنی کے واسطے بنایا گیا ہو اور نہ وہ معنی اُس
لفظ کے سارے معنی کا ٹکڑا ہوں بلکہ یہ معنی اُسکو خارج سے لازم ہو گئے ہوں مثلاً انسان کا دلالت کرنا
میتے والے یا لکھنے والے پر کیونکہ ہنسنا اور لکھنا انسان کی ذات میں داخل نہیں بلکہ خارج سے ایک امر
اُسکو لازم ہو گیا ہے اس دلالت کو دلالت تراوی کہتے ہیں سبب لازم ہونا اس امر خارج سے کہ پھر
اگر کوئی کسی شے کے سبب سے اس کی دلالت نہ کرے اور اگر لازم کسی شے سے تو دلالت

اسکی واضح نہوگی۔

یہ اصطلاح علمائے منطق کی ہے اور علمائے بیان کی اصطلاح میں مطابقتی کو وضعیہ کہتے ہیں اس لیے کہ واضح کے اس لفظ کو اس تمام معنی پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا ہے پس یہ دلالت وضع کی طرف منسوب ہے اور دلالت تضمنی و التزامی کو عقلیہ کہتے ہیں تضمنی کو اس لیے کہ عقل اس بات پر حکم کرتی ہے کہ جب کل ذہن میں حاصل ہو جاتا ہے تو جز بھی ذہن میں حاصل ہو جاتا ہے اور التزامی کو اس لیے کہ عقل اس بات پر بھی حکم کرتی ہے کہ جب وہ شے جس کو کوئی اور شے لازم ہو ذہن میں حاصل ہو جاتی ہے تو وہ شے لازم بھی ذہن میں حاصل ہو جاتی ہے دونوں اصطلاحوں میں فرق یہ ہے کہ منطقیوں کے نزدیک وضعیہ اور عقلیہ دونوں قسمیں مطلق دلالت کی ہیں اور یہ تینوں قسمیں جو علمائے بیان کی اصطلاح کے موافق ہیں وضعیہ میں داخل ہیں اور علمائے بیان کی تقسیم کے موافق وضعیہ اور عقلیہ ایک دوسرے کے مقابل ہیں لیکن مطلق دلالت کی قسمیں نہیں ہیں۔

یہ ٹکڑا معلوم ہو چکا کہ دلالت التزامی میں لازم ایک امر خارجی ہوتا ہے اور دلالت تضمنی میں لازم کل جز ہوتا ہے جس طرح لوازم کو ملزوم کے ساتھ دلالت التزامی میں لزوم ہے اسی طرح جز کو کل کے ساتھ دلالت تضمنی میں لزوم ہے اور لزوم بعض مقولوں پر دونوں طرف سے ہوتا ہے جیسے امام اور محنت کی لزوم کا امام جب کہیں کہ مقتدی موجود ہو گئے اور مقتدی جب کہیں گے کہ امام موجود ہو کیونکہ اگر امام نہ ہو تو کسے جیسے کھڑے ہونے والے کو مقتدی کہیں گے اور اگر مقتدی نہ ہوں تو کسے آگے بڑھنے والے امام کہا جائے گا اور بعض جگہ ایک طرف سے لزوم ہوتا ہے جیسے علم اور زندگی میں ایک طرف سے لزوم ہے علم کو زندگی لازم ہے جس جگہ علم ہو گا زندگی ضرور ہوگی کیونکہ علم بے زندگی کے نہیں ہوتا افاقہ زندگی کو علم لازم نہیں کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو زندہ ہو اسکو علم بھی ہو دلالت التزامی میں لزوم ذہنی شرط ہے اور لزوم ذہنی اسے کہتے ہیں کہ معنی خارجی اس طور پر ہوں کہ جو وقت لفظ کے معنی موضوع لذہن میں آئیں تو وہ معنی بھی جو اس معنی موضوع سے خارج ہیں ذہن میں حاصل ہو جائیں اور یہ حاصل ہونا دو حال سے خالی نہیں اس طرح کہ اگر لازم و ملزوم میں واسطہ ہوگا تو ملزوم کے ساتھ لازم توڑا حاصل ہو جائے گا اور جو واسطے ہو گئے تو ان میں غور و تامل کے بعد حاصل ہوگا مثلاً جو وقت انسان کے معنی موضوع ہے کہ حیوان ناطق ہیں ذہن میں آتے ہیں تو یہ بھی ذہن میں آ جاتا ہے کہ یہ سننے والا ہے پس ہنسنا انسان کے لیے لازم ذہنی ہے لزوم ذہنی سے علمائے بیان ہی مراد لیتے ہیں اور

منطقین کے نزدیک لزوم ذہنی یہ ہے کہ مسئلے کے تعقل سے مدلول التزامی کا تعقل ذہن میں سے کسی طرح جدا نہ ہو سکے اور یہ معنی علماء بیان کے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ اس صورت میں ہمیں بھاننا دکنایات کے معانی مدلولات التزامیہ میں سے نکالنا پڑے گا۔

اب معلوم کرو کہ ایک معنی کو کئی مختلف طریقوں پر دلالت عقلی کے ساتھ ادا نہیں کر سکتے کیونکہ اس دلالت میں الفاظ ایک ہی طور پر دلالت کرتے ہیں کمی بیشی متصور نہیں اور یہ امر بھی جہہ ہے کہ سننے والا یہ جانتا ہو کہ یہ الفاظ ان معنی کے واسطے بنائے گئے ہیں اور یہ اگر نہ جانتا ہوگا تو وہ الفاظ دلالت ہی نہیں کرینگے کیونکہ الفاظ کے معنی کا سمجھنا وضع الفاظ کے جاننے پر موقوف ہے مثلاً جب ہم کہیں کہ اس کے رخسار سیب کی طرح ہیں پس اگر سننے والا رخسار اور سیب اور طرح کے معانی جانتا ہوگا اور ہیئت ترکیب کو بھی سمجھتا ہوگا یعنی اسے یہ معلوم ہوگا کہ اس عبارت کا مفاد رخسار اور سیب کے درمیان مشابہت کا ثابت کرنا ہے تو ممکن نہیں کہ کوئی اور کلام اس معنی میں بشرطیکہ دلالت وضعی رکھتا ہو بہ نسبت کلام مذکور کے واضح ہونے میں کم و زیادہ ہو کیونکہ جسوقت ان الفاظ کی جگہ دوسرے الفاظ لائے جائیں گے جو ان کے مرادف ہونگے تو سننے والا اگر ان مرادفات کی وضع سے واقف ہوگا تو معنی کے سمجھنے میں اس کے نزدیک کوئی تفاوت نہ ہوگا بلکہ کلام ثانی سے وہی معنی سمجھے گا کہ جو کلام اول سے سمجھتا ہے اور اگر اس بات کو نہ جانتا ہوگا تو یہ سننے والا سمجھ بھی وہی معانی رکھتے ہیں جو پہلے الفاظ رکھتے تھے تو کچھ بھی نہ سمجھے گا اور دونوں صورتوں میں زیادہ ظاہر ہونے اور کم ظاہر ہونے کے اعتبار سے تفاوت نہ ہوگا خلاصہ کلام یہ ہے کہ دلالت وضعی کے ساتھ ایک معنی کا مختلف طریقوں میں ادا کرنا ممکن نہیں ہے اور دلالت عقلی کے ساتھ ممکن ہے کیونکہ جائز ہے کہ لزوم کے مراتب ظہور میں مختلف ہوں مثلاً ممکن ہے کہ دلالت تضمنی میں کل کے لیے اجزاء کا لزوم مختلف مراتب رکھتا ہو چنانچہ حیوان اور جسم اور ہر یہ تینوں انسان کے جز ہیں لیکن ان میں سے بعض بعض کے ذریعہ سے انسان کا جز ہے اور بعض غیر ذریعہ کے پس جو غیر ذریعہ کے جز ہوگا اس کا لزوم واضح ہوگا اور جو بذریعہ دوسرے کے جز ہوگا اس کا لزوم نسبت اس کے خفی ہوگا اسی طرح دلالت التزامی میں لزوم کے لوازم کا لزوم مختلف مراتب رکھتا ہے اس طرح بعض کے لزوم کی دلالت بہت ظاہر ہو اور بعض کے لزوم کی دلالت کم ظاہر ہو مثلاً وصف سخاوت کے لیے کئی لوازم ہیں جن میں

بعض کی دلالت سخاوت پر زیادہ واضح ہے اور بعض کی دلالت اُس پر کم واضح ہے چنانچہ کہیں زید کے یہاں مہمان آتے ہیں یا زید کے باورچی خانے سے راکھ زیادہ نکلتی ہے یا زید کے یہاں گھی اور دوسری کھانے کی چیزیں زیادہ خرچ ہوتی ہیں یا زید رضائیان بہت تقسیم کرتا ہے یا زید کے مہمان اُسکی بڑی تعریف کرتے ہیں یا زید نے راستوں میں بہت سے کنوئیں اور مسجدیں بنوائی ہیں پس ان میں بعض لوازم کی دلالت سخاوت پر واضح ہے اور بعض کی خفی ہے۔

مراتب و ضوح کا اختلاف دلالت التزامی میں ظاہر ہوا اس لیے کہ جائز ہے کہ ایک شے کے لیے ایسے متعدد لوازم موجود ہوں جن میں سے بعض لوازم بسبب کم ہونے واسطوں کے اُس شے سے قریب ہوں اور بعض بسبب زیادہ ہونے واسطوں کے اس سے بعید ہوں پس جس میں واسطے کم ہوں گے وہ زیادہ واضح ہوگا اور جس میں واسطے زیادہ ہوں گے وہ اُسکی بہ نسبت کم واضح ہوگا جیسے سخاوت کے لیے لوازم مختلف ہیں مثلاً کما جائے کہ زید بڑا مہمان نواز ہے یا اُسکے یہاں باورچی خانے میں ایندھن زیادہ جلتا ہے یا اُسکے باورچی خانے سے راکھ زیادہ نکلتی ہے ان لوازم میں سے مہمان نوازی ایسا لازم ہے کہ سخاوت کی طرف اُس سے ذہن جلدی انتقال کرتا ہے بخلاف اُسکے کہ باورچی خانے میں لکڑیوں کے زیادہ جلنے سے ذہن کا انتقال سخاوت کی طرف جلد نہیں ہو سکتا کیونکہ اول میں واسطہ نہیں ہے اور باورچی خانے میں زیادہ لکڑیاں جلنے سے جتنی جلدی سخاوت کی طرف انتقال ہوتا ہے اتنی جلدی باورچی خانے سے راکھ زیادہ نکلنے سے سخاوت کی طرف انتقال نہیں ہو سکتا کیونکہ سخاوت میں اور باورچی خانے میں زیادہ لکڑیاں جلنے میں دو واسطے ہیں اور سخاوت میں اور باورچی خانے میں زیادہ راکھ ہونے میں تین واسطے ہیں کیونکہ بہت لکڑیوں کا جلنا بہت کھانا پکینے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بہت کھانا پلٹنا مہمانوں کی کثرت پر دلالت کرتا ہے اور مہمانوں کی کثرت سخاوت پر دلالت کرتی ہے اور باورچی خانے سے بہت سا راکھ کا نکلنا موقوف ہے زیادہ لکڑیوں کے جلنے پر اور زیادہ لکڑیوں کا جلنا بہت کھانا پکینے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بہت کھانا پلٹنا مہمانوں کی کثرت کے سبب سے ہوتا ہے اسی طرح جائز ہے کہ لازم ایک ہو اور لزوم بہت سے ہوں پس اُس لازم کا لزوم بعض لزوم کے ساتھ بہت واضح ہو اور بعض کے ساتھ کم واضح ہو جیسے گرمی سورج اور حرکت کو لازم ہے اور ظاہر بہت کہ گرمی کا لزوم آندھ کے ساتھ بہت ظاہر ہے اور بہ نسبت اُسکے سورج کے ساتھ کم ظاہر ہے اسی طرح زیادہ سورج کے ساتھ زیادہ گرمی ہے اور حرکت کے ساتھ زیادہ گرمی ہے۔

اور دلالت ضمنی میں اختلاف مراتب لزوم کا ظہور و خفا میں ظاہر نہیں رہتا بلکہ بیان کی طرف متعلق ہے کیونکہ جائز ہے کہ ایک معنی ایک شے کا جز ہوں اور دوسری شے کے جز ہوں پس اس شے کی دلالت ان معنی پر جو اس کا جز ہیں بہت ظاہر ہوگی اور ان معنی پر اس کی دلالت زیادہ واضح نہ ہوگی جو اس کے جز کا جز ہیں چنانچہ حیوان کی دلالت جسم پر زیادہ واضح ہے نسبت انسان کی دلالت کے جسم پر کیونکہ جسم حیوان کا جز ہے اور حیوان انسان کا جز ہے پس جسم میں اور حیوان میں واسطہ نہیں رہتا اور انسان اور جسم میں واسطہ ہے اور وہ حیوان ہے اسی طرح دیوار کی دلالت مٹی پر جتنی واضح ہے اتنی مکان کی دلالت مٹی پر واضح نہیں۔

اس مقام پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ جز اپنے کل سے پہلے سمجھ میں آتا ہے چنانچہ انسان سے اول جسم مفہوم ہوتا ہے پھر حیوان پھر حیوان ناطق جو اب اس کا یہ ہے کہ اس قول کی صداقت میں شبہ نہیں مگر بیان مراد ہے کہ ذہن اول جز کی طرف انتقال کرتا ہے اور علیحدہ ملاحظہ اس کا کل کے سمجھنے کے بعد کرتا ہے پس جب آدمی کوئی لفظ سنتا ہے اور اس کی وضع سے واقف ہوتا ہے اور موضوع لہ کے تمام اجزا کو سمجھتا ہے تو اول وہ بر سبیل خیال کے لفظ کے معنی موضوع کو سمجھتا ہے پھر اس کا ذہن اس معنی کے جز کی طرف بشرطیکہ جز ہوا انتقال کرتا ہے اور اگر اس جز کے لیے بھی جز ہو تو پھر جداگانہ اس کی طرف انتقال کرتا ہے پس اس تقریر سے ثابت ہے کہ ہمارا وہ قول صحیح ہے کہ لفظ کل کی دلالت جز پر نہایت واضح ہے اور اس کی دلالت اپنے جز کے جز پر کم ظاہر ہے کیونکہ جز کا جز ہے مجھا جاتا ہے اور جز پہلے سمجھ میں آتا ہے اس تمام بحث سے یہ بات ثبوت کو پہنچ گئی کہ علم بیان میں معنی کے لوازم کو اعتبار کرتے ہیں لفظ جس معنی کے واسطے بنایا گیا ہو اگر اس سے وہی معنی مراد ہوں تو اس کو حقیقت کہتے ہیں اور اگر وہ معنی مراد ہوں بلکہ ایک ایسے معنی مراد ہوں جو معنی موضوع لہ کو لازم ہوں پس اگر وہان کوئی قرینہ اس بات پر قائم ہو کہ بیان معنی موضوع لہ مراد نہیں ہیں تو اس لفظ کو مجاز کہتے ہیں اور اگر معنی موضوع لہ کا بھی ارادہ جائز ہو تو اسے کنایہ کہتے ہیں اور مجاز کو کنایہ کے ساتھ وہ نسبت ہے جو مفرد کو مرکب کے ساتھ ہوتی ہے کیونکہ مجاز میں ارادہ لازم کا عدم ارادہ لزوم کے ساتھ شرط ہے اور کنایہ میں دونوں کا ارادہ معتبر ہے پس مجاز مثل جز کے ہے اور کنایہ مثل کل کے کیونکہ مجاز میں صرف لازم مراد ہوتا ہے اور کنایہ میں دونوں کا مقصود ہونا جائز ہے اور ہر جز اپنے کل پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے علم بیان میں مجاز کو کنایہ سے پہلے بیان کرتے ہیں دربار میں معنی حقیقی اور معنی مجازی کے درمیان اعلیٰ کا ہونا ضروری ہے پس اگر دونوں میں تشبیہ کا ملکہ ہو تو ایسے جز کو مستحق تسمیہ ہیں اور اگر تشبیہ

ہوا کوئی دوسرا علاقہ ہی تو اسے مجاز مرسل بولتے ہیں اس بیان سے واضح ہوا کہ تشبیہ مقدمہ ہے
 استعارے کا جو مجاز کی ایک قسم ہے۔ علم بیان کا مقصد اصلی صرف دو چیز ہیں جن مجاز اور کنایہ مگر
 استعارے کے سمجھنے کے لیے تشبیہ کا سمجھنا ضرور ہوا اور اسکو تمام اقسام مجاز سے اسلئے پہلے بیان
 کرتے ہیں کہ مجاز کی ایک قسم تشبیہ پر موقوف ہے اور چونکہ مجاز مرسل کو استعارے کے ساتھ اتصال
 حاصل ہے اسلئے اسکو اور استعارے کو مشترک ایک باب کے قرار دیکر تشبیہ کو مجاز مرسل سے بھی پہلے
 لاتے ہیں اور تشبیہ کو کنایہ پر اسلئے مقدم کرتے ہیں کہ خود مجاز کو کنایہ پر تقدیم حاصل ہو اور چونکہ
 تشبیہ میں بہت سی فائدے کی باتیں ہیں اور اس کے مباحث کثیر ہو گئے ہیں اسلئے اسکی بحث کو
 استعارے کا مقدمہ نہیں بناتے بلکہ علم بیان میں ایک علیحدہ مقصد ٹھہراتے ہیں۔ اور یہ بھی کہہ سکتے
 ہیں کہ تشبیہ بھی علم بیان کا ایک مستقل مقصد ہے استعارے کا مقدمہ نہیں کیونکہ دلالت کے بہت
 ظاہر ہونے اور کم ظاہر ہونے کا اختلاف اس میں بھی موجود ہے پس یہ بھی علم بیان کا مقصد اصلی
 ہے اور علم بیان کے بعض مقاصد اس پر موقوف بھی ہیں لیکن اس میں کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ بعض مقاصد
 بعض دوسرے مقاصد پر موقوف ہونا اس بات کو چاہی نہیں کرنا کہ توقف علیہ فن کا مقدمہ بن جائے۔ اور حقیقت
 وہ مجاز دونوں چار چار قسم پر ہیں حقیقت لغوی حقیقت شرعی حقیقت عرفی خاص حقیقت عرفی
 عام یعنی کوئی لفظ اگر لغت میں کسی معنی کے واسطے وضع کیا گیا ہو تو اسکو حقیقت لغوی کہتے ہیں
 اور اگر شرع میں وضع کیا گیا ہو تو اسکو حقیقت شرعی کہتے ہیں اور اگر کسی خاص فرقے کی اصطلاح
 میں وضع کیا گیا ہے جیسے نحوی یا عرفی یا منطقی وغیرہ تو اسکو حقیقت عرفی خاص
 اور حقیقت اصطلاحی کہتے ہیں اور اگر کسی خاص فرقے کی اصطلاح میں وضع نہیں کیا گیا
 بلکہ عام اشخاص اس لفظ سے وہ معنی سمجھتے ہیں اسکو حقیقت عرفی عام کہتے ہیں اسی طرح مجاز
 کی قسمیں ہیں یعنی اگر لفظ لغت کی اصطلاح میں موضوع تھا ایک معنی کے لیے اور اسکو استعمال
 کیا کسی اور معنی میں تو وہ مجاز لغوی ہے اور اگر شروع کی اصطلاح میں موضوع تھا ایک معنی کے لیے
 اور اسی اصطلاح میں استعمال کیا گیا کسی اور معنی میں تو وہ مجاز شرعی ہے اور اگر اصطلاح خاص
 میں کسی معنی کے واسطے موضوع تھا اور اسی اصطلاح میں اس کے غیر میں مستعمل ہوا تو وہ مجاز عرفی خاص
 ہے اور اگر عام کی اصطلاح میں موضوع تھا کسی اور معنی کے واسطے اور اسی اصطلاح میں مستعمل ہوا
 اور معنی میں تو وہ مجاز عرفی عام ہے اسکی مثال یہ ہے کہ شیر مست میں جانور درندہ مشہور کے واسطے
 بنا یا گیا ہے اسی معنی میں استعمال کرنے کو حقیقت لغوی کہتے ہیں اور مرد بہادر کے معنی میں

استعمال کرنے کو مجاز لغوی اور لفظ صلوة شرع کی اصطلاح میں نماز کے واسطے موضوع ہو اور لغت میں دعا کے معنی میں آیا ہو شرع کی اصطلاح میں نماز کے معنی میں استعمال کرنا حقیقت شرعی ہے اور اسی اصطلاح میں دعا کے معنی میں مجاز شرعی اور لفظ فعل علم نحو میں اس لفظ خاص کے لیے موضوع ہو جو مستند ہونے کی صلاحیت رکھے اور معنی مستقل پر دلالت کرے اور علاوہ معنی مصدر کے جو اسکے جوہر میں تین زمانوں سے کوئی زمانہ اسکے ساتھ پایا جائے اور لغت میں لفظ فعل کے معنی کرتا ہیں پس نحو کی اصطلاح میں لفظ خاص کے معنی میں حقیقت عرفی خاص ہو اور اسی اصطلاح میں کرنے کے معنی میں مجاز عرفی خاص اور لفظ تعزیه عام کے نزدیک تابوت حضرت امام حسین کے معنی میں ہی چنانچہ ۔

مومنوزیر زمین تخریبے دنائے ہین | آج دنیا سے حسین بن علی جاتے ہین

پس اس معنی میں حقیقت عرفی عام ہے اور اسی اصطلاح میں ماتم پرسی کرنے کے معنی میں مجاز عرفی عام آزدانی جو منسوب ہو ارزان کی طرف حقیقی معنی اسکے ارزندہ کے ہین یعنی لائق ہونے والا لیکن یہ معنی متروک ہو کر مجاز عرفی عام میں نریخ اشیا کی گرانی کی ضد میں استعمال ہونے لگا۔ مجاز شرعی اگرچہ مجاز عرفی خاص میں داخل ہو مگر شرع کی تعظیم اور شرف کی وجہ سے اسکو جداگانہ قسم قرار دیا ہے۔

حقیقت و مجاز در اصل الفاظ کے عوارض میں سے ہین کبھی معنی اور استعمال کو بھی حقیقت و مجاز کے ساتھ متصف کر دیتے ہین چنانچہ کہنے ہین کہہ معنی حقیقت ہین اور وہ مجاز ہین اور یہ استعمال حقیقت ہے اور وہ استعمال مجاز ہے۔

علمائے اس بات میں اختلاف کیا ہو کہ جو لفظ معنی مجازی میں مستعمل ہو اسکے لیے معنی حقیقی میں مستعمل ہونا شرط ہو یا نہیں مذہب تحقیق یہ ہو کہ یہ امر شرط نہیں۔ اور حقیقت و مجاز جس طرح مفرد ہین جاری ہونے میں جملے میں بھی جاری ہونے میں اور اس سے بحث علم معانی میں کرتے ہین جس طرح مفرد کے حقیقت و مجاز سے علم بیان میں بحث ہوتی ہے اور مجاز کا یہ حکم کہ جس چیز میں اسکو استعمال کریں وہ ثابت ہو خواہ عام ہو یا خاص اور مجاز کے عام ہونے سے یہ مراد نہیں ہو کہ ایک لفظ سے تمام علاقے جو مجاز و حقیقت میں ہونا چاہئیں سمجھے جاتے ہین بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایک قسم کے علاقے کی تمام فردون کو عام ہوتا ہے جو لفظ جس معنی کے لیے بنایا جاتا ہے اس سے وہ معنی ساقط نہیں ہونے اور معنی حقیقی کی نفی اس چیز سے جس پر وہ صادق آئے ہون نہیں ہوتی اور غالب کے قول میں ہے

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آسان ہونا آدمی کو بھی میر نہیں انسان ہونا

بشر سے جو بشریت کی نفی ہے اس سے غرض مخیر ہے یعنی انسان کو لائق اور اچھا ہونا بشر نہیں
یعنی حقیقی کی نفی مقصود نہیں اسی قبیل سے ہے برق کا شکر ہے

سگ اصحاب ہوا صحبت انسان کے بشر آدمی ہو کے بھی انسان تو انسان ہوا

بجلاف معنی مجازی کے کہ وہ اپنے مصداق پر مصداق بھی آتے ہیں اور اس سے متغی بھی ہو جاتے
ہیں چنانچہ باپ کو باپ کہتے ہیں اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ وہ باپ نہیں ہے برخلاف دادا کے کہ سگو
باپ کہہ سکتے ہیں مگر یہ بھی کہنا صحیح ہے کہ وہ باپ نہیں ہے اسی طرح اس جانور درندہ کو جو لفظ
شیر کا موضوع نہ ہے شیر کہنا صحیح ہے اور اس نام کی اس سے نفی نہیں ہو سکتی یعنی یہ نہیں کہہ سکتے
کہ وہ شیر نہیں ہے بخلاف ہمارے آدمی کے کہ اس کو مجازاً شیر کہتے ہیں اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ
وہ شیر نہیں ہے۔

علم بیان کا مدار ان چار چیزوں پر ہے۔ تشبیہ۔ استعارہ۔ مجاز مرسل۔ اور کنایہ۔ ان میں سے ہم
ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ ایک باب میں بیان کرتے ہیں۔

پہلا باب غ تشبیہ کے بیان میں

تشبیہ لغت میں دلالت ہے اس بات پر کہ ایک شے دوسری شے کے ساتھ ایک معنی میں شریک ہے
اور علم بیان کی اصطلاح میں تشبیہ سے مراد دلالت ہے دو چیزوں کی جو آپس میں جڑا جڑا ہوں
ایک ملے میں شریک ہونے پر اس طرح کہ بطور استعارہ سے کہے نہ ہو اور نہ بطور تخرید
کے ہو تجسس یہ کہ علم بدیع میں آتا ہے اور تشبیہ کے بیان میں پانچ چیزوں
سے بحث ہوتی ہے (۱) مشبہ اور مشبہ ان کو طرفین تشبیہ کہتے ہیں (۲) وجہ تشبیہ
(۳) غرض تشبیہ (۴) ادات تشبیہ۔ یہ چاروں تشبیہ کے ارکان کہلاتے ہیں (۵)
اقسام تشبیہ۔ اور یہ پانچوں چیزیں ہم پانچ جنون میں بیان کرتے ہیں۔ اور تشبیہ کے قوت و
ضعف کے حال کو علو و جہت میں ذکر کریں گے۔

پہلا چمن طرفین تشبیہ کے بیان میں

طرفین تشبیہ دو چیزیں ہیں ایک مشبہ وہ جسکو تشبیہ دی جائے دوسرے مشبہ وہ ہے

جس سے کسی چیز کو تشبیہ دین اور مشبہ سے اس صفت میں زیادہ ہو جسکی وجہ سے تشبیہ دی جائے
اور یہ زیادتی خواہ از روئے حقیقت کے ہو خواہ از روئے ادعا کے اور اگر ایسا نہ ہو بلکہ وہ صفت دونوں
میں برابر ہو تو تشبیہ صحیح نہوگی کیونکہ تشبیہ میں ایک کی زیادتی اور ایک کے نقصان کا قصد ہوتا ہے
اور جہاں دونوں کی مساوات کا قصد ہو تو اسکو تشابہ کہتے ہیں یعنی یہ اس کے مشابہ ہے اور
وہ اس کے مثلاً۔

سودا

دشمن بد دوست بد و نیک زمانے کے بیچ حکم رکھتے ہیں ترے پیش کرم چاروں ایک
تشبیہ دشمن کی بد سے اور دوست کی نیک سے منظور نہیں بلکہ دونوں چیزوں میں مساوات
منظور ہے۔

ولہ

انوری سعدی و خاقانی و مداح ترا رتبہ شعر دشمن میں ہیں ہم چاروں ایک
ان چاروں شعرا میں سے کسی ایک کی در سے کے ساتھ تشبیہ منظور نہیں بلکہ مساوات مقصود ہے

ولہ

سنبھل دلف سیہ کامل شب چاروں ایک اغزہ و ناز واد جنبش لب چاروں ایک

کویا

گھر تیرا ہے جنت کے گلستان کے برابر
ہے ایک ترا آئینہ بر واد سکندر
قطرہ جو کبھی ابر کف جو دے ٹپکے
اکدم میں جسے چاہے فلک پر تو چڑھاوے
گر خرم بخشش سے کرے دانہ عطا تو
چادش ہیں در واد سے پر خوان کے برابر
دارا ترے دروازے کے دربان کے برابر
رتبے میں ہو وہ گوہر غلطان کے برابر
ذرتے کو کرے مہر درخشان کے برابر
ہر مور کے میں ہوں سلیمان کے برابر

التش

یہ خوش اسلوب جیم اس نوجوان کا ہے کہ چونا میں
برابر نکلے ڈورا اس مکر کا امد گردانی کا

خضر

نہ گیسوے عرق افشان میں اور حجاب میں فرق
نہ فرق یک سر و مشک و بوسے کامل میں
نہ تاب رخ میں ترے اور آفتاب میں فرق
نہ کچھ پسینے میں عارض کے اور گلاب میں فرق

نہ کچھ شراب دنگہ میں تری کمی بیشی ۶ نہ تیزی چشم میں اور ساغر شراب میں فرق

ولہ

نہ خون دل میں مرے اور ہے شراب میں فرق نہ میرے اشک میں اور تار جنگ میں دوئی
نہ داغ سینہ میں اور آفتاب میں دوئی نہ دودل میں مرے اور کچھ سحاب میں فرق
نہ کچھ ہویا پارے میں اور دل کے غطراب میں فرق

نشاہ میں عکس بھیج ہوتا ہے یعنی مشبہ بہ کو مشبہ بنا سکتے ہیں جیسے۔

ولع

حسن آئینہ عشق ہو عشق آئینہ حسن میں تجھ کو نظر آؤں مجھے تو نظر آوے
مقصود بالتمثیل پہلا مصرع ہے۔

ظفر

خاک کو سند کخواب بچتے ہیں فیر اور وہ جانتے ہیں سند کخواب کو خاک

نصرت

جیون کو دشت دشت کو جیون بنائیں ۷ گردن کو ارض ارض کو گردن بنائیں یہ

یار محمد خان شہوت

سر کو دے زلف معتبر ہو گیا گھر مجھے صحرا ہو چکا مجھے گھر ہو گیا

صفیر

سحر بر آئے اگر بھان تہی کی صورت پر کہوتر کو کرے پر کو کہوتر گیسو ۶

مولوی محمد امین

حقیقت میں ہر کی دھڑکی کمان جہان ڈرہ ہے اور ڈرہ جہان

ذوق

نیت نیک تری آئینہ حسن عمل غسل خیر ترا جلوہ حسن نیت

امیر

زندہ ہے مردہ مردے زندہ ہو چکے حشر بر یا کر چکی رفتاریار

پس جہان وجہ شبہ میں مشابہہ و مشبہ یہ دونوں کا لفظ ہے مقصود ہوا در یہ مقصد نہ تو کہ ایک عالم

اردو سرائی قصہ عام ہے اس سے کہ زیادتی اور کمی پانی جائے یا نہ پانی جائے تو بہتر یہ ہے کہ وہاں تشبیہ کو ترک کر دیں کیونکہ تشبیہ میں ایک کی زیادتی اور ایک کے نقصان کا قصد ہوتا ہے پس اس شعر میں۔

حالی

آن کی عزت تمھاری عزت ہے | انکی ذلت تمھاری ذلت ہے
ایک کی عزت کی دوسرے کی عزت کے ساتھ اور ایک کی ذلت کی دوسرے کی ذلت کے ساتھ
تشبیہ مقصود نہو گی کیونکہ دونوں کا برابر ہونا مطلوب ہے۔
مشبہ اور مشبہ بہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) حسّی جسے حواس ظاہری سے دریافت کر سکیں اور حواس خمسہ ظاہرہ پانچ ہیں۔ بصر۔
شم۔ ذوق۔ ادب۔

(۲) عقلی جسے حواس ظاہرہ سے معلوم نہ کر سکیں پس یا مشبہ اور مشبہ بہ دونوں ایک ہی ہونگے
یا مختلف یہاں مختصر طور پر مثال ہر ایک کی لکھی جاتی ہے۔
مثال مشبہ اور مشبہ بہ حسّی متعلق یہاں صرہ کی بنا دیتا ہے۔

بڑھ چلا رخ سے یہ انکے خطِ خضر کیسا | بڑھاؤں سے قرآن سے ماہر کیسا

صبا

لوگ کہنے لگے کندن میں چڑھا ہے مینا | سبزہ خط سے وہ خوش رنگ ترا گال ہوا

قصیدہ سین خان

سرو ساق تو گل سے رخسارے | شانے بازو بھرے بھرے سارے

صفدر کی

انکے اپنی کسی کے نمدندان سے لڑی ہے | جوا شک سلسل ہی سو موتی کی لڑی ہے

ناسخ

یقین یار میں کی خط نے رسائی پیدا | پادہ یوسف میں خضر بہر تماشا اُترا

آجانت

دیکھنا پستان پہ زلفون کو توجہ بھی کے | دودھ پینے کے لیے بیٹھا ہے جوڑا سانپ کا

مثال مشبہ اور مشبہ بہ حسّی متعلق یہاں صرہ کی بنا دیتا ہے۔

نوبت ہے صدائے قمریان کی | تیار ہی ہے باغ میں اذان کی

وزیر

نالہ مرغ سحر ہوگی صریر خامہ | لکھنی عراب صفت در بنائوش بچھا

سودا

بکبل خوش نغمہ ہون یک اس گلستان میں جان | نالہ مرغ چمن سے کم نہیں فریاد زارغ

مومن

وم مصاف ترے دشمنوں کے لشکر میں | صدائے نوحہ دشمنوں پر شور و غلغلہ کوس

عالم

پڑ ہوں میں شکوے یوں راگ سے جیسے باجا | اک زرا چھڑے پیر دیکھے کیا ہوتا ہے

مثال مشبہ اور مشبہ بہ حسی متعلق تمامہ علی کہتا ہے۔

علی بھڑی یہ عطر بہشت شیشے میں | تصور عرق روست یا رول میں ہے

یار کے عرق کی بو کو عطر بہشت کی بو سے تشبیہ دی ہے۔

گویا

کمون میں کیوں نہ گل اندام ان حسینوں کو | گلاب کی سی کچھ آتی ہے بو پسینے میں

حسینوں کے پسینے کی بو کو گلاب کی بو سے تشبیہ دی ہے۔

لکھا یا میں کے جوش لب لعل پر شکن میں باقمہ قوری تسمیم شک لگی گلشن ختن میں ہاتھ

زلف کو شک کے ساتھ تشبیہ باعتبار خوشبو کے دی ہے۔

برق

عطر گلاب شیشے میں رکھا ہے کھینچ کر | دل میں خیال ہے عرق روست یار کا

حرف

گرے جو اس لب سگون قطرہ دریا میں | شراب کی سی جابلوئے ہوا بلغم میں ہو

دل پر شستہ کی اس طرح بو ہے سینے میں | کہ جیسے سوختہ دانے کی ہوا تلخ میں ہو

مثال مشبہ اور مشبہ بہ حسی متعلق ذائقہ سودا کہتا ہے۔

ٹوٹے تری نگہ سے اگر دل حباب کا

پانی بھی پھر پیرین تو مزہ دے شراب کا

ایک دفعہ
اول جو
دیکھ کر
ان کی
لغات
بہت
نورانی
ہیں

پانی کے مزے کو شراب کے مزے سے تشبیہ دی ہے۔

مومن

بھوٹی شراب اپنی مجھے مرے دم تو دے یہ آب تلخ شربت قند و نبات ہے

ذوق

بدل گئی ہے حلاوت سے تلخی دارد شراب تلخ بھی ہے میگشون کو شکر و شیر

شایان

مین کیون منت کش پر مغان ہوں نہ آب تلخ کو کیون زہر بھون

مثال مشبہ اور مشبہ بہ حسی متعلق لامسہ فلق کتا ہے۔

پیٹ نرمی سے صورت تھل صاف مانند تختہ صندل

پیٹ کو نرمی مین تھل سے تشبیہ دی ہے اور صفائی مین تختہ صندل سے۔

عبرت

کہوں کیا جلد کی اس کے صفائی ہو جیسے دودھ پر ہلکی ملائی

پیٹ کو ملائمت مین ملائی کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔

حلق

دل ہے جیسا سخت مین بیسی ہی تھیر جھاتیان کیا کرنگی جز جفا یہ اور ہمیر جھاتیان

بکھر

آسیا سی مین چکیا اور تھیر جھاتیان مونگ چھاتی پرد لینگی یہ تنگ چھاتیان

پستان کو بکھلی مین دل اور پھر سے تشبیہ دی ہے۔

ذوق

یہ خار و شست بھی نرمی مین خواب تھل ہے ہر ایک تار گنگ بھی ہے تار حریر

میر

جس کھن پا کو برگ گل ہے خار مین ہے خار سے وہ ہوئے نگار

مثال مشبہ اور مشبہ بہ عقلی کی۔

حالی

دہ دہ جب غمش مین ہمارے اہلبا نکھتے آہن میں کو بیاورے سیما

بتانے میں ہر جمل جسکے بہت سا | جسے غیب کی طرح کرتے ہیں خفا

علم طب کو عیب کے تشبیہ دی ہے اور ان دونوں کے معلوم کرنے میں جو اس کو دخل نہیں بلکہ عقل سے معلوم ہوتے ہیں اور علم طب سے مراد وہ ملکہ ہے جسکی وجہ سے آدمی اُسکے جزئیات کے ادراک پر قادر ہو جاتا ہے اور ملکہ سے مراد ایک حالت بسیط ہے جو کسی فن کی فراغت سے حاصل ہو جاتی ہے اور جس شخص کو جس فن کا ملکہ حاصل ہوتا ہے جب اُسکے سامنے اُس فن کے جزئیات آتے ہیں تو اُن جزئیات کے احکام کو بخوبی ادراک کر سکتا ہے۔

ست مرد یک دیدہ میں بکھوئے نگاہیں | ہین جمع سوید سے دل خیم میں آہیں

نگاہ مشہ اور آہ مشہ بہ اور یہ دونوں عقلی ہیں۔

فشی جگنا تھ نظر

انطق سے میرے ہر طبع سامعہ عاشق مزاج | شوخیان مکھون میں ہین زحینا کی طرح

شوخیان مشہ اور نازحینان مشہ بہ اور یہ دونوں عقلی ہیں۔
مولوی محمد اسماعیل نے لکھا ہے جب انسان نے اپنے عیب کو کچھ لیا تو گویا مرض کو بالیا اور جب مرض کو بالیا تو پھر علاج کرنا چندان دشوار نہیں۔

عیب کو مرض سے تشبیہ دی ہے اور دونوں عقلی ہیں۔

مثال مشہ حسی اور مشہ بہ عقلی کی۔

اجب نام خدا جوان ہوا وہ | اما سند نظر روان ہوا وہ

وہ شخص یعنی تاج الملک مشہ اور نظر مشہ بہ ہے۔

ولہ

تھر چھڑکے چل بے سب انسان | پھر نمن میں نہ آئے صورت جان

ولہ

پیریاں کہ ہزار ہا بھری تھیں | ارمان سی سب وہاں سے نکلیں

ولہ

پھر پائے نے کی نہ پاسداری | ہمت کی طرح وہ دل سے ہاری

پیادہ مرا ہے آدمی زاد | کہو اسے جس طرح مری یاد

ولہ

ہمیت سازمین کے دل میں آیا اندیشے کی طرح سے سما یا

ولہ

یون بیج پہ آکے سوئی بیتاب جس شکل سے آئے اکٹھ میں خواب

ولہ

اکٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا بدلا مانند رنگ جوڑا پا

مقصود بالتمثیل مصرع اول ہے جس میں جی مشبہ بہ عقلی ہے اور تلج الملوک مشبہ حسی۔

موسن

بات کرنے میں رقیبوں کے ابھی ٹوٹ گیا دل بھی شاید اسی بد عمد کا پیمان ہوگا پا

انیس

گویا کہ تھا شبیہ الم سر بر نشان ڈر با تھا خولنے نیچے پُر لور اور نشان

نشان مشبہ حسی ہے اور الم مشبہ بہ عقلی۔

دبیر

ان شیر و کی شمشیرین میں یا قوت غفار یہ میان میں خوابیدہ اجل خوف کے بیدار

شمشیر مشبہ حسی اور قوت غفار مشبہ بہ عقلی۔

فائدہ سوا اے تشبیہ محسوس کی معقول کے ساتھ ممنوع ہے اس لیے کہ محسوس معقول سے قوی ہے اور یہ کہ وہ معقول کے لیے اصل ہے کیونکہ علوم عقلیہ جو اس سے مستفاد ہوتے ہیں اور انھیں کی طرف پختہ ہوتے ہیں پس محسوس کو معقول کے ساتھ تشبیہ دینا فرع کو اصل بنانا ہے اور یہ ناجائز ہے جواب اس وقت میں معقول کو بھی محسوس مان لیتے ہیں اور مہلت کے طور پر اسکو محسوس کی اصل قرار دیتے ہیں پس اس صورت میں تشبیہ تقدیری طور پر دو محسوسوں میں ہوتی ہے۔

مثال مشبہ عقلی اور مشبہ حسی کی۔

تاسع

بدن شراب کنشی سے خم شراب بنا ہے اپنی روح بدن میں برنگ بو شراب

روح مشبہ عقلی ہے اور بو شراب مشبہ بہ حسی۔

ولہ

متطرر نہ ہو دماغ کبھی گل نہ ہو عقل کا چراغ بھی

عقل شبہ عقلی اور چراغ شبہ ہستی۔

بیدار

انگلی دل میں ناگمان بیدار | انگہ اُس کی خدنگ کے مانند

انگہ شبہ عقلی اور خدنگ شبہ ہستی۔

دبیر

فرعون کی مانند ہوا غرق حیا ظلم | بڑھتا ہوا توبہ کی دعا بھاگ گیا ظلم

ظلم شبہ عقلی اور فرعون شبہ ہستی ہے۔

اموس

انگینی بزم کا بستہ صا و حیاں | جون بوے گل اڑ گئے سب دسان

اوسان شبہ عقلی اور جون بوے گل شبہ ہستی۔

سرتار بریلوی

اتار نفس نے دی خبر کاروان عمر | آئینی عدم کو چھوٹنے والی یہ ریل ہے

عمر شبہ عقلی اور کاروان شبہ ہستی۔

ناسخ

فرقت کی یکیشی میں جو ساقی گزر نہیں | بے لینگے تخت دل کوئی ہم بیخ آہ سے

آہ شبہ عقلی ہے اور بیخ شبہ ہستی آہ اگرچہ سنانی دیتی ہے مگر بذریعہ آواز کے عقل سے مدد رکھتی ہے۔

حالی

بہر گلے فسانے ذاموش کردو | تعصب کے شعلے کو خاموش کردو

تعصب شبہ عقلی ہے اور شعلہ شبہ ہستی۔

غالب

بائے نہیں جب راہ تو چھوڑ جاتے ہیں | رکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے روان اور

طبع شبہ عقلی اور رناتے شبہ ہستی ہیں۔

شوق

مثل گل کو کہ رکھے پردن میں | بوے آفت چھپی نہیں رہتی

اکفت مشبہ عقلی ہی اور گل مشبہ بہ حسی۔

امیر

تسمہ دیکھنے کا ہے اس نقطہ شکل آئینہ

اگرے بین دل مرادہ مرے رو برو پسند

صدرالدین عاصی

جہان میں یہ ملی کیسا ہمیں عاصی

کہ خاک بن کے رہی اپنی کو سیار میں روح

روح مشبہ عقلی اور خاک مشبہ بہ حسی

وزیر

ہوں وہ بلبلی جو کرے ذبح خفا تو ہو کر

روح میری گل غرض میں رہے ہو ہو کر

تسمیہ (۱) علم بیان والوں نے تشبیہ خیالی کو حسی میں داخل کیا ہے اس لیے کہ حسی سے مراد وہ چیز ہے کہ یا وہ خود حواس سے اور اک کیجاتی ہو یا اسکا مادہ پس خیالی سے تشبیہ کی بحث میں وہ مرکب مراد ہے کہ وہ خود حواس خمسہ ظاہرہ کے ذریعہ سے محسوس ہو لیکن جن جزا سے اسکی ترکیب فرض کی ہو وہ تمام خارج میں موجود ہوں اور حواس خمسہ ظاہرہ سے محسوس ہوں جن میں قوت متخیلہ تصرف کر کے ایک ایسا مرکب تیار کرتی ہے جو خارج میں معدوم ہوتا ہے اور اس فرضی مرکب کو خیالی اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے اجزا کی صورتیں جس خیال میں منسجم ہوتی ہیں یا یہ وجہ ہے کہ اسکی ترکیب دینے والی قوت متخیلہ کی مثلاً ایک نیزہ تصور کریں جو یا قوت کا ہو یا ایسا جانور تصور کریں جس کے پیر مرد کے اور منقار یا قوت کی اور آنکھیں ہوتی کی ہوں پس یہ دونوں چیزیں خارج میں نہیں پائی جاتیں اور معدوم ہیں لیکن متخیلہ نے ان کو تین چیزوں سے مرکب کیا ہے مثلاً نیزہ اور یا قوت اور مرغ اور پیر اور منقار اور آنکھیں اور پیر مرد اور یا قوت اور ہوتی یہ چیزیں البتہ خارج میں موجود ہیں حواس سے مرکب ہوئی ہیں اور جس مشترک کے ذریعہ سے خیال میں پہنچی ہیں۔

نصیر احمد خان سحاب

بڑا نکلی جوتی میں کوڑی کاموبات

القرائے دو سانپ اک کیچلی میں

اک کیچلی میں دو سانپ کا ہونا اگرچہ خارج میں نہیں پایا جاتا اور معدوم ہے لیکن متخیلہ نے اسکو جن چیزوں سے مرکب کیا ہے وہ سانپ اور کیچلی اور چیزیں البتہ خارج میں موجود ہیں اور حواس سے اور اک کیجاتی ہیں پس سانپ کیچلی جو حواس سے مرکب ہوئے ہیں تشبیہ کے ذریعہ سے خیال میں پہنچی ہیں۔

شاداب

اقرب ریح کے جوہ زلف پر شکن دیکھی | حطب کی صبح شب اوی میں دیکھی |
حطب کی صبح اور شب وادی میں ایسے امور ہیں کہ حواس سے مد رک ہوتے ہیں متخیلہ نے ان کو
ترکیب بکر جمع کیا ہی گو خارج میں ایک جگہ نہیں پائے جاتے اور معدوم ہیں۔

کوثر

سر کے تو نید و نہ تیرے میں کہوں بھنی ہی | خوشہ پردین ہی یہ ای ہر بان بالائے سر
خوشہ پردین کا سر بردار قع ہونا خیال محض ہے۔

شاداب

مانگ من کب ہی یہ سینہ در کافشق ظالم | سامنے کھینچ کے لے آئے ہیں خنجر گیسو
گیسو کا خنجر کھینچ کر سامنے لانا خیال محض ہی خارج میں موجود ہونا اسکا ممکن نہیں۔

منیر

ای پری زلفونلی الجھن بانگے موقوف کی | احد فاصل ناگنون میں کھنکیرا ہو گیا

سید اصغر علی ابرو

از لطف جانان ہوا آرسا یہ فکں پانی میں | نظر آئے لگے منہل کا چمن پانی میں

نور

تشبیہ دے چکا ہوں میں بار دوسرے سے | زلفونکوا سکی ہاتھ لگاتا ہوں ڈر کے ساتھ

آتش

بچکے ہیں گیسو شکنیں جو اس خسار روشن | بغل میں ظلمت شب نے لپا ہی لور کا تر کا

ظفر

ہر عشق کا دریا دل پر سوز میں نہبان | حیران ہوں کہ ہی آتش سوزان کے تلے آب

نور

یہ مشکیرن ترکیب کی تھیں تفریق کی مثال ہے۔

شائق

زلف تیری تا کر ہو غمی نہ پیر آگے بڑھی | سورۃ الدلیل کی تفسیر آدمی رہ گئی

سکندر

گرا ہے مانگ میں دل میرا وہ دھسو نہ سو رہا | کہ آدمی رات اُدھر ہی اور آدمی رات اُدھر

۲۲ تشبیہ وہی کو عقلی مین داخل کیا ہے کیونکہ وہ بھی مثل معقولات کے حواس سے ادراک نہیں
 کجما تے لیکن ایسی ہے کہ اگر پائی جائے تو البتہ حواس سے مدد رک ہو اور اسی وجہ سے عقلی اور دہمی مین
 امتیاز ہوتا ہے اور دہمی سے مراد وہ چیز ہے جس کو تخیلہ اپنی طرف سے اختراع کرے کہ اسکی پچھلا
 نمونہ مثلاً سنا جاتا ہے کہ غول ایسی چیز ہے کہ آدمیوں کو راہ مین ہلاک کرتا ہے تخیلہ نے یہ اختراع
 کیا کہ وہ جانور درندہ کی شکل پر ہوگا اور اس کے واسطے دانت جو بزرگ کر لیے پس تخیلہ کے اختراع کی مثال
 دندان غول مین -

زار

کون کرتا ہے لسون کے گور پر روشن چراغ ہم کو چشم غول ہے گویا سرمد فن چراغ
 چشم غول بھی دندان غول کی طرح تخیلہ کے مخترعات سے ہے۔

شاداب

دود بالا سے چراغ مہ کامل مین یہ بانمایان مین ترے رخ پر ری رو گیسو
 چراغ مہ کامل کے دھوین کی کچھ حقیقت نہیں تخیلہ نے اپنی طرف سے اختراع کر لیا ہے

خسدر

دیدہ افغی اجسل بن گیا زلف کی افشان کا ستارہ ہمیں
 زلف کی افشان کے ستارے کو افغی اجسل کے دیدے سے تشبیہ دی ہے جس کی کچھ اصل نہیں
 ہے تخیلہ نے اپنی طرف سے اختراع کر لیا ہے

امانت

صندل اسکی ہے مانگ مین کیا خوب راہ ظلمات مین یہ دلدل ہے
 راہ ظلمات مین دل دل تصور کرنا وہم کا کام ہے اور یہ چیز حس مشترک کے ذریعہ سے
 خیال مین نہیں ہو سکتی ہے۔

لطافت پس امانت

پانوں مین یار کے منہ دی تو سر گیسو آتش رنگ حنا کا ہے دھوان ہو گیسو

عجیدہ البصر حضور

سنبل سی زلف چھوڑے رخ پر وہ گلزار
 دکھلا ہے آتش قل کا دھوان مجھے

اصغر

تزی اس مانگ سے کیا معنی و خواہ پیدا ہے شب معراج کی اس خط سے گویا راہ پیدا ہے
 مانگ کے خط کو شب معراج کی راہ سے تشبیہ دی اور یہ ایسی چیز اور جسکا تصور کرنا دہم کا
 کام ہے اور خیال اس قسم کے تصور سے عاجز ہے۔

کلامی

حشر میں دیکھ کے وہ رعب سے کمر ونگا یہ سید نامہ اعمال کا دفتر آیا

گیسوے نور خزان ہر اسی توسن کی غنائ اس حلقہ چشم ملک ہر اسی مرکب کی لجام

رسل بعض چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو انسان دل میں پاتا ہے مثلاً شیریں چیز کے کھانے سے
 یا ایک شے ملائم کے ہاتھ لگانے سے یا آواز ملائم اور پسندیدہ کے سنانے سے یا ایک خوشما چیز کے دیکھنے
 سے یا خوشبو کے سونگھنے سے دل میں ایک مزہ اور لذت حاصل ہوتی ہے یا ان چیزوں کے جہاد
 سے دل میں ایک الم ہم پہونچتا ہے اور مثلاً بھوکا ہونے یا سیر ہونے کو ادراک کرنا ان سب چیزوں کو
 وجدانیات کہتے ہیں علماء بیان نے ان کو بھی مثل دہمیات کے عقلیات میں داخل کیا ہے اور
 یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ادراک ان کا نفس کی ان قوتوں سے ہوتا ہے جنکو وجدان کہتے ہیں پس
 وجدان اندرونی قوتیں ہیں جو نفس کے ساتھ قائم ہیں اور وہ قوتیں یہ ہیں مثلاً وہ قوت جو بھوک کو
 دریافت کرتی ہے اور وہ قوت جو سیری کو ادراک کرتی ہے اور وہ قوت جس سے خوف معلوم ہوتا
 ہے اور وہ قوت جس سے غم درجہ درجہ ہوتے ہیں پس لذت الم بھوک سیری خوف غم اور رنج کے
 دریافت کر لینے کی قوتوں کا نام وجدان ہے اور لذت الم بھوک سیری خوف غم رنج وجدانیات
 کہلاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ایسے معانی ہیں کہ نہ تو حواس ظاہرہ ان کا ادراک کر سکتے ہیں اور نہ
 محض عقلیات ہیں کیونکہ محض عقلیات معانی کلیہ ہوتے ہیں اور لذت الم خوشی غم خوف غضب
 بھوک اور سیری ایسے جزئیات ہیں جو حواس باطنہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور یہ ان لذت و الم
 سے وہ لذت و الم مراد ہیں جو جس سے پیدا ہوتے ہیں : وہ لذت و الم جو عقلی ہیں کیونکہ یہ وجدانیات
 سے نہیں بلکہ محض عقلیات میں داخل ہیں جو جنس سے پیدا ہوتے ہیں ان کا شمار وجدانیات
 میں ہے۔

عبث دینا بولایک جنت انفرادی کا وعظ
 مے کلون میں آتا ہے جمین یا ان لطف کو شرکا

مے گلگون کا لطف وہ لذت ہے کہ آنکے پیچے کے دل میں حاصل ہوتا ہے۔

اولیٰ

وقت سرکھٹنے کے یہ نکلی صد اشاہ شاہ

آب کوثر کا مزہ ہے خیر بے آب میں

دوسرا چین وجہ تشبیہ کے بیان میں

وجہ مشابہت وہ معنی ہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں اُس میں شریک ہوں اور وہ معنی مقصود بھی ہوں اور مشبہ اور مشبہ بہ سے بہت خصوصیت رکھتے ہوں اُسکو وجہ شبہ بھی کہتے ہیں اگرچہ شیر اور رستم بہت سی باتوں میں شریک ہیں مثلاً حیوانیت اور جسمیت اور وجود اور حدوث دونوں میں پائے جاتے ہیں مگر ان میں سے کوئی شے وجہ شبہ نہیں کیونکہ ان چیزوں کا قصد نہیں کیا جاتا ہر پس وجہ مشابہت کے لیے قصد کا ہونا ضرور ہے۔ شایان نے ایک عابد کو شیر کے سامنے فقط جنگل میں رہنے کی وجہ سے تشبیہ دی ہے پس بیان یہی خیر مقصود ہے بخلاف رستم اور شیر کی تشبیہ کے کہ وہاں شجاعت مقصود ہوتی ہے۔

دو جنگل میں رہتا تھا مانند شیر

چلے آتے تھے پاس اُس کے کبیر

مشبہ اور مشبہ بہ حقیقت میں مشترک ہوں تو چاہیے کہ صفت میں جدا ہوں اور اگر صفت میں مشترک ہوں تو چاہیے کہ حقیقت میں جدا ہوں اگر دونوں کی حقیقت و صفت ایک ہوگی یا دونوں کی حقیقت و صفت بالکل مغائر ہوگی تو تشبیہ باطل ہوگی مثال شریک حقیقت کی گدھا مانند ہاتھی کے ہر گدھا اور ہاتھی حقیقت میں شریک ہیں یعنی دونوں حیوان ہیں مگر صفت میں علیحدہ علیحدہ ہیں مثال شریک صفت کی زید گھوڑے کی طرح سوکوس راہ جاتا ہے مثال حقیقت و صفت متحد ہونے کی زید کا ایک گھوڑا جو کیت ہے اور سوکوس راہ جاتا ہے ایسا ہے جیسا کہ زید کا دوسرا کیت گھوڑا جو سوکوس جاتا ہے اس مثال میں دونوں کی حقیقت و صفت ایک ہے کیونکہ دونوں گھوڑے حقیقت میں جالور ہیں اور صفت میں بھی یکساں ہیں کہ سوکوس راہ چلتے ہیں پس تشبیہ کا فائدہ کچھ نہیں مثال حقیقت و صفت میں غیر ہونے کی بوعلی سینا درخت چنار کی طرح اچھا ذہن رکھتا ہے اس صورت میں بھی تشبیہ صحیح نہیں۔

وجہ مشابہت مشبہ بہ اور مشبہ کی حقیقتوں سے یا تو خارج نہیں ہوتی ہر یعنی دونوں کی تمام ماہیت ہوتی ہے یا ماہیت کا جز ہوتی ہے تمام ماہیت ہونے سے مراد یہ ہے کہ دونوں کی نوع ہوتی ہے جیسے

کہیں یہ اچکن اُس اچکن کی طرح کشمیرے کی، ہو اور ماہیت کا جز ہونے سے مراد یہ ہو کہ اُن دونوں کی جنس یا فصل ہوتی ہو جنس کی مثال یہ ہو کہ یہ اچکن اُس اچکن کی طرح کپڑے کی ہو اور فصل کی مثال یہ ہو کہ یہ اچکن اُس اچکن کی طرح ریشم کی، یا دونوں کی حقیقتوں سے خارج ہوتی ہو اور یہ ایک صفت ہوتی ہو کہ دونوں کی ذاتوں کے ساتھ قائم ہوتی ہو اور اس صفت کی تین قسمیں ہیں ایک حقیقی کہ ذات میں ممکن ہو اور پھر یہ بھی دو طور پر ہو۔

(الف) حسی اور وہ کیفیت جسمانی ہے کہ حواس خمسہ ظاہری سے مد رک ہو سکتی ہو جیسے رنگ اور شکل اور مقدار اور حرکات اور حُسن و قبیح اور مہنسا اور ردنا اور سیدھا ہونا اور ٹیڑھا ہونا اور آواز اور مزہ اور خوشبو اور بدبو اور سختی اور نرمی اور اونچا ہونا اور نیچا ہونا اور چکنا ہوتا اور کھردرا ہونا اور گرمی اور سردی اور تری اور خشکی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وجہ شبہ میں طرفین تشبیہ شریک ہوتے ہیں اور جو چیز ایسی ہو کہ اُس میں دوسرے شریک ہوں وہ کلی ہے کیونکہ جزئی میں شراکت ممتنع ہے اور جو چیز حسی ہوتی ہے وہ کسی طرح کلی نہیں ہوتی کیونکہ حسی ہو وہ جسم میں موجود ہے اور مد رک کے نزدیک حاضر بھی ہو اور ہر ایسی چیز جو جسم میں موجود اور مد رک کے نزدیک حاضر ہو وہ جزئی ہوتی ہو پس وجہ شبہ حسی کیسے ہو سکتی ہو تو ہم اسکا جواب یوں دینگے کہ وجہ شبہ کے حسی ہونے سے مراد یہ ہو کہ اُس کے جزئیات اور افراد حواس ظاہرہ سے مد رک ہوتے ہیں جیسے سُرخ کی اُس کے جزئیات جس سے مد رک ہوتے ہیں مثلاً گلاب کے پھول اور معشوق کے چہرے کی سُرخی کہ یہ مطلق سُرخ کی افراد ہیں دیکھنے میں آتے ہیں البتہ مطلق سُرخ کی وہ کلی ہو نہ جس نھر سے مد رک ہو سکتی ہو نہ کسی دوسری جس سے۔

(ب) عقلی اور وہ وہ کیفیت نفسانی ہو کہ عقل سے ادراک کی جاتی ہو جیسے فہم کی نثری در علم اور معرفت اور قدرت اور کرم اور سخاوت اور حلم اور غضب اور شجاعت۔

دوسرے اضافی اور وہ وہ ذات میں ممکن ہو متعز نہ ہو بلکہ دو چیزوں سے متعلق ہو مثلاً کوئی شخص دلیل کو آفتاب سے تشبیہ دے اس نظر سے کہ دونوں میں ازالہ حجاب کی صفت ہو اور یہ صفت دلیل و آفتاب کی ذات میں ثابت نہیں بلکہ دونوں سے متعلق ہے۔

تیسرے اعتباری اور وہ وہ ہو کہ اُسکا مفہوم واقع میں نہ ہو اور صرف عقل نے اُسکا اعتبار کر لیا ہو جیسے درندے کی شکل اور دانت کا اختراع کرنا غول کے واسطے کہ یہ صرف صورت دہیہ ہو اور واقع میں اُس کے واسطے کچھ تحقق نہیں۔

دوسری تقسیم وجہ مشابہت کی ہے کہ وہ یا تو واحد ہوتی ہو اور واحد سے مراد یہ ہے کہ اس کو عرف میں واحد سمجھتے ہوں نہ یہ کہ اس کے لیے مطلقاً اجزا نہ ہوں یا بمنزلے واحد کے ہوتی ہو اور وہ ہے کہ کئی چیزیں ملکر ایک چیز کے حکم میں ہو جائیں یا متعدد ہوتی ہے پہلی دونوں قسموں میں سے ہر ایک دو حال سے خالی نہیں یا حسی ہے یا عقلی اور تیسری قسم کے تین حال ہیں ایک یہ کہ حسی ہوتی ہو دوسرے عقلی تیسرے یہ کہ مختلف ہوتی ہو کہ بعض حسی ہوتی ہو بعض عقلی وجہ شبہ حسی میں لازم ہے کہ شبہ اور شبہ بہ دونوں حسی ہوں اس لیے کہ وجہ شبہ اور شبہ بہ سے حاصل ہوتی ہے اور ان دونوں میں موجود ہوتی ہو اور جو چیز عقل میں موجود ہوتی ہو تو اس کو حس سے احداک نہیں کر سکتے عقل ہی سے ادراک ہو سکتی ہے کیونکہ جو چیز جس سے مدراک ہوتی ہے وہ یا تو جسم ہوتی ہے یا جسم کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور اگر وجہ شبہ عقلی ہو تو شبہ اور شبہ بہ کا عقلی ہونا ضرور نہیں بلکہ جائز ہے کہ وہ دونوں عقلی ہوں خواہ دونوں حسی خواہ ایک عقلی ہو ایک حسی اس لیے کہ یا مر جائز ہے کہ کسی شے حسی کے ساتھ بعض وصف عقلی قائم ہو جیسے جرات کہ ایک وصف عقلی ہے اور زید و شیر کے ساتھ قائم ہوتی ہے باوجودیکہ یہ دونوں حسی ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ وجہ تشبیہ سولہ قسم پر ہے (۱) واحد حسی (۲) مرکب حسی (۳) متعدد حسی (۴) متعدد مختلف اپنے بعض حسی اور بعض عقلی (۵) واحد عقلی جس میں شبہ اور شبہ بہ حسی ہوں (۶) واحد عقلی جس میں شبہ اور شبہ بہ عقلی ہوں (۷) واحد عقلی جس میں شبہ حسی ہو اور شبہ بہ عقلی (۸) واحد عقلی جس میں شبہ عقلی ہو اور شبہ بہ حسی (۹) مرکب عقلی جس میں شبہ اور شبہ بہ حسی ہوں (۱۰) مرکب عقلی جس میں شبہ اور شبہ بہ عقلی ہوں (۱۱) مرکب عقلی جس میں شبہ حسی ہو اور شبہ بہ عقلی (۱۲) مرکب عقلی جس میں شبہ عقلی ہو اور شبہ بہ حسی (۱۳) متعدد عقلی جس میں شبہ اور شبہ بہ حسی ہوں (۱۴) متعدد عقلی جس میں شبہ اور شبہ بہ عقلی ہوں (۱۵) متعدد حسی جس میں شبہ حسی ہو اور شبہ عقلی (۱۶) متعدد عقلی جس میں شبہ حسی ہو اور شبہ بہ حسی۔

تہنیکہ واحد حسی اور مرکب حسی اور متعدد حسی میں ہمیشہ شبہ اور شبہ بہ حسی ہوتے ہیں۔

اب انکی اسلئے بدخور کرنا چاہیے۔

وجہ شبہ واحد حسی جیسے حلقے کی صورت پر ہونا بائے اور ہالہ مہ کی تشبیہ میں اور

چمک بائے اور بجلی کی تشبیہ میں۔

ہالہ مہ سا جو پہنا اس نے بالاکامینا اور بالابجلی سا چمک اٹھا دو بالاکامینا

اور شکل غنچے اور عطردان کی تشبیہ میں۔

سودا

چمن میں کسکی مدارات ہے بتا تو نسیم کہ صبح خیمون کے سب عطردان کھول دیے
اور رونا خزانے والوں اور فوارے کی تشبیہ میں۔

خوش نون دولت دنیا سے زانیوں کے روئینگے صورت فوارہ خزانے والے
اور بر آب ہونا چشمے اور چشم منظر کی تشبیہ میں۔

نسیم

وان سے جو بڑھا تو ایک چشمہ آب بر آب تھا چشم منظر سے
اور ہلالی ہونا ابرو کی تشبیہ میں کمان اور نیچے کے ساتھ وجہ تشبیہ ہے۔

برق

ادو کمان میں ہیں کہ ہیں نیچے یہاں قاتل ہنسنے دیکھے نہیں اس طرح کے زہار ابرو
اور قطع مسافت قاصد اور مرغ کی تشبیہ میں۔

وزیر

خط پہ خط لائے جو میرے نامہ بر ابولا ان مرغون کا در پہ کھل گیا
اور آواز کا بھاری ہونا گنگناں اور رعد کی تشبیہ میں اسی طرح بھاری ہونا آواز شترناں اور
آواز طاؤس کی تشبیہ میں۔

سودا

گنگناں مثل رعد کڑکتے تھے دم بدم آواز شترناں تھی طاؤس کی جھنکار
اور خوشبو مشوق کے گیسو اور مشک و عنبر کی تشبیہ میں۔

مولوی سرور علی سرور

کیون مٹ نہ کرے بزم ترا ہر گیسو ڈاڈونون میں ایک ہے مشک ایک ہے عنبر گیسو
اور تلخی شراب اور کف ماریہ کی تشبیہ میں۔

مومن

بادہ کش ایسی تلخ کام کہ ہوتا کف ماریہ سے احمر
اور شیرینی بادہ اور شربت کی تشبیہ میں۔

ناسخ

ترے ہونٹوں کی دولت مثل شربت ہو ہے مادہ کفام شیرین
اور مزیدار ہونا خون جگر اور شراب کی تشبیہ میں۔

سودا

خون جگر شراب ترشح ہے ابر تر
اور نرمی بیٹ اور نخل کے تکیے کی تشبیہ میں۔

ناسخ

جی میں ہے رکھ کے سر میں سوجاؤں
اور نرمی زانو کی تشبیہ میں تکیے کے ساتھ۔

منوی محدثین

آگے دل کو کوئی کرے گی گرم
اسی طرح نرمی پیٹ اور شیر کی تشبیہ میں۔

ناسخ

گودہ رعنا غزال ہے لیکن
اور نرمی دشمن اور موم کی تشبیہ میں اور سختی دشمن اور آہن کی تشبیہ میں۔

نسیم

گڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
وجہ شبہ واحد عقلی اور اسکے استعوا کی کئی صورتیں ہیں۔

ناسخ

راہنہ مشبہ اور مشبہ دونوں حسی ہوں۔
جیسے جرأت زید اور شیر کی تشبیہ میں اس لیے کہ وہ غیر محسوس متعلق عقل کے ہر اور بیان
مشبہ اور مشبہ بہ دونوں حسی ہیں۔

نسیم

جتوں میں جانے کی عاشق ناشاد کی
تیغ ابرو یا سکی تلوار ہے جسلاد کی

یار کی یار کو جاماد کی تلوار سے تشبیہ دی ہے اور وجہ مشابہت فنا کرتا ہے۔

اسیر

لب شیرین کے وصف کرتے ہیں

بات گویا نبات اپنی ہے

بات اور نبات میں وجہ شبہ رغبت ہے۔

وزیر

اپنی آہی میں تو امار فنا سارے ہیں

شام کو ذرے ہیں اور صبح کو ہم تارے ہیں

مشکلم لے اپنے آپ کو ذرے اور تارے کی تشبیہ دی ہے اور ہمیشہ معدومیت ہے۔

ولہ

گلزار ہوا ہے یانی یانی

بکبل یانی کا بکبلا ہے

بکبل اور بکبل کی تشبیہ میں قریب الفنا ہونا وجہ شبہ ہے۔

اشہیدی

حدیث جان فزا کے ہیں سخن رسد جان بکیر

آنحمار العل لب ہی یا نگینہ اسم اعظم کا پ

عل لب اور اسم اعظم کے نگینے میں وجہ شبہ تسخیر ہے۔

ناسخ

دیکھ کر قرون کو اسے دل کوچ اپنا یاد کر

اسب یہ گویا میل ہیں راہ فنا کی واسط

قبول شبہ حسی ورمیل شبہ بہ حسی در وجہ شبہ مدلول میں ہدایت ہے۔

اشاداب

کہیں کیونکر نہ شاہ حسن تم کو

مشابہ زلف ہے بال ہما سے

زلف کی تشبیہ میں بال ہما کے ساتھ وجہ مشابہت اغزت و شرف ہے اور یہ عقلی ہے اور مشبہ و شبہ دونوں حسی ہیں۔

سودا

آئیرے پہلو سے جو مجلس میں بیٹھے جاتے ہیں

اشع رونق و دن سے جو مجمع گئے جاتے ہیں

عاشق مشبہ اور شمع مشبہ بہ وجہ شبہ بے عزتی ہے۔

خوشترب

زمین پر اس طرح تھا شاہ کا حال

ہما نعلطان ہو جیسے بے پرو بال

شاہ کی ہما کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور وجہ شبہ ہما یون ہونا ہے۔

ذوق

آہو مغز جان کا فرغت کے واسطے | مطبخ میں اس کے پتہ غرود ہر ذباب

ذباب و پتہ مشہ و مشہ بہ حسی ہیں اور ہلاکت وجہ شبہ عقلی۔

امیر مینائی

دیکھا نہیں ہو بسکہ کئی دن کے روئے پاک | بلبل کی طرح باغ میں ہو بے قرار گل

گل شبہ حسی در بلبل شبہ بہ حسی اور بے قراری وجہ شبہ ہو اور یہ عقلی ہو۔

رہا (شبہ عقلی) ہو اور شبہ بہ حسی اور وجہ شبہ واحد عقلی۔

سودا

بہر باب جان میں کوئی ہو جو تجھے کا بدخوا | ہے زیر مرگ حلال اسے شہد زیت حرام

مرگ و زیت مشہ عقلی ہیں اور زیر و شہد شبہ حسی اور اول میں فنا کرنا وجہ شبہ ہو اور دوم میں رغبت وجہ شبہ ہو اور یہ دونوں واحد عقلی ہیں۔

ذوق

موسیائی ہو حمایت تری حق میں اسکا | سخت گیری سے فلک توڑے کسی کی گراں

حمایت شبہ عقلی ہو اور موسیائی شبہ بہ حسی در وجہ شبہ درستی ہو جو عقلی ہو۔

غالب

ارگ ہے میں جب ازے زیر غم تیرے کیلئے کیا | ابھی تو تلخی کام دہن کی آزمائش ہے

غم شبہ اور زیر غم شبہ بہ اور وجہ شبہ ہلاکت ہو ظاہر ہو کہ شبہ اور وجہ شبہ عقلی ہو۔

احمد حسین خان بی لے

اسلام ایک نور ہے اور پاک نور ہے | اسلام پاک نور ہے اور رشک طور ہے

حالی

ایسی شمع اسلام روشن کوں گے | بڑوں کا یہی نام روشن کوں گے

پہلے شعر میں اسلام کو نور یعنی روشنی سے اور دوسرے شعر میں اسلام کو شمع سے تشبیہ دی ہو اور

وجہ شبہ ہدایت ہو ان مثالوں میں شبہ عقلی ہو اور شبہ بہ حسی اسلام کے ساتھ مطلوب حاصل

ہوتا ہو اور حق و باطل کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہو جیسے نور و شمع کے ذریعہ سے مطلوب کا

اور پاک ہو جانا ہے اور اشیا میں تمیز حاصل ہو جاتی ہو پس اسلام اور نور و شمع میں وجہ شائبہ

ہدایت ہو کہ ایسے راستے کی طرف دلائل کو کہتے ہیں جو مطلوب کی طرف پہنچاتا ہے۔

ولہ

بس اگلے فسانے فراموش کر دو | تعصب کے شعلے کو خاموش کر دو

تعصب شبہ عقلی ہو اور شعلہ شبہ بہ حسی اور وجہ شبہ ظاہر ہو۔

مثنوی سعدی

طعنہ کج بکج اقارب کے | نبش نیجائین کے عقارب کے

طعنہ اقارب شبہ عقلی اور نبش عقارب شبہ بہ حسی اور انید وجہ شبہ واحد عقلی اگر کوئی کہے کہ
طعنہ اقارب بوجہ سنائی دینے کے چاہیے کہ سموعات سے ہوں تو جواب اسکا یہ ہو کہ سنائی دینا شان
سے آواز کی ہو اور طعنہ اقارب بذریعہ اس آواز کے عقل سے مدد رکھتے ہیں اسی قبیل سے
نسیم کا یہ شعر ہے۔

جو آ کے سڑن پکا رہتا تھا | تبھر سا کھینچ مارتا تھا

سڑن پکا رہتا شبہ عقلی اور تبھر کھینچ مارتا شبہ بہ حسی کیونکہ چھوٹے کی چیزوں سے ہو اور وجہ شبہ
انبار سالی ہو۔

میر

پایا نہیں جائے گا وہ درنایاب | اگر گھر گھر کے غبت جان کو مت کھویا کر

جلن شبہ عقلی ہو اور درنایاب شبہ بہ حسی اور وجہ شبہ گرامی ہونا ہو۔

امانت

زہر کھائین نہ بات پر کیونکر پڑا | قند کی ہے ٹلی تمھاری بات

بات شبہ عقلی ہو اور قند کی ٹلی شبہ بہ حسی اور وجہ شبہ غبت ہو اور یہ بھی عقلی ہو۔

بیدار

خارسی آہ دل میں کھٹکے ہے | آہ ہر آن گلر حسان کی ادا

ادا شبہ عقلی ہو اور خار شبہ بہ حسی اور وجہ شبہ الم ہو جو عقلی ہو۔

ناسخ

ایو حیراؤن میں تیرے دروازے کہاں | دوزخ تمام تہرے تیرا ہو گھر بہشت

تہرے تشبیہ میں دوزخ کے ساتھ تکلیف دہ شبہ ہو اور گھر کی تشبیہ میں بہشت کے ساتھ
آسائش دہ شبہ ہے۔

انیس

لنگر ہے جو دل تو ہر نفس با درازد | سینہ کشتی ہے ناخدا ایمان ہے

ایمان مشبہ عقلی اور ناخدا مشبہ بہ حسی اور درجہ شبہ رہبری ہے۔

ناسخ

منفر ز نہ ہو دماغ کبھی | کل نہو عقل کا چراغ کبھی

عقل کو چراغ سے تشبیہ دی ہے اور مشبہ عقلی ہے اور مشبہ بہ حسی اور درجہ شبہ انکشاف ہے اور یہ عقلی ہے
(ج) مشبہ حسی ہے اور مشبہ بہ عقلی اور درجہ شبہ واحد عقلی جیسے۔

ظفر

اقیامت قامت در قمار آفت | زبان سخن سرد بیان نور علی نور ہے

ز قمار کی تشبیہ میں آفت کے ساتھ مشبہ بہ حسی ہے اور مشبہ بہ عقلی اور تکلیف کا پہونچنا درجہ شبہ واحد عقلی ہے۔

تسلیم

وہ اگر جسم تھا تو یہ تھی جان | ایہ اگر جان تھی تو وہ ایمان
چشم شتاق یہ تھی وہ تھا نور | دل رنجور وہ تھا یہ تھی سرور

عاشق مشوق مشبہ حسی میں اور جان و ایمان اور لوحی مینائی اور درجہ شبہ بہ عقلی اور جان کے ساتھ
تشبیہ میں درجہ شبہ مدار حیات ہوتا ہے اور ایمان کے ساتھ تشبیہ میں ضروری ہونا ہے اور نور کے ساتھ
تشبیہ میں درجہ شبہ ذریعہ انکشاف ہونا اور سرور کے ساتھ تشبیہ میں درجہ شبہ موجب راحت ہونا ہے۔

حسرت

تو بھلی ہے کہ قلعہ ہے تو مہر ہے کہ آفت ہے | غضب تو ہے کہ فتنہ ہے بلا تو ہے کہ آفت ہے
نہ دل چھوڑے نہ جان چھوڑے نہ چھوڑے دین کے ایمان | بلا کیے کہ زلف اس کو یہ گیسو ہے کہ آفت ہے

مشوق مشبہ حسی اور آفت و غضب و فتنہ و بلا مشبہ بہ عقلی ہے۔ اسی طرح زلف مشبہ حسی اور بلا مشبہ
عقلی اور گیسو مشبہ حسی اور آفت مشبہ بہ عقلی اور درجہ شبہ تکلیف رسانی ہے اور یہ واحد عقلی ہے۔

گلزار نسیم

آفت ہے زمر دین کہ مینو | گلشن ہے جواہرین کہ جساد

تاج الملوک نے جو شہر آباد کیا تھا اسکو جادو سے تشبیہ دی ہے اور درجہ مشابہت عجائبات پر مشتمل
ہونا ہے۔

(د) مشہد و شبہ بہ دونوں عقلی ہوں اور وجہ شبہ واحد عقلی جیسے علم کو زندگی سے اور جہل کو موت سے
تنبیہ دین اور کہیں علم زمین کی طرح ہے اور جہل موت کی مثل ہے پہلی مثال میں وجہ شبہ زندہ کرتا ہے
اور دوسری میں مارتا۔

محمد حسین علی نسیم ساکن میسور

نگہ بدلی ہے ہوش یا بلا سے آسمانی ہے | | | | |
بدری ہوئی نگہ کو بکلا آسمانی کے ساتھ شبہ دی ہے اور وجہ مشابہت دونوں میں تکلیف پہنچانا
ہے اور یہ تینوں عقلی ہیں۔

مومن

رکھے بھکھو جیسا میں اسکو عزیز | | | | |
قابل نے مشوق کے عزیز رکھنے کو اپنے عزیز رکھنے کے ساتھ شبہ دی ہے اور وجہ شبہ محبت ہے
اور یہ تینوں عقلی ہیں۔

امیر

میرے ہالین پہ روئی ہے حسرت | | | | |
عشق کو مرگ نوجوانی سے شبہ دی ہے اور وجہ شبہ کثرت المہ ہے اور یہ تینوں عقلی ہیں۔

ولہ

اس قدر قالب نواؤں خواب مرگ | | | | |
مرگ کو خواب سے شبہ دی ہے اور وجہ شبہ بھری ہے۔

مہاراجہ کشن پرشاد شاد

ہے زبان حضور کی جو بات | | | | |
بات مشبہ عقلی ہے کیونکہ بدریہ آواز کے عقل سے مد رک ہوئی ہے اور سحر و افسون دکر امت مشبہ بہ
عقلی اور وجہ شبہ تاثیر ہے۔

قلندر

اے قلندر یہ نظم یا جادو | | | | |
لظم جو بدریہ آواز کے عقل سے مد رک ہوئی ہے اور جادو شبہ بہ عقلی اور وجہ شبہ تاثیر ہے
اور نظم کی شبہ میں لعل کے ساتھ شبہ جسی ہے دیکھنے کی چیزوں سے اور وجہ شبہ حمد کی ہے۔

دیا شکر نسیم

ہو تجھ سی پری جو خصم جانی | انسان کی ہے مرگ زندگانی
زندگانی کو موت سے تشبیہ دی ہے اور وجہ شبہ عدم نفع ہے یعنی جس طرح کہ موت قابل نفع
نہیں اسی طرح ایسی زندگی بھی قابل نفع نہیں۔

احسان اللہ ربان

جادو بھی کہ سحر بھی بلا بھی | اظالم یہ تری نگاہ کیا بھی
نگاہ شبہ عقلی ہے اور جادو اور سحر اور بلا شبہ عقلی اور وجہ شبہ نگاہ اور سحر اور جادو کی تشبیہ میں اثر
ہے اور نگاہ اور بلا کی تشبیہ میں ایذا تکلیف دہی وجہ شبہ ہے اور وجہ شبہ دونوں جگہ واحد عقلی ہے۔

مومن

عیش وطن اندوہ غم ربان | دست جنون سے چاک گریان
وطن کے عیش کو مسافروں کے اندوہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور یہ دونوں عقلی ہیں اور وجہ شبہ
طبیعت کا یکدم ہٹا ہوا یہ بھی عقلی ہے۔

حالی

الطسم وریع ہر مقدس کا توڑا | نہ صوتی کو چھوڑا نہ بلا کو چھوڑا
وریع شبہ عقلی اور الطسم شبہ بعقلی اور وجہ شبہ یکس ہے۔

س

ای شکر تری ابرو بھی دم شمشیر ہے | جو کرشمہ ہے بلا ہے جو کشش ہے تیر ہے

کرشمے کو بلا سے تشبیہ دی ہے اور وجہ شبہ ایذا رسانی ہے۔

وجہ است بھیجی ادبی

جہل ہر اک متعدی مرض اللہ کیا ہے | یہ کبھی لکھے پڑھے کو بھی چمٹ جاتا ہے

جہل کو مرض متعدی سے تشبیہ دی ہے وجہ شبہ ہلاکت یا نقصان رسانی ہے اور یہ تینوں عقلی ہیں
وجہ شبہ مرکب اور یہ بھی کبھی حسی ہوتی ہے کبھی عقلی اور وجہ شبہ مرکب حسی اس کی
دونوں طرفین یعنی شبہ اور شبہ بہ مثل وجہ شبہ واحد حسی کے حسی ہوتی ہیں کیونکہ وجہ شبہ جبکہ حسی
ہوتی ہے تو ہر حالت میں اس کی طرفین حسی ہوا کرتی ہیں واحد اور متعدد اور مرکب ہونے کی وجہ سے
فرق نہیں پڑتا ورنہ اس کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) اس میں مشبہ اور شبہ بہ دونوں مفرد حسی ہوں جیسے۔

سودا

رنجک ہی بہر مشق اڑا کر بہ برق | گولی ہی ڈھالتا ہے سحاب ترنگ یا

مصرع اول میں رنجک اور برق دونوں مفرد ہیں اور اسی طرح مصرع ثانی میں گولی اور ترنگ مفرد ہیں لیکن اول میں روشنی اور دفعہ چمکنا اور پھر بعد اس کے جاتے رہنا اور اس کا انعکاس فضا میں اور اس سے دیکھنے والوں کی آنکھوں کا جھپکنا پانچ چیزیں مرکب ہو کر وجہ شبہ واقع ہوئی ہیں اور دوسرے میں مدور ہونا اور مقدار مخصوص نقطہ و چیزیں۔

سند

ہر دشن یار نے افشان جو چنی ماسے میر | رخ خورشید یہ ہے عقد ثریا بھکو

افشان شبہ اور عقد ثریا شبہ بہ اور یہ دونوں مفرد حسی ہیں اور وجہ شبہ ایک ہیئت ہے جو کئی ایسی صفات سے حاصل ہوتی ہے جو افشان اور ثریا کے ساتھ قائم ہیں اور وہ صفات یہ ہیں قریب قریب واقع ہونا ایسی صورتوں کا جو سفید اور براق اور گول ہیں اور چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں گو واقع میں بڑی بڑی ہیں اور وہ صورتیں نہ تو نہایت شدت کے ساتھ باہم ملی ہوئی ہیں اور نہ زیادہ دور ہیں اور یہ تمام صفات و کیفیات ایسی مقادیر سے منظم ہیں جن میں سے ہر ایک مقدار کو طول و عرض حاصل ہے پس شاعر نے وجہ شبہ میں کئی ایسی چیزوں کی طرف نظر کر کے جو عقد ثریا اور افشان کے ساتھ قائم ہیں اور وہ قریب قریب ہونا گول ہونا اور چھوٹا ہونا ہے پس ہیئت کی طرف قصد کیا ہے جو ان سے حاصل ہوتی ہے یہی صورت ہے امین الدولہ شاق کے شعر میں عقد ثریا کی تشبیہ میں جھومر کے ساتھ۔

دیکھ کر عقد ثریا کو فلک پر اسے ماہ | سر پر نور و ضیا کا زبے جھومر جہانا

امیر

دار بست تاک میں خوشے نظر آنے لگے | بس طرح مجھ مٹ ستاروں کا فراز آسمان

خوشے شبہ اور ستارے شبہ بہ اور یہ دونوں مفرد حسی ہیں اور وجہ شبہ ایک ہیئت ہے جو کئی ایسی صفات سے حاصل ہوئی ہے جو خوشوں اور ستاروں کے ساتھ قائم ہیں اور وہ یہ ہیں قریب قریب واقع ہونا ایسی چیزوں کا جو سفید اور براق اور گول اور متعدد ہیں اور چھوٹی چھوٹی نظر آتی ہیں اور وہ نہ تو باہم بالکل متصل ہیں اور نہ زیادہ منفصل ہیں درانہیں سے ہر ایک چیز ذی مقدار ہے

ولہ

یہی دو چار دانے حاصل کشت محبت ہیں | انہیں اشک مسلسل بالیان ہیں خرمین دل کی
اشک مسلسل شبہ اور بالیان شبہ بہ اور یہ دونوں مفرد حسی ہیں وجہ شبہ ایک ہیئت ہے
جو کئی ایسی صفات سے حاصل ہوتی ہے جو اشک مسلسل و ربالیوں کے ساتھ قائم ہیں وہ ہیں دراز
اجسام میں گول گول اجسام کا واقع ہونا اور ان گول اجسام کا چھوٹا چھوٹا نظر آنا اور ان گول اجسام کا نہ تو بالکل
باہم پیوستہ ہونا اور نہ زیادہ منفصل ہونا۔

(۲) شبہ اور شبہ بہ دونوں مرکب حسی ہوں جیسے

جرار

کیا سیاب کے چشمے میں مسکن آکے ناگن | بڑا ہی تیرے رو سے صاف پر کیا بیج کا کل کا
رو سے صاف پر کا کل کے بیج کا بڑا شبہ ہے اور سیاب کے چشمے میں ناگن کا رہنا شبہ بہ اور وجہ
شبہ ایک چمکدار اور شفاف سطح چرین ایک سیاہ اور دراز چیز کا رہنا ہے۔

رہا

اکا کل شکین نہیں ہیں چہرہ گلزار پر | ہے بچھایا جال کا ہی رنگ کا گلزار پر
اکا کل شکین کا چہرہ گلزار پر ہونا شبہ اور گلزار پر کا ہی رنگ کے جال کا بچھانا شبہ بہ اور وجہ
شبہ ایک رنگین اور خوشنما چیز پر ایک ایسی سیاہ چیز کا جس کے اجزائیں کشادگی ہو پھیل جانا ہے۔

امانت

دیوانہ تیرا سوکھ کے کاٹا ہوا ہے کیا | سر تن پہ یوں ہے آبلے ہو جیسے خار پر پا
تن اور اس پہ سر کا ہونا شبہ ہے اور خار پر آبلے کا ہونا شبہ بہ ہے وجہ شبہ ایک باریک
اور لاغر اور دراز چیز پر ایک مدور چیز کا واقع ہونا ہے۔

لمولفہ

چین گیسو میں گوشوارہ ہے | عرج عقرب میں یا ستارہ ہے
چین گیسو میں گوشوارے کا ہونا شبہ ہے اور عرج عقرب میں ستارہ کا ہونا شبہ بہ وجہ شبہ ایک چمکدار اور روشن اور
خوشنما چیز کا ایک ٹھیک اور سیدھا چیز میں واقع ہونا ہے رنگ کو بیان وجہ شبہ میں مدخلت نہیں
اس لیے کہ گیسو اگرچہ سیاہ ہوتے ہیں مگر عرج عقرب سیاہ نہیں ہے بلکہ وہ روشن ستاروں
سے بنا ہے۔

ظفر

چشم غمورتی سرخ اور اس میں کاجل

اداہ کیا ساتھ شفق کے ہر گٹھاسی جھٹی

سرخ انگہ میں سیاہ کاجل کا واقع ہونا مشبہ ہر اور شفق کے ساتھ سیاہ بادل کا ملحق ہونا مشبہ بہ ہے اور وجہ شبہ ایک سرخ رنگ شے میں سیاہ سے کا واقع ہونا ہے۔

شوکت

خال ہے اس کے روئے تابان بجا

جھٹی جلوہ گر فرنگ میں ہے

خال اور گورا چٹا کچھ مشبہ اور جھٹی اور رنگ فرنگ مشبہ بہ اور وجہ شبہ ایک سیاہ فام چیز کا ایک سفید چیز میں واقع ہونا ہے۔

اسودا

سایہ برگ ہے اس لطف سے ہر اک گل بجا

ساغر لعل میں جون کیجے زمرہ کو حل

وجہ شبہ یہاں کئی چیزوں سے مرکب ہے اور وہ ایک سرخ چیز کا سبز چیز کے درمیان میں واقع ہونا ہے اور مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مرکب میں۔

گویا

روتا ہوں مرے ساتھ ذرا ہنستے رہو تم

بجلی بھی چمکتی رہے باران کے برابر

عاشق کے رو بننے کے ساتھ معشوق کا ہلنا مشبہ ہے اور باران کے ساتھ بجلی کا چمکنا مشبہ ہے اور وجہ شبہ ایک سیال اور روان چیز میں جسکی وجہ سے تاریکی پیدا ہو جاتی ہے ایک چمکدار چیز کا نمایاں ہونا ہے۔

امیر اعظم علی اعظم

عرق اس چہ رخشان پرافون عیان یوں ہے

شعاع برق میں جون ابر کو ہر بار ہو پیدا

ظفر

زلف اپنے رنجہ دیکھ ڈالے کے آئینہ

دریا یہ گر نہ کھا ہو تو نے سحاب صبح

جلال

آر سی زلف ہوا سے جو تری ہستان بجا

اگر نے نیلہ آغوش میں کبسا رون کو

خلیق

ادو چراغ حسن میں فانوس محرم میں نہاں

کسبہ میں پاؤں شمع مد انگلی کے اندر محبتیان

اناسخ

پڑنی پر روشن دلوں کو تیرہ جانوں سے غرض جس طرح یہ شمع کو حاجت شب دیکھ کر کی

۳۳ | شبہ مفرد حسی ہو اور شبہ بہ مرکب حسی درمغرد سے مراد وہ چیز ہے جو ایسی ہیئت پر نہ ہو کہ کئی چیزوں سے متفرع ہو بخلاف مرکب کے کہ وہ کئی چیزوں سے متفرع ہوتا ہے پس سفید و قید کا مجموعہ بھی مفرد سمجھا جائے گا۔

شباب

اجل ہے گل لالہ پہ کچھ اس طرح بہار سنرینو پہ ہون جس طرح بچہ پر سے خوشترنگ

گل لالہ شبہ مفرد حسی ہے اور خوشترنگ پھر ہون کا سنرینو پہ لکھنا ہونا شبہ بہ مرکب حسی ہے اور ایسی ہیئت کہ سنر اور دراز اجسام کے ہون پر خوشترنگ اور بسوڑا اجسام کے واقع ہونے سے حاصل ہوتی ہے وہ شبہ ہے۔

معجز

نئی تشبیہ مری فکر نے پیدا کی ہے اس رنگین بندین گشتن میں شفق پھولی ہے

لب رنگین شبہ مفرد حسی اور گشتن میں شفق کا پھولنا شبہ بہ مرکب حسی وہ شبہ اس میں ایک شمع چیز ایک ایسی فضا میں ہونا ہے کہ وہ ان طراوت اور شگفتگی ہو اسی قبیل سے ہیں شہید کے یہ فقرے دو حرف ہیں یا کافور کے قرص پر مشک کے والے پڑے ہیں لفظ میں یا نیلم کی تختی پر لکھنے جڑے ہیں یا

مشاداسپ

کہتے ہیں لوگ اُسکے مہاسے کو دیکھ کر شبنم کی بوند ہے یہ گل آفتاب پر

مہاسہ شبہ مفرد حسی در شبنم کی بوند کا سورج مٹی سے پھول پہ ہونا شبہ بہ مرکب حسی ہے اور وجہ شبہ وہ ہیئت ہے جو ایک گول چمکدار چھوٹی سی چیز کے ایک خوبصورت اور دور چیز کے درمیان میں واقع ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

نظیر

سفید قرص مفرد یکہ شب خیال آیا تنور چرخ میں بار بار یہ کیوں کرتا ان سفید

چاند شبہ مفرد حسی اور تنور چرخ میں نان سفید کا ہونا شبہ بہ مرکب حسی اور وجہ شب اس میں ایک شے سفید رنگ مدور کا ایسی چوڑی چیز میں واقع ہونا ہے جو محراب ہو۔

سادہ رنگین حدید کا درخفت میں ہے آہیں استہلی پہ نیوزر کنون صدقہ میں ہے

پتلی مشبہ مفرد حسی اور سادہ نگین حدید کا در نجف میں ہونا اور در مکنون کا صدف میں ہونا یہ دونوں مشبہ یہ مرکب حسی ہیں اور وجہ شبہ اس میں ایک شے گول اور چمکدار اور عزیز الوجود کا ایسے جسم میں کہ بیضادی شکل پر ہو ہے۔

برق

ابر وہ بھی اک نمونہ ہے اسکے کمال کا

کھینچا ہے آفتاب پہ نقشہ ہلال کا

ابر وہ مشبہ مفرد حسی ہے اور آفتاب پر ہلال کا نقشہ کھینچنا مشبہ یہ مرکب حسی اور وجہ شبہ وہ ہیئت ہے جو ایک براق اور مدور چیز میں ایک باریک اور خم دار چیز کے واقع ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

سودا

آگے نغمہ بحر کرم کے صدف پر گوہر

مٹھی اسکی ہے جسے نیکے شدت چپک

صدف پر گوہر کو اس مٹھی کے ساتھ تشبیہی ہے جسکو نہایت سخت چپک لگی ہو یہاں وجہ شبہ وہ ہیئت ہے جو ایک مدور شے میں سوراخوں کی وجہ سے بھڑکنے پھٹنے کے قانون کی طرح ہوتی ہے۔

اوہ جھنڈیاں نظر پڑیں اک دم میں اس طرح ولہ گاذر بچا دین پارچہ چون نہر کے کنار

جھنڈیاں مشبہ مفرد حسی در گاذر کا پارچہ نہر کے کنارے بچانا مشبہ یہ مرکب حسی اور وجہ شبہ ظاہر ہے

شاداب

حلقہ گیسو میں یار اک بلاے جان شان

یا پئے تسخیر دل دام منبر و دوش پر

حلقہ گیسو مشبہ مفرد حسی ہے اور تسخیر دل کے لیے دام منبر کا دوش پر ہونا مشبہ یہ مرکب حسی ہے اور وجہ شبہ ظاہر ہے۔

محمود

اخال ہے عارض جانان پہ کہ ہر آفت عود

چشمے گونہ کی کہ کوثر ہے ہر خونبار گھٹا

سرخ آنکھ کو اس گھٹا سے تشبیہ دی ہے جو کوثر کے چشمے پر خونبار ہوا در وجہ شبہ ظاہر ہے۔

دبیر

تینغین میں کہ شوق القہر احمد نے کیا ہے

اک ٹرڑا تینغین ایک تینغین حق نے دیا ہے

تینغین مشبہ مفرد حسی اور احمد کا شوق القہر کرنا مشبہ یہ مرکب حسی اور وجہ شبہ وہ ہیئت ہے جو فضا میں دو اجسام ہلالی شکل کے واقع ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

اسکے چوڑے کو بھلا کیونکر لگاؤں ہاتھ میں کو تم

سانپ گندلی مارے بیٹھا ہے وہاں بالاسر

جوڑا مشبہ مفرد حسی ہے اور سانپ کا گنڈلی مار کر سر کے اوپر پٹھنا مشبہ بہ مرکب حسی ہے اور درجہ مشبہ
اس میں ایک سیاہ اور مدور چیز کا ایک مسطح چیز پر واقع ہونا ہے۔

میر حسن

دہ دست حنا بستہ خونی کا باب | شفق میں ہوں جون بجے آفتاب |

دست حنا بستہ مشبہ مفرد ہے اور شفق میں آفتاب کا موجود ہونا مشبہ بہ مرکب ہے اور یہ دونوں جتنی
ہیں اور درجہ مشبہ ایک ہیئت ہے۔ جو ایک ایسے گول اور براق جسم کے کہ جس میں سے چمکدار دراز اجاگر
نکلے ہوئے ہوں ساتھ ایک شبرخ جسم کے موجود ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

عبرت

انظر آتا ہے اس کا وہ پسینہ | جڑا گندن پہ سیرے کا نگینہ |

پسینہ مشبہ مفرد حسی اور گندن پہ سیر کا نگینہ جڑا ہونا مشبہ بہ مرکب حسی اور درجہ مشبہ ظاہر ہے۔
(۴۲) مشبہ مرکب حسی اور مشبہ بہ مفرد حسی ہو۔

ظفر

برنگہ فائدہ زبور میں لے ناوک انداز | تیرے تیروں کے میرے دل میں گھر نزدیک تو یک |

بار کے تیروں کے دل میں سو راخ نزدیک ہونے کو بھڑوں کے چھتے کے ساتھ تشبیہ دی ہے پس
مرکب حسی ہے اور مشبہ بہ مفرد حسی اور درجہ مشبہ وہ ہیئت ہے جو سو راخ دار شکل پر چھلنی کے خالوں کی طرح
ہوتی ہے یہی حال اس شعر میں ہے۔

دلگیر

جس وقت ہوا غلط جراحات بہت چور | اور سینہ پراز زخموں کے چون خانہ زبور |

مخشر

یہ ہماری کا ترے گنہ کے ہے خیال رکھے | عبث نہ شمع نے سر پر دھوین سے بال رکھے |
شمع کے سر پر دھوین کا دراز ہونا مشبہ مرکب حسی اور بال مشبہ بہ مفرد حسی اور اس میں جڑا
ایک دراز اور راست اور گوری گوری چیز پر ایک سیاہ اور دراز چیز کا موجود ہونا ہے۔

واغ

ہر سہا برین اس روپ پہ بکون کی قطار | انجم کا ہکشان کی ہو لڑی جیسے ہسم |

سیہ بادل میں سفید بگلوں کی قطار کا ہونا شبہ مرکب حسی ہر اور کا ہلکان کے ستارے شبہ ہر فرد کی
 میں در اس میں وجہ یہ وہ ہیئت جو بہت سی چیزوں کے سیاہ چیزوں میں مجتمع ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔

امانت

اچوتی میں متصل جو لپٹا ہر بار سے ہے کینچی کا شبہ چنبیلی کے ہار پر
 کینچی شبہ ہر فرد حسی و چنبیلی کے ہار کا چوتی میں عمل لپٹا ہونا شبہ مرکب حسی ہر اور وجہ شبہ
 ایک دراز و سفید چیز کا سیاہ دراز چیز پر لپٹا ہونا ہے۔

انفاق

یار نے نشان جو چھڑک زلف میں اٹھ گیا کوڑیا لال سانپ ہر کچھ اس میں اتنا نہیں
 یار کا زلف میں نشان چھڑکنا شبہ ہر اور یہ مرکب ہر اور کوڑیا لال سانپ شبہ یہ ہے اور یہ فرد ہر
 اور وجہ شبہ ایک سیاہ شے میں ایک سفید چیز کا موجود ہونا ہے۔

سیدر حاصل جس میں شاعر

ازدب نشان کے درختہ نہی بار میں ہا کوڑ کر لائے ہن یہ چرخ سے آخر گیسو
 افسان کے سفید روان کا سیاہ بانوں میں چمک دکھانا شبہ مرکب حسی ہر اور آخر شبہ ہر فرد حسی
 اور وجہ شبہ قیاس ہے۔
 دوم وجہ شبہ مرکب عقلی اسکی مثال یہ ہے۔

قہر

اسا تہرے شل ہر جو غامض ہے علم کو یادہ اک کہ جاہر کتب سے لدا ہوا
 اس شعر میں عالم بے علم کی حالت یعنی اس بیستہ کو جو علم کے پڑھنے اور اسکی تکمیل میں محنت
 اٹھاتا ہے شاعر نے نوٹے سے تنبیہ زد گدھے کی حالت سے یعنی اس بیستہ سے تشبیہ دی ہے جو بڑی بڑی
 کتابوں کا بوجھ اُنپر لدا ہوئے اور ان کتابوں میں علم موجود ہونے اور اس گدھے کے اُن سے فتنہ ہونے سے تنبیہ
 ہے اور جامع دونوں میں فائدہ مند ہونا ہے ہر رفیع کریموں چیز سے باوجود متحمل ہونے کے مصائب کے
 اور نتیجہ کتب کے اور لباس رکھنے کیسی شاعر نے۔

سیر

بہا اسے قدم پر خدیں بے جان ہا زمین پر تاج گرا ویدہ سلیمان کا
 وجہ شبہ بیان میں شاعر ہونا چیز خوب و زری ناہی۔

ذوق

مطلب کے اپنے کون ہی گاہِ جزئیہ
جون خطِ سرِ نوشت میں پیشانیوں میں ہم
حکلم کے اپنی حالت کو یعنی اس ہیئت کو کہ ہم مطلب تو رکھتے ہیں مگر سوا خدا کے کوئی اس کو جان
نہیں سکتا اس خط سے تشبیہ دی ہے جو قضا و قدر کی طرف سے پیشانیوں پر لکھا ہوتا ہے اور وجہ تشبیہ
دولوں میں یہ ہے کہ باوجود وجود اور تشعین ہونے کے کوئی حال اور راز کو معلوم نہیں کر سکتا۔

مہاراجہ سرکشن پرشاد مخلص بہ شاد

اس زمانے میں تو یہی ہے یکتا
جیسے کثرت میں ایک وحدت ہے

اس شعر میں وجہ مشابہت اقل کا اکثر پر فوقیت رکھنا ہے۔

غالب

مثال یہی کوشش کی ہے کہ مرغِ سیر
کرے نفس میں فراہم خسرِ اشیان کے لیے
وجہ شبہ بیان کوشش کا ایسے طور پر واقع ہوتا ہے کہ وہ کوشش کرنے والے کے حق میں فضول
اور غیر مفید ثابت ہو۔

امانت

بکرِ قریب یار کے گھر سے نکل گیا
مریخ آج برجِ مُتَر سے نکل گیا
وجہ شبہ بیان ایک شخص اور بد وجود سے ایک مبارک اور اچھے وجود کا پاک و صاف ہونا ہے۔
تشبیہ جب وجہ شبہ کوئی ہیئت ہو مرکب کئی چیز سے عام اس کے کہ وہ اجزا جی ہوں یا عقلی
اگر ان میں سے بعض اجزا کو لین اور بعض کو چھوڑ دین تو تشبیہ میں غلطی ہو جاتی ہے ایسے سارے اجزا میں
شبہ کو شبہ پر سے تشبیہ دینا چاہیے۔

وجہ شبہ متعدد اسکی تین قسمیں ہیں اس طرح کہ یا حسی ہونی ہے یا عقلی یا مختلف۔
مثال اول جیسے سیب کی تشبیہ میں بھی کے ساتھ رنگ اور مزہ اور خوشبودیہ شبہ ہے اور
دلف و سنبل کی تشبیہ میں دمازی اور باریکی اور پچیدگی۔

برق

گول گول اس تری پستان کے تصدقِ خورشید
چڑیے صانعِ عالم نے بدن میں مہتاب

پستان کو مہتاب سے تشبیہ دی ہے اور وجہ شبہ گولائی اور خوبصورتی ہے

کھل گئی لہ کے عالم میں جو اسکی پستان
ولہ انجھے پنوار کہ بلور کا سا غر جہکا

پستان کو ساغر بلور سے تشبیہ دی ہو وجہ شبہ گول اور کجھرا ہوا ہونا اور شفاف ہونا ہے۔

فلق

سرو ساقد تو گل سے رخسار سا | شانے بازو بھرے بھرے سار سا

قد کی تشبیہ میں سرو کے ساتھ راستی و بلندی وجہ شبہ ہو اور رخسار کی تشبیہ میں گل کے ساتھ رنگ کی سرفخی اور بلائمت وجہ شبہ ہے۔

وزیر

مرہی جاؤنگا اگر صبح کا تارا نکلا | یاد آئے گا کسی مہ کا درگوش مجھے

درگوش اور صبح کے تارے میں گولائی اور چمک وجہ شبہ ہے۔

آباد

کیا سطر ہی پسینہ پھول سے رخسار کا | خشک آگے عطر مٹی ہو گیا گلزار کا

فارغ

قطرہ اشک جو نکلا سودہ گوہر نکلا | بعد مدت کے مری چشم کا جوہر نکلا

قطرہ اشک اور موتی میں گولائی اور آب فاری وجہ شبہ ہے۔

سودا

یا کی بیت ابرو پر خال نہیں ہے ہر نقطہ | آفرین ہو صد آفرین صاحب انتخاب

خال کو نقطے سے تشبیہ دی ہو اور وجہ شبہ دونوں میں رنگ کی سیاہی یا دھندلے شکل مخصوص ہے۔

فلق

کیا وصف حسن کا میں کوئی اسکے غسل | موتی کا دانہ بن گیا ہر قطرہ آب کا

قطرہ آب کی تشبیہ میں موتی کے ساتھ مدور ہونا اور چمکدار ہونا وجہ شبہ ہے۔

مہدی علی زکی

انجام یار یہ مئے یہ مٹکشی باندھی | کیا پی انکم کا تل کے ٹمھ کا خال ہوا

انکم کے تل کی تشبیہ میں خال رخ محبوب کے ساتھ وجہ شبہ سیاہی اور شکل مخصوص ہے۔

جیسے کسی پرند کی تشبیہ میں کٹے کے ساتھ نظر کی تیزی اور دشمن بکھاریت

بچنا اور مباحث کو چھپانا وجہ شبہ ہو اور یہ سب امور عقلی ہیں۔

ضیاء الدین ضیا

جون چنار اس جانہ پھولے میں پھل لگتے ہیں تم
جب مراد انہی کو پہونچے ہیں تو جل جاتے ہیں
وجہ شبہ اس میں دو چیزیں ہیں ایک یہ کہ ان چیزوں کا حاصل نہ ہو سکتا جو موجب کمال و غرت
ہیں اور دوسرے سرحد کمال کے قریب پہونچ کر ایسا نقصان اٹھانا کہ جس کی تلافی ممکن نہیں اور یہ
دونوں باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور اپنے کام کے دونوں حالی کو چنار کے دونوں حال سے جدا جدا
تشبیہ دی ہے۔

سودا

لسان دانہ روئیدہ ایک بار گرہ پا
کھلی جو کام سے میرے پڑی ہزار گرہ
وجہ شبہ اس میں ایک کام کا تھوڑا سا لپٹا ہونا پہلی دفعہ اور بعد اس کے زیادہ تر دہرا ہونا ہے
اور یہ دو باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور اپنے کام کے دونوں حال کو دانے کے دونوں حال سے
جدا جدا تشبیہ دی ہو نہ مجموع کو مجموع سے۔

امیر مینائی

دل میں ہے مثل ہیزم واکش
جو گھٹائے اُسے بڑھائیں

وجہ شبہ اس میں دو چیزیں ہیں ایک تو مخالفت کے ہاتھ سے تنزل حاصل کرنا پہلی دفعہ اس کے بعد
اپنے تنزل کے ذریعہ سے مخالفت کو ترقی کو پہونچانا اور یہ دو باتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور اپنے دونوں حال کو
ہیزم واکش کے دونوں حالوں سے تشبیہ دی ہو نہ مجموع کو مجموع سے۔

تشبیہ وجہ شبہ مرکب اور وجہ شبہ تعدد میں ہی فرق ہے کہ تعدد میں چند چیزیں
وجہ شبہ ہوتی ہیں جن میں سے ہر ایک بنفسہ مستقل ہوتی ہے بخلاف مرکب کے کہ اس میں سب چیزیں
مجموع سے جو حقیقت واحدہ نہیں بن جاتا عقل ایک چیز یعنی بیست اقتراع کر لیتی ہے۔
مثال سوم جیسے۔

مومن

باراندا از ہوا روز سپید
آکلی وہ گھر سے کہ نکلا خورشید

سراج

نہیں ہر تاب بجھے تیرے سامنے جانان
کہان سراج کہان آفتاب عالم تاب

معتوق کی تشبیہ میں سورج کے ساتھ دو چیزیں وجہ شبہ ہیں ایک منہ کی خوبصورتی اور دوسری ہر
دوسرے شان کا شرف اور یہ عقلی ہے کیونکہ شرف کا ادراک حواس ظاہرہ میں سے کسی جس کے ساتھ
نہیں ہو سکتا بلکہ اسکو عقل ادراک کرتی ہوگا اسکا سبب کبھی حس ہوتا ہے۔

اشرف

ابر و عقرب میں توہین آپ کے اثر درگیسو ڈر کے مارے نہیں جھوٹے ہیں فسوزنگیسو
ابر کی تشبیہ میں عقرب کے ساتھ باریلی اور بھی اور ایذا رسانی وجہ شبہ میں اور گیسو کی تشبیہ
میں اثر کے ساتھ سیاہی اور درازی اور ایذا رسانی وجہ شبہ میں جن میں سے بعض حس ہے بعض عقلی۔

رافت

نہا کے کو جاتا ہے وہ سوے آب کہہ نقش پا جس کا ہے آفتاب
نقش پا کی تشبیہ میں آفتاب کے ساتھ ایک وجہ شبہ تو خوبصورتی ہے اور دوسرے وجہ شبہ
شرف رتبہ ہے۔

مختصر

ایک کھٹک ل میں جدار و جہنمی جدا
ابر کی تشبیہ میں پیش عقرب اور شیر کی مونچھ کے بال کے ساتھ وجہ شبہ دو چیزیں ہیں ایک
نوکلار ہونا اور دوسرے ایذا رسانی۔

آتش

ہلائے بام خانہ وہ عالی جناب ہے
انزل سے اپنی جلوہ نما آفتاب ہے
الوار حسین سلیم
بیٹھے جلسے میں اس طرح نوشتہ
جیسے ہر اسم کی انجمن میں ماہ

حسرت

وقت نظارہ کسی کی مردک
عین گولی ہے مجھے ہندوق کی
مردک کو ہندوق کی گولی سے تشبیہی ہے اور وجہ شبہ اس میں کئی چیزیں ہیں ایک گولہ
اور یہ امر حس ہے دوسرے جان لے لینا اور یہ امر عقلی ہے۔

نعم

پتوون نے جان کی عاشق ناشاد کی
تخ ابرو یار کی تلوار ہے جلا د کی

وجہ شبہ ہر کی تشبیہ میں تلوار کے ساتھ ہلائی شکل چونکہ اور جان لینا ہر اور دل حسی ہر اور دوم عقلی

سودا

یا وہ مجھ کو بھی کی ہیں ڈبیاں دونوں آئی ہر جان میں چھوٹے سے چھین رو ملک
پستان کو مجھ کو بھی کی ڈبیاں سے تشبیہ دی ہر اور وجہ شبہ اس میں کمی چھین ہیں ایک مدور ہونا
اور دوسرے ابھرا ہونا یہ دو امر حسی ہیں اور تیسرے رغبت دلانا مرد کو عورت کی یہ امر عقلی ہیں۔

آفتاب صبح محشر داغ بردل کے مرے حکم رکھتا ہے طیبہ مرہم کا فور کا
اس میں وجہ شبہ رنگ کی سفیدی اور گول ہونا ہر کیونکہ جب داغ پر مرہم لگاتے ہیں تو چھپا ہا
گول تراشتے ہیں اور یہ دونوں امر حسی ہیں اور تیسری وجہ شبہ راحت کا پہنچانا ہر اور یہ عقلی ہر۔

الشا

اور سقنقور زروادہ ہیں دونوں ساعد است ہون دیکھ چھین ہر سے لیکر تارنا
ساعد کو سقنقور سے تشبیہ دی ہر اور وجہ شبہ اس میں ایک تو شکل ہر اور یہ حسی ہر اور دوسرے
رغبت دلانا مرد کو عورت کی یہ امر عقلی ہر۔

وجہ شبہ کو تضاد سے حاصل کرنا

علمائے بیان کبھی ایسا کرتے ہیں کہ وجہ شبہ کو تضاد سے حاصل کرتے ہیں اور طریقہ اس کا یہ ہے
کہ دو ضد کو باہم تشبیہ دیتے ہیں اور ان دونوں میں جو معنی تضاد مشترک ہوتے ہیں انھیں وجہ شبہ
اعتبار کرتے ہیں اور ضدیت کو بمنزلے تناسب کے سمجھتے ہیں اور اس قسم کی تشبیہ سے غرض دل لگی
اور خوش طبعی یا مسخر اور استہزا ہوتا ہر جیسے نامرد کو شیر سے تشبیہ دین اور کنبوس کو حاتم سے۔

میر

کیونکہ پہنچی ہے جن کو امرائی سب وہ اولاد حاتم طائی
امر سے عجیل کو حاتم طائی کی اولاد سے تشبیہ دی ہے اور اس میں ظرافت و استہزا دونوں کی
صلاحیت ہر اور فرق شاعر کے قصیدہ پر منحصر ہر۔

حالی

شہد خواہ مجھ پس اب یا ورون کو شیرے نہ ٹھہراؤ تم رہبرون کو
رہبرون کی تشبیہ لیرن کے ساتھ بطریق استہزا کے واقع ہوئی ہر۔
لبون کا بوسہ ترے لیے جان ی میں قصہ یہ میرے واسطے تریاق زہر کیونکہ ہوا

ترباق کو زہر سے تشبیہ دی اور تشبیہ بطور استہزا کے واقع ہوئی ہے۔

اس مقام پر بعض اہل علم نے یہ خیال کیا ہے کہ وجہ شبہ نامرد کی تشبیہ میں شیر کے ساتھ تضاد ہے جو شبہ اور شبہ بہ میں باعتبار نامردی و شجاعت کے مشترک ہے اسی طرح کنجوس کی تشبیہ میں حاتم کے ساتھ وجہ شبہ تضاد ہے جو شبہ اور شبہ بہ میں باعتبار کرم و بخل کے ساتھ مشترک ہے اور یہ اسے انکی غلطی سے خالی نہیں کیونکہ جب ہم کہیں گے کہ نامرد شیر کی طرح ہے تضاد میں یعنی نامرد شیر کی طرح ہے اس وجہ سے کہ ایک دوسرے کی ضد ہے تو اس طرح کہنے سے کسی طرح ظرافت اور استہزا کا فائدہ حاصل نہ ہوگا اور یہ کہنا ایسا ہے جیسے کہیں سیاہی سفیدی کی طرح ہے رنگ یا تعابیل میں کیونکہ بیان تو ضدیت کو بمنزلے تناسب کے مانا گیا ہے اور نہ وجہ شبہ تضاد سے حاصل ہوئی ہے بلکہ نفس تضاد ہے اور ان کی رائے کے غلط ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ تشبیہ میں وجہ شبہ کی تصریح صحیح ہے اور تضاد کی تصریح نامرد کی تشبیہ میں شیر کے ساتھ ظرافت و استہزا کے طور پر اسی طرح کنجوس کی تشبیہ میں حاتم کے ساتھ ظرافت و استہزا کے طور پر درست نہیں کیونکہ جب ہم اس طرح کہیں گے کہ نامرد شیر کی طرح ہے تضاد میں اور کنجوس حاتم کی طرح ہے تضاد میں تو ایسی حالت میں ظرافت و استہزا نہ رہے گا اور جب یوں کہیں گے کہ نامرد شیر کی طرح ہے شجاعت میں اور کنجوس حاتم کی طرح ہے سخاوت میں تو اب یہ تشبیہ ظرافت و استہزا کے طور پر درست ہوگی اسی دلیل سے ہر ناسخ کے شعریں کا فور کی تشبیہ میں مشک کے ساتھ سیلابی کی تصریح ہے۔

گر دیے خطے ترے عاقل پر نور سیاح | ہو گیا مشک کی مانند یہ کا فور سیاہ

سوال وجہ شبہ کے لیے یہ ضرور ہے کہ اس میں شبہ اور شبہ بہ مشترک ہوں اور ظاہر ہے کہ نامرد شجاع نہیں ہوتا اور نہ کنجوس سخی ہوتا ہے پس جبکہ بیان اشتراک نہیں ہے تو شجاعت کو نامرد اور شیر کی تشبیہ میں اور سخاوت کو کنجوس اور حاتم کی تشبیہ میں وجہ شبہ بنانا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے وجہ شبہ کا توحق یہ ہے کہ شبہ اور شبہ بہ دونوں پر صادق آئے اگر ایک پر صادق نہ آئے گی تو تشبیہ فاسد ہو جائے گی۔

جواب شبہ اور شبہ بہ کے معنی متضاد کو بمنزلے تناسب کے قرار دے لیتے ہیں پس نامرد شیر کی تشبیہ میں نامردی کو بمنزلے شجاعت کے مان لیتے ہیں اور کنجوس و حاتم کی تشبیہ میں بخل کو بمنزلے سخاوت کے سمجھ لیتے ہیں پس نامرد مان لینے کی وجہ سے شجاع اسی طرح کنجوس سمجھ لینے کی وجہ سے سخی ہے اور اس طرح اشتراک حاصل ہو جاتا ہے۔ اور وجہ شبہ کے لیے یہ ضرور نہیں کہ تحقیقی طور پر شبہ و

مشبہ بہ میں بانی جائے جیسے شجاعت مرد شجاع اور شیر میں تحقیقی طور پر بانی جاتی، ہر جگہ کبھی تخیلی اور تاویلی طور پر بانی جاتی ہے دونوں میں یا ایک میں جیسے کہ میں علم نور کی طرح ہر یا شرع اسلام نور کے مانند ہر اور جبل تاریکی کی طرح ہر یا کفر سیاہی کے مثل ہر پس بیان یہ خیال کر لیا ہر کہ علم اور شریعت اسلام ایسے اجسام میں سے ہیں جو سفیدی اور چمک رکھتے ہیں اسی طرح یہ خیال کر لیا ہے کہ جبل و کفر ان اجسام میں سے ہیں جو ظلمت و سیاہی رکھنے والے ہیں پس بسبب تخیل کے علم شرع اور اسلام ان چیزوں میں سے ہو گئے جو سفیدی و چمک رکھتی ہیں اور جبل و کفر ان چیزوں میں سے ہو گئے جو سیاہی اور تاریکی رکھتی ہیں۔

تیسرا چمن غرض تشبیہ کے بیان میں

غرض تشبیہ وہ ہے کہ تشبیہ ایک چیز کی دوسری چیز سے اُس کے واسطے ہو اسیلے کہ اگر غرض تشبیہ کچھ نہ ہو تو تشبیہ فعل حبث ہوگی چنانچہ ناسخ کے اس شعر میں غرض تشبیہ صاف طور پر معلوم نہیں ہوتی۔
دہن یار کی مانند ہوا ہے معدوم
دھونڈتے پھرتے ہیں ہم اپنا دہن ان روزوں
ناسخ کا دہن معشوق کے دہن کے مانند کیوں ہو گیا اسکی غرض معلوم نہوئی۔ تشبیہ کی غرض تو
چیزوں کی طرف رجوع کرتی ہے۔

ایک مشبہ کی طرف یعنی اکثر غرض اُس سے یہ ہوتی ہے کہ مشبہ کا حسن و قبح یا کوئی دوسرا حال بیان کیا جائے اور تشبیہ میں زیادہ تر یہی ہوتا ہے اور یہ کئی حال سے خالی نہیں۔
۱) تشبیہ سے یہ غرض ہوتی ہے کہ بیان کیا جائے کہ مشبہ کا وجود ممکن ہے اور یہ بات دہان ہوتی ہے کہ جہاں اُس کے متنع ہونے کا بھی دعویٰ کر سکتے ہیں اور اس صورت میں یہ ہونا چاہیے کہ مشبہ پر جہش کے ساتھ مشہور اور امکانیت میں مسلم ہوتا کہ مشبہ کے ممکن ہونے پر دلیل ہو۔

ذوق

تجسس دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جون نگاہ
تو رہا آنکھوں میں وہ آنکھوں سے پہنان ہی رہا

مراد شاعر کی یہ ہے کہ معشوق باوجود آنکھوں میں ہونے کے آنکھوں سے پوشیدہ ہے اور یہ ادعا ظاہر میں متنع معلوم ہوتا ہے اسیلے کہ محال ہے کہ کوئی چیز آنکھوں میں رہے اور پھر دکھ نہ سکے اسیلے شاعر نے نگاہ کے ساتھ اُسکو تشبیہ دے کر اس امر کا امکان بیان کر دیا اسیلے کہ نگاہ باوجود آنکھوں میں ہونے کے آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

ولہ

علم ہے کچھ اور ستے اور آدمیت اور ہے کتنا طوطے کو پڑھایا پردہ حیوان ہی رہا

شاعر نے دعویٰ کیا ہے کہ آدمیت کا حاصل ہوتا علم کی تحصیل پر موقوف نہیں اور یہ دعویٰ ظاہر میں ممتنع ہے اس لیے کہ محال ہے کہ علم کی تحصیل سے آدمیت حاصل نہ ہو جب شاعر نے طوطے کے ساتھ تشبیہ دی تو یہ امر ممکن ہو گیا کیونکہ طوطے کو کتنا ہی پڑھایا جائے مگر آدمیت حاصل نہیں کر سکتا۔

الٹش

برنگ شمع ہم دل سوختوں نے بزم عالم میں زبان کھولی نہ لیکن بات کرنے کا محل یا

شاعر نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم نے زبان کھولی مگر بات کر نیکا محل نہ ملا اور یہ دعویٰ ظاہر میں ممتنع معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ محال ہے کہ کوئی زبان کھولے اور بھری بات نہ کرے جب شاعر نے شمع کے ساتھ تشبیہ دی تو یہ امر ممکن ہو گیا۔

درد

جون شمع جمع ہوں اگر اہل سخن ہزار آپس میں چاہیے کہ کچھ گفتگو نہ ہو

مراد شاعر کی یہ ہے کہ اہل سخن بہت سے جمع ہوں، در بات نہ کریں اور یہ امر ظاہر میں ممتنع معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ محال ہے کہ اہل سخن جمع ہوں اور بات نہ کریں اس لیے شاعر نے شمع کے ساتھ اس کو تشبیہ دے کر اس امر کا امکان بیان کر دیا ہے۔

(۲) تشبیہ سے غرض شبہ کا حال بیان کرنا ہو یعنی یہ دکھانا مقصود ہو کہ وہ کس وصف کے ساتھ متصف ہے مثلاً سفید ہے یا سیاہ ہے یا سُرخ وغیرہ جیسے کسی چیز کو سیاہی یا سفیدی میں دوسری چیز کے ساتھ تشبیہ دین اور اس قسم میں یہ بھی شرط ہے کہ شبہ بہ وجہ تشبیہ کے ساتھ مشہور ہو ورنہ تشبیہ بیان حال کے لیے نہوگی اور جب شبہ بہ وجہ شبہ کے ساتھ مشہور ہوگا تو اس کے حال سے شبہ کے حال پر آگاہی ہوگی جیسے سودا آسمان کی مذمت میں کہتا ہے۔

رکھتا ہے پر غرور کو جو نیزہ سر بند جون جادہ خاکسار کو دے خیزن پے ڈال

پر غرور کے سر بند رکھنے کا اور خاکسار کے زمین پر ٹوٹنے کا حال نیزے اور جادے کی تشبیہ سے واضح ہو گیا۔

نادر

چہرے سے بڑھکے خال پر مس خانہ جنگ ازعت سیاہ دودے گویا تغنگ کا

یہ شعر خال و زعفران کے گول در سیاہ اور نیز زبان ستان ہونے کے بیان میں ہے اور خال کے گول اور

زلف کے سیاہ اور دونوں کے عمان ستان ہونیکا حال چہرے اور بندوق کے دھوین کا تشبیہ واضح ہو گیا

تسمیم

اک شب کہ وہ زلف بہ خان بچھا | یا آتش مسر کا دھان بھی

بہان تشبیہ سے غرض شب کے اندھیرے کا حال بیان کرتا ہے پس زلف اور دھوین کے ساتھ تشبیہ دینے سے بخوبی ظاہر ہو گیا۔

مومن

اک داغ سیاہ خال سا تھا | یہ لطف فغان تعلق نا تھا

داغ کی سیاہی کا حال باسکو خال سیاہ کے ساتھ تشبیہ دینے سے بخوبی ظاہر ہو گیا۔

شہیدی

سوسن صفت کبود تھے لب کے بے سی | تھا سرخ غنچہ سانہ دھن رنگ پان تھا

لب کے کبود ہونیکا حال اور دھن کے سرخ ہونیکا حال سوسن اور غنچے کی تشبیہ سے ظاہر ہو گیا۔

سود

جون سگ لیے پھرتا ہو بڑی کسی تہی میں | قاصد کنے ہے میرا یون نامہ پچیدہ

ایش

لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت ایش | جوشک سے بال تھے وہ کافور ہو

جوانی کے بالوں کو سیاہی میں مشک سے اور طہا پے کے بالوں کو سفیدی میں کافور سے تشبیہ دی ہے اور غرض اس سے دونوں مردوں کے بالوں کا حال بیان کرتا ہے۔

ناور

سیاہی ای پیری رویوں عیان ہے تیرے پستان | سیہ زہور ہوئے جیسے مخفی ناز بستان میں

پستان کے سرے شبہ ہیں اور سیہ زہور شبہ ہے اور درجہ شبہ سیاہی ہے اور غرض تشبیہ سے پستان کے سرور کی سیاہی کا حال بیان کرتا ہے۔

آتش

حلب رخ میں ترے خالوں کا | شکر زنگ رہا کرتا ہے

خالوں کو شکر زنگ سے تشبیہ دی ہے اور غرض خالوں کی سیاہی کا حال بیان کرتا ہے۔

وہم) شبہ کے حال کی مقدار بیان کرنا منظور ہوتا کہ شبہ کا حال قوت اور ضعف اور زیادہ

اور نقصان میں معلوم ہو جائے اور یہ ایسی حالت میں ہو کہ سامع مقدار شبہ بہ کی جانتا ہو نہ شبہ کی اور اس صورت میں چاہیے کہ شبہ بہ کے حال کی مقدار شبہ کے حال کی مقدار کے برابر مشہور ہو نہ کم نہ زیادہ تاکہ شبہ کے حال کی مقدار جیسی نفس لامر میں ہو ویسی ہی معین کی جاسے مثلاً کالے کپڑے کو کوہے کے پر سے تشبیہ دین سیاہی کی شدت میں یا سفید کپڑے کو برف سے تشبیہ دین سفیدی کی شدت میں اور وہن معشوق کو نقطے سے کمی میں اور زلف کو روز حشر سے درازی کی زیادتی میں اور کمر پار کو غنایا بال سے تشبیہ دین اور غرض ادل سے نایابی میں اور دوم سے باریکی میں مبالغہ ہو اور شراب کو خون کو تر سے تشبیہ دین اور غرض اس سے اسکی سرخی میں مبالغہ ہو۔

میر

کہان ہر وہ خون کبوتری سے

سودا

تیری کتنی ہی غنی بھگو میں چاہوں سو کیا

دارھی ایسی ہی تری روئی کا جیسے گالا

غرض تشبیہ سے یہاں دارھی کی سفیدی میں مبالغہ ہے۔

نظیر اکبر آبادی

افان کوئی آیا لیے ایک مرصع نیچرا

لال دستار دوپٹہ بھی ہر جون طوطا

غرض تشبیہ سے یہاں دوپٹے کی سبزی میں مبالغہ ہے۔

میر

اسبند کیا سینہ بال کیا پرو بال

جیسے چشم خردس آنکھیں لال

آنکھ کی سرخی میں مبالغہ منظور ہے۔

میر

اس قدر ہوں زار اسکی ابرو سے خمدار

جسم فطر لاغری سے بال ہی تلوار کا

یہاں خرمیں تشبیہ سے جسم کی لاغری میں مبالغہ ہے۔

مومن

یہ حالت قامت خمیدہ

جیسے شجر خزان رسیدہ

غرض تشبیہ سے یہاں کمزوری اور ناطقتی اور لاغری میں مبالغہ ہے۔

جوان ابر نہایت اشکباری ولم جون رعد بشت آہ وزاری

جونا کہ زینت زبان ہے | جون نوحہ مرگ لوجوان ہے

ولہ

دم گلشت وہ سبک رفتن | اہتر از نسیم بستانی پڑا
روز جنگا سکے نیم جولان میں | صرصر عادی کی سی طغیانی

سید شاہ محمد اکبر

کشیدہ تھا کبھی مثل لاف جو قدسی | دہ سخی ہوا ایسا کہ بنگیا ہمسزہ

یہ ککے بہم ملے دہ ایسے | صفحے خط تو امان کے جیسے

دبیر

بس شاعری میں ختم کر کی یہ شنا ہے | اصد ہون کے سبب کینہ میں بال پڑا کر

برق

حسرت رہی کہ دام میں عنقا کو لایے | شتاق میں ازل سے تمھاری کر کے ہاتھ

ظاہر

خیری کر کو بال سے تشبیہ تام ہے | اس میں نہیں ہر فرق سر مو کسی طرح

افضل

عنقا وہاں یار کو سمجھا تو ہے بجا | ہے نام تو سنا نہیں ملتا نشان مجھے

غرض تشبیہ سے مبالغہ دہن کی ناپیدی میں ہے۔

امیر علی اوسط رشک

نام دہن سے جب نہ دہن کا پتا ملا | لفظ دہن کے نقطے کو سمجھا تو دہن ا

وزیر

غدار یار پہ زلف سیاہ فام نہیں | اگر یہ حشر کا دن ہے کہ جسکی شام نہیں

نقیس

گوندیو بھی جس سے کرے وہ جتہ آشوم | سیہ کلائی کتھی یا نیل مست کی خرطوم

۱۴) غرض تشبیہ سے یہ ہو کر مشبکا حال سننے والے کے ذہن نہیں ہو جائے اس میں اور پہلی قسم میں یہ فرق ہے کہ اس میں مطلقاً بیان ہوتا ہے اور اس میں بیان خاطر نشین کرنے کے ساتھ

ہوتا ہے اور اس قسم میں اکثر غرض تشبیہ بطور تمثیل کے واقع ہوتی ہے اور یہاں یہ چاہیے کہ مشبہ سے
 مشبہ بہ اکمل اور اشہر ہو دے کیونکہ طبیعت کامل اور مشہور کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے جیسے
 مولوی ذکار اللہ کی اس عبارت میں "ساری دنیا سمندرون بگردن بگردن خلیجون دریاؤں ندی
 مالون سے بھری پڑی ہے" اس لیے پانی کا دوبار تجارت اور آمد و رفت میں تمام اسکی کوششوں کو
 نقش بر آب بنانا، کوشش کو پانی پر کھچے ہوئے نقش سے تشبیہ دی ہے اور اس میں کوشش کا
 بے فائدہ ہونا اچھی طرح ثابت ہوتا ہے۔ بے فائدہ ہونا اور جلد مٹنا اس
 نقشے کا ظاہر ہے جب کسی کام کو اس سے تشبیہ دی جائے گی تو اس کا بے فائدہ
 ہونا اچھی طرح خاطر نشین ہو جائے گا کیونکہ بہ نسبت عقلیات کے حیات اچھی طرح فکر میں
 آجاتے ہیں کیونکہ حیات کے ساتھ نفس کو زیادہ رغبت ہوتی ہے اور نفس کو وہ عقلیات سے
 پہلے حاصل ہوتے ہیں۔

امیر

لے گئے ہیں جہاں کو سیلاب
 نقش عالم کا نقش تھا بر آب
 عالم کی چیزوں کو پانی کے نقش سے تشبیہ دی ہے۔

دوق

مے عشرت طلب کرتے تھے ناحق آسمانے ہم
 کہ آخربا سے دیکھا فقط خالی بہونکلا ہا
 آسمان کا مے عشرت سے خالی ہونا خالی سبکی تشبیہ سے دل نشین ہو گیا۔
 نئے بام کی ہین زیب تہ زینت کسی در کے
 اولم ہم باٹ کے روڑے ہیں دھڑ کے نہ ادھر کے
 قائل کا بیکار محض ہونا باٹ کے روڑے کی تشبیہ سے بخوبی ثابت ہو گیا۔

سودا

نہیں ہوں طالب رزق آسمان کے مجھے
 یقین ہے کہ اسے واژون میں کچھ نہیں ہوتا
 آسمان کا نعمت سے خالی ہونا کاسے واژون کی تشبیہ سے دل نشین ہو گیا۔

غالب

مثال یہی کوشش کی ہے کہ مرغ اسیر
 اگرے نفس میں فراہم خس آشیان کے یہ

حیر الدین یاس

ہونہ ثابت رہا لغت میں کہ چون نقش قدم
 جب تلک مٹ نہیں لیتا نہیں اصل ہلتا

درو

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقش قدم کی طرح نہ کوئی اٹھا سکے

برق

سفلہ عالی مرتبہ بڑھنے سے پائے وصل کیا
اہل رفعت کے لیے برگشتگی بھی دور ہے
طرف عالی ہو تو اعلیٰ سے بجا تے ہیں
اگر دشون سے پست کوئی آسمان ہو نہیں
کس جگہ نیچے زمین کے آسمان ہو نہیں

(۵) تشبیہ سے غرض یہ ہو کہ مشبہ شندالون کی نظیر میں اچھا معلوم ہو جیسے روئے سیاہ کو آنکھ کی
بتلی سے تشبیہ دی جائے۔

حیرت

جون برگ شجر سے چھن کے نکلے مہتاب
یون دیتے ہیں لطف اُسکے باغ سپید

محسن لکھنوی

واغ چیچک کے نہیں لے گل عنا تمھ پر
غنیے جو ہی کے ہوئے ہیں یہ شگفتا تمھ پر

صفدری

چیچک کا سنگرتی ابرو پر یہ ہر داغ
یا قبضہ شمشیر میں خنی یہ جڑی ہے

ایاد

نظر آتے ہیں تجا نے لب رنگین جابان میں
اگر پیدا ہوئے ہیں پارہ لعل بدخشان میں

امانت

خون اُسکے مہاسے سے جو عارض یہ نہ نکلا
یا قوت کی خنی مہ کامل میں جڑی ہے

امیر

تن پہ کیا اسلحہ جنگ نے پایا ہر فروغ
خود ہے مشعل طور زرہ رخت حرم

یادگار

چشم بد دور عجب طرح کا جو بن نکلا
مثل خورشید درخشان رخ روشن نکلا

ضامن

گو ہر نایاب دندان میں دہان یار میں
سُرخ لعل بدخشان ہے زبان یار میں

برق

لال ہونٹوں سے نمایان دانت موتی سے نہیں
کان ہیرے کی نہان یا قوت کی حدن میں ہے

آزاد شاگرد عارف

سُخ روشن پہ جم گئی پتلی
سب کو ناحق گمان ہے تل کا

میدار

لعل پر منصوب جیسے ہو گرا اس لطف کے
اس لب نگین پہ خوش خوش حسن کے بخالہ تھا

ذوق

اُس کی خرطوم کسی دبیر لیلیٰ دش کی
جدد مشکین ہے کہ ہر کا کل عنبر افشان

(۶) تشبیہ سے یہ غرض ہو کہ مشبہ سننے والوں کو بڑا معلوم ہو جیسے بد صورت کی تشبیہ دیو سے۔

نسیم

زنبور سیاہ خال اُس کے
ابرگد کی جٹائیں بال اُس کے

اس مثال میں خال کو زنبور سیاہ سے اور بالوں کو ابرگد کی جٹا سے تشبیہ دی ہے اور غرض
تشبیہ کے بُرائی بیان کرنا خال اور بالوں کا ہے۔

مومن

تفرقہ لب چاک گریبان پہ
خرس کی پشیم اشعار خمیدہ
نقش اجل تصویر دبا تھی
بات میں وہ آواز سلسل
سُخ کی سیاہی شام غریبان
سخت غبار آلا اثر ولیدہ
صورت فتنہ بشکل بلا تھی
صور کا جیسے نفخہ اول

میر

شکل مت پوچھ کھانے کا دیلی
صد منی دیگ ہے شکم اُس کا
گال کچے سے پھر توے سے سیاہ
آوند کالی جو کھول جاوے لیٹ
گنہ ہے چٹوں سے جیسے ردی جلی
انفس اثر دبا ہے دم اُس کا
اکا مہ سر ہے جیسے اوندھا کڑا
آہنی ہے تنور اُس کا پیٹ

میر

زرق و نگاری کوئی ڈبہ ہے ہاتھ
حیض کے سے ایک دو تے زن ساتھ

مصطفیٰ

غرض۔ دیون کے ملین مچھلوگا لیان لاکھوں غرض دوشالے کے خلعت لشکر نقش صیرا

سودا ضاحاک کی بھوین

یہ تو بھین بوڑھے غرس وہ ہر شوخ اچلی + ماری بھو تو دھول کچھو ڈاڑھی لوج لی

الشا

کسی حسین کا اک منہ تو تھا ہی کلچا سا رچاوٹ اور بوئی اب کہ اُسے تل پٹے

ولہ

کچھ نہ پوچھو غرض کہ تھے کیسے + سر تھا اُن کا چکو ترا جیسے +
چڑھا رہتا تھا اُنہ کا لاجبوت اُنکی دونوں بھوین تھیں جون نہتوت
چاٹ کھانا ہی اُن کا تھا پیٹ اُنکی پلکین تھیں آم کا ریشہ
رکھے تھے آپ کے وہ دونوں گال سوکھے ساکھے انا کی سی جھال
ہو بیان کس سے وہ شکوہ و شان مثل اخروٹ تھے وہ دونوں کان
میں کروں عرض آپ جو پونچھیں + تھیں کیرو کے بالوں کی مونچھیں
جب اُنھیں سو جتنا لطیفہ تھا + تب وہ منہ کھلتا جون شریفہ تھا
بھٹے کی داڑھی جیسی تھی داڑھی بلکہ کچھ اور اُس سے تھی گاڑھی
بسکہ بینک کا اُن کو تھا آسیب ٹھڈی جو بن گئی تھی جیسے سیب

(ک) تشبیہ سے یہ غرض ہوتی ہے کہ شبہ کا نادر اور طرفہ ہونا ثابت ہو جائے یعنی شبہ تشبیہ کی وجہ سے ایسی صورت پر واقع ہو کہ عادت کے طور پر اسکی صورت کا ذہن میں حاضر ہونا متمنع ہو اور یہ بیشتر تشبیہ خیالی اور وہی میں پایا جاتا ہے اور شبہ کے نادر اور طرفہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔
(الف) شبہ بہ جسکی وجہ سے شبہ نادر اور طرفہ ہو جاتا ہے فی نفسہ نادر اور طرفہ ہو۔

سمجھو

جام خے میں ہے عکس جہہ یار یا چراغ آفتاب میں روشن

اُسکے گورے بدن میں لال لباس
دیکھو آتش ہے آب میں روشن

چراغ کا آفتاب میں اور آتش کا آب میں روشن ہونا فی نفسہ نادر اور عجیب ہے۔

میر مہدی حسن مخلص

ہوا ہے حلقہ زلف دو تار میں گھر جواب رو کا | نظر آتا ہے افسی ان دنوں ہم خانہ بچو کا
حلقہ زلف میں ابرو کے واقع ہونے کی حالت کو سانپ اور بچو کے ہم خانہ ہونے کی حالت سے
تشبیہ دی اور یہ نہایت عجیب بات ہے۔

اسحاق

سوے سر پالو نپا دی رشک صنوبر میں | سرو کی چوٹی سے نکلا ہے نہال کا کل
سرو کی چوٹی سے نہال کا کل کا نکلتا فی نفسہ نادر ہے۔

ضیاء

کھلی عارض پر زلف یا کیونکر | حلب سے مل گیا تار کیونکر
حلب سے تار کا ملتا فی نفسہ نادر ہے۔

شاداب

عارض پیشانی و ابرو سے قاتل دیکھنا | زیر خنجر چاند ہے بالائے خنجر آفتاب
خنجر کے تیجے چاند اور اوپر آفتاب ہونا فی نفسہ نادر ہے۔

ظفر

دیکھے گرائی بھوین وہ مہ جمال آئینے میں | اکھیلین طاق اور حفت ملکر دو ہلال آئینے میں
دو ہلالوں کا ملکر طاق اور حفت کھیلنا فی نفسہ نادر ہے۔

ولہ

آمال مشکین آتش رخسار پر پیدا ہوا | چشمہ خورشید میں بھی نیلو فر پیدا ہوا
جرم خورشید میں نیلو فر کا پیدا ہونا فی نفسہ نادر ہے۔

ذی

اُسے ہونٹوں میں دہائی ناز سے زلف سیاہ | زہر گویا آب حیوان میں بخور سانپ کا
آب حیوان میں سانپ کا زہر بخورنا فی نفسہ نادر ہے۔

الوار حسین تسلیم

سنبستان میں دکھائی دیے دو تارہ اتار
آئے اُس گل کے جوستان کے برابر گیسو

شہبازستان میں دو تانہ انارون کا پیدا ہونا فی نفسہ نادر ہے۔

سودا

افندق بالگی کہنے کہ نہ دیکھا ہو گا | سرو کی بیخ سے پھولا گل اور رنگ
سرو کی بیخ سے گل اور رنگ کا کھلنا ذہن ساز اور عجیب و غریب ہے۔

منا واپ

آپ کہتا ہے کھلا ہے سرو پر لائے کا پھول | رکھکے تان بیخ وہ خوش قد جوان بالاکسیر
سرو پر لائے کا پھول کھلنا فی نفسہ نادر ہے۔

تفسیر

ہے عجب چنور کا عالم اپنے رشک حور کا | سرو میں خوشہ لگا دیکھا نہ تھا انگور کا۔
سرو میں انگور کا خوشہ لگنا فی نفسہ نادر ہے۔
(ب) شبہ بہ فی نفسہ نادر اور طرفہ نہ ہو بلکہ جس وقت شبہ حاضر ہو اس وقت شبہ کی ندرت اور
طرفگی متحقق ہو۔

محشر

عشق کیون پارہ دل باقر میں آنسو کے بند | بن کھلونے بھی گدین طفل بہلنا دیکھا
بن کھلونے کے بچے کا نہ بہلنا فی نفسہ کچھ نادر نہیں لیکن جب عشق کے پارہ دل آنسوؤں کے ہاتھ میں
دینے کا اور کھلونے کے ساتھ بچے کے بہنے کا تصور ہو تو ان دو متباہ صورتوں کے متصل ہونے سے
ندرت حاصل ہو گئی۔

اسیر

تری آنکھوں کی گردش دیکھ کر سب لوگ کشتیاں | پتلی بھیر رہی ہر دہا کس نڈاز سے گل پیرا
پتلی کا گل پر پھرنا کوئی عجیب بات نہیں لیکن جب آنکھوں کی گردش کا اور پتلی کے گل پر پھرنے کا تصور
ہو تو ان دو متباہ صورتوں کے متصل ہونے سے ندرت حاصل ہو گئی۔

بخت و خور

یہ شلی ہوئی مٹ جو کائنات کی کل | انجی شاخ کا نخل سنبیل کی ہر
نئی شاخ کا نخل سنبیل میں ہونا فی نفسہ کچھ نادر نہیں لیکن کائنات کی مٹ کی ہوتی ریش کا اور نئی شاخ
نخل سنبیل کا تصور ہو تو ان دو متباہ صورتوں کے متصل ہونے سے ندرت حاصل ہو گئی۔

قلندر

انہیں بر تل تری آنکھوں کے نزدیک | یہ بھونرا پاس بیٹھا ہے کنول کے

بھونرکا کنول کے پاس بیٹھنا فی نفسہ کچھ نادانہیں مگر جبکہ تل کے آنکھوں کے نزدیک ہونیکا اور بھونر کے
کنول کے پاس بیٹھنے کا تصور ہوا تو ان دو متباد صورتوں کے متصل ہونے سے مذرت حاصل ہو گئی۔

قلق

اسی بندہ را سکی نانگ میں دیتا ہر یون بہارا | جیسے دھنک نکلتی ہوا بر سیاہ میں

سودا

چشم و ابرو کو تری یون دیکھ کر گنتی ہے خلق | تل نہت میں کھینچا آپس میں دو تلوار است

ولہ

مژدہ وصل ترا یار مجھے یون ہو گیا | جون مہ مید کی سائلم کو خبر آخر شب

عقیل

شانہ نہیں ہر زلف کے بل میں پڑا ہوا | لٹکا ہوا ہے سانپ بھین اپنا رکال کر

میسر

بھرتی میں راہدہ را دھروے سرخ نکھینچا | ادھر تک مست جیسے ہوں راہ میں بہکتے

الشا

بال اس زلف پریدہ کے گرے یون وقت قطع | تیغ سے اڑ جائے جون گردن معلق سانپ کی

بیخود

عبان یون موے سرخے غبر آودا | کہ جیسے شمع کے شعلے پہ ہو دو دودا

ظفر

یون ترے دست خط مشک فشان او پر ہے | ہوتا جس طرح سے آتش کے دھوان او پر ہے

ولہ

دیکھنا انگشت میں اس گل کی فکاشت شستم | بیشکر کی شاخ پھوٹی نیشکر کی شاخ میں

ولہ

سبز خط میں کیا مہاسہ گالاں پر پیدا ہوا | بچے طاؤس کے بے بال و پر پیدا ہوا

ہوے اس کھیل میں اس صیدیوت کے جیسے | ولہ دام صیاد میں ہو جیسے گرفتار جیر

ولہ

زلزلہ یوں روئے عرق آلودہ بد لڑاتی ہے | صبح جون ناگن گلون پر چاٹنے اور لاتی ہے

شاداب

چشم بد و زنین موتیوں سے مانگ بھری | شب تاریک میں ہرین خوشہ یردین نکلے

معروف

ایون ہر دل زلف میں زلف اس تم ایجاد کے | صید جون دام میں ہوا دام ہویا د کے ہاتھ

شہ

سانپ دولہا رہے ہیں بہر حفظ گنج حسن | یا اگر انہی نکلا جاتے ہیں گلا سے

عجرت

کوئی کس طرح دیکھے وہ بنا گوش | نظارے کا اٹا جاتا ہے دان ہوش
کہ وہ زلف اور لڑیاں موتیوں کی | سیہ ناگن ہے جون اندونہ بیٹھی

جستہ مشبہ بہ مخفی اور نادر تر ہوتا ہے اسی قدر شبہ کی ندرت اور طرفی ہونے کی غرض زیادہ حاصل ہوتی ہے اور ان پچھلی تینوں صورتوں میں وجہ شبہ کا نہ اکمل ہونا لازم ہے نہ بہت مشہور ہونا مثلاً ہندی کے چہرے کو کہ بہت سیاہ ہوا ہو کی آنکھ سے تشبیہ و نیاز نہایت کے واسطے صحیح ہے مگر جو دیکھ نہ سیاہی ہرنگی آنکھ میں کامل ہے اور نہ ہندی کے چہرے کی سیاہی کی بہ نسبت مشہور زیادہ ہے۔

ذوق

اسکی خرطوم ہے گر مکرہ لیلے کی شال | توہین دندان صفا ساعد سہین کی صفت

ہاتھی کی سونڈ کو طرہ لیلے کے ساتھ سیاہی میں زینت کے لیے تشبیہ دی ہے اور اس کے دانتوں کو لیلے کے بازو کے ساتھ سفیدی میں اسی غرض سے تشبیہ دی ہے حالانکہ نہ سیاہی طرہ لیلے کی ہاتھی کی سونڈ کی سیاہی سے اور نہ سفیدی لیلے کے بازو کی اس کے دانت کی سفیدی سے کامل ہے اور نہ ان دونوں کی سیاہی و سفیدی کی بہ نسبت آنکھ سیاہی و سفیدی مشہور زیادہ ہے۔

ولہ

پتیلی سیاہ دیکھو اس چشم مست کی | بھوڑا عجیب ہے یوں گل جنہوں گھر کرے

سیاہ پتیلی کو بھوڑے سے زینت کیلئے تشبیہ دی ہے اور ظاہر ہے کہ بھوڑے کی سیاہی پتیلی کی سیاہی کی بہ نسبت مشہور بھی زیادہ ہے اور اس سے اکمل بھی ہے۔

دوسرے تشبیہ کی غرض مشبہ کی طرف رجوع کرتی ہے یعنی تشبیہ سے یہ غرض ہوتی ہے کہ مشبہ کا حسن یا قبح یا اور اہم بیان کیا جائے اور یہ دو قسم ہوتی ہے۔
(۱) جس میں صفت کم ہوتی ہے اسکو مشبہ بہ قرار دے کر بطور ادعا کے اسکی زیادتی مستحضر دیتے ہیں جیسے

غالب

آب نگار آتشین رخ سر کھٹلا
بادہ گلزنک کا ساعت کھٹلا

صبح آیا جانب مشرق نظر
نہی نظر بندی کیا جب ردھو

اوپر سے آفتاب کا ذکر ہے پہلے شعر میں آفتاب کو نگار آتشین رخ سے اور دوسرے شعر میں ساغر بادہ گلزنک سے تشبیہ دی ہے اور اس تشبیہ سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ نگار آتشین رخ کے چہرے کی تاب اور دمکلا در زیادتی حسن سے بادہ گلزنک سے بھی درجہ اولیٰ اور روشنی اس مرتبہ پر ہے کہ آفتاب کو اس سے مشابہت دے سکتے ہیں غرض کہ ان دونوں متانوں میں نگار آتشین رخ اور ساغر بادہ گلزنک کو جو صفت میں کم ہیں اور حقیقتہً مشبہ نہیں ہوسکتے بطور ادعا کے تشبیہ بہ قرار دیا گیا اور صفت کی زیادتی ثابت کی ہے۔

یون سر پہ ہومس آتشین خو
ٹوپی پہ کسی کی جیسے جگنو +

یون سر پہ ہومس آتشین خو

وحید

سکے میں ہر کھلی ہوئی انگرس کی چشم تر

اسنبل بیان زلف پر شان ہے سر بسر

اسیر

یا قوت آبدار کی رقی چمک گئی

تنبہ دی جو ہم نے لب لال یار سے

ناصح

ماہ کامل صورت روی گرا بردہ نہیں

ماہ تو ہے مثل بر دیکن اُنکے مد نہیں

(۳) جس شعر کی شان کا اہتمام منظور ہوا اسکو مشبہ بہ بنائیں بیان تشبیہ سے غرض مشبہ کی تمام اہم بیان کرنا ہوتا ہے اور اسکو اظہار مطلب کہتے ہیں مثلاً ہلال عید کو ردی کے ٹکڑے تشبیہ دین

سودا آسمان کی بدست مین

حال روشن دل کرے یون مطلع تالی بیان

آہٹ سے نہ سکتے سبک بیک میں شیر خاص نام

پر عیب چاہے سدا ساری ہا ہود پھر کہاں

اگر غلط فقر وقت شب ہر ایک تان

ایک لب نان کے لیے چران پورن شورش
مثل نو پرب چرتے ہیں عالی تبتان

مومن

صورت وہی ٹلستہ و زلزلہ
سیرت سنہ کبیر فرخ ستہ آگیا

غالب

ایں زوال آمادہ اجڑا فریش کے تمام
امیر گردان سے چرخ رگزار باد ان

چوتھا چمن داہ تشبیہ مین

اداء نعت مین آتے کو کتے مین بیان وہ چیز مرد ہو جو ایک کو دوسرے سے مشابہ کرنا کا وسط
یہ خواہ ہم ہو یا فعل یا حرف ادات تشبیہ اردو مین یہ مین سما فرد مذکر کے لیے آتا ہے جیسے۔

آتش

الباس سُرُخ سے کرتا ہے یار خوزیری
حسینوں مین بھی آتش سُرُخ سا جوان زینا
اور سے مجموع کے لیے جیسے۔

مومن

جلوے خورشید کے سے ہوتے مین
نغمے ناہیدہ کے سے ہوتے مین

میر

ارغئے ہمیشہ آتے رہتے سریر تیرے
اگر چند اتجاہی آتے رہتے تیرے
اور کسی واحد مؤنث کے لیے آتا ہے جیسے۔

نسیم

کافور سی جل اٹھی سہرا پا
وہ مست نے فسانہ گوئی
انغوش کی موج سے وہ مضطر
تھنڈی ہو مین تھا جنھیں جلا پا
مہتابی پہ چاندنی سی سوئی
بھٹلی سی نکل گئی تڑپ کر
جمع مؤنث کے لیے بھی کسی فصحی ہے جیسے۔

میر

ایں معذب عند خس صغیر و کبیر
کھپان سی گرین ہزار دن فقیر

اور جمع مؤنث کے لیے سیان بھی لاتے مین جیسے زہرہ اور شری سیان رنڈ بیان ہندوستان
میں کسی نے دیکھی مین اور ساؤذدی بقول کے آخر کے الف کو یا سے بھول سے بدل دیتا ہے جیسے

نہ بوزے حال ذیذمیوہ میرے نزدیک دوسرا نہیں، آخر پوزہ موافق قاعدہ ہندی کے شریز لکھا
 ہمارے جب حرف تشبیہ اس سے ملا تو الف یا سے بچوں سے بدل گیا، اور یہاں الف کو اپنے حال بحال
 رکھتے ہیں، ہاں مشبہ اور مشبہ بہ کی غنیت ہونے والے کو منقوض ہے جیسے وہ ہوتا سا قدر کیا جائے گیا
 قیامت ہر پانچ گنا یعنی وہ قدر کیا گیا ہو گا، ہاں کیا قیامت ہر پانچ گنا قدر مشبہ اور ہوتا مشبہ بہ۔

ذوق

عشق آدھے ذوق وہ کا ذوق کے ہاتھ سے
 یعنی شیخ صنعا کا ایک مسلمان بولتا ہے۔

ناسخ

آمازون میں مسیحی سا پیر مقتدی ہو گا
 انہی شبہ ہر تیرا بھی جو رتبہ مختار ہے جدا
 یعنی مسیحا کہ ایک پیر متاثر ہو۔

نوازش

یہ سانس پر پیکان ہر شبہ پر کس سے
 ایک نوازش لکھتا ہے یہ دیکھو مری بریں
 یعنی دل کہ ایک کا ثابت ہو۔

قاعدہ ہے کہ مشبہ بہ باعتبار وجہ شبہ کے مشبہ سے کامل تر ہوتا ہے اور اس مقام میں مشبہ اور مشبہ بہ کی
 غنیت شبہ کے عام مرتبہ پر دانت کرتی ہر اسی وجہ سے بلنا سے اردو کے نزدیک حرف تشبیہ کا عمل
 کہ آخر لفظ کے الف کو یا سے بچوں سے بدل دینا ہر نو ہو گیا ہے اور اس کے عمل کے لغو ہونیکا ڈاڑھ یہ ہے کہ ساج
 حرف تشبیہ ہے اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ دونوں نظروں میں تشبیہ واقع ہوئی ہے بلکہ ایک دوسرے
 کا عین جانا جاتا ہے جو ان بھی حرف تشبیہ ہے جیسے۔

مومن

گاہ آواز خوش ساز دینا
 جون تھر گاہ مسکرا دینا

سود

بات اس طرح سے کہی تھی وہن سے اسکا
 بادد جون ساغہ لہریں سے جاتا ہے جھٹک

اور یہ حرف گویا کے معنی میں بھی آسکتا ہے یہاں اس کا استعمال گویا کی جگہ ہاں اردو کے نزدیک
 ثابت نہیں بلکہ تشبیہ کے لیے بھی پہلی کا حرف نہیں رنجیت گویاں سے ضرور اردو کا لفظ بنا لیا ہے
 لیکن کسی کو اس حرف میں کلام نہیں پس اس کو اردو کہہ سکتے ہیں اور جیسا مفرد نہ کر کے لیے اور

جیسے جمع ذکر کے لیے اور جیسی مفرد مؤنث اور جمع مؤنث دونوں کے لیے اور جمع مؤنث کے لیے جیسی ان بھی لاتے ہیں اور یہ ساکی طرح تشبیہ کے حروف میں چنانچہ کہتے ہیں ہر تیرے قدر جیسا ایک بوٹا باغ میں نہیں گئے ہذا انھیں اس -

سورا

غرض انسان نہ کبھی ہوئے ہمہ تجربہ جیسا | آسمان کر رہ خلقت کو جان کی خراباں |

اور بعض کے نزدیک جیت کو یا کہ مٹی میں نہ تشبہا فلان یہ انہیں جیت شیر -

شیخ بنی خشر عاشق

یوں جذبات شطراب رگ ہر شتر کے تھے | منہ پر ہر دمیدر شتر جیت خیر کے تھے |

طفر

بگولا دودل کا خاک سے زخون کی یاردن کے | اٹھایں جیسے چوٹی دار بار ٹھٹھا زمین سے ہے |

رصاصا

سیر پہاڑی سکے کا اوسن اس آج ہے | جیت کہ برگ سہرہوان جیت گلاب کے |

حالی

گنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی | اڑنا سے میں میں جانی بہنید ہون جیسی |

لیکن صاحب فہم اس کو بھی تشبیہ کا ک حرف بہ تشہدین اگر یہ گویا بھی سی قبیل متہ ہے -

لیکن استعمال کے موقع جدا جدا ہیں ذریعہ بیان چون استعمال ہوتا ہے وہاں گویا استعمال میں

نہیں آتا اور جو لفظ چون کا مراد ہر وہ چون کا نام تمام ہوگا مثلاً اس عبارت میں کہ فلا نے چون

شیر زبان می غر و مینوان گفت کہ فلا نے زبان شیر زبان ویرنگ شیر زبان و مثل شیر زبان شیر زبان

آسا و شیر زبان دارے غر و بخلان اسکے فلا نے گویا شیر زبان سے غر و فلا نے بنداری شیر زبان سے

سے غر و اور گویا کہ مقام میں جیت سے عبارت میں سارہ پردہ ہر ادا ختن فلا نے خانہ تاریک جل

و تھکان روشن می شود گویا روش شمع فروزان ست و تشبیہ ناما بھی ہو کر یوں کہ جہ عبارت میں چون داخل

کیا جائے گا اس طرح کہ روش چون شمع فروزان ست تو عبارت کی تائید ہر وہ جہ کی اس لیے کہ

لفظ چون کے ذکر کرنے سے شمع فروزان دوسرے فقرہ جس کے شروع میں کاف بیانی ہو پنا تم بننے کے لیے

چاہتا ہے اور لفظ گویا کی صورت میں اسکو تابل کے ساتھ لایا ہوتا ہے جس میں بیان سے معلوم ہوا کہ گویا کا

موقع استعمال تشبیہ نہیں ہے اور حق تحقیق یہ ہے کہ گویا بیان متابہت کے لیے ہے جیسے زید ایسا غصے

سے جلا آتا ہے گویا کہ شیر جلا آ، پھر نیچے ہر اور کھلے اور اچھے اور بازو اور گردن و ریشہ اور زرد و زرخیزیت
میں شیر کی طرح ہی لیکن باری ہے شیر نہیں

نہایت

اچھے جو ہے حضور نے آگے ہاتھ میں آگے یہ کہکشاں ہے شراب کے ہاتھ میں
ہر عام اور مثل اور اس کا بھی اردو میں تہہ ہے۔ لیکن آگے ہیں اور اکثر نصیحت اردو میں
فارس کی بیاد سے لفظ برنگ اور ایسا (۱۰) اور نظیر اور مشابہ اور مانا وغیرہ بھی استعمال کرتے
ہیں ادا تشبیہ کے استعمال کی مثالوں پر غور فرمادے۔

۱۱۰

ہا آسا ہے پرواز رخ اور سعادت پر
اگر سہی سورچہ حکر سینہ قد پر سلیمانی
سبز محرم میں کھائے گز لطافت حسن کی
خام اتار آسا بت رنگین کی پستان سبز ہو

دلی

نرگس کی طرح شوق میں سب تن میں رہے ہون
حسرت سے گل کے رنگ گریبان رہے ہون

منہ

نارنج سے دھرا بھین آموں کے آگے
بدرنگ بدرنگ شرخام ہوئے ہیں

غالب

سستی آلودہ سر گشت حیدر خان کھیا
سر پستان پر یزاد سے ماتا کیے

سودا

یا سمن رنگ جو کہتی ہر خیز و تازان
جابتی ہی بساجت کرے سبزے سے بدل

فیض

گئے غمے گل بہم جو سیر کرے عجیب طرح کی
مثال تشبیہ کوہ و صحرانگارن بکار دیکھتا

غزلار سیم

جب نام نہاد جوان ہو وہ
بانت نظر روان ہوا وہ

برانہ شوق

طافت چٹائی میں صورت تیرا
انصرت قبضے میں مثل شیر

رحمت اللہ علیہ

ہاتھ عنقا کی طرح آئی نہ دلبر کی مکر
اگرچہ پھیلا یا کیے جال مکر گیسو

دوق

زلف انہی ویش کو دھوئے گروہ پرن بن
بوجائے موج پیدا مار رہن آب میں

بدھ سنگھ شکفتہ

پروانہ وار جل کر گو خاک ہو گئے ہم
پر شعلہ رونہ چو کا اپنی شرارتوں سے

گلزار سیم

ٹوپی جو بنائی چھیل کر چھال
دکھلائی نہ دی نظر کی مثال

علامہ دستگیر نامی

لے عید تو سے شوکت اسلام کی دلیل
آپ دھار ایک بھی تو نہیں ہی ترا عدیل

حضر علیہ السلام

مرے جدا مجھ شہنشاہ پشیر
عبدل فریدون مشیل سکندر

عبداللہ خان جتہ

سایہ سان پہنچے تو تھے بانوں تلک گرلا
اُسے دامن کو بھی پر ہاتھ لگانے نہ دیا

الشا

لسان بید مرے بند بند جکڑے ہیں
دور در دیان تک کہ ہوں لبکل سطح

ماہ

پیرہن سے چھوٹ نکلا یار کا جسم لطیف
حسن شکل بکے گل جاے سے باہر ہو گیا

مخرج

مرا استاد کہ ہے جس کا سخن عالمگیر
ہے ظہوری کا ظہور اور نظیری کا نظیر

مکویا

حروف سے خط مسطر ہوں جیسے پوشیدہ
اسی روش سے روش زیر بنہ پہنان ہے

انیس

یہ شوق شہادت کا تھا اس عاشق رب کو
یعقوب نمط جاتے تھے یوسف کی طلب کو

ناظر

امثالہ ہم بھی سب دھناؤئیں میں فرلوئے خواہ اگر شیریں سے تم ایجان سب توئیں ملتے ہو

شاداب

اکہین کیونکر نہ شاہ حسن تم کو مشابہ زلف ہے بال ہما سے

کبھی تنہا کاف جو حرف معنوی میں سے ہر حرف تشبیہ کی جگہ کام دیتا ہے۔

مولوی محمد امیل

جب ستارہ طلوع ہو دم دار دم ہو ایسی کہ چھوٹا ہوا نار

یہاں کاف جیسے کہ معنی میں ہو۔

کبھی دوسری عبارت کو اداة تشبیہ کے قائم مقام بنا دیتے ہیں۔

مفتون

اُس قمر لے جو برافشان کیے یک سر ہو گئے دہریں ہم طالع اخت گیسو

گیسو کو اختر سے تشبیہ دی ہے اور ہم طالع ہو نیکی اداة تشبیہ کا قائم مقام بنایا ہے۔

افہمی

دیکھ کر سنبل گلزار کو ہمسرا پنا بل یہ بل کا کل بیجان نے ترقی کھا چٹ

کا کل بیجان کی تشبیہ سنبل سے منظور ہے اور ہمسرد کیجئے کو اداة تشبیہ کا قائم مقام کیا ہے۔

طوبے

چہرہ یار پہ بکھری ہوئی کیا خوب زلف دستہ سنبل گلشن سے یہ منسوب زلف

سودا

بلبل خوش غم ہوں یکاں گلستان میں جہان نالہ مرغ چمن سے کم نہیں فریاد نازغ

نازغ کی آواز کو مرغ چمن کی آواز سے تشبیہ دی ہے اور کم نہیں کو اداة تشبیہ کا قائم مقام بنایا ہے۔

اصغر

مضمون دقیق وصف سراپا میں ہر دم تار نظر کو باندھا ہے موے مکر کے ساتھ

موے مکر کی تار نظر کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے۔

ظفر

کوئی گستاخ مینی کو کہ ہر شک فل بنق کوئی گستاخ چشم سر بکین ہمچو غبر مت

چشم سرمہ گین کی تشبیہ غبر سے مقصود ہے اور مجسم کو اداة تشبیہ کی جگہ استعمال کیا ہے۔

ولہ

کوئی کتاب ہے اک سیف کشیدہ ہر وہ دنیا ہے کوئی کتاب ہے جو خزان ہر وہ ملک سے ہر
مژگان کی تشبیہ ناوک سے منظور ہے اور ہر اداة تشبیہ کی جگہ آیا ہے۔

پانچواں جنم اقسام تشبیہ کے بیان میں

کبھی مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مفرد ہوتے ہیں اور ان میں کسی طرح کی قید بھی نہیں لگی ہوتی یا مفرد ہوتے ہیں مگر کوئی قید لگی ہوتی ہے پہلی شق کی مثال تشبیہ چہرے کی آفتاب سے۔

تاسخ

اُسکے ہاں آفتاب عارض ہے دن ہی آٹھون پہرے رات نہیں

مذہب

توڑیں چوڑی کی طرح ہتکڑیاں پٹ کیا ہی زور و نہر دست و حشت ہے

میرسن

زبس مثل آئینہ تھا اس کا من کہے تو کہ تھی ناف عکس زقن

ولہ

کلیجہ پکڑمان تو بس رہ گئی کلی کی طرح سے کبس رہ گئی

نادور

ٹوب جائے دل عاشق کو تعجب کیا ہے لب زہین ہم خوبی تو ہر گرداب و فن

دوسری شق کی مثال۔

میر عارف علی عارف

وہ ہوا گرد سے جبے قت شکار آلودہ تیر خاکی بنے مژگان غبار آلودہ

مژگان مشبہ میں غبار آلودہ کی قید اور تیر مشبہ بہ میں خاکی قید لگائی ہے۔

مومن

یہ حالت قامت خمیدہ جیسے شہر خزان رسیدہ

کوئی کتاب ہے وہ شفاف عارض صبح کھلے کوئی کتاب ہے وہ درکان کا تابندہ اختر ہے

ضمیمہ

اس نیزہ سیاہ سے محتاسب کو نیم جان

آٹھا اڑد ہاے موسیٰ عمران وہ زبان

مستی دی پرست اور لبط

اداو عشوہ ناز و غمزہ میں یہ چار مگر کس کے

اقد موزون جانان بھی عجب برجستہ مصرع ہے

شاہ نصیر

انوکھو دکھانا ہے یہ نوعیت ای چرخ

ناخن جو تراشید ہو کب عقدہ کشا

یا صرف مشبہ مفرد ہوتا ہے اور مشبہ بہ مفرد مقید یا اس کے برعکس مثال پہلی صورت کی۔

مہدی علیخان حسن

اشعر برجستہ ہیں ترے ابرو

کیون نہ ان پر پڑے ہماری آنکھ

ابر و مشبہ مفرد شعر مقید بہ برجستہ مشبہ بہ۔

میر حسن

غرض وہ مڑی جب دکھائیے بال

انوکھیا کہ مارا محبت کا جال

بال مشبہ مفرد ہے اور محبت کا جال مشبہ بہ مفرد مقید ہے۔

آتش

واہری شانے کی قسمت کس کو یہ معلوم

بچہ شل سے کھلنے کے عقدہ ہاے موئے دوست

شانہ مشبہ مفرد اور بچہ شل مشبہ بہ مقید۔

عاشق

اپنے باغ حسن کا اُس نے تماشا دیکھ کر

آئینہ جب رکھ دیا پھولوں کی چادر جو گیا

آئینہ مشبہ مفرد ہے اور پھولوں کی چادر مشبہ بہ مفرد مقید۔

دبیر

یہ رخ ہے کہ آئینہ طاق دل زہرا

حسن اپنا انھیں آئینوں میں شرع نے رکھا

رخ مشبہ مفرد اور آئینہ طاق دل زہرا مشبہ بہ مقید۔

حکیم

کوئی کہتا ہے اس کی جہ کو بت چسب پیدا
کوئی کہتا ہے اس کے رخ کو یہ خورشید محشر

مثال دوسری صورت کی

محمد عارف جوش

جون آئینہ یہ تم رسیدہ رہتا ہے مدام آب دیدہ

یہ تم رسیدہ مفرد مقید مشبہ اور آئینہ مفرد مشبہ ہے۔

واع

لو کے چشمے ہیں چشم پر آب کی صورت

مقصود بالتمثیل دوسرا مصرع ہے جس میں کاسہ سر شکستہ مقید ہے اور حباب مشبہ بہ مفرد۔

ظفر

ہے یہ ڈردل کو نہ چشم مست مہوش کھینچے

مہوش کی چشم مست مشبہ مفرد مقید ہے اور پیکش مشبہ بہ مفرد ہے۔

سیسم

بدلی سی چھی وہ ماہ روشن بجلی ساعیان ہوا وہ پر فن

ماہ روشن مشبہ مفرد مقید اور بدلی مشبہ بہ مفرد۔

رسا

ارنگ عارض سے ہر کیف گل رنگ عیان

گردن ساقی مشبہ مفرد مقید اور صراحی مشبہ بہ مفرد۔
کبھی مشبہ اور مشبہ بہ دونوں مرکب ہوتے ہیں اور مرکب ہونے سے یہ مراد ہے کہ ہر ایک ایک ایسی ہیئت ہوتا ہے جس میں چند جزیرین مجتمع ہوتی ہیں۔

صوفی

زلفون کا گورے گا لونپہ کیا احتشام ہے

لندن پہ جا کے کالون نے باندھایا لام ہے
اس مثال میں زلفون کا گورے گا لونپہ جمع ہونا مشبہ مرکب اور لندن کے ملک پر جہان کے باشندے سب سفید رنگ میں کالون کا چڑھ جانا مشبہ بہ مرکب ہے۔

لمولفہ

کاکل سے نہ ربطا اس رخ تابان نے کیا ہے
کامنہ کو ہم آغوش مسلمان نے کیا ہے

ضمیمہ

پنہان زہرہ میں ہوتی تھی اس طرح سے شاخ
بجلی چمک کے ہوتی ہر خون ابر میں نہان

وحید

شاخ شان سے ہوا سطح پھل جدا
پیرون کے قد سے جیسے جوانی کا بل جدا

ذوق

ہوا پہ دوڑتا ہے اس طرح سے ابر سیاہ
کہ جیسے جانے کوئی پیل مست بے زنجیر

امیر

دل میں دہ سخت دلون کے بھی اثر کرتا ہے
سنگ پر جیسے پیر کے پیرے نقش قدم

ناسخ

نکھے ہم ابر سیہ سے نکل آیا مارا
کھل گئی بالون کے جو تیری جبین بھڑسی

ولہ

حیران بیٹھے ہیں گرد سارے مونس
کبھی شبہ مفرد ہوتا ہے اور شبہ بہ مرکب جیسے

شاداب

کتے ہیں لوگ اُسکے مہاسے کو دیکھ کر
مہاسہ شبہ مفرد ہے اور شبنم کی بوند کا سورج بھی کے پھول پر ہونا شبہ بہ مرکب۔

ظفر

مانگ ہے یا کوئی سیدھی راہ ہے ظلمات میں
مانگ شبہ مفرد ہے اور ظلمات میں سیدھی راہ کا ہونا اور اندھیری رات میں ککشان کے خط کا ہونا دونوں شبہ بہ مرکب ہیں۔

یا شبہ مرکب ہوتا ہے اور شبہ بہ مفرد جیسے اس شعر میں نطق کے شعل شبہ بہ مفرد ہے اور رختون کی چوٹیوں پر سرخ پھولوں کا مجتمع ہونا شبہ مرکب ہے۔

چوٹیوں پر جو نہالوں کی ہجوم قل ہے
دور سے یوں نظر آئے ہیں وہ جیسے شعل

ناسخ

سب سارہ ذہن ذنب یا رخ بوزلف یارین
خال ہر خورشید میں یا تل ہر خسار میں

زلف یارین رخ کا قلع ہونا مشہد مرکب ہی اور دم دار ستارہ مشہد بہ مغرور۔
 اور جو کئی مشہد ایک جگہ ذکر کریں بعد اس کے کئی مشہد بہ لاوین تو ایسی تشبیہ کو تشبیہ ملفوف
 کہتے ہیں جیسے۔

پھیرے پانچوین ہین نمایان تو سر پہ داغ جنون فروزان
 ذرا جبین عرق نشان ہر تو انبی انسان کھا دچین کر
 ظفرانہ دیکھیں دیوانے تیرے کیونکر زمین پہ گوہر فلک اختر
 اکہ تا نظر آوین ماہ پیکر زمین پہ گوہر فلک بہ اختر

شاہ نصیر

غضب ہی چین جبین وہ کیا ہی بدن شکے بھی رہی سستا
 دوپٹہ سر پہ ہارے کا گلاب باشاں سکے ہاتھ زمین ہی
 عیان ہی یاروئے ہنر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران
 نہ کیونکہ چلنے کیونکہ ہر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران

اکبر شاہ خان فرحت رام پوری

جو ہو آس آہ و اشک تر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران
 ہنسے ہی گھوڑے پہ دیکھ مجھ کو جلو میں ہے وہ شک یزان
 ہنسے نہانے میں وہ جو ہر اور آہ سکے ہوتن سے یزان
 کنار ہی چہرے پہ ہی نمایان اور اسکا چہرہ عرق نشان کر
 وہ ہرق و شش یا مر پر ہی خندان میں نیچے جون ابرو رہا ہون
 شہیر چمکے نہادر ہر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران
 کہیں نکون سب دم ادر ہر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران
 تو بولیں سب آئے یہ کدھر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران
 یہ سیر دیکھے کوئی نظر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران
 عجب ہوئے لطف اک ہر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باران

ر

سنا سے اور داغ چمک اس روئے نور
 لب تنگ شکر پر مور قائم ہین شکر سیدا

ناسخ

بندہ بالون میں نہیں تو نیک بالون میں نہیں
 وہ بتا راجح کا ہے یہ ستارا شام کا

میر وارت علی جوش

چین گیسو سے عیان رخ مانگ میں سلک لہرا
 یہ شب متاب ہی وہ کمکشان بالائے کر

اشفقتہ

سے ہجوم داغ سوزان اور دل مایوس ایک
 ہر طرف جلوہ چراغان کا ہی اور فانوس ایک

شاداب

یہ زلف و چشم غیرت شمشاد دیکھنا
 انگریس کے پھول یہ ہیں وہ ناقہ غزال کا

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ شعر میں ایک پیشہ اور ایک مشبہ بہ باہم ذکر کریں پھر ایک اور مشبہ بہ بیان کریں۔ اسی طرح دوبار یا تین بار لائین اسکو تشبیہ مفروق کہتے ہیں مثال اسکی۔

محسن

نگہ پاک لاف صا د ہے چشم زیبا | لام گیسو ہین سرمونہین کچھ فرق اصلا

نسیم

توبرق دمان میں جس سر من خار | توسیل روان میں خستہ دیوار
توجہ شش یم میں مور کے پر | میں نقش قدم تو باد صرصر

طور

وہ گیسو خط جدول ہیں وہ ابرو مدسم اللہ | وہ رخ قرآن سے خط تفسیر و زیر و بر یک ہیں

میر دوست علی خلیل

گل فندقین میں دزد خاموتیا کے بھول | گلدستہ جنان ہیں ترسے اے نگار ہاتھ

احمد

عارض ہیں گل انار میں پستان قن ہر سبب | ہیں نخل قدیار میں گل بھی ثمر کے ساتھ

انیس

بھل زن میں تھا بھول تجلی میں نخل طور | گرمی میں محض ٹار تو نرمی میں صاف نور
آسیب سایہ چال پری قبضہ خیم چور | خود مہر آب زیر ترپ قہر شور صور

ناسخ

اروز نور و زجین ہر شب معراج ہر لطف | اذوالفقار ابرو سے محبوب ہر قرآن فاض

ولہ

اشک آتش حلوہ ہے بجلی نالہ | ہر نعت جگر ہے آگ کا پر کالہ

وحید

زیر و زبر میں ناوک سر کردہ کمان | ہین پیش راہوار و نکی گویا کنوتیان
تشدیدون پر ہی طرہ دستار گمان | حرفون کے سر پہ خود ہیں یا جزم ہیں میان

سطرین تمام شان دکھاتی ہیں فوج کی
مدہین کہ بیرقین نظر آتی ہیں فوج کی

میر محمود خان فرج

ابر و ہلال بدر حسین خال ہر محل | کیونکر نہو فلک پہ تمھارا بھلا دماغ

ابر و

زکس ہر چہ سود ہر قد غنچہ ہے دین | رخ رشک گل ہر غیرت ابر ہزار زلف
بابل ہر چشم ہو ٹھوہر نشان ہر رخ ہر دم | کیسو ہر چین جد خشن ہے تار زلف

خالق خشن خالق

سود قد زلف بنفشہ گل گرسنگین | تن ہمیں غنچہ دین در گستان عارض
اگر کسی تشبیہ میں کمی مشبہ اور ایک مشبہ بہ بیوات تشبیہ سورہ کہتے ہیں جیسے۔

سود

دلو میان خط و زلف تو جو رکھے بر عدل | ایک یہ مرغ ناتوان جسکے لیے ہن دام
مشبہ میان خط و زلف دو چیز میں ہیں اور مشبہ بہ یعنی دام ایک چیز ہے۔

حالی

بے حقیقت ہے شکل موج سراب | تاج جمشید و راح ریحانی
مشبہ دو چیز میں ہیں تاج جمشید اور راح ریحانی مشبہ بہ ایک ہی یعنی موج سراب۔

ذوق

عجب نہیں کہ آرائش زمانہ سے | خانی پنجہ ہون تاک چنار و بیدار غیر

حسرت

بدن کو جان کو دلو جو کر کو آگ لگی | غم فراق مرے گھر کے گھر کو آگ لگی
مشبہ یعنی بدن اور جان اور دل اور جگر چار چیز میں ہیں اور مشبہ بہ یعنی گھر ایک چیز ہے۔
اگر اس کے برعکس ہو یعنی مشبہ ایک ہو اور مشبہ بہ متعدد تو اسکو تشبیہ جمع کہتے ہیں جیسے۔
کیا جگہ کو چہ محبوب ہے بھان لشد | کوئی جنت کوئی کعبہ کوئی گلشن سمجھا

باد

دل میں چھو جاتی ہیں اس دور کی کشمکشیں | کبھی خیمہ کبھی ناوک کبھی شتر پلکین

خضر

کیا دھندلے ہیں میں کون اس جبر کا | آگ تختہ سر سر ہے وہ فردوس برین کا

یا صغیر خسار کسی شوخ جبین کا	یا صغیر سادہ کسی انمول نگین کا	یا صغیر یار ہے یا بیضا	یا صغیر وزہرہ ہے یا مہر درخشان
یا جلوه پُر نور ہے یہ ماہ مجبین کا	یا صغیر سادہ کسی انمول نگین کا	یا صغیر بلورین ہے کہ ہے لوح یہ سبین	یا صغیر بلورین ہے کہ ہے لوح یہ سبین

انیس

کلا ہوا ہے قصر زمر سے روستے دور	بے شبہ و دامام کے ہے نور کا طور	دامن دہ سہراوردہ نیچے کا اُس کے نور	فرق جناب خضر پر روشن ہی شمع طور
---------------------------------	---------------------------------	-------------------------------------	---------------------------------

حکم

تشیبہ کیون نہ ابرو سے قاتل کو دیجیے	خیر کے ساتھ تیغ کے ساتھ اور تیر کے ساتھ
-------------------------------------	---

مومن

خبر تھا الہی یا زبان بھی	تھی یا کوئی تیغ آتشین دم	خبر سے زیادہ تر روان تھی	یا شعلہ آتش جہنم
--------------------------	--------------------------	--------------------------	------------------

امانت

دوست کے حق میں رگ برگ گل تر ہو تر	شعبہ باز ہو ساحر ہو فسونگر ہے خرہ	مدعی کے رگ جان کے لیے نثر ہو تر	کبھی نیزے کی انی ہو کبھی خیر ہو تر
-----------------------------------	-----------------------------------	---------------------------------	------------------------------------

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ سلسلہ بہ سلسلہ تشبیہ دیتے جاتے ہیں یعنی ایک چیز کو ایک چیز سے تشبیہ دی پھر اس مشبہ بہ کو کسی اور چیز سے تشبیہ دی پھر اس دوسرے مشبہ بہ کو بھی کسی اور چیز سے تشبیہ دی اگرچہ یہ قسم تشبیہ مفروق میں داخل ہو سکتی ہے مگر چونکہ سنسکرت کے علم بیان میں اسکو علیحدہ بیان کیا ہے اور نام اسکا شیر نکھلو پاکش (آخر میں لون غنہ سے) رکھا ہے اس لیے ہم بھی اسکو علیحدہ بیان کرتے ہیں مثال سکی یہ ہے۔

ذوق

بر ایک خار ہو گل سر گل یک ساغریش	بر ایک قطرہ شبنم گہر کی طرح خوش آب	بر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت انظر	بر ایک جگہ گہر شب چراغ پر تنویر
----------------------------------	------------------------------------	---------------------------------	---------------------------------

کبھی ایک شے کو دوسری کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں پھر اس سے رجوع کر کے مشبہ کو مشبہ بہ پر ترجیح دیتے ہیں اس کا نام تشبیہ تفضیل ہے مجمع الصناع میں اسی طرح لکھا ہے مثال۔

مومن

خجھر تھا الہی یا زبان تھی | خجھر سے زیادہ تر روان تھی |
 اول زبان کو خجھر سے تشبیہ دی پھر اس سے رجوع کر کے زبان کو خجھر پر
 ترجیح دی۔

مثنوی پر مروت

کہوں کیا جس کھڑی وہ درۃ الساج | کرے زلفون میں اپنی شانہ علاج
 نمایان شانہ در زلف گرہ گیر | ہے ابیض فیل کے دانتوں میں زنجیر
 غلط میں نے یہ دی ساتھ اسکے تشیل | کجا زنجیر و دندان و کجا فیل
 سب زلفون میں اسکی شانہ علاج | روان مانند مہتاب شب داج

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ ایک چیز کو دوسری چیز سے تشبیہ دیتے ہیں اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا
 ہے کہ قائل کا مقصود تشبیہ نہیں بلکہ دوسری چیز ہے اور حقیقت میں غرض تشبیہ ہوتی
 ہے اس کا نام تشبیہ اضمار ہے جیسا کہ ابعم میں ہے مثال غلام علی خان وشت
 کتاب ہے ۵

دل ترا سنگ ہو برگ نہ نکلی گا ہے | رخ ترا آئینہ ہے پر کبھی حیران ہوا
 مزار نوشہ غالب چکنی ڈلی کی تشبیہات میں کہتے ہیں۔

کیون اسے قفل در گنج محبت لکھے | کیون اسے نقطہ پر کار تمنا کہے
 کیون اسے گوہر نایاب تصور کیجے | کیون اسے مرومک دیدہ عنقا کہے
 کیون اسے نگہ سیرا ہن لیلے لکھے | کیون اسے نقش یے ناتوہ سلما کہے

اگرچہ بظاہر انکار معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ان اشیاء کے ساتھ تشبیہ مقصود ہے
 چنانچہ ان کے اشعار یا قبل میں بھی تشبیہ بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہیں۔

خاتم دست سلیمان کے مشابہ لکھے | سر لیان پر زرد سے مانا کیے
 صومعے میں اسے ٹھہراے گرہر نماز | میکہ سے میں اسے خشت خم مہا کیے

بیان تشبیہ قریب

بعض تشبیہ ایسی ہوتی ہے کہ وجہ شبہ اس میں جلد بکھر میں آجاتی ہے اسکو تشبیہ قریب کہتے ہیں
 ایسی تشبیہ تبذل ہوتی ہے اور اسکے کئی سبب ہیں۔

(۱) وجہ شبہ واحد ہو جیسے -

محسن

اکتے ہیں حسرت خود میں دیکھ کر اے سادہ دل
ہیں مصفا تیرے تلوے یا بھجل یا نون میں
تلوہ کی تشبیہ میں آئینے کے ساتھ وجہ شبہ واحد ہے اور وہ صفائی ہے۔

ناسخ

ہو مبارک سے دنیا میں سعادتمندی
زلف پیچیدہ جو ہے بال ہما ہو جائے
یہاں زلف کی تشبیہ میں بال ہما کے ساتھ مبارک ہونا وجہ شبہ ہر شکل وضع کو اس میں دخل نہیں۔

اسیر

سب شیرین کے وصف کرتے ہیں
بات گویا نبات اپنی ہے
بات کی تشبیہ میں نبات کے ساتھ وجہ شبہ فقط رغبت ہے۔

قلندر

اے قلندر یہ نظم یا جادو
تو نے تو رعل سا اکال دیا
نظم کی تشبیہ میں جادو کے ساتھ وجہ شبہ فقط تاثیر اور رعل کے ساتھ وجہ شبہ فقط عمدگی ہے۔

سودا

آگہاں مثل رعد کہتے تھے دم بدم
آواز شترناں تھی طاؤس کی جھنکار
آواز بھناں اور رعد کی تشبیہ میں اسی طرح آواز شترناں اور آواز طاؤس کی تشبیہ میں -
سبب ہونا وجہ شبہ ہے۔

فلق

پیٹ نرمی سے صورت تحمل
صاف مانند تختہ صندل پا
شکم اور تحمل کی تشبیہ میں وجہ شبہ فقط نرمی اور شکم اور تختہ صندل کی تشبیہ میں وجہ شبہ فقط صفائی ہے۔
(۲) مشبہ مشبہ سے نسبت فریب کی رکھا ہو جیسے ناشپاتی کی تشبیہ میں سے یاہی کی تشبیہ
سبب سے اور لباس کی خلعت سے۔

شہزادے نے کر کے یاس اُن کا
سیم خلعت ساد یا لباس اُن کا

میسر

انت شیطان کی ہے اسکی انت
دانت اسکا ہی ہا تھی کا سادانت

مومن

لہریز بہا ر صد جنون تھا
ہر سنگ و بان کا بے ستون تھا
ہر سنگ مشہ اور بے ستون مشہ بہ ہوا اور بے ستون ایک سار کا نام ہوا۔

خس کی پشیم خار خمیدہ لہ لہ سخت غبار آلود لیدہ

رند

اب نہیں دل میں کہ درت رند حال
جیسے اشراقی کا سینہ میرا سینہ ہو گیا

سیر

سیر شیت مبارک یہ کہ حمزہ کی سیر
ذوالفقار اسد اللہ کہ شمشیر دوم
(۳۷) مشہ بہ اکثر ذہن میں گذرتا ہو جسے زلف کی تشبیہ سانپ سے۔

وصف

پھرتی ہر زلف یار آنکھوں میں
بیج کرتے ہیں مارا آنکھوں میں
اور آنکھ کی تشبیہ زگس سے اور تھ کی سرو سے۔

غشرت

رہوں دیدار کو لے مہر تا چسند
اور آن میں وہ صنم با عزت و شان
سراپا چشم میں زگس کی مانند
ادھر ادھر پھرے سرو خرامان

یاس

اکمشان رنگ کرے اترے ہو ہار و نیر
اور زلف کی تشبیہ زنجیر سے۔
چاندنی عوہر ان پھول سے رخسار زہر

زلف چھو کر اس بت کافر کی قیدی ہم ہو
اور ابرو کی تشبیہ ہلال و تیغ سے اور مژدہ کی تشبیہ برنجی سے جیسے۔

فراسست

گھائل تو ہو چکا ہر دل ابرو کی تیغ سے
اور جبین کی تشبیہ ماہ سے جیسے۔
ترگان کی کیوں لگاتے ہوا ب برجیان مجھے

غنی

بر یون کو بھی ملی نہیں یہ تازنین جبین
ابرو تری ہلال ہے ماہ مبین جبین

اور بال کی تشبیہ سنبل سے جیسے۔

میر حسین

کسی نے دیے کھول سنبل سے بال
ایمانچون کے چون گل کے سرخ گال
اور زرخندان کی تشبیہ سیب یا بھی یا کنوین کے ساتھ۔

تسلیم سہواری

وہ زرخ اسکی مثل سیب وہی
بلکہ سیب وہی کو اس سے ہی
اور کاکل کی تشبیہ اژدہا کے ساتھ۔

عجرت

ذوق چاہ وصف ترکان و ذخوار
وہ کاکل اژدہا زلف سیب مارا
اور لب کی تشبیہ برگ گل سے اور زخار کی تشبیہ لالہ سے اور زلف کی تشبیہ سنبل سے۔

میر حسین

تری چشم اور لب پیارے تری زلف اور زخار
وہ زرخس ہی برگ گل وہ سنبل ہے یہ لالہ ہی
اور دانتوں کی تشبیہ موتی کے ساتھ جیسے۔

ضامن

گو ہر نایاب ہین دندان دہان یارمین
سرخ لعل بدخشان ہے زبان یارمین
اور عقل کی تشبیہ چراغ سے جیسے۔

ناسخ

متفہم رہو دماغ کبھی
گل نہو عقل کا چراغ کبھی
اور رخ کی تشبیہ خورشید سے جیسے۔

یادگار

چشم بدور عجب طرح کا جوین نظار
مثل خورشید رخشان رخ روشن نکلا

ایمان تشبیہ بعد

بعض تشبیہ ایسی ہوتی کہ اس میں وجہ شبہ بعد قائل کے معلوم ہوتی ہے اس کو تشبیہ بعید اور
غریب کہتے ہیں اور اس کے کئی سبب ہیں۔
(۱) وجہ شبہ متعدد ہو جیسے۔

جرار

تشبیہ گل گل سے انھیں دون تو ہے زیبا
ڈور سے ہین تری آنکھ کے اے رشک چین سُرخ
آنکھ کے دوروں کو رنگ گل سے تشبیہ دی
یہ کہاد وجہ شبہ ایک تو بھرتی ہاڑ اور دوسرے باریکی۔

آتش

سُرمہ منظور نظر ٹھہرا ہے چشم یار کو
نیلگون گنڈا پنچایا مردم بمبار کو
سُرمے کی تحریر کو نیلگون گنڈے سے تشبیہ دی
ہو اس میں جب شبہ دو چیز میں ایک نگ دوسرے باریکی

آتش

بل نہ لکھتا تری زلفون کا منہ شانے سے
واقعی زور نہیں نیچے شل سے ہوتا
شانے کی تشبیہ میں پیچے کے ساتھ وجہ شبہ متعدد
ایک تو صورت اسکی کہ اُس میں دند اسے
انگلیوں کی طرح ہوتے ہیں دوسری وجہ شبہ بے حس و حرکت ہونا ہے۔
(۲) وجہ شبہ مرکب ہو جیسے۔

سودا

یون منعکس صفائے عمارت کے ہو چین
چاند تلے ہو آب کے یون سنگ آبشار
یون جلوہ گر ہو سرد کا سایہ کہ جس طرح
بخشتی ہے گل لورستہ کی رنگ آمیزی
تا بارش میں پروتے ہیں گہرائے تگرگ
سایہ برگ ہے اس لطافت سے ہر گل
جو ایک رو مکان ہو سو معلوم ہو دور و
چین جہین نقاب تلے جون رخ رگو
کوئی سیاہ مست پڑا ہو کنار جو
پوشتر بھینٹ قلکار بردشت و جبل
بار پینانے کو اشجار کے ہر سو بادل
سانو نعل میں جون تہے زمرہ کو حل

آتش

آدقن یار میں کی خطے رسائی پیدا
چاہ یوسف میں خضر ہر تماشا کو دا

امیس

یون بر جھیاں تھیں چار طرف اس خنایے
جیسے کرن ٹکلتی ہے گرد آفتاب کے

(۳) شبہ کو شبہ بہ کے ساتھ دیکھ نسبت ہو جیسے۔

آتش

گورے گالوں پر ترے زیبا ہر حال عزیز
تھا یہی مینا سزاوار ایسی لوح سیم کا

ظاہر ہے کہ گورے گالوں اور سیاہ حال کو یوحیم اور مینا کے ساتھ عدم اعتبار تشبیہ کی صورت میں مناسبت نہیں۔

سُرمے کا چشمہ پار کے دل گشتہ ہو گیا اولہ مارا بڑا ہے رنگی ابلق سوار سے

خلق

جو پر زار کا خال نہ گیسو ہو گا جان بوسا پ کے نیچے کا وہ بچھو ہو گا

منصف

حق نے کیا اُس کو تازگی دی ہے ہر بنا گوش گل کی پتی سے

وزیر

جا کے دل بھول گیا راہ نہ آیا بھر کر اکوچ زلف ہر یا بھول بھلیاں سر پر

(۴) شبہ بہ ذہن میں ندرت کے ساتھ آئے بسبب اُسکے کہ وہیات سے ہوا خیالات سے۔

رند

وہاں یار میں دیکھی زبان تو یہ خیال آیا کسی نے چھوڑ دی ہر لال بھلی حوض کوثر میں

خلیق

موت سر پا تو نہ پیا رشک صنوبر بہین سرو کی چوٹی سے نکلا ہر نہال کا کل

ابانست

تلموہ کا کل کا نہیں رخ پہ نظر آتا ہے کان کی نوکا دھوان ناز سے بل کھاتا ہے

ولہ

بخشی کیا زور سانس شب حین کی تانگی کان کا پٹا نہال زن کو کو نیل ہو گیا

خلق

نظر آیا جو اُس کے کان میں یا قوت کا بندہ کسی یہ بات دل نے بھین ہر مار زلف پیکان کا

وزیر

انکا مضمون ہاتھ اُس کان کی بھلی کی بالی کا ہے منہ چشمہ خورشید سے بھلی نکالی سے

کوکل

سب کوکل پرست درسا

بکھرے رخسار و نہ گیسو حور تریم بکھر آج
سب اُٹ اُٹ نظر آئے مجھ خورشید پر آج

کوکلا

نہیں گیسوے عنبرین اُن کے | دود بخت سیاہ عاشق ہے

امانت

اناک کے پاس بھوین سر نہیں ہوڑ لے ہیں | شاخ بلورین میں تلوار کے پھل آئے ہیں
 تشبیہ میں وجہ شبہ جس قدر ترکیب زیادہ رکھتی ہوگی اسی قدر اس میں بعد اور غراہیت زیادہ ہوگی
 اور جتنی کم تفصیل اور ترکیب رکھتی ہوگی اتنی ہی زیادہ قریب اور متبدل ہوگی۔ تشبیہ میں جس قدر
 بعد و غراہیت زیادہ پیدا ہوتے ہیں اسی قدر زیادہ بلیغ ہوتی ہے اور بہ نسبت قریب و متبدل
 اُس میں بہت لطف ہوتا ہے پس مولوی شبلی نے جو موازنہ میں تشبیہ قریب الفہم کو تشبیہ کا بڑا کمال
 سمجھا ہے تحقیق کے خلاف ہے۔
 کبھی تشبیہ متبدل تھوڑا سا تصرف کر لے سے غریب ہو جاتی ہے جیسے زلف کو شانہ پر اُٹا دہ ہو گیا
 سبب سے دل خانہ بدوش کہیں۔

ذکی

شانہ پر اُس بری کے پریشان جو زلف سے | انداز اُٹا کے ہے دل خانہ بدوش کا
 یا زلف کے دونوں رخسار دنیہ اور نیچہ ہونے کی وجہ سے اسکو مار دوسرے کے ساتھ تشبیہ دینا۔

نقیس

تشبیہ دے چکا ہوں میں بار دوسرے کے ساتھ | زلف کو اسکی ہاتھ لگاتا ہوں ڈر کے ساتھ
 یا دونوں ابروؤں کو دو ہلاؤں سے تشبیہ دے کر اُن کے یک جانظر آنے کا ادعا کرنا۔

ظفر

ابر وین تماشا ترے ای رشک قہر دو | ایک جامہ بنو سامنے آتے ہیں نظر دو

مراجمد تحصیل طیش

کہا دل کے چل چکو تماشا ایک دکھلاؤں | نہ کامل عرق آلودہ وہ گردن جھلکتی ہے
 لگا کئے طیش میں گھر سے باہر کس طرح نکلوں | اندھیری رات ہے برسات ہے بجلی بجتی ہے

اگرچہ تماشا کامل کی تشبیہ اندھیری رات سے اور عرق کی برسات سے اور جھلکتی ہوئی گردن کی بجلی
 ہوئی بجلی سے عامیانه ہرگز تینوں کے ایک جامع ہونے سے نادر ہو گئی ہے۔

جھکا بار پستان سے چلنے میں قدر | اندرون سے خم شاخ تر ہو گئی

پستان کو انار سے تشبیہ دی ہو اور یہ کوئی غریب تشبیہ نہیں مگر تصرف کرنے سے غایت آگئی ہو
 کندن کی طرح جسم دکتا ہے یار کا اولہ پھبتی کر پہ سو جھی ہو سونے کے تار کی
 سونے کے تار کے ساتھ تشبیہ کر یار کی قبزل تھی مگر کندن کی طرح دکنے کی مناسبت کا دور ہو گئی

آباد

شک ہے مکر یار کے اور رگ جان کا ایسی رگ گل رشتہ باریک کمان کا
 شاعر کو مکر یار کی تشبیہ رگ گل اور رشتہ باریک کے ساتھ بھی منظور ہے اور یہ تشبیہ قبزل
 معنی مگر استفہام انکاری کے طور پر بیان کرنے سے غایت ہو گئی۔

عاشق

دانتون میں زلف کو جو دباتے ہو بار بار کاٹے گا خاک سانپ کا جب سر گیل گیا
 زلف کی تشبیہ سانپ کے ساتھ قبزل تھی مگر شاعر کے تصرف سے اس میں غایت آگئی۔

مجیب

مشک ختن زلف کو میں نے کہا اب مجھ سے یہ اک کا خطا ہو گیا
 تشبیہ زلف کی مشک کے ساتھ قبزل تھی مگر خطا کے ذکر سے غایت آگئی۔

مکلو

مصحف رخسار پر رکھتی قدم ہے بار بار زلف کا فر کو جھٹ سر بد چڑھایا اپنے
 رخسار کی تشبیہ مصحف کے ساتھ اگر قبزل ہو مگر کافر کے ذکر نے اسے نا دور کر دیا۔

حسام

ہندو سے زلف کی صحبت دیکھیں آج پھر نہیں معلوم کہ کیسے ہیں مسلمان عارض
 زلف کی تشبیہ ہندو کے ساتھ ہے اور مسلمان کے ذکر کی وجہ سے اس میں غایت آگئی ہو۔

میر قاسم علی شاکت

کنسے دکھلایا سے یہ چاند سا تلو مجھ کو اڑیاں گھیسے ہی گذر ایہ مہینا مجھ کو
 اگرچہ تلو سے کی تشبیہ چاند کے ساتھ قبزل ہو مگر اڑیاں گھسنے اور مہینے کے ذکر نے اسے طبع کر دیا ہے۔

نسیم

سوئی کا عصا تھا ٹھٹھہ جوان کا ایک ہی زنجیر سے سب کو بانگا
 لکھ کی تشبیہ عصا سے موت کے ساتھ غریب نہ تھی مگر جب یہ کہا کہ ایک ہی لاکھی سے سب کو

ہانکا تو اس میں غرابت آگئی۔

اصف الرولہ

زلف مشکین میں پرورد کے یہ دل کیون چھپے
ایسا صیاد ہوا اور ہاتھ میں دام ایسا ہو
زلف کی تشبیہ دام کے ساتھ اور معشوق کی تشبیہ صیاد کے ساتھ اگرچہ متبذل ہو مگر ان کے اجتماع سے
غرابت آگئی۔

الهام

انگہ وہ دشنہ کہ طعنہ کٹار پر مارے
مرہ وہ تیر کہ خنجر کو دھار پر مارے
اگرچہ نگاہ کی تشبیہ دشنے کے ساتھ اور مرہ کی تشبیہ تیر کے ساتھ بلین نہیں مگر کٹار پر طعنہ مارے
اور خنجر کو دھار پر مارنے کے ذکر سے غرابت آگئی۔

عاصی

دل مبتلا ہے عشق زرخندان یار میں
کافی ہے ڈوبنے کے لیے یہ کنواں مجھے
زرخندان کی تشبیہ کنوین کے ساتھ متبذل ہو مگر ڈوبنے کے ذکر سے ندرت پیدا کر دی۔

عشقی

خدا جانے ہر ایبت کیا بلا چاہ زرخندان میں
نما نگا آنے پانی جو گرا چاہ زرخندان میں
پانی نہ مانگا کے ذکر سے اس تشبیہ میں ندرت پیدا کر دی ہے۔

سلام

دیتے ہیں قدیار سے کیوں سرو کو تشبیہ
اوہ بے غریب اس میں ہر سبقتن کا بھل
سرو اور قدیار کی تشبیہ میں بوجہ اپنے مفردات کے کوئی غرابت نہیں مگر ذکر کی وجہ سے غرابت آئی

سلام

حدیث زلف چشم یار سے یوچہ
درازی رات کی بیمار سے یوچہ
اگرچہ زلف کی تشبیہ رات سے اور آنکھ کی بیمار سے علیحدہ علیحدہ کوئی غریب نہیں مگر ان کے
اجتماع سے ندرت آگئی۔

گویا

کیونکر کمون پیشانی کی نشان کو تارے
جب ماہ نہ ہو حیرہ تابان کے برابر
اور اگر تشبیہ متبذل میں تصرف بطریق شرط کے ہو تو اسکو تشبیہ مشروط کہتے ہیں جیسے یون
کہیں کہ بھگو سرو کہہ سکتے ہیں اگر سرو میں ماہ کا ٹرنگتا ہو یا بھگو ماہ کہہ سکتے ہیں اگر ماہ میں سرو کا قدم ہو۔

شبائے سالکین جاوہر

برگ گل کی طرح ہیں لب اسکے
اُس کی آنکھیں ہیں صورت نرگس
اُس میں اعجاز کا اثر ہوا اگر
اُس میں بینائی کا گذر ہوا اگر

اسی قبیل سے ہے۔

وقار

اُس صبح رخ کے ناخن پا کا جواب تھا
ہو تو میں بلندیاں اگر ابرو سے شام میں

امیس

اُرخسار کو فر جو کہوں اُس میں دل غ ہے
خورشید پر تو کیا ہر وہ دن کا چراغ ہے

غلام علیخان وحشت

دل ترا سنگ ہی پر آگ نہ نکلی گا ہے
رخ ترا آئینہ ہی پر کبھی حیران نہ ہوا

مفردات اُس کے تبتذل ہیں مگر بوجہ استدراک کے غرابت پیدا ہو گئی۔

وہ برغونہ محمد کے سراپا کے بیان میں کہتے ہیں

رودار ہے خورشید پر ابرو نہیں رکھتا
قد رکھتا ہر طوبے پر یہ گیسو نہیں رکھتا
ابر و تہ نور رکھتا ہے پر وہ نہیں رکھتا
سنبیل کے ہن گیسو قد بچو نہیں رکھتا

گر آنکھ ہی نرگس کی تو بینائی نہیں ہے

غنیجہ کے دہن ہی تو یہ گویائی نہیں ہے

جو ہے گل جنت میں یہ رخسار نہیں ہے
قد رکھتا ہر طوبے پر یہ رفتار نہیں ہے
ایمن میں تجلی ہی یہ ذیاد نہیں ہے
شیرین لب کوثر دہی یہ رفتار نہیں ہے

آئینے میں رو ہے یہ خط سبز کمان ہو

غنیجہ کے دہن ہی نہ زبان ہی نہ بیان ہو

شامل پر پوشیدہ نہیں ہے کہ ان اشعار میں چہرے کی تشبیہ خورشید کے ساتھ اور ابرو کی تشبیہ
مہ نو کے ساتھ اور قد کی تشبیہ طوبی کے ساتھ اور آنکھ کی تشبیہ نرگس کے ساتھ اور دہن کی تشبیہ غنیجہ کے
ساتھ اور رخسار کی تشبیہ گل کے ساتھ اور ہونٹ کی تشبیہ لب کوثر کے ساتھ اور رد کی تشبیہ آئینے کے ساتھ
ملفوظ ہی گرا اس طرح بیان کیا ہے کہ غرابت آگئی ہے۔

اسی قبیل سے ہے ناسخ کا یہ شعر۔

مشک میں خوشبو ہے سچ و قابض مثل نہیں | آج ہیں سنبل میں مثل ہو مگر خوشبو نہیں |
 المعجم فی معاییر اشعار العجم میں شمس الدین محمد بن قسطل رازی نے تشبیہ و تشدیک کے بعد تشبیہ معکوس لکھی
 ہے اور اسکی تعریف میں کہا ہے کہ تشبیہ معکوس یہ ہے کہ اول ایک چیز کے ساتھ دوسری چیز
 کو تشبیہ میں پھر بعد اسکے مشبہ بہ کو دوسری وجہ سے مشبہ کے ساتھ تشبیہ دین جیسے گھوڑوں کی
 ٹاپوں سے میدان جنگ کی زمین ہلال کی طرح ہو گئی اور ہلال زمین کی طرح اول زمین کو گھوڑوں
 کے نعل کی وجہ سے ہلال کے ساتھ تشبیہ دی پھر ہلال کو کثرت فبار سے زمین کے ساتھ
 تشبیہ۔ دوسری مثال۔ ممدوح کی تعریف میں کیے اُس کے حکم کے آگے بھاری زمین ہوا
 کی طرح ہلکی ہے اور اسکی طرح کے مقابل ہلکی ہوا زمین کی طرح بوجھل ہے۔ تیسری مثال۔ روئے زمین
 ہتھیاروں کی کثرت سے پشت فلک کی طرح ہو گیا اور غبار کی وجہ سے روئے فلک پشت زمین
 کی طرح بن گیا۔

ظفر

خاک کو مسند کنی ب بھتے ہیں فقیر | اور وہ جانتے ہیں مسند کھاب کو خاک

منیر

آفتاب دریا میں تری سنگ ساحل میں | کلیجا پانی کا پھر ہے پھر کا جگر پانی

بیان تشبیہ تمثیل و تشبیہ غیر تمثیل

اگر وجہ مشبہ کئی چیزوں سے حاصل ہوئی ہو تو اسکو تشبیہ مرکب کہتے ہیں اور تشبیہ تمثیل
 بھلی سی کا نام ہے مگر بغیر تشبیہ کے صرف تمثیل نہیں کہتے اور سکاکی نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ
 وجہ مشبہ وصف حقیقی نہ ہو بلکہ امر متوہم ہو اور شیخ عبدالقادر جرجانی کے نزدیک تشبیہ تمثیلی وہ تشبیہ
 ہے جس میں وجہ مشبہ مرکب عقلی ہو اور اگر مرکب حسی ہو تو اسکو تشبیہ تمثیلی اور ضرب التمثیل کہنا چاہیے
 جیسے مہر کے اس شعر میں ۵

اے مہر سچ مثل ہی جو عالم ہے بے عمل | گو یادہ اک گدھا ہر کتب سے لدا ہوا

اس مثال میں عالم بے عمل مشبہ اور گدھا کتابوں سے لدا ہوا مشبہ بہ ہے اور محنت اٹھانا اور پھر
 ایسے بڑے نفع کی چیز سے محروم رہنا صفت مجموعی کہ مرکب کئی چیز سے ہے وجہ مشبہ ہے اور یہ صفت
 حقیقی نہیں ہے اور عقلی بھی ہے پس یہ سب کے نزدیک تمثیل ہے سکاکی کے نزدیک باعتبار

غیر حقیقی ہونے کے اور تیغ کے نزدیک باعتبار عقل ہونے کے اور جمہور کے نزدیک اس واسطے کہ ان کے نزدیک یہ قیود معتبر نہیں بلکہ عام ہے اس سے کہ حسی ہو یا عقلی اور حقیقی ہو یا غیر حقیقی پس اس شعر میں۔

مخبر

چمن میں گل بہ یون بہ قطرہ شبنم پڑا چکے
انگوٹھی پر گویا سونے کی اک لٹا سہ دیکے
بقول تیغ کے تمثیل نہیں ہے کیونکہ اس شعر میں ایک سرخ اور بدور چیز کے درمیان ایک سفید و براق چیز کا لحاظ ہونا وجہ شبہ ہے اور یہ امر مرکب حسی ہے اور چونکہ یہ وصف حقیقی ہے اس لیے سکاکی کے نزدیک بھی تمثیل نہیں۔

عبرت

دردندان دہن میں یون یون باہم
انہاں غنچے میں جون قطرات شبنم
اس شعر میں بھی وہی حال ہے کیونکہ ایک گول اور سرخ فام چیز میں ایک سفید اور براق چیز کا لحاظ ہونا وجہ شبہ ہے اور یہ مرکب حسی اور وصف حقیقی ہے۔

سودا

بلند بہت اگر ہوں نہ زیر جرح ضعیف
جونا تو ان نہ کر میں دست گیری دشمن
فتادگی میں یہ عزت ہو دیکھ اڑ سرکش
ہلال عید ہو عالم کا کیونکہ رذرہ کش
تو خار و خس نہ کرے شعلے کو کبھو بر پا
کہ نیک و بد کے کیا نقش پا کو راہ نما

سب کے نزدیک ان اشعار میں تمثیل ہے۔
اور اگر وجہ شبہ مرکب ہوگی بلکہ واحد یا متعدد ہوگی تو اسکو تشبیہ غیر تمثیل کہیں گے مثال اول جیسے خوشبو معشوق کے گیسو اور شک و شبہ کی تشبیہ میں اور جرأت زبدا اور شیر کی تشبیہ میں مثال دوم جیسے ہی کی تشبیہ میں سیب کے ساتھ رنگ اور مرزہ اور خوشبو اور زلف و سنبھل کی تشبیہ میں درازی اور باریکی اور عیدگی۔

بیان تشبیہ مفصل و مجمل

جس تشبیہ میں وجہ شبہ مذکور ہو اسکو تشبیہ مفصل کہتے ہیں جیسے فلان آدمی شجاعت میں شیر کی طرح ہے۔

کلازیم

دستور کہ عرض رزح کا تھا
اشل دل بد گمان مر کا تھا

ولہ

دہ طفل بھی گر پڑا قدم پر	مانند سر شک چشم مادر
--------------------------	----------------------

ولہ

لرزہ سا چڑھا وہ دیونی پر	مانند حواس اڑی وہ مضطر
--------------------------	------------------------

ظفر

اُس شعلہ خوسے بزم جہان میں لگا کے لو	مانند شمع آپ کو ہم نے گھلا دیا
--------------------------------------	--------------------------------

دبیر

سیماب سا سینے میں ترپنے جو لگا دیا	گر گر کے کئی بار اٹھی صورت بمل
------------------------------------	--------------------------------

نفیس

چمک رہے ہیں در لظم اخرو کی طرح	اٹا ہے شاہد مضمون میں دلبر کی طرح
--------------------------------	-----------------------------------

ذوق

ہو مین ہی یہ طراوت کہ دود گھٹن بھی	برسا اٹھا ہر آتش سے مشعل بزم طیر
------------------------------------	----------------------------------

نسخ

ایسی تاریکی ہی مانند زحل ہو دے سیاہ	اے گر خورشید میرے بیت اعران کی طرف
-------------------------------------	------------------------------------

ناسخ

حیلی ہو گئی لنکا کی طرح لے یار سونے کی	آرے پر تو سے ہوتی ہے گلی دیوار سونے کی
--	--

اسی نبیل سے ہو وہ تشبیہ بھی جس میں وہ چیز نہ کور ہو جسکو وجہ شبہ لازم ہو جیسے۔

ظفر

حلاوت اس شوخ لعل لب کے نہ پوچھو بوسے کی ہر یہ شیرین	کہ جو کوئی انگبین خالص کو مقبول دے لے کے آپ خالص
---	--

ولہ

کھائے ہر کس کس حلاوت کے دل عاشق سے	شیرین شیرین مثال نیشکر پیدا ہوا
------------------------------------	---------------------------------

بیت ادل میں لب معشوق کے بوسے کو شہد میں کھلے ہوئے آب خالص سے تشبیہ دی اور	
---	--

دوسری بیت میں شیر غم کو نیشکر سے تشبیہ دی ہے۔ اور وجہ شبہ دونوں جگہ شیرینی بیان کی ہے اور	
---	--

در حقیقت وجہ شبہ دونوں جگہ رغبت ہے اور وہ شیرینی کو لازم ہے اور یہ بوسہ لب معشوق، در	
--	--

شہد میں حل کیے ہوئے آب خالص میں مشترک ہے اسی طرح غم اور نیشکر میں بھی رغبت مشترک ہے اور شیر میں دونوں جگہ وجہ شبہ نہیں کیونکہ وہ مطعوات کے خواص میں سے ہیں شیرینی بوسے اور غم میں موجود نہ ہوگی کیونکہ وہ کھانے کی چیزوں میں سے نہیں ہیں اور جامع کے لیے یہ ضرور ہو کہ وہ شبہ اور شبہ بہ دونوں میں موجود ہو اور حق یہ ہے کہ ایسی چیز کو وجہ شبہ کی جگہ ذکر کرنا جو خود وجہ شبہ نہ ہو بلکہ وجہ شبہ کا ملزوم تسامح اور تساہل ہے اسی قبیل سے یہ ان دو شعروں میں۔

شہیدی

کبھی عذاب جو ہکا کردہ مجھ سے بات کرتا ہے | مزہ دیتا ہے اس کا ہر سخن قند مکر کا

وجاہت

کیا ذائقہ بیان کروں اس کی بات کا | جو بات ہو پس اس میں مزہ ہی بات کا

ظفر

حرف جلنے کا زبان پر لانا اے جاناں مرے | ہے وہ میرے حق میں جیسے موت کا پیغام تلخ
مشتوق کے جانے کی بات کو موت کے پیغام کے ساتھ تشبیہ دی ہو اور مذکور بیان بھی ہے
حالانکہ درحقیقت وجہ شبہ ناگواری ہے جو تلخی کو لازمی ہے۔

مومن

درد شراب و سختی قابل | تلخ سخن مانند ہلاہل
سخن کی تشبیہ میں ہلاہل کے ساتھ وجہ شبہ ناپسندیدگی ہے اور وہ تلخی کو لازم ہے۔

عبرت

پیرائے سبز مثل بخت کامل | یہ منقار اس کی پر خون صورت دل
ہر دن کی تشبیہ میں بخت کامل کے ساتھ وجہ شبہ عمدگی ہے اور وہ سبزی کو لازم ہے اور یہ پیر اور بخت کامل
میں مشترک ہے اور سبزی وجہ شبہ نہیں کیونکہ وہ اجسام کے عوارض میں سے ہے جو عسرسات میں داخل ہے
اور بخت عقلیات میں سے ہے پس سبزی بخت میں موجود نہ ہوگی۔

ولہ

اگرچہ سبز ہے ظاہر مزارنگ | یہ باطن میں مرے آتش کی چونک
طوط کے باطن کی تشبیہ میں سنگ کے ساتھ وجہ شبہ سوز ہے جو آتش کو لازم ہے۔

غلام حسینی خان قدیر

بلا یا جو پر دانہ سان اُسے جھکو

کما میں نے بھی شمع رواں کو جلکر

مشکلم کی تشبیہ میں پروانے کے ساتھ وجہ شبہ تکلیف ہے جو جلنے کو لازم ہے۔

ذوق

عقل میں شمس ہو تو علم میں کان گوہر

افضل میں کعبہ ہو تو علم میں کوہِ رحمت

انسان کی تشبیہ میں شمس کے ساتھ عقل وجہ شبہ نہیں بلکہ انکشاف ہے جو عقل کو لازم ہے اور یہ انسان شمس و نون میں موجود ہے اور عقل وجہ شبہ اس لیے نہیں کہ وہ انسان سے مخصوص ہے اور اجرامِ علوی غیر ذی روح ہیں اسی طرح انسان کی تشبیہ میں کان گوہر کی بات وجہ شبہ کثرتِ منفعت ہے جو علم کو لازم ہے اور یہ ذی علم انسان اور کان گوہر میں مشترک ہے اور علم وجہ شبہ نہیں کیونکہ وہ ذی روح و ذی عقل کی شان سے ہے پس علم کان گوہر میں موجود ہوگا اور کوہِ رحمت کے ساتھ تشبیہ میں وجہ شبہ برداشت کرنا ہے اور یہ امر انسان اور کوہ میں مشترک ہے اور علم وجہ شبہ نہیں کیونکہ علم عذاب میں آہستگی کرنے کو کہتے ہیں اور یہ امر ہاڑ میں پایا نہیں جاتا۔

ناسخ

نغماتِ تیری یاد میں جزمِ برہشت

زہرِ غم فراق مرے میں ہے درشت

زہرِ غم فراق کی تشبیہ میں درشت کے ساتھ کیا یک قسم کو ڈھالی زور وجہ شبہ در حقیقت مرہ نہیں بلکہ مرغوبی ہے جو مرہ کو لازم ہے۔

اور وجہ شبہ مذکور ہو تو اس تشبیہ کو تشبیہِ مجمل کہتے ہیں اور یہ کہی طرح ہے۔

(۱) یہ کہ وجہ شبہ غیر مذکور اس میں ایسی ہو کہ ہر اک کو بے تامل معلوم ہو سکتی ہو جیسے۔

مرزا حاتم علی مہر لکھنوی

بھومین تلواریں تو تیری نگاہ میں ہیں تیسرا

میسے مرگان جنہیں سب کہتے ہیں دو بجائے ہیں

جنون

کسی نے نہایت نہیں کیجے چاند میں اب تک

تمہارا چاند سا چہرہ ہے اور تارے گال

گل سمائے نہیں چھات میں خوشی کے مابے ہر راز جب دیکھا ہے ترے کھجور سے بھون کو

مومن

داغ آکے زبس مثال گل سٹے

تخت ہاتھ کمان نہال گل تھے

نسیم

ہم بستر آدمی پر ہی تھی ۛ اسائے کی بغل میں چاندنی تھی

ناور

اسی پر مثل سرکہ لب اسکا انگبین ہے ۛ کوسہ جو آج تیجے لطف کنبہ میں ہے

عبرت

نکل کر جب چلی گلشن سے وہ ماہ ۛ تدر و باغ بولا بھسکے اک آہ
میں کتا تھا کہ سرو بوستان ہے ۛ نہ سمجھایا کہ تو سرو دروان ہے

(۲) وجہ شبہ غیر مذکور پوشیدہ ہوا و رسوا خواص کے اسکو کوئی اور معلوم نہ کر سکے جیسے۔

مومن

ہے رگ خواب سے غفلت محسوس ۛ ہو گئی طسیر زنجاہل کا بوس

وجہ شبہ تشبیہ زنجاہل میں کا بوس کے ساتھ نیند میں ڈر کر چونک پڑنا اور چلانا اور آواز میں اختلال
آ جانا اور ظاہر ہے کہ یہ امور ہر آدمی پر فوراً ظاہر نہیں ہو سکتے۔

اسرار

عہ جب سننے ہیں یہ کتا ہوں بارب ۛ یہ بجلی دیکھے گرتی کہاں ہے

یہاں سننے کی تشبیہ برق کے ساتھ واقع ہوئی ۛ ہر انسانا مشوق کا بسبب شوخی کے واقع ہوتا ہے
یا بسبب سکے کہ سننے میں دانت کی سفیدی اور چمک ظاہر ہو جاتی ۛ ہر اس واسطے اسکو برق سے تشبیہ
ہوتے ہیں اور یہ امور رسوا سے خواص کے اور کوئی دریافت نہیں کر سکتا۔

فوق

واہ واکیا معتدل ہر باغ عالم کی ہوا ۛ مثل نبض صاحب صحت ہر موج صبا

موج صبا کو صاحب صحت کی نبض کے ساتھ تشبیہ دی ۛ ہر اور وجہ مشابہت ایسی چیز ہے جس کو
سوائے طبیب کے دوسرا نہیں جان سکتا مثلاً صاحب صحت کی نبض طول میں چار انگلی ت نہ کم ہوتی ہے
نہ زیادہ اور انگلیوں کو اسکی حرکت زور سے صدر میں نہیں دیتی اور نہ جلد چلتی ۛ نہ آہستہ اور تھوڑے عین نہ گرم
معلوم ہوتی ہے نہ سرد اور نہ انگلیوں کی چوڑائی اسے اسکی حرکت زیادہ ہوتی ہے نہ بہت کم اور
اسکی حرکت ایک ہی طور پر ہوتی ۛ ہر اور ڈاکٹرون کے قول کے مطابق بلوفت میں صاحب صحت
کی نبض ایک منٹ میں نو سے مرتبہ چلتی ہے اور جوانی میں پچتر مرتبہ۔

ولہ

پاس میں تیرا جوتار کی چاہ ہے تبدیل | دوش گردو نیہ خط منطقہ ہو خط نطق |
خط منطقہ ایک دائرہ ہے کہ باندن جرج اسی دائرے پر واقع ہیں اور نطق کمر بند یعنی ٹیکے کو کہتے
ہیں دائرہ منطقہ البروج کا اپنی حائل کی شکل جو پہنی ہوئی زنار سے مشابہت رکھتی ہے چھوڑ کر ایسے خط کی
شکل اختیار کر لینا جو کمر سے بند سے ہوئے ٹیکے کی طرح جس میں زنار کی شکل میں ہوتی
وجہ شبہ ہے اور یہ باتیں عوام کی سمجھ سے دور ہیں۔

دل افکار کا ہے سودہ الماس | اولہ سنگ ہی سنگجرات بس زخم جہان |
سنگ کو سنگجرات سے تشبیہ دی ہے اور وجہ شبہ زخم سے خون کا بند کرنا خشکی پیدا کرنا اور رطوبت
کو سکھانا وغیرہ افعال ہیں جنکو سوائے طبیب کے دوسرے نہیں سمجھ سکتا۔

ولہ

انہی زلف کے کاٹے کو ہر جون مہرہ مارا | گوش خوبان میں تہ زلف سمن سا گوہر |
گوہر کو مہرہ مار سے تشبیہ دی ہے جو ایک پتھر سے جسے سانپ کے کاٹے ہوئے زخم پر لگاتے ہیں تو
چپک کر زہر چوس لیتا ہے وجہ شبہ اپنی تاثیر سے سانپ کے زہر کو دفع کرنا ہے اور یہ امر سوائے طبیب کے
دوسرے کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

گر سحاب قمر تیرا ہو تگرگ افشان تو ہو | ولہ حال اہل قاف وہ اے خسرہ عالی مقام |
وادی لطیف میں جیسے بر سر اصحاب فیل | معجز طیر ابابیل آیا وقت انہزام |
ممدوح کے سحاب قمر کی تگرگ افشانی کو اہل قاف پر اس واقعہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کعبے کے
پاس اصحاب فیل کو ابابیل سے پیش آیا تھا اور وجہ مشابہت اس میں جو بات ہے اسکو عوام شکل
سے جان سکتے ہیں۔

امیر

دل صاف زبان صاف سخن صاف ہی میر | موتی کی لڑی ہے کہ مسلسل مری تقریر |
یعنی جس طرح لڑی کا ہر موتی اچھا معلوم ہوتا ہے اور لڑی کے کسی حصے میں کچھ برے ہونے کا تفاوت نہیں
پایا جاتا یہی حال مری تقریر کا ہے کہ کسی حصے میں تفاوت اور نقصان نہیں ہوتا وجہ شبہ اور شبہ یہ میں ایسا
تناسب ہے جس میں تفاوت ممنوع ہے مگر فرق اس قدر ہے کہ مشبہ بہ میں یہ تناسب فقط صورت کے اعتبار سے ہے
اور مشبہ میں صورت یعنی لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے اور ظاہر ہے کہ اس وجہ کو سوائے خاص

خود سرا آدمی نہیں جان سکتا۔

ایسی دوچار دانے خاص کشت محبت ہیں | ولہ انہیں اشک مسلسل لبیان بین خرم دل کی |
(۳۳) تشبیہ میں مشبہ اور مشبہ بہ کا وصف مذکور نہوا اور مراد وصف سے وہ چیز ہو جس سے وجہ شبہ
ذالت ہوتی ہو۔

صب

اہلال ابرو سے قاتل نے معرکہ مارا | پیام شب میں نہان تیغ آفتاب کی |
اہرو کو ہلال کے ساتھ اور شب کو پیام کے ساتھ اور آفتاب کو تیغ کے ساتھ تشبیہ دی برادر کسی
کے ساتھ کوئی ایسا لفظ مذکور نہیں جس سے وجہ شبہ پراستادہ ہوتا ہو۔

امانت

پیتا ہر دانت سوتے میں ہر دریائے مراد | خواب میں بچے نہ تھے بنے تو گوہر ہوتے |
جو تکہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں سے ایک کے لیے بھی کوئی وصف مناسب مذکور نہیں ہے
اس لیے وجہ شبہ پرایا نہیں ہوتا۔

عیشی

دندان دل کے وصف میں تشبیہ ہر نئی | ادولعل میں ازل سے یکان گھر کے ساتھ |

قلق

ایاقوت کان میں جگر سنگ میں ہر لعل | صورت پہ ہر صنم ترے ننھ میں گال کی |
یہاں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں میں سے کسی کا وصف مذکور نہیں ہے وجہ شبہ پراشارہ کسی لفظ سے نہیں ہو سکتا۔

اسر فراز علی خان وحید

افغنی گھونٹا گن گھوڑا زور نہ بناؤ | اتنا نہ بڑھا دُشمن مختصر زلف |
(۳۴) صرف مشبہ کا وصف مذکور کرنا جیسے۔

اخیر

کبھی مر جان کبھی یاقوت کبھی لعل لکھا | چوری کرتا ہوں میں ہر دست حنائی تیری |
مشبہ یعنی دست کا وصف حنائی برادر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجہ شبہ دست کی تشبیہ میں مر جان
اور یاقوت اور لعل کے ساتھ سُرخ ہے۔

دل یکساں ہر دستان میں شفق بچوں ہے | سُرخ جب ہونٹ ترے پاں سے دم دیکھتے ہیں |

ہونٹ شبہ ہے اور شفق شبہ بہ ہے اور سُرخِ دیوان وصف شبہ کے ہیں جن سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ وجہ شبہ یہاں سُرخ ہے۔

تادر

گوندھا چوٹی کو جو موہاں سب سے ادری

اے ہوتا یاریہ اک اور جوڑا سانپ کا

امومن

تھی پشت خمیدہ یا کمان تھی

تھا تیر کہ آہ خون چکان تھی

(۵) فقط شبہ بہ کا وصف مذکور کریں جیسے۔

رند

دیوان یار میں دیکھی زبان تو یہ خیال آیا

کسی نے چھوڑ دی ہوا لال پھلی حوض کوثر میں

لال کہ وصف شبہ بہ کا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زبان کو پھلی کے ساتھ تشبیہ سُرخِ دین دی ہے۔

سید صغریٰ ابرو

کسی نے اس طرف یارب ہونٹ ابرو و جان کا

ابرو مشبہ ہے اور تیغِ بران مشبہ بہ اور جوہرِ بران مشبہ بہ کے مناسبات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابرو کو تلوار کے ساتھ کاٹ کی وجہ سے تشبیہ دی ہے۔

امیر

عشق ابرو میں سرِ آزادش سے

چڑھ گئے ہم دم یہ اس تلوار کے

ابرو مشبہ اور تلوار مشبہ بہ ہے دم اور سر اترنا جو مشبہ بہ کے مناسب ہیں اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہاں وجہ شبہ کاٹ ہے۔

اول

تجھ کو قاتل ہی کے لعل لب خندان کی

نیچان چھوڑنا اے تیغِ بسمِ بھگو

بسمِ شبہ اور تیغِ شبہ بہ اور نیچان چھوڑنا مناسب شبہ بہ کے ہے اس سے معلوم ہو کہ بسم کی تشبیہ میں تیغ کے ساتھ وجہ شبہ قتل کرنا ہے۔

قلع

جھکی جوائسکی برقِ بسمِ تو شرم سے

بجلی نے منہ پہ لے لیا دامنِ مجاہد کا

بسمِ شبہ اور برقِ شبہ بہ ہے اور جھپٹنا مشبہ بہ کے مناسب ہے جس سے اس بات پر ایسا ہوتا ہے کہ

مشتوق کے ہنسنے میں جو دانت کی سفیدی اور چمک ظاہر ہو جاتی ہو وہ وجہ شبہ ہے۔

رند

مار سیاہ زلف سے ایدل پناہ مانگ | یہ سانپ تجھ کو ڈسکے نہ جائے لکھن اٹھ

سیاہ اور ڈس کے اٹھ جانا وصف ملائم شبہ یہ کہ ہین اور اس سے اس بات پر اشارہ ہے کہ زلف کی تشبیہ مار کے ساتھ سیاہی اور ایذا رسانی میں ہے۔

ولہ

جانبر نہیں ہونے میں خمیں ڈستے ہین | اللہ کبھی تیج میں زلفون کے نہ ڈائے

زلف شبہ ہے اور کالاسانپ شبہ یہ اور کاٹنا اور ڈسنا وصف ملائم شبہ یہ کہ ہین اور یہ ایما اس بات پر ہے کہ زلف کی تشبیہ مار سیاہ کے ساتھ سیاہی اور ایذا رسانی میں ہے۔

میرائیس

روشن تھا دیکھ کا ہر اک کوچہ و بازار | جو راہ تھی خوشبو جو محلہ تھا وہ گلزار

اکھوٹے ہوئے تھا آہوئے شب فتنہ بازار | معلوم یہ ہوتا تھا کہ بھولون کا ہی انبار

میرائیس اس بات کا حال بیان کرتے ہیں جس میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے اس ہر گلی میں خوشبو پھیلتا بیان کیا پھر رات کو آہوئے تشبیہ دی اور نافہ تانا جو وصف ملائم شبہ یہ ذکر کیا جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس تشبیہ میں وجہ شبہ خوشبو ہے۔

(۶) شبہ اور شبہ یہ دونوں کا وصف ذکر کو میں جیسے۔

بیچ کہا ہی آگے کا لے کے نہیں جلنا چراغ | فوق تجب گیا مہ رخ پہ تیرے زلف شبگون کیلکر

زلف کے مناسب شبگون ہے اور سانپ کے مناسب کالا ہونا اور چراغ فانیہ جلنا اور یہ چیزیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وجہ شبہ سیاہی ہے۔

دل سودا زردہ میرا نہ چھوٹے گانہ چھوٹے گا | حصار ہر اک حلقہ ہے کالاجیل فانیہ زلف شبگون کا

لفظ شبگون حلقہ زلف کا وصف ہے اور جیلخانے کا وصف کالا ہے اور یہ دونوں وصف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وجہ شبہ سیاہی و تاریکی ہے۔

امانت

اُس نہی جب چنی اُس معصوم رخسار نے نشان | جسین پر بھتیان ہوئے لگیں لوح ظلماتی بھی

لفظ نہی صفت مناسب نشان کے ہے جو شبہ ہر در ظلماتی وصف مناسب لوح کے ہے اور یہ شبہ یہ ہے

اور یہ دونوں وصف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ نشان اور لوح میں وجہ شبہ نہر رنگ ہے۔

شایان

شایان ہے تاب چہرہ سے چشم سیاہ یہ ہوتا ہے آفتاب کا لاہرن کا رنگ
چہرہ مشبہ ہے اور آفتاب مشبہ اور تاب چہرہ کے مناسب ہوا اور ہرن کا رنگ کا لاہونا آفتاب
کے مناسب ہوا اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں میں وجہ مشابہت تابش حرارت ہوا اور چشم مشبہ ہے
اور ہرن مشبہ یہ اور سیاہ چشم کا وصف ہوا اور کا لاہرن کا اور دونوں اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ
ان میں وجہ شبہ سیاہی ہے۔

بیان تشبیہ مرسل و موکد و مطلق و مردود و مقبول

جس تشبیہ میں حرف تشبیہ مذکور ہوتا ہو اسکو تشبیہ مرسل کہتے ہیں اسی کا نام تشبیہ صریح
بھی ہے جیسے۔

گلزار نسیم

دیکھا تو دزیر زادہ بہرام
بوتے میں تھا شکل نقسہ خام

غالب

خدا نے اسکو دیا ایک خور و فرزند
ستارہ جیسے چمکتا ہوا پہلو کے ماہ

امیر

گندن سا چہرہ دیکھو کبھی آئینے میں تم
اسو نا ملا بہر کا چاندی میں ماہ کی

ممنٹ

سرمو ہے وہ مثل تار نظر
کر یا مثل مونہ سہی

اور اگر حرف تشبیہ مذکور نہ ہو تو اسکو تشبیہ موکد کہتے ہیں اور یہ دو قسم پر ہے
(۱) صرف حرف تشبیہ محذوف ہی ہو اس میں ایسی تشبیہ کا نام تشبیہ کنایت لکھا ہے۔

عاشق

روشن سوا دزلعت سیہ قام ہو گیا
ان کا چراغ سر شام ہو گیا

مذکور چراغ سر شام سے تشبیہ دی ہو حرف تشبیہ محذوف ہے۔

یہ حلقہ مار کے بیٹھا ہے پاس بابی کے قلع بڑا ہے کان کا اس ماہ رو کی بالاسا

موسوا

رفون سے چھوٹ کر دل عاشق شکستین
باون من بحر حسن کے یہ جھمکیاں نہیں

موسن

ابر رحمت تپ عذاب الیم
قطرہ قطرہ سرشک خال عین
سایہ مادر احسراق حیم
دانہاے سلسلہ سلجمن

(۲) شبہ بہ شبہ کی طرف مضاف ہو جیسے۔

ناسخ

ابو اسے بال ٹر رانے میں جو اس کے چہرے پر
نزال خیم شوخی کر رہے ہیں چین گیسو میں پا
اس مثال میں خیم کو غزال سے تشبیہ دی ہے خیم شبہ غزال شبہ بہ اور شبہ مضاف ہے طرف
شبہ بہ کے یہی حال چین کیہ ہو کا ہے۔

خلیق

روتے تھے سے کے بوسہ سید فتن کبھی
ایوسف کا اپنے سونگھتے تھے پیر میں کبھی

زقن کو سید تشبیہ دی ہے اور شبہ مضاف ہے شبہ بہ کی طرف۔

لالہ راوہا شن شکر

دیکھ تواری خیم سیل شک طغیانی میں ہے
اگر بنجھال اپنا کہ دیوار مرہ پانی میں ہے
حرف تشبیہ کہ حذف ہو جانا ہے اے ذکر کے سے حذف ابلغ ہو اسکا حال آگے آگیا جس تشبیہ میں
چارون رکن مذکور ہوں اسکو تشبیہ مضاف کہتے ہیں جیسے زید کا چہرہ روشنی میں مانند آفتاب کے ہے چہرہ
شبہ آفتاب شبہ بہ مانند حرف تشبیہ اور روشنی وجہ شاہت کی۔

قلق

شاخ گل سے ہیں ناز کی میں ستون
صورت سر دباغ میں موزون

ستون شبہ شاخ گل شبہ بہ ناز کی وجہ اید سے حرف تشبیہ۔ دوسرے مصرع میں صورت حرف
تشبیہ ہے اور وہی ستون شبہ اور سر دباغ شبہ بہ اور موزون وجہ شبہ۔

دکار

خیم بہ در رہے طے کا جو میں سکلا
تسل خورشید درخشان رخ روشن سکلا

رخ روشن شبہ خورشید شبہ۔ تسل حرف تشبیہ اور درخشان وجہ شبہ ہے۔

آتش

شمع سان اظہار کا یا رائد آتش کو ہوا
سرگزشت اپنی زبان تک لپی لگا کر لگیا

میر حسن

لے رہیگا جوش گل نے گلستان ہجائیگا
دارغ ہی اکا پیے دلیر لالہ سان ہجائیگا

جس تشبیہ کی غرض اچھی طرح ظاہر ہو اور اس میں شبہ بہ ایسا ہو کہ وجہ شبہ میں وہ مشہور اور کامل ہو
اور اس کا حکم مسلم ہو اور بیان امکان میں مخاطب کے نزدیک معروف ہو تو ایسی تشبیہ مقبول ہو ورنہ مردود

چھٹا چمن بیان مراتب تشبیہ میں باعتبار قوت و ضعف کے مبالغے میں

تشبیہ کا استعمال علی العموم اٹھ طور پر ہوتا ہے۔

پہلا یہ کہ شبہ اور مشبہ بہ اور وجہ شبہ اور حرف تشبیہ چاروں کو ذکر کر میں جیسے زید ہرات میں شیر کی
مثل ہو زید شبہ شیر مشبہ بہ ہرات وجہ شبہ مثل حرف تشبیہ ایسے ہی اس شعر میں۔

اعلام حسن خان خیال

جھلک ایسے کوئی دکھلا گیا مہربانہ غرقیت
کہ چون چلین مشک ہلکنا نظارہ غرقے میں

نظارہ مشبہ اور چلین مشبہ بہ اور مشک وجہ شبہ اور چون حرف تشبیہ۔

اوطھن بیکم

انے کم ظرف نہیں ہم جو بہکتے جادین
گل کی مانند جدھر جادین بہکتے جادین

ولی

نہو کچرخ کی گردش سے اسکی چال میں گردش
بجا ہر قطب کی مانند استقلال عاشق کا

وزیر

ہین پیٹ کے ہلکے وہ صرف سان
موتی کی طرح نکل پڑی بات

عافل

اسکے روئے حیرت افزا کا پڑا ہر جبے عکس
مثل آب آئینہ دریا کا آب ساہ ہے
دوسرا یہ کہ چاروں میں سے حرف تشبیہ کو حذف کر دین جیسے کہ میں زید حسن میں چاند ہے۔

انیس

پھل نلک میں تھا پھول بجلی میں نخل طور
اگر می میں مجھ نلک تو نری میں صاف نور

ولہ

پستی میں سیل ہے تو بلندی میں ہر سحاب
سرعت میں برق گرم مدانی میں جو سحاب
مشہہ کھوڑا ہے اور مشہہ بہ یہ تمام اشیا۔

ولہ

رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سرعت میں کچھ کمی تھی پھل بل میں فرق تھا

ذوق

عقل میں شمس ہے تو علم میں کان گوہر
انفصل میں کعبہ ہے تو علم میں کوہ رحمت
میسرہ کہ وجہ شبہ کو حذف کر دین جیسے زید شیر کی مانند ہے۔

امیر علی حیرت

سُخ اسکا تمام گرجہ ہے جون خورشید
اور اس کے نہال قد سے جی کو امید

اسیر

لکھا کے بدر کو ہر ماہ میں ہلال کیا
تھارت چاند سے چہرے سے بھی کمال کیا

جرار

گلِ سماء نہیں جامے میں خوشی کے مارے
جب دیکھا ہر ترے پھول کے خساروں کو
چوتھا یہ کہ استخار کے جواب میں شبہ کو حذف کر دین یعنی کوئی پوچھے کہ زید کون ہے تو جواب دیا کہ
کہ شیر کی مانند ہے۔

پانچوالن یہ کہ وجہ شبہ اور حرف تشبیہ دونوں کو حذف کر دین جیسے زید شیر ہے۔

مظفر علی اسیر

شکر ہو وہ لب شیریں جو تل ہے خال
بجا ہے تل شکری کا گمان ہونٹوں پر
ب کو شکر سے اور خال کو تل سے تشبیہ دی ہے اور حرف تشبیہ وجہ تشبیہ کو ذکر نہ کیا۔

مشتاق

نرگس ہے جسم سرو ہے قد گلزار ہے
تام خدا وہ شوخ سراپا بہار ہے

لعل لب دانت کہ پانٹوں عقیق یعنی
ولہ سر سے تا پاؤں صنم کان جوا ہر نکلا

اشرف

ابر و عنبر ہیں تو میں آپ کے اثر و گیسو
اگر کے مارے نہیں جہوت میں فسونگر گیسو

ناسخ

ذوالفقار ابرو کے محبوب پر قرآن مجید

روز نور ذریعہ میں شب معراج پر زلف

چھٹا یہ کہ شبہ اور حرف تشبیہ کو حذف کر دین جیسے پوچھیں کہ زید کون ہے جواب دین چاند ہے حسن دین۔

سنا تو ان یہ کہ شبہ اور وجہ شبہ کو حذف کر دین مثلاً دریافت کریں کہ زید کیسا ہے تو کہیں کہ شیر کی مانند

آٹھواں یہ کہ حرف تشبیہ اور وجہ شبہ اور شبہ تینوں کو حذف کر دین مثلاً کوئی پوچھے کہ زید کون ہے تو

جواب دین کہ شیر ہے۔

اقسام مذکورہ بالا میں سے آٹھویں اور پانچویں قسمیں بہت بہتر ہیں اور دوسری تیسری چوتھی

اور ساتویں قسمیں متوسط ہیں اور پہلی اور چوتھی نہایت ضعیف وجہ شبہ اور حرف تشبیہ کے حذف کر کے

میں قوت کی وجہ یہ ہے کہ جوت حرف کو حذف کیا مثلاً زید حسن میں چاند ہے تو گویا زید کو بعینہ چاند فرض

کر لیا اور جس وقت وجہ شبہ کو حذف کیا اور کہا زید چاند ہے تو غمومیت حاصل ہو گئی پس جس تشبیہ

میں ان دونوں کو ترک کرین گے وہ بہت قوی ہوگی اور جس میں ان دونوں میں سے کوئی

مذکور ہوگا وہ بہ نسبت اول کے ضعیف ہوگی اور جس میں دونوں مذکور ہونگے وہ زیادہ ضعیف ہوگی

دوسرا باب استعارے کے ذکر میں

یاد رکھو کہ استعارے میں شبہ کو بعینہ شبہ نہ ٹھہرا لیتے ہیں یعنی بہادر کو بعینہ شیر سمجھ لیتے ہیں شبہ بہ خواہ

مذکور ہو جیسے استعارہ ہاں شریع میں مثلاً شیر کہیں اور اس سے بہادر مراد ہو خواہ شبہ بہ متروک ہو

اور شبہ مذکور ہو اور وہ شے کہ شبہ بہ سے خصوصیت رکھتی ہو اسکو شبہ کے واسطے ثابت کر دین چاہیے

استعارہ بالکنایہ میں جس کا دوسرا نام استعارہ لکنیہ بھی آتا ہے۔

علمائے فن بلاغت کا اختلاف ہے اس میں کہ استعارہ کونسا مجاز ہے آیا مجاز لغوی ہے یا عقلی یہاں

عقلی سے مراد یہ ہے کہ ایک عقلی میں تصرف کیا گیا ہو۔ جہور کا یہ مذہب ہے کہ استعارہ مجاز لغوی ہے یعنی

وہ ایسا لفظ ہے کہ جس معنی کے واسطے بنایا گیا ہو اس معنی کے غیر میں مشتمل ہو اور مشابہت کے علمائے

سے اور اس بات پر دلیل یہ ہے کہ ہم نے کسی آدمی کو شجاعت کی وجہ سے شیر کہا تو اس سے مراد نہ ہوگی کہ

ہیکل مخصوص کا استعارہ اس کے لیے ہے بلکہ شبہ یعنی مرد شجاع کو شبہ یعنی شیر کی جنس میں بطریق تاویل

داخل کر لیا جاتا ہے اور تاویل کی یہ صورت ہے کہ شبہ بہ کے افراد کو دو قسم پر مقرر کیا جاتا ہے۔

۱) ایک قسم متعارف و مشہور یعنی جانور زندہ جو نہایت شجاعت کے ساتھ ہیکل مخصوص میں

پایا جاتا ہے۔

(۲) دوسری قسم غیر شعاری اور وہ ایسا شیر ہے کہ جس کو درندہ سرف کی سی شجاعت حاصل ہے لیکن اس خاص سبیل میں ہو کر حاصل نہیں مرد شجاع ہی قبیل سے ہے مگر لفظ شیر حاصل لغت میں قسم دہی کے لیے موضوع نہیں ہے بلکہ قسم ادا کے لیے موضوع ہوا ہے پس اس لفظ کا استعمال قسم ثانی میں باعتبار مجاز کے ہے اور یہ اطلاق اس شے پر ہے جو معنی اخوی کی غیر ہر پس مجاز لغوی ہوا اور صحیح ہی مذہب ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ مجاز عقلی ہے پس استعارہ امر عقلی میں تصرف کرنے کا نام ہے اس لیے کہ جب کسی کو شیر کہتے ہیں تو اسکو بعینہ شیر (جانور درندہ) ٹھہرا لیتے ہیں نہ مثل شیر کے اس صورت میں گویا شیر کے لفظ کا وہ شخص موضوع نہ ہوا پس یہ دعویٰ کرنا عقل سے تعلق رکھتا ہے نہ لغت سے حاصل یہ ہے کہ زید واقع میں شیر نہ تھا اور اسکو اپنے نزدیک شیر ٹھہرا لیا ہے اور جو چیز کہ واقع میں نہوا اسکو واقعی ٹھہرا لیتے ہی کو مجاز عقلی کہتے ہیں پس استعارہ مجاز لغوی نہوا بلکہ مجاز عقلی ہوا اگر مشبہ کو بعینہ مشبہ نہ نہ ٹھہراتے ہوں تو آتش کے اس شعر میں معشوق کا کذب کیسے ثابت ہو۔

وعدہ شب نہ کرایا ہوا تھا جھوٹہ نہ بول | جلوہ گرات کو خورشید کہاں ہوتا ہے

اس مثال سے مقصود یہ ہے کہ اگر قائل معشوق کو بعینہ خورشید نہ سمجھ لیتا تو معشوق کی وعدہ خلائی اور دروغ گوئی اس جگہ صحیح نہ ہو سکتی کیونکہ جلوہ گر ہونا ایسے آدمی کا کہ جو حسن میں مشابہت خورشید سے رکھتا ہو شب میں ناممکن نہیں ہے بلکہ طلوع خورشید ہی کا ناممکن ہے۔

بکرم شکم قلندر

جس جگہ خورشید ہی طالع نہ ہو | رویہ روز و ن کا دن اور رات کیا

یہاں خورشید معشوق سے استعارہ ہے اور قائل نے معشوق کو بعینہ سورج سمجھ لیا ہے اسی طرح ناسخ کی اس رباعی میں خدا اور بت کا مقابلہ درست نہ ہو سکتا۔

رباعی

ہے ہم مراد نہ جان ہے باقی | تربت میں نہ کوئی امتحان ہے باقی
گرتا ہے خدا تو امتحان تادم زلیست | تربت کا ہنوز امتحان ہے باقی
و دشمن مومن ہی نہ ہے بت خدا | بھگت سے مرے نام نے یہ کیا کیا

ناسخ

وقت بے وقت آیا ہر مشترکہ آفتاب | ہو گئی ہر بار ہا شام شب و بھر صبح

اسی طرح اس شعر میں تعجب ثابت نہ ہو سکتا کہ تلوار کی تعریف میں ہے۔

ادان شور تھا پیدا مہ نو سے مہ نو ہے | بیانِ گل تھا جدا جمع سے یہ جمع کی لوجہ

اسی طرح امانت کے اس شعر میں۔

فلک یہ تو ہی بتا دے کہ حسنِ خوبی میں | از یادہ تر ہے ترا چاند یا ہمارا چاند

اگر قائل محشوق کو بعینہ چاند نہ سمجھ لیتا تو مقابلہ دونوں چاندوں کا درست نہوتا۔

محققین نے اس مذہب کو اس طرح رد کیا ہے کہ شبہ کو بعینہ مشبہ بہ ٹھہرائے سے یہ لازم نہیں آتا کہ شبہ موضوع نہ ہو جائے کیونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ لفظ خورشید جرم روشن معروف کے لیے بنایا گیا ہے اور شخص حسین کے معنی میں استعمال کر لیا گیا ہے اور تعجب کرنا اس لیے ہے کہ گویا مشابہت کو قطعاً فراموش کیا ہے تاکہ مبالغہ کا اعتقاد ہو جائے یہی حال دراصل کا ہے اس سے ثابت ہوا کہ استعارہ مجاز لغوی ہے یعنی موضوع نہ کے غیر میں استعمال کیا گیا ہے۔

حسن التوصل الی صناعۃ التزیل کے مؤلف نے کہا ہے کہ استعارہ اُسے کہتے ہیں کہ تشبیہ میں مبالغے کی غرض سے حقیقت کے معنی کا کسی چیز میں ادعا کرنا اور مشبہ کے ذکر کو لفظاً یا تقریراً ترک کر دینا دوسری عبارت میں استعارہ اسے کہتے ہیں کہ تشبیہ میں مبالغے کی غرض سے ایک چیز کو دوسری چیز کر دینا یا ایک چیز کو دوسری چیز کے واسطے کر دینا پس اگر کوئی یوں کہے کہ میں نے شیر کو دیکھا اور مراد اس کی شیر سے مراد شجاع ہو تو یہ استعارہ ہے اور اگر یوں کہے کہ زید شیر ہے تو یہ استعارہ نہوگا اس لیے کہ اس وقت لفظ میں ایک ایسی چیز ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بینہ شیر نہیں ہے پس مبالغہ حاصل نہوگا یہاں حرف تشبیہ محذوف ہے اور اس قسم کو تشبیہ مضمرة الاداء کہتے ہیں تشبیہ مضمرة الاداء میں اور استعارے میں یہ فرق ہے کہ اول الذکر میں اداء تشبیہ کا ظاہر کرنا درست ہے اور آخر الذکر میں درست نہیں اس لیے کہ استعارے میں متعارفہ کا ذکر بالکل ترک ہوتا ہے لفظاً نہ کو رہوتا ہے نہ تقدیراً کیونکہ اس کے اظہار سے استعارے کی خوبی جاتی رہتی ہے پس حرف متعارفہ کے ذکر پر کفایت کرتے ہیں جملہ تشبیہ مضمرة الاداء کے کہ اس میں مشبہ اور مشبہ بہ مذکور ہوتے ہیں مثلاً زید شیر ہے پس استعارے میں حرف تشبیہ کے اظہار سے کلام بایہ فصاحت و بلاغت سے گر جاتا ہے اور تشبیہ مضمرة الاداء میں فصاحت و بلاغت میں فرق نہیں آتا بلکہ ذکر کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں چنانچہ زید شیر ہے اور زید مثل شیر کے ہونا دونوں ترکیبوں میں کوئی فرق نہیں۔

سوال جو فرق تھے بیان کیا یہ مسلم نہیں بلکہ فرق کا دار و حرف تشبیہ پر ہے جس میں حرمت

تشبیہ مذکور ہو گا وہ استعارہ ہے اور جس میں مذکور ہو گا وہ تشبیہ ہے اور اس تقدیر پر
زید شیر ہے استعارہ ہی اور زید مثل شیر کے ہے تشبیہ ہے۔

جواب اگر اس ترکیب کو کہ زید شیر ہے تشبیہ مضمیر الاداء قرار نہ دیا جائیگا تو معنی مستحیل ہو جائیگا اسلئے کہ زید بعینہ
شیر نہیں بلکہ شجاعت میں شیر کی طرح ہے پس اداء تشبیہ کو مقدر ماننا ضرور ہوتا کہ معنی میں استحالہ پڑے اگرچہ اداء تشبیہ کی
تقدیر استعارے میں بھی لابد ہے لیکن اس میں اسکا اظہار درست نہیں بخلاف تشبیہ کے اس میں اداء کا اظہار درست ہی
مثال السائر فی ادب الکاتب والشاعر میں اسی طرح لکھا ہے اور توضیح کے مؤلف نے استحالے کی وجہ علما
بیان سے جو کچھ بھی ہر وہ یہ ہے کہ استعارہ ایسی چیز ہے جو اسم جنس جامد میں جاری نہیں ہوتا مثلاً زید
شیر ہے استعارہ نہیں کیونکہ اس صورت میں حقائق اشیا کا انقلاب لازم آتا ہے اور وہ بیان یہ ہے
کہ زید شیر ہے کہنے سے انسان کی حقیقت شیر کی حقیقت سے بدل جاتی ہے پس مثال مذکور
تشبیہ کی قسم سے ہے جس میں حرف تشبیہ مضمیر ہے البتہ مشتقات میں جاری ہوتا ہے جیسے میر حسن لکھن
کے اس شعر میں۔

ابھی سناؤ سے کوئی کیا ہے | کہے دیتی ہے شوخی نقش باکی

یعنی نقش یاکی شوخی دلالت کرتی ہے، حرّات کے شعر میں بھی۔

سیان حرّات کسی یہ غم نہیں عاشق عانوں میں | کہے دیتی ہے خاموشی عبث صاحب کرتے ہیں

یعنی خاموشی دلالت کرتی ہے، بالانفاق استعارہ ہے کیونکہ بیان استعارہ اسم جنس میں نہیں اور
پہلی مثال میں اسم جنس میں تھا پس دوسری اور تیسری مثال میں قلب حقائق لازم نہیں آتا کیونکہ
اس میں حقیقت کے لیے وصف کا ثابت کرنا مقصود ہے جو اسکے لیے ثابت نہ تھا اور اس قول میں ثبوت
اسلئے کہ سننے کا وصف نقش یا، خاموشی کے لیے ثابت کر لے میں بھی جو استحالہ ہر وہ انسان کے لیے
بلا مرت ثابت کرنے سے کم نہیں اس کا نام خواہ قلب حقائق کہیں یا نہ کہیں علاوہ اس کے
محققین کے نزدیک قلب حقیقت یہ ہے کہ واجب ممکن دمتنع میں سے ایک دوسرے کے ساتھ
بدل جائے اور اس میں شک نہیں کہ نقش یا، خاموشی کے لیے گویائی کا ثبوت متنع ہے پس ان کو
کہنے والا قرار دینا متنع کو ممکن بنانا ہے۔ اور زید شیر ہے اور میں نے شیر کو تیر ندازی کرتے ہوئے دیکھا
ان دونوں قولوں میں سے پہلے تشبیہ اور دوسرے کو استعارہ ثابت کرنا یہ ہے جو علما بیان نے
یہ توجیہ کی ہے کہ دوسرے قول میں اگرچہ استحالہ ہے لیکن وہ غیر مقصود ہے کیونکہ مقصود بیان دیکھنا ہے
پس مستحیل کا دعوے قصد انہو کا بخلاف پہلے قول کے کہ اس میں زید پر شیر کے حمل کرنے سے

امر محال کا دعویٰ قصداً ہوتا ہے یہ فرق بالکل داہی ہے کیونکہ جس کلام میں امر محال ہو خواہ وہ محال مقصود ہو یا غیر مقصود وہ کلام ہر طرح باطل ہے پس امر محال کے ایک جگہ مقصود اور دوسری جگہ غیر مقصود ہونے کا فرق نکالنا عقل و دانش سے بعید ہے اور یہ کہنا بھی خلاف تحقیق ہے کہ چونکہ امر محال وہاں مقصود نہیں ہے اس لیے اسکو استعارہ مانا گیا ہے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ استعارہ ہے امر محال کو شامل ہوتا ہے جو مقصود ہوتا ہے مثلاً انیس بہادر کی تعریف میں کہتے ہیں۔

پیا سا وہ کوئی اور ہے اس قتل کے میں

اور ظفر معشوق کی شان میں کہتے ہیں۔

میں نے پوچھا اُس پر ہی کیا ہوا شرف شباب

اس کے بولادہ صنم شان خدا تھی ہنر تھا

دیکھو یہاں امر محال مقصود بھی ہے اور غیر استعارہ بھی ہے ورنہ ہر جگہ امر محال کا دعویٰ کرنا ناجائز ہوتا ہے کیونکہ اکثر اغراض و اعتبارات لطیفہ کی وجہ سے اسکا دعویٰ جائز ہوتا ہے اگر اُس کے ساتھ اس بات کا کوئی قرینہ موجود ہو کہ واقع میں اُس کا ثبوت مقصود نہیں ہے۔

اور علامہ تفتازانی نے تلویح حاشیہ توضیح میں لکھا ہے کہ علمائے بیان کے نزدیک استعارہ یہ ہے کہ شبہ بہ کو شبہ میں استعمال کریں اور کلام شبہ کے ذکر سے خالی ہو اور قرینہ نہونے کے وقت میں شبہ بہ کے امادہ کی صلاحیت رکھتا ہو۔ یہاں تک کہ اگر شبہ لفظاً مذکور ہو جیسے اس مثال میں کہ زید شیر ہو خواہ تقدیراً مذکور ہو مثلاً کوئی پوچھے کہ زید کون ہے تو جواب دیں کہ شیر ہے استعارہ نہیں ہے کیونکہ زید پر شیر کا حمل ممکن ہے اس لیے یہاں حرف تشبیہ کا محذوف ماننا واجب ہے اور مبتدا کی خبر ہونے وغیرہ امورات کا علمائے بیان کے نزدیک کوئی لحاظ نہیں۔ اور اس مثال میں کہ اُس کے نقش پا کی شوخی کے دیتی ہے یا خاموشی کے دیتی ہے قطعاً استعارہ ہے اس لیے کہ یہاں شبہ بالکلیہ مترک ہے اور وہ دالالت کا لفظ ہے جسکی تشبیہ کہنے کے ساتھ واقع ہوئی ہے پس اس مثال میں اُس مثال سے یعنی زید شیر ہے سے کوئی تعلق نہیں۔

مجموع الصنائع کے مولف نے کہا ہے کہ یہ بھی استعارے کی قبیل سے ہے کہ غیر ذوی العقول سے خطاب کریں۔ اور شعرا جو مناظرات ان میں باندھتے ہیں جیسے مناظرہ تلوار اور قلم کا اور عقل و شوق کا اور گل و مل (شراب) کا اور عدل و انصاف کا یہ سب استعارے میں داخل ہیں اگر اس میں تامل ہے اس لیے کہ استعارے کا بنی تشبیہ پر ہے اور وہ یہاں نہیں۔ استعارہ اور کنایہ میں یہ فرق ہے کہ استعارے کی بنیاد اول پر ہے یعنی شبہ بہ کی

جنس سے ہونے کا دعوے کرتے ہیں اور اس میں اس بات کا قرینہ قائم ہوتا ہے کہ بیان معنی موضوع لہ
 مراد نہیں ہیں اور کذب میں تاویل و قرینہ نہیں ہوتا بلکہ جھوٹا آدمی اس بات کی کوشش کرتا ہے
 کہ اپنے ظاہر قول کی صحت سامع کے نزدیک ثابت کرے بخلاف استعارے کے کہ اس میں اس بات پر
 قرینہ قائم کیا جاتا ہے کہ بیان ظاہر کے خلاف مراد ہے۔

استعارے میں مشبہ بہ کے معنی کو مستعار منہ کہتے ہیں اور اس لفظ کو جو مشبہ بہ کے
 معنی پر دلالت کرے مستعار کہتے ہیں اور مشبہ کے معنی کو مستعار لہ کہتے ہیں اور وجہ مشبہ کو
 استعارہ کی بحث میں وجہ جامع کہتے ہیں جیسے اس مثال میں۔ ۵

مذاق

خزام ناز سے ادبیت نہ آتا میرے مرقد پر تری ٹھوکروں میں ہر آغاز احمقاری

لفظ بت اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں کیا گیا بلکہ بیان بت کے معشوق مراد ہے اور
 علاقہ تشبیہ کا ہے یعنی بسبب سنگدلی کے معشوق کو بت کہا گیا اس مثال میں بت یعنی منہ جسکی کفار
 عبادت کرتے ہیں اور جو اکثر تھپڑ کا ہوتا ہے اسکے معنی مستعار منہ ہیں یعنی اُن سے مانگا ہوا یعنی وہ
 لفظ مستعار اُن سے مانگا کر لائے ہیں کیونکہ واضح لے لفظ بت کو انھیں معنی کے واسطے وضع
 کیا تھا اور خود لفظ بت مستعار ہے یعنی مانگا ہوا کیونکہ بت اصل میں خاص ہے اُس چیز کے واسطے
 جس کی کفار عبادت کرتے ہیں اور جب معشوق کے معنی میں کہا گیا تو گویا اس لفظ کو اس چیز سے
 مانگا لیا اور معنی معشوق کے یعنی شخص خاص مستعار لہ ہے یعنی اُسکے واسطے مانگا ہوا کیونکہ
 لفظ بت کا معشوق کے لیے مانگا گیا ہے اور معشوق کے لفظ کا کچھ نام نہیں اور وجہ جامع وہ
 سبب ہے جس سے علاقہ تشبیہ کا پایا گیا اور وہ سنگدلی ہے پس تقان میں جو بیوٹی سے
 کہا ہے کہ لفظ مشبہ کو مستعار منہ کہتے ہیں یہ صحیح نہیں اسی طرح اُن کا معنی جامع کو مستعار لہ قرار دینا
 بھی صحت کے خلاف ہے۔

استعارہ کی بحث کو ہم پانچ چمنوں میں بیان کرتے ہیں پہلے چمن میں طرفین استعارہ
 یعنی مستعار منہ و مستعار لہ کا ذکر ہے دوسرے چمن میں وجہ جامع کا ذکر ہے تیسرے
 چمن میں ان تینوں کا مجموعی طور پر بیان ہے چوتھے چمن میں استعارے کی قسموں کی
 تفصیل ہے پانچویں چمن میں استعارے کی حسن و خوبی کے شرائط کا مال ہے۔

پہلا خمین طرفین استعارہ کے بیان میں

طرفین استعارہ دو چیزیں ہیں ایک مستعار منہ دوسرے مستعار لہ۔ پس اگر مستعار منہ اور مستعار لہ اس قسم کے ہونگے کہ انکا باہم جمع ہونا ایک جگہ ممکن ہو تو اسکو استعارہ وفاقہ کہتے ہیں کیونکہ دونوں طرفوں میں موافقت اور اتفاق ہوتا ہے جیسے۔

اندھے میں جہان کے لوگ سداۓ میرا سوچتے نہ جسے اُسے کہتے ہیں بصیرا

جاہل کا استعارہ اندھے سے کیا ہے نابینائی مستعار منہ ہے اور جہالت مستعار لہ ہے اور جہالت نابینائی کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے کیونکہ جاہل آزاد کہ جاہل ہو اور نابینا ہو۔

حالی

وہ جادو کے حملے وہ فقرے فسون | تو مجھے کہ گویا ہم ایک تھے گونگے

اُن لوگوں کا جو آتش زبانی اور شواہبانی سے عاری تھے گونگے کے ساتھ استعارہ بیانیہ اور عدم فصاحت و بلاغت اور گونگا ہونا ایک شخص میں جمع ہو سکتا ہے

ولہ

ترقی کا جسم خیال اُن کو آیا | اک اندھیر تھا ربیع مسکون پر چھایا

جہالت کا استعارہ اندھیر سے کیا ہے اور ایک جگہ اندھیر کا اور جہالت کا جمع ہونا جائز ہے۔

ولہ

یہ سنتے ہی تھکے گئے گلا گلا سارا | یہ راغی نے لٹکار کر جب پکارا

پیغمبر کا استعارہ راغی سے کیا ہے اور ایک شخص میں راغی ہونا اور پیغمبر ہونا جمع ہو سکتا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب کے کہنے سے بکریاں چرائی تھیں۔

ولہ

سناٹے سے بدے گئے سناٹا لب | ہوئے بہرہ در روح سے اُنکے قباب

کمال کا استعارہ روح سے کیا ہے اور ان دونوں چیزوں کا ایک جگہ جمع ہونا ممکن ہے۔

ولہ

گرے مثل پردانہ ہر روشنی پر | اگرہ میں لیا باندھ حکم پیمبر

روشنی سے مراد علم و حکمت ہے اور ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا جائز ہے۔

اولہ

مذہب مصر کی روشنی جلوہ گر تھی نہ یونان کے علم و فن کی خبر تھی
 نکلنے کا رس نہ نہ بچنے کی جا ہی ولہ کوئی اُن میں سوتا کوئی چالسا ہے

غفلت کا استعارہ سونے سے کیا ہر اور ہوشیاری کا جاننے سے اور ایک شخص میں غفلت اور
 سونا دونوں جمع ہونا ممکن ہر اسی طرح ہوشیار سونے اور جاننے کا ایک شخص میں جمع ہونا ممکن ہے
 اور اگر جمع ہونا محال ہو تو اسکو استعارہ عناد یہ کہتے ہیں کیونکہ دونوں طرفوں کا اجتماع
 اُس میں ممکن ہوتا ہے جیسے کسی شخص نابینا سے محض کو باعتبار اُس کے کمال علم و عقل کے آنکھوں والا
 کہیں ظاہر ہو کہ اندھا ہونے اور آنکھوں والا ہونے میں باہم عناد ہر ایک شخص میں یہ دونوں امر
 جمع نہیں ہو سکتے مگر غالب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں "والی رام پور نے بھی تو مرشد زاوی کی
 شادی میں بتایا تھا یہی لکھا ہے کہ میں اب معدوم محض ہوں" باوجودیکہ مرزا موجود تھے مگر
 بوجہ کسر نفس کے اپنے آپ کو کسی کام کے قابل نہ سمجھ کر معدوم محض کہا اور ظاہر ہے کہ موجود معدوم
 میں باہم تباہی ہے یہ دونوں باتیں ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہی مرزا نے بتا دیا ہے
 پہلے آنکھیں لیکر چودہ ظالم سردار بنا خرام نے کی غرض کہ حاضرین گنہگار

یہ ذکر سا جزا کاں حضرت مسلم کا ہر وہ گنہگار یعنی مجرم نہ تھے لیکن قتل کریں واسطے لائے گئے
 تھے اسلئے گنہگار کہا گنہگاری اور بے گناہی میں عناد ہے۔
 اور عناد یہ کہ قبیل سے ہے کہ ظرافت اور خوش طبعی اور طنز کے حور پر د و ضد و ن یا دو نقیضوں کا
 باہم استعارہ ہے یہ ضد میں اور نقیض میں یہ فرق ہے کہ ضد میں ایسی وجودی چیزوں کو کہتے ہیں
 کہ وہ جمع نہیں ہو سکتیں مگر تفع ہو سکتیں ہیں اور دو نقیض باہم نہ جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ملے ہو سکتے
 ہیں اور ان میں سے ایک وجودی ہوتا ہے ایک عدمی اور ایک قسم کے استعارے میں بوجہ ظرافت
 و استعارہ وغیرہ کے تضاد و تناقض کو مناسب کی جگہ سمجھ لیا جاتا ہے مثلاً نامرد کو شیر یا رستم کہا جائے اور
 بغیل کو ماکم بولنا جائے یا ظاد کا استعارہ ہوشیروان کے ساتھ لیا جائے اسی قبیل سے ہر میر کے
 اس شعر میں اسماں کی نسبت مہربان کا اطلاق کیا جاتا ہے

کوئی آج ستہ ہو نیک مدعی کیا بیت مرت حال مرہربان سپہ
 کالی ہر دھواں ستہ یہ عزت سپہ ولہ میں غیثت کا رہیں آج ہر خیال

ذلت کا استعارہ عزت سے کیا ہے۔

میر حسن

تم ہی کچھ ایسے نہ دنیا میں جفا کار ملے جو نے مجھ کو سو ایسے ہی وفادار ملے

یوفا کا استعارہ وفادار سے کیا ہے۔

حالی

شریعت ہوئی ہے نگو نام اُن سے بہت فخر کرتا ہے اسلام اُن سے

نہ گفتار میں اُنکی کوئی خطا ہے نہ کردار اُن کا کوئی ناسزا ہے

بدنام کا استعارہ نگو نام سے اور رنگ و عار کرنے کا استعارہ فخر کرنے سے اور نطا ہونے کا استعارہ خطا ہونے سے اور ناسزا ہونے کا استعارہ ناسزا نہ ہونے سے کیا ہے۔

درد

اُٹھ چلے شیخ جی تم مجلسِ ندانِ بکشتاب سے کچھ خوب مدارات نہوئے یا بی

مدارات اپنے فدا سے استعارہ ہوا ہے اسی قبیل سے ہی سودا کے اس شعر میں معقول کا لفظ

سودا

اتنا نرض اعتراض کیجو تو معقول ہے بات جو معروف ہو انہ وہ بھول ہے

نامعقول کا استعارہ معقول سے کیا ہے۔

ولہ

نہو دے کیونکہ مرا رتبہ شعر میں یا نتک میں کیسے پیر کی کرتا ہوں شاخِ خوانی

اجود نہ مست کا استعارہ ثنا سے کیا ہے۔

بات ہم سے تو نہ کرنی اور غیر دین سے تاک ہم گراس بزم میں آئے تھے ذلت کیلئے

بزم میں آئے سے غرض تحصیل عزت تھی اس عرض کو بطریق استنزا کے ذلت کے لیے آئے سے استعارہ کیا جب حضرت عباس نے پانی لانے کے لیے نہر پر جانا چاہا تو حضرت زنیب نے خطرے کے لحاظ سے اُن کو روکنا چاہا امام حسین بھی انکا جانا گوارا نہیں کرتے تھے اس وقت حضرت عباس کی وجہ حضرت زنیب سے کہتی ہیں۔

ایس

ہر دقت کبریا سے خبگا رخیر ہوں آگے جو کچھ بھون کی رضا میں تو غیر ہوں

زوجہ غیر نہیں مگر اسوجہ سے غیر کہا کہ انکی بات کا نہ ماننا گویا غیر سمجھنا ہے۔

حالی

قید خانوں میں جہان کے ہر پڑاغل شرا

جتنے قیدی ہیں تری جان کو دیتے ہیں دعا

دعا کا استعارہ بددعا کے لیے کیا ہے۔

دوسرا چمن و جد جامع کے بیان میں

وجد جامع کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) وجد جامع مستعار منہ اور مستعار لہ کے معنی کا جز ہوگی جیسے۔

حالی

رجال اور اسانید کے جوہین دفتر

گواہ انکی آزادی کے ہیں یک سر

مطلب یہ ہے کہ رجال و اسانید کے دفتر انکی آزادی کے ثابت کرنیوالے ہیں پس ثابت کرنیوالے کے

استعارہ گواہ کے ساتھ کیا ہے اور وجد جامع یہاں ثابت کرنا ہے اور وہ دونوں کے مفہوم میں داخل ہے

ولہ

مجرمون کے جرم پر دیوار دور تھے سب گواہ

یریز تھا کوئی شفیع آکا کہ جو تھے بیگناہ

ولہ

زمن آنھوں کے گواہ حُب وطن

درو دیوار پیرس و لندن

ولہ

تیری صناعتی کا یہ سب ہے اثر

تیری قدرت پہ تیری صنع گواہ

میر

اس حال کا رنگ روپیں تر شاہد

جو دل میں ہے میر سے سوئے پریاں ہیں

برق

اگر جری چشم سیاہ و رخ تابان در دلیں

دھوپ ہے بڑنی ہے جس سے کہ ہرن بولا لالہ

یعنی چشم سیاہ اور رخ تابان اس بات کو ثابت کرنے والے ہیں کہ دھوپ ایسی بڑنی ہے کہ جس سے ہرن کالا و پس ثابت کرنے والے اس کا استعارہ دلیں سے کیا ہے اور وجد جامع یہاں بھی ثابت کرنا کہ جو دونوں کے مفہوم میں داخل ہے۔

قدر

التقدير في مدد شتانی اغیار کے بعد خرابی

کٹنا جو موضوع ہو ان اجسام کا اتصال رائے ہونے کے لیے جن میں سے بعض بعض کے ساتھ متصل اور پیوستہ ہوں اسکا استعارہ اجتماع اغیار کے متفرق ہو جانے اور ان میں سے بعض کے بعض سے جدا ہو جانے کے لیے کیا ہو اور وجہ جامع دونوں میں اجتماع اور اتصال کا زائل ہو جانا اور یہ کٹنے اور متفرق ہو جانے کے مفہوموں میں داخل ہو البتہ کٹنے کے مفہوم میں زوال اجتماع شدید ہو اور متفرق ہونے کے مفہوم میں کم ہو کیونکہ کٹنے کے متفرق ہونے سے قوی ہونے ہی کی صورت میں یہ بات صحیح ہوتی ہو کہ متفرق ہونے کی تشبیہ کٹنے کے ساتھ دیجائے اور کٹنے کا استعارہ متفرق ہونے کے لیے کیا جائے اگر کہا جائے کہ فن حکمت میں یہ بات ثابت ہو چکی ہو کہ جزو ماہیت شدت و ضعف کے ساتھ متصف نہیں ہو سکتا پس یہاں جزو ماہیت یعنی زوال اجتماع کیسے جامع بن سکتا ہے اور حال یہ ہو کہ جامع کے لیے مستعار منہ میں اتو سے ہونا واجب ہو تاکہ استعارہ مبالغہ کا فائدہ دے جواب اسکا یہ ہو کہ اختلاف کا امتنع ہونا ماہیت حقیقی میں معتبر ہو جیسے انسان و حیوان اور جو ماہیت لفظ سے مفہوم ہوتی ہو اسکا حقیقی ہونا واجب نہیں بلکہ کبھی مراعاتباری ہوتی ہو یعنی ایسے امور سے مرکب ہوتی ہو جن میں سے بعض شدت کے قابل ہوتے ہیں اور بعض ضعف کے قابل اس صورت میں جامع کا طرفین کے مفہوم میں داخل ہونا اور باوجود اس کے مستعار منہ کے مفہوم میں اشد و اتو سے ہونا جائز ہے۔

میر

لفظ مطرب جو میر کے ہاتھ آتا چشکیوں میں رقیب اڑ جاتا

اڑنے کا استعارہ نکل جانے کے لیے کیا ہو وجہ جامع اس میں قطع مسافت ہو جو اڑنے اور چل جانے دونوں کے مفہوموں میں داخل ہو کیونکہ نکل جانا اور اڑنا حرکت ہو جس سے مسافت قطع ہوتی ہے لیکن اس قدر کہ مستعار منہ میں شدید ہو اور مستعار لہ میں بہ نسبت اس کے ضعیف۔

وجاہت جہنجا لوی

قوم کے واسطے ملکہ نہیں اڑے پھرے تین باد جو دیکہ نہیں رکھتے ہن پر آغا خان

جلد اور شتاب دینے کا استعارہ اڑے پھرے کے ساتھ کیا ہو وجہ جامع ان میں قطع مسافت ہو جو اڑنے اور جلد جانے کے مفہوموں میں داخل ہو کیونکہ جلد جانا اور اڑے پھرنا ایسی حرکت کو کہتے ہیں

جس سے مسافت جلد قطع ہو۔

اگر کوئی یہ کہے کہ اڑنا مسافت کا پروں کے ساتھ قطع کرنا ہر جلد ہو یا دیرین اور مسرت اُس کے مفہوم میں داخل نہیں بلکہ اغلباً لازم ہے جواب اس کا یوں دیا جائے گا کہ اڑنا مسافت کو جلد ہی قطع کرنا ہے پروں کو اختیار ہی طور پر ہوا میں ہلانے کے ساتھ اوریوں بھی جواب دے سکتے ہیں کہ جامع میں بلتقت یہ فقط مسافت کا قطع کرنا ہی نہ قطع کرنا مسافت کا مسرت کے ساتھ۔

حالی

چھوڑو افسردگی کو جو شس میں آؤ بس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ

غافل رہنے کا استعارہ سوئے کے ساتھ کیا ہے اور غفلت دے پر دالی وجہ جامع ہے جو دونوں کے مفہوم میں داخل ہے فرق اس قدر ہے کہ مستعار منہ میں شدید ہے اور بہ نسبت اُس کے مستعار لہ میں ضعیف ہے۔

(۲) وجہ جامع مستعار منہ اور مستعار لہ کے مفہوم کا جز نہوگی جیسے منور چہرے کو آفتاب کمین اور بہادر آدمی کو شیر کمین ظاہر ہے کہ نورانیت سورج اور خوبصورت چہرے کو عارض میں اُن کے مفہوم میں داخل نہیں یہی طرح شجاعت شیر اور بہادر آدمی کو عارض ہے دونوں کے مفہوم میں داخل نہیں پس جامع دونوں مثالوں میں طریقہ سے خارج ہے۔

غلام امام شہید

جب چلا چاند دینے کا سُر بجا لیا تجھ گئی مہر و خشان کی فلک پر قندیاں

بنیہ خدا کا استعارہ چاند کے ساتھ کیا ہے اور وجہ جامع دونوں میں خوبصورتی ہے اور یہ وجہ جامع دونوں کے مفہوم میں بجا اُن کو عارض ہے۔

ایس

بشار کہ وقت ساز دہرگ آیا ہنگام رخ و برف و تگرگ آیا

بڑھاپے کو رخ و برف و تگرگ کے ساتھ استعارہ کیا ہے اور وجہ جامع سفیدی ہے اور وہ دونوں کے مفہوم سے خارج ہے۔

ذوق

خواب غفلت سے ہو بیدار کہ آئی یہی نہیں مہتاب یہ پر روشنی صبح چیل

مہتاب یعنی چاندنی استعارہ سفید باہان سے ہے اور وجہ جامع سفیدی ہے اور وہ دونوں کے

مفہوموں سے خارج ہے۔

گلزار نسیم

سمٹی جو تھی محرم اُس مستدر کی | برجون پر سے چاندنی تھی سر کی

یہاں پستان مستعار لہ ہوا اور برج مستعار منہ اور وجہ جامع دونوں میں گول اور ابھر ہوتا اور وہ دونوں کے مفہوم میں داخل نہیں۔

ولہ

حاجت کے گمان سے جب ہوئی دم | بچھڑا کے یلنگ سے اٹھا شیر

جہر

ارنڈیوں کو بھی پسند آیا ہر دون کا لیاں | اودی اودی ٹوپیاں کھتی ہیں سر پر چھائیاں سر

چھائی کے سر دن کو اودی ٹولی سے تشبیہ دی ہوا اور وجہ جامع گولائی اور رنگ ہوا اور یہ دونوں مفہوم سے خارج ہوا جیسے نامزد کور و باہ کہیں اس میں وجہ جامع بزدلی اور خوف ہوا اور یہ ایک صفت ہے آدمی اور اس جانور کی اُنکے مفہوم میں داخل نہیں۔

ایس

اس شان کے غازی صف جنگاہ بن آیا | اٹل تھا کہ اسد شکر و باہ میں آیا

(۳) وجہ جامع ایسی ہو کہ بہت جلد سمجھ میں آجانی ہو جیسے محبوب کے رخسار سے کوئی اندکھنایا آفتاب سے استعارہ کرنا یہ بات ظاہر ہے کہ روشنی جامع ہوا اسی طرح معشوق کے رخسار سے کوئی گل سے استعارہ کرنے میں رنگینی جامع ہوا ایسا استعارہ کہ عامیہ کہتے ہیں اسلئے کہ سبب ظہور کے اسکو عاتہ الناس بناتے ہیں اور اسکو مقید لہ بھی بوسنہ میں کیونکہ ابتداء بہت صرف کرنے میں ہوا اور ایسا استعارہ بہت مستعمل ہوتا ہوا اور کچھ نادرنہیں ہوتا کہ سوا ایک دو جگہ کے اور کہیں استعمال میں نہ آیا ہو۔

مسکین

اُس صنم نے کیا پردہ میں جہان نوین | بڑا ہوتا تو کیا جانے خدا کیسا ہوتا

اس بیت میں صنم کا استعارہ معشوق کے واسطے ہوا یہ نادرنہیں بہت مستعمل ہوا اسلئے وجہ جامع اسکی سبب ظہور کے سبب بڑا ہے۔

یہ شے شاعر سے نکلیا | سچہ باد مہر بہشت کو دھکا

انگو کا استعارہ بادام سے کیا ہے اور وجہ جامع دونوں میں ظاہر ہے اور نقشہ نام ہے مالین کا۔

ولہ

لحوق اسکو طلسم کا پنھایا | قمری اُسے سرو نے بنایا

روح افزا پری کا استعارہ سرو کے ساتھ کیا ہے جسے بہرام وزیر زادے کو جو اسکا عاشق تھا طلسم کے ذریعہ سے قمری بنایا تھا اور وجہ جامع روح افزا و سرد میں موزونی قامت ہے جو ظاہر ہے۔

ولہ

اے شمع نہ سوچی گریہ و نیک + رشتہ کاٹے گا تجھ سے ہر ایک +

بکاؤلی کا استعارہ شمع سے کیا ہے اور وجہ جامع عیان ہے۔

نفس

چھپے نگاہ سے نوز نگاہ زریب کے | عرو ب ہو گئے دوہرو ماہ زریب کے

نوز نگاہ اور دوہرو ماہ زریب کے فرزندوں کے استعارہ ہے اور وجہ جامع ظاہر ہے۔

مومن

در نایاب تو کیا خاک سے بھی ٹھہ نہ بھرے | جسکے در پرین کروں لولوے شاداب تار

اس بیت میں اشعار بلیغ کا استعارہ لولوے شاداب سے کیا ہے اور وجہ جامع ظاہر ہے۔

ولہ

میرے گوہر متام ناسفتہ | میرے یاقوت سب بدخشان فی

اس شعر میں گوہر و یاقوت استعارہ اشعار سے کیا ہے اور وجہ جامع ہر شخص پر ظاہر ہے۔

ظفر

سنگے نالون کو مرے ہو گئے پتھر پانی | سرشکان بھی تراخم نہوایر نہ ہوا

پتھر سخت دل میرحم سے استعارہ کیا ہے اور پانی ہونا استعارہ ہوترس کھانے اور عجز واری کرنے سے اور وجہ جامع ظاہر ہے۔

غلام محمد خان ریل

شیر و بابون کو بچہ پر پا کر دیا تو نے فلک | ابو جیتا تیرا اے گردون گردان ہو گیا

شیر استعارہ بہادر سے ہے اور رو باہ نام ہے اور وجہ جامع دونوں میں ظاہر ہے۔

شکست چرخ سے ہوا پتہ آبلش کی | نعیم اتھی ٹوٹے ہیں گردن اس شمشیر کی

دل کا استعارہ آگینے سے کیا ہے اور وجہ جامع دونوں میں ہر شخص پر پیدا ہے

الش

بیکلی سے ترے کچھ دل کو سرد کار نہو | تیری نگر سے بھی اتنی کبھی بیمار نہ ہو
آنکھ کا استعارہ نگر سے کیا ہے اور یہ استعارہ تبدیل ہے۔

فقد

تو نے ادب دلو اپنے کر لیا فلا وحیف | کچھ اثر کرتی نہیں تجھ کو مری فریاد حیف

ولم

ہو بہارِ حینِ حسن پہ نازان نہ بہت | اے گل تر یہ رہیگا نراجوین کب تک

امجد علی صفر

خبر دہت کے آشنا میں ہم | عاشقِ ندر بہبِ حند میں ہم

اباد

دانش کیا ہے حسن بت پر غور کا | بندون کو شک ہوا ہے خدا کے طور کا

(۴۷) وجہ جامع بوجہ ناور ہونے کے ہر ایک پر ظاہر ہونے کے بلکہ بدقت کچھ میں آتی ہو اور سوائے خواص کے عامۃ الناس کے سمجھنے سے قاصدون اس قسم کو استعارہ غریبہ کہتے ہیں۔

میسر

مغان چھست بن پھر خندہ ساعنہو گنا | گئے گلگون کا شیشہ بیکیان لے لیکے رو گنا

شیشے کی آواز کو بچکی سے استعارہ کیا ہے اور وجہ جامع اس میں شیشے کے اندر سے شراب وغیرہ کا نکلنا اور رک رک کر گواہ پیدا ہونا ہے اور یہ بات یکایک خیال میں نہیں آتی۔

ذوق

جس کی آواز سے ہونے والے سوانے کھڑے | وہ محبت نے دیا سلسلہ ہا ہم کو

سوہان کے ذندالے ابھرے ہوئے ہوئے کو روٹنے کھڑے ہوئے سے استعارہ کیا ہے اور وجہ جامع اس میں بن موکا اندک ندک ونچا ہو جانا ہے روٹنے کھڑے ہوئے کے وقت چنانچہ امرتھر اور شاہد پر موقوف ہے اور اس طرح کی حالت سوہان کے اندر عینہ پائی جاتی ہے اور خفا اس کا ظاہر ہے۔

سودا

بہا یہ خوش من سودا کہ میری آنکھ کے | ابجائے لعل نکلتے ہیں اب سلیمانی

جوش سودا سے سیاہ ہونیکے سبب شک خونین کو دانہ سلیمانی سے استعارہ کیا ہے اور سودا ایک غلط ہے اسکا رنگ سیاہ ہے اور چونکہ دانہ سلیمانی قدرے سفیدی بھی رکھتا ہے اس میں اشک کی رطوبت کا ہونا بھی معتبر ہے بات بہ خواص کے اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔

امیر

دم بدم رک رک کے ہر منہ سے نکل پڑتی زبان اوصاف اسکا کہ چکے فوارے یا کہنے کو ہیں فوارے کے سوراخ سے پانی کی دھار کے نکلنے کو زبان کے نکل پڑنے سے استعارہ کیا ہے وجہ جامع اس میں دھار کا بھی نیچا ہونا بھی اونچا ہونا بھی رک جانا بھی نکلنے لگنا ہے اسی طرح زبان بھی منہ سے باہر نکل آتی ہے اور کبھی اندر چلی جاتی ہے کبھی زیادہ نکل آتی ہے کبھی کم نکل آتی ہے۔ کبھی استعارہ عامیہ متبادل میں تصرف کرنے سے غابت حاصل ہو جاتی ہے جیسے۔

نجانے قصہ پر کس خون گرفتہ کا کہ رستی بکا علم تمشیر زہر آلودہ سر پر چشم نشان کے ابرو کا استعارہ تیغ سے کیا ہے اور یہ استعارہ متبادل ہے لیکن زہر آلودہ کہنے سے ایک طرح کی غابت اس میں آگئی کیونکہ زہر کو سبزی سے نسبت ہے اور سبزی و سیاہی میں چندان تفاوت نہیں پس ابرو کو بسبب سیاہی رنگ کے تیغ زہر آلودہ سے استعارہ کرنا امر غریب ہے۔

گلزار نسیم

غولون نے بزور بھول اڑایا اس خضر کو راستہ بتایا تاج الملوک کے بھائیوں کو غولون سے استعارہ کیا ہے اور چھین لینے کو اڑانے سے اور تاج الملوک کو خضر سے استعارہ کیا ہے اور تاج الملوک سے بھول چھین کر بھگا دینے کا استعارہ راستہ بتانے سے کیا ہے حاصل معنی یہ ہیں کہ تاج الملوک کے بھائیوں نے دبر دستی بھول اس سے چھین کر وہاں سے بھگا دیا اگرچہ یہ استعارہ اپنے مفردات کی وجہ سے متبادل ہے لیکن ترکیب کی وجہ سے اس میں غابت پیدا ہو گئی ہے۔

دل

آنکھوں سے اُس بخت کو دیکھا ایک جاہت و برہمن کو دیکھا لعل و گہر ایک درج میں ہے شمع و قمر ایک برج میں ہے تاج الملوک کا استعارہ برہمن سے کیا ہے اور بکا دلی کابت سے اسی طرح لعل و گہر و شمع و قمر سے ان دونوں کا استعارہ کیا ہے اور شمع کا استعارہ درج اور برج کے ساتھ کیا ہے اور یہ استعارے اگرچہ

اپنے مفردات کے اعتبار سے متبادل ہیں لیکن سبب ترکیب کے خرابت حاصل کر لی ہے۔

ولہ

ابولی وہ کہ نخت تھا زبردست

لکاؤلی کا استعارہ خورشید سے کیا ہوا اور تاج الملوک کا ذرے سے اور یہ استعارہ اگرچہ اپنے مفردات کے اعتبار سے نادر نہیں مگر بسبب ترکیب کے خرابت آگئی ہے۔

عاشق

اما شاد کھیتا ہوں میں تری قدرت ثنائی کا

بتوں کا استعارہ معشوق کے لیے متبادل ہے مگر یہ کہہ دینے سے کہ خدا کی شان بتوں کو بھی خدائی دعا دعویٰ ہے کسی قدر ندرت آگئی ہے۔

کیونکہ اس بات سے رکھوں جان غریب

ایمان کے ذکر نے بت کے استعارے میں معشوق کے لیے خرابت پیدا کر دی۔

تیسرا چمن استعارے کے بیان میں باعتبار مستعار منہ اور مستعار

اور وجہ جامع تینوں کے

اور یہ تین قسم پر ہوا پہلے کہ مستعار منہ اور مستعار لہ یا حسی ہوتے ہیں یا ایک ان میں سے حسی ہوتا ہے اور ایک عقلی مثلاً مستعار منہ حسی ہوتا ہے اور مستعار لہ عقلی یا مستعار منہ عقلی ہوتا ہے مستعار لہ حسی ہیں یا عقلی ہوتے ہیں جن میں جب جامع ہمیشہ عقلی ہوتی ہے کیونکہ وجہ شبہ جسکا نام جامع ہے وہ طرین کے ساتھ قائم ہوتی ہے پس جبکہ دونوں عقلی ہونگے تو ان کے ساتھ وجہ جامع قائم ہوگی اور اگر ان میں سے ایک عقلی ہوگا اور ایک حسی تب بھی وجہ جامع کا عقلی ہونا ضرور ہے اس لیے کہ عقلی کا قیام حسی کے ساتھ تشکیل دے دیکہ مستعار منہ و مستعار لہ دونوں حسی ہوتے ہیں تو وجہ جامع کبھی عقلی ہوتی ہے کبھی حسی اور کبھی عقلی و حسی بعض حسی اور بعض عقلی اس طرح تین قسمیں ہو گئیں تفصیل اس کی اس طرح ہے۔

(۱) مستعار لہ اور مستعار منہ اور وجہ جامع تینوں حسی ہوں اور چونکہ حواس پانچ ہیں تو ان کی بھی پانچ حالتیں ہوں گی۔

(الف) حسی متعلق بامروہ جیسے۔

دبیم

کی پشت سوے خم مرغ اعدا کے ساتھ
اگلے دہن سے لعل شہ خاص عام نے

منہ سے خون ڈالنے کا استعارہ لعل آگنے سے کیا ہو خون مستعار لعل مستعار منہ اور یہ دونوں جسی ہیں
اور وجہ جامع یہاں سُرخ رنگ ہو جس بامرہ سے متعلق ہو۔

غالب

بجلی اک کوند گئی آنکھوں کے آگے ہو گیا
بات تو کرتے کہ میں تشنہ تقریر بھی تھا

مشتوق کے صرف آن کر اپنی صورت دکھا دینے کو بجلی کے آنکھوں کے سامنے کوند جانے سے استعارہ کیا گیا
اور وجہ جامع اس میں بہت ہی کم ٹھہرا ہو۔

(ب) جسی متعلق بسامہ۔

ذوق

نہ سوچئے کو ہو غیش شیشہ زنجلی
گئی جہان سے یہ ہماری فواق بہ خیر

ولہ

گرتے فریادیوں کے نامہ پیچیدہ کو
بہ رکھ کر پھونکیے پیدا ہونا لہ صور کا

ظفر

مراحی تہقہ بھرتی زینا سُکراتا ہے
ہمارا یاد جس دم چاہے منجناہ آتا ہے

پہلے شعر میں شراب کی آواز کو بجلی سے اور دوسرے شعر میں دہن کی آواز کو صور کے نالے سے اور
تیسرے شعر میں مرغی کی آواز کو تہقہ سے استعارہ کیا ہو اور یہ سامہ کے متعلق ہو۔

سرج جسی متعلق بہ شامہ جیسے۔

امانت

معین کاشن میں بریشان جودہ سنبل ہو جائے
نافہ مشک فتن غنچہ ہر گل ہو جائے

سنبل سے ہاون کا استعارہ کیا ہو اور وجہ جامع درازی اور باریکی اور جمیدگی میں بلکہ خوشبو ہے
کیونکہ بالون کی خوشبو کی تفصیل سے ہر فنجے کے نافہ مشک ہو جائیگا دعویٰ کیا ہے۔

رو جسی متعلق بذائقہ جیسے مشتوق کے آب دہن کو شراب سے استعارہ کہیں۔

معبود شاہ رندا

لہر ہے شبانی سے آساقیا
تھے نوشدار و پلا ساقیا

شراب کو نوشدارو سے استعارہ کیا ہے اور یہاں وجہ جامع مزہ ہے اور اگر شراب کا کمال مرغوب و مقبول ہونا مثل نوشدارو کے وجہ جامع ہو تو اس صورت میں وجہ جامع عقلی ہوتی ہے۔
(۱) حسی متعلق بلامہ جیسے نخل یا سطح آب سے شکم کا استعارہ کرین اور یہ چھوٹے کی چیزوں سے ہے کیونکہ وجہ جامع اس میں ملائمت ہے۔

انیس

ایک پھول سے رکھتے ہیں غلش فارہزاروں | ایک سربے فقط اور خریدار ہزاروں
یہاں پھول سے جسم شریف حضرت امام حسین کا استعارہ کیا ہے اور نرمی و نزاکت وجہ جامع ہے کیونکہ
خار کا ذکر موجود ہے یہاں سُرخ رنگ کی وجہ سے استعارہ نہیں ہے ورنہ وہ حس بصر سے متعلق ہے۔
(۲) طرفین جستی ہوں اور وجہ جامع عقلی جیسے شیر سے مردِ نجاع کا استعارہ کہ جامع اس میں جرأت
ہے اور وہ امر عقلی ہے میر صاحب نے کہنے کی تعریف میں فرماتے ہیں۔ ۵

جو ہا کیا ہے جو سامنے آئے | لکھنؤ سے بھی یہ شیر بھڑ جائے

گناستعار لہ ہے اور شیر مستعار منہ ہے اور وجہ جامع ان میں جرأت ہے۔

آش

نسبت اس فتنہ دوران کوئی اندھا کا | یار کی آنکھ یہ دیدہ بادام سفید

شخص جاہل کا استعارہ اندھے سے کیا ہے اور جامع اس میں ناتوامی ہے۔

ظفر یاب خان راسخ

اُس آب حیات سے جدا ہوں | پھٹلی کی طرح تڑپ رہا ہوں

مشتوق کا استعارہ آب حیات سے کیا ہے اور وجہ جامع نایاب مرغوب و مطلوب ہونا ہے۔

انیس

ارستان سے غازی صف جگاہ میں آیا | عل تھا کہ اسد شکر رو باہ میں آیا

پاہ شام کا استعارہ رو باہ سے کیا ہے اور وجہ جامع نامردی ہے۔

شہنوی فسانہ عشق

کہ بھر ہے تو اسے ساقی نیک نام | پلا دے مجھے زہر گلگون کا جام

کہ پیتے ہی جی سے گزر جاؤں میں | یہی دل میں ٹھانی ہے مر جاؤں میں

شراب کا استعارہ زہر سے کیا ہے اور وجہ جامع قتل ہے۔

مومن

ہے مجھے بھی خیال طوف حرم | خضر رہ گر ہو فضل رحمانی
ممدوح کے قصر کا حرم سے استعارہ کیا ہے اور وجہ جامع دونوں میں عظمت ہے۔

محسن

زلف پر ٹھہری نظر مائل ابرو ہو کر | ہم پھرے کبے سے اس قبلہ تو ہندو ہو کر
مخاطب کا استعارہ قبلے سے کیا ہے اور وجہ جامع دونوں میں علو شان ہے۔
(۳) استعارہ حسی اور مستعار منہ اور وجہ جامع عقلی ہون جیسے معشوق کو جان اور آفت جان سے استعارہ کرنا

شیخ محمد زمان لہلہ

قیامت سایہ بکر تیجے تیجے ساتھ ہوئی ہے | گذر جس راہ سے ہوتا ہے میرے آفت جان کا

مومن

اے غارت جان و جان مومن | اے آفت خان دمان مومن

انیس

دنیا سے انتقال ہوا نور عین کا | ہنگامہ ظلمت تھا لٹا گھر حسین کا
فرزند کو آنکھ کے نور سے استعارہ کیا ہے۔

عاشق ترے لاکھوں ہو مجھ سانہ پر پیر ہو | تجھ کوئی ای کام جان کھانا نہ یون مہتا ہو

اور کوئی شخص ایک امر کی تلاش اور تردد کو نہ چھوڑے تو کہیں وہ باز نہیں آتا نہ چھوڑتا حسی ہے
باز نہ آتا عقلی اور وجہ جامع ان میں عدم سکونت و اطمینان ہے۔

میر

بھڑ جائے ہی غیر اس سے ملنے | آتے نہیں باز ایسے قیسے

ولہ

آیا تھا فائقہ میں وہ نور دیدگان کا | تہ کر گیا مصلے غزلت گزیدگان کا

میر محمدی بیدار

جلوہ دکھائے گذرا وہ نور دیدگان کا | تاریک کر گیا گھر حسرت کشیدگان کا

نور دیدہ استعارہ مشوق سے ہے اور وجہ جامع لطافت ہے۔

(۴) استعارہ نہ حسی ہو اور استعارہ نہ دو وجہ جامع عقلی ہوں جیسے کوئی شخص ایک امر کی تلاش سے بعد تردد کے مایوس ہو جائے تو کہیں اب اس نے ہاتھ اٹھا لیا ہاتھ اٹھانا حسی ہے اور مایوس ہونا عقلی اور وجہ جامع اس میں انقطاع و عدم منفعت ہے۔

میر تقی

یوں تو سو بار آؤ جاؤ گے پیسے تدریج ہی سے پاؤ گے
اور اس پر بھی جوتاؤ گے اپنے پیسوں سے ہاتھ اٹھاؤ گے

بوجھ میں اپنے سر سے دو ٹکائال

اور جیسے قطع تعلق ترک شے کو ہاتھ دھو بیٹھنے سے استعارہ کریں ہاتھ دھو بیٹھنا حسی ہے اور قطع تعلق ترک شے عقلی اور وجہ جامع اس میں سکوت و اطمینان ہے۔

خواجہ درد

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو روئے ٹٹھے بس اب اک ساتھ ہم دونوں جہان کے ہاتھ دھوئے ٹٹھے
یعنی دونوں جہان سے قطع تعلق کیا۔

میرے غبار کا کچھ پایا نشان نہ ہرگز اولہ صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی
تلاش اور جستجو کا استعارہ خاک چھاننے سے کیا ہے اور محنت و پریشانی وجہ جامع ہے۔

دبیر

سیدھی ہوئی جو تیغ تو دفتر الٹ گیا میدان سے پاؤں جینے سے دل سبکا ہٹ گیا
ستی اور مستعد ہونے کا استعارہ سیدھے ہونے کے ساتھ کیا ہے اور وجہ جامع تہیہ اور استعداد ہے۔

ایس

ثابت ہوا کہ چہرہ خورشید کٹ گیا غل تھا کہ فوج شام کا دفتر الٹ گیا
دفتر الٹ جانا استعارہ ہے برباد ہو جانے سے اور وجہ جامع بربادی و تباہی ہے

غالب

درماندگی میں غالب کچھ بن پڑے تو جانوں جب رشتہ بیگرہ تھا ناخن گرہ کشا تھا
مشکلات کو رشتے سے اور اُن کے دفع کرنے کی طاقت کو ناخن گرہ کشا سے استعارہ کیا ہے اور محنت و تردد اور تشویش وجہ جامع ہے۔

سودا

تری وہ تیغ کہ فتنے کا رد ہو سوے عدم | سنے جو چو نکتے اُسکو بخواب گاہ نیام |
 تیغ کے نیام میں چو نکتے سے مراد نکلنے کے لیے مستعد ہونا ہے پس مہیا و مستعد ہونا کیا استعارہ چو نکتے سے
 کیا ہے اور وجہ جامع استعداد تہیہ ہے پس مستعار منہ حسی ہے کیونکہ چو نکتے سے مراد حرکت کرنا ہے اور اُس کے
 حسی ہونے میں شبہ نہیں نہ احساس کا پیدا ہونا اور انگہ کا کھولنا اور مستعار لہ مہیا و مستعد ہونا ہے اور
 وجہ جامع تہیہ و استعداد ہے اور ان دونوں کے عقلی ہونے میں کلام نہیں۔
 (۵) مستعار لہ اور مستعار منہ اور وجہ جامع تینوں عقلی ہوں اور یہاں جامع کا عقلی ہونا لازم ہے
 کیونکہ محسوس کا قیام معقول کے ساتھ صحیح نہیں۔

میسر

کیا کیے کہ خوابان نے اہم پیش کیا رکھا | ان چشم سیاہوں نے بہتوں کو سلا رکھا |
 یعنی بہت آدمیوں کو فنا کر دیا۔ فنا کر دینے کا استعارہ سلا رکھنے سے کیا ہے مستعار منہ سلا رکھنا ہے اور
 مستعار لہ فنا کر دینا اور وجہ جامع ان میں افعال کا نہ ظاہر ہونا ہے اور یہ تینوں عقلی ہیں اس لیے کہ
 خفا کرنے اور افعال کے ظاہر نہ ہونے کا تو عقلی ہونا ظاہر ہے اور سلا رکھنے سے مراد اس احساس کا منتفی
 کرونا ہے جو بیداری کی حالت میں حاصل ہوتا ہے نہ اسکے آثار جیسے خراٹے لینا اور آنکھوں کا بند ہو جانا پس
 تینوں کے عقلی ہونے میں کلام نہیں۔

حالی

مچوڑ و افسردگی کو ہوش میں آؤ | یس بہت سوئے اٹھو ہوش میں آؤ |
 غافل رہنے کا استعارہ سوئے کے ساتھ کیا ہے اور وجہ جامع بے پروائی و غفلت ہے اور تینوں عقلی ہیں۔
 اس لیے کہ غافل رہنے اور غفلت و بے پروائی کا عقلی ہونا ظاہر ہے اور سوئے سے مراد اس احساس کا باقی نہ رہنا
 ہے جو بیداری میں حاصل ہوتا ہے اور اُس کے عقلی ہونے میں بھی شبہ نہیں۔
 (۶) طرفین حسی ہوں اور وجہ جامع مرکب ہو بعض امر حسی و بعض امر عقلی سے چنانچہ شخص طویل القدر کا
 استعارہ آفتاب ہے کرن حسن اور شان کی بزرگی کا مجموعہ وجہ جامع ہے ایسا استعارہ بہت کم واقع ہوتا ہے گویا
 در حقیقت دو استعارے ہیں۔

میر حسن

ذریہ دون لے کی عرض کاے آفتاب | نودرہ جھکو کبھی اضطراب |

ول

کردن مختصر یا بے آب غم کی بات لگا رہنے اُس میں وہ آب حیات

بے نظیر کا استعارہ آب حیات سے کیا اور درجہ جامع اس میں عزیز الوجود ہونا اور لوگوں کی نظروں سے مخفی رہنا ہے۔

نسیم

طاح تے تھی ایسی آئینہ نظا ہے کدھر سے آج خورشید

بکاؤلی نے تاج الملوک کا استعارہ خورشید سے کیا بحر حسن اور مطلوب ہونا یہ چیزیں درجہ جامع ہیں۔

مہاراجہ دیکھ سنگھ متخلص براجہ

ندامی نشی بغل میں وہ آفتاب رہا ہمارے ددر میں دور شراب ناب رہا

آفتاب استعارہ معشوق سے ہے۔

یاد رکھو کہ جس صورت میں مستعار لفظ فارغ و خالی ہو تو درجہ جامع حسی اور عقلی دونوں طرح آسکتی ہے اس لیے کہ یہ امر جائز ہے کہ کسی شے حسی کے ساتھ بعض صفت عقلی قائم ہو جیسے جرأت زید اور شیرین کہ وہ وصف عقلی ہے اور ان دونوں کے ساتھ قائم ہے باوجودیکہ وہ دونوں حسی ہیں اور اگر مستعار اور مستعار منہ دونوں عقلی ہوں گے یا ایک عقلی اور ایک حسی تو درجہ جامع عقلی ہوگی نہ حسی کیونکہ درجہ جامع مستعار اور مستعار منہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عقل سے جو چیز حاصل ہوگی وہ عقلی ہوگی پس اگر مستعار اور مستعار منہ عقلی ہوں اور درجہ جامع حسی یعنی ایسی چیز ہو کہ اُس کو حس کے ساتھ ادراک کر سکیں تو لازم آوے کہ حس سے اشیاء عقلی کو بھی ادراک کر سکیں حالانکہ حس غیر حسی میں سے کسی کو ادراک نہیں کر سکتا اور حال اسکا اور پرکی مثالوں سے بخوبی منکشف ہوتا ہے یعنی جب خون کو بھل کہا تو اس میں درجہ جامع سُرخ رنگ کی ہے یہ حسی ہے یا جب شیشے کی آواز کو بھلی اور صراحی کی آواز کو ٹھہر سے استعارہ کیا تو اُس میں ترک ترک کے آواز کا ٹکنا درجہ جامع ہے یہ بھی حسی ہے اسی طرح جب معشوق کے صرف آن کرانی صورت دکھادینے کو بھلی کا آنکھوں کے سامنے کو نہ جانا کہا تو اُس میں نہ ٹھہرنا درجہ جامع ہے اور یہ حسی ہے اور بالوں کے استعارے میں سنبھل کے ساتھ درجہ جامع خوشبو ہے جو حسی ہے اور شراب کے استعارے میں نوشہ ارد کے ساتھ درجہ جامع مزہ مانا جائے تو یہ بھی حسی ہے اور جسم کے استعارے میں پھول کے ساتھ درجہ جامع نرمی ہے اور یہ بھی حسی ہے اور جب گے کو شیر سے اور جہل کو اندھے سے اور محبوب کو آب حیات سے اور قصر کو حرم سے اور سپاہ شام کو روباہ سے اور مخاطب کو

کبے سے اور نہ چھوٹے کو باز نہ آئے تے اور مشوق کو دیدن کے نور اور آفت جان اور جان اور کام بان سے اور فرزند کو نگھون کے نور سے اور باپ کو با تھوٹھا لینے سے اور قطع تعلق و ترک شے ہو یا تردد ہو بیٹھنے سے اور تلاش و جستجو کو چھانٹنے سے اور مشکلات کو رشتے سے اور ان کے دفع کرنے کی طاقت کو ناخن گرہ کشا سے اور برباد ہو جانے کو دفتر لٹ جانے سے اور مہیا اور مستعد ہونے کو سیدھا ہونے اور چونکے سے اور مار ڈالنے کو سلا رکھنے سے اور غفلت کو سونے سے استعارہ کیا تو ان سب میں وجہ جامع عقلی ہے۔

چوتھا چمن استوارے کی قسموں کے بیان میں

جس استعارے میں لفظ استعار اسم جنس ہوا ہے اسمیہ کہتے ہیں ام فخر الدین باری کا مذہب یہ ہے کہ مجاز بانذات صرف اسم جنس جامد میں ہوتا ہے فعل و اسم مشتق میں مشتق منہ کی تبعیت کی وجہ سے واقع ہوتا ہے حرف اور علم میں مجاز کسی طرح بھی نہیں ہوتا اور نام غزلی کی رائے یہ ہے کہ اگر معنی مجازی کی طرف انتقال صحیح ہوئے کے لیے کوئی علاقہ موجود ہو تو علم میں بھی مجاز داخل ہوتا ہے اور حق یہ ہے کہ اسم جنس جیسے شیر اور گل اور سرد اور مرد میں مجاز بانذات واقع ہوتا ہے اور اسی میں داخل ہے مصدر مثل قتل اور ضرب جیسے ایذا سے شدید کو مجازاً قتل کہیں۔

امانت

جتنے دیتا تھا کوئی ہاتھ پھسانے کے لیے | تنہا دی لانا تھا کوئی رنگ جانے کے لیے

اس شعر میں ہاتھ پھسانا اور رنگ جمانا استعارہ ہیں اور اپنا استحقاق ثابت کرنا استعارہ اور یہ مصدر ہیں

بے وجہ ہیں ابر باری کا یہ رونا | امیر دکھانا ہے داغ اپنے چہرے میں پر شاوس

برسنے کا استعارہ رونے سے کیا ہے اور یہ مصدر ہے اسی مثال میں برشا کا یہ شعر ہے

برستہ برستہ ہی تھو نہ کیوں تکرر ہے | کس طرح نہ بادلوں کو رونا آوے

اسیر

دہر میں نیون کی محبت سے بدن کو بہ کریر

عدا ہے جس ملک میں فتنہ دہان رہتا نہیں

اجنباب کا استعارہ گریز سے کیا ہے جو گریختن کا حاصل مصدر ہے۔

ظفر

مے سے ہے اجتناب زاید کو | ہم تو پر ہیز چھپے نہیں کرتے

اجتناب کا استعارہ پر ہیز سے کیا ہے۔ اور اسم جنس کے قبیل سے علم بھی جس کو بسبب کسی وصف کے تاویل کر کے اسم جنس میں داخل کر لیں مثلاً حاتم اور رستم کہ اول کو سخی کے معنی میں اور دوسرے کو بہادر کے معنی میں استعمال کرتے ہیں چنانچہ مشک آدمی کو کہیں کہ وہ فرعون ہو یا بہادر کو کہیں کہ وہ رستم ہو۔

حالی

وہ جو کچھ کہ ہیں کہ سکے کون اُن کو | بنایا ندیموں نے فرعون اُن کو

میر

نال دنیا کو جس نے چھوڑ دیا | وہی نزدیک اپنے رستم ہے

قلندر

حاتم ہے یہ گرچہ ہے قلندر | پر خانہ حسد اب کر گیا دل

اور بغیر اس تاویل کے جائز نہیں کیونکہ علمیت نسبت کے متافی ہر اور اعتبار افراد کا ہے، اسلئے اسلام میں مجاز جاری نہیں ہو سکتا اور اسم جنس میں اصالت مجاز کے داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مجاز کی بنا تشبیہ پر ہے یعنی مستعار لہ کو مستعار منہ کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ تشبیہ مشبہ کا وصف ہوتا ہے اس واسطے کہ وہ مشبہ بہ کے ساتھ وجہ شبہ میں شریک ہو اور موصوف ہونے میں خالق اور ذاتین اصل ہوتی ہیں مثلاً جسم سفید اور آب صاف اور چونکہ شیر اور گل اور سرو وغیرہ ذاتیں ہیں اور تشبیہ کے وصف سے موصوف ہوتی ہیں اسلئے ان میں مجاز اصالتاً داخل ہونا ہی مثال اسم جنس میں استعارے کی۔

انیس

کیون فاطمہ زہرا کو رو لانا ہے کفن میں | آدھ بھول تو رہنے دے محمد کے جمن میں

صاحبزادگان حضرت مسلم کو بھول کما کر بھول اسم جنس ہے۔

مذاق

میں اس گل کو پیغام کستا ہزاروں | ہوا ہو گئی بر صبا کتنے کتنے

مشوق کو گل کہا ہے اور گل اسم جنس ہے۔

بکسل ہی رشک غش کی ہوں میں | یہ تم یا ہو ہزاروں میں کون میں

عاشق کا استعارہ بیکبیل سے کیا ہوا اور ٹائیل اسم جنس ہے۔

تیسرے

کس تیر کی آمد ہو کہ زن کانپ رہا ہے | زن ایک طرف چرخ گمن کانپ رہا ہے

حضرت امام حسین کا استعارہ شیر سے کیا ہوا اور تیر اسم جنس ہے۔

فعل اور شبہ فعل یعنی اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ اسم تفضیل اور حرف میں مجازاً بالاتباع داخل ہوتا ہے کیونکہ فعل یا مضارع یا امر یا نہی یا اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ یا حرف کے معنی کو یہ صلاحیت نہیں کہ تشبیہ کے وصف سے موصوف ہو سکیں یعنی نہ فعل اور شبہ فعل کے معنی مشبہ ہوتے ہیں اور نہ حرف کے معنی بلکہ فعل و شبہ فعل کا مصدر اور حرف کے معنی کا متعلق مشبہ ہوتا ہے اور حرف کے معنی کا متعلق وہ شے ہے کہ حرف کے معنی بیان کرتے وقت اس معنی کو اس چیز سے تعبیر کریں مثلاً کہتے ہیں حرف سے ابتدا کے لیے ہر اور میں نسبت کیواسطے اور تک تھا کیواسطے اور توتا سے مفتوح سے غرض کیواسطے پس ابتدا اور ظرفیت اور انتہا اور غرض ان حرفوں کے معنی کے متعلق ہیں یعنی ان کے معنی ان سے تعلق رکھتے ہیں پس فعل اور شبہ فعل اور حرف کو مستعار کہنا بطور تعین کے ہے نہ بطریق اصالت کے یعنی فعل اور شبہ فعل اور حرف مستعار ہونے میں مصدر اور متعلق کے تابع میں اور خود مستعار نہیں ہو سکتے تفصیل فعل اور شبہ فعل اور حرف کے استعارہ ہونے کی یہ ہے کہ کبھی فعل یا مضارع یا امر یا نہی یا اسم فاعل یا اسم مفعول وغیرہ کے ساتھ کسی معنی کو تعبیر کرتے ہیں اور مقصود اس سے وہ معنی نہیں ہوتے جن معنی کے واسطے وہ بنائے گئے ہیں بلکہ ان کا غیر مقصود ہوتا ہے اور ان لفظوں سے غیر معنی موضوع لہ کا مستعار ہونا باعتبار ان کے مصدر کے ہوتا ہے فعل اور حرف کے مستعار ہونے کو استعارہ تہجیہ کہتے ہیں اور لفظ مستی کے فعل ہونے کی مثال

ارادت

رنگ میں یوں ارادت میں ہو گیا پایا | اس حال تازہ سے دل میں نے غرض اٹکایا

دل اٹکایا فعل ماضی جو ملکر ان کا دل اور عاشق ہونے میں استعارہ ہے جو مصدر ہیں۔

حسرت

مارنے سے بھنی کے اس خور سے نے

اتنی درد لا میں اچھی تھوڑی

ہر چند مارا فعل ماضی جو ملکر ان کا درد یہاں مارا ہے اور تکلیف شدید ہو جانے میں ہے۔

گلزارِ نسیم

امنت نے مری نہ تھے اُڑایا | عقلت نے تری نہ تھے چھوڑایا |
اُڑایا سے مراد یہ ہے کہ عقل کھودی پس بیان اُڑانے اور عقل کھودینے میں استعارہ ہے۔

امیر

بسی گورِ غریبان جس کسی کا گھر ہوا ویران | مسافرِ پڑ کے سوئے جاگ تھی تقدیر منزل کی |
یہاں، استعارہ سوئے اور مر جانے میں ہے۔

میکہ

ترد امنون کو دیکھ کے لب خشک ہو گئے | احوالِ میکہ پہ بہت ابرو دو گئے |
ابر کے برسنے کو رونے سے استعارہ کیا ہے اور فقط مستعار فعل ماضی ثبت ہے۔

سودا

اگلست بھیسوں غ میں اسے عندلیبِ ناز | غنچے کا دل دہن پہ کسی کے کچھ چلا |
یہاں بھی مستعار کچھ چلا فعل ماضی ہے اور استعارہ درحقیقت مصدرِ رون میں ہے۔

حالی

علمِ والے علم کے دریا بہا کر چل دیے | واعظانِ قوم سوتون کو جگا کر چل دیے |
یہاں مر گئے یہاں استعارہ چل دیے اور مر جانے میں ہے۔

ذوق

اگر تیری زیرِ برقعہ فانوسِ تاک جھانک | ابروئے سے ہے شمعِ مقرر لگی ہوئی |
یہاں لگی ہوئی ماضی کا صیغہ مذکور ہے لیکن استعارہ مصدر میں ہے۔

ظفر

دہ رشک گل چین میں اگرے صبا | پھر مٹھ ہے کیا جو غنچہ کوئی کھکھلاہنے |
غنچے کے کھلنے کو پھٹنے سے استعارہ کیا ہے اور ہے صیغہ مضارع کا ہے۔

الشا

اگرچہ تجھے توجی کو روکتے ہیں | ایک پرٹائے سارے اودکتے ہیں |
پرٹالوں کے بہنے کو اودکنے سے استعارہ کیا ہے اور فقط مستعار فعل حال ہے۔
اس موسمِ برسات میں کیوں گھر نہیں ہم اولہ | آنکھیں بھی برستی ہیں ہواؤں کی برابر |

روئے کو برتنے سے استعارہ کیا ہے اور لفظ مستند فعل حال ہے۔

میں

گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے پھت بجی بے اختیار رو رہی ہے

درو

روتا ہنہیں ہے شاہد مینا یہ بے سبب گردن پر اسکی خون کسی کا سوار ہے

پہلے شہر میں پکے کا استعارہ روئے کے ساتھ کیا ہے اور در سے کہ میں شراب کے اونڈھے کا استعارہ روئے سے کیا ہے اور دونوں متعدد دن میں مستعار حال کے صیغے ہیں۔

تلف

مراچی فقہ بھرتی بت مینا شکر آتا ہے بھار یا ر جسد جانب مینا نہ آتا ہے

مراچی سے شراب کے آواز کے ساتھ نکلنے کا استعارہ فقہ بھرتی سے کیا ہے اور شراب کے مینا آہستہ نکلنے کا استعارہ سکرانے سے کیا ہے اور دونوں لفظ حال کے صیغے ہیں۔

سودا

سودا ترن فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات اب آئی ہے بے کو عالم کہیں مر بھی

دلہ

ہوتی نہیں بر صبح نہ آتی ہے بھگوانیندا جسکو پکارا تاہوں وہ کتا ہے مر کہیں

ان اشعار میں امر کا صیغہ ذکر کیا گیا ہے مرے اور روئے میں استعارہ ہے۔

بھگوان ان پردہ دوستوں کے گمان کے بھائی بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا برادر بائیں

بھانگنے اور احتساب کرے یہاں شاعر ہے اور امر کا صیغہ ذکر ہے بھگوانیندا استعارہ ہے کی مثال

اداست

سُرمہ دیتا تھا کوئی آنکھ لٹکائے واں رستی جو اتنا تھا کوئی کہ کرد شمع کا ل

مومن

خندہ زن کس کا جو زخم دردن اشتراک کرے نہان کیوں ہے

چمن زار عالم کی خوبی پر مست جا ہمیر اگر اس بے ثباتی پر خندہ زنان ہے ان شعروں میں آنکھ لٹکائے و زخموں کے مین اور خندہ زنی اور شگافت ہو جانے میں درخندہ زنان ہونے اور کھٹانے میں استعارہ ہے اور سم قہ عمل کے صیغے مذکور ہیں۔

شہرین جو نظر پڑا اس کا ^{میسر} اُشتہ ناز پاتا غافل تھا

الاش

رنگ زرد دل خشک و تر گراؤد ^{میسر} اُشتہ عشق میں ہم ہے یہ کفارہ اینا

صدہ رسیدہ ہونیکا استعارہ اُشتہ سے کیا ہوا اور اسم مفعول کا صیغہ مذکور ہے۔

نواب جہانگیر محمد خان دولہ تخلص

ہو دے گا میرا حشر شہید و نین میں جو بیان ^{میسر} مقول اُفت خاف ہو تراب تھا

مقول اسم مفعول کا صیغہ ہے عاشق کے معنی میں پس اسم مفعول کا عاشق سے استعارہ کیا ہے۔

میسر

غم محبت میں میرا ہمیشہ جلتا ہوتا ^{میسر} محبت ایسی بناغ رفتہ کمان تلک ہم ناز ہے

بے کار ہونے کا استعارہ رفتہ سے کیا ہے جو صفت مشبہ کا صیغہ ہے نہ اسم مفعول کا کیونکہ اسم مفعول فعل لازم سے نہیں آتا۔

میسر

اتوہ نہیں سو کاتہ دل سے یار زور ^{میسر} یا بکومل شکستوں خلاص یار ہو

شکتہ صدہ رسیدہ اور دیکھے آدمی کے معنی ہیں اور۔

شہید

پس مصلے سے اٹھکے وہ شہ دینا ^{میسر} جا کے اس خستہ کے سر بالین

خستہ سے مراد عاشق ہو خستہ زخمی کی کہیں ہیں اور ستون خستہ کو کوئی زخم نہ پہنچا تھا بلکہ وہ عشق رسوا میں روتا تھا اور خستہ عشق ہو خستہ سے مراد تو لازم ہے پس صفت مشبہ ہو گانہ اسم مفعول اُحرف میں استعارہ کی مثال۔

غالب

ظلم سے باز آئے پر باز آئیں کیا ^{میسر} کہتے ہیں ہم جھگڑا کھلا دینا

جھوڑیے کا استعارہ باز آئے سے کیا ہو جس میں جھوڑیوں کا استعارہ اور باز آنا مستعار منہ ہے

اور حرف سے چھوڑ دینے سے متعلق اور مستعارہ کو ترک کر کے حرف سے کے ساتھ استعارہ کیا ہے۔

درو

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو نہیٹھے بس پانک سا تھرہم دونوں جہان کے ہاتھ دھو بیٹھے

یہاں استعارہ حرف سے میں ہوا اور اصل میں قطع تعلق کر دینا استعارہ ہے جو متعلق ہر حرف سے اور ہاتھ دھو بیٹھنا استعارہ میں ہر مراد اس جگہ یہ ہر کہہنے دونوں جہان سے قطع تعلق کیا اگرچہ بظاہر حرف سے استعارہ معلوم ہوتا ہے اور ہاتھ دھو بیٹھنا مستعارہ لیکن واقع میں سے استعارہ نہیں بلکہ اسکا متعلق یعنی قطع تعلق کرنا مستعارہ ہے پس واقع میں استعارہ ان دو معنی میں واقع ہوا ہے اور حرف سے متعلق کی اتباع سے استعارہ لیا گیا ہے۔

سودا

اُسکے کوچے میں تو کیوں جاتا ہے سودا گرا خلق کی سراپے لینے کو ملامت کے لیے پڑا

اس شعر میں لیے کا حرف غرض کے واسطے موضوع ہر جو بطریق استعارے کے واقع ہوا ہے اور استعارہ لیے میں نہیں بلکہ معنی غرض میں ہر کہ لیے کا متعلق ہے اس لیے کہ غرض کو بچہ یا زمین جانے سے راحت و غرت ہوتی ہے نہ لعنت و ملامت مگر بوجہ اس بات کے کہ انجام کار وہاں کے پھرنے سے لوگ مطمئن کرنے لگتے ہیں اس لیے راحت و غرت کو ملامت کے ساتھ استعارہ کیا ہے لینے کو بچہ یا زمین سودا کا واسطے حصول راحت و غرت کے جانا اُن کو یا کہ واسطے لعنت و ملامت کے جانا ہے اور استعارہ یہاں راحت و غرت ہے اور مستعارہ نہ ملامت ہے اور لفظ مستعار لیے ہر پس استعارہ معنی غرض میں ہر کہ لیے کا متعلق ہے اور اطلاق اسکا لیے پر تبعیت کے طور پر ہے نہ اصالت کے طور پر یہ استعارہ بطریق استعارہ کے واقع ہوا ہے۔

ظفر

کھانا اگر ہے زخم تو پانی ہر آب تیغ اہمان کر بلا کی ضیافت کے واسطے

اس شعر میں واسطے کا حرف غرض کے لیے موضوع ہر پس مستعارہ ظاہرین واسطے کا حرف ہے اور واقع میں غرض کے سننے میں جو واسطے کا متعلق ہے اس لیے کہ غرض زخم اور آب تیغ سے ضیافت نہ تھی بلکہ بھوکا پیاسا قتل کرنا تھی اور مستعارہ نہ ضیافت ہے یہ استعارہ بطریق طنز کے واقع ہوا ہے۔

قائد الشاد اللہ خان نے دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ واسطے اور یہ اردو میں مضاف سمجھے جاتے ہیں اور عربی میں لفظ کے جر کرنے والے حرف ہیں۔

اور مولوی صہبائی نے حدائق البلاغت کے ترشے میں حرف کی مثال میں لکھا تھا ہے بھی یہاں اُنکی

اتباع کی ہے۔

مگر تخیس الفتح کے مصنف نے متعلق کو کہ متروک ہو مشبہ بہ اور اس لفظ کو کہ مذکور ہو مشبہ قرار دیا ہو لیکن چونکہ اس کے مذہب کے موافق استعارہ بالتصریح میں خواہ اصل یہ ہو خواہ تبعیہ مشبہ متروک ہوتا ہے اور مشبہ بہ مذکور فایت یہ ہو کہ استعارہ تبعیہ میں بعینہ لفظ کے مفہوم میں تشبیہ نہیں ہوتی اور اصل یہ میں ہوتی ہو چنانچہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے پس متعلق متروک کو مشبہ بہ قرار دینے میں استعارہ بالتصریح تصور نہیں ہوتا اس لیے کہ مشبہ کا متروک ہونا چاہیے اور مشبہ بہ کا مذکور البتہ استعارہ بالکنایہ ہو سکتا ہے کیونکہ استعارہ بالکنایہ میں مشبہ مذکور ہوتا ہو اور مشبہ بہ متروک اور وہ چیز کہ مشبہ کے ساتھ خصوصیت رکھے اس کو مشبہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اسی طرح بیان ہو کہ مشبہ بہ یعنی متعلق متروک ہے اور مشبہ یعنی باز آنا اور دھو بیٹھنا اور ملامت اور ضیافت مذکور ہو اور جو چیز کہ مشبہ بہ کے واسطے مخصوص ہو یعنی حرف کے اور تیسے اور واسطے کہ اس مشبہ بہ پر دلالت کرتے ہیں مشبہ کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں اس صورت میں یہ استعارہ تبعیہ نہ ہو بلکہ بالکنایہ ہو اور یہی مذہب سکا کی کا ہو علامہ تفتازانی نے مطولی میں اس کو تبعیہ میں داخل کرنے کے واسطے ایک تقریر کی ہو اس کا بیان مثالوں کے موافق یہ ہو کہ مثلاً دونوں جہان سے ہاتھ دھو بیٹھنا مشبہ ہو اور دونوں جہان سے قطع تعلق کرنا مشبہ بہ ہو یعنی دونوں جہان سے اس طرح ہاتھ دھو بیٹھنے جس طرح قطع تعلق کرتے ہیں پھر مشبہ یعنی دھو بیٹھنے کے ساتھ وہ حرف ذکر کیا جو مشبہ بہ یعنی دونوں جہان سے چھوڑ دینے پر دلالت کرتا ہو یعنی حرف سے جو دور کرنے اور اعراض کرنے کے معنی میں ہو نہ ابتداء کے معنی میں جیسا کہ فارسی میں از اور عربی میں عن اعراض کے لیے آتے ہیں اس صورت میں اول استعارہ اعراض اور دور کرنے میں جاری ہو اور یعنی دونوں جہان کے تعلقات سے اعراض کرنا اور ان کو ترک کر دینا مشبہ بہ ہے بعد اس کے اس استعارے کی اتباع سے حرف میں استعارہ ہو یعنی حرف سے کو ایسی سے کے واسطے استعارہ کیا جو قطع تعلق کرنے اور اعراض کرنے سے تشبیہ دی گئی ہو یعنی ہاتھ دھو بیٹھنا حاصل کلام یہ ہو کہ حرف سے سے موضوع لہذا سمجھا گیا بلکہ وہ چیز بھی گئی جو اس سے مشابہت رکھتی ہو جیسے شیر کے لفظ سے استعارے میں جانور زندہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ وہ چیز بھی جاتی ہے جو اس سے مشابہت رکھتی ہو یعنی مرد بہادر اور خلاصہ کلام یہ ہو کہ اگر تشبیہ اس چیز میں فرض کوں کہ جس سے حرف سے متعلق ہو اور وہ قطع تعلق ہو اور استعارہ بالکنایہ ہو کیونکہ مشبہ بہ وہی ہو اور حرف سے کا ہاتھ دھو بیٹھنے کے ساتھ کہ مشبہ ہے مذکور ہونا استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہو جائیگا اور اگر اس حرف کے معنی میں کہ وہ دور کرنا اور اعراض کرنا ہیں اور بیان متروک ہیں تشبیہ فرض کوں نہ استعارہ تبعیہ ہوگا۔

استعارہ بمعنی میں جہاں مستعار فعل یا شبہ فعل ہو قرینے کا مدار فاعل یا مفعول پر جو مثال اول۔

ایس

ختم کیا جلاجل دغا کے بھی وہ آواز کا جوش

ہو گیا جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل خاموش

حقیقی طور پر خاموش ہو جانا جلاجل کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا پس اس استعارے نے اس بات پر دلالت کی کہ خاموش ہو جانے سے یہاں وہ چیز مراد ہے جسکی اساد جلاجل کی طرف صحیح ہو سکتی ہے اور معلوم ہو کہ وہ بند ہو جانا ہے جو خاموش ہو جانے کے ساتھ سکون میں مشابہت رکھتا ہے۔

جرات

سہاں جرات کسی پر تم ہوئے عاشق مانو نہیں

اے دیتی ہو خاموشی جہت صاحب کرتے ہیں

یعنی خاموشی دلالت کرتی ہے استاد کہنے کی خاموشی کی طرف استعارے کا قرینہ ہے ایسے کہ حقیقی طور پر خاموشی کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا اگر کہا جائے کہ ان مثالوں میں حاصل قرینہ یہ ہے کہ مسند کا قیام مسند الیہ کے ساتھ محال ہے اور یہ مجاز عقلی کے قرائن سے ہے جس کا مذکور علم معانی میں ہوتا ہے تو ہم جواب یہ دینگے کہ اس سے کوئی نقصان نہیں کیونکہ مقصود قرینے سے وہ چیز ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معنی حقیقی مراد نہیں اور بیان ایسا ہی ہو گا وہ مجاز عقلی کی بھی صلاحیت رکھتا ہے پس چونکہ ہاتھ جوڑ کر خاموش ہو جانے کی صلاحیت جلاجل میں نہیں اور کہنے کی صلاحیت خاموشی میں نہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان فعلوں میں استعارہ واقع ہوا ہے۔

خلیق نشی عبد الخالق دہلوی

حسرت کہ رہت ہیں دالان ٹوٹے بھوسے

ہم برحق نقش کاری ہم پر تھے بیل بوئے

حالی

نصیب ان کا شبلیہ میں ہی سوتا

شب روز ہر قرطبہ ان کو رونا

مونا نصیب کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا کیونکہ مونا جوان کا خاصہ ہے پس معلوم ہوا کہ مونا یہاں برتیل استعارے کے قانع ہوا ہے یہی حال قرطبہ کے رونے کا ہے۔

ولہ

اس کے مرے سے مر گئی رتی

خواجہ نوشہ تھا ارشاد مسہ برات

مثال دوم۔

نسلخ

پھولون کو جو باغ میں ہنساتی ہے بہار | دیوانہ ہزاروں کو بناتی ہے بہار

ہنسانا حقیقتہً پھولوں کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے لیے روح نہیں ہے مگر چونکہ پھول کا کھلانا ہنسانے کے ساتھ مشابہہ ہے اور وجہ مشابہت دونوں میں کھل جانا ہے اسی لیے ہنسانے کا استعارہ کھلے لیے کیا پس پھولوں کو ہنساتی ہے استعارہ ہے پھولوں کو کھلاتی ہے سے اور قرینہ اس میں پھولوں کے ساتھ ہنسانے کا تعلق ہے اور ظاہر ہے کہ پھول مفعول ہے۔

حالی

ارسطو کے مردہ فنون کو جسٹایا | فلاطون کو بچر زندہ کر کے دکھایا

ظاہر ہے کہ جلا حقیقتہً فنون کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے نہ روح ہے نہ جسم مگر چونکہ علم کا پھیلانا جلانے کے ساتھ ظاہر کرنے میں مشابہہ ہے اسی لیے جلانے کا استعارہ پھیلانے کے لیے کیا پس فنون کو جلایا استعارہ ہے فنون کو پھیلایا سے اور قرینہ اس میں فنون کے ساتھ جلانے کا تعلق ہے اور ظاہر ہے کہ فن مفعول ہے اسی قبیل ہے یہ مذاق کا یہ مصرع۔

شاعر وزندہ کیا ہے میں لے طر ز میر کو

مدان علی خان رعنا

جگا یا فتنہ خوار ہے عدم کو | قیامت ہی تری قم نے بپاکی

ظاہر ہے کہ جگانے کی نسبت فتنے کی طرف بطور استعارے کے ہے حقیقتہً جگانا فتنے کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ سونا اور جگانا حیوانات کا خاصہ ہے مگر فتنہ پھیلانے کو فتنہ جگانے کے ساتھ مشابہت ہے اسی لیے فتنہ پھیلانے کا استعارہ فتنہ جگانے کے ساتھ کیا ہے۔

دبیر

گاتا پاک میں آنکھ کو پتلی میں نور کو | پانوں میں کجروی کو سروں میں غرور کو

سینے میں نبض و کینہ کو دل میں فتور کو | نیت میں معصیت کو طبیعت میں زور کو

ظاہر ہے کہ گاتے کی نسبت نور اور کجروی اور غرور اور نبض و کینہ اور فتور اور معصیت اور زور کی طرف بطور استعارے کے ہے حقیقتہً گاتے کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ عقلیات سے ہیں چونکہ دور کرنے کو کاٹنے کے ساتھ مشابہت ہے اسی لیے دور کرنے کا استعارہ کاٹنے کے ساتھ کیا۔

اور کبھی مضاف الیہ بھی اس استعارے کا قرینہ ہوتا ہے مثلاً جب دشمن تیرے ہاتھوں میں ہے تو کہیں کہیں

سے قید ہونے کی مبارکباد پہونچے اس مثال میں مبارکباد قید ہونے کی طرف مضاف ہوا اور مبارکباد کی نسبت قید کی طرف ظاہر ہوا باعتبار حقیقت کے ممکن نہیں ہاں استعارے کے طور پر ممکن ہے۔

مومن

ساقیا نہ ہر پلاوے بھٹکے | شربت مرگ چکھاوے بھٹکے |
اس شعر میں شربت مرگ کی طرف مضاف ہوا اور شربت کی نسبت مرگ کی طرف ظاہر ہے
کہ حقیقی طور پر ممکن نہیں ہاں استعارے کے طور پر ممکن ہے۔

ظفر

جہاں عیش رہتی تھی رات دن وہاں مسند و دودام ہے |
اس مثال میں مسند کی اضافت و دودام کی طرف ہوا اور ظاہر ہے کہ مسند کی نسبت و دودام کی طرف بطور استعارے کے ممکن ہے اس طرح کہ مسند سے آرام گاہ یا مسکن مراد ہے۔

حالی

ہر اک شہر و قریہ کو یونان بنایا | مزہ علم و حکمت کا سب کو چکھایا |
اس مثال میں مزہ علم و حکمت کی طرف مضاف ہوا اور نسبت چکھایا کی علم و حکمت کی طرف ظاہر ہے کہ
باعتبار حقیقت کے ممکن نہیں مگر استعارے کے طور پر پس چکھایا کا لفظ سکھایا کی جگہ واقع ہوا ہے اور قریہ
اس کے استعارہ ہونے پر مزید علم و حکمت کی طرف مضاف ہوتا ہے۔
جس استعارہ میں مستعار لہ اور مستعار منہ کے مناسبات کچھ نہ ذکر کیے جائیں تو اس کو استعارہ مطلق
کہتے ہیں جیسے کہیں بنے ایک شیر دیکھا تھا اور مراد شیر سے بہادر ہوا اور بہادر و شیر کا کوئی مناسبات
ذکر نہیں ہوا۔

انیس

ہڑتے کو کبھی صورت شیر نہ رکتے | جسے میں کسی طور سے وہ شیر نہ رکتے |
آدمی کو شیر سے استعارہ کیا ہے اور کسی کے مناسبات مذکور نہیں ہیں۔

حالی

ایک روشن دماغ تھانہ رہا | شہر میں اک چراغ تھانہ رہا |
آدمی کا استعارہ چراغ سے کیا ہوا اور دلون میں سے کسی کے مناسبات کو ذکر نہیں کیا۔
دل احباب پر نہیں چلتا | وائے کھر میرا کہ رہو غیر سے دور |

نصیحت کا استعارہ سحر سے کیا ہے اور دونوں تین سے کسی کے مناسبات کو ذکر نہیں کیا ہے

ناسخ

ہین یاد وہ بے مشال آنکھین کیا ہین تری او غزال آنکھین

مشتوق کا استعارہ غزال سے کیا ہے اور مناسبات کسی کے مذکور نہیں۔
یا صرف مستعار لہ کے مناسبات کچھ مذکور ہوں اور اسکو استعارہ مجرہ کہتے ہین جیسے۔

ناسخ

ابھیننا خط کا کیا اُس بُت نے بند اب خدا یا موت کا پیغام بھیج

مشتوق کا استعارہ بُت سے کیا ہے اور خط کا نہ بھیجنا جو مناسب مشتوق کے ہے ذکر کیا ہے

یہ نگہ پنہو یہ رنگت یہ سی پیل خندان الشا غضب ورتپہ لپٹا یہ زبان بریر دندان

ب کا استعارہ لعل سے کیا ہے اور صرف لب کے مناسبات مذکور ہین۔

انیس

ان پھولون کو قتل سے اٹھالینے دے جھکو اشی میں ستارون کو چھپالینے دے جھکو

آدمی کو پھولون اور ستارون کا استعارہ کیا ہے اور قتل و مٹی کا لفظ جو مناسب آدمی کے ہے ذکر کیا ہے

ولہ

بچا سادہ کوئی اور ہر اس قتل کہن میں اس شیر کی شمشیر کا غل بھتا بھی رن میں

آدمی کا استعارہ شیر سے کیا ہے اور شمشیر و رن مستعار لہ کے مناسب ہین۔

مومن

اقرار ہے صاف آپکے انکار سے ظاہر ہستی شب زگس میخوار سے ظاہر

آئینہ کا استعارہ زگس سے کیا ہے اور آئینہ کے مناسب جو ہستی و میخواری ہر لے ذکر کیا ہے اور زگس کے مناسب کو ذکر نہیں کیا۔

وحید

لو آمد اسد کا تلاحم سنو میں اب مضطر زمین خوف سے لرزاں ہے فوج سپہ

اسد استعارہ آدمی سے ہے اور فوج کا ذکر مناسب مستعار لہ کے ہے۔

سودا

گل نے شبنم سے ہوا الماس تو کھلایا کین ہاتھ میں غنچہ لالہ کے ابھی افیون سپہ

داغ کوافیون سے استعارہ کیا ہے اور فقط مناسب استعارہ کا مذکور ہے یعنی لالہ۔
یا صرف مستعار منہ کے مناسب ذکر کریں اس قسم کو استعارہ مرشحہ کہتے ہیں جیسے۔

انیس

نانا سے چھٹے قبس حسن چھوڑ کے آئے | اس دست کے کانٹوں میں جین چھوڑ کے آئے
وطن کو جین سے استعارہ کیا ہے اور اس کے مناسب کانٹوں کا مذکور ہے۔

ولہ

گرتی تھی کوند کرجودہ برق شرارہ ریز | دوزخ کھلی تھی بند تھے سب کو چرگز
برق شرارہ ریز سے مراد تلوار ہے برق کے مناسبات کو ذکر کیا ہے۔

ایمانت

ہے تنفر مجھے ربط اس گل کو ہوا غیار سے | سوکھ کر کاٹا ہوا ہون بلبلا اس غار سے
معشوق کا استعارہ گل سے کیا ہے اور بلبلا اور خار جو اس کے مناسب ہیں ذکر کیے ہیں۔

سودا

جب میں کچھ کو بھڑی سے کتا ہوں | ہو پی پی کے اپنا رہتا ہوں
بچنے ہے مجھ سے یوں وہ دوہر دو | بھو ترکاری کی جگہ کدو
کدو عضو تناسل سے استعارہ ہے اور مستعار منہ کے مناسب ترکاری اور کو بھڑی ہے۔

نیم

سیر یاد نہ کرنے پایا مضطر | آتا بان ہوئی راکھ میں وہ آنگر
انگر استعارہ بکاؤلی سے ہے مستعار منہ کے مناسب راکھ اور تابان ہوتا ہے۔

ولہ

تھامے میں بہان آگاہ صوبہ | اوان شیشہ رہا ترس کے ساغر
صوبہ استعارہ عضو تناسل سے ہے اور ساغر استعارہ فرج سے ہے اور دولون مستعار منہ کے
مناسبات مذکور ہیں۔

مومن

معشوق کے پرہیز سے بیمار رہا میں | ابے جرم جفاؤں کا منہ وار رہا میں
پرہیز سے مراد احتراز ہے اور پرہیز کے مناسب لفظ بیمار ہے۔

ولہ

ایون شربت دیدار سم آمیز نہیں تھا | کچھ زکس بیمار کو پر نہیں تھا

پر ہزار ستارہ ہی اجتناب سے اور مستعار منہ کے مناسبات شربت اور سم اور بیمار ہیں یاد و نون کے مناسبات مذکور ہوں جیسے۔

ناسخ

جان بچنے کی کوئی صورت نظر آتی نہیں | بچلی فردوس کو فرقت مجھے اک حور کی
مشتوق کا استعارہ حور سے کیا ہے مشتوق کے مناسب فرقت ہے اور حور کے مناسب فردوس ہے۔
چمن میں آئے سن کر بھگو باد محسوس بھرائی | سودا سا غجب تک لادین ہی لادین تو رہو کو جام کیا
مستعار لغت غنیہ اور گل اور مستعار منہ سوا اور جام ہے اول کے مناسب چمن اور باد محسوس اور دوم کے مناسب مشتوق کا آنا کہ شراب لوشی اسکو لازم ہے اور ساغر کا ذکر ہے۔

سودا

نہیں جون گل طلب ابریا ہے گاہے | خار ہوں خشک میں ای برق نگاہے گاہے
مشتوق کا برق سے استعارہ کیا ہے مشتوق کے مناسب نگاہ اور برق کے مناسب خار خشک ہے۔

مزا علی محنت

محنت جو خط تراشی کی اس شعلہ رونے لگا | شکر خذارہ چاند گہن سے بھل گیا
چاند استعارہ ہے چہرہ محبوب سے خط تراشی اور شکر خذارہ چاند گہن سے بھل گیا اور رات اور گہن مناسب استعار منہ کے۔

امانت

زبان موج سے تشہ دیا جو دریائے | برس بڑی مری ہر آنکھ ابر کی طرح
روینکا استعارہ برسنے کے ساتھ کیا ہے اور روینکے مناسب آنکھ ہے اور برسنے کے مناسب بار ہے۔

امیر

جان بچو لو نہیں پڑی زندہ ہوئی خاک میں | جو دم جان خش عیسیٰ یا نسیم پوستان
جان پڑنا استعارہ ہے ترو تازہ ہونے سے اور زندہ ہونا استعارہ ہے نباتات کتنے کے قابل پوسے اور دلوں کے مناسب اند کو ہیں

میر صفی علی صفدر

تیر سوختہ شمع سے جب گل نکلا | چاہت بیخود فانوس سے بلبل نکلا

شمع کی لو کا استعارہ گل سُرخ سے کیا ہے اور لو کے مناسب شمع اور فانوس کا ذکر ہے اور گل سُرخ کے مناسب شجر اور بلبل کا ذکر ہے۔

سودا

۱۱ اسطے خلعت نوروز کے سراغ کے بیج | آب جو قطع لگی کرنے روش پر محمل پا
سبزی کا استعارہ محمل سے کیا ہے اور محمل کے مناسب قطع کرنے کا ذکر ہے اور سبزی کے مناسب آب جو اور روش اور باغ کا بیان ہے۔

گویا

کیون نہ میں تاکوں دم گلشنِ گلشن تاک کو | تاکنے والا ہوں اُس کی دگرس محور کا پا
آنکھ کا استعارہ دگرس سے کیا ہے اور آنکھ کے مناسب محور کا لفظ ہے اور دگرس کے مناسب گلشن اور گلشن اور تاک کا ذکر ہے۔

ناسخ

جان پائے گا چربی گل تری گلشن سے | ہر شجر میں مرغ جان کا آشیان ہو جائے گا
معتوق کا استعارہ گل سے کیا ہے اور دونوں کے مناسبات مذکور ہیں۔

نسیم

حاصل ہوئی اُن گدون کو بے خار | سیر شب زلف و صبح رخسار
مدح افزا اور بہرام کا استعارہ گدون کے ساتھ کیا ہے اور مستعار منہ کے مناسب بے خار ہے اور مستعار لہ کے مناسب سیر شب زلف و صبح رخسار ہے۔

ان اقسام میں سے استعارہ مرثیہ بہتر ہے اس لیے کہ استعارہ تشبیہ میں مبالغہ کرنے اور شبہ کے عین شبہ اور عا کرنے کو کہتے ہیں لیکن اوصاف کے ذکر سے جو شبہ بہ کے مناسب ہونے میں اس مبالغہ میں تقویت آجاتی ہے۔

استعارے کی ایک صورت اور یہی کہ اس میں مستعار لہ اور مستعار منہ اور وجہ جامع کئی چیز سے حاصل ہوتے ہیں اس کو استعارہ تشبیہ اور تمثیل بطریق استعارہ اور تمثیل اور مجاز مرکب کہتے ہیں اس میں اور تشبیہ تمثیل میں اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ اسے تمثیل مطلقا بھی کہتے ہیں اور وہاں تشبیہ تمثیلی اور تشبیہ تمثیل کہتے ہیں جس جہاں کہیں مطلقا تمثیل کا لفظ پاؤ تو اسے استعارہ سمجھو نہ تشبیہ اس میں چونکہ وجہ جامع کئی چیز سے حاصل ہوتی ہے اس لیے تمثیل ہے اور چونکہ فکر شبہ کا اور ارادہ شبہ ہوتا ہے

اور یہی طریق استعارہ کا ہے اسلئے استعارہ ہر جیسے کوئی شخص کسی فعل کے ارتکاب کا کبھی اقرار کرتے
اور کبھی انکار کرتے ہیں متردد ہو تو کہیں کہ فلاں اس کام میں نہیں پیش کرتا یا اس کے بہانے داتا اور
شک و تردد کی مجموعی حالت کو ایسی حالت مجموعی سے استعارہ کیا کہ کوئی شخص سی جگہ جانے میں
یا جانے میں کبھی اس کو بڑھے بھی نیچے کو توے۔

ذوق

اپنی بھی جاذب ذوق نہ کر پڑیں جام شراب | سب پہ تو بہ ترے دل میں ہوں جام شراب
ایسے ہی جس شخص کو ادب کی تکلیف و سختی برداشت نہ ہو اور نہایت نازک یا ضعیف ہو تو کہتے ہیں
کہ اس کی ناک پکڑنے سے کسی پھوٹی ہے۔

خندہ

کیا کوئی چھیرے اُنھیں اور کیا اُنکے اُنکے | ناک کے پکڑے سے جن کی چھوٹی نکیس ہو
اسی قبیل سے ہے یہ مثل سرشت نہ ہی ادب پڑے بہ اس وقت میں کہتے ہیں جب کوئی کام کریں اور
اُس کے کرتے ہی چٹا یک کوئی امر ایسا واقع ہو جائے جس سے اُس کے نتیجہ برائے میں فتور و دل قلع ہو جائے
جب کوئی شخص یک طرفہ توجہ کرے اور اُس کو اتمام مقصود کی طرف توجہ ہو یا ایک امر کے
حصول میں سعی کرے اور قبیل اس سے کہ مطلب حاصل ہو دوسرے مقصود کے حصول کی طرف توجہ ہو
تو ایسے مقام پر کہتے ہیں دھوبی کا گناہ نہ گھٹا کا، یعنی ان سب حالات کو اس کے حالات
سے استعارہ کرتے ہیں جو دھوبی کے یہاں رہتا ہو اور اُس کے ساتھ کبھی مکان سے دریا کو جائے اور پھر
دریا سے مکان کو آئے اور سامان دین یون ہی گزر جائے۔

نفاق

دنیا دین میں رہتا ہے آلودہ جو فقیر | دھوبی کا گناہ ہے نہ وہ گھر کا نہ گھاٹ کا
اسی قبیل سے ہے یہ مثل مشہور کہ بھائے اٹلی کے پکڑے ہی پہونچا پکڑا یہ ایسے موقع میں کہتے ہیں کہ کوئی
شخص کسی سے ادب ایک سہل بات چاہے جب وہ اُس کو پورا کر دے تو وہ بعد اس کے اُس سے نرا نہ ایک اور
سوال کرے یا کہیں کہ سکا کپڑے کھانے سے پہونچا آتا، یہ ایسے مقام میں کہتے ہیں کہ غصے سے جو چھیرہ
اٹھانے سے گردی پیدا ہو جائے یا کہیں کہ مصلحت کا بھی بین رڈا اٹکا، یہ ایسے محل میں کہتے ہیں کہ
کوئی کام بھی طبع سے جاری ہو اور ناگہان اس میں سبب واقع ہو جائے اسی قبیل سے ہے جو چھاتی یہ دنیا
دانا، پینے شوق سے نہ پیا۔

ظفر

امونگ جھاتی پر چودھتے ہیں کسی کی دیکھنا
 جوتیوں میں دال انکی اسے ظفر بٹ جائیگی
 اور ہمارا وار چل گیا یعنی ارادہ پورا ہوا اور اسکا چراغ گل ہو گیا یعنی اقبال جا مارا ہوا اور بریادی لئی۔

گلزار نسیم

جس کھن میں وہ گل ہو چراغ ہو جائے
 جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
 اور سنگ آمد و سخت آمد یعنی بہت مشکل درمیان آئی۔

وجیہ الدین منیر

فریاد سے کہتی تھی میتے کی زبان ہر دم
 مغموم نہوتا دان سنگ آمد و سخت آمد

میر

تھی لائے سکی تیغ کو تھے سو عشق نے
 ادنون کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
 تلوار کے گلے پر رکھنے کو گلے ملانے سے استعارہ کیا ہے۔

مخبر

خبر سے اپنے کہہ کر گلے سے مرے ملے
 کھینچے کھڑا ہے سر پہ مرے روزگار تیغ
 خبر کے کلا کاٹنے کو گلے ملنے سے استعارہ کیا ہے۔

آتش

رو سے مڑا ان آنکھوں نے دیکھ دیکھا دیا
 شکار کے چھری سے ذبح کر لے کا استعارہ شکار کو چھری سے رڑا دینے کے ساتھ کیا ہے۔

گلزار نسیم

انسان دہری کا سامنا کیا
 آتش میں ہوا کا عفا مانا کیا
 آتش میں ہوا کا عفا مانا استعارہ ہے، کار سیودہ و محال کر کے ہے۔

جہاں مرکب نے موضوع کے غیر میں شعل ہوا اور ملاقہ دونوں میں مشابہت کا ہونہ وہ استعارہ
 تمثیلیہ ہے نہ نہ جی ہر مسل مرکب ہے۔

بیان استعارہ بالکذا یہ و استعارہ تخیلیہ

ان دونوں کی تمیز بین نہیں نہ سبب میں ایک فیصلہ المفتوح کے باعث کا دو مراقبہ کا زیر بیان کا

تلمیض الفتح کا مؤلف کتابت کہ استعارہ بالکنایہ اور استعارہ تخیلیہ دونوں امر منوی ہیں کیونکہ
 شکل کے فعل ہیں جو اسکی ذات کے ساتھ قائم ہیں اس واسطے مجاز میں داخل نہیں کیونکہ مجاز الفاظ کے
 عوارض ہیں سے ہے استعارے میں جو ان دونوں کو بیان کرتے ہیں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ استعارے کا
 اطلاق جن جن معانی پر ہوتا ہے ان سب کا ایک جگہ جمع کرنا مقصود ہوتا ہے اور وجہ ان کے افعال متکلم کے
 ہونے کی یہ ہے کہ استعارہ بالکنایہ یہ ہے کہ ایک شے کو دوسری شے کے ساتھ نفس میں تشبیہ دی جائے
 اور استعارہ تخیلیہ یہ ہے کہ شبہ کے بعض خواص و لوازم کو مشبہ کے لیے ثابت کیا جائے پس تشبیہ
 دینا اور ثابت کرنا نفس کے افعال میں حاصل کلام یہ ہے کہ استعارہ بالکنایہ یہ ہے کہ نفس میں
 تشبیہ دی جاتی ہے اور سوائے مشبہ کے کوئی چیز ذکر نہیں کی جاتی اور بعض چیزیں جو مشبہ کے
 ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں وہ مشبہ کے لیے ثابت کی جاتی ہیں پس ان کا ثابت کرنا اس تشبیہ پر جو
 نفس میں مضمون ہے دلالت کرتا ہے اسی تشبیہ مضمون کو استعارہ بالکنایہ کہتے ہیں یعنی ایسا استعارہ جو
 کنایہ کے ساتھ ہو کیونکہ اس میں مشبہ کی تشبیہ نہیں ہوتی اور وہ چیز جو مشبہ سے خصوصیت رکھتی ہے اسکو مشبہ
 کے لیے ثابت کرنے کا نام استعارہ تخیلیہ ہے کیونکہ جب کوئی ایسی چیز جو مشبہ سے خصوصیت رکھتی ہے مشبہ کیلئے
 مانگی جاتی ہے تو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ مشبہ جس سے مشبہ بہ کے ہو مثلاً غم سے

دہ نوک مرے جب سے دل میں گڑی ہو | ایسی تو کھٹکتی ہے کہ جینے کی پڑی ہو

مرے کو سان ویر سے تشبیہ دی ہے۔

ظفر

نگاہ یارے اک دم میں دو ٹوٹے کیے دل کے | نہ دیکھا ہونے کا ٹاٹ ایسا کسی شمشیر پران کا

نگاہ کو شمشیر سے تشبیہ دی ہے۔

آباد

توڑا ایسا تو کسی تیر کا دیکھا نہ سنا | تھکین بیت دل عاشق سے باہر بگین

ہلکون کو تیر سے تشبیہ دی ہے۔

حاصل علی

جو بل کھائے ہوت گیسو طرف شاہ کے | یہ موزنی سر پریش کے لیے ہر تے آتے ہیں

یمان گیسو کو سانپ سے تشبیہ دی ہے۔

ادب گزشت جہیل کا مانع ہو گیا | آتش سدرہ است سرری یہ آدنا توان لپٹے

آد کو طائر سے تشبیہ دی ہے۔

وہ چیز جو مشبہ بہ سے خصوصیت رکھتی ہو اور مشبہ کیلئے مانگی جاتی ہو تین حالت سے خالی نہیں۔
(۱) وجہ شبہ بدون اس لازم کے شبہ بہ میں قائم نہیں ہو سکتی مثال سنگی۔

میسر

اردشیر ہے چیکے مرنا پروانے کا تو نیکن
ای تمہو کچھ تو کہہ تیرے بھی تو زبان ہے

شمع کو شخص متکلم سے دل میں تشبیہ دی ہو اور مشبہ بہ کا ذکر چھوڑ دیا ہو اور یہ استعارہ بالکنا یہ ہے
اور مشبہ بہ کے لازم مقوم کو کہ زبان ہے اس کے لیے ثابت کیا ہو اس کا نام استعارہ تخیلیہ ہے۔
اسی قبیل سے ہے۔

ذوق

حق تو یہ ہے یہ انانیت عجب غار ہے
آفتہ دیدن کیا زبان دار تک منصور کا

در کو شخص متکلم سے تشبیہ دے کر زبان کو مت لے کر ثابت کیا ہے۔

اسی قبیل سے ہے تراویس کے شعر میں تیغ کے پتہ زبان کا ثابت کرنا ہے

الذباب نے بنے بر آسمان کیا خطاب
دیوبند زبان تیغ سے اسکو بولی جواب

حالی

آئینہ فقط اظہار لے عالم کو کیا بتا
اور تو ہے کیا ہے دل عالم کو سنو

میں شعر میں عالم مستعار ہے اور شخص منہا رہنے اور یہی مروج ہے چونکہ عالم میں صلاست
دل رکھنے کی نہیں اس کے معلوم ہوا کہ عالم کو بجا سے شخص سے بہ سبب تشبیہ کے ذکر کیا ہے دل کو جب تک
وہ بتا دی اور وہ دلائل جو ثابت ہے عالم کے لیے ثابت کیا ہے پس اس میں عالم کی تشبیہ آدمی سے
نفس میں استعارہ بالکنا یہ ہے اور دل کو جو آدمی کے لازم اور خواص ہوتے ہیں سے جو عالم کے لیے
ثابت کرنا مستعارہ تخیلیہ ہے۔

میسر

ایرنا کہ کیا بچیان مارتی بہت
دل تشبہ ہر دم ہر دم ہر دم بہت

تشبہ کے لیے دل کا کہنا اور شخص کا ذکر چھوڑ دینا استعارہ بالکنا یہ ہے۔

عاشق

روشن ہونے تو آج بڑی بین
آہ فتنہ بھینی ہر دم بین

یہاں فلک کو دیکھنے والے آدمی کے ساتھ تشبیہ دی ہو اور مشبہ بہ کو کر آندی ہے ترک کر دیا ہے
اور یہ استعارہ بالکنایہ ہو اور چشم کو دیکھنے والے کے ایسے لوازم میں سے ہو جس کی وجہ سے تشبیہ
اُس میں قائم ہے کیونکہ وجہ شبہ دیکھتا ہے اور دیکھنا بغیر چشم کے متصور نہیں اُس کو فلک کے لیے
ثابت کرنا استعارہ تخیلیہ ہے۔

امیر

قتل عشاق سے باز آئی کی کھائی بن قسم | حلق ابرو کی طرف ہاتھ اٹھا کر پلکیں ہاں
پلکوں کو شخص قاتل سے تشبیہ دی ہو اور یہ استعارہ بالکنایہ ہو اور پلکوں کے لیے ہاتھ کا ثابت
کرنا جس کے ساتھ مشبہ بہ کو قیام حاصل ہو استعارہ تخیلیہ ہے۔

انیس

غم کیا طبل دفا کے بھی وہ آواز کا برس | ہو گیا جوڑک ہاتھوں کو جلا جلا خاموش
جلا جلا کے لیے ہاتھوں کا ثابت کرنا اور شخص کا ذکر جو مشبہ بہ ہو چھوڑ دینا استعارہ بالکنایہ و تخیلیہ ہے۔

جرات

گروست قضا تو دل عاشق نہ بناتا | تو یہ یہ غم عشق کسی جانہ سسمانا
قضا کو بنا نیوالے آدمی سے تشبیہ دی ہو اور یہ استعارہ بالکنایہ ہو اور دست کا اُس کے لیے
ثابت کرنا استعارہ تخیلیہ ہے اور بنانے والے شخص کے تمام میں دست کو دخل ہے۔

تیس

نرس کی کھلی نہ آنکھ یک چند | سوسن کی زبان خدا نے کی بند
نرس کو دیکھنے والے شخص سے اور سوسن کو بولنے والے شخص سے تشبیہ دی ہو اور مشبہ بہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے
پس نفس میں یہ تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہو اور دونوں کے لوازم کو کہ آنکھ اور زبان ہو مشبہ کے لیے ثابت
کیا ہو اور یہ استعارہ تخیلیہ ہو اور دیکھنے والے اور بولنے والے شخص کے قوام میں آنکھ اور زبان کو دخل ہو اور
یہاں آنکھ کی تشبیہ نرس سے اور زبان کی تشبیہ سوسن سے منقولہ نہیں جیسا کہ ماہرین فن پر واضح ہے۔

چلست

دیکھتے اُس زلف کے پہنچ میں سر سوزل بند | لعل گر نگہوں کے تین رہ گئی حیرن ز رخ
زنجی کو دیکھنے والے شخص کے ساتھ تشبیہ دے کر اُس کے لیے آنکھوں کا ثابت کرنا و مشبہ بہ کا ذکر
استعارہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے۔

کرے گوش فہم عالم در نہ کہنی ہے بہار | جو گل آیا اس چین میں ایک ن گل جائے گا
فہم عالم کو شخص سامع سے تشبیہ دیکر گوش اُسکے لیے ثابت کیا ہے۔

غازی

تھیں مژدہ ہو دیوانو مکر بھیہ ہسار آئی | کہ بوسے گل سحر دوش ہوا اوپر سوار آئی
ہوا کو شخص جمال سے تشبیہ دیکر دوش اُسکے لیے ثابت کیا ہے۔

محسن رضا

جگر غنچہ سے خون پیسے جو میری فریاد | دے ذرا نالہ بلبیل کو اثر اپنا سا
غنچہ کو شخص سے تشبیہ دیکر جگر اُسکے لیے ثابت کیا ہے۔

حالی

بظلیوس کو یاد ہے عظمت انکی | بچکتی ہے قادس میں سر حسرت انکی
حسرت کو آدمی سے تشبیہ دے کر اُسکے لیے سر ثابت کیا ہے۔

میر

آب بن کوئی بولتا ہی نہیں | آسمان دیدہ کھولتا ہی نہیں
آسمان کو رونے والے شخص سے تشبیہ دیکر اُسکے لیے دیدہ ثابت کیا ہے۔

ولہ

سنی گردش ہو اسکی ہر زمان میں | نخل ساسے دملغ آسمان میں

(۲) وجہ شبہ بدوں ان کو ازم کے شبہ میں کا مل نہیں ہو سکتی مثلاً کہیں کہ موت کے چنگل سے
بچنا محال ہے موت کی تشبیہ جانور درندہ کے ساتھ منظور ہے اور جو چیز درندے کے ساتھ خصوصیت رکھتی
ہے اُس کو موت کے دستے ثابت کیا ہے اور چنگل سی چیز ہے کہ اُس پر حیوان درندہ کا کمال
موقوف ہے کیونکہ جب تک درندہ کے چنگل نہ ہو شکار اچھی طرح پکڑ کر رداب نہیں سکتا پس موت کو
جاندار درندہ کے ساتھ تشبیہ دینا نفس میں استعارہ یا کنایہ ہے اور چنگل موت کے لیے ثابت
کرنا استعارہ تشبیہ ہے۔

انوار حسین علی

نیت کرنے ہو بسے قریب از کیسو | اپنی بوباس سے مین آپہ طریسو

کیسو کو اس بیت میں تشبیہ دیکر قریب سے تشبیہ دی ہے اور تشبیہ کو ذکر نہیں کیا ہے اور یہ استعارہ

بالکنا یہ ہے اور بوباس کہ مشک وغیر کے لوازم سے ہے اور ان کی تکمیل کا موجب ہے اس کو گیسو کے واسطے ثابت کیا ہے پس یہ استعارہ تخیلیہ ہے

اسم

سونگہ پائے گا اگر تیری شمیم زلف کو | پیٹ بکڑے آئے گا نافہ بھی تار سے

زلف کو غیر سے تشبیہ دی ہے اور شبہ بہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ اور یہ استعارہ بالکنا یہ ہے اور شمیم کا زلف کے لیے ثابت کرنا استعارہ تخیلیہ ہے اور شمیم غیر کے لوازم غیر غوسہ میں سے ہے اور اس کے کمال میں اسکو دل

مومن

لطف سے اس کے زمین غیرت باغ فردوس | خلق سے اس کے زبان رشک کان عطار

اس بیت میں لطف کو بیٹھ سے اور خلق کو رشک غیرت تشبیہ دی ہے اور شبہ بہ کو ذکر نہیں کیا ہے اور یہ استعارہ بالکنا یہ ہے اور زمین کو غیرت باغ فردوس کرنا اور زبان کو رشک دکان عطار بنانا کہ مشبہ بہ کے لوازم سے ہیں انکو لطف اور خلق کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ استعارہ تخیلیہ ہے۔

ذوق

سنوارتی ہے جو شام اپنی زلف مشکین کو | سود مشک ختن پر ہے ماکھ آہو گیسو

شام کو معشوق کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور مستوق کا ذکر ترک کر دیا ہے اور زلف کو جو معشوقہ کے لوازم مکملہ میں سے ہے اسکو شام کے لیے ثابت کیا ہے۔

میر

موسے دلبر سے شکوہ ہے تسیم پا | حال خوش اس کے خستہ حالون کا

یہاں موسے دلبر کو مشک و منہر تشبیہ دیکر شبہ بہ کے ذکر کو ترک کر دیا ہے اور رسم کو معطر کرنا جو شبہ بہ کے لوازم سے ہے اس کے لیے ثابت کیا ہے۔

ظفر

ابو سحر سے یار کے خوشبو ہے یہ دامن | ہم سوچتے نہیں کبھی عطر کھاب کو

یار کے عرق کو مشک وغیر سے تشبیہ دیکر شبہ بہ کا ذکر ترک کر دیا ہے اور خوشبو جو مشبہ بہ کے لوازم سے ہے اسکو شبہ بہ کے لیے ثابت کیا ہے۔

انجم

بہنے جس دن کہ بل و پر زینب | پہلے صیبا کا ہی گیسو دیکھا

شاعر نے اپنی ذات کو پرند سے تشبیہ دی ہے یہاں ستارہ بالکنیا ہے اور بال دہر پر جو شبہ کے لوازم
کلمہ سے بین اُسکے لیے ثابت کیے ہیں یہاں ستارہ غنیمت ہے۔

چترات

کیا کزن ہر محی عیاد کا جرات کلمہ | ادام سے چھوڑا تو چھوڑا تو گر بازو نہ تھے

قاسم علی شان قاسم

رہتے نہ استے بھی رد سے جو تھمہ پڑ ستر چہر | رہا کیا تھے عیاد نے کفر کے پر

سودا

بال ہیر ہونے نہ پائے تھے نمودار ہنوز | سب ہم گنج نفس میں ہیں گرفتار ہنوز

ولہ

آشیان سے نہ اڑے، پہونچے نہ ہم دام کس | ہمتو بے بال پری سمجھے ہیں پر سے ہتر

زمین انا بدین عارف

ہل کر گمان جھڑک مری نگلے ہی ہم صغیر | اتنا کس قدر نفس ہو کہ ہل سکتے پر نہیں

میر

تا توانی سے نہیں بال نشانی کا دماغ | در نہ تابا غنم کس مری پردہ زریک

خاک

ہوس گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا | عجب آرام دیا بے پردہ بالی نے تھے

محمد سلطان رفیر

احیاد اپ غفر سے ہیں چھوڑتا ہے کیا | گلشن میں ایک گل نہیں مان ایک نہیں

ان تمام شعروں میں شاعر نے اپنے کو پرند سے تشبیہ دی ہے اور بال دہر پر جو اسکی تکمیل کا موجب
ہیں شبہ کے لیے ثابت کیے ہیں۔

مومن

ایسا جو تڑپتا ہے حالے کہ بر تڑپا | ایسا ہا سیکے فرسودہ کردار نہ ہوگا

شاعر نے اپنے کو پرند سے تشبیہ دی ہے اور بال دہر پر جو اسکی تکمیل کا موجب ہیں ان کو ثابت کیا ہے۔

احسان

ایسا ہر گز نہ ہو سکتا | سب سے پہلے نہ ہو سکتا نہ ہو سکتا

دوران کو مشوقہ سے تشبیہ دی ہے اور زلف کو جو اس کے لوازم مکملہ میں سے ہے دوران کے لیے ثابت کیا ہے

جلی

رجع میں آیا جو ان کے تو اسے دے پٹکا پا
خوب ہی جانتے ہیں کشتی کا جو ہر گیسو پا
اس بیت میں گیسو کو پہلوان کے ساتھ تشبیہ دی ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے اور کشتی کرنے اور رجع مار کر
دے چکنے کو جو پہلوانی کے لوازم مکملہ سے ہیں گیسو کی طرف منسوب کیا ہے اور یہ استعارہ تمثیلیہ ہے۔

میر محمد ہاشم ہاشمی

دماغ آشفہ ہوتا ہے صبا نکست سے سنبھل گیا
شام آرزو میں تو کسی کا کل کی بو ہو بونجا
اس شعر میں کا کل کو مشک و عنبر کے ساتھ تشبیہ دی ہے اور شبہ بہ کو ذکر نہیں کیا ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہے
اور بو کو کہ لوازم مشک و عنبر سے ہے کا کل کے لیے ثابت کیا ہے اور یہ استعارہ تمثیلیہ ہے۔

اخگر

نہ کھلاناخن تدبیر سے یہ عقدہ دل
ہئے اسکو گرہ زلف معنبر جانا

روشن علی شوق

عقدہ دل نہ کھلاناخن تدبیر کے سقم
آخرش کام پڑا نچہ تقدیر کے ساعہ
(۳) اُن لوازم کو نہ وجہ شبہ کے کامل کرنے میں کچھ دخل ہو اور نہ قائم کر لے میں۔

محشر

اہم نوا یور ہو خوش محشر نے
آشیان باندھا ہے صحر کے پر سے
شاعر نے اپنی فات کو پرند سے تشبیہ دی ہے اور اس کے واسطے آشیان ثابت کیا ہے اور گھول سے کو وجہ
شبہ کی تکمیل و قوام میں کچھ دخل نہیں کیونکہ وجہ شبہ بیان بقراری اور جلدی پہنچنا ہے اپنے لیے گھول
ثابت کرنا استعارہ تمثیلیہ ہے اسی قبیل سے ہے یہ شعر۔

جعفر علی حسرت

آشیان چھوڑ چلے اچھن آراہم تو
تو ہی لیجا یو سر ہدیہ گلستان اٹھا

ظفر یار خان راسخ

اے غل بند گلشن بیان اپنا آشیان ہے
اسکی نہ فصل گل میں زہار توڑ ڈالی

میر

قید نفس میں ہیں تو خدمت سے نا لگی کی
گلشن میں ہئے تو ہو کو منصب تھار و ضہ خوان کا

ولہ

مزا دکھا ئینگے بیرحمی کا تری صیام
گراضطراب اسیری نے زیر دام لیا

ولہ

چمن کا نام سنا تھا دے نہ دیکھا ہائے
جہان میں پہنے نفس ہی میں زندگانی کی

ولہ

پہنے بھی سیر کی تھی چمن کی پر اسے نیم
اڑتے ہی آشیان سے گرفتار ہو گئے

سودا

لذت دی نہ اسیری نے صیاد کی بے پردائی سے
ان تمام اشعار میں شاعر دن نے اپنے کو پرند سے تشبیہ دی ہو اور اس کے واسطے کھو نہ لایا نفس یا دام وغیرہ ثابت کیا ہے۔

غلام محمد خان رٹا

پتے ہر نل سکتے یا ذریعہ سموریان میں
بقین برقر سے اپنی دھوان محشر تلک سکتا
شاعر نے اپنے دل کو نیم سے تشبیہ دی ہو اور اس کے ساتھ سکتے اور دھوان نکلنے کو جو نیم کے
لوازم سے ہن ذکر کیا ہے۔

درد

شام ہی ہو چکے کہیں اب تو
اشیائے کورات جاتی ہے
مات کو طائر سے تشبیہ دی ہو اور یہ استعارہ بالکنایہ ہو اور آشیانہ ثابت کرنا کہ مشبہ بہ کہ
لوازم غیر مقومہ وغیرہ کلمہ سے ہو استعارہ تخیلیہ ہے۔

میر

جو پوئی قیامت نواہ و قحان ہے
مرے ہاتھ میں دامن آسمان ہے
آسمان کو آدمی سے تشبیہ دیکے اس کے واسطے ثابت کیا ہو مشبہ بہ کے ایسے لوازم سے جو نہ کل مقوم
مرزا حسام الدین حیدر نامی

کلام اسکو نہیں کچھ رنج نیکو سے کسی کے
وابتہ ہو حلقہ کیسوت کسی کے
کیسو کو رن سے تشبیہ دی ہو اور مشبہ بہ کو ذکر نہیں کیا ہے یہ استعارہ بالکنایہ ہو اور حلقہ کے لیے
ثابت کیا ہو یہ استعارہ تخیلیہ ہے اور حلقہ سی کے نہ لوازم مقومہ سے ہو اور نہ کلمہ سے۔

مرزا

اگر زلف دراز یار میں ہے صد گرہ مرزا دل صد چاک ہم بھی یہ بیان نہ رکھتے ہیں

زلف کو رس سے تشبیہ دی ہو اور مشبہ کو چھوڑ دیا ہو یہ استعارہ بالکنایہ ہو اور گرہ کو چورسن کے لوازم غیر مقومہ وغیرہ کلمہ سے ہر اس کے لیے ثابت کیا ہو یہ استعارہ تخیلیہ ہے۔

انعام اللہ خان لقین

کیا قیدی شروع گل میں اور پرواز اول میں اندی فرصت زمانے کے ہمیں دھوین بجائے گی

شکلم نے انبی جان کو بیکل سے تشبیہ دے کر اس کے واسطے قید کو ثابت کیا ہو اور اسی مناسبت سے گل کا ذکر لایا ہو مگر اس کو بیل کے قوام اور تکمیل میں کوئی دخل نہیں پر باز کو اس کی تکمیل میں دخل ہے۔ ہر صورت ان مثالوں میں جو جو لوازم مشبہ بہ متروک کے مشبہ کے لیے ثابت کیے گئے ہیں وہ سب لفاظ حقیقی طور پر اپنے معانی موضوع لہ میں مستعمل ہیں اور کلام میں مجاز لغوی نہیں کیونکہ مجازیہ ہے کہ لفظ معنی غیر حقیقی میں استعمال کیا جائے اور استعارہ بالکنایہ اور استعارہ تخیلیہ شکلم کے افعال میں سے دو فعل ہیں ایک یہ کہ وہ اپنے نفس میں تشبیہ دیتا ہو اور دوسرے یہ کہ مشبہ بہ کے لوازم کو مشبہ کے لیے ثابت کرتا ہے اور ان دونوں میں سے ایک کو دوسرا لازم ہو اسی لیے کہ تخیلیہ کے لیے واجب ہو کہ مکنیہ کا قرینہ ہو اور مکنیہ کے لیے واجب ہو کہ تخیلیہ کا قرینہ ہو۔

قدما کا مذہب یہ ہو کہ جو چیز متروک ہوتی ہو وہ مشبہ بہ ہو اور جو مذکور ہوتی ہو وہ مشبہ ہو جیسے اس شعر میں میر سید حسین ایما کے۔

سکڑ زبان تیغ سے مجھ سخت جالکا حال | خنجر بھی بے جامے سے باہر نکل گیا

شخص شکلم کے ساتھ تیغ کو تشبیہ دی ہو پس لفظ مستعار شخص شکلم ہو اور مستعار منہ معنی اس کے اور مستعار لہ تیغ بیہ جیسے شیر کا استعارہ مرد شجاع کے واسطے مگر لفظ مستعار کی تصریح نہیں کی فقط اس کا لازم ذکر کیا ہو اور وہ زبان ہے تاکہ لازم کے سبب سے ملزوم کی طرف ذہن منتقل ہو جائے اور تصریح نہ کرنا کنایے کی شان سے ہو پس اب شکلم استعارہ بالکنایہ ہو نہ وہ تشبیہ جو دل میں ٹھہرائی ہوئی ہے اور اس کا صاحب مفتاح العلوم نے کہا ہو کہ استعارہ بالکنایہ لفظ مشبہ مذکور ہو جو مشبہ بہ محذوف میں مستعمل ہے باین ادعا کہ یہ مشبہ میں مشبہ بہ ہے پس مثال مذکور میں تیغ سے مراد شخص شکلم ہو بسبب اس بات کے کہ شکلم کے ثبوت کا اس کے لیے دعوے کیا جاتا ہو اور یہی سمجھ کر اس کی طرہ زبان کی نسبت کی جاتی ہو جو شکلم کے خواص میں سے ہو پس متبہ یعنی تیغ کو ذکر کر کے مشبہ پر یعنی شکلم کا ارادہ کیا جاتا ہے بخلاف

مؤلف تلخیص کے کہ اُس کے نزدیک تیغ سے تیغ حقیقی مراد ہر پس مثال مذکور میں سکا کی کے مذہب کے مطابق استعارہ بالکنایہ کی تقریر یوں ہوگی کہ تیغ کو کہ وہ تیغ مجرد ہے حقیقی حکم کے ساتھ تشبیہ دی ہوگی اور تیغ کے حکم ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ تیغ حکم کے افراد میں سے ایک فرد ہو اور تیغ حکم سے متعارف نہیں اور حکم کے لیے دو فرد ہیں ایک فرد متعارف دوسری فرد غیر متعارف پس یہ دوسری فرد تیغ ہے جسکی نسبت حکم ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو اور شبہ یعنی تیغ کا لفظ اس قسم غیر متعارف یعنی تیغ کے لیے جسکے حکم ہونے کا دعویٰ کیا ہو مانگا گیا ہے پس اس صورت میں یہ بات پایہ صحت کہ پہونچ گئی کہ تیغ جو تشبیہ کی ایک طرف یعنی مشبہ ہے بولے اور اس سے تشبیہ کی دوسری طرف یعنی مشبہ بہ کہ وہ حکم ہو فی الجملہ مراد لی گئی سکا کی نے استعارے کی اس طرح تقسیم کی ہے ایک استعارہ بالتصریح جسکو استعارہ مصرحہ بھی کہتے ہیں دوسرا استعارہ بالکنایہ استعارہ مصرحہ سے مراد ہے کہ طرفین تشبیہ میں سے شبہ بہ مذکور ہو اور پھر استعارہ مصرحہ کی دو قسمیں ہیں ایک حقیقیہ اور تخیلیہ تحقیقیہ یہ ہے کہ شبہ متروک متحقق ہو خواہ باعتبار حس کے خواہ باعتبار عقل کے اور تخیلیہ یہ ہے کہ اُس کے معنی نہ باعتبار حس کے متحقق ہوں نہ باعتبار عقل کے بلکہ محض صورت وہی ہو جس کو تخیل نے وہم کی مدد سے اختراع کیا ہو مثلاً سید حسین ایما کے شعر میں جب تیغ کی تشبیہ شخص حکم کے ساتھ حال کے بیان کر لے میں دی گئی تو وہم نے تیغ کو حکم کی صورت پر سمجھ کر حکم کے لوازم اس کے لیے اختراع کر لیے اور اس لیے اُسے یہ حکم کی سی زبان تجویز کی حالانکہ زبان کے معنی تیغ میں متحقق نہیں نہ باعتبار حس کے اور نہ باعتبار عقل کے اور جبکہ وہم نے شبہ کے لیے مشبہ بہ کی طرح زبان اختراع کر لی تو اس اختراعی صورت پر زبان کے لفظ کا اطلاق کیا گیا پس یہ استعارہ تحقیقیہ کے قبیل سے ہوگا اس لیے کہ شبہ یعنی زبان حقیقی کا نام مشبہ بہ پر کہ وہ صورت وہی ہے اطلاق کیا گیا ہے کیونکہ اس صورت وہی کو زبان حقیقی سے مشابہت حاصل ہے اور اس بات کا قرینہ کہ بیان معنی حقیقی مراد نہیں زبان کو تیغ کی طرف منسوب کرنا ہے سکا کی کے نزدیک تخیلیہ استعارہ بالکنایہ کے بغیر بھی پایا جاتا ہے پس اُس کے نزدیک تشبیہ تیغ کی حکم سے واقع ہوئی ہے اور استعارہ لفظ زبان میں ہے تیغ میں استعارہ بالکنایہ نہیں مگر قضا کا یہ مذہب ہے کہ استعارہ تخیلیہ استعارہ بالکنایہ سے نہیں چھوٹ سکتا اور اُس کے نزدیک زبان تشبیہ کے لیے ترشح ہے نہ استعارہ تخیلیہ۔

بعض استعارہ تخیلیہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں احتمال تحقیقیہ و تخیلیہ دونوں کا ہوتا ہے مثلاً۔

آغا شاعر قزلباش دہلوی

ا کہیں ایسا نہ ہو جو نکاح چھڑا لگ جائے | اہاں تری خیر رہے پار یہ بڑا لگ جائے

برکھارت

تاوین میں کرگوں مگار ہی ہیں | موجوں کے تھپڑے کھا رہی ہیں

تھپڑا ہاتھ سے وقوع میں آتا ہے اور ہاتھ شخص سے خصوصیت رکھتا ہے پس موجوں کو اول ل میں شخص کے ساتھ تشبیہ دے کر ان کے واسطے ہاتھ ثابت کیا اور قرینہ ثابت کرنے کا لفظ تھپڑا ہے کیونکہ ہاتھ سبب ہے تھپڑے کا یہاں سے ثابت ہوا کہ استعارہ تخنیلیہ میں جو چیز کہ مشبہ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو اہل جگہ اسکا مستنبط ہے بھی قرینے کے واسطے مذکور ہوتا ہے پس اگر یہاں استعارہ موجوں اور شخص میں فرض کریں تو استعارہ بالکنایہ ہے اور ہاتھ ان کے واسطے ثابت کرنا استعارہ تخنیلیہ ہے اور اگر موجوں کے صدمے کو تھپڑے سے تشبیہ دین تو یہ استعارہ تحقیق ہو جائے گا اور استعارہ بالکنایہ باقی نہیں رہے گا کیونکہ یہاں کسی کے واسطے ہاتھ ثابت نہیں کیا۔

مولوی ذکا اللہ صاحب تاریخ ہندوستان میں آصف الدولہ کی طرف سے داران ہشتنگز کے نام لکھتے ہیں کچھ تھوڑی سی سپاہ میرے پاس رہ گئی ہے جو ملک سے خراج وصول کرتی ہے سب کے گھر میں فلتے کا گھر رہتا ہے، اگر فلتے کو شخص فرض کریں اور اسکے واسطے گھر ثابت کریں تو استعارہ بالکنایہ اور تخنیلیہ ہے اور اگر فلتے کے اثبات اور ممکن کو گھر کرنے سے تشبیہ دین تو استعارہ تحقیق ہے۔

درد

بنی گئی کتنوں کے لوہو تیری | غم ترا کتنے کلچے کھا گیا

اگر محبوب کی یاد اور غم کو جانور دندہ سے تشبیہ دین اور اسکے واسطے خون پینا اور کلچے کھانا ثابت کریں تو یہ استعارہ بالکنایہ اور تخنیلیہ ہے اور اگر لوہو پینے اور کلچے کھانے سے تشبیہ کے طور پر ہلاک کرنا مقصود ہو تو یہ استعارہ تحقیق ہے۔

ہوش

تمھاری مانگ لے لوٹا ہے ہوش صبر و قرار | لٹا ہے شام کے رستے میں قافلہ دل کا

اگر مانگ کو شخص فرض کر کے اسکے واسطے لوٹنا ثابت کریں تو یہ استعارہ بالکنایہ اور تخنیلیہ ہے اور اگر صبر و قرار کے کھونے کو لوٹنے سے تشبیہ دین تو استعارہ تحقیق ہے۔

دل کسی یاد مخالف سے نہ کھلا یا کبھی | اپنی دوران سے جتوں بہ نہ میل آیا کبھی

اگر دل کو کلی فرض کو بن اور اسکے واسطے نہ کھلانا ثابت کریں تو استعارہ بالکنایہ و تخنیلیہ ہے
اگر دل کے غنیدہ ہونے کو کھلانے سے تشبیہ دین تو استعارہ تحقیقیہ ہے۔

ولہ

کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے | گل بین نظرون بین داغ بن تیرے

اگر باغ کو حیوان درندہ سے تشبیہ دیکر اسکے لیے کاٹنا ثابت کیا جائے تو یہ استعارہ بالکنایہ و استعارہ
تخیلیہ ہے اور اگر باغ کے برآمدہ ہونے کو کاٹے کھانے سے تشبیہ دی جائے تو یہ استعارہ تحقیقیہ ہے۔

وحید

لہاری ہے بسکہ خوف علمدار نامور | اگر گر کے رگ بھاگ ہے ہن اوسر اوسر

اگر بتون کو ذی روحون سے تشبیہ دیکر ان کے لیے بھاگنا ثابت کیا جائے تو یہ استعارہ بالکنایہ و استعارہ
تخیلیہ ہے اور اگر بتون کے اڑنے کو بھاگنے سے تشبیہ دیکر اسے تو یہ استعارہ تحقیقیہ ہے۔

سودا

اور میرا سخن آفاق میں تا یوم قیام | رہے گا سبز ہر جمع و ہر یک نکل

اگر سخن کو درخت فرض کو بن اور اسکے واسطے سرسبز رہنا ثابت کریں تو یہ استعارہ بالکنایہ و
تخیلیہ ہے اور اگر قدر و منزلت پائے کو سرسبز بننے سے تشبیہ دین تو یہ استعارہ تحقیقیہ ہے۔

درد

نظر میرے دل کی پڑے درد کس یا | جدھر دیکھنا ہوں وہی رو بردہ ہے

دل کو آدمی فرض کر کے اسکے لیے نظر ثابت کی یہ استعارہ بالکنایہ و تخنیلیہ ہے اور اگر دل کے لغت
ہونے کو دل کی نظر پڑنے سے تشبیہ مانیں تو یہ استعارہ تحقیقیہ ہے۔

میر

آہ جس وقت سراٹھاتی ہے | عرش پر بر جھیاں چلاتی ہے

اگر آہ کو شخص فرض کو بن اور اسکے واسطے سراٹھانا اور بر جھیاں چلانا ثابت کریں تو استعارہ
بالکنایہ و تخنیلیہ ہے اور اگر زور کرنے کو سراٹھالے اور اتر کر لے کو بر جھیاں چلانے سے تشبیہ دین
تو استعارہ تحقیقیہ ہے۔

ولہ

ہست دور کوئی رہا ہے مگر | کہ فریاد میں ہے جس زور سے

اگر جس کو شخص فرض کریں اور اس کے واسطے فریاد ثابت کریں تو یہ استعارہ بالکنایہ و تخنیلیہ ہے اور اگر ایسا فریاد سے تشبیہ دین تو استعارہ حقیقیہ ہے۔

سودا

سوز میدان قدم اپنا تو جہان گارے ہی آوہ کا سینہ بچھے دیکھ ترا استقلال
اگر قدم کی تشبیہ نیز سے فرض کریں اور اس کے واسطے گارے ثابت کریں تو یہ استعارہ بالکنایہ و تخنیلیہ اور اگر قدم کے اثبات و ٹکرن کو گارے سے تشبیہ دین تو یہ استعارہ حقیقیہ ہے۔
یاد رکھو کہ ایسی صورتوں میں استعارہ حقیقیہ کے احتمال کے وقت استعارہ بالکنایہ کا باقی نہ رہنا صاحب تلیف کے مذہب کے موافق ہے کیونکہ اس کے نزدیک استعارہ بالکنایہ کا قرینہ سوائے تخنیلیہ کے اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی اور جبکہ نزدیک استعارہ حقیقیہ بھی استعارہ بالکنایہ کا قرینہ ہو سکتا ہے اُن کے نزدیک استعارہ بالکنایہ باقی رہتا ہے مثلاً۔

ظفر

آکے در پر سے مرے پھر گیا وہ غیر کے گھر عہد دیماں تھا جو مجھے وہ بالکل ٹوٹا
عہد کے ٹوٹنے سے عہد کا باطل ہونا مراد ہے شاعر نے عہد کو ذہن میں رسی سے تشبیہ دی ہے اور یہ باطل ہونا امر حقیقی ہے کہ عہد اور ٹوٹی ہوئی رسی دونوں میں متحقق ہے۔

نسیم

ناتاہر لون سے اُس نے توڑا رشتہ اک آدمی سے جوڑا
یہاں ناتاہر کے توڑنے سے اس کا باطل کرنا مراد ہے یہاں بھی ناتاہر کو ذہن میں رسی سے تشبیہ دی ہے

مستوی سعیدین

ضعف نے پکڑا نبض چھوٹ گئی برہمہ نئی یاس آس ٹوٹ گئی
شاعر نے آس کو ذہن میں رسی سے تشبیہ دی ہے اور آس کے ٹوٹنے سے مراد اس کا باطل ہونا ہے۔

سودا

جوہر کو جوہری اور صرف زر کو زر کہے ایسا کوئی نہ دیکھا وہ جو بشر کو برکھے
بشر کے پرکھنے سے بشر کی اچھی بری طرح لیاقت کا معلوم کرنا مراد ہے شاعر نے ذہن میں بشر کو زر و
جوہر سے تشبیہ دی ہے اور اچھا بُرا ہونا امر حقیقی ہے کہ زر و جوہر اور بشر و لون میں متحقق ہے۔
جبکہ کہ تیغ رکھنے لگا ہے پاس میرا مسدود طع کی تھی تجھی اس جوان کے

پانچواں چمن استعارے کے حُسن و خوبی کے شرائطِ مین

استعارہ تحقیقہ اور تشبیل بطریق استعارہ کی حُسن و خوبی اس میں ہے کہ وجہِ تشبہ مستعار لہذا و مستعار
کو شامل ہو اور تشبہ غرض مقصود کے بیان کرنے کے لیے کافی ہو اور وجہِ تشبہ متبذل نہ ہو اور اس کے
الفاظ سے تشبہ پر دلالت نہ ہوتی ہو اگر الفاظ تشبہ پر دلالت کرتے ہوں گے تو استعارے کی غرض
فوت ہو جائے گی کیونکہ استعارے سے یہ غرض ہوتی ہے کہ مشبہ بہ کی جنس میں مشبہ کے دخل ہوئے کہ
ادعا کیا جائے اور تشبہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مشبہ بہ وجہِ مشابہت میں مشبہ سے اقویٰ ہو
پس اگر استعارے کے الفاظ تشبہ پر دلالت کرتے ہوں گے تو مشبہ کے بعینہ مشبہ بہ ہونے کا ادعا صورت
پذیر نہ ہو سکے گا۔ اور وجہِ مشابہت مستعار لہذا و مستعار منہ میں جلی ہونی چاہیے اگر جلی نہ ہوگی تو استعارہ
چیتان اور معما بن جائے گا کیونکہ جب کہ لفظ میں کوئی ایسی چیز نہ ہوگی جو تشبہ پر دلالت کرتی ہو تو
تشبہ میں پوشیدگی آجائے گی اور جبکہ وجہِ تشبہ میں بھی پوشیدگی ہوگی تو پوشیدگی پر پوشیدگی ہو جائے گی
میں نہایت اشکال پیدا کر دے گی اسوجہ سے استعارے میں وجہِ تشبہ جلی ہونی چاہیے اگر کوئی کہے کہ
میں نے شیوہ کیا اور مراد اس کی ایسا آدمی ہو جس کے منہ سے بد بو آتی ہو تو یہاں وجہِ تشبہ مستعار لہذا و مستعار منہ
دونوں میں خفی ہو اس لیے کہ گو شیر کے منہ میں بد بو آتی ہے مگر جب انسان کو اس سے تشبہ
دی جاتی ہو تو مشابہت کی وجہ یہ منظور نہیں ہوتی بلکہ شجاعت جو اس کو لازم ہے وہ مقصود ہوتی ہے
اور سننے والے کا ذہن اسی طرف منتقل ہوتا ہے پس انشا پر داندون کو خیال رکھنا چاہیے کہ جہاں
وجہِ مشابہت خفی ہو اسے استعارے کے کام میں نہ لائیں تشبہ کے طور پر استعمال کریں اس سے
ظاہر ہو کہ تشبہ عام ہے اور استعارہ خاص ہے کیونکہ جن سواد میں استعارہ عمل میں آتا ہے وہاں
تشبہ بھی ہو سکتی ہے اور بعض صورتیں ایسی ہیں کہ وہاں تشبہ تو بن سکتی ہے مگر استعارہ نہیں
بن سکتا کیونکہ جائز ہے کہ وجہِ تشبہ جلی نہ ہو اور جب وہ جلی نہ ہوگی تو وہاں استعارہ چیتان اور معما
ہو جائے گا پس جہاں وجہِ تشبہ جلی نہ ہو وہاں استعارہ بہتر نہیں تشبہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیے
اور جبکہ وجہِ تشبہ طرفین میں نہایت قوی ہو یہاں تک کہ اس کی وجہ سے دونوں ایک سے سمجھے جائے
ہوں اور جو کچھ ایک سے سمجھا جاتا ہو دوسری دوسرے سے سمجھ میں آئے تو ایسے موقع پر تشبہ بہتر نہیں
استعارے کے طور پر کام میں لانا چاہیے کیونکہ تشبہ سے کلام میں خوبی حاصل نہ ہوگی اور استعارہ
بنانے سے حُسن پیدا ہو جائے گا جیسے علم در نور کہ ان دونوں میں وجہِ تشبہ نہایت ہے اور اس کی وجہ

سے ان دونوں میں بکثرت تشبیہ واقع کی جاتی ہے یہاں تک کہ علم سے وہی معنی متبادر ہوتے ہیں جو نور سے لیے جاتے ہیں اس وجہ سے دونوں لفظ متحد معلوم ہوتے ہیں پس ایسے موقع پر استعارہ کرنا بہتر ہوتا ہے کیونکہ تشبیہ کی صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شے کو اپنے نفس کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ اور استعارہ بالکنایہ کی خوبی اس میں ہے کہ وجہ شبہ طرفین کو شامل ہو اور تشبیہ افادہ غرض کی ہے کافی ہو اور استعارہ تخیلیہ کی خوبی استعارہ بالکنایہ کی خوبی پر موقوف ہے کیونکہ وہ اسی کا تابع ہے علیحدہ اس میں تشبیہ نہیں ہو پس استعارہ بالکنایہ اچھا ہوگا تو یہ بھی اچھا ہوگا۔

۱۔ تیسرا باب مجاز مرسل کے بیان میں

محقق فرمے کہ جو لفظ سوائے معنی موضوع لہ کے اور معنی میں مستعمل ہو اور وہاں کوئی قرینہ نہ پایا جائے جو اصل معنی مراد لینے سے مخاطب کو ردک دے اور اُن دونوں معنی میں کوئی علاقہ سوا سے علاقہ تشبیہ کے ہو اسکو مجاز مرسل کہتے ہیں اور جو علاقہ مجاز مرسل میں درمیان معنی اصل حقیقی درمی مجازی کے ہوتا ہے اسکی تسمین ۲۴ کے قریب ہیں اُن میں سے یہاں تھوڑی سی کثرت استعمال تسمین ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) جو لفظ کل کے واسطے وضع کیا گیا ہو اسکو جز کے لیے استعمال میں لائیں جیسے۔

فوق

جون پنجشاخہ تو نہ جلا انگلیاں طیب

لکھ رکھ کے نبض عاشق لفتہ جگر یہ ہاتھ

ظاہر ہے کہ نبض پر سارا ہاتھ نہیں رکھا جاتا صرف پور میں ہی انگلیوں کی رکھی جاتی ہیں جنکا ذکر پہلے مصرع میں

مذاق

اگر کے کوئی یا علی جس در

بھاگیں کانوں میں انگلیاں کھ کر

کان میں انگلیاں ساری نہیں رکھتے بلکہ پور رکھی جاتی ہیں یا کہ میں فلان شخص کے ہاتھ میں سانس کاٹا کھا رہا ہے کہ کسی انگلی میں یا خاص ایک جگہ کاٹا ہوگا نہ سارے ہاتھ میں۔

ناسخ

اسٹی سے ہو رہا ہے جو اسکا دہن کبود

ایان سنگ کو دکا ج ہے سارا بدن کبود

دہن بونے اور مراد اس سے دندان و لب ہیں کیونکہ انھیں دونوں کو کبود کیا جاتا ہے نہ سارا بدن و (۲) جو لفظ جز کے واسطے وضع ہوا ہو اسکو کل کے واسطے بولیں جیسے سو یا تھوڑا کچھ کو اٹھ دین

اور کلمے کا اطلاق اشہد ان لا الہ الا اللہ کرتے ہیں۔

ظفر

حق سے رسائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو
اپنی بھلائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو
بگڑی بنائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو
غم سے ربائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

دل کی صفائی چاہو تو کلمہ پڑھا کرو

اور جیسے اس شعر میں عبرت کے لفظ سے سردار مراد ہے حالانکہ سر ایک جزیرہ سردار کا ہے

سرد سرخیل مقبولان در گاہ
ہے اپنے عصر کا سید حسن شاہ

پیش

سر مرسلین سرور جزو دکل
شفیع الامم سر و باغ سبیل

حسین علیخان محو

سنگ پھینکے ہے مری قمر گل کے پیر
گالیاں دیکھے ہیں مرگ بھی قل کے پیر

قل مراد ہے فاتحہ یعنی آیات و کلمات معروف سے اور قل ایک جزیرہ انکا۔

ظفر

انہیں بر صورت اخلاص اس سے تو پاوے تو
ظفر پڑھ کر قل عوذ بر ب الناس مانی پر

قل عوذ بر ب الناس سے پوری سورت مراد ہے۔

سلطان خان سلطان

جس جا جو بیل بل بل سے جگہ نہ تھی
ان باسے ایک برگ نہیں ایک نہیں

برگ سے مرد دل سے مراد بیل ہے۔

رشد

خول عضل تساند تو آشین بزم سبیل
اشت پر کے واسطے کافی ہیشت غا رخس

اشت پر سے مراد تمام مہم بلیل ہے اور فقط بارود ستورہ کے لئے کیئے وضع ہوا ہے اور اب اس کا
اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جو ستورہ و کوئٹہ اور گندک سے ملزمتی ہے۔

سودا

آج آتش فتنہ کے شر سے بے سلسلہ
بارود کا تہ تو وہ زمین اور آسمان

در کمال اطلاق بدن پہ چلی کی قبیل سے ہو گیا کہ بدر دراصل خیال در سینے کے سننے میں ہے۔

محمد حسین آزاد

جسم پر نور میں رہتے ہوئے جامہ کالا برہمن جبہ عسری سر پہ عمامہ کالا

(۳۳) جو نقطہ مسبب کے واسطے موضوع ہوا اسکو مسبب پر استعمال کریں اسی مثال میں یہ فقرہ فسانہ عجائب گوشہ نشینی میں سالہاسے دراز بسر کی گرم دسروزمانہ دیکھا شام غم خوش ہو کے سحر کی "گرمی دسروی بسبب انقلاب زمانہ کے پیدا ہوتے ہیں انقلاب بسبب ہوا اور گرم دسرو مسبب۔

موسم

ساقیادے چاک آب آتش رنگ گرم دسروزمانہ سے ہون بتنگ

حالی

ہنر کا جہان گرم بازار ہے اب جہان عقل و دانش کا بہوار و اب

گرم بازاری سے مراد ترقی ہے ترقی بسبب ہے گرم بازاری کا۔

اس کا کوئی گود کا پالا نہ تھا گھر میں کوئی گھر کا اُجالا نہ تھا

گھر کا اُجالا فرزند کی جگہ لایا ہے فرزند اُجالے کا بسبب ہے اُجالا مسبب ہے۔

ذوق

اہر ایک خاں ہر گل ہر گل یک ساغریش ہر ایک دشت چمن ہر چمن بہشت نظیر

ساغرشاب کی جگہ ساغریش ہوا شراب بسبب ہے عیش مسبب ہے۔

میر

بھاگے پھرے پلنگ نمر ہا پنے لگے رکش جو ہونے کو تھے سو منہ ڈھانپنے لگے

ہا پنے سے مراد بھاگنا ہے ہا پنا بھاگنے کا بسبب ہے اسی قسمل سے ہے یہ بھی جو بعض آدمی روزمرہ میں کہتے ہیں کہ "تاج برستا ہے" ظاہر ہے کہ پانی برستا ہے لیکن پانی کا برستا بسبب ہے تاج کے اُگنے کا۔

(۳۶) سب کو بجائے مسبب کے بولیں جیسے کہیں کہ یہ بادل خوب برسا برسا شان سے پانی کے ہے اور بادل پانی کے برسنے کا بسبب ہے۔

شہیدی

نوشہیدی ابر سے کہ وہ شراب پیتے ہوں جن جگہ اہل جبارس دین جبارس دین جبارس دین جبارس

یا کہیں گریون میں اس مکان میں سورت آجاتا ہے یعنی دھوپ آجاتی ہے سورج بسبب ہے اور دھوپ مسبب ہے۔

ناسخ

اس قدر کھایا تری فرقت میں غم | دل ہمارا زندگی سے سیر ہے
سیر ہونا بیزار ہونے کے معنی میں | ہر اور سیری غذا سے بیزاری کا سبب ہوتی ہے۔

درد

عاشق بیدل ترایان تک توجی نہ پھیل | زندگی کا اُسکو جو دم تھا دم شمشیر تھا

محمد سبک شہور

غضب آنکھیں تم ابرو عجب منہ کی صفائی ہے | خدا نے اپنے ہاتھوں کی صورت بنائی ہے
ہاتھ سے مراد قدرت ہے قدرت سبب ہے اور ہاتھ اُسکا سبب۔

میر

نکو ہے آٹھ ہر حرف و حکایت اُن کا | بازو جانو ہوا آنکھیں چشم حمایت اُن کا
بازو سے مراد مدد گار ہے بازو سبب ہے مدد گاری کا۔

وحید

ہے بازوے امام زمان عازم و غلا | شیر آئے گا اسی طرف اے فوج رقیبا
جرائی اور سیری ایک ذات اک ان کا دفع ہے امیر خمار و نشہ میں | دونوں کو کھویا ہائے کیا بکھیا
خمار و نشہ سے مراد غفلت ہے اور یہ غفلت کا سبب ہیں۔

(۵) کسی چیز پر کسی اسم کا اطلاق باعتبار زمانہ سابق کے کر میں مثال اسکی یہ ہے کہ کوئی شخص
ایران کا رہنے والا عرصہ دراز سے ہندوستان میں بود و باش رکھتا ہوا سکوا ایرانی کہیں چنانچہ سودا کا
شمار دیکھ کر حق میں کہتا ہے۔

تھا اہل ولایت سے وہ اور شاہ عالم | اُسکا بھجان ہونہ سکا کوئی گلو گیسر
حالانکہ سودا نے دہلی میں برادرش بانی غنی اُنکے باپ مرزا یان کابل سے تھے۔

اوج

اطاعت اور خداوندی کی جب نسبت بچھری | تو اس ناجیز مشیت خاک کا پھر امتحان کیوں ہو
انسان پوشیت خاک سے تعمیر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ وجود حاصل ہونے سے قبل خاک تھا خاک سے بنایا ہے۔

معصوم علی

تو نے برپا کیے ہیں یہ افلاک | خاک کو تو نے دی یہ صورت پاک

شایان

عطا کی وہ مٹی کو عقل و تمیز | ہوئی شکل یوسف جو ہر دل غنیمت
 (۶) کسی شے پر کسی ایسے نام کا اطلاق کریں کہ زمانہ آئندہ میں وہ نام اس پر صادق آجائے
 جیسے کسی طالب علم کو اس نظر سے کہ زمانہ آئندہ میں پڑھ کر عالم ہو جائے گا مولوی کہیں یا کسی مجرم کو
 جس کی نسبت شرابے موت کا حکم ہو گیا ہو متوفی کہیں یا کوئی شخص راہ سفر کا رکھتا ہو اسکو مسافر کہیں

ایس

بیزار میں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا | سچ ہی کوئی مردے سے محبت نہیں کرتا
 یہ قول ہے حضرت فاطمہ صغریٰ کا جو نہایت بیمار تھیں اپنے آپکو مردہ فرمایا ہے۔

ولہ

اب شہر میں اک دم ہو ٹھہرنا مجھے دشوار | سین پابرکاب اور ہو تم صاحب زار
 چونکہ قصہ سفر تھا اس سبب سے پابرکاب فرمایا۔
 (۷) ہر طرف کو بجائے منظوف کے استعمال کریں ظرفیت کے علاقے کی وجہ سے جیسے اس مثال میں

میر حسن

پلا سا قیاسا غریبے لظیر | بھنسی دام ہجران میں بدر شیر
 ساغر سے مراد شراب ہے جو منظوف ہے۔

نظام احمد انداز

سو جیتی ہی نہیں بوتل کے سو کچھ ہکو | تکلف ہوتا ہے جو گھنگور گھٹا ہوتی ہے
 بوتل سے مراد شراب ہے۔

منشی عبدالخالق خلیق دہلوی

اور قوموں کو ترنی ہے منزل انکوا | لاسکے راہ پہ قندھار نہ کا بل انکوا
 قندھار و کابل سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان مقاموں میں رہتے ہیں۔

اور اسی قبیل سے ہے ہانڈی کا پکنا اور چراغ کا چلنا اور پرنالے کا چلنا اور نہر کا جاری
 ہونا اور ندی کا چڑھنا کیونکہ درحقیقت وہ چیز پکتی ہے جو ہانڈی کے اندر موجود ہوتی ہے اور
 چراغ میں تیل اور تہی جلتے ہیں اور پرنالے میں پانی چلتا ہے اور نہر میں پانی جاری ہوتا ہے
 اور ندی کا پانی چڑھتا ہے۔

ناسخ

نسب جلالتے ہیں جس طرح پہ چراغ
بار پائے ہیں جس طرح پہ چراغ

میر حسن

الب نہر پر صاف جو غور کی پٹ
کو پڑی تھی وہ ایک بلور کی
اگرے اُس میں فوارے چھٹتے ہوئے
ہوا بیج موتی سے ٹپکتے ہوئے

پرمیم نامہ راجہ

راخون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا
دل کا فوارہ اُچھلتا ہی رہا

میر

اے سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا
اُس باد نے ہمیں تو دیا سا بھاد دیا

مولوی عبدالحلیم شررا نے ایک مضمون میں لکھتے ہیں ”اسکی کامیابیاں زمانے کو چونکا چونکا کرتی ہیں
لیکن کہ انسان کا حوصلہ ان چھوٹے اور کمزور ہاتھ پیردن پر ترقی دینے سے کس درجہ وسیع ہو سکتا ہے
مطلب یہ ہے کہ اہل زمانہ کی جگہ زمانے کا استعمال کیا ہو یعنی اسکی کامیابیاں اہل زمانہ کو لے۔“

برکھارت

اندی نالے چڑھے ہوئے ہیں
تیرا کون کے دل بڑھے ہوئے ہیں

میر

جیسے دریا اُبتے دیکھے ہیں
یاں سویرا لے چلتے دیکھے ہیں

مولوی محمد معین

نظرون ہی سے ہو گی نہ جاری
جل لکھینا کشتیاں تمھاری

وان سے جسے بہت اہل نکلے
ولہ ندی نالے ہزار جیل نکلے

(۸) مشروں کو بجائے ظن کے بزمیں جے۔

غلام مرتضیٰ جنون

تیری چشم سے ساقیا یہ سیاہ مست جنون ہوا
کہ مے و فالشہ طاق چو بدھری تھی لون ہی دھری

ظاہر ہے کہ شراب طاق میں نہیں رکھی جانی بلکہ اس کا طرف رکھا جاتا ہے پس ظن مقصود ہے
اور شراب مذاق سے

کے بخانہ پوچھا کیا طرف حرم ہم نے
آتش امانی تیری خاطر خاک کن کن رہ گندارون میں

تجانے سے مراد بہت ہے۔

(۹) علاقہ آلہ اور واسطہ ہونے کا ہونی آلہ اور واسطہ کسی شے کا مذکور کرین اور اس سے خود وہی شے مراد ہو جس کا یہ آلہ ہر مثال اسکی۔

رند

اسے بیان کو سن سن کے کانپ کانپ اٹھا غضب یہ ہے کہ سمجھنا نہیں زبان صیاد
زبان آلہ سخن ہے اور بیان خود سخن اور بولی مراد ہے یعنی میری بولی نہیں سمجھا۔

واغ

اندوہر جس کا نام ہمیں جانے میں قراغ ہندوستان میں دھوم ہماری زبان کی کر
رزق بن جائیگا اے سائل یہ بیجا ہے سوال ایسے دیکھ لے بے شیر طفل بے زبان ہستائیں
ایسے ہی خوشنویس کو خوش قلم کتنا تعریف اسکی تحریر کی مقصود ہے اور قلم آلہ ہر قلم کا۔

میر حسن

ہوا جبکہ لو خط وہ شیون رقم ہوا کر کے سات سے نو قلم
نو قلم سے مراد نو طرح کے خط ہیں۔

(۱۰) جو نام مقید کے لیے موضوع ہو اسے مطلق کے لیے استعمال کریں مثلاً حرف بولین اور
کلمہ مراد ہو اور منیر اپنے شعر میں شہید دل کا لفظ لایا ہے اور مراد اس سے کشتے ہیں اور شہید لیے
کشتے کو کہتے ہیں جو میگناہ یا راہ خدا میں مارا جائے۔

ہو تری محراب میں سجدہ شہید دن کا قبول طاق لسان میں تو رکھ دے زندگانی کی کتاب
تجاہر ہے کہ شہید مقید ہے اور کشتہ مطلق ہے شعر حضرت علی کی تلوار کی تعریف میں ہے اور بیان
غرض یہ نہیں ہے کہ حضرت علی کی تلوار کے کشتے شہدا میں محسوب ہیں۔

(۱۱) جو لفظ مطلق کے لیے وضع ہوا ہو اسکو مقید یا طلاق کریں مثلاً روز کمین اور مراد اس کے
روز قیامت ہو یا کلمہ بولین اور مراد اس سے اسیم یا فعل یا حرف ہو اسی قبیل سے ہے نام پر کاغذ کا اطلاق

ناسخ

قاصد لکھ میں اسرار محبت میں نے لکھیو اختیار کی نظروں کے تو نہمان کا غنہ

(۱۲) مجاورت یعنی نزدیکی اس میں ایک قریب و نزدیک کا اطلاق دو سر قریب و نزدیک
پر ہوتا ہے جیسے صفت کا لفظ عربی ہے قطار کے معنی میں اور صفت ماتم مجازاً اس فرشتے کو

کہتے ہیں جس پر اہل ماتم بیٹھتے ہیں چونکہ اہل ماتم فرش سے قربت رکھتے ہیں اس لیے فرش کو مجازاً صفت ماتم کہتے ہیں۔

خواجہ حیدر علی آتش

واقعہ دل کا جو موزون ہے تو مضمون غم ہے۔

صفحہ ہر اک مرے دیوان کا صفت ماتم ہے

(۱۳) مضاف کو حذف کر کے اسکی جگہ مضاف الیہ کو ذکر کریں جیسے۔

حالی

کیا برف پر چشم جہان سے جگا یا زمانے کو خواب گران سے

یعنی اہل زمانہ کو یا زمانے کے آدمیوں کو خواب گران سے جگا یا۔

(۱۴) مضاف الیہ کو حذف کر کے مضاف کو اسکی جگہ ذکر کرتے ہیں جیسے۔

برق

سگ اصحاب ہوا صحبت انسان سے بشر

آدمی ہو کے بھی انسان تو انسان نہ ہوا

یعنی سگ اصحاب کہف۔

فائدہ معنی مجازی کے استعمال کی ذیل کلام نصحا سے ضروری اس طور پر کہ سبب کو بجائے سبب کے یا برعکس اسکے اور ظرف کو بجائے منظوف کے یا اسکے برعکس ردس غلی ہذا نصحا استعمال میں لاتے ہیں یا نہیں اور یہ ضرور نہیں کہ جب کوئی خاص صورت پیش آئے اور کسی خاص موقع پر ان طریقوں میں سے کسی لفظ کے معنی مجازی لیے جائیں تو اس لفظ خاص کے استعمال کی نظر بھی تلاش کریں۔

چوتھا باب غکنائے کی تصریح میں

کنایہ لغت میں پوشیدہ بات کہنے کو کہتے ہیں اور علم بیان کی اصطلاح میں کنایہ اس لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے معنی موضوع میں مستعمل ہو لیکن مقصود وہ معنی ہوں بلکہ ایک دوسرے معنی ہوں جہاں پہلے معنی کے ملزوم ہوں دوسرا ان دوسرے معنی کا مقصود ہونا بغنی موضوع لہ کے ارادہ کر کے

منافی نہیں کیونکہ استعمال اُس لفظ کا موضوع نہ میں ہوا تو ان معنی کے مقصود ہونے کے دوسرے
 معنی میں کوئی حرج پیدا نہ ہوگا پس کنائے میں لازم یعنی موضوع نہ بھی مراد ہوتا ہے مگر فرق اتنا ہے
 کہ یہ بالعرض مراد ہوتا ہے اور دوسرے معنی جو ملزم ہیں وہ بالذات مراد ہوتے ہیں کیونکہ موضوع نہ
 کا مراد ہونا محض اس غرض سے ہے کہ جب مُسنے والے کے ذہن میں اسکی تصویر حاصل ہو جائے تو دوسرے
 معنی کی طرف جن سے کنایہ واقع ہوتا ہے انتقال ہو سکے جیسے۔

امیر

اس عین میں طائر کم براگر میں ہوں تو کیا | دور ہی صیاد ابھی اور آشیان نزدیک ہے |
 کم پر اُس پرند کے معنی میں ہے جو پر تھوڑے رکھتا ہو پس کم پر سے اُسکے حقیقی معنی یعنی تھوڑے
 سے پر والا مقصود ہون گے تاکہ ان معنی سے ایسے معنی کی طرف انتقال کیا جائے جنکے لیے پرند
 کم ہونا لازم ہے اور وہ کم اُڑنا ہی بخلاف لفظ مجاز کے کہ اُس سے معنی موضوع نہ کا ارادہ کرنا جائز
 نہیں کیونکہ اُسکا استعمال معنی غیر موضوع نہ میں ہوتا ہے پس اُس میں معنی غیر موضوع نہ بالذات
 مقصود ہوتے ہیں اس لیے معنی موضوع نہ کا تصدیق کرنا اُنکے منافی ہوگا بعض کہتے ہیں کہ کنایہ وہ لفظ
 ہے جسکے معنی حقیقی مراد نہ ہوں بلکہ معنی غیر حقیقی مراد ہوں اور اگر معنی حقیقی مراد رکھیں تو بھی جائز
 ہے جیسے کم پر سے کم اُڑنے والا مراد ہے اور اگر اس مراد کے ساتھ بیرون کی مقدار کا تھوڑا ہونا مراد
 تو بھی ہو سکتا ہے اسی قبیل سے ہو قلق کے اس شعور میں روشنی کا لفظ ہے۔

جائے دو دور بھی کرو اٹھ آؤ | شعلہ بولی کہ روشنی تو منگاؤ |

روشنی سے مراد شمع ہے جو شمع کو لازم ہو لازم کو ذکر کر کے شمع مراد لی ہے اگر اس مراد کے ساتھ
 روشنی بھی مراد ہو تو ہو سکتا ہے۔

مومن

چاک پردہ سے یہ غم ہے بہن تو پردہ نشین | ایک مین کیا کہ بھی چاک گریبان ہو نگے |
 چاک گریبان سے مراد عاشق دیوانہ ہے عاشق کے لیے گریبان کا چاک ہونا لازم ہے اگر اس
 مراد کے ساتھ گریبان کا چاک ہونا بھی مقصود ہو تو ہو سکتا ہے۔ ابن سراج مالکی نے لکھا ہے کہ کنایہ
 یہ ہے کہ شے کی تصویر ترک کر کے اُسکے لوازم مسامی میں سے کسی ایک کو ذکر کیا جائے تاکہ اُس سے
 ملزوم کی طرف ذہن منتقل ہو جائے اور لازم سے ملزوم کی طرف انتقال کرنے کی قید سے استعارہ
 نکل گیا اسی وجہ سے نہایت الایجاز میں لکھا ہے کہ کنایہ مجاز سے علیحدہ ہے اور حق یہ ہے کہ مجاز و

کنائے کے ساتھ وہ نسبت ہو جو مفرد کو مرکب کے ساتھ ہوتی ہے۔

صاحب تلخیص انتفاع کے نزدیک مجاز اور کنایہ کا بنی ملزوم سے لازم کے قصد کرنے پر ہی مگر فرق اس قدر ہے کہ مجاز میں فقط لازم مراد ہوتا ہے ملزوم مراد نہیں ہوتا جیسے طابع علم کو مولوی کہنا علم کا طبعنا فضیلت کو لازم ہے اور فضیلت ملزوم ہے یہاں ذکر لازم کا بے ارادہ ملزوم کے ہر اور کنائے میں لازم مراد ہوتا ہے اگر ملزوم مراد نہیں تو بھی جائز ہے جیسا کہ کم پر سے ملا کم اڑنے والا ہے اور اگر اس مراد کے ساتھ پردن کی کمی بھی مراد ہو تو بھی جائز ہے اسی طرح روشنی سے شمع اور چاک گریبان سے عاشق دیوانہ مراد ہے اگر ان مرادوں کے ساتھ روشنی اور گریبان کا پھٹا ہوا ہونا مراد ہو تو بھی جائز ہے اور سکا کی صاحب مفتاح کے نزدیک مدار مجاز کا ملزوم سے لازم کی طرف ذہن کے انتقال کرنے پر ہی جیسے۔

حالی

ایم بین نام وطن کے دیوانے | وہ تھے اہل وطن کے دیوانے

دیوانہ کہ عاشق کا ملزوم ہو اس سے عاشق کی طرف انتقال کیا ہے اسی طرح۔

وحید

اہل ہر کہ شو جھتا نہیں اندھیر آگیا | اسیت بکار تھی ہر کتاب شیر آگیا

شیر کہ شجاع کا ملزوم ہو اس سے شجاع کی طرف انتقال ہوتا ہے۔ اور کنایہ کا مدار لازم سے ملزوم کی طرف انتقال پر ہے جیسے کم پر کے حقیقی معنی وہ پرند ہے جسکے پر پھوٹے سے ہوں اور ان معنی سے ایک ایسے معنی کی طرف انتقال کیا جاتا ہے جسے بے پردن کا۔ دنا لازم ہے اور وہ کم اڑتا ہے جو ملزوم ہے پس کم پر کا اطلاق کم اڑنے والے پر ملزوم کی رو سے ہے اور حق مذہب اول ہے اسلئے کہ لازم بحیثیت لازم ہونے کے ملزوم پر دلالت نہیں کرتا ہے جائزہ ملزوم سے لازم عام ہو اور عام کی خاص پر دلالت نہیں ہوتی پس جب تک لازم ملزوم سے خاص ہو اس سے ملزوم کی طرف انتقال حاصل ہوگا اور ملزوم اصل و متبوع ہے اس لئے کہ اس سے انتقال ہوتا ہے۔ اور لازم فرع و تابع اسلئے کہ محلی طرف انتقال ہوتا ہے اور نوع لازم کو بیان علاقہ کہتے ہیں اور اگر اسیت و فریست جائیں سے ہوگی کہ ہر ایک ایک وجہ سے اصل ہوگا اور دوسری وجہ سے فرع تو ہر فیمن سے مجاز جاری ہوگا ورنہ استعمال اصل کا فرع میں مجاز جائز ہے بدون عکس کے ارا کی مثال علت و معلول ہے جیسے ناک و زلف باری شریع میں اور دم کی

شال سبب محض اور سبب ہے اور لزوم سے مراد فی الجملہ انتقال ہر جیسے کل فی الجملہ جز کو لازم ہر
 اسی طرح سبب فی الجملہ سبب کو لازم ہر اسلئے کہ کبھی غام ہوتا ہر پس لزوم سے یہ مراد نہیں کہ لزوم
 سے اسکا چھوٹنا متنع ہر جیسا کہ اہل منطق و حکمت کی اصطلاح ہر اور کنایہ میں معنی موضوع کا ارادہ
 باعتبار واقع کے ہے ہر چند کہ خارج میں نہ چنانچہ تنگ چشم کمین اور مراد اس سے کنجوس آدمی ہو گو کہ
 شخص مذکور کی آنکھیں نہوں اور اگر ہوں تو بڑی بڑی ہوں

مرزا محمد تقی خان ہوس

نہیں ہوس وقت جوش منی قد خمیدہ ست لوجیا لہ | بتوں کا بندہ رہے کاک تک خدا خدا کر خدا کر

اس شعر میں قد خمیدہ کنایہ عالم پیری سے ہر گو تا کل کا قد بظاہر سیدھا ہو۔
 کنائے میں مجاز باقی نہیں رہتا چنانچہ نہیں کہ سکنے کہ تنگ چشم کنجوس کے معنی میں مجازی طور پر لہ
 بخلاف استعارے کے جیسے مرد بہادر کو شیر کہتے ہیں تو کہنے والے کو شیر کے اصلی معنی کہ حیوان درندہ
 ہے ہر گز ملحوظ نہیں ہوتے پس استعارہ مجازی کی ایک قسم ہو گا اور کنایہ اس سے مبائن باوجودیکہ یہ بھی
 واصل مجازی کی ایک نوع ہر نوعیت کنائے کی تو مجاز سے اس معنی عام کے اعتبار سے ہر جگہ خارج میں نہیں اور
 اسکی مغائرت اسکی جنس کے ساتھ باعتبار مجازات مقید کے ہر جیسے انسان باعتبار حیوان کے جسکو
 وجود ظاہر خارجی حاصل نہیں رعیت رکھتا ہر اور باعتبار حیوان مقید کے جیسے گھوڑا اور شیر وغیرہ میں
 مغائرت رکھتا ہر۔

بہر صورت کنائے اور مجاز میں وہ طرح سے فرق ہے کہ ایک تو کہ کنایہ میں لازم پیشی منی غیر حقیقی
 مراد رکھتے ہیں اور اگر لزوم پیشی منی حقیقی اور ضمیر اور ہی جاننا ہر اور مجاز میں فقط لازم مراد ہوتا ہے
 دوسرا فرق یہ ہو کہ مجاز میں معنی حقیقی اور غیر حقیقی ہیں کوئی قرینہ بھی پایا جاتا ہر اور کنایہ میں قرینہ
 ہمیں علی العموم کنایہ کی تین قسمیں ہیں۔

ایک یہ کہ کنایہ میں صفت سے موصوف کی ذات مطلوب ہو اور صفت سے مراد وہ معنی میں
 ہر غیر کے ساتھ قائم ہوں نہ وہ صفت جو اہل نحو کی اصطلاح ہر وہ ایک تابع ہر جو ان میں پرالاست
 کرتا ہے جو مقبوع کی ذات میں ہوں مثلاً چاناک گھوڑا پس لفظ چالاک تابع ہے جو اپنے مقبوع کی
 چالاک کی بدولت رہتا ہر اور یہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔

۱۔ صفت کو جو کسی موصوف معین سے خصوصیت رکھتی ہو کہ کریم اور مراد اس سے
 موصوف ہوا اسکو کنایہ قریب کہتے ہیں اسلئے کہ سبب ایک ہونے صفت کے انتقال موصوف

تک دشوار نہیں ہوتا جیسے -

گویا

لوئی گردوں تک ہے وجد میں | قص سے بس ہے اسی کا نام قص

لوئی تک سے مراد زہرہ ہے -

انشا

صبا: جا کے نوکد بخوبید مجنون سے | کہ نافہ شاہد حی کا کھڑا اجاز میں ہے

شاہد حی کنا یہ یلی سے ہے -

منیر

| چاہ سیہ میں گرا یوسف زین قبا | دیو سیہ ہو گیا شاہد پروین یرن پ

چاہ سیاہ کنا یہ ظلمت سے اور یوسف زین قبا آفتاب سے اور دیو سیہ شب سے -

ولم

خیمہ زرباف جن یلی مشکین لباس | ازیت فانوس سہر شمع مرصع لگن

خیمہ زرباف کنا یہ آسمان سے اور یلی مشکین لباس شب سے اور فانوس سہر آسمان سے اور شمع مرصع لگن آفتاب سے -

ناسخ

زیب و رنگ ہوا ہر شہ عادل ناسخ | کیون نہ نور و زکود نرات برابر ہو جائے

شہ علول کنا یہ آفتاب سے ہے کیونکہ آفتاب میں ن بچ عمل میں تحول کرتا ہے اور وہی اسکی تخت نشینی ہے -

امیس

ہے دوش محمد کا مکین خانہ زمین پر | اس ناز سے کھتا ہے نہیں یا نوک زمین پر

دوش محمد کا مکین حضرت امام حسین سے کنا یہ ہے کیونکہ وہ آنحضرت کے دوش مبارک پر چڑھا کرتے تھے -

ولہ

اٹھا جو ہاتھ کانپ گیا شیر آسمان | اگر دوش جودی تو سب نہ دبالا ہوا جہاں

شیر آسمان سرج اسد سے کنا یہ ہے -

ولہ

دہ صبح اور دہ چھالون شام کی اور دہ نور | دیکھے تو غش کرے ارلی گورے اور ج طور

اسنی گوے ادج طور سے مراد حضرت موسیٰ مین۔

مومن

خون کے میرے ارادے سے ہوا زلیج سعد | قتل پر میرے کمر باندھے بہ شکل جبار |
سعد ذابج سے قمر کی بائیسویں منزل مراد ہے اور وہ دو ستارے ہیں کہ ستارہ جدی کے دو لون
سینگون پر واقع ہیں ان میں سے ایکٹ پاس ایک چھوٹا سا تارا ہے اس ستارے کو شاة سعد بنے سعد کی
بھیر کہتے ہیں وجہ اسکی یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ سعد اُس چھوٹے تارے کو ذبح کرتا ہے اور یہی
سبب ہے اُس کے سعد ذابج کہلائے گا۔

دلغ

غیرت ماد کے خسرو انجم جھکو | نام کو دلغ ہون کیا جانتے ہو تم بھکو |
خسرو انجم کنایہ ہے سورج ہے۔

مومن

وہ قمر مان فلک توسن و نجوم خشم | کہ ترک چرخ فلام اُس کا مہر چا کر ہے |
ترک چرخ کنایہ مرغ سے ہے۔

امیر

جس طرے دیکھو زر گل باغ میں انبار ہے | شکل نوارہ اگلتی ہر زمین گنج نہان |
زمین کا گنج نہان کنایہ ہے نہانات سے۔

قلق

نظر آتا معا عالم بالا | وہ فلک سیر معنی کہ عرش بنا |
فلک سیر کنایہ بھنگ سے ہے۔

الشا

مرغان اولیٰ انجہ مانند کبوتر پڑا | کرتے ہیں سدا مجرے غون خون سر گئے |
مرغان اولیٰ انجہ کنایہ فرشتوں سے ہے کیونکہ انکے دو یا تین یا چار بازو اور پر ہوتے ہیں جیسا کہ
اہل اسلام کا اعتقاد ہے۔

ولم

جب ملک چرخ کس شکل گور زمین رہے | صاحب شرق میں جیتک ہے کہ جنرل کی طین |

صاحب شرق کنا یہ ہے سورج سے۔

فوق

اطلس طرفہ ترا سونے میرے مردمان باندھا
اگر ہر اک اک گروہ میں حاصل صد ہجروکان باندھا

وہ چیز کہ ہجروکان کا حاصل ہے زرد و جواہر ہے۔

مثنوی پداوت

شہ ز زمین گلاہ چسرخ چارم
ہو اردلق فراے تخت عالم

مراد اس کے سورج ہے کیونکہ وہ آسمان چارم پر رہتا ہے۔

ناسخ

ساقی بغیر شب جو میا آب آتشین
شاید وہ بن کے میرے دہن سے نکل گیا

آب آتشین کنا یہ شراب سے ہے۔

ولہ

لا دون اسکی پشت پرینا اگر بارگناہ
ہے یقین ہرگز نہ گاؤ آسمان سے اٹھ سکے

گاؤ آسمان کنا یہ برج در سے ہے۔

غالب

کیون۔ قدح کرب سے ساقی
اے ہے یہ نگس کی تے نہیں ہے

نگس کی تے کنا یہ نہ سے ہے۔

(۲) نئی ہفتیہ آئیں میں بکری سب کی سب ایک موصوف کے ساتھ نقص ہوں اگرچہ الگ الگ
اور چیزوں میں بھی پائی جاتی ہوں بس بسی تمام صفات کا مجموعہ بول کر ان سے وہ موصوف محسوس
ایا جائے اسکو کنا یہ بعید کہتے ہیں۔ ایسے کہ کئی صفات سے موصوف کی طرف انتقال ہوسکتا
نہیں ہو سکتا اور موصوف شکل سے سمجھ میں آتا ہو جیسے۔

شراب

ساقی تے آج چیز کھیرے سی لڑی عطا
اچھے رہ پنا رنگ طبیعت بدل گیا

انجمنین خوش اور مط ہوا دہ رخ
بڑا مودہ بھی تو سندا کا سنبھل گیا

ان تمام لغات کے تحت سے شراب مقصود ہے۔

ساقی وہ دہن کہ ہوں چکے سبب ہم
مغس میں کہ آتش و خورشید ایک جائے

ظاہر ہو کہ یہ ساری صفات شراب میں ہیں کیونکہ شراب خود پانی ہو اور باعتبار سُرخ رنگ اور گرمی کے آتش ہو اور باعتبار روشنی کے اور پیائے میں شکل بدور پکڑنے کے آفتاب سے مشابہت رکھتی ہے۔

غالب

صبح آیا جانب مشرق نظر ایک نگار آتشین رخ سر کھلا

ان تمام صفات سے سورج مقصود ہے کیونکہ اس میں یہ چاروں صفات موجود ہیں شرق کی طرف سے طلوع ہوتا ہے اور خوبصورت بھی ہے اور آتش میں سُرخ اور گرمی بھی ہے اور وہ کھلا ہوا بھی ہے

مقتول

بند شیشے میں جو ہے یہ لال لال اس پیری کو قید خانے سے نکال

ان صفات سے شراب مقصود ہے کیونکہ وہ شیشے میں بند بھی ہوتی ہے اور سُرخ بھی ہوتی ہے۔ دوسری قسم یہ کہ کناپے سے فقط صفت مقصود ہو اس طرح کہ ایک صفت ذکر کی جائے اور اُس سے ایک اور صفت مراد لی جائے اور اُسکی بھی دو قسمیں ہیں۔
 (۱) قریب کہ اُس میں لازم اور مازوم میں کوئی واسطہ نہ ہو اور یہ بھی دو حال سے خالی نہیں۔
 الف وہ کہ کناپہ اس میں واضح ہو اس طرح کہ لازم سے مازوم تک ذہن بے تامل پہنچ جائے جیسے سفید ریشل درموی سفید سے پیری کا بھنا۔

مومن

موسفیدی کے قریب در غفلت مومن اینند آتی ہے باز مگر آخر شب

پندت برج نرا من

مٹے نہ بات کہیں تم پہ مٹنے والو مٹی اٹھارے ہاتھ ہر شرم ان سفید بالو مٹی

میر

دامن میں آج میر کے داغ شرابی اتھا اعتماد ہو بہت اس جوان پر

داغ شراب کناپہ ہے شراب خواری درندی سے اور دامن میں داغ شراب ہوئے سے شراب خواری درندی تک ذہن فوراً پہنچ جاتا ہے۔

والہ

سلہ بمصغیر بے گل کس کو داغ ناز بہت ہوئی ہماری متفہ زیر پرست

منقار زیر پر ہونا کنا یہ ہے خاموشی سے اور یہ امر واضح ہے۔

ایس

لحاح نہ ملی بادشہ جن و بشر کو

اہراک نے کسا قتل محمد پہ مکر کو

مکر کنا یہ ہے مستعد قتل ہونے سے۔

محشہ

جن نے یون عرصہ سہتی کو کیا محشر تنگ

وہ مکر کنا ہے کچھ تو بھی میان سمجھے ہے

ولم

مرے غبار سے دامن کشیدہ جاتا ہی

ہوا ہون خاک میں جس شہسوار کی خاک

دامن کشیدہ جانا کنا یہ ہے محرز جانے سے۔

ایس

دل دشمنوں کے خنجر ابرو سے کٹ گئے

اکٹی

جو آستین تو پرے سب اٹ گئے

آستین الٹا بمعنی ختم و غضب میں ہونا ہی اور پرے الٹا بمعنی پیچھے ہٹ جانا اور بھاگنے لگنا ہے۔

سیح عبد الغنی غنی

پڑنی ہے نظر خس یہ دم چشم بردن

ایان

ہنے پر کاہ بھی بیکار نہ پایا

خس یہ نظر پر نے سے مراد یہ ہے کہ اسکی احتیاج واقع ہوتی ہے۔

دلغ

فاسن سنبھال بانڈھ کر آستین چڑھا

خنجر نکال

دل میں اگر امتحان کی ہے

پیلے مصرع میں مینوں الفاظ مستعد ہو جانے کا فائدہ بخشے ہیں۔

جرات

آستین اُسے چڑھائی تیغ کو عریان کیا

یہ ہمارے

قتل کا سامان ہوا اچھا ہوا

لمکھو جسے آگ لگی ہو دے میں تو جیتے ہیں

میر

اٹھنے مکر کو کھول رکھا ہی انہی مکر نم کتے ہو

مومن

چین بابر و ہوتی سماجت سے

سرگرائی

بجاست سے

چین بابر و ہونا کنا یہ ہے از رو کی و غضبناکی سے۔

ولہ

سوے سر سے شام غربت رو سفید
ظلمت شبہاے ہجران روز عید
روز سفیدی کنا یہ ہو شرمندگی سے۔

الہی بخش خان معروف

کی ٹک اک آب دم شیر قاتل تکی
ورنہ پیمانہ ہماری عمر کا لبریز تھا
عمر کا پیمانہ لبریز ہونا کنا یہ ہو مرے کے قریب پہنچ جانے سے۔

میسر

شکر خدا کہ سر نہ فرو لائے ہم کہیں
کیا جانے سجدہ کہتے ہیں کس کو سلام کیا
سرفرو لانا کنا یہ عاجزی کرنے سے ہے۔

ولہ

اگر نظر اک دور سے مجھ داغ کو
آنکھ نہی کرنا کنا یہ ہو شرمندگی سے۔
آنکھ نہی کر گیا گل باغ میں

ناسخ

باندھوں ایسے مضمون رنگین
غزبت میں نہیں ہے اور کچھ رنج
سُنکر ہو عدد مرا سخن زرد
اُکڑا ہے مجھے عنس و طن زرد
پہلے شعر میں زرد ہونا کنا یہ شرمندہ ہونے سے ہے اور دوسرے شعر میں زرد کرنا کنا یہ بے جا
دُعا کرنے سے ہے۔

اشر رسا کن جلیسر

میں اک تکلیف دینے کی غرض آج آیا تھا
اگر اب کیا کمون صندل لگا دیکھے سرین
صندل لگا ہونا کنا یہ ہو درد سر ہونے سے۔

لقا

دیکھ آئینہ جو کتنا ہے کہ اللہ رے میں
اُسکا میں چاہنے والا ہوں تجاواہرے میں
آئینہ دیکھ کر اللہ رے میں کتنا کمال غور و بردالت کرتا ہے۔

حسرت

پیون کیا جام سے اغیار بھی بیٹھے ہیں مجلسِ بنا
مری آنکھوں میں اُنکو دیکھتے ہی خون اُتر آیا

آنکھوں میں خون کا اترنا کناہ ہے غصہ آجانے سے یہ تمام امور نہایت واضح ہیں۔

رب (دہ) کہ کناہ اس میں خفی ہو یعنی ذہن لزوم تک تامل کے بعد پہونے جیسے کوتاہ گردن اور کمر بنی آنکھوں والا دونوں سے شریہ مراد ہے اور لیے قد والا اس سے مراد احمق ہے کیونکہ کہتے ہیں کہ جسکی گردن کوتاہ ہو یا جسکی آنکھیں کمر بنی ہوں وہ آدمی شور ہوتا ہے اور جس کا قد لمبا ہو وہ احمق ہوتا ہے اور یہ ہر اک کو نہیں معلوم ہوتا لیکن ان مثالوں میں یہ بھی شرط ہے کہ معنی حقیقی بھی پائے جاتے ہوں اگرچہ کناہے میں یہ بات لازم نہیں۔

تراۓ شوق

ہونٹوں پہ تھے دانت سر پہ تھے ہاتھ | سر سے چوٹے جگر پہ تھے ہاتھ

دانتوں کا ہونٹوں پہ ہونا اور سر د جگر پہ ہاتھ کا ہونا کناہ ہے کمال مغموم ہونے سے اور یہ امور تامل کے بعد معلوم ہونے میں اور ایسے موقعوں پر حسی حقیقی بھی پائے جاتے ہیں کیونکہ علم و فکر کی حالت میں اکثر دانتوں سے ہونٹ کو کاٹنے لگتے ہیں اور ہاتھ سے سر اور جگر کو پکڑ لیتے ہیں۔

استیاب

پس اس سے تو ناصحا بچھے وہ ہو گا کیا اور حسن اس کا | فرنگ کے کہ جس میں بھی سکے ہی تھہ یہ جب چاند دیکھتے ہیں
مراد یہ ہے کہ فرنگ کے کہ جس میں اسکو بہت ہی گرامی جانتے ہیں اسلئے کہ چاند ایسے شخص کے منہ پر دیکھتے ہیں جسکو بہت ہی گرامی جانتے ہوں۔

برکھارت

لاہور میں شب ہوتی تھی لیکن | کشمیر میں پہونے جب ہوا دن

لاہور میں شب ہونا کناہ ہے اس سے کہ رات کو گرمی تھی کیونکہ لاہور میں سخت گرمی پڑتی ہے اور کشمیر میں دن ہونا کناہ ہے دن میں سخت سردی ہو جانے سے کیونکہ کشمیر میں سردی زیادہ ہوتی ہے۔

انیس

میلجی ہے سرد آگ کا اس میں نہیں ہرنگ | نیچے ہوائے گرم سے بیتاب ہیں عام

میلجی کا سرد ہونا کناہ ہے سب کے فانی سے رہنے سے۔

محمد روشن جو شمش

اسخید ہو گئیں آنکھیں جو الگو بان سرخ | ہمیں تو رونے کے آخر یہ رنگ کھلا یا

آنکھیں سفید ہو جانا کناہ ہے ہوا نہ ہونا جو جانے سے اسلئے کہ جب آنکھوں پر جالا آ جاتا ہے تو سفید

ہو جاتی ہیں اور اس وجہ سے آدمی کو کچھ نظر نہیں آتا اور گریبان سرخ ہو جاتا کنا یہ ہر اشک
خونین کے زیادہ بہا لے سے۔

انشا

نبی آدم کی ٹولی کی ٹولی؛ بیٹھی بولے ہے شیر کی بولی

شیر کی بولی بولنا کنا یہ ہوتے کرتے ہیں تو حلق سے زور زور سے آواز
رک رک کر نکلتی ہے۔

دبیر

کشتون کو اپنے فوج عدد و رند نے لگی جنگل میں برق قہر خدا کو ند لے لگی

کشتون کو رند ناکنا یہ ہر ڈرائی میں شکست پانے سے کیونکہ جب آگے بڑھی ہوئی فوج پیچھے ہٹتی
تو اس فوج کے مقتول زخمی جو پیچھے پڑے ہوتے ہیں اس کے قدموں سے کھلنے لگتے ہیں۔

نغمہ

جب دیکھتا ہوں اس بُت خوشوار کی طرف وہ دیکھتا ہے حمد و تلواری کی طرف

حمد و تلواری کی طرف دیکھنا کنا یہ ہر قتل کرنے کے ارادے سے۔

(۲) بعید یہ ہے کہ لازم و ملزوم میں کچھ واسطہ ہو یعنی اس طرح ہو کہ لازم سے اول کچھ اور چیز
بمحصین اور بعد اسکے ملزوم اس امر کا نام اسدواف ہے مثلاً سخی کو کہیں کہ اسکے باورچی خانے سے
بہت راکھ نکلتی ہے اس مثال میں ملزوم تک واسطے بہت ہیں اس سبب سے کہ بہت راکھ بہت لڑائی
جلنے سے ہوتی ہے اور لکڑیوں کا بہت جلنا بہت کھانا پکے سے ہوتا ہے اور بہت کھانا پکنا مہمانوں
کی زیادتی پر موقوف ہے اور مہمانوں کی زیادتی سخاوت پر دلالت کرتی ہے یا کسی کی نسبت کہیں کہ
اسکے باورچیوں پر بہت محنت رہتی ہے پس باورچیوں پر بہت محنت کا ہونا جب ہوتا ہے کہ ان کو کام
زیادہ کرنا پڑے اور یہ امر اس بات کی زیادتی کی وجہ سے ہوتا ہے کہ باورچی خانے میں کھانا زیادہ پکتا ہے
در کھانے کا زیادہ پکنا بہت سے مہمانوں کے واسطے ہوتا ہے اسی قبیل سے ہے۔

شباب

کیا ہوا ان داد و دہش ایسے شخص کا بندھو اتنا ہو جو توڑ ڈنکا منہ کچے سوت سے

توڑون کا منہ کچے سوت سے بندھو اتنا یہ ہے اہتمام سخاوت میں نہایت تعجیل سے اور اس جگہ
انتقال توڑون کا منہ کچے سوت سے بندھوانے سے اس بات کی طرف ہے کہ توڑون کے منہ کا بند

مضبوط نہیں ہوتا اور اس سے انتقال ہوتا ہے اس بات کی طرف کہ توڑوں کا منہ جلدی کھل جاتا ہے اور اس سے انتقال جلدی بخشنے کی طرف ہوتا ہے۔

سودا

تیرا ہی اب بروے زمین اے فلک جنابا بے قفل و بے کلید در فیض ہے مدام
بے قفل و بے کلید در فیض کا ہونا کنایہ ہے فیض میں اہتمام اور تعمیل سے یہاں انتقال در کے بے قفل
بے کلید ہونے سے دروازے کے بند ہونے کی طرف ہوتا ہے اور اس سے انتقال در فیض میں جلدی
پہنچ جانے کی طرف ہوتا ہے اور اس سے جلدی فیضیاب ہونے کی طرف انتقال ہوتا ہے۔

ولہ

وہ اُس کا خوان نعم ہے کہ جس کے مطبخ میں صد اکھڑنے کی ہر دیگ کے صد عام ہوا
دیگ کے کھڑنے کی صد اکھڑنے کا عام ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کے مطبخ میں بے روک ٹوک
ہر آدمی کھانا کھا سکتا ہے یہاں دیگ کے کھڑنے کی صد اکھڑنے کا عام ہونے سے انتقال اس بات کی طرف
ہوتا ہے کہ اُس کے باورچینا لے میں چھٹھون پر دیگیں ہمیشہ چڑھی رہتی ہیں اور دیگوں کا چھٹھون پر
ہمیشہ چڑھے رہنا بہت کھانا پکینے کی وجہ سے ہوتا ہے اور بہت کھانا پکنا کھانے والوں کی زیادتی پر
توڑوں پر اوہان کھانا کھانے والوں میں کسی خاص آدمی کی قید نہیں بلکہ جو چاہتا ہے کھاتا ہے اور یہ
انتہائے سخاوت پر دلیل ہے۔

حالی

بند اس قفل میں ہے علم ان کا جس کی گنجی کا کچھ نہیں ہے پتا
نامعلوم گنجی کے قفل میں علم کا بند ہونا کنایہ ہے علم سے فائدہ نہ پہنچ سکنے سے اور اس جگہ علم کے قفل
کی گنجی کا پتہ نہ ہونے سے اس بات کی طرف انتقال ہوتا ہے کہ وہ قفل کھل نہیں سکتا اور اس سے انتقال اس
امر کی طرف ہوتا ہے کہ علم جو مقفل ہے اس تک رسائی ممکن نہیں اور اس سے انتقال اس امر کی طرف
ہوتا ہے کہ اُس علم سے کوئی نفع نہیں اُٹھا سکتا۔

انیس

مطبخ ہر سراگ کا اُس میں نہیں پڑتا کچے ہوائے گرم سے بیتاب ہیں تمام
پہلا مصرع کنایہ ہے اس بات کی طرف کہ سب فاقے سے ہیں کسی کو کھانا نہیں ملا اور یہاں انتقال مطبخ
کے سرو ہونے اور اُس میں آگ کا نام نہ ہونے سے اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ باورچینا لے میں ایندھن

یا نکل نہیں جلا ہو اور اس سے انتقال اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ کہنے کے لیے جو لفظوں پر کوئی چیز نہیں رکھی گئی ہو اور کسی چیز کے نہ کہنے سے انتقال اس بات کی طرف ہوتا ہے کہ سب فائقے سے ہیں پس کسی پیشی و سائنٹ کی وجہ سے مقصود پر دلالت مختلف ہو جاتی ہے اور سائنٹ حکم ہوں تو دلالت واضح ہوتی ہے اور جو زیادہ ہوں تو خفی ہوتی ہے۔

تیسری قسم یہ کہ کتا بے سے کسی صفت کا اثبات یا نفی کسی موصوف کے واسطے مقصود ہو۔
اثبات کی مثال یہ ہے کہ میں کہ فقیر کا جامہ شیر کا ہے، یعنی فقیروں میں صفت شیر کی ہے اور یہ قدرت سے خالی نہیں ہوتے یا جس وقت کوئی شخص کسی کی کمال حمایت اور حمایت کرے کہ ہر کلام اسی کی بھلائی میں کہتا ہے تو کہیں کہ یہ تو اسی کا جامہ پہنے ہوئے ہے، ایسے ہی تاریخ ہندوستان مولفہ مولوی ذکا اللہ کی یہ عبارت ہے: "حافظ رحمت خان شجاع الدولہ کو خدا کی کابے ایمان جانتا تھا اگر وہ قرآن کا جامہ پہن کر آتا تو بھی اسے جھوٹا جانتا، قرآن کا جامہ پہن کر آنے سے مراد یہ ہے کہ صفت اتقا و پرہیزگاری سے متصف ہو کر آتا۔"

میر

است مانیو کہ ہوگا یہ بے درواہل میں | اگر اوسے شیخ پہن کے جامہ قرآن کا |

اسی قبیل سے ہے ترجمہ تاریخ فرخ آباد کی یہ عبارت:-

"بہادر خان چونکہ شجاعت کے باعث سب روہیلہ سرداروں میں نمود رکھتا تھا بول اٹھا پھر کیا لے سردار دستار کے عوض زنانه برقع کیون نہیں لیتے؟ زنانه برقع پہن لینے سے مراد نامردی کا ثابت کرنا ہے"

امانت

بتوں کا نہ کلمہ پڑھا دوستو | امانت پہ فضل خدا ہو گیا

مثنوی سعدی

کلمہ اپنا ہی یہ پڑھا کے رہے | بول بالا مرا گھٹا کے رہے

اپنا کلمہ پڑھنا یعنی اپنا مطیع و منقاد کر لینا۔

عشق کے ہر مقام سخت کڑے | ولہ | تھکے بھرنے پڑ گئے کچے گھڑے

کچے گھڑے بھرنے کا یہ ہے محال کام کرنے سے کیونکہ کچے گھڑے میں پانی ٹھہری نہیں سکتا۔

حالی

کہا دہ ہو یہ بھی اگر بند اُس پر | کہا اُس پہ بجلی کا گرنا ہے بہتر

یعنی اس کو مر جانا چاہیے۔

سودا

روے نامحرم سے بہتر چشم کور پر نہ دکھلائے خدا جز روے گور پڑا

یعنی مر جائے۔

میر

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ ہے دامن کے چاک اور گریبان کے چاک میں

دو لون چاکوں میں فاصلہ نہ رہنے سے مراد یہ ہے کہ گریبان بہت پھٹ جائے۔

نفی کی مثال۔ جیسے اس فقرے میں کتاب توبۃ النصوح مصنفہ مولوی تذیر احمد دہلوی کی طرف سے

بھائی نے کہا کہ میں گھر بھرنے متوالی کو دو دن تو نہیں کھالی۔ یہ کنا یا اس امر کی طرف ہے کہ کسی میں عقل نہیں رہی اس لیے کہ جب سب متوالی کو دو دن کھالیں گے تو سب کو نشہ حاصل ہوگا اور نشے سے سب کی عقل زائل ہو جائے گی۔

حالی

غرض عیب کچے بیان اپنے کیا کیا کہ بگڑا ہوا پاں ہے آدے کا آدا

آدے کا آدا بگڑا ہونے سے مراد یہ ہے کہ سب ایک ہی طرح کے ہیں کسی کو تمیز و سلیقہ نہیں یا کہا نہیں مانتے سب نالائق ہیں۔

انوار حسین تسلیم

باتیں ایسی نہ کر تو اوٹ پٹانگ کہ کہیں لوگ اسے کھالی بھانگ

بھانگ کھانا ایسے محل میں کہتے ہیں کہ کوئی امر نامعقول کا مرکب ہو اور اسکی فباحت اس کے ذہن میں نہ آئے کیونکہ جب بھنگ پیے گا تو اس سے نشہ حاصل ہوگا اور نشے سے عقل زائل ہو جائیگی آنا دآپ حیات میں لکھتے ہیں۔

مگر اس جام میں سب ننگے تھے ان کے ہاں بھی سوائے شہد بن کے دوسری بات نہیں اس جام میں سب ننگے تھے کنا یا اس امر سے ہے کہ کسی میں تہذیب نہ تھی۔

بیان تعریض

اگر کنا یا میں موصوف مذکور ہو تو اسکو تعریض کہتے ہیں طراز میں بھی میں حمزہ بن علی نے لکھا ہے کہ تعریض یہ ہے کہ فقط شے پر طریق مفہوم سے دلالت کرے نہ وضع حقیقی یا وضع مجازی کے طور پر جیسے کوئی

شخص پڑھے اور اُس پر عمل نہ کرے اُس وقت کہیں علم وہ ہی جو علم پر عمل کرے اور مراد یہ ہو کہ شخص معلوم عالم نہیں یا جیسے کوئی بادشاہ رعیت پر ظلم کرے تو کہیں بادشاہی اسکو زریا ہی جو رعیت کو آرام سے رکھے مطلب یہ ہو کہ فلان بادشاہی کے لائق نہیں یا کسی پر بلخند زنی کے واسطے کہیں کہ اُس زمانے کے یا آشنا گش ہیں یعنی شخص معلوم ایسا ہے۔

بھرت رام چندرجی کا سوتیل بھائی تھا جب لکے باپ نے انکو اپنی جگہ مسند نشین کرنا چاہا تو ان کی سوتیلی ماں کی کنیز نے جسکا نتھرا نام تھا اپنی بی بی سے جا کر یوں کہا۔

خوشتر

زمانے میں یہ روشن ہے سمجھون پر
کہ دشمن ہو برادر کا برادر
مقرر ہو برادر پر تب ہی
خصوصاً جبکہ ہو دے بادشاہی

مطلب یہ ہے کہ رام چندرجی بھرت کے دشمن ہیں اور جبکہ انکو بادشاہی ہوگی تو بھرت بڑا ہی اویں

انوار حسین تسلیم

یہ توج ہے کہ پارسا ہے تو
تھی چھڑی چو بدار کی مجھ پر
سہ صورت نگریز میرے آتا تھا
کنگھی والوں نے شالے توڑے مرے
دی جلا مجھ کو سان دالے نے
نوبتی کا مجھی کو تھا سودا
میں کنواری کبڈی کھیلتی تھی
گندی پر پھوٹی تھی مری خوشبو
تھی سواری سواری کی مجھ پر
نئی رنگت کے جوڑے لاتا تھا
ہاتھ منہ مارنے مڑوڑے مرے
جھنڈا گاڑا نشان دالے نے
دل تھا اس کی ٹکڑ پر شیدا
دندڑ کوں میں میں ہی پیلتی تھی

ان تمام اشعار میں موصوف مذکور نہیں اور وہ مخاطب ہی بطور تعرض کے مکالمے اپنی ذات کو ذکر کیا ہے۔

اداع

ہمیں بدنام ہیں جھوٹے بھی ہیں بیشک
ہم تم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں
یعنی آپ ہی بدنام ہیں اور آپ ہی جھوٹے ہیں اور آپ ہی تم بھی کرتے ہیں۔

فلق

وہ ظلم کرتے ہیں ہم پر تو لوگ کہتے ہیں
خدا بڑوں سے نہ ڈالے معاملہ دل کا
مطلب یہ ہے کہ لوگ انکو برا جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا ان سے معاملہ نہ ڈالے۔

ظفر

مرحباے یا کچھ ہو کے دھیان کسی کا | آدنیا میں نہیں کوئی مری جان کسی کا
یعنی تم ہمارے نہیں ہو اور تمہیں ہمارا دھیان نہیں۔

ولہ

سو تجھے ہی مجھے رونے سے دھڑکتا کرکنا | گھر دینگے ڈھو دیرہ گریان کسی کا
یعنی میرا گھر ڈھو دینگے۔

خوشید

انگیا جو مسک گئی تو بولے | آنکھیں پھوٹیں جو دیکھتا ہو
یعنی جو تو دیکھتا ہو تو آنکھیں پھوٹیں۔

ناسخ

ناسخ نہیں ہے کام مجھے عمر دکر سے | بس جانتا ہوں بعد ہی بو تراب کو
یعنی مجھ کو اصحابِ نلشہ سے کوئی غرض نہیں۔

غالب

روے سخن کسی کی طرف ہو تو روسیہ | سودا میں جنوں نہیں دشت نہیں مجھے پا
یعنی روے سخن ذوق کی طرف ہو تو روسیہ غالب نے جب سہرے میں یہ مقطع کہا۔
ہم سخن ہم میں غالب کے طرفدار ہیں | ادھیں اس سہرے سے کہہ کوئی تیر سہر
نوبہادر شاہ کو یہ خیال ہوا کہ اس میں ہم پر شباب ہو کہ مجھے جو شیخ ابراہیم ذوق کو استاد اور ملک الشعراء
بنایا ہو یہ سخن بھی سے بعید ہو بلکہ طرفداری ہو مزانے بادشاہ کا یہ خیال دور کرنے کے لیے ایسا کہا ہو۔

رسوا

اے زندگی کا لطف تب ہی خضر خوشاوقات | جب ہاتھ میں ساتی کے صراحی ہو سہو ہو
یعنی تم کو زندگی کا لطف نہیں کیونکہ تمہارے پاس یہ چیزیں نہیں۔

مومن

میں ہی تو رہا ہوں کہیں شب کو خوش و خرم | میں نے ہی تو کی بارہ کشتی غیر سے باہر
میرے ہی نظر سے غافلانِ میند کا عالم | آتی ہے جمائی پہ جمائی مجھے ہر دم
انگڑاں لیتا ہوں یہ میں ہی تو یہیم | میری ہی تو گردن میں پڑا جلتا ہے کچھ خرم

میری ہی تو آنکھوں میں غضب فیند بھرتی میں ہی تو کہیں رات کو بیدار رہا ہوں میں ہی تو مے و محل سے سرشار رہا ہوں ملک ہوس تازہ خریدار رہا ہوں	میری ہی جبین ہر جو یہ گھٹنے پہ دھری ہر میں ہی تو ہم آغوش طلبگار رہا ہوں میں ہی تو کف غیر سے میخوار رہا ہوں نزدت دہا و باش ہوس کار رہا ہوں
---	--

بد مستیان میری ہی تو آنکھوں سے عیان ہیں
میرے ہی تو ہونٹوں پہ یہ دانتوں کے نشان ہیں

بیان تلویح

اگر کٹایے میں لازم سے ملزوم تک مراد لینے میں واسطے بہت ہوں تو اسکو تلویح کہتے ہیں جیسے
ٹھنڈے چوٹھے والا کٹایہ بخیل سے ٹھنڈے چوٹے کو لازم ہو کھانا نہ پکنا اور کھانا نہ پکنے کو لازم ہو کسی مہمان
وغیرہ کا نہ آنا اور اسکا خود بھوکا مرنا اور خود بھوکا رہنے اور کسی مہمان کے نہ آنے سے بخل ثابت ہوتا ہے۔

سودا

الغرض مطبخ اس گھر خانے کا رشک ہے آبدار خانے کا

مطبخ کا رشک آبدار خانہ ہوتا کٹایہ ہر نہایت بخل سے کیونکہ آبدار خانہ ہونے کو آگ کا نہ جلنا لازم اور
آگ کے نہ جلنے کو لازم ہو کھانے کا نہ پکنا اور کھانا نہ پکنے کو یہ بات لازم ہو کہ صاحب مطبخ نہ خود کچھ کھاتا ہو
اور نہ دوسروں کو کھلاتا ہو اور اس سے بخل ثابت ہوتا ہے۔ اسی قبیل سے یہ شعر بھی۔

قولہ

شادی پر شادی یاں ہو ہر سدا دستہ ہا دن سے بد کہو نہ بجا

بیان رمز

اگر کٹایے میں واسطے بہت نہوں لیکن تھوڑی سی پوشیدگی ہو تو اسکو رمز کہتے ہیں جیسے
چھوٹے سردار لمبی ڈاڑھی والا کٹایہ ہے مرد الحق سے اور اس میں لازم سے ملزوم تک بہت سے
واسطے نہیں ہیں مگر کٹایے میں تھوڑی سی پوشیدگی ہے جس کی وجہ سے ذہن کا انتقال ملزوم
تک تامل کے بعد ہوتا ہے۔

موسن

بیچھین لب آب جو پہ اک دم ہو بچائیں سبوسو پہ اک دم

سبوسو پہ بچو بچا کٹایہ ہر کثرت میخواری سے۔

خافظ عبدالرحمن خان حسان

دخت رز سکھائی خانے میں شبِ ندو جے | آج خوب ہی خشکے تری سو کن گے لگے

یعنی بھنگا ٹرخانے میں بھنگیوں نے خوب سبزیاں کھوئیں۔

انیس

خاک لڑتی تھی ننھو پر دم شیر خدا کے | محتاجین بہ جبین فرش بھی جھوکوں گے ہوا کے

فرش کا چین بہ جبین ہونا کتا یہ ہر سمٹ جائے۔

راجہ مہادیور

سیاہی ہو کی گئی دل کی آرزو نہ گئی | ہمارے جامہ کدہ سے مے کی بونہ گئی

جامہ کدہ سے شراب کی بو کا نہ جانا کتا یہ ہے اس سے کہڑا پے تک مے خواری کرتے رہے۔

بیان ایما و اشارہ

اگر کتا یہ میں واسطوں کی کثرت نہو اور کچھ پوشیدگی بھی نہو تو اسکو ایما و اشارہ کہتے ہیں جیسے سفید ریش کے نقطے سے پیری کا سمجھنا اور یہ امر واضح ہو

احالی

جنھوں نے مجھ سلی پہ میں ڈیرے ڈالے | حواشی میں تجرید کے سب کھنگالے

مجھ سلی پہ ڈیرے ڈالنا اشارہ ہے اُنکے مجھ سلی کی نہایت مزاحمت کرنے سے اور تجرید کے حواشی کھنگالنا اشارہ ہے تجرید کے حواشی کی بخوبی تحقیقات کرنے سے۔

جوانکا دن رات کی دل لگی تھی | اولہ شراب انکی گھٹی میں گویا بڑی تھی

شراب کا گھٹی میں بڑا ہونا اشارہ ہے ابتدا سے عمر سے نہایت شرابخواری میں مبتلا رہنے سے۔

اولہ

ہوئی ترکی تمام خافون کی | کٹ گئی جھڑ سے خاندانوں کی

یہ اشارہ ہے انکی آبرو اور ثروت باقی نہ رہنے سے۔

میر

شکر کت نیچ و برہمن سے تیر | اپنا کعبہ جدا بنا میں گے ہم

اپنا کعبہ جدا بنانا اشارہ ہے سب سے علیحدہ رہنے سے۔

حالی

یار دن کو کرنی اغیار تو ہے | جلوئی گھر گھر تلوار تو ہے |

گھر گھر تلوار جلوانا اشارہ عداوت اور جھگڑا پیدا کرنے سے۔

دل

لائق نہیں تمہارے ترکان خون نگاہان | بروج دل کو میرے کانٹوں میں مست گھسیٹو |

کانٹوں میں گھسیٹنا اشارہ ہراسنا سازانی سے۔

انیس

توڑا ہے علم دار کے ماتم بے فکر کو | پھوڑا ہے جو اس بیٹے نے پیری میں پدر کو |

مگر توڑنا اشارہ ہر صدمہ عظیم پہنچانے سے۔

دبیر

خورشید نے دیکھا ہونہ سایہ جس کا | دردا وہی زینب سر بازار پھر ہے |

خورشید کا سایہ نہ دیکھنا اشارہ ہر نہایت پروردہ پوشی سے۔

ظفر

گھلی جو اس بت بے بہر کی جھلک سے پاک | نہ ذرہ بھر کبھی میزی لگی پاک سے پاک |

پاک سے پاک نہ لگنا ایما ہے نیند نہ آنے سے۔ قاندرہ العدرہ فی صناعۃ الشعر نقدہ میں جو لکھا ہے کاشاہ کے اقسام سے حذف اور ایہام اور کنایہ اور تعریض اور مایا اور رخص ہے اور نہایت معنی اشارہ پہلی اس وقت اشارہ آواز کے مقابل سمجھنا چاہیے نہ اشارہ مصطلح۔

تم

علماء بلاغت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ مجاز حقیقت سے اور کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہے اور استعارہ تشبیہ سے قوی ہے مجاز کے حقیقت سے اور کنایہ کے تصریح سے زیادہ بلیغ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مجاز میں ملزوم سے لازم کی طرف انتقال کیا جاتا ہے مثلاً کوئی کہے کہ میں نے چاند کو دیکھا اور مراد اس سے معشوق ہو تو یہ کہنا اس کہنے سے زیادہ بلیغ ہوگا کہ میں نے معشوق کو دیکھا اس لیے کہ پہلا قول مثال ایسے دعوے کے ہے جس کے ساتھ گواہ موجود ہو کیونکہ ہر ملزوم کا وجود اپنے لازم کے ہونے پر گواہ ہے یعنی ملزوم کا ہونا لازم کے ہونے کو چاہتا ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ ملزوم ہو اور لازم نہ ہو بخلاف اسکے کہ میں نے معشوق کو دیکھا کہ مثال ایسے دعوے کے ہے جس کے ساتھ گواہ نہ ہو جس دعوے کے ساتھ گواہ موجود ہو وہ اس دعوے سے بدجہان تر ہوتا ہے جس کے

ساتھ گواہ نہ ہو۔

استعارے کے تشبیہ سے قوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وجہ شبہ شبہ بہ بین شبہ سے زیادہ کامل ہوتی ہے اور استعارے میں شبہ کے بعینہ شبہ بہ ہونے کا دعوے کرتے ہیں یعنی معشوق کے بعینہ چاند ہونے کا دعوے کرتے ہیں اور اس کے الفاظ تشبیہ پر بھی دلالت نہیں کرتے اور ایک قرینہ ایسا ہوتا ہے کہ معنی موضوع لہ کے مراد ہونے پر دلالت کرتا ہے پس یہ امر ایسے دعوے کی طرح ہوا جس کے ہمراہ گواہ موجود ہو۔

تیسرا شہر علم بدیع کے احوال میں

بدیع ایک علم معنی ملک ہے جس سے چند امور ایسے معلوم ہو جاتے ہیں جو خوبی کلام کا باعث ہوتے ہیں مگر اول اس بات کی رعایت ضرور ہے کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو اور اس کی دلالت مقصود پر خوب واضح ہو کیونکہ ان دونوں خوبیوں کے بعد ہی کلام میں محسنات سے حسن و خوبی آسکتی ہے ورنہ غیر ان امور کی رعایت کے علم بدیع پر عمل کرنا ایسا ہے جیسے بد شکل عورت کو عمدہ لباس اور زینہ پہنا دینا اور اس سے اس علم کا مرتبہ علم معانی و بیان کے بعد سمجھا گیا ہے بلکہ بعض تو یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی علم مستقل نہیں انھیں کے ذیل میں داخل ہے مگر یہ قول اُن کا تحقیق کے خلاف ہے ایسے کہ اس علم کے رُجے کے تاخر سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ مستقل ایک علم نہ ہو اگر ایسا ہی سمجھا جائے تو بہت سے علوم ایسے ہوں گے کہ اپنے مراتب کے تاخر کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ علم نہ رہیں گے اس تقریر سے علم بدیع کا موضوع اور غرض اور غایت اچھی طرح روشن ہو گئی غیر ابلاغت کے ایک رسالے میں لکھا ہے کہ علم بدیع وہ ہے جس سے کلام بلیغ کی عارضی خوبیوں کا حال معلوم ہو جاتا ہے اس کا موضوع کلام بلیغ ہے اپنی خوبیوں کے اعتبار سے غایت اس کی یہ ہے کہ ذہن کلام کی عارضی برائیوں سے محفوظ رہے انتہائی اور سیوطی نے اتمام الہدایہ میں کہا ہے کہ بدیع سے کلام کی خوبی بعد رعایت مقتضائے حال اور وضوح الدلالت یعنی تعقید سے خالی ہونے کے معلوم ہوتی ہے اور منفعت اس کی یہ ہے کہ کلام میں ایسی خوبی پیدا ہو جائے کہ قانون کو بھلا معلوم ہو اور دل میں اثر کر جائے اول جس نے اُن قواعد کا امام علم بدیع مقرر کیا مہدائے بن مغز عباسی ہے کہ سبکدہ بھری میں اُس نے علم بدیع کے قواعد اختراع کیے ایک مستقل علم مقرر کیا۔ اسے ایک کتاب میں سترہ قسم کی صنائع لکھی تھیں پھر کچھ آنے والے اس پر اضافہ کرنے لگے۔ اس علم کو علیحدہ اس لیے مقرر کیا ہے کہ یہ بھی ایک بڑے کام کی چیز ہے

اگرچہ علم معانی اور بیان سے کلام میں حسن ذاتی آجاتا ہے اور اُنکے ہوتے ہوئے محسنات بدیعی کی تحصیل کی کوئی حاجت نہ تھی لیکن انشا پر دازون نے کلام میں حسن عارضی کی طرف بھی توجہ کی ہے اس لیے کہ اچھی چیز اگر مزیات سے خالی ہو تو اکثر ایسا ہو جاتا ہے کہ بعض کوتاہ فہم اُسکی ذاتی خوبیوں کی تفتیش نہیں کرتے اور اس لیے اُس سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے اسکے بعد غور کرو کہ زائد خوبیاں یا تواصالت معنوی خوبیوں کی طرف راجع ہوتی ہیں گو بالاتباع لفظی خوبیوں سے خالی نہیں ہوتیں یا لفظی خوبی کی طرف اصالت راجع ہوتی ہیں پہلی صورت میں - معنوی - کہتے ہیں اور دوسری صورت میں لفظی -

نشاری نے رسالہ چار گلزار میں جو زبان فارسی کے قاعدوں کے بیان میں ہے تھوڑی سی قسمیں صنائع لفظی و معنوی کی بھی بیان کی ہیں اور عجب غلط بحث کیا ہے کہ لزوم مالا یلزم اور التضمن الملزوم اور متلون اور مسقط وغیرہ صنائع لفظی کو صنائع معنوی میں ذکر کیا ہے حالانکہ کسی صاحب رسالہ کے ان صنعتوں کو صنائع معنوی میں نہیں لکھا اور کیونکر لکھتے کہ یہ سب صنعتیں صنائع لفظی سے ہیں یا ان اگر اشاری گل اول صنائع لفظی میں اور گل دوم صنائع معنوی میں نہ قرار دیتا تب بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ اُس نے صنعت کی قسمیں بے ترتیب بیان کی ہیں جیسا کہ اکثر چھوٹے چھوٹے رسالے داؤن لے کیا ہے قطع نظر اسکے اُس رسالے کے اکثر سائل غلط ہیں اور بہت سی جگہ سہو و غلطی واقع ہوئی ہے جو نو آموزان مکتب فرسنگ سے بھی نہایت بعید ہے اس تقریر سے ہمارا یہ منشا نہیں کہ اشاری پر خواہ مخواہ اپنی طرف سے عیب چپکا دیں جیسا کہ سید وارث علی نے کیا ہے بلکہ جو بات اصلی ہوتی ہے وہ منصفانہ بیان کی جاتی ہے چنانچہ اُس رسالے کے ملاحظے سے یہ بات ہر ایک پر واضح ہو سکتی ہے -

الغرض اس شہر میں دو باغ ہیں ایک باغ صنائع لفظی کے بیان میں دوسرا صنائع معنوی کے ذکر میں وجہ تقدیم صنائع لفظی کی صنائع معنوی پر یہ ہے کہ اول لفظ سننے میں آنے میں پھر معانی سمجھے جاتے ہیں بعض مصنفین نے اسکے برخلاف معنی کو الفاظ پر تقدیم دے کر اول صنائع معنوی کو بیان کیا ہے پھر صنائع لفظی کو کیونکہ مقصود اصلی اور غرض اولی معانی ہیں اور الفاظ اُن کے توابع و قوالب ہیں -

فائدہ اگر شعر میں کئی صنعتیں مختلف ہوں تو اُسے صنعت مرکب کہتے ہیں اور غایت علم پارسی بھی تلم رکھا ہے -

پہلا باغ صنائع لفظی کے بیان میں

صنعت تجنیس وہ ہے کہ دو لفظ تلفظ میں مشابہ ہوں اور معنی میں بخلاف اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔
 (۱) تجنیس تام اور وہ یہ ہے کہ دو لفظ الواح حروف اور اعداد حروف اور ترتیب حروف
 اور حرکات و سکنات میں تفرق اور معنی میں مختلف آئیں صلاح الصفوری جنان الجناس میں کہتا ہے
 کہ جناس کامل اور جناس معنوی یہی ہے اور اس کا مرتبہ سب اقسام جناس میں اعلیٰ ہے پس اگر
 تجنیس کے دونوں لفظوں کی نوع علیحدہ ہو یعنی ایک اسم ہو ایک فعل یا ایک اسم ہو اور ایک
 حرف یا ایک فعل ہو اور ایک حرف تو تجنیس تمام مستوفی کہتے ہیں جیسے پاٹ ایک
 جگہ امر ہو مصدر پاٹنا سے اور یہ فعل ہے اور ایک جگہ پاٹ اسم ہو چلی کے پاٹ یا دامن کے
 پاٹ کے معنی میں۔

حسرت

جب سیر گلستان کو وہ شوخ گیا تر کے دل چاک ہوا گل کا غم کے جگر تر کے
 پہلے مصرع میں تج کے صبح کے معنی میں ہے اور دوسرے مصرع میں ماخوذ ہر ترکے سے یعنی ماضی مطلق کا
 صیغہ ہے۔

الشا

کہا دل نے مرے دیکھی جو وہ مانگ کہ ہر یہ رات آدھی کچھ دعا مانگ
 پہلے مصرع میں لفظ مانگ اکم ہے اور دوسری میں فعل امر۔

شاہ حاتم

جب سنا سوتی نے تجھ دندان کا سوتی کلہا آب میں شرمندگی سون ڈوب جو نانی بہا
 پہلا بہا اکم ہے اور دوسرا تھا فعل ماضی۔

الانست

آبداری سے جو مملو نظر آیا وہ گلا رشک کی برف سے کیا جسم مزاج کا گلا
 اول مصرع میں گلا اکم ہے اور دوسرے مصرع میں فعل۔

زنکین

ایک بیک گہرا کے وہ اٹھا چکار مار تیرے ہاتھ میں ہے اسکو مار

پہلا لفظ اس اسم پر اور دوسرا فعل امر۔

حسن

کئی دن تیرے چھپے ہوئے میں شکایت کیوں کرتا
خدا تیرے کیا کافر ہو دل تیرا کیا کیسے

پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں ترسا ماضی پر ترسنے کی اور دوسرے شعر میں اسم پر نصارت کے معنی ہیں

ناسخ

ابن ترسا بہت ادا کافر ترسا مجھ کو
اب جان بخش دکھا بہر سی مجھ کو

ظفر

جگر کے دل غم پہ اشکون کو تپنے ریل دیا
اگر یعنی جلتا نہیں ہے بغیر تیل دیا

پہلا دیا ماضی پر اور دوسرا دیا اسم ہے

خیرانی خان دلسوز

سب سہین گے ہم اگر لاکھ بُرائی ہوگی
بدھین آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

پہلا لفظ لڑائی ماضی پر اور دوسرا اسم۔

رحمت اللہ مجرم

چمن من کسے الہی نگاہ ڈالی آج
جو کھل کھلاتی ہو گل کی نہریک ڈالی آج

پہلا لفظ ڈالی ماضی پر اور دوسرا اسم۔

محمد اکبر اکبر

لازم ہو رحم بلبل شہید کی جان پر
فصل بہار ہے نہ کتر باغبان پر

انیس

خیبر میں کیا گذر گئی روح الامین پر
کاٹے ہیں کس کی تیغ دو پیر نے عین پر

دونوں شعر دن کے پہلے مصرعون میں فطریہ حرف پر اور دوسرے مصرعون میں اسم ہے۔

اور اگر دونوں قطف ایک نوع سے ہوں تو جنہیں تام محاتل کہتے ہیں جیسے لفظ کل ایک جگہ یعنی

آرام و قرار اور دوسری جگہ یعنی دیر و زور و فردا ہو۔

امانت

ستار سوزِ طر سے بھلا مجھے کب ہو
زیرِ پے گنداری فراق کی شہبے

ہوا ہر کل سے بھی کچھ درد کل نہیں ہے | خدا ہی خیر کرے آج رنگ بے ڈھب ہے

انیک رہا ہے کئی دن سے ابلہ دل کا

ظفر

آدمی کہتے ہیں جس کو ایک تہلا کل کا ہوا | بھر کہاں کل سکو گر کل ہو ذرا بگڑی ہوئی

قلق

اس قدر زیت سے ہوا ہوں تنگ | ہو گیا ہے یلنگ مثل یلنگ

جانصاحب

وصف میں جوئی کے اک شعر نہ جوئی کا لکھا | جانصاحب نے بکی کیا ہے یہ جوئی جوئی

کہتا ہے جو یا قوت زبان لال ہوا سکی | اولہ آگوا میں مرے یار کے لب لال کی صورت

ناسخ

خط کے آغاز میں گرجھ سے ہوا صاف تو کیا | لطف تب تھا کہ صفائی میں صفائی ہوئی

شایان

طسلائی وہ بوندہ پڑا کان میں | زرخا لصل ایسا کہاں کان میں

مثنوی سعدین

کبھی دیکھے تھے نہ ایسے کان بل | لکھوں کانوں کو ناز کی کی کان

گویا

مردن سے خط سطر ہوں جیسے پوشیدہ | اسی روش سے روش زیر سایہ نہاں ہے

نظیر

وہ نیچی کافر سیاہ بٹی نہ دل کے زخموں پہ باندھی بٹی | پیر سی ہو جسے کہ اسکی بٹی وہ بٹی سے سرٹکے ہا ہے

داغ

سمندر میں سمندر ہوں صدف میں ہوں شریبنا | جو چمکے آتش قدر و غضب کی تیرے چنگاری

وزیر

خط عاشق سے جو نفرت تھی کل یا خط | کونسا مجرم ہے جسکے لیے تمیز نہیں

آغا حسن انزل

اسکو بچا بے صل میں بھی - قدر | محرم سے ہونے پائے نہ محرم تمام شب

عالم علی خان مست

بوسہ لیا ہے یار کی انگلیا کے پان کا
اکھا یا ہے آج پان نئے خاصدان کا

وحید الدین خان فرد

اور ان چھاتی ہر گدرائی انکو کیونکر بہان کھٹکا
درخت بارور میں باندھتا ہر باغبان کھٹکا

ذوق

ماہ گننے کے لیے ہے نہ کہ گننے کے لیے
تیرے کنٹھے کا کہون کیا اُسے زیبا گوہر

پہلا گنا خسوف ہونے کے معنی میں مصدر ہے اور دوسرا گنا زیور کے معنی میں اسم جامد ہے

عبداللہ خان مہر

یہ شان ناز کی ہے کہ شان اُتر گیا
آیا اُتر کے زلف سے جب شانہ دوش بر

حکیم میر محمدی ظاہر

رہر کی جس پر نظر کی مہر سان چکا دیا
آپ جا با جب تو جلوہ درے میں دکھلا دیا

الش

نیاز و ناز کے عالم میں سب اُنکے کرٹے ہوئے
اگر پاؤں پڑ کے چھوٹو گئے اگر تم بان کرٹے ہوئے

پہنے کرٹے زیور کا نام ہے اور دوسرے کرٹے سخت کے معنی میں۔

مومن

یوسف سے عزیز کو کئی سال
زندہ عزیز میں بچنا یا

نسیم

بہرام ہے توارے وہی چور ہے
ارہ تھکوبت ناؤن سحر سے گور

بدبین کچھ کے گور کا نام ہے
بچہ وہ اک لائی وہ گل اندام

پہلا لفظ گور صحرائی آخر کے معنی میں ہے جسے گور خربھی کہتے ہیں اور دوسرا لفظ گور قبر کے معنی میں ہے۔

۲) تینیس مرکب یعنی تینیس کے ایک لفظ کو دو کلون کی ترکیب سے حاصل کر کے بنی اور ایک لفظ مفرد ہو اور یہ دو حال سے خالی نہیں اگر کتابت و خط میں موافق ہوں تو تینیس مرکب بتا رہے کہین گے جیسے۔

ایاز محمد خان بھوپالی

قاتل نے لگایا نہ مرے زخم بہ مرہم
حسرت یہ رہی جی ہی کی جی میں گئے مرہم

حسرت

روٹے ہوئے جاتے ہو ہم سے جو تم اب لڑکے
ہم بھی نہ ملینگے پھر سنتے ہو میان لڑکے

امانت

وحیان آئے ہیں مجھ کو ترے جوین کے برابر
معتوق بہان آتا ہے جوین کے برابر

میر حسن

نقط موتیوں کی پڑی پائے زیب
کہ جس کے قدم سے گہر پائے زیب

انیس

خالی نہ گیا دار کوئی تیغ دوسر کا
باتھ اڑ گئے گریبانوں بچا سر کوئی سر کا

رافت

سب لعل رہ رشک یا قوت تھے
یہ جان عشاق یا قوت تھے

مجبور

باتین دیکھ زمانے کی قی بات سے بھی کھلتا
خاطرات سب یاروں کی مجھ پر غزل کھلتا

پہلا لفظ کھلتا ہے کاہلی کرتا ہے کے معنی میں ہے۔
اور اگر خط و کتابت میں غماض ہوئے تو تجنیس مرکب مفروق بولینگے مثال سکی۔

لمؤلفہ

کچھ ہم کو نظر یار کا دل آتا ہے میلا
ساقی تو صفائی کے لیے شیشہ مے لا
پہلے مصرع میں میلا لفظ مفرد ہے اور دوسرے مصرع میں مرکب ہے لفظ مے بمعنی شراب اور لاصیغہ امر ہے۔

ذوق

کہا جی نے مجھے یہ سحر کی رات
یقین ہے صبح تک دے گی نہ جینے
پہلے مصرع میں لفظ جی نے مرکب ہے اور دوسرے مصرع میں جینے لفظ مفرد ہے۔
محول بشارت کا شرب ہے

اے یار جو کوئی کسی کو کلیا دے گا
یہ یاد رہے وہ بھی نہ کل پاوے گا

نواب بہر علیخان زائر

کیونکر نہ ہو مسکری بد یہی
دل میں ہے بھری موتی بد یہی

نہ دے میں لفظ بد یہی مفرد ہے اس چیز کے معنی میں جس کا علم فکر پر موقوف نہ ہو اور دوسرے

مصرع میں بدی ہی مرکب ہو بدی اور لفظ ہی سے جو حصر کا فائدہ دیتا ہے۔
اسی کے قریب امثلہ ذیل ہیں۔

انشا

وہ جو کھاتے ہیں پان میں زرد آٹا گھس گئی اُن کے کان میں زرد آٹا

پہلے مصرع میں زرد آٹا کوے خوردنی کے معنی میں ہے اور یہ لفظ مفرد ہے اور دوسرے مصرع میں زرد اور آرد و لفظ میں آصیغہ ماضی مطلق ہے اور زرد اس کا فاعل ہے زرد سے مراد پیلی بھڑک ہے

غزینہ

آہ تو بھلا کیا ہے چکارہ ہے چکارہ دنیا میں کسی کی بھی نہیں کچھ سے بڑی کچھ

مومن

وان سے جواب صاف ہی لائی بات بنائی پرنہ بن آئی

رافت

وہ لب شیریں تھے جنکے آگے نبات خجل اس قدر ہو کہ اُسے نہ بات

میر

نہ تشقل نہ سلی نہ سُرخاب ہے تمام اُنکے ٹوٹے سے سُرخ آب ہے

جرات

کل آئی دل کو جو آئی تری کلائی ہاتھ خفا ہو مجھے چھوڑا تا ہے کیوں میان ہو چکا

میرامن

خواہ تم پانوں گھسویا کہ رکھو سر پہ سجود بات پیشانی کی جو کچھ ہو سو پیشانی ہے

دبیر

سوے صف آئی کر کے صفائی روان ہوئی اتن میں سمائی دل میں درائی روان ہوئی

ولہ

صادق شاہ شمس و قمر کی نہ آئی نہ کیا تاب کچھ تو دیکھو جو بر رو ہوا کینہ

ولہ

ہوتی جو پیر یہ تو نہ کٹتے سر پر اس کے پر حیف کہ پیر تھے نہ زیر پر اس کے

اگرچہ ان امثلہ میں غور کرنے سے اعداد حروف کے اعتبار سے بظاہر فرق معلوم ہوتا ہے مگر ہم نے بوجہ اسکے کہ تلفظ میں دونوں لفظ ایک سے معلوم ہوتے ہیں یہاں لکھ دیا ہے۔
(۳۳) تجنیس مرفوعہ۔ وہ یہ ہے کہ ایک لفظ مفرد ہو اور دوسرا لفظ کسی دوسرے کلمے کے جز کے مرکب ہو بخلاف تجنیس مرکب کے کہ اس میں ایک لفظ مفرد ہوتا ہے اور دوسرا تہائس پورے دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے مثال تجنیس مرفوعہ کی۔

امانت

سینہ وہ سینہ کہ دیکھے تو تڑپ جائے بشر | ایسے سینے نہیں دیکھے ہیں کسی نے سر بھی
لفظ کسی کا لفظ (سی) لفظ (نے) سے ملکر تہائس سینے کے ہوا۔

عبرت

ہجوم اس آستان پر مردیک کا | نہ ہو کیونکر کہ ہے وہ حسرد مکا

شاہ حاتم

ان سیم ہرون کے ساتھ سونا معلوم | قسمت میں لکھی ہے خاک سونا معلوم
حاتم افسوس دی دامن ز گزشت | حسردا کی رہی اُمید سونا معلوم

دبیر

اغل تھا کاپ بھاحت جسم و جان نہیں | لو تیغ برق دم کا قدم در میان نہیں

لفظ برق کا قاف دم سے ملکر قدم کا تہائس ہوا۔

فائدہ یاد رکھو کہ تینوں بھی تجنیس تام کی قسمیں ہیں پس تجنیس تام کی کل پانچ قسمیں ہونگی اور چونکہ اس میں دونوں لفظوں کا حقائق اور اعداد اور ہیئت میں متفق ہونا ضرور ہے پس اس وجہ سے تراپ کا یہ شعر ہے۔

اگر دلی ہو یا لکھنؤ یا شہر بنارس | جس شہر میں لفت نہ وہ تو ہی بنارس

تجنیس مرکب تشابہ میں داخل ہو سکیگا کیونکہ جبرج اول میں بنارس ایک شہر کا نام ہے باے موحده کے فتح سے اور دوسرے مصرع میں بنارس سے مراد بن لکھنؤ و میرہ ہے۔

اور اس میں باے موحده کسور ہی مرکب ہے خط بنا اور لفظ رس سے پس یہ دو وزن لفظ ہیئت حروف یعنی حرکات و سکنات میں متفق نہیں۔

(۳۴) تجنیس خطی یعنی دو لفظ تہائس بغیر رعایت لفظ و حرکات و انواع حروف کے مشابہ

شکل میں واقع ہوں جیسے مشکین، درمکین اور خط و خطہ اور زر اور زر اور غرق اور غرق۔

الشا

ی چپکے سے میں نے جبکہ اُسکے چپکی بولی کہ پڑے جان پہ تیرے چپکی
مقصود بالتمثیل چپکے اور چپکی ہے۔

ہوس

کوئی قطعہ خط سے خطا اٹھاتا ہوں حرف غلط یہ مٹ ہی جاتا

دبیر

سرخ عرق دیکھ کے خوشید ہوا تر ابرو سے ٹپکتا ہی پڑتا تیغ کا جوہر

سید درویش ثروت

قابل نہ تھے جفا کے اٹھانے کے ہم خدا ثروت نہا ہر یہ اُس آفت پناہ کی
مقصود بالتمثیل خواہ اور پناہ ہے۔

بیدار

کہ تو کس گھین پوچھوں نشان خانہ دوست اگر آشیانہ غفا ہواستانہ دوست
آشیانہ اور آستانہ میں تجنیس خطی ہے۔

حالی

شیخ اور بندہ شیخ شوخ مزاج پندارند اور مرجع کرام و ثقات
شیخ اور شیخ میں تجنیس خطی ہے۔

شایان

شراب میں خزانہ جو ملا ہے وہ صرف میکہ ہو تو بھلا ہے

دبیر

تیاری تیغ و تبر و تیر ہوئی ہے تدبیر گرفتاری شیر ہوئی ہے
تبر و تیر میں تجنیس خطی ہے۔

داغ

تلافی ہو گئی عشرت کی عشرت ازبہ قسمت بدل ہو گئی آسانوں کی میری شادی
عشرت و عشرت میں تجنیس خطی ہے۔

ذوق

تیمیم عیش سے ہر یہ زمانہ عطر آگین
کہ قرص عنبر اگر ہے زمین تو گردِ عبیر
عنبر اور عبیر میں تجنیس خطی ہے۔

ظفر

کھل گئی ہم پر کہ رندوں کے کہیں بگڑی ہے آج
سَر پہ ہر بگڑی جو تیرے زاہد بگڑی ہوئی ہے
بگڑی اور بگڑی میں تجنیس خطی ہے۔

نخیف

وہ گرمی نظر سے پسینے میں تر ہوے
میں غرق ہو گیا عرقِ افعال میں
(۵) تجنیس محذوف اور وہ یہ ہو کہ دونوں لفظ ہمہ وجہ نوع اور عدد اور ترتیب حروف میں
مشابہ ہوں لیکن ہیئت یعنی حرکات و سکنات میں مخالف واقع ہوں اور اسکو بعض تجنیس ناقص بھی
کہتے ہیں جیسے ہیر بالکسر بمعنی میوہ معروف اور ہیر بالفتح بمعنی صداوت۔

تراپ

اگر دلی ہو یا لکھنؤ یا شہر بنارس
جس شہر میں لغتِ نودہ تو پر بنارس

احسان

گلے سے لگتے ہی جتنے گلے تھے بھول گئے
اگر نہ یاد تھیں ہم کو شکایتیں کیا کیا
یہ اُس وقت میں ہو کہ گلے کی جمع یا سے لکھی جائے۔

انیس

صدموں میں علاجِ دل مجروح ہی ہے
ربانِ بڑی ہی رُوح ہی رُوح ہی ہے

تسیم لکھنوی

مشکین زلفون سے مشکینِ سواد
انکے ناگون سے بھکوڑ سواد

ناسخ

جب تک نہ آبِ یاک و بانِ نبی ہوا
اس شیر کے نہ دل میں خیالِ آیا شیر

یہ بھی نہ پوچھا کبھی صیاد نے
سے کون رہا کون رہا ہو گیا

علی احمد علی خلص

چھوٹی ہے گایون پر تری کس قدر زبان
بچوٹے سے خنہ میں ہر بڑی فتنہ گزبان

انیم دہلوی

میں تو کیا ہوں کاروان کے کاروان ہو گئے اسیر | بندہ لاکھوں کو کرے گا آج بندہ کان کا

کرم خان تخلص کرم رامپوری کی ساری غزل سی صنعت میں ہو جگا مقطع یہ ہے

ترے قدموں پر جو گرا کرم تو یہ پورے تھک پہنچا ہے | ہوئی ریش ستن باخیر سن تجھے بھائے سن ترے گھونگر

پہلا سن مفتوح الاول دوسرا سکورا الاول سیرا مضموم الاول ہے۔

رہا تجنیس زائد و ناقص یعنی ایک لفظ متجانس میں دوسرے لفظ سے ایک حرف زیادہ ہو

اور دوسرے میں کم۔ اسی سبب سے اسکو تجنیس زائد و ناقص کہتے ہیں اور یہ تین حال سے خالی نہیں

یا اول میں کوئی حرف زیادہ یا کم ہوگا جیسے بات و نبات یا در میان میں کمی اور بیشی ہوگی جیسے گل

اور گال دم اور دام یا آخر میں جیسے جاہ اور چاہا اور بیان اور بیانہ۔

جیسے یہ شعر برشتہ تخلص شاگرد مجھوڑے خان آشفہ کا۔

رشتہ توڑا پرشتہ آفت کا | دیکھ آئے شکستہ حال بہن

ناسخ

یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو پڑ | مہربان بات ہے نبات نہیں

اور

باریک بال سے بھی ہو تیری کمر میان | ہوگا وبال زکف بڑھانی لکمر +

ضامن

ترنج اسلیے ہو ترش اس میں بھی ہے رنج | برنج خور بھی ہوتے ہیں مبتلائے رنج

دبیر

آزادہ جو تھی تیغ علی زندہ کے دم سے | دم ہو گیا اسوقت جد لفظ عدم سے

ولہ

عارض سے بدر ہود معارض یہ کیا مجال | ابرو سے بڑھکے شہر بدر ہوا بھی ہلال

میر

آٹھوں کربال سادہ رد لڑکے | خلق کا کیوں وبال لیتے ہیں +

دلش

بہراحت کے عوض راحت ہوئی اس دور میں | بنا مریم دل نگار غم کا چرخ رنگاری

احمد خان غفلت رامپوری

جودان کا قطرہ آب زلال لال پیئے | اگر وہ شرق میں بولے تو ہوئے غرب میں

حالی

گلہ بانی کے لیے پایا جو ایماے شعیب | بکریاں اُسے چرلے من نہ بگھا کچھ عیب

مولفہ

اجل گیا آتش فرقت سے تن زار تمام | حیف تو بھی نہ ہوا میرا یہ آزار تمام

دوسری قسم کی مثال۔

امانت

میرے نالوں نے رقیبوں کو جتا یا راز عشق | شور کر کے کوچہ جانان میں شریدا لگیا

آتش

ٹپکاکے زخم بھر پرے ترک کیا کرین | خالی بین تیل سے ترے چہرے کے تل تمام

منوئی نلدن من اردو مولفہ راحت

ار بس رہتا ہے ہمدوش الم وہ | ہوا ہے تل سے اب نال قلم وہ

میر

زور دوز کچھ نہ تھا تو ہمارے تیر | کس بھروسے پہ آشنائی کی

ناسخ

غیب سے آ کے طائر دیکھنا ہوں گے اسیر | کھا کے بل جوئے مکرنتا ہی پھندا مال کا

برق

وصف کس منہ سے کروں اس بروں سحر کا | پھول سے ہلکا ہی پھل قاتل تری تلوار کا

مومن

ہم نکالیں گے سُن اے موج ہو ابل تیرا | اُسکی زنگون کے اگر مال پریشان ہونگے

ظفر

لال بوجہ نہیں منہ ہے چمن میں گل کا | سیلی باد صبا سے ہو گئی گال پہ ضرب

درد

سلطنت پر نشین ہے کچھ موتوں | جکے ہاتھ آئے جام سو جم ست

	غالب	
نیچے ہیں رہ گزریہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں		دیر نہیں حرم نہیں و زمین آستان نہیں
	حسرت	
راز سے باز ہو لیچلا سب آرام		ہندو پیچہ وہ بت براہمن خود کام
کنے لگا کیا چیز ہے رم جانے رام		مین نے کہا رام مجھے نکر رام ہو تک
رام اور آرام پہلی قسم کی مثال ہیں اور رم درام دوسری قسم کی اور دونوں رام تجنیس تمام کی		مثال ہیں
تیسری قسم کی مثال یہ فقرہ کتاب الف لیلیٰ اردو ترجمہ منشی عبدالکریم لکھنؤ کی شہزادہ امین امینہ کو بڑے اغاز و اکرام سے لگایا۔		تیسری قسم کی مثال
	ناسخ	
دیکھ کر بچا لے کو بیان شکن ہو جاے گا		میکدہ تک محتسب کو میکشوا لے تو دوا
	ولہ	
جالی کی گرتی کا اسیلے پریر و حال ہے		اڑ نہیں سکتی تری انگلیا کی چڑیا اس لیے
	حیدر	
عارضی حسن ماہ کا لہ		تیرے عارض سے خاک ہو مہر
	گلزار نسیم	
اس نام کے اس لقب کے صدقے		اس نام کے اس لقب کے صدقے
	خواجہ وزیر	
کوئی آئینہ کدین ہو کر غمت سلیمان کا		پر زار دون لے مٹی دی جو بھگو بعد مر نیکی
	ولہ	
مل گئے موتی سے دندان موتیا کے ہار میں		ہاتھ نہر رکھ کے وہ گل کھل کھلا اڑنس پڑا
	صفیر	
گاہ فر سے کنے جہن میں تاک کوتا کا		پرنک قطرہ صبا ٹیک کر خوشے گرتے ہیں
	انست	
جیسے شور و فغان صورت بیل کرے		ہوتا نند دھوکے جو دریا سے دان گل تر

بحر کسین

خیال زلف بیتان میں جو بیج کھاتے ہیں	مڑوڑے ہو ہو کے پیش کے دست آتے ہیں
-------------------------------------	-----------------------------------

فلق

سر کا کے زلف چہرے سے ابرو دکھاتے ہیں	ہوتی نہیں ہوا بر میں رویت ہلال کی
--------------------------------------	-----------------------------------

سیانہ

روان آنکھوں سے ہر سیلاب گلوں	اتنی چشم ہے یا چشمہ خون
------------------------------	-------------------------

شاداب

شب بہین جو افشان آب چن کر یام پر ہیں	قرغیرت سے ڈوبے انجمن انجم کی رہم ہو
--------------------------------------	-------------------------------------

ذوق

مارے گریلی وہ زلف پر عسرق	بھڑپڑین دمدان وہاں مار کے
---------------------------	---------------------------

آباد

ادھان سلک گوہر دندان یار میں	ادرہو کے لفظ درج دہن کھل گیا
------------------------------	------------------------------

بعض اس قسم کی تجنیس کو کہ جس کے آخر میں بیٹی ہوتی ہے تجنیس مُطَرَف بھی کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں تجنیس مُطَرَف وہ ہے جو بعض حرف کلمے کے تھالس ہوں جیسے چین اور نہیں ناسے اور نواسے۔

نیاز

کس کام کی یہ ہستی مودہوم کائنات	سیراب کب کرے تجھے دھوکا سرک
---------------------------------	-----------------------------

تعشوق

خال رخسار بیتان کا جو خیال آتا ہے	کعبہ دل بھی شوال ہے کسی ہندو کا
-----------------------------------	---------------------------------

ولہ

کیا ہی ریاضت میں وہ تھاپے ریا	جسم ہوا گھل کے نئے بُوریا پا
-------------------------------	------------------------------

مصحفی

ماری آہ نے جو کھولی بیوق بیری آہ	دہن برق درعد بیکر علم صحاب الکا
----------------------------------	---------------------------------

دے تجنیس مذکور یعنی دو لفظ تھانس میں سے ایک لفظ کے آخر میں دو حرف کی زیادتی ہو جائے۔
مثلاً: بلکتی ترس در ترسانی تل اور قفل شال شرکی یہ فقرہ نورقن جھورکا:-

دوین اُسکے گلشن فراق میں شب کو شبنم کی طرح یوں ہاتھ مل مل کے روتا ہوں کہ اشکوں سے
میرا ترانہ دم ہو جاتا ہے۔

مقصود بالتمثیل شب اور شبنم ہوا سی مثال میں ہویہ شعر ذوق کا۔

محفل میں شور قلقل مینا دل ہوا | لاسا قیا شراب کہ توبہ کا قل ہوا |

ولہ

بانگ سے اُسکی باتگتی ہر بھیک | مہ کا کاسہ لیے شب تاریک |

خواجہ وزیر

منتظر رکھتی ہر غمزہ کرتی ہوا آتی نہیں | اویٹ ترسازری فرقت میں ترساتی ہیںد |

سید

دیکھا نہیں ہر مار کو طاؤس مارتے | گیسو پڑا ہے پیچھے دل داغدار کے |

دبیر

یہ ٹمس کہ روشن گرا شیب جہان ہے | اس مدرسہ نور کا اک شمسہ خوان ہے |

منشی

ہر اک طرح تھا گرچہ گرہین بزرگ | دے کینہ آور تھا مانند گرگ |

گئے جبکہ وہ سامنے سام کے | ولہ تو پھر دون ہی نظم کے واسطے |

سیاک کا اک پور ہوشنگ تھا | ولہ کہ سرتا بہا ہوش و فرہنگ تھا |

گویا

کیونش میں کون دم گلشت گلشن پاک کو | تاکنے والا ہوں اُسکی زرخس مخمور کا |

منیر

ای عزیز و ذوقن یار سے کیا پوچھتے ہو | چاہ میں دیدہ و دانستہ گرا چاہتے ہو |

ذوق

چشم غضب سے نیم نگہ میرے واسطے | ایک نیچہ ہے زہر میں گویا بجھا ہوا |

خلیفہ عہد الزواق عینی سے مقدمہ شرح سے شریوری میں اس صنعت کی تعریف میں سہوق
ہوا ہے کہ تجنیس نام کی کھلی قسم کو کہ اس میں ایک لفظ متجانس کے آخر میں دوسرے لفظ سے ایک
عرف زیادہ ہوتا ہے ذیل قرار دیا ہے۔

(۸) تجنیس مضارع اور وہ یہ ہے کہ الفاظ تجانس کے بعض حروف مختلف ہوں مگر شرط یہ ہے کہ ایک حرف سے زیادہ مختلف نہ ہو ورنہ دونوں نغظون کے تشابہ میں بعد واقع ہو جائے گا اور اس میں یہ شرط ہے کہ حرف مختلف متحد المخرج یا قریب المخرج ہوں اور یہ تین صورتوں سے خالی نہیں اختلاف اول میں ہو گا اور بیان میں یا آخر میں۔

مثال اول

ذوق

عقل میں شمس ہے تو علم میں کان گوہر
فضل میں کبہ ہے تو علم میں کوہ رحمت
علم و حلم میں غنیس مضارع ہے۔

ہمزہ

اب مطلب ہمزہ بین ذکر یہ سنا ہے
حمزہ کی سرپرست یہ مولا تھے لگائے
ہمزہ اور حمزہ میں تجنیس مضارع ہے۔

میر

تیرے نعل جان بخش کو ہم نے بتلا
کیا آب حیوان کو پانی سے پتلا
بتلا اور پتلا میں تجنیس مضارع ہے۔

نصیب

ابھنجی آس رخ روشن پہ جمائیاں دکھیں
گھٹائیاں چاند پہ سو بار چھپائیاں دکھیں
جمائیاں اور چھپائیاں میں تجنیس مضارع ہے۔

ظفر

ہوئی بیرون کی برسوں قہر آت کیا سب
آپے اچھا کیا وعدہ وفا ایسے تو ہو
برسوں اور برسوں میں تجنیس مضارع ہے۔

منشی

مناسبت اب اور یوں ہے سلاح
کہ تو اور طوس آدھے یاں بے سلاح
سلاح اور سلاح میں تجنیس مضارع ہے۔

بیخود

انہ کیوں اسکو بدظن رخ سے میل
نہیں ٹہرے عشق پیچ کی میل

میل اور میل میں تجنیس مضارع ہے۔ لیکن بیان یہ بھی ہے کہ حرکات میں اختلاف ہے۔

باقعہ میں تسبیح زبان پر عمل | قطع مگر شتہ طول امل

عمل اور امل میں یہ صنعت ہے۔

مومن

بن ترے بزم سور میں بن یہ قیامتیں کہ ترا | نغمہ صور کا اثر نغمہ نے نواز میں

سور اور صور میں یہی صنعت ہے۔

رجب علی سرور

ہر گام پر جو بچانس لیا مرغ دل برا | کیا چال چال ہے بت محشر خرام کی

چال اور چال میں تجنیس مضارع ہے۔

میرد علی تیش

دین دل عشق میں کھو بیٹھے تھے ہم برسوں کے | طاقت صبر بھی جاتی رہی کل برسوں سے

برسوں اور برسوں میں تجنیس مضارع ہے۔

الشا

اقرب بچکے اپنے سے وہ جائے یوں پس | عقب کے نیش پر بھی جو رکھے حمل قدم

اقرب اور عقب میں تجنیس مضارع ہے۔

مثال دوم

شوخی کے بان سے جب لالہ میں دندان کچھا | فقیہ اس طرح کا میں نہیں لعل بدخشان کچھا

اسخ

لال کرتا ہے وہ رستہ لعل کو | اور شعلہ بختا ہے لعل کو

مقصود بالتمثیل لال اور لعل میں۔

مثال سوم

حسن

منظور ہے گرز خم جگر کا تچے سینا | آسنے سے سینہ مرے اے ایجان لگا دے

سینا اور سینہ میں تجنیس مضارع ہے۔

تلفون کے ہاتھ دوست حسن جنم ملی | قلق اور سانپ خوب پیچ رہے مالہ ر کے

نال اور مار میں نجیس مضارع ہے۔

الرحمن بے نظیر

قانون دہی ساز دہی طبلہ دہی ہے

ہر تار میں بولا کہ ہر اک تان میں آیا

تار اور تان میں ہی صنعت ہے۔

الوار حسین نسیم

سحری آواز بجاؤ وہ انمول

تان اور تال کا نئے میں لوتول

محمد جان شاد

بدی بخت سے دانہ ملے نہ دانا کو

سپر دون ہو کے سفلہ پردری یہ کمر

دانہ اور دانا میں ہی صنعت ہے۔

قائدہ انصافے خلق سے کہ سینے کے نزدیک ہو ظاہر لب تک جہان سے کوئی حرف نکلے

اُس جگہ کو مخج اُس حرف کا کہتے ہیں اور اسکے دریافت کا ایک قاعدہ یہ ہو کہ جس حرف کا مخرج معلوم کرنا ہو اُسکو ساکن کر کے اور ایک الف تحرک سے ملا کر تلفظ کو جس مقام سے آواز نکلے اُس حرف کا وہی

مخرج جانیں چنانچہ خلق سے اے ا ع ح غ خ نکلتے ہیں اور تالو سے ق ک نکلتے ہیں اور

زبان کے سر سے ص س ز نکلتے ہیں اور زبان کی نوک سے ظ و ث نکلتے اور میانہ زبان یعنی منہ

کے اندر سے ج ش ی نکلتے ہیں اور سونچوں سے ل ن نکلتے ہیں اور منہ کے شکم اور تالو سے

ط و ت نکلتے ہیں اور زبان کے کنارے سے ض نکلتا ہو اور ب م ف و ہونڈ سے نکلتے ہیں اور

خلیل بن احمد کہتا ہو کہ حروف علت یعنی او می سکون کی حالت میں ہوائی ہیں یعنی ہوا سے دہن سے

پیدا ہوتے ہیں مخرج نہیں رکھتے اور پ ج گ حروف فارسی کے مخرج وہی مخرج پ ج گ

حروف عربی کے ہیں مگر ان کے تلفظ میں اندک تفاوت ہو اور ث کہ فارسی کا حرف ہو شین منقوطہ کے مخرج

سے نکلتا ہو لیکن اس کے تلفظ میں زبان کسی قدر تفصیل ہو جاتی ہو اور ٹ و ط ان سے بھی زیادہ تفصیل میں

(۹) نجیس لاحق اور وہ یہ ہو کہ الفاظ تنجائس کے بعض حروف میں اختلاف ہو مگر بیان بھی

شرط یہ ہو کہ ایک حرف سے زیادہ مختلف نہ ہو ورنہ دونوں نفلوں کے تشابہ میں بعد واقع ہو جائے گا

پس ان اشعار میں۔

یار محمد جان شوکت

دو بالا ہوئی آتش جنگ گرم

مہر کیسی تھی بہرام نے بھی یہ رزم

سودا

نہایت اک کینہ کنہ عصبر کہ دکش نظم سے جسکی ہر اک نثر

مہجور

ورجن کو نہیں ہے اس میں دخل اپنے نزدیک ہیں وہی بے عقل

الفاظ گرم و رزم - عصر و نثر - دخل و عقل میں یکبیس لائق نہوگی کیونکہ ہر اک مثال میں دو حروف کا اختلاف ہو اور اختلاف حروف کا عام ہو خواہ اول میں ہو خواہ درمیان میں خواہ آخرین اور وہ حروف مختلف تھے المخرج یا قریب المخرج ہون جیسے سنگ چنگ اور رام روم اور شاہ شاد وغیرہ۔ پہلی شکل کی مثال۔

نعیم

بچہ سے جدا ہو دل مرا ہو سکے پتہری جفا سے ہو خفا ہو سکے یہ نہو سکے

محمد جعفر محمود

خواب میں پہونچا جودان دست خیال نیلا پیلا اُس کا زانو ہو گیا پا

عبدالرؤف شعور

فوق ہر اسکو خود آرائی سے خود مٹی کی شوق آئینہ زانو پہ ہے زلف معنہر ہاتھ میں

الشا

تاک کے نیچے ہم اُس گل کی تاک لگائے بیٹھے ہیں کوئی نہ تھوڑے زینق ناک لگائے بیٹھے ہیں

حسن

کئی دن تیرے چپ پہنے میں اشک آنکھوں سے نکلا نکل خورشید رو گھر سے کہ عالم خوب ترسا ہے

ذوق

یہ بھی اُس نازک بدن کو بار ہو اگر باندھے نظر کے تار سے

سیم

مکر کھلے بندن جی کی تنگی بے تنگ ہوئی وہ شوخ ننگی

انیس

حقا کہ تھا تلخ کا وسیلہ غم ترا نام نکو ظلم نے کھا عرش بد ترا

نان بال سی وہ کر ہے باریک ہو یا ان آنکھوں میں دو جان ہر تاریک

وان معنہ نوران اور ساق

یا ان صفت سے جنبش قدم شاق

حالی

عبیت کا اُسے خوف نہ کچھ شاہ کا ڈر

نہ اُسے چور کا خطرہ نہ لے شاہ کا ڈر

محمد شاہ کرنا جی

ازلف کے حلقے میں دیکھا جبے مانہ خال

مُرخ دل عاشق کا ہے قید ہر اُس جال کا

میشی

ہوا اُس کا گھوڑا وہاں سے فرار

ایا فوج خاقان میں اس نے قرار

جرات

نامہ صحیح کتاب ہند کی کر بندہ ہم سے آہ

یہ حرف عشق دل سے مٹا یا نہ جایگا

دوسری شکل کی مثال

مصطفیٰ

انصاف کیا اُسکا میں اب شہر کے حوالے

بھگتی ہے جہان مار سے لے مور کی گردن

یا فاطمہ کالادلا مقتول ہوا ہے

بوہیر یا فوج کوئی بندہ مقبول ہوا ہے

یاں تڑپی جان گری ادھر آئی ادھر لگی اولہ

اس چال سے یہ موت کو بھی مات گری

نسیم دہلوی

روئے روشن کے شراریے بچکا جاتا دل

آج بکھے نور میں بھی خاصہ ہر نار کا

ذوق

نیش کی جانوش ہو دنیا لہ زنبور میں

کام میں افعی کے ہو مہرہ بجائے آبلہ

حالی

باب کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید

اور تو کر نہیں دیتے کبھی آقا کو رب

ناسخ

غیر کوثر کسی دریا کا میں سیاح نہیں

میشہ شیر خدا بن کہیں سیاح نہیں

امیر اللہ شاہ سلیم

ملون جلوہ حسن بندہ نور سے

کون بندہ کی دیر کو دور سے

خبر رکھتے ہیں تیرے زور سے ہم خوش

نہیں چنہ کوہ کو چنہ کاہ کا غم

پستری شکل کی مثال

از محسن مؤلف تذکرہ سرایان

کیا صباحت ہے کہ یہ چاند ہر وہ ہالہ ہی نہیں ہوئی مین ہر اس ہ لقا کا ہو چکا

مومن

سرزمین تسخیر سے ہم خود منخر کیوں نہون آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

سودا

نقدول دیگر کمین جی کو ملامت مولیٰ مان ای سودا نہیں زینار اس کے دین سودا

مقصود بالتمثیل لفظ سودا اور سودے

منشی

یہ سنکر ہوا شاہ گشتا سب شاد کہ حاصل ہوئی اُس کے دل کی مراد

امانت

شب ہمین بچا کر جامد فی بختا کدرا ہے چمک پر آج کل نکی ستاری کا ستارہ

ولم

تری جالی کی گرتی کے تصور میں یہ روتا ہوا مبتقر دیکھ کر آنکھوں کو کہتے ہیں کہ جالا ہے

قلق

دشت و دشت کی خاک ہم چھانین آلوے عنبر بال خار سے کرین

نطق

اُس آنکھ کا تل ماش ہر پتلا ہر وہ پتلی اچلتا ہوا اُن آنکھوں سے جادو نظر آیا

اصغر علی خان ابرو

بل کے طوبے سے خلد میں دیا جب ہوا یاد دست دیا رہے مجھے

تنبیہ مطلوب طالب مؤلفہ رحم علی خان بن بہرہ مند خان سکندر پوری مین مذکور ہے
 کہ تجنیس لاحق یہ ہے کہ اُس میں الفاظ مین دار آتے ہیں اور دوسری عبارت مین یون سمجھو کہ تجنیس
 لاحق مین الفاظ دائرہ دار متواتر آتے ہیں جیسے -

مذاق

جان جاناں جمان جان و جان دو جہان روح روحانی برهان انسی و جانی علی +

حیف

۱۔ سند آئی ہے اُس بُت کو نیچے چن چیدیں

شاہد

نظر میں من لوح حسن کی چوچ حسین نہیں

میں نے

کیا میں بھی رشتہ افی جاہلیت قرین تھا

فائدہ یہ جنسی نہیں جنس کی ہیئت کی نسبت باعتبار اتصال و انفصال کے یعنی جدا جدا یا پاس
 ہونے یا نہ ہونے یا اس کے درمیان ہونے کی نسبت متصل و منفصل اور الفاظ متصل میں حرف
 حرکت یا عطف یا جملہ ان کی مثل کا فاصل ہونا ان کے اتصال کے متافی نہیں۔

تجربہ کیا ہے۔

آنکسین و رد دل کو نہ آج ہو نہ کل ہو | جیسا بے یار ہیکلی ہے وہی ست توکل ہو |
جنہیں بڑا مکمل کی مثال۔

دور سے دیکھ کر خوشی جائے سواد
یا آتین میں برزخشن از خشم



نیکو کلام ۲۰ نو وقت بیجا بی آفتاب

مؤلفہ

دل کو تپا کر دیا ان ہم چلے گئے
اشرفیہ کا کمر سے ترستے تادم حیات

میںا بھی مے بھی ساقی بھی درجام حرم کے ساتھ
یارب نہ ڈالے رخ کبھی کام کر کے سنتے

میر وزیر علی صبا

الگو نوین گردش نگہ یار است پس
تل تیل بود که به گویا چشمه ال کا

سب تہرین کے وصف کرتے ہیں | اس سیریات گویا نبات اپنی ہے

حیدر

انیرے عارض سے خاک ہو پھر	عارضی حسن ماہ کا مل کا
--------------------------	------------------------

راحت

زبس رہتا ہے ہم دوش المودہ	ہوا بیتل سے اب تال فلم وہ
---------------------------	---------------------------

تجنیس مضارع متصل کی مثال۔

سرور

ہر گام پر ہو چپا لیں لپا مرغ دل مر	کیا چال چال ہو بت محشر خرام کی
------------------------------------	--------------------------------

تجنیس مضارع منفصل کی مثال۔

مشی

مناسب ہو اب وریون ہر صلاح	کہ تو اور طوس آوے یان بے صلاح
---------------------------	-------------------------------

تجنیس لاحق متصل کی مثال۔

مخمر

خواب میں ہو نچا جو دان دست خیال	نیلا پیلا اس کا زانو ہو گیا
---------------------------------	-----------------------------

انشا

گا ہے جو اسکی یاد سے غافل ہو ایک دم	نچکو دہن میں اپنے لگے ہر زبان ہون
لہو فان لوح آنکھ نہ ہم سے ملا سکے	آتے نظر بین چشم سے ہر مل عیان ہون

تجنیس لاحق منفصل کی مثال۔

ہوس

دان بال سے وہ کر ہے باریک	یان آنکھوں میں دو جہان ہر تاریک
---------------------------	---------------------------------

ناسخ

غیر کوثر کسی دیا کا میں سبب احسن	بیشہ شیر خدا بن میں سیارح نہیں
----------------------------------	--------------------------------

تجنیس محرف متصل کی مثال۔

سودا

کہد یا مستقی سے ہا فصد کر	آنکھد یا مجنون کو شیر شہ
مجھے مرزا میر کو مرزا کو مہر	میر نے وہ رنگ زن جو نہ تھے شیر شیر

حسن

سب جو کے اڑنے لگی گرد گرد و گرد
گل اشرفی کا ہوا رنگ زرد

احسان

کے کی خاک تو پیغام ای صبا میرا
ہواے یارین دم ہے ہوا ہوا میرا

تجنیس محرف مفصل کی مثال

نسیم دہلوی

مین تو کیا ہوں کاروان کے کاروان ہوئے ہر
بندہ لاکھوں کو کرے گا آج بندہ کان کا

مثنوی

گئے جبکہ وہ سامنے سام کے
تو پھر دوہن تعظیم کے واسطے

تجنیس بذیل مفصل کی مثال۔

ذوق

بانگ سے اسکی مانگتی ہے بھیگ
مہ کا کاسہ لیے شب تاریک

تجنیس خطی متصل کی مثال۔

دبیر

انہر غرق عرق دیکھ کے خورشید ہوا تر
ابر دسے ٹپکتا ہے پڑا تیغ کا جوہر

ولہ

نیاری تیغ و تبر و تیر ہوئی ہے
اندبیر گرفتاری شیر ہوئی ہے

سلیمان خان اسد

مژگان بولیس قمل پر مروج کے مثل تیرا
ابر دسے یار پر ہے گمان گمان مجھے

تجنیس خطی مفصل کی مثال۔

ثروت

تباہ بنتے بھاگے اٹھانے کے ہم ذرا
ثروت نباہ ہے یہ اس گفت پناہ کی

تجنیس مکبہ متصل کی مثال۔

آہو و بھلا کیا ہے چہ کارہ ہر چہ کارہ
غریزہ دنیا میں کسی کی بھی نہیں جیسے قری آنکھ

ولی

یاد کرنے کو لیا ہاتھ میں من کا منکا
دل اُپر توجہ پڑے من کا پھر آنا شکل
تجنیس مرکب مفصل کی مثال۔

رافت

وہ لب شیرین تھے جنکے آگے نبات
نخل اس قدر ہو کہ آوے نبات
فائدہ دیگر اگر انساں مذکورہ بالا کسی قسم کی تجنیس کے الفاظ متجانس کلام میں مکر واقع ہونگے
تو تجنیس مکرر کہیں گے کیونکہ صرف تجنیس کے یہی ہیں کہ دو لفظ ایک کے آوین پس
وہ لفظ متجانس جب مکر واقع ہونگے تب تجنیس مکرر کہلائے گی۔ بعض نے اسکی قید لگائی ہے کہ تجنیس
خواہ کسی قسم کی ہو جب الفاظ متجانس مکر متصل واقع ہونگے تب اسکو تجنیس مکرر کہیں گے اور جب متصل
نہ ہونگے تو اسکو تجنیس غیر مکرر کہیں گے۔ بہر صورت مثال یہ ہے۔

ضیا

صاف تھا جب تک تو ہو بھی جواب تھا
ابو خطا نے لگا شاید کہ خط آنے لگا
اس میں تجنیس تام کی تکرار ہے۔

ذوق

کبھی بہت تھی مری قاعدہ صرف میں
کبھی تھی ٹھو میں ہر نحو مجھے محویت
اس میں بھی تجنیس تام کی تکرار ہے۔

سرم دہلوی

لفظ تجنیق نہ تخنیق سمجھتے ہیں کچھ
خرم اور خرم کی تخنیق میں اکثر حیران
اس شعر میں تجنیس خطی کی تکرار ہے۔

لفیس

علی کا دبیدہ و رعب بُرات و صولت
حسن کا حسن حسین چین کی سب شکست
یہاں تجنیس محرت کی تکرار ہے۔

نادر

ہر تال کی تاثیر ہے ہر تال میں تیری
جو سم سے ترے ہوتا ہے وہ کم سے نہوگا
اس شعر میں تجنیس تام کی تکرار ہے۔

بعض رسالوں میں تجنیس مکر کے اشباع شر اور توانی نظم میں آنے کی قید دیکھی گئی ہے مگر یہ قید بے اصل ہے۔ ہر صورت مثال یہ ہے۔

فکار

گر زبان اُس کے ہودے شور سے خیر | کرے دیوون کو اپنے زور سے زیر |
اس شعر میں اجناس لاحق کی تکرار ہے۔ اس صورت میں غزل اور قصیدے میں الفاظ متجانس کا سوا مطلع کے باقی شعرون میں ایک بار ضرب میں آنا ہوتا ہے اور شنوی و مسدس وغیرہ میں ہر شعر کے عروض و ضرب میں کرا آتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ تجنیس مکر کو تجنیس مزدوج اور تجنیس مزدوج بھی کہتے ہیں اور اکثر کا قول یہ ہے کہ الفاظ متجانس کے حروف میں اختلاف کی بیشی کا ہونا اس کا نام تجنیس مزدوج اور تجنیس مزدوج ہے مثلاً۔

خوشتر

خوشی کے بیج کیا شور و شر ہے | اک سب نے یہ شر بھر بشر ہے |
ولہ

زن و زور و زمین و زر سے مزدور | شراب شور و جنگ شربت مسرور |
لوا

یہ ابرو دینا و جام مے بن پکڑ بجائے کمان کمانہ | ہماری چھاتی کے داغ دکا کرے ہتک کر نشانہ |
لصرت

اوشیدہ اسکے ڈر سے و جام جم ہوا | عالم میں اور تیغ سے یہ کام کم ہوا |
غزل بدھ سنگ قلندر

بلکہ حضرت شیخ برہنہ سے مجھ کو کام کم | رہ گیا آنکھوں میں آگ و ہر ہرے نام نم |
طرہ بظہار اور زلف سے پر تیغ و تاب | بن چنسا لے دلویشہ دین میں کت و دم |

مسدس دبہر

کھولا کسی نے جینے سے ہو کر تنگ تنگ | گوتے میں کوئی رکھ کے کمان خدنگ تنگ |
بے وقفہ ہوش آگیا اور بے درنگ تنگ | کیا ہی منزلوں ہوے پائے پانگ تنگ |

پچھلے قول سے معلوم ہوا کہ خواہ کسی قسم کی تجنیس ہو اگر الفاظ متجانس میں حروف کی کمی بیشی ہو تو تجنیس مکر ہے اور اگر کمی بیشی ہو تو تجنیس مزدوج و مزدوج نہیں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی قسم علیحدہ

نہیں اور جن لوگوں نے تہنیں مکرر مردود ایک ہی کھابے وہ بہت درست ہو کیونکہ جس کو تہنیں مردود ج
کتے ہیں وہ تہنیں زائد مکرر کی ایک شکل اور تہنیں متصل و مکرر کو بھی علیحدہ علیحدہ قرار دینا نصب عربیہ کی
اصطلاح کے خلاف ہو کیونکہ تلخیص المتعاح وغیرہ میں لکھا ہے کہ کسی قسم کی بھی تہنیں کے دو لفظ برابر واقع ہوں
اسکو تہنیں مردود اور تہنیں مکرر اور تہنیں مردود کہتے ہیں جیسے انیس کے اس قول میں تہنیں محرف متصل ہے۔ ۵

پہونچا جو تہرہ ہر سے فرمان غزل سب | گردن پر عالمان سحر کا ہوا نصب

تہر اور تہر میں تہنیں محرف ہے اور دونوں لفظ برابر واقع ہیں۔

صنعت اشتقاق وہ یہ کہ کلام میں ایک اصل کے چند لفظ لانا اس طرح کہ ان لفظوں
میں اصل کے حروف ترتیب دار موجود ہوں اور اصحاب میں جو معنی ہیں ان میں بھی باہم وہ اتفاق رکھتے
ہوں پس تہر اور رقم اس قبیل سے نہوں گے کیونکہ دونوں کلمے حروف میں متفق ہیں مگر ترتیب میں متفق نہیں
مثال اشتقاق کی۔

احسان

اے بخت تو جاگ اور جگا ہکو کہ بھڑم | جاگینگے نہ تا شر جگائے سے کسو کے

جاگ اور جگا اور جاگینگے اور جگا سے یہ چاروں لفظ جاگنا سے مشتق ہیں۔

ولہ

بچو کہوت ٹھکراؤں جیسے سنھل کر دیکھو | اچاں سب چلتے ہیں لیکن بندہ پرورد دیکھو

امین عظیم آبادی

دن کا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی | عمر کتنے کو کٹی یہ کیا ی خواری میں کٹی

فوق

خجہ ناز نے کہا چاٹ لگا دی دل کو | ہاں تابوٹ ہر پیلے کے جراثیم کے چوہ

ولہ

تو مرے حال سے غافل ہو پردہ غفلت کیش | میرے انداز غافل نہیں غفلت دے

زنجین

اُسے میں عیب کے دیکھوں ہر ملادہ غیر کو دیکھے | بخل یوں دیکھنا دیکھو تو دیکھا جائے ہی کس سے

آغا شاعر قزلباش دہلوی

کہا دیکھا ہو کیا دیکھنے کیا یا نہیں دیکھا | آکھوں نہ بھی ایسا تماشا نہیں دیکھا

فراق

آنکھوں میں شوق شکر سے لڑائی تھی مین + اِس چلے یا نہ چلے جی تو چلا بیٹھے ہیں

غالب

مرحبا اے سرور خاص خواص | جنہا اے نشاط عام عوام

ولہ

اصل شہود و شاہد و شہود ایک ہے | حیران ہوں پھر شاہد کس حساب میں

جعفر علی خان قصیح

یہ تو قسمت میں کمان تھا کہ کروں کس کمال | بے کمالی میں بھی افسوس میں کامل ہوا

نداق

نہ اُس سے انہی میں نبھا ہا کیا | اُسی نے نہ چاہا میں چاہا کیا

صنعت شبہ اشتقاق

وہ یہ ہے کہ کلام میں ایسے لفظ لائے جائیں جو بظاہر نوعیت اشتقاق کی رکھتے ہوں اور دراصل اُن کا ماخذ علیحدہ ہو یعنی اُن میں بعض حروف یا کُل حروف اس طرح اتفاق کرتے ہوں کہ جن کے دیکھنے سے بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ ایک اصل سے مشتق ہیں اور حقیقت میں ایسا نہ ہو اس لیے کہ نفس الامر میں اصل اُن کی مختلف ہو پس شبہ اشتقاق میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لفظ ایک ہی مادے سے نکلے ہیں کیونکہ دوسرے لفظ میں پہلے لفظ کے سے حروف موجود ہوں ہیں مگر تامل کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ دونوں ایک اصل سے نہیں ہیں تصوفی کے مستزاد میں یہی صنعت ہے۔

حریت تھا کہ خیر دور نہیں باغ ارم + کرین آرام سے ہم | دور البتہ ہوا گردش یام سے ہم + اس کا دل پر ہی الم
بعد ہم سب کچھ نہیں کوئی مددگار حسین + اور نہ کوئی جبرین | سخت مشکل میں رہے کثرت ادب ہم سبم جا کس طرح یہ ہم

تمنا لکھنوی

بہر پرانوں میں کھائیں ہیں بلی سب ہمیں + دید کے منتر سے کم ان کا نہیں جاہ و وقار

ذوق

جو دل تھار خانے میں بُت سے اگائے | وہ کہتین جھوٹ کے کہے کو جا چکے

ناسخ

رہ گیا میں نسوس کر دل کو | کب میسر نہ تھے مساس ہوا +

نظیر

عشق کا دُور کرے دل سے جو دھڑکا تو غیب | اس دھڑاک کا کوئی پہننے نہ دیکھا تو غیب

رشک

صبح سے روئے صبح یار پر آنے لگی | کرتی ہر سورج گمن کی ظاہر تہ بیزبھن

موسن

کیا کیا جلی ہر بزم میں تجھ میں نہ جب پھر | پروانے شمع شہر شائل کے آس پاس

انیس

ہو جائیگے باقوت کے نگ کوئی گھڑی کو | دانتوں سے ٹرائے کوئی موتی کی لڑی کو

حسرت

گرچہ اس دل سے گیا ہر کر کے اب رام رم | شوق غنچے کو ہوا ہے بولنے کا باغ میں
بول نہتے سے ہر کمان تیرا بت گلغام کلم | شاعری کی صنعتوں میں ہمے ہو حسرت غزل
اور ناجی کی طرح گتے ہیں کب ایسا مہم

واسطی

پنوکا نون میں نہ تم لے مرے جانی سونا | متقل ہو گا بنا گوش سے کافی سونا

ہا ملکند بے صبر

سُن کے فکر چشم دیوانہ ہوا | جھٹ افسون جھکوا فسانہ ہوا

انیس

کبھی زریب کا ہے غم گاہ سکیٹہ کا خیال | دن جو ڈھلنا ہو تو حضرت ہو جاتے ہیں حال

میسر

اسکی پلیدی شہرہ ہر شہر ہی رہی | کتے کے کاٹے کی سی سے لہری رہی

مولوی اسماعیل

رستے کو راستی کے نہ زہار چھوڑنا | ہوتا ہے راستی ہی سے انسان رنگار

مذاق

نہو دینگے گوشہ نشین تیرے عاشق
نہ بیٹھنے چلے میں چلانے والے

واحد علیشاہ خضر

جب بنگلے میں کی سہنے آہ مت دیکھنا
ناوک سوزان کا ہر بنگلہ نشانہ ہو گیا

میر

انگت مشتاق یار ہے اپنا
شاعری نو شاعر ہے اپنا

ولہ

دشمنوں کے رو برو دشنام ہے
یہ بھی کوئی لطف بے ہنگام ہے

ولہ

ناسازی طبیعت کیا ہے جوان ہو کر
اوپاش وہ شکر لڑکا ہی تھا لڑکا

صنعت تکرر یا تکرار۔ بدائع افکار وغیرہ میں اس کی تعریف یوں لکھی ہے کہ دو قفلوں کو
جو ایک ہی معنی رکھتے ہوں مصرعوں یا شعر میں برابر برابر جمع کرنا اور اس کی سات قسمیں
گنوائی ہیں۔

(۱) تکریر مطلق :- اس طرح ہے کہ ایک شعر میں لفظ کرار آدین خواہ دونوں مصرعوں کے
اول میں جیسے۔

مائل احمد حسین حیدر آبادی

روئے روئے کون سو یا خاک پر
ہٹے ہٹے کس کا جھولا رہ گیا

یا صرف مصرع اول کے شروع میں جیسے۔

فسترا

آتے آتے ہونٹ تک ایسی جمی
بات دانتوں سے بھی ہی کچھ سخت تر

یا صرف مصرع ثانی کے اول میں جیسے۔

مرزا کاظم حسین محشر لکھنوی

آپ کے اوصاف قرآن میں سے پوچھے
اکتہ اکتہ جس کا معیار فصاحت ہو گیا

یا صرف اول کے حشو میں جیسے۔

میر جبار جارجیش تخلص بہ شور

مرے سوز جا کا چرچا ہے گھر گھر یہ عالم میں
دین چوٹی زمانہ یونہی اور اس کے آسمان چوٹ کا

یا دوسرے مصرع کے حشو میں جیسے

ولہ

پڑا ہے خواب میں جبکہ نظروہ ناوک ٹرکان
چھوٹا ہے جگر میں چپکے چپکے برھیمان کوئی
یا دونوں مصرعون کے آخر میں جیسے۔

فوق

جن دانتوں سے ہنستے تھے ہمیشہ کھیل کھیل
اب درو سے وہی رلاتے ہیں ہل ہل
یا صرف مصرع اول کے آخر میں جیسے۔

ولہ

روشن شیشہ ہر اک سنگ ہو ریزہ ریزہ
پڑے البرز پہ گر گزر کی تیرے ضربت
یا صرف مصرع ثانی کے آخر میں جیسے۔

خسرو اجلوہ تراوہ طرب افزاے جہان
ولہ کہ جسے دیکھ کے ہو عید بھی قربان

مشوئی عشر

انہوں دل سے پڑ ہوا گل کا ایاغ
ہو گیا لالے کا سینہ داغ داغ
(۳) مصرع میں علیحدہ علیحدہ دو دو لفظ آدین تو اسے تکریر مشوئی کہتے ہیں جیسے۔

فوق

قطرہ قطرہ آنسو جسکی طوفان طوفان شدت ہی
پارہ پارہ دل ہے جس میں تودہ تودہ حسرت ہی
(۳) تکریر مشبہ اس طرح ہے کہ پہلے مصرع میں دو لفظ ذکر کریں پھر ان کی مناسبت سے
دوسرے دو لفظ دوسرے مصرع میں لا دین پس یہ پچھلے لفظ اگلے لفظوں سے علاتہ
رکھتے ہیں جیسے۔

خندان خندان حد مر پھر راوہ
اے گریان گریان اُدھر گئے ہم

پچھلے مصرع کے دونوں لفظ اگلے مصرع کے دونوں لفظوں سے تضاد کا علاتہ
رکھتے ہیں۔

(۴) تکریر مستأنف وہ یہ ہے کہ لفظ ایسے مکرر آئیں کہ پہلے لفظ کے بعد دوسرے لفظ لالے
سے معنی کی تجدید ہو جائے اسے تکریر مجدد بھی کہتے ہیں اس لیے کہ لفظ تودہ ہی ہوتا ہے مگر اس کے
آلے سے معنی میں نئی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جیسے۔

ذوق

اہم کا فرائ عشق کو یہ ہے بڑا عذاب
دوزخ میں آتش آتش سنگِ صنم نہیں
دوسرے آتش کے آنے سے منے میں نئی کیفیت پیدا ہو گئی۔

از دیوان سید حسین

نئے انداز و نئے یہ دھنگ
ادیکھ کر عقل عقل کل ہے دنگ

منیر

سرگو بیان فکر فکر کی دل میں جگہ
عقل تختیں کے نور و پسین کے چراغ
خلاق حسن پر نثار شک و دشان دہر
میری خطائیں کر میں صاحبِ نصابِ جہنم
خامہ میانِ دوات شمع میان لگن
طفل چیل روزہ کے مایہ نور و بدن
عنبر لوزان کی مشک مشکِ چنان کی سخن
نید میں خود میں ہوں پلوچ پلوچ ہی میرا سخن

حکیم علیہ لماجد بدالونی

غلام اُسکے ہو شاہ شاہ اُسکے غلام
دہ بُوریے پر تخت بخش عرش و قار

(۵) آکر ریمع الوساطہ یہ ہے کہ دو لفظ کر کے درمیان کوئی لفظ واسطہ واقع ہو جیسے مولوی
عبدالحکیم سوز کے شعر میں۔

جان حاسد پہ برستی بچی بڑی نار بہ نارا
دل پہ بان اپنے اترتا تھا سدا نور پہ نورا

امیر احمد مینائی

دوست آئے توئے کش کیا ہیں بے حسرت ہو جائیں
صراحی پر صراحی خم پہ خم سا غو سا غو

خلیل تخلص نواب براہیم علی خان الی ٹونک

بغصبہ فدا ہزار کلی ہر کلی کا رنگ
تبصر نثار لاکھ چمن ہر چمن کے بچوں

(۶) تکرور مؤکد اس طرح ہے کہ دوسرا لفظ پہلے لفظ کے معنی کی تائید کرتا ہو جیسے۔

از دریا کے لطافت

تو نے مجھے پیارے بڑا کر کہا کہا
یا مصامت سے غیر کے منہ پر کہا کہا

امیر مینائی

افش میں گر لفظ زلف سلگاتے بھی نہیں
جایے جایے ہم آپ میں آئے بھی نہیں

میر سوز

تھے دقت نزع منتظر کلمہ سوز سے | جنبش لبونکی دیکھی تو کرنا تھا جام جام

برق

جان عاشق کی گئی نالے ہی کرتے کرتے | تم کہتے رہے کوٹھے سے کہ اُترا اُترا

اُترا اُترا مقصود بالتمثیل ہے۔

(۷) تکریدِ حشو یہ کہ بعض لفاظ کی تکرار بے اعتبار معنی کے کرین اور یہ بات بطور ظرافت اور دل لگی سے ہوتی ہے پوربائی جامی کا ایک قصیدہ فارسی میں اس طرح کا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

اے یہ مجلس بس من ترک چہ گل گل گل | ست عاشق شود و والدہ دے دل دل

اُردو میں مثال سکی منشی علی احمد حسین امجد بدایونی کی نعتیہ غزل کا یہ شعر ہے۔

امجد ہو چکے غنچہ دل میں دامے شاہ | قربان اس گلے کے ہوں از ہار ہار ہار

اُتر ہار زہرہ کی جمع ہے جو بھول کے معنی میں ہے پس اس کے بعد کے دونوں نغز ہار تکریدِ حشو ہیں۔ عنایت علی زار نے ایک نظم اُردو کی پوربائی جامی کی تتبع میں لکھا اس صنعت کا حق ادا کیا اور وہ بطور انتخاب کے یہ ہے۔

دکھلا دو اپنا جلوہ خسار سار سار
زیبا نہیں یہ آپ کو کردار دار دار
اسے مہربان نہیں بہن درکار کار کار
کیا رشتہ جوڑا توڑ کے زنا رنار نار
بیٹھے ہیں پانوں توڑ کے ناچار چار چار
سر بر زمین ہے شاخ خم دار دار دار
جھوٹی نہ کیجئے اچھی گفتار تار تار
جلنے کہیں نہ لگ اٹھے منقار قار قار
نیکی سے زیر گنبد و دار دار دار
دنیا پہ دل نہ دیکھو زہار ہار ہار
دیکھا جسے وہ پھر رہا ہے سرشار شار شار
جان کھوئی ہم نے رُود کے بیکار کار کار

ہے کش مکش میں نزع کی بیمار مار مار
نامہ بھی بھیجا ہم کو تو اس مدعی کے ہاتھ
اک بوسہ اور ہزاروں ہوں دشنام اسکے ساتھ
آخر تو رکھا دانہ تسبیح میں چھپا ہا
کیا کاہلون نے نام تو کل کیا خراب
کس واسطے ہیں کرتے یہ زردار سرکشی
شب کوڑ ہے رقیب کے ہم سے مکر نے ہو
نالوں کا میرے طرز اُڑاتی ہے عند لیب
انسان اپنے نام کو قائم رکھے مدام
اس بے وفائے کی نہ کسی سے کبھی وفا
دور سے میں تیرے ساتی یہ دور شراب
تو نے نہ دیکھا ادبِ خود کام کام کام

کی دوستی میں دشمنی ہم کو مٹا دیا
 مانوس ہم سے ہونے لگا کیونکہ وہ
 دنیا میں کچھ خوشی ہے تو دولت سے ضرور
 چمکی تھی کوہ طور پہ جو برق اسے ندیم
 پشامین خواب میں نو وہ بوئے انگ انگ
 آیا ہے ابر مجھوم کے اسے محسب نزدیک
 لاتی سدا میں دولت دیدار لوٹ کر
 اسے دل حوادث سے ہرگز نہ ملول

دل سانہوگا دشمن عتبار دار
 صحبت میں اسکی رہتے ہیں اغیار یار
 ہنستے نہ گل جو ہوتے نہ زردار دار
 وہ بھی تھا ایک پر تو خسار سار سار
 مڑھجانہ جائیں تازہ و تر ہار ہار
 رہتے ہیں سے پے کسین منجور خواہار
 انگھیں غضب ہماری میں طرار ررار
 ادنیٰ میں ہے کہان گل بے خار خار

اسے زار ضبط کرے سے ہم کو یہ خوف ہے
 توڑے نہ سیل شک یہ دیوار وار وار

صنعت تصحیف لغت میں تصحیف کے معنی یہ ہیں کہ صحیفے کو غلط لکھنا اصطلاح میں یہ ہے کہ
 شاعر ایسے الفاظ لائے کہ تغیر نقاط سے دوسرے لفظ بن جائیں اور اگر مدح ہو تو انجو ہو جائے مطلوب
 طالب میں اسکی تعریف یوں کی ہے کہ ایسے الفاظ لادین جو بے لفاظی نقاط و حرکات کے مدح سے
 ہجو ہو جائیں امیر خسرو اعجاز خسروی کے تیسرے رسالے میں کہتے ہیں کہ صنعت تصحیف اور
 تہنیس خطی میں یہ فرق ہے کہ تہنیس خطی میں دو لفظ ایسے مشابہ ہوتے ہیں کہ حرکات و نقاط کے
 بدلنے سے ان کے معنی بدل جاتے ہیں جیسے مسکین اور مشکین پس ظفر کے اس قول میں سے

محسور اسکی ترکان کا مجھے سونے نہیں دینا
 بجھا دیتا کوئی نشتر مرے بستر کے نیچے ہکا

نشتر اور بستروں تصحیف نہیں پس جن لوگوں نے بوسہ اور توشہ اسکی مثال میں لکھا ہے یہ انکی
 غلطی ہے اور تصحیف یہ ہے کہ تبدیل کے بعد مدح مت ہجو پیدا ہو جاتی ہو اور اول میں یہ بات
 نہیں۔

فرائد فیاضیہ شرح فوائد فیاضیہ میں ملا محمود جو نپوری نے اس صنعت کا نام تہنیس تصحیف لکھ کر
 عاثر فائز (مضد) مثال دی ہے حالانکہ اس کو جناس سے کوئی علاقہ نہیں وہاں دو لفظ
 ہم صورت آتے ہیں بیان ایک ہوتا ہے جیسے ذاب فوف تھخان دانی جاوہر کے ساتھ
 سے یہ سیر المتشتم میں ہے اگرچہ صاحب ریاست و حکومت ہیں مگر نہایت عاقل لفظ
 عاقل کی تصحیف غافل کے ساتھ ہوتی ہے مومنہ بوجہ تلخ کاسب۔

حقائق البحرانی دقالتی اشترین اس صنعت کے بیان میں اس طرح پر لکھا ہے کہ۔
مصحف وہ ہے کہ شاعر نظم یا شعر میں ایسے الفاظ لائے کہ ان کے نقاط یا حرکات کو بدل دین
 تو مدح کی جگہ اہجو پیدا ہو جائے اور یہ دو طرح پر ہر ایک **مصحف** منتظم اور وہ یہ ہے کہ ہر
 کلمے کو علیحدہ تصحیف کے ساتھ پڑھ سکین اور کلمات کی ابتدا و انتہا تصحیف میں ظاہر و
 محسوس ہو جیسے اس عبارت میں تعجب نہ ہے کہ اس حبیب عاقل کو کبر پسند ہے اسکی تصحیف
 یہ ہے تعجب ہے کہ اس خبیث غافل کو کبر پسند ہے دوسرے **مصحف** مضطرب یہ ہے کہ
 حروف ملے جملے ہوں اس وجہ سے کلمات کے جوڑ غور و فکر کے بعد سمجھ میں اگر تصحیف حاصل ہو
 جیسے کنز ست (بمعنی خزانہ ہے) کہ اسے غور کے بعد کبر پسپ (بمعنی گھوڑے کا عضو تناسل)
 بھی پڑھ سکتے ہیں اور یہ ہجو ہے۔

صنعت تو سیم لغت میں اسکے معنی میں نشان کرنا اصطلاح علم بدیع میں اسے کہتے ہیں
 کہ شاعر بنیاد قافیہ کی ایسے حروف پر رکھے کہ مدوح کا نام اُس میں آجائے اسے تو سیم ایسے کہتے ہیں
 کہ شاعر اپنا نشان قافیہ میں دکھاتا ہے جیسے سودا کے اس قصیدے میں۔

کل حص نام شخصے سودا پہ مہربان ہو	۵۔ بولا نصیب تیرے سب دولت جہان ہو
گرا شرفی روپے کی خواہش ہو تیرے لمین	کھا ہر ترے پہ ہر جا گنجیدہ نہان ہو
لعل گہر کی ہو دے تجھ کو اگر تمنا	مصرف کے بیج تیرے اشیاء بھر دکان ہو
جاہ و جلال بیان تک دیوے تجھے زمانہ	جب ہو تری سواری حد فیل پر نشان ہو
شکریہ حرف بولا سودا کہ قد و رتبہ	کب شرفی روپے کا نزدیک غافلان ہو
نام نکو سے بہتر دنیا میں کیا نشان ہے	یہ بھی کوئی نشان ہے جو فیل پر روان ہو
لعل گہر جو پوچھو پتھر ہیں اور پانی	رتبہ نہ انکو پیش ارباب ہمتان ہو
جو کچھ کہا ہے تو نے یہ تجھ کو سب مبارک	میں اور میرے سر میرا بسنت خان ہو

شاہ نصیر الطاف علی خان کی تعریف کے قصیدے میں کہتے ہیں۔

سرگرم صفت تیرا دنیا میں ہر انسان ہے	۱۔ اے نظر خوبی تو الطاف علی خان ہے
-------------------------------------	------------------------------------

مرزا قربان علی بیگ سالک یاور علی خان کی مدح میں کہتے ہیں۔

قدم بھرت کرے شکل سے وہ میرے بیابان کو	۲۔ اچاے سبزہ روندے جو کوئی خاوا غیلان کو
تخل کی صفت دیکھو ہوا سے بل نہیں مسکت	۳۔ لکھا ہے کلک نے جس صفحے پر یاور علی خان کو

ایضاً محمد علی خان کی تعریف میں۔

یہ ساٹھ عشرت کا سامان ہو سہرا
ترے سر محمد علی خان ہے سہرا

سودا نے حکیم میر محمد کاظم کی مدح میں کہا ہے۔

علم ظنی ہے طبابت تو یہ سن رکھ ہم دم
ستفوق البقا طباطبائی جہان میں باہم

اس قسم کی باتیں بیان کر کے پھر ایک شعر لکھا ہے۔

سوتوان باتوں میں ہر خواص طبیبوں میں کسے
اس زمانے میں بجز میر محمد کاظم

ہجرات

ہم کہ گلچین تھے سدا عشق کے ہم بستان کے
ہوے نوکر بھی تو۔ نواب محبت خان کے

صنعت ایداع یا بے نختانی کے ساتھ لغت میں کسی کے پاس ودیعت رکھنے اور

کسی کی ودیعت قبول کرنے اور قوم میں صلح کرانے کے معنی میں ہے۔ اصطلاح میں اسے

کننے میں کہ مدوح کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا کہ ان سے اُس کا نام نکلائے جیسے یوسف خان

کی مدح میں کہیں کہ رات جو میں نے تیرے مصحف حسن سے فال کھولی تو سورہ یوسف فال میں

نکلی صدائق الحقائق میں اسی طرح لکھا ہے سید غلام حسنین قدر بلگرامی نے ڈپٹی مرزا عباس کی مدح

میں قصیدہ لکھا ہے اُس میں ہے۔

جو یا عباس کہ کر میں اٹھاؤں نیزہ و خاں
جو کہ کر یا علی میں کھینچ لوں تیغ شناخانی

ابھی تو مدح کے میدان گرتا ہے مراجعہ ا
ابھی تو جھولتی ہے عرش سے تیغ زباندانی

ذوق ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ کی تعریف میں کہتے ہیں۔

ابو ظفر شہ فالاکر بہادر شاہ
سراج دین نبی سادہ خدائے قدیر

انسانے نواب سعادت علی خان کی مدح کے قصیدے میں لکھا ہے۔

چشم و چراغ بند ہی اک وزیر ہے
بہنی جناب عالی مستحسن الشیم

کیسا وزیر جسکو سعادت علی نے دی
سربان ملک اشجع و منصور و مختشم

حافظ عبدالرحمن احسان تمنیت جشن شاہ عالم بادشاہ کے قصیدے میں لکھتے ہیں۔

سر عروس طرب کے دکھایا اپنا جمال
خوشی سے ہو تبسم کہا کہ اظہار فی الحال

بعد نیاز کما میں نے اسے سراپا ناز
تو کون ہو مجھے بتا باین شکوہ و جلال

ہا کہ نام بت میرا خوشی خوشی ہو تو
کہ میرے نام سے جمل کے ہر درد و غم و بلال

یہ مژدہ ہے کہ تو نے مزد تمہیں اب کچھ
 تمک جناب سحاب کرم شہر عمار
 برائے جشن شد خوش خصال و نیک اقبال
 فیض نخبہ سیر بلند اقبال

ذوق اکبر شاہ کی مدح میں کہتے ہیں۔

نام کو اللہ اکبر کیا ترے تو قیر سب سے
 اور اعلیٰ ہر بانگ پہنے شامل ہر تکیہ سے

صنعت متتالبع لغت میں متتالبع ہے درپے کے منے میں ہر اصطلاح میں اسے
 کہتے ہیں کہ بات میں سے بات نکالیں اور اخطا اس طرح آویں کہ ایک کی متابعت کی
 وجہ سے دوسرا آوے جیسے۔

منیر

سوئے میخانہ جودہ دیکھے نگاہ تھر سے
 شیشہ پتھر میں چھپے پتھر نہاں ہو کوہ میں
 ناک میں انگور انگور زہن میں نہاں ہو شراب
 زہر زہر خاک بجائے خاک موندے قہر آب

ولہ

یا الہی رہیں جب تک فلک ماہ و نجوم
 تا چمن میں ہر نہال اور نہالوں میں شاخ
 تاکہ رنگت میں لطافت ہو طاقت میں قفا
 تاکہ رنگت سے دماغوں کو ہے کیفیت حطر
 تاکہ ہو عطر سے روحوں کو مزہ رحمت کا
 تاکہ تیرے فیض میں خزانہ رہے ہر دولت کا

خلیق نقشہ عبد الخالق دیوبند

درگاہ قطب عائنک مزار دیکھے
 شہروں میں پھول دیکھے پھولوں میں ردیکھے

شیخ محمد جان استاد

بلبل شاد شاخوں ہے یہی تجھ سے بکلام
 بہرین برق ہو تابرق جہنم میں چپک
 خاک میں ذرے میں تا ذروں میں ہر مہر
 خال میں چشم میں تا چشم میں ہر نور
 تو ہے تا تیری سلائی ہو خداوند زمین
 سیب دریا میں ہو تا سیب میں ہو دریا
 تھروں میں ہو شراباں شلوطن میں جلن
 نافہ آہو میں ہو نانا میں ہو مشک خشن

آسمان قدر مسیحا کی طرح ہو ممدوح

بعلی و لزیخ و حسین و حسین

منشی بیدار شہرت

جوش سا غمِ نخت تو دیکھ
داغ سے گل گل سے چمن ہو گیا

فوق

نجا راض سے تاہر ہزار زمین والی
زان پانی سے تادریا ہوا مدیا طنی
زمین میں تاہوکان اور کان میں ہو جبرانی
ہیچ جوہر ہوتے تھے قیمت کو فراوانی

نری شمشیر ہو رہا زمین سرت کا جوہر ہوا
ترے تھے سینے میں یہ کچھ پوچھنا نہ ہو

رکھیں تاعود کو کش پیا اور کش نہ بگر میں
رہے تھے میں تہلک اور تہلک خود تیرے
تیرے ہر جوتے بار بار تیرے تیرے تیرے
شیم نلق سے تیرے جہان یک سر منظر ہوا

گلستان میں ہونے لگا دنگل مت شاخ ہوزیا
نہال تاک میں انکور ہوا نگور میں صبیا
یہ تان میں ہونا تیرے غم پہ پہا
نستہ صبا میں ہوا ورنہ حبیبک نشاط افزا

شراب ہمیش سے خالی کبھی تیرا نہ ساعر ہو
ہبت جہن جہن جہن سے تیرا جہن جہن ہو

ظفر

جی جہن جہن کیون نہ میرا یہ بتاں سنگدل
دل ظفران کا ہر پیراد تجھ میں ہر آگ

صنعت تزلزل یا ستر زلزل
لکھا ہے کہ یہ صنعت اس طرح ہے کہ درخت کی حرکت کے اخیر سے مع ندرت ہو جائے
جیسے

ہے اعامیری زہر سے کردگار
اسکے سر کو رکھ ہمیشہ تاج سدا

تاجدار میں اگر جہم کو ساکن پڑھیں تو نہ ہے اور تراس کو فسور پڑھیں تو نہ ہوتا ہے
سکون کی صورت میں مراد یہ ہے کہ سر پہ تاج حکومت کی صورت میں

یہ معنی ہونے کہ مقبول میر کہ مرید اور نبی مولا پر مشتمل ہے دوسری صورت میں سرفصاحت
ہے اور دار مصافت ہے۔

صنعت قلب وہ یہ ہے کہ چنانچہ الفاظ اس طرح پر واقع ہوں کہ دونوں لفظوں کے حروف
ترتیب میں یکساں ہوں مثلاً طرح کہ نوع درمید و ربیت ان کی تہد ہو مگر حروف کی تقدیم و تاخیر میں
فرق ہو اس طرح کہ جو حرف پہلے لفظ میں تھا وہ دوسرے لفظ میں مؤخر ہوں اسکو بختیس قلب
بھی کہتے ہیں اور بختیس کی قسم نکالنے کے معنی اور یہ صنعت کسی قسم پر مشتمل ہے۔
رام مقادیر کل یعنی سب درخت کے نام علی الرجب منعکس ہوں جسے کاخ خاک اور
فرش شرف اور عرش شمع اور عور روح اور رات رات اور زلزلہ راد و فر فر زرف۔

میر جگر کی

دھن آس صدف ریم کا کوئی گیت ہے
زہین و درت صورت رنٹ جیلے فر فر زبا

یا میر

کو بگردن بجز وہ بر جانی بجا کر زار و زور
دور یا بلند خوشید درخشان پائون میں

یا میر

رات بھر جھکے غم یار سے ٹوٹ دیا
کچھ کو زون شب تار سے ٹوٹے نہ دیا

یا میر

دنیا میں ہے خزانہ دلی کا گھر
نزدک غور گنج کوٹھ تو جنگ ہے

خواجہ وزیر

خو بردیون کو ضرر پہنچا سکے کیا اندیشہ
خو رہو بٹائے جو لکھے کوئی انا نام روح

یا میر

ابھی جھڑکائے بارش کوئی ست ہیر نہ
بنامین پہ پچو تک مارے قدح شراب اٹھا

یا میر

جو تو باتوں میں کہ گاتوں میں جہاں کہیں
مجدد یا کیوں نہ ذرا تری رہا شہر کھڑا
ہا اپنا شہینکا جو مجھے دھمکائے
فقط اس غلط پر ہو کہ خطا کا کوئی نہ
میر میر جانوں کے ایک نے مرا کام اٹھا
کے سوا ویا ہے تو نے اسے لفظ رام اٹھا
تو اشارہ میں نے تاراکہ یہ لفظ شام اٹھا
تو کجا ہوا نے انشاء ترا ہی نام اٹھا

دبیر

اٹھین عقلا شرع کو تو خوش ہو سید
ایمان و شریعت پر سدا قبضہ ہوا نہ

ولہ

اسرناج فلک فرش در شاہ نجف
اُس فرش کو دیکھا جو اٹ کر نو شرف

ولہ

اسلطان صبح لے رخ آفاق فوج کیا
اور دور نے تم کو الٹا رزمق کیا

(۲) مقلوب بعض اسے کہتے ہیں کہ قلم کے بعض حروف کی ترتیب منعکس ہو جیسے قریب
رقیب اور شک شکر اور کماں کھام اور ذیق حریق اور علم عمل در و حوم محروم اور حامی ماحی۔
جیسے دو صبح کا ستارہ کی یہ جہارت۔

”جو شخص اس کتاب سے فائدہ پاوے اور نفع اٹھاوے اُس سے اُمید ہے کہ اس مضموم کو اور اُن
و دونوں محروم کو اپنی دعائے محروم نہ کرے“

ذوق

قوت ملت و دین قانع کفر و ایمان
حامی شرع بنی ماحی شرک و بدعت

قلق

اٹھ گیا پاس اب قربت کا
رشتہ پیدا ہوا رقابت کا

شعر

اک سال بحث ہے علم کلام میں رہائی
دہن میں لوگ بہت قیل قال کرتے ہیں

مثنوی زامرا

انسان کے لیے الم ہو مال
جس کے پایا رہا وہ پا مال

(۳) مقلوب مثنوی یعنی تمام نعت یا فقرہ یا مصرع یا شعر مقلوب کرنے سے وہی خط یا فقرہ
یا مصرع یا شعر حاصل ہوا غلط کی مثال جیسے باب سے شب شاہ اش نادان کبک نعل گنگ بے زیب
تلق ، ت ، دیرہ در در مثنوی سمعان قوت تخت دید کرک تیل ملک بہت ہم آ یا اما ترقی ہم آ لان
نازان و اما دو محروم ہم آ نون و و۔

ذوق

مرد میں میں خوشامناس کو یہ دہر
ہوا میں میں غمناک و غمناک پلوت اسٹور دہر

انشا

آہستی پر اپنے دل سے چھریں ہی ہو گئی
بڑبانی جیت دشت میں ہو ایک کوئی

المؤلف

شخصیت دم بدم پیدا کر رہا ہے
نارنگی شہین زار سے بس کی تیلیان
فقرے کی مثال۔

ظفر

یہ آنا جانام کا ہر خط اس کی عنایت پر
کسی کی آمد و رفت نفس میں کچھ نہیں چلتی
آنا جانا کو اگر آخر سے پڑھیں تو یہی عبارت حاصل ہوں۔
شعر کی مثال۔

نظام ساکن جاوہر

آہ شدت کا ہے دور ساکت شہین
انک پہ گاہ گر کا خاک رہا گرہ کشا
تمام شعر مقلوب مستوی ہو۔

ضمامن علی جلدی

دہ شہابی آئے بارش سر پہ
یارب ہر آئے یارب آئے
خوش ہو وہ شوح خوش ہو وہ شہین
یارب صبر آئے یارب صبر آئے
مقلوب مستوی کی ایک قسم اور ہے اور وہ یہ کہ ایک عبارت کے قلب کرنے سے اور ایک
عبارت حاصل ہو جائے لیکن دوسری عبارت بھی ایسی ہو کہ اگر اس کا قلب کریں تو عبارت
اول حاصل ہو جائے جیسے۔

انشا

رواج اور یہ ہو وہ آئنا آت
کے اور با ہو وہ آکاہ رسم اہل کلام
پہلے مصرع کے قلب کرنے سے عبارت حاصل ہوئی تو آئنا انشا وہ ہو یہ ہو رواج اور
اس دوسری عبارت کے قلب کرنے سے بھی عبارت نئی تمام شعر حاصل ہوتا ہو۔

دہم مقلوب مجتہد فقط پنج شہین کے وزن میں
ال کاسینہ ہو اسکے معنی بازو دار کے
ہیں اور اصنام میں آت سے ہیں کہ غار خرب میں منتہ اباب لفظ بیت کے اول میں واقع ہو
اور دوسرا لفظ بیت کے آخر میں ہے اس میں ہوتا ہے ہوز شد اک کی تہمین ہے۔

صفت رد العجز علی الصدر - طریق دوم غرضش کے بیان میں معلوم ہو چکا ہے
 کہ غرضی بیت کے مسیح دل کے جزو در رکھ براد جزو در مصرح دل کو غرضی بیت میں
 اور جزو اول مصرع ثانی کو ابتدا اور جزو در رکھ براد جزو در مصرع ثانی میں ملکہ
 بیت میں کچھ زیادہ خشوع ہو پس اس صفت میں در جزو در رکھ براد جزو در مصرع ثانی میں ملکہ
 بعد از بیست و تین یعنی جزو اول مصرع ثانی کو در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 اول کا کتبھا بتا سہ لیکن بیان عام کو در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 خواہ خشوع ہو خواہ در پس از ابتدا یعنی در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 میں نظر والا عجز علی الصدر و کتبھا بتا سہ میں در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 پہلی قسم رد العجز علی الصدر میں در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 اس طرح کہ جو غرضی بیت میں در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 جاری ہوتی ہو کہ جو غرضی بیت میں در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 خالی نہیں خواہ وہ غرضی بیت میں در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 خواہ بطور تکرار کے یعنی در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 ہو یعنی وہ غرضی بیت میں در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 غرضی بیت میں در جزو در رکھ براد جزو اول مصرع
 قسم کی بھی نہیں ہو۔

رد العجز علی الصدر مع انہیں

<p>اباں کسوت یا تو شاہی اباں کسوت یا تو شاہی</p>	<p>اباں کسوت یا تو شاہی اباں کسوت یا تو شاہی</p>
<p>اباں کسوت یا تو شاہی اباں کسوت یا تو شاہی</p>	<p>اباں کسوت یا تو شاہی اباں کسوت یا تو شاہی</p>

کیونکہ اس کے عجز میں جو نقطہ پر واقع ہوا رجب وہ رابطے سے بہت تر گزرد اور رابطہ دولوں کا ضمن کے
مقابل میں واقع ہوئے ہیں اس لیے پرتحرک کے جزو اخیر میں سمجھا جاتا ہے۔

ذوق

مارے گریلی وہ زلف چڑھتے | اختر چین دندان دہان مارے

دے گھٹا کو نہ مرے دیہ ذرت سے نسبت | رو میری نہ ہم تیمون میں اریار گھٹا

دند

سودہ الماس کھانزادہ رہون | زندہ کی بھسرت بن سودہ

نور

آرہ تو سر پہ پلا میرے دیکھتے | شوق میں تیرے کے جاؤنگا آراہے
رد العجز علی الصدر مع التمرار

النیم دہلوی

خفا نامہ پرو پھیر دیا اور یہ کھسا | کھسا کہ مئے جان یا مدعاے خطا

حالی

قبصر کے گدھے پر رہتے سائے زائیں | رہند کی نسلوں پر رہتے سائے قبصر

گویا

محمد سے صفت پوچھو گئی | خدا سے پوچھنے شان محمدؐ

اموسن

دل ابلی بار ہوا ایسی بے جہانیاں | زبان کو بھی ٹھکانے لگا رکھ گاؤں

ظفر

رنگا لے ہیں یہ اشک گرم ہنسنے | کہ چشم تر سے ہیں انکار لگا لے

ولم

جڑے کی بے ہریان سے ذریعہ زندگیاں | تو جو آؤے میرے گھر ایسا موسن پائے چرخ

چرخ مہربان چرخ سے کس کے گھر بے انتی
ہو کیا نہ ہر باب غم سے سبزہ مینا کے چرخ

گویا

رقص کی اُسکے صفت گویا نہ پوچھ
دل کو کر دیتا ہے بے آرام رقص

منشی

دروغ آگے مردم کے ہوئے فروغ
بجلا کسے کوئی بوئے دروغ

مواقف

آئینہ خانے میں اُسکے دیکھ تو تھی بشوق
ہے لگا دلیار و درت کس لب سے ایمن

روالجز علی الصدر مع الاشتاق

انشاء

مفرج اپنے شفا خانہ عنایت سے
نصاب بھیج کہ آتشا کو جلد ہو تفریح

ظفر

اکل جائے ظفر دم ساتھ اُس کے
جودل سے تیر وہ دلبر نکالے

ولہ

ستے ہدجکا ملک سلیمان میں شور مٹن
دھوم اُس پری کی جا کے پرستان میں سنو

غلام حسینی خان قدیر

دلایا جو پر خانہ سان اُس نے بچھو
کہا میں نے بھی شمع رواں کو جیل کر

نسخ

بھیجنا خطا کیا اُس بُت نے ترک
اب خدا یا موت کا پیغام بھیج

امرا و مرزا نادان

کھینچ کر نالہ مصوّرہ کی
جب کہا تو بار کی تصویر کھینچ

تراپ

توڑ کے پھر چوڑا دشارب ممکن نہیں
تیشہ دل کو مرے ہی سنگدل ظالم نہ توڑا

ضامن

مار ڈالو جو مارتے ہو جی
چشم خو خوار نے ہمیں مارا

حالی

نسخہ فقط اگھون نے عام کو کیا تھا
اور تو نے کیا ہر دل عالم نو مسخر

رد العجز علی الصدر مع شبه الاشتقاق۔

ذوق

چنبی رنگ کا وہ اپنے دکھا کر عالم ایک عالم کا ہوں لیکے نقل میں چیت

ولہ

چنبی تو نے نشان جو ہے مہ جہین سہل ستاروں میں کیا کیا چنان اور چنبین سہل

ناسخ

سودہ المیاس کھا کر رہوں یا زندگانی بحسب میں ہے سودے

دوسری قسم رد العجز علی الحشوی یعنی جو لفظ بحر میں واقع ہو وہی حشویں واقع ہوا و حشوہاں عام ہے خواہ مصرع اول کا ہو خواہ مصرع ثانی کا اور ہر ایک میں وہی چار صورتیں متذکرہ قسم اول پیدا ہو سکتی ہیں۔ اولاً حشوہ مصرع اول کی صورتیں لکھی جاتی ہیں۔

رد العجز علی الحشوی مع التجنیس۔

حسن

مرد تم پری پروہ تم بر مرے اسل ب تم ذنا مجھ سے بیچو ہے

اس شعر میں تجنیس حرف ہر مصرعہ اول کے حشویں پری یاے مروف سے اور مصرعہ ثانی کے بحر میں پرے یاے مجھول سے ہے۔

حسرت

میں نے کہا رم مجھ سے نکر رام ہوٹک کہنے لگا کیا چیز سے رم جالے نام

پہلے مصرع کے حشویں ایک رم ہے اور ایک رام ہے اور حشویں رام ہے پس رم اور رام میں تجنیس ناندو ناقص ہے اور رام و رام میں تجنیس تام ہے۔

ذوق

یہ آفتابی دکر سی فلک کرے فرخ بحق سورۃ فالشمس و آیت الکرسی

جالتصاحب

وصف میں جوئی کے اک خمر نہ جوئی کا کہا جالتصاحب نے کی کیا ہے یہ جوئی جوئی ہے

رد العجز علی الحشوی مع التکرار۔

عشرت

بدل غار وصال حسرت گل

اسیر آفت گل مثل بلبل

مولوی محمد حیات رامپوری شاگرد ذوق

شب دیو برین دکھایا چاند

مجھ کو اُس چاند کے تصور نے

ناسخ

ہجر کی شب مجھ سے ہے بیزار صبح

وصل میں غما صبح سے بیزار میں

نظم

جنم سے کہا ہے بلبل پیرا ہن گل مسکا

سویا حریر اُس کا مسکا نگہ گل سے

طف

بر اُس کو فائدہ کیا اور کیا سمجھ کے ہے

تھارے پائوں بھی صوفے پر عاشق

غالب

ہے خیر سلیمان جو کرے تیری دُزارت

آصف کو سلیمان کی دُزارت کثرت ہے

رد العجز علی الخشوع الاستتقاق۔

غالب

یار کا دروازہ پاؤں گر کھٹلا

ہم بچارین اور کھلے پاؤں کون جائے

سودا

جو خار چیم کے سے پائوں میں دراٹوٹا

یقین تو جان گیا ٹوٹ دل مرا ورنہ ہی

طف

بت تھاری یاد میں سب کچھ بھلا دیا

نخنہ کیا نہ یاد کبھی بھول کر ہمیں

ولہ

نہیں جب ہے تو کیا روگھا انہیں ملے

بت سکی پکے ملنے کی ہم گھاتیں لگاتے ہیں

سودا

سو تو غلط ہے کبھو ان کو نہواں افعال

کر لے ہے اگر سفل انکے ہو تیرا خیال

رد العجز علی الخشوع شبہ الاستتقاق۔

ظفر

مجھے ڈر نہ ہوئے پوچھوں کے بوجھ سے صدمہ
کہ نازک ہی نہایت ہی تر اسے نازنین پہونچیا

اشا

جواہل فقر شاہ کھاری کے بن مزید

پائے بین اُن بھون کے کہوتر کھاری

ان سب مثالوں میں خوشی خوشی اول مقصود خطاب خوشی خوشی تانی کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

رد العجز علی الخشوع التجنیس

دبیر

ہنس شہت لگی سوتا تھا وہ بندہ حق بین

بہر عقد کو شیریں ملی کیا خواب تھا شیریں

زوق

امثال خضر تو سے رہنا سے ملت و دین

جہان میں پیر ہو رہو کر امتوں سے پیر

قلعہ

س قدر زیست سے ہو ہون تنگ

ہو گیا ہے پنگ مثل پنگ

نواب مصطفیٰ خان شیشہ

امین مبالغہ تو ہی ایتہ س میں کم
ان ذکر خدو خال اگر تو خال خال

تکسر العلماء ملومی نذیر احمد

اگر زیاد نہیں آہو سے حیم کو جی
اکہین جہان میں جس م نقصا بچلے دم

رد العجز علی الخشوع التکرار

دبیر

یہ لہجہ نامین جنوں کی وہ مقدر

تاریخ مقرر نہیں آنا ہے مقدر

ناسخ

گلزار حسن یار کی بھی طرف بہت ہمار

عارضہ پہ خط سبز نہیں ہیں بہ خار سبز

ولہ

ہوتا ہے قصدا در کسی بات کا اگر

کرت ہیں میرے ہونے ہی بات ہا ہونے

امانت

نادان کی محبت میں ہے سطرین کا دھڑکا

داعی دن کسی رنگ کو میں ایسا نہیں دھکا

نشی

بچا ایک سنت اپنے پہلوئے تخت

دہن پر جسا ندر فیروز بخت

دل

کر تو بھی خوب عیش جو ہو سازگار عیش

تو غمزدہ ہے آپ سے نادان کس لیے

رد العجز علی الخشوع الاستعفاف -

صفر

طلب بوسہ نہ ٹھہری یہ غاصہ ٹھہرا

وعدے پر لٹے جو مانگوں تو یہ فرما تے ترینا

میم

جسے بہت فرش تو نہیں فرار

جسے ہے پال تو نہیں قنات

موئن

اپنے سینہ ماتے نہیں کیا دلہن کا

ہے طبع میں بروزہ فزون رخ فزائی

ہو تم کو مستمایا کریں تو ان کو ستاؤ

کیون پاؤں سے جاتے ہو تم متا بعدنی آؤ

ایس

اجوتہ مدد نہ ہمیں اس سے ہر عداوت

جو تیرا محب ہے ہمیں اس سے ہر محبت

رد العجز علی الخشوع شہ الاستعفاف -

بیل

دیتی ہیں دل کے گھاؤ کو آرام گھاسیان

سینے پہ آگے رکھنی ہیں ہر دست رحمت

انشا

گندمی آمیز چکی کا نیا غنا چٹکلا

ران پر دھراؤ تھیرے لگ سی گندمی

ایس

میدان کوادھر باد بہاری سے بارا

آسمانوں کے اونٹوں سے تھانوں کو امارا

چودھری محمد سعید الدین حسین رئیس گھڑ بدایوان

اجتہاد فریبہ ہے اویس قرنی کا

کھینچے گا سعید آپ تصور میں زیارت

تیسری قسم رد العجز علی الخشوع ہے جو اسے مصرعہ ثانی کے جزو اخیر میں داق ہو دہی لفظ

جسز و آخر مصرع اول میں ہو۔

روالعجز علی العروض مع التجنیس۔

رقعت

ہمارے سامنے مت ابرار بار بار برس | اچھم سے ہو سکے تجھ سے نو ہزار برس

میر حسن

بھری تھی دلوں سے زبس اُسکی مانگ | بہت دل لیے اُسکی کنگھی نے مانگ

دبیر

صدقے کیے باز جو عملدار نے شبہ پر | یا قوت کے بختے اُسے غفار کے شہپر

ہدایت

سینے کے تیرے ٹھٹھے ہی کو میری جان میں | آئینہ ساز کر گئے اپنی دکان بند

الش

نجیبوں کے گھر میں نہیں کوئی نر | چاروں کے حصے پڑی ہے نری

نسیم

بازو میں نہ تو مرے گھر باندھنا | ابھھاؤں جو پند اُسے گرہ باندھنا

تسلیم

وہ زبان برگ گل سی اُسکی دل | جسکی تعریف میں زبان ہے لال

آغا اکبر آبادی

شوق زور و نہیہ پر ضعف دل بہار گھٹا | آؤ بیخانہ چلین آئی دھواں دھار گھٹا

روالعجز علی العروض مع التکرار یہ صنعت ہر مطلع مرد و زن میں ہوتی ہے۔

میر علی اوسطار شک

مجھ کو نہیں یقین کہ تھکویلا دہن | سچ بات ہے تو میرے دہن سے ملا دہن

ولہ

گرد عارض کیوں نہ رکھے وہ بت بے پیر بخت | چہرہ ہے تصویرِ دیاں کارات کی تصویرِ زلف

معروف

مے کے پینے تو ہر چند نیا ہی تو ہے | بدمنوں سے یہ جمل ہوں کہ لگی تو ہے

نظام رامپوری

انگڑائی بھی لینے نہ پائے اٹھاکے ہاتھ دیکھا جو بھگو چھوڑ دے سُکرا کے ہاتھ

واسطی

خزان کا خوف کمان پر عجب بہار میں روح اسی درجہ کے کسی گلبدن کے ہار میں طرح

رد العجز علی العروض مع الاستتقاق

خواجہ ذریعہ

دہن یار میں سستی کی اوداہٹ دیکھی چمن ملک عدم میں گل سوسن دیکھا

بیان

بیسان کا یہ پیغام لے جایو صبا اُسکے کوچے میں گر جائے گی

ظفر

ذرا بھی سامنے میرے اگر عدد بگڑے تو منہ کو دون بھی اُسکے میں ایک پل میں بگاڑ

قصہ شاہ و گدا

جو دیکھا اُسکے تئیں بس مضطرب حال کہا بھر کر کے استفار احوال

سودا

مضطرب برق سے نہویں حال باد لون سے جو اُس کا تھا احوال

نواب کلب علیخان

بچائے گردہ اعجاز کلم اس کو تم جانو اگر لون رخ میں نواب جانہ ہو تو میں جانو

رد العجز علی العروض مع شبه الاستتقاق

عشرت

نہی گوارہ لوگوں نے اُمارا فلک سے جس طرح ٹوٹے ہے تارا

غضبت

غمان ہر بخت بد سے ایک تو بیمار خوبان جو بتاتے ہیں اُطبا سے زمانہ اُسے خوبانی

ذوق

سمجھے شیر آب کو ہزار غنیمت اُسکے پر سامنے ہے مثل غنم

جو تھی قسم رد العجز علی الاستدراجی جو لفظ مصرع ثانی کے جزو آخر میں ہو وہی لفظ اُس مصرع

کے جزا دل میں ہو۔

رد العجز علی الابداع النجیس۔

خوشتر

بہت شادان ہوا شاہ زمانہ

خواب میں ملا اُس کو حشرانہ

الش

ایک گڑگڑی دور روپے کے نکلے پتھر گز

پھنسی نہیں اسکندر و دارا کی پھنسی

رنگین

ایک بیک گھبرا کے وہ اٹھا پکار

مار تیرے ہاتھ میں ہے اسکو مار

میرسن

خواصون نے گھر کو دیا انتظام

تمامی کے پردے لگائے تمام

رد العجز علی الابداع التکرار

روشن بیک امی

اجی دھڑکتا تھا کہ بیوی میں نہ آجائے ٹیک

ہاتھ سے چھوڑ دیا میں نے تراخان کے ہاتھ

ہلال

پانوں تیرے کب نہیں باہاں کر جائے نہیں

ایڑیاں ہلکے گڑوا تی ہیں اکثر اڑیاں

مخالب

وہ بھی دن ہو کہ اُس ستر سے

نازکھینچن بجائے حسرت ناز

ہو گیا آگ تمہارے رنگ پر یوں کاغذ آباد

قص کہتے ہیں اسے بس ہر اسی کا نام قص

رند

قسم خدا کی تو عشق پاک ہے تم سے

عرض کہتے تھے مطلب مدعا سے عرض

ناسخ

اگر باہے ایک کافر تمھ کو قتل

الغیاث اسے اہل ایمان الغیاث

ساری قیل اسی صنعت میں ہے۔

ظفر

جگر کرتے ہیں ٹکڑے یہ پاؤں لاک

پے جو اشک کوئی مبتلا مجھ کے پیشے

رد العجز علی الابتداء مع الاشتقاق -

الشا

جو بچہ سین اور اُس میں دھما چوڑی مچی فراش بے نور ہوئی یہ تو جنگ فرش

ولہ

نظر آئے مستی آلودہ وہ دندان اُس کے حسن کے سین کے دندانے بوجہ حسن

ذوق

جس طرح سے کہ ہنسا دینے کو بینہ نقل کرتا ہو مسلمان کی کافر نقال

آتش

خط سے رہا نہ حسن رخ یار کا فروغ بجھنے نے اُس چراغ کے دل کو بجھا دیا

سودا

عبدین حسن کے تیرے جو پیڑ ہو کوئی معجزات اُس کے سین ہر صبر بڑی عجاز

قلق

مجھ حسنین پر تو اسے فرما عقد کے بعد یہ کھلا عفا

میر

جہان میسر زریز بر ہو گیا خرامان ہوا جب وہ محشر خرام

رد العجز علی الابتداء مع شبه الاشتقاق حکیم ضامن علی جلال نے شہر رامپور میں مسئلہ

بین پر رباعی اس صنعت میں باقم آئم کی درخواست پر لکھی تھی -

رباعی

عید آتی ہے ہو گا غم ہجران خست شہر رمضان سے ہو اسی کی شہرت
عاشق سے گلے ملے گا اپنے وہ ضرور غیروں سے اُرنہ مٹنے دے گی غیرت

امیر

انہیں سونا ہو ممکن ہر نیندا نہیں سکتی اٹھایہ پھر رہا ہر آنکھ میں طوق طلائی کا

ایلیس

اُس میں یہ نہ بھی ہے جو ہے فاطمہ کا مہر
شہرہ ہے تازیوں کی تواضع کا شہر شہر

مولوی محمد اسماعیل

عابد زاهد فقیہ جوگی

صوفی کا بھی ہو گیا صفایا

ذوق

ترا سندر ہے وہ تیز رو کہ دقت خرام

انظر ہو دیدہ زرقا کی بھی نہ اس کا نظیر

بعض شعرائے یہ صنعت علیحدہ ہر مصرع میں لاکر نئی بات نکالی ہے یعنی جزو اول و آخر مصرع اول کا یکساں لانے میں اور جزو اول و آخر مصرع ثانی کا یکساں گویا ہر مصرع کے جزو اول اور جزو آخر کو صدر و مجز قرار دے لیا ہو اور اگر کہیں کہ مصرع ثانی میں علیحدہ محز علی الابتدا اور مصرع اول میں رد العرض علی الصدر ہے پس صنعت علیحدہ ہوگی تو ہم کہیں گے کہ اس صنعت کا علم بدیع کی کتابوں میں کہیں نام نہیں پس بہتر قول اول ہے جیسے اس شعر میں۔

میر

آنت شیطان کی بت اُسکی آنت

دانت اُسکا ہے ہاتھی کا سادانت

امیس

شاد اس کو کیا جس نے مجھے اُس نے کیا شادا

بیداد ہوئی اس پہ تو مجھ پر ہوئی بیداد

حالی

لگا دو تو نوائی اُس سے لگاؤ

جھکاؤ تو سر اُس کے آگے جھکاؤ بیا

ولہ

کفایت جہان چاہیے وان کفایت

اسخاوت جہان چاہیے وان سخاوت

صنعت محاذیہ صنعت بھی رد العجز علی الصدر کے قبیل سے ہے اور تفصیل اسکی یہ ہے کہ لفظ آخر مصرع اول کا لفظ اول مصرع ثانی ہو اور لفظ آخر مصرع ثانی کا لفظ اول مصرع ثالث ہو اور لفظ آخر مصرع ثالث کا لفظ اول مصرع رابع ہو ایسے ہی جہاں تک اتفاق پڑے۔

مثال اسکی۔

ازدور مائے لطافت

آتا نہیں کیوں میرا وہ آسائش جان

ایمان صبیق فدا کرت ہیں سب اور ایمان

ایمان بت میرا محبت اُس کی دائم
دائم اُس کو بھی تجھ بت محبت نہان

زنگین

فر باد کو شیرین جو بہت آتی یاد
شاد اُس کا ہمیشہ ذکر رکھتا اُسکو
یاد اُسکی مین اپنے دل کو رکھتا وہ شاد
اُس کو کر یاد شاد رہتا فخر باد

اور حکیم ضامن علی جلال کی یہ رباعی بھی جو راقم کی تحریک سے لکھی ہے اسی صنعت میں ہے۔

رباعی

آرون تری شیشہ آنکھ ہے پیمانہ
مستانہ ہر اک روشن ادائن سرشار
پیمانہ کی طرح چال ہے مستانہ
سرشار نگہ ہے ساقی مینسانہ

صنعت قطار البعیر یعنی شعر میں لفظ آخر مصرع اول اور لفظ اول مصرع آخر ایک سے

ہوں۔ جیسے۔

الطوف

غریب الہوے پاؤں طلب مین تری ہمایا
بیہات نواے کعبہ مقصود کمان ہے

انشا

مفلسا بیگ جو عاشق مین کمان پاوین زار
زرد ہو اُس یاس جو یارے کی رسائن مارے

ظفر

ہو گیا جرم ن سے اپنے دل کو اختیار
اختیار اپنا گیا بے اختیاری رہ گئی

پیش

سخن کو مرے بخش حسن قبول
قبول طبع ہو مجھ کو حصول

ناسخ

لازم ہے کرو مسافرون کا اعزاز
اعزاز نہیں تو آؤ اضرار سے باز

ادوق

جو ہر خوب کو درکار ہے آرا نش خوب
خوب تو آب کی خوبی سے ہر ٹھہر اگھر

توس

دندان وہ اسکے سلک شبنم
شبنم سے سیارہ فنجی باہم

مثنوی

نہ کہ بدی کرا ب دل مین صبور
صبوری اب نہ تہت ضروری

منشی عبدالرحمن خان شاکر مالک مطبع نظامی کراچی

نام تیرا ہے یا الہی نور | نور سے اپنے کراسے سمور

صنعت تفریع یعنی شعرین جزو صدر کا حرف آخر عجز کے حرف آخر کے موافق ہو مثال اسکی۔

سوز

بیہاتہ ساعت بھی عجب بدھتی کہ جوت | لائی تھی صبا یار سے پیغام محبت

بیہاتہ صدر میں واقع ہوا اور محبت عجز میں اور دونوں کا حرف آخر اسے فوقانی ہے۔

عنبر شاہ خان اشفتہ

اشفتہ نام عشق نے پھر تمام عمر | دیکھے جو کوئی میرے دل زار کی تشبیہ

آغا علی نقی غنی

بلجائے ستون دل فریاد کی طرح | آئے تجاں سمند کی ٹھوکر کے سامنے

صنعت مساوۃ الراسین یعنی دو لفظوں میں حرف اول باہم تبدیل ہو دین جیسے سبب مائل و میل سائل کا رہندگی اور بارگندگی۔ باغ سلامت اور داغ ملامت قطب حمیر ہلوی و لدا حمیرضا روپ پوری نے مساوۃ الراسین کی مثال میں دو لفظ عقل غیب و نقل عجب لکھے ہیں اس کا رسالہ زبان فارسی میں ہے اجماز خسروی کے تیسرے رسالے میں اسکی بہت سی مثالیں لکھی ہیں۔

سحر

اگر حق نے بخشی ہے عقل غیب | تو سن مجھ سے تو ایک نقل عجیب

صنعت تضمن المزوج شایۃ الایجاز فی دمایۃ الاعجاز میں یون تریف کی ہے کہ رعایت

توفانی کے بعد اثنائے کلام میں ایسے دو لفظ جمع کیے جائیں جو وزن اور ردی میں موافق ہوں۔ جیسے

نشا

اترے ملک فلک یوسف زین سے نکلے | ممکن نہیں کہ تجھ سا کوئی کہیں سے نکلے

مراد ملک اور فلک سے ہر زمین اور زمین سے کیونکہ یہ الفاظ قافیہ میں ہیں۔

صفیر

جہاں تا ہر مراد تل تمھارے روئے تابان | لکڑی میں ہی چراغ داغ سوزان کا

پر توڑت جو اسکے رخ بے حجاب کا رمز | پیدا ہو رنگ سنگین نعل خوار کا

مختوم	
آداب میں پہنچا جو دان دست خیال	نیلا پیلا اسس کا زانو ہو گیا
محمد حسن خان	
اکرم معظم جناب حسد	کہ اقلیم غنے کے مین وہ امیر
صنعت ترافق یعنی چار مصرع اس طرح کے ہوں کہ جس کو چاہیں مصرع اول و دوم و سوم و چہارم کر لیں جیسے۔	

ازوریات لطافت

مفتون ہوں مین اس شرم و حیا کا دل سے	عاشق ہوں مین اس ناز و ادا کا دل سے
شیدا ہوں مین اس زلف و دنا کا دل سے	گستاخ ہوں مین اس طرز و وفا کا دل سے
<p>صنعت نظم التشرینی نظم کو اس طرح پر بنائیں کہ اسکو تشر بھی پڑھ سکیں مگر حالت تشر میں بندش و نشست الفاظ و صفائی کلام بھی شرط ہو ورنہ بقول مرزا قلیل ہر نظم کو تشر پڑھ سکتے ہیں اس واسطے کہ داد اور ہاسے مختفی کا لفظ اور کسرۃ اشفاق و کسرۃ صفت کے کھینچنے کو ترک کرنا ہر نظم کو تشر بنا دیتا ہے اور دوسری ضروریات شعر جیسے تقدیم بعض الفاظ کی بعض پر اور حذف بعض ابواب کا اور اخفات نوں بھی ناجائز ہے اور نظم میں وزن کی ضرورت سے جائز رکھا ہے کیونکہ جو تشر ایسے تفسیرات کے بعد نظم سے حاصل ہوتی ہے وہ صنعت نظم التشر میں مقبر نہیں بلکہ نظم التشر ہی ہے جو نظم تھوڑے تفاوت سے تشر ہو جائے اور بعض نے کسرے کا کھینچا اور روابط کا حذف اور نوں کا اخفا جائز رکھا ہے مگر تقدیم و تاخیر جائز نہیں اور یہ صنعت حضرت امیر خسرو دہلوی کی ایجاد ہے مثال اسکی یہ رقعہ مولوی غلام امام شہید کا۔</p>	

نظم

جان اہل نیاز بندہ نواز	بعد تقسیم اور عجز و نیاز
یہ گذارش ہے آپ سے کہ دعا	آپ کے حق میں رات دن کرنا
اور ہمیشہ سداق میں مرنا	دل کو ہر وقت مضطرب کرنا
کب تک آخر ایک دن جو قضا	آئی تو بندہ بیگناہ مر
<p>حال سے اپنے مطلع کیجے اور جلد ہی مری خبر سہجے</p>	

نشر جان اہل نیاز بندہ نواز بید تعلیم اور محروم نیاز بہ گذارش ہو آپ کے حق میں رات دن کرنا اور ہمیشہ فراق میں مرنا دل کو ہر وقت مضطرب کرنا کب تک خراکٹن جوتضائی تو بندہ بیگناہ مرا حال سے اپنے مطلع کیجے اور جلدی میری خبر لیجے

رقعہ ثانی دریا کے لطافت سے

اجی صاحب سُنو تیرم نے کل پٹ	کیا کہا تھا اور آج کس لیے ٹل پٹ
گئے اپنے کلام سے صاحب	ایسی لغت بھی کچھ نہیں واجب
ہمتو سردینے تک بھی حاضر تھے	پر تمہارے تو ڈھنگ دیکھے نئے
واہ جی واہ آپ کے تیراں	ہو جیے کیا ہی نھے اور نادان

بگئے ہو حُسنِ داسے ہلک تو ڈرو
یاد تو کیجئے تیرا رون کو

صنعت مثلث۔ اسکو کہتے ہیں کہ رباعی کے تین مصرع اس طرح لکھے جائیں کہ اگر سر ہر مصرع سے بعض الفاظ کو اٹھا لیں تو ان کو جمع کرنے سے جو خاص مصرع خود پیدا ہو جائے مگر اکثر وہ الفاظ ہر مصرع میں سُرخنی یا کسی علامت خاص سے لکھے جاتے ہیں۔ مطلوب طالب میں اس کا نام صنعت سکتہ لکھا ہے۔ اور صنعت مثلث درباے لطافت میں ہے جیسے۔

رباعی المولفہ

بے مہر میں تیرے حُسن سے پر تو نور	اور راہ میں تجھے روشنی ہر لے حورا
تیرا ہی ظہور سارے عالم میں ہے	یہ مہر میں اور راہ میں تیرا ہی ظہور

از دریا کے لطافت

تجھسا نہیں پیارا کوئی اور شک قمر	محبوب کوئی نہوگا تجھے بہتر
اے دلبر ناخن تجھے کہتے ہیں سب	تجھسا نہیں محبوب کوئی ای دلبر

صنعت مربع اسکو چار در چار بھی کہتے ہیں یعنی چند سطروں میں چار چار خانوں میں ایسی کہیں کیا کہیں طول اور عرض میں یکساں پڑھ سکیں کسی طرح کا لغات نہ واقع ہو۔
مثال اسکی صفحہ مابعد میں درج ہے۔

از عقل و شعور

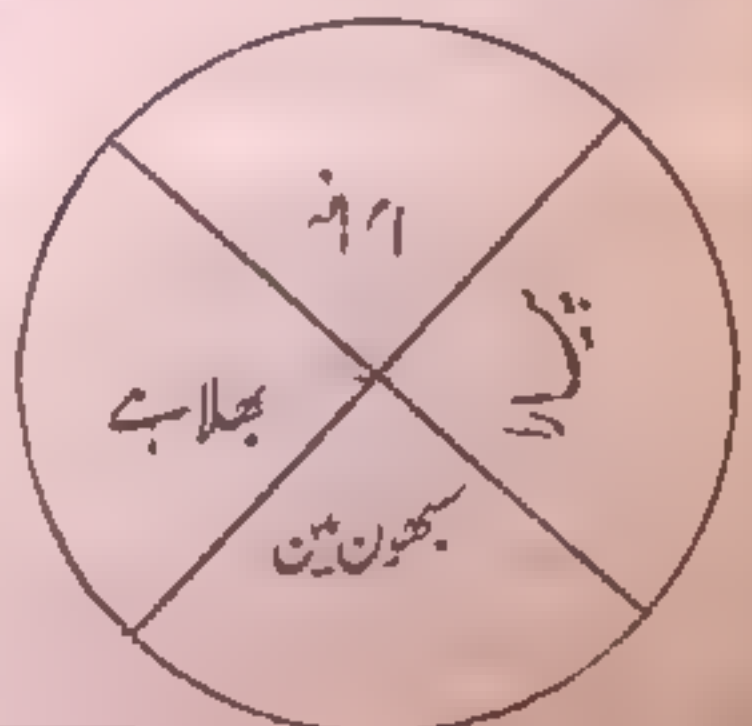
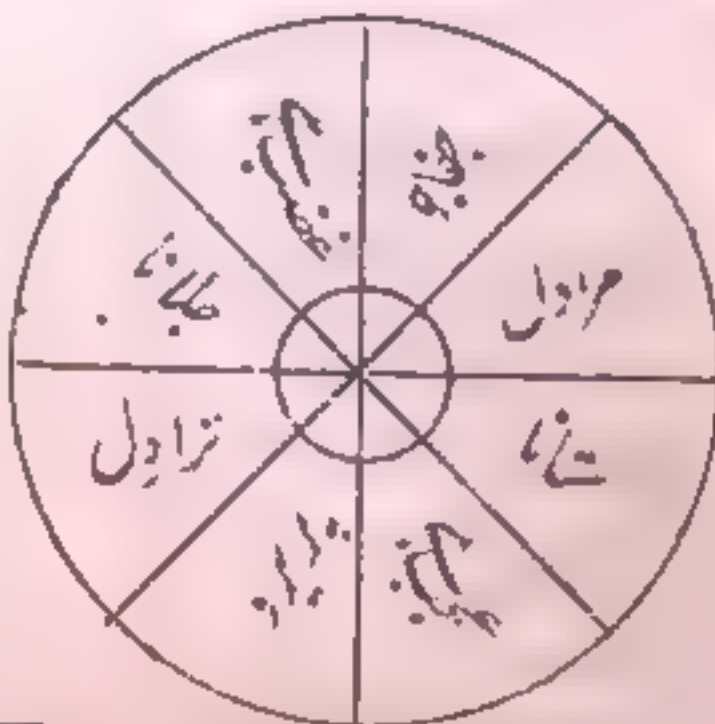
از منشی علی امجد حسین امجد بدایونی

کردن کیا	خفا ہے	اتنی	وہ دلبر	کیون تجھے	عشق	ہو گیا	امجد
خفا ہے	وہ مجھ سے	عبت کیون	سمن بر	عشق	تجھ کو رنگا	عاجزو	نار
اتنی	عبت کیون	خفا ہے	غضب ہے	ہو گیا	عاجزو	نزار	امجد
وہ دلبر	سمن بر	غضب ہے	شکر	امجد	نار	امجد	ناچار

اور اگر آٹھ آٹھ خانوں میں لکھو اور پڑھ سکین تو اسے صنعت متضمن کہتے ہیں۔
صنعت مدوڑ۔ یعنی مصرع یا شعر ایسا ہو کہ اسکو ایک دائرے میں چار یا آٹھ رکن کر کے دائرے
 کے حضور میں علیحدہ علیحدہ لکھیں اور جس رکن سے چاہیں پڑھ سکین اور ایک مصرع یا بیت سے ہر اعتبار
 تقدیم و تاخیر رکن کے کئی مصرع یا بیتیں حاصل ہوں۔

امثال

مصرع کی مثال از دریاے لطافت شعر کی مثال از عقل و شعور۔



صنعت اقسام التلثہ اگر جملہ پڑھیں تو ایک غزل ہو اور جو مطلع چھوڑ کر پہلے مصرعون کو پڑھیں تو اور غزل ہو جائے اور جو مطلع چھوڑ کر پہلے مصرعے پڑھیں تو پانچ مرتبہ مطلع ہو جائیں۔

خندہ لبک ہی اُسکے شمع خندان بے فروغ
نور مینا ہی کم زلف بُتِ گلہام سے
ٹمٹاتا ہے چراغِ خانہ اپنا شام سے
جونِ ایامِ سچہ گئے مجھ کو سو کا پیشوا
گرچہ میں گنتی سے باہر ہوں یہ ہوں آرام ہے
ہے نور دن سے ہمارے اُسکی نکتوری زیلا
کام ڈالا ہے خدا نے کس بُتِ خود کام سے
گنگ لگی ہیں اس مرضِ غم کی آنکھ جھپٹ کو آج
دیکھ کر بالآخر امی اُس کی سمت بام سے
کیا تھی ہو نکلا ہے اتر چو چو چوین وہ شوخ
اے کرم او دھم اٹھا رکھی ہو اُسے شام سے

دوست رز آج بیاہی جاتی ہے	پیر سیکش تلمک براتی ہے
یہ نیا چرخ داغ دیتا ہے	غیر معشوق بیاہے لیتا ہے
ایک کا تو بیاہ کرتا ہے	ایک کا گھر تباہ کرتا ہے
تراپ نے عاشق و صنم کی مشنوی کے دیباچے میں کہا ہے۔ ۵	
خدا کر عشق کو پسند نہ کرتا	تو بندہ حسن پر کاہے کو مرتا
کوئی عاشق نہ دیتا جی صنم پر	نہ سردھرتا کوئی اُسکے قدم پر
اور مشنوی کام و ناکام مصنفہ مولوی محمد نظام الدین صاحب مرحوم ناطق باطنی بدایونی ابن مولوی صدر الدین صاحب کا یہ شعر بھی اسی صنعت میں ہے۔ ۵	
دلانا مے سے پہلے لکھ تو وہ نام	کہ ناکا مان دل کو جس سے ہر کام
انشا اپنے اس قصیدے کے آغاز میں جو شاہ لندن کی سالگرہ کی تہنیت میں ہے کہتے ہیں۔ ۵	
بکھیاں نور کی تیار کرے بوسے سخن	کہ ہوا کھانے کو ٹھیکے جواتان چمن
عالم اطفال نباتات پہ ہوگا کچھ اور	گورے کا مے بھی مل بیٹھنے کے کپڑے بن
نیم تاج الملوک کے صحراے ظلم میں جانے اور ظلم کی چیزیں حاصل کرنے کی داستان کے شروع میں کہتا ہے۔ ۵	
بہر گہ ظلم اخلاص	ہے بحر سخن من خامہ غواص
صنعت سیاق الاعداد فی کلام میں ذکر کرنا عددوں کا خواہ ایک سے دس اور اس سے زیادہ تک خواہ برعکس کے ایک تک اور عدد خواہ ترتیب وار ہوں یا بے ترتیب مثال دل کی۔	
انشا	
مین جو شب ان سے راہ میں لپٹا	بیم حاکم رہا نہ خوف عس
ہاتھ پائی ہوئی کچھ ایسی کہ بچہ	انکی انگلی کی چڑھ گئی جھٹ نس
لگی کہنے کہ میرے دامن کو پا	نہیں اب تک کیا کسی نے مس
سخت جلمائے گا پرے بھی سرک	ارے میں آگ اور تو ہے خس
جب کہ دیکھا کہ چھوڑا ہی نہیں	تب تو ٹھہری کہ بوسے دینگے دس
اگن کے سولیلے گیار جوان نہ سہی	مجھے پیسے کرے جو اور ہو س
ایک دو تین چار پانچ چھ سات	آٹھ نو دس ہوئے بس انشا بس

شاہ حسین حقیقت اپنی شادی بشت بشت میں کتنے میں رہے

ایک دوتین چار پانچ چھ سات

آٹھ نو دس تنگ تو تھی اک بات

مستفیع خان وسعت

اواسے قسمت ایک گالی کی ہون دوتین چار

وقت گفتن جب زبان پر اس کے گنت گئی پانچ

انیس

گنتے ہوں ایک ضرب میں دو ہوں کہ چار ہوں

شش در تھے سب کہ موت سے کیونکر دو چار ہوں

میر

مرے ایک سال میں جو عمر ہو سو سو سال میرے نکاح

نہ تو دس میں نہ پچاس میں نہ تو سو میں نہ ہزار میں

مثال بتاؤں تیرے یہاں

ایاز محمد خان ایاز بھویالی

گنچہ کوٹ ایاز سے ہو سہا سہا چوہاڑے

بست بہ بست دہ بد پنج بیچ دو بدو

شایان

اتنا بڑھی دس کے شش و پنج

پلاسہ آتش تا دور ہو رہا

اعد و بہ ترتیب کی مثال

الہی بخش عشقی

نہ چھوڑے کسی کو رنج مسکون میں پیشہ رہوں

وہ دان پر کونسا جاتے نہیں دو چار کا ندھے پر

نواز شمس

اس تند نوے برس میں نے جد نکاح

جب سوچا میں مانگے تب تین چار ٹھہرے

موسن

اب نہ سید پرین مرے دشمن تو اور بھی

لیکن بڑے غضب بھی دوتین چار میں

ولہ

بڑن تلوں سے مارے دیا ایک بیٹے

اس میں ہندو مرتے ہیں دو چار کے لیے

صفدر میر صفدر علی

بارہ بیچ ہستہن صحت بخت تھان

تا تم میں پنج فن کے ہیں شش و چار جد

اشاک زبانی مثال فصاحت میں رہا ہے

نوا آسمان خورد مہ ساتون طبق زمین کے	روح دھواں خمد در شمشاد بنات پیون
بارہ برکت چودہ معصوم چار عنصر	تلاہر کرے بین تیری: کھون صفاتیتون

صنعت مستطابنے غزل یا قصیدہ وغیرہ میں سوائے مطلع کے تین تین یا زیادہ جمع لینے
نقرباے ہوزن ایک طرح کے مذکور کو میں اور چونکہ قافیہ اصل غزل یا قصیدے کا ہونہ شاع کو اسلئے
مستثنیٰ کیا کہ اس میں بسبب رعایت قافیہ وغیرہ کے یہ بات نہیں ہو سکتی اور اس میں مستاع
نوت طبع دیکھی جاتی ہے۔

نیم و پلوکی

سرچشمہ ہمت ہر دہ سر دفتر رحمت ہر دہ	سرایہ دولت ہر دہ باغات وجاہ شہر
قسمت ہو یاری پر اگر آجائے جو پیش نظر	بخشے یہاں تک کہ نیم و زر سب بھوئے گردونہ کم

شکلام امام شہید

آئی ہمایا اب ہرچہ بے بیکل گل کا وطن۔ دیر و درم سے نعرہ زن۔ آتے ہیں شیخ و پیر ہر
تاہد سے کہد و سخن۔ ہر فصل گل تو بہ شکن۔ گر چاہے بیش جان و تن۔ پیو اردن کا تھکے چلن
آئی ہمار جانقرا۔ لائی گلستان میں صبا۔ پیغام وصل دریا۔ گل کھل کھل کر منس بڑا
سوح ہوائے پاکیا۔ ہر غنچے کا بند قبا۔ بیکل یہ کرتی ہے صدا۔ اب میں ہوں اور سے یہ
ساقی خوش و شنگ ہے بست کے گل رنگ بر۔ مطرب جو خوش آہنگ ہے۔ بھونو اسے بھنگ سے
دل شیر کا اور رنگ بر۔ غم خستہ دل تنگ بر بیکل یہ خوش دل رنگ بر۔ شادی سے گل ہر خندہ زن

مرزا عباس بیگ

پہننے مانا کہ آج خبر مر اگلو بھی نہیں رہے گا	گر میں قاتل کی دستک بہشت تو بھی نہیں رہے گا
چلیں گے کتنا کہ یہ کدک دہ بیکل کتنا کہ شوخ را	اے ہنوکے مر صاحب قریب تو بھی نہیں رہے گا
ابھی نندی ہر خیمہ کم کہہ چہ ہوا ناغہ و مدبر	میری جو جہد یون تب غم تو بھر ہو بھی نہیں رہے گا

حسرت

بجہ سے نہ کہنا خبر وہ نہیں آتا اگر	سنا ہے پیغام میں نے سنا اور مورا
لب پہ ابھی جان زار آئی ہے جو بقرار	دل میں مرے، بکی بارہ دھڑا اور مورا

اُس سے گئے کتنے یار مر گیا عشق دہ زار
کنے لگا کتنی بار وہ تو گیا اور مورا

تاسخ

یہ نور ہر دے نہ حسین کا فجل ہو چاند چودھوین کا
اگر ہو چاہا پر سمندر یقین ہو خاک دم میں جل کر

جو حلقہ ہر زلف عنبر کا وہ ایک نہ ہر شک چین کا
مسا جو ہو آفتاب عشر کھڑے داغ آتشین کا

مذاق

جو گرم ہو حسن اس حسین کا نہ وہ پری کا نہ حور عین کا
تو میری آنکھوں سے ابر نہ پاں دو چار ہو کر نو در فشان

آفتاب تھے روئے آتشین کا تو چاند جلائے چودھوین کا
اٹھاؤں آب گمر کا طوفان بخورون گرتا رستہ سین کا

انشا

ہو باز صبر کے تکیہ جو گزشتہ گزین ہی سینکے زبانے میں اس حسین
بہ فصل بے غور میں ہو خلیل کہ گرے نہ آجہ کسین مجھ کے ہی مل
مجھے صدقہ خدائی کا میرے خدا بہ تصدق رتبہ اہل ہدا

کوئی سلطنت ہو پونجی نہیں ہر وسایہ بال ہما کی قسم
میں اس سے بھی آگے تو طبع کے دچان تھے نعت غرر عا کی قسم
نہ کرانی خیال سے مجھ کو جدرا تھے نیت صدق و وفا کی قسم

تاسخ

پاس بار جانی ہو بادہ ارغوانی ہے
منہ سے گرا لگے مینا آب خضر ہو پینا
منہ سے دے روئے میں ایسی نیند شوتے ہیں

شغل شعر خوانی ہو عالم جوانی ہے
نی کے اک دم جیتا عمر جاودانی ہے
اپنے نوچے ہوئے ہیں اپنی وہ کمائی ہے

بالو غلام محمد طور

فدات ترے گوہر الماس ترے کنکر
لے خاک تری عظمت ثابت ہو بلا حجت
ہر آنکھ تری جو یا ہر سر میں ترا سودا

بغیر ترے سیم و زر کیا طرفہ تماشا ہے
شاق تری خلقت آنکھوں کو کیے داہے
ہر لب پہ ترا چہا ہر دل میں تری جا ہے

امیر

کیون بھلون کو بھاگنی لاکھوں گے کٹوالی
ماہ عدم کی سیر سے کب رنج اٹھائے خیر سے
ساقی کو حیرت ہو گئی مطرب کو دشت ہو گئی

بارب کہاں گئی پونجی چھری قاتل کے پاس
ہو چنے میں پائے فیر سے سولے ہو شل کے پاس
برا دوست ہو گئی ہو بچا جو میں محفل کے پاس

ولہ

آفتاب سب ہو پیش دیس پر نہیں کوئی تنفس
آنی نہ اپنے کام عمر غم میں کٹی مدام عمر

کون ترا ہو مادر میں رچنے نہ اسے دراجت
تنگے چنے تمام عمر صورت کمر با عیبت

حسن

دل و جان کا پوچھو ہو کیا نشان ہوئی رفتہ رفتہ شکل یا
 کر اُجڑ گیا بھی خان مان نہ مکین رہا نہ مکان رہا
 مجھے رہا کس سے ہوا طرح فقیر چاہتا ہوں میں جس طرح

ولہ

بس فر کر بوسہ مت کر دیکھو ن لاف کرتے ہو چلو
 جھگڑا تھا جس کا سواٹھا کدے کوئی یہ اُس سے جا
 جانے دو پس چپکے رہو تم دے چکے میں پا چکا
 اے مرنے والا مر گیا قصہ مٹا جھگڑا چکا

خضر

اٹھائے سوز خم ہر غلط ہیں یہ خون کے دھوکے غلط ہیں
 کہا یہ سو بار دل کو رد کر حریف مت ترک چشم کو کر
 کہ مثل قمار گیر خط پہ خط میں ہنوز ملتے کے استخوان پر
 بد آخر ترس ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہاؤ ٹرکان کے ہر شان پر

کویا

تھے جہان میں عجیب نصیب کے ہم کہ سما کیے تا دم ریت اطر
 اگرستی میں شب حمد وہ ماہ نقاد ہیں سانی کہوں گے نہ بجا
 ہمیں کر چکے کشتہ تیغ تم تو وہ کھاتے ہیں جو روخا کی قسم
 سبوتاختہ سے پیرخان کے گرا اسی مست کی لغزش پاکی قسم
 جو ہر بند کے بن میں گذار مرا کے کانٹوں سے جسم نزار مرا
 کہ عضو ہر اک نگار مرا تھیں قیس رہنے پاکی قسم

ولہ

بے بادہ ہے ریخ و لعب آسودان میں مذروہا
 اس لب کی سرخی دیکھ کر سودا ہوا ہے اس قدر
 ہر کشتی کے کی طلب ساقی سے اس طوفان میں
 ہے سب کو شوق نیشتر جتنی رگین ہیں پان میں

ملوفہ

ترے یاد میں قد کی آسودان مجھے قمری کھوت صلی
 کیا روڑو کے چہرے راز میاں گئی تار بھلاک مری وہ و خان
 حسین ہاتھو نہ آسکے یہ رنگ حنا کسی کشتہ ناز کا خون ہو لگا
 حسین درد جلی سے تاب تو ان قن نار میں ریخ و عنا کی قسم
 ملا تو بھی نہیں وہ غمچہ ہاں ہمیں بسکی ہر شرم و حیا کی قسم
 سر و نہین اس میں خلاف ذرا مجھے سرو کی فنق پاکی قسم

بعض شعر ایسا بھی کرتے ہیں کہ ہر شعر میں بجائے قافیہ کے مطلع کا سجع آخر بطور دلف کے لے آتے ہیں جیسے
 غزل یا قصیدہ میں تین تین یا سات سات سجع ایک طرح کے اور چوتھا یا آٹھواں سجع ایک مطلع سے لے کر قطع
 تک لایا کرتے ہیں اور اس قسم کے سجع میں قافیہ تکرار تقدیری قرار دیتے ہیں۔ نظام الدین احمد صاحب
 مجمع الصنائع اور رشید الدین و طوطا صاحب حدائق السحر اور صفی الدین جلی اور غنیمت الدین جلی اور دوسرے
 علماء نامہ دار کی جماعت کثیر نے صنائع بدیع میں سجع کو لکھا ہے کہ تصدیق شرائط قافیہ سے خارج ہے۔

اس لیے لکھ کے قطعہ تاریخ ایک بیک بہ بصنعت پوشیح	رفیت دل سے خوب فکر کیا نوب برجستہ نام ہاتھ آیا
ان مصاریع کے حرف اول کے جمع کرنے سے کائنات تاریخ نام نکلتا ہے۔	

ناشی مظفر علی اکبر

ناظم مملکت جاہ و جلال آفتاب فلک جاہ و ششم مالک کشور صد شوکت و شان معدن جوہر و سخا و ہمت کرم و جود ہے ہمیشہ اُن کا بارگاہ اُن کی عجب عالی ہے لب لعلین جو سخن میں کھوے خلاق میں کون ہے ثانی اُن کا نہ فصاحت نہ بلاغت میں جواب ہیں ہر اک علم و ہنر میں یکسا دل آفاق و خدا ہے اُن پر دین و دولت کو اُشین سے چمک مادہ لطف و عطا کا ہیں وہ قالب خاک ہے ہر چند بدن آب خضر اُن کی ہے گفتار نصیح ہاتھ میں دامن مقصود مدام	وارث تاج و سریر اقبال بدر تابندہ الطاف و کرم حاصل مزرع سرسبز جہان دہر عادل کسرے رفعت لطف و ستور ہمیشہ اُن کا عاشق پر جہاں خوش اقبال ہے یار و اختیار نے موتی روئے ہر خلاق احسان اُن کا بکسر اہل زبان قطرہ آب ایک عالم میں نہیں ہے ایسا رحمت خاص خدا ہے ان پر ابر رحمت ہیں وہی زیر فلک آسرا خلاق حسد اکا میں وہ بزم داں نور خداست روشن لب اعجاز نما رشک سج بس ان اشعار سے آئینہ ہے نام
---	---

حرف سر بر مصرع لئے سے (نواب محمد کلب علی خان بادر دمام اقبال) حاصل ہوتا ہے۔

سودا

شمہ جو بیان کیجئے انصاف کا آئینہ الطاف و کرم کا جو شمار آئینہ لرون میں انصاف یہ اب غمہ میں ہے یہ غمہ	دو خویاں در نیایش کے آئینہ نیرا خاک حارہ برین موارید کو نکرے لب لعل لین شہر و شہر کو آئینہ نیرا زینک
--	--

دیکھنا نہ میں یہ حوصلہ جزا کے بشہر کا
لعل اس کے تئیں بخشے کنکر سے ہین کمتر
بازو کا اُسے زور شہ ہند کا کیسے
آمد کی خبر اسکی جو ہو دے طرف دم

دست بھی بانیکی حضور اس کے ہر کچھ تنگ
ہمت کا جہان بیج بھلا کر سحر ہی دھننگ
ہمیت بہ جہان اسکی ہر صاحب وزنگ
دہشت سے لرزنی ہی رہے ملک تنگ

سہر مصرع کے حروف کے جمع کرنے سے شجاع الدولہ کا نام حاصل ہوتا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سہر مصرع یا سہر شعر پر ایسے حرف لائے جاتے ہیں کہ معانی اُن کے علیحدہ تو مقصود نہیں ہوتے لیکن اُن کے عدد و حساب جمع کرنے سے کوئی سنہ ہجری یا عیسوی یا فصلی یا سمت وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور تاریخ بھی تبدیل ظاہر ہوتی ہے اور کبھی وہ حروف ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کے جمع کرنے سے کوئی فقرہ یا مصرع یا شعر یا معنی حاصل ہوتا ہے اور اُس فقرہ یا مصرع یا شعر کے اعداد تاریخ کے واسطے مراد ہوتے ہیں اسکو تاریخ بہ صنعت توشیح کہتے ہیں پس یہ صنعت بھی اسی قبیل سے ہے اور اسکا حال ہم صنعت تاریخ میں جی بیان کر دیتے
کبھی نام یا عبارتیں کسی نظم یا عبارت الفاظ کے بیچ کے حروف سے حاصل کرتے ہیں یہ بھی داخل صنعت توشیح ہو مثال اسکی یہ عبارت ہے۔ لمؤلفہ

حد و ثنائیں خالق کون دمکان خدا سے پاک کوشایان ہے جو تمام عالم کُل مخلوقات کو حکم کن عدم سے وجود میں لایا
نعت و صفت اُس سرور جہان محمد مصطفیٰ کی زیبائے ہے کہ جمیع بندگان خدا کو طریقہ اسلام بتا کر اپنا تاریخ و زمانہ
منتخب حضرت اہلبیت کرم ثوی کی واجب ہے جنھوں نے رہ گم کر دو گمان باد یہ ضلالت کو ہدایت کا چراغ دکھایا
بر حمت صحابہ اہل بیت کبار مصطفوی کی لازم ہے جنھوں نے کشتی امت کو طوفان بلا و گرداب عذاب سے بچایا
اما بن مؤلف اِس سالہ کا یہ عبارت بطور مثال صنعت توشیح کے لکھ کر درج کرتا ہے
اور فصاحت و عہد و افحاسے دہے سے داد اپنی محنت و غور کی چپاہ کر عرض رسا ہے
کہ اس بیچ میز و نال کو ایک مدت سے نظم و نثر اُردو فارسی کا کمال شوق ہے
اور حسب استوار و لکھناقت خود تھوڑا بہت شعر گوئی اور عبارت آرائی کا بھی ذوق ہے
بہت عرصت تک بچہ خیال میں تھا کہ کوئی رسالہ فارسی خواہ اُردو فن شعر و سخن میں ترتیب دوں
یہ مقصد میں جہیز و ہمت تازہ و کسب متعلق عروض و قافیہ و صنائع و بدائع و معانی و بیرویک جمع کروں
اسکند علی حسرت معنی جلوہ گر ہوا یعنی یہ نسخہ نام در مرتب ہو کر مرتب انجام و اختتام ہو چکا

نجم لغنی خان
عبد لغنی خان
عبد اعلیٰ خان
اب

اس عبارت سے نام مؤلف و جناب والد ماجد مرحوم اور حضرت جد امجد مغفور کا اس طرح سے
تکلفات کہ وسط کلام سے ایک ایک حرف جاے معین سے جو بلامست قاص لکھے گئے ہیں بیکر جمع کیا جاتا
ہے ایسے ہی ایک عبارت سے دوسری عبارت پیدا ہو سکتی ہے۔

محمود شاہ خان بی اے ال ال بی ساکن رلم پور نے ایک عبارت لکھی ہے جس میں اس
صنعت کو ادا کیا ہے مگر اس میں تکلف بہت کرتا پڑا ہے نمولے کے طور پر اس سے کچھ بیان نقل
کرتا ہوں سیدھی طرف سے آئی جانب پڑھو تو ایک نظم ہے اس وزن پر مقتعلن مفاععلن مقتعلن
مفاععلن جو تھوڑی دور چل کر نشر ہو گئی ہے اس کے بعد پھر کچھ نظم ہے کچھ نشر ہے ان نظموں اور
نثروں سے چار مثنویان مختلف اوزان اور مضامین کی نکالی گئی ہیں جن کو اوپر سے نیچے کی طرف
پڑھنا چاہیے نام اس کا جوے شیر ہے۔

لے	کا ہو مغرور دہر کی ہے ہو	کسی	عمر کو اس طرح بسر ہے۔	دہر	خدا کی راہ کو ریزہ ریزہ اصرار	یار
یا	جہد رو زور کی کیا	بے جگر	دل کہیں نہ کہیں چشم زور قضا	مین	رہبان بھی ہو جی۔ جیش	ای
جیش	یوم کا ایک ہی آنچ میں جگر	کل	دل خواب میں پیر نہ دیا۔	دل	فنا دل کے پہ پہ پیر لکھ کر شوق کی کرے	نثر
جا	کے شاعر جان و دل وعدہ و صلح	کر	دل صاحب کر باغ و فانی کھلے	انتظار میں۔	فنا دل کر نام فک کہ سیرت الیٰ انوری	پے
و	کسب جان کے نا صبر و عہد قلم	خبری	داراد بھی فطاکرے اگر ہے	نکلتے	یہ قول متبر شاخ خنار آرزو	مان
و	سے۔ ا۔ ا۔	کہ	مین نوڑ کر رس	بجول گیا ہر ایک سے جین لکھ	دل	است
بیر	کی دیکھ کر ہم ہوئے زلف میں آ	جنوں	لے دل رہا دیکھ لے ز	برے بنائے کی جو لکھ لکھ لکھ	نشین	دل
بج	لیکن ادا تو زمین کون	اربا	سودم سلطان ہوا۔ وہ	کوئی نہیں سوچے بڑا خوش نصیب	زوب	زوب
زندہ	مین۔ مین۔	ہے	منہ مخیر ہے ہو کر ہو کر شے میں	میں	ش خاک بہ دور سے	ہے
گانی	ہو نظر۔ رشتہ زند	میں	دیکھ کر ہے اس میں	میں	بیت جگہ و کسبت جان بیاں آقا کی	مان
گور	سے۔ یاد کسان ہزار	دور	ابو و شکر و زور و کمال	است	کی خبر	است

سیدھی طرف سے الٹی طرف پڑھنے میں یہ حاصل ہوتا ہے۔

<p>یاد خدا کی دل سے کر بھی نہ سمجھ اُدھر اُدھر دہر کی ہو اویسی رسم جہاں بھی ہو دست قضا نے مجھ کو جب رہزندی کی آگ لگا کے شوق کی کس نے دل خراب میں عیش پہ خاک ڈال کر یام نلک کی سیو باغ و فامین دیکھ کر کے نثار جانِ دل شاخ نہال آرزو خشک ہو انتظار میں عہد قلمِ داست بھول گیا ہر ایک مست دیکھنے یہ ادائی دلیر بے نیاز کی رسم جنوں کی دیکھ کر جم ہو رگت میں ہر بخت رسائے دلیر باد دیکھو یہ ہزار ہا ست کہ قویں عامری سوسے عدم روان ہوا دیر سے محفل صنم مجمع غم سے ہے گرم ہوا رشتہ زندگانیم آن بت جنگ جوست وہ جو بیاغھا کل سبق تھے وہ فور شوق سے</p>	<p>سحر کر اس طرح بسر جیسے کسی کا ہو سفر جشن میں دل کمین لگا اور کمین ہر چشم تر ناپائندت ننادل کے لیے بنی سپر چھونکٹ یا کلیم کا ایک ہی آغ میں جگر آج یہ افسون گری ماسے دل ناصبو کر وعدہ و وصل یہ نہ جہان یہ قول منبر باد سحر کو یہ خبر دے کمین جہاں کے نامہ بر حیف کہ دل سارا زردار وہ بھی خطا کرے اگر بھنول کو خود گرا دیا صمن چین میں توڑ کر آب نشین کو کچھ نہیں موجہ بحر کا خطر لیکن ادا و ناز میں کون ہے تجھ سے خیر وہ ہوا اس ہی جہاں میں نہ ہو نثر خاک پر گوشے میں دیکھ کون ہوا کی طرف بھی ہو نظر جان حباب یا بہ خاک یا ہر بادشہ مگر باد کمان ہزار گردون میں آست کی شہر</p>
--	---

ایجم میں اس کا نام موشح مخمتر لکھا ہے کیونکہ ہر چیز سے اُسکے ایک وزن نکلتا ہے لغت
 میں چیز جگہ اور مکان اور کنارے کے معنی میں ہے۔

پہلا حیر

یاد ہے لذت پہاں است	دل نشین خوب ہے فزبان است
قاملا تین فعلاتین فعلان	قاملا تین فعلاتین فعلان

دوسرا حیر

دہر میں کی کس نے پافسون گری	خشک ہے سارا چین سامری
-----------------------------	-----------------------

مقتعلن مقتعلن فاعسلن	مقتعلن مقتعلن فاعسلن
مقتعلن مقتعلن فاعسلن	مقتعلن مقتعلن فاعسلن

صنعت ترصیع۔ یہ صنعت اس طرح ہے کہ ایک مصرع موزون کریں اور اس کے مقابل دوسرا مصرع اس طریق پر لادیں کہ پہلے مصرع کا پہلا لفظ دوسرے مصرع کے پہلے لفظ کا قافیہ ہو اور پہلے مصرع کا دوسرا لفظ دوسرے مصرع کے دوسرے لفظ کا قافیہ ہو اسی طرح پہلے مصرع کے اور الفاظ بھی ترتیب وار دوسرے مصرع کے الفاظ کا قافیہ ہوں مثلاً۔

از تاریخ بدیع

وحید گمانہ ریاضت میں تھے جنید زمانہ عبادت میں تھے

وحید کے مقابل دوسرے مصرع میں جنید ہے اور گمانہ کے مقابل زمانہ اور ریاضت کے مقابل عبادت ہے۔

منشی

ادھر سے جہاندار کشورستان ادھر سے سپہدار مازندران

ہمت نے مری بجھے اڑایا پا غفلت نے تری مجھے چھوڑایا

یعقوب علیخان نصرت

عالم ہیں یہ عسلیم ہیں یا خبر ہیں یہ حاکم ہیں یہ حکیم ہیں یہ دادگر ہیں یہ

راحم ہیں یہ رحیم ہیں یہ راہ بر ہیں یہ سالم ہیں یہ سلیم ہیں یہ باہر ہیں یہ

باہر ہیں یہ بصیر ہیں اہل وقا ہیں یہ

قادر ہیں یہ قدر ہیں اہل سخا ہیں یہ

اور اگر الفاظ میں رعایت تجنیس کی بھی ہو یعنی مصرع ثانی میں بعینہ وہی الفاظ ہوں جو پہلے مصرع میں ہوں مگر نئے جدا گانہ ہوں تو اسے ترصیع مع تجنیس کہتے ہیں مثال اسکی یہ غزل کریم خان بخش صاحب کرم ساکن رامپور کی۔

نہ وہ پہونچا نہ کلائی بہت بات نہ وہ پہونچا نہ کل آئی ہیبت بات

برستہ کیوں جائے ہر ذرہ ہر سات برستہ کیوں جائے ہر ذرہ ہر سات

بُول میٹھا تو سٹا جائے نہ بات	بُول میٹھا تو سٹا جائے نہ بات
آپ بس جائیں نہ گھر ہوتا رات	آپ بس جائیں نہ گھر ہوتا رات
کہ کرم سے وہ بس آوے دے بات	کہ کرم سے وہ بس آوے دے بات

صنعت متلون یہ ہے کہ ایک شعر کی وزنوں میں ہومثال اس کی یہ بیت شیخ امداد علی بکر کی ہے۔

دو دہل پنا شررا نشان ہوا	دو دہل پنا شررا نشان ہوا
ابراٹھا صاف شہ رخشان ہوا	ابراٹھا صاف شہ رخشان ہوا

ایک وزن یہ ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلن اور دوسرا وزن یہ ہے مفتعلن مفتعلن فاعلن مؤلف کا یہ شعر بھی انہی دو بحرین میں ہے۔

مجھ سے وہ جب سے مجھ کا کلام ہے	مجھ سے وہ جب سے مجھ کا کلام ہے
چین ہے دل کو نہ کچھ آرام ہے	چین ہے دل کو نہ کچھ آرام ہے

سید آغا علی حسان

داغ ہے شمع شب تار فراق	داغ ہے شمع شب تار فراق
افرش ہے مجھ کو سہ خار فراق	افرش ہے مجھ کو سہ خار فراق

جب نظر آتا ہوں میں تو گوان کوہر
کتے ہیں مجھ کو بھی زار فراق

یہ اشعار میں وزنوں میں ہیں ایک فاعلاتن فاعلاتن فاعلن دوسرا مفتعلن مفتعلن فاعلن	یہ اشعار میں وزنوں میں ہیں ایک فاعلاتن فاعلاتن فاعلن دوسرا مفتعلن مفتعلن فاعلن
--	--

تیسرا فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

طالب علی خان عیشی لکھنوی	طالب علی خان عیشی لکھنوی
کون پا بند جنون فصل بہار ان میں نہ تھا	کون پا بند جنون فصل بہار ان میں نہ تھا
اس برس ننگ جوانی تھا جو زندان میں نہ تھا	اس برس ننگ جوانی تھا جو زندان میں نہ تھا

ایک وزن یہ ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن دوسرا وزن یہ ہے فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

فعلاتن فعلن اور انھیں دونوں وزنوں میں ایک قصیدہ منشی مظفر علی اسیر کا ہے اُس کے دو شعر یہ ہیں۔

آبدار ایسی ہے تیغ اُس کی کہ ہنگام نبرد	آبدار ایسی ہے تیغ اُس کی کہ ہنگام نبرد
بخت منعم ہے تیغے میں ضیاء میں پردہ نور	بخت منعم ہے تیغے میں ضیاء میں پردہ نور

عمر دشمن کا جو خالی ہوتا ہے دور۔ تی سے جام
عقل دانا ہے وہ تیزی میں بند ہی میں ہر نام

دل آنکھوں ہی آنکھوں میں چرا کر یہ غمزہ بھی کیا الگ ہوا ہے
 وہ نہ لطف ہر کس کش میں دیکھو + یہ شانہ تو دانت پیتا ہے
 ہر اک مڑہ ہے موکی پیاسی + کن آفتون سے یہ دل بھرا ہے
 یہ مورجل اب جو خط لے بانڈھا + میں سوچو ہوں کیا مری خطا ہے
 یہ آئینہ بینی اور ہی ہے + کچھ اُسکو تو ہم سے عکس سا ہے
 وہ آئینے میں دیکھتا ہی ہے منہ + یہ ہم سے تو اسے کرم حیا ہے
صنعت محذوف صاحب دریائے لطافت نے لکھا ہے کہ یہ صنعت بھی صنعت متلون
 کے قبیل سے ہے محذوف اس شعر کو کہتے ہیں کہ اگر سر مصرعہ سے کوئی لفظ دور کر دیا جائے تو موزونیت
 میں فرق نہ آئے اور وزن دوسرا پیدا ہو جائے جیسے۔

دریائے لطافت

بھگور سوانہ کراے آفت جان بہر خدا	بندہ تیرا ہوں میں کر رحم میان بہر خدا
اس میں کیا فائدہ گر بھگو کیا تو نے قتل	کچھ بھی انصاف کراے سرور دان بہر خدا

بعد حذف لفظ بھگو اور بندہ اور اس میں اور کچھ بھی چارون مصرعون سے وزن رباعی کا
 باقی رہتا ہے۔ رباعی۔

اُس سوانہ کراے آفت جان بہر خدا	تیرا ہوں میں کر رحم میان بہر خدا
کیا فائدہ گر بھگو کیا تو نے قتل	انصاف کراے سرور دان بہر خدا

صنعت منقوص دریائے لطافت میں لکھا ہے کہ یہ صنعت بھی متلون کے قبیل سے
 ہے اور منقوص مراد اس شعر سے ہے کہ اگر لفظ آخر ہر مصرعہ کا دور کر دیا جائے تو وزن دوسرا پیدا ہو جائے
 جیسے یہ رباعی دریائے لطافت کی۔

بہر رحم جلانا نہ جی کو میرے چپ رہ	معلوم میں بھگو کر تیرے چپ رہ
کس واسطے اس قدر بتوے بس بس	تو اوسے گا باے میرے ڈرے چپ رہ

لفظ بس بس مصرعہ ثالث اور خط چپ رہ مصرعہ اول و ثانی درج کے آخر سے دور کر کے اس
 وزن ہونے کی مفعول مفاعیلن فعلن جیسا کہ۔

بہر رحم جلانا نہ جی کو میرے	معلوم میں بھگو کر تیرے
کس واسطے اس قدر بتوے	تو اوسے گا باے میرے

اور اسی قبیل سے یہ رباعی آغاز محمد حسن عرف نادر مرزا الخاطب بہ نور الدولہ تخلص بہ صفا کی۔

ارباعی

اے حسرت وصل یا بس کر بس کر	وے صدمہ انتظار بس کر بس کر
اتنا نہ ٹپ کہ سینہ شق ہو جائے	بس اے دل بقرار بس کر بس کر

نظم

اے حسرت وصل یا بس کر	وے صدمہ انتظار بس کر
اتنا نہ ٹپ کہ سینہ شق ہو	بس اے دل بقرار بس کر

بروزن مفعول مفاعیلن فعولن۔ صاحب مثل السائر کے اس قسم کا نام توشیح لکھا ہے۔

ایضاح اور تلخیص الغناح میں بیان کیا ہے کہ صنعت تشریع اسے کہتے ہیں کہ بیت کا ہر مصرع دو قافیے رکھتا ہو جن میں سے اگر پہلے قافیوں پر توقف کیا جائے تو معنی کی صحت درست ہو اسکو توشیح اور ذوالقافیتین بھی کہتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ توشیح میں یہ ضرور نہیں کہ اگر پہلے قافیوں پر توقف کیا جائے تو شعر کا وزن بھی باقی رہے ہاں اگر بیت ایسی ہو کہ اگر پہلے قافیوں پر توقف کیا جائے اور وزن مستقیم ہو اور معنی صحیح ہوں تو جائز ہے اور یہی منقوص کی صورت ہے اس سے معلوم ہوا کہ توشیح عام ہے اور منقوص خاص ہے اس لیے کہ توشیح کے واسطے یہ ضرور نہیں کہ پہلے قافیوں پر توقف کرنے سے شعر کا وزن بھی رہ جائے بلکہ معنی کا صحیح ہونا چاہیے باقی ماندہ الفاظ موزون ہوں یا غیر موزون علامہ تفتازانی اپنی شرح میں کہتے ہیں کہ ایسا ہونا شعر ذوالقافیتین کی خوبی میں داخل ہے کہ آخر کے قافیوں کے گرا دینے کے بعد باقی الفاظ جو رہیں وہ کسی وزن پر ہوں اور معنی دار ہوں۔

ذوالقافیتین کی تعریف شعرائے عجم نے جو مقرر کی ہے وہ آگے معلوم ہوگی۔

صنعت ذوالقافیتین اور ذوالقوافی۔ اسے کہتے ہیں کہ ایک شعر میں دو یا زیادہ قافیے لائیں۔

ریشال دو قافیوں کی

نیاز علیہ الرحمۃ بریلوی کی یہ غزل ساری اسی صنعت میں ہے۔

جب ہر درد دل حضرت شوق آن بچار ہے	جانی رہی عقل و زہد و آسائے گزار ہے
گر حسن بن ہرین تھارے مہ و خورشید	دن رات یہ کیوں ہوئے میں قہر ان بچار ہے

جو سلسلہ لہفت کے مین دست گزشتہ
کل دورہ بخون عتاقیانہ مین اپنے
پھرت مین سراسیمہ پریشان بچارے
نوبت کے بجے ہر سردرد ان نقارے

اسی صنعت مین ہر یہ غزل اشاکی سے

ہنے ساتی کے کہیں ہونٹ جو ٹک چوتھے
دل صد چاک کو فریاد سے وہ منع کرے
خوش ہو سب ہل خرابات کے پاؤں کیے
اے ہر مین جو دہان دلب نا قوس کیے

خوش

سکندر طالع و جمشید اقبال
اندے گا تو یہ سان گرداد میری
ہمایون صورت دغور شید مثال
ولم کروں گی حشر مین فریاد تیری

نصرت

بندے مین کہیں حیدر و احمد ایسے
یون احمد و حیدر مین ہم لے نصرت
رہنے دیے اللہ نے بھد کیسے
اللہ مین ہے لام شدہ جیسے

رمثال مین قافیون کی

حجرات

جب مین نے کہا ادب خود کا تم سے آ
ہر صبح سے عاشق کا ترے حال بت سنگ
جب مین نے کہا ایک تو بوسہ تو مجھے دے
گرویدہ و دل فرش کروں راہ مین جرات
تب کہنے لگا چل بے او بدنام پرے جا
معلوم یہ ہوتا ہے کہ تا شام مرے گا
بولادہ زبان اپنی کو تو کھام آ رہے ہا
ممکن ہی نہیں جو وہ دلا رام دھرے پا

ان اشعار مین مین قافیون کا ہونا ظاہر ہے۔

صنعت ذوقافیت مین مع الحاح جب۔ اے کہتے مین کہ دو قافیون کے درمیان رویت
امین حاجب نام اس رویت کا ہے ہر اُن دو قافیون کے بیچ مین آتی ہر جس شعور مین حاجب ہوئے
جو کہ کہتے مین یہ صنعت اشعار فارسی اور رخیہ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہر عربی مین نہیں پائی جاتی
مثال۔

امین گھوٹ سے خون ہو کے ہوا
میر کہیں دل مین جنون ہو کے رہا

پتے مصرع مین خون اور ہر ہر قافیہ ہر اور دوسرے مصرع مین جنون اور ہر ہر قافیہ ہر اور دونوں
مصرعوں مین ہونے کے ساتھ حاجب ہے۔

انیس

مضمون صفات قد کا قیاس لگایا | قامت کے آگے سر و خالت لگایا
پہلے مصرع میں قیامت اور لڑ گیا دو قافیہ ہیں اور دوسرے مصرع میں خالت اور لڑ گیا دو قافیہ ہیں
اور دونوں جگہ کے ردیف واجب ہے۔

دبیر

خون میں ڈوبے ہوئے شہ جو ابھی آئے ہیں | ہیرے بیٹے ہی کا راشتہ تو ابھی لائے ہیں
پہلے مصرع میں ہوا اور آئے ہیں قافیہ ہیں اور دوسرے مصرع میں تو اور لائے ہیں قافیہ ہیں اور دونوں جگہ
ابھی ردیف واجب ہے۔

راحت

کسا ہمدم ترا کوئی کہیں ہے | کہا اب ہانم سوا کوئی نہیں ہے
پہلے مصرع میں ترا اور کہیں دو قافیہ ہیں اور دوسرے مصرع میں سوا اور نہیں دو قافیہ ہیں
اور لفظ کوئی دونوں جگہ ردیف واجب ہے۔

ترانہ شوق

رنگیں سخی میں لعل احمدؑ | شیریں دہنی میں حوض کوثرؑ
میں ردیف واجب ہے اور پہلے مصرع میں سخی اور لعل احمد قافیہ ہیں اور دوسرے مصرع میں
دہنی اور حوض کوثر قافیہ ہیں۔

حالی

جو نکلے جہازاں کا بیج کر بھنور سے | تو تم ڈالو ناؤ اندر بھنور کے
بھنور ردیف واجب ہے اور پہلے مصرع میں بیج کر اور سے اور دوسرے مصرع میں اندر اور کے قافیہ ہیں

الشاعر

وہ جو گھٹائے ہیں پان میں زرد آ | انگٹس گئی اُنکے کان میں زرد آ
پہلے مصرع میں پان اور زرد آ قافیہ ہے اور دوسرے مصرع میں کان اور زرد آ قافیہ ہے اور دونوں
مصرعون میں لفظ میں ردیف واجب ہے۔

صنعت لزوم بالایام اور اسکو التزام در تصعیم اور تشدید اور اعتنائت بھی کہتے ہیں یہ
صنعت اس طرح ہے کہ شاعر ایک امر یا چند امور کا جو ضروری خون غزل یا قصیدہ وغیرہ کے ہر شعر میں

الترام کرے جیسا کہ سودا نے ایک نصیدہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں لکھا ہے اور چار چیز کے ذکر کا التزام کیا ہے یہ اس کے شعر ہیں۔

یارگر کلبہ خزان میں نمودے تو ہمیں	خاوت و شمع و دل داغ الم چارون ایک
آہ کس کس سے بچے دل کہ ہو میں تیرے	غمزہ و ناز و داحشوہ جنم چارون ایک
کو دیا بل میں کر کے لئے تری آنکھوں کے	سجد و سیکندہ و دیرو حرم چارون ایک
جس کے نو پاس نمودے تو اسے عالم میں	مجلس و شادی و تنہائی و غم چارون ایک

اور ایک نصیدے میں دو لفظ رنگ اور ڈھنگ کا ردیف میں لانا لازم پکرا ہے یہ اس کے شعر ہیں۔

میں نے در سخن کو دیا سنگ رنگ ڈھنگ	تھا ورنہ اس رقم میں کہاں رنگ ڈھنگ
کس کو ہے فن شعر میں مجھ ساتھ ہمسری	قطرہ نیا وے پیش لب گنگ رنگ ڈھنگ

اور اس غزل کے قافیہ میں ایک امر کا التزام کیا ہے۔

خون کے مجھ بے گنہ کو بس ضیق تیغ گاہ	باندھ آیا ہے کس کے قتل کو تھپا ریا
باغ تو جاتے ہو تم لیکن خدا کے واسطے	گل و ست اپنے گلے کا کچھ بوزنہا ر ہا
مجھ مریض عشق کی دار و ندین کچھ غیر اجل	اے طبیب اپنی دوا سے تو نہ یہا ر ہا

فطرت نے اس غزل میں چشم کے ذکر کا التزام کیا ہے۔

چشم پر رکھتی ہے بیری چشم تیری چشم سے	کشتہ چشم آئے جب یہ چشم بھروہ دیکھ لے
سیر چشمی کس طرح ہو چشم کے دیکھے بغیر	چشم کو عاشق کے ہن وہ چشم چشم فیض کے

اندر من کے اصول دین احمد میں ایک نظم گہی ہے جس کے ہر شعر میں لفظ خاک کا التزام ہے یہ اس کے شعر ہیں۔

جو ہووے خاک بیز کو سے دلدار	اُسے ہے خاک سے ہر دم سروکار
جسے نہ خاک سے حاصل ہوا ہے	بے خاک اُس کے حق میں کیا ہے

مولف نے شمار ذیل میں چار چیزوں کے ذکر کا التزام ہے ساری غزلیں سی صنعت میں ہے۔

بس عشق میں اُس کے دلائل مجھے ملے	بھنوں کیا دہنی کیا دار کیا تید آیا
زلف سیاہ یار نے اپنا دکھا جلوہ مجھے	لمحہ کیا بے دین کیا کا ذکر کیا ترسا کیا

جرات نے بھی اس غزل کی ردیف میں رنگ ڈھنگ کا التزام کیا ہے۔

برخونی مجھ سے کرتا ہے ہر دم نری طبع	بیکھا ہے مجھ سے دل بھی مرا جنگ رنگ ڈھنگ
-------------------------------------	---

جورنگ و معنی شعرین جرأت کے ہر سو یہ
 انشا اللہ خان نے اپنے ایک قصیدے کی ردیف میں چار لغتوں کے ذکر کا التزام کیا ہے یہ
 نوع بشر میں تھے نہاں آتش باد و آب و خاک
 عشق نے کر دیے عیان آتش باد و آب و خاک
 تن میں ہمارے جلوہ گر جب نہ تھے تباہ و دھواں
 پھر تھے تھے مثل یکسان آتش باد و آب و خاک

ولہ

چشم واد او غمزہ شوخی و ناز پانچون پا
 دامن ہن میرے جی کے بندہ نواد پانچون
 تمام غزل میں پانچ چیز کا ذکر ہے۔

سج و صبح نگہ اگر ٹھہرے حسن واد او شوخی
 ولہ نام خدا ہیں کچھ میں اسے نوجوان اکھٹوں
 اس غزل میں آٹھ چیز کے ذکر کا التزام کیا ہے۔ اور یہ غزل بھی اسی صنعت میں ہے۔

ولہ

پچھین اگر ٹھہرے نگاہ سج و صبح جمال طرز خرام آٹھون
 نہو دیں اس مہکتے گرجا کی تو کون ہو سیلے کا نام آٹھون
 حسرت نے اس قصیدے میں سات چیز کے ذکر کا التزام کیا ہے۔

ہو دین کب پانچون جو اس درد دل جان ساتون ایک
 بڑھتے دیکھ کے ہوتے ہیں میان ساتون ایک
 قبر پوشی کو مری سبزہ و گل در محفل
 گری و اطلس و کنجاب و کتان ساتون ایک
 معین طوطی کے تیرے غزل و صوت و صدا
 آئینہ و تالہ و آبنگ و فغان ساتون ایک
 خم و بے جام و بوشیشہ صراحی ساقی
 تجھ کو سجدہ کر میں اے پیر مغان ساتون ایک
 اسی قبیل سے ہے حسرت کا یہ قصیدہ۔

دو شے کا لطف نہایت دو شے کے لطف
 دو چیز آگے نہ جاوے دو چیز جاکے نہ آگے
 دو نور ظلمت دو ظلمت اس بیان میں نور
 دو غم خوشی دو خوشی غم ہو درد عاشق کو
 طالب کے ساتھ قناعت شع کے ساتھ انکا
 بنانے فرقت دیرری جوانی اور بہار
 وہ روز محشر و ہجران یہ زلف و شام حرار
 وہ غم عم دل دین یہ خوشی پیش تبار

آغا علی خان مہر نے اس غزل کے مصرع تانی میں پانچ چیز کے ذکر کا التزام کیا ہے اور مطلع کے
 دونوں مصرعون میں بھی رعایت ہے۔

تیرے لب میں مریخ ایسے جتن رجا باورنگ
 میری چشم اشک فشان نے مٹایا نام تک
 عیاں و حیاں عقیق و لالہ و عناب کا
 نہ کہشے کا یم کا حوض کا تال کا

پیش طاق ابرو سے قاتل خم و خم کچھ نہیں | توس شمشیر و بدل و خنجر و محراب کا !

ظفر نے اس غزل میں ردیف شفق المفظا اور مختلف المعنی لائے کا التزام کیا ہے۔

نخت دل شاخ مرہ سے گئے اس صورت جھڑ
ہمد مونا لہ و منہ یاد سے ہاں عاشق کی
طوق دزخیر کو توڑا نہ یہ پر ٹوٹی وہ
خائے دل میں مرے آن کے نور ہوے اگر
ابر و مرگان کے برسنے کا وہی عالم ہے
بیچھا بھون کا کوئی چھوڑتی ہے تو نشہ
بارے تجھ مری تربت پہ ظفر یہ اُس نے

موسم سردی میں گئے نخل کے ہون جیون پت جھڑ
در جانان یہ سدا سے ہے رہی نوبت جھڑ
قفل زندان کی بر دیوانوں کوئی آفت جھڑ
تو مکان جائے ابھی یہ بت بہ طلعت جھڑ
یعنی برسات میں کتنی ہر جسے خلعت جھڑ
جب تلک گردنجاوے گی تری وحشت جھڑ
کہ گیا صدمے سے تنوید ستر تربت جھڑ

اس غزل کے مصرع ثانی میں پانچ چیز کے ذکر کا التزام کیا ہے۔

اول

ہمیشہ کچھ تنہائی میں یہ سولس سمجھتے ہیں
جگہ کن کن کو دون دل میں ترے ہالوں سے قاتل
نہیں قفل دعا دیتا ہے شیشہ دم بہم ساتی

الم کو یاس کو حسرت کو میتابی کو حیران کو
کٹاری کو چھری کو بانک کو خنجر کو پیکان کو
سُبو کو خم کو مے کو میکہ کو مے پرستان کو

اور جرت نے اس غزل میں چار چیز کے ذکر کا التزام کیا ہے۔

پھر تا ہوں تجھ بغیر میں ہو کے دوانہ ہو
وہاں خسیب ایک شب اس سے ہو نہ آہ ہم
لہو ہے میں ہم جو نوہ کر ہوئے ہیں شکستہ تر

شہر بہ تہرہ بدنا خانہ بہ حسانہ کو بہ کو
دست بدست لب بہ لب سینہ بہ سینہ رہ رہ
بحر بہ بحریم بہ یم و جلد بہ جلد جو بہ جو

۳ غرض لالہ بکاتی رام فائق کی بھی سی صنعت یہی ہے۔

ترے عارض سے ہیں تر مندہ کیسین ذقن پانچون
نہ رکھ فائق قدم کو سے محبت میں کہ بہ زبان ہیں

کل دایمہ و خورشید و ماہ و سترن پانچون
لب دندان و خاں خطہ زلف پر سن پانچون

ظفر نے اس غزل کے مصرع ثانی میں پھر چیزوں کے ذکر کا التزام کیا ہے۔

اے کیمین پھر ہماری ہمد کس دشتہ سکا دیمین سے
جب یار حسنہ کے چھٹے خوش و خوش کھفت سے ہم

وہ زلف وہ تل وہ خال وہ خدہ رنگے ہفتاد کھینکے
وہ زمرہ وہ خدہ وہ پیشہ وہ وہ جام وہ مینا دھینکے

اسی قبیل سے ہی ظفر کی اس غزل کا قافیہ ہے۔

دیکھی جو اس محبوب کی جہنم جھلک بیکل کی	پانی برک توئید میں پنے دل بیکل کی کل
جب ناز میں بنسکر کیا اُسے رچا کیا جو تو	کیا کیا پسند آئی ہمیں اُس ناز میں چیل کی چل
سے وہ کف پانزم ترسکی کہ وقت بوسری	وایے کف پائے الم نرکی میں نکل کی مل

شہیدی کی غزل میں لفظ دو کا ہر جگہ ذکر ہے۔

سوندہ دوئم دوہی دوہوے وٹا اس دھبے دم	تو لہر شہور بن مطلب سوطب کے دو
--------------------------------------	--------------------------------

ترانہ شوق کے ان اشعار میں چار چیز کے ذکر کا التزام ہے۔

مشغور نظر جو چار تھے یار رہا	کا شانہ دین کے تھے ستون چار
بحر رفعت کے چار تھے در	جسم ایمان کے چار عنصر
افلاک رضا کے چار اختر	دیوان قضا کے چار دفتر

حالی

فلاکت جسے کیے اُم البحر ایم	نسین رستے ایمان پر دل جس سے قائم
بناتی ہے انسان کو جو بسایم	مصلیٰ میں دل جمع جس سے نہ صائم

ان اشعار میں حرف و خیل کی موافقت کا التزام ہے۔

حکیم ضامن علی جلال نے اس رباعی کے سر حرف میں ثا سے شلثہ لانے کا التزام کیا ہے۔

تعبان کلیم کیسے دلبر ہے	ثانی سیحالب جان پرور ہے
ثابت ہے کہ رخسار میں ماہ تابان	ثاقب ہے جو خال یار کا اختر ہے

اداس رباعی میں ہر مصرع کے اول میں جیم فارسی کے لانے کا التزام کیا ہے۔

چال اسکی ہے فتنہ زائش رت آفت	چتون ہے ستم چشم عنایت آفت
چالاگی و چابکی و شوخی و ادا	چادون یہ ہلا قریامت آفت

انگریزی کی صنعت ایلی ٹریشن اس سے بھی فائق ہے جس میں یہ لازم قرار دیا جاتا ہے کہ فقرے کے تمام الفاظ ایک ہی حرف سے شروع ہوں۔

مثلاً سید فارسیام۔ سنگھ۔ سکریٹری۔ سنگھ۔ سبھا لاہور۔ ایک صاحب نے اگر مولوی غلام رسول مر سے کہا۔ مولانا۔ مہر۔ مقبول۔ محمود۔ ممبر۔ منتخب ہو گئے۔

سید انشا اللہ خان نے ایک داستان شریں جسکی مقدار ۵ صفحہ کی ہوگی لکھی ہے اس میں یہ التزام کیا ہے کہ ایک لفظ بھی عربی فارسی کا نہیں آنے دیا جائے باوجود اس کے اردو کے مرتبے سے

انیس

منظور ہے پھر دیکھ لیں ہم شیر کی صورت
 پھر لیگئی ہے گھر میں عزیزوں کی محبت
 ترک لون کی صنعت میں ایک عبارت شرمز آفتاب کی جو خالی از لطف و مذاق نہیں ہے یہ ناظرین کیجائی کہ
 شرج کا جی چاہے ہمارے پاس آئے پھر ہوا اسکا اور کوئی آتا آتا یکبارگی رک جائے تو ہمو کیا غرض اگر
 چاہے کہ ہمارے بیانت بھی کبھی کبھی آیا کرے تو یہ بات بہت مشکل ہو اس واسطے کہ یہ عامی پر از معاشی
 ایسا عمد کر کر بیٹھا ہو کہ اس گوشے کے بیچ میں شرج جو رہتا ہے کہ اگر نہ ہاں بار بار دورہ کامل فلک ہشتم کا جسکو
 خلق خدا کی کرسی کہتی ہے سر پرست گذر جائے تو بھی اس جگہ سے اٹھ کر جو بہت جاوے تو اس دوسرے حجرے
 تک جاوے سو بھی دیکھا چاہیے یہ بھی اس وقت کا ایک زٹل قافیہ ہے۔
 صنعت عاقل اسکو مہملہ اور غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں یعنی ایسی عبارت یا نظم کھین جس میں حرف
 منقوطہ نہ ہو صرف حرف مہملہ ہوں مرزا سلامت علی دبیر نے ایک مرثیہ تین سو شعر کا اس صنعت
 میں لکھا ہے یہ اُسکے اشعار میں ہے۔

ہم طالع ہما مراد ہم رہتا ہوا
 اس کلک مدح اٹا اور ہوا

ولہ

اول سرور دل کو ہو اس دم وہ کام کر
 حاصل صلہ کلام کا دار السلام کر
 ہر اہل دل ہو محو وہ مدح امام کر
 اگر اس محل کو طور وہ اس دم کلام کر

کہ آہ سرور والہ گم کا حال
 حال و داع بل دم اور سحر کا حال

اور یہ بند دوسرے مرثیے کا ہے۔

ولہ

ہند دم حسام کا اعدا کا دم ہوا
 مصحام سکھ اور شیر اعدا دم ہوا
 درد و الم سوا ہوا آرام کم ہوا
 وہ سراگرد دم ہوا مال عدم ہوا
 اور رہبر عدم وہ گردہ عمر ہوا

انیس

اس طرح کا والا ہم اس طرح کا سوا
 وہ مصدر النام احد محرم اسرار
 اس طرح کا والا ہم اس طرح کا سوا
 وہ اصل اصول نرم داور دار

حاصل اگر اک مرد دل آگاہ کو مارا	مارا اگر اس کو اسد اللہ کو مارا
انشائے ایک دیوان تمام اس صنعت میں لکھا ہے یہ بیت ابتداء دیوان کی ہے۔	اور کس کا آسرا ہو سرگرداں اس راہ کا
سلسلہ گر کلام کا وا ہو +	سابع درد دل کو سودا ہو +
دل کو سو سو طرح مسرور ہو آہ +	دہ دلارام گرا ہمسارا ہو +
کر موحسود عاکہ انشا کا	کار ہر دوسرا آسا ہو
ہو عطر سہاگ لگا کر مسرور	آرام محل رکھ اسم دل کا ادور
دہ طور دکھا کہ ہم کو گل ہو معلوم	سوئے کا عالم اور وہ لمحہ طور
اور ان کی ایک مثنوی اس صنعت میں ہے اور ایک قصیدہ شغیت بھی صنعت عاقلہ میں ہے اور	سکا نام طور الکلام ہے یہ شعر اسی کا ہے
دہ مرد معرکہ آرا دور کو دیکھ	دلاور ہمہ عالم محرک عسکرام
نصرت منقوطہ یعنی نظم و نثر میں تمام حروف ایسے لائے جاوین کہ سب نقطہ دار دیوان اور	یہ فارسی و عربی میں بہت مشکل ہے اور اردو میں زیادہ دشوار ہے اس صنعت میں معنی بھی تکلف کے ساتھ
پیدا ہونے میں مثال سکی یہ فقرہ مولوی غلام امام شہید کا۔	فقرہ شفیق شیخ فیض بخش خشتی نے جتنے تحت و شش و شش جی نے بنے تخت چن چن بیچے جب میں
تخت نیچے بنے نیچے ایسے ہی یہ فقرہ سرور شمعن کا بطور خلاصہ کے۔	فقرہ دیکھا کہ ایک شیخ جی چپ تخت نشین۔ نے حق حق نے بن بن جنت بن بچیں چین غضب
نقش چین فیض بخش غیب بین۔ شب خیز می فن اے آخرہ۔	نظم کی مثال یہ شعر نظام ساکن جادوہ کے قصیدہ اورد کا۔
پیش میں تخت نشین نیت بخش ذی فیض	بنصب تیغ نل چین چین زینبا
احمر	
میں بھی چین چین نے دقت نیچے	بیٹے نے چین چین نے ختم نیچے

نے پیش تیغ تخت شقی نے شقی نیچے | ثابت شقی تخت شقی نے شقی نیچے

از کتاب حیات و میر جلد اول ۵

نیزی پ تیغ نے جشتی نی خفت | بے چین شقی تخت بقی جبن سیت
چینی خشتی چین عین شست بخت | نے جی نیچے نے تن نیچے نے زمین زیت

نے چین چین نے وزن زشت بینی |
نے نبض نبض نے تن زشت بینی |

میر انشا اللہ خان کے اس شعر کا ایک مصرع صنعت لہجہ میں ہے اور ایک صنعت منقوطہ میں ۵

آہ کل دل کو ہوا درد کہ رکھا ہم کو | جنبش چین چین بیت چین نے بچپن

صنعت رقطہ یہ ہے کہ عبارت یا مصرع یا بیت یا پوری غزل میں ایک حرف بے نقطہ اور ایک حرف نقطہ دار علی الترتیب واقع ہو مثال اس کی تشریح میں یہ رقعہ مولوی غلام امام شہید کا۔
رقعہ حضرت میرے ابھی سنا ہے کہ تم فوج کے مقابل چلے سب سب آپ کی وضع پر بہت ہنسے کہ
رنگے خوب کیا شاہان کیا بات ہو خلق سب آپ کی قائل ہو مثال نظم کی یہ قول نصرت کا۔ ۵

کیا غروب شرق و چرخ ہو کیا فرش ہو کیا | دشمن کی ہو اجل یہ پری و پری تھا
بس بس یہ برق دش ہو دیا جان سناں | صنعت برق کی آب ہو کیا شان کبریا
یہ برق کی ہو مثل بہت آب تاب ہے | کیا قرب کیا بعید یہ برش عذاب ہے

صنعت خیفایہ ہو کہ علی الترتیب ایک کلمے کے کل حروف لہجہ یعنی غیر منقوطہ اور ایک کلمے کے
کے سب حروف نقطہ دار ہوں مثال شرکی یہ رقعہ شہید کا۔

رقعہ شفیق والا بخت علی تخت سلمہ شیخ محمد بخش سوداگر جتنے مال بچپن گل چیزیں لوٹ لکھو
وام پٹے مال تب کو مثال نظم کی یہ شعر مولوی صہبانی کا۔

تسب کو جشن سرور تخت | کار فیض مدار تخت رہا

انشاء کے اس شعر کا مصرع اول صنعت رقطہ میں ہے اور مصرع ثانی صنعت خیفامین۔

ستہ بلند سب بے بختی بھی دیوے | جبین لامع زیت حصول جبن مرام

صنعت فوقانیہ اسکو فوق النقاط بھی کہتے ہیں یہ اس طرح ہے کہ عبارت میں یا نظم میں اس امر کا
التزام کیا جائے کہ کوئی حرف ایسا نہ آئے جسکے نیچے نقطہ ہو بلکہ جب قدر حروف نقطہ دار ہوں سب کے اوپر
نقطے ہوں مثال عبارت کی یہ رقعہ مؤلف کا جو ایک دوست کو لکھا تھا۔

رقعہ مخدوم من سلامت۔ نوازش نامہ صادر ہوا حال معلوم ہوا امانت کو اگر کوئی رکھنا منظور تھا تو
 اول ضمانت داخل کرنا ضروری تھا نہ معلوم کون شخص بھتا مسافر نہ وارد ہوا اور دعا کر کر فرار ہوا آدم معقول
 و معتمد کا ملنا دشوار اگر کوئی تو ملازم خاص مٹھو خان کو روانہ کر دینا والسلام۔ مثال نظم کی یہ شعر نظام کا یہ

منظر صدق و صفا قد رشاس مردم | سعدن عدل سما منظر الطاف و عطا

نصرت

دہ خون نشان دہ شعلہ آتش دہ دم دہ خم | دہ قہر حق دہ آفت تازہ دہ تازہ دم
 دہ کڑا سکا اور دہ فن اُس کا اور دہ دم | دہ غمزہ مشوہ قہر نگا وٹ ادا ستم
 قہر بلال دشمن و قہر شان کردگار | فرد زمانہ اہل ہنر شان کردگار

صنعت تختانیہ جسکو صنعت تخت النقط بھی کہتے ہیں دہ یہ ہے کہ تمام عبارت یا نظم
 بن چنے حروف نقطہ دار ہوں ایسے ہوں جو نیچے کا نقطہ رکھتے ہوں اوپر کا نقطہ نہ ہوتا ہے عبارت یہ رقعہ مؤلف کا
 رقعہ میرے پیارے لڑکے بعد دعا کے معلوم کرفاج کل میرا ارادہ نبی کی سیر کا ہر اُس جگہ سے ایک گھڑی
 بڑی عمدہ لیکر بھیجے جائے گی رسید سے مطلع کیجیو اور جو اسباب درکار ہو لکھو اللہ چاہے جلد اور بچھا ارسال ہوگا
 عبد اللہ کو دعا اور بڑے بھائی صاحب کو سلام۔ مثال نظم کی۔

دبیر

مارا جو اسے جس در کرار کو مارا پا | سردار کو مارا جو علمدار کو مارا پا

قیس

یہ سب جا کے کہ آمرے یار سے | میرے دلبر و میرے دلدار سے

نصرت

جس دم چلی حُسام عدو کی سپاہ پر | اک آگ سی لگی جو گئی کوہ دکاہ پر
 چمکی کبھی گری کبھی بر د سپاہ پر | پسلی کبھی عدو پہ کبھی بہر و ماہ پر

بجلی کی طرح دور کبھی گاہ پاس ہے | عالم کو اسکے ڈر سے عجبا ک ہراس ہے

عبد الرحمن راسخ

لا الہ کیے الا اللہ کسا | اور میرا محمد رسول اللہ کسا

اور یہ غزل مؤلف کی دو صنعتوں میں ہے پہلا مصرع صنعت فوق النقط میں ہے اور دوسرا مصرع

تحت النفاط میں۔

غزل الجور انتہا کے

دل گلہ ہرگز نہ کر اس نرس سرشار کا	کیا اسے پروا ہے پوچھے حال جو بیمار کا
درد و غم سوز و الم اور آہ نالہ رات دن	حال جواب آپک پٹالاب ویدار کا
کون ہر سہرہ و لاس عامل کا بل کا کہ	ورد ہو صبح و مساجس کو کہ اسم یار کا
شکرش ترگان کند زلف مصمام نگہ	ہزارادہ کیا کسی سے آپکو پیکار کا
دل ندون اسکو اگر وہ رشک حور زلف	نکو حیلہ ہو سدا سے کام جس عیار کا
امتحان طالع و اثر و ان ہوا ہم کو خور	اس سب سے ہزارادہ کوخہ دلدار کا

صنعت و اصل اشقتین بنی اسی عبارت یا مصرع یا شعر ہو کہ جسے ہر کلمے میں لب کے ساتھ جاوین مثال اسکی یہ عبارت مؤلف کی۔

رقعہ شفق میں سلامت معلوم ہوا کہ بمبئی میں سٹرین صاحب بہادر مریدوں کا مدا بہت عمدہ فرماتے ہیں بدین وجہ تم کو بتانا ہوں کہ مقام بمبئی محلہ ہندی بازار میں صاحب بن تم اپنے بیٹے کو صاحب موصوف کے پاس بمبئی میں بھیجے مگر تمھاری ہمراہی مناسب ہے بھلو امید قوی ہے کہ بسبب تبدیل آب ہوا بمبئی پہنچتے پہنچتے آرام معلوم ہوگا اور صاحب معائنہ میں بہت محنت فرمائیں گے نظم کی مثال۔

نظم

امداد ح امیر ابن امیر ابن امیر	میں کرتے کمین خادم بدست بمیا
صنعت واسع اشقتین بنی عبارت کو طبع میں تو بے لب بلے جیسے یہ شعر میر محمد امین بناری کا ہے	
جی سے کہو کہ آہ سرد کے ساتھ	آہندے ٹنڈے چلے نوحیل نکلے

میر نجف علی بیاباں

داد خواہوں سے گھر گئے رستے	اس کا جس کوچے سے گذار ہوا
----------------------------	---------------------------

نظیر کی ایک غزل تمام اس صنعت میں ہے شعر کے ہیں۔

آیا نہیں جو کر قرار ہستے ہستے	جل دیگیا ہے شاید عیار ہستے ہستے
لے کر صریح دل کو وہ گلزار بارو	ظاہر کرے ہو کیا کیا انکار ہستے ہستے

نظم

اس طرح کا ہی سخن سنج کہ جس کا ثانی	آج تک بل بہان نے کمین دیکھا نہ سنا
------------------------------------	------------------------------------

۱۱۱

اہو جو کوٹھے تلے کھڑا اُس سے | ٹھنڈے ٹھنڈے کو کہ گھر جا سے

صنعتِ معرب یعنی اگر عبارت متضمن فتح کی ہو تو اُس میں ضمہ اور کسرہ نہ لادیں اور اگر متضمن ضمے کی ہو تو اُس میں فتح اور کسرہ نہ لادیں اور جو کسرے کا التزام ہو تو ضمہ و فتح نہ لادیں مثال ضمے کے التزام کی۔

ہو شیار

صکصل و سنبل گل و بلبل | بھکو جو ہون حصول خوب ہو یا

نظاریہ میں فتح بسبب رعایت قافیہ قصیدہ کے ہے۔ التزام فتح کی مثال۔

از ملخص تسلیم

قبول اسکی تاریخ پر فتح کر کے | خطا کار کا قول سارا چھپ آیا

مقصود بالتمتیل دوسرا مصرع ہے۔

خبر

کل کا وعدہ کر گیا ہے کل صنم | اگر نہ آیا آج تو ہے بس غضب

کسرے کے التزام کی مثال۔

اسماعیل خان صبر

ضد سے کی یہ فکر بسمل کے لیے | تیر بھی تھے اس مرے دل کیلئے

ولہ

دل بے تھے پھیر دینے کے لیے | پھینکنے کی چیز تھی یہ پھینک دی

از ملخص تسلیم

دل کی اقلیم کس نے کی اشعر سے ز پر

صنعت افراد بدیع الافکار میں لکھا ہے کہ افراد لغت میں تنہا کرنے کو کہتے ہیں اصطلاح میں یہ ہے کہ شاعریت کے آخر میں حروف مفردہ کو ذکر کرے اور الفاظ مرکب سے متعرض نہ ہو اس قسم کے شعر کو مفرد القوافی کہتے ہیں کہ گویا آخر ابیات کے حروف ترکیب سے تنہا رہ گئے ہیں۔

یہ دو قسم پر ہے مطلق اور جامع مفرد مطلق یہ ہے کہ حروف تہجی میں سے جو حروف

قافیہ میں مذکور ہوئے ہوں اُن کا مرکب کہیں نہ آیا ہو مفرد جامع یہ ہے کہ جو حروف مفرد آئے ہوں اُن کا مرکب پچھلے مصرع یا بیت کے اول میں آجائے چونکہ مفرد اور مرکب دونوں اس میں جمع ہیں اسلئے اسے جامع کہتے ہیں اُردو میں یہ صنعت اس طرح پائی جاتی ہے کہ کسی اسم کے حروف تہجی کو ترتیب وار لکھتے ہیں اور تلفظ میں اُن حروف کے آسمائے ہیں اُنکو سلسلہ وار جمع کرنے سے اہم مطلوب حاصل ہوتا ہے اور اُردو کے اشعار کے بیت اول میں اور درمیان میں اور آخر میں تینوں جگہ ایسے حروف ذکر کیے جاتے ہیں اسی کے قریب صنعت مہجی سا بھی ہے تہجی لغت میں شمار کرنے کو کہتے ہیں مہجائے معنی ہوئے گنا ہوا اور حاصل اس قسم کو جس میں آخر شعر میں حروف مفرد واقع ہوں شعر مفرد القوافی کہتے ہیں کیونکہ اسکے قوافی مفرد حروف سے قرار پاتے ہیں مفرد جامع کی مثال یہ شعر ہے

فاضل تخلص صاحب دیوان کا۔

۵

بن ترے ہوں جان بلبا دی دوسرے سے | دے ملا بے مرے جلدی تو اپنے ل و ب
ل و ب سے مراد ب ہے اور اس کا مرکب اس سے پہلے مذکور ہو چکا چنانچہ مصرع دوم کے ملاحظے سے معلوم ہوتا ہے۔

مفرد مطلق میں سے ایسی مثال جس میں حروف مفردہ اول مصرع میں آئے ہوں یہ ہے۔

انتا

مدرسے میں اہل حرفتس نحو سے گنتے نغے کل | از دل دف سے ہو ترکیب مشتق سانپ کی
اور درمیان مصرع میں آنے کی مثال یہ ہے۔

ولم

رہے گا چار سو ستر برس انتا زمانے میں | کہ اُس برج بہا ہر عیش و وق کا جوڑا
آخر مصرع میں آنے کی مثال۔

فاضل

بن ترے ہوں جان بلبا دی دوسرے سے | دے ملا بے مرے جلدی تو اپنے ل و ب
آرزو میری یہ ہے ساتی کہ پہلے دور میں :
حسن ہے ایسا ترا دیکھنے زینجا گر نہ تجھے :
ہاتھ سے پاؤں ترے لبریز جام ہم دے
بجول جاوے وہ جمال کی : حیرت و

جس کا ہوسے یا سا یا پھر تو ہی اُس کو بتا

تھوڑا کر جاوے کہاں فاضل ترا یہ دور

مؤلف نے بھی چند غزلیں اس صنعت میں لکھی ہیں یہ اُن کے اشعار ہیں۔

بھر نظر دیکھا ہے جب سے زہرِ کارِ دُخ
یاں تلک چکے لبوں سے تب کہ بھیر نکلی نہ بات
ہیں یہ عارض تیرے شیشہ بدھ کندان سے پر
کیون نہ ہر حلقے میں اُس کے دل عسین عشق کے
ایک مدت سے میں سائلِ خجرت سے اسے بھر سنا
دل دیا تھا ہے تجھی جان بھی دینا پڑی

زرد ہو تجھ سے تب سے روئے مودہ دور
حلِ نوسین آپ کے ہیں رشکِ شکرِ کدور
میں دُشمنِ بزرگِ خوشتر زسوی وہی وہ
دیکھو تو دایم بلا ہے اُس کی زولِ وف
اکاثر ہو بھی عطا ہو ب و دس وہ
پھر نہیں چلتی بیان اب وف و ط و ر و دت

ولہ

کیون نہ ہوں تجھ سے زرد ہے میرے مودہ دور
م و ش و ک کو کیون نہ بھر مندہ کر سے
ع و ش و ق نے تیرے کیا دل کو باب
ل و ب و ل و ب پر شام سے رکھے رہون
ع و د سے در نہ آنے پائے کوئی اس جگہ
ب و د و د و م و ل و ہ جاوے دین

اس در و د و د سے روخ سے مودہ
رنگ دیکھ رہی ہے تیری اور زولِ وف
اور ع و د و د ل کو بھی بنایا م و د سے
جب تلک ہووے نہ اسے دلدار ص و ب و ح
و ل و م و جلدی بندہ کر دے دور
ت و د سے دُخ ہمارا دیکھ لے گرب و دت

صنعتِ موصول اس کا صنعتِ تکرار بھی کہتے ہیں اپنی عبارتِ بالظلم کے سب
درف لکھ گئے جائیں اور یہ کہی تھی موصول و د و ف موصول سے حرفی موصول چار حرفی اور زیادہ اس سے
جہاں تک ہو سکے مثال دہرے کی یہ تہ شوی نامہ شوق کا۔

انالہ شوق

عجمِ فرقت سے کونست ہنہ می بر

نہ دستِ غافل ہے توبتِ کافر

مثال سہ حرفی

ظلم کیا کیا جفا میں کیا میں اسنہ

احتی میں بھی بلا میں کیا کیا میں

مثال دو حوصل چار حرفی

انالہ شوق

چپکے چپکے کبھی نہ کہنا

بہ پہ کیسا چبا بھی کہنا

علیٰ ہذا القیاس پنج حرفی فقرہ اور انظم بھی کہتے ہیں بلکہ ایک فقرہ یا ایک مصرع یا ایک بیت پوری
موصول ہوتی ہے جیسے یہ دو شعر میر کے۔

عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ	عشق بن تم کو کہیں ہے کچھ
عشق حق ہے کہیں بی ہے کہیں	نہے شکر کہیں عسلی ہے کہیں

ان شعروں کے مصرع ثانی میں ایک ایک حرف ایسا ہے کہ جس سے حرفوں کی علیحدگی ہو جاتی ہے۔

یعقوب علی بنان نصرت

مقتل من سبے گنتی تھی یہ تیغ بے ہوا	یہ جنگ کی ہرین نے فلک سے ہر کی شہا
کہتے ہیں یہ فلک سے ملک تھے کچھ سنا	تر سب کس حق میں بس غضب حق ہے یہ ہلا

گنتی تھی تیغ مجھ سے نہ جسم نعین ہے
کیسے نصرت جنگ میں جن بھی نہیں پہنچے

کرم رام پوری

بے تکلف بھی شب عجب تھے ہم	کس رات چہرے سے لب لب تھے ہم
بہشتی صحت کسی کی صحت نے	عشق کی تپ سے چلے کوہ تھے ہم
چشم معنے کے کھلنے سے جیتے	یعنی غفلت میں کس سبب تھے ہم
خط کے نکلے سے کم ہر عشق کی تپ	غش کسی بت یہ جب نہ تپ تھے ہم

ان اشعار کے سب حرف متصل لکھے جاتے ہیں ناسخ کے اس شعر کا پہلا مصرع صنعت متصل
الحروف میں ہے۔

مغلی میں ہے مستم شب عجب	ہے طلبگار رسم و زرب و صل
صنعت منشا رکھی اسکو کہتے ہیں کہ کوئی فقرہ یا مصرع یا سارا شعر ملکر لکھا جاوے اور اس کے حروف دندانہ آ رہ کی شکل پیدا کریں۔	

کیفیتیں بھی ہیں جو ہوتا ہوتا ہوتا ہے	تن تن تن تن تن تن تن تن تن تن تن
تہجے مصرع کا تقطیع اس طرح ہو کہ تن تن تن تن تن تن تن تن تن تن تن	رقص فاعلان۔ اور گورا شعر امجد کا۔

سب سمٹتے ہیں یا ان سمٹے سے	سب سمٹیں گے جب شہ برابر
ملکر لکھنے سے آ رہ کے دندانے پیدا ہوتے ہیں۔	

صنعت مقطع اسکو مفصل الحروف بھی کہتے ہیں کہ نثر یا نظم کے تمام حروف کتاب میں
خلوہ علیحدہ اور جُدا لکھے جائیں۔ جیسے۔

یعقوب علیخان نصرت

وہ آبدار اور وہ دم دار واہ واہ	وہ درد دار اور دل آزار واہ واہ
وہ زور دار اور وہ اک دار واہ واہ	وہ زن وہ بزم اور وہ دوار واہ واہ

وہ آب اور وہ دم وہ وان واہ واہ
وہ آن وہ ادا وہ روان واہ واہ

امجد

دو دوائے درون آزاری	پرک دو درد اور وہ آزار پرک
اور مصرع ثانی نسیم کے اس شعر کا بھی مقطع ہے۔	
کننے لگا کیا مزا ہے دل خواہ	اے آدم زاد واہ واہ واہ

منشی

ولیکن بروز جنابے گمان	کرے دادری وادری وادری وادری
-----------------------	-----------------------------

دوسرا مصرع مقصود بالتمثیل ہے۔ اور شوز کے اشعار کا چوتھا مصرع اس صنعت میں ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے	سلام اللہ خان صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرے	ارے ارے اے اے اے اے اے اے اے

فیض کے اس شعر کا مصرع اول صنعت مقطع کی مثال ہے اور دوسرا مصرع صنعت موصول کی۔

درد و داغ درخ زرد اور وہ دل	فیض مٹی میں گئے ہیں سب بیل
-----------------------------	----------------------------

صنعت تلمیع جسکو ذولسا میں اور ذولعین بھی کہتے ہیں یہ صنعت اس طرح ہے کہ کلام
میں زبانہائے مختلف کو جمع کریں اگر ایک شعر ہو تو دو زبانیں اور تیسرے میں پانچ اور غزل وغیرہ
میں ایک شعر زبان اردو میں دوسرا فارسی میں تیسرا عربی میں وفس علیٰ ہذا یا ایک مصرع میں بعض
ارکان و فارسی زبان میں بعض اردو میں یا کسی اور زبان میں غرض کہ جہاں تک جتنی زبانیں چاہیں
غزل خواہ قصیدہ وغیرہ میں جمع کر سکتے ہیں مگر اکثر زبانیں مروج و مستعمل ہندوستان کی لکھی جاتی ہیں
پس اگر ایک شعر میں دو زبانیں جمع ہوں تو اسے تلمیع مکشوف کہتے ہیں چنانچہ راقم الحروف کی ایک
تمام غزل اسی صنعت میں ہے کہ ایک مصرع فارسی ہے اور ایک اردو۔

ای سرو خوش خرام گلستان دلبری در گلشن دلم بامید بروصال باد ضیا بکوچہ جانان چو بگذری ہر دم بسینہ تیغ ادایش ہے خورم پا	غلمان ترے غلام کنیزک تری پری رہتی ہے شاخ نخل تناسد پری کر دینا وانہ ذکر ہمارا بھی سرسری بجی نہیں زمانے میں مجھ سا کوئی جبری
--	--

حسرت

یو چھا اے تیرے جو سجانے سخن	قال احييت عظامي قد كان ريم
-----------------------------	----------------------------

ترجمہ مصرعہ دوم عربی

کہا میں ایسی ہڈیوں کو زندہ کرتا ہوں جو کل جاتی ہیں

ولہ

کیا حمد کون تیری مجھے کچھ نہیں یارا	یا من خلق الخلق دليلاً دنسا ارا
-------------------------------------	---------------------------------

ترجمہ مصرعہ دوم عربی لغوی اودہ ذات کہ جس نے مخلوق کو اور شبہ و ذکر کو پیدا کیا ہے۔

امیر

دہ در شود کشادہ اگر بستہ شد دیزے	رہتا نہیں کسی کا زمانے میں کام بند
----------------------------------	------------------------------------

رند

مہا ہم بر سر موقع زبیا دم چہ ہے پرسی	فقط بحر جہان میں نہ غافل دم کی مہلت ہی
--------------------------------------	--

شاہ نصیر

آگہی میں ہر ورق گل پہ بقول شخصے	ان نے ابنت نہر لبین
---------------------------------	---------------------

یعنی تحقیق جنت میں دودھ کی نہر ہے۔

والا بلع محبوب کتنے میں چنانچہ مغز نے ایک مستزاد میں کہی زبانیں اس طرح جمع کی ہیں کہ ہر شعر جداگانہ زبان میں ہو مگر چونکہ پنجابی و پنجتود وغیرہ زبانیں غیرانوس میں اس لیے اسکا لکھنا اصول سمجھا۔

سوز

مروت دشمن غفلت پناہا	ادھر بھی دیکھتا ٹک مٹکے آہا
گئی اوقات سب بطلان میں افسوس	خداوند اکرامت دستکا ہا
صرقت المہر فی لہو و لعب تہمیر	فاہا ثم آہا ثم آہا +
میں نے اپنی عمر کھیل کو دین برباد کی پس افسوس ہے پھر افسوس ہے	

نہایت
زیادہ

نیرالشاہد خان کے ایک قصیدہ مدح نواب سعادت علی خان میں لکھا ہوا اس میں بہت سے اشعار مختلف زبانوں میں پائے جاتے ہیں یہاں پر بطور مثال کے فارسی عربی ماٹھاری اور بھاشا کے کچھ اشعار درج کیے جاتے ہیں اور ترکی پنجتو خراسانی انگریزی سنسکرت کشمیری اور مرہٹی کے اشعار پر غیر مانوس ہونے کے ترک کیے گئے۔

شاہ ایران ہی گستاخ ہے غرضی میں	یوہ من ہم رعایا ت تو خطے ہرم
ترجمہ مصرعہ دوم امید کہ میں بھی تیری مہربانیوں کوئی ناکہ اٹھاؤں	
بچھاؤندی انگلیں کہ مرثا ہی داد	ابندہ حلقہ بگوش تو دچا کر استم
اس ذات پاک کی خدمت کی کسم پیکر شہی دی ہے	مکہ میں تیرا غلام مطیع اور خدمت گزار ہوں +
مدح میں تیری زبان عربی میں اشعار	شعرا ہڑتے ہیں سرور ہوا پس میں ہم
مشہد پس بجاع دامیرنی الدھسر	تخصہ اللہ سفینا بجمع العالم +
ترجمہ شعر دوم اس کی طرح کوئی بہادر اور امیر دنیا میں نہیں ہوا	اللہ کے تمام عالم کی فریاد سی
کے لیے اُسکو بچھو صل کیا ہے۔	

حق میں دشمن کے ترے توں کہیں میں جیو نہ	ہا میں باندھا چھری ہری جو منو جائے بھرم
ترجمہ مصرعہ سوم کیا چھری باندھی جبکہ دشمن تباہ فنا ہو جائے	
تیری آنکھوں کو کنھیا بچھاؤ اور اسکا انگلیں	آؤتین بچ کی کرنی بن یمتھی ہردم
تیری آنکھوں کو کنھیا زام کرشن بچھ رکھو اور گوپین راج کی عورتیں ہر دانت یہ آرزو کرتی ہیں	
ڈھونڈی دم کی شگیت ہوں بھجی کی جو	بھوم لے شیا تم ہرن کیستہ چپے چپٹ کے تم
یعنی تمام شگیت کو ڈھونڈھ کر آئی ہوں	اپنا اندرانہ کے لقب کنھیا۔
اور دولت ہوں بھجی ہو سکتی ہے	اور سے چرنوں لگی ہوں جھاٹاؤٹ سگر و کٹم

ترجمہ مصرعہ دوم یعنی تمھارے قدموں سے لگی ہوں تمام کتبہ گھر بار وہاں چھوڑ کر۔
اور جو اشعار اس طرح کے ہیں کہ آدھا مصرع زبان فارسی میں اور آدھا اردو میں یا آدھا فارسی میں آدھا بھاشا کا وغیرہ ہیں۔

مولاوی سلامت شدنی	
ایسا کھذا از رخ خوب تو عیان ست	کتے ہیں اسی رو سے عیان را چہ بیان
ایسا بدست معری ہے نظیر شہ بطحا	وہ چشم کہان اور کہان جان عیان ست

یہ صورت حق ہے کہ مصوریہ بشر شد	اس کا ہی ظہور میں ہمہ رکوں مکان ست
اب تاب نہیں بھری کی از پرده بدرا	شفاق تری و عمل کا ہر دور جوان ست
اب آگے بھلا کشفی دل خستہ چہ گوید	تو جلد خبر اسکی کہ متیاب و توان ست
رتب عشق شید گشتم نہ تاب بجران قسم خدا کی ضمان	خراب خسی بنادے ساقی شراب حدت پلا کے ہم کو
توسر و آزاد و باز بینی نجات قامت کا ہون میں سایہ	بزیر پاست ہون او فتادہ گرانہ چندان اٹھا کے ہم کو
جو عشق آمد و رون جانم تو شور بر پا ہوا قیامت	جگایا تو نے جنون حشت مزار میں بھی سلا کے ہم کو
اور یہ ایک شعر امیر خسرو کا زبان فارسی میں ہے اور ترجمہ سکا باقتبار زبان ہندی کے ایک عجیب طرح ہوتا ہے	
ماہ در فستریہ نماند ست ز ہجر تو مرا	دم بہ یک موے خدار کہ چہ حال ست ترا

ماہ کو ہندی میں ماس کہتے ہیں اور ماس کو گوشت بھی بولتے ہیں پس ماہ سے گوشت مراد ہے قرۃ کو کہتے ہیں اور یہ ہندی میں بدن کو کہتے ہیں وہی بیان مراد ہے مطلب یہ ہوا کہ گوشت بدن میں نہیں ہوتا تیرے ہجر میں دم کو ہندی پوچھتے کہتے ہیں اور پوچھتے صیغہ امر کا بھی ہے برسیدن کے معنی میں مومے کو ہندی میں بار کہتے ہیں اور بار بمعنی مرتبہ اور دفعہ کے یہی ہے پس مصرع ثانی کا یہ مطلب ہوا کہ پوچھو ایک مرتبہ خدا کے واسطے کہ تیرا کیا حال ہے۔

صنعت جامع الحروف یعنی ایک بیت یا فقرہ ایسا لکھیں کہ جس میں تمام حروف تہجی سما جائیں مثال اسکی یہ شعر نظام کا ہے۔

منظر فیض عطا منعم ذی جود و سخا	صلح کل شرب ثابت قدم رز و غنا
اس شعر میں حرف عربی سب جمع ہیں۔	
صنعت تنسیق الصفات یعنی کسی چیز یا کسی شخص کا ذکر صفات متواترہ کے ساتھ کہیں خواہ وہ صفات مدح کی ہوں یا تذمت کی کیونکہ صفت وہ چیز ہے جو کسی چیز کے ایک معنی کو بیان کرے جو اس میں ہوں خواہ وہ معنی اچھے ہوں یا بُرے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ صفت سے فقط خوبی ہی مراد ہوتی ہے بلکہ بُرائی ہو تو بھی صفت کہلائے گی۔ جیسے منبر گھوڑے کی صفت میں کہتا ہے۔	

سنبہ دم ماہ سم لا غریبان فر بہ کفل	الابع شہلانا قبل ابداء و عقاب
کہکشان تنگ آسمان شگ بر سایہ برق	ایزد دم آتش قدم گیسو بجام ابر و رکاب
اسی کا یہ شعر براق کے وصف میں ہے۔	
اسد ہیبت نکا پیکر ترسم	عنایین و دوزن جوزا سنبہ دم

ذوق

خسرو جم خدم و دادر دارا خست
حامی شرع نبی حامی شرک و بدعت

وہ شہنشاہ بہادر شہ کسری انصاف
توت ملت و دین قانع کفر و الحاد

ایس

خوش و جوان غریب جوان مہجین جوان

ہے ہے مرے سچید و رشید دشمن جوان

پیش

کتنا گستاخ ہی بیہودہ ہی خود سر گیسو

بوسہ لیتا ہے جو منہ چڑھ کے برابر گیسو

میم

خوش انرام و خوش قامت و خوش خدام

کہ وان اک جوان تھا پر سر نام نام

سود

توت ہر اک ضعیف و طاقت ہر توان

پس ییانشہ بے شک و لاریب باز و بخی

نور میرا مکان چشم و چراغ قدسیان

گو ہر بحر حقیقت لعل کان معرفت

صنعت مافی الضمیر اسکو اظہار مضمر بھی کہتے ہیں یعنی پرانے دل کی بات ظاہر کرنا یہ صنعت شکل ترین صنائع لفظی سے، اور اس طرح پر ہی کہ اول ایک مصرع پندرہ حروف کا کہیں اور آئین کوئی حرف مکرر ہو پھر ایک رباعی خواہ سوا وزن رباعی کے اور پھر پانچ چار مصرع کہیں اور اس امر کا لحاظ رکھیں کہ وہ پندرہ حروف جو اس ایک مصرع میں جمع ہیں وہ متفرق طور پر ان چار مصرعوں میں بھی موجود ہوں، یعنی کوئی حرف کسی مصرع میں کوئی حرف کسی مصرع میں اور کسی مصرع میں مکرر کوئی حرف ان میں کارہ نہ جائے اور ان کے تھوڑے کرنے کی یہ صورت ہے کہ اول وہ مصرع پندرہ حروف والا اور پھر گھٹ جائے اور پھر رباعی و قطعہ کے طور پر وہ چاروں مصرع کہیں اور مصرع اول کے کنارے پر (۱) کا ہندسہ اور دوسرے مصرع پر (۲) کا ہندسہ اور تیسرے مصرع پر (۳) کا ہندسہ اور چوتھے مصرع پر (۴) کا ہندسہ یہ کل عدد پندرہ ہوئے اور پندرہ ہی حروف مصرع اول کے تھے۔ اور طریقہ بتانے مافی الضمیر کا یہ ہے کہ مخاطب سے کہے کہ ایک حرف مصرع اول جامع الحروف (یعنی پندرہ حروف والے مصرع میں سے ذہن میں لے لو پھر ان چار مصرعوں کو بڑھے، اور پوچھے کہ جو حرف تھے ذہن میں لیا ہو وہ کون کون سا مصرع میں ہو وہ اگر جواب دے کہ دوسرے اور تیسرے مصرع میں ہو تو ان مصرعوں کے سرے پر جو عدد میں ان کو جمع کرتا چاہیے جو حاصل جب ہو اسی کے مطابق مصرع جامع الحروف میں سے حرف لے کر

دہی حرف اُسے لیا ہوا مثال اُسکی یہ مصرع اور یہ رباعی ہر مصرع

ہے لب و دست مخزن شکر

رباعی

سو طرح کا زیور اور خال رخسار

عاشق سامہ سردار راز دل ناز

مشتاق کا عزم جہان کر آخر کار

شب آد کو غور نشان دو صاحب

مخاطب سے پوچھے کہ تم نے اُس مصرعہ مرقومہ بالا میں سے جو حرف ذہن میں لیا ہے وہ رباعی ہے
کون کون سے مصرعون میں ہے اگر وہ کہ پہلے اور دوسرے مصرع میں ہے تو چاہیے کہ مصرع اول اور
دوم کے آغاز کے حدود کو جمع کوں ہیں ایک اور دہن ہوئے اور تیسرا حرف مصرع جامع الحروف
دل ہے معلوم ہوا کہ مخاطب نے لام لیا ہے کیونکہ دیکھا جاتا ہے تو لام سوائے مصرع اول اور دوم کے اور
کسی مصرع میں نہیں اور اگر کہ دوسرے اور تیسرے مصرع میں پانچویں اور چوتھے میں یا پہلے اور چوتھے
میں ہے تو انھیں مصرعون کے سرے کے اعداد جمع کر کے اُسکے مطابق حرف مصرع جامع الحروف سے
گن لینے اور قاعدہ اس صنعت کی ایجاد اور ہر شے کا یہ ہے کہ ایک مصرع پندرہ حرف کا ایسا کہا جاوے
کہ اس میں کوئی حرف نہ ہو اُسکے بعد رباعی یا اور کسی وزن پر چار مصرع کے جاوے اور ان میں نہ التزام
کیا جاوے کہ مصرع جامع الحروف کا پہلا حرف اُن چار مصرعون میں سے پہلے مصرع سے خصوصیت
رکھتا ہو نہ مصرعون میں نہ اور اُس مصرع کا دوسرا حرف اُن چاروں مصرعون میں دوسرے سے خصوصیت
رکھتا ہو پہلے اور تیسرے چوتھے مصرع میں نہ تیسرا حرف اُس پندرہ حرف والے مصرع کا اُن چار مصرعون میں
سے پہلے اور دوسرے سے مخصوص ہو تیسرے اور چوتھے میں نہ اور چوتھا حرف اُس مصرع کا تیسرے
مصرع میں ہونا چاہیے پہلے دوسرے اور چوتھے میں نہ اور پانچواں حرف اُس مصرع کا پہلے اور چوتھے
مصرع میں نہ اور کسی مصرع میں نہ چھٹا حرف اُس مصرع کا رباعی کے دوسرے اور تیسرے مصرع میں ہو
ساتواں حرف پہلے دوسرے اور تیسرے مصرع میں ہو آٹھواں حرف صرف چوتھے مصرع میں نہ نواں حرف پہلے
اور چوتھے مصرع میں ہو دسواں حرف دوسرے اور چوتھے مصرع میں ہو گیارھواں حرف پہلے دوسرے
اور چوتھے مصرع میں ہو بارھواں حرف تیسرے اور چوتھے میں ہو تیرھواں پہلے تیسرے اور چوتھے میں
چودھواں دوسرے تیسرے اور چوتھے میں پندرھواں حرف اُس مصرع کا اُن چاروں مصرعون میں
واقع ہو تعجب ہے کہ ہذا قبیل لے صنعت اظہار مضمر کو دباے لطافت میں صنائع سنوی میں لکھا ہے حالانکہ
یہ صنعت اصالتہً معنوی خوبی کی طرف کسی طرح راجع نہیں ہو سکتی سوائے سو کے اور کیا کہا جاوے۔

صنعت معما امیر خسرو نے اعجاز خسروی کے تیسرے رسالے میں لکھا ہے کہ موجد اس کا مولانا بہار بخاری ہے معما اس صنعت کو کہتے ہیں کہ کلام سے باشارہ لفظی یا بدلات حرفی وغیرہ کوئی نام یا عبارت حاصل ہو کر اکثر وہ کلام موزون ہوتا ہے اور نثر شاوذا درادرا اکثر نام حاصل ہوتا ہے عبارت کبھی کبھی سید و آرت علی نے جو اعتراض نثاری پر کیا ہے اور معما کو سماء الرجال ہی پر منحصر لکھا ہے بالکل بجا ہے ان اکثر اسم ہوتا ہے اور یہی زیادہ تر رائج ہے لیکن یہ غلطی نثاری کی بہت بڑی ہے کہ کچھ کو صنائع معنوی میں لکھا ہے جیسا کہ ہفت قلزم کے جامع نے کیا ہے۔ انکا اصل معما میں اسم مقصود بدلات حروف و باشارات الفاظ حاصل ہوتا ہے اور اسم حاصل ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں ایک یہ کہ حروف اسم مطلوب بہ ترتیب موجود ہوں اور حرکات و سکنات اسم پر بھی اشارہ ہو دوسرے یہ کہ حروف اسم مطلوب بہ ترتیب پائے جائیں مگر حرکات و سکنات کی طرف کوئی اشارہ نہ ہو تیسرے یہ کہ حروف اسم مطلوب معنائیں یکو رہوں لیکن ترتیب نہ ہو اور حرکات و سکنات کا بھی کچھ اشارہ نہ ہو چوتھے یہ کہ حروف اسم بھی مذکور نہ ہوں بلکہ کسی اور طرح سے ان حروف کی جانب اشارہ ہو اور اخراج و حصول اسم کی الفاظ سے کئی صورتیں ہیں از انجملہ ایک یہ ہے کہ ہر ایک لفظ تین جال سے خالی نہ ہو گا اول اوسط آخر اگر حرف مطلوب سرکہ میں ہو گا تو اسکی تعبیر مطلع۔ تارک۔ سرب۔ اول۔ تاج۔ افسر۔ کلاہ۔ رخ۔ جتد اس فرق وغیرہ سے کرتے ہیں جیسا کہ اس سماء نے نثر میں کتاب لسانہ عجائب کی نثر ہزادی نے کہا طبیعت کی جودت اس شخص کی مشہور ہے۔ ایک معما پوچھتی ہوں بدیدہ اگر جواب دینے تو شک بے شک رفع ہو بھلا وہ کیا شے ہے جسکو گبر و مسلمان یہود نصاریٰ سب فرقہ انسان کا آشکارا کھاتا ہے مگر جب سرکاٹ ڈالو تو زہر ہو جائے کوئی شگھائے اور جو غصے میں کھائے تو فوراً مر جائے جان نے ہنس کے کہا ہزادی قسم ہے حرف قاف کو سر قرار دیا ہے۔ امیر اشد قلیم نے اس معما کے مضمون کو خبر دکر کے یونان باندیہ دیا ہے۔

اگر عد د کھائے سرشہ کی کبھی جھوٹی قسم | آتے آنے نازبان پیدا کرے تاثیر کم

اول۔ انوکھو۔ مہط۔ من ہو تو قلب۔ درون۔ دل۔ منز۔ مرکز۔ میان۔ توسط۔ مکر۔ موضع۔ مقام وغیرہ
کتے۔ زمین اور انتہائے کلمہ میں ہو تو غنڈ۔ پا۔ قدم۔ حد۔ دامن۔ مدر۔ پلایان۔ انتہام۔ انتہا۔ آخر۔ ذیل
غایت۔ تمام وغیرہ سے اشارہ کرتے ہیں اور غرہ۔ در سلخ۔ اوج و خفیض۔ فراز و نشیب۔ پوست
و جامہ۔ بالا و زیر۔ صاف و درد۔ شاخ و بیخ۔ جیب و دامن وغیرہ الفاظ سے فن معانی حرف
اول و آخر مراد ہونے میں۔ سید انشانے جرأت کے نام کا سنا کہا تھا۔ مصرع

مصرع سر ہندی نگوئی گجراتن ترجمہ نگوڑی دہ عورت جس کے پانوں کن نہون۔
 لطیفہ اس میں یہ تھا کہ گجراتن جرات کی بان کا نام تھا اور لفظ جانب۔ لب۔ سو۔ طرف۔ گوشہ۔
 کنار۔ اور ہیلت کبھی حرف اول کبھی حرف آخر مراد لیتے ہیں اور الفاظ ناقص۔ مختصر۔ کوتاہ۔ اتر حرف
 آخر کے نقصان پر دلالت کرتے ہیں اور الفاظ محوف۔ نہی۔ خالی باہین الطرفین کے نقصان پر اور سر
 نیزہ۔ علم۔ نخل۔ خدنگ۔ ناوک۔ ستر۔ خار۔ قدسیا لا حرف الف سے کتا یہ ہی اور دندان۔ آئکہ پشت
 سنگ۔ حرف سین مہملہ سے کتا یہ ہی اور ابرو ہلال وغیرہ نون و جیمہ وال سے کتا یہ ہے اور
 خال۔ ستارہ۔ قطرہ۔ گرہ۔ گوہر۔ ذرہ نقطون سے عبارت ہے۔ اور کبھی صریحان عرب کے طریقہ
 کلمے کے حرف اول کو فنا اور دوم کو عین اور سوم کو لام کہتے ہیں۔ کبھی کوئی لغت عربی بیان کر کے
 فارسی میں آپکے معنی مراد کہتے ہیں اور کبھی فارسی بیان کرتے سے عربی مقصود ہوتی ہے جیسے۔
 مومن کے اس معامین۔

معما باکم مومن

کیفیت دصال ہر اب کچھ نہیں رہی | کیونکر نہون لول میں شب کچھ نہیں رہی |
 الفاظ لول میں (مین) سے شب کا لکنا بیان کیا ہے شب فارسی ہے اس کا مراد میل عربی ہے
 جب لام آوری اور لام الفاظ مذکور میں سے نکالے تو مومن رہ گیا اگر ایک عیب اس معامین واقع ہوا ہے
 وہ یہ کہ کلام سے بچھا جاتا ہے کہ لول کے نقط میں شب نہیں اور مراد یہ ہے کہ لول میں (مین) کے
 لفظ میں سے لیل نکلی غرض کہ ایک مین اور چاہیے۔
 کبھی لفظ فارسی سے ترکیب بھی فارسی سے ہندی مراد لیتے ہیں۔ جیسے :-

سلنے رکھ دے سرو پا کاٹ بوتیار کو | ہو اگر ای باغبان تو مہربان عند لیب |

بوتیار کو ہندی میں بگلا کہتے ہیں جب اس کے سرو پا کو کاٹ ڈالا یعنی حرف ہا اور الف کو دور کر دیا تو
 گل رہ گیا کبھی صمد بیان کر کے اس سے بہ حساب جبل کوئی حرف بنالیتے ہیں جیسا اس شعر میں۔

ترجہ ہے نام اسکا تین حرف سے ترکیب ایک | تین سو چالیس ساٹھ مول ہے یہ ایک ایک |

تین سو عدد تین نقطہ فار کے ہیں اور چالیس سیم کے اور ساٹھ سین بے نقطہ کے پس تینوں حرف
 ایک شمس حاصل ہوا کبھی نجومیوں کی اصطلاح سے کام لیتا ہے اور سجدہ سیارہ کا حرف آخر مراد ہوتا ہے
 مثلاً شمس سے (س) اور قمر سے (ر) اور مشتری سے (ی) اور عطارد سے (د) اور زہرہ سے (زہ)
 اور زحل سے (ل) اور مریخ سے (خ) اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حروف ابجد کے ان حروف سے جو

ہفتے کے دنوں کے شمار کے موافق ہونے ہفتے کا دن مراد لیتے ہیں جیسے (الف) سے یکشنبہ اور (ب) سے دو شنبہ اور (ج) سے سه شنبہ اور (د) سے چهار شنبہ اور (د) سے پنجشنبہ اور (و) سے جماد اور (ز) سے ہفتہ۔ کبھی ہال پڑتے ہیں اور تین سو ساٹھ مراد لیتے ہیں اور ماہ سے تیس مقصود ہوتے ہیں۔
 علیٰ ہذا القیاس غراب وغیرہ بھی اسی طرح ثابت کرتے ہیں چنانچہ ٹھوٹے کو عربی میں فتح کہتے ہیں اور فتح صرفیوں کی اصطلاح میں زبر کا نام ہے اور شکلی عربی میں کسر کو کہتے ہیں اور کسر صرفیوں کی اصطلاح میں زبر کا نام ہے اور تسکین سکون سے مراد ہوتی ہے اور سکون صرفیوں کی اصطلاح میں جزم کو کہتے ہیں جیسے اس بیت میں قتل کے آگے لانے سے پیش دینا مراد ہے یعنی مضموم کرنا حرف کا۔

کوئی سریشکر کا آگے لاؤ گا | اگر ظاہر ہویری ہندوستان کی |

یشکر کو ہندی میں گناہا شت کہتے ہیں اور سرا کا گانہ اسکو ظمہ دیے سے گناہوتا ہے اور یہ نام ہے مجوسہ قتل کا۔ کبھی لفظ کا مقلوب مراد ہوتا ہے جیسے یہ مہامومن خان کا۔

بے کیونکر کہ ہے سب کا راسا | ہم آئے ہات اکٹی یا راسا |

ہم کا مقلوب مہ اور بات کا مقلوب تاب و ریا کا مقلوب ماسے ہی پس ہتاب ماسے ہو گیا۔ کبھی کسی لفظ کا ہم عدد دوسرا لفظ اسی لغت کا یا کسی اور لغت کا مقصود ہوتا ہے جیسے اس شعر میں مومن کے۔

قید بید ہے خانہ بے درد ہے | تو بھی صاحب غلام کے بیٹے |

قید بید ہر حد سے مراد حرف آخر ال ہے جب دال کو دور کیا ہے رہ گیا اسکے ایک سو دس عدد ہوتے ہیں اور اتنے ہی عدد لفظ علی کے ہیں اور بیان ہی مراد ہے۔ خانہ بید رہے در کے حرف آخر (و) مراد ہے جب ماسے ہوز کو گرا دیا تو خان رہ گیا اور غلام کا لفظ جو مصرع ثانی میں ہر وہ ان لفظوں کے اول میں ملا دیا غلام علیخان ہو گیا۔ یہاں مختصر طور پر صنعت سما کا بیان کیا گیا اگر غور کیا جائے تو برہم یہ ایک علم علیحدہ ہے اور نہایت لطائف اور تفصیل چاہتا ہے بخون لول کتاب اور بلحاظ کم مروج ہونے اس فن کے اس قدر پرکتفا کی گئی۔

صنعت لغز کو چستان اور پہیلی بھی کہتے ہیں اس میں باعتبار علامات اور صفات اور خواص کے کوئی چیز دریافت ہوتی ہے فرق سما اور چستان میں یہ ہے کہ مقصود اصلی سما میں حرف و افعال ہیں اور چستان میں مقصود اصلی اشیا کی ذاتیں ہیں۔ جیسے۔

پہیلی افیون۔

سلاہ ہم درجہ غیر مجر سکون ز سے عجز ہے

نشی امعیل حسین منیر

مکر وہ طبع اہل خرد اس کی کم سنی پڑا
پیری میں اسکی قدر جوئی سے بچی ہو
ہے بیگناہ پر یہ تعجب کی بات ہے
اسکا ہی پرست پیچھے میں اسے نشنا

پیلی لفظ آہ۔

انشا

ہے نصف تو اسم ذات کی سی صورت
دن کی صورت نہ رات کی سی صورت
کام آوے وہ دروین جو کچھ انشا
تو بوقت سلم و دوات کی سی صورت

پیلی کھڑیاں۔

مومن

نہ بولے وہ جب تک کہ کوئی بولائے
نہ لفظ اور مٹے سمجھ میں کچھ آنے
نہین چور پر وہ لشکرا رہے
زمانے کا احوال بکھتا رہے
شب و روز غوغا مچایا کرے
اسی طرح سے مار کھایا کرے

پیلی چراغ۔

امیر خسرو

بالا تھا تو سب کو بھاسایا پڑا
مین نے کھدیا اُس کا نانوں
بڑا ہوا تو کام نہ آیا پڑا
ارغفہ کو یا چھوڑو گاؤں

پیلی موری۔

ولہ

ساون بھاوون گھنی چلت ہوا ہر پونجی
میر خسرو یون کسین بتا پیلی موری

پیلی قلمدان۔

ایک تابوت اور کتنے مردے
تال میں بیوین کا لاپانی پڑا
ظفر کٹے کٹے کیا دل گردے
یہ ہے ظفر اس کی نشانی

پیلی آسمان اور تارے۔

ظفر

ایک تھاں مونیوں سے بھرا
سب کے سر پر او نہ حاد بھرا

چاندون طرف وہ تھل پھرے

سوئی اُس سے ایک ناگرے

پہلی چشم دترگان۔

تجمل سول خان تجمل

دو تالاب اور کتنی تریان
تال کے اوپر دین پھر مشکین
جس دیکھو جب ننگی کھڑیاں
نظرون میں وہ سب کی کھٹکین
رات کو وہ سب بل جل کر
سوئی ہیں اُن تالابوں پر

پہلی ہالا۔

کان میں رکھ تو یہ ایسا

لٹکے ادب نام

پہلی خرگوش۔

آدھا رہے کھار کے آدھا سب پاس

جو تجھے مارا چاہے جگل اُس کا پاس

پہلی آئینہ۔

فارسی بولی آئی نا

ترکی ڈھونڈی پائی نا

ہندی کون عاری آئے

خسرو کے کوئی نہ پائے

صنعت تاریخ مولوی غلام علی آزاد صاحب رحمۃ اللہ جان کہتے ہیں کہ ادیبان عرب نے تاریخ کو بطن میں جگہ نہیں دی ہے اصطلاح میں تاریخ اسکو کہتے ہیں کہ کوئی لفظ یا فقرہ یا عبارت مصرع یا بیت ایسی تجویز کریں کہ اس کے مکتوبی حروف کے عددوں سے بہ حساب جمل سنہ اور سال کسی واقعہ شادی یا وفات کے معلوم ہوں یا نکاح خواہ تولد فرزند یا تصنیف کتاب خواہ لڑائی یا بادشاہ کے جلوس یا کسی اور امر کے وقوع کا زمانہ سمجھا جائے حروف مکتوبی کی قید اسلئے ہو کہ جو حروف لکھنے میں نہیں آتے ان کے عدد محسوب نہیں ہوتے اور جو لکھے جاتے ہیں اگرچہ پڑھے نہ جادیں عدد ان کے لیے جاتے ہیں مثلاً لفظ اللہ اور فرخ میں ایک میم اور ایک رے کے عدد ہے جائیں گے اور نصیر الدین اور عبداللہ میں الف کا ایک عدد ملتا ہے جیسے گا اور الف محدودہ کے بھی دو عدد لیے جائیں گے اسلئے کہ وہ ایک الف متحرک اور دو صرا الف ساکن ہو اور بعض متعین الف محدودہ کا ایک عدد لینے ہیں اور ہمزہ کا کہ اسکی یہ صورت ہو (و) بعض ایک عدد شمار کرتے ہیں بعض بشکل یا لکھ کر دس عدد محسوب کرتے ہیں بعض مہمل تجویز دیتے ہیں عدد دشمن لیتے تینوں صورتیں جائز ہیں چہ اور کہ میں ہا سے مخفی کے بھی عدد لیے جادینگے۔ اور حروف تبا کے عدد دو طرح کے لیے جاتے ہیں

جو رت (در از گھسی جاتی ہو خواہ جمع کی ہو خواہ ضمیر کی خواہ مصدری اس کے چار سو عدد لیتے ہیں جیسے
عنايات و شمس و غیر میں درجہ (۱۰) بالاسے عربی قاری مدوریہ شکل ہاے ہونگھی جاتی ہو اس کے پانچ
عدد ہاے ہونگھے سے لیے جاتے ہیں جیسے ت ختہ اور صلوة و زکوۃ وغیرہ کی اور معنی تاریخ کے
نعت میں وقت ظاہر کرنا ہیں پس تاریخ سے بمقابلہ زمانہ طال کے مدت اُس واقعہ گذشتہ کی ظاہر
ہوتی ہے اور مادہ تاریخ عام ہے خواہ نظم ہو خواہ نثر اور تاریخ دو قسم ہوتی ہے۔ ایک صوری اور
ایک معنوی اور معنوی فن ہما کے قبیل سے ہو صوری وہ ہے جس سے لفظ کوئی زمانہ معلوم ہو۔
مثال اسکی۔

تاریخ بدیع مصنفہ تسلیم

ہزار و صد شخصت و دو میں عرض اجل کا ہسانہ ہوا وہ مرض

گیارہ سو اکیاسی ہجری کی تھی یہی سال تاریخ رحلت کی تھی

گیارہ سو اسی میں تھے چار کم کہ پیدا ہوئے تھے وہ انجم ششم

اور معنوی وہ ہو جس کے عدد دون سے بحساب جمل کوئی سنہ و سال پیدا ہوا اگر مادہ تاریخ معنوی
سے عدد مطلوب بغیر کمی و بیشی کے نکل آوین تو مسکو تاریخ بے کم و کاست کہتے ہیں و تاریخ کا ملح
بھی بولتے ہیں تاریخ کامل و بے کم و کاست کی مثال یہ تاریخ نتیجہ فقیر جناب محمد علی مولوی نور الدین احمد
صاحب ابن مولوی نظام الدین مرحوم ہاشمی بدایونی کی ہے۔

حضرت صولت نے لکھی یہ کتاب	مدح حضرت میں عجب نادر غریب
لائق تعریف اور تحسین ہے	صاحب مدوح کی رائے ٹھیک شب
قطعہ تاریخ لکھنے کے لیے	مجھ کو بھی ایسا ہوا خاکے نصیب
جب ہوئی تاریخ کی مجھ کو تلاش	ہاتھ غیبی نے امیرے قریب
صرح تاریخ یوں موزون کیا	نعت محبوب خدا ہے یہ عجیب

اس میں بارہ سو اٹھانوے عدد بے کم و کاست نکلتے ہیں۔

محمد رضا خان برق

فصل گل ہے گلشن ایجاد کی اوجھوم ہے ہر سو مبارک باد کی

خسرو عادل کا برباد دور دور	داد بلبلی پاتی ہے مندر باد کی
قہر لون کو سرو کی پروا ہے کیا	قدر بندون کو نہیں آزاد کی
بے خطر عاشق ہیں جو عشق سے	جان شیون بختی ہے مندر باد کی
قدح عالم نے طبع پاک سے	آج کل کو ٹھی عجب ایسا د کی
برق نے تاریخ اسکی یہ کہی	خلد ہے کو ٹھی حسین آباد کی

محققین فن کا اتفاق ہے کہ صوری و معنوی تاریخوں میں ترجیح اُس تاریخ کو ہے جس میں بھرتی کا کوئی لفظ نہ ہو وادعا طغہ کو بھرتی نہیں کہہ سکتے اور اس کا ترک کرنا جائز نہیں۔

سنہ یا د سال کا لفظ اُس وقت قابل اعتراض نہوگا جبکہ مصرع میں داخل اور الفاظ بیانیہ مادہ سے متعلق نہو۔ مہینے کے عوض لفظ ماہ یا شہر اسی طرح ایام کے عوض لفظ ذریعہ یا یوم و اقامت ہو سکتا ہے علیٰ ہذا شب یا صبح کے الفاظ کے ساتھ ان کے موزون اور مناسب الفاظ کا ہستال بھی خوبی میں داخل ہے۔ مثلاً اول شب یا آخر شب یا شب قدر یا شب برات یا صبح عید وغیرہ باعتبار لفظ تاریخ کی دو قسمیں ہیں (۱) تاریخ مفرد (۲) تاریخ مرکب۔

تاریخ مفرد۔ وہ ہے جو کسی حرف کے عدد و جمل سے حاصل ہو فرض کرو کہ کسی کا نام غالب ہو اور اسکی وفات ستلہ ہجری میں واقع ہو اور سرنام حرف کو سال قرار دیا جائے یا کسی کے نام سے۔ حرف اول و آخر لیکر اُسکے متعلق کسی واقعہ کی تاریخ قرار دی جائے جیسے ایک حکیم کی مزیونی کی تاریخ ہے۔

آٹھ عامے حکیم سے تولے	سر مرتبہ نصف نصف کمر کر
حرف ح کے عدد و جمل	ہین اسکی تصنیف کیے تو ہا ہوتے ہجرت تصنیف کیے تو ہا اور
تصنیف سوم میں ارہ گیا ان چاروں ہند سون کو ایک سطر میں لکھے ۱۲۸۸ سنہ	منافقہ کا مساوی ہے۔

تاریخ مرکب وہ ہے جو ایک یا کئی الفاظ کو شامل ہو جیسے۔

مؤلفہ

یو جھی تاریخ اسکی بھی ہے	اجب ہوئی یہ کتاب چھپک عیان
لب ہاتھ سے یون ہوا ارشاد	گنہ مقصود و مخزن دربان
اعتبار کا ام تاریخ کی دو قسمیں ہیں (۱) تاریخ مفرد (۲) تاریخ مرکب۔	

تاریخ منشور وہ تاریخ ہے جو ایک یا کئی تہوں یا نفرون کی عبارت سے حاصل ہو۔
جیسے نواب رام پور کے بیاہ کی تقریب میں فردر شاہ خان فردر رام پوری نے ایک چھوٹا سا رسالہ
بنام تحفہ تھوڑا سا طرح کا شریفیہ میں لکھا ہے اس میں ہے۔ عجب موسم خوش ہے عجیب ڈھنگ
ہے۔ آرائش بازار کا نالارنگ ہے۔ اچھے اچھے مناسب جوڑے تقسیم ہو رہے
ہیں۔ اچھے اچھے میل گھوڑے تقسیم ہو رہے ہیں۔ جا بجا بازار کی بے مثل دکانیں
بچ رہی ہیں۔ گھر گھر دل آویز کوہن بج رہی ہیں۔ شہر میں دل پسند لفیس رواد
بنائے ہیں۔ اور دستکاری سے کیے گئے مہائے ہیں۔ شادی میں عجیب عید ہے اور
خوفہ بات ہے۔ کیا عالی قدر دن ہے کیا کطف کی رات ہے۔ فوج کا اور ہی بوستان
ہے اور بھی بہار ہے۔ یہ نوشہ کی سپاہ ہے یا شان کردگار ہے۔

تاریخ منظوم وہ تاریخ ہے جو ایک مصرع یا جزو مصرع یا شعر سالم سے پیدا ہو جیسے
قطعہ تاریخ میر گھیسٹا تیجہ فکر شیخ امام بخش ناسخ۔

ہر ایک نے اپنے منہ کو پیٹا	جب میر گھیسٹا مر گئے ہاے
افسوس کہ موت نے گھیسٹا	ہانف نے کہی یہ اسکی تاریخ

مادہ تاریخ منشور پر منظوم کو ترجیح ہے۔

باعتبار مادہ بھی تاریخ کی دو قسمیں ہیں (۱) مستقل (۲) غیر مستقل۔

مستقل مادہ وہ ہے جو منفیہ کامل ہو عام اس سے کہ مفرد ہو یا مرکب منشور ہو یا منظوم

جیسا کہ ادب کے مادوں میں۔

غیر مستقل مادہ وہ ہے جو تبعیہ یا تخریج کا محتاج ہو۔

تعمیہ و تخریج

صاحب معدن الجواہر کہتا ہے کہ جمل کا اصطلاحی لفظ تعمیہ ہے اور نیز اس کا قول ہے
کہ اصطلاح اہل بدیع میں محاکمے کو تعمیہ کہتے ہیں اور اصطلاح اہل جمل میں تعمیہ وہ ہے جس کے
ذریعے سے تاریخ کے اعداد کو درست اور برابر کرین خواہ زیادتی کے ذریعے سے یا کمی کے
ذریعے کے پس اس کے قول کے بموجب تعمیہ کی تین قسمیں ہیں (۱) اگر مادہ تاریخ میں کمی ہو تو

اسکو پورا کرین جس کا نام تدخلہ ہے (۲) یہ کہ اگر مادہ تاریخ میں اس کی زیادتی ہو تو اسکو کم کرین جس کا نام تخریجہ ہے ایک یہ کہ مادے کی تکمیل عمل تخریجہ و تدخلہ دونوں سے کرین اسے آئندہ۔

بعض اہل حمل لے کہا ہے کہ تعبیہ کی قسم اول کا نام تعبیہ داخلی ہے اور قسم دوم کو تعبیہ خارجی کہتے ہیں اور یہ صرف لفظی اختلاف ہے تعبیہ داخلی کہیں یا تدخلہ تعبیہ خارجی کہیں یا تخریجہ بہر حال دو اقسام ہیں تعبیہ کے بعض کا قول ہے کہ اہل حمل سے تدخلہ کا نام تعبیہ رکھا ہے۔ تعبیہ کے لغوی معنی آنا سے کر لے اور ڈھانپنے اور عجیب چیز بنانے کے ہیں اور تعبیہ کے معنی اندھا کرنے اور چھپانے اور چھپنے اور عجیب چیز بنانے کے ہیں اگرچہ تعبیہ اور تعبیہ کے معنی قریب قریب ایک ہیں لیکن اہل حمل لے کسی مادہ تاریخ کی کمی کو مٹانے اور اس کے عیب نقص کو ڈھانپنے کا نام تعبیہ رکھا ہے اس کا عکس تخریجہ ہے جس کی تعریف اوپر بیان ہو چکی ہے۔

بہر حال ہماری رائے میں تعبیہ اور تعبیہ کو مرادف قرار دے کر اس کے ذیلی اقسام کا نام تدخلہ اور تخریجہ رکھیں یا تعبیہ اور تخریجہ کو بنفسہ دو مستقل اصطلاح قرار دیں دونوں کا نتیجہ سنا ایک ہے صرف لفظی فرق ہے اگرچہ ان الفاظ کی حقیقت کی بنا کسی قدیم تصنیف میں ملتی لیکن یہ اصل قدیم الایام سے عربی اور فارسی اور اردو شاعری میں نظمیں تاریخ جاری ہے۔ تاریخ کوئی میں عمل نہ سمجھیں نہیں اور مجبوری کی حالت میں کیا جاتا ہے تاہم تاریخ مستقل کو اس پر ترجیح ہے اس لیے کہ مادہ غیر مستقل غیر کا محتاج ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر مادہ تاریخ میں کچھ عدم ہوں تو کوئی حرف ان عدو کا ملا دینا میں اور اسکو باشارہ لطیف بیان کرتے ہیں اور اس عمل کو تعبیہ کہتے ہیں مثلاً تاریخ شری یا تولد فرزند وغیرہ میں خوشی کے مقام پر ایک عدد مادہ تاریخ میں کم ہو تو سرائیہ اور دو عدد کم ہوں تو ازرو سے محبت یا بشارت وغیرہ اور علیٰ ہذا القیاس تاریخ کے مقام میں ایک کے واسطے ازسراہ اور دو کے واسطے ازروے بکا اور چار کے واسطے ازسرد و لکھ کر تعبیہ کرتے ہیں مثال تاریخ تعبیہ کی یہ اشعار قطعہ تاریخ تولد ایک لڑکے کے نتیجہ طبع جناب مری مولوی نور الدین احمد صاحب۔

چودھویں تاریخ بھی پندرہویں شب جبکہ دنیا میں قدم اس نے رکھا

یونہ پاتھ سن کے از روے حرب	چودھویں کا چاند اب ظاہر ہوا
مصرع آخر کے عدد بارہ سو چوراسی ہیں اور ضرورت بارہ سو ترانوے کی تھی از روے حرب مگر نو عدد حرف طوے کے ملائے بارہ سو ترانوے ہو گئے۔	
ایسے ہی یہ تاریخ وفات و شہادت حضرت میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کی۔	
مظہر کا ہوا جو قاتل ایک مرتد شوم	اور نیکی ہوئی خبر شہادت کی عموم
تاریخ وفات انکی کہی باروے درد	سودا لے کہ ہاے جان جاناں مظلوم
ہاے جان جاناں مظلوم کے عدد گیارہ سو اکانوے ہوئے ہیں ضرورت گیارہ سو پچانوے کی تھی باروے درد کما چار عدد وال کے اور ملائے گیارہ سو پچانوے ہو گئے۔	

قربان علی بیگ سالک

برس دن میں مرے یہ تین شاعر	کہ جو تھے حضرت دہلی کے ساکن
نہ ہاتھ آئی کوئی تاریخ رحلت	ہی فکر اسکی سالک کو بہت دن
کہا دل نے کہ داخل ہو گئے سب	ارم میں عارف و تسکین دہن
ارم کے عدد ون میں کہ ۲۴۱ ہیں عارف و تسکین دہن کے اعداد داخل کرنے سے ۱۲۶۸ نکلتے ہیں جو سال وفات ہے۔	

ولہ

کس قدر خوش ثناء ہے یہ سب	جس سے شرمندہ مسجد اقصیٰ
سال زاہد نہ پوچھ سالک سے	آپ تو خانہ خدا میں آ پ
خانہ خدا کے ۱۲۶۱ عدد میں زاہد کے اعداد اس میں داخل کرنے سے شکہ ہو گئے جو سال بنا ہے۔	

تعمیر آحاد تک تو روا ہے اور عشرات کا عیب سے خالی نہیں اور سیکڑن کا زیادہ معیوب
ہے ہاں اگر کوئی خوبی یا نئی بات نکلتی ہو تو روا ہے۔ اگر ماوہ تاریخ میں کچھ عدد اعداد مطلوبہ سے
نیاوہ ہو جائیں تو باشارہ مناسب و بہتر اتنے اعداد گھٹا دیتے ہیں اس عمل کو تخریج کہتے ہیں
مثال۔

قاضی محمد امراؤ علی جمالی

منشی خوش خصال پیرا لال پ	راج الورین ہیں جو حاکم مال پ
--------------------------	------------------------------

جووت طبع سے آنکھوں نے لکھا فکر تاریخ تھی مجھے کہ کہا عیسوی سال نظم شہرت سے	کیا ہی دیوان رنجیت امسال مجھ سے ہاتھ نے ہو کے گرم مقال سر حاسد کو قطع کر کے نکال
نظم شہرت سے ح کے عدد کہ آٹھ مین خارج کر دو ^{۸۸} پیدا ہو جائے۔ اور تخریج تاریخ تولد مین فال بد سمجھتے مین اور تخریج اعداد تک جائز اور عشرات وغیرہ کا نازیا ہو اور بشرط عمدگی لفظی مواہج جیسے اس تاریخ مین۔	

مومن

دُخت روشن روان ہوئی پیدا نال کٹنے کے بعد ہاتھ نے	کیا ہی چمکا ہے خستہ مومن اکہی تاریخ دختہ مومن
مذخر مومن کے عدد تیرہ سو چالیس ہونے مین اور مطلوب بارہ سو آٹھ مین اور نال کٹنے کے بعد یعنی نال کے عدد کا کسی دور ہو جانے کے بعد بارہ سو آٹھ باقی رہے یہی تاریخ ولادت ہی خونی تاریخ کی یہ ہو کہ تاریخ بے کم و کاست بغیر تعمیہ و تخریج کے ہو اور تاریخ کے مادے کو اکثر مصرع کے آخر مین اس طرح موزون کرتے مین کہ ہاتھ یا سر دوش فلک یا علم غیب یا خضر یا مسیح وغیرہ کے یون کہا اور یون ارشاد کیا اور یہ ندادی اور یہ کان مین کہا اور شعرون مین یا او پر کے مصرع مین اکثر یہ مضمون لکھتے مین کہ مجھے تاریخ کی فکر تھی اور مین تاریخ کی تلاش مین تھا اُس وقت یہ آواز آئی یا ایسا ہاتھ نے کہا۔	

اور بعض ایک ہی مادے سے باعتبار الفاظ و اعداد کے صوری و معنوی دونوں طرح کی تاریخیں برآمد ہوتی مین خواہ مادہ بے کم و کاست ہو یا تعمیہ یا تخریج کے ساتھ اور خواہ صوری و معنوی دونوں تاریخیں ہجری ہی ہوں یا ایک ہجری اور ایک عیسوی مثلاً یہ فقرہ ایک لڑکے کی تاریخ تولد کا نتیجہ فکر کیا مولوی نور الدین احمد صاحب فقرہ بارہ سو ترانوے ہجری مین پیدا ہوا اس مین لفظ اعداد تاریخ ہجری نکلتی ہے۔

ولہ

اگسایہ ہاتھ غیبی نے میرے کاغذ اُسدم	اٹھارہ سو پچیس لڑکی تاریخ ولادت ہے
باعتبار الفاظ کے ^{۵۸} عیسوی معلوم ہونے مین اور باعتبار اعداد کے اُس مین بارہ سو سال ہجری نکلتی ہے۔	

مشیر

انہی میں سے صوری و معنوی تاریخ

اصلی ترین انعام تاریخ سے یہی ہے یعنی کہ باعتبار الفاظ کے سنہ ہجری یا عیسوی معلوم ہوں اور باعتبار اعداد کے دوسرے سنہ اُس کے مخالف پیدا ہوں۔ یہاں بنظر مزید احتیاط طریقہ استخراج تاریخ مفصل لکھا جاتا ہے۔

یاد رکھو کہ تاریخ بہ حساب جمل۔ حروف ابجد سے نکلتی ہے اور تمام حروف تہجی آٹھ کلون میں جمیں ابجد۔ ہوز۔ حطی۔ کلن۔ سعض۔ قرشت۔ خذ۔ ضطغ۔
الف سے ط تک آحاد ہری سے تس تک عشرات۔ ق سے ظ تک مات اور غ ہزار ہے۔

تو ابجد سے حطی تک ایک ایک کلن	مگر تا پہ سعض دے دس دس بڑھا
پھر آگے سے سو سو فزون کر کے یار	دل اپنا حساب جمل سے چھڑا

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابجد سے لیکر حطی تک ایک ایک عدد بڑھایا جائے گا مثلاً الف کا ایک بائے موحده کے دو جم کے تین وال مقلہ کے چار ہے کے پانچ واو کے چھ ناے مجمہ کے سات ہائے مملہ کے آٹھ طائے مملہ کے نو یائے تخانی کے دس ور کلن سے آگے دس دس بڑھائے جائینگے جیسے کاف کے بیس نام کے تیس تیم کے چالیس نوں کے پچاس سین مملہ کے ساٹھ عین مملہ کے ستر کے اسی صاد بے نقطہ کے نوے اور پھر قرشت سے آگے سو سو بڑھائے جائینگے اس طرح کہ قاف کے سو راسے مہایک دوشین نقطہ دار کے تین سو تاسے فوقانی کے چار سو تاسے مثلثہ کے پانسو طائے نقطہ دار کے چھ سو ذال منقوطہ کے سات سو ضا منقوطہ کے آٹھ سو ظائے نقطہ دار کے نو سو عین نقطہ دار کے ہزار۔ اور خاص فارسی اور ہندی کے حروف کے بھی یہی عدد ہیں جو ان کے اصلی حروف عربی کے ہم نامی پانچ بزرگ اور ٹ ڈ اعداد میں بنج زک اور ت در کے موافق ہیں۔

اور حروف و اعداد مقررہ سے تین طرح تاریخ نکلتی ہے یعنی تاریخ معنوی خواہ تمبیہ کے ساتھ خواہ تخریج کے ساتھ تین طور پر کی جاتی ہے۔

ایک۔ طریقے کا نام جمل صغیر ہے جیسے زیر بھی کہتے ہیں اور یہی طریقہ متعارف ہے کہ حروف ابجد سے اعداد مقررہ لیے جائیں جیسے ابوالمنظر کے عدد بارہ سو ساٹھ بیس گئے اور یہ بہت رائج ہے۔
دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خود حروف کے نام کے حروف بیکر ان میں سے سرے کا حرف چھڑ دیا جاتی جو حروف پہلے ان کے عدد ہیں مثلاً لفظ عبد اللہ میں عین اور با اور ذال وغیرہ حروف ہیں پس لفظ عین سے جو نام

حرف کا ہے خاص عین کو چھوڑ کر کے دال اور ن کے لئے جہاں ساٹھ عدد دیے اور با سے خاص ہ کو چھوڑ کر الف کا ایک عدد لیا اور دال سے خاص دال کو چھوڑ کر الف اور لام کے اکتیس عدد دیے اور اسی طرح اعداد جمع کرنے سے سنہ مطلوب پیدا ہو گئے اسکو جمل و سبط اور میناں کہتے ہیں مثال اسکی تاریخ اتمام تذکرہ سرایا سخن طہر از محمد حسن خان طبیب تخلص شاد گرد منیر۔

میرے مشفق نے لکھا تو تذکرہ کس لور کا	ہوئے کیونکر کسی سے ای حبیب سکا جواب
بے شمار مینہ سے مصرعے ساں آٹکا	واہ و کیجا تذکرہ دہ شاعر وں کا لا جواب

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ حرف کے نام کے سب حرفوں کے اعداد شمار کو بن جیت کر یکم کے لفظ میں ایک کاف پر دوسرا تیسرا یا چوتھا یکم پس کاف کے عدد ایک سو ایک اور راء کے عدد دو سو ایک اور یاء کے عدد گیارہ اور میم کے عدد نوے ہوئے اسکو جمل کبیر اور زبر و میناں ملانا کہتے ہیں اور لفظ اللہ کے عدد بحساب زبر و میناں و جمل کبیر دو سو اسیٹھ مین و مین تاریخ میں لکھا ہو کہ میناں کو اسم اور زبر و میناں کو اسمے کہتے ہیں اور زبر و میناں وہ ہے کہ اسمے اور اسم حرف و دالوں کے عدد نکال کر تاریخ ہی جائے مہر مہدی حسن الم تخلص نے ایک کتاب کی تاریخ زبر و میناں میں لکھی ہے

چھپ چکا استاد کا دیوان حبیب	نیسوی تاریخ الم کے یوں کہی
میناں و زبر مین دیکھو عدد	گلشن بے خارہ ہے دیوان ہی

کبھی تاریخ میں کئی طرح کے التزام کرتے ہیں مثلاً کوئی فقرہ یا مصرع یا عبارت وغیرہ مادہ تاریخ کی لکھیں اور اس میں یہ اشارہ کریں کہ سب حروف مہملہ کے اعداد سے تاریخ بجاوے یا سب منقوطہ حروف بنکوائنا مقتودہ میں شرطیں کہ اشارہ کر دیتے ہیں۔

مثال ایسی تاریخ کی جسکے سب حروف منقوطہ ہوں نتیجہ طبع محمد قمر حسین تخلص مشفق۔

ہوا مبلع وہ دیوان کہ اسکو تنقیر ہے	تو اسکا لفظی خاصہ بھی بیل کی طرح ہو
انہیں دیوان لکھا واسطی نے غیب نگین ہے	در گنج معانی شامرون کے واسطی کھوئے
شفیق تاریخ فصلا ہے فقط مجھے کو جب بجا	بڑی فکر سامین طلبہ معجون نے پرکھوئے

مثال ایسی تاریخ کی جسکے سب حروف منقوطہ ہوں مین انکے جمع کرنے سے تاریخ نکلتی ہے۔

نظام ساکن جاوہر

عقل و شور بن کے عروس پر ہی جمال	آراستہ بندہ عقل و شور ہے
---------------------------------	--------------------------

ہر فقرہ اسکا ہے ہمہ تن دانش و حسد	یہ امتحان جو ہر عقل و شعور سے
تاریخ ہجریہ ہے یہ منقوطہ اے نظام	عقل و شعور و فکر عقل و شعور ہے

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ ایک قطعہ میں مادہ تاریخ بھی ہوتا ہے اور بطور توشیح ہر مصرع قطعہ کے حروف جمع کر کے اُنکے عدد لیے جاوے تو بھی تاریخ پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مادہ تاریخ میں سنہ ہجری یا عیسوی نکلیں اور صنعت توشیح سے دوسرے سنہ اُسکے سوا پیدا ہوں مثلاً مصرع اول کے شروع کے حروف جمع کرنے سے سنہ ہجری نکلیں اور مصرع اول کے آخر کے حروف جمع کر کے سے سنہ عیسوی پیدا ہوں اور مصرع ثانی کے شروع کے حروف کے اعداد جمع کرنے سے سنہ فصلی اور مصرع ثانی کے آخر کے حروف کے اعداد ایک جا ہونے سے سمت ظاہر ہوں جیسے کہ منشی شیخ عنایت حسین بگرامی نے آغاز کتاب تاریخ حضرت سالار مسعود غازی سے پہلے غرانا مہ مسعودین دو قصیدے نواب کلب علی خان والی رام پور کی مدح میں لکھے ہیں اور ان میں صنعت توشیح سے تاریخ سنہ ہجری و عیسوی و فصلی و سمت میں نکالی ہے۔
 حاج بیش مخلص تھوڑے صنعت توشیح میں یہ تاریخ لکھی ہے۔

۵

تراخت یا در شمنشاہ ہند	فدا مل گستر شمنشاہ ہند
ستلای کو آیا ہے پیش نظر	یہ خورشید فادر شمنشاہ ہند
ترانام روشن ہو جون آفتاب	تو ہے ذرہ پرور شمنشاہ ہند

ہوے ہارڈ لٹین گورنر میان

تے فخر اکبر شمنشاہ ہند

تمام مصرعون کے حروف اول کے اعداد جمع کرنے سے سنہ عیسوی حاصل ہوتے ہیں جو نیکہ کوٹن و کٹوریہ کے خطاب شمنشاہ ہند اختیار کرنے کی تاریخ سے۔

باعتبار تصنیف تاریخ کی دو قسمیں ہیں (۱) تاریخ مصنفہ مورخ (۲) وہ تاریخ جو مورخ کی مصنفہ نہ ہو اور تاریخ کا سہرا مورخ کے سر پر قائم کرے پچھلی قسم وہ تاریخ ہے جو کسی استاد کے مشہور مصرع یا ضرب المثل یا حدیث رسول یا قرآن سے حاصل ہو اگرچہ اس قسم کی تاریخ میں

موسخ کو کلام پر کلیت کا حق حاصل نہیں لیکن اہل حل نے اس قسم کی تاریخ کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور عموماً عمل پر رہا ہے کہ جس مصرع کی شہرت عام اسکے نام سے ہوا اسکے متعلق ذکر کر دینا چاہیے کہ فلاں استاد کے کلام سے ہم نے تاریخ پیدا کی ضربا مثل یا حدیث یا آیہ قرآنی کی نسبت اس صراحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہشتاد و ان فن کا قول ہے کہ ایسے مادے میں بھی خفیف سا لفظی تصرف اصل کلام کے مقابلے میں باغراض تکمیل خود جائز ہے بشرطیکہ اس تغیر کے بعد بھی سامع کا خیال سننے ہی اصل کلام کی جانب رجوع ہو جائے جیسے حالی نے خود غالب کے مشہور مصرع سے انکی تاریخ وفات نکالی ہے۔

ناگاہ دی یہ غالب مرحوم نے صدا	سچ ہے کہ خواجہ راہ نمائی میں فرد تھا
تاریخ ہم نکال چکے ہر لمحہ بغیر فکر	حق منفرت کرے عجیب زاد مرد تھا

باعتبار طرز بیان کے تاریخ کی تین قسمیں ہیں (۱) بیان واقعی (۲) بیان بذر ایہ کنایہ و استعارہ (۳) دعائیہ۔

قسم اول وہ تاریخ ہے جس میں کسی تقریب یا واقعہ کا بیان بغیر کسی مبالغہ یا بھرتی کے صاف الفاظ میں کیا جائے اگرچہ بعض تاریخوں میں کنایہ یا استعارہ کی وجہ سے لطف سخن دو بانہ ہو جائے لیکن اس کا درجہ بیان واقعی سے کبھی طرہ نہیں سکتا۔

بیان واقعی میں الفاظ زائد سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے۔ رئیسوں کی تقاریب غسل صحت میں بیان واقعی سے کام لینا ترک ادب ہے ایسے موقع پر مادہ تاریخ میں بصراحت نام صرف دعا دینی چاہیے جس میں ترقی عمر و اقبال یا رتوبلا کا مضمون ہو یا غسل صحت پر مبارکباد۔

اور تاریخ میں بامحاورہ الفاظ کا لحاظ رکھا جاوے اس لیے کہ خوبی زبان کا درجہ سب پر مقدم ہے عمدہ مضامین نقصان زبان کی وجہ سے خاک میں مل جاتے ہیں۔

سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ مادہ تاریخ بدون تدخل و تخریج ہو تاکہ مصرع تاریخی کسی دوسرے کا محتاج نہ رہے اور مادہ تاریخ میں جسے الوسع بھرتی کے الفاظ نہ آنے پائیں مادے کی تکمیل کے لیے مربوط الفاظ سے کام لینا چاہیے جو منشا سے تاریخ کے خلاف نہ ہوں اور مضمون سے مناسبت رکھتے ہوں مثلاً موت کی تاریخ میں افسوس یا آہ یا ہیبت۔

کبھی تاریخ کے مرتب حروف متحرک کے عدد شمار کیے جاتے ہیں اور ساکن حروف چھوڑ دیتے ہیں جیسا کہ فقیر شاہ درمزا جلال نے ایک تہذیب کی تاریخ لکھی ہے۔

میرے استاد نے حقیقت میں فکر تاریخ اسے تیسرے جو کی تحرک حروف کو جویا	یہ رسالہ لکھا عجیب و غریب مادہ لکھا عجیب و غریب ہوئی تاریخ کیا عجیب و غریب
---	--

مورخ نے اس مادہ تاریخ سے حروف ک ع ج ح غ کو محسوب کیا ہے۔
کبھی صرف حروف ساکنہ سے تاریخ حاصل کرتے ہیں ایک مورخ دکن نے اس
صنعت میں کیا خوب تاریخ لکھی ہے۔

جہان سے چلا بندہ نیک ذات ملی حرف ساکن سے تاریخ فوت	کرم اس پر کراے غفور الرحیم خدا بخش کو بخشہ ہے اے کریم
---	--

اس مادہ تاریخ میں جو سنہ عیسوی میں لکھا گیا ہے صرف حروف ساکنہ یعنی اس خ ش
د خ ش ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ م ۔ کے ۔ عدد محسوب ہوئے ہیں جو مساوی ہیں سنہ
کبھی صرف مفرد حروف سے تاریخ حاصل کرتے ہیں اور کبھی ۔ صرف حروف مرکبہ سے
اول کو اہل جمل صنعت منفصل اور دوم کو متصل بولتے ہیں۔
کبھی ایسا کرتے ہیں کہ جب مادے کے حروف کو الٹ دین تو صوری سنہ ظاہر ہو
جب حیدر آباد دکن میں نواب شہراب معول ہوئے تو کسی استاد نے اس واقعہ کی
تاریخ لکھی ہے کیا چرخ نے نوابی شہراب کو الٹا پا اگر نوابی شہراب کے حروف کو الٹ دین
تو بارہ سو باون کے الفاظ حاصل ہوتے ہیں اور یہ نہایت دقیق اور لطیف صنعت ہے
لیکن اسکو فن جمل سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

کسی شخص کے نام کو کسی فقرہ یا مصرع میں اس طرح لاتے ہیں کہ اس فقرے یا مصرع
کے معنوں کے لحاظ سے قلم کے طور پر مستعمل نہیں ہوتا جیسا کہ کسی شخص کے میرا لہی بخش کی حلیت
کی تاریخ اس مصرع سے حاصل کی ہے۔ ۔ الہی بخشہ ہے اپنے کرم سے ۔ اس تاریخی مصرع
میں الہی بخش کا نام علم کی حیثیت سے نہیں مستعمل ہوا ہے بلکہ اجڑا پنے خاص معنوں میں مستعمل
ہیں اسی صنعت کی ایک تاریخ محمد کا نے نام ایک شخص کی شہادت کے متعلق ہنگوڑ میں لکھی گئی
تھی ۔ بستان بہشت میں جاہو بخا وہ نام محمد کا کے کر۔

کبھی ایک قطعہ یا قصیدہ یا عبارت وغیرہ کے ہر کلمہ یا ہر مصرع یا جملہ سے ایک ہی سنہ
یا مختلف سنوں کے مادے پیدا کرتے ہیں جیسے بے حد سیرت سے حوالہ قلم کیا جاتا ہے۔

کہ تاریخ پسند یا یہ اودوہ اس غریب نے ایک قسط گیارہ شعر کا کھا ہے جس کے ہر مصرعے سے ایک تاریخ نکلتی ہے جس سے ۲۸۲ عدد برآمد ہوتے ہیں وہ یہ ہے۔

بجراگ شراب صاف بلا آج جام میں	ساقی ہے انجمن کی زبان پر ترانہ آج
بدیون کا جھگٹ اور حسینوں کا جلسہ ہے	کیا ایک رنگ پر ہی یہ جشن شہانہ آج
فانوس جھاڑا اپنے تھوڑے ریسپ بھی	چمکا ہے بزم جشن سے دیوان خانہ آج

قدر بلگرامی

کیا مقدم نواب کی بس شہرت ہے	حقاً نازل یہ آئی رحمت ہے
ذیجہ میں ہے نزول اول اسے قدر	جب توجج اکبر میں نہیں حجت ہے

تاریخ ختم کے سنگ کا بج - ایضاً

سلامت یا خدا حکام منصور اور یہ کالج	ہیں جینک نجم دمرہ افلاک پر ہر آن سمنین
کامل نظم دکھی ہو قدر بلگرامی نے	ہیں سال بسوی مقصود ہر ایک مصرع تین

میر غلی اوسط رشک

چھپ چکے دیوان دونوں جب استاد	ہیں کا اک اک شعر ابل طبع کو مرغوب ہے
مصرع واحد میں نے تہری تاریخیں کہیں	کیا بجا تاریخ ہے - ہر اک غزل مرغوب ہے

کبھی صرف احاد یا صرف عشرات یا صرف مات یا صرف الوف سے تاریخ حاصل کرتے ہیں جیسے۔

بجراگ جشن سالگرہ ہے حضور کا	۵۰ کل جس طرح تھی دھوم زمانے میں سال
شستہ ہیں سیکڑوں کی زبان سے یہی دعا	قائم ہمارے سر پر رہو تم ہزار سال

مورخ نے سیکڑے سے مات کا اشارہ تو کر دیا ہے لیکن تاریخی اشارہ صراحت کے ساتھ نہیں ہے۔

کبھی مندرجہ ذیل حروف مہملہ کو جو مادہ تاریخ میں واقع ہوں نقطہ دار فرض کر کے ان کے عدد محسوب کر لے ہیں یعنی ح کو خ فرض کیا جائے اور د کو ذ اور ز کو ز اور س کو ش اور ص کو ض اور ط کو ظ اور ع کو غ جس مصرع یا فقرے یا لفظ کو مادہ قرار دیا جاتا ہے اُس کے مجموعی حروف سے صرف حروف مندرجہ بالا حساب میں شمار کیے جاتے ہیں اور باقی حروف حساب میں داخل نہیں ہوتے بعض نے کہا ہے کہ باقی حروف بحال خود رو کر داخل حساب

ہوتے ہیں جیسے اس تاریخ میں جو کسی دکنی کی طبع زیادہ ہے۔

دشمنوں نے آپ کو چوکس کیا ان حرفوں کے تھیں بے بس کیا دیکھے مجل بیرنگ سے واپس کیا گھر گیا ملوں میں اور بس بس کیا ایک کو نقطہ لگا کر دستیں کیا	لو کری کھو کر بنے محتاط آپ کر دکھایا ایک تنگے کو پسار جو ہوا قاصد قری اسناد کا پھنس گیا آفت میں بے چارہ غیب صنعت تنقید میں ہے اس کا سال
---	---

مصرع تاریخی میں صرف ط کے عوض ظ محسوب ہوتی ہے اور ر کے عوض ز اور د کے عوض
ذ اور س کے عوض ش حروف معینہ سے صرف اسی قدر حروف اس مصرع میں قابل تنقید تھے
کبھی۔ حروف نقطہ دار سے نقطے کو سلب کر لیتے ہیں مثلاً مادۃ تاریخ میں ج یا خ واقع ہو
تو اس کا نقطہ سلب کر کے دونوں کے لیے ج کے عند محسوب ہونگے اسی طرح د کو ذ فرض کر لے
ہیں اور ز کو ر اور ش کو س اور ض کو ط اور ع کو غ۔

کبھی ایسا کرتے ہیں کہ حروف تاریخی کے اعداد جدا جدا ایک سطریں ترتیب کے ساتھ
لکھتے ہیں اور بغیر میزان دینے کے سنہ مطلوب حاصل ہو جاتا ہے جیسا کہ نواب عبدالباری
خان مدرسہ اسی نے نواب محبوب علی خان دالی حیدر آباد دکن کی سالگرہ چل سالہ کی
تاریخ لفظ جلی سے پیدا کی ہے جو زبان انگریزی کا کلمہ ہے کہ چار دن حروف لفظ جلی
کے اعداد سے تاریخ حاصل ہو اس طرح کہ عشرات کا صفر دور کر دیا ہو۔

ج پ ل ی۔ صفر دور ہونے کے بعد ۳۳ آ رہتے ہیں اس سے بھی ۵ مان
مثال اس مقام کی یہ ہے۔

شہ نے کیا جو قلعہ مفتوح دشمنوں سے ہانت سے جبکہ میں نے تاریخ اسکی کو بھی	آج باب کے دلون کو یک تخت ہوئی تسکین بتلانے کی غرض سے چار انگلیان اٹھا دیں
چہار انگلیوں کو جو حرف ثالث سے مشابہ ہیں اٹھا دیے سے ۱۱ کی شکل معلوم ہوتی ہے اور یہی سنہ مطلوب ہیں۔	

مثال دیگر

شہ نے کیا حصار مفتوح ہانت سے جو کچھ میں نے تاریخ	حاصل ہوئی سب دلون کو تسکین دو انگلیان چار میں سے خم کین
---	--

چار انگلیوں میں سے دو کو کٹا رکھیں اور دو کو خم کر دیں تو ہر کھڑی انگلی کی شکل ایک کے
 عدد کی سی ہوگی اور خم شدہ کی آٹھ کے عدد کی سی اسی طرح دو کے کھڑے اور دو کے
 خم ہوئے سے ستر کی شکل پیدا ہوتی ہے۔

کبھی بطریق جمع و تفریق ضرب تاریخ نکلتی ہے چنانچہ حافظ محمد ممتاز علی خان حافظ غلصہ
 نے یہ مناسب داغ کی تاریخ بطریق جمع کی ہے۔

میں نے جب چار انگلیوں کو جمع	سال طبع اس گلشن اشعار کا
دارد ناظر ہوئے الفاظ ذیل:	خوش بنیانی حسن معنی جو چلا
	سنہ ہجری ۱۲۳۳

بطریق تفریق

والہ

چھ یا دیوان ثالث داغ کا ہی التاجق سے	حسد کا داغ دل سے شاعران ہند کے دعوے
سنہ فصلی اگر کار ہی تفریق کی رو سے	سیاہی داغ سے - لاف عدد - اشعار سے کہو
	(۱۰۵) (۱۹۱) (۵۶۲)

بطریق ضرب

سنہ فصلی

الم

شاہ فیروز بن استاد شاہ	داغ عالی قدر صاحب اختیار
نسل دیوان ہے انا ۵ زیر طبع	انتخاب وہی مثال و پرہیز
نویختہ من فکر میں تاریخ کی	یہ ندا ہاتھ کی آئی ایک بار
سال فصلی دین بھی نکلے لے الم	تین چکر گر نکالے روزگار

میں کو روزگار کے اعداد میں کہ ۳۴۴ میں ضرب دینے سے ۱۲۰۲ حاصل
 ہونے میں اور یہی مطلوبہ سنہ فصلی ہے۔

نصیر احمد خان شوق کی یہ تاریخ بھی اسی قبیل سے شمار ہونے کے قابل ہے۔

جب یہ دیوان جہان معنی ہے	اس کی تاریخ ہو وہ خشتق من
نکلے ہر چیز سے زمانے کی	شوق سے سن شے یہ شاہین سخن
پلے اُس چیز کے عدد لکھ لے	جس سے ہو شکل مد ہار و دشمن
پھر اسے ضرب کر تو بارہ سے	اور تاریخ اُس میں جوڑاے پرفن
ملازان اُس کو چھوہ کر تقسیم	اور باقی کو اسے وحید زمان

دو سے باسٹھ میں ضرب دیکھ شک حاصل ضرب ہوگا ہجری سن
تصریح مثلاً لفظ آب سے اگر تاریخ نکالتی منظور ہے تو اس کے تین عدد ہیں تین کو بارہ ضرب
ضرب دیا تو ۳۶ ہوئے اس پر پانچ بڑھائے اکتالیس ہوئے اکتالیس کو چھ تقسیم کیا پانچ بقیہ
پانچ کو دو سو باسٹھ میں ضرب دیا تو حاصل ضرب سترہ ہجری ہوئے یہی سال مطلوب ہے۔
کبھی مادہ تاریخ کے اعداد کو دو چند کرنے سے سنہ مطلوب حاصل ہوتا ہے۔ جیسے۔

ضیاء کے حیدر آبادی

سہارک ہوڈلین کو روٹھائی پا
ضیاء نے عرض کی جلوے کی تاریخ
حبیب اللہ سرت ستابن نمود
مضاعف ہو گیا نوراً علی نوراً
نور علی نور کے اعداد ۶۲۲ میں جنکو مضاعف کرنے سے ۱۲۴۴ حاصل ہوئے ہیں
اور یہی سنہ مطلوب ہے۔

رفعت حیدر آبادی

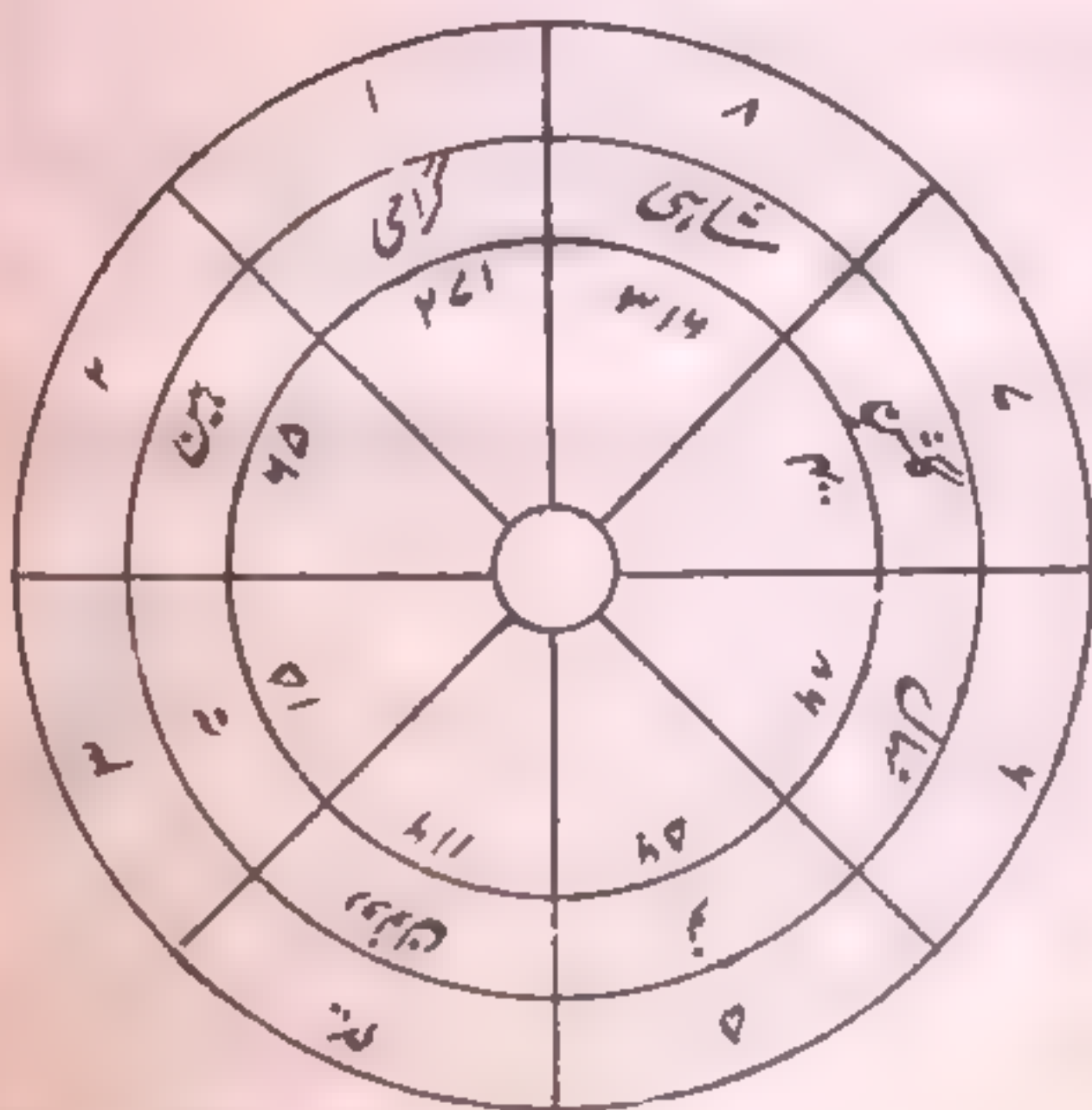
سرکار کو ملی ہو وکالت حضور کی پا
جب نذری تو شاہ نے تلوار کی عطا
دربار شہ میں آپ کا رتبہ ہوا بلند
ہاتھ نے دی ندا کہ مراتب ہو دو حیدر
لفظ مراتب کے عدد ۶۴۳ کو دو چند کرنے سے سنہ مطلوب ۱۲۸۶ حاصل ہوتا ہے۔
کبھی مادہ تاریخ کی تنصیف سے سنہ مطلوب حاصل ہوتا ہے جیسے۔
جب کمان آتری تو سرداری رنوی بکری ہوئی
کی چونکر جان گزرتا تاریخ کا بیوگل بجایا
عور بعد الکور کے معنی ہوئے سب پر بیان
گھٹ کے آدھے رہ گئے بخشی کا لفظ
بخشی ذکار اللہ خان کے اعداد ۲۳۵۰ میں جن کی تنصیف سے سنہ ہجری حاصل
ہوتا ہے اور یہی سنہ مطلوب ہے۔

کبھی ایک مادے سے ایک سے زیادہ تاریخیں پیدا کرتے ہیں بلکہ التعداد کی نے اُروم
ایک قصیدہ لکھا ہے جس کے ہر مصرع سے سترہ ہجری نکلتے ہیں اور ہر شعر کے حروف منقوطہ
سے بھی یہی سنہ برآمد ہوتے ہیں اسی طرح ہر شعر کے غیر منقوطہ حروف سے بھی اور ہر حرف کے
منقوطہ سے دوسرے مصرع کے غیر منقوطہ کے ساتھ بھی یہی تاریخ پیدا ہے۔

کبھی دائرے سے تاریخ حاصل کرتے ہیں اور اس سے بہت سی تاریخیں نکالتی ہیں ہر ایک
خانے میں ایک لفظ اور ہر لفظ کے ذیلی خانے میں اس کا عدد لکھا جاتا ہے۔ مثال اسکی مادہ تاریخ

یہ مصرع ہے۔

از غرائب الجمل
لونهال گلشن شاہی گرامی ہین سیدونون
یہ مصرع اس دائرہ میں تقسیم پاتا ہے۔
دائرہ مشمنہ



اس دائرے سے قاعدہ مقررہ سے بے شمار تاریخیں حاصل ہوتی ہیں جن کے حاصل کرنے کا قاعدہ یہ ہے کہ ان خانوں میں سے کسی ایک خانے کو مبدع قرار دیا جائے یعنی شمار اس خانہ مبدع سے شروع کیا جائے اور ایک ایسا عدد دل میں فرض کیا جائے جو ۱۱۶ اور چودہ کے اھماک (پہاڑوں) اور تیر پندرہ کے سوا ہو بعد ازاں عدد مفروض کو دیکھا جائے اگر وہ طاق ہے تو شمار کا آغاز خانہ مابعد مبدع سے ہوگا پس جس خانے پر عدد مفروضہ کا شمار ختم ہو اس خانے کا عدد ایک کاغذ پر لکھ لو پس اس کے مابعد کے خانے سے شمار کا سلسلہ جاری کر جس خانے پر شمار ختم ہو

اُس کا عدد اسی کاغذ پر لکھتے جاؤ پھر اسکے بعد کے خالے سے شمار کا سلسلہ جاری رکھو یہ دور شمار اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ شمار کی انتہا خانہ ماقبل مبداء پر نہ پہنچے اس کے بعد اُن اعداد کو جو آپ الگ کاغذ پر لکھتے رہیں جمع کرو تو سال مطلوب حاصل ہوگا۔

اگر عدد مفروضہ جفت ہے تو شمار کا آغاز ہمیشہ اسی خالے سے ہوگا جس خالے کو مبداء قرار دیا ہے اور یہ دور شمار اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک شمار کا اختتام خانہ مبداء پر نہ ہو۔

فائدہ مبداء پر ہو۔
 بہر صورت یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جو عدد فرض کیا جائے گا اُسی کے مطابق خالوں کا
 شمار ہوگا اگر پانچ کا عدد فرض کیا ہے تو پانچویں خانے کے اعداد لیتے جائیں گے اور چھ کا عدد
 فرض کیا ہے تو چھٹے خانے کے عدد لیں، جائیں گے مثلاً ہم نے ایک فرضی عدد (۵)
 قرار دیا اور نقشہ بالا سے خانہ (۳) کو مبداء تجویز کیا اور بدین وجہ کہ عدد مفروضہ طاق ہے
 شمار کا آغاز خانہ مابعد مبداء یعنی خانہ (۴) سے کیا تو پانچ کا شمار خانہ (۸) پر ختم ہوا یعنی
 چوتھے خانے سے آٹھواں خانہ پانچویں نمبر پر ہے اور اسکے عدد (۳۱۶) محفوظ کیے گئے
 پھر اسکے مابعد کے خانہ سے آغاز شمار ہوا اور شمار کا اختتام خانہ (۵) پر قرار پایا کیونکہ
 آٹھ کے بعد پہلے نمبر سے پانچ تک پانچواں نمبر ہے جس کے اعداد (۵۶) محفوظ کیے گئے
 پھر اسکے بعد کے خانے سے آغاز شمار ہوا اور شمار کا اختتام خانہ (۲) پر ہوا کیونکہ یہ پانچ کے
 بعد چھٹے خانے سے پانچویں نمبر پر ہے جس کے اعداد (۶۵) محفوظ کیے گئے۔ نیز کہ اسی طرح خانہ مند
 کے بعد سے چار چار خانے چھوڑ کر پانچویں خانے کے اعداد لیے جاتے ہیں چنانچہ دو کے مابعد سے شمار کا
 آغاز ہوا اور اختتام خانہ (۷) پر ہوا جس کے اعداد (۴۲) محفوظ کیے گئے۔ پھر اسکے مابعد سے
 شمار کا آغاز ہوا اور اختتام خانہ (۴) پر ہوا جس کے اعداد (۱۱۶) محفوظ کیے گئے پھر اسکے مابعد
 سے شمار کا آغاز ہوا اور اختتام خانہ (۱) پر ہوا جس کے اعداد (۲۷) محفوظ کیے گئے پھر اسکے مابعد سے شمار کا آغاز ہوا
 اور اختتام خانہ (۶) پر ہوا جس کے اعداد (۵۶) محفوظ کیے گئے پھر اسکے مابعد سے شمار کا آغاز ہوا اور اختتام خانہ (۳) پر ہوا
 مابعد مبداء ہوا اور اسکے اعداد (۱۵) محفوظ کیے گئے اب شمار کی ضرورت نہیں ہر اس لیے کہ مبداء اختتام ہوا پس چنانچہ اعداد
 محفوظ کیے گئے تو ۳۱۶ + ۵۶ + ۶۵ + ۱۱۶ + ۲۷ + ۸۶ + ۱۵ مساوی ہیں ۳۲۵ کے اور یہی مطلوب ہے۔

اب ہم نے دوسرا عدد فرض کیا جو (۶) ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عدد جفت ہے اور مہد خانہ
(۵) کو قرار دیا اور حسب قاعدہ متذکرہ ہالا اسی خانے سے شمار کا آغاز کیا تو فتح کا شمار خانہ۔

(۲) پر ختم ہوا جس کے اعداد (۶۵) کو ہم نے محفوظ کیا کیونکہ اب چھٹا خانہ لیا جاتا ہے اور بیچ میں بائیں خانے چھوڑ دیے جاتے ہیں اور پھر اسی خانے سے شمار کا آغاز کیا تو خانہ (۷) پر ختم ہوا جس کے اعداد (۱۱۶) محفوظ کیے گئے کیونکہ دوسرے نمبر سے ساتویں خانے کا نمبر چھٹا ہے۔ اور پھر اسی خانے سے شمار کا آغاز کیا تو خانہ (۴) پر ختم ہوا جس کے اعداد (۱۱۶) محفوظ کیے گئے اور پھر اسی خانے سے شمار کا آغاز کیا تو خانہ (۱) پر ختم ہوا جس کے اعداد (۲۷۱) محفوظ کیے گئے اور پھر اسی خانے سے شمار کا آغاز کیا تو خانہ (۶) پر ختم ہوا جس کے اعداد (۸۶) محفوظ کیے گئے اور پھر اسی خانے سے شمار کا آغاز کیا تو خانہ (۳) پر ختم ہوا جس کے اعداد (۱۵) محفوظ کیے گئے اور پھر اسی خانے سے شمار کا آغاز کیا تو خانہ (۶) پر ختم ہوا اور اس کے اعداد (۳۱۶) محفوظ کیے گئے اور پھر اسی خانے سے شمار کا آغاز ہوا تو خانہ (۵) پر ختم ہوا جس کے اعداد (۵۶) ہیں جو محفوظ کیے گئے۔ چونکہ شمار خانہ بدرجہ ختم ہوا لہذا اب شمار زائد کی ضرورت نہیں ہیں ہم نے اعداد محفوظ کو جمع کیا تو $۶۵ + ۱۱۶ + ۲۷۱ + ۸۶ + ۱۵ + ۳۱۶ + ۵۶$ مساوی ہیں ۱۲۲۵ کے اور یہی سند مطلوب ہے۔

تنبیہ

مورخ مجاز ہے کہ چاہے کسی طرح تاریخ کے لیکن اسکی تصریح کر دینی ضرور ہے اور یہ سب صورتیں خالی از تکلف نہیں جس قدر تاریخ صاف الفاظ میں آدائی ہی خوش آئندہ و مرغوب و مطبوع ہوگی اور اظہار زور طبیعت کے واسطے ممکن ہے کہ کوئی ایک قاعدہ فرضی مقرر کر کے اس میں تاریخ کے جیسے میرزا در علی رعد تخلص مؤلف گنجینہ تاریخ نے اپنی کتاب کی تاریخ نکالی ہے اور وہ یہ ہے۔

صد شکر کہ یہ کتاب نادر	مطبوع ہوئی بزیب و زینت
مطلوب ہوا جو سال اس کے	شوخی اسے رعد طرفہ صنعت
جنے الفاظ ہیں جہان میں	پیدا ہو ہر اک سے سال ہجرت
جو دیکھے گا یہی کے گا	تاریخ نہیں یہ ہے کرامت
ایسی تاریخ ہم کو کفنی ہے	آسان ہے ریاضی کی بدلت
جو چاہو فرض کر لو الفاظ	قلبت سے ہوا یا کہ ہون بکثرت
جن طرح سے چاہو ان کے اعداد	محسوب کر دہموی دقت

بچہ نکلے بڑھا دسیدھی جانہ	جتنے تم چاہتے ہو حضرت
چار اس پہ زیادہ کر کے فوراً	مجموعہ یہ پانچ پر ہو قسمت
باقی پہ بڑھا نصف اس کا	جو بچہ نکل جائے بعد قسمت
حاصل جو ہو اس عمل سے آخر	محسوب ہو اسکی چوتھی قوت
اور اس پر بڑھائے جو سترہ	پیدا ہو جائے سال ہجرت

تصریح فرض کرو لامساوی یہ ۲۷ کے اگرچہ صحیح عدد اس کے اس سے بہت کم
ہیں پھر اس دوسو چوبیس پر ایک نقطہ بڑھایا تو ۲۷۴ ہوئے اس پر چار زیادہ کیے تو ۲۷۸
ہوئے اسکو پانچ پر تقسیم کیا باقی رہت ۲۴ اس پر چار کا نصف زیادہ کیا تو ۲۶ ہوئے اب
۲۶ یعنی چپڑکی چوتھائی قوت مساوی ہے ۶۶۶۶ کے اور یہ مساوی ہے
۱۲۹۶ کے اس پر آکا اضافہ کیا تو مسئلہ ہجری حاصل ہوئے۔
مرزا قربان علی بیگ سالک نے ایک تاریخ نوی وضع کی گئی ہے جس کی تصریح
کر دی ہے۔

ہے غضب رحلت شادمانہ	توئے اسے چرخ کی یہ کیا بیداد
خانہ دوستان میں غم خانہ	دشمنوں کا گھر نشاط آباد
مجھ کو سال وفات کی تھی فکر	انف غیب سے کیا ارشاد
جان لے جبکہ نکلی جان عزیز	ہلی جے شہر ملے جست نہاد
خاک میں خاک درآگ میں آگ	پانی میں پانی اور باد میں باد
گر گئے کوئی کہا پوری کیا رنج	تو یہ کہہ اس سے لے سخن نقاد
یہ عناصر کیے جو میں نے بیان	ایک کے ایک پر بڑھا اعداد
جتنے جان عزیز کے ہیں عدد	کھویسہ اور سال مرگ کرا بباد

دوسرا باب غرضت مع شوی کے ذکر میں

صنعت طباغ اسکو صنعت نعت اور صناعت نقاد اور کافو بھی کہتے ہیں یعنی
یہ الفاظ استعمال میں لائیں جن کے معنی آہیں ہیں ایک دوسرے کے فی الجملہ ضد اور مقابل
ہوں اور فی الجملہ کافو کے معنی آہیں ہیں گائی کے کون سے کہ بیان متضاد سے مراد ایسی دوا

جنیون میں جو ایک محل میں وارد ہو سکتی ہیں اور ان میں انتہا درجے کا خلاف ہوتا ہے جیسے سیاہی و سفیدی بلکہ صنعت طباق میں تضاد سے مراد معنی عام میں اور وہ یہ کہ دونوں میں متافی و تقابل ہو اگرچہ بعض صورتوں میں ہو اور وہ تقابل عام ہو اس سے کہ حقیقی ہو جیسے قدم و حدود میں یا اعتباری ہو جیسے جلائے اور مارنے میں اور نیز عام ہو اس سے کہ تقابل تضاد ہو جیسے حرکت و سکون میں یا تقابل ایجاب و سلب ہو جیسے ہونے اور نہ ہونے میں یا عدم و ملکہ کا تقابل ہو جیسے بینائی اور نابینائی میں یا تقابل تضال ہو جیسے باپ ہونے اور بیٹا ہونے میں یا کسی اور قسم کا تقابل ہو جیسے گرمی و سردی وغیرہ۔

اور یہ دو قسم ہے ایک کیجائی دوسرے سلبی طباق کیجائی وہ ہے کہ الفاظ متضاد کے ساتھ حرف نفی نہ ہو جیسے آیا اور گیا کہ ان میں طباق کے واسطے نفی و اثبات کی حاجت نہیں بلکہ اختلاف خود طباق کے باب میں کافی ہے اور لفظ متضاد خواہ دو حرف ہوں یا دو فعل یا دو اسم یا ایک اسم اور ایک فعل مثال دھڑون کی سے اور تک کہ سے (تہہ کے لیے ہے اور تک انتہا کے لیے اور ابتدا و انتہا میں تضاد ہے۔

سودا

یہ غزل سودا کی ہے تو نے اس انداز سے

ناسخ

کچھ نرمی بات کو ثبات نہیں

ایک بان پر تو یا منج سات نہیں

بان اقرار کے لیے ہو اور نہیں انکار کے لیے اور اقرار و انکار میں تضاد ہے۔

مثال دو فعلوں کی گیا آیا اور مارا جلایا۔

انتش

دل دیکے بوسہ لب علیین کیا خیر

بازار عشق میں سے یہ اگر لیا دیا

ولم

دن رات کھیلتے ہیں باہم تمار گفت

پوشاک ہر طرح کی حاضر و کشتیوں میں

دو ہمے جیتے ہیں ہم ان کے ہارنے میں

اسکو پہنتے ہیں وہ اسکو اتارتے ہیں

خضر

نئے گل کو بان ثبات نہ شبنم کو ہر قرار

کیا دئے اس میں کوئی اور کیا

مہربان خان رند

بہ کب تک چشم تر جائے گی | یہ عری چڑھی ہے اُتر جائے گی

عزت

ضعف سے ہر گن جن جسکے ہوتا رستہ | کیونکہ بستر پہ وہ بیمار اُٹھے اور بیٹھے

نکھر حفظ

محبت آہ کیا کیا رنگ عاشق کو دکھائی دی | اگر اک دم ہنسائی ہو تو بھیرونِ دلائی دی

حالی

شریعت کے جوہنے پیمان توڑے | وہ یجا کے سب اہل مغربے جوڑے

ذوق

اگر اُٹھے تو آزدہ جو بیٹھے تو خفا بیٹھے | لگا بارگ جی کو اپنے جسکے دل لگا بیٹھے

رند

سانس دیکھی تن سبل میں جو آنے جاتے | اور چرکا دیا جلا دئے جاتے جاتے

وجد

غیر ہم بزم مقام ہم بھر گئے شکوہ کیا ہی | ہم سے بیٹھا نہ گیا تم سے اُٹھا یا نہ گیا

بقا

تو نے اس طرح کا اے چرخ گرایا بھلکوا | کہ موے پر بھی کسی نے نہ اُٹھایا بھلکوا

جرات

گاہ مریا ہوں گاہ جیتا ہوں پا | آنا جانا ترا قیامت ہے

بہلا مصرع مقصود بالتمثیل ہے۔

ولم

جبکہ روتا ہوں اُسکے ہیر میں بے اختیار | دیکھ کر ہنستا ہی یارو اپنا بیگانہ مجھے

دو اہموں کی مثال سبک اور بار اور اپنا اور بیگانہ اور آنا اور جانا۔

فدا حسین

تیری جو نگاہ میں سبک ہیں
ہر ایک کے جی پہ بار ہیں ہم

ناسخ

ابتداء و ابتدا موج ازل ہے اور ابتدا کیا بتاؤں میں نشان ساحل دریا دل

تسلیم

تھا یہ سنجوگ ناؤ تالے کا بیٹھنا اٹھنا کیا ہے چھالے کا

اشیاد

کرتے ہو کیوں سبک تم دیکھ لٹھا کیا کیا میرے بیٹھے کا خاطر پہ بار گدرا

عاشق

سو دینے دردندان نہ لڑاؤ گے اگر تمہ پر سجا کہنے لوگ زنجیر ٹاڈل میں

انشا

آنے جاتے ہیں کبھی تو دھیان بھیر کبھی بندہ پرورِ رقت کا احسان بھیر کبھی

ولہ

بعدم کہ کئے طوخی سے سو بہتر ہے آخر تو یہ لگ رہا ہے مرنا جیتا

ولہ

شادی و غمی و صل و ہجرتے انشا کیا کیا دیکھنے اور کیا کیا دیکھے

سودا

انکا غرض قراض دیکھو تو سقواں ہے بات جو معروف ہو انپوہ بھول ہے

شک

انہر یاسین تمہے گمیدین تین پائے تہہ و تہا نرم پائے سارے اعضا سخت یا میں جھلپتیں

خبر

سہین خاطر میں نا تا عشق سرکش کہ میں کیا خاک باد و آب و آتش

اسبع عنانہ شفا دہن -

میر کا فایت علی تنہا

برگھڑی بھگو ترقی و تنزل پر شیب درد سر کم ہو تو درد جگر افزون ہو جائے

تسلیم

دائیں دیکھا نظر نہ آئی ابائیں دیکھا کہیں نہ پائی

حشمت علیخان حشمت

ستم شعار جفا جو یہ کیا غضب ہو کہ تو
بغیر مجھے ہو بیٹھے قریب غیور کی

مومن

جب تلک باعث نشاط و طلال
ہے وصال و منہ راق جانانی

اد لئے سے جو سر جھکائے اعلیٰ وہ ہے
جو خلق سے بہرہ ور ہو دریا وہ ہے
کیا خوب دلیل ہو یہ خوبی کی قسم
بکچھ جو برا آپ کو اچھا وہ ہے

سعد اللہ شاہ تخلص بہ شاہ

کچھی ہو اس قدر آنکھوں میں خول صورت یار
کہ رہ گیا نظر آنے سے خوب ترشت مجھے

مثال ایک اسم اور ایک فعل کی۔

عبدالحمید بسمل ہوشیار پوری

گھٹنے سے بڑھ گیا ہو اور اقتدار تیرا
مقصود زوال سے ٹھار نہ تر بڑھانا

گھٹنا اسم ہے اس وجہ سے کہ مصدر ہو اور بڑھ گیا ہو فعل غنی قریب ہے اور دونوں کے
معنی میں تقابل ہے۔

نظام رامپوری

میں اسی آرزو میں مرتا ہوں
انھیں دعوے ہو پھر جلانے کا
مجھے کیا بیٹھے روتے ہیں احباب
کرین سامان اسٹھانے کا

مرتہا ہوں فعل ہو اور جلانا اسم اسی طرح بیٹھے فعل ہو اور اٹھانا اسم۔

ولہ

شب وصل ہوتا سب کوئی ایسا
کہ اگر بیان اس کا جانا نہ ہوتا

ماہر گفتوری

اخذ اب بڑھتے نہیں اپنے گریبان کی طرف
ابنتی ہو شاق خدا تاکہ جب رونا ہمیں

میر

جینا کیا ہے جہان فانی کا
میتے جاتے ہیں کچھ مرے کچھ تو
طباق سب سے وہ ہو کہ دو نقطہ ایک مصدر سے مشتق ہوں ایک نسبت ہو و سرانہ فی چونکہ

ایک مصدر کے دو فعلوں میں طباق بجز نفی اور سلب کے ممکن نہیں اس لیے اسکو طباق سلبی کہتے ہیں اور پہلی قسم میں نفی و سلب کو طباق میں کچھ دخل نہیں ہوتا اس لیے اُسکے مقابل میں اسکو طباق اجمالی کہتے ہیں اور طباق سلبی کے قبیل سے ہے اور دوسری کا ایک جاہ جمع کرنا۔ مثبت و منفی کے ساتھ طباق سلبی کی مثال۔

امداد

اُتلف میں کرتا ہر اغیار جو اُسکے شانہ پھر کہو دل یہ پریشان رہے یا نہ رہے
رہے اور نہ رہے اگرچہ ایک ہی مصدر سے مشتق ہیں مگر ایک مثبت ہے اور دوسرا منفی۔

مومن

بات اپنی دہان نہ جنے دی اپنے نقتے جمائے لوگوں سے
نہ جنے دی اور جمائے ایک ہی مصدر سے مشتق ہیں مگر ایک کے معنی میں اثبات ہے اور دوسرے کے نفی

سہراب

اہم آئے بنگ زلیست سے پر اسے خانہ سہراب تو نہ آیا
آئے اور نہ آیا میں بسبب اثبات و نفی کے تضاد ہے۔

حسرت

تھکے رخصت ہو چلا جو ہے نہ جیو دیکھے یار اب حسرت کا ملتا پھر خدا کے ہاتھ سے

سقیمتہ

کوئی بیجان جہان میں نہیں جینا لیکن تیرے رنجور کو جینے ہوے بھان دیکھا

ذوق

سہم کو ہم کرم سمجھے جفا کو ہم وفا سمجھے جو اسیر بھی نہ وہ سمجھے ترا سبت سے خدا سمجھے

میر

ہوتا جہان کا اپنی آنکھوں میں ہر نہونا آتا نہیں نظر کچھ جادے نظر جہاں تک

ولہ

سیر کرمان جو تکر کہے لگ کے گاتے سو جاؤ بو کو نہ کو تو پھونڈ پیٹھو کھڑے کھڑے ٹک ہو جاؤ

صادق راسپوری

یوں تو تمہیں سب پیش زبانی طے یوں نہ چاہتے والا کوئی مجھ سا نہ ملے گا

مثنوی یوسف زلیخا

مری نعمت اسے یاوے نہ یاوے | مرے ہاتھوں میں یہ آوے نہ آوے

غالب

دل سے نکلا نہ لکلا دل سے | بے تیرے تیر کا پیکان عزیز

مثال امر و نہی کے ساتھ طباق سلیبی کی۔

غالب

پلاوے اوک سے ساقی جو ہے نفرت پر | پیالہ گر نہیں دیتا ندے شراب تو دے

ندے نہیں ہر اور دے امر ہے۔

نصیم

دل تو کہے ہر نہ مل عقل کے ہے کہ مل | سخت خوابی میں ہوں کس کج کما کیجے

نطق

ہم غریبوں کے تو دل میں کیا پائیگا بچل | جل پرے سرور دان ناز سے چال چل

حسرت

ہمیں تو ہاتھ سے کھوتا تو ہی پر بھیڑنا دیگا | سمجھ یا مست سمجھ تو ہم تجھے آگاہ کرتے ہیں

میر محمدی بیدار

فراق سے ہاندھ خواہ مت بانڈھ | اب تیرے شکار ہو گئے ہم

طباق کی ایک قسم اور ہے جس کو صنعت تزیج باے موحده سے کہتے ہیں لغت میں اسکے معنی آناستہ کرنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ ہے کہ کوئی مطلب رنگوں میں بطریق کثا یہ یا بطور ایہام کے بیان کریں اور رنگوں کی کثرت شرط نہیں بلکہ ایک سے زیادہ رنگ ہونا چاہیے جو باہم تقابل رکھتے ہوں۔ جیسے۔

امانت

گل کو بان زرد کر دے اسے رخ یار | کر کے ننھ لال لال آتا ہے

نرد اور لال میں طباق ہی اور مقصود بطریق کثا یہ کے حاصل ہوتا ہی کیونکہ زرد کرنا کثا یہ ہی شرمندہ کرنے سے اور ننھ لال لال کرنا کثا یہ ہی بشاش ہونے سے۔

مثیل گل حباب تیرے ہر چین میں رخ رہا | میرا رُود تمہیں نہ دیا رب صورت باد خزان

سُرخ وزردین طباق ہر اور مقصود بطور کنایہ کے حاصل ہوتا ہے کیونکہ سُرخ رو ہونا کنایہ ہے عزت و آبرو اور حرمت حاصل کرنے سے اور زرد رو ہونا کنایہ ہے مخموم اور شرمندہ ہونے سے۔

ناسخ

اگلا روئی جو محفل میں گباوہ گل ترا ہو گئے زرد و دو چار تو دو چار سفید
زرد اور سفید ہونا کنایہ شرمندہ ہونے سے ہے۔

غشتر

ہوا لڑکی برابری لال پیلا + بنا رنگ بدن بھی غم سے نیلا
لال پیلا ہونا کنایہ ہر نہایت ناراض اور غصہ ہونے سے۔

میر حسن

اٹھے پیکے باہم شراب امید کوئی سُرخ رو اور کوئی رو سفید
سُرخ و سفید میں تضاد ہے سُرخ رو کنایہ ہر نشاط سے اور سفید رو کنایہ ہر شرمندہ سے۔

محشر

بہستی آئی تھی بہت نازت گلشن میں بحر ہو گئی دیکھ ترا چہرہ کلفام سفید
کلفام یعنی سُرخ و سفید میں تضاد ہے اور سفید ہونا کنایہ شرمندہ ہو جانے سے ہے۔

مولوی صہبائی

دیکھنا منہ لال ہو جائیگا کس کس کے ابھی سامنے میرے جو برگ سبز یان تو نے دیا
یہاں مقصود بطریق اہام کے حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ منہ لال ہونے کے دو معنی ہیں ایک قریب
یعنی منہ کا سُرخ ہونا بسبب یان کے اور دوسرے بعید یعنی منہ کا لال ہونا طہا پنوں سے اور یہاں سی کہ
کتے میں کہ سامع کا خیال معنی قریب کی طرف جاوے اور قائل کی مراد معنی بعید ہوں۔

شباب

کیا بیان اس کی نزاکت کا ہو مجھ سے ہمیشہ سبز منہ دی ملنے سے ہو جائے میں سُرخ ہاتھ یا لون
اور یہ بھی جہان کے قبیل سے ہے کہ کلام میں دو لفظ ایسے جمع ہوں جنکے معنی میں اس میں تضاد و مقابل
نہ ہو لیکن ایک کو دوسرے کی ضد کے ساتھ سمیت یا لزوم وغیرہ کی وجہ سے علاوہ ہو جیسے۔

غالب

مہربانی ہاں دشمن کی شکایت کیجیے یا بیان کیجے سپاس لذت انداز دست

از روئے معنی کے آزار مہربانی کے مقابل نہیں بلکہ آزار کو ایک علاقہ نامہربانی و عداوت کے ساتھ ہی

تسلیم

آپ کو دعوے مسیحائی اور میں مرگ کی تمنائی

مرگ اور مسیحائی میں کچھ تضاد نہیں بلکہ مرگ اور زندگی میں تضاد ہے اور زندگی کے ساتھ مسیحا کو علاقہ ہی یعنی زندہ کرنا حضرت مسیحا کا معجزہ ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال

الحمد للہ میں بلکہ ولایتی ہی یاد فصل ہمارا خوشی ہو عید کی کوئی نہ کہ سو گوار ہوں میں

مدلانے اور خوشی میں کچھ تضاد نہیں بلکہ رونے اور ہنسنے میں تضاد ہے اور ہنسنے کے ساتھ خوشی کو علاقہ ہے۔ صنعت ابیہام تضاد سے کہتے ہیں کہ کلام میں دو معنی ایسے جمع کیے جائیں جن میں باہم تضاد و تقابل نہ ہو لیکن جن الفاظ کے ساتھ ان کو تعبیر کیا جائے ان کے معنی حقیقی کے اعتبار سے تضاد پایا جائے اور یہ عام ہے اس سے کہ ایک کے معنی مجازی دوسرے کے معنی حقیقی کے ساتھ جمع کیے جائیں اور ان مجازی معنی کو حقیقی معنی کے ساتھ تضاد ہو یا دونوں کے معنی مجازی کو جمع کیا جائے اور ان دونوں کے معنی حقیقی کے اعتبار سے تضاد ہو اور اس صنعت کا شمار بھی انعام تضاد میں ہی مثال سہی۔

غلام محمد خان رہا

اشد ری عداوت کہ بگڑنے لگے نہیں کچھ وصف کیا میں نے جو بیاختہ میں کا

بناوٹ سے مراد تصنع ہے اور بگڑنے سے مراد خفا ہونا ہے اور ان دونوں معنی میں کوئی تضاد نہیں البتہ بناوٹ میں جس کے ساتھ تصنع کو تعبیر کیا ہے اور بگڑنے میں جس کے ساتھ خفا ہونے کو تعبیر کیا ہے باعتبار معنی حقیقی کے تضاد ہے۔

نوازش

مجھے رونانہ اپنے حال پر کس طرح سے آئے نوازش برق بھی سنتی ہی میری بقراری پر

اگرچہ برق کے چلنے اور آدمی کے رونے میں کچھ تضاد نہیں مگر صورتیکہ برق کے چلنے کو ہنسنے سے تعبیر کیا تو تضاد پایا گیا۔ اور یہ معنی مجازی ہیں اور اس کے مقابل دالے حقیقی۔

امیر القندازاد

میں ترے سیر جمیں کو نہ گئے ہم درخند کا گل لے ہمیں خوب مر لایا ہوتا

گل کے کھانے کو ہنسنا قرار دیا ہے اس لیے ہنسنے اور رونے میں تضاد واقع ہو گیا اور پہلے معنی مجازی

امین اور دوسرے حقیقی۔

چار دیواری سو جگہ سے خشم | میرا تر ذرا ہو تو سو کھٹے ہیں خشم
خوف کھانیکو سو کھٹے سے تعبیر کیا ہے ایسے تر ہونے میں اور اس میں تضاد ہو گیا۔

گویا

بہر ایک رات کا مہمان چراغ ہستی ہے | سر ہانے روئیگی اب شمع کو ہستی ہے

شمع کی چربی کے پگھل کر بننے کو رونے کے ساتھ اور اس کے روشن ہونے کو ہنسنے کے ساتھ تعبیر کیا ہے
اس لیے دونوں میں تضاد پیدا ہو گیا ہے۔

کشن نرائن بیتاب

کون ہوتا ہے وقت بدین شریک | ابر و تار ہے برق ہستی ہے

ابر کے برسنے کو رونے کے ساتھ اور برق کے چمکنے کو ہنسنے کے ساتھ تعبیر کیا ان دونوں
لفظوں کے معنی حقیقی میں تضاد ہے۔

حسرت

کے ہو گل سے شبنم باغ میں دونوں تھے ہم لیکن | تری قسمت میں ہنسنا خامری قسمت میں دنا تھا

بچوں کے کھلنے اور شبنم کے ٹپکنے میں تضاد نہیں لیکن چونکہ اول کو ہنسنے اور دوسرے کو رونے
سے تعبیر کیا ہے ایسے دونوں میں تضاد ہو گیا ہے۔

گلزار نسیم

بولا جب اُسے باندھے بازو | اکھلتا نہیں کس طمع یہ ہے تو

باندھنے اور بیان کرنے میں کچھ تضاد نہیں لیکن چونکہ بیان کرنے کو کھلنے کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس لیے
باندھنے اور کھلنے کے معنی حقیقی کے اعتبار سے تضاد ہو گیا۔

فدا

یہ سب کیوں اس شک گل سے روکشیدگی | راست ہے بیڑا جودہ شمشاد بالا ہو گیا

سج اور عیشے میں تضاد نہیں مگر چونکہ سج کو راست کے ساتھ اور غشہ ہونے کو بیڑا ہونے سے تعبیر کیا
اس لیے ان میں تضاد ہے۔

صنعت ایہام اسکو تو یہ بھی کہتے ہیں ایہام کے معنی دہم میں ڈالنے اور تو یہ کے
معنی چھپانے کے ہیں جیسا کہ خبر یہاں بنائی ہے لکھا ہے اور اصطلاح میں ایہام اسکو کہتے ہیں کہ ایک لفظ

ایسا کلام میں واقع ہو جس کے دو معنی ہوں ایک قریب ایک بعید کے اور سامع کا گمان معنی قریب کی طرف جاوے اور شاعر کی مراد معنی بعید ہوں معنی قریب سے مراد یہ ہے کہ وہ معنی اُس مقام کے مناسب ہوں اور معنی بعید سے یہ مراد ہے کہ وہ معنی اُس مقام کے مناسب نہ ہوں لیکن اُن کا مقصود ہونا باعتبار کسی قرینہ خفی کے ہو بیان تک کہ وہم تامل سے قبل معنی قریب کی طرف جاوے پس اگر قرینہ واضح ہو تو لفظ تو یہ نہ ہو گا کیونکہ معنی قریب معنی بعید کو نہیں چھپا سکیں گے۔
جیسے منوی تراش شوق کے اس شعر میں۔

میکش کو ہوس ایام کی ہے | پروانے کو کوچہ راز کی ہے

لفظ کو کے دو معنی ہیں ایک شوق و آرزو دوسرے شعلہ پہلے معنی بعید ہیں اور دوسرے قریب مگر بیان یہ لفظ تو یہ نہیں کیونکہ صرف شوق کے معنی میں ہونے پر قرینہ واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ پروانہ عاشقی میں ضرب المثل ہے اور پہلے مصرع میں ہوس کا جو لفظ ہے وہ بھی اُن معنی پر دلالت کرتا ہے۔ پس اگر معنی قریب کے (جو مراد نہیں ہوتا) کچھ مناسبات کلام میں نہ ہو تو اس کو ایہام مجر و کہتے ہیں اور اگر نہ ہو تو ایہام محم و کہتے ہیں۔ کبھی ایک لفظ دوسرے لفظ کے ساتھ ملنے سے ایہام کا فائدہ دیتا ہے۔ ایہام مجر و کی مثال۔

ظفر

نشہ ہو جس کو محبت کا سبز رنگونگی | عجب نہیں جو وہ مشہور سب میں جنگی ہو
جنگی کے دو معنی ہیں ایک قریب و درہ حلال خور کو کہتے ہیں دوسرے بعید اور وہ وہ شخص ہے جو جنگ کا استعمال رکھتا ہو اور مناسبات حلال خور کے کہ معنی قریب ہیں کچھ نہ کو نہیں۔

واسطی

تشبیہ تیرے چہرہ روشن سجاکا دین | اہم دیکھتے ہیں شمع کا سارا بدن سفید
بدن کے سفید ہونے کے دو معنی ہیں ایک قریب و درہ بدن کا چٹا اور بھورا ہونا دوسرے بعید اور وہ بدن کا مبروص ہونا ہے کیونکہ برص اُن سفید داغوں کو کہتے ہیں جو ظاہر جلد میں پیدا ہوتے ہیں اور گوشت کے اندر گھسے ہوئے ہیں اور مناسبات معنی قریب کے کچھ نہ کو نہیں۔

درد

بستے ہیں ترے سائے میں شیخ و پیر | آباد گنجی سے توبے گھر دیر و حرم کا
سائے کے معنی قریب و محبوب کی ضد ہیں اور معنی بعید حمایت ہیں یا قریبی بیان مراد ہیں۔

ناجی

محبت سے علی کی دیکھ ناجی
ابہام مرثعہ کی مثال۔

وزیر

ہجرین گھل گھل کے اڑھا ہو گیا
لے میٹھا اب میں موسیٰ ہو گیا

لفظ موسیٰ سے دہم اسم پیغمبر علیہ السلام کا ہوتا ہے اور بیان وہ معنی مقصود نہیں ہیں۔
بلکہ مو کے معنی بال ہیں اور سادف تشبیہ ہی یعنی مین بال کی طرح ہو گیا اور مناسبات میں سے پہلے معنی
کے لفظ جیسے ہے۔

میر تقی

کہے میں جان بلب بھی ہم دوسری بتاں
آئے ہیں پھر کے یارو اب خدا کے ہاں

خدا کے ہاں سے پھر کر آئے کے دوسری میں ایک قریب اور وہ بیت اللہ سے واپس آنا ہے
دوسرے بید اور وہ جان بلب ہو کر جی جانا ہو اور بیان یہ دوسرے معنی مراد ہیں نہ پہلے اور پہلے
معنی کے مناسب کہہ ہے۔

الساخ

کیونکر زبان سے اسکی نزاکت کا ہو بیان
مندی ملے سے لال ہوں جس قفل کے ہاں

رنگ مندی سے ہاتھوں کا سُرخ ہونا مراد نہیں جو معنی قریب ہیں بلکہ ملنے کے صدے سے
ہاتھوں کا سُرخ ہو جانا مقصود ہے اور یہ معنی بعید ہیں جو مقصود ہیں اور مندی کا ذکر معنی قریب
کے مناسب ہے۔

ایق

سیلاب شک اپنا اگر سراوج مارے
طوفان فوج تنہا گوشے میں موج مارت

تینہیں ہیں نیاموں میں مگر آب نہیں ہے
داؤک میں ملے جلون پرتاب نہیں ہے

تراہ شوق

آنکھیں دکھلائی تھیں تماشا
ارباب نظر کو تیلیوں کا

ولہ

سلطان کے غبار اسکا تار
من کی طرح سے خوب مہیا

امانت

سنی کسی نے نہیں غم کی داستان میری | وہ کم سخن بہن کہ گویا نہیں زبان میری

قائم

جو تری چشم کے گوشے میں تل ہر اپیار | نظر پڑے کہیں خال خال آنکھوں میں

سود

ہوئی ای بھوری یہ دور میں ساقی حرا بخ | بجا ہر آب جو ہر ملا کو کیسے مولوی جامی

دلہ

ہار بھی ملا کی جون جہون کا کھیت | لگے لڑکی لڑکے اک اک بال

گویا

چھتر نازلف کا مشاطہ بڑا ہوتا ہے | ہاتھ اس مجرم یہ شانے سے جدا ہوتا ہے

ریاض

تو وہ آہو چشم ہی جائے اگر گلزار میں | گل بن شاخیں نکالیں گرسہ ہمار میں

شاہ مبارک برو

نہ دیوے لیکے دل وہ جہہ شکن | اگر باد رہیں تو مانگ دیکھو

نسیم

داغا تو چلے تنگ سے وہ | اچھوٹے قید فرنگ سے وہ

اکبر

بنو گے خسرو اقلیم دل شیرین بان ہو کر | جہانگیری کرنگی یہ ادا نور جہان ہو کر

درد

ہر جہ کو کل کے ساتھ بھی ہے اتصال | دریا سے درجہ ہی پہ ہر غرق آب میں

عبد الرحمن خان احسان

نہیں ہر خمی زیر نگین تاجداران بھی | اگر شاہ جہان بان ہو جائے نام محرم ہی

میر

شوق سے ہر درد یوار زرد شام و عمر | ہوا ہر لکھنؤ اس رہنڈ میں سلی بھیت

انیس

ایسا کوئی طفلِ مین نمودار نہ ہوگا
ہاتھ ایسا نوجوہر کا بھی طیار نہ ہوگا

ولم

اصغر سے اگر اکبر مکر و نہ ملے گا
تم ہاتھ سے جاؤ گے تو بازو نہ ملیگا

ولم

کوئی سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
اکمین کوثر کے تو جیشٹون مین نہیں آیا ہے

غالب

ہمے جھٹ ہے گمانِ رخسِ خاطر
خاک مین عشاق کی غبار نہیں ہے

امیر

گہو تر نہ ہوتا تھا جائے پر راضی
تو بھیجا اُسے ردِ عن و تا زمل کر

ذوق

ہو کے اک بو سے پر ترش ابرو
بات کو ڈالتا کھٹائی مین

گویا

عالم ہوں عالمِ عشق کا مین کر نہ ہری
ایر عند لب تو ہی پڑھی پوسان تلک

المولف

آر سی اُسکے پیار پرست بھول
بس یہ منہ دیکھنے کی الفت ہے

صنعتِ مراعاتِ النظر اسکو تناسب اور توفیق اور ایتملاف اور تملیق
بھی کہتے مین بنی ایسے الفاظ استعمال کرتا جن کے منے آپس مین ایک دوسرے کے ساتھ سوا سے
نسبت تضاد کے کچھ مناسبت رکھتے ہوں جیسے چمن کے ذکر کے ساتھ گل و بلبل و باغبان و سرور
قمری وغیرہ کا ذکر کرنا یا اور کسی چیز کے ذکر مین اُسکے مناسبات کو بیان کر مین شیخ گلندرخشاں فر مین سہارن پور
مصنف رسالہ تحفۃ الصلح کہتے ہیں۔

نہ جاچن مین نواب آفر مین کہ جان غنیم
ہون مین اُسکے نہان ہر بار خندہ گل

خواجہ عامی

چرخ کے تخت پر جسدِ شہ گل کا تہل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج غمی و دُشور تھا نعل تھا

لیان کین جو دیکھا کچھ نہ تھا جز غارِ گلشن مین
بتلا باغبان و دُود کے یان چوپہ بیان گل تھا

خواجہ وزیر

جبین الفجر اور اللیل کیسے مغیرت | خطِ رخ سورۃ یوسف اور انکے مصحفِ حین

مصحف کی رعایت سے سورۃ الفجر اور اللیل در یوسف کا ذکر بسبب مناسبت کے کر دیا۔

ولم

چشم بادام دہن پستہ زرخندان ہر سیب | کتنے پھل ایک نہال قد جانان میں لگے

درخت کی مناسبت و رعایت سے بہت سے میوے کا ذکر کیا۔

نواب کلب علیخان

شبنم ہر عرق کان ہر گل غنچہ دہن | نسوین ابرو نترن گلولہ ذوق

بنی شبول ارغوان سنبل زلف | آنکھیں زگرں نقشہ خطر رخ ہر سمن

میر میری جتوں

رخسار دونوں مہرین ابرو ہلال میں | گروہ نگ کہکشان ہر توماہ مبین جبین

حسرت

موجن لگی نرم جرم جب دکھلانے | میں نے کہا شاید میرا کیا مانے

اتنا کہا جوڑا چودھوان بچھکوپینا | کہنے لگی چلیے میری جوتی جانے

ذوق

ہوا ہے مدر صبحی در گاہ عیش و شلا | کہ تمس باز غم کی جا پر طہین میں بدر شیر

اگر پیالہ ہے صفرے تو ہے بھوکہ مے | نتیجہ یہ ہے کہ سرست میں صغیر و کبیر

امانت

سیہ سواف پانجامہ گلابی چنپی نیفہ | دوپٹہ سرخ انگیا سبز کرتی رعفرانی ہوا

انیس

دنیا دریا ہے اور سوس طوفان ہے | مانند حباب ہستی انسان ہے

لنگر ہے جودل تو بر نفس یاد مراد | سینہ کشی ہر ناخدا ایمان ہے

مصحفی سقنی کی تعریف میں

پانی بھرے ہر یاد دیاں فرغی و شالہ | شکی کی بج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا

کاندھے پر مشک لپکر جب قد کو غم کرے ہر | کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہر دو بالا

دریاے غم میں کیونکر ہم نیم قدم ڈوبیں	انگی کے رنگ سے جب ان تار ہو لالا
--------------------------------------	----------------------------------

وسید

زیر و زبر میں ناوک سرگردا کسان	ہیں مہر راہواروں کی گویا کنوئیاں
تشدیدوں پر ہر طرہ دستار کا گمان	حرفوں کے سر پہ خود میں یا جزم میں خیال
سٹریں تمام شان دکھاتی ہیں فرج کی	مد میں کہ ہر قین نظر آتی ہیں فوج کی

مولفہ

کس کمان ابرو پہ تو قربان ہوا	تارے سر کرتا ہے جو توتیر سے
------------------------------	-----------------------------

ولہ

کا کل ہر شک لام تری رلف جمیت	مثل لعل بر قد دہن تنگ میم ہے
------------------------------	------------------------------

ولہ

پسند لب غنچہ دہن سر و قد لالہ غدار	سیم بر سبب ذقن نام میں کنگے اُنکے
------------------------------------	-----------------------------------

صنعت ایہام تناسب یعنی دو لفظ ایسے بیان کریں کہ اُنکے معنی میں کچھ مناسبت مقصود ہو یعنی ایک لفظ کے معنی دوسرے لفظ کے معنی سے اُس کلام میں کچھ مناسبت نہ رکھتے ہوں لیکن اُن میں سے ایک لفظ کے اور معنی ایسے بھی ہوں کہ دوسرے لفظ کے معنی سے مناسبت رکھتے ہوں جیسے ایک کلام میں بلی و مجنون دونوں لفظ مذکور ہوں اور مجنون دیوانہ اور مری کے معنی میں لایا گیا ہو پس ظاہر ہو کہ وہاں بلی و مجنون کے معنی میں کچھ مناسبت نہ ہو کی لیکن مجنون کے ایک معنی اور بھی ہیں یعنی قیس عاشق بلی کا لقب بھی مجنون ہوا اس معنی کو بلی کے معنی سے مناسبت ہو اور چونکہ بادی النظر میں وہم ہوتا ہے کہ مجنون مجھے عاشق لیلے مراد ہو گا اس جہت سے اس صنعت کا نام ایہام تناسب رکھا کیونکہ دوسرے معنی تناسب کا وہم دلاتے ہیں یہ صنعت مراعات النظر کے ملحقات سے ہر چنانچہ مثال مذکور میں مجنون کا ذکر بلی کی مناسبت مراعات النظر اور اسوجہ سے کہ بیان اُس سے دہانے کے معنی مراد ہیں نہ قیس ایہام تناسب ہر غرض کہ ایہام تناسب کو مراعات النظر کے ساتھ وہ نسبت ہو جو ایہام تضاد کو طباق کے ساتھ ہے صنعت ایہام میں اور ایہام تناسب تین یہ فرق ہے کہ ایہام میں دونوں معانی کا ارادہ جائز ہوتا ہے اور ایہام تناسب میں دوسرے معنی منظور و ملحوظ نہیں ہوتے مثال سلی

امانت

نہ کیونکر یہ مجنون تازہ ہو مثل دل بیاں کہ ہر چارشت و شبست میں مرا شکون کا خال ہے

بید مجنون درخت مشہور کے معنی میں ہر قیس مراد نہیں لیکن لسانی کے معنی سے مجنون کے دوسرے معنی مناسب رکھتے ہیں۔

ولہ

گندمی رنگ کو بکرنہ کھڑا کرتے تھے اور دھانی جوڑے سے کبھی دل ہلا کرتے تھے ہرا کرنے سے مراد خوش کرنا ہے اور اس معنی کے اعتبار سے اسکو گندمی اور دھانی رنگوں کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں البتہ ہرے کو اپنے معنی حقیقی کی وجہ سے انکے ساتھ مناسبت ہے۔

السیم

کریا دھمیں چہ ذقن کو کو دے نہ کنوئیں میں باؤلی ہو باؤلی سے مراد دیوانی ہے اور اس معنی کے اعتبار سے اسکو کنوئیں کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں البتہ باؤلی کے ایک اور معنی میں انکے اعتبار سے دونوں میں مناسبت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ باؤلی ایک قسم کا لمبا اور چوڑا کنواں ہوتا ہے جس میں بیڑھیاں بنی ہوئی ہوتی ہیں۔

ناسخ

رسم ملک حسن ہر یہ کلف و دشون کی طرح داغ سودا نیچے ہیں لالہ رو بازار میں سودا کے معنی کہ سیاہ کے ہیں لالہ سے مناسبت رکھتے ہیں لیکن بیان سودا عشق کے معنی میں ہے ان معنی کو لالہ سے کچھ مناسبت نہیں۔

محزون

اہل دنیا تو نہیں دیتے ہیں محزون غم کی ڈال کو بہن و خواب شیریں سے جفاؤں تو سہی اس شعر میں شیریں سے جو معنی مقصود ہیں ان معنی کو کوہاں کے معنی سے کچھ مناسبت نہیں مگر شیریں معشوقہ مشہور کا نام بھی ہے اسوجہ سے مراد کے ساتھ مناسبت ہے۔

المیہ

بید سا کانپتا تھا مرتبے وقت میسر کو رکھیو مجنون کے تکیے اس شعر میں درخت مشہور اور مجنون کے معنی یعنی عاشق لسانی کو باہم جمع کیا ہے اور ان دونوں میں کچھ مناسبت نہیں لیکن مجنون کے دوسرے معنی یعنی بابائے ہم بید کی جیسو یہ مجنون کہتے ہیں بید کے ساتھ البتہ مناسبت رکھتی ہے۔

یوں دیکھ کر رونا مارا کرتے تھے اولم میدان کارزار سے رسم رنگ زلال

خوشتر

یہ اُنکے عدل کی ہے حکمرانی کہ رستم زال کا بھرتا ہے پانی
دولون شعرون میں زال یعنی پہلوان معروف بدرستم نہیں تو بلکہ پیرزن مراد ہے۔

میرائیس

۰ مجلس کو اشک نظم سے رشک حسین کرون
ادھی حسین بوجہ حسن کرون

حسن سے مراد خوب ہو اور اس معنی کے اعتبار سے اسکو حسین کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں
البتہ حضرت امام حسینؑ کا نام ہونے کی وجہ سے حسینؑ کے ساتھ مناسبت ہے۔

صنعت تشابہ الاطراف اسکو کہتے ہیں کہ کلام کو ایسے الفاظ پر تمام کریں کہ اُنکے معنی اُن
معنی سے مناسبت رکھتے ہوں جو ابتداء کے کلام میں مذکور ہوئے ہیں مثلاً انتہا سے کلام کے الفاظ ملت
ہوں ابتداء کے کلام کے یا اُسکے معلول ہوں یا اُسپر دلیل ہوں یا ادراسی طرح سے ہوں پس گویا دولون
طرفین کلام کی یعنی ابتدا اور انتہا باہم مشابہت و مناسبت رکھتی ہوں اور انتہا کے کلام کے الفاظ خواہ جملہ ہوں
یا جملے سے زیادہ ہوں جیسے۔

وزیر

اسی بیان گردش اور جامد ری
کاش لاتے نہ دست دیا ہمراہ

مصرع ثانی کے آخرین پا کا لفظ ذکر کیا اور یہ مناسب ہی گردش کے جو مصرع کے اول میں واقع
ہوا ہو ایسے ہی ہاتھ کو جامہ درسی سے نسبت ہو لیکن اس قدر ہے کہ ان دولون کا ذکر بطریق لف و نشر
معلوم ترتیب کے ہے۔

مومن

زبان گنگ بوشق میں گوشا رے
برائے سنتے بھلا کتے کتے

برائے مناسبت کے کان کے اور بھلا کتا مناسب ہی زبان کے بیان بھی دولون کا ذکر بطریق لف و نشر
معلوم ترتیب کے ہے۔

ذوق

انھیں دیکھا سب کو اور دیکھا نہ دیکھا جن نوا
تو رہا انھوں میں دیکھوں کے پیمان ہی رہا

انھوں میں رہنا مناسب ہوا اس لئے کہ انھیں دیکھا سب کو اور انھوں میں رہنا مناسب ہے
اس قول سے تعجب نہ دیکھ اس لئے کہ جو چیز ایسی ہو جس سے سب کو دیکھیں تو چاہیے کہ وہ انھوں میں

رہے اور آنکھوں میں رہنا اردو میں محاورہ ہے قریب کے معنی میں اور جو چیز دیکھی نہ جائے چاہیے کہ وہ
آنکھوں سے نہماں ہووے۔

غالب

ایمان مجھے روکے ہو تو کھینچے ہر مجھے کفر | کعبہ مرے تیغے ہے کلیسا مرے آگے
کعبہ مرے تیغے ہے مناسب ہے اس قول کے ایمان مجھے روکے ہے اور کلیسا مرے آگے
ہے مناسب ہے اس قول کے کفر مجھے کھینچے ہے۔

بلونت شکم مخلص براجم

وہ پیام یار لایا آنے کھولی فال نیک | پائے قاصد جو میسے اور دست عامل چو
پیام یار لانے کے مناسب پائے قاصد کا چومنا اور فال نیک کھولنے کے مناسب دست
عامل کا چومنا اور پیام یار لانا علت ہے پائے قاصد کے چومنے کی اور فال نیک کھولنا علت ہے
دست عامل کے چومنے کی۔

مولوی غضنفر علی ضیغم

وہ درگزر کرے گاشفاغت کرے شک و
اس میں اور مراعاة النظر میں یہ فرق ہے کہ مراعاة النظر میں الفاظ تناسب کو مطلقاً جمع کرتے
ہیں خواہ ان میں سے ایک انتہا میں ہو اور دوسرا ابتدا میں خواہ دونوں ساتھ ساتھ ابتدا میں واقع ہوں
یا اختتام میں آئیں یا درمیان میں ہوں بخلاف تشابہ الاطراف کے کہ اس میں یہ ضرور ہے کہ دونوں
میں سے ایک ابتدا میں ہو اور دوسرا انتہا میں ہر صورت تشابہ الاطراف کو مراعاة النظر کے قبیل
سے سمجھتے ہیں۔

صنعت سوال و جواب یہ صنعت کبھی ایک مصرع میں ادا ہوتی ہے کبھی ایک بیت میں
کبھی دو بیتوں میں مطلع السعدین میں لکھا ہے کہ صنعت سوال و جواب کو مراجعہ بھی کہتے ہیں۔
شال بلی قسم کی۔

یو چھپا کہ طلب کہا قناعت | نسیم یو چھپا کہ سبب کہا کہ قسمت
وہ کہنا ہے بین توڑ نگاہ میں کہتا ہوں اسے تڑا آہ | وہ کہتا ہے کھنواہ میں کہتا ہوں مراد ہے
سید توفیق ممدوی حیدر آبادی

اسنے کہا نام اسنے کے کہ یہی جاب | اسنے بھرتہ کہتا ہے کہتا ہے

اُس نے کہا شام بزمین نے کہا گیسو ترے	اُس نے کہا صبح صفائیں نے کہا ہرا ترا
اُس نے کہا تووں پر زمین نے کہا نقش قدم	اُس نے کہا منزل تری میں نے کہا کوچہ ترا
اُس نے کہا کیا کام پر زمین نے کہا جیت تری	اُس نے کہا کیا نام ہے میں نے کہا بندہ ترا

فطرت

جب کہا دل سے ہو خوار کہا بھٹکوا کیا	زلفِ بین مت ہو زخما کہا بھٹکوا کیا
-------------------------------------	------------------------------------

مثال دوسری قسم کی۔

صفا

اُس نے جب پوچھا کہ تولیے قتل عاشق کو کیا	اغزہ بولادہ نہایت تھی اور اٹھی میں نہ تھا
--	---

قصہ شیرین خسرو

کہا شیریں مری حرم سے خاص	کہا بھٹکوا بھی اُس سے ہے اخلاص
کہا چپ جب گدا بکال تباہ	کہا بس بس نہ مغز کیا اس شاد

حسرت

میں کہا جان بخش عیسیٰ بے کلام ہے	بولادوں کے زیادہ کچھ مری دشنام ہے
میں کہا مشہد پر یا ہر کر بلا مقفل بڑا	بولادوں کے مرے کوچے میں قبا عا م ہے
میں کہا بیکل کا انتمہ خوب باصوت رہا	بولادوں کے بھی ہیر مرز میا م ہے
میں کہا مجنون و ادھنا خوار ہو پا کو بہن	بولادوں کے توبہ تر ترا خا م ہے

میر محمدی بیدار

جب کہ میں کہ نہیں ہوتے بن کالی تم	یار یہ کون زبان ہو تو کہا بھٹکوا کیا
جب کہا میں نے نہ خیر و ریاض خوبی	کس کا تو الفت جان ہو تو کہا بھٹکوا کیا
چشم گریبان سے وصلِ نیا میں نے پوچھا	ابو یون اشک نشان ہو تو کہا بھٹکوا کیا
جب کہا میں نے گراؤ شوخ تری صورت کا	شہتہ پر و جوان ہے تو کہا بھٹکوا کیا
دل سے بیدار نہ ہو چکا ترے سینے پر	اکیلے نادک کا نشان ہو تو کہا بھٹکوا کیا

مثال تیسری قسم کی۔

غفلت

آہا سواد نجد سے جو کوئی اس طرف	میں نے کہا کہ تیرے یہ کیا نشان ہیں
--------------------------------	------------------------------------

کننے لگا کہ لپٹے ہوئے برگ بید سے	جیون تار عنکبوت کئی استخوان سے
خضر	
توخ نے جوزلف سے کہا شب کو	توشب تار ہے سحرین ہون
زلف بولی کہ صید تو میں دام	بیچ میں تو ادھر ادھر سحرین ہون
اکامل	
ترکان سحر بچے والی بد کرے ہر ترے	یہ بات میں نے کہا جب اُس سے داد چاہی
کننے لگا کہ ترش جس وقت ہو وہ خالی	لموار پر نہ کھینچے تو کیا کرے سیاہی
داغ	
کہا جو میں نے کہ مجنون اگرچہ عاشق تھا	پر اسے تو کبھی لیلیٰ کے یہ ستم نہ ہوئے
مرے جلانے کو کننے لگے شرارت سے	نہر حیف کہ لیلیٰ کے پاس ہم نہ ہوئے
صنعت اطرا دینی جس شخص کی مدح یا مذمت بیان کرنا منظور ہو تو اس کے ابا و اجداد کے نام	
بترتیب ولادت یا سکون ترتیب یا غیر مرتب بیان کرنا اور جہان تک ممکن ہو اس بات کا خیال	
رکھیں کہ درمیان میں اُن اسماء کے کوئی ایسا لفظ فاصل واقع نہ ہو جو نسبت پر ولایت نہ کرنا ہو جیسے	
اسید فاضل بن عمرو یا زید بن عمرو تاج بن خالد پس لیلیٰ مثال میں فاضل کا لفظ اور دوسری میں تاج کا لفظ	
فاصل ہو اگرچہ اس سے کوئی حرج نہیں مگر نظم الفاظ میں تکلف پیدا ہوتا ہے۔	
شال علی الترتیب کی جس میں کوئی فصل نہ ہو۔	
دبیر	
یہ رتبہ مظلوم حسین ابن علی ہے	تراج کا مزاج خدا سے اتنی ہے
ولہ	
اب راوی صادق سے یہ جو وارد خیال	فضل بن شعیب بن اویس کے ہندار
اگر کیا جاوے کہ دوسری مثال میں اضافتیں پہلے درجے کی ہیں جو حسیب بن داخل سے بچھڑی ہیں	
عنات بر لعی میں شمار کیا ہے تو ہم اس کا جواب یہ دین گے کہ اضافت کا پہلے درجے آنا اس وقت	
مخالف فصاحت ہے کہ اُس میں نقل و اشکرا ہو اور جبکہ اس سے سالم ہو تو اُس کی خوبی میں	
مکمل نہیں اور اس مثال میں نہ نقل ہے نہ اشکرا علاوہ اس کے اس میں صرف دو ہی	
اضافتیں ہیں۔	

شال سکوں ترتیب کی۔

انفاق

حسین عابد و باقر کے جعفر اور کاظم ایک
 ہیں درس اور برابر ہیں اور عبد اللہ خضر و زید
 ہیں نجم الدین غیاث الدین احمد جد و اب کے
 غیاث الدین ماہ نور سے زہرا و حیدر تک

ہر اک معصوم و دادا معین الدین چشتی کا
 ہے ظاہر جد و اکبر معین الدین چشتی کا
 یہ ہے نام جد و ابا معین الدین چشتی کا
 محبوب و نور ہے شجر معین الدین چشتی کا

آباد نے ایک نظم میں جناب سرور کائنات اور حضرات علی کی اولاد کو سلسلہ وار بیان کیا ہے
 اور یہ ترتیب معکوس ہے۔

محمد کا بے فصل حیدر و وصی ہے
 حسن کی غلامی میں ہیں بعد حیدر
 امام سوم ہے حسین ابن حیدر
 امام چہارم ہے سجاد بے شک
 پیڑائیں کا باقر امام ہوا ہے
 نہیں اس میں ہرگز تفاوت سرور
 غلامی میں موسیٰ کاظم کی ہیں ہم
 امام رضا کے ہیں اوصاف بے حد
 فقی پیشوا ہیں نقی سب کے ہادی
 حسن مسکری مقتدا ہے ہمان ہے
 امام دو عالم ہے مہدی ہادی

ہم است ہیں اسکی وہ سرور ہمارا
 سمجھتے ہیں آقا سے شہید ہمارا
 خدا ہے ازل سے دل سپر ہمارا
 اشارہ دل ہونہ کیونکر ہمارا
 غلام اسکے ہم ہیں وہ سرور ہمارا
 دو عالم میں مولا ہے جعفر ہمارا
 عجب کیا کہ جنت میں ہو گھر ہمارا
 قلم تنگ ہے ذہن ششدر ہمارا
 سلام اپنے پوچھے مقرر ہمارا
 سوا خضر سے بھی سہر ہمارا
 ہے قائم زمانے میں سرور ہمارا

غیر مرتب کی شال چنانچہ منیر نے ایک قصیدہ امام علی رضا بن موسیٰ کاظم کی مدح میں لکھا ہے
 اور انکے بزرگوں کے نام سلسلہ وار درج کیے ہیں جو غیر مرتب ہیں۔

امام ضامن و معصوم و حبیب و طاہر
 نسب میں پاک مقدس حسب میں برکات
 علی کے نور نظر قاطع کے تحت جگر
 حضور کے جد امجد ہیں سید الشہداء

کریم ابن کریم و رحیم ابن رحیم
 فروع عشرت مجسم رضا سے رب کریم
 خدا کے نور یافض رسول حق کے تبسم
 منیل جو در مراد صبح و ذبح عظیم

<p>سید بہر کرم دلبر حسین و حسن نگاہ دیدہ حق بین باقر معصوم جناب موسی کاظم ہین والد ماجد</p>	<p>پراغ خانہ سجاد و واجب التکریم ہمال گلشن صادق امام ہفت اعلیم اسید گاہ مسیحا و افتخار کلیم</p>
<p>انشائے اس صنعت میں یہ لطیفہ پیدا کیا ہے کہ نواب سعادت علی خان والی اودھ کے باپ دادا کو ذومعنی الفاظ میں لکھا ہے منی قریب لفظی معنی ہین اور معنی بعید نواب کے اسلاف کے نام ہین اور سب غیر مرتب ہین۔</p>	
<p>کیسا دیر جس کو سعادت علی نے دیا اُس سے جلال دین محمد تو آشکار</p>	<p>برہان ملک اشجع و منصور و مختار اُسکو کیا ہے حیدر و صفدر نے محترم</p>
<p>نواب سعادت علی خان کے باپ کا نام جلال الدین حیدر اور شجاع الدولہ خطاب ہے اور ابو منصور خان صفدر جنگ نام ہے شجاع الدولہ کے باپ کا اور برہان ملک صفدر جنگ کے چچا اور خسر کا خطاب ہے جو ریاست اودھ کے بانی ہیں۔ صنعت ارصاد اسکو کہتے ہیں کہ نثر کے فقرے اور نظم کی بیت میں کلمہ آخر کے قبل آیا لفظ لاوین کہ جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ نثر میں پچھلا لفظ یہ ہوگا یا بیت کا تاقیہ یہ ہوگا بشرطیکہ سوی کا حرف پہلے سے معلوم ہو پس ارصاد کی وجہ سے اُس کلمہ آخر کا مادہ معلوم ہو جاتا ہے اور روی کی وجہ سے اُسکی صورت معلوم ہو جاتی ہے اور زمین آدمی کے قیاس میں جاتا ہے کیا یا حرف ہونا چاہیئے۔ صا و لغت میں راستے میں نگہبان مقرر کرنے کے معنی میں ہے جیسے ڈاکو اپنی جانب سے راستے پر آدمی ایسے مقرر کر دینے ہیں کہ وہ اس بات کی اطلاع دے کہ قافلہ گذر رہا ہے اُسکے آدمی ان سے مقابلہ کر سکتے ہیں یا نہیں اور وہ ہتھیار بھی رکھتے ہیں یا نہیں اور یہاں معنی لنوی اور اصطلاحی میں مناسبت ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ لفظ جو کلمہ آخر سے قبل آتا ہو وہ اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ اس نظم کا تاقیہ یہ ہے اور اس نثر کا لفظ آخری ہے۔ اس صنعت کو تسہیم بھی کہتے ہیں لغت میں تسہیم دھاری دار زیادہ سے معنی میں ہے۔ اس صنعت کو تسہیم ایسے کہتے ہیں کہ جیسے چادر کے خطوط ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں اسی طرح اس صنعت میں بھی الفاظ کلام کے ایک دوسرے کے ساتھ ملائم اور موافق ہونے میں مثال اسکی۔</p>	
<p>انہیں قول سے فعل تیرے مطابق</p>	<p>رند انہوں کس طرح بھگوا یا صادق</p>

نہ جنت کے قابل نہ دوزخ کے لائق	مجھے کیوں کیا خلق اسے میرے خالق
کہا سن کے افسانہ قیس و لیلیٰ	عجبت کرتے ہو حال میں ذکر سابق
کیا وہ زمانہ وہ لوگ اُٹھ گئے سب	نہ معشوق ویسے رہے اب نہ عاشق
عجبت فوق دیتا ہے تو خود کوتاہان	کیا ایک کو ایک پر اُسے فالق

ان اشعار میں شعراول کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ قاف حرف روی ای پس دوسرے شعر میں خلق کے لفظ سے خالق اور چوتھے شعر میں معشوق سے عاشق اور پانچویں میں فوق سے نالائق خود بہ خود معلوم ہو گیا پس خلق اور معشوق اور فوق ارصاد میں۔

واسطی

جو بعد مرگ پھر اکوے یار سے قاصد	تو دوستوں نے مرے رکھ دیازار میں خط
مجھے یہ ڈر ہے کہ قاصد کمال مضطر ہے	کہیں مکر سے نہ گرتاے اضطار میں خط

دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں مضطر کا لفظ ارصاد ہے۔

مومن

غیر ہمدت ہے آنکہ وہ دکھا دیکھیں	کہ چشم دکھلا میں پھر ذرا غرا دیکھیں
کچھ نظر نہیں آتا آنکہ لگتے ہی نا صح	گر نہیں یقین حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

تیسرے مصرع میں لگتے کا لفظ ارصاد ہے۔

ولہ

نہ تن ہی کے ترے سہل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں	ہو باشیر باش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
دراز دستی یہ کس بے ادب کی دم قتل	تمام دامن قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
کہے نہ ملنے کی اُس سنگ داسے گزادہ	تو سنگ سزا بھی بان مل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

دوسرے شعروں قتل کا لفظ اور تیسرے شعروں نہ ملنے کا لفظ ارصاد ہے۔

(۲) یہ بھی اسی قبیل سے ہوتا نظم کے ایک مصرع سے دوسرے مصرع کی طرف ذہن نہ نقل ہو جائے جیسے۔

ذوق

لاشے کو دفن کہتے میرے اچھٹا کتے	مردہ بدست زندہ جو چاہتے سوتے
---------------------------------	------------------------------

پہلے مصرع کے سوتے سے درد مرے مصرع کے مضمون برخوار، بخود ذہن منتقل ہو جاتا ہے

ایضاً

پلائے آفکارا کس کی ہلکو سا تیا چوری خدا کی جب نہیں چوری تو پھر بندے کی کیا چوری

امیر احمد مینائی

کل گوج ہے کچھ لیتے ہوئے بن پڑی گئی | یسا ہے مسافر کو تو لے زاد سفر آج

صنعت تاکید الممدوح بکایتبہ الذم یعنی تعریف کی تاکید ایسے لفظوں کے ساتھ کرنا کہ وہ
ہجو سے مشابہت رکھتے ہوں یعنی وہ لفظ ظاہر میں تو بوجہ دلالت کرتے ہوں لیکن فی الحقیقت مدح پر تاکید
کرتے ہوں اور اسکی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک کسی چیز میں سے تمام بُری باتوں کی نفی کی جائے جس سے اسکی مدح ہو پھر اذات استثنائے
ذریعہ سے ایک اچھی بات کا جو مدح پر دلالت کرتی ہو اُن بُری باتوں میں سے استثناء کیا جاوے اس طرح
کہ اس اچھی بات کو اُن بُری باتوں میں داخل نہ لیا جائے مثال اسکی یہ شعر ثنوی پداوت مصنفہ عبرت
کا ہے۔

انہیں کوئی عمل میں اُسکے قزاق | بغیر از غمزدہ چشم ستمناک

شاعر نے مصرع اول میں بیان کیا کہ ممدوح کے عہد میں ایک بھی قزاق نہیں رہا تمام قزاقوں کی نفی
کرنا مدح ہو پھر غمزدہ چشم ستمناک کو اُن قزاقوں میں داخل ٹھہرا کے اسکا استثناء کیا ہو حالانکہ چشم ستمناک
غمزدہ کسی کے عہد میں موجود ہونا بُرائی نہیں بلکہ مدح میں داخل ہر اس لیے کہ معشوقوں اور خوب رویوں کا
موجود ہونا اہمیت اور آسائش اور حسن خیزی پر دال ہو اور یہ طریقہ تاکید الممدوح کا نہایت عمدہ ہے اور
اسکی عمدگی کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ اس طرح مدح کا ثابت کرنا ایسا ہے جیسے دعوے کے ساتھ
گواہوں کا موجود ہونا اس لیے کہ شاعر نے اپنے مطلوب کے نقیض کو اور وہ ممدوح کے عمل میں قزاق کا
موجود ہونا ہے ایک محال شے سے معلق کیا ہو اور وہ محال یہ ہے کہ غمزدہ چشم ستمناک قزاق ہو اور جو چیز
محال پر معلق ہوتی ہو وہ محال ہوتی ہے پس قزاق کا نہ موجود ہونا ممدوح کے عمل میں تحقق ہو کیونکہ غمزدہ چشم ستمناک کا جبکہ
قزاق ہونا محال ہوگا تو ممدوح کے عہد میں قزاق کا موجود ہونا بھی محال ہوگا۔ یاد رکھو کہ تعلیق بالمحال کی
صورت میں بن سکتی ہے کہ غمزدہ چشم ستمناک کو قزاقوں میں داخل ٹھہرایا جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ
مطلوب استثنائے اصل احوال ہو یعنی مستثنیٰ سے اس طرح کا ہو کہ مستثنیٰ اس میں داخل ہو اور اسکی قزاق
میں سے ایک نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ استثنائے منقطع ہے اور اسکو مجاز استثناء کہتے ہیں درحقیقت یہ
خطوات ہوا و تاہر کے ہوتے ہیں۔ استثناء مستثنیٰ سے ہے ذکر کرنے سے یہ بات خیال کی گئی تھی کہ شاعرین قزاقوں

مین سے جنکی اس سے قبل نفی کی گئی ہے کوئی تفریق خارج کر کے ممدوح کے عمل میں تفریق کا ہونا ثابت کرے گا تا کہ ممدوح کی مذمت ثابت ہو جائے اور یہ خیال اس لیے پیدا ہوا تھا کہ جب تمام قزاقوں کی نفی کر کے صرف استثنائے ذکر کیا تو سننے والے کو یہ توہم ہوا کہ استثنائے متصل ہو اور اب مستثنیٰ منہ کے افراد میں سے کوئی فرد مستثنیٰ کر کے ممدوح کے عمل میں اس کا موجود ہونا ثابت کیا جائے گا مگر جبکہ شاعر نے صرف استثنائے ذکر کی یہی چیز کا ذکر نہیں کیا جو واقع میں مستثنیٰ منہ کی فرد ہوتی بلکہ بجائے اُس کے ایک مدح کی بات کو ذکر کیا تو سامع کو معلوم ہو گیا کہ بیان استثنائے متصل نہیں منقطع ہو اور ادراۃ استثنائے بعد ضاع کا اس جملہ کو اختیار کرنا جو باعث مدح ہو شاعر کی جانب سے اس بات کی طرف اطلاق ہو کہ مین نے ممدوح کے عہد میں کسی تفریق کا وجود نہ پایا جس کا مین اُن قزاقوں میں سے استثنائے ذکر تا جن کا اُس کے عمل میں ہونا بیان کیا ہو اس لیے مین نے مجبور ہو کر کلام کے پورا کر کے کو صفات مدحیہ کیساتھ استثنائے ذکر اور ایک خوبی کی بات کو مستثنیٰ قرار دیا اور استثنائے ذکر کو اُس کی اصل سے پھیر کر استثنائے منقطع کے ساتھ بدل دیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اصل مدح تو یہ ہو کہ شاعر نے ممدوح کے عہد میں تمام قزاقوں کے وجود نفی کی ہو اس حیثیت سے کہ کہا ہو مصرع -

نہیں کوئی عمل میں اُس کے تفریق

اداس مدح کی تاکید اس طرح استثنائے ذکر سے ہو گئی۔ اسی قبیل سے یہ بیت دبیر کی -

بے مہری افلاک سے گو خاک بسر ہوں | بان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہنر ہوں

گویا شاعر نے تمام عیبوں کی اپنی ذات سے نفی کی ہو پھر ایک اچھی صفت کو اُن بُری صفتوں میں داخل ٹھہرا کر اُن سے استثنائے ذکر کیا ہو۔ ہنرمندی کا عیب ہے ہونا محال ہو پس ہنرمندی کو عیب بتا کر اپنی ذات میں عیب ثابت کرنا منہوی طور پر تعلیق بالمحال ہو اس لیے کہ اُس کے اس قول کے -

بان عیب بڑا یہ ہے کہ مین اہل ہنر ہوں

یہ معنی ہیں کہ مجھ میں مطلقاً کوئی عیب نہیں مگر بان بڑا عیب مجھ میں یہ ہے کہ مین صاحب ہنر ہوں اگر ہنر عیوب میں داخل ہو سکیں ہنر کا عیب میں داخل ہونا محال ہو تو اس صورت میں عیب کا ثبوت بھی میری ذات میں محال ہوگا اور اس طرح مدح کا ثابت کرنا بسا ہر جیسے دعوے کے ساتھ گواہوں کا موجود ہونا اور یہ اسکی خوبی کی ایک وجہ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح مدح کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاعر بے عیب میں تمام محال ہو کر اُن کو اُن فرد عیب کی ایسی نہیں نکلی کہ اُس کے ذریعہ سے استثنائے ذکر یا جاتا اس لئے کہ نام کرنے کے واسطے مجبور ہو کر ایک تعریفی بات کو مستثنیٰ بنا لیا۔ اگرچہ مستثنیٰ منہ اور ادراۃ استثنائے ذکر

ذکر نہیں کیا لیکن سون کلام سے شامل پر ظاہر ہے یہ مضمون ماخوذ ہے میر کے اس شعر سے۔

سب چاہتے ہیں رشد مراد یوں تو بڑی تیر

شاید ہی اک عیب ہو ملے کہ تیر ہے

(۲) دوسری قسم تاکید المذبح بامیشبہ الذم کی یہ ہے کہ ایک صفت بیان کی جائے پھر حرف استثنا مذکور کر میں جس کے یکا یک یہ معلوم ہو کہ اب کوئی مضمون مخالف مضمون جملہ اول کے لکھے گا لیکن جو جملہ استثنائے بعد لائے وہ مدح کا متضمن ہو جیسے۔

ایس

زوج اُسکا ہے اقلیم امامت کا شہنشاہ

پر دوت دُنیا سے ہر ان دونوں کو کرام

پر استثنا کا حرف ہو وجہ تاکید مدح کی اس مثال میں یہ ہے کہ اول کے زوج کو اقلیم امامت کا شہنشاہ بتایا اور ظاہر ہے کہ یہ صفت مدح کی ہے اور جب حرف استثنا لایا تو اس سے شبہ جاتا تھا کہ اب کوئی مضمون مخالف مضمون اول کے مذکور ہوگا لیکن جبکہ اس کے بعد مذکور کیا کہ دنیا کی دوت سے اکراہ ہے تو مدح کو تاکید حاصل ہو گئی اور یہ صورت مدح بامیشبہ الذم اس لیے کہلاتی ہے کہ اصل حرف استثنا میں یہ ہے کہ اُسکا مابعد ماقبل سے مخالفت رکھتا ہو اور یہ بات بیان ہو نہیں بلکہ بیان مابعد ماقبل کے موافق ہی پس یہ طریقہ ایسی مدح ہوگا جو مذمت کی صورت رکھتا ہو اس قسم میں بھی استثنا منقطع ہوتا ہے مگر فرق اتنا ہے کہ پہلی قسم میں اُسکو متصل ٹھہراتے ہیں اور بیان اپنے حال پر باقی رہتا ہے اس لیے کہ بیان کوئی ایسی ہی عام صفت نہیں ہوتی کہ جس کی نفی کر کے اس میں ایک اچھی صفت داخل ٹھہر سکے اور جبکہ ایسا نہیں تو بیان تعلیق بالمحال بھی پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اُسکے لیے مستثنیٰ عام ہونا چاہیے جس میں مستثنیٰ کو داخل ٹھہرا سکیں پس یہ قسم اُس دعوے کی طرح نہیں سمجھی جاسکتی جس کے ساتھ گواہ موجود ہوں اسی وجہ سے پہلی قسم کو افضل سمجھتے ہیں اسی قبیل سے ہے۔

مثنوی سعدی

مثنوی ہے مگر پری تصویر پا

نظم میں خوبون کی ہے تفسیر

حالی

تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز

فائدہ تاکید المذبح بامیشبہ الذم کے باب میں انادہ مراد میں استدراک بھی استثنا کی طرح

سمجھا جاتا ہے کیونکہ دونوں کی حالت قریب قریب ایک سی ہے کیونکہ دونوں اُس چیز کے نکالنے کے لیے میں جانے ماقبل میں حقیقتہً داخل سمجھی جاتی ہے زیادہ تا مشا کسی شخص کے ایک صفت بیان کی

پھر حرف استدراک کے بعد ایک دوسری صفت ذکر کی تو اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہوگا کہ شکل نے صفت اول کے خلاف کوئی ایسا حال نہ پایا کہ اسکا استدراک صفت اول پر کرنا اسلئے کلام کے تمام کرنے کے لیے دوسری صفت کے ساتھ استدراک کرنے پر مجبور ہوا۔ یاد رکھو کہ اگر استثنائے منقطع میں لیکن کے معنی میں ہوتا ہو اور بعض کے نزدیک لیکن فقط استدراک کے واسطے آتا ہو اور اگر استثنائے واسطے اور حق یہ ہو کہ لیکن اور مگر میں نازک سا فرق ہو۔

فائدہ دیگر فصحاے فارسی داندوں نے اس قسم پر ایک دوسرا لطف بڑھایا ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسری صفت جو اداة استثنایا استدراک کے بعد مذکور ہوتی ہو وہ ایسی ہوتی ہے کہ جو مدح میں صفت اول سے کامل تر ہوتی ہے جیسے۔

ناسخ

رفتار میں اور رنگ سلیمان ہے یہ گھوڑا
 یہ صورت و سیرت میں تو انسان ہے گھوڑا

پہر استثنائے حرف ہوا دل گھوڑے کو رفتار میں تخت سلیمان بتایا اور ظاہر ہو کہ اور رنگ سلیمان کی رفتار نہایت تیز تھی پھر اداة استثنائے بعد ایک ایسی صفت بیان کی جو صفت اول سے بھی کامل تر ہے اور وہ گھوڑے کا صورت و سیرت میں انسان قرار دینا ہے اور ظاہر ہو کہ تخت سلیمان پر انسان ہر جہا افضلیت حاصل ہے۔

ممنون

تفاوت قامت یا اور قیامت میں یہ کیا ممکن
 وہی فتنہ ہی لیکن بیان ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے

لیکن حرف استدراک ہر پہلے کہا وہی فتنہ ہے اور بعد اسکے کہا لیکن اس سے وہم ہوا کہ اب شاید مجھ اس سے کم کہنا منظور ہے جب بعد اسکے کہا کہ بیان ذرا سانچے میں ڈھلتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قیامت سے بھی زیادہ ہے۔

تسلیم

عسام العام پر نوازش بہت
 پر نوازش کو اسبہ نوازش ہے

فائدہ دیگر شعراے فارسی داندوں نے اس قسم میں ایک اور لطف پیدا کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ دوسری صفت اس طرح کی لگتی ہیں کہ بادی النظر میں یہ معلوم ہوتی ہے لیکن دئے نامل سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ بھی تعریف ہے مثال اسکی۔

شباب

عدل سے اُسکے زمانے میں ہر کوئی مہموری اپنے اعدا کو مگر رکھتا ہی بر باد مدام کسی کو مدام بر باد رکھتا ہی جو معلوم ہوتی ہو لیکن جب غور کیا تو عین مدح نکلی کس لیے کہ اپنے اعدا کو بر باد رکھنا نہایت کامیابی پر دلیل ہے۔

سودا

انصاف یہ اب عمدہ میں اُسکے ہر کہ فریاد لایا نہ بنون تک کوئی غیر از جبر من رنگ

دلہ

یہ جائز جان میں کرم سے ترے نہیں کوئی شکستہ حال مجب نہ تو بہ و خمار صنعت تاکید الذم بحال شبہ المدح یہ ضد ہے تاکید المدح بحال شبہ الذم کی یعنی ہجو کی تاکید ایسے لفظوں کے ساتھ کرنی کہ وہ مدح سے مشابہت رکھتے بنون اور جب غور کریں تو ہجو و ندمت کی تاکید ہوتی ہو اور اسکی بھی کئی صورتیں ہیں۔
 (۱) کسی شے کی اچھائی کی نفی کی جائے جس سے ہجو ثابت ہو پھر اور ایک بری بات کو اُس کی حق بات میں داخل نہ کرنا کہ یہ کلمہ استثناء کے اُس میں سے مستثنیٰ کریں کلمہ استثناء کو مٹنے سے مدح کو یہ معلوم ہو کہ اب تعریف مقصود ہے لیکن بعد کو کوئی بُرائی کی بات معلوم ہونے سے وہ استثناء عین ہجو ہو جائے مثال سکی۔

میر تقی

کے ہر اک کو دینے سو سو بار | پرندے جز قریب تادہ سال |
 مقصود بالتعمیل مصرع دوم ہے شاعر نے اوّل اس شخص سے جس کا ذکر اوپر کے شعروں میں ہے تمام اُن چیزوں کے دینے کی نفی کی جن کے دینے کے لیے ہر اک کو سو سو بار کہتا ہے پھر اُن چیزوں میں سے قریب کے دینے کو مستثنیٰ کر لیا جب حرف استثناء کو ذکر کیا تو متوہم ہوا کہ شاید اسکے ذریعہ سے اُن چیزوں میں سے جن کے دینے کی نفی کی ہے کسی چیز کا دینا ثابت کرے گا اور جب قریب کا ذکر کیا تو فی نفسہ ندمت نکلی قریب کا اُن چیزوں میں سے ہونا محال ہے جنکے دینے کا وہ ہر ایک کو سو سو بار کہتا تھا پس قریب کو اُن چیزوں میں سے بتا کر اُسکے دینے کو ثابت کرنا معنوی طور پر تخلیق بالمحال ہے ایسے کہ شاعر کے اس قول کے مصرع

پرندے جز قریب تادہ سال

یہ معنی ہیں کہ وہ جن چیزوں کے دینے کے لیے سو سو بار کہتا ہے اُن میں سے مطلقاً کوئی چیز نہیں دیتا مگر فریب دیتا ہے اگر فریب اُن چیزوں میں داخل ہو لیکن فریب کا اُن چیزوں میں داخل ہونا محال ہے تو اس صورت میں اُن چیزوں میں کچھ دینے کا ثبوت ہی نسبت بھی محال ہے جسکے دینے کے لیے وہ کہتا ہے اور اس طرح مذمت کا ثابت کرنا ایسا ہے جیسے دعوے کے ساتھ گواہوں کا موجود ہونا اور اس مثال کی تاکید کا فائدہ بخشے کی یہ ایک وجہ ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ استثناء میں اصل یہ ہے کہ مستثنیٰ نہیں مستثنیٰ داخل ہوا اسی کو استثناء متصل کہتے ہیں بخلاف استثناء منقطع کے کہ وہ اصل نہیں پس جبکہ شاعر نے اداة استثناء کو ذکر کر کے استثناء کرنا چاہا تو مستثنیٰ والے کو یہ توہم ہوا کہ اب ایسی چیز کا ناقابل سے استثناء کرے گا جس سے اُس شخص کی نسبت اُن چیزوں میں سے کسی چیز کا دینا ثابت ہوگا جسکے دینے کے لیے سو سو بار کہتا ہے پھر جبکہ فریب تادمہ سال کہا تو اس سے مذمت کی تاکید ہو گئی مستثنیٰ والے کو جو استثناء متصل کی امید تھی اُسے چھوڑ کر شاعر نے استثناء منقطع کا طور اختیار کیا تاکہ مستثنیٰ والا سمجھ جائے کہ اُس شخص نے جن چیزوں کے دینے کے لیے سو سو بار کہا تھا اُن میں سے ایک چیز بھی نہیں دیتا اگر اُن میں سے ایک چیز بھی دیتا تو شاعر اُس کا استثناء کر کے اپنے کلام کو استثناء متصل بنانا چار کلام تمام کرنے کی غرض سے اُن چیزوں میں سے فریب کا استثناء کر لیا گیا اور اگر ایسا نہ کرتا تو کلام غیر مفید رہتا کیونکہ جب شاعر نے یہ کہا پرندے خرواہ سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اسی کے فریب پر نوازش کی یہ بیت ہے

کے تیغ جفا سے چرخ سے امید ہنسنے کی | جو ہوئے بھی تو بان شاید وہاں زخم خندان ہو

اول چرخ سے ہنسانے کی نفی کی اور اس امر کا بیان کیا کہ اسکی جفا سے کسی کو امید ہنسنے کی نہیں اور پھر وہاں زخم کے ہنسنے کا اُس سے استثناء کیا جس کی جفا سے کسی کو ہنسنے کی امید نہ ہونا کھلی ہوئی بات ہے پھر کہا بان جو ہو وہ بھی تو سامع کو اس سے توہم ہوا کہ اب کسی اچھی بات کا پہلی بات سے استثناء کیا جائے گا اُسکے بعد شاعر نے بیان کیا بان شاید وہاں زخم خندان ہو اور یہ مذمت ہے اس لیے وہاں زخم کا ہنسانا یعنی اُس کا شکافہ ہونا اور جراحت کا بڑھنا نہایت موجب تکلیف ہے پس اس قول سے بھی آثار دہی اور جفا کاری چرخ کی ثابت ہوئی اول چرخ کی جفا کاری بیان کی اور یہ مذمت ہے اور جب وہاں زخم کے شکافہ ہونے کو مستثنیٰ کیا تو یہ جفا کاری کی تاکید ہو گئی کیونکہ اس صورت میں مذمت اور مذمت کے ثابت ہوتی ہے اور بیان بھی تاکید کا فائدہ دو طور پر اُسی طرح حاصل ہوتا ہے جس طرح میر کے شعر میں بیان ہوا کہ ایک وجہ تعلیق بالکمال ہے اور دوسری وجہ

استثنا سے منقطع کا طور اختیار کرنا اور اگرچہ اداۃ استثنا کو شاعر نے ذکر نہیں کیا ہے لیکن سیاق کلام سے متامل پر ظاہر ہے۔

(۲) دوسری صورت تاکید الازم بایشبہ المدح کی یہ ہے کہ اول کسی شے کی مذمت کی جائے پھر استثنا کا کوئی حرف مذکور ہو اسکے بعد اور ثانی کا ذکر کریں اور بظاہر حرف استثنا کے مذکور ہونے سے یہ شبہہ جاتا ہو کہ آگے کوئی تعریف بیان کی جائے گی لیکن وہ جملہ بھی ہجو ہی کا متضمن ہوتا ہے اسلیٰ مصرع چارم اس بند کا۔

میر	
در پہ عمدون کے روز و شب شر و شور بے لیے دیکھیں نے کسی کی اور	صرف ایک سرفریب و رشوت خور مردہ شور و وہ سب کفن کے چور

رحمتہ اللہ برادرین بنائش

مردہ شو بھی ہوا اسکے بعد پر حرف استثنا کے مذکور ہونے سے یہ شبہہ گیا کہ اسکے بعد کوئی جملہ متضمن تعریف کا ہو گا مگر دیکھا تو وہ بھی ہجو ہی اور یہ استثنا سے منقطع ہوا اور چونکہ اسکو متصل نہیں ٹھہرایا ہوا اسلئے بیان تاکید ایسی نہیں جیسے دوسرے شے کا گواہی کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ یہ تعلیق بالمحال پر مبنی ہے اور تعلیق بالمحال استثنا سے متصل پر مبنی ہے پس اس میں تاکید مذمت کی صرف ایک وجہ سے ہوا اور اسکی تقریر یہ ہے کہ جب مستثنیٰ منہ یعنی مردہ شو کے بعد حرف استثنا کو ذکر کیا تو سننے والے کو یہ توہم ہوا کہ اب کوئی دوسری مذمت کی بات بیان کر کے اسکی نفی مستثنیٰ منہ سے کرے گا کیونکہ اثبات سے استثنا نفی ہوتا ہے پس جبکہ یہ بیان کیا کہ وہ سب کفن کے چور ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ شاعر عمدون میں ایک دعیب کردہ کفن کا مجرمانہ ثابت کرنا چاہتا ہے اور اس سے انکی مذمت کو تاکید حاصل ہو گئی اور اس اسلوب کلام سے سامع کی سمجھ میں یہ بھی آگیا کہ شاعر کے لیے ممکن نہ تھا کہ عمدون میں سے کسی مذمت کی بات کی نفی کر کے اسلئے اسنے کلام کو تمام کرنے کے لیے مجبوراً مذمت سے مذمت کی طرف استثنا کیا اور استثنا سے متصل کو منقطع کی طرف پھیر دیا۔

(۳) تیسری صورت تاکید الازم بایشبہ المدح کی اور ہے جو شعراے فارسی دارود نے اس صنف میں تصرف کر کے نکالی ہے اور وہ یہ ہے کہ اول ایک شے کی تعریف و خوبی بیان کریں پھر دوسری تعریف اسکے ساتھ ایسی شامل کریں جس سے وہ صفت بالکل مجبوراً مذمت ہو جائے جیسے میر کے خمس کے اس بند میں۔

ایک مدت تھی آج کل پر بات	ابنو ہے صبح اب ہوئی ہے رات
ہے بہت شیخ کی غنیمت ذات	جمع آدم میں اتنے کب ہوں صفات

مفتری و دروغی و محتال

مصرع سوم و چارم سے صفت ثابت ہوئی مصرع پنجم میں جو صفات بیان ہوئیں اسے بالکل بھو ہو گئی۔

حالی

بھڑے جو کام چاہیے سیکھے	جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور
حسد و نفص و غیبت و بہتان	بخل و حرص و ہوا و فسق و فجور

اول جو یہ کہنا کہ مجھے جو کام چاہیے سیکھے تو اس سے تعریف پیدا ہوئی کیونکہ یہ امر سہ دانی اور ہر فن مولا ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرے اور تیسرے مصرعوں کے مضمون سے وہ تعریف مذمت سے بدل گئی۔

جرات

کب وہ صیاد اسیرون کی خبر لیتا ہے	اور جو لیتا ہے تو مقرض سے پر لیتا ہے
اسیرون کی خبر لینا صفت مدح کی ہے جب یہ بیان کیا مقرض سے	پر کرتا ہے تو وہ مدح بعینہ بھو ہو گئی۔

مہر

اسیران نفس پر جب عنایت آپ کرتے ہیں	کسی کو ذبح کرتے ہیں کسی کے پر کرتے ہیں
------------------------------------	--

میسر

پھر آج میر مسجد جامع کے تھے امام	داغ شراب دھوئے تھے کل چائنا زکا
----------------------------------	---------------------------------

مسجد جامع کا امام ہونا ایک امر عظیم ہے۔ دوسرے مصرع کے ذکر کرنے سے وہ تلخیم بدل بہ غفیر ہو گئی۔
فائدہ یہ بھی صحت ہر چند لوگوں نے تاکید الذم بایضہ المدح کی اقسام میں داخل کی ہے لیکن غور کیا جاتا ہے تو یہ شکل الذم بایضہ المدح ہے نہ تاکید الذم بایضہ المدح۔

صنعت الحاق الجزی بالکلی شرحہ بریحہ ابن جبار و انوار اللمع فی انواع البدیع تصنیف سید علیخان مین مذکور ہے کہ اطلاق کل کا جزیر عظیم کے لیے کرتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں ان ابراہیم کان ائمہ اسکے معنی مفسرین نے بیان کیے ہیں کہ ابراہیم اوجہ اس بات کے جمیع صفات خیران میں جمع ہیں تنہا ائمہ تھے متقی بھی کہتا ہے۔

ہوا الغرض الا انہ درویش کا تھا	و من زکات الدنیاء دانت اخلاق
--------------------------------	------------------------------

یعنی اسے مدوح تو تھا خلاق ہے ایسے کہ اوصاف کثیرہ تجھ میں جمع ہیں اسی قبیل سے ہر نواب و در
میران کا اطلاق ایک شخص پر یا کسی کو بندگان حضور کتنا اسی طرح اولاد حسن اولاد علی نظام الدین دلیا
بابا حسن ابدال کعبہ حبار عبید اللہ احرار۔

دبیر

ارباب سخن پر جو سخن ور ہے ہمارا | القاب سخن سخن سخن ور ہے ہمارا
پہلے مصرع میں ور غالب کے معنی میں ہے اور القاب کا اطلاق ایک لقب کی جگہ کیا گیا ہے۔

میسر

سُنیو یارو بلا سراے کا حال | ایک گنج ہے وہ عجائب مال
بلا سراے کو مجموعہ عجائب ہونے کی وجہ سے جانب کہا۔
غلام سرور تخلص بہ سرور
صدق دل سے جو کڑے تیرے قدم | ایک ہی دم میں اولیا بن جائے
یعنی ایک شخص میں تمام ولیوں کی خوبیاں اور کمالات جمع ہونے کی وجہ سے اولیا ہو جائے۔

فکار

کہا بھیر ایک نے اُسدِ بجا یک | عجب آدم ہے یہ شکلِ ملائک
صنعتِ بکریہ یہ صنعت اس طرح ہے کہ ایک شے ذی صفت سے ایک ورثے اُسی طرح کی ذی صفت
حاصل کریں اور غرض اس سے مبالغہ ہوتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ پہلی شے اُس صفت میں ایسی کامل ہے
کہ اُس سے ایک ورثے اُسی طرح کی حاصل ہو سکتی ہے اور یہ صنعت کئی طرح مستعمل ہوتی ہے۔
۱) جس چیز سے کوئی چیز اُسی صفت کی حاصل کوئی اُس کے ساتھ حرف سے کہ اُردو میں ازکار جمہ ہے
ذکر کریں جیسے۔

صہبائی

آتشِ غم ایسی کچھ بھڑکی کہ پل میں ہو گیا | داغِ دل سے آفتاب روزِ محشر آشکار
اس جگہ دل کے داغ کی سوزش میں مبالغہ منظور ہے یعنی داغِ دل کا سوزش میں اس مرتبہ کو پہنچا ہے
کہ اُس سے آفتاب حاصل ہو گیا ہے۔

غلام محی الدین

چہرہ الور سے تیرے ماہِ کاملن آشکار | اور گیسو سے معبر سے شبِ یلدا غیاں

چہرے کو نورانیت میں کامل مانا ہو اور اس سے ماہ کامل حاصل ہو سکتا ہو ایسا ہی کیسو معبر سے
شبِ یلدا کو حاصل کیا ہے۔

دلغ

گو فرق صبح و شام ہے ظلمت کو نور سے
دو دنوں کا ہی ظہور ہمارے ظہور سے
ہو جائے رات دو دو دلِ ناصبور سے
دکھلا میں روزِ حشر کو بین السطور سے

ایسے سیاہ نامے کی طولانیوں میں ہم

پہلے شعر کا مفاد یہ ہے کہ اپنے آپ کو نور و ظلمت میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اپنے سے نور و ظلمت کو حاصل
کیا ہو اور تیسرے مصرع کا مفاد یہ ہے کہ اپنے دلِ ناصبور کے دو دو کو تار کی میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اُس سے
رات کو حاصل کیا ہو اور چوتھے مصرع کا حاصل یہ ہے کہ سیاہ نامہ ایسی طوالت کو پہنچا ہے کہ اُس کے میں السطور
سے روزِ حشر حاصل ہوتا ہے۔

رمضان علی

اشک جاری راندن ہی چشمِ گریان سے مری
اس قدر رویا کہ اشکوں سے گھر پیدا ہوا
اس جگہ اشکوں سے گھر کو حاصل کیا ہو اور اس سے اشکوں کی حالت میں مبالغہ منظور ہے۔

وزیر

کسا شمعِ رخ سے ہر روشن چراغِ آفتاب
ان دنوں کچھ آسمان پر ہر دو باغِ آفتاب
مشتوق کے رخ کو نورانیت اور حسن میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اُس سے آفتابِ تحصیلِ روشنی کرتا ہے۔

دوست

روشن گریہ مری چشم سے سیلابِ نہالی
بقراری دلِ بیتاب سے سیلابِ نہالی

نصرت

خوشید نے ضیاءِ نور سے پائی ہے
رنگتِ حقیق نے لبِ حمر سے پائی ہے
بوشک لے یہ زلفِ مجرب سے پائی ہے
سوئی نے آبِ نون کے گہر سے پائی ہے

یہ قسم ظاہر میں تشبیہ معلوم ہوتی ہے لیکن جو معنی مشابہت کے بطریقِ تجرید کے مستفاد ہوں انھیں اصطلاح
میں تشبیہ نہیں کہتے۔

(۲) جس شے سے کوئی اور شے حاصل کریں اُس شے کو حاصل شدہ شے کا ظرف مقرر کریں
جیسے اس شعر میں۔

حسرت

گر کے کوئی بہشت میں کیونکہ یہ لوگ جائیں گے
 پیارے عاشقوں کو تو گھر میں بلکہ اُس طرح
 مراد یہ ہے کہ مخاطب یعنی معشوق کا مکان خود بہشت ہے لیکن معشوق کے گھر سے بہشت کو حاصل کیا
 ہے گویا بہشت اُس میں تیار و مہیا ہے۔

نظیر اکبر آبادی

جو صحن باغ کا ہر وہ ایسا ہے دلکش
 آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا

آزردہ

نہ دیکھا ہو جو کسی نے جناب میں دریا
 وہ دیکھ لے مری چشم برباب میں دریا
 مراد یہ ہے کہ چشم برباب خود دریا ہے لیکن چشم برباب سے دریا کو حاصل کیا ہے گویا وہ اس میں آمادہ
 رہتا ہے۔

امومن

سوز غضب سے ہے کرۂ نارینے میں
 اس جگہ سینے کی سوزش میں مبالغہ منظور ہے یعنی سینہ سوزش میں اس مرتبے کو پہنچا ہے کہ اس سے
 کرۂ نار حاصل ہو گیا ہے۔

ناسخ

روزبان سیکڑوں بیوش بڑے رہے ہیں
 ہے گر خانہ خمار سے گویے میں
 باعتبار بیوش کر دینے کے معشوق کے کوچے کا مبالغہ مقصود ہے یعنی معشوق کا کوچہ بیوش کر دینے میں
 ایسا کامل ہے کہ گویا خانہ خمار اس میں آمادہ موجود ہے۔

محمد اشرف اشرف

آتش دل سے ہوا یہ بجھے ڈر پیدا
 کہ مرے سینے میں ہر دے نہ محند پیدا
 آتش دل کی وجہ سے سینے کی سوزش میں مبالغہ منظور ہے یعنی آتش دل سینے میں ایسی جڑ کھائی ہے کہ
 اس میں محند کے پیدا ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ محند ایک جانور ہے کہ جسکی نسبت مشہور ہے کہ ایسی آگ میں جو
 عرصہ دراز سے روشن ہو پیدا ہو جاتا ہے اور آگ میں رہتا ہے۔

(۳) حرف نے کے ساتھ جو علامت فاعلیت ہے ایک شے سے دوسری شے اسی صفت کی
 حاصل کرتے ہیں۔ جیسے

ظفر

تیرے دندان نے کچے گوہر غلطان پیدا
کب رنگین سے ہوئے نعل بن خشان پیدا

اس جگہ دانتوں کی صفائی اور آبداری میں مبالغہ منظور یعنی دانت صفائی اور چمک میں اس درجہ کو پہنچے ہیں کہ ان سے گوہر غلطان حاصل ہو گئے ہیں اور دوسرا مصرع پہلی قسم کی مثال میں ہے۔
(۲۷) ایک شے ذی صفت سے دوسری شے ذی صفت حرف کو کے ساتھ جو مفعولیت کی علامت ہے حاصل کریں جیسے شعر دہر کا ہے

فردوس میں پہنچے جو جنت میں پہنچے
جنت کو دیکھا جو کربلا کو دیکھا

مُراد یہ ہے کہ کربلا خود جنت ہی لیکن کربلا سے جنت کو حاصل کیا ہے گویا جنت اُس میں تیار و مہیا ہے اور پہلا مصرع دوسری قسم کی مثال میں ہے۔
(۵) کسی حرف کا واسطہ نہو جیسے۔

امیر مینائی

یادِ صوقت مدینے کی فضا آتی ہے
اسانس لیتا ہوں تو جنت کی ہوا آتی ہے

فضا سے مدینہ کو ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اس سے ہوا سے جنت کو حاصل کیا ہے مطلب یہ ہے کہ فضا سے مدینہ ایسی عمدہ ہے کہ جب وہ یاد آتی ہے تو اسانس سے ہوا سے جنت کی کیفیت معلوم ہونے لگتی ہے۔

ولہ

جس مسافر کو مدینے کا دیار آئے نظر
جیتے جی روضہ جنت کی بہار آئے نظر

نامح

وہ شوخ فتنہ انگیز اپنی خاطر میں سمایا ہے
کہ ایک گوشہ ہر صحرا سے قیامت جسکے دامان کا
مشتوق کے دامن سے صحرا سے قیامت کو حاصل کیا ہے۔

ضوء

جاوہ طور دکھاتا ہے تمہارا عارض
بچ کو یہ ہے کہ بے نراآت تجھے عارض

عارض کو تجلی میں ایسا کامل قرار دیا کہ اس سے طورہ جمود حاصل گیا۔

آرام پر شاد تجرید

آفتاب شہرِ بحرِ توبت جہین یار کا
روزِ رستخیز ہے سایہ قد و لدار کا

ناسخ

دورے دیکھی جھلک جو عارض پُر نور کی
بام جانان پر نظر آئی تجلی طور کی بڑ
مشوق کے عارض کو نورانیت میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اُس سے کوہ طور حاصل کیا ہے۔

دلغ

عشق کے کوچے نے ہلودہ دکھایا ہے
حضرت آدمؑ نے جو دیکھا نہ اپنی بادی میں
مُراد ہے کہ کوچہ عشق خود بہشت ہے کوچہ عشق کو ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اُس سے
بہشت حاصل کی ہے۔

ظفر

نہ ہوتا گرہ ترا خط سبز و خال سیاہ
نشان طوطی کا ہوتا کہیں زاغ کا نام
مشوق کے خط کو سبزی میں اور خال کو سیاہی میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اُس سے طوطی اور
زاغ کو حاصل کیا ہے۔

ولہ

کوچہ یار میں تو بھرتا ہے جسم دم سر جا
ای غفر آئے ہر اک باد کا جھونکا ٹھنڈا
عاشق نے اپنے دم سرد کو تاثیر سردی میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اُس سے ہوس سرد کو حاصل کیا ہے۔

ولہ

اجلا جی نہ دلُ مفت لیکر کسی کا
اکھا بھی تو مان اسے شکر کسی کا
یعنی غرض یہ ہے کہ میراجی نہ جلا حاصل یہ ہے کہ اپنے آپ کو ناحق ہی جینے کی صفت میں ایسا
کامل قرار دیا کہ اپنے سے اور شخص حاصل کیا اور بیان واسطہ کسی حرفت کا نہیں نہ حرف سے
کانہ میں کانہ سنے کانہ کو کا اسی طرح دوسرے مصرع میں لفظ کسی کا حال ہے کہ بیان بھی اپنی
فات کو مشوق کا صفت الیہ نمونے کی صفت میں ایسا کامل قرار دیا کہ اپنے سے اور شخص
حاصل کیا اور بیان بھی کسی حرف کا واسطہ نہیں اگر کہا جائے کہ یہ مثال تفات کے تبیل ہے یعنی تکلم
سے غیب کی طرف رجوع کیا ہے پس اس صورت میں تجرید نمونے کی کیونکہ التفات میں پہلے طریق کے
ساتر جس معنی کی تعبیر کی جاتی ہے وہ وہی ہونے میں جن کی تعبیر دوسرے طور پر کی جاتی ہے اور تجرید
میں جو خط اُس سے پر دلالت کرتا ہے جس سے کوئی شے حاصل کی جاتی ہے اُس کے معنی وہ نہیں بلکہ
کیے جاتے جو معنی اس خط کے اعتبار سے جاتے ہیں جو اُس سے پر دلالت کرتا ہے جو حاصل کی جاتی ہے کیونکہ مقصود یہ دکھانا ہوتا ہے

جو شے حاصل کی گئی ہے وہ اور ہے اور جس شے سے حاصل ہو وہ اور ہے تو ہر جواب دین گے کہ اتنا سے کمزید کے منافی نہیں ہے کیونکہ الثبات میں ایک ہوتے نہ مراد ہے کہ نفس لامر میں ایک ہوں نہ یہ کہ نفس الامر اور اعتبار دونوں میں ایک ہوں اور تجربہ میں علیحدہ علیحدہ ہونا اعتباری طور پر ہے نہ نفس الامر اور اعتبار دونوں میں تاکہ اتفاقات کے منافی ہو حاصل تمام یہ ہے کہ تجربہ میں دونوں کا علیحدہ علیحدہ ہونا ادعائی طور پر ہوتا ہے اور اتفاقات میں دونوں واقعی طور پر ایک ہوتے ہیں اور جبکہ یہ بات ہے تو تجربہ کا اتفاقات کو جامع ہونا مناسب نہیں۔

(۶) کوئی شے بطریق کائنات کے حاصل ہو جیسے اس شعر میں۔

شباب

آئینہ بہ ستا ہی کیوں ہر وقت اُنکے سامنے وہ بھی کھونٹے ہیں دل کیا کوئی صورت بیکر آئینہ دیکھ کر کسی صورت پر دل کھو بیٹھنا ظاہر ہے کہ اپنے اور دل کھو بیٹھنا ہی کیونکہ آئینے میں اپنی صورت نظر آتی ہے پس مشوق سے ایک در صورت خوب ایسی حاصل کی کہ وہ اُس پر عاشق ہوا ہے۔

حجرات

دیکھا روتے مجھے پوچھے ہو وہ آپ ہی بیکر تو نے دل جسکو دیا ہے وہ تمکارت کیا ظاہر ہے کہ جس شکر کو دل دیا ہے وہ خود سائل ہی مگر سائل نے تمکاری میں اپنے آپ کو ایسا کامل قرار دیا کہ اُس سے ایک مشوق تمکار حاصل کیا۔

وحید

بچشم تھارا نہیں دنیا میں کوئی اور باریک کمرنگ دہن اور بڑی آنکھ جو باریک کمر اور تنگ دہن اور بڑی آنکھ مشوق کے بچشم میں یہ سب چیزیں اُنکی کی ہیں مگر مشوق کو باریکی کمر اور تنگی دہن اور کھانی چشم میں ایسا کامل قرار دیا ہے کہ اُس سے ان صفات کے ساتھ متعین ایک امدادات حاصل کر کے اُس مشوق کا بچشم قرار دیا ہے۔

(۷) کوئی اپنے سے آپ بائیں کرے مثلاً پہلے کسی ایسی شے کا غم کرے کہ وہ ممکن حصول ہو اور پھر اُسکو محال سمجھ کر اپنے آپ کو کہے کہ تیری مجال کیا ہو کہ اُسکو حاصل کرے اسی قبیل سے یہ بھی کہ شعرا منقطع میں اپنا تخلص ذکر کر کے اپنی ذات سے خطاب کرتے ہیں جیسے اس منقطع میں۔

غالب

ہوں وام بخت خفتہ سے اک خواجہ شوق غالب یہ خوف ہو کہ کمان سے ارا کروان

العام اللہ خان یقین

تو نہ تھا جیف یقین ورنہ دوانا ہوتا

آج اس طرح کا دیکھا ہر طرف دار کڑا

مومن

ترک صنم بھی کم نہیں سوز تجھ سے

مومن غم مال کا آغسا زد کھینا

حسرت

بھنسا یا تو لے حسرت دلو اس چاہ نچدان میں

مراجی خوش ہوا ایسی ہی جا اسکو ڈونا تھا

سودا

کرتے ای سودا شراپاں زہم میں پیتے ہیں

تو لے ہو کم تراف کی پیت ہی پلٹ پڑھو

صنعت مقابلہ اس کو کہتے ہیں کہ دو یا زیادہ معانی متوافق ہونے یا اس میں پھر بدلنے کے اسی قدر معانی ذکر کرین اور یہ تمام معانی پہلے معانی کی ضد ہوں اور بیان ان کا علی الترتیب ہو یعنی اس طرح کہ جو پہلے اول بیان کیے جائیں ان کے مقابل کے معنی بھی اول ہوں۔ جیسے جہاں اور جو معنی دوسرے نمبر پر بیان ہوں ان کے مقابل کے معنی بھی دوسرے نمبر پر مذکور ہوں اور جو معنی تیسرے نمبر پر ہوں ان کے مقابل کے معنی بھی تیسرے نمبر پر واقع ہوں اور متوافق ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ باہم تقابل نہ رکھتے ہوں اور یہ شرط نہیں کہ باہم متماثل ہوں سب ہوں پہلے جو دو یا زیادہ معانی ذکر کیے جائیں ان میں سے ایک دوسرے کی ضد نہ ہونا چاہیے اور یہ ضرور نہیں کہ باہم متماثل یا تناسب رکھتے ہوں بخلاف مراعات النظر کے کہ ہمیں معانی کا تناسب و تماثل ہونا شرط ہے پس صنعت مقابلہ میں اور مراعات النظر میں یہی فرق ہر سکا کی ہے اس صنعت کو ایک علیحدہ قسم قرار دیکر طباق سے علیحدہ بیان کیا ہے اور صاحب تلخیص نے اس کو طباق میں داخل کیا ہے کیونکہ اس میں بھی دو یا زیادہ معانی کو جو فی الجملہ یعنی بغیر تعیین اور تفصیل کے باہم تقابل رکھتے ہیں جمع کیا جاتا ہے اور یہی حال صنعت طباق کا ہے۔

دو دو کے مقابلے کی مثال۔

اسیر

رات گزری دن ہوا وہ ماہ پہلو سے گیا

دل جلانے کو نقطاب داغ پہلو سے گیا

رات اور گزری دو غلطو کر کے پھر دن اور ہوا دو نقطادور بیان کیے رات کے مقابل دن اور گزری کے مقابل ہوا ہے۔

مرستہ ہم وہ روانہ ہو گئے

فریاد رات بھر جاگے تھے دن کو سو گئے

رات کے مقابل دن جاگنے کے مقابل سونا ہے۔

امیر اللہ تسلیم

تھے اُس دم سے دانا سے راز صد کہ صبح ازل تھی نہ شام اب

صبح کے مقابل شام اور ازل کے مقابل اب ہے۔

ناستغ

اگر دل زار نہ رکوہ غم عشق سے تو کہ اواخر ہی شبک اور اوائل بھاری

اواخر کے مقابل اوائل ہے اور شبک کے مقابل بھاری۔

قلق

کہ ارے او ستمگر او پرفتن پا او جفا دوست او وفا دشمن پا

جفا کے مقابل وفا ہے اور دوست کے مقابل دشمن۔

اوج

چونکا تو نہ اب تک اوج سوتے سوتے دن ڈھل گیا اور رات ہونے آئی

اس سخن دان کے مقابل رات اور ڈھلنے کے مقابل ہونے آیا ہے۔

شمس بدین دل

صبح ہوئی ہے اور رات چلی جاتی ہے تیری اب تک بھی بی بات چلی جاتی ہے

سودا

چہرہ مہروش ہے ایک نیل شک فام دو حسن بھان کے دو زمین کے دو کرا یک شام دو

سحر کے مقابل شام ہے اور ایک شمس کے مقابل دو ہے۔

دبیرا

یہ مطلع اقبال ہے یہ مقطع ادبیارا دن کو دہلا آج دکھائی گئے یہ اکبار

مطلع کے مقابل مقطع ہے اور اقبال کے مقابل ادبیار ہے۔

مومن

ہون میں یہ رز کہ وہ شمع روئے

شام کو آج بخت سحر کو گیا

اول شام اور آج کو ذکر یا پھر شام کے مقابل سحر اور آج کے مقابل گیا کو ذکر کیا۔

المؤلفہ

اگر کام میں آنا ہی دلا ترک جہان میں

ہاتھ اور پانوں مقابل میں اور سینا اور دینا بھی مقابل ہیں۔

اولم

پھینک کے پڑی جھاڑ کے داڑھی ہاتھ کو پھیلا پانوں کو کھینچ

اور تین تین کا مقابلہ نظام کے اس شعر میں ہے۔

اُسکے احباب کی آبادی ہو گلشن گلشن

احباب کے مقابل بدخواہ آبادی کے مقابل دیرانی گلشن کے مقابل صحرا ہے۔

سودا

بسراب جہان میں کوئی ہو جو تجھے بدخواہ

نہر کے مقابل تہہ ہو اور مرگ کے مقابل زیست اور حلال کے مقابل حرام۔

امیس

جو آکے نہ جائے وہ بڑھا یاد کیا

آکے مقابل لے اور جائے کے مقابل آئے ہو اور بڑھا پے کے مقابل جوانی ہو اور ظاہر ہو کہ تین تین کا مقابلہ ہے۔

اور مرزا غالب کا یہ شعر جس میں چار چار لفظ کا مقابلہ ہر تمام صنعت مقابلہ میں ہے۔

ہے ازل سے روئی آغاز

ازل اور ابد سے اور تک روئی اور رسائی آغاز اور انجام سب باہم مقابل میں۔

صنعت محتمل الضد میں اسکو صنعت توجیہ بھی کہتے ہیں یعنی نظم یا نثر شتمل ہر مدح یا ذم وغیرہ کسی قسم کے کلام میں دو وجہ مختلف کا احتمال ہو سکتا ہو اور وہ دونوں جہتیں باہم تضاد کا علاقہ رکھتی ہوں اور کسی کو ترجیح ہو اور برائی اور بخلائی اس کی معنی مناسبت اور نامناسبیت مقام ہونا کسی قرینے سے معلوم ہو سکے اور بعض جگہ قرینہ بھی گم ہو جائے اور سامعین کو دو معنی برسبیل اختلاف کے دریافت ہوں مثال اس کی۔

آتش

جب سبھا آتش کی پکیر نے کچھ شہن شباب

آتش سے ہو گئے ہندو مسلمان ہو گئے۔

دوسرے مصرع میں دو دھمیں ہیں ایک یہ کہ شیعہ نے مذہب اہل سنت کا اختیار کیا اور ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا دوسری یہ کہ اہل سنت نے مذہب تشیع اختیار کر لیا اور مسلمانوں نے اسلام چھوڑ دیا ہندو ہو گئے۔

میرسن

لکھا اسکے نام یہ اک در جواب | کہ عاقل کو نکتہ نگ سے کتاب

یعنی عاقل ایک نکتے کو کتاب کی برابر سمجھتا ہے اور اس سے اتنا فائدہ اٹھاتا ہے جتنا دوسرے کتاب سے اٹھاتے ہیں اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ عاقل کے نزدیک کتاب ایک نکتے کی برابر وقعت رکھتی ہے وہ کتاب کو نکتے کی برابر سمجھتا ہے۔

جرات

ناوس طبع جس سے ہو یا رب حبیبی | ہو جائے گا تر شکل مری س قیب کی

یعنی یا جس قیب سے انس رکھتا ہے میں اسکی شکل پر ہوا ہوں تاکہ یا تجھے محبت کا برتاؤ کرے سکے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ وہ قیب میری شکل پر ہو جائے تاکہ یا اس سے نفرت کرے سکے۔

غالب

کوئی دیرانی سی دیرانی ہے | دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا

ایک معنی یہ ہیں کہ دشت اس قدر دیران ہے کہ اسکو دیکھ کر خوف معلوم ہوتا ہے اور گھر یاد آتا ہے اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ ہم تو اپنے گھری کو سمجھتے تھے کہ ایسی دیرانی کہیں نہ ہوگی مگر دشت بھی اس قدر دیران ہے کہ اسکو دیکھ کر گھر کی دیرانی یاد آتی ہے یہی صورت میں گھر کی آبادی ثابت ہوتی ہے اور دوسری صورت میں دیرانی۔

منہ

سر آرائے کے خود عدے کو مکر چا ہا | ہنسکے ٹوٹے کہ ترے سر کی قسم ہی بھٹکوا

اسکے دو معنی ہیں ایک یہ کہ ترے سر کی قسم تو ہم سر آرائے کے اور دوسرے یہ کہ ہلکوترے سر کی قسم یہی کبھی ہم ترے سر آرائے کے جیسے کہتے ہیں کہ ایکو ہمارے ہن کھانے کی قسم ہے۔

حالی

آگ میں نہا عتایان انصار انسان کا مال | حیرت پر چارین بھوتی بن جلاست سفال

انفیر ہلکی لکھی کا ہون بن جنب یا ہے | امیر جوان خاں ہو کا بسہ مری کدائی کا

صنعت ہجو بلع یہ بھی صنعت تحمل الضدین کے قبیل سے ہے مگر ہر کلام تحمل الضدین ہجو بلع نہیں ہو سکتا اس لیے کہ تحمل الضدین عام ہجو خواہ مدح و ہجو پیدا ہوتی ہو یا اور کبھی مضمون جو باہم تضاد رکھتے ہوں اور ہجو بلع میں ہجو کا ہونا ضرور ہے جیسے اس بند میں میر کے محس کے جو ہجو میں ہے۔

ایک بیک گر کسی کی موت آئی	اُس کے مردے کی پھر ہے رسوائی
کیونکہ ہونچی ہے جن کو آمرائی	سب وہ اولاد حاتم طائی

کون دیکر کفن اٹھاوے لاش

اولاد حاتم طائی مراد بخل و فقر سے ہے پس یہ ہجو بلع ہے۔

ولہ

ایک صف خاک و موصول اڑاتی ہے	سنگ و خشت ایک صف چلاتی ہے
لوہے پتھر کی اُس کی جھاتی ہے	اک قیامت جسلوین آتی ہے

جعفر علی فصیح

مجھ میں اک عیب بڑا ہے کہ وفا دار بھی ہوں	تم میں دو صف ہیں بد خو بھی ہو سزا بھی ہو
--	--

سودا

فاردا حمد نگر ایک ہیں مرد عزیز	تم میں سرتا قدم اور سراپا تمیز
شرع ہر ایک کے کرتے ہیں وہ چھ	جامی کے دیوان خوب جان میں ہیں اپنی بیاض

ہجو بلع کی سب سے بہتر مثال میر کا یہ شعر ہے۔

عدالت ان دنوں ایسی بڑھاتی ہے زمانے نے	کہ شمشید گلو پیٹے ہیں ایک ہی گھاٹ پر پانی
صنعت تدارک و استدراک اس کی تعریف خیر البلاغت میں یوں کی ہے کہ	شاعر مدح اس طرح کرے کہ گمان ہو کہ مذمت کرتا ہے پھر جان لین کہ مدح کرتا ہے جیسے
ذوق کے شعر میں ہے۔	

اگر ہے سو کو کچھ دخل خانے میں تو یہ	نہ اپنا یاد ہے احسان نہ اور کی تقصیر
-------------------------------------	--------------------------------------

دبیر

بے مہری افلاک سے گواک بسر ہوں	ہاں عیب بڑا یہ ہے کہ میں اہل ہوں
الجم میں یوں لکھا ہے کہ کسی مطلب کو نفی مطلق یا اثبات صریح کے ساتھ مخصوص کرین پھر ایک	خاصہ جس کے ساتھ اُس کا تدارک کرین اور ایسی شرط درمیان میں لاوین کہ وہ وصف اس شرط

کے ساتھ متبدل ہو سکے جیسے۔

تدیر

نہیں، اگر انکی سزا کا کسی طرح مقدور
وے لگ رہوں مددگار بندگان حضور

ایضاً

میں کمان جلوہ گہ کو چہ دلدار کمان
ہاں اگر لطف سے وہ اپنے بلا کیو وہاں

طفہ

آپ غصے ہوں تو قصہ سر آکھوں پر
پر شرطیکہ نہواور کسی کے باعث

ولہ

سیکڑوں بہن جگر انگار ہزار دن دل ریش۔ تیرے ہاتھوں لیکن

پاس تیرے کوئی نخچر کوئی تلوار نہیں۔ ہاں مگر ناز و ادا

اسی کے قریب ہے یہ بات بھی کہ شاعر اپنی مدح کے بعد حرف استثنائے جس کو
شکر آدمی سمجھیں کہ بعد اُس کے مذمت کرے گا اور اُس کے بعد دوسری صفت مدح کی بہان
کرے جیسے۔

میسر

سب چاہتے ہیں مُرشد راہوں کو سچا
شاید یہی پاک جیسے مانع کہ ہنر ہے

غالب

اگرچہ از روئے تنگ بے ہنری پا
ہوں خود اپنی نظریں اتنا خوار
کہ اگر اپنے کو کمون حسا کی پا
جانتا ہوں کہ آئے خاک کو عار
اشاد ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
باد شہ کا غلام کار گزار

صنعت فصیح و بلیغ یہ بھی صنعت عمل ارضدین کے قبیل سے ہو وہ یہ ہو کہ ایک کلام
تضمن ہزل کا ہو دوسرا کلام ایسا نہ کہ ہو کہ وہ ہزل کے شہ کو دور کرے اکثر یہ بات اشعار میں
پائی جاتی ہے جیسے۔

مطلب

ماتا ہوں تمہاری میں ہر بار
تکو لازم ہے بکرموں کے میسر
آشناؤں میں سب بڑائی یار
ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار

مجھے پیاری لگی تمھاری رات	چال دھیمی اسے سر و خوش رفتار
خوب کروایا اب تو مست کروا	بھکھوڑ سوا بکو چہ و بازار
حکم ہووے تو آج مارون میں	کھینچ کر پیٹ میں عدو کے کٹار
اگرچہ مطلب کا خوش لگے تم کو	لوٹھو رختہ سجن لکھار

صنعت تجاہل عارف اور سکا کی نے منقلح العلوم میں اسکا نام سوق العلوم مساق غیرہ یعنی روان کرنا معلوم کا بجائے روان کرنے غیر معلوم کے رکھا ہے۔ اور تجاہل العارف کا نام مناسب نہ سمجھا ہے اس سبب سے کہ اس طرح کا کلام قرآن شریف میں بھی واقع ہے پس تجاہل سے نام نہ کرنا اچھا نہیں کتاب صناعتین میں مزج الشک بالیقین اس کا جو نام رکھا ہے شاید وہ بھی اسی بنا پر ہو اور یہ صنعت اس طرح سے ہے کہ کسی چیز کی نسبت باوجود علم کے اپنی بے خبری ظاہر کی جائے بہر صورت جاننے والے کے تجاہل سے کوئی فائدہ اور نکتہ منظور ہوتا ہے اور یہ دو قسم ہے ایک حرف تردید کے ساتھ دوسرے یہ کہ بے حرف تردید کے ہو مثال حرف تردید کے ساتھ تجاہل العارف کی۔

منظف الدولہ صاحب تخلص

بے زلف حلقہ زن خط دلبر کے آس پاس یا اژدہا ہے فوج سکندر کے آس پاس ہر چند یہ شخص خوب جانتا ہے کہ خط دلبر کے آس پاس زلف حلقہ زن ہے مگر اپنے آپ کو انجان قرار دیتا ہے اور فائدہ یہاں زلف کے خط دلبر کو احاطہ کرنے میں مبالغہ ہے۔

فرد

یازیب زنگی ہے ترے یار پانوں میں آیا ہے جو چشم طلبگار پانوں میں

مفسود اس تجاہل سے یازیب کی مدح میں مبالغہ ہے۔

ناسخ

ہر ستارہ دو ذنب یلغی ہر زلف بار میں خال ہے خورشید میں باطل ہے خسار میں

یہاں تجاہل سے غرض رخ اور خال کی تعریف میں مبالغہ ہے۔

ابرو

اُس زلف سیہ کا ہے یہ نقش مارے گئے یا کھیل رہا ہے کوئی کالا مارے گئے

تجاہل سے زلف کی سیاہی میں مبالغہ ہے۔

وقار

موتگانی نوبت کی سوا پر معلوم
اگسودن میں ہے کمر یا بین کمر بر گیسو
یہاں تجاہل بخیر و تعجب کا فائدہ دیتا ہے۔

وسیم

چکا وہ بلال بروے یوسف کا کنوین
یا برق جدا ہو گئی بادل کے دھوپ سے

نعم

سیان گلاب ہی یا عطریا کہ نادر شک
عجب ہی لطف کی بوی ترے پیسے میں

مولفہ

عارض پر ترے زلف ہی یا سنبھل رہے
یا ابر سیہ نہ کے ادھر اور ادھر ہے

ولہ

معلوم نہیں مجھ لی غمی یا تھا دل بیتاب
بالے میں لکھا ہوا کچھ آسکے گرفتار
مثال بغیر حرف تردید کے تجاہل لغات کی۔

اجزات

منہم کتے ہن تیری بھی کمر ہے
کمان ہے کس طرف ہوا رکھ رہے
یہاں تجاہل سے کمر کے ہار یک ہوئے میں نہا فائدہ منظور ہے۔

شاہ بجلی

دامن کا عکس کے پڑا یہ آج تک
پھیلا رہا ہے سرد لب جو بار ہا خفہ
ہر چند شاعر یقینی طور پر جانتا ہے کہ سرد لب جو بار عاشق کے دامن کا عکس دیکھ کر تمنا ہے ہم انوشی
یہ بات پھیلا رہا ہے مگر انجان بکر کو چیتا اور بیان تجاہل نکتہ خیر کیلئے ہے۔

ثابت

ٹوٹتے ہن شب وصل دست شوق بھین
یہ گول گول ہو کیا سخت ترے بنے میں
یہاں بھی وہی نکتہ منظور ہے۔

غالب

انصرۃ الملک بہادرتی مجھے بتلا کہ مجھے
انصر سے جوتی ارادت ہی تو کس بات کہے
یہاں تجاہل مخاطب کو اپنی طرف متوجہ کرنے اور اپنی غایت عقیدت کو قبلا لے کر لے کر ہے۔

جلال الدین عاشق

ایکس کی نوک ٹرکان پڑا تا سورسینے میں | کہ بندھنے کا بھی نپایا زخم کا انگور سینے میں

الصیر احمد خان سیاح

سودا کی سکی زلف بدیشان کا دی کتاب | پھرتے ہو ساری رات جو آشفقہ حال ہے

مومن

تارے انگھین جھپک رہے تھے | تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

نواب یوسف علی خان ناظم

نہیں محسوس ہوں میں محرم کے اندر | چمکتے کیا ہیں دو شمس قمر سے

صنعت لفظ و تشريف سے یہ مراد ہو کہ چند چیز کا ذکر کیا جائے اور نہ شرکاء یہ مطلب ہے کہ اُن چیزوں کے مناسبات کو بغیر تعین کے بیان کریں بغیر تعین کی قید اس لیے ہو کہ تعین کی قید تقسیم میں ہوتی ہے اور یہ صنعت تین قسم پر ہے۔

ایک لفظ و تشريف اس میں تفصیل ترتیب کے ساتھ ہوتی ہے اس لفظ و تشريف دو دو تین میں لفظ اول ایک لفظ اور اُس کے بعد ایک لفظ بیان کریں مثلاً۔

میر محمدی بیدار

سرو دگل پر نظر قمری بلبل نہ پڑے | آدے گرباغ میں وہ سرو گلستان میرا

سرو دگل دو چیزوں کا ذکر کیا اور پھر علی الترتیب سرو کی رعایت سے قمری دگل کی مناسبت بلبل کو بیان کیا۔

ولہ

تیرے رخسار و قد و چشم کے ہیں عاشق زار | گل جُدا سرو جُدا نرگس بیمار جُدا

رخسار کے مناسب گل ہے اور قد کے مناسب سرو اور چشم کے مناسب نرگس۔

میر

شرکت شیخ و برہمن سے میر | گجہ و دیر سے بھی چاہیے گا

شیخ کے مناسب گجہ ہے اور برہمن کے مناسب دیر ہے

میر

سحر گھر سے وہ رشک ہوش و گلستان نکلا | ہنساکبک و جلا پروانہ بلبل سے نغان نکلا

ماہ کے مناسب کبک اور شمع کے مناسب پروانہ اور گلستان کے مناسب بلبل ہے۔

نظیر

دیکھ اُت رنگ بہار و سر و گل و درجہ بہار
اک اڈا اک گڑ گیا اک جل گیا اک گیا

شاداب

الف و مصحف و آئینہ و نون حلقہ لام
بہنی و عارض و پیشانی و ابرو گیسو

غالب

آتش و آب و باد و خاک کی
وضع سوز و غم و رزم آرام

منیر

آئینہ میں کان میں گلشن میں دل میں آنکھ میں
عکس ہے آواز ہے نکستہ ہے اندیشہ ہے خواب

نواب جہانگیر محمد خان والی مجھو پال دولہ تخلص

گمان ہے خال و دگر گوش و پیشانی و عارض
سہا کا مشتری کا مہر کا ماہ و درخشان کا(ب) ایک لفظ و نشر بیان کریں پھر اسی لفظ و نشر کو لفظ قرار دیکر اُس کا نشر نہ کر کہیں اسی طرح
دو تین یا زیادہ جہانتک ہو سکے جیسے۔

امانت

چشم و گوش بارے دنیا میں یا دعویٰ نہوا
زر گس گل کو خدانے کور و کرپید کیااول چشم و گوش کو ذکر کیا پھر چشم کی مناسبت سے زر گس کو اور گوش کی رعایت سے گل کو نہ کر کیا
پھر چشم و زر گس کے سبب کو اور گوش و گل کی وجہ سے کر کو بیان کیا۔

ناسخ

عیان ہر مہر و کافرق تجھ میں در کھفتینا
بجلا سونیکے آگے خاک ہو تو قیر جا بدی کیاول مہر و نہ کر کیا پھر مہر کی مناسبت سے عشق کو اور ماہ کی مناسبت سے یوسف کو نہ کر کیا پھر
مہر و عشق کی رعایت سے سونے کو اور رہ و یوسف کی رعایت سے پانندی کو بیان کیا۔

ظفر

نثار فجر و مغرب ہر یہ عاشق کی کڑاٹھ اٹھ کے
بدائیں اس رخ و گیسو کی صبح و شام تیتا ستیااول فجر و مغرب کو ذکر کیا پھر فجر کی مناسبت سے رخ کو اور مغرب کی مناسبت سے گیسو کو بیان کیا پھر فجر
و رخ کے سبب صبح کو اور مغرب و گیسو کی وجہ سے شام کو لایا۔

ایہ بین رات یا کہ ہندو ترک نیاز کہ ہندو شہین زلف و رخسار کے
 اول رات کو ذکر کیا پھر رات کی رعایت سے ہندو کا ذکر کیا اور دن کی رعایت سے ترک کا پھر رات
 اور ہندو کی مناسبت سے زلف کو ذکر کیا اور دن اور ترک کی مناسبت سے رخسار کو۔

بیدار

سر و گل ترے قدم عارض نگین حضور انظر قمری و بلبل سے گلستان میں گرا
 دوسرا الف و نشر غیر مرتب۔ اس میں مناسبات ہر ایک چیز کی بلاترتیب درجیم و برہم مذکور
 ہوتی ہیں مثال اسکی۔

نیاز

نہ تو کچھ بولونہ دیکھو نہ سنو مثل نیاز دیدہ و گوش زبان بار دیدہ سب لکھا
 بولنے کی مناسبت سے زبان کا ذکر امدد کھینے کی رعایت سے دیدہ کا اور سننے کی مناسبت سے
 گوش کا ذکر کیا مگر بے ترتیب ہے۔

نظیر

سُخ و جبین و مژہ تیر چشم و ابرو کو شان و بدر و مہ و گرس بلال لکھا
 تن دل لہٹ و ندان کو روئے فکر کے عقیق و سیم و درد سنگ کی مثال لکھا
 تو تن کو چاہہ رخندان کو گوش گردن کو صراحی سیب و گل و چشمہ زلال لکھا

انیس

چھیتی بھنگی بھاگی جاتی بھنگی گرتے تھے خاک پر قبضون سے تیغین جیم سے روچین تنون سے سر
 چھیتی بھنگی کے مناسب جیم سے روچین ہو اور بھاگتی بھنگی کے مناسب قبضون سے تیغین ہے
 اور گرتے تھے خاک پر کے مناسب تنون سے سر ہے۔
 تیسرا الف و نشر معکوس لے ترتیب اس میں ہر ایک چیز کی مناسبات کی ترتیب لٹی ہوتی ہے
 مثال اسکی یہ قول انیس کا ہے۔

مصرع

واللیاں دو الضحیٰ رخ روشن خط سیاہ اول واللیل کو ذکر کیا پھر الضحیٰ کو اور یہ الف ہو بعد اسکے رخ روشن اور خط سیاہ کو ذکر کیا یہ نشر ہے
 واللیل کو خط سیاہ سے مناسبت ہو اور الضحیٰ کو رخ روشن سے۔

مرزا محمد دہلوی

ابھی جو زلف اٹھاوے تو منہ نظر آوے | اسی اُتار گندی ہر صبح و شام ہمیں

اول زلف کا ذکر ہوا اور پھر منہ کا اور دوسرے مصرع میں دل صبح کا پھر شام کا زلف کو شام سے اور
چہرے کو صبح سے مناسبت ظاہر ہے۔

حسرت

باغ میں جا کر تو نے ظالم حسن قد اور عارض کا گل اور بلبل سرور قمری کا کام تمام کیا

اول قد اور عارض کو بیان کیا پھر قد کی مناسبت سے سرور قمری کو ذکر کیا اور عارض کی رعایت
سے گل و بلبل کو لایا۔

صنعت جمع یعنی کئی چیزوں کو ایک حکم میں جمع کرنا جیسے۔

اشاہ گھیسٹا عشق

تری چین ابرو مرا غنچہ دل | یہ عقد ہے ہن وہ جنکو کھلتے نہ دیکھا

چین ابرو اور غنچہ دل کو نہ کھلنے کے حکم میں جمع کیا ہے۔

شیخ کلیم اللہ کلیم

درازی شب ہجران دُزل ف یار کلیم | مجھ سے ابو غنچہ کہ کافی ہر رات لکھوں میں

شب ہجران اور دُزل ف یار کو درازی کے حکم میں جمع کیا ہے۔

غالب

بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل | جو نری بزم سے نکلا سحریشان نکلا

بنون چیزوں کو یریشانی کے ساتھ کھلنے میں جمع کیا ہے۔

شاد

ایک نالک کے ٹھکانے میں یہ دونوں غنط | شرب شاد میں کچھ دیر و حرم غیر نہیں

منظر خان گرم شاگرد ذوق

داخلہ کا موزہ اور مرا ہجرا یک ہے | ہم دونوں پوچھتے ہیں کد کس قدر ہے

آتش

عشوہ و غمزہ ہر مذہب ناز و انداز | واسطے تیرے گنگا و کن جلا دہن سب

اوج

روئے گل رنگ خزان جوش جزون فصل بہار
چار بدن کے لیے اس بارغ میں کیا کیا دیکھا

احمد حسین خان جوش

اسنبیل گل دل عشاق و نسیم و بابل
ہو گئے زلف تری دیکھ پریشان یا بچوں

حسرت

مسن میں بلی و غدر اوایاز و شیرین
دس یوسف و وہ جان جہان ساتون ایک
عشق میں دامق و محمود زینجا اور نل
قبس و فراد یہ میں خاک نشان ساتون ایک

بکسل

عشوہ کرشمہ شوخی و غمزہ ادا و ناز
قاتل یہ اکمل ایک ہر قاتل برادر

جوہر

اسہ نوا بروے پر خم نگہ برگشتہ
ہمنے ٹیڑھا جسے دیکھا اُسے خنجر جانا

سودا

دشمن دوست بد و نیک زبانے کے بیچ
حکم رکھتے ہیں تیرے پیش کرم چارون ایک
خلق بکھے ہو کہ میں نزد تری بخشش کے
اشرفی روپیہ اور دام و درم چارون ایک
رہنے کے کچھ بیان کے خوشی ہے نہ دان کا غم
موقوفہ دشت زردون کو بستی و ویرانہ ایک
جبے اٹھا دیا ہر دوئی کو نگاہ سے
نزدیک اپنے کعبہ و تخانہ ایک ہے
جلوہ نظر پڑے ہر اسی کا ہر ایک جا
اپنی نظیر میں مسجد و تخانہ ایک ہے

صنعت تفریق یعنی ایک نوع کی درجہ و درجہ میں فرق ظاہر کریں جیسے اس شعر میں۔

جعفر علی خان رکی

عشق میں نسبت نہیں بلبل کو پروانے کیساتھ
وصل میں نہ جان کے دیر میں جہتی رہے
بلبل و پروانہ نوع عشق میں شریک ہیں ان میں فرق بیان کیا کہ پروانہ وصل میں جان دیتا ہے
اور یہ بچہ میں بھی جہتی رہتی ہے۔

تو بہائے اشک خون اور بانی وہ برساتے
نقطہ نظر رونے میں کب بروچیم پر خم ایک ہی طور کے ہیں

مرزا احمد علی کوکب

آدمی کا ہے لکھا وہ خط نقدیر ہے
خط گلزار مجاہد ہے خط رخسار جہدا

شیم

سیاہ دل غوہان یان نہ داغ چیمک تک
افروغ پائے گا کیا رو برو عذار کے چاند

تری آنکھوں کی شوقی ہو کمان چشم غزالان میں
ارمین و آسمان کا فرق ہو انسان و حیوان میں

نبی بخش حقیر

مجھ میں اور قیس میں ہے فرق حقیر
وہ مقید ہے اور میں وارستہ

میر

بھکوسید ہے مجھ کو میمنہ نہ
واعظا اپنی اپنی قسمت ہے

حسن علی

اشک گلوں کو نہیں امن و گھر سے پیوند
پیر کے سنگ نسبت وہ جگر سے پیوند

خواجہ وزیر

رنگ گل سے کمر ہے کچھ نازک
فرق دونوں میں اک سر مو ہے

غالب

مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب
مرد و زن و جم و خیر و دوار اب و ہمیں کو نہ

ناسخ

سر عشاق بیان کہنے ہیں مشوق و ہان
کمر سے قاتل ہو خدا مصداق بازار جہاں

حکیم مرزا غا حسن زل

قیس میں ہم میں فرق اتنا ہے
پیشوا وہ غفار رہنا میں ہم

اصف

عاشق و مشوق کی ہلکی گائی میں ہر فرق
شمع کھلتے ہی گھلی پروانہ پل میں خاک تھا

الشر

کوچہ محبوب میں من خانہ کعبہ میں شیخ
مبتکدے میں رہیں آتش کہے میں گہر ہے

عاشق اور فنی اور ہمیں در کبر عشق اور پرستش میں مشابہ ایک دوسرے کے ہیں لیکن ان میں
باعتبار اسکے کہ ہر ایک کا منظور نظر علیحدہ ہے فرق ظاہر کر دیا۔

میں صبح کر کے اٹھو گا محفل سے شمع و ایما
پروانہ میں نہیں ہوا کہ آتے ہیں جل گیا

نظیر

مری اس چشم تر سے ابرو باران کو ہو گیا نسبت
اک وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل پر برساتی

حسرت

حرف احمق کا کمان اور نری بات کمان
آب زمزم ہے ترا شعروہ ہر ناز جمیم

سودا

اگر ابرو قسم ہے تجھے روئے کی ہمارے
پیکارتی آنکھوں سے کبھی نخت جگر بھی
آنکھ اور ابرو پانی کے گرانے میں مشابہ ایک دوسرے کے ہیں گران میں باعتبار نخت جگر کے پانی کے فرق

قلق

شال اس شوخ کی آنکھوں کا اندھا سی کوئی دیگا
یہ جنوں یہ شرارت یہ نگہ دو چشم آہو میں

دلہ

ابرو سے جاناں میں اور کبے میں ظاہری فرق
یہ خدا کی ہے بنا بندے کی وہ تعمیر ہے
صنعت تقسیم یعنی چند چیزوں کا ذکر کرنا اس طرح کہ ہر ایک کو اپنے مسوبات پر تقید تعین کے
تقسیم کرنا اس میں اور لفظ و نشر میں ہی فرق ہے کہ لفظ و نشر میں تعین شکم کی طرف سے نہیں ہوتی بخلاف
اپنے ذہن سے ہر چیز کے مناسب کو اس سے متعلق کر لیتا ہے اور تقسیم میں خود شکم مناسبات بتا دیتا
ہے جیسے اس بیت میں۔

ذوق

تیرا ہاتھی برفلک کا نشان ہے خرطوم
کان دونوں سے دھورہ کی دھوب سر ہر اس
ذنب راس ہ جس کے ہون سیہ بخت عدد
ماہ دھورہ کہ ہوا خواہ ہون روشن انھاس
اول سے دھورہ اور ذنب راس کا ذکر کیا بھر ذنب راس کی طرف اعدا کا سیہ بخت ہونا بطور تعین کے
منسوب کیا اور ماہ دھورہ کی طرف خیر خواہ و کار روشن انھاس ہونا بطور تعین کے منسوب کیا۔

دلہ

بڑی اکیر کی اور پارس اگر ہاتھ آوے
بلے بہت ترے نزدیک یہ پتھر دہ گھاس
یہاں کوئی یہ خیال کرے کہ تعین نہیں کیونکہ یہ اور وہ دونوں اسم اشارہ مساوی نہیں ہیں بلکہ
یہ اشارہ قریب کے لیے ہے اور وہ اشارہ بعید کے لیے پس یہ کا اشارہ ایہ پارس ہے جو اس سے قریب ہے
اور وہ کا اکیر کی بڑی جو ذکر میں بعید ہے۔

حالی :

انفس آثارہ اور دیو مرید یہ ہے افنی تودہ ہے کلب مغور

استوریدہ

سینے کے داغ سوزاں آنکھوں کے لشک خنیں اس نخل عشقی کے وہ گل بن یہ شرمین

صبا بی

زلعت اُس ہوش کے رخ برآگ خان برگ پر اور رخ اُس ہوش کا شعلہ زبرد خان پ
 باسے یون ہوا اُس رخ خان کے تیرہ اپنا روز عیش اور اُس شعلے سے یون روشن ہوا شام و شمنان

مقصود بالتمثیل اس قطعہ میں مذکور ہونا دو خان اور شعلے کا اور پھر مذکور ہونا تیرہ ہونے روز عیش کا
 و شمنان سے اور روشن ہونا شام و شمنان کا شعلے سے ہے۔

دریائے لطافت

مہر دیوے گانچے صبر سکون جس کے دیا | رخ زیبانتھے اور دیدہ گریان مجھ کو پ

مورد رست رخ زیبا اور دیدہ گریان ہے۔

قیمت کیا ہر ایک کو تمام ازل سے | جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
 اُبل کو دیا نالہ تو پروا سے کو جلنا غم ہم کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

یہ بھی سی نہیں سے ہے کہ ایک ایسی شے کو جو اجزا رکھتی ہو ذکر کرنا اور پھر ہر ایک جز کو اس کے
 منوبات پر تقسیم کرنا جیسے۔

اکبر

چلا آتا ہے تنہا کیا سجیلا میرا قاتل ہے | دہن پاں خوردہ آنکھیں سرگیں خسار پر تل ہے
 سجیلے قاتل کو ذکر کر کے اُس کے ہر ایک جز کے ساتھ ایک چیز کو منسوب کیا ہے چنانچہ پاں خوردہ ہونا دہن
 کے ساتھ منسوب کیا ہے اور سرگیں ہونا آنکھوں کے ساتھ اور خسار پر تل کا ہونا بیان کیا ہے۔

حسینی

جب کبھی حق نے تری تصویر اپنے ہاتھ سے | ہاتھ ملتی رہ گئی تقدیر اپنے ہاتھ سے
 دانتے رخ کو لکھا و القمر چٹائی لکھی | زلعت کو داللیل کی تفسیر اپنے ہاتھ سے
 ہامیت نوایہ پر کھنکھنایا کو کھنکھنایا | چشم کو کوثر کیا خیر اپنے ہاتھ سے

مشتوق کی تصویر کھنا ذکر کر کے کہ باب جینے ساتھ ایک چیز کو منسوب کیا ہے۔

تقسیم کی دو قسمیں اور ہیں۔

ایک یہ کہ کسی شے کے احوال بیان کرین اور ہر حال کی طرف ایک ایسی چیز جو اس حال کے مناسب ہوں مضاف کرین جیسے کریم خان متاق کے اس شعر میں۔

ولہ

کہاں اتنی بلاؤں سے بچا سکتا ہو کوئی لہا | قیامت وہ غضب آنکھیں نگہ جادو دلا کا کل

قد اور آنکھیں اور نگہ اور کا کل عشوق کے حالات میں ان میں سے ہر ایک حال کی طرف اس کے مناسب ایک چیز کو منسوب کیا ہو چنانچہ قد کی طرف قیامت کو منسوب کیا ہو اور آنکھوں کی طرف غضب کو نسبت کیا ہو اور نگہ کی طرف جادو کو اور کا کل کی طرف بلا کو منسوب کیا ہو۔

مہر

غضب کا سامنا ہو آج ہم کو وہ نغمہ نے ہین پڑ | دھڑی جتنی ہو منہ دی ملنے ہین گیسو سنورتے ہین
عشوق کے نغمہ نے کے احوال بیان کیے ہین دھڑی جانا منہ دی ملنا گیسو سنوارنا یہ سب اس کے حالات میں پھر ہر ایک حال کی طرف ایک چیز کی نسبت کی ہو چنانچہ دھڑی کی طرف جانا منسوب کیا ہے اور منہ دی کی طرف ملنا اور گیسو کی طرف سنورنا۔

نظیر

نظیر حضرت دل کا نہ کچھ کھلا احوال | خدا ہی جانے یہ ندرت تاب ہو کیا چیز
جو سخت ہو دکھ تو ایسا کہ گوہ آہن کا | جو نرم ہو دکھ تو برگ گلاب ہو کیا چیز

دل کے احوال بیان کیے ہین سختی کو اس کی گوہ آہن سے نسبت دی ہو اور نرمی کو برگ گلاب سے۔

ذوق

اترا آوازہ دولت ہے مقام امید | تیرا ایوان عدالت ہے محل عبرت

بیان

انفس میں ہین ہانی کے لیے کیا کیا نہیں کرتا | رشتا ہون چھڑکنا ہون کوئی پروا نہیں کرتا

ناصر

ایک سے ایک زیادہ ہو جفا کاری میں | کج ادایار کی جیون ہو تو خود سر بلکین

حجاب

عجب جوڑے کی بندش ہو تہا مست قہا ہا ہو | استم جیون پری مگھڑا بدن سلپے میں ڈھالا ہو

مولوی غضنفر علی ضیف

ہوا ہر زرد چہرہ خشک لب ہر لاشک زخمین
دوسری قسم یہ ہو کہ ایک شے کو ذکر کریں پھر اس کی قسمیں ایک بہ جگہ بیان کریں جیسے۔

الش

شادی کے شادیانے ترے درخت بچیں
پہلے مصرع میں شادیانے کا ذکر کیا دوسرے مصرع میں اس کے اقسام بیان کیے۔

احسان رامپوری

نہیں جا باہر بیشک ہون سی خیر کے قابل
تقریب تیر کے قابل گلا شمشیر کے قابل
تقریب کی قسمیں مصرع ثانی میں مذکور ہیں۔

حالی

ربا کوئی اُمت کا بلجہ نہ ماوا
ربا کوئی سامان نہ مجلس میں باقی
پہلے شعر کے مصرع دوم میں بلجا و ماوا کی قسمیں بیان ہیں اور دوسرے شعر کے دوسرے مصرع میں سامان مجلس کی قسمیں مذکور ہیں۔

دل غ

مجھ ساندے زمانے کو پروردگار دل
دوسرے مصرع میں دل کی قسمیں مذکور ہیں۔

دلہ

بھرو میں عجب ادا میں اُس شوخ سیم تن میں
دوسرے مصرع میں ادا کی قسمیں بیان ہوئی ہیں۔

انیس

کٹ لگے ذرا انفقار سے گرتے جتنے ناک پر
پہو بخون کا تھہ شانوں سے بازو تنوں سے سر

آپٹے سے تیغ بر سے زرد ہاتھ سے سپر
برجہی سے پھیل کمان سے زہ زمین سے تیر

کٹ لگے گرنیالی خیز و نکی تمام قسموں کو تینوں مصرعوں میں بیان کیا ہے۔

حسن

کس کس سے ہون میں عمدہ برآتا تو ان عشق
حسرت کے غم سے درد سے یاد داغ یاس سے

سوز

کوچے میں اُسکے لاکھون پڑے ہیں
مذبح مجسروح مقتول بسمل

نظم

تیرے بھی بُھڑکی روشنی رات گئی تھی مد سے مل
کاب سے تاب رخ سے رخ زور سے نور ظل سے ظل
یوسف مصر سے مگر ملتے ہیں تیرے سب نشان
زلف سے زلف لب سے لب چشم سے چشم تل سے تل
صنعت جمع و تفریق یعنی دو یا زائد چیزوں کو ایک حکم میں جمع کر کے پھر ان میں کچھ فرق ظاہر کرنا
گویا صنعت جمع اور صنعت تفریق کو یک جا کرنا جیسے -

اغالب

اکم نہیں جلوہ گری میں ترے کوچے سے
ابھی نقشہ ہے دے اس قدر آباد نہیں
کو سے محبوب اور بہشت کو جلوہ گری میں یکساں فر دیا پھر فرق یہ نکالا کہ بہشت اس قدر آباد نہیں ہے

تاریخ بدیع

ایکے خلق دور از دان قدیم
نبی ہر دین بس دنیا حکیم

محرر

ترے سینے سے تو نسبت برابر کی ہے سینے کو
دہان جوین ابھرتا ہی بیان چھالے ابھرتے ہیں

داغ

شوخی تم شیفتہ ہم دونوں میں بے چین
پھر ذرا صبر جو کرتے ہیں تو ہم کرتے ہیں

ناظم

منظور ہے یاں دو کی شناختی ایک
پے نام و نشان میں ایک کا ثانی ایک
پانی سے مٹا ہے ایک بے پانی ایک
پانی سے مٹا ہے ایک بے پانی ایک
حسن و حسین کو پانی کی وجہ سے مرنے میں جمع کر کے یہ فرق نکالا کہ ایک پانی پائے سے مرے
اور دوسرے پانی نہ پائے سے مرے۔

ذوق

تنگہ کیا اور مرثہ کیا بہتہ دونوں کو بلائے تھے
اسے تیر فضا اسکو بہ تیر فضا سمجھے

نگہ اور مژہ کو ہلکا ہونے حکم میں جمع کیا اور پھر یہ فرق نکالا کہ نگہ قضا کا تیرہ اور مژہ تیر قضا کا پیرہ۔

مومن

آئینہ ہے صفا سے دل میرا کیا ہوا اگر نہیں ہے حیرانی

اول دل کو صفائی میں آئینے کی برابر قرار دیا اور پھر دونوں میں یہ فرق قرار دیا کہ آئینے میں حیرانی ہے اور دل میں حیرانی نہیں۔

آتش

صاف آئینہ سا رخسار ہو اس لبر کا یہ خدا کا ہے بتایا تو وہ اسکندر کا

رخسار اور آئینے کو وجہ تشبیہ یعنی صفائی میں جمع کر کے دوسرے مصرع میں فرق بتایا ہے۔

امیر

انچہ دوسوں سے کیا ہو شکر احسان بہار وہ زبان بے دہن ہے یہ دہان شکر زبان

دل مسجد میں دنوں گھر خدا کے فرق یہ ہے وہ تعمیر اسکے ہاتھوں کی یہ تعمیر اپنے ہاتھوں کی

حالی

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر ہے کوئی اُن میں خشک در کوئی تر

آتش

اسیر از بار تیرے عاشق و مشتوق و دونوں میں گرفتار آئینین زنجیر کا یہ وہ طلائی کا

صنعت جمع و تقسیم اور وہ یہ کہ کئی متعدد چیزوں کو ایک حکم میں جمع کریں پھر ہر ایک کو ایک چیز کے ساتھ منسوب کر دیں جیسے اس مثال میں۔

خضر

یہ دوسری نور چشم رسالت پناہ تھے سو انکو ظالموں نے کیا جا بجا شہید

ایان یون حسین ابن علی پر پھری جلی وان زہرے ہوئے حسن مجتبیٰ شہید

دونوں نور چشم مصطفیٰ کو شہادت کے حکم میں جمع کیا پھر انکی تقسیم کر دی کہ ایک حسین انکا یہ حال ہوا دوسرے حسن مجتبیٰ ان کا وہ حال ہوا۔

گویا

ہے حیات و موت من بارگران بالائے کر وان زمین بالائے سمان بالائے سر

پہلے مصرع میں صنعت جمع ہو اور دوسرے میں صنعت تقسیم۔

اصف در

اقتضای دو دنوں اسی کی طرف ہیں | ایہ قاتل کے آگے وہ بسل کے پیچھے |
مصرع اول میں قضا اور تیغ کو قاتل کی طرف داری کے حکم میں جمع کیا اور دوسرے مصرع میں ہر ایک
کو ایک چیز کے ساتھ منسوب کیا۔

دریا کے لطافت

تیغ و افسر کا ہر تو مالک عنایت تیری | تیغ رستم لے گیا افسر کندہ رے گیا |

امیس

جنت انعام کر کہ دوزخ میں جہنم | وہ جسم ترا ہے یہ عدالت تیری |
جنت کے انعام کرنے اور دوزخ میں جلانے کو خدا کے اختیار میں ہونے کے حکم میں جمع کیا پھر دوسرے
مصرع میں ہر ایک کو ایک چیز کے ساتھ منسوب کر دیا ہے۔

اصحابی

اتھے اور تیرے دشمن کو سدا ہر اوج عالم میں | اتھے غمت خلافت پر اُسے مار سبستہ |
یہ بھی سی قبیل سے ہے کہ کئی چیزوں کو اول تقسیم کریں یعنی ہر ایک کو ایک چیز کے ساتھ منسوب کریں پھر انکو
ایک حکم میں جمع کر دیں جیسے۔

ناسخ

اُس کے پاتے ہیں جلالت ہونٹ میراں شہ کام | کیوں نہ میں بچوں برابر بوسہ دشنام کو |
اول بوسہ کی طرف جلالت کو منسوب کیا اور دشنام کی طرف کام کو پھر دونوں کو برابر بچنے کے
حکم میں جمع کیا۔

روشن ہواں میں غرض نا بان تو زمین داغ و لہ کیا کم شب زرق ہے زلف سیاہ سے

شیخ امداد علی امداد خیر آبادی

وہاں سینہ پہ وہ انجیر سے یہاں دھن میں | ہمارے دلغ ملتے ہیں تجھارے اٹھتے جوڑ سے |

میکچند بہارا

نئی زینجا بتلا یوسف کی اور یار کا قیس | عجب منظر ہے جسکے بتلا ہوں مرد و زن |

فوق

اکیس فوس ہے آنا کبھی رونا آنا
دل تیار کے ہیں وہی عیادت والے

میر

ایک رہا فرگان کی صف میں یک کھڑے ہو
دل جگر جو میر دونوں اپنے غواروں میں تھے

مومن

اوست کرتے ہیں سلامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہر بھی کو سب بڑا کہنے کو ہیں

امیر

جان پر صدہ جگر میں بدل کا حال زار
غم کا گھر ہمار کس کس کے پرستاروں میں ہوں

مولفہ

وہ گل پہ بتلا ہیہ عاشق ہے شمع کا
اے دل حیا لہلہ پر دانہ ایک کے

صنعت جمع و تفریق و تقسیم - یعنی کئی چیزوں کو اول ایک حکم میں جمع کرین پھر ان میں تباہی

و فرق کر کیا جائے پھر ان میں سے ہر ایک کی طرف ایک چیز کو منسوب کریں اور ان میں تباہی بانوں کا کل

میں جمع کرنا صوبت سے خالی نہیں مثال سکی یہ ہے۔

غلام محی الدین مولف تقویم زبان اردو

سب سخی میں برو دریا اور وہ عالیجا
پائین فیضان کے نباتات اور غراص و گدا

پر کرے ہر تالہ دریا ابرو گشت فیض
باب خندان وہ بخشے لعل و گوہر دانما

اول ابرو دریا اور مدوح کو سخاوت میں جمع کیا بعد ازاں سخاوت میں تفریق کر دی پھر تقسیم

صوبات کو بیان کیا۔

شباب

صوت یار دل زار میں دنوں تباہان
آتش عشق سے یہ حُسن سے وہ ہر روشن

مدحی اسکی تو یہ و نجاتی پر راحت دل کو
اور اس آگ سے مہمانا ہے بلا اینا بدن

شعر اول کے مصرع اول میں صنعت تہجیر اور دوسرے مصرع میں صنعت تفریق ہے اور دوسرے شعر میں

صنعت تقسیم ہے۔

نکلا او سر سے جو وہ اجل کا شکار تھا
ایسے بیدار ہو یا سو اسوہ دودہ چار تھا

پہلے مصرع میں اجل کا شکار ہونے کے حکم میں ہر ایک نکلنے والے کو جمع کیا ہے پھر ان نکلنے والوں میں
بیدل اور سوا ہونے کی بابت تفریق کی ہے پھر ان دونوں کو یوں تقسیم کیا ہے کہ بیدل کے دو ٹکڑے
ہو جاتے تھے اور سوا کے چار۔

صنعت رجوع اس طرح ہے کہ ایک شے کی کوئی صفت بیان کریں اور پھر اس صفت کو
باطل کر کے دوسری صفت پر آگے سے بہتر ہو رجوع کریں کسی فائدے اور نکتے کی غرض سے۔
المجوف فی معایر اشعار العجم میں صنعت تفریع کی نسبت لکھا ہے کہ شاعر ایک چیز کی نسبت کے کر ایسی ہے
پھر انکار کر کے کہ کر ایسی نہیں مثلاً چہرہ معشوق کی نسبت کے کہ چاند ہے پھر کہ کہ چاند نہیں آفتاب ہے
اور یہ صنعت اشعار عرب میں بہت جاری ہے فارسی میں ایسا کرنے ہیں کہ نفی تشبیہ سے کرتے
ہیں اور غلط لکھ کر پہلی بات کو رد کرتے ہیں اس تعریف سے ثابت ہے کہ صنعت رجوع اور یہ ایک
چیز ہے چنانچہ امثلہ آئندہ سے یہ بات ذہن نشین ہوتی ہے۔

سودا

جسے یہ صورت و سیرت کراست حق کی ہو	بجا ہے کیسے ایسے کو اگر اب یوسف ثانی
معاذ اللہ یہ کیا حرف بے موقع ہوا سرزد	جو اسکو پھر کہوں تو ہوں میں مردود سلمان
کہ حرا ب فہم ناقص لے گیا مچھکونہ یہ سمجھا	کہ وہ ہر الوہیت ہی یہ ہر ماہ کنعانی

اول مدوح کو بوجہ حسن صورت و سیرت کے یوسف ثانی کہا پھر اس قول سے رجوع کر کے یوسف پر
مدوح کی توقیت ثابت کی اور مقصود رجوع سے یہاں ترقی مدح میں ہے۔

انیس

اختر سے بھی ابرو میں بہتر ہیں اشک	اللہ ہے شتری وہ گوہر ہیں اشک
آنکھوں کے لگا کے انکو کہتے ہیں ملک	گوہر نہیں نور چشم کوثر ہیں اشک

اول اشکوں کو گوہر کہا پھر اس قول سے رجوع کر کے نور چشم کو ثمر قرار دیا اور غرض رجوع سے یہاں
اشکوں کی مدح میں ترقی ہے۔

عبرت

کہوں کیا جس گھڑی وہ درۃ الناج	کرے زلفون میں اپنی شانہ لحاج
نمایان شانہ زلف گرہ گیسر	ہے ابیض فیل کے دانتوں میں بخیر
عظا میں نے یہ دی ساتھ اسکے تمثیل	کجا زنجیر دندان د کجا فیل

سیندھون میں اُس کی شاہ عاج روان مانند متاب شب و اج

دیر

باقی نہ تھا دم خوف سے یقین یہ گھٹی تھیں
تغین نہ کہو نبضیں نیامون کی چھٹی تھیں
فائدہ رجوع کا یہاں خوف میں ترقی ہے۔

رؤف احمد رافت

وہ آنکھیں کہ آہو پہ جادو چلا میں
انہ آہو پہ جادو پہ جادو چلا میں

غرض رجوع سے یہاں ترجیح ختم مشوق کی آہو پر ہے۔

گوہر

نظر بھر جس نہ لکھا ہو کے وحشی وہ گیا میں کو
بجائے گر کون آہو میں اس کی چشم زین کو
خطائے عین ہر جوان مطلق سے جو بٹ میں
گل ز گیس کون تازہ کردن میں شکر گلشن کو

موسم

خبر تھا اکہی یا زبان تھی ؟
خبر سے زیادہ تر روان تھی ؟

یار محمد خان شوکت

زمین مثل شجر از جوش خون
خطا ہلکے گلزار سے بھی فزون ؟

صنعت حسن التعلیل یعنی ایک چیز کو کسی چیز کی صفت کے لیے علت ٹھہرانا اور دراصل وہ

اسکی علت نہوا اور وہ صفت معلول میں خواہ فی نفسہ ثابت ہو یا نہوا اگر وہ صفت فی نفسہ ثابت ہوتی ہے

تو وہاں اس صفت کی واسطے قطع علت کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور اگر وہ صفت فی نفسہ ثابت نہیں ہوتی تو وہاں

علت کے بیان سے اُس صفت کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور جو صفت کہ فی نفسہ ثابت ہو اور اُس کے

واسطے علت کا ثابت کرنا مقصود ہو وہ دو طرح پر ہے ایک یہ کہ سوا اس علت ٹھہرائی ہوئی کے اُس

صفت کے واسطے کوئی اور علت بھی ظاہر ہو دوسرے یہ کہ سوا اسکے کوئی اور علت ظاہر نہوا اور جو

کہ فی نفسہ ثابت نہیں اور علت کے بیان کرنے سے اُس صفت کا ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے وہ بھی

دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اُس صفت کا موجود ہونا ممکن ہو دوسرے یہ کہ محال ہو پس اس صفت کی تپا نہیں

ہیں اور اسکے لطائف میں سے یہ کہ تشبیہ اور استعارے کے ذریعہ سے حاصل ہو۔

(۱) وہ صفت ثابت ہو اور علت نہ کورہ کے سوا اور علت بھی ظاہر نہوا اسکی۔

پیا سی جو بھی سپاہ خدا میں رات کی
میں ساحل سے سر پہنتی تھیں موجیں فرات کی

ساحل کے موجوں کے ٹکرانے کو اس بات کی علت بتایا ہے کہ ہر اہریان حضرت حسینؑ کی تشنگی کی وجہ سے بیتاب تھیں اور بیان دوسری علت بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ ہوا لگنے سے موجیں پانی میں پیدا ہو کر کنارے سے ٹکراتی ہیں۔

اول

ڈر سے ہوا فرات کی موجوں کو اضطراب اور آب میں سرون کو چھپانے لگے حباب

موجوں کے اضطراب اور حباب کے سر چھپانے کی علت ڈر اور خوف کو قرار دیا ہے لیکن موج کے اضطراب اور حباب کے پانی میں سر چھپانے کی علت اور بھی ہے اور وہ ہوا لگنا ہے ہوا کے جھکوروں سے موج کو حرکت ہوتی ہے اور ہوا کی ضرب اور موجوں کی حرکت سے حباب بھی ٹوٹ جاتا ہے مگر شاعر نے اپنی طرف سے موج کی حرکت کو خوف کی وجہ سے اضطراب قرار دیا ہے اور حباب جو ٹوٹ جاتا ہے تو اسکی یہ علت قرار دی ہے کہ وہ ڈر کی وجہ سے پانی میں نہ چھپتا ہے۔

اول

ہر غول میں علم سے علم جھک کے لڑ گیا | جو رنگیا نشان وہ خجالت سے گرد گیا |

شاعر نے نشان کے زمین میں گر جانے کی یہ علت بیان کی ہے کہ وہ خجالت سے ایسا ہو گیا تھا اور اُس کے لیے دوسری علت بھی موجود ہے کہ سپاہی علم کو کھڑا رکھنے کے لیے گاڑ دیتے ہیں۔ انیس علی اکبر کی تلوار کی تعریف میں کہتے ہیں۔

دریائے تھمتا خوف سے اس برق تابک | لیکن پڑے تھے پانوں میں چھالے حبابک |

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ دریا اُس تلوار کے خوف سے بھاگ جاتا اگر اسے نہ بھاگ سکا کہ اُس کے پانوں میں چھالے پڑ گئے تھے حباب کو شاعر نے دریا کے چھالے فرض کر کے اُس کے نہ بھاگ سکنے کی علت قرار دیا ہے حالانکہ اسکی علت حقیقی دوسری ہے اور وہ یہ ہے کہ دریا چاروں طرف اونچی زمین سے گھرا ہوتا ہے اس لیے اپنا مقام نہیں چھوڑ سکتا۔

میر حسن

نہ لے جب تلک شمع پردانگی | تنگے کے پر کو نہ چھڑے کبھی |

اگر آپ سے اُس پہ وہ اگرے | تو فانوس میں شمع چھپتی کھرے |

اگر حیانا اُس کے جلیں بال و پر | تو گلگیرے شمع کا کاٹ سر |

شمع کے فانوس میں چھپنے اور گلگیرے شمع کا سر کاٹنے کی شاعر نے جو وجہ بیان کی ہے اُس کے سوا

دوسری وجہ جو حقیقی اور اصلی ہر وہ بھی ظاہر ہے۔

ناسخ

کیونکہ نہیں ہوتا تھے غم عاشق جانناز کا | دیکھ روتی ہی بروہے لاشہ پروانہ شمع |
بگھلی ہوئی چربی کے ٹپکنے کا استعارہ رونے کے ساتھ کیا ہے اور یہ صفت شمع میں ثابت ہے اور علت اسکی
حرارت ہے اور شاعر نے علت اسکی یہ بھرائی ہے کہ پروانے کے غم میں شمع روتی ہے۔

ولہ

وہ سہی قد شانہ ہوتا ہے اسکی جو ب کا | اسلئے رکھتی ہے الفت فاختہ شمشاد سے |
ظاہر ہے کہ فاختہ کی الفت شمشاد سے بسبب عشق کے قرار دی گئی ہے اور شاعر نے اسکی لیے ایسا دعا کیا ہے۔

ولہ

عاشق کو رنج ہو تو ہوش کو بھی رنج | یوسف اگر کنوین میں زلیخا کی چاہ سے |
حضرت یوسف کے کنوین میں گرنے کی علت انکے بھائیوں کا حسد سے ڈال دینا ہے اور شاعر نے اسکی
سبب کیا ہے کہ وہ زلیخا کے عشق میں گرے تھے۔

مولوی حبیب الرحمن خان بدیل

رہتا ہے سپہ پوش سدا خانہ کعبہ | اس غم میں کہ تھا پہلے جلو خانہ کسی کا |
خانہ کعبہ کا سیاہ پوش رہنا بسبب سیاہ فنان کے ہے اور شاعر نے اسکی علت اور بیان کی ہے۔

میر جو ادعلی ہادی

کچھ آج شکستہ ہے بہت رنگ رنج گل | صبا دے کس ٹیکل شیدا کو ستایا |
رنگ گل کا شکستہ ہونا صفت ثابت ہے اور علت اسکی گل کا مرجھانا ہے اور شاعر نے یہ علت
بیان کی کہ ٹیکل شیدا کے غم میں گل کا رنگ شکستہ ہوا ہے۔

جوہر

دل شکنے میں جو کھینچے تھے یہ نیریزئی | خوب مویات سے باندھے گئے کسر گیسو |
گیسوؤں کو مویات سے کسر باندھنا صفت ثابت ہے اور علت اسکی عشق کی آرائش اور زمین
سے نگر شاعر نے اسکی لیے دوسری علت کا اودھا کیا ہے۔

امیر

بے سبب زلزلہ عالم میں نہیں آتا | کوئی بیتاب ہے خاکِ تربت ہوگا |

زلزلے کا اتنا فی نفسہ ثابت ہے لیکن جو علت شاعر نے اسکی بیان کی ہے وہ اُس کا خیال ہے
 و حقیقت اسکی علت یہ ہے کہ زمین کے اندر آگ ہے پس جہاں اُسکی سطح کمزور ہے اُس میں سے
 گذر کر بعض چیزیں آگ میں پہنچ جاتی ہیں جس سے وہ بھڑک اُٹتی ہیں اور وہاں کی زمین ہلنے لگی ہے
 (۲) وہ عفت ثابت ہو اور جو صفت شاعر نے ٹھہرائی ہے اُسکے سوا کوئی دوسری علت
 ظاہر نہ ہو جیسے اس شعر میں۔

میر علی

اگل زمین سے جو نکلتے ہیں برنگ شعلہ | کون جان سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز
 گل کا زمین سے یعنی درخت ہاے زمین سے برنگ شعلہ سُرخ کلنا فی نفسہ ثابت ہے لیکن علت اسکی
 شاعر نے یہ بیان کی کہ کوئی جان سوختہ تہ خاک جل رہا ہے حالانکہ یہ علت محض شاعر کے تخیل پر مبنی ہے
 اور کوئی دوسری علت بھی اس جگہ ظاہر نہیں۔

بیان

اکلا ہر لالہ خاک کے نیچے سے سُرخ سُرخ | رنگین ہوا شہیدوں کے خون میں نہانا

مومن

اخمیدہ کس نو آسمان بنے تھے مجھلا | نہ تھا ازل سے جو تیر نظر ترا پا بوس
 آسمانوں کا خمیدہ ہونا صفت ثابت ہے اور علت اُنکے خمیدہ ہونے کی بظاہر معلوم نہیں اور
 شاعر نے اس خمیدگی کی یہ علت ٹھہرائی ہے کہ مدوح کی پا بوسی کے لیے خمیدہ بنے ہیں۔

قلندر

برنج و غم اہل ہنر ساتھ لگے پھرتے ہیں | دامن گل کو نہیں ہاتھ سے کانٹوں کے فراغ
 گل کے ساتھ کانٹوں کا ہونا صفت ثابت ہے اور علت اسکی بظاہر معلوم نہیں لیکن شاعر کے گل کو
 اہل ہنر سے تشبیہ بکر یہ علت بیان کی کہ جس طرح اہل ہنر کو برنج و غم سے بچھکارا نہیں اسی طرح گل کو کانٹوں سے
 جو اُس کے لیے برنج و غم کا موجب ہیں فراغ نہیں۔

اخمیدہ فلک دیدہ ہر دم سے | جہاں میں تمھاری مکر ڈھونڈھتا ہے
 اس شاعر نے فلک کے خمیدہ ہونے کی یہ علت بیان کی ہے کہ وہ میرے معشوق کی مکر ڈھونڈھنے
 کے لیے جھکاتے۔

(۳) وہ صفت ثابت نہ ہو اور موجود ہونا اس صفت کا ممکن ہو جیسے۔

امومن

اس نقش پاکے سجده نے کیا کیا کیا ڈیل | امین کو چہ رقیب میں بھی سر کے بل گیا |

مشتوق کے نقش پاکو سجده کرنا اسکی تعظیم اور ظاہر و متعارف ہے کہ کسی معتقد فیہ کی تعظیم سے ذلیل نہ ہو پس تعظیم سے ذلیل ہونا ایک صفت ہے کہ فی نقش ثابت نہیں لیکن محال بھی نہیں بلکہ ممکن ہے کہ وہ امر کسی کے حق میں موجب ذلت کا ہو جائے چونکہ یہ امر غیر ثابت تھا اسواسطے مصرع ثانی میں اسکی علت بیان کی گئی ہے مشتوق کو چہ رقیب میں تھا اور جب عاشق نے اس جگہ نقش پاکے مشتوق کو سجده کیا تو رقیب کے کوچے میں سر کے بل جانا واقع ہوا اور ایسے مقام میں اس طرح کا امر ظہور میں آنا ننگ کا موجب ہے۔

امریق

سر پہ اعلیٰ کے بلا آئی تو اد نے اڑھ گیا | ادھوپ جب پڑھنے لگی قامت سکایا اڑھ گیا |

اد نے کا پڑھ جانا صفت غیر ثابت ہے کیونکہ متعارف یہ ہے کہ اعلیٰ درجے والوں پر خرابی وارد ہو تو اد نے بدرجہ اد لے خراب ہو جائیں جس چیز کی اعلیٰ زندگی نہیں اٹھا سکتے اد لے اکب اٹھا سکیں گے۔ لیکن یہ امر ممکن ہے اور اس کی علت دوسرے مصرع میں بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب دن ڈھلنے لگتا ہے تو سایہ قامت سے پڑھ جاتا ہے اور قامت کے مقابلے میں سایہ ایک اد لے چیز ہے۔

امسورا

اجٹاے دہر کرے سنگدل کو نازک دل | ابے ہر شیشہ جہان میں گداز ہو خارا |

جٹاے دہر سے سخت مزاج آدمی کا نرم مزاج ہو جانا صفت غیر ثابت ہے کیونکہ متعارف یہ ہے کہ آدمی جس قدر سختی پڑتی ہے اتنا ہی سخت ہوتا جاتا ہے لیکن یہ بات ممکن ہے اور اسکی علت مصرع دوم میں بیان کیا ہے یعنی تھکر کو گلا کر شیشہ تباہ کیا جاتا ہے پس جٹاے دہر سے سنگدل کا نازک دل ہونا ثابت ہو گیا۔

اماسخ

مرتبہ کم حرص رفت سے ہمارا ہو گیا | آفتاب اتنا ہوا اونچا کہ تارا ہو گیا |

رفت کی حرص سے مرتبہ کا کم ہونا صفت غیر ثابت ہے کیونکہ متعارف یہ ہے کہ رفت کی حرص کرنے سے افزونی ہو لیکن یہ امر ممکن ہے اور اسکی علت مصرع ثانی میں مذکور ہے یعنی جب آفتاب اپنی حد سے اور زیادہ اونچا ہو جائے تو البتہ بہت چھوٹا معلوم ہونے لگے گا پس حرص رفت سے مرتبہ کا کم ہونا ثابت ہو گیا۔

اولہ

کرنے ہیں سالک ترقی سے تنزل خیار | جبکہ منزل پر ہوا رگیا پیادہ ہو گیا |

احید حسن تصور

تصور گرم جوشی یار کی مجھ کو دلائے گی | اہست گرمی کا ہوتا منہ برسنے کی علامت
(۴) وہ صفت ثابت نہوا در موجود ہونا اس کا محال ہو جیسے اس شعر میں۔

ناخ

ٹلتا ہی نہیں ہجر کا دن کیا ہی اٹھی دھوپ | خورشید قیامت کے مرے گھر میں جڑی دھوپ
ہجر کے دن کا نہ ٹلتا محال ہے کیونکہ زمین یا سورج کی گردش کی وجہ سے ایک حالت پر وقت رہ ہی
نہیں سکتا گزرتا پچھلے مصرع میں جو علت بیان کی وہ اس بات کو ثابت کرتی ہے۔

شعوری

پھرتا رہے ہے چار پہر مضطرب آفتاب | روشن ہے یہ کہ محو ہوا تجھ پر آفتاب
آفتاب کا محو ہونا صفت غیر ثابت و متمنع ہے اور اسکے چار پہر گردش کرنے کو محویت کی علت قرار
دے کر اس بات کو ثابت کیا ہے۔

افضل

قاتل خلق ہو کیونکہ نہ ترا ہر گیسو | حسن شمشیر ہے شمشیر کے جوہر گیسو
گیسو کا قاتل ہونا صفت غیر ثابت اور متمنع ہے اور اسکے اثبات و اسکان کے لیے اس کی علت
یہ قرار دی کہ حسن شمشیر ہے اور گیسو شمشیر کا جوہر ہے۔

سودا

مے پرستی ہر مری باعث آفرین خلق | تو بہ صد قوم نے کی ہر مری بخواری کے
کسی کی مے پرستی کا خلق کی بخشش کا باعث ہونا ایک صفت غیر ثابت اور محال ہے مگر شاعر نے
دوسرے مصرع میں جو علت بیان کی اُس نے اس صفت کو ثابت کر دیا ہے۔

امیر

وقت رفتار میں زرد ریز عجیب فیض قدم | نقش بارہ میں نجاتے ہیں نیا دردم
کسی کی رفتار میں زرد ریزی ہونا ایک صفت غیر ثابت و متمنع ہے مگر مصرع ثانی میں جو نقش پاکا و نیا
دردم نجاتا بیان کیا ہے اس علت سے رفتار میں زرد ریزی کا ثبوت ہوتا ہے۔

میر

شہر میں کس منہ سے آئے سانس تیرے کہ شوخ | جھایوں بھر رہا ہے سانس پھرہ ماہ کا

چاند کا عشوق سے شرم کر سامنے نہ آنا صفت غیر ثابت و متمنع ہو اور اس کے اثبات و امکان کیلئے
چاند کے داغون کو جھانپنا مان کر اس کی علت قرار دیا ہے۔

مصطفیٰ

جو علی کا حکم نافذ نہ فلک پہ تھا تو بھیر کیوں | بلکہ غروب آیا رکھل آفتاب اُلٹا

حضرت علی کا حکم فلک پر نافذ ہوتا صفت غیر ثابت و متمنع ہو مگر وہ علت کہ مصرع ثانی میں مذکور
ہوئی اُس صفت کو ثابت کرتی ہے۔

امیر

مجھ کو زاہد نہیں شراب حرام | تیسرے دن سیرائی ہے

اور حسن التعلیل سے ملحق ہو یہ امر بھی کہ کلام میں علت بطور شک کے مذکور ہو چونکہ اس میں
علت مشکوک طور پر ہوتی ہے اور حسن التعلیل میں اسکا ادعا ہوتا ہے اور علت کو علت حقیقی ٹھہرانے میں
اصر ہوتا ہے اسلئے یہ قسم اخیر حسن التعلیل میں داخل نہیں بہر صورت مثال اسکی یہ ہے۔

الشا

ابا کسی باغ میں آج پڑی موتی صبح | ایون مرے سامنے کجخت نہیں ہوتی صبح

صبح کے سامنے نہونے کی علت اسکا سونا بطور شک کے بیان کیا ہے۔

ناسخ

انسان مثل وادی غربت ہے لکھنؤ | شاید کہ ناسخ آج وطن سے بھل گیا

اعلام مصطفیٰ تحیر

فکر اطفال کو بے شک اٹھانے کی | آبد آمد ہوئی شاید ترے دیوانے کی

قدرت اللہ قدرت

چہرہ دیر ہوئی اشک نہیں آنکھوں کے گرتے | شاید تہ ترگان کوئی لختہ جگر آیا

گویا

آدم میں بیٹے پر بایں دلی سے وقت رقم | ہر اک سطر گر شاخ عشق بچان ہے

صنعت مشکاکہ وہ یہ ہو کہ دو چیزیں ذکر کر میں اور ان دونوں کو ایک جگہ مذکور ہونے کی
مناسبت سے ایک ہی لفظ سے تعبیر کر میں اگر کوئی یہ کہے کہ صنعت مشکاکہ کو صنائع لفظی میں
داخل کرنا چاہیے کیونکہ اسکا تعلق لفظ سے ہے تو ہم اسکا جواب یہ دینگے کہ مشکاکہ میں ایک معنی کو

ایک ایسے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے جو اس سے غیر ہوتا ہے اگرچہ اس معنی کے لفظ کو بدلا جاتا ہے مگر یہ امر تابع ہے جیسے۔

ناسخ

خط مجھے شکر سے بھیجا یار کے فوج غم پر آج دل فیروز ہے

شکر کی مناسبت سے غم کو بھی فوج کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

واجد علی شاہ

لگا کر بھی پان لاتی تھی وہ : محبت کا بیڑا کھٹانی تھی وہ :

محبت کے اقرار اور وعدے کو پان کی مناسبت سے بیڑے کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

میر

کئی دن میں ہند وزن آئے لگی : کیسے پانی اس راہ جانے لگی :

نگاہیں ہوئیں ہمدرد آشنائیں : محبت کا دونوں نے پانی بھرا :

پانی کے ذکر کی مناسبت سے محبت کرنے کو پانی بھرنے سے تعبیر کیا ہے۔

ولہ

میں وہ روئے والا جان چلا ہوں : جسے ابر ہر سال روتا رہے گا :

ابر کے برسنے کو روئنے کے ساتھ تعبیر کیا ہے اس لیے کہ روئے والے کے ساتھ اسکا تذکرہ ہوا ہے۔

روشن

اسکی آنکھوں سے بھلا کرتی ہے کیا ہم چشمی : جا کے بنوائے کہیں زکس بیمار آنکھیں :

آنکھوں کی مناسبت سے برابری کرنے کو ہم چشمی کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

الشا

نصیحت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں پینا پیسے : بڑا دانا جو ہو چکی میں کیا چھوٹوں کو دل ڈالے :

چکی اور دالے کی مناسبت سے نصیحت کرنے کو پیسے سے تعبیر کیا ہے۔

شیفتہ

کیا کہوں احباب کی آہن دلی : پانوں میں فولاد کی زنجیر ہے :

فولاد کی زنجیر کی مناسبت سے بے ہری کو آہن دلی کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

میں جا کے چلی تو غم نہیں ہائے : لیسیم ڈرتے کہ نہ تجھ پر آج آجائے :

جتنے کی مناسبت سے صدمہ پہنچنے کو آج آنکے ساتھ تعبیر کیا ہے۔

یاس

زالوے یاس کمان اور سردلدار کمان ہنشین بات وہ کرچکا ہو کچھ بھی سرپانوں

زالو اور سر کی مناسبت سے بات میں کچھ سمجھ ہونے کو سرپانوں سے تعبیر کیا ہے۔

صنعت مزاجہ یعنی دو معنی شرط و جزا میں ایسے واقع ہوں کہ جو امر پہلے معنی پر مرتب ہو وہی دوسرے پر بھی مثال سکی۔

داغ

وہ جو بوسین تو بات جاتی ہے چپ رہوں میں تو رات جاتی ہے

بونا اور چپ رہنا دو معنی اور ان دونوں پر کسی شے کا جانا مرتب ہوا ہے یعنی دل پر بات اور دوسرے پر رات کا۔

رنگین

آہ کیے تو آن جاتی ہے اور نہ کیے تو جان جاتی ہے

آہ کا کرنا اور نہ کرنا دو معنی ہیں اور ان دونوں پر کسی شے کا جانا مرتب ہوا ہے یعنی اول پر آن کا اور دوسری پر جان کا۔

محمد حسین تجلی

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوتی ملنے کے دن جو آئے تو بھرات کم ہوتی

رات کا دراز ہونا اور ملنے کے دن کا آنا دو معنی ہیں اور ان دونوں پر کسی شے کا کم ہونا مرتب ہوا ہے یعنی اول پر ملاقات کا کم ہونا اور دوسری پر رات کا کم ہونا۔

میر

اجنباب ہے اگرچہ کارہون مجھ پر عتاب آدے دگر قصہ کہوں دل کا تو سستے اسکو خواب آدے

چپکار رہنا اور دل کا قصہ کہنا دو معنی ہیں اور ان دونوں پر کسی شے کا آنا مرتب ہوا ہے یعنی اول پر عتاب کا آنا اور دوسرے پر خواب کا آنا۔

ظفر

بروئے ہمدل کو ٹکڑے ٹکڑے جاڑوئے لگا اور اگر روئے کو رو کا دوسرے روئے لگا

صنعت عکس یعنی کلام کے بعض جز کو مقدم و مؤخر کر کے دوسرا فقرہ یا مصرع وغیرہ بنالین اور

وہ معنی دیتے چلے جائیں ہننے عکس کو معنات معنویہ میں اسلئے شمار کیا ہو کہ اس میں اول عکس معنی کا اور
اسکی تبدیل ہو پھر لفظ میں تبدیل کا واقع ہونا اس کے اتباع سے ہو بخلاف رد العجز علی الصد کے کہ اس میں
دو لفظ وارد کیے جاتے ہیں جن میں سے ایک کلام کے اول میں ہوتا ہو اور دوسرا کلام کے آخر میں
عکس کبھی دو لفظوں میں ادا ہو جاتی ہے کبھی دو فقروں میں اور کبھی ایک بیت میں۔
مثال دو لفظ کی۔

غالب

دو فرا شک نے کاشانے کا کیا یہ رنگ | کہ ہو گئے مرے دیوار و در و دیوار

نصرت

جیون کو دشت دشت کو جیون بنائیں یہ | گردن کو ارض ارض کو گردن بنائیں یہ
پستی کو اوج اوج کو پستی بنائیں یہ | ہستی کو نیست نیست کو ہستی بنائیں یہ

شایان

درختوں کی باہم ہونی حرب حرب | رٹے خوب باہم ہونی ضرب ضرب

نسیم

باقی ساقی جو کچھ ہو لے لے | ساقی باقی شراب دیدے

انیس

استادہ آب میں یہ روانی خدا کی شان | پانی میں آگ آگ میں پانی خدا کی شان

مثال دو فقروں کی۔

نعمیم

کس طرح تجھے پاوین اب ہم کو بتا ظالم | یان کہتے ہیں دان ہوگا دان کہتے ہیں یان ہوگا

ناسخ

وہ خدا کا دوست ہو اور دوست ہو خدا کا خدا | کیون نہ نواسخ محبت حیدر کرار کی

امیر مینائی

گلا ٹھوڑے لے لے یکے پھر ایدل کمان دین | کبھی گردن ہو خنجر کبھی خنجر ہو گردن پر

دلہ

وہ دون بیتاب ہیں حضرت کی زیارت کے لیے | دل کو بھجاتا ہوں میں دل تجھے بھجاتا ہے

دبیر

اقابل من سخن کے ہوں سخن میرے ہی قابل
لیکن سخن شہرہ فگن میرے ہے قابل

اجرات

تو موج پر تو ماہ سان کون اضطراب میں دیکھ گیا
کبھی بار تھا کبھی وار تھا کبھی وار تھا کبھی بار تھا

صبا

صبا یہ اُس کل ہی موجودہ اُس کا موجودیت
بشر ہے غم کے لیے اور غم بشر کے لیے

مثال پوری بیت کی۔

ظفر

یہی ایک غم ہے یہی اک الم ہے
مری چشم غم ہے اسی رنج و غم میں
یہی اک الم ہے یہی ایک غم ہے
خفا کیون صنم ہے نہیں جھید کھلتا
اسی من و غم میں مری چشم غم ہے
نہیں جھید کھلتا خفا کیون صنم ہے

ساری غزل اسی صنعت میں ہے۔

منشی

ہوا پہلوان عاشق دل رستان
ہوئی دلستان عاشق پہلوان

ذوق

بے شکایت نہیں ذوق مجت نرس
بے محبت نہیں ذوق شکایت کے مزے

میر حسن

یہ گھر کو کہ میرا سر بہ تیرا نہیں
ہر اب گھر یہ تیرا ہے میرا نہیں

اسوداد

شف کو ہر طرف اس طرح سے کرے نہ ابل
اجل کو ہر طرف اس طرح سے کرے نہ غدا

ان تمام اشعار میں دوسرا مصرع پہلے مصرع کی عکس ہے اور اسی صنعت کے قیاس پر
یہ امر بھی کہ ایک بیت کو تقدیم و تاخیر الفاظ سے کئی وزن کر لین جیسے یہ مصرع۔

بتاؤ مرے بتائی ہوئے کیون خفا مجھے

اسکی تطبیع یوں ہر فعلوں متفاعیلین فعلوں متفاعیلین وزن دومسراع

جانی بتاؤ مرے مجھے ہوئے کیون خفا

مستغفل فاعلین مستغفل فاعلین یہ بحر بسیط مثنیٰ سالم ہر وزن تیسراع

مرے بتاؤ جانی تھا کیون ہوئے مجھے

تقطیع مفاعیلین مفعولین مفاعیلین مفعولین یہ وزن بحر بسیط مثنیٰ مزاحف ہر وزن چوتھراع

جانی بتاؤ مرے مجھے ہوئے کیون خفا

تقطیع مفعولین فاعلین مفعولین فاعلین یہ وزن پانچواں سراع

جانی مرے بتاؤ مجھے خفا ہوئے کیون

مفعول فاعل لاتین مفعول فاعل بیان سدریاب لطافت میں اس صنعت کو صنائع لفظی میں لکھا ہے۔

صنعت القول بالموجب بیان موجب خیم کے کسرے اور فتحہ دونوں طرح سے جائز ہر مراد

اس سے یہ ہر کہ کسی شخص کے کلام میں کوئی لفظ واقع ہو تو اس لفظ کے معنی کو خلاف مراد اس کہنے والے

کے محمول کریں۔

لطیفہ ایک امیر کی دوسترا میں محفل رقص دسر و گرم تھی اور ایک رشتی خوش الحانی میں

غیر ناہید حسن صورت میں رشک خورشید زینا طبیعت مجنون صفت اپنے ناچ کی چمک دکھائی

تھی ہر ایک ساز اس اصول و قانون کے ساتھ بچ رہا تھا کہ صوفیان صافی مذاق بخود ہو کر وجد میں آتے تھے

و نور مذاق اور حصول ذوق و شوق میں ہر دن کو جنبش گویا اضطرابی ہو گئی تھی ساز نگینوں کی آواز

خوش انداز پر عاشق زار دل افکار دست و حشمت سے اپنا گریبان تابدا مان تارتا کرتے تھے اور طبلے

کی تھاپ بر دامن بامین کے لوگ عالم حیرت میں بیٹھے تھے حالت رقص میں اُس ماہ رو کا کبھی آگے بڑھنا

اور کبھی پیچھے ہٹنا اور ساتھ دراز کرنا اور پیروی لینا اور سمٹ کر بیٹھ جانا دل ہائے عشاق کو تہ و بالا کرتا تھا

اتفاقاً ایک جوان پری پیکر زیبا شامل شہر میں خصال اس محفل میں ناز و انداز سے سچ درج بنائے بٹھا ہوا تھا

اس مخفیہ کا دل اس شمع جمال پر پروانے کی مانند قربان ہوا اور ذرے کی طرح اُس خورشید آسمان خوبی پر

دل و جان سے فریفتہ ہوئی بار بار اُس کے منہ کو تکتی اور لاکھ جی سے اُس پر فدا ہو کر اُس کے خط و خال کا

تماشا دیکھتی اہل مجلس میں سے ایک شخص یہ حال دیکھ کر صاف تاز گیا اور چرب زبانی سے بولا کہ بی جی اگلی تو

آئنگے لگ گئی وہ سُکر کر رہی کیا سمجھے صاحب نیند آئی ہو اُس شخص کی مراد آنگھ لگ گئی کہنے سے یہ بھی کہ

تم عاشق ہوؤ گے مگر غنیہ نے اخفائے حال کے واسطے اس بات کو خواب کی پٹ پٹ لگا کر اُس کے مناسباً بدایا

نہند آئی ہے مثال نظم کی۔

دل غ

آنکھ لگتی ہے تو کہنے ہیں کہ نہند آئی ہے | آنکھ لگتی ہے چہن نہیں خواب نہیں
لوگوں کی مراد آنکھ لگنے سے نہند آنا ہوتی ہے اور قائل نے آنکھ لگنے کے معنی عاشق ہونا یہ ہیں۔

نغم

کہتے ہیں مرگ کو وصال نغمہ | انہو اور صل پہنے مرد یکھا پا
قائل نے وصال سے عشق کی ملاقات مراد رکھی ہے اور لوگ حق سے وصل ہونا مراد رکھتے ہیں۔

ولم

جب کہا اُن سے کہ مریا ہوں تو ہنس کر بولا | تھے تو دیکھو یہ بڑے آئے ہیں مرنے والے
عاشق کی مراد مرنے سے یہ تھی کہ میں جان سے جاتا ہوں اور عشق نے مرنے سے مراد عاشق ہونا رکھا ہے۔

جرات

وہ نہ آئے تو یہ ہو جائے غلط پا | کہ بن آئے نہیں مریا کوئی پا
بن آئے مرنے سے مراد یہ ہے کہ بغیر موت کے آئے کوئی نہیں مریا اور قائل نے اس شعر میں بن آئے
مرنے سے بغیر عشق کے آئے مرنا مراد رکھا ہے۔

ذوق

جب کہا مریا ہوں وہ بولے مار کاٹ کر | جھوٹ کو بیج کر دکھانا کوئی مجھے سکھ جائے
مرنے سے عاشق کی مراد یہ تھی کہ میں تجھے شیدا ہوں عشق نے اس سے حقیقی موت مراد رکھی۔

ذوق

گرا بکے پھرے جتے وہ کعب کے سفر سے | تو جانوں پھرے شیخ جی اللہ کے گھر سے
شاعر کی مراد اللہ کے گھر سے پچھنے کی یہ ہے کہ مرنے مرنے بچے اور لوگ کعبے سے پڑنا چھتے ہیں۔

کرم مام پوری

بولامین نہ بیچو دان اٹھ جائیں جہان سے ہم | بولے کہ جہان سے تو اٹھ جائے حسرت بہ
اعجابات میں لکھا ہے کہ نواب شجر نے شاہ نصیر سے کہا کہ وعدہ فرمایا ہے کہ آپ خجور میں کب آئے گا
ہنسکے بولے کہ خجور کی چاہ تو وہی گرمی میں۔

صنعت احتجاج بدلیل نہیں کسی دلیل سے کلام کو مدافن کرنا اور اسکی دو صورتیں ہیں۔

(۱) بطور متکلمین کے کلام میں فقیر مطلوب کا حاصل ہونا کیونکہ متکلمین کا کلام دلیل اور برہان پر مشتمل ہوتا ہے اس قسم کو مذہب کلامی کہتے ہیں غرض کہ صنعت ہونا اسکا اسوجہ سے ہے کہ دلیل اہل کلام کے طریق پر لائی جائے اور اہل کلام کے طریق پر دلیل لانے سے یہ مطلب ہے کہ دلیل کی صورت قیاس استثنائی یا اقترانی کے طور پر ہو کہ جس کے مقدمات کے تسلیم کر لینے سے عقلی طور پر مطلوب کا تسلیم کر لینا لازم آئے پس جو حجت اس طرح نہ لائی جائے کہ قیاس استثنائی یا اقترانی کی صورت اس سے پیدا ہو سکتی ہو وہ صنعت مذہب کلامی میں داخل نہ ہوگی لیکن مراد اس سے کہ حجت اہل کلام کے طریق پر ہو یہ ہے کہ اس کلام سے دلیل اقترانی یا استثنائی کی صورت پر مقدمات کا ترتیب دینا صحیح ہو نہ یہ کہ صورت بالفعل بھی پائی جاتی ہو مثال اسکی یہ شعر شاہ جہان بیکر مایہ مجھو یاں شیریں خلیب کج ہے یہ

دنیا میں پڑا شور یہ شکر شکنی کا شیریں جو غلصہ میں ہوا نامہ ہمارا

اس شعر سے مطلوب اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں متعلق مجہول یعنی پڑا کہ کلمہ ہے شور موضوع ہے
 رابطہ غیر زمانی شکر شکنی کا مرکب تفسیر یعنی مضامین موضوع قضیہ حلیہ خارجیہ تفسیر
 اور دلیل سپر صرغ آئندہ قیاس قدرانی حلیہ شکل پہلی اور تیسری اور چوتھی سے اور اشارات اس دلیل پر لفظ چوتھ
 اس تقریر پر حاصل صرغ ثانی یہ ہوا اس لیے کہ نام ہمارا شیرین تخلص ہوا اور یہ قضیہ حلیہ موجب تخصیص صغر ہوا
 اور شیرین تخلص کی شکر شکنی کا شور دنیا میں پڑا ہے کہہ۔ اور یہ شکل اول نتیجہ ہمارے نام کی شکر شکنی کا شور
 دنیا میں پڑا ہے اور ترتیب شکل ثالث کی اس طرح ہے شیرین تخلص نام ہمارا ہوا صغرے اور شیرین
 تخلص کی شکر شکنی کا شور دنیا میں پڑا ہے کہہ یہ نتیجہ ہمارے نام کی شکر شکنی کا شور دنیا میں پڑا ہے اور تقریر شکل رابع کی اس وضع
 ہے شیرین تخلص نام ہی ہمارا صغرے اور شکر شکنی کا شور دنیا میں پڑا ہے شیرین تخلص کا کہہ نتیجہ ہمارے
 نام کی شکر شکنی کا شور دنیا میں پڑا ہے مطلوب تھا۔

مؤمن

شب کیا عصمت تحت جگر احمد دین

شاعر کے اپنا مطلب یوں ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں اور حضرت امام حسینؑ
انکا عزیز ہیں اور معصوم کا جز معصوم ہوتا ہے تو نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت امام حسینؑ بھی معصوم ہیں۔

۱۵۵

اگر غم هست نه هوسا فکری روزی کا
نواب دوانه گو یکر گرنه هوسا

اس شعبہ کی صورت اس طرح برآی کہ اگر عدم سے فکر و ذی کا ساتھ نہ تو گوہر آب و دانہ کی شکل

عدم سے پیدا ہو لیکن وہ آب و دانہ کو نیکر پیدا ہوتا ہے اس سے نتیجہ حاصل ہوا کہ فکر روزی کا عدم
ساتھ ہی اسی طرح ہیں یہ دو شعری قصیدے کے۔

اولہ

ہلال عید ہو عالم میں کیونکہ روزہ کشا
تو خار و خس نہ کرے شعلے کو کبھو ہریا

بلند بہت اگر ہوں نہ زیر جریخ ضعیف
جانا تو ان نہ کریں دشکاری دشمن

۳ جو ظام تمثیل پر مشتمل ہوا اس کو مذہب فقہی کہتے ہیں فقہائینے علمات اصولی اصطلاح
میں سے قیاس بولتے ہیں تمثیل میں استقرار و قیاس منطقی کچھ کچھ دونوں پائے جاتے ہیں اس کو نا کامل
استقرار کچھ استقرار میں جیسے کلین پر دلیل لائے ہیں مثلاً جب چند مرتبہ ہتھ دیکھا کہ جب ایک مرتبہ تار
اس کے ساتھ فلاں صورت بھی ہوتی ہو پس اس سے ہم بچہ کال لیتے ہیں کہ اس قسم کی جتنی باتیں ہیں
سب ہمیشہ اسی طرح ہر روزی ہیں اور ایک ناد قاعدہ ان سب باتوں کے واسطے نکال آتا ہے چنانچہ
ہم دیکھتے ہیں کہ سیسہ لوہا چاندی وغیرہ جب ٹوب گرم کیے جائیں تو گچھل جائیں پس قاعدہ عام
نکلا کہ دو حالتیں گچھل جاتی ہیں دوسری مثال ہتھ دیکھا کہ ڈاکے بھینس بکریاں اور سینکھ ڈاکے
جانور بگالی کرتے ہیں پس قاعدہ عام نکلا کہ سینکھ ڈاکے جانور بگالی کرتے ہیں قیاس میں کلی کے قرینے
سے جزئی پر حکم صادر کیا جاتا ہے درجہ ٹیک استقرار کے برعکس ہے استقرار سے ہلکویہ بات معلوم ہوتی
ہے کہ فلاں چیزیں زہر دار ہیں اس عام قاعدے سے جو ہر ماہ معلوم ہوا ہے حکم نکالیں گے کہ اگر ان
زہر دار چیزوں میں سے کوئی بھی کسی جنس نہ نکالی ہو تو اس زہر ہارے اثر کیا ہوگا اسے قیاس کہتے ہیں
اسی طرح اگر کوئی نیا جانور سینکھ کر مین لئے تو ہم رائے نکالیں گے کہ یہ بگالی کرنے والا ہے کیونکہ یہ عام
قاعدہ دلیل سحر سے معلوم ہو چکا ہے کہ سینکھ دار جانور بگالی کرتے ہیں غرض کہ قیاس کلی سے جزئی پر
دلیل رائے کو دیتے ہیں اور استقرار جزئی سے کلی پر دلیل لانے کو بولتے ہیں اور تمثیل میں جزئی سے
جزئی ثابت کی جاتی ہے درجہ جی کہ جب سے دوسری چیز ہر واحد یا بانا ہے مثلاً کوئی نتیجہ کاٹے کہ فلاں
شکر کا انجام ہوا ہوگا بوسہ و بیل شکر کا انجام ہوایساں پر استقرار اور قیاس دونوں پاسے
جاتے ہیں کیونکہ تمثیل اور بیل شکر سے استقرار کے طور پر یہ بات نکلتی ہے کہ کل مشرکون کا انجام
ہوا ہوتا ہے پس چونکہ یہ آدمی شکر سے اس سبب سے اس عام قاعدے سے قیاس کے طور پر یہ بات
نکلتی ہے کہ اسکا انجام ہوا ہوگا یہ طریقہ دلیل رائے کا بہت صاف اور صحیح ہے کہ حاجت اور مثال
لانے کی بیان پر نہیں ہو کر جب ثابت وجہ مناسب جس کو علت اور وجہ جامع کہتے ہیں قطعی و

تمثیل یقین کا فائدہ نہیں بخشتی جب علت قطعی ہوتی تو اس وقت قیاس کی طرف رجوع کر کے یقین کا فائدہ دیتی ہے جیسے میں بھنگ حرام ہے اس وجہ سے کہ سکر اور ہر سکر حرام ہے پس علت حرمت کی سکر اور جو خمر میں تھا نہ سبزی نہ میلان نہ بونہ اور خیرین میں بھی جو حال میں پائے جاتے ہیں انہما متعین ہوا کہ نشہ ہو چہ حرمت سکر اور جو خمر میں تھا اور یہ علت قطعی ہے قیاس ایسے دو قضیوں سے بنتا ہے کہ ان کے مان لینے سے ایک دوسرا قضیہ لازم آجائے۔ اور اس دوسرے قضیہ کو نتیجہ کہتے ہیں اور پہلے دو مقدمات کہلاتے ہیں بھنگ سکر اور ہر سکر حرام ہے دو قضیے ہیں کہ جنکے مان لینے سے یہ نتیجہ لازم آیا کہ بھنگ حرام ہے ہر سکر حرام ہے۔

سید محمود علی برتہا

ہم آپکے کوچے سے جو نکلے تو عجب کیا۔

اور بھی ہوئے خلدی نمیز سے باہر۔

اپنی ذات کو آدم پر قیاس کیا ہے۔

خضر

تو کہیں ہو یہ دل دیوانہ وان ہوئے ہی کا
دل دیوانہ کے حال کو پردانے کے حال پر قیاس کیا ہے۔

ولہ

بے شرافت کوئی ہوتے ہیں ہم در سنگدل
مؤلف عفی عنہ نے رامپور میں حکیم عثمان علی دلال سے اس شان میں شکر کدینے کی استدعا کی تو انھوں نے نمونے کے لیے فارسی کی شان طلب کی راقم نے یہ رباعی ابوالفرج رومی کی دیدی۔

رباعی

اندوہ بزرگ تو در و چون گنجید

گفتم کہ ز خردی دل من نیست پدید

خردست بد و بزرگما بتوان دید

گفتا کہ ز دل بدیدہ باید نگرید

جلال نے اسی رباعی کا ترجمہ کر دیا اور کہا کہ ترجمہ بھی صنائع میں داخل ہے۔

رباعی

کیونکر غم بیارے کی تجھ میں جاؤ

میں نے جو کہا کہ تو ذرا سا ہے دیا

اور اس میں سما پاتا ہے دیکھ کیا کیا

دل بولا کہ آنکھ بھی ہے ایک چھوٹی کھد

دل کو دیدہ پر قیاس کیا ہے جلد ہفت تلمذ و غیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مضمون کا ایک

زبان سے دوسری زبان میں قصداً ترجمہ کرنا اور پھر رعایت نظم و موزونیت کا رکھنا اصل معنوی میں خلل ہے اور تمام اسکا صنعت ترجمہ ہی بدرجہا جرمی شاگرد محمد ہنگو فارسی کے ابوالفتح بستی کے قصیدہ عربی کا ترجمہ فارسی میں نہایت عمدہ موزون کیا ہے کہ ایک ایک بیت کا ترجمہ ایک ایک بیت واقع ہوئی ہے مطلع اُن دونوں قصیدہ دن کا بہانہ درج کیا جاتا ہے۔

تربادہ المرگ فی دنیاہ نقصان	و ترجمہ غیر محض الخیر خسران
ہر گھاسے کہ ز دنیاست ہر نقصان	سود کان محض نکولی بنود خسرانست

اور شیدائے سعدی کے قصیدہ فارسی کا ترجمہ اردو میں کیا ہے کہ ایک ایک بیت کا ترجمہ ایک ایک بیت واقع ہوئی ہے چنانچہ۔

تراز کو سے اجل کے فرار خواہد بود	قرار گاہ نودار القمار خواہد بود
اجل کے کوچے میں تیر گزار ہو دے گا	ترا قرار ہمار القمار ہو دے گا
تراہ تختہ و تابوت در کشنہ از تخت	گرت خزانہ دلشکر ہزار خواہد بود
دھرینگے تجھ کو جنازے میں تخت شاہی سے	اگر خزانہ دلشکر ہزار ہو دے گا
ترا بہ کنج لمحہ سالما بیا یہ خفت	من تو طعم ہر مور و ماز خواہد بود
محکم کے کلوٹے میں تجھ کو زمین پہ سونا ہے	بدن ترا خورش مور و مار ہو دے گا

عربی م

در چشم محققان چہ زیبا و چہ زشت	منزل کہ عاشقان چہ دوزخ چہ بہشت
پوشیدن بیدلان چہ اطلس چہ پلاس	زیر سر عاشقان چہ بالین چہ خشت

منشی رام سہاسے تمنا لکھنوی یوں ترجمہ کرے ہیں۔

محققون کی نظریں اور خوب زشت سب ایک	ہر عاشقون کے لیے دوزخ و بہشت سب ایک
لباس ٹاٹ کا اطلس کا بیدون کوہی ایک	سرفدا کوہن بالین اور خشت سب ایک

عربی م

عشق کہ مجازی بودا بش نبود	چون آتش نیم مردہ تابش نبود
عاشق باید کہ سال ماہ دشب روز	گرام دوزخ خورد و خواش نبود

منشی

ہو عشق مجازی میں نہ رونق کاں ہو رٹا	جو آگ بجھی ہوئی ہے کب ہو بے نور
-------------------------------------	---------------------------------

عاشق وہ ہے جس سے سال ماہ و شب روز
خواب و غور و تاب ضبط آرام ہو دوا
صنعت استتباع اسکو الموحی بھی مٹے ہیں اور یہ اسطرح ہے کہ ممدوح کی تعریف اس
طور پر کریں کہ اس سے ضمناً دوسری تعریف اور ثابت ہوتی ہو جیسے اس مثال میں۔

ذوق

زیران تیرے ہی وہ تو سن چالاک کہ تو
چھڑوے ایک ذرا اسکو چوہ وقت صف جنگ
یون کرے جست کہ جیسے سر میدان نبرد
سنگھ سے اڑ جائے حریفوں کے ترے خوف سے رنگ
اس قطعہ کے مضمون سے ایک تو یہ تعریف پیدا ہوئی کہ گھوڑا ممدوح کا نہایت عمدہ و تیز چالاک
ہے جست ایسی بھرتا ہی جیسے چہرے سے رنگ اڑتا ہی دوسری یہ نکلی کہ تو ایسا بہادر ہے کہ دشمن کے
چہرے کا رنگ تیرے خوف سے اڑ جاتا ہے۔

سودا

خوگر تو خلق و حلم دہیا سے اگر نہ ہو
اور ہو تری نگاہ میں اعمال عاصیان
بجھ آتش غضب کے شرارت کے سامنے
بارود کا ہے تو وہ زمین اور آسمان
غرض اس قطعہ میں مدح اور خلق اور حیا سے ہے اور اسکو اس طرح سے بیان کیا کہ مدح
کی بھی حاصل ہو گئی۔

میر

تو ہے کہ تولے دوش نبی پر قدم رکھنا
بُت توڑ توڑ شرک کی صورت دیے مٹا
اس سے دو مدح نکلیں ایک بتوں کا توڑنا دوسرے شرک کا مٹانا۔
صنعت ادا ج دیکر الف و سکون دال مملہ یعنی کلام سے دو معنی حاصل ہوں اور
تصریح دوسرے معنی کی نکلی ہو یہ بہ نسبت استتباع کے عام ہے یعنی استتباع سے تو یہ مراد ہے کہ ایک
مدح سے دوسری مدح پیدا ہو اور ادا ج میں مدح کا ہونا کچھ ضرور نہیں اور ابہام د ادا ج میں یہ فرق
رہا کہ ابہام میں ایک لفظ دو معنی رکھتا ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور ادا ج میں پورے کلام کے
دو معنی ہوتے ہیں اور توجیہ یعنی تحمل الضد میں اور ادا ج میں بھی فرق ہے یعنی وہ بہ نسبت ادا ج
کے خاص ہے اس لیے کہ اس میں ایک کلام سے ایسے دو معنی پیدا ہوتے ہیں کہ دوسرے معنی پہلے معنی کی
ضد ہوتے ہیں چنانچہ اسکے بیان میں معلوم ہوا اور ادا ج میں ایک معنی دوسرے معنی کی ضد نہیں
ہوتے مثال ادا ج کی یہ شعر قصیدہ نطق مسمیٰ بہ خیابان خلد کا ہے

دو دے دو دے معنی مرے اس معرے کو | اب فقیر و نیکے ہیں گھر سعدن دریا و جبل
ایک معنی یہ ہیں کہ اس قدر بخشش کی کہ فقیر و نیکے سعدن دریا و جبل ہو گئے یعنی وہ لوگ زرو
گرو و جبل سے مالا مال ہو گئے دوسرے معنی یہ کہ اتنی داد و بخشش کی کہ زرو گوہر و جبل کے صرف ہو جانے سے
سعدن دریا و جبل خالی ہو کر فقیر و نیکے کے سے گھر ہو گئے اُن میں کچھ نہ رہا یہ شرمیہ میں رہی اور ایک
کلام سے دو معنی نکلتے ہیں مگر ایک مدح سے دوسری مدح نہیں نکلتی ورنہ استقباع کی مثال میں لکھا جاتا۔

اعمال

کیونکہ اُس بت سے رکھون جان عزیز | کیا نہیں ہے نفعی ایمان عزیز
ایک معنی تو یہ ہیں کہ اس سے جان عزیز رکھو گا تو وہ ایمان سے ایسا جیسا جان کو عزیز نہیں
رکھتا تا کہ ایمان بچ جائے دوسرے معنی یہ ہیں کہ اُس بت پر جان قربان کرنا عین ایمان ہے پھر اُس سے
جان کیونکر عزیز رکھی جاسکے۔

دولہ

اُنچھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو اُمیت | جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو کو کوئی نہ
اسکا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تم جیسے نازک مزاج ایک دو شہر میں اور ہوں تو شہر کا کیا حال ہو اور
دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب تم کو عکس کا بھی اپنی مانند ہو ناگوارا نہیں تو شہر میں اگر فی الواقع تم جیسے ایک
دو حسین موجود ہوں تو تم کیا قیامت برپا کر دو۔

دولہ

بھکودیا ر غیر میں مارا وطن سے دور | رکھ لی مرے خدا نے مری بکسی کی شرم
اسکے دو معنی ہیں ایک یہ کہ دیا ر غیر میں میرا کوئی شناسا نہ بچا پس اگر وہاں بکسی اور کس میری کی
حالت میں موت آئی تو کچھ زیادہ ذلت نہوئی دوسرے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وطن سے دور مارنے
میں بکسی کی شرم رہی کیونکہ گردن میں موت آئی تو بکسی کی تکمیل نہوئی۔

دولہ

زندگی میں تو وہ محفل سے اٹھادیتے تھے | اب دیکھو اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے
اسکے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ زندگی میں اُن محفل سے اٹھادیتے تھے اب مر گئے بعد دیکھو اب مجھے
وہاں سے کون اٹھاتا ہو دوسرے معنی یہ ہیں کہ محفل سے تو اٹھادیتے تھے دیکھو اب جنازہ میرا کون
اٹھاتا ہو۔ اسی قبیل سے یہ شعر۔

مومن

تیرا قبسال روز افزون ہو | جیسے مومن پہ فضل رحمانی

ولہ

ایک دن یوں ہجوم یاران تھا | جیسے اب جمع پریشانی

ناسخ

ہلک گوہر سخن اپنا ہے دیکھنا نسخ | دہن یار کے مانند نہاں کیا کیجے

کافی ہے فقط ظل الہی کا اشارہ ولہ | نسخ کی طرح تابع فرمان ہو یہ گھوڑا

میر

دولت اسکی موج زن جیسے موج | غائب بر سر مدغمی جیسے سراب

نسیار ابلاغت میں ادماج کی مثال دین غلطی کی پہنچی ادماج میں ایہام کی مثال دی ہے۔
صنعت مبالغہ یعنی کسی امر کو شدت و ضعف میں اس حد تک پہنچا دینا کہ اس حد تک اس کا
پہنچنا محال ہو یا بوجہ ہوتا کہ سننے والے کو یہ گمان نہ رہے کہ یہ حدت کا اب کوئی مزید باقی ہے۔ اور
مبالغے کی تین قسمیں ہیں تبلیغ اغراق۔ غلو۔

تبلیغ۔ اُسے کہتے ہیں کہ مدعا یعنی کسی امر کا اتنا کہ پہنچا دینا عقل و عادت کے نزدیک ممکن ہو۔

شہیدی

اور عدد شام پہ کی پہننے عبت جاگ کر صبح | وہ اسی وقت نہ آئے اگر آنا ہوتا

یہ بات عقل و عادت کی رو سے ممکن ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے انتظار میں رات بھر جاگے۔

مومن

دم مصان ترے دشمنوں کے شکر میں | مسما نوحہ دشمنوں پر شور و غلغل کو س

ممکن ہے کہ لڑائی کے وقت ایک سمت کے لشکر کو بہریت ہو اور بہت سی فوج ماری جائے
اور رونا پیٹنا پڑے۔

سود

ہیونچے ہم آرزوے وصل میں نزدیک ہو گئے | سوچھے ہر شکل ملاقات بہت دور ہیں

معشوق کے وصل کی آرزو میں قریب مرگ ہو جانا عقلاً و عادتاً ممکن ہے۔
اغراق اُسے کہتے ہیں کہ مبالغہ قریب العقل و عادت ہو مثال اسکی۔

مومن

اگر گئے دور عدل میں اُسکے
یکہ لی راہ دور سسم چو پانی
ممکن ہو کہ بھیڑ یا گوسفند وغیرہ کو نہ مارے اور محافظت کرے مگر عادتہ یہ بات محال ہو۔

ولہ

اشیوان عقاب و شاہین میں
روز کنخشک کی سہ مہمانی

قلق

یہ عدالت سے ہے جہان پیور
بازر سیما ہے بجہ عصفور

شمس الدین قسمت

مقدور ہے گس کا جوترب حکم کو ٹاٹے
رستم جو نہ آوے تو دین اس کا سر آوے
رستم کا سر کاٹ کر لانا یا اعتبار اسکی بہادری کے عادتہ محال ہو لیکن ممکن ہو کہ کوئی شخص اسکا
سر کاٹ لائے۔ یہ دونوں قسمیں مبالغے کی مقبول ہیں اور یہی محسوسات بدیعہ میں سے ہیں۔
غلو ایسے مبالغے کو کہتے ہیں کہ خلاف قیاس و بدیہی البطلان اور عقل و عادت و دنوں کے نزدیک
منہج اور محال ہو۔ مبالغے کی یہ قسم نامقبول ہے جیسے۔

منشی

غرض اس طرح ترک کشتے ہوں
کہ کشتوں کے تا چرخ پشتے ہوں
لاشون کے انبار چرخ تک لگ جانا نہ از روے عقل کے ممکن ہو نہ از روے عادت کے۔

منظر علی اسیر

برق ہو غنچہ نہ کبھی دو زمین ہمراہ رکاب
گرد کی طرح رہے سائے کے پیچھے مصر
برق و ہوا کا گھوڑے سے رہ جانا عادت و عقل و دان کے نزدیک محال ہو۔

ولہ

چکے جو تیغ قمر کی روز جنگ میں
ٹھہرے نہ سایہ خوف کے مار بدن کے پاس

ولہ

یہ ریزہ ریزہ کیا اُسے جسم اعدا کو
اگر روز خیر ہوا اس کا اجتماع محال

احمد خان غفلت

خون انعام ترا مر اگر سر بر اٹھائے
تانا نہ کردہ کی صورت ہو دانا اسکی کمر

انشا گھوڑے کی تعریف میں

خاضری کھائے جو کلتہ تولندن میں

اس آفت کا سب سیر کہ رکب اُسکا

آزاد

شیر پنجشک جو چاہو تو سرزد میں

ہے جس چاہے مسافر کے لیے گھر دین

ماں نہ زان خوف سے سینہ سمٹ گیا

سب دور ہے تھے زور کو دان سن بھی گھٹ گیا

بہر صورت مبالغہ غلو محضات بدیہی میں سے نہیں ہاں جبکہ مقبول ہو جائے اور یہ اس صورت میں مقبول ہوتا ہے کہ جب ایسا کوئی لفظ ذکر کریں جس سے وہ مفرد نہ صحت ہو جائے اور اسکان کی صورت پیدا ہو۔ جیسے۔

سودا

جب چشم کھلی گل کی تو موسم ہر خزان کا

اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن

مقصود بیان اس امر کا بیان ہے کہ بہار اس گلشن دنیا کی آنکھ کھولنے کے عرصے میں جانی رہتی ہے اور یہ امر قریب صحت کے نہیں ہو سکتا کس لیے کہ ایک ساری فصل کا عرصہ قلیل میں بسر ہو جانا نہ باعتبار عادات کے ممکن ہے اور نہ عقل میں آتا ہے لیکن جب آنکھ کھلتا گل کی طرف نسوب کیا تو وہ امر صحت سے مفرد نہ ہو گیا کیونکہ گل بعد کھلنے کے ٹوٹ کر گر جاتا ہے اور یہ امر اس کے واسطے خزان ہے۔

ولہ

ایک سا احوال یان بھی ہو گداؤ شاہ کا

عشق کی بھی منزلت کچھ کم خدائی سے نہیں

عشق کی منزلت اور مرتبے میں مبالغہ حد سے زیادہ بڑھ گیا اور یہ امر قریب صحت کے نہ تھا جیت کہ بیان بھی گداؤ شاہ کا ایک سا احوال ہو تو وہ امر صحت کے قریب ہو گیا کیونکہ اللہ جل شانہ کے نزدیک بھی گداؤ شاہ برابر ہیں۔

یا خیالات نازک و لطیف اُس سے ظاہر ہوں جس سے مقبول و پسند طابع ہو جیسے اس شعر میں مومن کے قصیدے کے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مدح میں ہیں۔

دست یادت نشان دھوک لب جو دہا گرا

اکوہ سیلان پہ ہنسنے خاک فضاے گزار

یعنی مدوح اپنے ہاتھوں کو جن سے جواہر جھڑتے ہیں اگر لب جو دھو دے اور پانی ہاتھوں کا

اور یا مین گرے اور دریا کے پانی سے گلزار کی آبیاری ہو تو خاک گلزار میں اس قدر باقوت و غیرہ جو اہر پیدا ہوں یا یہ کہ وہ خاک بالکل جواہر ہو جائے اور کوہ سیلان یعنی لنکا کے پہاڑ جو معدن باقوت ہیں ان پر وہ خاک پیسے کے نمبر میں کچھ بھی نہیں ہے یہ بات عقلاً و عادتاً محال ہے لیکن چونکہ خیالات نازک و لطیف ہیں طبیعت کو پسند ہے۔

اسی قبیل سے یہ شعر آئیر کا۔

کھیت کشتوکانہ تیار بھی ہونے پائے | ہو چکے تیغ و قضا میں برضا بیع و سلم

اسی عالم سے ہی انیس کا یہ بند تلوار کی تعریف میں۔

کاٹاپلک بن آنکھ کو پتلی میں نور کو | بانوں میں کج روی کو سروں میں غرور کو
سینے میں بنفص کینہ کو دل میں فتور کو | نیت میں مصیبت کو طسعت میں درگور کو

ذات اک طرف شاد یا بالکل صفات کو

کیسی زبان زبان میں یہ کاٹ آئی بات کو

یا سہانہ بطور ہزل کے ہو جیسے سودا گھوڑے کی ہجوم میں کتا ہے۔

اکم رو ہے اس قدر کہ اگر اسکے فعل کا | لوہا بنا کے تیغ بنائے کبھی لوہا ہر
ہر دل کو یہ یقین کہ وہ تیغ روز جنگ | رستم کے ہاتھ سے نہ چلے وقت کا رزم
اگر باندھ کر نہ منزل سے بھینکے ہیں اسے | ٹھیکے بغیر تین نہ اترے گا زہن ہار

پہلے دو شعروں میں سہانہ مکر دی میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ مکر دی کی تاثیر سے فعل میں وہ اثر ہو جائے کہ اسکے لوہے کی تلوار بھی ہوئی چل نہ سکے اور تیسرے شعر میں سہانہ ہے گھوڑے کے ضعف میں اور یہ ظاہر ہے کہ باندھ کر ڈال دینے کے وقت بسبب ضعف کے تین ٹھیکے لیکر اسے تلوار نہیں کیونکہ اس وقت گزرا ہے اختیاری ہے اور ضعف میں توقف کرنا اختیاری ہوتا ہے جس جوئلہ یہ بطور ہزل کے ہے اس لیے طبیعت کو پسند آتا ہے۔

منفعت تعجب یعنی کسی چیز پر تعجب ظاہر کوں کسی فائدے اور غرض کے واسطے جیسے۔

محمد رضا خان حلیم

کہتے ہیں حکیم آبا بیخانے سے مسجد میں | ہلکو تو تعجب ہو وہ گبر مسلمان ہو

اس شعر میں قائل نے تعجب کیا کہ حکیم اتنا تو بڑا زند تھا پھر وہ کیسے تائب ہو کر مسجد میں آیا۔

فائدہ تعجب کا حکیم کی زندگی میں سہانہ ہے۔

موسن

زخم کھایا زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں | دیر گزری مرگ کو کیا جانے کیا ہو گیا |
موت کے نہ آئے پر تعجب ہے اور گران جانی میں مبالغہ۔

مرزا مہر

سیہ چوٹی زرافشان مانگ سبز اسود شالہ کی | انما شاہی برطاؤس نے کالے کو پالا ہے |
یہ بات تعجب کی رو سے بیان کی گئی کہ کالے کو برطاؤس نے پالا ہے۔
قائدہ تعجب کا مبالغہ عداوت مار دطاؤس میں ہے۔

آباد

پس اس بچہ جاتی ہو دیکھے سے عجب حیرت ہے | بوند بھر بھی نہیں کھتا ہے مگر آب ذفن |
اس مرچ تعجب ظاہر کیا ہے کہ چاہ ذفن میں پانی ایک بوند بھی نہیں اور پس اس سے بچہ جاتی ہو۔

سودا

فندق پالگی کہنے کہ نہ دیکھا ہوگا | سرو کی بیج سے بھولا گل و رنگ بتا |

مرق

شہرہ یو کوہل نہ ابرو جانان کمال کا | دیکھا کسی نے زراغ کمان ہلال کا |
صنعت جامع اللسانین یعنی ایسی عبارت یا فقرہ یا مصرع ہو کہ اسکو پڑھیں تو دوزبانوں
میں معلوم ہو جیسے یا راجائے تو بہتر یہ فقرہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں معلوم ہوتا ہے اور
معنی بھی دیتا ہے فارسی میں الف مقصورہ ساکن سے یہ معنی ہوے کہ اسے یازیریں جگہ بہتر
ہے اور اس شعر میں۔

احسان دہلوی

انائدہ تم جو مجھے نزع میں یار آئے نظر | ہے نہ یار اے سخن اور نہ یار اے نظر |
مقصود بالتمثیل نظریار اے نظر ہے۔

مہر

سوت بھی آئے کہیں جاے فراق | گوشہ دل میں نہیں جاے فراق |
اس شعر میں مقصود بالتمثیل جاے فراق ہے۔
اس جگہ میں جا پڑا جہان گرد | سیم محرابے عدم بھی کھتا جہان گرد |

مقصود بالتمثيل لفظ جهان گرد ہے۔

صنعت ذور و تین اُسے کہتے ہیں کہ کلام کو باعتبار صورت حروف کے بغیر لحاظ نقاط کے دو زبانوں میں پڑھ سکیں مرزا غالب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں "تازہ شے بہتر بارہ سے بہتر، عربی و فارسی اور عربی و ہندی میں بھی یہ صنعت جاری ہوتی ہو مثلاً عربی ران یا فی باب بکیت جاؤنی یعنی تحقیق مکان کے دروازے کا بنانے والا میرے پاس آیا ہند کی لان پانی پاب بیت جانی۔ (از رسالہ عبد الواسع)۔

صنعت ذولثلاثہ اُسے کہتے ہیں کہ کلام بہ تغیر نقاط و حرکات تین زبانوں میں پڑھا جائے جیسے یہ نقشہ۔

عربی بنتی خود تریڈ لیغے خوبصورت نازک اور نوجوان عورت میرے گھر آنے کا ارادہ کرتی ہے۔

فارسی بنتی خود برید ہندی بیٹی چو دیزید (از رسالہ عبد الواسع)

اس صنعت کو محتمل اللغات بھی کہتے ہیں بعض نے ان تینوں صنعتوں کو منسلک لفظی میں داخل کیا ہے۔

فائدہ اس بحث کے ایک اور صنعت نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک زبان کے شعر کا کوئی لفظ بدل دیا جائے تو وہ شعر دوسری زبان میں ہو جائے لیکن مطلب میں فرق نہ آئے بشرطیکہ وہ لفظ پہلے لفظ کا ترجمہ ہو مثال سکی مرزا نوشہ غالب کا یہ شعر۔

شمار سبجہ مرغوب بہت مشکل پسند آیا پاپ

تماشاے بیک کف بردن صد دل پسند آیا پاپ

اگر دونوں مصرعوں کے لفظ آیا کو نکال کر اُس کا ترجمہ آمد لکھا جائے تو شعر فارسی کا ہو جائے۔

شمار سبجہ مرغوب بہت مشکل پسند آمد

تماشاے بیک کف بردن صد دل پسند آمد

صنعت ترجمہ اللفظ ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ ایسا لاؤں جو اُس کا ترجمہ ہو اسکی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ یہ کہ بطور لطیفہ کے پہلے کا ترجمہ ہو جیسے۔

میر محمد سوز

کہتے تھے پہلے میر میر تب نہ موے ہزار حیف | اب جو کہ ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو
ابتداء میں میر محمد سوز میر تخلص کرتے تھے بعد کو سوز تخلص اختیار کیا اس ترجمے میں یہی لطیفہ
ہے کہ اُنکے دونوں زمانوں کے تخلصوں کی طرف بھی اشارہ ہے۔

ضمیر

اگر اسکی ٹھوکر دلوں کو ہلا دے | ضمیر ایک بھی پائے اپنی نہ غائب
دل کا ترجمہ ضمیر ہے اور بہان غائب کے لفظ سے اُس سے ایک لطف پیدا ہو گیا ہے
کیونکہ ضمیر صرف ونحو کی اصطلاح میں وہ اسم ہے جو اسم ظاہر کا قائم مقام ہوتا کہ جس اسم کا نام پہلے
دے چکے ہیں دوبارہ نہ لینا پڑے اور یہ تین قسم ہر ہے ایسے کہ اگر بولنے والا اپنی ذات کے لئے
اُسے لائے تو ضمیر مکمل کہتے ہیں اور جو دوسرے سامنے والے کو اُس سے مخاطب کرے تو وہ ضمیر
مخاطب ہے اور جو شخص غیر حاضر کی ذات کے لئے استعمال کرے تو ضمیر غائب ہے۔

ذوق

تیرا ہاتھی ہے فلک کا ہکشان ہے خرطوم | اکان دونوں بہ و خوردم ہے ذنب سوز اس
لطیفہ اس میں یہ ہے کہ ذنب و اس ایک شکل ہے آسمان پر بصورت اثر ہے کے
اسکو تینیں فلک بھی کہتے ہیں اسکی ایک طرف کو اس اور دوسری طرف کو ذنب بولتے ہیں۔

الضیاء

یہ روز بہ سے ترے ہے جوان جہان کہن | کہ نہ کوئی دو شبے کو بھی جہان میں پیر
یہاں لطیفہ ہے کہ پیر ہندی میں دو شبے کا ترجمہ ہے اور پیر بڑھے کے معنی میں بھی ہے
جسکی بہان جوان کے مقابلے میں ضرورت ہے۔
(۲) معمولی طور پر ترجمہ ہو جیسے۔

مسمی

موسم گل میں چمن کیسا پری میخانہ تھا | بھول جو تھا وہ کسی محبوب کا پیمانہ تھا

فرد

جو ہاتھ ہمو خدا بنانا تو دستِ انوس ہوتے اپنا
جو پاؤں ہمو خدا بنانا تو اپنا پائے نگار ہوتے

مزیلا سدا اللہ خان غالب

ایسا ہوں کتب غم دل میں سبق ہنوز | لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود عقتا

سیح امان علی سحر

میل بے ہاتھ کا بجھے روپے پیسے کو ہم | اکام تحصیل سے نکا لایک دلاک کا

صنعت مسلسل لغت میں مسلسل ملے ہوئے کے معنی میں ہے اصطلاح میں مراد اس سے یہ ہے کہ شاعر چند الفاظ ملے ہوئے لادے پھر آگے جہاں کران کو دوسرے معانی ساتھ لادے جیسے۔

ذوق

پر تو ہے کس خورشید کا نور سحر رنگ شفق
کیا باغ میں چمکا دیا نور سحر رنگ شفق
نخلت سے پانی ہو گیا نور سحر رنگ شفق
کس رنگ ہوں ملکر جدا نور سحر رنگ شفق
ہے اس لیے بہجت فزا نور سحر رنگ شفق
ماہ و شریا و سہا نور سحر رنگ شفق

ہے آج جو یون خوشنا نور سحر رنگ شفق
حسن گل ہتاب لے جوش گل سیراب نے
دیکھے چین میں برگ گل آلودہ شب نیم جو گل
ہے شوق کو بالیدگی ہے ربط کو چسپیدگی
جشن بہادر شاہ ہے روز علوجا ہ ہے
وہ خسرو والا گرج کو خجل ہوں دیکھ کر

شاعر مصرع اول میں نور سحر رنگ شفق کو مسلسل لایا پھر اس کے مصرعون میں ان دونوں غفلوں کو ہر ایک جگہ علیحدہ علیحدہ معانی کے ساتھ لایا ہے سید غلام حسین قدر بلگرامی نے لکھا ہے کہ میری یہ غزل اسی صنعت میں ہے مگر اصطلاح کے موافق اسے مسلسل اطلاق صلیق نہیں ہوتا البتہ ناوقع لوگ ایسے اشعار کو بھی مسلسل کہتے ہیں۔

جو یا نوں ہلو خدا بناتا تو بنایا سے فگار ہوئے
جو ہلو سینہ خدا بناتا تو سینہ رختہ دار ہوئے
جو سنگ کر کے خدا جمانا تو جملے لوح مزار ہوئے
خدا کسی کا جو بار کرتا گلے کا اپنے ہی ہار ہوئے
خدا جو آفت کو آگ کرتا تو آگ کے تہہ شرار ہوئے

جو ہاتھ ہلو خدا بناتا تو دست افسوس ہوئے اپنا
جو پہلو ہلو خدا بناتا تو ہوتے ہم چاک چاک پہلو
جو گرد کر کے خدا ڈراتا تو اڑتے گرد ملاں ہو کر
خدا کسی کے گلے لگاتا تو پڑتے اپنے گلے الجھ کر
خدا جو آفت کو آگ کرتا تو آگ کے تہہ ہم سمندر

صنعت تفریم مسلسل طرز اس صنعت کا یہ ہے کہ شاعر ایک مصرع یا ایک بیت میں چند چیزیں درج کرے دوسرے مصرع یا بیت میں چند لفظ لائے کہ ہر ایک کی تطبیق مناسب ہو جائے جیسے

معیار البلاغۃ

تیری مجلس میں زہرہ کیوں
اک کا گودوم ہے خدشگار

حسرت

وہ غم خوشی دو خوشی غم ہے رند عاشق کو
وہ غم غم دل دین یہ خوشی خوشی و تبار

میر محمد رضا ظہیر

عریان بدنی اشک غراطوق سلاسل
وہ رخت یہ پردہ ہی یہ زیور ہے ہمارا

امیر سینائی

مراد دل جگر جو دیکھا تو ادا سے ناز بولا
یہ تراشکار ہوتا وہ تراشکار ہوتا

ولہ

ظاہر گل و بگیل سے ہی نیرنگ گلزار حبان
یہ لوحہ گردہ خندہ زن اک اس طرف اک شطر

ذوق

کوئی ہے کافر کوئی مسلمان جدہر ایک کی پردہ رکا
جو اسکے نزدیک رہی ہو وہ اسکے نزدیک ہزنی ہو

ضامن علی جلال کے یہ اشعار بھی سی نبیل سے ہیں۔

اب کھئے جائیں ہم وصف و حسن و ولہ کے
سُجھ اقبال میں ہی آج قرآن اس حدین
وہ ہی جو ہر تو یہ آئینہ وہ گوہر تو یہ یعل
وہ صنوبر ہی یہ شمشاد وہ نرگس یہ ہر گل
وہ اگر خیز لہجہ تو یہ رشک یوسف
شمع خلوت ہی وہ مہر وہ چراغ خلوت
ایک ہے کو کہ بخت تو اک کو کہ چاہ
دوہہ حسن میں رونق وہ منزل گہ شاہ
آرسی وہ تو یہ مصحف وہ ستارہ تو یہ ماہ
جو وہ ہی سرو سمن پوش تو یہ لالہ کلاہ
اسکو بقیس چشم کیے تو اسکو جم جہاہ
بوے گلشن ہی دامن رنگ گلستان نوشاہ

عباس علی خان بیتاب رام پوری

مجدد علی لطف و کرم سے اپنے دیتے ہیں
ادھر سے ساغر تنیم ادھر سے جام کوثر کا

ظفر

تیرنگہ و ثمرگان کیوں کر نہوں اقبال
نعت دل و اشک بنی لکھون روان کشتا
کیا کیے دلا کیا ہی اس کا دہن و قامت
یہ ناک پران ہی وہ خجیران ہے
یہ یعل بدخشان ہی وہ گوہر غلطان ہے
یہ غنچہ شگفتہ ہے وہ سرو گلستان ہے

ازلف و رخ جانان کا مست پوچھ کھنچھے یہ ابر بہاران ہر وہ برق درخشان ہے

صنعت ابداع لغت میں ابداع بائے موجدہ کے سکون سے ایجاد کر کے اور نیا بنانے کے معنی میں ہے اصطلاح میں اسے کہتے ہیں کہ شعر میں معنی خوب اور الفاظ مرغوب لائے اگر کچھ پوچھو تو حقیقت میں یہ کوئی صنعت نہیں بلکہ استادوں کا کلام ایسا ہی ہوتا ہے۔

سودا

ماؤں کے تیری صید نہ چھوڑا زانے میں تڑپے ہر مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ولہ

کیفیت چشم اسکی مجھے یاد ہے سودا ساغر کو مرے ہاتھ سے بچو کہ چلا میں

میسر

جمع ضدین اگر عدل سے منظور ہو ہونہ کے سنگ سخت دہر میں مینا

بقا

دیکھ آئینہ جو کتابت کہ اللہ رہے میں اسکا میں جا بنے والا ہوں بقا و آہر میں

ذوق

اتنا عالم میں حذر خون سے ہے خوشخوار دن کو خون فاسد کو بھی ہرگز نہ کرے نوش خلق

برق

کفن نگار میں جام شراب ناب رہا ہمیشہ ماہ کی منزل میں آفتاب رہا

امیر

دے کہیں حکم نہ وہ گھر سے نکلاوے کا بے خودی جلد مجھے آپ کا ہنر کر دے

ناسخ

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا

یاد رکھو کہ صنعت ابداع جو صنائع لفظی میں مذکور ہوئی وہ یا اسے تختانی سے ہے۔ بدائع الافکار کے مولف نے غلطی کی ہے کہ بائے موجدہ کے ساتھ ابداع لکھ کر اور اس کے لغوی معنی بتا کر تخریف

ابداع بیا سے تختانی کی کر کے مثالیں اسکی دی ہیں۔

صنعت سحر حلال یہ ہے کہ بیت کے اندر ایک لفظ یا زیادہ جو بظاہر کلمات سابقہ

کا تہہ ہوا اور کلمات آئندہ کے مقدمات سے شمار ہو سکے لادین۔ سحر حلال اسے یوں کہتے ہیں

کہ سحر میں عجیب غریب چیزیں ظاہر کی جاتی ہیں اور شرع میں اُسے حرام قرار دیا گیا ہے
لیکن ایسے موقع پر اُس لفظ کا لانا سحر کاری سے مشابہت رکھتا ہے کیونکہ اُس کے سننے سے
طباع کو تعجب ہوتا ہے اور باوجود اسکے حرام نہیں شرع میں حلال ہے غرض کہ ایسا لفظ بفرقہ
جادو کے ہوتا ہے۔

نواب یوسف علی خان ناظم

پڑھتا ہے شراب پیکے لاحول | ناظم رندون میں پارسا ہے

لفظ لاحول سحر حلال ہے۔

آصف نواب حیدر آباد

عاشق و معشوق کی دل کی لگی ہیں ہر فرق | تمنع کھلتے ہی صلی پروانہ میں خاک تیرا

دل کی لگی کا لفظ سحر حلال ہے۔

خاکسار

کیا ہے حاصل تجھے نامح مے سمجھاتے ہیں | آہ جون شمع ہر راحت تجھے جل جانے میں

لفظ راحت سحر حلال ہے۔

اذوق

خط بڑھا زلفین ٹھہرین کا کل بڑھے گیسو بڑھے | حسن کی سرکار میں جتنے بڑھے ہندو بڑھے

لفظ سرکار سحر حلال ہے۔

برق

رو برو سوختہ جانوں کے نہ آو صاب | گرمیاں خوب نہیں ٹیش کھاو صاب

گرمیاں سحر حلال ہے۔

منہ

حسن وہ رکھتے ہو جس کا نہیں عالم میں جواب | انکو زیبا ہی سب سب میں کہ ہر مدہ شباب

سن کا لفظ سحر حلال ہے۔

صنعت موقوف لغت میں موقوف ٹھہرا گیا اور تنہا نہا گیا کے معنی میں ہے

اصطلاح میں یہ ہے کہ ایک مصرع یا شعر کا مفہوم دوسرے پر موقوف ہو جیسے۔

رہی اس طرح ابد از مرگ دنیائی ہر سنا کی | آذوق شرابی کرے توہ جبر طبع ہو جاسے تریا کی

ولہ

آبلے دکھلاے جب اس دل بچور نے | دانتوں میں تنکا لیا خوشہ انگور نے

میسر

مرے پھولوں میں جواتے توئے وہ گل کھلا | کہ کلا یوں میں گجرے تو گل میں ہار ہوتا
تری ناک اچا کے کبھی بارتا نہ ہست | جگڑے سے آگے ہوتا جو جگر کے پار ہوتا

شعر کی مثال۔

ذوق

اگرچہ مثال نمیدہ | گزری برق غنیمت بھارت سے اسیر حقیق
تو شاہی سے بھی جاں تلخ زیادہ دوشتا | آگ لگ جان میں دیر اسکو ہوو مطلق

صنعت تصنیف۔ نعت میں تصنیف کہتے ہیں شیخی مارنے کو اصطلاح میں مراد یہ ہے

کہ شاعر اپنے حق میں نہایت مبالغہ اور تعالیٰ کرے جید و تخلص جیسے صدر علی خان بن نواب
یوسف علی خان والی رام پور اپنی تعالیٰ میں کہتے ہیں۔

اللہ نے بخشی ہے زبان کو مری تاثیر | المام کے مضمون ہیں اعجاز کی تقریر
میں طوطی شکر شکن بندہ ہوں گویا | ہے بیکل شیراز کو واجب مری توقیر
سلطان فصاحت ہوں شہنشاہ بلاغت | باتیں مری جو ہر ہیں زبان ہومری شیر
ہر شعریہ اصلاح ہے استاد ازل کی | ہے نظم پر مری نظر ناظم تقدیر
آلودگی دہر سے دامن ہو مرا پاک | ہے بادہ کوثر سے مری خاک کی خمیر
پوچھے نہ تعالیٰ کو مری عقل فلاحوں | جانی ہو کہیں غرض پہ آواز عصافیر
آزاد ہوں با این ہمہ اسباب تعلق | پابند ہوں بے سلسلہ سنگرد زنجیر
ہمنام ہوں اس کا جو ہر اشد کا درندہ | گردن کو ہلائی ہو مرے نام کی تاثیر

سودا

کردن چمن میں اگر چاکے میں غزل خوانی | تو بیکھلین ہوں مرے جیجی کی دیوانی
نہاں میرے سخن کا اگر کھینچے منہ | بزرگ سایہ پڑے پائوں سے دستانی
اُسرے طلوع اگر مہر منکر کا میری | نہ آفتاب میں زرد رستہ درخشانی
سو نہیں وہ مری نسبت شکر کو شکر | زمین میں شرم سے اب رہا ہر خاقانی

مری یہ فکر سخن صفحہ زمانہ پر
اگر یہ دیکھ و نہ مست میں جو ہر زبانی
ضیاعے مر یہ کھینچے ہو نقش تاریکی
اگر ہے ظلمت حیوان گویں میں زبانی

مولفہ

اس گلستان سخن کی زیب زینت کے لیے
اے چمن پیرا ہوئے چنے ہمیں کس کس کے لیے
جو سنا تھا وہ ہی لکھا ہم نے بھی واقعی
بیکبل بزم سخن ہو نطق کی مجلس کے لیے

صنعت سلب و ایجاب الی بلال حسن بن عبد اللہ نے کتاب صناعتین میں
لکھا ہے کہ سلب و ایجاب یہ ہے کہ کلام میں ایک شے کی نفی ایک وجہ سے اور اس کا ثبوت
دوسری وجہ سے ہو مثال سکی۔

شکیبا

انیم بسل سنے گر چھوڑا شکیبا غم نہیں
پر یہ غم ہی اعتبار دست قاتل اٹھ گیا

قاتل نے غم کی نفی نیم بسل چھوڑنے کی وجہ سے کی ہے پھر غم کو ثابت اس وجہ سے کیا ہے کہ
قاتل کی ضرب کا اعتبار جاتا رہا۔

مشنوی یوسف زلیخا

نہ کوئی یوسف کی قیمت خوب جانے
زلیخا جانے یا یعقوب جانے

اگرچہ دوسرے مصرع میں کئی لفظ محذوف ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ پہلے مصرع میں یوسف
کی قیمت کی نفی عام آدمیوں کی ناشناسی کی وجہ سے کی گئی ہے اور دوسرے مصرع میں اس کا
اثبات زلیخا اور یعقوب کی یوسف شناسی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

محالب

جو عقدہ دشوار کہ کوشش سے نہ ہو
تو اگر ہے اس عقدے کو سو بھی بشارت

اول عقدے کی کوشش سے داہونے کی نفی کی ہے پھر اس عقدے کے مدوح کے
اشارے کی وجہ سے کھیننے کا اثبات کیا ہے۔

صنعت کلام جامع یعنی شاعر افسوس و تاسف و غم و رنج و شکایت ابام اور اپنی
تکالیف بیان کرے چنانچہ شہر آشوب اور دہر آشوب سی مضمون میں ہوتے ہیں۔

منیر

میرغ احباب سے خواہ ہو اور بغض نہانی
صفائی کے گوہر میں بکاؤں میں چینی

حکایت بخت کی کہنے پر امین جو زندانی
لوٹ ہو چلے اہل صفا بھی صحبت بد میں
سوا سخوان زانو سے فکر میں نہیں مانی
یہ کاروں کے سرور افسر عزت نظر آئے
پھنسا ہی موزوں کے قبضے میں جس جہان آرا
غنی میں اژدہا و سیل و چند دہم ان روزوں
پتے کھانے کو ترسین صاحبان گوہر علی
پیشے ہیں یک جا لوتے و اعلیٰ و اوریست
بچھوٹا ٹاٹ کشتل در صفا ٹھہرا ہوا
امیروں کے ہلاکے خدر پوئی ن غریبوں تک
مشاہیر نام شاہی ہند سے اس درجہ ان فزون
جو کل مزدور تھے وہ آج ٹھہرے راج کما کہ
عدالت ان دنوں ایسی بڑھالی ہر زمانے نے
ہر پتہ پر غما غما سے بھی معدوم ان فزون
پڑنے سے ہنر خور دن میں کاسہ سرور شاہو
کسی سے زوریں توں ہی یو بچا ان فزون

الف آزادوں کے ماتھے سے مانگے خط پیشانی
نہیں بنے کی آب صبور دم میں پاک دانی
بھلا کس تکیے پر سر رکھ کے سوختے پیشانی
بنے میں مرغ عیسیٰ ان دنوں مرغ سلطانی
قرور عقربان روزوں بٹلے ما کونانی
کے دینگے سلاطین جہان جاگیر دیرانی
صدف کو دے نوالہ موتیوں کا ابر نیسانی
برابر خانہ زنجیر میں ہے سب کی مہمانی
کوئی اور ہے بچھائے یکے ایسا رحم سلطانی
کہ بے قدری و ضعف حال میں چکانیں ثانی
نہیں ممکن کہ اب بانات بھی اکلا سلطانی
جو شب کو مترونی تھی ہوئی دن کو ہارانی
کہ مشیر و گلو پیشہ میں ایک ہی گھاٹ پانی
پڑے میں دھوپ میں محتاج سائیل بکائی
اتنی روئے کس کا سر کڑ کر تاج سلطانی
چرخ نیلام پر سلطانی دلواری دھانی

نہر جان شاد و راست اودھ کی ضیعی کے منظر لکھا ہے۔

زوال پر جو ہوا نجم شاہی اختر
ایک اہلکار جواری کی بد قماش سے
ہند چرخ سے جو قصر خسروانی تھے
چھین پڑی ہوئی تہی تھیں جن بکازوں بنا
سوا سے خاک بچھو نا وہاں نہیں کوئی پنا
یک ہی درد دیوار سے آواسی ہے
ہمیشہ رستہ جان بچھٹے تھے بریوان کے
بجائی رات دن ٹھہرے یا جہان نوبت

رہا نہ تخت سلیمان نہ تاج اسکندر
تمام تنہا شاہی کا ہو گیا ہستہ
وہ کھو دکھا دست ٹیلے ہو میں تھے ڈھکے
تو کڑوں کے ہیں جاے وہاں کے پردہ دور
جہان تمام تمامی کے تھے بچھے بستر
برس ہی ہی خرابی برک غارت پر
مدام بخت یرت دن ۵ اب بان ہے گذر
نیر جید ہے شہنا نواز شام و سحر

<p> پرندہ پر نہیں جس جاہ مار سکتا تھا چھتین دھن میں تھیں چھت گہراں گلی اب اس مکان میں جا رہا تک نہیں ہوتی چمن چمن جو بسا تھا گلون کی خوشبو سے جہان تھے بھول ہاں چا خوش کہیں انبار سوائے عجب نہیں یاد کچھ امیرون کو بدی بخت سے دانہ ٹٹ نہ وانا کو غریز رکھنے کمینون کو ہین کمینہ پرست شراب پیش ہی بے جو ہر دن کے پینے کو ہنر پسند نہ جو ہر شناس ہے کوئی بہو نہ ہر خموشی دیے ہین اہل سخن سکوت میں صفت مردک ہین عالی ظرف سناؤن کیا میں گدا حشم اہل نخوت میں </p>	<p> وہاں پڑے ہو ڈھیر دن ہین زلغ و کج اب تیان ہین جہگا دردن کے ہین یک سر جہان سدا تھے لکس ان ہما کے پر روش روش ہی وہاں خاک اڑا رہی صر جہان تھے نخل ہاں جھنڈیاں بجائے ٹھر جو مالدار ہین بھولے ہوئے ہین دولت پر سیہرودن ہی کے مغلہ پردری پہ کمر ذلیل کرتے ہین ذی آبرو کو بد گوہر برنگ تیغ ہی خون شرب صاحب جوہر نہ ذی کمال کی غرت نہ قدر اہل ہنر زبان دراز ہین خوشخوار صورت خنجر چٹک رہے ہین تنک ظن مثل دیدہ تر غور و کبر کے پردے پڑے ہین انگون پر </p>
---	---

مفتی صدر الدین خان آزر دہ

<p> جکو دنیا میں کسی سے بھی سروکار نہ تھا انکلی خلوت سے کوئی واقف اسرار نہ تھا </p>	<p> اہل اہل سے خاطر نہیں نہ ہمار نہ تھا آدمی کیا ہی فرشتہ کا بھی مان بار نہ تھا </p>
<p> زیور الماس کا سب جن سے نہ پہنا جاتا کاج کا جن سے دہ پڑ نہ پہنچا لاجاتا </p>	<p> وہ گلی کوچوں میں پھرتی ہین پریشان ددر خاک بھی ان کو نہیں ملتی کہ ڈالیں سر پر </p>
<p> سریہ دہ بوجھ لیے چار طرٹ پھرتی ہین دو قدم چلتی ہین شکل سے تو گر ٹپتی ہین </p>	<p> بھاری جھوڑ بھی کبھی سرچ نہ رکھا جاتا لاکھ حکمت سے اڑھاتے نہ اڑھایا جاتا </p>
<p> طبع جو گئے سے پھوون کے اذیت پائی شام سے صبح ملک خند نہ جن کو آئی </p>	<p> سندی ہاتھون میں لگا سوتی کو کیا کبرائی ایک سلوٹ بھی بھونے میں گر جاتی </p>

اُن کو تکیہ کے بھی قابل نہ خدائے رکھا
سنگ پہلو سے اٹھایا تو سر جانے رکھا

روزِ درخت مجھے صبح کی طرف لاتی ہو
مکڑے ہوتا ہو جگر چاہیہ من جاتی ہے
سر ہو اور جوشِ جنون سنگ آدھ چھپاتی ہو
مصطفیٰ خان کی ملاقات جو یاد آتی ہو

کیون نہ آزرده نکل جائے نہ سودانی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

صنعت ایراد المثل اسکو ارسال المثل بھی کہتے ہیں یہ ہو کہ شعر میں مثل کو
باندھیں جیسے۔

تادیر

دھیان آیا جو زلفوں کا غذا کھانے میں مجھ کو
میں کیا کمون کیا دال میں کالانظر آیا ہا

ولہ

زلف کی ناگن سے دل ڈرتا نہیں
بھوت بھاگے ہے دگر نہ مارے

تعلیق

جو کہ دانا میں بچا جاتے ہیں گولی کی جوت
عین نادانی ہو اسکی آنکھ کا تل دیکھنا

فراق

تم گالیاں جو دو گے میں کیا چنگیاں لون
پیارے کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلے

اسیر

دہان یار سے غنچے کو دعو سے
مثل بیج ہے کہ چھوٹا منہ بڑی بات

قلق

پھر گئی نگہ بھی ہرے تری تر گانگی طرح
یہ مثل بیج ہو کہ صحبت کا اثر ہوتا ہے

ذوق

سوال بوسہ کو ٹالا جو بپسین بردے
ہر بات عاشقان پر شاخ آہو سکو کہنے میں

حسرت

دشمن کو نہ میں تیغ تو نہ کا دست
یہ بھی نہیں تو خاک کا بٹا تو ہے
حسرت چھینکے اس طرف کو تو نہ یاد
لگ جاتے تو تیر درد کیا تو ہے

میر محمد سی مائل

کیا کیا کمون میں تجھے دل ناز کی ہوں | شہور ہر جہان میں بیمار کی ہوں

آدوق

مجھ میں کیا باقی ہے جو دیکھے گا تو آنکے پاس | بدگمان ہوں کی دار و نہیں بھان کے پاس

نوا

مات کو کہنے لگا جو رد کے نہ پھر ہاتھ پھیر | قدرت حق سے لگی ہے ہاتھ اندھے کے ٹھیر

میر نصیر رحیم

کھڑکی کال جانب دشمن نہ بام پر | کوٹھے چڑھی جو بات کھلی خاص عام پر

اکرم رام پوری

بہن کج باز کے حق میں یہ مثل سیدھی ہے | اونٹ بڑے اونٹ تری کوسلی کل سیدی ہے

الشا

اے اشک گرم گرمے دل کا علاج کچھ | مشہور ہے کہ چوٹ کو پانی سے دھاریے

صنعتِ استخداصم وہ یہ ہے کہ ایک لفظ ایسا کلام میں لا دین جس کے دو معنی ہوں اور ان میں سے ایک معنی مراد ہوں پھر اُسی کلام میں بسبب ضمیر کے پھرنے کے دوسرے معنی بھی اُس لفظ کے لیے جاوین مولوی غلام یحییٰ بہاری میزبان رسالہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ صنعتِ استخداصم اُس صورت میں محسنات معنویہ سے ہے کہ مراد دریافت ہونے کے لیے کوئی قرینہ بھی پایا جائے اور یہ بھی یاد رکھو کہ لفظ کے درون معنی عام ہیں اس سے کہ حقیقی ہوں یا مجازی یا مختلف ہوں یعنی ایک حقیقی ہوں اور دوسرے مجازی مثال اسکی آغا مرزا شاعری برادر خرد و شاگرد اب مرزا خان داغ کا

یہ شعر ہے۔

انہ اُس گلی سے اڑاے صبا غبار مرا | کہ اُسکا خاطر دلدار میں کبھی گھر تھا

اول مصرع میں غبار سے خاک مراد ہے پھر دوسرے مصرع میں اسی غبار سے کدورت مراد لی گئی ہے اور یہ معنی ضمیر غائب کی وجہ سے ہے گئے ہیں پہلے معنی حقیقی ہیں اور دوسرے معنی مجازی۔

حالی

پیشہ بہارک ہو بہت جشن سدہ سے | وہ آگ نکلنے کا یہ بجھنے کا ہے منظر

دوسرے مصرع میں بجھنے کے قبل ضمیر واحد غائب مخدوف ہے اس طرح کہ وہ آگ نکلنے کا اور یہ ہے

بجھنے کا ہر منظر پہلی جگہ آگ سے آتش مراد ہوا اور دوسری جگہ فتنہ و فساد مقصود ہے۔

داغ

زبان سے نہ وعدہ کو کہ یہ تو وہ ہے | زبے دہن میں ہے یا مرے دہن میں رہے

اول مصرع میں زبان دینے سے مراد وعدہ کرتا ہے۔ جیسے محمد شیر علی خان سرور جنگ متخلص بہ شرر کے اس مصرع میں مصرع۔

دلا سا خاک دو گے جب زبان اصلا نہیں دیتے

پھر دوسرے مصرع میں زبان سے مراد عضو مخصوص ہے اور یہ معنی ضمیر غائب کی وجہ سے لیے گئے ہیں پہلے معنی مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی۔

ولہ

لے مجھ سے تو فرمایا تمہیں کو داغ کہتے ہیں | تمہیں ہوا ہاہ کامل میں تمہیں ہے ہولائے میں

اول مصرع میں داغ سے شاعر کا تخلص مراد ہے پھر اس داغ سے دوسرے مصرع میں نشان کے معنی مراد لیے گئے ہیں اور یہ معنی ضمیر مخاطب کی وجہ سے حاصل ہوئے ہیں۔

صنعت الزل لندی یاد بہ الجبد۔ ہزل بفتح اول دسکون زائے مجملہ دلام سخن بہودہ اور سفرگی کے معنی میں ہے اور جد جیم کے کسرے سے ہزل کی ضد ہے لغوی معنی اس کے یہ ہیں کہ ایسی ہزل جس سے جد مقصود ہوا اور اصطلاح میں یہ ہے کہ کلام ظاہر میں بطور تمسخر اور ہزل کے ہو لیکن مراد اس سے ہزل نہو بلکہ کوئی اور امر مقصود ہوا استہزا میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ استہزا میں لفظ ہزل جد ہوتی ہے اور باطن میں ہزل ہوتی ہے اور اس میں ظاہر میں ہزل ہوتی ہے اور باطن میں جد مقصود ہوتی ہے جیسے۔

افلق

اچھا اسکا اعتبار نہیں ہوتا ہے یہ | تا زمانہ جو وزن دنیا کی چاہ ہے

ظاہر میں یہ کلام بطور منسی اور مذاق کے معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت ایک نصیحت ہے۔

آتش

دنیا سی خانگی کوئی ہوگی نہ میوا | شوہر کے اپنے رہتی نہ دیکھی یہ زن درست

دنیا کی نہ کرتو خوشگاری | آس سے کبھی بسر نہ ہوگا

آخانہ حسدابی اپنی مست کر	محب ہے یہ اس سے گھر نہ ہوگا
چرخ کسین	
تبر لا بھیج دنیا پر عدم کی راہ لے نادان	نہ کر اس مزے میں بیٹھ کر اودہ دامان کو

صنعت تلمیح جسکو تلمیح بھی کہتے ہیں اور یہ مناسب نہیں اسلیے کہ تلمیح میم کی تقدیم کے ساتھ لام پر شے تلمیح کے لائن کے معنی میں ہو جیسے تشبیہ واستعارہ میں اور تلمیح تقدیم لام سے میم پر کسی چیز کی طرف نظر کرنے کو کہتے ہیں پس یہ معنی خاص ہیں اسلیے کہ شے تلمیح کا لانا عام ہو کسی شے یا شخص یا مثل کی طرف نظر کرنے سے تلمیح انصاف میں تلمیح کو ان چیزوں کے ضمن میں لکھا ہو جو سرقات شرعیہ سے انصاف رکھتی ہیں اور یہ مناسب نہیں اسلیے تلمیح میں عیب کی کون سی بات ہو ا طول میں جو بیان کیا ہے کہ سرقات شرعی کے ساتھ اسکو جو جمع کیا ہو تو جامع ان میں یہ ہو کہ دونوں ان چیزوں میں سے ہیں جن سے مزید احتیاط واجب ہو مگر یہ جامع نہایت رکیب ہو پس رائے انھیں لوگوں کی دست ہے جنھوں نے اُسے صنائع میں شمار کیا ہو۔ بہر صورت یہ صنعت اسطرح ہو کہ شاعر اپنے کلام میں کسی مسئلہ مشورہ یا کسی قصے یا مثل شائع یا اصطلاح مجرم وغیرہ کسی ایسی بات کی طرف اشارہ کرے جسکے بغیر معلوم ہوے اور بے سمجھے اس کلام کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہ آئے۔

انشاء

خاشق اُس غیرت بلیقے کا ہون میں انش	بام تک جسکے کبھی مرغ سلیمان نہ گیا
------------------------------------	------------------------------------

اس شعر میں اشارہ ہو قصہ بلیقے کی طرف جو مفصل کلام الہی میں مذکور ہو ہر ہر کا خبر دنیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بلیقے الیہ ملک سبا تک پہنچانا اور پھر بلیقے کا حاضر آنا یہ مشہور قصہ ہے۔

ناسخ

حکم خدا سے حق ہو اودھو جدھر غلی	کیا غم سیفہ ہندی جم غفیر کا
---------------------------------	-----------------------------

سیفہ کا واقعہ یہ ہو کہ جناب سرور کائنات کے انتقال کے بعد آپ کی تجہیز و تکفین کا سلمان ہو رہا تھا کہ اس اثنا میں انصاری ساعدہ کے چوتھے پر جسکو سیفہ کہتے ہیں سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیت کر کے کو جمع ہو گئے اس امر کی اطلاع حضرت ابوبکر و عمر کو ہوئی یہ دونوں بزرگ سیفہ کو روانہ ہوئے اور وہاں جا پہنچے اور جب یہ دلیل بیان کی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہو اللہ من قریش کل مام قریش سے ہو گئے عام انصار نے اسکو تسلیم کیا اور سب کی رائے حضرت ابوبکرؓ کے

بات پر بیعت کی ہو گئی حضرت علیؑ اس موقع پر موجود نہ تھے اور آنحضرتؐ کی تدفین کے بعد بھی یہ تہذیب
انھوں نے اس بیعت سے خلف کیا کیونکہ انکو یہ شکوہ تھا کہ پیغمبرؐ میں میری عدم موجودگی میں بیعت
کیوں کی گئی اور مجھ سے مشورہ تک نہ کیا گیا۔

اغالب

دُرمئے سے مراد صفیہؓ کی داڑھی | انغم گیتی سے مراد سینہ عمرؓ کی زنبیل |
مشہور ہے کہ اتفاقاً کی داڑھی کے ہر ہر بال میں مولیٰ پر لے جاتے تھے اور عمرؓ کی زنبیل میں جو کچھ
پڑتا تھا غائب ہو جاتا تھا وہ کبھی پر نہ دلی تھی۔

دلہ

کاد کا دستخت جانیہا سے تنہائی نہ پوچھ | صبح کرنا شام کا لانا ہی جو ہے شیر کا |
اشارہ ہے فریاد شیرین کے نصے کی طرف فریاد کا شیرین پر عاشق ہونا اور کوہ بے ستون سے
نہ کاٹنا کہ اس میں دودھ بھر کر آدے اور فریاد کا غلط خبر پانے سے تیشہ مار کر رہ جانا ایک مشہور قصہ ہے۔

فکی

یوسف کا اپنے دھیان پر تیر خط کے وقت | ڈر کر گناہ گمان نہ قلم ہوں قلم کے ساتھ |
اس شعر میں تلخیص ہے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف زلیخا کا مجمع زمان میں حضرت یوسفؑ کو
بکانا اور انکو دیکھا فرط بیہوشی سے اُن عورتوں کا بجائے لہو گلے ہاتھ کاٹ لینا مشہور ہے۔

عبداللہ خان ادج

بجائے شیریں اگر چھوڑ دلی جج کو چسلی | مثل سے نو سو جو ہے کھا کے بلی جج کو چسلی |
دلی میں تیر میں ایک بڑی نامی زٹی تھی وہ جج کو چسلی تو اسکے متعلق یہ شعر کہا تھا۔

معروف

تاوان مجھ سے کوس طرح رت قاتل دو | ہوں میں وہ جزد کہ جولا تجھے ہو دے |
جزد وہ تجھے اسکے کہنے میں کہ بسبب کمال خردی اور ساری کی کے اسکے حصے نہ ہو کیونکہ اس نے نابل
کہ سکھو دینے جسے پر تفسیر کر رہا ہے غلام شکلیہ ہے اسکی تفسیر کو ثابت کیا ہو پلا نہ سب فلا سفہ کا ہو۔

ناسخ

عمر آدمی میں دھماکے میں نہیں سمجھی | سو تیری نظر مردم گیاہ سے |
مردم میں تیرے ذکر و مریاۃ و جہت پروردگار کے ہر جانب سے اسکی جز کے اطراف کو خالی کر کے برکت

رستی باندھ کر کتے کی گردن میں باندھ دیتے ہیں اور اسکو چلاتے ہیں کہ اس کے چلنے سے جڑ اکھڑ جاتی ہے اور اکھڑنے ہی کو مار جانا ہی شیخ صاحب نے اسی امر کی طرف تلمیح کی ہے۔

انشا

روشنی چاند سے مکھڑے پس چاہ سے بر
چاہ خشک اب میں کہوں یا چاہ ذوق
تلمیح ہر ایک فصیح کی طرف اور وہ یہ ہو کہ حکیم بن عطا کے جسے حکیم المفتح کہتے ہیں شہر خشک پاس
ایک کنواں تیار کرا کے ایک بڑا طاس پارسیہ بکھڑا کے اس میں کھو دیا تھا اور نکاس شعاع نور سے ایسا اعلیٰ
کیا تھا کہ آسمان پر دو چاند نظر آتے تھے۔

ولہ

حیث کر آدمی رطائی جو مہا بھارت کی
تو جہ ششتری کرے خدیر جہ جو دشن
مہا بھارت کی لڑائی کا واقعہ یہ ہے کہ چند رنسی را جیو توں کے دو خاندانوں کو درون
اور پانڈون میں کہ حجاز ادا تھے کو در و جہش یعنی کرناں کے میدانوں میں تھما تیسرے ضلع پنجاب کے
قریب بھارتی جنگ ہوئی یہ ہشت پانڈون کا بڑا بچھا کی تھا اور جڑ جھن کو روون کا ہاتھ
کہ کر وون قتل ہوئے ہی یہ ہشت شتر دلی کا بانی ہے۔

عجبت

جسے بیماری دارالاسد ہو
کرے رو باہ ترکیب نفع اس کو
اس شعر میں مسئلہ طب کی طرف اشارہ ہے دارالاسد جذام کو کہتے ہیں جو نکاس مرض کا ہیوم حملہ شیر
کی طرح ہوتا ہے یا یہ کہ مجذوم کا چہرہ شیر کی صورت پر رہ جاتا ہے یا یہ کہ یہ مرض اکثر شیر کو ہوتا ہے اس لیے دارالاسد
کہلاتا ہے اور رو باہ ترکیب لکھ کا نام ہے۔

غالب

مری تہمید میں مضمراک صورت نیلانی کی
بیو کے برق خرم کا برون گرم دھان کا
اس شعر میں فلسفہ کی اصطلاح کو بیان کیا ہے فلاسفہ کے نزدیک بیو کے ایک جوہر ہے کہ
صورت جسمیہ کا محل ہوتا ہے۔

مومن

ہر گاہ کہ لب پہ ہے شہر بریز
دیپاک کا ہے تمہ جنوں کی سیر
دیپاک ایک رنگ کا نام ہے جسکی تہہ سے شہر ہیں کہ آگ لگے ہوئے ہے

میر حسن

نظر کی جو تسلسل دتلیث پر

تو دیکھا کہ ہے نیک سب کی نظر

تسلسل دتلیث نجوم کی اصطلاح میں تسلسل بنجین کی اصطلاح میں دو ستاروں کے درمیان تفاوت تین یا زیادہ برجوں کا ہونا ہے مثلاً قمر حمل میں ہو اور مشتری جوزا میں یا قمر جوزا میں ہو اور مشتری حمل میں ہو اور یہ نصف دوستی ہے اور تلیث بنجین کی اصطلاح میں یہ ہے کہ قمر کو سعد سے پانچ یا نو برجوں کا فاصلہ ہو مثلاً قمر حمل میں ہو اور مشتری اسد میں یا مشتری قوس میں ہو اس صورت میں حمل سے اسد تک پانچ خانے ہیں اور حمل سے قوس تک نو خانے ہیں اور یہ نظر تمام دوستی ہوتی ہے اور ستارہ سعد قمر کا خادم و ناظر ہوتا ہے۔

آتش

آتش عشق نے راون کو جلا کر مارا

اگرچہ لٹکا سا تھا اُس دیو کا گھر پانی میں

قصہ یہ ہے کہ رام سوچ بستی راجہ دست کے فرزند تھے وہ اپنی سوتیلی ماں کے مکر و فریب کے سبب جنگل میں بھیجے گئے وہ اپنی بی بی سمیت بیا باہن چلے گئے وہاں سے سنگل دیپ کا راجہ راوں انکی زدہ کو اپنی قلمردین لے گیا رام نے بہت سی فوج کیسا تھا اُس پر حملہ کیا اور سمندر کا پل باندھ کر سنگل دیپ کو فتح کر لیا اور راوں کو مار کر اپنی بی بی پھیر لی اوں کو آتشش اور دیو مانتے ہیں

میر حسن

عروس اخطوط اور ثلث و رقاع

خفی اور جلی مثل خط شعاع

شکستہ لکھا اور تعلیق سب

رہے دیکھ حیران اتالیق سب

یہ سب خطوں کے نام ہیں ابن تفلہ نے خط معقلی و کوئی وغیرہ سے چھ خط ایجاد کیے تھے ثلث توفیق عمیق نسخ ریحان رقاع ثلث و نسخ میں دو دانگ دور ہوتا ہے اور چار دانگ سطح جلی کو ثلث کہتے ہیں اور خفی کو نسخ اور توفیق و رقاع میں ساڑھے چار دانگ دور ہے ڈیڑھ دانگ سطح جلی کو توفیق کہتے ہیں اور خفی کو رقاع اور عمیق و ریحان ساڑھے چار دانگ سطح اور ڈیڑھ دانگ دور جلی کو عمیق خفی کو ریحان کہتے ہیں پھر رقاع و توفیق سے مستنبط کر کے ایک خط تعلیق ایجاد ہوا تعلیق کا سطح نہایت مہر ہے پھر نسخ اور تعلیق سے آٹھون خط مستطیق ایجاد ہوا اور وہ تمام دور ہے بعدہ خوشنویسوں نے خط المستطیق اور تعلیق کو ملا کر خط شکستہ ایجاد کیا۔

حالی

پڑھا بھوت عشق و جوانی کا سربراہ
تو پھر گھاٹ کے آب بہن اور نہ گھر کے
اس شعر میں اشارہ ہے اس مثل شہور کی طرف کہ دھوبی کا گناہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔

مصحف

جو علی کا حکم نافذ نہ فلک پہ تھا تو پھر کیوں
ایم غروب آیا نکل آفتاب لٹا

اس شعر میں ایک مشہور معجزہ کی طرف اشارہ ہے شاعر نے بوجہ تاواقفیت کے غلط باندھا ہے طحاوی نے شکل انراٹب میں اسما بنت عیسیٰ زوجہ جعفر بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ ایک بار مقام صبا ضلع خیبر میں جناب سرور کائنات سر مبارک حضرت علیؑ کی گود میں رکھے بیٹے تھے کہ وحی نازل ہوئی اور حضرت علیؑ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ آفتاب غروب ہو گیا پیغمبر خدا نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ کیا تم نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے جواب دیا نہیں اس وقت حضرت رسولؐ نے دعا کی اے علیؑ اگرچہ تیری عبادت میں نہ تھا مگر میرے رسول کی طاعت میں تھا تو آفتاب کو اس کے لیے ٹٹا دے اسما کہتی ہیں کہ آفتاب ڈوب چکا تھا کہ بکا یک پھر ظاہر ہوا اور دھوپ پھیل گئی اور حضرت علیؑ نے وضو کر کے نماز عصر ادا کی۔

ظفر

اُسکی مدد سے فوج ابابیل نے کیا
شکر تباہ کیے یہ اصحاب فیل کا

اس کا قصہ یہ ہے کہ ابرہہ حاکم یمن ایک جہاز اور کثیر فوج بکرمع ہاتھیوں کے مکے کی طرف اس غرض سے روانہ ہوا کہ کہے کو نہدم کر دے اور نبی کسانہ کو قتل کر دالے اس وقت غلبہ مطلب مع ہمارہیوں کے پہاڑ پر چڑھ گئے ابرہہ کہے کے گرانے کی غرض سے حملہ آور ہوا اللہ جل شانہ نے اُن پر ابابیل کا ایک جھنڈ بھیجا جو اس لشکر پر سنگباری کر لے لگا جیسرہ پتھر پڑتا تھا وہ اس مقام پر رہ جاتا تھا۔
صنعت نسبت یعنی درمیان دو چیزوں مٹا ہونے کے مناسبت بیان کرنا جیسے کوئی پوچھے کہ کنوین اور آتش بازی میں کیا نسبت ہے جواب دینا چاہیے کہ چرخ یعنی یہ ایک چیز ایسی ہے کہ کنوین میں بھی ہوتی ہے اور آتش بازی میں بھی ایسی ہی اگر دیکھتے کہ بندوق اور مہاجن اور فرنگی میں کیا نسبت ہے تو جواب میں کہنا چاہیے کہ کوٹھی اس سے کہ دھٹی بندوق میں بھی ہوتی ہے اور کوٹھی مہاجن کی بھی کہلاتی ہے اور کوٹھی صاحب نوک بھی نہایت بین نشان لگتی ہے مستند انشا کے۔

مستزاد

نسبت وہ جو آرام سے ہر ہاتھ کو ٹوکیا
کچھ سوج کے بتلا + ہر اس میں کلائی

ولہ

انوبت کو ترے نام سے ہر میل یہ کیا
مت کر تو اچھا + کمد سے اری باجی

ولہ

وہ کونسی ہو چیز کہ ان جانور دن سے
کیڑوں کے ہر دن جو بٹہ سونکی چسٹریا
ہاںک ہر سے نسبت + اور جی نہیں کہیں
یعنی تری انگیا + اسے جان زناخی

ولہ

لو کا جی بھلا یہ کونسی نسبت
جو بوٹ گیا دیکھ کے کل تیلیوں والا
کس سے اسطے کل کیوں + آنکھوں پہ تمھاری
کر لے میں تماشا + اس میں بھی ہر تیلی

ولہ

جتنہ طیسے بھلا دھان کو ہر کونسی نسبت
تو بوجھ چکے اور سب بکھا ہے خشکا
بتلا بے صاحب + اس کو بھی نہ کچھ
بوجھ بھریرا + گواہ بھی نہ کچھ

ولہ

ہر روز کے ناموں میں خط سے کسے نسبت
پہلے وہ لکھا جائے بنے جب کہ لفافہ
پر اس سے کہ جس بن + کچھ کام نہ ہو دے
ہے یہ ترے انشا + اللہ کی قدرت

صنعت ذو سخنہ یعنی دو باتوں کا ایک جواب دینا شال اسکی۔
سافر یا سائبون۔ گہا اودا سا کیوں۔ جواب لوٹا نہیں۔
ایضاً گھوڑا کیوں اڑا۔ یا ان کیوں سڑا۔ جواب پھرا نہ تھا۔
ایضاً بڑ کیوں نہ کھایا۔ جو نا کیوں نہ چمکا۔ جواب تکان نہ تھا۔
ایضاً کشت کیوں نہ کھایا۔ دوم کیوں نہ کایا۔ جواب گھا نہ تھا۔
ایضاً باغی کیوں نہ دکھا۔ کھان کیوں بھوکا۔ جواب مدد نہیں۔
ایضاً دی کیوں نہ بنا۔ تو کسے دن نہ رکھا۔ جواب نماز نہ تھا۔
ایضاً دیوار کیوں ٹوٹی۔ راہ کیوں ٹوٹی۔ جواب رات نہیں۔
ایضاً ستاری کیوں نہ بنائی۔ عورت کیوں نہ بنائی۔ جواب سیر نہ تھا۔

چوتھا جزیرہ اقسام نثر عیوب کلام اور سرفات شعر کے بیان میں

اس جزیرے میں ایک شہر لطافت خیز اور دو صحراے وحشت انگیز ہیں۔

شہر نثر کی قسموں کے ذکر میں

پوشیدہ نہ رہے کہ کلام ناموزون نثر ہی اور موزون نظم ہی اور فقرہ نثر میں مثل بیت کہی نظم میں مثلاً مژدہ دیدہ آج گھڑی بے ہشت کی سیر کرتے ہیں۔ ایک فقرہ جو اللہ اللہ صفحہ و کلام کیا جوش بہار معالی ہی دوسرا فقرہ ہی۔ تارنگاہ میں بے تکلف موتی پر دے جاتے ہیں تیسرا فقرہ ہے۔ واہ وا کلک گہر بار کی کیا درشتانی ہو چوتھا فقرہ ہی یہ پارون فقرے ملکر نثر ہی فغان بغیر کی اس شہر میں دو باغ ہیں۔

یہاں باغ نثر کی قسموں میں باعتبار الفاظ کے

نثر کی باعتبار الفاظ کے چار قسمیں ہیں۔ مژدہ متفقہ۔ شمع۔ عاری۔

بیان مژدہ

مژدہ نثر ہی کہ جس میں وزن شعر ہو اور قافیہ نہ ہو یہ قسم بہت کم پائی جاتی ہے بلکہ بالکل ہی یہ فقرہ فارسی سے نثر کا دوری کا نثر راتیش سرودین کا شبنم فتح۔ پنجشش ہی دریا سے نثر اس کل یہ وزن ہی ناعا میں فعلاتن فعلان یا فوکر کبیر عین کا ہوا ہے بغیر بھی اس سے رت میں تصرف کیا ہو اور متفقہ کر کے لے فتح کے آگے لے کر کا غلط اور برصا دیہ اس سے نہ نثر مژدہ میں نہ متفقہ۔

ولہ

فلش ماسطہ صنفہ و بہ + رشمش شمع چہرہ بہر

اسکا یہ وزن ہی فعلاتن فعلاتن فعلان بکسر عین۔ اردو میں آغا غنی کی یہ نثر جسکا وزن مفعول۔
 مفاعیلن ہی یہ نثر انتخاب یادگار مولفہ امیر مینائی کی تقریظ میں ہی نثر دیوان حقیقت کے مطلع
 کے ہیں دو مصرع۔ اک حمد آئی ہو۔ اک نعت پیر ہو اس مطلع روشن کے معنی منور سے ہر ذرہ بھی نور
 واقف۔ سنتے ہیں انزل سے سب۔ یہ مطلع نورانی۔ ہر اس کے سوا اب تک اس ساری غزل میں سے
 اک شعر نہیں پایا۔ لیکن مجھے ہاتھ آیا۔ اس وقت غنی موقع میں سب کو سنا ہوں۔ اس مطلع یکتا کا۔
 جس حسن انزل سے ہو۔ اس وقت موافق میں۔ کیونکہ نہ شاخوان ہوں۔ سامان غزل خوانی۔ کیا خوب مہیا
 ہے۔ دور بار میں حاضر ہیں۔ نقاد زرعے۔ عالم کو سخن میرا۔ سنتے کی تمنا ہو رہا ہے یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ
 وزن میں قید ضرور نہیں۔ ملا غیاث الدین کتاب غیاث اللغات میں لکھتے ہیں ”پس مرجز نثر سے
 ہا شد کہ کلمات فقرتین اکثر جاہا ہمہ ہوزن باشند در تقابل یک دگر بدون رعایت سجع“ اور مثال
 میں یہ نثر لائے ہیں ”خیال ناظم بے تعلق قاست دریاے ناموزون ست دقیاس ناثر بے تمسک کا کل
 سویاے نامر لوط اور حسن القواعد کا مولف اس تعریف کا ترجمہ یوں کرتا ہو ”مرجز وہ نثر ہو کہ جس کے دو
 فقروں کے کلمات مقابل باہم ہوزن ہوں اور قافیہ نہ رکھتے ہوں جیسے دو صرف اوقات بے ذکر
 واسب کار سازد خروج الفاس خشنغل خالق کردگار عین نقصان ست“ یہ مثالیں نثر مرجز کی کیسے طرح
 نہیں بلکہ موازنہ کی وہ قسم ہیں جسکو مماثلہ کہتے ہیں اور بیان اسکا سجع میں آتا ہو نثر مرجز میں وزن شعر کا
 ہونا اور قافیہ نہ ہونا مشروط ہے خدا جانے یہ حضرت سجع کسکو کہتے ہیں سجع ہوزن ہونا دو لغتوں کا ہے فقرتین
 یا مصرعین میں وہ بیان موجود ہو پھر بدون رعایت سجع کے کیا معنی شاید یہ بزرگ وزن کو برابر ہونا
 کلمات کا سمجھتے ہیں اور سجع قطع شعر کو کہتے ہیں سبحان اللہ بہت ٹھیک فرماتے ہیں اور خوب سمجھتے
 ہیں اگر وزن شعر وارد قافیہ نہ آوے فرماتے تو کیا حرج تھا نا حق مورد طعن ارباب دانش ہوئے اور مرزا
 غالب وغیرہ کو اعتراض کرنے کا موقع ملا اور ناظرین کو غلطی میں ڈالا۔

بیان نثر منصفی

نثر منصفی وہ جو مرجز کے برعکس ہو یعنی قافیہ رکھتی ہو اور وزن نہو مثال اسکی یہ عبارت جادہ نغمہ کی
 معشوق کی ہنستی مینائی میں بوستان مسرت کی شان۔ عاشق کی جبین گلستان کے باب نجم کا
 عنوان۔ اس کی سرلوشت رنگین میں حسن کا افسانہ اسکے سرخط گلزار میں عبارت عاشقانہ۔ اس کی
 چوٹی بھٹنے کا جواب اسکی زلفوں میں عشق کیے کلچر و تاب۔ اسکی تمہید غائبہ نبیر اسکی ہودخست انگیز اسکا
 چہوار خوانی۔ اسکا رنگ زعفرانی اسکی بھوین شاخ بادام سے ہتر۔ اسکی ابو داغ لالہ احمد اس کی

انکھین نگرسی اس کی گلابی۔ اسکی پلکین نقاب دار و دس چمن اس کی موسے مڑہ آئینہ دار بے جانی
 رخسارے دونوں کے صیغہ گلستان شباب مگر یہ سرا آن پر اعراب۔ ہونٹ گلبرگ انتخاب۔ لیکن
 خشک یہ شاداب پا یاد رکھو کہ نثر مقفے کے دونوں فقرے الفاظ میں مساوی ہوں اور ایک
 دوسرے سے زیادہ نہ ہو یا فقرہ ثانی فقرہ اول سے طویل ہو مگر نہ اس قدر کہ اعتدال سے
 بالکل نکل جائے کیونکہ قافیہ میں عمدہ تواضع الہی ہے اور قطع نظر قافیہ سے اعتدال ہر اک شے
 میں مطلوب ہوتا ہے اور نفس بالطبع ادھر میل کرتا ہے جہاں تین فقرے واقع ہوں تو جائز ہے کہ پہلے
 اور دوسرے فقرے میں چار چار لفظ ہوں اور تیسرے فقرے میں دس یا گیارہ اور چوتھوں فقرے
 مساوی بھی کہتے ہیں یا فقرہ ثانی فقرہ اول سے چھوٹا ہو مگر یہ عیوب میں داخل ہر اس لیے کہ سامع
 چوتھے فقرے کے سن لینے کے بعد بھی اس شخص کا سا انتظار رہتا ہے کسی شے کی انتہا اور غایت کا
 منتظر ہو۔ نثر مقفے دو حال سے خالی نہیں ہوتی یا مقفائے قصیر ہوتی ہے یا طویل۔ قصیر کے دونوں
 فقروں میں کم الفاظ ہوتے ہیں اور اس کے ہر ایک فقرے کے الفاظ کی حد سے دس تک ہر اور جتنا
 ہوا حسن ہے کیونکہ قوافی قریب قریب واقع ہونے جیسے اس نثر میں یا محمد خان شوکت کی نثر فقیر
 معانی ہو بڑے بے انصاف ہو کل کی بات بھول گئے جو آج بھول گئے۔ خوش تقریر ہو۔ مگر طویل
 شریک ہو اور مقفائے طویل میں ہر فقرے کی تالیف گیارہ سے بیس افظوں بلکہ اس سے بھی زیادہ
 تک ہوتی ہے۔

بیان نثر شریع

شریع دو ہے کہ الفاظ فقر تین وزن میں برابر ہوں اور حرف آخر میں بھی موافق ہوں یعنی پہلے فقرے
 کے تمام الفاظ دوسرے فقرے کے تمام الفاظ سے وزن و حرف آخر میں موافقت رکھتے ہوں نظم میں
 یہ صنعت آپڑے لہر صاع اور شریں آوے تو سجع کہتے اور اس صنعت کے بعض ہر دن لے جو سجع کی
 خدمت کی ہر توان کی طبیعتوں کی کمزوری کے سوا ظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم پڑی کیونکہ اگر یہ صنعت
 فی الحقیقت مذموم ہوتی تو قرآن شریف میں کیوں واقع ہوتی ہم کو کوئی سورۃ جمع اور موازنہ سے
 خالی نہیں ہے علی بن عیسیٰ نے جو کہا ہے کہ کلام میں قافیہ ہو اور وزن نہ ہو تو مراد یہ ہے کہ وزن شعری نہ ہو
 اس طرح کہ نظم نہ بن جائے اور ہم نے جو لکھا ہے کہ فقروں کے الفاظ وزن میں برابر ہوں اس سے مراد
 یہ ہے کہ ایک لفظ دوسرے لفظ کا ہم وزن ہونے نثر سجع میں فقرے طویل بھی ہوتے ہیں اور قصیر
 ہیں۔ اور فقروں کے طویل و قصیر ہونے کی کیفیت بیان بھی وہی ہے جو نثر مقفے میں ہوتی ہے۔

مثال ترمیم کی گمان باحت مدد میں بن ممدان جو فانی چالاک یگانہ دلبر عیار کے شوق میں غرق
 ہوں اور جان صباحت موم دم دہان غزن دریائی سفاک زمانہ کا فطرار کے ذوق میں اشکبار ہوں
 دریائے لطافت کے موافق تھے سکی مثال میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے پڑھنا پڑھنا انا بڑا کہ جسکی بڑائی بیان
 سے باہر ہو پڑھنا پڑھنا ایسا بھلا کہ سکی بھلائی گمان سے بڑا کر دے باوجود کہ ایک فقرے کا لفظ دوسرے
 فقرے کے لفظ کا ہم وزن ہے نظم سے ہر ایک فقرہ خارج ہے اگر ترمیم کے الفاظ میں رعایت صحت
 تجنیس کی بھی ہو دینے فقرہ ثانی ہو فقرہ اول کی نفس ہو ترمیمی جہاں گاہ ہوں تو یہ نہایت خوبی ہے
 اور اسکو صحت ترمیم مع التجنیس کہتے ہیں مثال یہ فقرہ دریائے لطافت کا مقصود بیگ دو
 مقصود بیگ دو۔

واضح ہو کہ اس صفت کا حسن یہ ہے کہ دونوں فقرہ میں کوئی لفظ مکرر نہ واقع ہو۔

بعض کے نزدیک مجمع ترمیم مراد ہے ہر فقرہ کا اپنی لکے نزدیک سمجھ کی یہ تعریف ہے کہ پہلے فقرے کے
 آخر کا کلمہ دوسرے فقرے کے آخر کے کلمے سے قافیہ میں موافق ہو جتنا کہ سکائی نے کہا ہے مجمع ترمیم الیہ ہے
 جبے نظم میں قافیہ اور جو حرفت مجمع کے واسطے مذکور ہوئی وہ ان لوگوں کے نزدیک مرصع کی تعریف ہے
 خواہ نظم میں جاری ہو یا ترمیم دونوں جگہ مرصع ہی کہتے ہیں اور اس کو مثل متوازی اور مطرد اور
 موازنہ ملے مجمع کی ایک قسم قرار دیتے ہیں۔

مجمع متوازی وہ ہے کہ فقرہ اول کے آخر کے لفظ وزن اور حرف آخر میں متفق ہوں جیسے وقار صفا
 از مذہب عشق معروف بہ قصہ گل بکاؤلی جس کو بے دبا زار میں جانی وہاں اسباب میں مایا
 پانی ہجائی اور پانی دونوں لفظ وزن اور حرف آخر میں موافق ہیں۔

جسکی طرف چشم نہ رہ سنا اٹھاتی آئے نقش پا کی طرح مثالی اور جہد م تیغ ابرو یا نغمہ ترکان کھاتی
 اہل نظر کو بسمل کی طرح مثالی۔

اٹھاتی مثالی کے اور کھاتی مثالی کے مقابل ہے اور یہ رعایت نظم میں بھی ہو سکتی ہے جیسے
 ہر شے میں۔

صدا بر تہام دباری

از بن نوہد سلی یا تناسبات سے

نہ بھر کر چین ک دلیما اسکا کفایت ہے

یہ مشت کی نہ دو ہو حبیب سے

مرجانے پابجے کوئی اپنے نصیب سے

غالب

ایک دود شدون کو قدرت حق سے من و طاعت

انظام الدین کو خسرو سلج الدین کو غائب

اگر سلسلہ الفاظ اس طرح ہوں تو مرصع کہیں گے۔

سمجھو طرف یہ جو کہ فقرے کے کلمات اخیر وزن میں مختلف اور حرف آخر میں متفق ہوں مثال
اسکی گلی بجاؤں گے اگر حکم ہو تو چند روز کے واسطے بھیجوں گی صحبت میں بجاؤں اور ان کے آب
وصال سے اس آگ کو بجھاؤں "جاؤں اور بجھاؤں کا وزن ایک نہیں لیکن حرف آخر ایک ہی اور
یہ رعایت نظم میں بھی ہو سکتی ہے جیسے اس شعر میں۔

اگر لال راہ

آمد موچہ سے یہ کہتے ہو نہ تو بار سے مل

اسکو بجاؤ کہ تو بھی تو نہ اختیار سے مل

یاد دیا ر وزن میں مختلف ہیں لیکن حرف آخر دونوں میں اسے ملتا ہے۔

سمجھو موازنہ اسے کہتے ہیں کہ دونوں فقرہ ان کے الفاظ آخر متفق الوزن ہوں لیکن حرف آخر
مختلف ہو جیسے اس فقرے میں کتاب کو نہ التصحیح کے دیگر روح یہ ایک جو ہر لطیف ہوا اور گیسکو
بہت عزیز۔ لطیف اور عزیز وزن میں ایک حرف آخر مختلف ہو۔

اسی مثال میں ہو نواب غوث محمد خان والی جاوردہ کی سیرت شریف کی یہ عبارت "غرض جس کسی نے عدم
ت وجود میں اگر تماشا کے موجودات نہیں کیا وہ کا اعدام ہے اور جس مردے اپنی زندگی ایک گوشے میں
پیچھا کر بسر کی وہ گویا زان مستور ہے۔

تہنیتیہ بیان عام لائق نور و کرم کی تعریف تو یوں کی تھی کہ دونوں فقرہ ان کے اخیر کے الفاظ موازنہ
وزن اور حرف اخیر کے موافق ہوں اور موازنہ کو جمع کی بات قسم زیادہ سے کر سکتی تعریف میں کتابت کہ
دونوں فقرہ ان کے کلمات اخیرہ وزن متفق رکھتے ہوں اور حرف آخر مختلف ہوں لہذا جمع کی تعریف
موازنہ پر ملاقہ نہیں آتی کیونکہ اس میں فقرہ ان کے آخر کے کلمات میں قافیہ موجود ہو اور اس میں متفق
بنابر ان صاحب تائید المقاح کے نزدیک موازنہ اور جمع میں مہاست ہوا کہ کتابت میں موازنہ کا
مصنف کتاب ہے کہ موازنہ سے جمع اخص ہوا واسطے کہ جمع میں الفاظ آخر متحد وزن والقوافی ہوں گے
آیت اور موازنہ میں الفاظ آخر صرف شادی الوزن ہونے میں ان کے حرف آخر ایک نہیں ہونے
جداگانہ ہونے میں ہوتا ہے بنی بن حمزہ بن علی نے غرض میں لکھا ہے پس موازنہ شرابا اتحاد وزن الفاظ
آخر میں تو جمع کا مشارک ہوا اور حرف ردی کی موافقت میں مخالفت اس صورت میں ہر ایک جمع موازنہ

ہے اور ہر ایک موازنہ صحیح نہیں مولوی امام بخش صہبائی اس مقام کی توضیح میں لکھتے ہیں کہ اس
 کی تریف میں اگر الفاظ اخیر کے فقط وزن میں موافق ہونے سے یہ مراد ہو کہ موازنہ میں الفاظ اخیر کا
 حرف اخیر میں مخالف ہونا واجب ہو تو اس صورت میں صحیح اور موازنہ میں متباہن ہوا یعنی نہ صفت
 صحیح کی موازنہ پر صادق آئے گی اور نہ صفت موازنہ کی صحیح پر کیونکہ صحیح میں حرف اخیر کی موافقت
 واجب ہو اور یہاں مخالفت اور اگر یہ مراد ہو کہ موازنہ میں وزن کی موافقت شرط ہو اور حرف اخیر کی
 موافقت شرط نہیں لینے ہو ہونو تو اس صورت میں ایک جگہ صحیح اور موازنہ دونوں صادق آجائیں گے
 جیسے وصال دوست کا محض خیال ہو اور رحم کرنا رقیب کا محال ہو شرط صحیح اور موازنہ دونوں
 کی پائی جاتی ہو یعنی موافقت حرف اخیر کی اور یہ شرط صحیح کی ہو اور موافقت وزن کی اور یہ شرط
 موازنہ کی ہو اور ایک جگہ موازنہ پایا جائے گا بدولن صحیح کے جیسے دل سادے فاعل ہو اور جان
 ذکر کے فارغ اور ایک جگہ صحیح پایا جائے گا بدولن موازنہ کے جیسے رقیب کی طرف سے خار سے
 اور سینہ دوست کے جور سے افکار ہو خار اور افکار بطور صحیح کے ہیں نہ بطور موازنہ کے اور حدیث اولیٰ
 کے صنف سے تعبیر ہو کہ موازنہ کی تریف میں آجہا ہی لکھا ہو کہ موازنہ وہ ہو کہ دونوں فقرہوں کے الفاظ اخیر وزن میں
 متحد ہوں اور حرف اخیر میں مختلف اور جہاں سکولیک قسم صحیح کی قرار دیا ہو حالانکہ صحیح میں شرط یہ ہو کہ حرف اخیر میں
 موافقت ہو نہ مخالفت اس تحقیق سے واضح ہوا کہ موازنہ صحیح کی قسم نہیں اب رہی یہ بات کہ آیا موازنہ شرع کے ساتھ
 خصوصیت رکھتی ہو یا نظم میں بھی جاری ہوتی ہو اس باب میں بھی حکم مولوی امام بخش صہبائی کی
 تحقیق کامل پسند ہو کہ انھوں نے میر شمس الدین فیر کے اس قول پر کہ یہ صنعت نظم میں نہیں آتی کہ نہ
 نظم کے اخیر میں قافیہ واجب ہو اعتراض کر کے توجہ وجہ کے ساتھ لکھا ہو کہ جن لوگوں سے یہ توہم کیا
 ہے کہ موازنہ مختص شرع کے ساتھ ہے محض بیجا ہو کیونکہ وہ شرع اور نظم دونوں میں جاری ہوتی ہو اور یہ
 توہم شرع خصوصیت رکھنے کا اس سبب سے ہو کہ عربی کتابوں میں اس صنعت کی تریف میں لکھا ہے
 کہ وہ سادہ ہونا و فاعلان کا ہر وزن میں اور فاعل نہ کے الفاظ اخیر ہی کو کہتے ہیں یہ نہ بیجا
 کہ ذکر فاعل کا بطریق احتراز کے نہیں ہوتا کہ اس سے نظم خارج ہو جائے بلکہ بطریق مثال کے ایک
 ذکر کر دیا ہو اور اختصار کی وجہ سے مصرع کا ذکر چھوڑ دیا ہو اور چونکہ یہ صنعت نظم میں جاری ہوتی ہو
 شرح کر کے والوں نے فاعل کے آگے لفظ مصرع کا بھی لاحق کر دیا ہو اکماصل یہ موازنہ نہ اور نظم
 دونوں میں آسکتی ہو اور اگرچہ نظم میں منع ہوتا ہے لیکن سوائے مطالع و تنویر و مسدود نہ کہ یہ
 بند و ترجیح بند کے ہر ایک شعر میں لانا ممکن ہو مثال سلی۔

مزار محمد علی گھنوی گستر

بھی لگایا تھا مجھ پر دیکھی فرحت حاصل
یہ نہ جانتا تھا کہ آدے کی قیامت لازم

منیر

ملک نظم شکر میں اس طرح خادم
نمک زخم دل پر ہوا بکسر ماح
روایت و قوائی میں جس طرح حاجب
سفائن میں طوفان کا خوف غالب

غالب

بوسہ دینے میں اُن کو ہے انکار
دل کے لینے میں جن کو تھا ابرام

میر تقی

رہے ہمیشہ تیرے دوستوں ساتھ قتال
خند کو تیرے نہ دے فرصت ایلیم ادبار

موازنہ میں اگر تمام الفاظ شریانی نظم کے اندر ایسے ہی واقع ہوں کہ وزن میں موافق اور حرف آخر
میں مختلف ہوں تو اس کو محالہ کہتے ہیں اور یہ مماثلہ رازنہ میں ایسے ہو جیسے جمع میں ترصیع اور یہ بھی شری
اور نظم دونوں میں آتی ہو اور جن لوگوں نے یہ گمان کیا ہو کہ مماثلہ شخص شری کے ساتھ ہو غلط ہو مثال
شری کی فارسی میں وہی ہو جو ملا غیاث الدین شری جز کی مثال میں تحریر فرماتے ہیں اور انکی اتباع سے
مولوی حفظ اللہ مصنف الشاع فیض رسان اپنی الشاعین مائے ہن در خیال ناظر بے تعلق قامت
دلربائے ناموزون ست و قیاس ناثر بے تمسک کا کل مویا سے نامر بوطا اللہ اللہ کیا لیا نیت
اور کیسی ہمہ دانی ہو کہمان شری جز کی تعریف اور کہمان مماثلہ کی مثال بھلا غالب کیوں نہ روئے
اور کس طرح نہ چلا میں اور نظم کی مثال یہ ہو۔

اسیر

گیسے حور جہان ہو اسی توسن کی عنان
حلقہ چشم ملک ہو اسی مرکب کی بنام پڑا

غالب

اے شہنشاہ فلک متظرو بے شمع نظر
اے جہاندار کرم شیوہ و بے شہرہ دریا

تیرا انداز سخن شہنشاہ زاعت الہام

تیری رفقا ہستل جیش بال جبریل

یاد رکھو کہ عبارت مجمع و مرصع ہر وقت موافقت میں ہوتا ہے یعنی کیونکہ کلمات سے خالی
نہیں ہوتے اور خطوں اور کتابوں وغیرہ میں جائز و مناسبت ہے۔

اسم جمع تکسین

جمع کے لغوی معنی آواز کو ترو ترو فری کے ہیں اور اصطلاح میں جمع وہ آواز پر بیان ہوا اور جمع جمع تکسین کو بھی کہتے ہیں یعنی کسی شخص کا نام فقرہ یا آیت کلام الہی یا مصرع وغیرہ میں مندرج کر کے تکسین پر کھدوائے ہیں اسکو بھی جمع بولتے ہیں مثال اسکی لا تقنطوا من رحمۃ اللہ اس آیت سے رحمۃ اللہ نام مراد ہے۔

ایضاً در شہر علم محمد علی بابہ جمع محمد علی کے نام کا ہے اور اس میں تلخیص اس حدیث کی طرف اشارہ ہے
مدنیۃ العلم و علی بابہ۔

ایضاً بروز قیامت محمد شہید بابہ جمع محمد شہید کے نام کا ہے معلوم کیا چاہیے کہ استادان فن نے یہ بات قرار دی ہے کہ جمع میں فعل ماضی مضارع و ضمیر و حرف رابطہ وغیرہ حتی المقدور نہ آنے یا لے اور اگر سوائے ماضی کے فعل مضارع یا ضمیر آئے تو کچھ مضائقہ بھی نہیں اور اس زمانے میں اس کی کچھ قید نہیں ہے۔

جمع من غلام قنبر غلام حیدر سے اس جمع میں لطف یہ ہے کہ مولوی غلام قنبر کے نام کا ہے جمع ہے اس کے والد کا نام غلام حیدر ہے اور یہ جمع زبان اردو میں اور بھی زیادہ دلچسپ ہو گا اگر مولف میں ہوں غلام قنبر غلام حیدر + حافظ احمد یار کا انشا ہے جمع کہا ہے اللہ حافظ احمد یار + جمع نام محمد کا لے + یہ جمع محمد کا لے کے نام کا ہے۔

ایک شخص کا نام غلام علی اور باپ کا نام غلام محمد ہے ذوق نے جمع کہا ہے یہ پدر غلام محمد ہے غلام علی + سید احمد حسن کے نام کا جمع غالب نے یوں کھدایا ہے دل حیدر و جان احمد حسن۔

امیان شری

اس کے الفاظ میں نہ وزن کی قید ہے نہ قافیہ کی یعنی ہاں سب باتوں سے عاری ہوتی ہے اور اس کو رد مزہ اردو بھی کہتے ہیں اور آج کل اردو میں اس قسم کی شہرت و رونق ہے مثال عبارت دیباچہ آبجیات کی جو شہرہ آفاق ہے ہرگز قافیہ کو اپنی تیج زبان کا جز نہ سمجھتے مگر خفیہ سو برس سے کل خانہ ان کی زبان اردو ہونے لگے ہیں سے لیکر آج تک زبانوں کے حقیقہ میں کمال سرگرمی اور جستجو رہی۔ اب چند سال سے معلوم ہوتا ہے اس ملک کی زبان ترقی سے قہم آگے بڑھ رہی ہے زبان ملک یہ علمی زبانوں کے مثل میں داخل ہو گیا اور مغربیہ زبانوں کی طرح اس کی درجہ خاص کی کرسی پر چسوس کیا جاتی ہے ایک دن سنی دنیا میں تھوڑے بڑے باغیانہ کلام

اس نے ظہور کیا کس طرح قدم بہ قدم آگے بڑھی کس طرح عمدہ عمدہ اس درجے تک پہنچی تعجب ہوا
 کہ ایک بچہ شاہجہانی بازار میں پھرتا ملے شعرا اسے اٹھا لیں اور ملک سخن میں پال کر بدوش کو بن انجام
 کر سنا تک نوبت پہنچے کہ وہی ملک کی تصنیف و تالیف پر قافض ہو جائے۔
 یہ بات بھی افسوس کے ساتھ کہنے کے لائق ہے کہ کتاب ہفت قلام جو ایک کتاب ضخیم و لغت
 میں غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے نام سے مرتب ہوئی ہے اس میں مثال شری بن یہ دو
 فقرے ظہوری کے مندرج ہیں "سدا تیش مرد بن گلشن فتح خورشید ہی دریاے ظفر" اشد ہر ایک شخص
 کو غلطی سے بچائے۔

دوسرا بابغ شری کی قسموں میں باعتبار معنی کے

شری بلحاظ معنی کے دو قسمیں ہیں سلیس اور دقیق سلیس وہ ہے کہ جس کے معنی بہ سہولت سمجھ
 میں آجائیں اور دقیق وہ ہے جس کے معنی دقت سے سمجھے جائیں ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں
 سادہ اور رنگین سادہ وہ ہے جس میں مطلب کو بدون رعایت مناسبات کے ادا کیا ہو اور رنگین
 وہ ہے کہ ادا سے مطلب میں ایک طرح کے لفاظ کی رعایت کی ہو مثلاً اگر شام کا ذکر آئے تو شام غریبان
 کی ادا سی کبھی رات کا سناٹا کبھی تاروں کی چٹائیں کو چاندنی نوراندھیری کے سلفہ دکھایا جائے اور صبح کا
 بیان ہو تو رات کی رخصت سیاہی کا بھٹنا نور کا ظہور آفتاب کا طلوع مرغزار کی بہار مذکور ہو
 اور بہار کا ذکر آیا ہو تو آخر تک اسی کے مناسب لکھدین یا علم کا ذکر آئے تو اسکے مناسب لکھیں غرض
 جس حالت کو لیں اس کا سماں باندھ دیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ معنی کے اعتبار سے شری۔
 چار قسمیں ہیں۔

سلیس سادہ

جس کے معنی سہولت سمجھ میں آئیں اور مطلب کو اس میں بدون رعایت مناسبات کے ادا کیا ہو جیسے
 سر سید احمد خان مرحوم کی اس عبارت میں "شرآمدنی کے ذریعوں میں ظاہر اود ذریعے ایسے معلوم
 ہوئے ہیں جو تمام ذرائع کو حاوی ہیں ایک زراعت اور دوسرا تجارت مگر ان دو ذریعوں میں زراعت
 تو ایک ایسی چیز ہے جس میں انسان ایک خاص قسم کی ترقی کر سکتا ہے اور وہ بھی ایک حد معینہ
 تک مگر تجارت ایک ایسا عام اور قابل ترقی ذریعہ ہے کہ اسکے سبب سے انسان کو اصناف و انواع
 کی ترقی ناممکن کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور اسکے وسیع کوئی ایسی حد نہیں نکلتی جس کے آگے ترقی
 ناممکن ہو بلکہ جتنا تک انسان کی عقل کی رسائی ممکن ہے وہاں تک اس کی بھی ترقی ممکن ہے۔"

اور یہی ایک ایسی چیز ہے جس میں انسان اپنے ہر طرح کے کمالات اور خوبیاں ظاہر کر سکتا ہے اور وہی تمام صنایعوں دستکاریوں اور ہنرمندیوں کی جڑ ہے۔

دقیق سامع

۵۰۵ جس کے معنی وقت سے سمجھے جائیں اور اُس میں مطلب کو بدون رعایت مناسبات کے
اد کیا ہو جیسے یہ تمہارت حضرت اُستادی مولوی عبدالحق صاحب خیر آبادی مرحوم کی امیر اللغات
کی تفسیرِ نظمین۔

شہر زبان جو مافی الضمیر کی ترجمان برابری خصوصیات میں فرد را تیار رکھتی ہے اگرچہ وہی
مفردات وہی مربعات وہی کلمات وہی تمثیلیں وہی مقام استعمال وہی شلین وہی مقولے ہیں
جو لغات میں مستعمل ہیں لیکن خصوصیات انسانی کا بتانا نہایت مشکل و زنگنه لانیجل رہی یہ سلم ہو کہ
غنت کا موضوع لفظ مفرد و مفردات کی اصل مادے کی جستجو مشترک لفظی یا معنوی حقیقت یا بجاز کا ہستاء اسکے عوارض لغاتی
اور محبت میں بیان اسکے موضوع کو مختلف خلطوں سے مخلوہ ہو کر ہر خاص و عام کی زبان پر آتا ہے اس طور پر
مخلوہ لھنا کہ خاص زبان اور اسکے الفاظ اور مشاطات انہی بطنانگہانی سے الگ ہو کر ممتاز زمین
یا بحث کے مقامات ان عوارض سے الگ ہوں جو عوارض ذاتی یا نوع عوارض ذاتی سے جدا
اور ان عوارض غیریہ میں داخل یا اس کے عین میں کوئی آسان امر نہیں کہیں کبھی اس مگوم موضوعیت کے
علاوہ خاص خاص وہ پہلو بھی سمجھ جاتا ہے کہ جو خاص ایک زبان سے متعلق اور دوسری
زبان کے موضوع یا عنوان موضوع کے خلاف ہوتے ہیں مثلاً بعض نکلے جو ہیئت ترکیبی کی
وجہ سے مفردات کے کل میں اور مفردات اسکے جز میں۔ بظاہر ہر موضوع کی نوعیت اور ہیئت
سے الگ اور جدا ہوتے ہیں جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ کیوں یہ محمل بحث اور موضوعیت میں داخل ہیں

سلسلہ گزین

وہ جو جس کے معنی سہل ہو گئے کے ساتھ ادا کے مطلب میں مناسبات افغانا کی رعایت ہو جیسے
فسانہ عجائب کی اس عبارت میں نشر۔ اس سال نیا ساز و سامان سنبھولی شب برات بھارت
دست و درمیان ہری باغبان ازل دھینڈہ تیرن نکائے کا بوڑھا جہین بکھائے گا انیم بحر غنچوں کی کا ٹھہر
نڑنے کی عبور و کلال رُہ سے گھوٹنے لگی تختہ تارہ چرخان کا ڈھنگ دکھاتا ہونہ دان سین خوارہ
پیکاری کا رنگ دکھاتا ہونہ سونگ سبز چمک کا فرش عیا ہر شاو اب کوہ و سحر ہر چٹا چٹا ہان زرد کا
یت و تیار ہونہ کا قندہ درجہ بہانہ اوزیدہ درخوین کبک درینا قہقہہ پانچ بین بلبل کا ناز ہے

صحن گزار میں سبزے کے سبز نکالا ہو جس قلم تراش میں شاخ کا دستہ ہے قوت نامیہ کے فیض سے یک قلم گلہ ستہ ہو اس گلشن ایجاد میں کیا نمونہ قدرت پروردگار ہی کہ دست و گریبان خزان و بہار ہی اگر شاخ سے کوئی بی بی مرجھا کر ٹوٹتی ہو تو برابر سبز کو پل بچھوٹتی ہے گل کی ہنسی پر گریہ شبنم ہی کہ مہلت یہاں بہت کم ہی بشر کو لازم ہی کہ فرصت کو غنیمت جان کر ان خیالوں سے درگزرے جو امر ضروری ہو اسکو کر گذرے لہذا صدر نشینان بزم طرب و سرور انجمن آبا یان جلسہ شادی و سوری کی خدمت میں امید دار ہوں کہ ازراہ دوستانہ بے غدر و بہا رونق بخش جلسہ احباب ہوں خاکسار رہیں منت ہوگا۔

ہندوستان کی اصطلاح میں ایسے لوگوں کو کہ گفتگو میں مناسبات کا استعمال بالالتزام کرتے ہیں جگت بازار و ضلع پونے والا کہتے ہیں کوئی کلام اُن کا خالی تجنیس اور مراعات نظر اور ایہام سے نہیں ہوتا ایسے شخص کو فارسی میں بذلہ شیخ اور لطیفہ گو بولتے ہیں۔
مولوی غلام امام شہید کے اس رقعہ میں شطرنج کا تلامزہ ہے۔

در شہسوار میدان صفوت و صفائیت اذرائے بساط محبت و دلا سلامت بندہ حرارت قلب کے عارضے سے توجیران اور ششدر رہتا ہی تھا اب ضعف دماغ کی بیماری نے اور بھی عاجز اور زچ کر دیا ہے ہر دم ہی سوچ اور منصوبہ آتا تھا کہ کدھر جاؤں اور کون ایسی جال چلون کہ یہ عارضہ بڑھنے نہ پائے بارے ان دنوں حکیم شاہ رخ مرزا صاحب اس شہر میں وارد ہوئے تعریف اُن کی اور سادگی مزاج کی بہت سنی جاتی تھی کہ اُنکے نزدیک بادشاہ اور وزیر اور فقیر مسکین اور امیر نیل نشین و دنوں برابر میں مریضوں کی خبر گیری کے واسطے صبح سے پہر رات گئے تک بارہ دری میں شطرنجی بچھائے بیٹھے رہتے ہیں یوں تو حیات ممات پر کسی کا اختیار نہیں ہے اور نہ ہر مہرہ اور شربت انا را در خطی خبازی کون طبیب نہیں جانتا لیکن دست شفا بھی رکھتے ہیں اور عطاروں کو بیماروں کا مال مار لیتے اور اپنی منفعت اور خود و برد کے واسطے گران چیز بیچنے کی اجازت نہیں دیتے اس واسطے چاہتا ہوں کہ اُن کی خدمت میں رجوع لاؤں لیکن مکان اُن کا فاصلے پر ہے پیادہ پا نہیں جاسکتا اگر کسی طرح کا جرح نہ تو صبح کو گھوڑا خواہ بالکی بھی یا تیجے اور جو کچھ شامل ہو تو یا رشا طر ہوں نہ بار خاطر بہت نہیں ہارا ہوں یوں بھی جاسکتا ہوں نہیں تو لالہ اندر رجیت چودھری یا مظفر زین دالے کی گاڑی کرایہ کو شگایا کروں گا۔
ایضاً قنارت کے تلامزہ میں۔

حافظ صاحب کرم فرما میرے زیادہ ہوں الطاف آپ کے بعد شوق ملاقات مسرت آیات کے کہہ سکی تمنائیں موعے آتش دیدہ کی طرح پڑ مردہ رہتا ہوں گذر ش یہ ہے کہ آج خدمت میں حاضر ہونے کا غم با بخرم تھا لیکن واقعہ عجیب یہ پیش آیا کہ قاری محمد حسن صاحب کے انتقال سے جلد کا جلسہ درہم برہم اور سارا بدر سے زیادہ زبرد ہو گیا اسی سبب سے متوقف ہو کر صحیفہ معذرت ارسال کیا چاہتا تھا کہ حافظ محمد شاہ صاحب ایک جلد کلام مجید لکھنؤ کے چھاپے کی آپ کے پاس سے لائے سبحان اللہ جیسا کہ کلام اللہ میں چاہتا تھا ویسا ہی میسر ہوا اگرچہ حافظ محمد حسین صاحب بمبئی کے چھاپے کی تعریف بہت مد اور شد کے ساتھ کرتے تھے لیکن اُس کے خط کو اس کے خط کے ساتھ مطلقاً مناسب نہیں ہے اب مجھے وقف کرنا چند جلدوں کا منظور ہے سوداگر کا اگر چند روز بھڑا دھو تو ویسا مطلع فرمائیے الہی طبع عالی ہمیشہ مصحف کی تلاوت کی طرف مائل اور دست آور و گردن مقصود کے ساتھ حامل رہے۔

ادقیق رنگین

یعنی عبارات کے معنی شکل ہونے کے باوجود اداسے مطلب میں مناسبت الفاظ کی رعایت بھی ہو جیسے تذکرۃ الشعرا کی اس عبارت میں شرف ذوق غلص طوطی شکرستان شیرین زبانی بلبُل حمین زار رنگین بیانی صیر فی نقود کمال دستہ بند رنگینی مقال بانی بناے فصاحت نیز اب گاشن بلاغت فارس مضمار سخن دوری شمسوار عرصہ معنی پروری مسند نشین ایوان دانش دا کا ہی استاد حضرت اہل الہی شیخ ابراہیم مخاطب بہ خاقانی بند سایہ تربیت ظل سبحانی میں شب جوانی کو صبح پیری تک پہنچایا اور رضا سے مرشد قاق میں اپنے ہواسے خسانی کو یک تلم شا دیا۔

ایضاً بلندی مرتبہ کو باس خاکساری میں ایسا چھپا تھا جیسے گرد میں آسمان رعونت تو نگری کو لکھ کو ب فقر میں ایسا دبا تھا جیسے زمین کے نیچے کنج شایگانِ اکظم کا پائون قلعہ کوہ پر نہ پڑتا بج کوہ گرانی بہار سے بہشت کا دوز میں پرتکیہ کرنی اور اگر علم کی نیکہ باریک بینی کی طرف توجہ ہوئی کثرت میں منہی حدت کو صورت کثرت سے روشن تر شاہدہ کرنی۔

ایضاً ایک جانب ہجوم امراض گوناگون اور فراط حواض کو قلموں نے عافیت مزاج پر الساعصہ کو دیا کہ دائرہ صحت نقطۂ مومہ کے حوصلے سے ہم آغوش ہو گیا تفرج کلر شباب کے آغاز سے یہ منہا مت بخت تک جو توت سے ہم تنیدت فائز پیش آتے رہتے اور نقطۂ بھی شباب نشوونما کے انتہا پر پہنچتے ہیں تو ہم مایہ ناز قسمت باردار کھتی ہیں کہ پائے ثبات کو دامن فراغ خاطر میں

تردد سے باز رکھے اور خامہ و دوات کی دستیاری سے ذخائر طبیعت کو کبھی نشترانی کے زہر اصلاح سے
مٹوین کرے اور کبھی گنجینہ کتاب میں مخزون۔ روزگار کی اس قدر نامساعدی سے زمانہ حال میں
شکستگان مواضع و در دست اور استفعال میں متوقعان نقود ہستی کے حق میں زبان عظیم متصور تھا۔
ایضاً ادب اور تواضع ایک جامہ ہوا اسکے تامت احوال پر راست اور خلق و مروت کا ایک
ذخیرہ ہے اسکے گنجینہ الطبع میں بے کم و کاست ضمیر صافی اور فروغ مشرق اور آفتاب شوخی فکر اور طبع
لمعہ برق اور سحاب۔

انہ سزا یسا سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض صاحب طبع نظم یا نثر میں جس خوبی کے ساتھ مدح
کھتے ہیں اُس طرح جو نہیں کچھ سکتے۔ یا جس عمدگی کے ساتھ جو کھتے ہیں اُس طرح مدح نہیں کچھ سکتے یا جس شکست
سے مرثیے تحریر کرتے ہیں اُس طرح تنبیت کے مضمون نہیں تحریر کر سکتے یا جو در ان کی تہنیتوں میں ہوتا ہے
وہ زور مرثیوں میں نہیں ہوتا اور جو لوگ خیالی مضامین لکھنے کے عادی ہوتے ہیں وہ واقعات کو اُس
خوبی سے ادا نہیں کر سکتے جس خوبی سے فرضی قصے کہانیاں لکھ دیتے ہیں کیونکہ حکایتوں اور تفصیلات
میں اپنی طبیعت کے لگاؤ کے موافق جو مناسب معلوم ہوا لکھا بخلاف واقعات کے کہ وہ ایک بحر
ناپیدا کنار ہے اُس میں معانی کا تجد و حوادث ایام کے تجد و پر منحصر ہے اور اس کا تجد و تجد و انفاص پر
مقید رہے۔

صحراے اول غیوب کلام میں

خیر البلاغت میں لکھا ہے کہ نظم و نثر میں دو قسم کے غیوب ہوتے ہیں۔
ایک ذاتی اور وہ سات چیزیں ہیں (۱) تناظر کلمات (۲) ضعف تالیف (۳)
تعقید لفظی و معنوی (۴) غرابت الفاظ (۵) مخالفت قیاس و عری (۶) افعال (۷) اخلاص
دوسرے عارضی یہ ہے کہ اُس سے حسن کلام میں تو خلل واقع نہ ہو مگر بذلہ سخن کی طہارت
گران گذرے اور وہ ناپسندیدہ سمجھیں مثلاً (۱) مخاطب کسی مرض میں مبتلا ہو تو اُس قسم کے
الفاظ نہ لائے مثلاً ممدوح کا نا ہو تو اُس کے سامنے یہ نہ کہے کہ ایک نگاہ سے آپ کی میرا بیڑا پار ہے
یا بدو نیک کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہو (۲) مخاطب میں اگر کوئی بے عادت موجود ہو مثلاً بد خو ہو تو کوئی ایسا
نہ لکھے جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہوتا ہو (۳) مدح کے مقام میں کوئی ایسا لفظ نہ لکھے کہ وہ
بزرے اور اچھے معنی میں مشترک ہو یا تصحیف یا بیہام یا تقطیع یا تحلیل یا ترکیب کے ساتھ مذمت کا
مضمون اُس سے نکلتا ہو (۴) عورت سے خطاب کرے تو ایسے لفظ سے بچے جو حجاب کا باعث

جیسے بوسہ۔ مساس۔ شاخ۔ درشاخ۔ انزال وغیرہ الفاظ سے احتراز کرے ہاں خوش طبعی اور دل لگی کے موقع کی اور بات ہے (۵) تنہیت اور شادی کے موقع پر ایسا غفلت نہ لائے جو نحوست اور شومی پر دلالت کرتا ہو۔

اساتذہ نے چند امور کے استعمال سے جو فصاحت و بلاغت میں بڑھ لگاتے ہیں منع کیا ہے ان سے احتراز چاہیے کہ میں برسمیل و جو ب کے کہیں برسمیل جواز کے اور وہ یہ ہیں۔
ایک ضعف تالیف یعنی محاورے کے خلاف الفاظ کا استعمال کرنا یا ضمایر و حرف ربط کو ایسی تقدیم و تاخیر سے لانا کہ کلام روزمرہ اہل زبان کے خلاف ہو جائے جیسے یہ شعر۔

آدمی اب نہیں جہان میں تیرا
مخاورہ یوں ہے کہ اس کا روان سے بھی لوگ اٹھ گئے۔

جرات

چودہ میں طبع چارہ معصوم سے قائم
مخاورہ یوں ہے کہ چودہ طبع چارہ معصوم سے قائم ہیں۔

رجب علی سرور

انیک و بد زمانہ نہیں اختیار میں
مخاورہ یہ ہے کہ ہوتا وہی ہو جو سر نوشت ہو لفظ ہے کو بہت دور جا کر بیان کیا۔

آتش

کیا کیا گلون نے کان میں اپنے کھڑے کیے
میں کھڑے کیے کے بعد چاہیے تھا اور اپنے کا کان سے پہلے ذکر ہونا چاہیے تھا۔

اسیر

ایکے نالوان کے علم ہم بھی ضرور آئیے
گو کہ محفل و مجلس مترادف ہیں لیکن محاورے میں محرم کی مجلس ہر نہ محرم کی محفل۔

اخلاص

یاد چہرے کی زبان صبح و سہا کرتی ہے
تیری آنکھوں میں کتنے سے مطلب بدل گیا ایسے یوں کتنا چاہیے آنکھوں میں تیری تصویر۔

نسخ

یون نرکت سے گران ہو سترہ چشم یار کو
جس طرح ہوات بھاری مردم بہار کو
یہاں بیمار پر ہو نو ٹھیک رہی۔

ولہ

جو شکر میں کبھی ہٹھو لے بھلتے نہیں
سبز ہونے کھیت دیکھا ہر کسین شمشیر کا
محاورے میں تلوار کا کھیت کہنے میں شمشیر کا کھیت نہیں ہے۔

نواب شاہ جہان سلیم شیرین خلص

قلقل کی جوشیے سے صد کان میں ٹی
شیرین ہی بھی دختر انگور کی آواز
محاورے میں دختر ز اور دختر تاک ہی شراب و ر خوشہ انگور کے معنی میں۔

آذوق

آٹھ اٹھائے ہوئے جاتا ہی کمان تو کہتے
ہر ترانقش قدم چشم نمائی کرتا
بچھے دوسرے مصرع کا حق ہی ملخص علی بن سی طرح لکھا ہے۔

آتش

آرزو ہے پاؤں پر اُس کے ہمارا سر ہوا اور
دست شفقت پھرے وہ شوکت نشان بالا
اور دوسرے مصرع کا حق ہی کیونکہ حرف معطوف پرا تا ہی نہ معطوف علیہ پر۔

غالب

گلہ ہر شوق کو بھی دل میں شگی جا کا
دل اُس کو پہلے ہی ناز و ادا سے دے بیٹھے
اگر میں محو ہوا اضطراب و ریا کا
ہمیں دماغ کمان حسن کے تقاضا کا
یہاں تقاضے کی جگہ تقاضا کا بالکل بے قاعدہ اور محض بضرورت قافیہ استعمال کیا گیا ہے۔

نسخ

معنی عنبر لون کے وہ صفا ہے
آئینہ قدرت خدا ہے
مصرع اول میں تہ کی جگہ میں چاہیے کیونکہ بیتام اردو دان معنی کو جمع کے طور پر بولتے ہیں۔

نسخ

آتش کش دم کی بار آستین کا کام کرتی ہے
دل بیتاب کو پہلو میں اک گرگ بغل رہا یا
بغلی گھولنا اردو کا محاورہ ہے بار آستین فارسی محاورہ ہے گرگ بغل محاورے کے خلاف ہے۔

ولہ

لکھے ہیں سرگذشت دیکھے مضمون یکہ قلم آئین
تماشا قتل گاہ ہر مطلع میرے دیوان کا
مطلع یہاں ہے محاورہ ہے۔

ولہ

نہیں غم تیغ ابرو سے صنم سے قتل ہونیکا
شہادت بھی بمنزل فتح کے ہر مرد غازی کو
محاورہ بمنزلے ہے۔

ولہ

اعمد طفلی میں بھی تھا میں لیکر سودا کی مزاج
بیریاں منت کی بھی نہیں تو میں بھاریاں
محاورے میں بھاری بیریاں ہو۔ دربار اکبری میں میان فہم کے حالات میں لکھا ہر کما میں خان خانان
لٹائیں میان فہم اور یہ محاورے کے خلاف ہر محاورہ یہ ہو۔ اڑائیں میان فہم آڑو نے خود بھی دوسرے
مقاموں میں کمانے کے ساتھ آڑو نے کوچ کیلئے چنانچہ کہتے ہیں۔ ۵

لے جایگا غشا کہ جو کچھ باجہ آئے گا
دیکھو کما یا کسے ہر اور کوں اڑائے گا

ولہ

تھا کوئی دوش پر خور حین اٹھائے اٹھا
اور قبل میں کوئی بیگ پناد بائے اٹا
خور حین جسکو اہل سند خورجی کہتے ہیں ایک چیز جسکو ٹاٹ وغیرہ سے بنائے ہیں اور سامان اس میں
رکھ کر ٹھوہر لادتے ہیں اسلئے یہاں صندوق ایسی جگہ مناسب کیونکہ آدمی دوش پر خور حین نہیں اٹھائے
صندوق اٹھاتے ہیں۔

باترکیب کلام میں کسی لفظ مناسب مقام کا ترک کرنا جیسا کہ۔

اشرف

ابرو عقرب میں تو میں آئیے اژدر گیسو
اژدر مارے نہیں چھوٹے ہیں فہونکر گیسو

سبب میں ابرو کا عقرب ہونا اور گیسو کا اژدر ہونا بیان کیا ہوا اور سبب میں ابرو کا ذکر چھوٹ گیا
ہے حالانکہ مناسب مقام یہ تھا کہ ابرو اور گیسو دونوں کے نہ چھوٹنے کا حال مذکور ہوتا۔

دوسرے توالی اضافت یعنی پے درپے چند اضافتیں لانا اگر یہ اُس وقت
عیب ہے جبکہ برا معلوم ہوا در ثقات پس اگر اسے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ ایک مزیدار
چیز ہے۔

شاداب

دود بالائے چراغ نہ کامل رہیں | یا نمایان ہوں ترے رخ پہ ہر دو گیسو

انیس

میں ہوں سردارِ شباب چمنِ خلیہ برین | میں ہوں خالق کی قسم دوست محمد کا مین

دبیر

دیکھو دو مصرع خطِ پشت لبِ خوش آب | گویا ہین یہ کہ مطلع ابرو میں انتخاب

ولہ

بازو پہ بچے جوشِ الماس ضیا بار | اور اکہ دُر بخف حیدرِ کرار

انیس

قربانِ صنعتِ قلمِ آفریدگار | غنی ہر ورق پہ صنعتِ ترصیع کردگار

منیر

سجودِ نشانِ سیم ہادیان | رکوعِ نقوشِ تعالیٰ مراکب

نواب جہانگیر محمد خان شوہر سکندر زبیم والیہ بھوپال

ہو گا میرا خورشیدِ دن میں جو بیان | مقتولِ اُلفتِ خلفِ بو تراب تھا

انشا

آہ کل دل کو ہوا درو کہ رکھا ہم کو | جنبشِ چینِ چینِ بیتِ چین کے چین

ولہ

اتاج گاہ کیجے گا اور مجھ پر آب | صد تیر ناوک نگہ زرف توڑیے

دم پرچہ کے کیجے صیفۃ اُلفت تو ایک بار | صد نقل علت کتبِ صرغ توڑیے

ظفر

پایانہ بجز داغ سیہ کاری یک عمر | نقشِ قدمِ قافلہٗ عمر روانِ بیج

دل جب اسکی نگہ نسبت کا مخور ہوا | راجہ شکر ناتھ صاحب

بجراغِ کعبہٗ دین شہسوارِ دشتِ رسول | سرخوشِ کیفیتِ بادہ انگور ہوا

امیر امام سبھ خاصان ایزد قدوس

تیسرے ابتدائ یعنی ذیل و خوار و بے قدر الفاظ کا استعمال کرنا اور محاورہ عوام لانا جس سے خواص پر مین کرین جیسے شبرات کی رات اور چاہ زمزم کا کنوان اور آبجیات کا پانی اور من ابتدا سے فلان تاریخ سے لغایت فلان تاریخ تک اور پس غیبت تاریخ قیصری مولفہ مرزا محمد اکبر علی خان دہلوی کی عبارت ہے شتر چنانچہ یہ تعمیل اس حکم کے من ابتدا سے ۲۸ نومبر لغایت ۲۲ دسمبر نہ مذکور تک لے۔

منہ اور چھپیں تاریخ سے لغایت ۳ تاریخ تک لارڈ صاحب بہادر نے رؤساء صاحبان ممدوح الصدر سے ملاقاتیں فرمالیں۔

سودا

کتنے ہین نیکم جے تھانی الحقیقت میں وہ لعل ہو گیا ہر شک سے بچد ب کے رنگ اس کا کبود

نعم

رکھ کے سراپے کے تین اسکے کف پا پر شام سے تا صبح تک نکھیں ملا کیجیے یہاں تک یعنی ذرا کا موقع نہیں ہے اسلئے تک یعنی تا پڑھنا چاہئے۔

پیش

کہ تو بیٹھ جا کر منڈانی جگھے بلاؤن گی مین گھر مین جا کے نکھے جگھے عامیانہ محاورہ ہے۔

سودا

بکانے کی سنیں اسکے کوئی بات نصیبون سے گرا جائے شبرات شبرات نہایت مبذل لفظ ہر صحیح شبرات ہے۔

امیس

جو خوبیان کہ جاہلین وہ سب حصول ہیں حصول عامیانہ محاورہ ہر حاصل چاہیے جیسا کہ مولوی شبلی نے کتاب موازنہ میں تصریح کی ہے۔

میر

یہ عرضیان محصور کی ہو گئے ہیں صبح و شام دستخط ہو کے آئے کوئی سو اسی کے نام دستخط نہایت عامیانہ و مبذل محاورہ ہر دستخط صحیح ہے۔

ولہ

مست ان نمازیوں کو خانہ ساز دین جانو کہ ایک نیٹ کی خاطر یہ ڈھانچے میں گھس گھس گھس

سجد کی جگہ گھس گھس گھس اور نہایت غامیانہ محاورہ ہے۔
چوتھے کفر یعنی الفاظ کو بصورت دیگر استعمال کرنا جیسے المضاف بجائے المضاف علیہ ہے۔

آتش

زہر پر ہنس ہو گیا مجھ کو درد در مان سے المضاف ہوا

مثنوی زائر

دیدن کا مضاف اُس کا تکرار بالفضل امین مجھ کو جا نو

میر خلیق

لیلاٹ پڑھی اور اسے دور دے لایا

صحیح لیلاٹ ہے (مستفاد از بحیات)۔

میر شیر

اومار سیاہ زلف سچ کہ بتلا دے دل جہان چھپا ہو

کسٹلی تلمیذ کچھ نہ ہو دے کاٹا نہ ہنسی ترا برا ہو

صحیح افنی ہے چنانچہ اس قول میں آتش کے۔

سیاہی دور کردگی تو پیدا نور عرفان ہو سرفنی کو کچلا جسے مال سکا خزانہ ہو

میر تقی

غم زمانہ سے فارغ دین مایہ بانگکان قمار خانہ آفاق بین ہمارے جیت

ہزار شانہ دوسو اک غلہ شیخ کرے ہمارے خدیوین تو ہر وہ خبیث ملت

آپ حیات سے مستفاد ہوتا ہے کہ اصل میں بلید ہے میر سے کافیک کی رویت سے بلیدیت۔
استعمال کیا ہے اگرچہ بلید اور بلیدیت میں باہر تبادلہ مان سکتے ہیں جیسا کہ فرہنگ خدا را
سے مستفاد ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ فارسی کا استعمال شریعت میں بھی درست ہے اور اسے غیبات
سے کہا ہے کہ جو لوگ بلیدیت میں الہامی بات سے غور فی تحقیق اور توجہ سے رہیں یہ الہامی خلائق
یہ غلط ہیں جس کے کسی شریعت گو کے بیان و امیر از توحی کے غور و توجہ سے نہ ہو۔

بھی کہا ہے۔

ناسخ

غور ادج دوروزہ عبث ہر ٹھکواے اسفل | مین مثل ماہ گردون ہون تو مثل ماہ مغنح ہے

مغنح مین یم مضموم اور قاف مفتوح اور نون مشد مفتوح چاہیے کیونکہ دراصل اسی طرح ہے
جیسا کہ تمام کتب تخت اور تواریخ سے ثابت ہے اور وجہ تسمیہ اسکی ابو الفدا نے یوں لکھی ہے کہ کان لایسفر
وجہ اتخذه و تھامن فی ہب مغنح یہ ولذلک قبل اللقنح یعنی مغنح اپنا منہ نہیں کھولتا تھا بلکہ اسنے ایک ٹھکے سوئے کا بنوایا
تھا جس سے اپنے ٹھکے کو چھپائے رہتا تھا اسی لیے اسے مغنح کہتے تھے۔

ظفر

پیدا کیا وہ اسنے بشر عوج بن عنق | پیل جسکی ساق پا سے بنا رو دنیل کا

عوج بن عنق غلط ہے عوج بن عوق چاہیے اور یہ ایک طویل القامت آدمی کا نام ہے جسکی
کمر تک طوفان نوح کا پانی پہنچا تھا یہ شخص آدم علیہ السلام کے عہد سے حضرت موسیٰ کے عہد
تک ساڑھے تین ہزار سال تک زندہ رہا تھا۔

یا نحوین افعال متنافر حروف یعنی واقع ہونا ایک سے حروف کا آخر کلمہ اول و مادل
کلمہ آخر مین یا ایسے حروف کا استعمال کرنا جنکے پڑھنے میں دشواری ہو اور زبان پر ثقل پیدا کر دین
اور یہ بات متعلق ندق طبیعت کے ہے جیسے شیخ خورم بالغ علم لحاق قبر۔

میر

اتناداں پر بھی نہ چھو دامن خون کا | گویا ہی نہ کی دلبرون کے لئے ادب مین

ولم

برہنہ پر پیش دیدہ ترہ کا سہاوا | جیسے مصاحب برکی ہوتی ہو کوئی باوا

پہلے شعر مین دامن خون کا ورزد سرے شعر مین مصاحب برکی طبع سلیم کو ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔

عشرت

انین عارفان خون زبان ہون | مین میرے بال پر اوراق قانون

امیس

اشتون کو اپنے فوج مدد دینے کی | جیٹل تین برف قرضہ کرندے کی

بعض وکرانے کو یہ نیکوئی ہے کہ درون اقصیٰ کے متعلق یا ایک شخص کے سرور کے استعمال سے

کلام ثقیل ہو جاتا ہے محض بے اصل ہر بان اس میں شک نہیں کہ بعض اوقات یہ بھی بات
تسفر ہوتا ہے نہ ہر جگہ اور متناظر حروف کچھ ثقل کلام ہی پر منحصر نہیں۔ ضابطہ بیان یہ ہے کہ جس کو
طبع سلیم اس موقع پر گوارا نہ کرے ثقیل اور متعسر النطق جائے وہی متناظر ہو خواہ وہ حروف قریب
المخرج ہوں یا بعید المخرج یا ثقیل۔ آتش کے اس شعر کے۔

نار ہوں ایسا کسی کو میں نظر آتا نہیں | عشق میں گل کر کر کا یار کے مو ہو گیا |

مصرع ثانی میں تجھ کا ف جمع بین مکرر متناظر پیدا نہیں ہوا۔
جملے غایت لفظی یعنی غیر مانوس اور نامشہور لفظ استعمال کرنا جیسے استعمال لفظ دکنی
اور پوربی اور بنگالی اور کوہی وغیرہ کا زبان اردو میں بالیے الفاظ لانا جسے بہت سے اہل زبان
ناواقف ہوں جیسے اکثر شعرا قصائد کے قافیوں میں لاتے ہیں اور یہ بات نصحا سے دہلی دیکھو
دونوں کے یہاں دیکھی گئی۔ انشا کے قصیدے اور مومن و ذوق وغیرہ کے قصائد اکثر ایسے
ہیں جن کے قافیوں میں شکل شکل الفاظ اور لغت غیر مانوس موجود ہیں مگر قصائد میں ایسے الفاظ کا
قافیے کی ضرورت سے لانا روا ہے۔

انشا

<p>بسان بید مرے بند بند جکڑے ہیں گئے تھی نیچ انج بیگ ہاتھ میں میرے کسی کی پنجو کسی فارسی میں گہ میں نے فساد فدا رشک سے مجھے نہ تھا پرہیز سوائے تیرے وے کب کسی کو سمجھتا ہوں جہک یہ وجہ میں محسوس ہوتا کہ خیال بروح جہد صفہ زنجی نہ کر محتاج</p>	<p>دور در دیہا تشک کہ ہوں بے شکل سطح سطاعہ میں سطرلاب کی گئے سطح قصیدہ عزلی میں کسی کی کی تمدن علیل ایسے ہوں میں بالکل خنجر صبح ٹھڈی ہوں نہیں تان سطح و سطح کرس ہے یوں کہ مفاصل میں منہ پر بہ جوہ جینی قیصوم و وجہ و جہد و جہد</p>
---	--

ولہ

<p>کہیے گئے غور بانواع صفات واسطے فائدہ کے سب یہ بنائے عین حر و حجاج حقائق سے گذر کون کے ہے موابہ شش کا طے تہہ احوال</p>	<p>خبر ہوں کہ ہے سائنسین و ق عائت و کشف و دید و ساعد و رخ و مرفق ہاں مگر فضل و تیرا ہو بجائے زور و ق تیرے ہی فضل سے نہ ہوں سدا سدا</p>
--	--

ساتویں نکاح تحت قیاس لغوی یعنی ذخیرہ اہل زبان کے خلاف یا قاعدہ صرف و نحو کے خلاف کوئی لفظ استعمال کرنا یہ کہی قسم ہے (۱) وصل یعنی زیادہ کر لینا کسی لفظ کا جیسے ہائے ہوز سودا کے اس شعر میں۔

بجو دور سے ترے بہرہ در ہون اہل بین	رہے رکوع بین تا قامت سپہر دو تہا
لسان رشتہ کردالون میں بچہ کے ہودے	تری دلا کو رہے اس طرح دلون میں باہ

اگرچہ خواجہ جمال الدین اور علی خراسانی کے فارسی اشعار میں بھی دو تہا آیا ہے مگر لغت کی رو سے ہائے زائد ہے اور عیب اُنکے کلام میں بھی مانا جاسے گا اگرچہ یہ کتاب زبان فارسی میں لکھے تو اس مقام میں انھیں کے شعر لاتے۔

سودا

جان عقل کا مال شور سردیو انگان	اردن آباد کی اور رحمت ویرانہ ہم
--------------------------------	---------------------------------

آباد کی کی کاف ذر سی زائد ہے اس لیے کہ ہائے مصدری اور ہائے نسبت کے قبل وہاں کاف فارسی لگاتے ہیں جہاں غلط کے اخیر میں ہائے مختلف ہو اور یہاں آباد کے اخیر میں ہائیں نیم دہلوی کے شعر میں خوشی بھی اس عام سے ہے۔

جس طرف دیکھتے دو میں پھر تھیں یہ	کیون نہ صبا د خوشی ہو حمیں آباد میں
----------------------------------	-------------------------------------

الکس

بہار گستان کی ہے آمد آمد	خوشی پھرتے ہیں باغبان کیسے کیسے
--------------------------	---------------------------------

دہر کا قول ہے کہ جب کاغذ و ادوات و قلم سامنے آیا + مولوی عبد الغفور لاساں انتخاب قصص میں لکھتے ہیں کہ ادوات میں نہ زائد ہے صاحب تصویر لا و ساخ کہتے ہیں کہ مصرع یوں ہے کہ جب سامنے قلم اس و ادوات و قلم آیا۔

نوب سید جعفر علی خان جعفر رئیس خراسانی نے اپنے مطول خط میں مجھ کو لکھا ہے کہ میں ایسے حرا بات کو پسند نہیں کرتا بہت پرانا مشیہ ہے اس وقت عموماً ادوات کہتے ہوں گے یہی مرزے مرحوم نے بھی نظم کیا اس کی دلیل یہ ہے کہ آئندہ کے مرثیوں میں ترک کر دیا ہے وہ ایک ہی دان میں دہر نہیں ہوتے بارہ برس کے تھے کہ اس وقت میں ضمیر مرحوم کا شمار ہوتا تھا جس کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مرثیہ لکھا گیا تھا کوئی سو برس نہیں گزری کلامہ سے اپنا کیر میں شلوٹ بھی رہے خانہ الشاعری بھی وگل بھی وان کھیر لکھے ہوں گے دین

اردو کا محاورہ گلاس بغیر پا کے ہے۔

بدر شکر قلندر صاحب دیوان

ہم کو تو بہت آرزو میں تھیں
اے قلندر یہ نظم صاحب داد
تم نے اک ہی نگہ میں ٹال دیا
تو نے تو لعل سا اگل دیا
اصل میں اگل دیا ہے۔

محشر

نکھن ہی نہیں دل میں ترسے راہ کی
مر جاؤ کوئی یا کوئی رہ جاؤ ترستا
ہر چند کہ ہو سنگ شکن آہ کسی کی
قاتل کو مرے کچھ نہیں پرواہ کسی کی
دی رنجیتہ کے شوق نے محشر تجھے تکلیف
میں ورنہ کمان لائے تھا باشد کسی کی

اصل میں پرواہ ہی ہائے ہوز زیادہ کر کے پرواہ استعمال کیا ہے۔
(۳۰) قطع یعنی کوئی حرف اصل کلمے سے خارج کر دینا جیسے۔

سوز

کیون شفق و مہربان کسی کے
مانو گے نہیں غرض یہ باتیں
ہم سے بھی اگر ملو تو کیسا ہو
نہم اپنی ہی ہٹ کے بادشاہ ہو

قلندر

ترا ہوتا ہوں بندہ اک نگہ میں
گدا ہوں اسکے کوچے کا قلندر
بجلا اس نول کو میں کیا بُرا ہوں
سچ ہی گر کمون میں بادشاہ ہوں

انیس

یہ اوج یہ مرتبہ ہما کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہم کو یہ دوست فقیر
یہ دلق مرثہ امرا و نہ ملے
برسون ڈھونڈے تو بادشاہ کو نہ ملے

ان تمام شعراء میں بادشاہ یا آزادی ہے اگرچہ اس آئندہ لوہے میں ساتھ فارسی نے بھی خدمت
کے ساتھ استعمال کیا ہے جیسے۔

اسعدی

زن نیک بدخوش سیرت و پارسا
مندم در دوش را بادشاہ

لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس لفظ سے حذف ہا کا حرف کرنا محل فصاحت ہی جیسا کہ مرزا قلیل نے
شجرۃ الامانی میں لکھا ہے کہ ”حذف ہا از لفظ سیاہ موجب درید فصاحت ست و از گواہ و گیاہ و بادشاہ
محل فصاحت باشد“ اور یہی ایران کے فاضل رضا قلی خان ہدایت نے انجمن آرا سے
ناصری میں کہا ہے اگر سعدی کا بادشاہ کو بغیر ہا کے استعمال کر لینا مخالفت قیاس لغوی کے
عیب سے پاک کرنے کے لیے کافی ہوتا تو انکا دل کو گل کا قافیہ کر لینا بھی عیب میں شمار نہ پاتا
جس کو میر تقی میر نے حقائق البلاغۃ میں عیوب میں شمار کیا ہے۔

سیاہ در ایام او بردے | انگویم کہ خارے کہ برگ گلے

میر تقی

واغ ہو تا بان علیہ الرحمہ کا چھاتی یہ میرا | ہو نجات اسکو بچارہ جسے بھی تھا شننا

در اصل بچارہ تھایاے تختانی حذف کر کے بچارہ استعمال کیا ہے۔

عبرت مولف مثنوی پیراوت

دلیکن جنے دان خسرو دکلہا میں | بسان عاشقان اہل وفا میں

کلان کا لون گرا دیا ہے۔

سودا

سن کردہ یہ کہے کہ نہیں ریختہ میرا | اور ریختہ بھی ہو تو فرزشہ کی لاٹ کا

فیروز کو فرنا استعمال کیا ہی اسے تختانی اور داؤ کو قطع کر دیا ہے۔

(۳) تخفیف اپنے حرف شد کو بے تشدید کے استعمال کرنا جیسے جج و رب وغیرہ مرزا دہر
کہتے ہیں ع۔

بچپن میں جج کعبہ کیا شبہ نے پیادہ

جج مشہد ہے اور بیان بے تشدید کے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ مولوی عبدالغفور خان لٹاخ
نے اپنے رسالے میں لکھا ہے۔

رسالہ عبدالواسع میں مذکور ہے کہ اگر لفظ عربی مشہد والا فرنا استعمال ہو تو اسکو تخفیف کے ساتھ
پڑھنا چاہیے جیسے غم و ہم یعنی اندوہ و قد و عمد و غیرہ لیکن ترکیب کی صورت میں اصل کہنے کی رعایت
کرنا اور تشدید ظاہر کرنا اس کے ہر شبہ جج کعبہ۔

پس تشدید لفظ لٹاخ اور سنان و فرارش کے جواباً استغنیق کے خلاف ہیں کیونکہ مرزا ناصر

یا کسی اور شاعر فارسی کا حج مبرور یا حج دعوہ و تخفیف لکھنا مخافت قیاس لغوی سے اسکو نکال
 نہیں سکتا کیونکہ مرزا دیر کے کلام میں جس طرح زبان اردو کے اعتبار سے عیب ہے اسی طرح
 جب فارسی میں عیب گنوائیں گے تو ایسے شعر کا کلام ہی تو پیش کرینگے بعضا بل تحقیق کہتے ہیں کہ دیر
 کا قول یوں ہے سے پچپش حج کعبہ کے شہ کے پیادہ لیکن تخفیف کا اعتراض اب بھی باقی
 ہے رقطیع یوں ہے (پچپش مفعول حج کعبہ مفاعیل کے شہ ن مفاعیل پیادہ فعلن +
 پس حج کعبہ کا حا اور جیم مقابل مین یم اور فا کے اور ظاہر ہے کہ فاعل مخفک ہو نہ مشد
 انیس کا قول سے کرار ہے وہ شخص نہ غیر فرار ہے + فرار بہ تشدید راجا ہے مستفاد از مواضع

الاش

رنگ زرد و لب خشک مژگ گرد آلود
 کشتہ کیش مین یم ہے یہ کفارہ اپنا

کفارہ اصل مین تشدید فاعل کے ساتھ ہے۔

میر سی علی غمگین

بتا ساقی کفارہ کیا تو کیش می پرتی مینا
 قسم پیر مغان کی جھوٹ کھا بیٹھا پرتی مینا

فارسی مین میزخری نے بھی تخفیف فاعل کے ساتھ باندھا ہے اور وہ فارسی کے اعتبار سے عیب ہے

مستوحی

مری آہ نے جو تھوڑی بیوقوف برق آد
 وہ مین برق درعد لیکر علم سحاب آٹا

آب حیات مین اسی طرح لکھا ہے بیوقوف اصل لغت مین یاے تحتانی کی تشدید سے ہے

جیسا کہ غیاث اللغات مین منتخب اللغات کے حوالے سے لکھا ہے کہ بیوقوف تشدید یاے تحتانی مضموم

کے ساتھ ایک ستارے کا نام ہے جس کا رنگ سرخ و روشن ہے اور وہ کمکشان کی

سیدھی طرف سے شریات سے پیچھے نکلتا ہے اور اس کے آگے ہوتا ہے۔
 (۱۴) تشدید مین لغت غمگین کے تشدید کے ساتھ لانا چاہیے۔

سودر

یشہ نواب عطیہ ان فروز در جنت بان
 سوزن جیکہ پیر زنگہ کو پاک

میر حسن

راگہ وہ ہے فکر و غیر سبست
 آیت پیرا شریب کی منظر سے

غیر زغور سے وہ نہ پرتو ناز و ناز مین سبست کی تشدید سے ساتھ مفعول

آیا ہی۔ حالی اور میر نے درست لکھا ہے۔

حالی

خاک ہوں اور عرش پر ہو دماغ
نخ سے برتر ہے میری طبع غیور

عاشق خیور جی دے اور اس طرف نہ کیجئے
وہ انگھر جو چپا دے تو تو بھی ہر کھچا رہ

(۵) تصریحے الف ممدودہ کو مقصور کر کے لانا چاہیے۔

سودا

کہا اُس سے کہ بھر کے افتابا
صحن کے جاضر درین رکھو اچھا
آفتاب اصل میں بالمد ہے۔

نغم

اٹھ پیر اضطرابی دل ہے
دل ہے یارب کہ مرغ بسل ہے
اٹھ اصل میں الف ممدودہ کے ساتھ ہے۔

(۶) مد یعنی حرف مقصور کو ممدود پڑھنا جیسے آناج اور ابرہ۔ الشخ نے طوار را غلامین سے
یہ شعر لکھا ہے۔

دل ملک انگریز میں چینے سے تنگ
رہنا بدن میں روح کا قید فرنگ
اور انگریز کو قاع لات کے دزن پر لکھا ہے پس مثال مد کی ہر اسی قبیل سے یہ شعر۔

منیر

اکمال فارسی و انگریزی و اردو
روض و قافیہ و فن شعر سے ماہر

منشی امیر احمد مینائی امیر اللغات میں لکھتے ہیں کہ ناسخ کے شعر میں انگریز فاعلان کے وزن پر
ہے مگر زبانوں پر بروزن مفعول ہے جیسے انشا کے شعر میں

انگریز کے اقبال کی ہے ایسی سی
آونختہ ہے جس میں فرانسیس کی ٹولی

(۷) تحریک یعنی حرف ساکن کو متحرک لانا چاہیے۔

سودا

بیتے کا دیوال بند ایک قرضدار تھا
اُس کے ادا کرنے میں سخت وہ ناچار تھا

قرض بسکون اسے مملہ ہو کر بیان اسے متحرک کہ ساتھ استعمال کیا ہے۔

ولم

ہر جگہ فیض سخن اسکی ہی مداحی کا
ذات پر جسکی مہر میں ہر کونہ عزوجل
کنہ ساکن الاوسط کو متحرک الاوسط موزون کیا ہے۔

پیش

خضم نیز اجمن ہے اور بے ہنر
نہیں شاستر سے اُسے کچھ خسر
خضم حرف اول کے فتح اور دوم کے سکون سے مالک اور صاحب کے معنی میں بھی آیا ہے اور
اس وجہ سے شوہر کو بھی کہتے ہیں۔

ویر

ہر سخت جگہ شرم بتول عذرا سے
عذرا اصل میں حرف دوم کے سکون سے ہر نہ فتح سے۔

میر انیس

دیکھا نہیں کیا صبر بتول عذرا کو

سید

ختم امین بی طالب بہ ہر بے شجاعت کے

ممتاز جہان ممتاز

بسم اللہ لکھ کے لغت کا اسپر کیا حبرا
بعد از غذا بزرگ نوی قصہ مختصر
مصر اصل میں صاد کے سکون سے ہے۔

شوی زائر

عاجت تسلیم کی نہیں ہے
جوان مجسم کو بھی یقین ہے
عجم عین کے ضمے اور جیم کے سکون سے کند زبان اور گونگے کے معنی میں ہو کر بیان عجم کی
تحریر سے آیا ہے۔

اعظم

منطقی اصرار ثبات و نفی میں رہ گئے
اُس دہن سے آگئی آواز عقدہ کھل گیا

نفی اصل میں افح نون و سکون فاست۔

شرط پنجم، کہ کار د نہ دکھاؤ اُسکو
دبیر کے پہلے قضا سے نڈراؤ اُسکو

اگرچہ گندمی رنگون کو پیسا اس جزیرے نے
انہ پائی ایکٹ ن بھی آرد گندم کی ارزائی
پہلے شعر میں کار د اور دوسرے شعر میں آرد کی را کو مفتوح باندھا ہے حالانکہ ساکن ہے۔
دبیر کے مصرع کی تقطیع یوں ہے شرط پنجم فاعلان تک کار د فاعلان تک دکاؤ فاعلان اُسکو فاعلان
ظاہر ہے کار د کی رے فاعلان کی تائے متحرک کے مقابل واقع ہوئی د تقطیع مصرع میں ان پائی ای مضامین
ک دن بی آ مضامین ر دے گندم مضامین ک آرزائی مضامین اس مصرع میں آرد کی رے مضامین
کی میم کے مقابل واقع ہوئی ای جو متحرک ہے۔

گلزار نسیم

اشترکئی جاتے تھے اُدھر سے
پر آرد دروغن و شرک سے
یہاں بھی آرد کی را متحرک ہے کیونکہ فاعول کے لام کے مقابل ہے جو متحرک ہے۔

عظیم

نادانی کامری نہودانا کرا حمال
اگو تم بقدر فکری سی کر حمل چلے
عبدالحمیدی ارادے سے کام کرنا بقتیجن بعض کی زبان پر جاری ہر وہ صحت سے عاری ہے
الشا

فختے سین ترے ہمنے بڑا لطف اٹھایا
ابو عمدا اور بھی تقصیر کریں گے
اصل لفظ بفتح اول د سکون دوم ہر اور شعراے فارسی آرد کے اشعار میں بھی سکون دوم سے آیا ہے۔

جلال اسیر

از طاقت من رنجش بے جا نہ برسی
شاید کہ گویم تو عمدا نہ برسی

ظہوری

درد نداری زہداوا چہ حظ
دم بکش از نالہ عمدا چہ حظ

تیسرے عمدا بھی کوئی مرتا ہے
جان بہے تو جہاں ہے پیار سے

شہیدی

کبھی عہدِ جاوید کا کردہ مجھے بات کرتا ہے
مزد دیتا ہے اسکا ہر سخن قندِ مکر کا

دبیر

یہ حق ہے یہ باطل ہے یہ بُت ہے یہ خدایا
اعجازِ انہ سے کوئی نوبہ بات جدا ہے
۷۸) اسکان یعنی حرفِ متحرک کو ساکن لانا جیسے قسم بسکون سین کھنا۔

ہوس

وہ بے غم و بے فوس و بے قلق +
امین خاکِ فتادہ و ہ حسلق +
قلوبِ مفتحتین چاہیے کیونکہ بیانِ مقرراری اور بے آرامی کی نفی مقصود ہے۔

شاہِ حاتم

دیکھ سر و چین ترے قد کون
نجل ہے پا بگل ہے بے برے

نجل دراصل حرفِ اول کے فتح اور جیم کے کسرے کے ساتھ چاہیے کیونکہ شرمندہ کے
یعنی میں انہیں حرکات کے ساتھ ہے اور سکون جیم کے ساتھ شرم و حیا رکھنے کے معنی میں ہے
جو بیان نہیں بنتا۔

پیش

سُرخِ سر و دمہ اُسے تابان کیا
آئمان اور ذرے کو نگران کیا
نگران میں کافِ فارسی دراصل متحرک ہے۔

اقتدر

آئمان ہینگے آنسو کہ آنکھوں سے نکلیں
لگے برسنے ٹکڑے اب دل کے کٹ کر
برسنے میں دراصل رائے مہملہ مفتوح ہے۔

مولوی صدر الدین خان آزرودہ

اُس شوخ سے مربوط بہت سہل سے ہوئے
اگر ہم بھی سبکِ حرکتِ نااہل سے ہوتے
حرکت دراصل رائے مہملہ کی تحریک سے ہے۔

تراپ

براگ کہتے تھے تدبیر اپنے لائق
خیر میں تھے سب حکماءِ عاقل
جانہن میں تھے علما کا فتنے سے ہے اور شاعر نے کان کو ساکن باندھا ہے۔

سودا

دلغ ہوں اُن سے اب زمانے میں
شاعر کی جمع شعرا عین کے قح سے ہے۔

ولہ

سب ولہجہ ترا سا ہیگا کب خوبان عالم میں
یہ غلط انعام ہے جگ میں کہ سب مصری کی زبان میں
غلط دراصل لام کے فتح سے ہے۔

میر

سب غلطی سی بازی طفلانہ کی یک
وہ یاد فراموش تھے ہلکونہ کیا پاؤ
غلط لام کی تحریک سے ہے۔

ولہ

اکیونکہ بیونچی ہے جن کو امرائی
سب وہ اولاد حساتم طائی
امیر کی جمع امرایم کی تحریک سے ہے۔

ممتاز جہان ممتاز

ابو لہ کر د نظر کرم یا مولا
خون برساتے ہیں یہ دیدہ غم یا مولا
نظر اصل میں بفتحتین ہے۔

میر تقی

ست مانیو کہ ہوگا یہ بید و اہل دین
گر آؤے شیخ بہن کے جامہ قرآن کا

قرآن بروزن عثمان کو زبان کے وزن پر بانہا ہے۔

تقطیع گراؤ مفعول شیخ بہن قراءت ک جا ماق مفاعیل ران کا قاع کن۔
خاقانی نے بھی تحفۃ العراقین کے تیسرے مقالے میں قرآن کو زبان کے وزن پر ضرورت
شعر کی وجہ سے نظم کیا ہے۔

فسردان چارند مملکت دو
یزدان و قرآن و کعبہ و تو

مولوی سید اکبر حسین اکبر

انوکھے میں مشاغل حضرت اکبر کے ان ذروں
الم تر کیف جنتی پڑھ رہے ہیں فیضان میں

انھوں اقسام مذکورہ بالا متقدمین کے نزدیک جائز تھیں مگر اب یہ محاورات بالکل متروک

ہو گئے ہیں اور استعمال نا جائز ہو اگر ابتدائی حالت پر نظر کریں تو عیب نہیں رہنا جائز اور عیوب کلام سے ہی بعض ہٹ دھرم شاعروں نے یہ مسئلہ گرٹھ رکھا ہے کہ ساکن کو متحرک کرنا ساکن باندھنا اور الفاظ مخالف قیاس لغوی کا استعمال کرنا درست ہے چنانچہ اپنے کلام میں اس قسم کے بہت الفاظ لاتے ہیں اُن سے کوئی یہ پوچھے کہ جب اُس لفظ کے ترک کر لے میں یا اُس مصرع کے بدلنے سے آپ عاجز ہیں تو آپ کو شعر کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

نقل کسی شخص نے ایک شعر میں غزلیات کے رد پر دیکھا کہ جس میں ایک لفظ غلط و بدناما سوزون ہوا تھا غزلیات کے دجا سکی پوچھی جواب دیا بغیر غزلیات کے فرمایا شعر گفتن چہ ضرور ہر چند کہ استادان مسلم الثبوت متقدمین کے ایسا کر لیا ہو مگر یہ بات اُنھیں کو زیبا نہیں ہو سکتی استعمال کرنا ضرور نہیں کیونکہ ان چیزوں کی قیامت ایک زمانے کے گزرنے کے بعد عقلاً و فصلاً کے اتفاق سے طالب فن کے ذہن نشین ہوا کرتی ہے۔

(۹) کلمے کو بے موقع استعمال کرنا جیسے اگر کی جگہ اگرچہ اور اگرچہ کی جگہ اگر (مثال اول)

نہجے دیکھیں تو پھر اور و نکو کن انگھون تہم دیکھیں
بہ انگھیں بھوٹا جائیں گرجاں انگھون تہم دیکھیں

مشنوی سعدی

گرچہ وہ بُست نہ رام ہو بسرا
کھانا پینا حرام ہو میرا

حسینی سلیم امراؤ تخلص بلوی

گرچہ منظور نہ تھی خانہ نشینی میری
تو مجھے ساکن ویرانہ بنایا ہوتا

ہر چند لفظ اگرچہ صحیح ہے مگر اسکا استعمال اور موقع پر ہوتا ہے (مثال دوم)

علی گوہر

کوئیل سے بجائے چمن سے آشیان آبیلا
پڑھے گرسد ہزار افسون نہوگا باغبان آبیلا

غالب

قیامت ہو کہ ہو وہ مدعی کا مسفر غالب
وہ کا فوج خدا کو بھی نہ سوزیا جلدی ہو مجھے

ولہ

شبہم بگل لالہ نہ خالی زواہ ہے
داغ دل بیدار گذرگا ہیرا سہ ہے

دونوں شعروں میں لفظ نہ بے موقع واقع ہوا ہے اسکی جگہ نہیں چاہیے۔

تراپ

انام لینے سے مین بدنام ہو ہوں جس کے
پھر کوئی لائے تراپ سکویہ بدنام ملک
یہ بے موقع واقع ہوا ہر اس چاہیے۔

غالب

اور وہ مین ہوں کہ گرجی مین کبھی غور کروں
غیر کیا خود مجھے نفرت مری اوقات ہے
یہاں ہر قاعدے کی رو سے مجھے کے بعد اپنی اوقات سے آنا چاہیے تھا مگر مرزا کے خلاف قاعدہ مجھے
میزی اوقات سے نفرت ہی نظم کر دیا ہے۔

حالی

قبصر کے گھر لے پر رہے سایہ یزدان
اور ہند کی نسلونہ پر رہے سایہ قیصر

ارشاد

یہ جنازہ حضرت شہزادہ وکٹر کا ہے
دولوں شعرون مین لفظ قیصر بے موقع استعمال ہوا ہے قیصر کا موقع ہے کیونکہ دونوں شعرون مین
ملکہ مظہر کو سن دکتوریہ مراد مین۔

مصحفی

کب سوچتے جس کے گردن خورشید کی کند
اب کوئی سرا لے اُسکے جلاتا نہیں سنید
بے سرٹاپو ہوا ہر کٹا کردہ ہند بند
بنتی بخور جسکے بھی مجر کے واسطے
سپند یا اسپند ایک قسم کا تخم ہے جو نظر بد کے دفع کرنے کی غرض سے جلاتے ہیں اور بزرگوں کے
مزاروں پر یونان سلگا یا جاتا ہے (۱) لفظ ہندی کو طرف لفظ ہندی یا عربی یا فارسی کے مضاف
کرنا جیسے دبیر کے اس مصرع مین سے پہونچی سکیں لاش چپا پر لب فرات +

اولہ

بازو پہ بچے جو شن الماس ضیا یار
اوراکہ در بخت حیدر کرار +
لاش چپا اوراکہ در بخت یہ الفاظ کجالت ترکیب اضافی درست نہیں کیونکہ مضاف اور مضاف الیہ
مین سے ایک لفظ ہندی ہو دوسرا ہندی یا فارسی یا عربی اور یہ ترکیب ناجائز ہے۔
جیسا کہ مولوی عبد الغفور خان نساخ نے تحقیق کیا ہے۔ نواب جعفر علی خان مجھے لکھتے ہیں کہ مین نے
تغییر الاسماخ مین اس طرح دیکھا ہے سے پہونچی سکیں لاش عم پر لب فرات + دانشا علم میری را کے

میں اعتراض صحیح ہوا انتہی کلام

مثنوی خجستہ لقامصنفہ علی

بھری تھی مزاحون سے ہر ایک بول | وہ محفل سراسر تھی محو ٹھٹول

محو کی اضافت ٹھٹول کی طرف درست نہیں۔

منیر

اکسین بھی تھی دل کشتہ کی صف ماتم | اکسین نکلتے تھے تابوت ہائے صبر و قرار

صف بمعنی بور یہ لفظ ہندی ہوا لیے ماتم کی طرف مضاف نہیں ہو سکتی جیسا کہ طومار اغلاط میں رقم آکر

امیر مینائی

جب تک صدف میں قطرہ خیال نہ گونے | تا آہن آبیاری یارس سے زربے

یارس لفظ ہندی ہے آبیاری کا لفظ اس کی طرف مضاف ہوا اور یہ عبارت درست نہیں ہے جیسا کہ طومار اغلاط میں بیان کیا ہے۔

اور اس باب میں شعراے متقدمین مثل میر و مرزا و انشا و مصحفی و جرات وغیرہ کا کلام بھی مستند نہیں ہو سکتا شیخ امام بخش ناسخ کے عہد سے جو جو نظم اس قسم کے تھے ترک ہو گئے اور جو کچھ رہ گئے تھے وہ ان کے شاگرد میر علی اوسط رشک اور ننگے شاگرد اسماعیل منیر نے ترک کر دیے ہاں یہ ترکیب اعلام میں درست ہے اور شعراے متوسطین و متاخرین نے مثل ناسخ وغیرہ کے استعمال کیا ہوا اور اب تک یہ قاعدہ جاری ہے مولف کی رائے میں جو لفظ ایسا ہو کہ سوائے ہندی کے فارسی میں نام نہ رکھتا ہو ایسے لفظ کی اضافت لفظ فارسی کی طرف طور الظہار لفظ اضافت جائز ہے کیونکہ اس لفظ حالت عطف و اضافت میں حکم فارسی کھاتا ہے ہماری اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ طومار اغلاط کے مولف کا اعتراض امیر مینائی کے شعر پر تحقیق کے خلاف ہے۔ اسی قبیل سے ہر سودا کے شعروں میں فوجداری کی اضافت کول کی طرف دہونڈا۔

اجرا یک شخص ہوا بیکس صوبے کا خاندان | رہی نہ اسکے تصرف میں فوجداری کول

(۱۱) فاکل ضافت یعنی کسٹھ اضافت کا آخر مضاف سے ساتھ کر دینا جیسے۔

نیمرا

رود کے بکاؤلی دل انگار

بولی کہ خدا علیہم ہے یار

بکاؤلی دل انگار میں اضافت ترک ہو گئی۔

ایاز محمد خان ایاز ساکن بھوبال

جب آہ حمد رب خدا کا یہ حال ہو
شرمین شریک ترک ہو کیونکر لکھے بشر
آہ حمد رب میں اضافت ترک ہو گئی ہو۔

میر

زیر دست اُس کے رہیں گروان کشان
مالک رقاب میں اضافت ترک ہو گئی ہو۔

اموجان مفتون

جس کا ہمسوی نہیں آتا نظر
شاہ انگلستان مالک بحر دہر

ولہ

عادل دہاؤل کریم دواؤ گریہ
قدردان اہل ہنرمین اضافت محذوف ہے۔

میر

عاشق غیور جی دے اور اس طرف نہ دیکھے
وہ آنکھ جو چھپا دے تو تو بھی ٹک کھچا رہ

نجم

بند و بست اُس زلف کا ہر اپنے دیکھے
صاحب خانہ میں تک اضافت ہے۔

میر

مری آہ کیا بر پھیان مارتی ہے
دل شب ہر دم صدا الامان ہے
خدا سے الامان چاہیے۔

ولہ

رہوں جا کے مرحضت یار میں
بندہ درگاہ چاہیے۔

الشا

سیر کی اُس نے عجب جسے کہ آتے ہی بڑھلا
اصل قوطے گلغام اضافت کے ساتھ چاہیے۔

ولہ

اسطقات و موالید و جواہر خمسہ ۶
ہفت اقلیم جان معدن زر و سیون ایک
جواہر خمسہ میں فلک اضافت ہے۔

ہوس

اگر تاخادہ گفتگو پریشان
کرتی تھی یہ جمع موپریشان
دعا عمل گفتگو پریشان اور موس پریشان ہونا چاہیے۔

اداغ

ہمیشہ عصر کلب علیخان فلک جناب
اہوتا ہر چکی فانت سے صاحب وقار پیش
کلب علیخان موصوف ہر اور فلک جناب صفت اور بہان کسرہ صفت ساقط ہو گیا ہے۔
اسی طرح صاحب وقار سے اضافت ساقط ہو گئی ہے۔
زبان فارسی میں بھی الفاظ عاشق اور مالک اور صاحب کو فلک اضافت کے ساتھ ضرورت
شعری وجہ سے استعمال کیا ہے جیسے۔

سعدی

ز صاحب غرض تا سخن نشوئی
وگر کار بند ی پیمان شوی

ظہوری

درین انجمن کیست عاشق سخن
کہ عشقے نور زید ہا شعر من

بدر چاچی

جملہ بدین داور ی بردر عنقا شدند
کہ دست خلیفہ پور داور مالک قاب

اسی سبب سے مرکب ضانی مقطوع نثر میں واقع نہیں ہوتا۔

ارین العابدین خان عابد

بھرائی جسے عشق حسین بن علی ہے
حاصل اس کے دنیا میں سعادت ازلی ہے
لفظ سعادت ازلی میں اضافت محذوف ہے۔

ظفر

پیدا کیا وہ اُسے بشر موع بن عشق
بہل جبکی ساق پا سے بنا و نیل کا
بن کی اضافت عشق کی طرف چاہیے۔

ناسخ

ہاتھ سے اس قاتل عالم کے کیونکر جی نیچے
 جھکا ہر ناخن بریدہ غیرت شمشیر ہے
 ناخن بریدہ اضافت کے ساتھ چاہیے کیونکہ موصوف کے حرف آخر کو بھی کسرہ ہوتا ہے۔

آتش

روسیہ دشمن کا یون پاپوش سے کیجئے نگار
 جیسے سلامٹ کی سپور زخم ہو شمشیر کا

در اصل رو کے سیر چاہیے۔

از ہذا اگر کے پہنچے نست رذراست | فلنکد کچھ آج ہی نہیں ہوں رذراست ہوں
 مصرع اول میں رذراست میں کسرہ اضافت ساقط ہو گیا ہے

احمد علی صادق

حضرت سعدی کا یہ کیا قول راست
 کرا ہما دہ اسکا صادق پر محن
 صادق موصوف اور پر محن صفت ہوا اور کسرہ صفت ساقط ہو گیا ہے۔ عجب کہ صاحب رسالہ
 صنعت الشعر نے فلک اضافت کو صنعت خبر یہ نقلی کے قبیل سے لکھا ہے۔
 (۱۲) اضافت زائد جیسے۔

صاحبزادہ علیم اللہ خان

شہ کلب علیخان بہادر خسرو نامی
 کہ جس کے در کی فارا جانتا ہی فخر دہانی
 شہ کلب علی خان میں اضافت زائد محض ہوا کیلئے کہ شہ مبدل منہ ہوا اور قاعدہ ہوا کہ اسکے حرف
 آخر کو کسرہ اضافت نہیں دیتے ہیں۔

میر حسن

ہوا وہ جو اس شکل سے دلپذیر
 رکھتا نام اس کا شہ بے نظیر
 شہ بے نظیر میں اضافت زائد ہوا کیلئے کہ اول مبدل منہ ہوا اور دوم بدل۔

جرات

خداوند باحق چامدہ معصوم سن لیجو
 یہ انکھین دیکھین جرات ہوا اسی امیداری میں

کہ شب کو تو ہر یون کا مجمع ہووے اور دن کو
 پرے فوجوں کے ہوں شاہ سلیمان کی سواری میں

شاہ سلیمان میں اضافت زائد ہوا کیونکہ ایک مبدل منہ ہوا اور دوسرا بدل۔

سلطان اور خاقان کے بعد اضافت زائد ہو کیونکہ دونوں مبدل منہ ہیں۔

امثنوی سعدین

آفتاب سپہر علم و ہنر | سید احمد حسین خان قمر

خان اور قمر کے درمیان اضافت زائد ہو کیونکہ اول مبدل منہ ہو اور دوسرا بادل اور مبدل منہ
دبدل کے درمیان اضافت نہیں دیکھائی پس مرزا کلو بیگ اور میر منو اور شیخ رحیم بخش بن مرزا
اور میر اور شیخ کے حرف آخر کو کسرہ نہیں دینا چاہیہ اسی طرح شاہ اور امام اور بابا اور لالہ اور مرزا اور
چندت اور کا کا اور نواب کے حرف آخر کو کسرہ دینا غلطی ہو مثلاً شاہ کلو اور امام ابو خلیفہ اور بابا بھائی
اور لالہ بہاری لال اور سر کرپارام اور پندت نثارام اور کا کا سندرداس اور نواب نظام الملک
کو مبدل منہ کے سکون سے پڑھنا چاہیئے۔ دریاے لطافت کے بیان نحو میں انشاء نے یوں ہی
لکھا ہے۔

وارغ نے جو اپنے اس شعر میں۔

صاحب طبل علم مالک خمیر و قلم | میر محبوب علی خان شہ فرخندہ شیم

شہ کو اضافت کے ساتھ استعمال کیا ہو تو اسکی وجہ یہ ہو کہ بیان شہ موصوف ہو نہ مبدل منہ یہی
حال ثنوی گلزار نسیم کے اس شعر کا ہے۔

وہ بادشہ جہاب افسر | یعنی تاج الملوک مضطر

بادشہ موصوف ہو اور جہاب فسر صفت۔

یہ کہنے کا حق کسی کو حاصل نہیں کہ شاہ سلیمان یا سلطان ابوالظفر وغیرہ بن اضافت صحیح ہو
اور عوام میں کثرت کے ساتھ ایسی غلط ترکیبوں کا شائع ہونا قابل شہ نہیں خواص مبدل منہ
دبدل کے درمیان کسرہ لائے سے ہمیشہ محرز رہے ہیں چنانچہ صاحب گلزار نسیم کہتا ہے

فردوس کا بادشہ مظفر | روح افزا جسکی ہون میں دستہ

تقطیع فردوس مفعول ک بادشہ فاعلین منقطع فرفعولن۔

ولہ

حسن آرائس بری کی مادر | باپ اس کا بادشہ مظفر

تقطیع باپس مفعول بادشہ فاعلین منقطع فرفعولن۔

پورب میں ایک تختہ شہنشاہ | شہ سلطان بن زمین سلوکہ ذہی جاہ

تقطیع سلطان زے مفعولن نکلنو فاعلن ک ذی جاہ مغاییل۔

زبان فارسی و اردو میں ترکیب مضاف و مضاف الیہ ترکیب مبدل منہ و بدل کا لفظی فرق سب سے بڑا یہی ہے کہ اسم مضاف کا حرف آخر کمزور ہوتا ہے اور مبدل منہ کا حرف آخر ساکن اور مضاف الیہ کے مصداق میں تغاثر ضروری ہے کیونکہ مضاف الیہ معنی مضاف میں تعریف یا تخصیص کا فائدہ و بدل کی ترکیب بخشا ہے اور شے کی تعریف و تخصیص اپنے نفس کی ہی طرح البطلان ہو جیسے سپرید اور بدل منہ و بدل کی ترکیب اگرچہ ترکیب مضاف و مضاف الیہ کے مشابہ ہوتی ہے مگر اس میں حرف آخر مبدل منہ پر کسر نہیں پڑتے بلکہ دونوں اسموں کے آخر کو حرف ساکن تلفظ میں لائے ہیں اور ان میں مقصود بالذات نسبت بدل کی طرف ہوتی ہے مبدل منہ کا ذکر محض تمہید کے طور پر ہوتا ہے اور مصداق دونوں کا ایک ہوتا ہے جیسے امام حسین اور شہزادہ ہرمز علامہ نور اللہ احراری شرح گلستان میں لکھتا ہے کہ سعدی کے اس قول میں شہزادہ ہرمز یا گفتند از وزیران پد رجب خطا دیدی کہ بد فرمودی بدون اضافت کے ہرمز بدل شہزادے کا ہے اور مصداق دونوں کا ایک ہے نہ مدلول اس لیے کہ جس ذات پر ہرمز صادق آتا ہے اسی پر شہزادہ بھی صادق آتا ہے۔ ابن مالک نے اس قسم کا نام بدل مطلق رکھا ہے۔

منتخب النحویں مولوی میر حیدر حسین بلگرامی نے لکھا ہے کہ میں نے مکتب کے ایک معلم کی زبان سے جو دوسرے معلموں سے ممتاز تھا کہ حرف آخر مبدل منہ کو کمزور پڑھا چاہیے اور سعدی کے اس قول میں یکے از ملک خراسان سلطان محمود بکتگیں یا بخواب دید لفظ محمود کو مبدل منہ اور لفظ بکتگیں کو بدل جانتا تھا حالانکہ یہ امر نہایت غلط ہے کیونکہ بیان لفظ محمود مضاف ہے اور بکتگیں مضاف الیہ ہے محمود جیسے کا نام ہے اور بکتگیں باب کا اور مبدل منہ و بدل کی ترکیب میں دونوں اسموں کا متحد ہونا شرط ہے اور ظاہر ہے کہ باب اور میثا متحد نہیں ہو سکتے پس لفظ محمود کے حرف آخر کو کسو بوجہ اضافت کے ہی نہ بسبب بدل کے کیونکہ اہل فارس حرف آخر مبدل منہ کو ہرگز کمزور نہیں پڑھتے پس لفظ فارسی یا اردو میں حرف آخر مبدل منہ پر کسولا نا ضرورت شعر کی وجہ سے ہوتا ہے اسی قبیل سے ہی جامی کے اس قول میں۔

نقش خیر از دل مرید داسے

خواجہ تقی بندہ بندک سے

اقا انی

شہزادہ اعظم حسین آن اصفہان را نور میں | اعدا زود در شور و شین اعیان بزرگ با قدر و شان

(۱۳) اسقاط میں اور با سے غیر محقق اور حاسے محلی اور دال حملہ وغیرہ کا۔

فائدہ جیسے الف کا گرانا جائز اور ویسے ہی ان حروف کا گرانا عیب ہی ہر چند کہ بعض متقدمین فارس مثل حکیم فردوسی اور شیخ فرید الدین عطار وغیرہ نے ایسے حروف کا استقاط بھی جائز رکھا ہے لیکن متاخرین اس کو سخت عیب جانتے ہیں کسی غلط نسخے میں یہ شعر ظہوری کا ہے۔

بدہ ساقی آن رشک یا قوت را þ | کہ سازم جوان عقل نفرت را þ

یون لکھا تھا۔

بدہ ساقی آن رشک یا قوت را | کہ سازم علاج عقل نفرت را

لوگوں نے پیچھے ظہوری کو کیسا تنکو بنایا کہ معاذ اللہ مگر حاشا دکلا اُس نے ایسا نہ لکھا تھا اصل شعر ظہوری کا اسی طرح ہی جیسا ہم نے اوپر لکھا۔

فارسی اشعار میں مرزا طاہر وحید۔ حکیم عبداللہ خان علوی اور مصباحی وغیرہ کے اشعار میں جو عین کا سقوط ہوا ہے یہ بھی عیب ہے اور ایسے اشعار فارسی زبان کے عیوب کی بحث میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

مجنون کی کیا سہر عشق عاشقوں کے آگے | دیوانے کو ہم ایسے مجذوب جانتے ہیں

عاشقوں کا عین ساقط ہوتا ہے۔

شاہ حاتم

بیان طالعون سے ملتا ہے پیارو | عجب دیکھے ہے زاہد استخارو

طالعون کا عین ساقط ہوتا ہے۔

ظفر

ظفر خاریون گل کے پہلو میں ہوتے | جوا چھے نصیب عند لیون کے ہوتے

عین عند لیون کا تقطیع میں ساقط ہوتا ہے۔

ولہ

کما جگر نہ بلایو کما شوق سے مین بکاوُن گا | تمہیں رشک ہو تو نہ آئیو یہ کہا اور بکوا تمہا دیا

یہ کہا ہم بردہ ن متقابلن ہم کی ہو تقطیع میں نہیں آتی۔

ظہیر

نہ مانا کبھی دل سنے کہنا ہمارا | نہایت ہم عاجز ہوئے پکتے پکتے

عاجز کا عین گرتا ہے۔

سودا

اک عالم انکے گردا گرد ہوا جمع پا ہوا ہر دانوں کی جون کثرت سر شمع

عالم کا عین اور ہوا کی ہر قطع میں گرتے ہیں۔ اگر ہوا کی ہر ٹکرائیں تو گردا گرد کے آخر سے دال گر جائے گی۔

ولہ

سودا نغمے کتابوں نہ خوبان گل آتا تو اپنا غریب عاجز دول نیچے دالا

عاجز کا عین گرتا ہے۔

مثنوی عابد

آقرب عابد کے وہ کئے لگا السلام اسے رہو راہ ہدا

عابد کا عین سا قہ ہوتا ہے۔

فصیح

ای فصیح یہ گھر بغیر زیار کے زندان ہے ہر دو دیوار پر لکھ دیجئے اس بات کو

فصیح کی حائے حسی گرتی ہے۔

قلندر

گدا ہوں اسکے کوچے کا قلندر صبح ہر گرگون میں بادشاہوں

صبح کی حائے حسی گرتی ہے۔

تفسیر منظوم سورہ یوسف مؤلف اشرف

عظیم آپ کو اک جگہ ہے کہا و خلق عظیم ہے کہا دوسرا +

دوسرے مصرع میں حرف ربط کی با سا قہ ہوتی ہے۔

ایس

تصویری بشر پہ کشیدہ بخی تن زار باہن جوگ میں تھیں تو بندہ دیدہ خوبا

ذوق

بندہ کا ہے زخمیوں میں بان تنگ کا باغ اپنا فکر میں زیر زخمان ہی رہا +

سودا

مستجابین چشم عاشق تو بھی وہ مستحونہ کھولے

کم بونا ادا ہے ہر چند پر نہ اتنا

پہلے دونوں شعرون سے بندھ کی وال اور اس تیسرے شعر سے منہ کی وال گرتی ہے یہاں یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ بندھ اور منہ کا نون غنہ ہے کیونکہ نون غنہ اصطلاح صرف میں آتا ہے کہتے ہیں جو حروف علت اپنے واو ساکن ماقبل مضموم اور یاے ساکن ماقبل مکسور اور الف ساکن کے بعد واقع ہو جیسے کسان۔ کون۔ کمین اور بندھ و منہ کے نون ساکن ہسکون جلی میں اور یہ دونوں مخرج میں متفاوت ہیں کیونکہ غنہ ناک کی آواز سے پیدا ہوتا ہے اور ساکن ہسکون جلی کا مخرج وہی ہے جو مخرج نون متحرک کا ہے پس غنہ سے صرف ایک ہو معلوم ہوتی ہے اور ساکن ہسکون جلی تنظی میں آتا ہے اور چونکہ قطع میں حروف مملوظ متبہرین اس لیے اہل عروض ایسے نون کو جو حروف علت کے بعد واقع ہو اور جس کا نام نون غنہ ہے واجب الحذف سمجھتے ہیں جیسا کہ فقہ قوی نے در سالہ اسکے میں لکھا ہے البتہ حالت عطف و اضافت و توصیف میں نون غنہ کا اعلان ضرور ہے۔

میر سیاد

جنگل ب بن گیا ہے سبز گھن

دل کی دشت کے کوئی لائق نہیں

لائق کا قاف کرتا ہے۔

حالی

ریخ پردیس کے مار نہ اٹھائے

اشو در کھلائے راکش کھلائے

راکش کا شین تقطیع میں کرتا ہے۔

نعیم

معلوم نہیں جہان من خزان یا بہار ہے

دل اس قدر نعیم را محو یا رہے

معلوم کی واو ساقط ہوتی ہے۔

قلندر

ایسا بندہ کہیں اس مول کو نہیں پائے کہ

ایک بوت سے قلندر ستمی پنہت موڑو

مول کی جائے تقطیع میں گرتی ہے۔

ولہ

یہ جنون جائیگا نہیں یہ بی خیال شام ہے

میں بندہ بونیکا ماقبل ستم بڑو بر خیال

جائیکا نہیں مین یا تقطیع مین ساقط ہوتی ہے۔

الوجان مقنون

آج ہے وہ مستند آرا سے جہان
جارج کی جیم کرتی ہے۔

راضی

ہوئی جارج نجسم تری تاجہوشی
رہے کس طرح ٹنڈ پہ ہر خموشی؛

(۱۲۷) الفاظ فارسی یا ہندی کو بطور عرب کے بنانا جیسے شلول یعنی شلال سے میت مین مرزا
دور کے۔

بیشش ہاتھوں کو تھی نہ تہنوں کے دربان
اشلول کے ہون بٹنے مین جیسے چھرا کلیان
اور طبیب یعنی لیاب اور فریبہلی زیبا اور مترش مرد ترش تراشیدہ شدہ صاحبہ عجائب
دارالش محفل نے اکثر ایسے الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

الغش

گلفت ایام سے برہا نہیں کچھ حسن کو
نور دیونکو فریب بلجی پوشاک ہے

ظفر

خط نہیں روئے مترش پہ ترے غیر نکلا
ہر لاقران کی ہے تفسیر کا پہلا کاغذ

مذاہفہ فرہمین کہتے ہیں کہ زیب سے فریب اور تریمب اور زلف سے زلف اور روغن سے روغن
درست نہیں لیکن یہ قول ان کا ضعیف ہے کیونکہ یہ ایک قسم کی صناعمی ہے جو استادان عرب اور عجم
دونوں کے کمران مروج ہے۔

(۱۵) کسی نقطہ کے اصلی معنی چھوڑ کر اور معنی افی طرف گھڑینا جیسے

بہار عشق

مست سمجھنا یہ کہہ تملہ ہے
شاہ واجد علی کا حملہ ہے

فائض المعانی مین لکھا ہے کہ حملہ تجرید اداں و دروم ہر وزن و معنی فعلہ جمع عامل کی ہے
جس کے معنی میں کارکن نہیں شاعر نے معنی دور حکومت استعمال کیا ہے اور اسی قسم سے اہل علم
معنی اہل علم نہیں۔

صبا

عوض اللہ کا ٹھکے میں حشر کے لیکر گنا جو سیاست حاکم ظالم رعیت پر
یہاں سیاست کے معنی اصلی چھوڑ کر ظلم و جبر کے معنی میں استعمال کیا ہے اور اس کے اصلی معنی ملک کی
حفاظت کرنے اور انتظام کرنے اور آدمیوں کو ڈرا دھمکا کر فسق و فجور سے روکنے کے ہیں اگرچہ
فہر کرنے اور ہیبت کرنے کے معانی میں بھی لکھا ہے مگر عرف میں وہی معانی لیے جاتے ہیں جو
ہم نے اوپر بیان کیے۔
اسی قبیل سے سمجھنا چاہیے اشعار ذیل میں۔

منیر

ضیاء ریش مقدس میں چوہاؤں کا کنارہ جل میں قرآن جس طرح اظہار

دبیر

تک پہنچ سکا نہوں کو یاؤں میں اظہار
بھرا ج پتے دون میں زنجیر گرانبار

آتش

سب بازی بھی حسرت نہ رہی آتش
سب بفتح لام بازی کو کہتے ہیں مگر شاعر نے بعت کے معنی میں کہ گڑیا کو کہتے ہیں استعمال کیا ہے۔

ولہ

چارا برد میں تری حیران میں سا رخ شوق
چارا برد یعنی چہرہ لہا ہے اور رخاوردے میں چار ابرو سے مراد ابرو اور ریش و ہر دت ہے اور یہ لفظ بغیر
اصنافی کے نہیں آتا جس سے مراد ہے کہ ان کو منداوین اور قلندر دن کے لیے خاص ہے نہ کہ عشق کیلئے
(۱۴) ترکیب کی صورت بدل دینا مثلاً۔

آتش

اعل شکر بار کا بوسہ میں کیونکر نہ لون
کوئی نہیں چھوڑتا حلوہ بے دود کو

صحیح طوای بے دود ہے۔

انشتی

گاکنے یون شہید نامدار
بچھے سیل کشتی ہے اے شہر دار
اصل میں شہید نامدار چاہیے کیونکہ جب یہ لفظ جیسے آخر میں الف ہو بوضوح یا مضاف۔

ہوتا تو ایک یا سہ تختانی اُسکے آخر اظہار کسوف و صفت و اخافت کے لیے لگا دیتے ہیں۔
(۱۷) نون ساکن کو بطور غنہ کے اور غنہ کو بطور ساکن کے استعمال کرنا مثلاً۔

سودا

لے سیل تا بر شنه دبر جھی سے تا خجر

خجر کا نون ساکن ہے مگر میان بطور غنہ آیا ہے۔ اسی قبیل سے ہے۔

السن

شرط ہو رتبہ مردان خدا کا انصاف

درد با فرعون بن موسیٰ بن یایا بتر

ولہ

موسیٰ کو تیرے حکم سے دریائے راہ کی

افرعون کو تو نے غرق کیا رود نیل کا

مقصود بالتمثیل بلفظ فرعون ہے۔

(۱۸) اُس نون غنہ کا اعلان جو بلفظ مضاف الیہ کے آغوش واقع ہو جیسے

ظفر

لخت جاو شکست میں حاضر ترے آگے

جمیت دل تیرے سبب میں ہر دم

یہ محل میں ہر گوہر غلطان ہمارے

کیون ضد میں پڑے رلف پریشان ہمارے

ہوس کی غل سے ہے

اکبار ہم حفیرون نے دیکھ سکورو دیا

کیسے چن میں آئے کہ چن چن سبب سے

ہم روئے گل ہی دیکھنے پائے نہ یاسیب

طوفان اٹھے قاتر سے ہم خاک میں آکر

مازہ ہوا بھرا زہر نوا سکوداغ قیس

میر اقص جو سوئے کاستان لے گئے

داسن میں اپنے ہم کل حرمان لے گئے

ہم کو بہار میں سوئے زندان لے گئے

ساتھ اپنے اپنے دیدہ گریان لے گئے

باقی ہوس کو سوئے بیدان لے گئے

انشا

لالہ مراد شہن براجی سپہ نہ تکیے

انشا کو معالیٰ ہوئی آواغ جنان کی

گرتے کسی مرد مسلمان پر چٹھی پا

حاضر در پہنچے شہ مردان پر چٹھی

ظفر

انہیں موز غنہ دون سے سنن مد برتر

ہو۔۔۔ میں ایسے موزیر آسمان سفید

اولہ

روز گھر خیر دن رہنا تجھے مہمانِ حریف
یہ بھی کوئی بر بھلا اویٹ نادانِ طریق

عبدالقادر رونا

کاہن تمام تابعِ فرمان ہو گئے
دفترِ پنہون کے پریشان ہو گئے

قلبت بدرا

ذوقِ مے نوشی گلشنِ بہارِ نون کس کو
کفِ سینِ مینِ نرس کے طلائی ہر ایاغ

غالب

بچھا ہے جو کہ سایہ دیوارِ یارِ مین
افغانِ رواے کشورِ سندوستان ہے

دبیر

مین گھر کیا نہ کھاؤں گی شمعِ عین کی

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ ان میں بغیر اضافت کے بھی اعلانِ نون عیب ہے۔

پیش

دھرے سر پہ زانو کو حیران تھا
خفکر کے عالم میں سلطانِ تمنا

اولہ

کہان ہووے شکلِ ایسی انسان کی
نہ سب تک عنایت ہو زردان کی

تسکین

نملو بھی تو غیروں سے یہ اخلاصِ مین ہی
جو ربط کہ اس دستِ دگریبان میں دیا

رشد

سامنے خستہ دوزخِ مین کہیں بھی جا
بھکاوے دن میانِ صدفِ محشر نہ پھرا

(۱۱) دوسری نظموں کو کسی قافیہ یا بیانیہ کے ذریعے سے اتصال دینا جیسے
ارشاد کے قول میں۔

یہ جوانی اور مرنا سخت تر افسوس ہے
یہ رب سے تابندہ جس کا گھر یہ گھر افسوس ہے
اکھوین سناقتس لینے ایک معنی کے خلاف دوسرے معنی کلام میں لانا جیسے کسی کی تعریف
میں بادِ فادِ سمر کہنا۔

اسی قبیل سے یہ کہ اس قدر کو بھٹایا ہے۔

جانشینی پمیر کے سزا تو ہی تو تھا | قالب خاکی کے پردے میں خدا تو ہی تھا

پہلے مصرع سے یہ ثابت ہو کہ ممدوح خدا کا بندہ اور ایک بشر کیونکہ پمیر کا جانشین بتایا ہے اور پمیر خدا کے بندے تھے اور بندہ خدا کا جانشین بھی بندہ خدا ہوگا اور دوسرے مصرع سے ثابت ہے کہ ممدوح خدا تھا کیونکہ مطلب اس مصرع کا یہ ہو کہ خدا نے آدمی کی صورت میں ظہور کیا ہے اور ممدوح کو جو بظاہر آدمی دیکھتے ہیں یہ درحقیقت خدا ہے کہ اُس نے آدمی کا جسم اختیار کر لیا ہے۔

آفتاب راکے رسوا

زندگی کا لطف تب کھڑ خوش اوقات | جب ہاتھ میں ساغر ہو صراحی ہو سب ہو

غرض اس شعر سے یہ ہو کہ خضر کی زندگی تنہائی میں بے لطف گذرتی ہو لطف کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے ان چیزوں کا ہونا ضروری ہو اور خضر کو یہ چیزیں حاصل نہیں اور خوش اوقات کہنے سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ خضر کی زندگی لطف سے گذر رہی ہے۔

آخر

اک زن فاحشہ تھی گنا نام | راحت جان بھی تھی وہ خوش انجام

اس شعر میں گنا کو خوش انجام کہا ہے اور آگے جا کے اُس کا ایسا قصہ بیان کیا ہے جس سے بد انجامی ثابت ہوتی ہے چنانچہ یہ شعر اسی کے بیان میں ہے۔

ولم

چھوڑ کر سلطنت وہ اندر کی | ٹھوکرین کھاتی ہو وہ بندر کی

الشر

سودا ہر دل کو زلف گرہ گیر ہے | دل بستگی ہو کافر خوش اعتقاد سے

کافر ہونے اور خوش اعتقاد ہونے میں تناقض ہے۔

نویں تناظر کلمات یعنی عبارت میں ایسے الفاظ لائے جائیں کہ متکلم سے اُن کے بیان کرنے میں تخطا واقع ہو یا سرعت کے ساتھ ادا کر کے مثال کی عبارت ہو "اونٹ کی پیٹھ کچھ اونٹ کی اونچائی سے اونچی نہیں ہے اونٹ کی پیٹھ کچھ اونٹ کے ڈھانچ کی طرح قدرتی اونچی ہے منقول از دریا سے لطافت۔

منیر

نغان خاک تھوکی و خیم زان شستہ بین

مطلب یہ ہے کہ اسکے لال ہونٹ گویا اصل میں۔

اولم

دوستوں کے روندنا بہ دل پسند نقشِ نو

ای پری کناہی زیبا تجھ کو دشمنِ زیرینا

اصل مطلب یوں ہے کہ نقشِ نو پسند دوستوں کے دل روندنا ہے۔

حسرت

وہ طفلِ بزدل کا مصلیٰ حسرت

دینے کو اذان چلا جو مسجد میں کسر

اولم

نکد کا پڑھے ہے طفلِ فاعلِ مفعول

میں نے کہا کچھ حرف مجھے کہ معقول

عزیز بریلوی

نورِ ظلمت کو وہ دانتوں میں نکا کر کر

صورتِ مرد مک دیدہ بہم کرتے ہیں

الکس

سر کو دوا ہے کسی کا کل کا

دل ہے زنجیر کا یا بندایا

تعلیقِ معنوی یہ ہے عبارت میں خیالات باریک یا قصہ ناشر یا کسی طرح کی شکل

بات لکھیں اور جب تک بہت خوش و مال نہ کریں اسکا کھنا دشوار ہو جیسے اس شعر میں۔

الکس

اگل کو قباہیں کے تو اس کی کد کاٹ

مار سیاہ زلف سے سنبل کی راہ کاٹ

شاعر کا مطلب ہے کہ قباہیں کے تو اس کی کد کاٹ لیں مگر وہ زلف کے مار سیاہ کو دکھا کر سنبل کو مجھل کر لیکر دکھائے گا تا یہ مجھل کرے گا تو اس میں بیگناہی ہے یہ تعلیقِ معنوی ہے عجیب ان لوگوں سے جنھوں نے کہا ہے کہ تعلیقِ فارسی میں احسن ضاعت ان میں سے ہے۔

غالب

لفٹ میں خدیجہ جیتا ہے منور

آجاک کرنا بہان میں بتا کہ گریبان بھلا

مطلب یہ ہے کہ خدیجہ جیتا ہے منور یعنی منور ہو رہا ہے وہ ہو ہوا لفظ کی مانند ہوتا ہے تو گویا میں بھی لفظ کی مشق کر رہا ہوں جیسے منور ہو رہا ہے اور ان میں نہ پاتا گریبان اپنا کہ وہ بھی بصورتِ لفظ تھا سیکڑوں شعلیں کی زبان میں معلوم ہے کہ لفظ گریبان درسی میں میں بتا رہا تھا اور شاید گریبان بھی۔

ولہ

ایک ذرہ زمین نہیں بیکار باغ کا | یاں جادہ بھی فقیلہ ہر لالے کے داغ کا |
 موسم بہار کا ذکر کرتا ہی کہ آج کل باغ کا ایک ذرہ زمین بھی بیکار نہیں مثلاً باغ کی روشنوں پر
 آمد و رفت مردم کی وجہ سے کچھ نہیں آگتا لیکن اس زمانے میں جوش گل کی یہ کیفیت ہے کہ آتش
 میں بھی گھماے سرخ کی کثرت کی وجہ سے گویا لالے کے داغ کا فقیلہ بنی ہوئی ہو فقیلہ اس تہی کو
 کہتے ہیں جو بہت جلد آگ قبول کرے یہاں جادہ چمن کو فقیلہ کہا گویا اس سے لالے کے داغ روشن
 ہوتے ہیں۔

ولہ

حسن بے پردہ خریدار متاع جلوہ ہے | آئینہ زانوے فکر اختراع جلوہ ہے |
 خریدار متاع جلوہ یعنی خواہشمند جلوہ گری فکر اختراع جلوہ یعنی اس بات کی فکر کہ جلوہ گری کی
 خواہش کس طور پر پوری ہو آئینے کو اس فکر یعنی فکر اختراع جلوہ کا زانو قرار دیا اس لحاظ
 سے کہ بوقت آرائش آئینہ استعمال کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ حسن باوجودیکہ بے پردہ ہوتا
 ہے لیکن جلوہ گری کی فکر اس کو بھی رہتی ہے چنانچہ آئینہ گویا اس خواہش جلوہ گری کا زانو ہے
 فکر ہوتا ہے۔

غالب

ایک قدم وحشت سے دس فراق مکان کھلا | جادہ اجزائے دو عالم وحشت کا شیرازہ تھا |
 یک قدم وحشت یعنی تھوڑی سی وحشت دو عالم وحشت سے کثرت مراد ہے اور جادے سے
 مراد جادہ وحشت ہے مادہ وحشت کو اجزائے دو عالم وحشت کا شیرازہ اس بنا پر کہا کہ یک قدم
 وحشت سے تمام فراق مکان کی حقیقت معلوم ہو گئی مطلب یہ ہے کہ فراق مکان کا درس صحت
 عقل و ہوش بر بنائے خوف و کم ہمتی شکل تھا وحشت نے اسے آسان کر دیا کیونکہ وحشت نے
 اس پست ہمتی کو مٹا دیا۔

حالی

وہ بکرا، تغلب کی نامی لڑائی؛ | صدی حسین آدھی انھوں نے گنوائی |
 قبیلوں کی کردی تھی جہنم صفائی | تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی |
 نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ | کرشمہ اک آنکی جمالت کا تھا وہ |

یہ لڑائی جاہلیت کے اشعار میں حرب بسوس کے نام سے مذکور ہے بنیاد اس کی یہ تھی کہ ایک شخص کا اونٹ کھیت میں چلا گیا کھیت والی عورت نے اُسے مارا اونٹ واسے نے عورت کی چھاتی کاٹ ڈالی اس بات پر ۵۹۴ھ سے ۵۳۴ھ عورت تک برابر لڑائی رہی اول یہ لڑائی بنی ہکر اور بنی تغلیب میں ہوئی شروع ہوئی مگر رفتہ رفتہ تمام عرب کے قبیلے اس میں شریک ہو گئے اور ابتدا سے آخر تک تتر بتر آدمی مارا گیا۔

گیارھویں گراہیت سمع یعنی عبارت میں ایسے الفاظ لانا جنہیں فحش صریح ہو جیسے۔

چہرین

تھار قاری میں خطرہ جو مجھے بسا د کا کرو یا بیت اٹھا ہگ ہگ کے گھر صیاد کا

ولم

دعدے تو کیا کرتے ہیں شاقی سے جھوٹے بوگہ کی نہ آئے لگے غنچے سے دہن کے

ولم

اگر ہے خوج جیش کی بنی ہن گدیان اگر ڈک کی محل سے بھی زیادہ خیر ہے

ولم

سند گوز بھی صاحب عجب سمجھ زور گھوڑا ہے بچھے ہے شہ سواروں کی بھی جب کی بدنگامی سے

میر حسن خلف ضاحک نے اپنے باپ کی ہجو سمجھے میں مرزا سودا کی مذمت میں ایک تنس لکھا ہے جس کے نقل کر کے کی موجودہ تہذیب اجازت نہیں دیتی بلکہ شائستگی کے سننے سے قانون پر ہاتھ لگتی ہے۔

عرض اس شخص میں سودا کی مان بہن جو دیکھی کسی کو نہیں بخشا اور ایسا کلام سراسر تہذیب اور شائستگی کے خلاف ہے ایسے ایسے الفاظ اور مضامین سے بچنا چاہیے اور اگر کبھی اس قسم کے الفاظ مضامین کے کھنکھنے کی ضرورت واقع ہو تو بطریق شعارہ اور مجاز اور کنایہ کے ادا کرنا چاہئے جیسا کہ فقہاء اشعار نے کرنا شروع کیا ہے کہ کہیں اور انشائے آئینہ شمس در لہجہ کو مردہ اور قہر سے عبارت کیا ہے۔

بنی - قہر ہی جان اور سندر رکھدے مردہ ہی قبر کے اندر

بہر - قہر ہی جان اور سندر رکھدے مردہ ہی قبر کے اندر

پستان کو بے نمود پایا

ترکش یہ نگاہ کی تو تھا تیر | قبضے میں پھر آئی لکھو کے شمشیر
... اسی طرح اس شخص میں نہ

اولہ

بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام | خنجر کا ہو کیا نیام سے کام
مرد کے عضو تناسل کو خنجر سے اور عورت کی شرمگاہ کو نیام سے تعبیر کیا ہے۔
مثنوی سحر البیان میں فعل مباشرت کو یون ذکر کیا ہے۔

انغم و درد دامن کشیدہ ہوئے | ادہ گل نار سیدہ رسیدہ ہوئے
اداسی مضمون کو سور نے یون بیان کیا ہے شر آخر کار جب غمزہ و ناز کی نوبت بڑھ گئی تھک کر
دھب پر چڑھ گئی تو غنچہ سربستہ تمناے دیرینہ حرکت نیم وصل شگفتہ و خندان ہوا درج شہریاری
ر شک عقیق معنی غیرت وہ محل بدخشان ہوا ر شک و حسرت سے جگر صدف چاک ہوا قطرہ نیشان گرا
دشمن در پردہ ہلاک ہوا۔

انسانے مباشرت کے سوال کو کیسے بردے میں بیان کیا ہے۔

آج کیا ٹھہرے گی ہان یا کہ نہیں ٹھہرے تو چھوٹ | ہوگی وہ بات وہاں یا کہ نہیں ٹھہرے تو چھوٹ
واجد علی شاہ اپنے ایک صاحب کی بہنوں کے پیشہ زنا کاری کو یون بیان کرتے ہیں۔
اخچو یان اسکی بہنیں چلتی تھیں | رات بھر سب کا دانہ دستی تھیں
اور مثنوی سعدی میں فعل مباشرت کو یون ادا کیا ہے۔

آخسر کار کام میں لا یا | کڑی چڑیا کو دام میں لا یا
حلقہ دام بن گئی آغوش | خط توام ہوئے کنار و دوش
ہوئے یکجا جو دونوں میں نے کسا | مہر و مہ ملے ہوئے جو زنا
سمن و لالہ جب ہوئے یک جا | گل رعنا کی بھتی کر اٹھا
نیر حکمی نشانے پر بیٹھا | تابہ سونار کام کر بیٹھا
قصہ کو تہ وہ غنچہ ہو گیا گل | جس کو کہتے ہیں نیمہ بلبیل
گو ہر آبدار سفتہ ہوا | غنچہ تنگ دل شگفتہ ہوا
جام یا قوت ٹھہرا شیر کا طرف | ساغر لالہ میں جمائی برف

بارھویں لفظ واحد کی کثرت تکرار یہ بھی عیب ہے خواہ اسم ہو یا فعل ہو یا حرف ہو اور

اسم خواہ ظاہر ہو یا ضمیر ہو اور بغیر کثرت کے عیب نہیں اگر بغیر کثرت کے عیب ہوتی تو تا کیہ لفظی بھی قبیح ہوتی اور کبھی بغیر کثرت کے بھی تکرار نصاحت کے خلاف ہوتی ہو پس اگر تا کیہ منظور نہ ہو تو تکرار عیب ہے جیسے شامہ منشی کے شعر میں پھر کی تکرار۔

تو پھر ہاتھ سے بچے دیو کے نہ ہرگز ہوتی پھر رہائی اُسے

بیدار

خاری آہ دل میں کھٹکے ہے آہ ہر آن گر خان کی ادا
آہ کی تکرار محبوب ہے جیسا کہ اس شعر میں۔

شایان

کہ جب تک آہ میں آؤں گا پھر کر ہے حسرت آہ رہ جائے گا مرکز

احمد حسین خان بی اے

دنیا کا حال دیکھ لیکھ کبیدہ ہوں رنجیدہ ہوں کبیدہ ہوں خاطر کشیدہ ہوں

بہار دانش منظوم

اُسے کوئی اُس میں نہ انسان ہے نہ انسان ہے اور نہ حیوان ہے

بیان انسان کی تکرار عیب کے خالی نہیں۔

تیسرے میں اخلاص :- یہ کہ نظم میں موقع کا لفظ چھوڑ کر دوسرا لفظ اسکی جگہ لایا جائے جیسا کہ خیر البلاغت کے ایک رسالے میں لکھا ہے مثال اسکی۔

حالی

اثر فیض عام سے اُس کے کعبہ آباد دے کدہ مہمور

دوسرے مصرع میں دے کدے کی جگہ بت کدہ مناسب ہے۔

امیر مینائی

اُد کی جگہ دے دے تھے توت بہکے چار

اگر میند کے بدلے نشے کا لفظ کہتے تو باموقع تھا کیونکہ میند میں دو کے بدلے توت بھی لے جائیں تو بھی دھوکا نہیں پڑ سکتا علاوہ اسکے بہکنے کے مناسب بھی نشے کا لفظ ہے۔

ولہ

ایک دیکھو زمین نے جو دریا ترے جاگہ بیجا عزلات مارے غری دیات پر

برہمن عزت و ولایت سے جبکہ سرود کار ہی نہیں رکھتے تو ان کے غزوات کو لات مارنے سے
مشتوق کے دروازے کی اہمیت کب پیدا ہو سکتی ہے انکی جگہ سری کرشن یا شوبھا رام ہوتا تو
برہمنوں کے مقتدرات کے وافق ہوتا مگر قافیہ اور لات مارنے کی رعایت اور اصل حال سے
تاواقیفیت نے غلطی میں ڈالا ہے۔

من

رُک رُک کے تو خود پھرتے ہیں حلق پنجہ اور مجھ سے شکایت ہے کہ بسل نہیں ہوتا
یہاں بسل کا لفظ بے موقع ہے اُسکی جگہ فوج ہونا چاہیے رُک رُک کے پنجہ پھرنے سے
بسل ہو جاتا ہے فوج نہیں ہوتا۔

شیخ مشیر حسین قدوائی رئیس گدیہ

کون کہتا ہے وہ جفا نہ کریں | ذکر غیور سے ہاں کیا نہ کریں |
دوسرے مصرع میں ہاں کا لفظ بے موقع ہے یہ ایجاب کا محل نہیں یہاں لفظ پر مجھے
لیکن چاہیے۔

ضمیمہ حوالہ مخاورہ روزمرہ میں اور اہل علم کی نظم میں علی العموم اپنی حاصل سے کچھ
مختلف ہو کر استعمال میں اور ان کے استعمال کی تخصیص کچھ شعرا ہی کے ساتھ نہیں بلکہ ہل زبان
اُردو کے عام سے خاص تک اُن کو قبول کر لیا ہے تو وہ اُس وقت ذہن نشین نہ کیے جائیں گے
مستند ذوق غلط فارسی و عربی ہے جو تصرف لفظی یا معنوی کے ساتھ زبان اُردو میں استعمال
کیا جائے اور اس عمل کا نام تہنیت نہ ہے جو مقابل تقریس اور تقریب کے ہے جیسا کہ
خان آرزو نے چراغ ہدایت میں لکھا ہے مثلاً تیاک یعنی گرم جوشی و ارتباط ہند و دراصل
مفت میں اضطراب و بے قراری کے معنی میں ہے اسی طرح رسید یعنی نوشتہ جو کسی چیز کے
پہنچنے کے بعد دوسرے سے لیتے ہیں ہند ہے اہل ایران کے کلام میں نہیں
آیا وہ اس کی جگہ یافتہ ہوتے ہیں اسی طرح رسد یعنی آذوقہ و ذخیرہ جو شکر اور قافلے
کے ہمراہ ہوتا ہے اور احتیاج کے وقت کام میں مائے ہند ہے استادان ایران کے
کلام میں نہیں آیا ابوطالب کلیم نے جو شاہ جہان نامے میں لکھا ہے وہ روزمرہ دربار سلطین
دہلی کے موافق لکھا ہے ہمارے اسی طرح مستفاد ہوتا ہے خان آرزو کے نزدیک لفظ
روزنامہ بھی ہندوستانی ہاں سرپرست کا ہندوستانی ہے نہ ہندوستانی نہ ہندوستانی

خادم اور مہماندار کو کہتے ہیں یہ تو محض تصرفات ہیں لفظی تصرفات یوں سمجھو کہ منس عام طور سے دودھ کے جھاگوں کے منے میں مستعمل ہے جس کی قفلیاں فروخت کرنے ہیں اور تمیز بروزن عزیز تمیز بروزن تکمیل کی جگہ یہ دونوں لفظ مہند ہیں اور تشنہ یعنی تشنہ مثلاً کیون طعنے لگتے دیتے ہو۔ مہند ہے اور مرزا نوشہ کے اشعار میں۔

دل گذر گاہ خیال سے وساغری سہی	اگر نفس جاوہر منزل تقو سے نہ ہوا
کس سے محرومی قسمت کی شکایت کیجئے	ہنے چاہا تھا کہ مرجائیں سودہ بھی نہ ہوا
مرگیا صدہ یک جنبش لب سے غالب	انا توانی سے حریف دم عیسے نہ ہوا

باعتبار محاورہ اردو کے تقو سے اور عیسیٰ الف بصورت یا سے چاہیے ایسا الف مقصورہ کہلاتا ہے یا سے معروف سے کبھی کبھی فارسی میں آجاتے ہیں مگر اردو میں مرزا کے وقت سے اس وقت تک یا سے معروف سے استعمال نہیں کرتے پس مرزا کے استعمال کر لینے سے ایسے الفاظ مہند نہیں ہو سکتے۔

صحرا سے دوم سرقات شعری کے بیان میں

سرقے سے بُرا بانیہ کیون مصحفی سچ ہے	کہتے ہیں جسے شاعری ہے آپ یہ فن چور
مست باندھیاوے مصحفی مضمون کسی کا	ہے ننگ خلایق وہ جو شاعر ہو سخن چور

بدترین عیوب کلام سرقہ شعری ہے اور یہ عیب ذات شاعر تک محدود ہوتا ہے یعنی بخلاف اور عیوب کے اس میں شاعر سارق کی بھی ایک قسم کی بدنامی ہے جلد لوح بالسنوی نے اپنے رسالے میں اس عیب کو صنعت سرقہ شعری لکھا ہے بحمان اللہ یہ کیا عیوب صنعت، جو کہ دوسرے کا شعر یا مضمون یا الفاظ چورالین۔

اگر دوشاعر کسی ایسی صفت و غرض پر اتفاق کر لیں جو عموماً سب آدمیوں کو مقصود ہو اور اسے العموم لوگوں کا اس سے اتفاق ہو جیسے تباہی یا سخاوت کی تعریف اور بخل و نامردی کی مذمت جو یہ چوری نہیں البتہ فصاحت و غیر فصاحت دیکھی جاتی ہے کیونکہ یہ امور عقول و عادات میں داخل ہوئے ہیں اور ان کو فصیح و غیر فصیح اور شاعر و غیر شاعر کام میں لاتے ہیں تو ایسی چیزیں ہر دو شاعر و ان کا اتفاق کر لینا اور اپنے کام میں باندھنا سرقے میں داخل نہیں کیونکہ ان میں تمام شک ہے، سیکے ایک کو دوسرے سے اخذ کرنے اور چورالے کی احتیاج نہیں، اور جو دوشاعر

ایسے لفظ پر اتفاق کریں جو اس غرض عام پر دلالت کرتا ہو خواہ بطور حقیقت یا بطور مجاز یا کنایہ یا تشبیہ کے تو اس صورت میں دیکھنا چاہیے کہ اگر وہ لفظ ایسا ہے کہ خاص و عام میں اس کے متبادل ہونے کی وجہ سے سب اس کے سمجھنے میں شریک ہیں جیسے رخ کی تشبیہ ماہ و مہر سے اور قد کی تشبیہ سرو شمشاد سے اور آنکھ کی تشبیہ بادام سے اور جری و شجاع کی تشبیہ شیر سے اور سخی کی تشبیہ دریا سے تو یہ بھی داخل سرفہ نہیں اور نہ ان الفاظ کا استعمال داخل سرفہ ہے جو محاورات اور ضرب المثل بن گئے ہیں۔ جیسے حساب دوستان درد دل ان شعرون میں۔

ذوق

حساب صلائے یوحی مجھے میرے دل کے زخموں کا حساب دوستان درد دل اگر وہ دربان مجھے

میر نسیم اللہ

شعنین سو گالیاں اک بوسہ لیکر اے پری پیکر
اور ٹٹی کی اوٹ میں شکار کھیلنا ان شعرون میں۔

ذوق

درد دل کے داؤں گھات میں ترکان چشم
کرتی ہر قصہ ٹی کی ادھیل شکار کا

سیر

اسی کی اوٹ میں ہ کیا کرتے ہیں شکار
آنکھ کو چھپائے رکھتے ہیں اپنے نقاب میں

سعادت خان

ابردے میں خط کے لیتی ہر بوسے وہ آپکا
اور لو لگا کر شہیدوں میں داخل ہونا ان اشعار میں۔

سیر

ناخن سے بواہوس گلایوں ہی چھیل گیا
وہ لو لگا کے وہ بھی شہیدوں میں مل گیا

ذوق

گل س ننگہ کے زخم رسیدوں میں مل گیا
یہ بھی لہر نکاتے شہیدوں میں مل گیا

البانت

نکا کر رہا ہو داخل ہے بہن سب شہیدوں میں
اندھ میں ہون قتل ہر دم خدار پہلے سے

اور ہاتھ ٹھنکنا ان اشعار میں۔

سیر تقی

ہوؤں تین نم جسم سج نکلتے تھے اک چیرا | اس دن ہی غصین دیکھے ماتھامر اٹھکا تھا

انتشار

ہم آگے ہی سمجھے تھے وہ گھر کو سدھار نیلے | جسوقت گجر باجا ماتھامر اٹھکا تھا

اسی قبیل سے ہے۔

نصیر

خیال زلف دو تار میں نصیر پٹا کر | گیا ہے سانپ نکل اب لکیر میٹا کر

امن

سانپ تو بھاگ گیا پٹے میں روگ لکیرا | خوب پوشیدہ کیے تھے دکھا کر گیسو

رند

سر دے دے مار گیسوے جانان کی یاد میں | پینا کرو لکیر کو کا لانا نکل گیا

اسی قبیل سے ہے۔

سودا

سودا ہر نامیو واعظ کی گفتگو | آواز دہل ہے خوش آئندہ دور کا

تاسع

سینہ کو پی میں نے پوری بین کی بولام | کیا خوش آئندہ یہ آواز دہل ہندو کی

اور اگر وہ لفظ ایسا نہ کہ لے سکے مجھے میں سب آدمی شریک ہوں اور سب کا ذہن اس تک نہ پہنچ سکتا ہے اس وجہ سے کہ وہ ایک خاص قسم کا مجاز ہو یا کوئی خاص کنایہ ہو یا تشبیہ دقیق ہو جو بغیر فکر و غور کے سمجھ میں نہ آسکے تو ایسے لفظ کی نسبت یہ کہنے کا حق ہو جیسا ہے کہ ان دو شاعروں میں سے جنہوں نے اسکو استعمال کیا ہے ایک نے کامل طور پر باندھا ہے اور دوسرے نے ناقص طور پر اور ایک نے دوسرے پر بڑھا دیا ہے در دوسرے نے اس سے کلمہ کر دیا ہے اور اس قسم کے لفظ کی جس کے سمجھنے میں تمام آدمی شریک نہ ہوں انہیں بین ایک یہ کہ عامۃ الناس اسکو سمجھ سکتے ہوں بلکہ نہایت فکر و غور کے بعد سمجھ میں آتا ہو دوسری قسم یہ ہے کہ ہر ایک شخص اسکو سمجھتا ہو یا نہیں نہ پھر شاعر نے اس میں تصرف کر کے غراہت پیدا کر دی ہو اور استبدال اسکا دہر کر دیا ہو جیسے زلف کو بسبب دوش پر کندادہ ہونے کے شب دوش کے یا ابرو کو شمشیر پر آودہ ہے استعارہ کر کے نو ابرو کا تیغ

سے استعارہ بتدل عامیانه ہر لیکن نہ ہر آودہ کئے سے ایک قسم کی غایت اس میں آجاتی ہے کیونکہ
زہر کو سبزی سے نسبت ہے اور سبزی اور سیاہی میں چندان تفاوت نہیں ہے پس ابرو کا
سبب سیاہی رنگ کے تیغ زہر آودہ سے استعارہ کرنا امر غریب ہے خلاصہ کلام یہ ہے کہ سرشت کی دو
قسمیں ہیں ایک سرقہ ظاہر اور دوسرا سرقہ غیر ظاہر۔

ایمان سرقہ ظاہر

سرقہ ظاہر وہ ہے کہ اگر دونوں شعرون کو کسی عاقل کو سنایا جائے تو وہ حکم لگائے کہ ان میں سے ایک
کئی اصل دوسرا ہے بشرطیکہ اس غلط کو جو غرض و صفت پر دلالت کرتا ہو تمام آدمی نہ جانتے ہوں اور یہ
تین قسم پر ہے۔

ایک انتحال و نسخ یعنی کسی کے کلام کو بغیر اختلاف الفاظ و معانی کے اپنا کر لین جیسے بیت

جانین متانوں کی ب تک آیان | بل بے ظالم تیری بے پروایان

میر محمدی بیدار اور خواجہ بیگنا شیدا دونوں کے کلام میں موجود ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں
صاحبوں میں سے ایک نے سرقہ کیا ہے علی بن ابی القیاس یہ اشعار۔

اعجاز اب اسکا دم میٹنے سے نہیں کم | دو پنجہ سین بے بیضا سے نہیں کم

معدوم کو کیونکر کوئی ثابت کرے دانا | مضمون کمر بار کا خفا سے نہیں کم

نواب عماد الملک غازی الدین خان نظام تخلص کے کلام میں بھی موجود ہیں اور والد فیض آبادی کے
بیان بھی لکھے ہیں اور تیسرے مصرع میں دانا کی جگہ قالہ لکھا ہوا ہے۔

سرقہ

کیسویچوئے دیتے ہیں نہ رخ کا بوسہ دیتے ہیں | یوں ہی اک عمر گزری ہے کہ صبح و شام کرتے ہیں

صاحب تذکرۃ النساء لکھتے ہیں کہ یہ شعر نزاکت تخلص کند و نام نہت حسینی خوشحال والی کجی مشہور
ڈیڑھ دار یا فعل دار و چپور شاگرد میر واجد علی لکنوی شیخہ تخلص مقیم چپور نے پڑھ کر اپنی طرف منسوب کیا
اور یہ بیت۔

اک خواب میں دیکھا تو بظاہر بھی لینگے | قسمت سے نہ گزواب کی تعبیر اٹ جائے

فراسو نام زوجہ شمر دفرانیس مقرب خدمت زیب نسا بیگم اور خیراتی خان دسوزہ دونوں کی طرف منسوب ہے۔

امیر ضیاء الدین ضیا

دل چلے ہر غم سے اور آنسو بہانا منع ہے | اک رہی ہر گھر کو اور بچانا منع ہے

سینے میں شورش ہو اور ضبط افق کو تو حکم ہو

زمین جلیز میں تھلے اور نہ اٹھانا منع ہے

مصحفی

سینے میں شورش ہو اور ضبط افق کو حکم ہے

زمین جلیز میں لگ گئی ہو درجہ اٹھانا منع ہے

ضیاء کے اتھار کا دوسرا اور تیسرا مصرع ملائے سے مصحفی کا پورا شعر دوتا ہے۔

میر

کرے کیا کہ دل ہی تو مجبور ہے

زمین سخت ہے آسمان دور ہے

میر حسن

بدائی تری کس کو منظور ہے

زمین سخت ہے آسمان دور ہے

حکایت ایک روز شہر جھوپال میں یار محمد خان صاحب شوکت کے مکان پر خید اجاب کا جلسہ تھا مولف بھی حاضر تھا خان صاحب موصوف نے ان اشعار کو اپنے نام پر پڑھا اور بجائے صاحب اپنا تخلص شوکت کر دیا۔

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے

تیری ہستی کا رنگ دہونہ رہے

استعد ڈوب اس میں اے صابر

کہ بجز ہو کے غیر ہونہ رہے

تذکرہ گلشن بخار میں لکھا ہے کہ فضل مولے خان فضل تخلص لکھنوی کی یہ عادت تھی کہ آپ شعر کہتے تھے اور دوسرے شعر کا شعر اپنی طرف منسوب کر لیتے تھے آخر تہذیب رسوائی اور بدنامی ہوا، بفضل ایسا سرقہ نہایت سیوہ دست عیب ہی کیونکہ سرقہ محض ہے جس میں کچھ بھی دوسرا شاعر اپنی طرف سے شعر سرقہ میں نہیں ملاتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا سرقہ جس میں کچھ بھی اپنی طرف سے نہ ملایا جائے ایسے سرقے سے جس میں کچھ اپنی طرف سے بھی ملایا جائے نہایت بدتر ہے۔

اور اسی کے قریب ہی بھی کہ پرے شعر کا تمام مضمون لیکر اس کے بعض الفاظ یا تمام کو بدل دین اور ان کی جگہ دوسرے مترادف الفاظ رکھ دین جیسے میر کا مصرع اے

عاقبت بندہ خدا میں اہم

جرات نے کہا ہے۔

آخر شش بندہ خدا میں اہم

جرات کے عاقبت کو آخر شش سے بدل دیا ہے۔ یہی حال اشعار ذیل کے مصرع دوم کا ہے۔

میں نے جانا تھا ظلم بندہ کر کے گا دھون

سچا و اشوق کے لکھنے کا ہمارے دفتر خواہ

	میر	
پہنے جانا تھا کچھے گانو کوئی حقت میرا	یہ ترانہ تو اک شوق کا دفتر نکلا	
	شیخ علی بخش بیمار	
سانس آہستہ بچھو بمبار	ٹوٹ جائے نہ آبلہ دل کا	
	منشی واحد علی بھل	
نوک ٹرگان ذرا خیال رہے	بھوٹ جائیں نہ آبلے دل کے	
اسی قبیل سے ہوا شمار ذیل کا مصرع دوم۔		
میرے تغیر رنگ پر مت جسا	اتفاقات ہین زمانے کے	
	دیکر	
میرے تغیر رنگ کو مت دیکھو	تھکوا بنی نقشہ نہ ہو جائے	
	میر	
چمن من گل نے جو گل دعویٰ جمال کیا	جمال یار نے ننھ اُسکا خوب لال کیا	
رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں چھپاتی	سوا سلی تیغ نے جھاڑا ہی، انفصال کیا	
بہار رفتہ پھر آئی ترے تھام سے کو	اچمن کو عین قدم نے ترے نہال کیا	
یہ تینوں شعرو ایک لفظوں کے فرق سے ہڈت دیا شکر نسیم کے دیوان میں بھی موجود ہیں حالانکہ میر صاحب کی یہ سات شعر کی غزل، ہر اور ان کے دیوان اول میں موجود ہے مقطع یہ ہے۔		
لگانہ دل کو کمین کیا سنا نہیں تو نے	جو کچھ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا	
اسی قبیل سے ہے۔		
	خلیفہ محمد علی سکندر شاگرد ناجی	
گرا ہر مانگ میں دل میرا آہ ٹھونڈن گدھرا	کہ آدھی رات ادھر ہو اور آدھی رات ادھر	
	عماد الملک غازی لدین خان نظام	
چسپا ہر انگ میں دل بے میں ٹھونڈن گدھرا	کہ آدھی رات ادھر ہو اور آدھی رات ادھر	
اسی طرح۔		
	شوریدہ	
باتوں کی گریہوں جلتے دل بد جگر ہین	جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہین	

تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہوئے یارب | بختک ہو رہے ہیں کائناتے زبان پر ہیں

حیدر علی بیگ کرم

تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہوئے یارب | جو زندگی سے اپنی بنیاد اس قدر زمین

شوریدہ کا دوسرا اور تیسرا مصرع ملکر کرم کا پورا شعر بنا ہو۔

امیر مینائی

غنچہ دسوسن سے کیا ہو شکر احسان بہار | وہ زبان بے دہن ہو یہ دہان بے زبان

مہر

ترے پیچھے کے آگے بالکل متفق ہوں دگل | وہ زبان بے دہن ہو یہ دہان بے زبان ہو

دوسری قسم سرفے کی مسخ اور اغارہ ہے یہ اسے کہنے ہیں کہ کسی شخص کے کلام کے تمام
لفظ و معنی یک صورت کلام کی بدل دین یعنی ترکیب الفاظ میں تغیر و تبدیل کر دین یا بعض الفاظ میں
تمام الفاظ میں ہے۔

میر

کیسوا قاصد وہ جو پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں | جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں

اس شعر کو آسیر نے اپنا یون کر لیا ہے۔

وہ جو پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں | کیسوا قاصد کہ دعا کرتے ہیں

اور مرزا دبیر نے یون لکھا ہے۔

آقا جو مرا پوچھے کہ کیا کرتے ہیں | کیسوا کہ شباب آؤ دعا کرتے ہیں

اسی قبیل سے ہے۔

امیر فیض میر

بچا تھے ہو کس کی مرے سر پہ ہر دستار | دیکھو وہ عبا کس کی ہر کاندھے پہ غوفار

یکس کی زہ کس کی سپر کس کی ہر تلوار | میں جس پہ سوار آیا ہوں کلا پہ پہ رہوار

باندھا ہے کر میں جسے یکس کی ردا ہو

کیا فاطمہ زہرا تے زمین اس کو سیا ہو

میر انیس

یہ تھا کس کی پہ بتلاؤ کس کی دستار | یہ زہ کس کی ہر پہن ہوں جو میں سینہ نگار

بزمین کس کا ہے یہ چار آئینہ بھوہر دار | کس کار ہوار یہ ہے آج مین جہ پون ہوار

کس کا یہ خود ہی تیغ دوسر کس کی ہے
کس جری کی یہ کمان دیہ سپر کس کی ہے

اسی قبیل سے ہے۔

محمد یار بیگ

شاخ کو کوئی ہلا دے تو تر جھڑتے ہیں | اپنی ہر جنبش ترگان لگر جھڑتے ہیں

سعادت یار خان رنگیں را

ایون سر شک مزہ اب نام وک جھڑتے ہیں | شاخ پر سیوہ سے جس طرح تر جھڑتے ہیں

اسی قبیل سے ہے۔

اعشرت

اچھی تھی لکھوان تک ناتوانی | کہ سوے سر سے بھی تھی سرگرائی

آتش

اس قدر ہم پہ ناتوانی ہے | موے سر تک بھی سرگرائی ہے

اسی قبیل سے ہے۔

اوباش

دل دیدہ اپنے جو یار تھے سودہ درد و غم میں بھینسلنا | ہمیں جن سے جتم اُمید تھی ہی آنکھ سے میرا گئے

سید حسین شاہ افزون

جتم اُمید جن سے رکھتے تھے | وہی آنکھیں میرا گئے ہم سے

اسی قبیل سے ہے۔

میر

اے بتو اس قدر جفا ہم پر | غایت بندہ خدا میں ہم

جرات

تک تو زجر جسم ادا بُتِ بیرحم | آخرش بندہ خدا میں ہم

گویا

اتنی تو جفا میں کرنا اے بُت | آخرین بندہ خدا ہوں

شاہ جهان بیگم شیرین

نکرو ہم پہ اتنی جو روحِ شہا
اے صنم بندہ خدا میں ہم
اسی قبیل سے ہے۔

خواجہ وزیر

دست نازک کی نزاکت جو سپر نہ دی
ایسی مٹی کہ بتیلی کا بنی تل قاتل

مرزا ادبیر

جوڑے ہوئے ہاتھوں کو ادب سے جلا جا
سمٹی سپر ایسی کہ بتیلی کا بنی تل
اسی قبیل سے ہے۔

خواجہ محمد ناصر عندلیب

تھا بندہ جس میں نامہ دہر کا
وہی بڑا گر پڑا کبوتر کا

میر محمد تقی میر

قسمت کی خوبی دیکھو کبوتر کا گر پڑا
وہ بڑا جس میں تھا مرا نامہ بندہ کا

داع

وہ ناما کامی کہ جس میں ہے باندہ خفا شوق
وہ ہی مرغ نامہ ہر کا ٹوٹ کر شہیر گرا
اسی قبیل سے ہے۔

مومن

کہا اُس بُت سے جا مرتا ہے مومن
نامین کیا کروں مرضی خدا کی

وزیر

کہوں جب میں کہ بے تیرے ہوں تار
نہ کتاب ہے وہ بُت مرغی خدا کی
اسی قبیل سے ہے۔

وزیر

خواب میں تجھ سے ہم کنار رہا
عین غفلت میں ہوا شہیار رہا

گویا

اپنی غفلت ہے عین استیاری
خواب میں ہے یار کو دیکھا

اسی قبیل سے ہے۔

المانت

جست کرتا ہر جسے تو خیال یار کا شکوہ | جو بچوے آگواہیں سے بھریا دیا کیجے

بکسر

غمِ عبث شادی عبث نامہ و فریادِ عبث | بچوے جو آگواہ شرفِ نفس کی بھریا دے عبث

اسی قبیل سے ہے۔

مومن

اہم لگا لینگے سن اے سوج بوبل تیرا | اسی زلفوں کے گریباں پر نشان ہو گا

حافظ الہی بخش شائق

سن کے اے باد صبا اور پریشان ہو گی | زلفِ جاناں کا اگر بال بھی بالکا ہو گا

اسی قبیل سے ہے۔

سراں

چلی بہت غیب کے اک بوا کہ چین سرور کا جل گیا | تارِ یک تار نہاں غم جسے دل کہیں سوہری ہی

آفتہ ستا

نہ سوکھی شاخ غم الحمہ نہ | جسے کتنے ہین دال بٹک ہری ہری

شاد نیاز احمد

چلی بادِ گرمِ فراق ہو جلا سب وجود نیاز کا | تارِ یک عشق کی کشتِ غم جسے دل میں سوہری ہی

اسی قبیل سے ہے۔

وصفی

پاسے بوسی آپ کی کس دن ہوئی بھگو نصیب | وصل میں بھی مرنے دے گلِ خاتھی میں نہ تھا

شیرین

مرغِ روہونیکے قابل کیا خاتھی میں نہ تھا | آپ کے قدموں کے نیچے سکو جاتھی میں نہ تھا

اسی قبیل سے ہے۔

محمد حسن کلیم دہلوی

چھپا ہے آمری چشمِ بد بے دریا | اے دیکھا ہر باتک حبابِ بین دریا

مفتی صدرائے دین خان زردہ

نہ دیکھا ہو کسی نے حباب میں دریا | وہ دیکھے مری چشم پر آب میں دریا

افطرت

ازل سے بند ہو چشم پر آب میں دریا | العجب یہ ہو کہ بھر اے حباب میں دریا

اسی قبیل سے ہے۔

غالب

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے | انھیں بتاؤ یہ انداز گفتگو کیا ہے

نثار علی خان نثار

مجھ سے کہتے ہیں وہ کہ تو کیا ہے | کوئی پوچھے یہ گفتگو کیا ہے

اسی قبیل سے ہے۔

خواجہ درد

باوجودیکہ پرد بال نہ تھے دم کے | وہ بان پونجا کہ فرشتے کا بھی مخدوم تھا

قصہ شاہ روم

خدا کو یاد کر اے پستہ ناک | بنایا جس نے تجھ کو ایسا چالاک

بغیر از پہنچنے ایسا اڑا یا | زشتوں نے بھی وہ رتبہ نہ پایا

اسی قبیل سے ہے۔

میر

بڑے کباب سوختہ آئی دماغ میں | شاید جگر کو آتش غم لے جلا دیا

ظفر

خدا جانے کیا کیا حال لے آتش غم کے | کہ بڑے کباب سوختہ ہر آہ سوزائیں

اسی قبیل سے ہے۔

اجرات

کیونکہ بستر پہ کرے پاؤں وہ رہجو درازا | جسکو غم و فتنی بھی ہو سفر دور درازا

عبدالواحد خان مسکین

کیونکہ نہ اٹھتا بیٹھنا مشکل سو اس جو رکا | جسکو از بند فتنی بھی آگ سفر دور دور کا

اسی قبیل سے ہے۔

ہاے اُس سے خدا جدا نہ کرے ^{میر} دور اُس سے جیون خدا نہ کرے

بھگو تجھ سے خدا جدا نہ کرے ^{حسرت} امین ہون تجھ سے خدا خدا نہ کرے

اسی قبیل سے ہے۔

اُنگ ہم سے یون رہنا اور چھوٹنا ^{میر حسن} یہ اوپری اوپر مزے لوٹنا

کیون جی یہ اکیلے شب کو جانا ^{گلزار نسیم} اوپر اوپر مزے اُڑانا +
تیسری قسم سرقے کی سلخ اور المام ہر انہی پرانے مضمون و مطلب کو اور الفاظ میں باندھنا
اُسکے الفاظ چھوڑ دینا کہیے۔

کس لیے لطف کی باتیں میں پھر ^{شیفتہ} کیا کوئی اور ستم یاد آیا +

مفسر بلا آنے والی سے کوئی ^{انسیم دہلوی} انہیں بے سبب مہربانی ٹھکاری

اسی قبیل سے ہے۔

گلستان میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا ^{بادشاہ} نہ یہی سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

جہان میں پھر امین شکل صبا ^{شیرین} کسی گل میں بو تیری پاتا نہین

اسی قبیل سے ہے۔

گلہ میں جس سے کروان تیری بے وفائی کا ^{میر}
جہان میں نام نہ کے پھر وہ آشنائی کا پ

سودا

گلہ نگھون میں اگر تیری بے وفائی کا
موسم غرق سفینہ ہوا آشنائی کا

اسی قبیل سے ہے۔

میسر

رات ساری تو کٹی سنتے پریشان گوئی
میزجی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

سودا

سودا تری فریاد سے انگھون میں کٹی رات
اب آئی سحر ہونے کو ٹٹک تو کمین مر بھی

اسی قبیل سے ہے۔

میسر

صبح گزری شام ہو لے آئی تیر
تو نہ جیتا اور بہت دن کم رہا

اوج خلف مرزا دبیر

چونکا تو نہ اب تک اوج سوئے سوئے
دن ڈھل گیا اور رات ہوئے آئی

اسی قبیل سے ہے۔

ذوق

چارہ گرا ہو جزا لطف تو بچہ کیا ہے عجب
مشک سودہ کرے ہرزخم پہ کار مرعم

میسر

اشیاے جہان سے جو کرین دفع ضرورہ
زخمون کے لیے مشک میں مرعم کی ہوتا ہے

اسی قبیل سے ہے۔

موسم

یہ ناتوان ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا ہے تری کر کا سا

انش

تار ہوں ایسا کسی کو میں نظر نہیں آتا
خشق میں کھل کر کر کا یا رکی موہو گیا

نواب کلب علی خان

کابش غم سے ہجر میں نواب
کسین تیری کسب نہ ہو جائے

حسن مرزا قصید

اس قدر زار ہو رہا ہوں مین | کسیر یار ہو رہا ہوں مین

بحم الدین احمد مجرم

کیا ہے ضعف نے نہان نظر کے | کسیر سائین ہوا عشق کرے
اسی قبیل سے ہے۔

مسکین

اکل جین مین مین مصطفیٰ کئے لگا | کھول ہر منج دہن صل علی کئے لگا

لطف علیخان لطف بریلوی

باغ مین جا کر ٹپھاجب روح احمد پر درود | اکھن گئے فخنون کے نغمہ صل علی کے واسطے
اسی قبیل سے ہے۔

اجرات

اکبہ صیاد اسیرون کی خبر لیتا ہے | اور جو لیتا ہے تو مقرض سے پر لیتا ہے

مہر

اسیران نفس چرب عنایت آپ کرتے ہیں | کسی کو فنج کرتے ہیں کسی کے پر کرتے ہیں
اسی قبیل سے ہے۔

فرحت علی امید

چھو جولی ہو زلف بے پیر اسکی اپنے ہاتھ سے | ڈالی اپنے پائون مین زنجیر اپنے ہاتھ سے

ادیا ناختر جو ہر

زلف جھو کر اس بُت کافر کی قیدی ہم ہو | پائے مل مین پڑ گئی زنجیر اپنے ہاتھ سے
اسی قبیل سے ہے۔

انشا

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرت انسان | افعل بند تو اٹھتے ہو لعنت کریں شیطان

ظفر

شیطنیت کرے انسان تو سب کام خراب | کیا تماشہ ہے کہ شیطان کا ہونا نام خراب

اسی قبیل سے ہے۔

میر تقی

کایہ چشم لیکے جون ز گس

ہنے دیدار کی گدائی کی پاپ

آتش

آنکھیں نہیں دین چہرے پیرے بفر کے

دو ٹھیکے ہیں بھیک کے دیدار کے

اسی قبیل سے ہے۔

سوز

جکے نامے پہونچتے ہیں تجھ تک

کاش اُن کا میں نامہ بر ہوتا۔

جرات

جنھوں کے نامے پہونچتے ہیں یار تکانِ رات

آنکھیں کج کاشکے جرات بھی نامہ بر ہوتا

اسی قبیل سے ہے۔

ذکی

کیسا کمال ہو کہ ستارے ہیں بدر میں

انسان خشی ہوئی یہ تمھاری جبین نہیں

شرم

تنے افشان جو چنی چاند سی پیشانی پر

ہو گئے چہرہ مستاب پہ اختر پیدا

رند

میں بھی تو دیکھوں چاند میں تارے جڑے ہوئے

انسان چہرک کے یار دکھا دے جبین مجھے

اسی قبیل سے ہے۔

جرات

نہ تمھیں کے رہتا ہوں بڑا

خواب میں آئے نظر تا کوئی

آتش

رات بھر آنکھوں کو اس اُمید پر رکھتا ہوں نیند

خواب میں شاید کہ دیکھوں طالع بیدار کو

اسی قبیل سے ہے۔

بدر صنگ قلندر

خُراف میں چہر کا کچھ اور ہی بدنام و فروغ

رکھتے بدوشنی شمع شب تار سے کام

ناسخ

اڑتی بر روشن دن کو تیرہ جانوں کا غم
جس طرح بر شمع کو حاجت شب دیجور کی
اسی قبیل سے ہے۔

اکمال

بل جو رخسار دنیہ کھاتے ہیں یہ دلبر گیسو
قتل عاشق کو کرینگے یہ مقرر گیسو پٹ

آفاق

خوب بل کھاتے ہیں رخ پر تر سے دلبر گیسو
ہر یقین بیچ کوئی ڈالین گئے ہم پر گیسو
اسی قبیل سے ہے۔

سودا

نہیں شایان زیب گنبد ستار کچھ زاہد
اگر سواک بی اسپر کلس بود اگر ہودے

ناسخ

دیکھو ناسخ سر شیخ معجم کی طرف
کہا کلس سواک کا ہے گنبد ستار پر
اسی قبیل سے ہے۔

آتش

داہ ری شانے کی سمت کس کو یہ معلوم تھا
بیچہ شل سے کھلینگے عقدہ ہائے سوے دوست

فیہم

زنجیر توڑی بیچہ شل نے غضب کیا
کشانے سے اُس پری کی ہوئی امارتا زلف
اسی قبیل سے ہے۔

سیر

شکر دہ لب شیرین تو تل بہ خال سیاہ
بجا ہر تل شکری کا گمان ہونٹوں پر

صفا

شکر تل نظر آتے ہیں لب خال سیاہ
اُنکے ہم ذائقہ ہو تل شکری کا کیا ٹھہ
اسی قبیل سے ہے۔

رند

گمان زلف سے نظارہ سنبل نہیں کرتے
ہمیں کاٹا ہر جب سے سانپے سی سے ڈرتے ہیں

شفاعت

دھوکے میں گیسو دکن کی سنبھل کا پتا ہونا جس طرح سانپ کا ٹاڈتا رہے رس کے

اسی قبیل سے ہے۔

دبیر

اب مطلب ہمزہ ہمیں ڈاکریہ سٹائے حمزہ کی سرپرست پہ مولا تھے لگائے

امیر

ہر سرپرست مبارک پہ کہ حمزہ کی سپرا اذوالفقار اسد اللہ کہ شمشیر و دوم

اسی قبیل سے ہے۔

میر

شاید اس سادہ نے رکھا ہے خط اگر کہ میں متصل لکھا ہے خط +

میر ضیا الدین ضیا

صاف تھا جب تک تھے ہلو بھی جواب تھا آہو خط آئے لگا شاید کہ خط آئے لگا

اسی قبیل سے ہے۔

امانت

شل بارت اسیر چہ بابل ہو دے دل گزر ہرہ جبینون پہ نہ مائل ہو دے

سردار حسین سعید

عجب کیا ہو اگر کون بھی سیر جاہ بابل ہوں کسی زہرہ شمائل کی نقیہ پر لے مائل ہوں

اسی قبیل سے ہے۔

امانت

پستان نمود ہمیں قد موزون یار من یہ کونسا ہے سر کہ جس میں شمر لگے

میر نصاحب یقین

بجائیوں کا، نہ مال قد کلد میں اجارا سرد میں بھی نظر آتی ہو شمر کی صورت

اسی قبیل سے ہے۔

سودا

اگر عدم سے نہو ساتھ فکر موزی کا + آفتاب و دانہ کو لیکر گھر نہو پیدا

بحر

عدم سے جانب ہستی جو میں روانہ ہوا | تگرگ وار مرے ساتھ آب و دانہ ہوا

پہچلے شاعر نے گمر کی جگہ تگرگ بدل دیا ہے۔

منا کا مل بیگ کا مل

ترگان سے گرنے پر دل برد کرے ہر تگرے | یہ بات میں نے کہہ کر جب اس سے داد چاہی
کنے لگا کہ ترش جس وقت ہو وہ خالی | تلوار بھی نہ کھینچے تو کیا کرے سیاہی

خوش وقت رائے شادان

جب تک ہو کام ترگان کے تو بروست چڑھا | تیر کے ہوتے کوئی کھینچے بھی ہر تلوار کو

اسی قبیل سے ہے۔

سود

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں | تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

انشا

یاں تک تو ہے ترا عالم تیر اندازی | کہ تجھے کہتے ہیں استاد عرب اور محبہم
طار قبلہ نما پر بھی اگر کیجے خیال | تو وہ بھی تڑپے ہو گھر اپنے میں در توڑی دم

ذوق

تیر ناوک کو ترے دیکھ کے ہر لوٹ رہا | طائر قبلہ نما خاک کرے گا طیران

اسی قبیل سے ہے۔

جرات

صنم سنتے ہیں تیری بھی کمر ہے | کہاں ہو کس طرف ہو اور کدھر ہے

اسعد

ہو جسم میں تمہارے مرجان اگر کمر | دیکھیں کھاؤ کیسی ہو اور ہر کدھر کمر

اسی قبیل سے ہے۔

میر

کیا کہیے کہ خوبان نے نابہم میں ہر کیا رکھا
ان چشم سیاہوں نے بہتوں کو سلا رکھا

امیر مینائی

وہ سرمہ بھری آنکھیں قندہ میں جاؤں
کتون کو لگا رکھا کتون کو سلا رکھا

اسی قبیل سے ہے۔

مہر

ڑے سینے سے نسبت برابر کی ہر سینے کو
وہاں جو بن اُبھرتا ہر بیان چھائے اُبھرتا ہن

امداد

وہاں سینے پہ وہ اُبھرتے بیان دل میں اُبھرتے ہن
ہمارے داغ ملتے ہن ٹھارے اُبھرتے جو ہن سے

اسی قبیل سے ہے۔

شاہ حاتم

عجسہ کی زندگی سے مرگ بھلی
کہ جہاں سب کمین وصال ہوا

نیم

کہتے ہن مرگ کو وصال تبسم
کہ نہ ہوا وصل ہم لے مرد یکسا

گویا

مرنے کو بھی لوگ کہتے ہن وصال
یہ اگرچہ ہے تو مر جاتے ہن ہم

اسی قبیل سے ہے۔

نامت

خطا جو ہم کر چکے تخریر تو ہو نچانے کو
اشیائون سے نکل آئے کبوتر باہر

نواب کلب علی خان

نامہ یہ کس کو لکھا ہے جو کبوتر سیکڑون
میرے آگے بیٹھے ہن شاق پر کھولے ہوئے

اسی قبیل سے ہے۔

تسکین

اب یہ حالت ہے کہ اُن سا بیدرد
میرے بچنے کی دعا مانگے ہے

نواب

ابو یہ شکل ہے کہ اُن کو بھی
حال پر میرے رقت آتی ہے

اسی قبیل سے ہے۔

تلف

تو بہائے اشک خون اور پانی وہ بر سائے فقط
روئے میں کب ابرو چشم پر غم ایک ہی طور کے ہیں

نظیر

مری اس چشم تر سے ابر باران کو ہے کیا نسبت
اک وہ دریا کا پانی اور یہ خون دل ہے بر ساتی
اسی قبیل سے ہے۔

میسر

پیام اُس گل کو اُس کے ہاتھ دیتے
شبک پائی نہ ہوتی گر صبا میں

مذاق

میں اُس گل کو پیغام دیتا ہزاروں
ہوا ہو گئی پر صبا کہتے کہتے
اسی قبیل سے ہے۔

افضل

آئے ہیں اُسکی کمر تک تو لٹک کر گیسو
طرف راہ عدم ہیں مجھے رہبر گیسو

نواب

زلف بوچھے گی نری تابکر کون کے روز
آئے گی راہ عدم پیش نظر کون سے روز
اسی قبیل سے ہے۔

نادر

نغی داشتات دہن میں گو کہ قیل وقال ہے
اکالیون کا دنیا لیکن ناطق استدلال ہے

عاقل

دیتے ہو گالیاں یہی کافی ثبوت ہے
ابنودہن کے ہونے میں حجت نہیں یہی
اسی قبیل سے ہے۔

امیر

چوٹی میں تقری موباف عجب بیا ہے
اداسن شب کے گریبان سحر ٹانکا ہے

س

تقری موباف کا کل میں نہیں
صبح روشن ہے گریبان گیر شب
اسی قبیل سے ہے۔

اطوار ام شایان

بعد مشکین میں نہیں موبات زربہ اگر پڑی بجلی شب دیوچور میں ۴

مفتون

ہو یکجہ موبات زرین اسکے مفتون جہدین خلق کتنی ہو پڑی بجلی شب دیوچور میں

اسی قبیل سے ہے۔

مہدی علی زکی مراد آبادی

دل مجھ سے رہا جسد ہمیشہ آگیا وہ ضمیر مفصل ہے

مولوی سید محمد صدیق حسرت خان نواب مخلص

دل ماندن جسد ہمیشہ کوئی کہ ضمیر مفصل ست

اسی قبیل سے ہے۔

شیخ علی حسرت

نگار گوشہ چشمش چنان ستانہ کے آید کہ ترسا زادہ بدست از سچانہ کے آید

دوق

یون نگہ نگے سے چشم بارت ست جیسے خانہ خار سے

اسی قبیل سے ہے۔

اشنومی پدماوت مولفہ عبرت

نراکت سے شکم میں بچہ اس کا نظر آوے قاجون مینا میں صہبا

غالب

چون صورت آئینہ ز افراط لطافت آید بنظر چہ اواز شکم او

اسی قبیل سے ہے۔

اندرام مخلص

تہہ گرام جسدائی ہا + چیز خوب سے ہشنائی

ظہر حق خوب ہو پسین ہشنائی نہ پیش آوے ارمز تلہ جہدائی کا

اسی قبیل سے ہے۔

صائب

بہار عمر ملاقات دوستداران ست
یہ خطا بردہ خضر از عمر جا، ان تنہا

نہا یکن لہابوری

ہر عزیز دل ہی کی صحبت سے توجینے کی بہا
دیر نہ کیا فائدہ ہر خضر سا تنہا رہنا

افضل علی خان قندیل

حضرت خضر بنے رہے جو تنہا کیا لطف
زندگی وہ ہر جو جو جائے بسریار دن میں

فلق

ہم جو یار دن میں نہ ٹھہرے تو ہمیں صبر نہ لے
حضرت خضر کو کیا رست کی لذت ہوئی

شیخ امام علی محسر

بے لطف بسر کرتے ہیں یہ خضر و سیحا
کو لطف نہیں رست کا بے صحبت حیا

اسی قبیل سے ہے ہر یہ شعر سعدی کا ہے۔

دوستان منع کفتم کہ چار دل تو دادم
بایراد دل تو غنم کہ خمین خوب دانی

خواجہ احسان الدربیان دہلوی

یہ لوگ منع جو کرتے ہیں عشق میں بھگو
انہوں نے یار کو دیکھا ہی یا نہیں دیکھا

میر

چاہنے کا ہم یہ خواہان جو دھرنے میں گناہ
الے بھی پوچھو کوئی تم اتنے کیوں پیارے ہو

اسی قبیل سے ہے۔

شیخ فرید الدین عطار

حمدیجہ مر خدا سے یاک
آنکہ ایمان وہ دست خاک را

اعلام امام شہید

حمدیجہ اس خدا سے یاک
نور ایمان جسے بخشا خاک کو

اسی قبیل سے ہے۔

سراج الدین علیخان آرزو

شیخ ز تاریخ جهان آگسہ کعبہ تو کنہ صنم خانہ ایست

سودا

اپنے کعبے کی بزرگی شیخ جو چاہے سوز اندر وہ تاریخ تو پیش از صنم خانہ نہیں

ولہ

تو تاریخ جهان شیخ جی ہم خوب ہیں آگاہ اسے کعبہ آرزو کئے ہو جو تھا دیرین سمجھو

امیر احمد مینائی

دیر کی تحفہ کراتی نہ اسے شیخ دم آج کعبہ بن گیا کل تک یہی تہخانہ تھا

اسی قبیل سے ہے۔

حاجی محمد گیلانی

از گداز شمع باشد شعلہ را پایندگی میکند از پیلوے مظلوم ظالم زندگی

سودا

جو ناتوان نہ کریں دستگیری دشمن تو خار و خس نہ کریں شعلے کو کجھو برپا

اسی قبیل سے ہے۔

انوری

تا عشق تو در سینہ مکان کرد کراجا کس دید در آفاق بیک شہر دور اجا

قلندر

دل میں خیال ایک ہی دہر کا خوب ہے اُڑے ہر ملک آوے ہر جہاں دوسرا

اسی قبیل سے ہے۔

واحد

بسکہ در چشم درد ملہ بہ محظا سے یارم توئی ہر کہ آید در نظر از دور پندارم توئی

درد

بیگانہ کر نظر بڑے تو آشنا کو دیکھ

بندہ گراے سائے تو بھی خدا کو دیکھ

اسی قبیل سے ہے۔

ابو علی سینا

اگر وہ ہمہ شکلات عالم راجل | ہر بند کٹودہ شد مگر بند اجل

انیس

عقدے سب حل ہوئے مگر آہ نہیں | یہ بند اجل کسی سے کھولانہ گیا

اسی قبیل کے ہے۔

غنی

لشت چون رشتہ عمر کوتاہ | معنی سال گرہ نہیں دم

انیس

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا | یاں اور گرہ سے اک برس جانا ہی

اسی قبیل کے ہے۔

کاتبی

بودیم بچونا فد ہمہ عمر در خطا | موئے سفید بین و درون سیاہ را

انیس

تلفے کی طرح عمر خطا میں گزری | بالونہ سفیدی بر سیاہی ل میں

اسی قبیل کے ہے۔

نظامی

سنان بر سنان رستہ چون نوک خار | سپر بر سپر بستہ چون لالہ زار

انیس

ہر سمت تھی سنان پہ سنان مثل خار زار | ہر صف میں تھی سپر پہ سپر مثل لالہ زار

اسی قبیل کے ہے۔

لاحقہ

چون نفی اثبات ست از مردن غمی ترکم | بقائے من چو تمع کشتہ باشد در فناے من

انیس

خود پیام زندگی لائی قضا میرے لیے | شمع کشتہ ہوں فنا میں ہر بقا میرے لیے

اسی قبیل کے ہے۔

مخلص کا شہ

در فراق تو چہاں بت محبوب کنم
صبر ایوب کنم گریہ یعقوب کنم

شرف الدین مضمون

بہنے کیا کیا نہ ترے عشق میں محبوب کیا
صبر ایوب کیا گریہ یعقوب کیا

اسی قبیل سے ہے۔

بیدل

ستی آلودہ بر لب رنگ یان ست
تہا شاکن نہ آتش و خان ست

ناسخ

ستی مالیدہ لب پر رنگ یان ہے
تہا شا ہے نہ آتش و دھواں ہے

اسی قبیل سے ہے۔

ناصر علی

گویند کہ شب پر سر بیمار گران ست
گر سر مرہ چشم تو گران ست اذان ست

ناسخ

تا توانی سے گران، سر مرہ چشم یا کو
جس طرح ہورات بخاری مرہم یا کو

اسی قبیل سے ہے۔

لاحند

بروز بکسی کس نیست غراز سایہ یار من
گر از ہم نہ دارد طاقت شہما سے تار من

ناسخ

سہنجی من کوئی کہ کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تار یکی من سایہ بھی جد ہو تا ہواں سان

اسی قبیل سے ہے۔

عذاب

خود شمار کند کہ گناہ ست بزرگ
اندھے زرد فردوس بردن آدم را

باوکی

گنہ کو مت گنہ جو تار جتے مذہب سے
یوں جھوٹ سے دانے نہ بیلہ بار آدم کو

اسی قبیل سے ہے۔

قتیل

ما از انزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت
 آرد سوے ماندید و حیا را بہانہ ساخت
 اس شعر کے پہلے مصرع کا مضمون مزارِ ارحم لدین حیا کے شعر کے پہلے مصرع میں اور دوسرے
 مصرع کا مضمون روشن شاہ روشن کے شعر کے پہلے مصرع میں بندھا ہے۔

حیا

اداسے جان لیتے ہیں اجل کا نام کرتے ہیں
 وہ اپنے سر کی یہ نیت پرانے سر پہ دھرتے ہیں

روشن

دیکھ کے مجھ کو منہ کو جھپایا اور حیا کا نام لیا
 وہ رسی تیری دانشمندی اس میں بھی اک کام کیا
 اسی قبیل سے ہے۔

قدسی

آلودہ قطرات عرف دیدہ جبین را
 اختر فلک می خرد ردے زمین را

سودا

آلودہ قطرات عرف دیکھو جبین کو
 اختر پڑے بھانکین میں فلک بگرد میں کو

اسی قبیل سے ہے۔

لاحذ

بہار بے سپر جام یارے گزرد
 نسیم بچو خدنگ از کنارے گزرد

سودا

بہار بے سپر جام یار گزرے ہے
 نسیم تیری چھاتی کے پار گزرے ہے

فائدہ مزارِ رفیع سودا سے اور فردوسی و میرزا حاکم مولوی نذرت کشمیری وغیرہ سے بخش تھا
 اور سودا ان لوگوں کی عجب بہت کیا کرتے تھے اس لیے یہ لوگ اُن سے عداوت رکھتے تھے اور
 چند مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ جب کوئی غزل یا شعر تازہ مضمون کا سودا نے کہا اور ان تک پہنچا
 انھوں نے اسی مضمون کی غزل یا شعر فارسی زبان میں تیار کر کے مشتہر کر دیا اور کہہ دیا کہ سودا نے چوری
 کی ہے اصل شعر فارسی کا تھا پس اصل میں چور وہ لوگ تھے نہ مزارِ رفیع سودا اور جہاں ہمیں سودا کے شعر کے
 مضامین کسی ایسے فارسی شعر میں جہاں اشارتِ زمانے سے سابق نہو یا شاعر کا نام نہ معلوم ہو پائے جائیں
 وہ شعر بلا شبہ ناغین کا ہوگا۔

بیان سرقہ غیر ظاہر

سرقہ غیر ظاہر اسے کہتے ہیں کہ اگر دو شاعر دن کے شرکی عاقل کو سنائے جائیں تو وہ اُنکے سننے کے بعد اس بات کا حکم کر لے میں کہ ایک کی اصل دوسرا ہے تاہل وغور کی طرف محتاج ہو اگرچہ سرقہ غیر ظاہر میں بھی پہلے شاعر کے معنی دوسرا شاعر لیتا ہے لیکن اس میں یہ بات مخفی ہوتی ہے کہ دوسرے نے پہلے سے معنی نہیں بخلان سرقہ ظاہر کے کہ اس میں یہ امر خوب ظاہر ہوتا ہے کہ پہلے معنی سے دوسرے معنی یہ گئے ہیں اور اسکی پانچ قسمیں ہیں۔

لیک قسم یہ ہے کہ کوئی شاعر ایسا شعر لکھے کہ اس کا مضمون دوسرے شاعر کے شعر سے بہت رکھتا ہو اور شاعر باہر وہ ہے کہ مشابہت کے انخامین کو شش کرے اس طرح کہ شعر کی زمین بدل دے اور مضمون بھی بدل دے اس طرح کہ اگر پہلے کا شعر مدح میں ہو تو ابجو میں لکھے اور اگر پہلے کا شعر مرثیہ میں ہو تو تنیث کے موقع پر لائے۔

میر
کفر کچھ چاہیے اسلام کی رونق کے لیے
حسن زنار ہے تسبیح سلیمانی کا

سودا
ہو جب کفر ثابت ہو وہ تمنا ہے سلیمانی
انہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی
اسی قبیل سے ہے۔

میر تقی
تھی لگ اُسکی تیغ کو ہم سے سو مشق نے
میدان مور کہ میں گلے سے ملا دیا +

دبیر
کشتوں سے میا بان بلا پاٹ رہی تھی
آئل مل کے بھنوں کے گلے کاٹ رہی تھی
اسی قبیل سے ہے۔

میر
آجے میں جان بلب تھے ہم دُوری زبان
آئے ہیں پیر کے یار و اب خدا کے بان

ذوق
اگر بک پیر جیتے وہ کہے کے سفر سے
آو جان بھر سے شیخ ہی اللہ کے گھر سے

س

بھاگ ان بردہ فرد شوق کمان کے بھائی	بیچ ہی ڈالیں جو یوسف سا، برادر پامین
------------------------------------	--------------------------------------

حالی

زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں	اور یوسف سے برادر کو دق دیتے ہیں
-----------------------------------	----------------------------------

اسی قبیل سے ہے۔

سودا

ہمارے آگے تراجم کسی نے نام لیا	دل تم زدہ کو بہنے محام محام لیا
--------------------------------	---------------------------------

محررات

یاس چا بیٹھا جو میں کل اک ترے ہمنام	رہ گیا بس نام سنتے ہی کلیجہ محام کے
-------------------------------------	-------------------------------------

اسی قبیل سے ہے۔

اذوق

ایسا اعتبار رستی ناپائدار کا	چشمک ہی برق کی کہ تبسم شرار کا
------------------------------	--------------------------------

غالب

اک نظر بیش نہیں فرصت ہستی غالب	خمری بزمِ اک قص شر ہونے تک
--------------------------------	----------------------------

اسی قبیل سے ہے۔

شرم

دنیا میں ترے عارض گلگون کو دیکھ کر	جامِ حباب ہو گا کٹورا گلاب کا
------------------------------------	-------------------------------

ناسخ

سقطہ اُکے نہانے سے بکھ آب ہوا	حباب بھر اک شیشہ گلاب ہوا
-------------------------------	---------------------------

اسی قبیل سے ہے۔

اسیر

دست رنگین سے خون بہا میرا	یہی کافی ہے خون بہا میرا
---------------------------	--------------------------

میر بہادر علی محبت

اگر خناترے ہاتھوں سے خون بہا دل کا	تو نگاہ دست نگارین سے خون بہا دل کا
------------------------------------	-------------------------------------

اسی قبیل سے ہے۔

میر کلوعرش

آسیا کتنی ہی ہر صبح باواز بلند	رزق سے بھرتا ہر زاق دہن پھر کے
--------------------------------	--------------------------------

وزیر

آنکھ جس نے دیا وہ رزق دے گا	گویا یہ دہان آسیا ہے
-----------------------------	----------------------

اسی قبیل سے ہے۔

سودا

اے ابرسم، تجھے رونے کی ہمارے
پٹکا ترے آنکھوں کی بھی تخت جگر بھی پا

ظفر

تو بہائے اشک فون دریا پی و در سائے فقط	آر دے مین کہا برد چہم پر غم ایک ہی طور کے مین
--	---

اسی قبیل سے ہے۔

ممنون

فخاوت قامت یا را و قیامت مین ہر کیا ممنون	دہی فتنہ ہر یکن بان ذرا سانچے مین ڈھلتا ہے
---	--

غالب

ترے فتنہ قامت سے اک قد آدم	قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
----------------------------	--------------------------------

اسی قبیل سے ہے۔

س

ابر وے جانان مین در کعبے مین بھری ذوق	یہ خدا کی در بنابند کی دہ تعمیر ہے
---------------------------------------	------------------------------------

ظفر

دل سچی مین دونوں عمر خدا کے ذوق پر	کو تعمیر کے ہاتھوں کی تعمیر ہے ہاتھوں کی
------------------------------------	--

اسی قبیل سے ہے۔

ولہ

ہو جائے ہر راجی جلا وقت اعتبار
مردار سے ملے تین ان کے

میرزا محمد امیر
مچھکوزادہ نہیں شراب حرام
تیسرے دن میٹر آئی ہے
اسی قیل کے ہے۔

دنیا کے جوڑے ہیں ہرگز یہ کم نہونگے
ہرچہ یہی رہینگے افسوس ہم نہ ہونگے

مولوی محمد اسماعیل

اس نغمین میں کیساں عدم وجود میرا
تو میں بیان نہوتا یہی کاروبار ہوتا
سودا کا شعر ہے۔

ایسے ہی آشیان میں باز کے بچہ کو ترکا
شہان نے گرگ کو گلے کی سوئی ہو نگہبانی

اس شعر کے پہلے مصرع کا مضمون فلق کے شعر کے دوسرے مصرع کے مضمون سے مشابہت رکھتا ہے
اور دوسرے مصرع کا مضمون مومن کے شعر کے مضمون سے مشابہت رکھتا ہے۔

مومن

گرگ نے دور عدل میں اُس کے
یکہری راہ در رسم چوپانی

فلق

یہ عدالت سے ہے جہان مہمور
باز سیتا ہے بچہ صفورا

دوسری قسم سرقہ غیر ظاہری یہ ہے کہ ایک ساء کی میت میں ادعا عام ہو دوسرا اپنے شعر میں
ادعا خاص کرے مثال اسکی۔

محمد یار خان امیر

ہاے سُرخی ترے رخسار کی ہنگام شباب
جتنا بگڑے ہو اتنا ہی نور جاتا ہے

شہسبکی

مجھے میں نیا رنگ نکالے ہیں پری رو
یہ دیکھو یہ بگڑا ہے میں سنو جاتے ہیں کیسے
پہلے شعر میں خاصا ہے عشق کے رخسار کی شباب میں سرخ ہو جانا اور جتنا اسکا بگڑنا اتنا ہی نور جانا
یہ ان کی یاد اور دوسرے شعر میں یہ باتیں عام شوقیوں کے دائرہ نبوت کی زبان داغ نے بھی اس مضمون کو
نامدہ لیا ہے اور ان کے شعر میں ادعا سے خاصا ہے۔

دلغ

قصے نے اور رنگ تراشوخ کر دیا | اچھی بنی بگاڑ میں صورت عتاب کی

اسی قبیل سے ہے۔

خواجہ وزیر

ایک عالم نے جہہ سانی کی | اے بتو تھے بھی حسدائی کی

انیم دہلوی

مجھے زاہد سراپا سے صنم پر سجدہ کرنے کو | خدا کی شان بُت کرنے لگے دعویٰ خدائی کا

پہلے شعوبین حکم سجدے کا عام ہے | بچے تمام عالم کا سجدہ کرنا بیان کیا ہے اور دوسرے شعوبین

بناص زاہد دن کے سجدے کے لیے لکھا ہے۔ عاشق نے اس مضمون کو یون باندھا ہے

تماشا دیکھتا ہوں تری قدرت نمائی کا | خدا کی شان دعویٰ ہے تو کو بھی خدائی کا

اسی قبیل سے ہے۔

ظفر

زلف یون ردے عرق آلودہ پر لڑے ہے | صبح جون ناگن گلون پر چاٹتے اوس لے ہے

وزیر

انہیں پر رو عرقناک پردہ شکن زلف | یہ اوس چاٹنے نکلا ہر ملک چین کا سانپ

پہلے شعوبین عموماً ہر ایک ناگن کے گلون کی اوس چاٹنے کے لیے خاص صبح کے وقت نکلنے کا ادعا ہے

اور دوسرے شعوبین خاص ملک چین کے سانپ کا اوس کو چاٹنے کے لیے دعویٰ کیا ہے اور اسے نکالنے کا

وقت مہین نہیں کیا ہے اور نہ کسی خاص قسم کی اوس کا ذکر کیا ہے۔

شیخ عبدالزاق شاد نے اس مضمون کو اس طرح باندھا ہے۔

چھٹے ہوئے عرق آلودہ رُخ پہ گیسو مین + | کہ اوس چاٹنے نکلے مین ماہتاب مین سانپ

اسی قبیل سے ہے۔

امیر خسرو

اہمہ آہوان محرم خود نہادہ برکت | با میدان کہ روزے بشکار خواہی آمد

میر

بر تو سر تسلیم رکھے صید دم مین | وہ صید فلک تیغ بکعت تا باد صراوت

پہلے شعر میں شتاق شکار ہوتا عموماً تمام آہوان صحرائی کی نسبت بیان کیا ہے اور دوسرے شعر میں خاص حرم کے جانور دن کی نسبت۔

تیسری قسم سرقہ غیر ظاہر کی یہ ہے کہ کسی خاص مضمون کو ایک محل سے دوسرے محل میں نقل کوین یعنی وہ خاص مضمون ایک شاعر نے کسی درموقع پر لکھا تھا دوسرا اُسکو کسی اور موقع پر لائے مثال یہ قول دبیر کا ع

آنکھوں میں پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو

انیس

آنکھوں میں یوں پھرے کہ مژہ کو خبر ہو

اول مصرع میں خبر ہونے کی نسبت مردم دیدہ کی طرف تہ اور دوسرے میں مژہ کی طرف۔

تقریبی

چمن میں گل نے جو گل غوی جمال کیا جمال یار نے ننھا اسکا خوب لال کیا

حیدری

برابری کا تری گل نے جب خیال کیا صبا نے مارٹیا ننھا ننھا اس کا لال کیا

حیدری کے شعر میں صبا کے طیا ننھا۔ رنے سے گل کا ننھا لال ہونا بیان کیا اور میر کے شعر میں جمال یار کے شرمندہ کرنے سے گل کا لال ہو جانا بیان کیا ہے جس ننھا کے سرخ کر دینے کے معنی کو جمال یار سے لے کر صبا کی طرف متقل کر دیا میر سوز نے اس مضمون کو یوں باندھا ہے۔

دعوے کیا تھا گل اس رخ سے رنگا ہوکا مارین صبا نے دھو لیں ننھا ننھا یہ تھو کا

اس قبیل سے ہے۔

۵

علی کا نام بھی نام خدا کیا راحت جان ہے عصا ہے پیر تیغ جوان در حرز طفلان

ذوق

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے عصا ہے پیر کو اور سیف ہے جوان کے لیے

پہلے شعر میں بیان کیا گیا ہے کہ علی کا نام بڑھنے کے لیے عصا ہے اور جوان کے لیے تلوار ہے اور دوسرے شعر میں ان امور کو راستی کی طرف نسبت کیا ہے۔

اسی قبیل سے ہے۔

ذوق

ملاح خیال روئے بتان ہوں مجھے خدا بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ نواز ہے

مذاق بدایونی

عشق خیال بتان سے ہوگی نجات کیونکہ نکتہ نواز ہے اللہ اسی قبیل سے ہے۔

بحرات

مشاطہ ترب گھر سے جب یکے نبات آئی اب بند ہوئے بکے کچھ ٹھہرے نبات آئی

ایاز محمد خان ایاز

گلشن میں صبا یکاڑب گل کی نبات آئی انجمن کے ہوئے لب بند کچھ ٹھہرے نبات آئی

پہلے شعر میں مشوق کی نبات کا لانا مشاطہ کی طرف منسوب کیا ہے اور لب بند ہونے کی نسبت آدمیوں کی طرف کی ہے اور دوسرے شعر میں گل کی نبات کا لانا صبا کی طرف منسوب کیا ہے اور لب بند ہونے کی نسبت غنچے کی طرف کی ہے۔

غیاث الدین بیہن بادشاہ دہلی کا بیٹا محمد سلطان جب لاہور کے باہر راوی کے کنارے پرکان تاناری کی ٹرائی میں مارا گیا تو یہ خسرو نے اُس کا مرثیہ ترکیب بند میں لکھا ہے اُس میں کہتے ہیں۔

بسکہ آب خیمہ خلقے شہردان درپار سوا پنج آبے دیگر اندر مولتان آمد پدید

شیخ تاج نے الہ آباد میں بیجا اُس میں سے یہ شعر من تراشا

ایک ترہنی ہر دوا نکھین مری اب الہ آباد بھی پنجاب سے

اول شعر میں مولتان کا آسودن کی کثرت کی وجہ سے پنجاب ہو جایاں کیا ہے اور دوسرے شعر میں الہ آباد کا چونکہ اُس ملک میں پنج دریا ہیں ستلج بیاس راوی جہلم چناب اس لیے اس ملک کو پنجاب کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ تاج کا مصرع یوں ہے۔

تین ترہنی میں دوا نکھین مری

ترہنی تین تین بنی گنگا جمن سرستی۔ ترہنی کرست میں مارچنہ ترہنی نیون دریاؤں کا متھا ایک نام ہو گیا ہے اس لیے تین آگے وپر کا لکھا ہے تین میں تین قدرے دینا پتہ میں چہرہ ہے اس کا حاصل یہی ہے۔

اسی قبیل سے ہے۔

میں بھی تو دیکھوں چاند میں تارے جڑے ہوئے رندا نشان چتر کے یار دیکھا دے جہن منٹھے

میر ہمدی جنوں شاگرد رشک

کسی نے تارے نہیں دیکھے چاند میں اب تک | تمہارے چاند ساچہ ہے اور تارے گال

اول شعر میں چاند میں تارے جڑے ہوئے کے ساتھ نشان چتر کی مونی جہن کو تشبیہ دی ہے اور مضمون کو بطریق استفہام کے ادا کیا ہے اور دوسرے شعر میں چاند میں تارے ہوئے کے مضمون کو چہرے اور گال کی تشبیہ میں باندھا ہے اور اول اُس بیت کے دہرہ انکار کر کے پھر چہرے اور گال کی تشبیہ سے ثبوت کو پہنچایا ہے۔

اسی قبیل سے ہے۔

میر شمس الدین فقیر

خال اُس کی بیاض گردان کا | نقطہ انتخاب سہ گویا

میر تقی

نقطہ خال سے ترا برد | بیت اک انتخاب کی صورت

اسی قبیل سے ہے۔

میر

عجب صحبت ہے کیونکر صبح اپنی شام کرے اب | جہاں آں نشان تھے ہم کہا آدم کرے اب

میر

جب میں جلتا ہوں تو منہ پھر کے یوں پھینک | میندا آئی ہر تین آپ بھی گرم کر دین

میر

رتبہ گل بازی کا ولا کاش تو پاتا | انھوں نے گرا تہ و دانگھران سے اٹھاتا

میر

سرے زخموں میں یکر و نمک ب کیا بیارے | ہزار زہین یہ تو گلیوں آغواؤں کے

اول شعر میں نسبت آنکھوں سے اٹھانے کی گئی بازی کی طرف سے ہے اور دوسرے میں نمک

کی طرف۔

انشا

اٹھری رنگت تری ہمدری زینت	بوست سے تو مہنے کیے ہونٹ ہیں نیلے
---------------------------	-----------------------------------

محسن مولف سراپا سخن

لیا تھا منے تصور میں ایک دن بوسہ	اغضب ہے آج تلک نیلگون ہیں سا گال
----------------------------------	----------------------------------

پہلے شعر میں نیلے ہونے کی نسبت بوسے کے تصور سے ہونٹوں کی طرف ہے اور دوسرے میں گالوں کی طرف میر حسن نے اس مضمون کو نوٹ باندھا ہے۔

وہ رخسار نازک کہ ہو جائیں لال	اگر اسیہ بوسے کا گذرے خیال
-------------------------------	----------------------------

اور میر ہادی علی بخود نے اس مضمون کو اس طرح باندھا ہے۔

نیلگون فرط نراکت سے ہوا جاتا ہے	اب تو بوسے کا تصور بھی ہے بار عارض
---------------------------------	------------------------------------

اسی قبیل سے ہے۔

احمید ساکن بلند شہر

سوز دل دجگر نے آخر یہ جوڑ ڈالے	اُس بت کو کیا رُلا یا پتھر پھوڑ ڈالے
--------------------------------	--------------------------------------

فرید احمد وفا

پتھر انگلیں جو آنکھیں مل مل کے سوز عم	اشک لے کر کیا گالے پتھر پھوڑ ڈالے
---------------------------------------	-----------------------------------

پہلے شعر میں رولالے کی نسبت مشوق کی ہے اور اسی کے دل کو پتھر قرار دے کر پھوڑنے کی نسبت کی ہے اور دوسرے شعر میں عاشق کی طرف رونے کی نسبت کی ہے اور آنکھوں کو پتھر قرار دے کر اُن کی طرف پھوڑنے کی نسبت کی ہے اور یہ مضمون دراصل انشا کے شعر سے اخذ کیا ہے۔

نعمین پتھر انگلیں اور تپ بھی ٹپکائیں

اپنا پتھر ان تری قدرت کہ پھوڑے پتھر

چوتھی قسم۔ سرتہ غیر خابری ہے کہ ایک شاعر کا ظام دوسرے شاعر کے کلام کی ضد ہو گیا

نہم ڈھانکد یا خواب میں اس رشک پر	آیا منے جگا راقا نسیم سی کا
----------------------------------	-----------------------------

نہم کھولد یا خواب میں اس رشک پر	منون ہوں میں آج نسیم سحری کا
---------------------------------	------------------------------

اسی قبیل سے ہے۔

اختر

نہ دیکھی چشم ناز سے چھوئی نہ دست آڑ سے
سنا کیے ہین بار ہا یار کے کر نہیں

سورق

سب سے چلتے ہوئے آنکھوں کے مچھین دیکھا ہوا
بھیرے کیونکر نہ کہیں لوگ کر رکھتے ہین

اسی قبیل سے ہے۔

وزیر

یوسف جو کہا انھیں تو بوسے
کیا آپ نے مولے یا ہے

سیہ

پہونچا ہوا بتو حسن کا رتبہ یہاں تک
اکثر وہ بولٹھے ہین یوسف کے نام سے
خواجہ حیدر علی الش نے اس مضمون کو یوں باندھا ہے۔

کے جو یوسف انھیں کوئی تو یہ کہتے ہین
ہین بھی مجھے ہو تم نیچے کے قابل کا

ایس

اسی قبیل سے ہے

مثال بد جو حاصل ہوا کمال مجھے
کھٹا کھٹا کے فلک تے کیا ہلال مجھے

سید عبد کوہاب و ہاب

علی کی ہرے ہے بدر کا کمال مجھے
بجاں کیا جو بنائے فلک بلال مجھے

اسی قبیل سے ہے۔

حافظ

الایا ایسا الشافی ادر کا سا و نادہا
کر عشق آسان غودا دل بے افتادہ

ناسخ

اے دل زار نہر گوہ غم عشق سے نہ
کہ ادا خر ہے سبک دراد آئن بھاری

اسی قبیل سے ہے۔

نشاط

نمود مبرزہ خط کیا عذار آتشین پر جو
زمین شور سے کہنے لگا رہیا کشتل کو

غریز بریلو کی

اگاہی سبزہ خط رخ پہ اُس کان ملاحت کا

ثابت نے اس مضمون کو اس طرح ہاندھا ہے۔

نمک پر در در رخ پر سبزہ خط پا

ازمین شور میں سنبیل اگا ہے

اسی قبیل سے ہے۔

میر حسن

قسم بھکو حضرت سلیمان کی

ہوئی دشمن اب اُسکی مین جان کی

پیش

دہائی ہے بھکو سلیمان کی

کہ دشمن نہیں مین تری جان کی

اسی قبیل سے ہے۔

میر

کاشکے دل دو تو ہوتے عشق میں

ایک رہتا ایک کھوئے عشق میں

غیر

کاشکے دل سو بھی ہوتے عشق میں

رفتہ رفتہ سب کو کھوئے عشق میں

اسی قبیل سے ہے۔

بقا رات خان بقا

ان آنکھوں کا نت گریہ دستور ہے

دوا بہ جہان مین یہ شہور ہے

ولہ

سیلاب سے آنکھوں کی رہتے ہر خرابے مین

کھڑے جو مرے دل کے بنے ہر دبا بے مین

میر

وے دن گئے کہ آنکھیں دریائے بہتیاں

سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوا بہ

بھالے تو اپنے شعرون مین کہا ہے کہ آنکھیں ہمیشہ آنسو بہانی رہتی ہیں اور یہ دوا بہ ہمیشہ لہریں

رہتا ہے اور میر نے بیان کیا ہے کہ آنکھیں مدت سے آنسو نہیں بہاتیں یہ دوا بہ کبھی کاشک پڑا ہے۔

میر تقی

تیز بکھنا سر بہ خار کو لے دست جنون

شاید جا بے کوئی ابلہ پامیر سے بعد

اسی قبیل سے ہے

ظفر

خار صحراے جنون یوں ہی اگتیز ہے | کوئی آئے گا نہیں ابلہ پامیر سے بعد

اسی قبیل سے ہے۔

میر

ایک محروم چلے میر زمین دنیا سے | ورنہ عالم کو زمانے لے دیا کیا کچھ

سودا

سودا جہان میں آکے کوئی کچھ نہ لیگا | جانا ہوں ایک میں دل پر آرزو لیے

پہلے شعر میں اپنا دنیا سے محروم جانا اور زمانے کا عالم کو بہت کچھ دینا بیان کیا ہے اور دوسرے شعر میں عالم کا زمانے کے عطیہ سے محروم رہنا اور اپنا دنیا سے محروم نہ جانا ذکر کیا ہے۔

اسی قبیل سے ہے۔

محمدی بیداوا

اہم تری خاطر نازک سے خد کرتے ہیں | ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں

خواجہ امانی

اثر ہونگ میں کیونکر انھوں کو رام گوینا | بتوں کے دل ہو تو یارب یہ آہیں کام کرینا

اسی قبیل سے ہے۔

شیخ بھند بہار

اگر جلوہ نہیں ہے کفر کا اسلام میں ناہر | سلطانی کے خط کو دیکھ کیوں زنتار کہتے ہیں

ظفر

انفرد اسلام ایک ہیں کس طرح | دونوں فرقوں کا سلسلہ ہے اور

اسی قبیل سے ہے۔

نواب آصف الدولہ

ساتیاے سے چھکارے کہہ سکتے جادین | برق کی طرح جدھر جادین چمکتے جادین

دکھن سلیم

ایسے کم ظرف نہیں ہم جو کہتے جادین | مثل انگل جادین جدھر کو تو مہکتے جادین

اسی قبیل سے ہے۔

نواب صف الدولہ

جہان میں جہان تک جگہ پائے	عمارت بناتے چلے جائے
---------------------------	----------------------

وطن بیکم

منت کرد فکر عمارت کی کوئی زیر فلک	خانہ گول جو گرا ہو دے سو تعمیر کرد
-----------------------------------	------------------------------------

پانچویں قسم۔ سرقہ غیر ظاہر کی یہ ہے کہ دوسرے شاعر کے مضمون کے کچھ لیکر اور چیزیں ایسی بڑھا دیں کہ بہ نسبت اول کے زیادہ نکتہ ہو جائے جیسے۔

اموسن

خونہا قاتل بیرحم سے مانگا کس نے	کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں
---------------------------------	------------------------------------

دوق

کہتی تھی مابی بریان کہ دبیران قضا	داغ دیتے ہیں اسے جس کو درم دیتے ہیں
-----------------------------------	-------------------------------------

ظاہر ہے کہ موسن کے شعر میں داغ درم دینا اور خونہا مانگنا محض دعا ہے اور دوق کے شعر میں داغ دینا اور صاحب درم ہونا ثابت ہے موسن کے شعر سے داغ درم کا مضمون لیکر ایسی طرح سے ادا کیا ہے کہ اسکی نسبت بہت بلین ہو گیا ہے۔
اسی قبیل سے ہے۔

موسن

کیا کیا جلی ہر زم میں ٹھہرن نہ جب چرس	پر دانہ شمع شملہ شامل کے اس پاس
---------------------------------------	---------------------------------

داغ

رخ رستن کے آگ شمع رکھو دہشتے بنا	اور مر جانا ہو دیکھیں یا دھر پر دانہ آتا ہے
----------------------------------	---

اسی قبیل سے ہے۔

شہزادہ خان قراق

آہ خلیون کا ہمیں بے سبب نہیں	بھوسے سے اُسے یاد کیا ہو جب نہیں
------------------------------	----------------------------------

مزار احمد قسقی خان ہوس

نزع میں مجھے تب طرے بدل سادیں	آنا بجلی تو کہا اُسے ہمیں یاد کیا
-------------------------------	-----------------------------------

پتہ تعین صرف بجلی کا، آنا اور عشق کا یاد را بیان یہ دوسرے شعر میں نزع کی بجلی کا آنا اور نزع سے وقتوں کا شاد کرنا زیادہ مناسب ہے اس سے شعر نہایت صیف ہو گیا۔

اسی قبیل سے ہے۔

ناسخ

زلف کو دیکھے کیا ماریہ سے تشبیہ
سایہ زلف سے ہو جاتے ہیں اژدر پیدا

برق

تیری زلفوں کے اگر لکھنے لگوں میں اوصاف
کشش حرف سے ہوں سطر و نمونہ اژدر پیدا

حسرت امام موسیٰ کاظم کی طرح میں کہتا ہے۔

حسرت

صلب آدم میں تو ہی تھا کہ تجھے سجدہ کیا
سب فرشتوں نے بفرمان خداوند کریم

سودا

ملک سجدہ کرتے آدم خاکی کو گراؤں کی
امانت دار نور احمدی ہوئی نہ پیشانی

اسی قبیل سے ہے۔

ناسخ

دیا میرے جنازے کو جو کا نہ تھا اس پر
کمان ہو تختہ تابوت تخت سلیمان کا

وزیر

پر یزادون نے ٹی دی جو جھکو بعد مریش
کوئی تختہ محمد میں ہو تخت سلیمان کا پا

اسی قبیل سے ہے۔

امیر مینالی

وقت رفتار و زریز عجب فیض قدم
انکس پارہ میں نجات ہیں نیار و دم

فضائل

جو نقش پا پر در ہم زر سے نہیں ہر دم
رکتے ہیں کیا پدم بیت زہداریا تو نہیں

اسی قبیل سے ہے۔

میر

چشم رکھتا تو چل فیض ہوا کو ٹک دیکھ
انگس گئی دی جہان بولی تھی دہقان نے بصل

نطق

طالب چشم تماشا ہے جو گلشن کی بہار
انگس گئی ہے اڑنغ میں بوئے ہین بھل

بچھلے شرمین نہایت ہی لطف ہو گیا ہے۔
اسی قبیل سے ہے۔

میر
قسم جو کھائے تو طلع زینسا کی
غریز مصر کا بھی صاحب بک غلام لیا

سود
کمال بندگی عشق ہے خداوندی
کہ ایک زن لے مرہ مصر سا غلام لیا
اسی قبیل سے ہے۔

میر
مست رنج کر سو کو کہ اپنے تو عقدا
دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا

سود
کعبہ اگر چہ ٹوٹا تو کیا جائے غم ہے شیخ
یہ قصہ دل نہیں کہ بنایا نہ جائے گا
اسی قبیل سے ہے۔

ضمیمہ
جب تک کہ ذوالفقار نے کاٹے نہ تین پر
ہر گز نہ دم لیا پر روح الامین پر

امیس
خیب من کیا گذر گئی روح الامین پر
کاٹے ہین کسکی تیغ دو پکڑے تین پر
اسی قبیل سے ہے۔

ضمیمہ
اک نیزہ ہوا پارہ سو سو کے جاڑے
رشتے کا لڈر ہوتا ہی جون سلک گرسکا

امیس
ہوتا تھا پارا کے وہ ہنگام دار و گیر
اسودل سے مثل رشتہ بسیج ایک تیر
اسی قبیل سے ہے۔

نظیر
ہوا جو اسکا وہ کوچہ چمن بہشت نصیب
خدا نے ہلکوا سی جا کیا بہشت نصیب

الفت
ہمیشہ کہتے تھے الفت کو لوگ نہشت نصیب
سوانح کوچے میں تیر بہشت نصیب

اسی قبیل سے ہے۔

فراغ

محو نظارہ ہر اے گل کیا نقطہ گرس کی آنکھ چشم بد دور آپ پر پڑتی نہیں ہر کسی آنکھ

فروع

انجھپہ پڑتی ہے یا سب کی آنکھ چشم بد دور ہے غضب کی آنکھ

اسی قبیل سے ہے۔

بیمار

یون بکتے ہیں وہ دندان لب خندان کے تلے جسطح سلک گریارہ مرجان کے تلے

اسیم

اُنے اُٹلی جو دبا لی کبھی دندان کے تلے شاخ مرجان نظر آئی در غلطان کے تلے

اسی قبیل سے ہے۔

محجب

مشک فتن زلف کو مین نے کسا مجھ سے یہ اک کار خطا ہو گیا

عیادت

مشک فتن کس تری زلفون کو کر معاف پڑتا ہوں یا ڈون باندھو نہ مجھ بے خطا کے ہاتھ

اساتذہ کا قاعدہ ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ ایک مضمون کسی مقدم شاعر نے باندھا اچھی طرح نہ بندھ سکا یا اُس پر ترقی ممکن ہے تو وہ دانستہ اُس مضمون کو لیکر اس طرح ادا کرتے ہیں کہ جو کچھ نکل جاتی ہے اور شعر بلند رتبہ جاتا ہے اور یہ عیب نہیں بلکہ ستحسین ہے مولانا غلام علی آزاد کیا خوب فرماتے ہیں۔ ۵

شاہد مئے کہ باشد جامہ لفظش کمین نکتہ دانے گر حیرت تازہ پوشانند خوش

سرفہ غیر ظاہر کی قسمیں بلغا کے نزدیک مقبول ہیں بلکہ سرفے کا اطلاق اُن پر ناروا ہے۔
فائدہ جلیلہ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ تذکروں میں جو کلام داخل ہوتا ہے وہ مختلف طریقوں سے ملتا ہے جن شاعروں کے دیوان ہاتھ آتے ہیں اُن کے اشعار دیوان سے منتخب کیے جاتے ہیں اور جن کے دیوان دستیاب نہیں ہوتے اُن کے اشعار محاصروں سے طلب کر لیے جاتے ہیں بعض اساتذہ اپنے تلامذہ کے اشعار بھجوا دیتے ہیں اور بعض تلامذہ اپنے استادوں کے شعر

لکھا دیتے ہیں کوئی سخنور کسی شاعر کے شعر پر لکھ دیتا ہے پس اس صورت میں اکثر دھوکا ہو جاتا ہے کہ کسی شاعر کے شعر کسی کے نام سے تذکرے میں درج ہو جاتے ہیں۔

میان توارد

ایسا بھی اتفاق ہوتا ہے کہ کسی شاعر کا کوئی شعر یا چند اشعار بغیر اختلاف لفظ و معنی کے ہو ہو دوسرے شاعر کے کلام کے مطابق ہو جاتے ہیں یا مضمون بالکل مطابق ہوتا ہے اور قصد سرقہ کا نہیں ہوتا۔ اس کو توارد کہتے ہیں اور ایسا بعض سائنسدانوں کے کلام میں پایا جاتا ہے اگرچہ یہ بات کمال جودت پر دلالت کرتی ہے اور اتفاقی ہے مگر بایہ درود عالم ہے کیونکہ جب ایک جادوگر تم کسی پر بیزاد مضمون کو کمال محنت و جستجو سے لکھتا ہے اور پھر دیکھتا ہے کہ مجھ سے پیشتر دوسرا پری خوان اسی دربار کو مینا سے عبارت میں اتار چکا ہے تو کیا کچھ افسوس کرتا ہے غم کھاتا ہے اور خون جگر پیتا ہے۔ اور توارد دوسرے میں فرق یہ ہے کہ توارد دلوانتہ ہوتا ہے اور سرقہ دلانتہ اور جو کلام کبھی نظر سے نگذرا ہو اور قانون تک نہ پہنچا ہو اس میں اکثر توارد نہیں ہوتا اور اگر کہیں احیاناً ہو جاتا ہے تو مذموم نہیں بلکہ پچھلے شاعر کی علو طبیعت پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی فکر استاد کی فکر سے جا ملی لیکن بدگمانوں کی زبانوں سے ٹھٹھکارا کہان کہ وہ اس بلند پروازی اور عنقا شکاری کو سرقے پر حمل کرتے ہیں اور شان طعن و تشنیع سے طلسم نگاروں کے دونوں کو پھیدتے ہیں۔

نقل ایک مرتبہ لشکر گویا میں شاعر ہوا اور یہ طرح ہوئی

کیا جاتے لکھ دیتے کیا اضطراب میں

مولوی سید اکبر حسن صاحب بنخود بریلوی سکون بدایونی موضع کا مطلع تھا۔

اساتی کا عکس رخ نہیں جام شراب میں

انجمن دنوں میں چودھری سعید الدین حسین صاحب رئیس میٹرو بدایون نے مجلس شاعرہ

ترتیب دی تھی اور وہاں بھی یہی طرح ہوئی مولوی احمد حسن صاحب دشت بدایونی جو بدلتے شاعر

اور ایک نامی آدمی میں ان کا بھی مطلع غزل ہی تھا۔

اساتی کا عکس رخ نہیں جام شراب میں

ایک کو دوسرے کے شعر سے اطلاع تو درکنار نام سے بھی واقفیت نہیں تھی اور اتنا زمانہ بھی نہیں

گذرا تھا کہ ان کا شعر ان تک پہنچا یعنی ایک ہی ہفتے میں دونوں جگہ مشاعرہ ہوا تھا۔
 نقل دیگر آبجیات میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ قلعہ دہلی میں مشاعرہ تھا حکیم آغا جان عیش نے ایک
 شعر اپنی غزل میں پڑھا۔

اے صبح صبح ہوتی ہو روتی ہو کیلئے | غھوڑی سی رہ گئی ہو اسے بھی گزار دے

ذوق کی غزل میں بھی اس مضمون کا ایک شعر تھا۔

اے صبح تیری عمر طبعی ہو ایک رات | رو کر گزار یا لے ہنس کر گزار دے

نقل آبجیات میں ناسخ کے حالات میں لکھا ہے کہ آلہ آباد میں ایک دن مشاعرہ تھا شیخ صاحب
 نے جو غزل پڑھی اسکا مطلع تھا۔

دل اب محو ترسا ہوا چاہتا ہے | یہ کعبہ کلیسا ہوا چاہتا ہے

ایک لڑکے نے غزل پڑھی جسکا مطلع تھا۔

دل اُس بُت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے | خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے

اُس وقت شیخ ناسخ نے بہت تعریف کر کے کہا کہ بھائی تمہارا مطلع آفتاب ہے میں اپنا پہلا
 مصرع غزل میں سنا کار ڈالوں گا۔

بیان تمغہ

کبھی شعرا کا کلام انھیں کے دوسرے کلام سے مل جاتا ہے اور مضمون مکرر بندھ جاتا ہے تحقیق
 کے نزدیک اُس کا کچھ مضائقہ نہیں اور اس امر کو اصطلاح شعرا میں **تمغہ** کہتے ہیں لیکن حق یہ
 ہے کہ وہ مضمون تبدیل ہو جاتا ہے شواہد فارس میں سے مرزا صاحب کے کلام میں اور شعرا سے
 ریختہ میں سے میر تقی میر کے یہاں تکرار مضامین بہت پائی جاتی ہے۔

سودا

ماتا حسد و عاشق و مشوق میں کہ نور | طغری جو ہود سے شمع کے توجہل مرے تنگ

اس شعر کا مضمون ایک قصیدے کے مطلع سے روگیا ہے کہے ہیں۔

ولہ

اشجار کا بستان جہان میں ہے عجب ڈھنگ

جلتا ہے چنار اُس سے رُخ گل پہ جو ہر رنگ

سودا

لے ابرقم ہنٹھے رونے کی بارے چکارتی آنکھوں کے کبھی نخت جگر بھی

ولہ

دیکھیں نوکسی چشم سے گرتے ہیں نخت دل تو اس طرح سے رو کے ادا برتر کہ ہم

عسرت

یہ گرمی اسکی آہوں سے تھی پیدا کے تو باغ سارا جل گیا تھا

ولہ

یہ آتش اسکی آہوں سے تھی پیدا کہ جس سے دشت سارا جل گیا تھا

میم

چشم خون بستہ سے کل رات لمبو پھر چکا کہنے جانا تھا کہ بساں تو یہ ناصور گیا

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

نکھتے تھے میرا دم کہ یہ ناصور کم ہوا پھر ان دنوں میں دیدہ خوبا رنگم ہوا

ولہ

جہن میں گل نے جو کل دعویٰ جمال کیا جمال یار نے کٹھ اُسکا خوب لال کیا

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

دعویٰ کیا تھا گل نے ترے رخ سے غمیں سیلی لگی صبا کی سونہ لال ہو گیا

حق صحبت نہ طردن کو رہا یاد دہ کوئی دد بھول بھی بیان تک نہ لایا

عجب نقشہ ہے نقاش ازل نے کوئی ایسا نہ چہرہ پھر بنایا

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

گلشن کے طارون نے کیا بیدتی کی اک برگ گل نفس میں بخت کوئی لایا

نقشہ عجب ہر اس کا نقاش نے ازل کے مطبوع ایسا چہرہ کوئی نہ پھر بنایا

ولہ

سحر ہام خون ہو جو نغمہ دھو چکون ہون یہ مفلوک ایسے کے گھر مہمان ہے

دوسری جگہ کہتے ہیں۔

جام خون بن نہیں ملتا عین کچھ صلیبیہ

جب اس چرخ تہ نگار کے مہمان ہوے

ولہ

بٹوے کباب سوختہ آئی دماغ میں

شاید جگر بھی آتش غم نے جلا دیا

دوسری جگہ کہتے ہیں۔

آتش غم میں دل بجنا شاید

دیرے نوکباب کی سی ہے

ولہ

غیر عزیزا زجان نہیں لکھا وہ یوسف کو بھی

اکیا غور میرزا ئی ہے ہمارے یار کو

دوسری جگہ کہتے ہیں۔

جسز برادر عزیز یوسف کو

نہیں لکھا کچھ غور سے وہ

ذوق

جنگی شادابی کو ہر کو اگر دیکھے تو دہ

طرقت العین میں ہو گا رہا کایقان

دوسری جگہ کہتے ہیں۔

اور بھی بیونہ خوشی پتھیں کچھ دہ

طرقت العین میں ہو گا رہا کایقان

ظفر

نہیں غیز عزیزوں کے سٹخ رو ہرگز

ہوے ہیں ایسے لوزیر آسمان سفید

منہ

عند دل میں نہیں پاتے ذرا ہم بھیت کی

سفید ایسا زمانے نے کیا کیا بارو ہو کو

غالب

زندگی اپنی جیسا رنگ گدڑی غائب

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خد رکھتے تھے

یہ مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ فارسی غزل میں بھی میرزا صاحب نے باندھا ہے۔

گفتنی نیست کہ بر غائبنا کام چہ رفت

میتوان گفت کہ این بندہ خداوندند

ولہ

رنوے زخم کے مطلب ہے لذت زخم سوزان کی

بکھیومت کہ پاس درد کے دیوانہ غافل ہے

منہ

زخم سلوانے سے مجھ پر چارہ جونی کا طعن
غیر سمجھائی کہ لذت زخم سوزان میں نہیں

انشا

اشدری رنگت تری بہلہ ری نزاکت
بوسے بے تو تم نے کئے ہو ٹھہر میں نیلے

ولہ

صبح رخسار اُس کے نیلے تھے
شب جو گذرا خیال بوسے کا پٹ

مہاراجہ سرکشن پر شاد

ہر طرح اسکی خیریت ہے
کفر و اسلام سے نجات ہے

ولہ

کفر و اسلام کا نہیں ہے خیال
ہر طرح خیریت کی نیت ہے

منشی

نیو تو جو اُس یری کے حُسن کا عالم کہ فٹ ہے
بلا شوخی غضب رفتار قیامت اک قیامت ہر

منہ

چشم بر قدر بلا زلف قیامت قیامت
ایسے لوگ تھیں آفت جان کہتے ہیں

منشی

ڈرتا ہوں لاگ جائے کسی کی چشم زخم
اس دُج سے آگے سب تو میرے نہ ترنخ

منہ

سب کے آگے اس دا سے تیغ میرے مت لگا
ناحق اور قاتل کسی کی ٹوک میں جلے گا

انداز کلام کا ایک سا ہونا

ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو شاعروں کے کلام کا انداز ایک سا واقع ہوتا ہے مثلاً۔

شاہ مبارک آبرو

جہان اُس خو کی گرمی تھی نہ تھی روان آگ کو غرت
مقابل کے ہو جاتی تڑانش لکڑیاں کھنکھاتی

اسی انداز میں حافظ عبد الرحمن خان احسان نے ایک شعر کہا ہے۔

لوخت رز سے کہا بچانے میں شب رندوں کا
 اُن تو خوب ہی خٹکے تری سو کن کو لگے ہا
 یعنی بھنگڑ خانے میں بھنگڑوں نے خوب سبزیان گھونٹیں اور طرے اڑا کے تم بھی یاروں پر نظر
 عنایت کرو۔

بڑھی ذقن سے خطر دے یار کی نیت
 از یادہ ہوتا ہے محصول کشت چاہی کل

شایان

کیون نہو چاہ ذقن سے سبز کا خط کی بہار
 باغ وہ سر سبز ہے جس کے کنواں نزدیک ہی
 اسی قبیل سے ہے۔

عشق میں نسبت میں بیکل کو پروا نیکی سام
 وصل میں نہ جان دیکھ پھر میں جتنی ہے ہا

کرے وہ سلطنت پر عشق میں شیریں کے سرد ہوتے
 تکلف بر طرف خسرو کو کیا فرہاد سے نسبت
 اسی قبیل سے ہے۔

یہ تھا مجھے تصور میں ایک دن بوسہ
 غضب آج تلک نیلگون میں سا رکال

ان خواب میں پہونچا جو دان دست خیال
 نیلا پیلا اُس کا زانو ہو گیا ہا
 اسی قبیل سے ہے۔

سرہانے میر کے آہستہ بولو
 ابھی تک روتے روتے سو گیا ہی

سودا کے جو بالین پہ ہوا شور قیامت
 خدام ادب بولے ابھی آنکھ لگی ہے
 اسی قبیل سے ہے۔

بگڑتے ترم شب ہجوم بلبیل بود
 مگر چراغ مزارم زرد غن گل بود

جائے روغن بیا کرے ہے عشق
تو نہ بیل چلے غمین گل کے
اسی بیل کے ہے۔

کیا تو بی اُسکے مُنہ کی اڑی غنچے نخل کرے
تو تو نہ بول ظالم پو آتی ہر وہاں سے

دعوت کیا حافل نے اُس رخ سے رنگ بڑھو
مارین صبا نے دھولین شہم نے مُنہ پتھو

تنبیہ

یہ بات قابلِ غاظ ہے کہ جب تک پورا پورا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک سر نہ کہیں اور یہی حال ہماری مثالوں کا ہے چنانچہ علامہ تفتازانی نے مطول میں لکھا ہے کہ سرے کا حکم اُس وقت کرنا چاہیے جب کہ ثانی کا اخذ اول سے یقینی ہو ورنہ سرے کے احکام مترتب نہیں ہو سکتے تو دیکھ بیل سے ہوگا ورنہ جس صورت میں کہ ثانی کا اخذ اول سے معلوم نہ ہو تو یہ کہنا چاہیے کہ فلان شاء نے یوں کہا ہے اور دوسرے لے سبقت کر کے اس طرح پایا ہے کیونکہ اس حسن تعبیر سے فضیلت صدق کی ہاتھ سے نہ جائے گی اور علم غیب کے دعوے اور غیر کی طرف مقصد کی نسبت کرنے سے بھی محفوظ رہے گا اگر نظر تفتیش سے ملاحظہ کیا جائے تو توارید سنائیں سے خالی کم شاء پائے جائیں گے اس لیے کہ احاطہ جمیع معلومات کا علم الہی کا خاصہ ہے معنی نگار کا خامہ اندھیرے میں تیر چلا تا ہے کیا جاسکے کہ صید دار ستہ ہے یا بال دہرہ تہ بہتہ کلیم نے کیا خوب گوہر انصاف پر دے ہیں۔

نہم کلیم بطور بندہ ہست
بخوان فیمن تھی جو دسترس دارم
کہ استفادہ سے جزا خدا نہ کنم
نظر کا سہ در یوزہ گدا نہ کنم

دے علاج توار دے تو علم کر دے

تذکرہ بان بہ سخن گفتن آشنا نہ کنم

اور مجھے فرض کیا کہ شاعر ایک زبان کے دیوانوں کا احاطہ کرے مگر غیر زبان کے دیوانوں کا کیا علاج السنہ مختار کا جامع ہونا تو بہت نادر ہے۔

ملحقات سرقہ

بحث سرقہ کے ملحقات میں سے تضمین اور اقتباس اور عقد و حل و حل اور ان کے سرقہ کے ملحق ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ان میں بھی کلام سابق کے معنی کو کلام لاحق میں داخل کیا جاتا ہے۔

بیان تضمین

تضمین اسے کہتے ہیں کہ ایک شاعر دوسرے شاعر کا پورا شعر یا مصرع کا کلمہ لیکر اپنے کلام میں باندھے اور اس کا نام بھی لکھ دے اور اس طرح نام سے دینے سے کوئی سرقہ کا گمان نہیں کرتا کبھی پورے شعر اور اس سے زائد کی تضمین کو استعانت کہتے ہیں اور مصرع اور مصرع سے لمبی تضمین کو ایداع اور رفوہ کہتے ہیں اور اگر تضمین میں تھوڑا سا تصرف بھی کر دیا جائے تو مضائقہ نہیں مگر تغیر کثیر مضرب ہے کیونکہ تضمین سے نکل کر حد سرقہ میں داخل ہو جائیگا جیسے۔

نہا پند لاہوری مؤلف مذہب عشق

سٹی ملکر جواستے پان کھایا +
سٹی مالیدہ لب پر رنگ پان ہے

یہ مطلع پڑھ کے ناسخ کو سنایا
تماشا ہے تر آتش دھوان ہے

بعضے تضمین ایسے شہور شعر کی کرتے ہیں کہ اسپر گمان سرقہ کا نہیں ہوتا مثال۔

میر درد

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو سہی مجھے
کنے لگا مکان معین نقیب کو

ای خانان خراب ہی تیرا بھی گھر کہیں
لازم ہی کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو کہیں

دردیش ہر کجا کہ شب آمد سرا ہے
تو نے سنا نہیں ہے یہ مصرع مگر کہیں

یہ مصرع شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا مشہور ہے۔

ناسخ

اغیار کی جو سعی سے بالفرض جان نہیں
مچکو نواسے بلبل شیراز یاد ہے

واللہ ہونگا ہر تین شل سقر بہشت
کیا لکھو کہ تھہر نہ کردن ہوا اگر بہشت

حقا کہ باغ قوت و فخر خ برابرست
رفتن بیایے مردی ہمسایہ در بہشت

یہ شہور شعر سعدی کا ہے۔

منیر

شب تاریک و ہم موج و گرد آلود چمنِ حائل
ہجوم کرب جسمانی و فوری رخ روحانی
آباد اند حال ماسکساران ساحل
اکہ کس بحر بلا میں کشتی بہتی و طوفانی

مصرعہ اے اول حافظ کے ہیں۔

صاحب قرآن

اے ساکنان عالم جو کب بیان کرو تم
اکی چونہ جب سے ہاتھ اپنا جاڑا
لے رند فائقہ میں ازلوں سے رجم کرا
بادستان تلخ باد شمنان مدارا
دل سے روز بزم صاحب لان خدارا
درد اکہ راز نہمان خواب شد آشکارا

صاحب قرآن شابی دوچار کھونٹ بی گے

تاجر تو غرض دارد احوال ملک دارا

مصرعہ اے آخر حافظ کے ہیں۔

تذکرہ شمع انجمن مؤلفہ نواب مولوی ندیق حسن خان میں سرور آزاد کے حوالے سے یہ لکھا ہے
کہ **تضمین چسپان** مقطع غزل میں مرزا محمد علی طرشی تخلص بہ سلیم شاعر فارسی کی ایجاد ہے
اسکا مقطع ہے۔

سلیم اشب بہ یاد تربت حافظ قدح نوشم

الایا ایسا الساقی اور کا سا و نا و سا

مؤلف کہتا ہے کہ انجمن مولوی غلام علی آزاد نے تذکرہ خزانہ عامرہ میں لکھا ہے کہ ہلالی ج
اُس سے مقدم ہے اور نو سو چھتیس جبری میں مارا گیا ہے اُس نے بھی اس مصرع کو تضمین کیا ہے

ہلالی چون حریف بزم رندان شد جوان مطرب

الایا ایسا الساقی اور کا سا و نا و سا

اسی طرح کمال خجند نے ہلالی سے بھی پیشہ لہذا ہے خسرو دہلوی کے چند مصرعون کو تضمین کیا ہے
یہ ایک مقطع اُس کا ہے۔

بردی دل عاشق کمال از سخن خوب

خوبان عمل فتنہ زد یوان تو یا بسند

تعجب ہے کہ نواب صاحب کا تذکرہ مولانا غلام علی آزاد کے دونوں تذکروں سے قدرے کمی بیشی کے ساتھ لفظاً و معنیاً ماخوذ ہے مگر انھوں نے اس مقام پر کچھ بھی قبیح نہ کی۔
مثال اردو۔

ناسخ

نفس سرور بگردن تو بھی بنو دم خالی

یاد آیا ہے مجھے مصرع گرم اسے ناسخ

مذاق

رونے کی بات ہو کہ ملاقات بھی گئی

اب اُن کے ہنسنے بولنے کی بات بھی گئی

مستون کے ساتھ بزم خرابات بھی گئی

جلسہ ہی رند مشربون کا ہو گیا خراب

شیخی مذاق کس کی رہی اب بقول میر

اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی

امداد علی امداد رامپوری

داغ حسرت کے سوا خاک حاصل ہوا

گر خون سے نہ مل امداد بقول ناسخ

غالب

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقول ناسخ

رند

لگتے ہیں تری سیکل کے تا کر تعویذ

جگر پہ نقش ہو مصرع پہ مصحفی کا رند

ناسخ

تھی تھی قاب صراحی دارگون پیمانہ تھا

جسم گردن کا تری جس بزم میں انسانہ تھا

کیا نہال عمر اپنا سبزہ بیگانہ تھا

ایک فلم شمشیر قاتل نے کیا اس کو قلم

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

قبر ناصر سے بقول درد آئی تھی صد

لمو لقمہ

لیگا چین کیونکر دیکھیے اب خاک کے نیچے

سہ گریہ کنان ہم عمر مجھ افلاک کے نیچے

لگی ہر آنکھ شاید دخت رزے ساقیوں کی
بجھ کر دل مرے دل کو جلاتا تو نہ ہی ظالم
بڑا رہتا ہے جو آنکھوں پر یہ تاک کے نیچے
دہنی ہر آگ یہ تو دودھ خاشاک کے نیچے

منجھے بھی آہ ایڑھی بقول برکت اللہ نان
ملی ہے جلسے مرقد کوزہ گر کے چاک کے نیچے

ولہ

شب کو جو ماہر سے ملاقات ہو گئی
خورشید اس کے رخ کی جھلک سے نجل ہوا
ساری مفارقت کی مکافات ہو گئی
رفیون کا رنگ دیکھ کے شببات ہو گئی
میر می اور اس میری کی عجب بات ہو گئی
بجھانہ کوئی آنکھوں میں بات کو

بجھی کے دل پہ آج تو سودا کی طرح سے
ہوئی جو کچھ بھی قبلہ حاجات ہو گئی

بیان اقتباس

کوئی آیت یا جزو آیت کلام الہی کی یا حدیث لائی جائے تو اس کو اقتباس کہتے ہیں
اور فرق تضمن و اقتباس میں یہی ہے کہ تضمن ہر ایک شاعر کے کلام کو اپنے کلام میں موزون کرنا
کہتے ہیں اور اقتباس صرف کلام ربانی یا حدیث کے موزون کرنے سے عبارت ہے
مثال اس کی۔

انشا

اے عشق جلوہ گر ہے خود تجھ میں ذائق لا
والسا بجات بحا قالسا بقات سبھا

اسنہ ارحیجانا منظور صبح دم ہوٹا
تو شبے برگ کوئی داناشطات نشطا

ولہ

سنا برب کویم یان وہ ہر ایک تیار ہی مبتلا
کہ اگر است بولم تو کہے تو کہدین ابھی مبتلا

کوہ

کما کرے یہ عدد سوزائش غم سے پ
جلا جلا وقتنا رہنا غلاب النار

نصیر الدین حیدر بادشاہ

تبیخ ابرو دیکھ کر آئی ندائے بادشاہ

لانتے الاعلیٰ لاسیت الاذواق الفقار

ادوق

جوش ویدگی سبزہ پہ یاد آئے

آیت اہستہ اللہ سبحانہ

بیان عقد

عقد اُسے کہتے ہیں کہ کوئی آیت یا حدیث اس طرح نظم کی جائے کہ اُس میں تغیر آجائے اور یہ تغیر خواہ بہت زیادہ ہو یا کم ہو لیکن اشارہ اس بات کی طرف کر دیا جائے کہ یہ قرآن و حدیث کا ٹکڑا ہے اور کسی کے قول اور شہل و حکمت شہورہ کو باندھتا بھی اسی قبیل سے ہے اور اس میں تغیر کا ہونا شرط نہیں بغیر تغیر کے بھی اس طرح بیان کرنا درست ہے کہ فلان نے ایسا کہا اور تغیر کے بعد بھی اشارہ کرنا اور نہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں اقتباس کو دخل نہیں اور حق یہ ہے کہ آیت و حدیث کو زبان اُردو میں نظم کیا جائے تو اشارہ کرنا کچھ ضرور نہیں کیونکہ دونوں زبانوں میں فرق ہے البتہ عبارت عربی میں آیت و حدیث کو تغیر کے ساتھ نظم کریں تو اشارہ ہونا چاہیے۔

نشا

احرام میں بیک و سعدیکے دل خوش کرتے ہیں گویہ وان ان سبیل

نا توس صنم سے ہم بھی بان بستے ہیں

سجھانک ما خلقت ہذا باطل

اصل آیت اس طرح ہے ما خلقت ہذا باطلا سجھانک۔

سراج

جی سے بچے وجہ ربیک کی سد اسمرن کو پھر

درد کر من سے خیال من علیہا فان کا

اصل آیت اس طرح ہے کل من علیہا فان دیقہ وجہ ربیک ذوالجلال والا کرام یہ مثال اُس قسم کی ہے جس میں آیت قرآن کو تغیر کے ساتھ نظم کیا ہے۔

حالی

ہے مرد سخن ساز بھی دنیا میں عجب چیز

پاؤ گے کسی فن میں کہیں بسند نہ اُسس کو

موجود سخن گو ہوں جہاں دان ہین طیب آپ

اور جاتے ہین بن آپ طیبوں میں سخن گو

دونوں میں سے کوئی نہ تو آپ ہین سب کچھ

پر ایچ ہین جس وقت کہ موجود ہوں دونو

ان اشعار میں اس مثل مشہور کو تغیر کے ساتھ باندھا ہے کہ پیش ملا طیب و پیش

طیب ملا و پیش ہر دو یکجہ۔

ولہ

وسیلہ ہے اب وہ سراسر ظفر کا

سفر جو کبھی غما نمونہ سقر کا

اس شعر میں اس حکمت مشہور کو تغیر کے ساتھ باندھا ہے السفر وسیلہ الظفر۔

آجبات میں سید انشا کے حالات میں لکھا ہے کہ اس معاملے میں میان بیتاب کا قول

نکھر رکھنے کے قابل ہے کہ سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علیخان

کی حاجت نے ڈبویا۔

بیان حل

یہ ہر کہ کسی کی نظم کو شکر کے استعمال کیا جائے جیسے۔

الانشاء

توریت کی قسم انجیل کی شے

تجملہ قسم زہر کی فرقان کی قسم

اس قول کو غالب نے یوں حل کیا ہے بھائی قرآن کی قسم انجیل کی قسم توریت کی قسم

نبود کی قسم۔

حالی

سرد چسپہ رخ اک عرب نے جلایا

ہر اک قافلہ کا نشان جس سنہ پایا

اس قول کو مولوی ذکا اللہ صاحب نے شوکت سلطنت انگلشیہ کے بیان میں اس طرح حل کیا ہے یہ لڑکا غم غم کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر تھوڑی دور چلا تھا کہ تھک گیا اور گھٹنوں کے بل ہار کر بیٹھ گیا غم غم کے قدموں سے آگے نہ چل سکا مگر اپنے ہاتھوں سے ایک گپت راہ میں ایک مٹی کا دیا ایسا جلا گیا کہ زمانہ جتنا آگے چلتا گیا اور دیے اُس سے روشن ہوتے رہے غرض کہ ایک راہ پھیلون کو بتا گیا اور اُس راہ کا رہنما اور پیشوا ہو گیا کہ بیرون کی سڑکی کرنی پڑی راہ ڈھونڈ سنی نہ پڑی۔

سعدی

شتر بچہ با مادر خویش گفت پس از رفتن آخر زمانے بخت

بگفت ارب بدست منے مہار

تدیدی کسم بارکش دند قطار

اس قول کو مولوی محمد اسماعیل نے اردو کی چوتھی کتاب میں اس طرح حل کیا ہے کہو تر بولا ارے بیوقوف اگر ایسا جیلہ مجھ سے بن پڑتا تو میں اپنی ہی رہائی کی فکر نہ کرتا تیرا حال اُس اونٹنی کے بچے کا سا ہے جس نے سفر کی ماندگی سے اگتا کر کھاتھا اُسے میری پیاری مان نی دیر تو ٹھہر جا کہ ذرا میں زم لیلون مان نے جواب دیا اے میرے بھولے بھائے بچے اگر مہار میرے ہاتھ میں ہے تو بھلا میں یوں سی سی کیوں پڑی پھرتی۔

بیان تصرف

کسی کے کلام میں کچھ الفاظ کو تغیر دے کر اپنی مرضی کے مطابق کر دینے کو تصرف کہتے ہیں جیسے میر کے اس قطع میں۔

میر کو کیوں نہ مفتنم جسامین

اگے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

مرزا غالب نے یوں تصرف کیا ہے۔

کیوں نہ میر کو مفتنم جسامین

دلی دیوان میں ایک بجایا ہے یہ

میر کی جگہ میر کے اگے لوگوں میں اک رہا ہے یہ بجایا دیا ہے۔

وزیر

جانور جو زرے صدقے میں رہا ہوتا ہے
اسے شہ حسن وہ چھٹے ہی رہا ہوتا ہے

چونکہ اکثر صدقے میں کو اچھوڑا کرتے ہیں اسلئے دوق نے یون تصرف کیا ہے۔

نارغ بھی گزرے صدقے میں رہا ہوتا ہے
لے شہ حسن وہ چھٹے ہی رہا ہوتا ہے

آجیات میں اسی طرح لکھا ہے دوق نے اپنے نزدیک اصلاح دی ہے لیکن وہ اہل سنت تھے بادشاہ بھی ان کے ہم مذہب تھے دوسرے کے مذہب سے ناواقف تھے فرقہ امامیہ میں موافق اقوال رسول خدا میں طریقہ منجملہ تعدد طریقوں کے رائج ہیں غالباً جن کے تصبات کے قدیم شیعہ بھی بہت کم واقف تھے (۱) عمل گندم ایک صاع (دو دن سے) عمدہ اور صاف گیہوں بیکر بیمار کو چت لٹاتے ہیں اور اس کے سینے اور شکم پر آہستہ آہستہ گیہوں ڈالے جاتے ہیں اور ادویہ مائثرہ پڑھے جاتے ہیں جب گیہوں ختم ہو جاتے ہیں تو سمیٹ کر مستحقین نماز گزار کو دیئے جاتے ہیں۔ (۲) عمل گو سپند کہ ایک بکرا یا بکری بے عیب جوان عمر کچھ دعائیں پڑھکر بیمار کے گرد بچرا کر شرعی طور سے ذبح کر کے مستحقین کو اس کا گوشت تقسیم ہوتا ہے اور بعض مرتبہ بکرا کر دوئی کے ساتھ کھلایا جاتا ہے یہ عمل زمانہ و بامین بھی کیا جاتا ہے۔ (۳) عمل طائر ایک کبوتر کو سائت گویان آئے کی کھلائی جاتی ہیں پہلے کاغذ کے پرچوں پر آیات شفا لکھی جاتی ہیں پھر اس کبوتر کو بیمار کے سر سے اتار کر چھوڑ دیتے ہیں یہی عمل طائر ہے جس کا اشارہ وزیر نے کیا ہے اس کا خمیرہ یہ طریقہ بھی ہے کہ خفیف خفیف بیماریوں میں کبوتر کو تصدق کر کے چھوڑ دیتے ہیں صوفیائے کرام کے یہاں کو تصدق کرتے ہیں شمعین نحوست زحل کے واسطے سیاہ رنگ کی چیزیں خیرات کراتے ہیں اس میں کوتاہی ہوتا ہے۔

اور مصحفی کی غزل میں جسکا یہ مقطع ہے۔

مخا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس مرگ
مسی اُسے دھری چشمہ تابوت میں نگلی

انشاء اللہ خان نے مرزا سلیمان شکوہ کے اشارے سے تصرف کر کے اٹا ہے چنانچہ
میٹھ لوں بنایا ہے۔

تھا مصحفی کا نا جو چھپانے کو پس مرگ
تھی اُسے دھری شہر یہ تابوت میں کنگلی

چونکہ یہ تصرف نہایت عجیب و غریب ہے اس سبب سے اُن دونوں شاعروں کے باہم
ایک عرصے تک خوب مناقشہ اور معرکہ آرائیاں رہیں اور طریقین سے عجوبہ گوئی اور
مُرسوائی ہوئی۔ فقط

اب یہاں پر قلم نے نارسائی کی اور کاغذ نے کوتاہی ناچار تحریر و تنوید سے ہاتھ
اٹھایا اور قلم جو ایک مدت سے گرم راہروی تھا اُس نے آرام پایا اللہ کا شکر
ہے کہ یہ بوجہ اٹھائے راہ میں کاندھے سے ہڈی گرا اور بخیر و خوبی منزل مقصود
تک پہنچا۔

الحمد للہ اولاً و آخراً و ظاہراً و باطناً و الصلوٰۃ والسلام علی النبی و آلہ متوالیاً و متواتراً
اس کتاب پر نظر سوم تمام ہوئی ۱۹ جولائی ۱۹۲۵ء مطابق ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ
روز شنبہ کو مقام رام پور ملک روہیلکھنڈ میں قریب شام کے۔

خاتمۃ الطبع از جانب کارپردازان مطبع۔

ہزار شکر شمار بارگاہ ناظم مجموعہ کن فکان تازگی بخش گلستان جہان کہ اس
کسا و بازاری علم و فن کے زمانے میں بھی ایسے ایسے صاحب عالم علوم قدیمہ و ماہر
فنون و قیغہ موجود ہیں جو بلا اپنے کسی ذاتی فائدہ کے خیال کے صرف عام فوائد پر نظر
کر کے علمی مشاغل و تصانیف مفیدہ میں شہمک و شغفل رہتے ہیں مجملہ اُن کے ذات
ستودہ صفات جناب عالم اجل فاضل اکمل مولانا مولوی حکیم محمد نجم الغنی خان
صاحب رام پوری ابن مولوی محمد عبد الغنی صاحب اعلیٰ اللہ مقامہ کی ہے جنکے
فیوض نامتناہی سے حضرات برابر فیضیاب ہوتے رہتے ہیں آپ کے قلم فیض رقم
سے اس وقت تک بہت سی کتب عربیہ و فارسی و اردو وغیرہ تصنیف و تالیف ہو کر

شائع ہو چکی ہیں اور پبلک مین خلعت قبولیت پا چکی ہیں چنانچہ فی الحال کتاب
فیض انساب مجموعہ لطافت و منبع بلاغت اعنی بجرا فصاحت جو پہلے ایک
سن ۱۳۳۵ء میں طبع ہو کر شائع ہو چکی تھی دوسرا بارہ سن ۱۳۳۵ء میں بعد نظر ثانی طبع ہوئی تھی ب۔ س بارہ بعد نظر ثانی
وازیاد ضروریات فن مصنف صاحب موصوف کی محنت شاقہ سے تکمیل کو پہونچ کر باخذ
کل حقوق تصنیف بحق مطبع از جانب مصنف صاحب حسب ایمائے عالی جناب
مالک مطبع منشی بشن نرائن صاحب بھارگو مطبع منشی نوککشور دات لکھنؤ میں
باہتمام سیٹھ کیسری داس سپرنٹنڈنٹ بماء اکتوبر سن ۱۳۳۵ء عیسوی مطابق
ماہ ربیع الاول سن ۱۳۳۵ء ہجری چھو کر شائع کی قدادند کریم شرف قبولیت بخشے اور طالبان
فن کو اس سے فیضیاب کرے آمین ثم آمین

تمام شد

نوٹ

صفحہ ۶ کی سطر ۵ میں خلیف کی جگہ حلیف پڑھو۔ اور صفحہ ۱۰
کی سطر ۲۲ کی عبارت غلط ہے۔ اس کا موقع صفحہ ۱۸۱ کی
جو تھی سطر ہے۔ اور صفحہ ۱۸۱ سطر ۱۶ میں معد اللہ غلط ہے
سعد اللہ صحیح ہے۔

